[illegible]

حجاب

[illegible]

[illegible]

منظومات

ہمارا گھر

تاریخ و سیرت

تبصرے

در پردۂ حجاب

ایمانیات

دعوت و تبلیغ

مقالات و مضامین

افسانے اور کہانیاں

طرح کی جاتی ہے۔

خط کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے والدین بظاہر مغربی تہذیب اپنائے ہوئے ہیں لیکن ان کا دل مسلمان ہے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ گھر میں کچھ نہ کچھ روزہ نماز کا شغل رہتا ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ بچہ مسوری کے کانونٹ اسکول میں رہ کر روزہ رکھنا چاہتا ہے۔ بچہ ذہین بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے باپ کو ترکیب بتائی کہ وہ کس طرح روزہ رکھ سکتا ہے۔ اس نے لکھا کہ پاپا! آپ سنیچر اتوار کو مسوری آکر کسی ہوٹل میں ٹھہریں اور اس چھٹی میں آپ کے ساتھ ہوٹل میں رہ کر روزہ رکھ لوں گا۔

بچے کے خط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کانونٹ اسکول میں مسلمان بچوں کو اسلامی باتوں پر عمل کرنے سے سختی کے ساتھ روکا جاتا ہے۔

ہم نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ بچے کے والدین آدھے مشرقی اور آدھے مغربی ہیں۔ شاید میزان کے یہ دونوں پلڑے برابر نہیں ہیں بلکہ ہمارے خیال سے مشرقیت غالب ہے اور انھیں اسلام سے ہمدردی ہے یعنی کعبہ مرے آگے ہے کلیسا میرے پیچھے۔ ان کی تمنا ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایسے اسکول ہونے چاہئیں۔ جو زمانے کے مطابق ایسے طالب علم پیدا کرسکیں جو دین پر بھی چل سکیں اور دنیا سے بھی پوری طرح فائدہ اٹھا سکیں۔

ہم نے جو جائزہ پیش کیا ہے ہم اس کے ہر جزو پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتے لیکن یہ ضرور عرض کریں گے کہ بچے کے والدین کی جو تمنا ہے اس میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ ہر طالب کا باپ اسی طرح سوچتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کا کوئی ادارہ ایسا نہیں جو کانونٹ قسم کے مسلمان سکول

کرنوں کا سفر

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از مسوری

مورخہ ۱۶ بروز بدھ

میرے پیارے پاپا و امی! آپ کیسے ہیں؟ میں یہاں اچھا اور خوش ہوں۔ میرا سلام خاندان کے ہر فرد سے فرما دیں۔

پاپا! میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں لیکن میں کیا کروں۔ یہاں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ ایک ترکیب سمجھ میں آتی ہے کہ آپ مسوری تشریف لائیں اور کسی ہوٹل میں ٹھہریں اور مجھے سنیچر واتوار کو وہاں لے جائیں۔ اس طرح میں روزہ رکھ سکوں گا۔ ممی، حسنہ اور نانا کیسے ہیں؟

اوپر ایک خط آپ نے پڑھا۔ یہ خط نو سال کے ایک لڑکے نے انگریزی میں اپنے پاپا کو لکھا ہے۔ جو مسوری کے ایک کانونٹ اسکول میں پڑھتا ہے۔ اس کے پاپا ساؤلی ڈسٹ بڑودہ میں تمباکو کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ انھوں نے جب بچے کا خط پایا تو مشہور انگریزی اخبار ریڈینس دہلی کے ایڈیٹر صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور پوچھا کہ جس طرز پہ یہ کانونٹ اسکول چلائے جاتے ہیں اس طرز کے اسکول کہیں مسلمان بھی چلا رہے ہیں یا نہیں؟

ریڈینس کے ایڈیٹر نے بچے کا خط میرے پاس بھیج دیا اور فرمایا کہ اس خط کو زیادہ سے زیادہ مسلمان والدین تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ مسلمان جو کانونٹ اسکولوں میں اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں سمجھ لیں کہ مسلمان بچوں کو ان کے دین سے الگ کرنے کی کوشش کس کس

بنگا ہوں کی اولاد بھی۔

ہم اس اعتبار سے بڑ دودھ کے تمباکو کے تاجر سے متفق ہیں کہ مسلمانوں میں "مسلم کانونٹ"
ہونے چاہئیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کانونٹ اسکولوں کو عیسائی حکومتوں اور اداروں کا تعاون
ہے۔ پھر بھی ہمارا اصرار ہے کہ ایسے اسکول ہمارے یہاں ہونے چاہئیں۔ السعی منی والا
من اللہ۔ کوشش ہماری طرف سے ہونا چاہئے۔ کام پورا کرنے والا اللہ ہے۔

بچوں کے ذہنوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے والی کتابیں

• امانت کا بوجھ	-/2	• بدنصیب	1/30
• ایک شعر ایک کہانی	./70	• بھولے بھتیا	./50
• اچھی سچی اور مزیدار باتیں	./50	• بہت خوب	./70
• اسلامی تہذیب و آداب	1/00	• تربیتی کہانیاں چار حصے	2/00
• امرود بادشاہ	./70	• پیشین گوئیاں	1/25
• ہمارا ابن بطوطہ	6/00	• پیارے نبی ایسے تھے	./70
• ابن بطوطہ کا بیٹا	2/50	• جنتی بچہ	./30
• اچھی نظمیں اول دوم	1/00	• دودھ کا پوت	./70
• ایک انسان دو کردار	./50	• دانا حکیم	1/30
• بڑوں کا بچپن	./75	• دانا حکیم کی بیٹی	./60
• بے وقوف کی تلاش	./70	• زبان کا زخم	./50

(مکتبہ حیات رامپور۔ یوپی۔ ۲۴۴۹۰۱)

...ہندو میں لائے۔

مسلمانوں میں جو عربی مدارس اور دارالعلوم چل رہے ہیں ان میں عالم فاضل ہونے کے بعد بھی فارغ علم مولوی صاحبان روانی کے ساتھ عربی نہیں بول سکتے۔ ایسے دارالعلوموں میں جہاں انگریزی ...علیم بھی دی جاتی ہے۔ میری واقفیت میں ہے کہ بعض جگہ فاضل ہونے تک بی۔ اے تک کی ...علیم دی جاتی ہے لیکن یہ بی۔ اے تک کی تعلیم حاصل کر لینے والا انگریزی میں دو سنٹ بھی ...ت نہیں کر پاتا۔

اس کے بعد اپنے حرکات وسکنات سے دین کے تقاضے ادا کرنا تو یہ بھی معلوم ہے مسلمانوں ...میں جو بڑی بڑی درسگاہیں ہیں ان پر کچھ بڑوں کی کردار کی چھاپ ہے دینی اعتبار سے بھی اور سیاسی اعتبار سے بھی۔ اگر ایک درسگاہ کا کوئی مہاپُرش کسی زمانے میں کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ رہا تو آج بھی اس کے نام لیوا آنکھیں بند کر کے اسی سیاسی پارٹی کے پیچھے ہیں چاہے وہ سیاسی پارٹی مسلمانوں کی بدترین دشمن ہی کیوں نہ ثابت ہو چکی ہو۔ اور نظریۂ سیاسی کے اعتبار سے اسلام دشمن گروہ کی طرف دار ہو۔

اسی طرح اگر کسی درسگاہ کے کسی باوا آدم نے کوئی فکر جدید ڈھونڈ نکالی تو اس کے شاگرد اور ان شاگردوں کے شاگرد بے سوچے سمجھے اسی باوا آدم کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ یہ بھی ایک انچ اس لائن سے ہٹنے والے نہیں۔ گویا ان کے امام نے اتمام حجت کر دی۔

آپ گھوم پھر کر سارے کانونٹ اسکولوں کے نظاموں کو دیکھ جائیں۔ وہاں ایک ہی چھاپ اور ایک ہی نظریہ پائیں گے۔ ایک طرز کی تعلیم اور طرز تعلیم پائیں گے۔ ایک طرح کے قواعد وضوابط پائیں گے۔ لیکن عربی درسگاہوں کا جس طرح باوا آدم الگ ہے اسی طرح

(۱) حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ حضرت خضر علیہ السلام سے بیعت تھے انہی سے حضرت نے اللہ کا نام سیکھا۔ پس اس کے بعد ان کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے فارغ ہو گیا۔

(۲) حضرت ابراہیم ادہمؒ بلخ کے بادشاہ تھے۔ ایک دن شکار کو گئے۔ ایک ہرن دکھائی دیا اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا تو ہرن نے مڑ کر کہا۔ اَلِھٰذَا خُلِقْتَ اَوْ بِھٰذَا اُمِرْتَ یعنی کیا تم اسی لئے پیدا کئے گئے ہو یا کیا اسی کام کا تم کو حکم دیا گیا ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت نے توبہ کی اور بادشاہت چھوڑ کر فقیری اختیار کرلی۔

(۳) ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں آواز طنبور کی کان میں آئی تو فوراً رانگ گرم کرکے کانوں میں ڈال لیا اور بہرے ہو گئے۔

(۴) حضرت ابراہیم ادہمؒ بادشاہت چھوڑ کر حج کو چلے تو فرمایا کہ سر کے بل جاؤں گا چنانچہ ہر قدم پر دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے گئے۔ چودہ برس میں مکہ پہنچے تو خانہ کعبہ کو اس کی جگہ نہ پاکر بہت حیران ہوئے۔ غیب سے آواز آئی کہ اے ادہم! ٹھہر جا اور صبر کر۔ خانہ کعبہ ایک بوڑھی عورت کی زیارت کو گیا ہے اور وہ بوڑھی عورت فلاں جنگل میں ہے۔ میں جنگل میں پہنچا۔ وہاں رابعہ بصری کو دیکھا۔ کعبہ ان کے گرد طواف کر رہا تھا۔ میں نے ڈانٹا۔ رابعہ! یہ کیا شور مچا رکھا ہے انہوں نے جواب دیا۔ شور تم نے اٹھا رکھا ہے کہ چودہ برس میں یہاں تک پہنچے۔ پھر غیب سے آواز آئی کہ رابعہ کو خانہ کعبہ کی آرزو تھی۔ خانہ کعبہ ان کے پاس آگیا۔ اور اے ادہم! تم کو صاحب کعبہ کی آرزو تھی تو وہ تم سے محجوب ہو گیا (چھپ گیا) از انیس الارواح ص۳ ملفوظات خواجہ عثمان ہارونیؒ (مرتبہ خواجہ معین الدین چشتیؒ)

تبصرہ

(۱) سب سے پہلے یہ عرض کردوں کہ حضرت علی ہجویریؒ اور خواجہ معین الدین چشتی کا مشن ہندوستان میں تبلیغ اسلام تھا۔ اپنے آپ کو بزرگ و برتر ثابت کرنا نہیں تھا اور نہ رابعہ بصری کے زہد کا ڈھنڈورا

اُلجھنوں کے گرفتار

اوہام شکن نمبر پڑھ کر اللہ کے فضل سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اوہام شکن نمبر سے استفادہ کرنے والے اوہام پراگندگی رکھ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس بہت سے فرضی قصے کتابوں سے نقل کرکے حجابی بہنوں اور بھائیوں نے بھیجے ہیں۔ یہ قصے بہت زیادہ تعداد میں ہمارے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ ہم انشاءاللہ ایک ایک کرکے ان قصوں پر تبصرہ کریں گے۔ آج کی صحبت میں ایسے تین قصے اور ان پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔ (م)

حضرت ابراہیم ادہم رح

جناب مائل خیرآبادی صاحب ایڈیٹر حجاب رامپور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اوہام شکن نمبر شائع کرکے آپ نے ہم کم پڑھے لکھے لوگوں پر بڑا احسان کیا۔ آپ کا اداریہ پڑھ کر ذہن بہت کھلا لیکن الجھن یہ ہے کہ بڑے بڑے اولیاء جن کو آپ بھی مانتے ہیں۔ انھوں نے اس طرح کی باتیں لکھی ہیں تو کیا یہ بھی سب من گھڑت افسانے ہیں۔ براہ کرم ہمیں مطمئن کریں۔ میں حضرت ابراہیم ادہم کے متعلق تین واقعات نقل کرتا ہوں۔ حضرت علی ہجویری رح نے کشف المحجوب میں لکھا ہے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح نے تصدیق کی ہے۔ میں مختصراً پیش کرتا ہوں۔

ت۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابراہیم نے اتنا تقویٰ برتا کہ کانوں میں رانگ گرم کرکے ڈال لیا
للہ کی دی ہوئی ایک نعمت سے اپنے کو محروم کر لیا تو یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس
یث کے خلاف جاتی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ لا
بانیۃ فی الاسلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائی علماء اس جال میں پھنسے
ں نے دین تباہ کر ڈالا۔ ہمارے ملک میں بھی رہبانیت کا رواج ہوا تو یہاں بھی دھرم
ب ہوگیا۔ اور عبادت کی ایک اور ہی شکل ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہرحال ہم صحابہ
رضؓ سے زیادہ مرتبہ تو حضرت ادہمؒ کو نہیں دے سکتے۔ حضرت ادہمؒ اور حضرت علی ہجویری
اجہ معین الدین چشتیؒ کے احترام میں یہ عرض کریں گے کہ ملفوظات شائع کرتے وقت کچھ
گوں نے یہ باتیں شامل کر دیں اور وہ سارے اقوال ان بزرگوں کے واسطے سے اب تک
آتے ہیں اور پیروں کا سہارا بنے ہوئے ہیں۔

● کسی کا حج کے لیے جانا اور ہر قدم پر دوگانہ ادا کرنا اور چودہ برس کی محنت شاقہ برداشت
کے مکہ پہنچنا، یہ بھی شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ ایسی بات نہ حضورؐ سے ثابت ہے اور
حابہ کرامؓ سے۔ یہ سب فرضی باتیں ہیں اور مریدوں نے مشہور کر رکھی ہیں۔ اس طرح
یک قصہ نہیں ہے ہزاروں ہیں اور عوام یہ قصے سن سن کر جھومتے ہیں۔

● نبیوں کے علاوہ کسی کو فرشتہ آواز دے یا غیب سے اس کو آواز آئے۔ یہ بات بھی من گھڑت
، اور ایمان کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم مکہ پہنچے تو کعبہ کو اس کی جگہ نہ پایا۔ پھر کعبہ کا حضرت
بعہؒ کے لیے جانا اور ان کے گرد طواف کرنا اس کو من گھڑت اور عجوبہ ہی کہا جائے گا۔ یہ
ل ویسا ہی ہے جیسے سکھ لوگ کہتے ہیں کہ گرونانک حج کرنے گئے اور کعبے کی طرف پاؤں
رکے لیٹے۔ پھر لوگوں نے جس طرف ان کے پاؤں کر دیے اسی طرف کعبہ چلا گیا۔
حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کو یہ مقام حاصل نہ ہو سکا اور حضرت رابعہ بصریؒ کو یہ مقام

با تھا۔ اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کے لیے ان بزرگوں نے کچھ ریاضتیں کیں۔ ان بزرگوں کے اقوال کے سلسلے میں علم کلام والوں نے وحدت الوجود، وحدت الشہود کی قسم کی بحثیں کیں۔ ان بحثوں کو ہم بیکار سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں اور اصل الجھن پر بات کرتے ہیں۔

● حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں سارے مفسرین اور محدثین اس بات پر ایک رائے ہیں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اس لئے کسی کا ان کا مرید ہونا محض فرضی اور من گھڑت بات ہے اسلامی شریعت اس کی تائید نہیں کرسکتی۔

● ایمان کے بارے میں چھوٹی سی چھوٹی بھی جو بات ہوسکتی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے بڑی تفصیل سے قرآن میں فرمادی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر بات اچھی طرح سمجھادی۔ عبادت کا طریقہ بھی حضورؐ سے اچھی طرح ثابت ہے اور اس میں نہ شک رہ گیا ہے اور نہ کمی۔ پھر جو حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ کا نام حضرت ابراہیم ادہم رح کو سکھایا اس میں وہ کونسی بات تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے اور اللہ کے فرمانے سے رہ گئی اور حضرت خضر کو بتانی پڑی اور اس سے ماسوا اللہ سے دل فارغ ہوگیا۔

دیکھئے "ماسوا اللہ سے دل کا فارغ ہونا" اس فقرے سے مکار پیروں نے یہ مطلب نکال لا کر مشہور کیا ہے کہ تصوف میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ انسان پر شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی لہٰذا ایسے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگئے۔ آپ نے ایسے پیر دیکھے ہوں گے جو اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ اللہ کا نام بس باقی ہوں۔ اللہ کا نام اور اس اور اس طرح لو۔ نماز روزہ کی ضرورت نہیں ہے۔ استغفراللہ۔ صحابہ کرام رضؓ کے لیے تو یہ چیز معاف نہیں اور آج یہ کتنا بڑا فتنہ برپا ہے اسے روکنا چاہیئے۔

● صحابہ کرام رضؓ کا تذکرہ آگیا تو سنئے، ایک بار مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کے کان میں گانے بجانے کی آواز آئی تو کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ یہ تو ہوئی تقویٰ کی

تشریحاتِ مودودی

سول میرج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۱)

تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن غلام مشرک شریف سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ توقع ہے کہ وہ سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے۔

سول میرج کے بارے میں اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ نے ۲۳۷ پر کھل کر جو بات لکھی ہے اس کو سمجھنے لئے ضرورت ہے کہ پہلے مومن کی تعریف اور مشرک کے معنی سمجھ لینا چاہئے۔

کی تعریف | مومن اس شخص کو کہتے ہیں جو اس بات پر ایمان لائے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

حاصل ہوگیا۔ توبہ! توبہ! پروپیگنڈے کی کوئی حد ہے۔

• اس قصے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غیبی آواز سے نوازا گیا اسی طرح ابراہیم ادہم رح کو نوازا گیا۔ اس قصے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رابعہ بصری رح کو غیب کا علم تھا۔ تب ہی تو انھوں نے فرمایا کہ تم چودہ برس میں مکہ پہنچے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رض عمرے کے لیے گئے۔ سرداران مکہ نے روکا۔ حضورؐ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ اس مقام پر صحابہؓ اور حضورؐ کیسے بے چین رہے لیکن کعبہ ان پاک اور بزرگ ہستیوں کے لیے نہ آیا۔ کیا آجکل کے پیر حضرت رابعہ کو نبیؐ اور نبیؐ کے پیاروں سے بھی اونچا مقام دیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس پھر بھی یہ سب اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔

خدارا اوہام شکن نمبر کا مضمون "اوہام" پھر پڑھ لیجیے۔ جتنی بار آپ پڑھیں گے آپ کے ذہن کی الجھنیں دور ہوں گی۔

نوٹ :۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس جو الجھنیں آئی ہیں انشاءاللہ وہ سب ہم سلسلہ وار بیان کریں گے۔ کوئی صاحب جلدی نہ کریں۔ (م)

ازدواج سے اسلام اور کفر و شرک کی ایک ایسی معجون مرکب اس گھر اور اس خاندان میں پرورش پائے گی جس کو غیر مسلم خواہ کتنا ہی پسند کریں مگر اسلام کسی طرح پسند کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جو شخص صحیح معنوں میں مومن ہو، وہ محض اپنے جذبات شہوانی کی تسکین کے لئے کبھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ اس کے گھر اور اس کے خاندان میں کافرانہ و مشرکانہ خیالات اور طور طریقے پرورش پائیں اور وہ خود بھی نادانستہ اپنی زندگی کے کسی پہلو میں کفر و شرک سے متاثر ہو جائے۔ اگر بالفرض ایک فرد مومن کسی فرد مشرک کے عشق میں بھی مبتلا ہو جائے، تب بھی اس کے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے خاندان، اپنی نسل اور خود اپنے دین و اخلاق پر اپنے شخصی جذبات قربان کر دے۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۱۶۹)

اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں " محمدؐ ، اللہ کے رسول ہیں " کے یہ معنی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خدا پر ایمان لانے کو فرمایا ہے ، اس طرح ایمان لائے ۔ اور اللہ کے حکموں پر چلنے کے لئے آپؐ نے جو تعلیم دی ہے اس کو سو فیصد ٹھیک جانے ۔ اس بات کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ کی طرف سے قرآن نازل ہوا اس پر پورا پورا یقین ہو ، اسی کا نام دین اسلام ہے اس کے ماننے والے کو مومن کہتے ہیں ۔

مشرک کے معنی | مشرک اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کو تو مانتا ہو لیکن ، لیکن خدا کی خدائی میں دوسرا شریک اور ساجھی ٹھہراتا ہو ۔ مثلاً یہ کہ فلاں دیوی ، دیوتا یا پیر و پیروہت بھی حاجت روا ہے ۔ حاجت روا کہ ہے ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ۔ مثلاً یہ کہ خدا نے ہر چیز پیدا کی ہے کہ ان چیزوں کے الگ الگ خدا ہیں : سورج کا ایک دیوتا ہے ، چاند اور ستاروں ، سمندروں اور پہاڑوں ، ہوا اور پانی وغیرہ کے الگ الگ ہیں جن کو ان چیزوں پر پورا پورا اختیار ہے ۔ جس طرح چاہیں ان سے کام لیں ۔ یہ سب شرک ہے اور ۔۔۔ کرنے والے کو مشرک کہتے ہیں ۔

مومن کی شادی کا مسئلہ | قرآن کی یہ آیت ۲۲۱ (سورۂ بقرہ) حکم لگاتی ہے کہ مومن مردوں کی شادی مومن عورتوں ہی سے ہو سکتی ہے مشرک عورتوں سے نہیں اور مومن عورتوں کی شادی مومن مردوں ہی سے کرنا چاہئے ۔ مشرک مردوں سے نہیں ۔ اب ملاحظہ ہو کہ مولانا مودودیؒ نے اپنے تشریحی نوٹ ۲۲۱ میں کیا لکھا ہے ؟

مولانا مودودیؒ کا تشریحی نوٹ

عورت اور مرد کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک شہوانی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی ، اخلاقی اور قلبی تعلق ہے ۔ مومن اور مشرک کے درمیان اگر یہ قلبی تعلق ہو تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر اور اس کے خاندان اور آئندہ نسل پر اسلام کے عقائد اور طرز زندگی کا نقش ثبت ہو گا ، وہیں اس امر کا بھی امکان ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے خیالات اور طور طریقوں سے نہ صرف مومن شوہر یا بیوی بلکہ اس کا خاندان اور دونوں کی نسل تک متاثر ہو جائیگی اور غالب امکان اس امر کا ہے کہ اسی

ج نوح ناروی کا یہ شعر کانوں میں گونج رہا ہے: ؎

ایسے ویسے کیسے کیسے ہو گئے کیسے کیسے ایسے ویسے ہو گئے

معجزے کی حقیقت

دراصل بات یہ ہے کہ یہ سارے کام محنت، مشقت، تعلیم و تربیت اور مشق و مزاولت سے کئے سکتے ہیں۔ ہماری سیدھی سادھی زبان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب "کرتب" کی دنیا ہے لیکن معجزہ ہ و فن کا محتاج نہیں۔ معجزہ محنت و مشقت، مشق و مزاولت، طاقت اور قوت کے بل پر نہیں دکھایا جا سکتا خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اُسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک یہ معجزہ عطا ہوا تھا کہ آنجنابؑ کی لاٹھی سانپ بن جاتی تھی۔ یہ لاٹھی کا سانپ بن جانا اللہ کے حکم سے ہوتا تھا نہ کہ حضرت وسیٰؑ کے علم و فن سے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ معجزہ بھی جب اللہ کو منظور ہوا تو سامنے آیا۔ ایک بار رعون کے دربار میں اور دوسری بار جادوگروں کے مقابلے میں۔ یہی لاٹھی عمر بھر حضرت موسیٰ کے پاس ہی پھر کیوں نہیں اس سے یہ کام لیا جا سکا۔ ٹھیک جواب یہ ہے کہ جب اللہ نے حکم دیا تب لوگوں نے دیکھا یہی حال حضرت ابراہیمؑ پر آگ کے سرد ہو جانے کا ہے۔ یہی کیفیت حضرت سلیمانؑ کے ذریعہ ہونے والے معجزوں کی ہے وغیرہ۔ اور یہی نتیجہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کا ہے۔

ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا میں جتنے نبی گزرے ہیں۔ ان کی زندگی کے سارے کام ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس لئے ہم ان مقدس ہستیوں کی ہر بات اور ان کا ہر کام ثبوت میں نہیں پیش کر سکتے۔ ہاں ان میں ایک ذات پاک ایسی ہے جو ہمارے سامنے اس طرح عیاں ہے جیسے اس وقت ہمارے سامنے سورج روشن ہے اور وہ ہے ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ کا بچپن کیسے گزرا؟ آپ جوانی میں کیا کر گئے۔ بڑھاپے میں آپ کا کیا حال تھا۔ آپ کا چلنا پھرنا۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، بات کرنا۔ ہنسنا۔ دکھی ہونا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذات پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک عظیم معجزہ

معجزہ

معجزے کے معنی ہیں عاجز کر دینے والی۔ ہر ایسی بات اور ہر ایسا کام جو ایک شخص سے تو ہو جائے لیکن دوسرے وہ کام نہ کر سکیں۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے بل بوتے پر کرتب سے پوری قوت سے چلنے والے موٹر کو روک لیتا ہے یا ایک بھاری چٹان کو اپنے سینے پر رکھ لیتا ہے۔ یہ کام دوسرے کے بس کا نہیں تو کیا یہ معجزہ ہوگا؟ ایک دوسرا شخص ہے جو اپنے علم و فن، مہارت اور مشق سے ایسا مضمون لکھ جاتا ہے یا ایسا شعر کہہ جاتا ہے کہ دوسرے ادیب و شاعر اور عالم اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے تو کیا یہ اس کا معجزہ ہوگا۔ ایک اور شخص ہے جو اپنے جادو کے ذریعہ ایسے کرتب دکھاتا ہے کہ دوسرے ویسے کرتب نہیں دکھا سکتے تو کیا یہ اس کا معجزہ ہوگا؟ ایک حساب دان ہے وہ چٹکی بجاتے ایسے ایسے سوال حل کر دیتا ہے جو دوسرے سے حل نہیں ہوتے۔ ایک سائنسدان ایسی ایجاد کر جاتا ہے کہ بڑے بڑے منھ دیکھتے رہ جاتے ہیں تو کیا یہ اور اسی طرح کے دوسرے کام معجزہ کہلائے جائیں گے؟

جواب یہ ہے کہ اس طرح کے کام معجزہ نہیں کہلاتے۔ ہم دیکھتے ہیں سائنس میں ترقی ہو رہی ہے آئے دن ایک سے دوسرا بڑھ جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حیران کر دینے والے کرتب دن پہ دن تماشا کر رہے ہیں۔ یہی حال عالموں، ادیبوں اور شاعروں کا ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے سائنسداں، واعظ والے، قلم کے دھنی، بڑے بڑے پہلوان اپنے پیچھے کے ہم پیشہ لوگوں کو مات دے گئے۔ ایک چھوٹی مثال لیجئے، میں جب پڑھتا تھا تو سہل ممتنع اشعار کے سلسلے میں مرزا غالب کی دھوم تھی۔ لیکن

وحی کی جاتی ہے"

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور وحی کے ناتے رسول۔ بشر ہونے کے ناتے آپ انہی اجزائے ترکیبی (مٹی، پانی، آگ، ہوا) سے بنائے گئے جن سے سارے انسان بنے۔ آپ کھاتے پیتے تھے۔ سوتے جاگتے تھے۔ تھکتے اور آرام کرتے تھے۔ بیمار بھی ہوتے تھے۔ آپ کو دکھ محسوس ہوتا تھا اس طرح کی ساری باتیں تمام انسانوں کی طرح تھیں لیکن رسول ہونے کی حیثیت سے اللہ کی طرف سے جو کمالات آپ کو ملے ان میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں۔ ہمسری میں نے رواداری میں لکھ دیا، سارے انسان آپ کے لئے ہیں۔ آپ کا سوچ بچار سب سے اعلیٰ، آپ کی سوجھ بوجھ سب سے بلند، آپ کا چال چلن بے داغ، آپ اخلاق و عادات میں کامل و اکمل۔ پاپوں سے پاک۔ پوری کی پوری ذات محمدؐ معصوم۔

رسول کی ایک اور ذمہ داری ہے اس پر جو وحی آتی ہے۔ اسی وحی کے مطابق رسول اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ بس یہیں سے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ خاص خاص باتیں عرض کرتے ہیں۔ ان سے ثابت ہو جائے گا کہ حضورؐ کی ذات پاک خود سب سے بڑا معجزہ ہے۔

(1) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضہ کو حکم دیا کہ ہر بات میں میری پیروی کرو۔ میں غصے میں بھی حق بات کہتا ہوں۔ اور یہ اجازت بھی دیدی کہ میری زندگی کی ہر بات کا علم حاصل کریں۔ گھر سے لے کر بازار تک کی باتیں۔ بازار سے لے کر میدان کارزار تک کی باتیں جانیں۔ نوٹ کریں۔ دوسروں کو بتائیں۔ خوب پھیلائیں۔ آپؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ تم بھی میری ہر بات کھول کھول کر سب کو سنا دو۔ حضورؐ کے حکم سے صحابہؓ اور صحابیات نے (اللہ ان سب سے راضی ہو) آپؐ کی ذات کی ایک ایک بات کی کھوج لگائی۔

ایک کتاب ہے اسماء الرجال۔ یعنی وہ کتاب جس میں ایسے لوگوں کے نام لکھے ہیں جنھوں نے حضورؐ کی باتیں دوسروں تک پھیلائیں۔ ایسے پانچ لاکھ آدمیوں کے نام اس کتاب میں ملتے ہیں جس نے جیسے آپؐ کو دیکھا۔ جو کچھ آپؐ سے سنا۔ دوسروں تک پہنچایا۔

آپ کے گھر کے اندر کے حالات۔ باہر کے معاملات وغیرہ کونسی بات ہے جو ہم نہیں جانتے۔ ہم تو یہ تک جانتے ہیں کہ آپ جب ہنستے تھے تو ہونٹ اتنا کھلتے تھے کہ اوپر کے چھ اور نیچے کے چھ دانت نظر آتے تھے۔ بس۔

کیا عرض کروں مضمون "حجاب" کے لیے لکھ رہا ہوں۔ "حجاب" مردوں عورتوں کے علاوہ نوجوان لڑکوں اور کنواری بچیوں کے مطالعہ میں بھی آتا ہے ورنہ حضورؐ کے اندرون خانہ کی وہ باتیں بیان کرتا کہ ایسی باتیں دنیا کے کسی عظیم شخص کے بارے میں جان بوجھ کر بیان نہیں کی گئی ہیں۔ صرف ایک جملہ لکھتا ہوں۔ اس سے سمجھ لیا جائے گا کہ حضورؐ کی کوئی بات ہم سے چھپی نہیں ہے۔ وہ جملہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ جب حضورؐ کی پوشیدہ باتیں اپنے شاگردوں کے سامنے بیان فرماتی تھیں تو اپنے بیان سے پہلے یہ جملہ ضرور کہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ (ہماری تربیت کے لیے) ایسی باتوں سے نہیں شرماتا۔ یہی حال حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات رضؓ کا تھا۔

اس محتاط گذارش کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ ذات محمدؐ پوری کی پوری ایک عظیم معجزہ ہے۔

ذات محمدؐ کھلی کتاب

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ اپنے بارے میں بشر ہونے، اللہ کا بندہ ہونے اور اللہ کا رسول ہونے کا اعلان صاف صاف کر دیں۔ حضورؐ نے اپنے گھر میں، اپنے شہر میں۔ اپنے دوستوں میں، اپنے دشمنوں میں۔ ایک جگہ نہیں جگہ جگہ۔ ایک آدمی کے سامنے نہیں، سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں کے مجمعوں میں پکار پکار کر کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔

بندہ ہونے پر ہی بس نہیں کیا۔ بندہ تو فرشتہ بھی ہے۔ بندہ جن بھی ہے۔ سبھی بندے ہیں حکم ہوا کہ اپنے بندے ہونے کی نوعیت بھی بتاؤ۔

"قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحىٰ اِلَيَّ"

اے نبی! (صاف صاف) کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف

ر باہر کچھ۔ تھے وہ کچھ لیکن نظر آتے ہیں کچھ۔ چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند۔ جھوٹے ہیں ان باتوں
میرا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ہر بڑے انسان کی بڑائی کو ناپنے کے لیے آپ ایک ہی پیمانہ کام میں
سکتے ہیں اور اسی ناپ سے اس کی بڑائی کو نا سکتے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری قدروں
کے پیمانوں سے ناپا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں ان ناموروں کے مقابلے میں حضور کو
پیش کر رہا ہوں۔ ان ناموروں کے مقابلے میں حضورؐ کو لانا اللہ کے آخری نبیؐ کی شان کے خلاف
سمجھتا ہوں۔ آپؐ کا مقابلہ صرف رسولوں سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ بڑے دلچسپی کی بات ہے کہ خود
لوگوں نے نبیوں کی تعلیم کو بھلا دیا اور اب ہمارے سامنے نبیوں کے جو قصے آتے ہیں۔ ان میں ان کی
کا نصیحتیں ہی ملتی ہیں۔ جب کہ سارے انبیاءؑ ہمہ صفت موصوف تھے مگر یہ بات تو قطعی ہے کہ سب
نبی اپنی قوم کے لیے نبی بنائے گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ساری دنیا کے لیے نبی اور رسول بنا کر بھیجا تھا۔ کیا یہ بات نبیوں میں آپ کے مقام کو بلند کرنے والی
نہیں ہے؟ اور کیا یہ آپ کی کسی کوشش کا نتیجہ تھا؟ نہیں محض اللہ کا خصوصی فضل و کرم۔

آپ امی تھے۔ آپؐ نے کسی یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ آپ نے ایسے سماج میں آنکھیں
کھولی تھیں جو نام و نمود کا بھوکا تھا۔ ظلم و ستم ڈھانے کا عادی۔ کمزوروں کو دبانے والا۔ عورتوں کا
دیدہ۔ دولت کا حریص، کثرت اولاد پر مغرور۔ پکا بت پرست اور مشرک۔ دشمن کو کبھی معاف نہ
کرنے والا۔ وہموں اور رسموں کی دلدل میں پھنسا ہوا۔ شرابی۔ جواری۔ جھوٹی شہرت کا دلدادہ۔

ایسے سماج سے آپ اٹھے۔ بچپن میں کسی ساتھی لڑکے نے بتایا۔ بار راتوں میں یہ سردار
لوگ خوب رنگ تماشے کرتے اور دیکھتے ہیں۔ کبھی تم بھی دیکھو شل مشہور ہے۔ سو بھونکوں میں
جل اٹھتا ہے۔ ایک بار ارمان پیدا ہوا۔ چلے۔ راستے میں پھوپی کا مکان پڑا۔ پھوپی نے گھر
بلا لیا۔ آپؐ وہیں سو گئے۔ ایک بار اور چلے تو راستے میں کہیں بیٹھ گئے۔ نیند کا غلبہ ہو
گیا۔ اس بیہودہ منظر کو دیکھنے سے بچا لیے گئے۔ جی ہاں اللہ نے بچا لیا۔

ہے کوئی جس نے اپنے بارے میں یہ اعلان کیا ہو۔ اور ہے کوئی جو لاکھوں آدمیوں سے کہے کہ آؤ میں تمہارا نشانہ بنتا ہوں۔ مجھ کو پرکھو۔ جو کچھ دیکھو، جو کچھ سنو، ہر ڈھلی کھلی سب کو بتادو۔

بڑے بڑے لوگوں کی تاریخوں کی کتابیں کھلی پڑی ہیں۔ ان میں کوئی ایک ایسا دل گردے والا یا ہمت آدمی نکال کر دکھایئے جس نے ایسی جرأت دکھائی ہو اور کہا ہو کہ آؤ، دیکھو، یہ ہے میری زندگی۔ جی بھر کے مجھ پر تنقید کرو۔ میرا کھرا تو کھرا، کھوٹ دیکھو تو وہ بھی علی الاعلان کہدو۔

فرمایئے۔ کیا حضورؐ نے اپنے بل پر بشری تقاضوں کو سامنے رکھ کر یہ اعلان کرنے کی ہمت کی تھی۔ نہیں، صرف وحی کے بل پر۔ اللہ ہر لمحہ آپؐ کا نگراں رہا۔ آپ کی ہر بات پر اللہ کی نظر رہتی تھی۔ وہ اللہ ہے جس نے آپؐ کو ہر کھلے اور چھپے پاپ سے بچایا۔ یہ ہے حضورؐ کا پہلا اور عظیم اور بے مثل معجزہ۔

(۲) دنیا میں کسی شخص کی بڑائی اس کے علم، اس کی اچھی عادتوں، اس کے چال چلن، اس کے کارناموں اور اچھے معاملات کی وجہ سے تسلیم کی جاتی ہے۔ کسی نے ایک قصیدہ کہا۔ شاعروں نے اُسے جانچا اور فیصلہ کر دیا کہ بے مثل ہے اور اسے یہ مقام دیا کہ خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ کسی نے کوئی یادگار تقریر کر ڈالی اور وہ لاجواب قرار پائی۔ کسی نے حیرت انگیز طور پر فتوحات حاصل کیں اور تاریخ میں بڑا مقام حاصل کیا۔ کوئی باپ کی فرماں برداری میں لاثانی تسلیم کیا گیا۔ کسی نے زہد و عبادت میں وہ محنت و مشقت کی کہ دنیا حیران رہ گئی۔ کوئی انصاف کرنے میں مشہور ہوا تو کوئی فیاضی میں حاتم ہو گیا۔ امراء القیس، جون آف آرک، نپولین بوناپارٹ، چنگیز خاں، سکندر اعظم، نوشیرواں، اور بہت سے رشیوں، منیوں، پیروں اور پادریوں کے نام اس زمرے میں گنائے جا سکتے ہیں لیکن ان سب کی زندگیوں کا دوسرا رُخ کیا تھا؟ اگر میں یہ رُخ آپ کے سامنے لاؤں تو آپ کو گھن پیدا ہو جائے گی۔ کون نہیں جانتا کہ فرانس کا بوناپارٹ، ترکستان کا خان اعظم، مقدونیہ کا سکندر اعظم، ہر ایک عورت کے معاملے میں کتنا کمزور، بودا اور گھناؤنا تھا۔ میں گذرے ہوئے لوگوں کی کھال اُدھیڑنا پسند نہیں کرتا۔ ورنہ بڑے بڑے ہمالہ پہاڑوں کو جانتا ہوں۔ اندر

تا۔ حضورؐ نے حضرت زینبؓ کی شادی حضرت زیدرضہ سے کردی۔اس پر منافق عورتوں نے یہ کہہ کر حضرت زینبؓ کی دل میں آگ لگادی۔ اسے یہ کیسی شریف زادی کو غلام کے نکاح میں دے دیا۔حضرت زینبؓ کہ صحابیہ سہی لیکن بشری کمزوری غالب آگئی۔ اور پھر گھریلو زندگی تلخ ہونا شروع ہوگئی۔ یہاں تک حضرت زیدرضہ طلاق دینے پرآمادہ ہوگئے۔حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے زیدرضہ کو طلاق دینے روکا۔سورہ احزاب میں اس طلاق کا ذکر ہے۔ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (آیت۳) اے زید! اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔ لیکن نفرت دونوں طرف زیادہ ہوتی جارہی تھی۔ پیمانہ صبر لبریز ہوکر چھلک ہی گیا۔حضرت زیدرضہ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی۔

اس بات سے آپؐ کو بے حد رنج پہنچا۔ لیکن یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔عرب میں عام طور پر طلاق ہوا ہی کرتی تھی۔ آگے جو کچھ ہوا حضورؐ کو برداشت کرنا۔ دراصل وہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لے پالک کی رسم شرعاً ختم فرمادی۔ اور حکم دیا کہ اے نبی! تم خود اپنی ذات سے اس رسم کو توڑ دو یعنی حضرت زینبؓ سے نکاح کرلو۔

اس وقت عرب لے پالک کو اپنے اصل بیٹے کی طرح مانتے تھے۔ لے پالک کی بیوی ان کی اصل بہو مانی جاتی تھی۔ اس سے نکاح نہیں کرتے تھے۔حضورؐ کو حکم ہوا کہ تم خود اپنی ذات سے واضح کردو کہ لے پالک کی بیوی (مطلقہ) طلاق کے بعد لے پالک بنانے والے شخص کے لیے حلال ہے۔ جسی کے اقدام سے اس مضبوط جڑوں والی رسم پر کاری ضرب لگ سکتی تھی۔ اور لوگوں کے دلوں سے کراہیت دور ہوسکتی تھی۔ حضورؐ بڑی کشمکش میں پھنس گئے۔ ایک طرف اللہ کا حکم دوسری طرف یہ اندیشہ کہ لوگ آپ کے خلاف کیسی کیسی باتیں بنائیں گے۔اس وقت کا سماج آپؐ کے خلاف بدگمانی کرے گا کہ بہو سے شادی کرلی! یہ وہ غیر معمولی الجھن تھی کہ کسی بندہ بشر کے بس کی نہ تھی۔ لیکن آپؐ نے اللہ کے حکم پر عمل کیا۔ اور وہ سب ہوا جو اس کے بعد منافقین نے افواہ اڑائی قرآن [illegible] تفصیل سے آیا ہے اس کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ

پیارے کو لوگ کہا کرتے تھے " ہم نہیں جانتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُسامہ رضؓ کو زیادہ چاہتے ہیں یا حسن رضؓ کو.
انہی اُسامہ رضؓ کو سب سے آخر میں سفارشی بنا کر بھیجا گیا۔ خیال تھا کہ اب حضورؐ نرم پڑ جائیں گے لیکن اس
محبوب کی سفارش بھی رد کر دی گئی۔ لوگوں نے پوچھا " کیا جواب ملا " جواب سنئے :۔

" خدا کی قسم، اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا "

میرا تجزیہ سنئے :۔ اس فیصلے کو سنکر اگر بنی مخزوم اکھڑ جاتے۔ بہادران بنی مخزوم بگڑ جاتے۔ حضرت
خالد بن ولید اکڑ جاتے۔ اور سارے کے سارے حضورؐ سے لڑ جاتے تو کیا ہوتا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی جو تربیت فرمائی تھی یہ اس کا اثر و نتیجہ تھا کہ خالد بن ولید رضؓ
اور سارے بہادران بنی مخزوم نے سر تسلیم خم کر دیا اور اسی فیصلے کو دل سے قبول کر لیا۔ میں کہتا ہوں کہ حضورؐ
کا اس نازک موقع پر اس فیصلے پر اٹل رہنا معجزہ نہیں۔ لیکن بنی مخزوم نے ایسے صدق دل سے قبول کر لیا کہ
کبھی کسی نے نہ اس کی شکایت کی اور نہ دل میں اپنے نبی سے کدورت رکھی۔ حضورؐ کا فیصلہ تو سارے نوشیروانو
کو عاجز کر دینے والا ہے ہی لیکن ایسے اطاعت گذار کسے نصیب ہوئے۔

(۴) اس ضمن میں حضرت زینبؓ سے آپؐ کا نکاح کا واقعہ ایسا ہے کہ اگر تائیدِ الٰہی آپؐ کے ساتھ
نہ ہوتی تو کسی طرح اس سے عہدہ برآنہ ہو سکتے تھے۔ اس نکاح کے سلسلے میں آپؐ نے جس طرح نرم
گرم برداشت کیا وہ ایک معجزہ ہی تھا۔ ورنہ کسی انسان کے بس کا نہ تھا۔ واقعہ یوں ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضورؐ کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ
(اللہ کے نزدیک شریف وہ جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے) آیت کے مطابق حضورؐ
شریف، رذیل، عربی عجمی۔ رنگ و نسل کے فرق کو ختم کرنا چاہتے تھے اور نمونہ خود اپنے خاندان سے
دینا چاہتے تھے۔ آپؐ نے حضرت زینب کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضؓ سے کر دی۔ حضرت زید حضورؐ
کے غلام رہ چکے تھے۔ بعد میں آپؐ نے ان کو متبنیٰ (لے پالک) بنا لیا تھا۔

غلام کی حیثیت اس زمانے میں جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ انتہائی رذیل طبقہ یہی کہلایا جاتا

ایسے نازک وقت پر غصے پر قابو پالیا جسے معجزے کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مضمون لمبا ہوتا جارہا ہے اس لیے میں اس کی صرف دو مثالیں پیش کروں گا۔

● حضرت حمزہ رضہ کا جو مقام اسلامی تاریخ میں ہے وہ کسی سے چھپا نہیں ہے۔ حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا، دودھ شریک بھائی اور تحریک اسلامی کے عظیم جانباز سپاہی تھے۔ مکے میں جب حضورؐ بے بسی کے عالم میں ستائے جاتے تھے اس وقت بھی کسی قریشی سردار کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت حمزہؓ کے سامنے حضورؐ کی شان میں گستاخی [illegible] تا۔ ابوجہل نے ایک بار گستاخی کی، امیر جانباز کو معلوم ہوا تو کعبے کے اندر جاکر اس کا سر پھاڑ دیا۔ اس کے حالی موالی بڑھے تو ابوجہل نے روک دیا۔ واضح رہے کہ اس وقت امیر حمزہؓ اکیلے تھے اور ابوجہل کا پورا جتھا موجود تھا۔

حضورؐ نے جس مہم پر چچا کو بھیجا، وہ کامیاب لوٹے۔ بدر کی لڑائی میں سرداران قریش کے سب سے بڑے بہادر اور مغرور عتبہ کو جس وقت قتل کیا اس وقت وہ دُہری زرہ پہنے ہوا تھا۔ امیر حمزہؓ نے تلوار ماری تلوار اس کے کندھے پر پڑی۔ جھٹکا دیا تو دونوں زرہوں کو کاٹتی ہوئی سینے میں اتر گئی۔

اس قوت اور بہادری کے علاوہ نہایت فیاض اور بھتیجے کے عاشق تھے۔ انہی امیر حمزہؓ کو حضرت وحشی نے جنگ احد میں ایک چٹان کی آڑ لے کر دھوکے سے شہید کر ڈالا۔ (اس وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) بعد میں حضرت وحشی مسلمان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں آئے تو آپؐ کو جانباز اور پیارے چچا یاد آگئے۔ آپؐ نے پوچھا وحشی! تم نے کس طرح اس بہادر کو قتل کیا۔ حضرت وحشی بڑے [illegible] و بلیغ شخص تھے انھوں نے تفصیل سے سارا حال عرض کیا۔ یہ تفصیل حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضورؐ سنکر دم بخود رہ گئے۔ دل تھام لیا اور حضرت وحشی رضہ کو معاف کردیا۔ اور سنئے فرمایا [illegible] ایسا کرنا [illegible] اشارہ اس بات کا تھا [illegible] ایسا نہ ہو، تم کو [illegible]

اس مرحلے سے معجزانہ طور پر ہی عہدہ برآ ہوئے۔

۵ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی قوتیں پیدا فرمائی ہیں ان میں سے ایک بڑی قوت غصہ ہے۔ غصہ انسان کے اندر اس وقت ابھرتا ہے جب انسان کے نفس پر چوٹ پڑتی ہے۔ یہ قوت عزت و آبرو کے برباد ہونے اور کسی عزیز کی جان تلف ہونے پر ناقابل برداشت تیزی کے ساتھ اُبھرتی ہے۔ انسان اس وقت پاگل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی غضبناک آدمی کو سمجھائے تو اس کا سمجھنا الگ رہا الٹے لڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ کیا تجربہ ہے آپ کا۔ آپ کو کبھی ایسی نصیحت کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ ہاں اسے مجبور کر دیا جاتا ہے تو بات دوسری ہے۔ ذرا اس وقت کا تصور کیجیے کہ ایسے غضبناک آدمی کے سامنے وہ شخص لایا جائے جس نے اس کی عزت پر ڈاکہ ڈالا ہو یا اس کے کسی عزیز کا قاتل ہو اس وقت وہ اپنے غصے کو کس طرح ٹھنڈا کرے گا۔

اس قوت کو دبانے یا زیر کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بڑی ایک اور قوت کی تربیت کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور وہ ہے اخلاقی قوت۔ صبر کی طاقت۔ آپؐ نے بڑے بلیغ انداز میں صحابہ کرام رضؓ کے درمیان فرمایا۔

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ وَلٰكِنَّ الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ ٥

بہادر وہ شخص نہیں ہے جو پہلوانی کے فن کا ماہر ہو بلکہ بہادر وہ شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر قابو پالے۔

اس حدیث کو شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے:

قابو میں جس کے ہاتھ ہے بس میں زبان ہے
غصے کو جو پی گیا ... وہ پہلوان ہے

[illegible]

بھی ہیں اور بزرگ بھائی کے بیٹے بھی:

فرمایئے، انصاف کا قلم آپ کے ہاتھ میں دیا جاتا تو آپ اس مقدمے کا فیصلہ کن لفظوں میں لکھتے

انصاف کہتا ہے کہ سب کو قتل کر دیا جائے لیکن کیا یہ انصاف سے بڑھ کر معجزانہ شان نہیں ہے۔

فرمایا "اِذْهَبُوا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" جاؤ تم سب آزاد ہو۔

حضورؐ نے تو یہ فرمایا کہ بہادر اور پہلوان وہ ہے جو غصے کو پچھاڑ دے لیکن سوچئے کہ اس موقع پر آپ سے جو معجزہ صادر ہوا اس کے لیے کتنوں پہلوانوں کی طاقت درکار ہے اور یہ اللہ کی طرف سے ہوا۔ اس لیے ہم اسے معجزہ کہتے ہیں۔ بندہ بشر میں اتنی طاقت کہاں؟

اس وقت قلم کہتا ہے کہ لکھے جاؤ مگر مجھے کتاب نہیں لکھنا ہے۔ حجاب کے لیے مضمون لکھنا ہے۔ اس لیے میں بھی قلم کی جولانی کو روکتا ہوں۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے زیادہ مثالیں پیش نہیں کر سکوں گا۔ ایک ایسی مثال ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو عام ہے اور لوگ اس سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں میں نے بھی کبھی زیادہ غور نہیں کیا لیکن آج جب معجزے لکھنے بیٹھا تو وہی مثال عجوبۂ روزگار محسوس ہوئی۔

واقعہ یوں ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ بیسیوں بار پڑھا اور سنا ہوگا کہ جب آپ نے مکے سے مدینے کو ہجرت فرمائی تو مکے والوں کی امانتیں لوٹانے کی غرض سے حضرت علی رضؓ کو اپنی جگہ چھوڑ گئے تھے۔

ذرا ٹھہر کر سوچیے۔ یہ امانتوں کا قصہ دراصل تھا کیا؟ سنئے:۔

- امانتیں آپ کا فر دشمنوں کو لوٹا رہے تھے مسلمانوں کو نہیں۔
- وہ کافر دشمن رات دن آپ کی جان کو آتے رہتے تھے۔ قتل کر ڈالنے پر تلے تھے لیکن جب اپنا پیسہ محفوظ کرنے کی تدبیر سوچتے تو امین و صادقؐ کی خدمت میں جاتے کہ یہ رقم بطور امانت رکھ لیجئے!

سچ کہئے، آپ نے ایسا عجیب و غریب اور انوکھا نرالا منظر کہیں دیکھا ہے۔ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ دشمن اعتماد کرتا ہے تو آپ کا۔ مکے میں دوسرا دوست، رشتہ دار اسے اس کام کے لیے نہیں ملتا۔ کیا دنیا یہ معجزہ پیش کرنے سے عاجز نہیں ہے۔ کوئی ایک مثال بھی تو نہیں ملتی۔

ورنہ تم برباد ہو جاؤ۔

حضرت وحشی رضؓ کے ساتھ حضرت ہندہ رئیس ابن رئیس ابو سفیان کی بیوی۔ رئیس اعظم عتبہ کی بیٹی ہندہ نے حضرت حمزہ رضؓ کی لاش کے ساتھ وہ کچھ کیا جو کسی انسان تو انسان کوئی بھیڑیا اور چیتا بھی نہ کرے۔ حضرت ہندہ جنگ اُحد کے وقت کافرہ ہی تھیں انہی نے حضرت وحشی کو انعام واکرام کے لال میں پھانسا تھا کہ حمزہ رضؓ کو قتل کر دو۔ معلوم ہوا کہ حمزہ مارے گئے تو لاش کے پاس پہنچیں اور سیدالشہداء کا سینہ چاک کیا۔ دل نکال کر چبا ڈالا۔ مگر نگلا نہ گیا۔ یہی سفاک ہندہ فتح مکہ میں مسلمان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں آئیں تو رحمتِ عالم ؐ نے ان کا اسلام بھی قبول فرما لیا۔ اور انھیں بھی معاف کر دیا۔

آج تک تاریخ عالم لکھنے والے دنگ ہیں کہ یہ شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کس دل گردے کا انسان تھا کہ وحشی اور ہندہ دونوں کو معاف کر دیا۔ مؤرخین حیران ہوں تو ہوں لیکن ہم مسلمانوں کو کوئی حیرت نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے آخری رسولؐ کی ذات سے یہ معجزے دکھا رہا تھا۔

واضح رہے کہ یہ معجزہ صرف وحشی اور ہندہ ہی پر ختم نہیں ہوتا ہے۔ وہ سرداران قریش جنھوں نے حضورؐ کو ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ جان لینے پر تُل گئے تھے۔ آپؐ کا خوفناک بائیکاٹ کیا تھا۔ ایک دو دن نہیں پورے تین سال شعب ابی طالب میں محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر سب سر نیچا کئے کھڑے تھے ان میں قاتل بھی تھے۔ بدترین ستانے والے بھی تھے۔ حضورؐ کو گزرا ہوا زمانہ یاد تھا مگر واقعی حیرت کرنے والوں کی حیرت بجا ہے حضورؐ نے ان سے پوچھا "مَاذَا تَرَوْنَ اِنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ" کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟

سننے والے سب جانتے تھے کہ کیا سلوک ہونا چاہئے کچھ سنجیدہ اور بوڑھے خطاکار جو آپ کی کریم النفسی سے واقف تھے انھوں نے عرض کیا "اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ" آپ مہربان بھائی

ت بھی کھری کھٹیا پر سویا کرتے ہیں۔ اس حالت میں دیکھ کر بڑے بڑے متقی صحابہ رو دیے حضرت عمرؓ نے ایک بار عرض کیا۔ یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو یوں آرام سے زندگی بسر کریں اور آپ یوں کہ کھری ٹیا کے نشان آپ کے جسم مبارک پر ہیں۔

اور کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ جب چاروں طرف سے مال غنیمت آتا تو حضورؐ سب کو خوب دیتے ہدن گھر محروم رہتا۔ ایک بار حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو مجبور کیا کہ ایک لونڈی والد محترم سے نگ لیں۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو تسبیح فاطمہ کا وظیفہ بتا دیا کہ تمہارے لیے یہ کافی ہے۔

اور کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کا کمانڈر ان چیف صفیں درست کر رہا ہے۔ ایک ڈی سے اشارہ کر رہا ہے۔ تم پیچھے ہٹو، تم آگے بڑھو۔ اچانک لکڑی حضرت سوادؓ کے لگ گئی۔ ھوں نے بدلہ لینے کا مطالبہ کر دیا۔ اور کمانڈر ان چیف نے بدن کھول دیا اور لکڑی تھما دی کہ دلہ لے لو۔

اور کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ ہوازن کی لڑائی میں ہوازن کے تیر اندازوں نے اس زور کے ساتھ روں کی بارش کی کہ لشکر اسلام تتر بتر ہو کر پیچھے ہٹا لیکن مسلمانوں کا قائد لشکر بار بار اپنے رہوار کو یڑ لگا کر آگے ہی بڑھا رہا تھا حضرت عباسؓ لگام تھامے تھے۔ ان سے کہا "خدا کی قسم یں اللہ کا رسول ہوں۔ مسلمانوں کو پکارو۔ حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو پکارا۔ کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ اللہ کے رسول یہ ہیں۔ پس مسلمان پلٹ پڑے اور ہوازن کو روند کر رکھ دیا۔

اور کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ حضورؐ کی زوجیت میں اس وقت جب کہ آپ عرب کے بلاشرکت یرے سربراہ مملکت تھے۔ آپ کی ازواج غریبوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک بار سب نے چھ مانگ کی تو صاف ٹکا سا جواب ملا۔ ان گھروں، گھروں نہیں حجروں میں مہینوں چراغ نہیں لتا تھا۔ مہینوں چولہے سے دھواں اٹھتے نہ دیکھا گیا۔ کھجوروں اور پانی پر گزارا کیا۔ سب سے زیادہ یاری بیوی کا حجرہ اتنا تھا کہ حضرت عائشہؓ لیٹی ہوتیں تو حضورؐ کو نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ملتی۔

ہم نے بڑی بڑی گھمسان کی لڑائیوں میں بھی ذاتِ رسولؐ کو معجزہ ہی معجزہ پایا۔ خونریز جنگوں میں آپ کی پامردی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بہادر مسلمان آپ کا سہارا ڈھونڈا کرتے تھے۔

جب آپ مکے سے مدینے کو ہجرت فرما رہے تھے۔ ایک بہادر سردار دو سو سرخ اونٹوں کے انعام کے لالچ میں آپ کے پیچھے لگا۔ سراغ پالیا۔ آپ اونٹ پر آگے بیٹھے تھے اور حضرت ابوبکرؓ پیچھے۔ حضرت صدیقؓ نے اس کو دیکھا، گھبرا کر بولے "سراقہ آگیا" مگر جس سے وہ کہہ رہے تھے اس ذات گرامی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

انہی حضرت صدیقؓ نے غار ثور میں حضورؐ سے فرمایا کہ دشمن ڈھونڈتے ہوئے غار کے دہانے پر آگئے۔ فرمایا لاتحزن ان اللہ مَعَنَا۔ صدیق! غم نہ کرو ہمارے ساتھ اللہ ہے۔

جنگ بدر میں ایک طرف ۳۱۳ نہتے مسلمان دوسری طرف ۱۲ سو مسلح اور جری بہادروں پر مشتمل لشکر جرار۔ جس میں ایک ایک بہادر سو سو اور ہزار ہزار کے برابر مانا جاتا تھا۔

یہ حالت دیکھ کر خود حضورؐ بہت متاثر ہوگئے۔ اللہ سے التجا فرمائی کہ اگر یہ ۳۱۳ آج مارے گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔ اور پھر اللہ کے حکم سے مٹھی بھر ریزے اٹھا کر لشکر کفار کی طرف پھینکے تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ لشکر کفار بُری طرح پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اپنے ستر بہادروں کو جنگ میں مردہ اور ستر کو قید میں چھوڑ گیا۔

جنگ احد میں بعض نافرمانوں کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ جیتی جتائی لڑائی ہر گئی۔ دشمن غالب آگیا۔ اور مسلمانوں کو ایسا مجبور کر دیا کہ اگر قریشی لشکر چاہتا تو سب کو قتل کر سکتا تھا اور مدینے کو لوٹ سکتا تھا لیکن آج تک دنیا کے ماہرین جنگ حیرت میں ہیں کہ وہ کیا سبب تھا کہ سپہ سالار اعظم ابوسفیان نے خواہ مخواہ میدان چھوڑ دیا اور وہیں سے مکے کو پلٹ گیا۔ مؤرخ آج بھی سراغ لگا رہا ہے لیکن معجزوں کا کہیں سراغ ملتا ہے؟

اور کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے عرب کے فرمانروا ہوگئے۔ اس

(ساجدہ فرزانہ)

سفرِ آخرت

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم ایک انصاری صحابی کے جنازہ پر گئے۔ یہاں تک کہ ہم اس کی قبر پر پہنچے۔ ابھی تک میت کو دفن نہیں کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (زمین پر) بیٹھ گئے اور ہم آپؐ کے گرد اس طرح سرنگوں اور خاموش بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اس وقت ایک لکڑی تھی۔ جس سے آپؐ زمین کو کرید رہے تھے۔ پھر دفعتاً حضورؐ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا

"خدا سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے" اس نقرہ کو حضورؐ نے دو یا تین مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد فرمایا۔ جب بندۂ مومن کا تعلق دنیا سے منقطع ہونے والا ہوتا ہے اور وہ آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں۔ جن کے چہرے ایسے روشن ہوتے ہیں گویا ان کے رخسار آفتاب ہیں۔ ان کے ساتھ جنت کے کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں۔ وہ کچھ دور بیٹھ جاتے ہیں پھر موت کا فرشتہ آتا ہے اور بندۂ مومن کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے پاک روح خدا کی بخشش اور رضامندی کی طرف چل"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"روح اس طرح جسد مومن سے بہتی ہوئی نکلتی ہے جس طرح پانی کا قطرہ مشک کے دہانے سے بہتا ہوا نکلتا ہے۔ پس فرشتہ موت اس روح کو لے لیتا ہے اور فوراً ہی ملک الموت سے دوسرے فرشتے اس روح کو لے لیتے ہیں، اس قدر جلد کہ پلک مارنے کی دیر نہیں ہوتی اور روح کو اس کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں جس کو وہ ساتھ لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے

کیا بادشاہوں کی بیگمات اس طرح رہا کرتی تھیں۔ اور آج رہا کرتی ہیں۔

اور کیا یہ معجزہ نہیں کہ سب اس مفلسی میں خوش۔ میں حضورؐ کی کس کس ادا کا تذکرہ کروں۔ مجھے تو حضورؐ کی ہر ادا معجزہ ہی معجزہ نظر آتی ہے۔ جسے شوق ہو شمائل اٹھا کر دیکھ لے اور بڑے سے بڑے کسی شخص سے مقابلہ کر لے۔ سب ایسی مثالیں پیش کرنے میں عاجز نظر آئیں گے۔

ہے یعنی تیرے لیے ہر قسم کی نعمتیں موجود ہیں اور یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ پس میت اس سے دریافت کرتی ہے کہ اے شخص تو کون ہے کہ چہرہ حسن و جمال کا حامل ہے اور تو بھلائی کو لایا ہے اور خوش خبری کو سناتا ہے وہ شخص جواب دے گا: میں تیرا عمل صالح ہوں یہ سن کر کہتی ہے "اے میرے رب! قیامت کو قائم کر، اے میرے رب قیامت کو قائم کر تاکہ پھر اہل و عیال کی طرف جاؤں۔"

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کافر بندہ جب دین سے قطع تعلق کرتا ہے اور آخرت کی جانب متوجہ ہونے والا ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے عذاب کے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور ٹاٹ ان کے پاس ہوتے ہیں وہ اتنی دور جا بیٹھتے ہیں جہاں تک نگاہ پہونچنے کی حد ہوتی ہے۔ پھر فرشتہ موت آتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے خبیث و ناپاک روح خدا کے غضب کی طرف نکل۔"

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر کی روح (یہ سنکر) بدن میں دوڑتی پھرتی ہے اور جسم سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتی ہے پھر کھینچتا ہے فرشتہ موت اس روح کو جس طرح کھینچا جاتا ہے آنکڑہ زسوف میں سے یعنی سختی کے ساتھ روح کو جسم سے نکالتا ہے اور پلک مارتے ہی وہ فرشتے اس روح کو موت کے فرشتے سے چھین لیتے ہیں جو اس کو لینے کے لیے آتے ہیں، یہ فرشتے اس روح کو ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے سخت بدبو نکلتی ہے۔ پھر فرشتے اس روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جماعت کے قریب سے یہ روح گذرتی ہے فرشتے دریافت کرتے ہیں یہ کس ناپاک کی روح ہے جواب دیا جاتا ہے یہ فلاں ابن فلاں کی روح ہے اور جن القاب و خطاب کے ساتھ دنیا میں اس بندہ کو پکارا جاتا تھا بتایا جاتا ہے یہاں تک کہ فرشتے اس کو لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

لا تفتح لهم ابواب السماء ولا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط

ترہیب سے وہ روح گذرتی ہے وہ جماعت کہتی ہے یہ کون ہے؟ لے جانے والے فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں شخص ہے۔ فلاں کا بیٹا ہے۔ یعنی جن اسماء یا القاب کے ساتھ مرنے والا دنیا میں پکارا جاتا ہے دریافت کرنے والوں کو بتاتے ہیں۔ یہ فرشتے آسمانِ دنیا پر پہنچتے ہیں دروازہ کھلواتے ہیں۔

اسی طرح ساتوں آسمانوں سے گذرتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس پاک روح کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ دوسرے آسمان تک جاتے ہیں۔ ساتویں آسمان پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ہمارے اس مقدس بندہ کے نامہ اعمال کو مقام علیین میں رکھو (یہ وہ مقام ہے جہاں نیک لوگوں کی روحیں رہتی ہیں) اور اس کو دنیا کی طرف لے جاؤ۔ (یعنی جہاں اس روح کا جسم مدفون ہے وہاں پہنچا دو) خالق عزوجل فرماتا ہے، میں نے زمین ہی سے جسموں کو پیدا کیا ہے زمین پر ہی ان کو واپس بھیجتا ہوں، زمین ہی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا۔"

اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اس روح کو اس کے مردہ جسم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے جواب میں کہا جاتا ہے۔ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ فرشتے پوچھتے ہیں، تیرا دین کیا ہے؟۔ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے پھر وہ پوچھتے ہیں، وہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟۔ وہ کہتا ہے، یہ خدا کے رسول ہیں۔ فرشتے دریافت کرتے ہیں تو نے ان کا رسول ہونا کس طرح جانا؟ وہ کہتا ہے۔ میں نے کلام اللہ کو پڑھا اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر ایک پکارنے والا ندا کرتا ہے یعنی آسمان سے اللہ عزوجل کی جانب سے اعلان کرتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے۔ اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ اور جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے۔ قبر کو حد نظر تک وسیع کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ پھر اس مردہ کے پاس ایک خوبصورت شخص آتا ہے جو بہترین لباس پہنے اور خوشبو لگائے ہوتا ہے اور میت سے کہتا ہے خوش خبری ہو تجھ کو اس چیز کی جو تجھ کو خوش کرنے والی

کہے گی۔ اے پروردگار تو قیامت کو قائم نہ کر۔"

عزیز بہنو! ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ ہم اس "سفرِ آخرت" کے لیے کیا تیاری کر رہے ہیں اور ان کے چوبیس گھنٹوں میں سے کتنے گھنٹے اس سفر کی تیاری میں ہم صرف کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ سفر پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم سفر کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہمارا شمار نیک و صالح بندوں میں

یہ مردِ حق کون ہے؟

ماہ اکتوبر شمارہ میں "یہ مردِ حق کون ہے" کے عنوان سے ایک صفحہ گیا تھا اور قارئین کرام سے پوچھا گیا تھا کہ اس مردِ حق کا نام بتائیے۔

اس سلسلے میں ہمارے پاس بہت سے جوابات آئے۔ ان میں سے کوئی بھی اس مردِ حق کا نام نہ بتا سکا۔ زیادہ تر بہنوں اور بھائیوں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کا نام لکھا۔

ہم نے ماہ اکتوبر میں جو اقتباس دیا تھا اور نام کی جگہ نقطے لگا دیے تھے دراصل اس اقتباس میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نام تھا۔

یہ جواب اکتوبر کے بعد کے حجاب میں آجانا چاہیئے تھا لیکن نومبر دسمبر کا حجاب اوہام شکن نمبر تھا، اس لیے اس میں نہ آسکا۔ اب ہم صحیح جواب چھاپ رہے ہیں۔

صحیح جواب ہے

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ!!

ترجمہ: "نہیں کھولے جاتے کافروں کے لئے دروازے آسمانوں کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک داخل نہ ہوں اونٹ سوئی کے ناکے میں"۔ (یعنی ان کا جنت میں داخل ہونا ناممکن ہے) پھر اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال کو سجین میں رکھو (سجین ایک مقام کا نام ہے جو تحت الثریٰ میں ہے)، پھر اس کی روح پھینک دی جائے گی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق۔

جس شخص نے شرک کیا خدا کے ساتھ کسی کو گویا گرا آسمان سے منہ کے بل پس اُچک لیتے ہیں اس کو پرندے یا پھینک دیتی ہے اس کو ہوا دور جگہ میں۔

اس کے بعد حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پھر روح ڈالی جاتی ہے جسم میں اور دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں۔ "تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے "ہا ہا میں نہیں جانتا" پھر اس سے پوچھتے ہیں: "تیرا دین کیا ہے؟" وہ کہتا ہے: "ہا ہا میں نہیں جانتا"۔ پھر اس سے دریافت کیا جائے گا کہ" وہ کون شخص تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟" وہ کہے گا "ہا ہا میں نہیں جانتا" پھر ایک پکارنے والا خدا کی طرف سے کہے گا "یہ جھوٹا ہے اس کے لیے آگ کا فرش کر دو" اور ایک دروازہ دوزخ کی طرف اس کے لیے کھول دو، چنانچہ دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جائیگا اور دوزخ کی گرمی اور گرم ہوا اس کو پہونچے گی۔ اور پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جائیں گی۔ پھر ایک بدصورت شخص میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے اسکے پاس آئیگا جس سے سخت بدبو نکلتی ہوگی وہ اس سے کہے گا: خوش خبری ہو تجھ کو اس چیز کی جو تجھے بُری معلوم ہوگی۔ یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا" میت اس سے دریافت کرے گی "تو کون ہے، تیرا چہرہ نہایت بُرا ہے اور بُرائی لایا ہے" وہ کہے گا "میں تیرا بُرا عمل ہوں" یہ سنکر میت

میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہ رضہ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ امام زہری ہی ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو صرف عائشہ رضہ کا علم وسیع تر ہوگا۔"

حضرت عائشہ رضہ نے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں جن کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احکام شرعیہ میں سے بڑا حصہ حضرت عائشہ رضہ ہی سے منقول ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضہ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھیں۔ حضرت عائشہ رضہ کی قابلیت کی بنا پر حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب بیبیوں پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ چند ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ زہرا رضہ کو اپنا نمائندہ بنا کر خدمت اقدس میں بھیجا۔ انھوں نے عرض کیا کہ "مجھے سب نے وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ابوبکر رضہ کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں؟" اس کے جواب میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کہا کہ "بیٹی کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں؟" بی بی فاطمہ رضہ نے یہ سنکر گردن جھکالی اور جاکر ازواج مطہرات سے کہہ دیا کہ میں اس معاملہ میں آئندہ سے دخل نہیں دوں گی۔ دوسری مرتبہ اس خدمت کے لیے حضرت زینب رضہ کا انتخاب کیا گیا انھوں نے بڑی دلیری سے یہ خدمت انجام دی اور اس بات پر پورا زور دیا کہ عائشہ صدیقہ اس مرتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ یہ تمام باتیں حضرت عائشہ رضہ کی موجودگی میں ہو رہی تھیں لیکن بی بی صاحبہ نے بیچ میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھتی رہیں۔ جب حضرت زینب رضہ تقریر ختم کر چکیں تو مرضی مبارک پاکر حضرت عائشہ رضہ صدیقہ کھڑی ہوئیں اور اپنی مدلل باتیں کیں کہ حضرت زینب رضہ لاجواب ہو گئیں۔ حضور سرکار دوعالم نے خوش ہو کر فرمایا: "کیوں نہ ہو ابوبکر رضہ کی بیٹی ہیں۔"

روایت ہے کہ جنت میں سیدہ عائشہ رضہ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت تھی اس

حضرت عائشہ صدیقہ رضی

(ساجدہ فرزانہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رض ان خوش نصیب اور محترم خواتین میں سے تھیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی۔ آپؓ حضرت ابوبکر صدیق رض کی صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار سال بعد پیدا ہوئیں اور جب انھوں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو مسلمان پایا۔ آپ نے بچپن حضرت صدیقؓ کے گھر گزارا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوانی میں تربیت پائی۔

آپ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ معظمہ میں ہوا۔ نکاح کے وقت آپؓ کی عمر ۶ سال کی اور رخصتی کے وقت ۹ سال کی تھی۔ صرف آپ آنحضرتؐ کی کنواری بیوی تھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ حضورؐ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عائشہ صدیقہ رض سے"۔ ایک مرتبہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رض کی بڑائی کے بارے میں فرمایا: "عائشہ رض کو تو سب عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید کو سب کھانوں پر"۔ حضرت عائشہ رض کے علم و فضل کو بڑے بڑے علماء بھی مانتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رض سے روایت ہے کہ "ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ رض سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں"۔

عروہ بن زبیر رض فرماتے ہیں۔ میں نے کسی کو بھی قرآن کے معانی اور حلال و حرام کے احکام اور عرب کے اشعار اور انساب کے علم میں عائشہؓ سے بڑھ کر نہیں پایا"۔

امام زہری رض لکھتے ہیں: "عائشہ رض تمام لوگوں

خواتین کے لئے ایک بہترین موقع

گھر بیٹھے دین کی تبلیغ

نہ گھر کے باہر کہیں جانا، نہ اجتماعات کی کھکیڑ۔ نہ مردوں کی مدد کی ضرورت، نہ تقریر کرنے کے لیے کسی مولوی صاحب کی تلاش، وہی مثل کہ ہرلگے نہ پھٹکری، رنگ آئے چوکھا۔ آپ پوچھیں گی کس طرح؟ میں عرض کروں گا۔ اس طرح کہ:۔

آپ کے گھر ہر دن ٹٹی کمانے کے لیے بھو (مہترانی) آتی ہے۔ آپ کے گھر تیسرے چوتھے دن نہ سہی ہفتہ میں ایک بار دھوبن بھی آتی ہے۔ یہ دونوں پچھڑی جاتیوں ہی میں نہیں بلکہ ہریجنوں میں گنی جاتی ہیں۔ ہریجنوں کو پہلے اچھوت کہا اور سمجھا جاتا تھا۔ آج کل ان کو کہا تو ہریجن جاتا ہے لیکن سمجھا اچھوت ہی جاتا ہے۔

ہریجن انسان ہونے کے ناطے اب کچھ کچھ اپنے کو سمجھنے لگے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انھیں بھی مقام دیا جائے۔ اس بارے میں اچھوتوں کو ہندوؤں سے ہمیشہ شکایت رہی اور آج بھی ہے لیکن بے چارے ہندو اپنے دھرم کی ریت سے مجبور ہیں۔ ہندو دھرم کی نیت اور ریت سے ہندو اچھوتوں کو برابری کا حق نہیں دے سکتے کیونکہ برہمن ایشور کے منہ سے پیدا ہوا اس لئے صاحب علم ہونے کا آنے سی لا۔ چھتری ایشور کی چھاتی اور باہنوں سے پیدا ہوا اس لیے بہادری کا نشان ہر حالت میں وہی رہے گا۔ ویش ایشور کے پیٹ سے پیدا ہوا اس لئے حصول معاش

کا ادنیٰ ثبوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری ایام سے ملتا ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں کہ "جب بیماری کے بڑھ جانے سے حضور بہت لاچار ہو گئے تو آپ نے میرے گھر میں رہنے کے واسطے دوسری بیویوں سے اجازت مانگی۔ انھوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور آپ آخیر وقت تک میرے گھر میں تشریف فرما رہے۔" (بخاری شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمہات المومنین کی خاطرداری فرماتے تھے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رض سے خصوصی محبت تھی۔

کسی عید کے موقع پر حبشی ہتھیاروں کا کھیل دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رض نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رض دوش مبارک پر منھ رکھ کر تماشہ دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ تھک کر ہٹ گئیں۔ (ابوداؤد)

ایک دن کسی بات پر ام المومنین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں کہ اتفاقاً صدیق اکبر رض آ گئے اور اس گستاخی پر سیدہ عائشہ رض کو مارنا چاہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آ گئے۔ صدیق اکبر رض کے واپس ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رض سے مزاحاً فرمایا: "کیوں میں نے تم کو کیسے بچایا!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت آپ رض کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۶۷ سال کی عمر میں رمضان المبارک ۵۸ھ میں آپ خدا کو پیاری ہو گئیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی زندگی ہمارے لیے بہترین مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقدس ہستیوں کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں دین و دنیا دونوں جگہ کامیابی سے نوازے۔ آمین

غزل

(عزیز جھانسوی)

روشنی تو ملتی ہے علم کے سویروں سے
کاش ہم نکل آئیں جہل کے اندھیروں سے
زندگی کا ہر لمحہ موت کی امانت ہے
ہم اسے بچائیں گے وقت کے لٹیروں سے
اس کی قدر و قیمت تو بس خدا سمجھتا ہے
آدمی کو مت تولو سیم و زر کے ڈھیروں سے

ہے کہ کچھ نہ کچھ موقع نکال کر گھر والی کو متوجہ کر لیتی ہیں۔ بی بی! آج فلاں جگہ طلاق ہو گئی، فلاں نے اپنی بیوی کو بہت پیٹا، فلاں کی لڑکی فلاں کے ساتھ بھاگ گئی، علیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح بات میں سے بات نکالتی ہیں اور اس ساری اخباری باتوں کا لب لباب اس پر ہوتا ہے کہ بی بی! آج بڑی گرمی ہے حلق سوکھا جا رہا ہے؛ اور بی بی سمجھ جاتی ہیں کہ منشا پانی پینا نہیں بلکہ پان کھانا ہے۔ انھوں نے مسکرا کر پاندان گھسیٹا اور پانوں میں سے سب سے چھوٹا اور بیکار سا پان نکالا اس پر کتھا چونا تھوپا۔ چھالیاں ڈالیں اور ایک بالشت کی دوری سے بہو کے آنچل میں پھینک دیا۔ سچ کہیے کہ اگر آپ اس طرح سے پان دیتی ہیں تو آپ کا یہ طریقہ اسلامی ہے یا مشرکانہ

کیا خیال ہے آپ کا، اگر دھوبن بہو سے کہا جائے کہ جاؤ نل پر ہاتھ پیر دھو آؤ اور پاندان لو پان بناؤ، خود کھاؤ اور مجھے بھی کھلاؤ۔ اسی طرح مہترانی بہو سے کہا جائے کہ ذرا اپنی کمر کا یہ موٹا سا کپڑا کھول کر الگ رکھ دو اور نل پر جا کر ہاتھ پیر اور منھ صاف کر لو اور اپنے ہاتھ سے پان بنا کر کھا لو تو اس میں کیا حرج ہے۔ ہر غیر مسلم اگر صاف ستھرا ہے تو ہمارے لیے جیسے بڑی ذات کا آدمی ہو چاہے چھوٹی ذات سب برابر۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے اپنے اسلامی نظریے کو بھلا دیا اور اس ملک میں اسی نظریے کو اپنا لیا جو دوسروں کا ہے۔ اور ہم بھی پیشہ اور برادری کی تقسیم کر کے اونچ نیچ کی دلدل میں پھنس گئے۔

ہماری وہ بہنیں جن کا تعلق جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت سے ہے ان سے خاص طور سے عرض ہے کہ وہ چاہیں تو یہ بھید بھاؤ مٹا سکتی ہیں۔ اگر وہ یہ بھید بھاؤ مٹا دیں تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس کے نتائج کتنے دور رس ہوں گے۔ صرف ایک پان مہترانی اور دھوبن کے ہاتھ سے کھا لینے اور پان چھو لینے کی بات گھر کی گھر میں نہ رہے گی۔ آگ کی طرح پھیلے گی۔ آج ہریجنوں کو یہی تو شکایت ہے کہ انھیں اب بھی نجس سمجھا جاتا ہے۔ ●

کا حقدار وہ بنا اب رہا اچھوت تو وہ ایشور کی . . . . . . سے پیدا ہوا۔ اس لیے وہ نجس ہے لیکن دین اسلام کی رو سے تمام انسان آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے سب برابر ہیں۔ الخلق عیال اللہ میں برہمن اور ہریجن بھی آتے ہیں۔ اسلامی نظریے کے مطابق عزت والا۔ شریف اور بزرگ و برتر وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرنے والا ہے (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ) تو اسلام کی نظر میں انسان ہونے کے ناتے مسلمان، عیسائی، ہندو، بودھ، پارسی اور پھر ان کی گوتیں اور جاتیاں پاسی چمار بھنگی۔ کھٹک۔ دھوبی۔ لودھے اور کنجڑ۔ کالے گورے عربی و عجمی سب برابر ہیں۔ ان میں سب سے اچھا وہ ہے جو اللہ والا ہو۔ کبیر داس نے اپنے دوہوں میں اسی مضمون کو اس طرح کہا ہے: ؎

جات پات نا پوچھے کوئے ہری کو بھجے سو ہری کا ہوئے

مسلمانوں کے سامنے جب یہ بات کھلی اور واضح ہے تو انسان ہونے کے ناتے ہر گھر کے وہ مددگار جن کو بھنگن اور دھن کہا جاتا ہے۔ انھیں بھی انسان کا پورا مقام دینا چاہئے۔ گھر کے کاموں اور کاموں کی تقسیم کا پروگرام یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کماتا ہے۔ ایک شخص بجٹ کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ ایک فرد ہے کہ کھانا پکاتا ہے۔ ایک شخص ہے کہ بازار سے سودا لاتا ہے گھر کے تمام افراد ایک نہ ایک کام سنبھالے ہوئے ہوتے ہیں۔ ٹٹی کی صفائی اور کپڑوں کو دھونا بھی ایک کام ہے۔ یہ دونوں کام مہترانی بہو اور دھوبن بہو نے سنبھال لیے۔ ہمارے خیال میں یہ دونوں فرد گھر کے بہت بڑے مددگار ہیں۔

اب جو شخص یہ چاہتا ہے (چاہے وہ مرد ہو یا عورت) کہ دین کی بات دوسروں تک پہنچے۔ ایک غیر مسلم کو بھی جہنم کی آگ سے بچا لیا جائے تو (صرف بہنوں سے) عرض کرتا ہوں۔ انھیں گھر بیٹھے یہ موقع حاصل ہے کہ اپنی بھنگن بہو اور دھوبن بہو کو اسلامی باتیں سمجھائیں۔ ان دونوں بہوؤں کا مزاج یہ

امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صحیح قانون حق کے بغیر کسی کے فیصلے سے اس کی کوئی شے (چیز، جائداد یا رقم) نکال لے۔

حضورؐ کی مثال بھی موجود ہے۔ آپ نے مسجد نبوی کے لیے دو بچوں کی زمین اُجرت دے کر لی تھی۔

ہمارے پچھلے مضمون میں جان کی حفاظت کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا تھا۔ اس میں جان کے ساتھ مال کی حفاظت کے بارے میں بھی فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے معرکے کی بات فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص (چاہے وہ عورت ہو یا مرد) کا مال کوئی چھیننے کی کوشش کرے اور وہ چھیننے والے کا مقابلہ کرے اور اگر اس دفاع (مال بچانے کی کوشش) میں مارا جائے تو شہید ہوگی۔ بخاری شریف

غزل

(اشفاق نگینوی)

اک مرا ذکر کہ لب پر ترے آیا نہ کبھی
اک تری یاد کہ جو دل سے بھلائی نہ گئی

پیار کی شمع جو ہم نے کبھی روشن کی تھی
آج تک بادِ مخالف سے بجھائی نہ گئی

غمِ جاناں، غمِ دوراں، غمِ فرقت، غمِ دل
ان عذابوں سے کبھی جان چھڑائی نہ گئی

ہم نے اشفاق بہت اشک بہائے لیکن
آگ سینے میں جو بھڑکی تھی بجھائی نہ گئی

اسلامی ریاست میں عورتوں کے حقوق

مال کی حفاظت کے حقوق

عورت کے پاس اس کی جائز کمائی کا مال ہے جسے اس نے سلائی کر کے کمایا ہو یا کڑھائی کر کے یا محنت مزدوری کر کے یا اس کے باپ ماں یا اولاد کے ورثے میں ملا ہو یا اس کے شوہر نے مہر میں دیا ہو یا کسی موقع پر زیور بنوا دیا ہو یا اسے کچھ رقم دے دی ہو یا کسی اور ایسے ہی جائز ذریعہ سے آیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو۔ صدقہ و خیرات کرتی ہو۔ رشتہ داروں پر انفاق کرتی ہو اور ریاست کا ٹیکس ادا کرتی ہو تو اسلامی ریاست اُسے حق دیتی ہے کہ:

(۱) جس طرح چاہے اپنے مال کو جائز طریقے سے خرچ کرے۔

(۲) اپنی رقم کو منافع کی غرض سے اپنی پسند کے جائز روزگار میں لگائے۔

(۳) چاہے جس کے نام اپنی جائداد کو منتقل کر دے۔

(۴) یا اپنی تحویل میں رکھے۔

اگر عورت ان چاروں طریقوں پر عمل کرتی ہے تو حکومت کو حق نہیں کہ اس کا مال ہڑپ کر لے۔ اگر کسی ہنگامی ضرورت کے وقت حکومت چاہے تو عورت کی مرضی حاصل کر کے قرض لے سکتی ہے۔ یا اگر کسی ایسی جگہ سڑک یا پل یا ریل کی پٹڑی بنانا چاہتی ہے جہاں عورت کا باغ ہو یا اس کا مکان ہو یا کھیت وغیرہ تو عورت کو معاوضہ دے کر حاصل کرے گی۔

امام ابو حنیفہ رح کے مشہور شاگرد قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابو یوسف رح کا مشہور فتویٰ ہے

یہ کہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہماری ضرورت کا سارا سامان پہلے سے موجود۔ سانس لینے کے لیے ہوا کھانے کے لیے ہر طرح کی غذا، پینے کے لیے پانی۔ پہننے کے لیے طرح طرح کی پوشاک۔ پھل پھلاری میوے۔ مٹھائی۔ دودھ، انڈا، گوشت ایک سے ایک بہتر سامان، سونے کے لیے رات بنائی۔ موسم بنائے۔ روشنی اور دھوپ بنائی۔ کوئی کیا کیا گنائے۔

<u>ان سے بڑھ کر احسان</u> : ان چیزوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب ایک نہ ایک طرح سے جانوروں کو بھی ملتا ہے۔ اگر انسان کے لیے یہی سب ہے تو ہم انسان کو ایک جاندار کہہ سکتے ہیں بس۔

ٹھیک ہے۔ واقعی اگر انسان جانوروں کی طرح بس کھانے پینے کے لیے ہی پیدا کیا جاتا تو اس میں اس کی بڑائی کی کوئی بات نہ ہوتی۔ وہ تمام پیدا کی ہوئی چیزوں اور جانداروں سے بڑھ کر (اشرف المخلوق) نہ ہوتا۔ اور ایک دانے کے لیے، گوشت کی ایک بوٹی کے لیے۔ درخت کے ایک پھل کے لیے، پینے کے پانی کے لیے۔ زندگی بسر کرنے کے لیے جانوروں کی طرح لڑتا جھگڑتا اور اسی طرح ہر جا اس میں نہ کوئی تہذیب ہوتی، نہ آداب، نہ یہ سلجھا ہوا طور طریقہ ہوتا۔ نہ یہ مل جل کر رہنا۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنا۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا وغیرہ کچھ بھی تو نہ ہوتا۔ لیکن یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اُسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ زندگی بسر کرنے کے لیے انسانوں ہی میں سے ایسے نمونے بھیجے کہ ہم نے ان نمونوں سے زندگی بسر کرنے کا طریقہ سمجھ لیا۔ اور یہ بھی سمجھ لیا کہ ان طریقوں پر کس طرح عمل کریں۔

<u>اللہ کا سب سے بڑا احسان</u> : یہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس میں ایک ہم بھی ہیں۔ کائنات کے اس جنگل میں اگر ہم کو اللہ کی طرف سے زندگی بسر کرنے کے لیے نمونے نہ ملتے تو ہم بھٹکتے ہی رہتے ایسی حالت میں اللہ نے ہم کو پیدا کر کے جانوروں کی طرح ہمیں رہنے نہیں دیا۔ جس دن سے انسان نے دنیا میں قدم رکھا۔ اسی دن سے یہ انتظام فرما دیا کہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی انسان کو معلوم ہونا چاہیے۔ اور جس کے ذریعہ سے یہ طریقہ معلوم ہوا اسی سے ان پر عمل کرنا بھی سیکھ لے۔

اللہ کے رسول اور کتابیں

اللہ کے احسان :۔ ہم انسانوں پر اللہ کے احسان اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی ان کو شمار نہیں کرسکتا شمار کرنا تو الگ رہا جان بھی نہیں سکتا۔ ایک بہت بڑے سائنسداں سے کسی نے پوچھا۔ "کہئے جناب کہاں تک پہنچے؟" اس فقرے سے پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اب تک جو کھوج لگائی ہے تو کیا پایا؟ سائنسداں نے جواب دیا کہ بس اتنا کہ سمندر میں سوئی ڈبوؤ اور نکال لو تو سوئی کی نوک پر جتنا پانی محسوس ہو۔ اس سے بھی کم۔ پھر اس نے ایک مثال دی۔

یہ جو تم گیہوں کا ایک دانہ دیکھتے ہو، اس کے بننے میں سورج، چاند، ہوا، موسم، روشنی، دھوپ زمین اور زمین کے اندر کی دھاتوں نے جو خدمت انجام دی ہے انہی کی کنہ (تہہ) تک پہنچنا اور یہ جاننا کہ یہ سب اور ان کے پیچھے جو قوتیں کام کر رہی ہیں ان کو سمجھ لینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

سائنسداں نے پھر کہا کہ یہ سب قوتیں دیکھتے ہیں "اس سب" کے پیچھے اللہ کی مخصوص فوجیں (جنود السمٰوات۔ اللہ کی خاص فوج) ہے جو کام کر رہی ہے جو آسمان در آسمان خدا ہی جانتا ہے کہاں تک ہے۔

اس نے نتیجہ یہ نکالا کہ انسان اس بات سے عاجز ہے کہ وہ اللہ کے احسانوں کو جان سکے۔ عاجز آکر بس اس طرح گننے لگتا ہے کہ اللہ نے ہم کو پیدا اور پیدا کیا تو انسان بنایا۔ یہ تو وہ احسان ہے جس سے کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا۔ سوچیے اگر ہم کو ایک حقیر پودا، ایک گندہ کیڑا یا زمین کا ذرہ بنا دیتا تو ہم کیا کرسکتے تھے۔ اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا پھر

اللہ نے ایک نہ ایک نبی پیدا کیا۔ جہاں جہاں انسان پہنچا۔ وہاں وہاں نبی پیدا فرمایا۔ ہر جگہ ہر نبی نے وہی بات یاد دلائی جو حضرت آدم علیہ السلام یاد دلایا کرتے تھے۔ قرآن میں جہاں جہاں نبیوں کی نصیحتیں آئی ہیں۔ وہ سب لفظاً لفظاً ایک ہی طرح کی ہیں۔ نمونے کے طور پر کچھ سنیے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ ——— (ہود آیت ۲۵)

اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ (اس نے کہا) میں تم لوگوں کو صاف صاف خبر کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک روز دکھ بھرا عذاب آئے گا۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۝ ——— (ہود آیت ۵۰)

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ تمہارا کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۝ ——— (ہود آیت ۶۱)

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔

کتنا بڑا احسان ہے اللہ کا کہ اس نے یہ ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی۔ یہ ذمہ داری ہم پر ہوتی تو ہم زندگی بھر تجربہ کرتے کرتے مرجاتے اور ٹھیک راستہ نہ پاتے۔ یہ ذمہ داری اللہ نے خود لی دنیا میں پہلا ہی انسان نمونے کا بھیجا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ اور ان سے صاف صاف کہہ دیا، "جاؤ، زمین پر رہو، کھاؤ، پیو، چین سے رہو لیکن ——— لیکن کے آگے اللہ ہی کا ارشاد ہے۔ فرمایا:۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (البقرہ آیت ۳۸)

پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(البقرہ آیت ۳۹)

اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اللہ کے حکم آتے رہے۔ آپ اللہ کے حکم اپنی اولاد کو سناتے رہے اور ان حکموں پر چل کر دکھاتے رہے کہ دیکھو اس طرح زندگی بسر کرنا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد ان حکموں پر عمل کرتی رہی۔ دنیا میں پھیلتی رہی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان حکموں کو بھولتی رہی۔ اللہ کی مہربانی دیکھیے۔ جب جب اللہ کے بندوں نے اس کے حکموں کو بھلا دیا۔ تو

انجیل :- انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی تھی۔ یہ بھی انسانوں کی بہت بڑی بد نصیبی ہے کہ اس میں بھی بہت کتر بیونت کردی گئی۔ اسے بھی بھلا دیا گیا۔

اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایتوں۔ اللہ کے صحیفوں، اللہ کی کتابوں اور اللہ کے نبیوں کا یہ سلسلہ حضرت آدم ؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا۔

ان تمام رسولوں اور نبیوں نے اپنے اپنے وقت میں اور اپنی اپنی قوم کو ایک ہی بات بتائی۔

وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنَ

اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (ق)

مونگ کی دال کے کباب

چھلکے والی مونگ کی دال ایک پاؤ لیکر اُبال لیں اور پانی اتنا ڈالیں کہ دال بالکل ہی گل جائے ہاتھ سے ملنے کے قابل ہوجائے جب اس میں آدھ پاؤ بھنا ہوا بیسن اور سرخ مرچ پسی ہوئی۔ پسا ہوا نمک حسب منشا۔ پسا ہوا گرم مسالا تھوڑا ایک یا دو چٹکی۔ ہرا دھنیا ہری مرچ کتر کر دال میں اچھی طرح سے ملا دیں۔ پھر شامی کبابوں کی طرح اس کی ٹکیاں بنا کر گھی میں تل لیں۔ بہت لذیذ ہوں گے۔ یہ ہم لوگوں کو بہت پسند ہیں بالکل گوشت کے کبابوں کی طرح مزہ دیتے ہیں۔ (صوفیہ کانپور)

یہ تین مثالیں ہم نے قرآن کی ایک ہی سورہ سے نقل کی ہیں۔ ہر نبی کا یہی پیغام سارے انسانوں کے لیے اللہ کی طرف سے تھا۔ اس کے ساتھ سارے نبیوں نے ایک بات اور کہی ہے، وہ یہ ہے

وَاتَّقُوا وَاَطِیْعُوْنَ

اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔

ہر نبی نے جو اپنی پیروی کے لیے کہا تو یہ وہی "نمونے" والی بات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نبی کو نمونہ بنا بنا کر نہ بھیجتا اور صرف حکم ہی بھیج دیتا تو ہر شخص اپنی سمجھ سے جیسے چاہتا اللہ کی بندگی کرتا۔ اس کا ثبوت آج ان مشرک قوموں میں مل سکتا ہے جنھوں نے اپنے نبیوں کی اصل تعلیم کو بھلا دیا اور اب ان میں ہر عبادت کرنے والا اپنی سمجھ سے جیسے چاہتا ہے عبادت کرتا ہے۔ کوئی صبح کے وقت سورج کے سامنے چپ چاپ بیٹھ جاتا ہے اور کچھ دھیان کرلیتا ہے۔ کوئی ڈنڈوت کرتا ہے۔ کوئی ایک ٹانگ سے کھڑا ہو کر عبادت کرتا ہے۔ کوئی زبان کو بالکل بند کرلیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو کتابیں اپنے نبیوں پر اُتاری تھیں ان کو بھی لوگوں نے بھلا دیا یا ان میں کتر بیونت کردی مثلاً

صحف ابراہیم :۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ صحیفے عطا فرمائے تھے۔ یہ کچھ ورق تھے ان پر اللہ کے حکم لکھے تھے۔ آج کل یہ ناپید ہیں۔

توراۃ :۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ یہ کتاب یہودیوں کے پاس آج بھی موجود ہے لیکن اپنی اصل عبارت میں نہیں ہے۔ یہودیوں نے اصل توراۃ میں سے بہت کچھ بھلا دیا یا نکال دیا۔ بہت سے حکم بدل ڈالے۔ بہت کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔

زبور :۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ افسوس کہ اسے بھی بھلا دیا گیا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کا جو طریقہ بتایا تھا اور زندگی بسر کرنے کے لئے جو نمونہ دیا تھا۔ انسان نے وہ سب بھلا دیا۔

حسین۔ خانہ داری میں ماہر، نہایت شریف لیکن شادی محض اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ صاحب غریب ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ تینوں لڑکیوں کے یہ والد محترم غریب تو ہیں لیکن لڑکیوں کے لیے بَر معیاری اور آئیڈیل تلاش کرتے ہیں۔ بَر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو۔ اچھا عہدے دار ہو یا بڑا تاجر ہو۔ خاندانی ہو۔ (واضح رہے کہ یہ صاحب سیّد ہیں)

انھوں نے بتایا کہ لڑکیوں کی عمریں تیس برس سے اوپر ہو چکی اور انھوں نے مجبوراً تعلیم کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔

بعض صورت حال بڑی دلچسپ سامنے آتی ہے۔ ایک لڑکے کو میں نے دیکھا۔ وہ ایک مدرسگاہ کا فارغ یعنی مولوی ہے۔ نوکری کی تلاش میں تھا۔ مولوی کی مارکٹ ویلیو ہی کیا۔ بے چارہ بہت کم مشاہرے پر ایک بڑے تاجر کے یہاں کام کرنے لگا۔

قسمت کی بات! اس نے مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کے لیے درخواست دے رکھی تھی۔ اس کا نام آگیا۔ اب تاجر صاحب نے اسی مولوی کی خاطریں شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ شیشے میں اُتار لیا۔ آپ سمجھے۔ کیا بات تھی؟ تاجر صاحب کی ایک لڑکی تھی۔ اس کے لیے یہ سب کیا گیا۔ طے پایا کہ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی شادی کر دی جائے گی۔ منگنی کی رسم بھی ہوگئی۔

چار سال کے بعد مولوی صاحب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر آئے تو تاجر صاحب کو توقع یہ تھی کہ سعودی حکومت کی طرف سے چار چھ ہزار ریال کے مشاہرے پر کہیں تقرر ہو جائے گا۔ غریب مولوی نے بتایا کہ اس میں ناکامی ہوئی۔ یہ معلوم ہوا تو منگنی توڑ دی گئی۔ حُسنِ اتفاق دیکھیے منگنی ٹوٹنے کے پندرھویں دن اسی مولوی کو پروانہ ملا کہ فلاں جگہ تقرر کیا گیا ہے۔

اب پھر تاجر صاحب نے گھیرنا چاہا تو مولوی بھی سخت ہوگیا۔ اس نے اس چالاک تاجر سے ایک لاکھ کی رقم طلب کی۔ ظاہر ہے کہ ابھی ہندوستان کے کسی خطے میں بَر کی قیمت ایک لاکھ نہیں ہو سکی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاجر

تعلیم یافتہ لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

تعلیم یافتہ لڑکیاں چاہے وہ گریجویٹ ہوں یا عربی درسگاہوں کی فارغ، دونوں کے لیے بر ملنا سخت مشکل ہوگیا ہے۔ بعض ایسے سرپرست جنھوں نے اپنی بچی کو اعلیٰ تعلیم (انگریزی یا عربی) دی پھر ان کے لیے بر تلاش کرنا شروع کیا تو انھیں ایسی مایوسی ہوئی کہ وہ کہنے لگے "تعلیم یافتہ لڑکیوں کو بر ملنا ناممکن ہوگیا ہے۔

یہی صاحبان کہتے ہیں کہ غیر تعلیم یافتہ لڑکیوں کی شادیاں جلد ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے معیاری اور آئیڈیل شوہر کی تلاش نہیں ہوتی۔ ماں باپ جہاں چاہتے ہیں کر دیتے ہیں۔ پھر یہ غیر تعلیم یافتہ لڑکیاں دو تین سال ساس نندوں اور شوہر سے پٹ پٹا کر ایک ہنج پر آجاتی ہیں اور ان کی زندگی اعتدال پر آجاتی ہیں اور وہ مطمئن ہوجاتی ہیں۔

ان کے مقابلے میں تعلیم یافتہ لڑکیوں کے لیے معیاری اور آئیڈیل شوہر کی تلاش ہوتی ہے۔ معیاری اور آئیڈیل لڑکے کا یہ حال ہے کہ یہ سب شادی سے بہت دنوں پہلے بک چکے ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کے دور اندیش باپ ہر قیمت پر پہلے سے منگنی کر لیتے ہیں۔ پھر سروے کی یہ بھی رپورٹ ہے کہ مسلمان لڑکوں کے مقابلے میں مسلمان لڑکیاں اب تعلیم میں زیادہ دلچسپی لے رہی ہیں۔ ایسی صورت میں اچھی لڑکیوں کے لیے اچھا بر کہاں سے ملے؟

میرے دوستوں میں سے ایک صاحب ایک دن ملے تو رونے لگے۔ دریافت حال پر انھوں نے بتایا کہ میں تو اپنی تینوں لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر پچھتا رہا ہوں۔ بچیاں نہایت

بیٹی کے نام

انڈونیشی ماں کا خط

اے میری بچی۔ آؤ اور میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ ذرا قریب ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اتنے قریب جتنے قریب تم بیٹھ سکو۔ تاکہ مزاج کی چڑچڑاہٹ کو جان سکو اور نمک کے مزے کو پہچان سکو اور مجھ سے سیکھ سکو کہ لوگوں سے کس طرح پیش آنا چاہیے۔ تاکہ تمہاری بات چیت لوگوں کے دلوں میں اتر سکے۔ آؤ تاکہ ہم دونوں تنہائی میں باتیں کریں۔ اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اب میں تمہیں شادی کی حکمت عملیوں کی تعلیم دینا چاہتی ہوں۔ شادی ہو جانے کے بعد تمہیں اپنے رکھ رکھاؤ اور طور طریقوں کو بہتر کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ تمہیں ہر کام بہتر سے بہتر طریقے پر کرنا ہوگا۔ اگر تمہارا شوہر باہر سے گھر آئے تو تمہیں بھی مسکراہٹ سے اسے سلام کرنا چاہیے۔ اس کے سامنے کھانا لاکر رکھنا چاہیے۔ اور اس پر اپنی وفاداری کا عکس ڈالنا چاہیے۔

اگر تم سہیلیوں سے بات کر رہی ہو تو ان کے عیبوں پر نگاہ رکھو۔ جہاں تک تم سے ہو سکے۔ ان کو پوشیدہ رکھو ان کی بھنک بھی کسی کے کانوں میں نہ پڑنے دو۔ ان کے درمیان باڑھ اور کھائی حائل کر دو۔ کوئی کام اس طرح نہ کیا جائے کہ بھانڈا پھوٹ جائے اور تمہاری پردہ پوشی محسوس کر لی جائے کہ تم نے کوئی چیز گودام میں چھپا کر رکھی ہے۔ ان باتوں کو یاد رکھو میری پیاری بچی!

صاحب منہ دیکھتے رہ گئے۔ اور اس مولوی نے اسلامیہ اسکول کی ایک غریب لڑکی سے شادی کرلی اور چلا گیا۔

ایک حل میں نے ان حالات میں لڑکیوں کی شادی کے مسئلے پر غور کیا ہے۔ میں اس بات سے متفق ہوں کہ آج کل لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیاں تعلیم میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں فارغ التحصیل ہو کر انگریزی اسکولوں میں نوکری کرنا چاہتی ہیں تو وہاں نوکری مل جاتی ہے یا کسی دوسرے ادارے میں چاہتی ہیں۔ تو وہاں بھی کامیاب ہوتی ہیں۔ اسی طرح عربی درسگاہوں کی لڑکیاں زیادہ تر معلمی کو پسند کرتی ہیں اور ان کی مانگ بھی ہے۔

میری رائے ہے کہ ان کے لیے اب بر کے معیار بدل دینا چاہیے۔ بر تلاش کرتے میں اب یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ لڑکا لڑکی کے برابر یا اس سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے اور اور برسرِ روزگار بھی ہے؟

اب جو اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی برسرِ روزگار ہو جائے اس کے لیے ایک بھلے مانس اور فرماں بردار شوہر چاہیے۔ اس طرح کا ایک تندرست اور بھلا لڑکا چن لینا چاہیے۔ اور شادی کر دینا چاہیے۔ شوہر صاحب خوشی خوشی فرماں برداری کرتے رہیں گے۔ اور بیوی آرام سے رہےگی اگر اب بھی ایسا نہ کیا گیا تو پھر وہی حشر ہوگا جو میرے دوست کی تین لڑکیوں کا ہے۔ میری نظر میں یہی تین لڑکیاں نہیں ہیں۔ یہ تو مثالاً عرض کیا ہے۔ ورنہ ایسی ہزاروں ہیں۔ ہر تعلیم یافتہ لڑکی یا اس کے سرپرست کو چاہیے کہ وہ اس حل پر غور کرے جو میں نے پیش کیا۔

ہیے کیونکہ نوجوانوں کے لیے اس میں نقصان ہے۔ اس زمانے کے نوجوانوں کی طرح نہیں ہونا
ہیے۔ وہ چاہے اپنے دوستوں کے ساتھ ہوں چاہے کسی تقریب میں۔ ان سے تربیت کے آثار
الکل ظاہر نہیں ہوتے۔ ان کی نگاہیں بے لگام ہوتی ہیں۔ جیسے وہ کسی حریف کی طرف دیکھ رہی
ہوں اور انھیں اپنی جسارت کی نمائش کا موقع ہاتھ آگیا ہو۔ بلند قہقہہ کا بھی مطلب ہوتا ہے اس
کے معنی ہیں اعتماد کا فقدان۔ چاہے وہ تمہارا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔ تمہیں اخلاق و آداب کے
تقاضوں کو نہیں بھولنا چاہیے۔ تمہیں ہمیشہ شیریں کلامی سے پیش آنا چاہیے۔ اور دوسروں کے
سامنے اس کی عزت کرنی چاہیے۔ اور مجلس میں اس کا اعزاز کرنا چاہیے۔ تمہیں ظاہر و باطن
میں اس کا مخلص ہونا چاہیے۔ تمہیں اس سے کسی حالت میں منافقت اور دوغلا پن نہیں برتنا چاہیے
تم پورے طور پر اس کے تصرف میں ہو۔

تمہیں زیادہ باتیں بگھارنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ تیز کلامی اچھی چیز نہیں ہے۔ بہت بولنا بڑے
خطرات کا سبب ہوتا ہے۔ بہت سی گپ شپ بڑی آفتوں کا موجب ہوتی ہے۔ یہ بھی غور سے
سن رکھو، میری بچی! کہ ایک شادی شدہ عورت کو جب اس کا شوہر باہر گیا ہو تنہا باہر نہیں نکلنا
چاہیے۔ جھٹپٹے کے وقت گھر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ سڑک پر کبھی نہیں کھڑا ہونا چاہیے یہ بڑی بدنما
باتیں ہیں۔ اگر تمہیں کسی دعوت میں جانا ہو یا کسی اور جگہ تو پہلے شوہر سے پوچھ لینا ضروری ہے۔
کام تمہارے لیے زندگی کا قانون ہے تمہیں زردوزی، کروشیا، کاتنے اور بُننے کا کام آنا چاہیے۔
تمہیں اشیاء کی گرانی اور ارزانی کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اپنا دماغ استعمال کرو۔ عقلمند بنو۔ اگر
تم اس طرح نہیں رہو گی تو تم بھی عورت نہیں ہوگی۔

(زینم)

اگر تمہارا شوہر باقاعدگی کے ساتھ گھر نہیں لوٹتا یا بالکل گھر آتا ہی نہیں تو ان باتوں کی بالکل شکایت مت کرو۔ بہت سی مجبوریاں اس کا سبب ہو سکتی ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ ایسے مواقع پر صبر اور ضبط سے کام لو، کیونکہ صبر کرنے والے اللہ کے پیارے ہوتے ہیں۔ اگر اس میں بھی تمہیں چین نہ آئے اور تم اپنے دل میں غمگین رہنے لگو تو اپنے دکھ کو ایسے وقت بیان کرو جب کہ وہ مسرور ہو جب وہ ہشاش بشاش ہو۔ تو مذاق کے پیرایہ میں حرف مطلب زبان پر لاؤ۔ لیکن اس ذکر کو براہ راست مت چھیڑو بلکہ پردے پردے میں بیان کرو۔ اگر وہ اچھا آدمی ہے تو وہ بہت محظوظ ہوگا۔ اور اس طرح تمہیں اس کی سرشت کا پتہ چل جائے گا۔ اس کے ساتھ ہوشیاری اور ہنرمندی کے ساتھ پیش آؤ۔ ترشی سے پیش نہ آؤ۔ ایک بات اور ہے ۔اے میری پیاری بچی ہر وقت اس کے کھانے پینے کی چیزوں کا خیال رکھو اور انہیں ہر وقت تیار رکھو۔ میری بچی۔ انہیں ٹرے میں رکھ کر سلیقہ سے پیش کرو۔

ایک اور بات ہے میری بچی! اگر تمہیں بازار جانا پڑے یا اور کہیں تو تمہیں پہلے شوہر سے اجازت لینی چاہیئے۔ یہی کتاب اللہ کی تعلیم ہے۔ اگر تمہیں گھوڑا گاڑی میں سوار ہونے کا اتفاق ہو تو کسی دوسرے آدمی کے ساتھ مت بیٹھو۔ جو تمہارا شوہر نہیں ہے اور نہ تمہارا قریبی عزیز ہے۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا اور تمہارا لباس اس سے چھو گیا تو تم نے قرآنی تعلیم کی خلاف ورزی کی اے میری پیاری بچی۔ میرا خون وجگر! جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس کو مضبوطی سے گرہ میں باندھ لو۔ اس کو اپنے دل میں کندہ کرلو۔ میں تم سے اس لیے کہہ رہی ہوں کہ "برائی چہرے پر لکھی ہوئی نہیں ہوتی" چال چلن میں ہوتی ہے۔ چال چلن کو بدلا جا سکتا ہے۔ اے میری بچی۔ غور سے سنو! اگر تم دوسروں سے ملو۔ خواہ مجمع ہو۔ یا دعوت میں تو تم کو اپنی نگاہ اوپر نہیں رکھنی چاہئے یا آنکھوں کو ہر وقت چاروں طرف گردش نہیں دینا چاہئے۔ بس ایک نظر کافی ہے۔ بہت زیادہ ہنسنے سے بھی

لیے پڑ جاتے ہیں۔ ایک بار چیچک نکلنے پر دوبارہ نہیں نکلتی۔

مرض سے بچنے کی ترکیب

مرض معلوم ہوتے ہی مریض کو الگ کر دینا چاہیے اس کو پورے طریقے سے آرام کرنے دینا چاہیے۔ مریض کو ابلا ہوا پانی ٹھنڈا ہونے پر پینے کو دینا چاہیے۔ چیچک کئی طرح کی ہوتی ہے زیادہ تر چیچک کا ہلکا روپ دکھائی دیتا ہے جو چھوٹے چھوٹے دانے نکل کر ایک ہفتہ میں سوکھ جاتے ہیں دوسری طرح کے دانوں میں مواد بھر جاتا ہے جو دو تین ہفتہ میں ٹھیک ہو جاتا ہے تیسری طرح کے دانوں میں خون بھرا ہوتا ہے یہ دانے کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ اس حالت میں زیادہ تر مریض مر جاتا ہے۔

مریض کے پیشاب وغیرہ کو راکھ یا مٹی سے ڈھک دینا چاہیے۔ مریض کے کھانے پینے کے برتنوں کو فنائل سے دھونا چاہیے۔ مریض کو الگ روشنی اور ہوادار کمرے میں رکھنا چاہیے مریض کو ہلکی غذا دینی چاہیے۔ گھر کے اور افراد کو بھی چیچک کا ٹیکہ لینا چاہیے۔ جب دانے سوکھ کر کھٹیاں ہونے لگیں تب اس پر چکنائی والی چیز جیسے تیل یا گھی یا پھر ویسلین لگانا چاہیے۔ جب سے کھرنڈ مریض کے بستر پر ہی رہیں اور ان میں سے کپڑے ہوا میں نہ آئیں۔ مریض کے ٹھیک ہونے پر اس کو نیم گرم پانی میں Dettol ڈال کر نہلا دینا چاہیے اور مریض کے کپڑے دھوبی کے گھر نہیں جانے چاہئیں بلکہ گھر پر گرم پانی سے دھونا چاہیے۔

اپنی اپنی پسند کے اشعار

• ایک حوصلہ ملتا ہے مجھے طعن عدو سے
وہ پست جو کہتا ہے تو ہوتا ہوں بلند اور
• پیش کردہ۔ ڈاکٹر محمد فاروق اعظم • ڈاکٹر سلام سندیلوی

• اے باد صبا کچھ تو نے سنا مہمان جو آنے والے ہیں!
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں
• پیش کردہ۔ صوفیہ کانپور • نامعلوم

• بدعتوں کو کر لیا کیونکر ترے دل نے پسند
آہ! اے مسلم تجھے محبوب سنت کیوں نہیں

• ہاں کتاب اللہ میں مضمر ہے راز زندگی
تجھ کو کافی مشعل نور ہدایت کیوں نہیں
• سلمہ خاتون شیخپورہ ضیر آباد • پنہاں

ریحانہ فاطمہ۔ بجنور۔ بھارت (یوپی)

مختلف بیماریاں اور اُن سے بچنے کی ترکیبیں

ہمارا دیس ہندوستان دنیا کے بڑے دیشوں میں مانا جاتا ہے۔ یہ گاؤوں والا دیش بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں کی ۸۰ فیصد آبادی گاؤوں میں رہتی ہے۔ گاؤوں میں بے حد گندگی رہنے کے سبب وہاں طرح طرح کی بیماریاں شروع ہو جاتی ہیں جن میں اکثر ہر سال ہزاروں انسانوں کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور جس وقت بیماری بڑے پیمانے پر شروع ہو جاتی ہے تو شہر کے شہر تباہ ہو جاتے ہیں۔ مُردوں کو کنوؤں میں ڈال کر پاٹنا پڑتا ہے۔ ہیضہ پلیگ وغیرہ ایسے ہی امراض ہیں۔ نیچے کچھ بیماریوں کو بتایا جاتا ہے۔

(۱) چیچک :۔ یہ بہت خطرناک بیماری ہوتی ہے۔ یہ ایک خاص کیڑے (Virus) سے شروع ہوتی ہے۔ چھوٹی عمر کے بچوں کو زیادہ ہوتی ہے۔ تقریباً ۱۵ برس کی عمر کے بعد یہ مرض نہیں ہوتا۔ اس مرض میں مریض کے ٹھیک ہونے میں ایک ہفتہ سے لے کر چار ہفتہ تک لگتا ہے۔

مرض کی پہچان :۔ یہ مرض سردی لگنے اور پورے جسم میں درد ہو کر شروع ہوتا ہے ناک اور آنکھوں سے پانی نکلتا ہے۔ بخار رہتا ہے۔ مریض کی یہ حالت تین دن تک رہتی ہے۔ تیسرے دن ہاتھوں پر دانے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ دو تین دن میں یہ دانے پورے جسم پر ہو جاتے ہیں۔ پانچ دن کے بعد یہ دانے بہت زیادہ بڑے ہو جاتے ہیں اور اس میں مواد بھر جاتا ہے۔ پورے جسم پر سوجن ہو جاتی ہے۔ بخار تیز ہو جاتا ہے۔ دانوں میں جلن بہت ہوتی ہے۔ مرجھانے پر دانوں کے نشان ہمیشہ ہمیشہ کے

تھکن تو اتار لو۔"

اور اب اکیلے چائے کے ٹھنڈے گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے میری نظریں ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگی تھیں۔ سادہ مگر نفیس۔ عائشہ کی طبیعت سے ملتا جلتا ـــ دوسرے ہی لمحے میں نے کارنس پہ شادی کی بڑی سی رنگین تصویر دیکھی ... عائشہ ... آنکھیں جھکائے اور جھومر کی وٹ میں اپنی خون شدہ امنگیں چھپائے ہوئے یہ وہی عائشہ تھی جو کھیلوں، شرارتوں، مباحثوں اور ڈراموں میں سب سے آگے اور سب سے تیز تھی۔ جس نے بے شمار کپ جیتے تھے۔ تعریفی سرٹیفکیٹ لیے تھے، لیکن زندگی کے لمبے سفر میں جس نے اپنا سب کچھ ہار دیا تھا۔

اور آج پانچ سال بعد وہ میرے سامنے تھی۔ اپنے آپ سے غافل، بچوں کے شور سے ہراساں ہراساں... کھوئی کھوئی سی۔

مشرقی لڑکیاں بھی کیسی ہیں کہ شادی کے بعد اپنے مرکز سے اس قدر پیوست ہو جاتی ہیں کہ ایک پل کی دوری گوارا نہیں ہوتی۔ محبت کا جذبہ وقت کی گرد میں گم ہو جاتا ہے... میں ایسے ہی خیالات کے تانے بانے میں تنی رہی۔

"تمہاری چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ کیا سوچ رہی ہو؟ مجھے تو بچے ایک منٹ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔" عائشہ کی آواز بلند ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کسی بات پر کھلکھلا کر ہنسی۔ مجھے حیرت تھی اور خوشی بھی۔ وہ خاصی نارمل ہو گئی تھی۔ ہنستا کا نور اس کی پور پور سے جھلک رہا تھا۔

"تم اکیلی سارا کام کرتی ہو، نوکر وو کر نہیں رکھا؟" میں نے عائشہ کی زندگی میں جھانکنا چاہا۔

"نوکر کہاں ملتا ہے، ایک دو رکھے بھاگ گئے... سارا دن کام کر کے اتنا تھک جاتی ہوں کہ اپنے وجود کا احساس ہی نہیں رہتا۔" وہ خاموشی سے میری طرف دیکھنے لگی۔

ناگاہ باہر شور ہوا۔

"ابو آ گئے... ابو آ گئے۔"

صحن میں بھاری قدموں کی چاپ ابھری ... بچے دوڑ کر باپ کے قدموں سے لپٹ گئے اور پھر چند لمحوں بعد ڈرائنگ روم کا پردہ اٹھا، بچوں کو گود میں لیے وجاہت صاحب اندر داخل ہوئے میں آداب و سلام بجا لائی اور عائشہ خوش دلی

شاہدہ ناز قاضی

مگر آرام کے ساتھ

لو تم! مجال ہے ایک منٹ بھی بیٹھنے دیں یہ شیطان۔" وہ جھنجلاتے ہوئے بولی۔

وہ کبھی کبھی چھوٹے منّے کو جھولے میں فیڈر دیتی، کبھی نیپی تبدیل کرتی اور ساتھ ہی ساتھ دو سالہ بیلی کی ڈھیروں فرمائشیں پوری کرتی جاتی تھی۔

مجھے اس کے ہاں آئے پورا گھنٹہ ہو چکا تھا اور پہلے تیس منٹ تک تو وہ اپنے تینوں بچوں کو نہلانے دھلانے میں ہی مصروف رہی تھی۔

"پلیز ناز، مائنڈ نہ کرنا۔ میں کام ختم کر کے ابھی آتی ہوں۔" وہ میرے سامنے چھوٹی میز پر چائے رکھتے ہوئے بولی۔

ماں بن کر کس قدر بدل گئی تھی۔ سمارٹ اور ڈیشنگ گرل ایک پائنچہ اوپر چڑھائے، قمیص کی آستین اُلٹے، بالوں میں سیدھے کلپ لگائے وہ کتنی اجنبی اور بدلی بدلی نظر آرہی تھی۔

باہر کسی کو ڈانٹ اور کسی کو پچکار رہی تھی۔ اچانک رونے کی آوازیں زیادہ ہی خوفناک ہوگئیں۔ ہم گھبرا کر باہر نکل آئے... معلوم ہوا پپّو نے اپنا منّے کے جھولے سے ٹکرا دی تھی اور اس تصادم کے نتیجے میں اس کے گھٹنے پر خراشیں آئی ہیں اور منّا بھی ڈر کر رونے لگا ہے۔

"تم چائے پیو، میں اس کی ڈریسنگ کر کے ابھی آتی ہوں... اس کے گھٹنے سے خون بہہ رہا ہے۔" عائشہ نے میرے قریب سے گزرتے ہوئے کہا:

میں قدرے گھبراہٹ کے انداز میں بولی۔ "ڈریسنگ میں کیے دیتی ہوں، مجھے طبی امداد کا بکس لا دو۔" مگر اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"تکلف مت کرو۔ اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہو۔

(ساجد فرزاد)

اسلام میں سلام کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے اور دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے زندگی کے ہر گوشہ میں ہماری رہنمائی
ہے۔ اور ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات پیش کیا ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سونے جاگنے
نے پینے، اٹھنے بیٹھنے، خوشی و غم، شادی بیاہ، موت، زندگی، سماجی و مجلسی مقامات غرض ہر جگہ
با ہدایت پائیں گے۔ ہدایت کے یہ رہنما اصول اور ضابطہ حیات اس مقدس و برگزیدہ ہستی
، ہمارے سامنے پیش کیا ہے جو صاحب قرآن ہے اور جنھیں ہم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
لے نام نامی سے یاد کرتے ہیں۔

آئیے! — آج سلام کے آداب سیکھیں اور یہ جانیں کہ اسلام میں سلام کی کیا اہمیت ہے۔
سلام علیکم" مختصر سے الفاظ ہیں لیکن مفہوم اور مطلب کے اعتبار سے اپنے اندر سلامتی کا کبھی ختم نہ
ہنے والا ذخیرہ رکھتے ہیں۔ السلام کے یہ کلمات ایسا سمندر ہے جس کی گہرائی کی انتہا اور حد نہیں۔ جب آپ
سی مسلمان سے ملتے ہوئے السلام علیکم کہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا تم کو ہر قسم کی سلامتی اور
انیت سے نوازے۔ خدا تمہارے جان و مال، گھر بار، اہل و عیال اور متعلقین کو سلامت رکھے، دین
ایمان کو سلامت رکھے۔ میرے دل میں تمہارے لیے خیر خواہی، محبت و خلوص اور سلامتی اور طمانیت
کے انتہائی گہرے جذبات ہیں۔ تمہیں میرے طرز عمل سے کوئی دکھ نہ پہنچے گا۔ سوچئے — اسلام کا
بتایا ہوا یہ انداز خطاب کتنا سادہ، مگر پُر اثر ہے اور کتنی جامع ترین دعا بھی ہے۔
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — "السلام" خدا کے ناموں میں سے ایک نام

سے میرا تعارف کروانے لگی۔

"ارے! ہم آپ کو غائبانہ جانتے ہیں۔ آپ کا ذکر تو اکثر اس گھر میں رہتا ہے"!

میں نے دیکھا کہ عاشی نے گڈو کو جھولے میں ڈالا اور پھر بڑی لگن سے میز سجانے لگی۔

"ہمارے صاحب کو دفتر سے آتے ہی سخت بھوک لگتی ہے" عاشی پلیٹیں رکھتے رکھتے مڑکر شرارت سے بولی۔

"ہمارا کیا قصور؟ آپ کھانا ہی بے حد مزے دار پکاتی ہیں۔۔۔!" وجاہت کی باتوں میں بے پایاں چاہت اور پیار تھا۔

اس گھرانے کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے مجھے عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

اور پھر فارغ ہوکر جب ہم کمرے میں آئے تو گڈو رونے لگا تھا اور وہ اس کے لیے فیڈ تیار کرنے لگی میں نے کہا۔ عاشی! میں سمجھتی ہوں کہ اس گھریلو زندگی میں تو بہت پریشان ہے" وہ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مگر آرام کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔●●

افسوس صد افسوس

یہ خبر ہم نے بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی کہ سید آفتاب پاشا رکن جماعت اسلامی بیجاپور (حجاب کے خاص مضمون نگار) کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سید صاحب کا ایک بہترین مضمون اوہام شکن نمبر میں شائع ہوا تھا۔ مرحوم اوہام شکن نمبر کی اشاعت سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ وہ اپنا مضمون اوہام شکن نمبر میں نہ دیکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ہمیں سید صاحب کے انتقال کی خبر ان کی بہن حجاب کی خریدار نمبر 2515 نے دی۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ حجاب اس غم میں ان کا شریک ہے۔ (غمزدہ مائل خیرآبادی)

اور استوار کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ سلام کرنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے، اور خدا ہر دکھ اور نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بہت زیادہ سلام کیا کرتے تھے۔ سلام کی کثرت کا حال یہ تھا کہ اگر کسی وقت آپ کے ساتھی کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے اور پھر سامنے آتے پھر سلام کرتے۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں آپس میں محبت و الفت سے رہنے کی توفیق دے۔ آمین

غزل

۔۔۔۔ (عزیز بگھروی) ۔۔۔۔

رخ ہوائے وقت نے بدلا کچھ اس انداز سے
دشمنِ جاں بھی نظر آنے لگے دم ساز سے

سنگ و آہن، سازشیں، الزام، تہمت، بازپرس
ایک ہنگامہ سا برپا ہے مری آواز سے

کشت و خون میں ہو گئی تبدیل آخر سرد جنگ
ہم نیاز شوق سے مجبور تھے وہ ناز سے

آج بھی سننے کو دنیا گوش بر آواز ہے
بات آئے بھی تو تیری بات کے انداز سے

سینکڑوں رستے ہوئے زخموں کا درماں بن گئی
جب تڑپ کر کوئی لے نکلی ہے دل کے ساز سے

اب خلاؤں سے پلٹ آنا بہت دشوار ہے
ہوش والے بڑھ گئے آگے ہی کچھ پرواز سے

مسکراتے تھے شگوفے، گل مہکتے تھے کبھی
اب صبا شعلے جگاتی ہے خرامِ ناز سے

درد کے شعلوں میں جلنا تو ضروری تھا عزیزؔ
ہم نے آنکھیں جو ملائی تھیں بت طناز سے

ہے۔ جس کو خدانے زمین میں (زمین والوں کے لیے) رکھ دیا ہے۔ پس "السلام" کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ نے فرمایا: "تم لوگ جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ مومن نہیں بنتے، اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں وہ تدبیر نہ بتاؤں جس کو اختیار کرکے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔ (مشکوٰۃ)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے محبت سے پیش آئیں۔ یہ اُن کے ایمان واسلام کا مطالبہ ہے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ اُن کے آپس میں سلام کرنے کا رواج عام ہوجائے۔

سورہ نور میں ارشاد ربانی ہے فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ ترجمہ: "پس جب تم اپنے گھر والوں میں داخل ہوا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کہا کرو، دعائے خیر خدا کی طرف سے تعلیم کی ہوئی بڑی ہی بابرکت اور پاکیزہ"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے پوچھا، اسلام کا کون سا کام بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: "غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہیے، تو اُسے پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو (یعنی پہلے سے دوستی اور بے تکلفی ہو یا نہ ہو۔" (بخاری و مسلم) ایک حدیث میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! سلام کو رائج کرو، صلہ رحمی کرو۔ کھانا کھلاؤ، لوگ سورہے ہوں، تو نماز پڑھو تو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوگے۔" اور ایک حدیث میں ہے:
حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! آپس میں سلام کیا کرو۔ یہ دلوں کو کینہ سے صاف کر دے گا۔"

یہ تو تھی سلام کی فضیلت۔ آئیے ۔۔ اب یہ دیکھیں کہ سلام کس طرح کیا جائے۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سوار پیدل کو کرے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ محفل اور مجمع کو سلام کریں۔" ایک روایت میں ہے کہ چھوٹے بڑوں کو سلام کریں۔" سلام باہمی الفت و محبت کو بڑھاتا

نہیں ہوا وہ اس فنکشن کی مہمان خصوصی رہیں گی۔ انٹی
پلیز آپ اس بے بی کی بچی کو سمجھائیے۔"
"میں کوشش تو کروں گی لیکن وہ مانے
تب نا۔"
"نہیں انٹی پرنسپل صاحبہ اور کالج کی لیکچرر بھی
اسے سمجھا چکی ہیں لیکن یہ بے بی ماننے کو تیار نہیں ہے۔"
انٹی شاید وہ آپ سے مان جائیں گی۔"
میں جانتی تھی کہ بے بی کیسی لڑکی ہے۔ وہ
کن مشکلات سے کالج میں داخل ہوئی تھی۔ بے بی
دراصل احساس کمتری کا شکار ہے۔ اسی لیے وہ محفلوں
اور میلوں سے بہت گھبراتی ہے۔ کیونکہ اس کی شکل
وصورت۔ حالانکہ اتنی بری نہیں کہ لوگ مذاق اڑائیں
لیکن پھر بھی وہ احساس کمتری میں مبتلا ہے اسی
وجہ سے اس نے اسکول میں داخلہ لینے سے صاف
انکار کر دیا۔ میرے اور خود اس کے پاپا کی کوششوں
سے میٹرک کا امتحان پرائیویٹ دیا۔ جب رزلٹ
نکلا تو وہ ریاست کے سارے بچوں میں ٹاپ تھی
بے بی کے پاپا نے جب رزلٹ دیکھا تو اپنی بیٹی کو
سمجھانے لگے اور کہنے لگے۔
"میں اپنی بیٹی کو ڈاکٹر بناؤں گا۔"

اس پر وہ بے بسی کے عالم میں ہنس دی
جب انٹر میں داخلہ لینے کے لیے فارم لایا گیا
تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اور روتے ہوئے
کہنے لگی: "پاپا میں کالج میں داخلہ نہیں لوں گی۔"
"آخر کیوں ؟"
"نہیں پاپا میں کالج نہیں جا سکتی۔ میں
نہیں جا سکتی کالج۔" اور وہ بے اختیار رونے لگی۔
"دیکھو اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔" میں اس
کو سمجھانے لگی۔
"ممی۔ میری صورت......" وہ اس
سے آگے کچھ نہ کہہ سکی اور مجھ سے لپٹ کر رونے
لگی۔"
"نہیں بیٹی تم اتنی بری بھی نہیں ہو جتنا کہ
سمجھ رہی ہو۔" بیٹی تم احساس کمتری میں مبتلا ہو۔
میرے اور اس کے پاپا کے سمجھانے پر وہ راضی
ہوگئی اور کالج میں داخلہ لے لیا۔ کالج کا پہلا دن
اس کے لیے بڑا صبر آزما دن تھا۔ وہ لڑکیوں کے
طنز بھرے جملوں، شدید قہقہوں کی تاب نہ لا کر
گھبرا گئی۔
دوسرے دن اس کے پاپا پرنسپل صاحبہ کے

آمدِ صبحِ صادق

(سیدہ عائشہ طیبہ۔ نلگنڈہ)

...●...

میں اپنی چیئر پہ بیٹھی اُدن بُن رہی تھی کہ دروازے کے کھلنے کی آواز آئی۔ دیکھا تو بے بی اور اس کی سہیلی روبینہ اندر داخل ہو رہے تھے۔ میں ان کی اچانک آمد پہ حیران سی ان کے چہرے تکنے لگی۔ بے بی کا چہرہ پھولا ہوا تھا۔ آنکھیں سُرخ تھیں۔ میں فوراً سمجھ گئی کہ ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہوگی۔

"السلام علیکم انٹی" روبینہ نے بڑھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹی کیا بات ہے جو تم لوگ وقت سے پہلے گھر آگئیں"

"آنٹی آج ہمارے کالج کا فنکشن ہے اس لیے ہم جلدی آگئے"

اچھی۔ ارے تم لوگ کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھو۔ بے بی دیکھو تو تمہاری سہیلی کھڑی ہے اس کو بیٹھنے کے لئے کہو"

بے بی کے کہنے سے پہلے ہی روبینہ بیٹھ گئی۔ بے بی اندر چلی گئی۔

"انٹی مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے"

"کونسی بات بیٹی"

"انٹی آج ہمارے کالج کا فنکشن ہے اور اس میں بے بی کی شرکت نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ بے بی جو کالج کے Exam's میں ٹاپ ہے نا۔ اس کو ہمارے ریاست کی مشہور ہستی (Directer of education) کے ہاتھوں انعام لینا ہے"

"بیٹی وہ کون ہیں"

"شاید وہ بیگم مسعود ہیں۔ میں نے تو صرف ان کا نام پڑھا ہے اور سنا ہے لیکن دیکھنے کا اتفاق ابھی

نظر اس پر پڑی۔ پھر کیا تھا۔ میں اور نازش نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا اٹھے۔ ہم اپنی قسمت پر ناز کر رہے تھے کہ ہمارے لیے اس سے بہترین اور کیا شکار ہو سکتا تھا۔ کلاس ختم ہوتے ہی اس کو گھیر لیا۔

نازش دریافت کرنے لگی۔ بھئی تمہارا نام کیا ہے؟ "نازنین"۔ یہ اس کا جواب تھا۔

"واہ بھئی واہ کیا پیارا نام ہے۔ واقعی تمہارے والدین بہت سمجھدار معلوم ہوتے ہیں کہ اتنا پیارا نام رکھا۔" میں کہنے لگی۔

"ارے بھئی وہ اپنی لڑکی کو نازنین سمجھ رہے ہوں گے۔" نازش نے کہا۔ اور ساری لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

پھر کیا تھا ہماری شرارتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ پھر جب وہ کالج کی گیٹ میں داخل ہوتی تو ہم کہہ اٹھتے۔

"واہ بھئی واہ۔ کیا نازنین ادا ہے۔ چال میں بھی بڑی نزاکت ہے۔"

ان تمام باتوں کو وہ خاموشی سے سنتی ہوئی۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے کلاس میں داخل ہو جاتی۔ اور ہم اس کا بڑا لطف لیتے رہتے۔ لیکن کبھی اس نے پرنسپل صاحب سے شکایت نہیں کی۔ وہ اپنی پڑھائی میں مگن رہتی۔ اور ہم اپنی شرارتوں میں مگن۔ وہ اپنی علم بڑھاتی اور مطالعہ میں اضافہ کرتی۔ اور ہم اپنی شرارتوں میں اضافہ کرتے۔ وہ کچھ پڑھنے کے لیے کچھ سیکھنے کے لیے کالج آتی تو ہم صرف شوق اور وقت گزارتے آہستہ آہستہ Exams کی تاریخ قریب آنے لگی۔ لیکن ہم اپنے دل کو تسلی دیتے رہتے۔ جب ہم نے Exams کو اپنے سر پہ دیکھا تو گھبرا اٹھے۔ میں نے نازش سے کہا کہ ایک پلان بنایا اور دوسرے دن نازنین کے نوٹس غائب تھے۔ بے چاری نازنین پریشان ہوگئی۔

ایک دن میں نازش کے پاس بیٹھی تھی کہ نازنین آئی اور کہنے لگی۔ "بہن اگر تم نے شرارت سے میرے نوٹس چھپا لیے ہوں تو واپس کر دو۔ میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گی۔"

"بھئی ہم شرارت تو ضرور کرتے ہیں لیکن ہمیں کیا پڑی کسی کے نوٹس لینے کی۔"

بہن میں نے بہت ہی محبت سے وہ نوٹس

یہاں بے بی کو لے کر گئے۔

پرنسپل صاحبہ کے سمجھانے پر وہ راضی ہو گئی
خود پرنسپل صاحبہ نے کالج کی دوسری لڑکیوں سے
کہہ رکھا تھا کہ وہ بے بی سے کچھ نہ کہیں۔ اس کے
بعد سے بے بی آسانی کے ساتھ کالج جانے لگی آج
اس کو انعام ملنے والا تھا۔

میرے اصرار پہ بے بی راضی ہو گئی کہنے لگی
"اگر ممی آپ چلیں تو میں بھی چلوں گی۔" اور میں
بے بی کی خاطر رضامند ہو گئی۔

بے بی مجھے لے کر سیدھا پرنسپل صاحبہ کے
یہاں گئی۔ وہ مجھ سے بہت ہی گرمجوشی سے ملیں
اور کہنے لگیں۔

"بھئی بے بی آپ کی بیٹی معلوم نہیں ہوتی۔"
بے بی اپنی سہیلیوں کے ساتھ جا چکی تھی۔
میں مسکرا دی اور کہنے لگی ہر کوئی حیرانی سے
مجھے دیکھتا ہے۔ جیسے میں بے بی کی ماں
نہیں کوئی اور ہوں۔"

فنکشن شروع ہو چکا تھا۔ پرنسپل صاحبہ
اور کئی مہمان اسٹیج پر موجود تھے۔ اتنے میں پرنسپل
صاحبہ کی آواز آئی۔ "اب میں مہمان خصوصی بیگم

مسعود جو Director of Education ہ
گزارش کرتی ہوں کہ وہ اپنے خیالات سے
ہال تالیوں کی آواز میں گونج اٹھا۔ ہ
انھیں دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔ جن میں
شامل تھی۔

ایک بے ڈول جسم کی خاتون لنگڑاتی ہ
اسٹیج پر آئیں۔

ایں۔۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا؟ کیا میری آ
دھوکا کھا سکتی ہیں۔ میں جو کچھ دیکھ رہی ہوں و
ہے؟۔۔۔ تو پھر یہ میری کلاس فیلو نازنین تو
ساتھ ہی میرا ذہن ماضی کے اوراق ا
جب میں کالج میں داخل ہوئی تو۔ نازش سے
ہو گئی۔ جو میری ہم خیال اور ہم مزاج تھی۔ ہ
صرف یہی تھا کہ ہر ایک کو بنائیں۔ ہر کسی کا
اڑائیں۔ جلد ہی ہم دونوں میں دوستی ہو گئی
گیا تھا چند دنوں میں ہی میں اور نازش سار
کالج میں مشہور ہو گئیں۔ سینئر لڑکیاں تک ہم
گھبراتی تھیں۔ پورے کالج پر ہماری دھاک
انھیں دنوں کالج میں ایک لڑکی نے ایڈمیش
لیا تھا۔ ہم اپنی کلاس روم میں بیٹھے تھے۔ ہ

(مسز رضیہ خان ایم۔اے پی۔ایچ ڈی)

وہم کے نقصانات

عام فہم زبان میں ہم وہم کی اس طرح تعریف کر سکتے ہیں کہ یہ انسانی دماغ کی وہ تحریک ہے جو اس کو فوری طور پر (سوچے سمجھے بغیر) کسی فیصلے پر آمادہ کر دیتی ہے اور چونکہ وہ خود اس کو نہیں سمجھتا ہے اس لیے دوسروں کو سمجھا بھی نہیں سکتا مگر اس فیصلے پر قائم رہتا ہے۔ یہ تحریک کبھی خود اعتمادی کی کمی اور کبھی سوسائٹی کی اندھی تقلید سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک فرد کا وہم رفتہ رفتہ پورے خاندان، سوسائٹی قوم اور پھر دوسری قوموں کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بعض وہم انسان اپنی پہلی درس گاہ یعنی ماں کی گود میں سیکھتا ہے۔ عام طور سے کم تعلیم یافتہ مائیں (جن میں کبھی کبھی اندھی تقلید کی بنا پر کافی تعلیم یافتہ مائیں بھی شامل ہو جاتی ہیں) چھوٹے بچوں کی ضد سے چھٹکارا پانے کے لیے اس کو بھوت پریت سے ڈراتی بھی ہیں۔

فرض کیجئے کہ ماں بچے کو سلانا چاہتی ہے۔ بچہ سوتا نہیں ہے اور ماں کے آرام یا کام میں خلل پڑتا ہے تو وہ فوراً کہہ دیتی ہے کہ "آنکھیں بند کر لو ورنہ بھوت آجائے گا" بچہ بے چارہ آنکھیں بند کر کے سو جاتا ہے یا اس سے کوئی چیز چھپانا ہو تو کہہ دیتی ہے کہ "دیو لے گیا" یہ ٹھیک ہے کہ ماں کو فوری طور پر ان تدبیروں کے ذریعے چھٹکارا مل جاتا ہے مگر وہ یہ نہیں سوچتی کہ بچے کے دماغ میں دیو کا تصور کچھ عرصے تک یا کبھی کبھی تمام عمر باقی رہے گا اور اس کی ذمہ داری ماں پر ہوگی۔

ابھی حال ہی میں اخبار میں چھپا تھا کہ ایک خالی محل ہے جس میں کچھ بچے کھیلا کرتے تھے ایک روز کچھ خوفناک آوازیں سنائی دیں تو بچے سمجھے بھوت ہیں اور کچھ بچے ڈر کر بھاگ بھی گئے مگر

تیار کیے تھے۔ تاکہ کلاس لا سکو۔ اگر نوٹس نہیں ملے تو
تو... امی پپا... کی خواہش ...." وہ" اس
سے آگے کچھ نہ کہہ سکی اور رونے لگی۔

" بھئی نازنین مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن
ناچیں کر پرنسپل صاحبہ سے کہیں یہی کہنے لگی۔ نہیں
میں نہیں چاہتی کہ یہ بات پرنسپل صاحبہ تک جائے۔"

" نہیں تم فکر مت کرو۔ ہم کوشش کریں
گے اگر کسی نے غلطی سے لے لیے ہیں تو مل جائیں گے"

وہ انکار کرتی رہی اور ہم دونوں نے مل کر
لیکچرار اور پرنسپل صاحبہ سے شکایت درج کرائی۔
دوسرے دن لیکچرار کلاس میں سب سے دریافت
کر رہی تھیں۔ سب کے ساتھ ہم نے بھی کتابوں
اور نوٹس کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔

ہم خوش تھے کہ ہمارے پاس بہترین
نوٹس ہیں Exam's میں جب ایک ہفتہ باقی
تھا تو چاہا کہ کچھ پڑھ لیں تاکہ کم از کم پاس تو ہو سکیں
مگر Exam's کے ایک ہفتہ پہلے جب ہم نے
نوٹس دیکھے تو حیران رہ گئے۔ اتنے سارے
نوٹس ہم پڑھ سکیں گے۔

رزلٹ نکلا جو ہونا تھا وہی ہوا یعنی میں اور
نازش ناکام ہو گئے۔ نازنین صرف پاس ہو سکی۔ اس
کے بعد ہم نے سنا کہ مارکس کم آنے سے نازنین کو
M.B.B.S میں داخلہ نہ مل سکا۔ پھر ہماری شادی
ہو گئی۔ شادی کے ایک سال بعد بے بی نے دنیا
میں قدم رکھا۔ جو عجیب قسم کی لڑکی تھی۔ بدصورت
کالی کلوٹی۔ مجھے اس وقت یہ احساس ہوا کہ
میں ظالم ہوں جو خدا کی بنائی ہوئی صورت کا مذاق
اڑایا۔ بے چاری کا کیا قصور۔ اس وقت مجھے
نازنین بری طرح یاد آئی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ
میں چل کر اس سے اپنے کیے کی سزا پاؤں۔

جب کبھی کوئی یہ کہتا۔ بھئی بے بی تمہاری
بیٹی نہیں لگتی۔ یہ کالی کلوٹی لڑکی یہاں کیسے آ گئی
تو اس وقت میرے دل کا جو حال ہوتا وہ خدا ہی
جانتا ہے۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی اور نازنین
کا چہرہ سامنے گھوم جاتا اور میرا سر نیچے کو جھک جاتا۔
جب کبھی میں اپنی اکلوتی بیٹی بے بی کو دیکھتی تو پریشان
ہو جاتی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے یہ سب کچھ میں
نے کیا ہے اور اس میں سارا قصور میرا ہے۔

پھر میں سوچنے لگتی: ہو سکتا ہے کہ بے بی
بھی ایک دن اونچے معیار کی بن جائے۔ ● ●

کے رنگ وغیرہ پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ کاریں ٹی وی اور مکان کے نمبروں میں بھی بعض لوگ اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ گلی کوچوں اور سڑکوں پر نجومی بیٹھے رہتے ہیں جو ہاتھ کی لکیروں اور تاش وغیرہ سے لوگوں کے ماضی اور مستقبل کا حال بتاتے ہیں ہر زبان میں اس پر کتابیں بھی موجود ہیں۔ تاریخ کی کتابیں پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی اس سے خالی نہیں تھے ان کے دربار میں نجومیوں کا خاص مقام ہوتا تھا لیکن یہ سب چیزیں عمل کی کمی اور اعتقاد کی کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جو عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اُترتیں۔

وہم کی ایک قسم نظر بد کا خوف بھی ہے کچھ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص ہماری اچھی چیز کو دیکھ لے گا تو نظر لگ جائے گی اور ہماری یہ چیز خراب یا ضائع ہو جائے گی لیکن اگر انسان کی صحیح تعلیم و تربیت ہوتی ہے اور خدائی انتظام اور اس کے رحم و کرم پر بھروسہ ہوتا ہے تو ایسا شخص فوراً ایسے وہم کو اپنے دماغ سے نکال دیتا ہے چنانچہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس لڑکے مصر کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

حضرت یعقوبؑ نے ان سے کہا کہ تم لوگ ایک دروازے سے نہ نکلنا مگر فوراً ہی انھوں نے اپنا خیال بدل دیا۔ اس لیے کہ ان کی تربیت پیغمبری ماحول میں ہوئی اور ان کو خدا کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے بعد ان کے حالات بدل گئے اور تمام رنج و غم عیش و عشرت میں بدل گیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے، قرآن، سورہ یوسف)

اس کے علاوہ ایک عالمگیر وہم اور بھی ہے جس میں دنیا کی بہت سی قومیں مبتلا ہیں، وہ عورت کی پوزیشن ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ عورت کا وجود خاندان اور سوسائٹی کے لیے بہت منحوس ہوتا ہے وہ جس خاندان میں پیدا ہوتی ہے اس کا سر نیچا ہوتا ہے اور اس کے مردوں کو سسرال اور سالا بننے کی ذلت گوارا کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ پے در پے مذہبی اور قانونی اصلاحات کے باوجود بھی یہ دو الفاظ آج تک ہماری سوسائٹی میں گالی کی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ بعض قوموں میں ان ہی وہموں کے غلبے سے یہ رسم ہو گئی تھی کہ لڑکی

تین بچوں نے ہمت کرکے پولیس کو اطلاع کی تو معلوم ہوا کہ اس گھر کو چند جعلساز لوگوں نے اپنی جعلسازی کا اڈا بنایا تھا اور وہاں وہ جعلی کاغذ چھاپ کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں، اور خوفناک آوازیں اس لیے نکالتے تھے کہ کوئی اس محل کے اندر نہ آنے پائے ورنہ ان کی جعلسازی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

(ہندوستان ٹائمز، اتوار، ۲۰ر فروری ۷۷ء ص ۱۴)

یہاں تک غنیمت ہے کہ بچوں کے ڈر ہی تک بات رہی اور کچھ بچوں کی ہمت سے وہ بھی ختم ہوگئی مگر چند ماہ پہلے ایک اور واقعہ چھپا تھا جو وہمی خیالات کی وجہ سے زیادہ مہلک ثابت ہوا ایک بے چاری عورت کسی رشتہ دار کے گھر میں آکر رہنے لگی اور کچھ عرصے تک رہی۔ بدقسمتی سے اس کے زمانۂ قیام میں گھر والے کے بچے بیمار رہنے لگے، گھر والے کو یہ خیال ہوا کہ اس عورت پر بھوت آتا ہے اور اس کی وجہ سے گھر کے بچے بیمار رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک جادوگر کو بلایا کہ وہ اس کا بھوت اتارے جادوگر نے اس کو اس قدر جسمانی تکلیف پہنچائی کہ وہ بے چاری مرگئی۔ معاملہ پولیس کے سپرد ہوا جادوگر، اور اس کو بلانے والا دونوں قتل کے الزام میں گرفتار ہوگئے۔ غرضیکہ ایک وہم پورے خاندان کی تباہی کا باعث بن گیا۔

(ہندوستان ٹائمز، اتوار، ۱۶ر جنوری ۷۷ء)

لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ جن اخباروں میں وہم کی ایسی عبرتناک خبریں چھپتی ہیں۔ ان ہی میں ایک دو کالم یا کبھی پورے صفحات میں نجوم کے قاعدے کے مطابق لوگوں کے مستقبل بتلائے جاتے ہیں۔ سال بھر کا حساب موجود ہوجاتا ہے کہ فلاں فلاں تاریخ میں جو شخص پیدا ہوا ہے اس کا اتنے عرصے تک یہ مستقبل رہے گا۔ وہم کی یہ وبا ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ کم و بیش ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور اب اتنی پرانی ہوگئی ہے کہ اس کی تاریخ کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ ہر طبقے اور ہر مذہب اور عمر کے لوگ تھوڑے بہت اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اگر اس کی تفصیل میں جائیے تو بہت بڑا پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ شادی، بیاہ، سفر اور بڑے کاموں کے آغاز و انجام میں اس کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ کپڑوں کے رنگ اور زیور

اگر ہماری خواہش ہے کہ سماج سے وہم کا مرض ختم کر دیا جائے اور تکلیف دہ رسم کو مٹا دیا جائے تو اس کا علاج بھی غور سے کرنا ہوگا۔ ہم اخباروں، رسالوں اور کتابوں کے ذریعے ان بے وقوفیوں کے خلاف آواز اٹھا سکتے ہیں۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے ذریعے سے بھی ان برائیوں کے خلاف بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے ہم کو گھر پر اور اسکولوں میں بچوں کو شروع ہی سے سائنسی طریقے سے سوچنے اور سمجھنے کی عادت ڈلوانی چاہیئے۔ سماج کی بہت بڑی خدمت ہوگی اگر بچپن ہی سے وہ لوگ بغیر سوچے سمجھے کسی چیز کو قبول نہ کریں۔

اس کے علاوہ پڑھے لکھے سمجھدار لوگ گاؤں اور قصبوں میں جا کر جلسے کر سکتے ہیں اور لوگوں کو وہم کے نقصانات سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ یہ بتانا ضروری ہوگا کہ وہم کا دار و مدار خوف، دہراس اور تخیل پر مبنی ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو اپنے اوپر بھروسہ اور اعتماد باقی نہیں رہتا۔ اچھی تعلیم و تربیت ہی وہم اور وہمی۔ سوم کا علاج ہے۔ (سائنس کی دنیا)

ضرورت ہے

ہمیں حجاب کے مندرجہ ذیل شماروں کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر حجاب کی فائل نامکمل رہی جاتی ہے جو صاحب یہ شمارے بھیجدیں گے۔ ان کی خدمت میں ہم ان کے بدلے رقم بھی دینے کو تیار ہیں یا ان کے بدلے نئے شمارے بھی۔

جنوری سنہ ٦٦ء ۲ عدد ۔ مارچ سنہ ٦٦ء ۲ عدد ۔ مئی سنہ ٦٦ء ۲ عدد ۔ جون سنہ ٦٦ء ایک ۔ جولائی ۲ عدد

اکتوبر سنہ ٦٦ء ایک ۔ فروری سنہ ٦٦ء ایک ۔ اپریل سنہ ٦٦ء ایک عدد

جنوری سنہ ٦٨ء ۲ عدد ۔ جولائی سنہ ٦٨ء ۲ عدد ۔ ستمبر سنہ ٦٨ء ۲ عدد ۔ اکتوبر سنہ ٦٨ء ۲ عدد ۔ نومبر [illegible] دسمبر [illegible]

جون سنہ ٦٨ء ایک عدد۔

مئی سنہ ٦٩ء ایک عدد ۔ ستمبر سنہ ٦٩ء ایک عدد ۔ دسمبر سنہ ٦٩ء ۲ عدد ۔ ایڈیٹر حجاب رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱

کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ مذاہب اور قوانین نے اس کی سخت ممانعت کی، لہٰذا وہ زندہ رکھنے پر تو مجبور ہو گئے لیکن یہ وہم کسی طرح دماغوں سے نہیں نکلا کہ وہ ایک کمتر درجے کی انسان ہے لڑکی کے ماں باپ خواہ اس کی کتنی ہی اچھی تعلیم و تربیت کریں لیکن جب اس کو شوہر کے سپرد کرتے ہیں۔ تو اپنے احساس کمتری سے مغلوب ہو کر طرح طرح سے اس کی تلافی کرتے ہیں۔ اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈال کر داماد کو زیادہ سے زیادہ مالا مال کرتے ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی مجبوراً شامل ہو جاتے ہیں۔ جو دل سے اس کو پسند نہیں کرتے اس لیے کہ اس نے رسم کی صورت اختیار کر لی ہے مثل مشہور ہے کہ رسم بے وقوف شروع کرتا اور اور عقلمند اس کی تقلید کرتا ہے اس کے باوجود بھی اگر شوہر کا برتاؤ اچھا نہیں ہوتا اور علاحدگی ہو جاتی ہے تو اس عورت کو سوسائٹی نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اگر خدانخواستہ بیوہ ہو جائے تو اس کا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک زمانے میں اس کی بہترین ترکیب یہ سوچی گئی اور اس پر عمل بھی ہوتا رہا کہ عورت جل کر مر جائے اور اس رسم کا نام "ستی" رکھا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ بیدار مغز لوگوں نے اس رسم کا خاتمہ کر دیا لیکن سوسائٹی اب بھی بیوہ عورت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی اچھا کھانا، اچھا پہننا، زندگی سے لطف اندوز ہونا اس کے لیے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اب چونکہ خواتین میں تعلیم کا چرچا ہو گیا ہے لہٰذا اتنی ہمت بھی آ گئی کہ وہ ان مظالم کے خلاف آواز اٹھا سکیں۔

۱۹۷۵ء سے اب تک بین الاقوامی سطح پر اس سلسلے میں بہت کامیاب کوششیں کی گئی ہیں اور امید ہے کہ آئندہ بھی ہوتی رہیں گی تاکہ ان بیجا رسموں کا بالکل خاتمہ ہو جائے جو محض وہم کی پیداوار ہیں۔ مگر اس کے لیے صحیح تعلیم و تربیت شرط ہے اور عورت کی تعلیم کو مرد کی تعلیم سے زیادہ اہمیت ہونا چاہیے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ ایک مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہوتی ہے اور ایک عورت کی تعلیم پورے خاندان کی تعلیم ہوتی ہے۔ عورت ہی پوری ہمت کو کام میں لا کر تمام فضول رسموں کو مٹا سکتی ہے۔

○ جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

پڑھائی میں لگ جاتی۔ آخر اسے اپنی بہترین پوزیشن برقرار رکھنی تھی۔

ایک دن معاملہ جب تلخ کلامی تک پہنچا تو وہ حیران رہ گئی۔ وہ جو ٹیک، مطمئن اور پرسکون سی لڑکی تھی۔ اچانک ہی اس کے سکوت زدہ تالاب میں ایک بڑا کائی لگا پتھر آ گرا تھا جس کی وجہ سے تالاب کی سطح گدلی گدلی سی ہو رہی تھی۔

"امی، کیا بات ہے؟ ابو آپ سے ناراض ہیں کیا؟" ایک روز اس نے پوچھ ہی لیا۔ اس کی ماں نے جس کی آنکھوں میں پہلے ہی کچھ گلابی گلابی ڈورے تیر رہے تھے، ٹالتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو۔۔۔۔"

"تو ابھی ابو آپ پر بگڑ کیوں رہے تھے؟"

"کام زیادہ ہوتا ہے نا بیٹے۔۔۔ اس وجہ سے تمہارے ابو ذرا چڑچڑے ہو گئے ہیں۔" امی نے بات بنائی۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" انجم نے ماں سے دلی ہمدردی کے ساتھ کہا۔ "پہلے بھی تو کام بہت ہوتا تھا۔"

"اب کچھ زیادہ ہی ہونے لگا ہے۔" ماں کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

"اچھا۔" انجم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ خاموش ہو گئی۔

بات کچھ بھی رہی ہو۔ بہرحال انجم سے چھپائی جا رہی تھی تاکہ وہ اپنے امتحانات کے لیے دل لگا کر پڑھائی کر سکے۔

وہ شام بھی ایسی ہی تھی جیسی اور شامیں ہوتی ہیں۔ ہر چند کہ اس شام میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مگر پھر بھی انجم کا دل منجدھار میں ٹوٹتے ہوئے سفینے کی طرح ڈول رہا تھا۔ انجم کی امی تین دن سے اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ اس وقت انجم کے باپ اپنی بیوی کو لینے گئے ہوئے تھے اور انجم اکیلی بہت زیادہ گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ابو آئے مگر تنہا۔ انجم دوڑ کر بولی۔۔۔!

"ابو امی کو کیوں نہیں لائے۔۔۔ مجھے دوہرا کام کرنا پڑ رہا ہے۔ اگلے مہینے میرا امتحان بھی تو ہے۔"

(نگار سلطانہ)

فیصلہ

ماں اس پر جان چھڑکتی تھی اور باپ اس کے ناز اٹھاتا تھا۔ بڑے اچھے خطوط پر تربیت پانے والی انجم سوچا کرتی کہ وہ کتنی خوش نصیب ہے جسے کوئی دکھ نہیں ہے

کالج سے آکر اسے کتنی ہی بھوک لگی ہوتی، لیکن جب تک ابو نہ آجاتے اس کے حلق سے نوالہ نہ اترتا۔ شام کو گھنٹوں اپنے کالج کے قصے امی کو سنایا کرتی۔ آج ثمینہ نے یہ شرارت کی۔ میڈیم نے اس کو آفس میں طلب کر لیا۔ تو اس طرح ہم سب نے مل کر اس کو بچایا۔ آج رخسانہ نے ہم سب کو آئس کریم کھلائی۔ اور اسی طرح کی ڈھیروں باتیں جن میں سے بعض باتیں بے سروپا ہوتیں مگر وہ بڑی مسرت سے یہ باتیں اپنے ماں باپ کو سناتی اور وہ اپنی بیٹی کی خوشی کی خاطر ان کو دلچسپی سے سنا کرتے اور تبصرے کرتے وہ اپنے والدین کو اپنے چھوٹے معاملات میں اتنی دلچسپی لیتے دیکھ کر کتنی خوش ہوتی۔ اس لئے اس کی اپنے والدین سے محبت اور دوگنی ہو جاتی۔ کتنی مثالی زندگی تھی اس کی۔ محبت کرنے والا باپ، جان دینے والی ماں، اس کو اپنی تنہائی کا کبھی تو احساس نہ ہوتا۔

ادھر چند دنوں سے وہ ایف۔ایس۔سی کے امتحانات کی تیاریوں میں مشغول تھی۔ اکثر محسوس کرتی کہ اس کی ماں اور باپ میں کچھ رنجش ہے۔ نہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کھل کر گفتگو کرتے ہیں اور نہ ان کے درمیان وہ ہنسنا بولنا باقی رہ گیا ہے۔ وہ گھبرا جاتی لیکن وہ یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ اس کے والدین آپس میں جھگڑ سکتے ہیں۔ وہ یہ خیالات جھٹک کر

اس طرح نہیں روتے، صبر کرو، میں کل تم کو تمہاری ماں سے ملواؤں گا۔"

"تم سو جاؤ۔ میں یہیں بیٹھا ہوں... ڈرو مت۔" ابو نے دھیمی نیلی روشنی جلا دی اور وہیں آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئے۔ دھیرے دھیرے انجم سو گئی۔

دوسرے دن وہ اٹھی تو اس کا سارا بدن جل رہا تھا۔ حرارت بھی تھی مگر وہ ماں سے ملنے کی امید میں اٹھ بیٹھی۔ جیسے تیسے ابو کی ضد پر اس نے ناشتہ کیا۔ دو دن سے ابو آفس نہیں جا رہے تھے اور آج بھی جب وہ باہر جا کر لان میں بیٹھے تو انجم سمجھ گئی کہ ابو آج بھی آفس جانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

"ابو۔۔۔" وہ آہستہ سے ابو کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔ "میں امی سے مل آؤں؟"

"اکیلی جاؤ گی؟"

"چلی جاتی ہوں ابو۔۔۔ کوئی خاص دور بھی تو نہیں ہے نانی کا گھر۔" اس کے لہجے میں اصرار تھا۔

"کب تک واپس آؤ گی؟"

اس کا جی چاہا کہہ دے میں امی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ابو میں وہیں رہ جاؤں گی۔"

ویسے ہی ابو نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور وہ کانپ کر رہ گئی۔ ایک ہی رات میں ابو برسوں کے مریض لگنے لگے ہیں۔ ابو کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ ان کے انداز میں عجیب سا تاثر تھا۔ انھوں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے دکھ سے کہا۔

"اپنی ماں کے پاس رہ تو نہ جاؤ گی؟"

نہ معلوم ابو کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ ابو کے سینے سے لگ کر کسی ننھی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ صبح کا وقت گزر گیا۔ دوپہر گزری۔۔۔ سہ پہر گزری اور شام بھی گزر گئی۔ لیکن انجم نے ماں کے پاس جانے کی ضد دوبارہ نہیں کی۔

رات کو وہ خالی الذہن سی بیٹھی تھی جو بھی ہوا کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کر ہی نہیں پا رہی تھی۔ ابو خواب آور گولیاں کھا کر سو چکے تھے۔ وہ بستر پر بیٹھی

"تمہاری ماں یہاں کبھی نہیں آئے گی۔" ابو کے لہجے میں دکھ کے ساتھ شدید تلخی بھی تھی۔

"کیوں؟" انجم دہل کر رہ گئی۔

"اس لیے کہ میں اس کو طلاق دے کر آیا ہوں۔" ان کا دل غضب ناک ہو گیا۔ "ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ میں عرصہ سے برداشت کر رہا ہوں۔ لیکن تمہاری ماں نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ تم نہیں سمجھو گی۔"

"میں سب سمجھوں گی ابو، مجھے بتلایئے تو سہی، آپ امی کو لینے گئے تھے، کیا آپ وہیں سے آرہے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ میں وہیں سے آرہا ہوں۔ وہیں دس لوگوں کی موجودگی میں میں نے اس کو طلاق دی ہے۔ حالانکہ خود ہی مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ معاملہ یہاں تک آجائے گا۔۔۔ خدا معلوم یہ سب کیسے اور کیونکر ہو گیا۔" انجم کے باپ نے بہت تکلیف کے عالم میں اپنا سر دونوں ہاتھوں پہ گرا لیا تو اس کو اپنے ابو کی بے بسی پر رونا آگیا اور وہ کتنی ہی دیر ان کے گلے میں باہیں ڈالے روتی رہی۔

اس دن نہ انجم نے رات کا کھانا پکایا اور نہ ہی ابو نے کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ ساری رات ایک کرب کے عالم میں گزری۔

انجم کا دماغ خالی ہو رہا تھا۔ اب کیا وہ اپنی ماں سے کبھی نہ مل سکے گی ۔۔۔ اب کیا یہ گھر ماں کے بغیر ہی چلے گا۔ اس کا دل ایسا ہو گیا جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔ وہ کتنی ہی دیر تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔ بالکل ایک ایسی بچی کی طرح جس کے سارے کھلونے چھین لیے گئے ہوں۔ وہ بے اختیار امی امی سے چیخ پڑی۔

رات کے سناٹے میں اس کی چیخ سن کر ابو تیزی سے اس کے کمرے میں آئے۔ ابو کو دیکھ کر وہ بے اختیار رو دی۔

"ابو، میری امی کو لے آیئے...... میں امی کے بغیر مر جاؤں گی ابو..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ واقعی کسی دو سالہ بچی کی طرح تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"انجم..... انجم بیٹے، بڑی بات ہے..

"جاؤ، شاباش سو جاؤ — سرہانے کی کھڑکی بند کر لینا۔ آج بہت سردی ہو رہی ہے دروازے وغیرہ تو سب بند کر لیے نا؟"

کتنی عجیب بات تھی۔ امی اس گھر کے مطابق فکر مند تھیں جواب ان کا نہیں رہا۔ کچھ بھی تو حق نہیں رہ گیا تھا۔ اس گھر پر، دروازے کھلے ہوں خواہ بند رہیں — کھانا وقت پر پکے یا نہ پکے — گھر کی صفائی ہو یا نہ ہو —

انجم سوچ رہی تھی، اس کی ماں اب ابو کے سامنے نہیں آئیں گی — وہ جن سے کوئی پردہ نہ تھا، اب ہزاروں پردے ہو گئے یہ پل بھر میں کیا سے کیا ہو گیا؟

فون بند ہو چکا تھا۔ ریسیور انجم کے ہاتھ میں لرز رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔

دوسرے دن وہ ابو سے جلد واپسی کا وعدہ کر کے نانی کے گھر گئی۔ وہاں اس کی ماں نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ امی کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ مستقل سر درد رہنے لگا تھا۔ اس کی نانی نے زبردستی انجم کو دوپہر کے کھانے پر روک لیا۔

اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے ابو سے پوچھا: "ابو مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟"

"کچھ ایسی خاص دیر تو نہیں ہوئی۔"

"امی نے دراصل بہت اصرار سے کھانے پر روک لیا تھا۔" کچھ ڈر کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔" ابو نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا: "تمہاری ماں کا بھی تم پر حق ہے اور اب تو اتنا ہو گیا ہے کہ اس نے تمہارے حصول کے لیے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا ہے۔"

انجم کے لیے یہ خبر عجیب نوعیت کی تھی۔

"آپ کو کس نے بتایا ابو؟"

"میرے وکیل نے۔" ابو نے سنجیدگی سے کہا۔ اگلے ہفتے مجھے عدالت میں حاضر ہونے کا نوٹس ملا ہے۔

"اب... اب کیا ہو گا؟" انجم کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"وہی ہو گا جو اصولاً ہونا چاہیے۔ میں شرعی اور قانونی طور پر تمہارا حقدار ہوں۔ لہٰذا

جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔ انجم نے فون کی طرف دیکھا اور دوبارہ خیالات میں کھو گئی۔ بجتے بجتے گھنٹی بند ہو گئی۔

چند لمحوں کے بعد فون پھر چیخ اٹھا۔ اُس نے جھنجھلا کر فون اٹھایا۔ دوسری طرف سے جو آواز آئی اس نے انجم کی روح کے تاروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"انجم...!" اس کی ماں بول رہی تھی

"امی...!" انجم چیخ پڑی۔

"ہاں بیٹی — میں بول رہی ہوں — کیسی ہو؟" ماں کی آواز میں آنسوؤں کی لرزش تھی۔

"امی... یہ سب کیوں ہو گیا؟" وہ رو دی۔

"رو نہیں بیٹے..." ماں کی آواز میں کپکپاہٹ تھی: "مجھے خود بھی نہیں خبر کہ یہ کیا ہو گیا۔ میں نے تو ایسا سوچا تک نہیں تھا۔" امی کی آواز میں حسرت تھی۔

"کیا اس میں ابو کا قصور ہے — مجھے بتلائیے امی۔" انجم نے زور دے کر پوچھا۔

"پتہ نہیں۔"

"تو... تو پھر..."

"مجھے کچھ نہیں اندازہ کہ اس میں میرا یا تمہارے ابا کا کتنا قصور ہے — شاید ہم دونوں کا ہی قصور ہے۔"

پھر امی نے ٹالتے ہوئے کہا: "تم اب تک جاگ رہی تھیں۔"

"میں تو کل بھی نہیں سوئی تھی امی۔ آپ مجھے سارا وقت یاد آتی رہیں۔"

"لیکن تم نے تو فون کر کے بھی میری خیریت نہ پوچھی، نہ آکر دیکھا، کیا تمہارے ابو نے منع کر دیا ہے۔" ماں کی آواز میں شکوہ تھا۔

"جی نہیں تو..." وہ گھبرا گئی۔ "میں کل آؤں گی امی۔"

"ضرور آنا بیٹی — میں صبح سے ہی تمہارا انتظار کروں گی۔" ماں کے لہجے میں چاہ تھی۔

"اب تم کچھ مت سوچو اور جا کر سو جاؤ۔ اور ہاں رات کا کھانا کھایا تم نے...؟" ماں کی آواز میں فکر تھی۔

"جی۔"

اس نے بہت کوشش کی کہ ایک فیصلہ
کرے۔ اگر وہ ماں کے حق میں فیصلہ کرتی تو باپ
کی عمزدہ شکل اور چہرے پر ابھرتی ہوئی سی
فکر و پریشانی کی لکیریں اس کی نگاہوں میں گھوم
جاتیں اور اس کا فیصلہ آپ ہی آپ ٹوٹ
جاتا۔ لیکن اگر وہ باپ کے حق میں فیصلہ کرتی
تو ماں کی ممتا اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی
ماں نے تو اس کی پیدائش سے بہت قبل
سے ہی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ اس ماں کو
وہ کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ وہ بے بس ہو کر
رو دیتی ... اور کیا کر سکتی تھی۔

پیر کا دن تھا۔ وہ اب تک کسی نتیجے پر
نہیں پہنچ سکی تھی۔ اس کے دل میں گھبراہٹ
بس کر رہ گئی تھی۔ بیٹھے بیٹھے ہی اس کا سارا جسم
سرد ہو جاتا، جسم میں تشنج سا آجاتا۔ اس کا
دماغ برف کی جلتی ہوئی سل بن گیا تھا اور
برف کی سلیں سوچا نہیں کرتیں۔ فیصلہ نہیں
کر سکتیں۔

اسی رات کو اس کے ماموں کا فون آیا۔
"انجم بی بی — میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا
صرف تم کو ایک اطلاع دے رہا ہوں کہ تمہاری
امی کی حالت عدالت سے واپسی کے بعد سے
بہت خراب ہے۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کی
تاکید ہے اور ہدایت کر دی ہے کہ انھیں خوش
رکھیں، کوئی دھکی خبر ان کی جان لے سکتی ہے۔
یہ کیسی سیاست ہے۔ کیا ہر ایک یہ چاہتا
ہے کہ انجم اپنی جگہ پس کر رہ جائے۔
ماموں جان ..." وہ گھبرا گئی۔
ہاں بیٹے — انجم اپنی امی سے گفتگو کرلو۔
کچھ دیر بعد دوسری طرف سے کھانسنے
کی آواز آئی۔ اس کی ماں نے بولنے کی بہت
کوشش کی لیکن بے اندازہ کھانسی کی وجہ سے
انجم صرف اپنا نام ہی سمجھ پا رہی تھی۔
"آپ کیا کہہ رہی ہیں امی!" وہ بے قرار
ہو کر بولی۔
ایک لمحے کے توقف کے بعد ماموں کی
آواز آئی "انجم تمہاری امی، بول نہیں پا رہی
ان کی حالت ٹھیک نہیں۔ بہر حال"
ماموں سے وہ ایک باتوں کے بعد
انجم نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا۔

میں مقدمہ ضرور لڑوں گا۔" ابو کے لہجے میں سختی تھی۔

چند دن گزر گئے ابو کا زیادہ وقت وکیل صاحب کے ساتھ باتوں اور مشوروں میں گزرتا ۔۔۔ اس عرصہ میں وہ چند دفعہ ماں کے پاس گئی تھی۔ اس کے امتحان نزدیک آرہے تھے اس کی ماں اور باپ اپنی اپنی جگہ اس کو پڑھنے کی تلقین کرتے ۔۔۔ وہ مجبوراً پڑھنے بیٹھ جاتی اور کتاب میں گول گول سے دائرے ناچنے لگتے اور پھر یہ دائرے اتنے بڑے ہو جاتے کہ اس کی پوری ہستی ان دائروں میں ضم ہو جاتی ۔۔۔ ایسے میں وہ کیا پڑھتی ابو الگ پریشان تھے۔ کچھ انجم کی وجہ سے۔ کچھ مقدمے بازی کی وجہ سے۔

اس روز عدالت میں انجم کی بھی پیشی تھی۔ عدالت میں اس کی ماں بھی آئی ہوئی تھیں۔ اور وہ اپنے ابو کے ساتھ گئی تھی۔ عدالت کی کارروائی کیا کیا ہوئی۔ انجم کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس کا دماغ تو اس وقت بھک سے اُڑ گیا۔ جب جج نے یہ فیصلہ سنایا کہ چونکہ انجم صحیح الدماغ، تعلیم یافتہ اور بالغ لڑکی ہے لہٰذا عدالت اسے یہ اختیار دیتی ہے کہ یہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ خواہ ماں کو ترجیح دے خواہ باپ کو ۔۔۔ اور جج نے کارروائی دوسرے بدھ تک کے لیے ختم کر دی اور اسی دن انجم کو آکر یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ باپ کے ساتھ رہے گی یا ماں کے ساتھ۔

اسے کچھ ہوش نہیں کہ وہ کس طرح اپنے باپ کے ہمراہ گھر تک آئی اُسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے دونوں بازو دو مخالف سمتوں میں کھنچے جا رہے ہیں اور وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

دو تین دن تو انجم نے اپنے آپ کو سنبھالنے میں گزار دیے۔ اتوار کو فیصلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اتنا آسان تو نہیں تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ انصاف کرے یا باپ کے ساتھ؟ سوال انصاف کا نہیں تھا، انصاف تو وہاں ہوتا ہے جہاں جرم ہو۔ یہاں نہ تو اس کا باپ کلی طور پر مجرم ثابت ہوتا تھا نہ ماں قصور درحقیقت ان لوگوں کا تھا جو آگ لگا کر تماشا دیکھ رہے تھے۔

جسم میں لرزش تھی جس پر انھوں نے جلد ہی قابو پالیا۔ آہستہ سے چلتے ہوئے انجم کے مقابل آئے۔ اس کے سر پر دونوں ہاتھ رکھ کر انھوں نے دکھ سے کہا۔

"تمہارا فیصلہ خدا کرے صحیح ہو اور جس کے پاس بھی رہو سدا خوشیوں ہی خوشیوں میں کھیلو۔" ابو کی آنکھوں سے برداشت کے باوجود دو آبدار موتی ٹپک پڑے۔

"ابو ۔۔۔۔ !" انجم دکھ اور بے بسی سے چیخ پڑی اور پھر ابو کے بازوؤں میں منہ چھپا کر اس قدر روئی کہ اسکا کیا ہوا فیصلہ ان آنسوؤں میں بہہ گیا۔

کافی دیر بعد جب اس کی طبیعت سنبھلی تو اس نے خود کو اسی سنگم پر کھڑے ہوئے پایا جہاں پہلے تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا، رات کے دس بج رہے تھے۔ منگل کا دن تھا۔ کل صبح دس بجے اسے عدالت میں حاضر ہو کر اپنے فیصلہ کا اعلان کرنا تھا۔ ماں باپ میں سے ایک کا چناؤ کرنا تھا۔ وہ بستر پر کسی مورتی کی طرح بے حسی سے پڑی گھڑی کی سوئیاں دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی بکھر گئی تھی کہ سانس بھی آہستہ لے رہی تھی۔

رات کے پچھلے پہر جب اسکے کمرے سے زور زور سے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں تو اس کا باپ بدحواس ہو کر دوڑا آیا۔ انجم بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے، وہ کبھی تیخ چیخ کر رونے لگتی۔ کبھی زور زور سے قہقہے لگاتی اور کبھی اپنے بالوں کی لٹیں پکڑ کر بال نوچنا شروع کر دیتی۔

دوسرے دن فاضل جج نے ڈاکٹری رپورٹ کی بنا پر اعلان کر دیا کہ چونکہ لڑکی اپنے حواس کھو بیٹھی ہے۔ اس لیے وہ خود کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔

اور مقدمے کی تاریخ بڑھا دی گئی اور آئندہ بڑھتی رہی اور پھر آپ سے آپ مقدمے کی کارروائی ختم ہو گئی۔ انجم کا انتقال ہو چکا تھا۔ سچ کہا جس نے کہا تھا کہ

طلاق مباحات میں سب سے بُری بات ہے۔ ●

وہ چپ چاپ سوچتی رہی... سوچتی رہی اور پھر اس نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر ایسے اثرات تھے جیسے اس نے ایک فیصلہ کرلیا ہو۔

اس کی ماں ایک عورت ہے۔ عورت اگر بیوہ ہو جائے یا مطلقہ ہو تو معاشرے میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا جب کہ مرد کے مقام اور قدر و منزلت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اب اس کی ماں، اس کے ماموں اور ممانی کے رحم و کرم پر ہے۔ ماں کو کما کر دینے والا کوئی نہیں ہے ___ ماں دوسری شادی نہیں کرسکتی، زمانہ اس پر تھوکے گا ___ اس کی ماں کا مستقبل ایک ایسی ڈولتی ہوئی کشتی کی مانند تھا جس کا ناخدا کھو گیا ہو۔ اب وہ تنہا کیا کرے گی؟ کہاں جائے گی؟

انجم نے بے قرار ہو کر اپنے سر کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ اس کی ماں زیادہ مستحق ہے۔ انجم نے سوچ تو لیا لیکن اس کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باپ کے کمرے میں گئی وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے سگریٹ پر سگریٹ پی رہے تھے۔ انجم جا کر ان کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"کیسی طبیعت ہے انجم بیٹے؟" ابو نے اس کو دیکھ کر سگریٹ ایش ٹرے میں رکھ دیا۔

"ٹھیک ہوں ابو۔" اس نے عجیب بے حسی سے جواب دیا۔

ایک لمحہ کو خاموشی چھا گئی۔ پھر انجم بولی "میں نے فیصلہ کرلیا ہے ابو۔" اس کی آواز میں وحشت تھی۔

ابو کا جسم ایک لمحہ کے لیے کانپ گیا۔ وہ اٹھتے ہوئے جبراً مسکرا کر بولے۔

"خدا کا شکر ہے بیٹی کہ تم ایک فیصلہ پر پہنچ گئی ہو۔"

"آپ نے میرا فیصلہ پوچھا نہیں...."

"مجھے اس کا حق نہیں ہے تم سے تمہارا فیصلہ پوچھنے کا، حق صرف عدالت کو ہے۔"

"میں آپ کو بتلانا چاہتی ہوں ابو۔"

"ہم... مجھے پتہ ہے۔" ابو نے شدت کرب سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتہ ہے کہ تمہارا فیصلہ کیا ہوگا! کیا ہو سکتا ہے۔" کے

ابو نے انجم کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ان

میں بس لوٹا اٹھا کر لیٹرن بھاگنے والی تھیں۔

کیونکہ جب بھی کوئی پریشانی یا گاڑھا وقت ہوتا اماں کے معدے میں گڑبڑ ہو جاتا۔ وہ بار بار روحانہ کا ہاتھ نوچ کر پوچھتیں۔

"کیا ہوا؟ ہوں کی اس نامراد نے ؟"

روحانہ ہونٹ چبا کر کہتی۔

"نہیں امی!"

اور اماں دھم سے پلنگ پر بیٹھ جاتیں ہائے کیا سوچا اس لڑکی کو۔ کیا سوچ رہی تھی وہ۔ پہلے تو سب سمجھے کہ وہ شرما رہی ہے مولانا نے اپنی نرم نرم آواز میں پردے سے منہ لگا لگا کے کہا۔

"شرمائیے نا بی بی یہ آپ کی زندگی کا فیصلہ ہے۔ ہاں کر دیجئے۔ ...... میں منتظر ہوں۔ ......" وہ بار بار کان پردے میں لگا دیتے بار بار پوچھتے۔

"ریحانہ بانو بنت قدرت علی ....."

بنت قدرت علی مورتی بنی بیٹھی تھی کیا مجال جو ٹس سے مس ہو۔ اس کو گودی میں لئے بیٹھی ممانی جان نے چٹکیاں لے لے کر اس

کا بازو نیلا کر دیا تھا۔

"بولو ریحانہ۔ ہوں کہو ...... ارے جلدی کہہ دے لڑکی ..... تجھے کیا ہوا ہے باپ دادا کی ناک کٹائے گی کیا ......"

وہ سرگوشیوں میں اس کو ڈانٹ رہی تھیں ریحانہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔

اماں کو اب چکر آنے لگے تھے۔ ابا کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا تھا اور بھیا دانت پیس کر رہے تھے۔

"ریحانہ۔ تجھے کیا ہوا ہے" ممانی جان نے اس کو جھنجھوڑ ڈالا۔ ریحانہ نے بڑی آہستگی سے ان کے ہاتھ ہٹا دیے۔ اور گردن جھکالی۔

"ریحانہ بانو۔ مولانا پھر کھنکارے۔ بنتِ قدرت علی میں آپ عقد ہاشم علی ولد ....."

ہاشم علی ــــ!

وہ خوبصورت سجیلا نوجوان ــــ ان گنت لڑکیوں کے دل کی دھڑکنیں اس کو دیکھ کر بڑھ جاتی تھیں۔ بڑے بڑے جتن کئے تھے۔ لڑکیوں کے والدین نے اس کو داماد بنانے کے لیے۔ بڑے بڑے خواب دکھائے گئے تھے۔ اس کو لیکن اس

(عطیہ پروین)

ایک تو ہماری......

مولانا کے تیسری بار پوچھنے پر بھی جب ریحانہ کے گھونگھٹ سے ہوں نہ سنائی دی تب، اماں کو چھل چھل پسینے آنے لگے۔ ابا کو اپنی ناک خطرے میں نظر آنے لگی۔ بھائی بہنوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور کونے کونے سے سرگوشیاں اٹھ اٹھ کر ماحول کو پُر اسرار بنانے لگیں۔

نکاح کے خیال سے میراثنوں نے گیت بند کر دیے تھے لیکن مبارکبادی گانے کے خیال سے ان کی انگلیاں بے تابی سے ڈھولک کو چھیڑ چھیڑ دیتیں اور وقفے وقفے سے ایک ہلکی سی ڈم ڈم مولانا کے کانوں کے آس پاس شرارت کر اٹھتی ۔۔۔ لڑکیاں بالیاں شوق کے مارے ایک دوسری پر گری پڑ رہی تھیں بیاہیوں کو اپنے اپنے وقت یاد آنے لگے اور بوڑھیاں گردنیں اونچی کر کر کے مولانا کے باہر جانے کی منتظر تھیں کہ اب ریحانہ ایک لمبی چیخ کے ساتھ روئے اور وہ اس کو دلاسہ تشفی دینے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جائیں۔

برات ٹھیک چھ بجے آگئی تھی۔ جلدی جلدی چائے ناشتے سے فراغت کر کے دولہا کو سجا سنوار دیا گیا تھا اور بڑے اچھے وقت نکاح ہو رہا تھا۔ اس کے بعد کھانا ہوتا۔ پھر ذرا دیر آرام کرنے کے بعد رخصتی ہو جاتی۔ شہر کے اندر کی شادی تھی۔ بس چار قدم پر دولہا کا گھر تھا بارہ بجے تک رخصتی دوسری صبح بھائی چوتھی لینے جاتے ۔۔۔!

لیکن ریحانہ کو یہ کیا سوجھی تھی۔ ابا بیتابی سے ہاتھ مسل رہے تھے اور ٹہل رہے تھے۔ بڑے بھیا کی ناک کے نتھنے غصے میں پھولنے، پچکنے لگے تھے اور اماں اب بدحواسی کے عالم

نے تھے۔ ہر پھاٹک میں ۵۰۰ ٹیوب لائٹس
گا رہی تھیں اور قدرت منزل کا اونچا پھاٹک
پنے سر پر خوش آمدید کا چم چماتا جھم جھماتا ہوا
رڈ لیے اس شان سے کھڑا تھا۔ جیسے آج
ی کے لیے اس کو بنایا گیا ہو — پورا ایک
رک جہیز تھا — ہر چیز ڈبل دی گئی تھی سوائے
ٹی وی اور فریج کے سیلنگ فین تو دو ٹیبل فین
ز دو۔ گودریج کی الماریاں دو، برتنوں کی
شیشے جڑی الماریاں دو۔ ڈائننگ سیٹ
زدو۔ ریڈیو دو، تخت، چوکیاں، مسہریاں، قیمتی
ت تو وہ کہاں تک شمار کرتا کوئی، ہر وہ چیز
جہیز میں تھی جس کی زندگی میں ضرورت ہوا کرتی
ہے۔ سوئی دھاگے سے لے کر تانبے کی ہاسی۔
جیسی دیگ — ہفتوں کیا مہینوں اس شادی
ور اس جہیز کا ذکر رہا۔ چھ ماہ کے بعد ہی ہاشم
یاں نے شادی کی جلدی ڈال دی — اماں
با نے بڑے بہانے کیے ان کا کہنا تھا ابھی تو
ر ومانہ کے بیاہ کی تھکن بھی نہیں اتری ہے کوئی
انتظام بھی نہیں ہے مگر ہاشم اڑ گئے۔ "مجھے کچھ
نہیں چاہیے نہ جہیز نہ پیسہ مجھے صرف ریحانہ
چاہیے۔"

مجبوراً راضی ہونا پڑا۔ بڑی جلدی جہیز جوڑا
گیا اوپر کے انتظامات کیے گئے۔ چہل پہل ضرور تھی
وہ بات نہیں تھی — وہ ولولہ اور جوش بھی نہیں
تھا یوں جیسے فرض ادا کیا جا رہا ہو۔ اماں ابا بھیا
بھابھی سب کا یہی عالم تھا۔ ریحانہ نے یہ فرق
دیکھا سمجھا محسوس کیا لیکن اُف نہ کی۔ ماتھے پر
شکن نہ لائی۔ شادی سے پہلے چار دن مانجھے کی رسم
ہوئی۔ رومانہ کا مانجھا بڑی دھوم سے ہوا تھا۔
مہمانوں سے گھر بھر گیا تھا۔ دو بڑی لگن بھر بھر
کے یہ بڑی بڑی پینڈیاں بنی تھیں۔ لکھنؤ سے
بڑا خوبصورت جگ مگ کرتا کنگنا منگوایا گیا تھا
گھنٹا بھر تک قہقہوں اور سُریلی چیخوں کے ساتھ
مہکتا ہوا اُبٹن کھیلا گیا تھا —

ریحانہ کے مانجھے میں بس گھر کے لوگ تھے
اور سینی بھر کے ننھی ننھی پینڈیاں، وہ بھی اتنی
سخت کہ سل کے بٹّے سے توڑی جائیں تب
ٹوٹتیں۔ رومانہ کے مانجھے کی پینڈیوں کا یہ
عالم تھا کہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ رکھ کر ذرا سا
دباؤ اور کھیل جیسی ہو جائیں۔ زبان پر رکھو تو

کرسا نولی نمکین اور چنچل ریحانہ کچھ ایسی بھا گئی تھی کہ اُس نے ہر طرف سے منہ پھیر کر اس کا آنچل تھام لیا۔ کیا کمی تھی اس میں ریحانہ کے ابا کو بلا ڈھونڈے بغیر کسی داؤں پیچ کے یہ ہیرا سا لڑکا ہاتھ آیا۔ تو ریحانہ کی قسمت کے قائل ہو گئے۔

گھر بھر میں ریحانہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں حاصل تھی۔ جو کچھ تھی بڑی بیٹی رومانہ ہی تھی۔ گوری چٹی چاند سی رومانہ۔ تعلیم میں ہمیشہ ریحانہ کو پیچھے چھوڑ دیا ماں باپ کی خدمت بھی وہی زیادہ کرتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھر کی لاڈلی بن گئی۔ اس کے بغیر صحیح معنوں میں گھر کا سنگھاسن ہلتا تھا۔ ریحانہ نے کبھی بہن کی برتری پر حسد یا کڑھن نہیں محسوس کی۔ وہ ہر بات کو ہنس کر اڑا دینے اور مسکراتے ہوئے جھیل جانے کی عادی تھی۔ مزے سے کھاتی پیتی اور بلبل کی طرح چہکتی پھرتی اس کی شاید یہی ادا ہاشم کو گھائل کر گئی تھی۔ جب ہاشم کا رشتہ آیا۔ تو اماں کو یقین ہی نہ ہوا انھوں نے سمجھا رشتہ رومانہ کے لیے آیا ہے۔ رومانہ کے ایک نہیں ان گنت رشتے آئے تھے ڈھیر لگ گیا تھا تب تو ان اور ریحانہ کے لیے اب تک کسی نے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔۔۔!

اماں کو افسوس ہوا۔ ہاشم جیسے لڑکے کو کھو دینے کا۔ ہفتہ بھر پہلے ہی رومانہ کی نسبت ایک ڈاکٹر کے ساتھ پکی ہوئی تھی۔ اگر نہ پکی ہوئی ہوتی تو وہ یقیناً ہاشم کا رشتہ منظور کر لیتی لیکن ان کی حیرت و مسرت کی انتہا نہ رہی جب ان کو یہ معلوم ہوا ہاشم نے رومانہ کا نہیں ریحانہ کا ہاتھ مانگا ہے۔۔۔ آخر کو ماں تھیں خوشی کیوں نہ ہوتی۔ پھولی نہ سمائیں۔ جھٹ پٹ امام ضامن کی رسم ہو گئی۔ لڈو بٹ گئے۔ بڑی گہما گہمی تھی ان دنوں۔ بڑی رونق تھی قدرت منزل میں۔ پہلے رومانہ کا بیاہ ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے خاندان تو کیا تو بستی بھر کا یادگار بیاہ تھا یہ۔ نہ ایسا جہیز کسی لڑکی کو اب تک ملا تھا نہ اتنی دھوم سے برات آئی تھی۔ جس جگہ یعنی بستی کے اندر داخل ہونے کے لیے "نگر پالیکا آپ کا سواگت کرتی ہے" کا پکا اونچا کشادہ پھاٹک بنا تھا۔ بس وہاں سے قدرت منزل تک روشنیوں پھولوں اور جھنڈیوں کا ایک سلسلہ تھا۔ درختوں پھا

ظالم مسکراہٹ کے ساتھ ٹہلتی پھرتی —— اس نے کنوار پن میں بھی اسی طرح ہر بات میں ریحانہ کی کٹوتی کی تھی۔ اس کی ہر ضد آگے ہوتی ریحانہ پیچھے رہ جاتی —— جہیز کے معاملے میں وہ بھی بازی مار لے گئی تھی۔ دوہری چیزیں اندر ہی اندر بھابھی سے کہہ کہہ کے اس نے حاصل کرلی تھیں یہ سارا حق ریحانہ کا تھا —!

ریحانہ برات آنے کے دو دن پہلے سے بالکل گم سم سی ہوکر رہ گئی تھی۔ جانے کیا ٹھان رکھا تھا۔ اس نے اپنے ننھے سے دل میں۔

برات بہت اچھی آئی۔ ہاشم کے والدین اپنی حیثیت سے بڑھ کر بری لائے تھے شاندار برات لائے تھے لیکن ان کا خیر مقدم اس جوش اور اس شان سے نہیں کیا گیا جس شان سے رومانہ کی برات کا کیا گیا تھا۔ سجاوٹ اور روشنی تو ماضی کی بات تھی بس چند لڑیاں روپہلے کاغذوں اور ننھے ننھے بلبوں کی تھیں جو مردانے حصے کے آنگن میں کھینچی تھیں۔ اندر کے آنگن میں یہ بھی نہیں تھا۔ روز کے جلنے والے راڈ اور بلب تھے۔ ہاشم کی کشادہ پیشانی پر پھر بھی بل نہ آیا۔ اس نے اپنے گرم مزاج بھائی کو بھی سمجھا بجھا کے چپ کردیا تھا —!

ناشتے میں دو طرح کے بسکٹ تھے دال موٹھ تھی اور ہر پلیٹ میں دو دو ٹکڑے سیب کے اور پتلی چائے بس اللہ اللہ خیر صلا —— —— لوگ رومانہ کی برات کی گرین لیبل مہکتی ہوئی چائے اور ان گنت قسم کے میوے پھل اور بسکٹوں کا ناشتہ یاد کر رہے تھے۔

ناشتہ ختم ہوا ادھر دولہا سجایا گیا اُدھر دلہن سجائی گئی۔ کیسی پیاری لگ رہی تھی ریحانہ ہمیشہ سادی سادی رہنے والی ناک میں بڑی سی نتھ پہنے ماتھے پر جگمگاتا ٹیکہ سجائے کانوں میں جھمکی پہنے ہاتھوں میں سرخ شہانے ڈالے سرخ کپڑے پہنے، خاموش، سنجیدہ، رنجیدہ۔ عورتوں سے کمرہ خالی کرانے کے باوجود ٹھسا ٹھس بھرا ہوا تھا جو کمرے میں نہیں آسکی تھیں وہ دروازوں اور کھڑکیوں میں ٹھنسی اندر جھانک رہی تھیں ——

مولانا بیچارے تھک گئے۔ کھسیانے ہوگئے۔ پیشانی پر سلوٹیں پڑنے لگیں۔ کھنکار کے انھوں نے ادھر

اصلی گھی میوے اور مہک سے منہ بھر جاتا۔ ایک یہی نہیں ہر بات میں فرق تھا۔۔۔ ٹی وی اور فرج کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ بھیا نے صاف انکار کردیا تھا۔ دوسری دوسری چیزیں تو کیا ایکلی کے لالے پڑ گئے۔۔۔ رومانہ کو تانبے کے برتنوں کا سات کا سیٹ یوں ملا تھا کہ بڑی دیگ پھر ادھا پھر بڑا پتیلہ پھر چھوٹا پتیلہ پھر بڑی پتیلی پھر چھوٹی پتیلی پھر اس سے چھوٹی جہازی تسلے، سینیاں، گگرے سلپچی اور جانے کیا کیا۔ اس کے بعد اسٹیل کا پورا سیٹ، چینی کا سیٹ پیتل کا سیٹ۔ حد یہ کہ مٹ چینی کے برتن بھی، اور ریحانہ کے نصیب میں پانچ عدد کا تانبے کا جو سیٹ آیا اس میں دیگ کا کوئی نشان نہیں تھا۔ پتیلہ بھی وہ ملا تھا جو گھر کے استعمال میں رہتا تھا۔ بس قلعی کروادی گئی تھی۔ چینی کا ڈنر سیٹ اور چائے کا سیٹ بھی بہت معمولی تھا۔ اسٹیل کے برتنوں میں بس چھ گلاس تھے۔ بھابی نے گویا ترس کھا کے اپنے جہیز کا ریڈیو دے دیا تھا اور اپنی مسہری بھی جس کے پائے میں گھن لگ رہا تھا۔ سنگھار میز کے نام پر وہ ننھی سی سنگھار دانی تھی جو کبھی ریحانہ نے بڑے چاؤ سے میلے میں خریدی تھی۔ وہ بھی کم بخت کچی لکڑی کی نکل گئی تھی۔ جگہ جگہ سے جھڑی جا رہی تھی۔ شیشے میں چہرہ بھی ٹیڑھا دکھائی دیتا تھا۔۔۔ رومانہ کو کپڑوں میں پورے باون جوڑے ملے تھے وہ الگ تھے۔ بعد میں اماں نے روزمرہ پہننے کے کپڑوں کے نام سے ڈھیروں ساڑھیاں خریدی تھیں غرارے اور شلواریں سیتے سیتے ریحانہ کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔

اس کے جوڑے کل گیارہ تھے ان میں بھی سات نئے نئے تھے۔ اور چار اس کے برابر کے پہنے ہوئے تھے۔۔!

پھر بھی، اس نے اُف نہ کی۔۔!

خاموشی سے سب دیکھا اور سنا کی۔۔۔!

رومانہ بڑے ٹھاٹ سے آئی تھی۔

زیورات کے ۹ سیٹ اس کو میکے سے ملے تھے اور دو سسرال سے، وہ روز ایک نیا جوڑا اور زیور کا نیا سیٹ بدلتی۔ ریحانہ کے جہیز کی ہر چیز میں کٹوتی کروائی اور بڑی

درد آشنائی

(بازغہ تبسم)

ہر شام کی طرح حسب معمول آج بھی میں رکٹوریہ گارڈن میں جنگلی درندوں کے جنگلے کے سامنے کھڑا ہوں، سامنے سبزے پہ لیٹی ہوئی شیرنی بہت ہی پُرسکون نظر آرہی ہے۔ اس کے دونوں بچے اس کے سینے سے چپٹے ہوئے ہیں اور شیرنی ممتا کے جذبے سے اپنی زبان بچوں کے بھورے ملائم بالوں پر پھیر رہی ہے اور جب وہ رہ رہ کر میری طرف دیکھتی ہے، تو میں اس کی سُرخ نیم وا آنکھوں میں ایک عجیب سی شناسائی اور ہمدردی محسوس کرتا ہوں۔

اس جنگلے کی آہنی سلاخیں آہستہ آہستہ پگھل رہی ہیں اور جنگلے کے اندر آزادانہ گھومتے درندوں اور میرے درمیان کا فاصلہ مٹ رہا ہے۔ فنا ہو رہا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں نے جنگلے کی آہنی سلاخوں کو مضبوطی سے تھام لیا ہے۔

شام کے ساتھ ہی گارڈن کا حسن، گونجتے قہقہے، اُمڈتے ولولے اور شوخ ہنگامے بھی جوان ہو رہے ہیں لیکن مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے گارڈن گھومنے والے سیکڑوں لوگوں کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی ہیں۔ اور ان کے شوخ قہقہے تیز خنجر کی طرح میرے دل میں پیوست ہو رہے ہیں۔ اچانک میرا چہرہ فق ہو گیا ہے۔ میرے جسم میں چیونٹیاں سی دوڑ رہی ہیں اور میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی تیز ہو گئی ہے۔ سامنے سے آتے اس شخص پر نظر پڑتے ہی ایک انجانے خوف نے مجھے دبوچ لیا ہے میں نے اپنے وجود کو یوں سمیٹ لیا ہے جیسے اپنے آپ کو جھاڑی کے اس طرف چھپا دینا چاہتا ہوں لیکن اس شخص کی خونخوار نظریں

اُدھر دیکھا۔

ابا نے جبڑے بھینچ لیے مٹھیاں کس لیں۔

"یہ ناخلف مردود لڑکی .... وہ پھنکارے کیا چاہتی ہے یہ ننگِ خاندان "

"خدا کی قسم۔ بھیا جان نے ہونٹ کاٹ لیے کنویں میں گر کے جان دے دوں گا۔ ریحانہ نے ناک کاٹنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے "

" ہا ریحانہ۔۔ اماں بلبلائیں۔۔ ہاں کہہ دے بیٹی۔ میری بچی!"

" ریحانہ۔۔ آخر بات کیا ہے؟" بھابی نے بدحواس ہو کر اس سے پوچھا۔!

"بول بیٹی بول۔ ہاں کہہ دے!" ممانی جان نے پھر اس کو جھنجھوڑا۔۔

" ریحانہ بانو بنت .... " مولانا نے پھر پوچھنا شروع کر دیا۔۔

"ہاں! ہاں! کہو!" بھابی نے اس کے گھونگھٹ میں منہ لگا لیا۔۔

اماں کی سانس رکنے لگی۔ ابا بے قراری سے ٹہلنے لگے۔ بھیا ہمہ تن گوش ہو گئے۔۔!

پورے گھر پر ایک ہولناک اور پُراسرار سناٹا چھا گیا۔۔!

" بھابی۔۔ ریحانہ دھیمی لیکن مضبوط، پرسکون اور ٹھوس آواز میں بولی۔ ابا اور بھیا سے کہئے پورا حساب لگا کے ایک ایک پائی کا حساب ایک ایک تنکے کا حساب سوئی سے لے کر بڑی دیگ تک کا حساب ٹی وی اور فریج کولر اور ریڈیو گرام سے لے کر ڈبل بیڈ اور الماریوں کا حساب، جوڑ کر اتنی ہی رقم کا چیک بنا کر ہاشم کے ہاتھ میں دے دیں تب میں ہاں کہوں گی "

کچھ گھنٹے بعد، جب ہاشم فرحاں و شاداں فتح مندانہ انداز میں بڑے وقار کے ساتھ اپنی آتش فشاں جیسی دلہن کو لیکر رخصت ہو گیا تو گھر میں ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے بھرے گھر سے جنازہ اُٹھ کے گیا ہو۔۔ اور ریحانہ۔ اس کو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے ریحانہ نے اس سے جنم جنم کا بدلہ لے لیا ہو۔۔!

(بشکریہ تحریک دہلی)

پہلی تاریخ کی مصیبت

(ایم صلاح الدین ایم اے)

آپ تو عنوان دیکھ کر میری عقل پر ماتم کرنا چاہتے ہوں گے۔ کیونکہ ملازمت پیشہ افراد کے لیے تو یہ تاریخ انتہائی خوش آئند ہوتی ہے اور یہ تمام حضرات بہت بے صبری سے اس تاریخ کا انتظار ہر ماہ کی دوسری تاریخ ہی سے شروع کر دیتے ہیں لیکن اب اس کا کیا کیجئے کہ میرے لیے تاریخ مصیبتوں اور کلفتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ منحوس تاریخ ہوتی ہے جب ڈاکہ پڑتا ہے کسی بنک پر نہیں، سرکاری خزانہ پر نہیں، سرمایہ داروں کی تجوریوں پر نہیں، بلکہ اس ہیچمدان کے.... پاکٹ شریف پر۔ اور ڈاکو کوئی غیر ملکی ہستی نہیں بلکہ ہماری جان سے بھی عزیز ہستی یعنی ہماری ہوم منسٹر جو ایک ہی ساتھ کوئی درجن بھر قلمدان وزارت کی مالک ہیں۔ فوڈ منسٹر وہ ہیں سپلائی منسٹر وہ ہیں کیونکہ جب تک وہ فوڈ سپلائی نہ کریں کس کی مجال ہے کہ مطبخ میں جا سکے اور کچھ اپنی مرضی سے کھا سکے۔ یہاں تک کہ وزیر خارجہ بھی وہی ہیں کیونکہ خارجہ پالیسی بھی وہ ہی طے فرماتی ہیں کون مہمان آنا چاہیے کس طرح کا سامان آنا چاہیے۔ کن پڑوسیوں سے کیسے تعلقات رکھنے چاہئیں یہاں تک کہ میرے کن رشتہ داروں کو آنا چاہیے اور کن رشتہ داروں کو نہیں۔ خواہ ان کے رشتہ داروں کا تانتا ہی بندھا کیوں نہ رہے۔ کبھی ان کے ابا جان آ رہے ہیں کبھی ان کے بھائی جان تشریف لا رہے ہیں۔ کبھی ان کا لاڈلا منا بھتیجا آ رہا ہے ان کی امی جان کا تو سمجھئے یہ سمر کیمپ ہے یعنی سال میں چھ ماہ ان کا یہاں قیام ضروری ہے بظاہر وجہ یہی ہے کہ ٹھنڈا اور صحت بخش مقام ہے۔ مگر اصلی وجہ جوان بیٹی کے تکرار کے موقع پر بھی

مجھے مسلسل گھورے جا رہی ہیں۔ میں تیزی سے دائیں جانب بڑھ گیا ہوں۔ مجھے اپنی پشت پر خونخوار پنجے کی گرفت سخت ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔

دور گارڈن کے ایک کونے میں، گھنے درخت کے نیچے میں یہاں ساری دنیا سے چھپ کر بیٹھا ہوں۔ مگر میری نگاہیں ابھی تک اس شخص پر جمی ہوئی ہیں۔ وہ میرا پرانا دشمن ہے جس سے ہماری کوئی خاندانی دیرینہ رنجش چلی آ رہی ہے وہ جب بھی کہیں دکھائی دیتا ہے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا ہے۔

گارڈن کے اس سنسان گوشے میں، کچھ تنہائی ہے اور سکون بھی۔ لیکن میرے اندر سے شور کرتا ہوا ہجوم سا امڈا چلا آ رہا ہے۔ ادھورے سوالات میرے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ مجھے یاد آ رہی ہے۔ غریبی سے تنگ آ کر اپنے بچوں کو زہر دے کر مار دینے والی بے رحم قاتل ماں۔ میرے تصور میں ابھر رہے ہیں۔ بے روزگاری سے دل برداشتہ ہو کر چوری کرنے والے گریجویٹ نوجوان، فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جلتا ہوا شہر، ظالم ہاتھوں سے چلائے گئے بلڈوزر کے نیچے دبی ہوئی چیخیں مجھے جھنجھوڑ رہی ہیں۔ کرسی کے لیے لڑتے ہوئے آدرش سرحد پر سنسناتی ہوئی گولیاں میرے سینے کے پار ہو رہی ہیں اور میں بے قرار سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا ہوں۔ میرا جسم ہولے ہولے کانپ رہا ہے اور میرے قدم خود بخود جنگلے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

سامنے سبزے پر لیٹی ہوئی شیرنی بہت ہی پرسکون نظر آ رہی ہے۔ اس کے نوزائیدہ بچے اس کے سینے سے چپٹے ہوئے ہیں اور شیرنی ممتا کے جذبے سے سرشار اپنی سرخ زبان بچوں کے بھورے ملائم بالوں پر پھیر رہی ہے اور جب وہ رہ رہ کر میری طرف دیکھتی ہے تو میں اس کی سرخ نیم وا آنکھوں میں ایک عجیب سی شناسائی اور ہمدردی پڑھ لیتا ہوں۔

رات میں مجھے کھانے کو نہیں دیں گی اور آج مجھے چاکلیٹ کے لیے پیسے بھی نہ دیں گی۔۔۔ چلیے نا" وغیرہ وغیرہ۔

الغرض مجھے بحفاظت تمام گھر پہونچا کر ہی دم لیتا ہے اور جب میری جیب تلاشی لے کر پائی پائی نکال لی جاتی ہے تو اطمینان کا سانس لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "شکر ہے معبود کا ورنہ میں تو ڈر رہی تھی کہ اب کے پھر کہیں پیسے برباد کر کے نہ آئیں۔"

سنا آپ نے؟ گویا میں پیسے اور وہ بھی اپنی گاڑھی کمائی کے برباد کر دیتا ہوں خیر صاحب آپ خیال فرما رہے ہوں گے کہ جیب تلاشی (یا جیب تراشی) کے بعد مجھے گرم گرم چائے پلائی جاتی ہوگی بسکٹ اور نان خطائی دی جاتی ہوگی۔ توبہ کیجیے ایسا خوش قسمت بھلا میں کہاں۔ وہ تو رہزنوں کی طرح صرف پیسے ضبط کر کے جان ہی چھوڑ دی جاتی ہے تو مجھے بڑی عنایت ہے ان کی۔ اور جان کی سلامتی بھی اغلباً اس لیے رہتی ہے کہ آگے میں پھر روپے کیسے لا کر دوں گا اگر اُسے بھی نکال لی جائے گی۔ یہاں میں چائے کے تقاضے کرتا رہتا ہوں اور وہاں بجٹ بنائے جاتے ہیں اور اس بجٹ میں اپنے کسی رشتہ دار کی متوقع آمد (جو صد فی صد یقینی ہوتی ہے) پر ممکنہ خرچ بھی ضرور شامل رہتا ہے۔ پھر اپنے لیے ایک ساڑھی یا ایک آدھ زیور کی بھی مد شامل کرنا از بسکہ لازمی ہے یہاں چائے ناشتے کی فرمائش ہوتی ہے تو اُدھر بجائے شرمندہ ہونے کے اور چائے ناشتہ تیار کرنے کے لیے اُلٹے کہا جاتا ہے "یا اللہ! آپ بھی کتنے ناصبرے ہیں کہ ذرا دم نہیں لینے دیتے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کس قدر اہم کام انجام دے رہی ہوں۔ مگر آپ کو تو بس اپنی ہی رٹ ہے۔ اگر آپ کو ایسی ہی بھوک ستا رہی تھی تو ہوٹل میں ناشتہ کر لیتے تو کیا فرق پڑ جاتا۔"

اس پر اگر ان کے صاحب زادے کے کرتوتوں کا حوالہ دیا جاتا تو کہا جاتا "وہ تو بیلو نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ آپ کا کوئی اعتبار بھی تو نہیں۔ نجانے یار دوستوں کے ساتھ آپ نے کتنے پیسے برباد کر دیے۔۔۔ یہاں مہینہ بھر

آشکارا ہو جاتی ہے یہ ہے کہ انھیں اپنا بجٹ درست کرنا ہوتا ہے۔

نہیں جناب آپ بھی کس حسن ظن میں مبتلا ہیں۔ میں بھلا کیا پرائم منسٹر ہوں گا۔ یہ اہم پوسٹ بھلا وہ آپ کے اس حقیر فقیر کو جسے وہ بالکل احمق اور نکما سمجھتی ہیں کیونکر سپرد کرنے لگیں۔ ہاں ریونیو منسٹر میں ضرور ہوں۔ کیونکہ ان کی ریونیو کا ذریعہ میں ہی ہوں مگر صرف اسی قدر، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ۲۹،۳ تاریخ ہی سے وہ پوری تنخواہ انھیں حوالے کر دینے کا تقاضہ شروع کر دیتی ہیں۔ پوری تنخواہ تو خیر سے وہ ہتھیا ہی لیتی ہیں۔ چائے ہوٹل کے لیے جو میں ایک حقیر سی رقم رکھ لیتا ہوں وہ بھی انھیں پسند نہیں۔ کیونکہ اُن کا کہنا ہے کہ میں مرد فات ہوں مجھے کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ میرا کام صرف کمانا ہے اور نہایت ایمانداری سے انھیں پوری آمدنی حوالہ کر دینی ہے۔ باقی رہا اخراجات یا بجٹ بنانا تو یہ اُن کا کام ہے اور یہ کہ یہ دردسری مجھے نہیں لینی چاہیئے کمانے کی دردسری کے ساتھ ساتھ خرچ کرنے کی دردسری میری صحت کے لئے بہت مضر ثابت ہو گی۔ ضرور ضرور بے شک وہ میری صحت کا بہت فکر رکھتی ہیں اور اس فکر میں گھل گھل کر وہ ہاتھی ہوتی جا رہی ہیں۔

پہلی تاریخ کو تو وہ بلو کو عین تنخواہ ملنے کے وقت آفس بھیج دیتی ہیں اور وہ بھی ماں کا اتنا ٹرینڈ شاگرد ہے کہ میرے لاکھ بہلانے پھسلانے پر بھی وہاں سے ٹلتا نہیں اور جب تک میں اس کے ساتھ گھر آ نہیں جاتا وہ وہاں ہی چپکا رہتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ایک باڈی گارڈ کی سے اور یہ ذمہ داری مکان کے دروازہ تک پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہاں سے ہوم منسٹر آخ تو یہ پرائم منسٹر کی ذمہ داری شروع ہو جاتی ہے اور جو سی بی آئی کا فرض بھی از خود انجام دینے یعنی میرے جامہ تلاشی کے بعد ہی میری جان بخشی کا حکم صادر فرماتی ہیں۔ راہ میں بھی اُن کے شاگرد رشید عرف بلو کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر میں اخلاقاً بھی کسی ملاقاتی سے ایک آدھ بات کرنے رُک جاتا ہوں تو وہ تقاضوں کی بھرتی کر دیتا ہے " امی بگڑیں گی۔ راہ دیکھ رہی ہونگی

منگوا لیا کہ یہ جا وہ جا اور میں انہیں ایسے دیکھتا جیسے کوئی روسی فوجی گھات لگائے ہوئے افغانی مجاہد سے نبٹنے کے بعد اسے دیکھتا ہوگا خیر ان کے میکے جانے کا تو مجھے اتنا غم نہ ہوتا جتنا اس بات کا صدمہ کہ وہ ساری تنخواہ لیے ہوئے میکے روانہ ہو جاتیں اور کس کی مجال تھی کہ آن سے ان روپوں میں سے کچھ وصول بھی کر لیتا۔ بالفرض میں ایسی حماقت یا جسارت کرتا بھی تو اس کی کوئی نوٹس نہیں لی جاتی کہا جاتا ہے " میں وہاں جا کر آخر کھاؤں گی کیا۔ ماں باپ کے سر رہوں گی۔ آپ کا کیا ہے۔ اپنے یار دوستوں سے قرض بھی لے سکتے ہیں۔ آفس سے ایڈوانس بھی لے سکتے ہیں۔ مجھے وہاں شوہر کے ہوتے سوتے کون قرض یا ایڈوانس دے گا۔"

اور جناب پھر یہ بھی نہیں کہ کم از کم ماہ پورے کر کے ہی واپس تشریف لائیں گی۔ اجی نہیں لاحول ولا قوۃ ایسا بھی ہوتا تو غنیمت تھی وہاں تو بمشکل ہفتہ دس روز بھی نہ ہوتا کہ واپس آن دھمکیں۔ اگر پوچھا جاتا کہ آنجناب تو گئی تھیں بہت طمطراق سے مگر آپ اسقدر جلد کیسے نازل ہو گئیں کم از کم ماہ بھر تو رہ لیتیں کہ مجھے خرچ کے لیے از سر نو درد سر تو دعوت دینے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اس پر وہ بٹو کو مار کر کہتیں: یہی بدمعاش رو رو کر جان کھائے جاتا تھا کہ ابو کے پاس چلئے۔ یہاں دل نہیں لگتا" حالانکہ مجھے سب معلوم تھا کہ بٹو ڈبلو سب بہانہ ہوتا بات صرف اتنی ہوتی کہ انکے سارے پیسے انکی شاہ خرچیوں کی نذر ہو جاتے اور وہاں کسی سے قرض مانگ کر اپنا بھرم کھولنے کی ہمت نہیں پڑتی یا اپنے میکے والوں کا آٹا گیلا کرنا نہیں چاہتیں۔

اجی بٹو سے انکے قول کی کیا تصدیق کرتا؟ وہ تو خود اتنا ٹرینڈ کر دیا گیا ہوتا کہ پوچھتے دیر نہیں کسی اشتراکی ملک کے ملزم کی طرح فر فر فرد جرم کا اقبال کر لیتا۔

چنانچہ آنجناب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اسی خطرہ کے پیش نظر ایسے نازک موقعوں پر میں جذباتیت سے کام نہیں لیتا اور کسی طرح انہیں رام کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو وہ میرے اسوقت نہ ہوتیں جبتک انکا بجٹ تیار نہ ہو جاتا خواہ اسے پایہ تکمیل کو پہنچتے پہنچتے شام کے ناشتہ کا وقت ہی ختم ہو جاتا اور مجھے صرف رات کے کھانے ہی پر قناعت کرنی پڑتی — اب آپ ہی خدا لگتی کہیں مجھے پہلی تاریخ کی

جن ٹکوں سے میں گھر کا خرچ چلاتی ہوں وہ مجھ میں ہی جانتی ہوں۔ آپ تو صرف کماتے ہیں جس میں کوئی دماغ سوزی نہیں۔ خرچ تو مجھے کرنا پڑتا ہے۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر چلنا مجھے پڑتا ہے۔۔۔۔" ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ اِن کی نگاہ میں کمائی کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اصل خرچ کرنا ہے۔

میں نے کہا: "اچھا تو پھر ایسا ہو کہ ہم آپس میں ڈیوٹی بدل لیں۔"

میں نے تو دبے لفظوں میں مسکراتے ہوئے کہا تھا مگر اِن کی تیوری چڑھ گئی بولیں کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔"

میں نے بھی قدرے چڑ کر کہا: "مطلب؟ مطلب بالکل صاف ہے۔ کیوں نہ آپ کما کر لائیں اور میں انتظام خانہ داری کروں۔۔۔"

بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ بہت زور سے بگڑ کر بولیں: "تو پھر آپ مرد کیوں پیدا ہوئے؟ ہوتے آپ بھی عورت ہی۔ چوڑیاں پہنتے ساڑیاں باندھتے۔ چولہا سنبھالتے۔"

اب اگر میں ان سے کہتا کہ موجودہ دور میں کمانے کے لیے کیا عورتیں باہر نہیں نکلتی ہیں اور کیا اس کے لیے انہیں حلیہ اور صنف تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو بس غضب ہو جاتا بمبارڈمنٹ کرتی ہوئی بولتیں: "تو پھر آپ ویسی ہی آوارہ لاخیری مردنما عورت سے بیاہ رچاتے۔ مجھ جیسی شریف زادی سے کیوں شادی کی آپ نے؟"

اور اگر میں دفتر یا اسکول میں کام کرنے والی ان کی کسی رشتہ دار خاتون کا حوالہ دیتے ہوئے سوال کرتا: "کیا وہ آوارہ لاخیری ہیں؟"

تو اس کا جواب یہ ملتا: "اُن کا تو نصیبہ پھوٹ گیا۔ اُن کے شوہر کا انتقال ہو گیا یا ان کے شوہر نے اُن کو چھوڑ دیا تو وہ کام کریں نہ تو کیا بھوکوں مریں یا خیرات اور صدقات پر زندگی بتائیں۔ بھائی بھابی کی صلواتیں سن سن کر ان کی روٹیاں توڑیں؟" پھر اگر بحث و تکرار کا سلسلہ یونہی جاری رہتا تو بالآخر میکہ چلے جانے کا نوٹس مل جانا یقینی تھا۔ جو اگر اس وقت شامتِ اعمال سے انتہائی طیش میں آ کر ان کے میکے جانے کا نوٹس وصول کر لیتا تو فوراً بیلو سے رکشا

جو دھڑلے کے سونے والے ہیں، رفتہ رفتہ بچے بھی نیند کے متوالے ہو جاتے ہیں۔

مذہب جو نیکیوں کا سرچشمہ ہے اگر غور کرو تو ہم کو ایسی اچھی اچھی باتیں بتا رہا ہے جس کے میٹھے پھل اسی دنیا میں ہمارے واسطے موجود ہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ دنیا بھر میں جتنے مذہب ہیں سب میں سویرے اٹھنے کی تاکید ہوگی۔ کیوں کہ دنیا بھر کی زندگی کی بھلائی اور برائی کا دارومدار اسی پر ہے اسی واسطے ہمارے ہاں صبح کی نماز مقرر کی گئی۔ گرمی کے موسم میں گرمی، گھمس، مچھر، پسو وغیرہ کی وجہ سے گھنٹوں نیند نہیں آتی۔ بڑی مشکل سے خدا خدا کر کے جب کہیں ہوا سرسرائی تو آنکھ لگ گئی ایسی حالت میں صبح سویرے اٹھنا بہت ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن جو بیبیاں سویرے اٹھنے کی عادی اور نماز کی پابند ہیں آلکسی تو اُن کو بھی ہوتی ہوگی۔ مگر جس طرح اُن کا دن گزرتا ہے وہ دیکھنے کے لائق ہے۔ دن بھر چونچال اور خوشحال سستی اکساہٹ نام کو نہیں۔ ہاتھ پاؤں کام کرنے کو مستعد اور محنت کرنے کو تیار۔ برخلاف اس کے وہ اللہ کی بندیاں جو دس بجے کے قریب سو کر اٹھیں۔ کچھ دیر تک سر جھاڑ منہ پھاڑ پلنگ پر بیٹھی نیند کا ماتم کرتی رہیں۔ گھر میں جھاڑو نہ بہارو۔ فرش پر چیونٹے پھر رہے ہیں۔ برتنوں میں مکھیاں بھنک رہی ہیں بمشکل تمام منہ دھویا۔ اب ان کا دن تھا۔ افیمیوں کی طرح پینک میں بیٹھی ہیں۔ احدیوں کی مانند یہاں پڑ گئیں۔ وہاں بیٹھ گئیں۔ جمائیوں پر جمائیاں، انگڑائیوں پر انگڑائیاں، ہاتھ پاؤں ہیں کہ سن پڑے ہیں۔ گھر ایسا گھر والی ایسی آئے گئے کا کیا خاک بیٹھنے کو جی چاہے۔ آدھ گھنٹے کا جیتا دس ہی منٹ بیٹھ کر سیدھا ہو لیا۔ تمام خرابیاں فقط دن چڑھے سو کر اٹھنے سے ہیں۔

یہی بیویاں جو دیر تک سونے کی عادی ہیں ایک دن تو سویرے اٹھ کر بھی دیکھیں کہ دن بھر کیسی طبیعت خوش رہتی ہے اور گھر گرہستی کے دھندے کیسی مستعدی سے جلدی جلدی کرتی ہیں۔ خاص کر کنواری لڑکیوں کے واسطے تو یہ مرض بہت برا ہے۔ ان کو ایک ایسی جگہ جانا ہے جہاں اُن کی برائیاں تو برائیاں بھلائیوں پر بھی نکتہ چینی ہوگی۔ اگر ان میں ابھی سے یہ عیب پڑ گیا تو بدنامی اور نقصان کے علاوہ سخت تکلیف ہوگی۔ گرمی میں بھی اور جاڑے میں بھی نماز کے بعد جب بیبیاں قرآن شریف پڑھتی ہیں اور ان

(علامہ راشد الخیری) (مرسلہ محمد اسلم بخاری)

صبح سویرے اُٹھنا

ہندوستانی عورتوں میں جہاں اور بہت قابل اصلاح نقص ہیں وہاں ایک دن چڑھے سو کر اٹھنا بھی ہے۔ گو یہ عادت مردوں میں بھی موجود ہے مگر "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو" یہ تو ظاہر ہے کہ خدا وند کریم نے ہم کو دن کام کاج کے واسطے اور رات آرام کے واسطے عطا فرمائی۔ کیوں کہ دن بھر کی سخت محنت کے بعد دماغ کو آرام نہ پہنچیا تو چند ہی روز میں بالکل بے کار ہو جاتا ہے لیکن ضرورت سے زیادہ آرام کرنا جسم کے اس بڑے حصے کو جو بدن کا سردار سمجھا جاتا ہے یعنی دماغ بالکل اینڈ کر دیتا ہے موٹی سی بات ہے کہ تمام دن ہمارے دلوں میں اور دماغوں میں ہر قسم کے تفکرات اور پریشانیاں موجود رہتی ہیں لیکن رات کو جب نیند قلب و دماغ کو راحت پہنچا دیتی تو صبح کو دونوں چیزیں بالکل تر و تازہ ہوتی ہیں پچھلے خیالات منتشر ہوتے ہیں۔ اور جب تک پھر دوبارہ آکر نہ سما جائیں دماغ میں اچھے کاموں کے کرنے کی قابلیت موجود ہوتی ہے۔ مگر نیند جو ایک طرف تازگیٔ دماغ کا بہت اچھا ذریعہ ہے دوسری طرف تمام خوبیاں زائل کر دینے کے واسطے بدترین مرض۔ اس کی مثال ایک ہے جیسے ایک بہت اچھی غذا چاہے وہ کیسی ہی لذیذ کیوں نہ ہو جب مقدار سے زیادہ کھائی جائے تو سخت تکلیف دہ ہے۔ حکماء نے صحت برقرار رکھنے کے واسطے زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے تجویز کیے ہیں۔ اس سے زیادہ سونا نہایت مُضر ہے۔ ایک اور بات غور کرنے کے قابل ہے۔ اگر دماغ زیادہ رنج و غم میں آلودہ نہیں ہے تو جائز استراحت کے بعد خود ہی انسان کو چونکا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اکثر سویرے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ لیکن ان ماں باپ کے سایۂ عاطفت میں

(بشارت حسین ہاشمی تبسم)

پھلوں سے علاج

پھیپھڑہ وسینہ کی بیماریاں ۱۔ پرانی تپ اور دق میں آڑو کے ڈھائی تولہ پتے ایک کالی مرچ کے ساتھ پیس کر ملائیں اور صبح کے وقت متواتر پیتے رہنا مفید ہے۔

۲۔ عام طور سے کھانسی میں کچا امرود آگ میں بھلا کر کالی مرچ کے ساتھ استعمال کریں۔

۳۔ اگر پرانی کھانسی اور سینے میں درد ہے تو انار شیریں کے سر میں سوراخ کریں اور ہلکی آگ پر رکھ دیں سوراخ میں روغن بادام شیریں اور روغن بنفشہ تھوڑا تھوڑا ٹپکاتے رہیں جب جذب ہونے کی گنجائش نہ ہو تو اتار کر اسے چوسیں۔

۴۔ خشک کھانسی ہے اور دمہ ہے تو انجیر کے دانوں کے ساتھ جوش دیکر ہموزن شہد ملا کر لعوق بنالیں اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے چاٹیں۔

۵۔ دمہ اور کھانسی کے لیے سیب کی راکھ کو ادرک کے رس میں گھول کر چنے کے برابر گولیاں بنالیں اور دو گولی روز متواتر استعمال کیا کریں۔

۶۔ کھانسی اور بلغم میں کیلے کے پتے کو جلا کر راکھ بنالیں تھوڑا سا نمک ملا کر استعمال کریں کھانسی اور بلغم میں فائدہ ہوگا۔

دل کی بیماریاں ۱۔ آنولہ کا مربہ استعمال کریں دل و دماغ کی کمزوری کو دور کرتا ہے۔

۲۔ کاجو کو بھون لیں جب نرم پڑ جائے تو اوپر کا چھلکا اور اندر کی گٹھلی نکال کر رات کو کھلے آسمان کے تلے رکھ دیں صبح کو تھوڑا سا گلاب کا عرق اور شہد ملا کر چاٹیں اسی طرح کئی دنوں تک کریں۔

۳۔ دل پر گھبراہٹ ہو اور دیوانگی کا عالم ہو تو ریٹھے کا بھپارہ یا ناس دیں۔

کی آوازیں دور دور جاتی ہیں۔ تو کیسی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ سننے والوں کے دلوں میں بھی اس گھر کی خاص وقعت پیدا ہوتی ہے۔ میری عزیز بہنو! سویرے اٹھنے میں اگر آلکسی آئے تو یہ سوچا کرو کہ جس چیز کا نام رات تھا وہ سو کر گزار دی۔ اب تھوڑی سی دیر اس کا بھی ذکر کریں جس کے بیشمار احسانات ہمارے اُوپر ہیں۔ جو دین دنیا کا مالک ہے اور ہمارا پیدا کرنے والا ہے۔

اے دل اٹھ! اور ؎

کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

نوٹ: تبصرے کے لئے دو نسخے آنا چاہئیں. اگر دو نسخے نہ آئیں گے تو تبصرہ نہ ہوگا. (مدیر)

مجلّۂ کی نظر میں

• فقہ الزکوٰۃ مولف. ڈاکٹر محمد یوسف القرضاوی. ترجمہ و تلخیص از شمس پیرزادہ. شائع کردہ. ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹. محمد علی روڈ. بمبئی ۴۰۰۰۰۳. ڈمائی سائز صفحات ۶۴۸. ہدیہ پچیس روپیہ صرف -/25

ڈاکٹر محمد یوسف القرضاوی قطر یونیورسٹی میں شریعت کالج کے ڈین ہیں. عالم عرب کے ممتاز ... ت'' اسلام کے مایۂ ناز مفکر اور داعی اسلام ہیں، ان کا تعاون مصر کی اخوان المسلمین سے رہا اس ... کی بنا پر وہ مصر میں جیل جانے کی سعادت'' بھی حاصل کر چکے ہیں. یاد ہوگا. علامہ مودودیؒ کے ... ے کی نماز علامہ یوسف القرضاوی ہی نے پڑھائی تھی. انہی ڈاکٹر صاحب کی تالیف یہ زیر تبصرہ ... ب فقہ الزکوٰۃ ہے.

عربی میں یہ کتاب دو جلدوں میں اور بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے. یہ ایک اعلیٰ درجہ کی تالیف ... اس میں اسلام کے نظام زکوٰۃ کو بڑی تفصیل کے ساتھ اس مقصد اور اس روح کو اُجاگر کرتے ... ئے نہایت موثر طریقے پر عصری اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیا گیا ہے. چنانچہ بلا مبالغہ کہا ... سکتا ہے کہ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ اس موضوع پر اس طرح اب تک نہ عربی میں لکھا گیا اور نہ ... ردو میں.

اردو میں اس کتاب کے ترجمے کی سعادت مولانا شمس پیرزادہ صاحب آف بمبئی کو حاصل ہوئی ... لانا نے نہایت شستہ زبان میں ترجمہ کا حق ادا کر دیا اور ادارہ دعوۃ القرآن نے بڑے اہتمام سے ... ئع کیا. کاغذ اور ٹائٹل بہت عمدہ ہے. ہر لائبریری، ہر دارالعلوم اور ہر درسگاہ میں رکھنے اور پڑھ ... نے کے لائق ہے. قیمت بھی بہت مناسب ہے. فقہ کی معلومات جاننے والوں کو یہ کتاب

شہدائے مراد آباد کو سلامِ عقیدت

(راتم کان پوری ـــ مرسلہ: عبدالرحیم بیگ کانپوری)

آسمانِ حرّیت کے چاند تاروں کو سلام
اے مراد آباد تیرے جاں نثاروں کو سلام

ملّتِ اسلامیہ کے پہرہ داروں کو سلام
جادۂ ملکِ بقا کے شہسواروں کو سلام

متقی پرہیزگاروں دینداروں کو سلام
جنّت الفردوس کے امیدواروں کو سلام

پیکرِ صبر و تحمل خوگرِ جہد و عمل
تیس دن کے اُن مقدّس روزہ داروں کو سلام

بادۂ حُبِّ الٰہی پی کے جو سرشار تھے
بارگاہِ حق کے اُن سجدہ گذاروں کو سلام

پنجوقتہ گونجتی تھی جن میں تکبیر و اذاں
قصرِ ایمانی کے الٰہی روشن مناروں کو سلام

موت کی آغوش میں سہمے ہوئے سمٹے ہوئے
مسجد و محراب و منبر کے نظاروں کو سلام

چھوڑ کر آئے تھے جو آغوشِ مادر شوق سے
اُن صغیروں نونہالوں شیرخواروں کو سلام

چل پڑے تھے جو نکل کر گھر سے مسجد کی طرف
صف بہ صف اُن پاکبازوں کی قطاروں کو سلام

عید کے دن بن گیا تھا جن کا گھر ماتم کدہ
اُن غریبوں بے نواؤں بے سہاروں کو سلام

حکمرانی کر رہے تھے جو دلوں پر قوم کے
عظمت و جبروت کے اُن شہر یاروں کو سلام

جو سسکتے رہ گئے دو گز زمیں کے واسطے
مادرِ ہندوستاں کے اُن دُلاروں کو سلام

جن کی سُرخی کو شفق ترسا کرے گی عمر بھر
خون سے سینچے ہوئے ان لالہ زاروں کو سلام

موت کی تاریک وادی میں جو راتمؔ سو گئیں!
بے کفن لاشوں کی اُن لمبی قطاروں کو سلام

• کرم کی بھیک نہ مانگو ستمگروں سے کبھی — یہ آدمی نہیں پتھر ہیں کب پگھلتے ہیں

• سب کے لیے میخانہ کھلا ہے کوئی نہ لوٹے کوئی نہ بولے
جام ملے گا لیکن اس کو جو ساقی کا راز نہ کھولے

• آزادی کا شور مچا ہے اور قفس کا در بھی کھلا ہے — لیکن ان کا حکم یہی ہے کوئی بھی پنچھی پنکھ نہ کھولے

• کہاں کہاں ہم بجھائیں شعلے کیسے کیسے ہم تسلیاں دیں — کوئی بھی ایسا نہیں نشیمن کہ جس پہ بجلی گری نہیں ہے

• ملائکہ کا تقدس بھی ماند پڑ جائے — نظر جو آئے کہیں کوئی آدمی کی طرح

• اللہ اللہ وقت کی نیرنگیاں! — لوگ انساں کو خدا کہنے لگے!

• کیا خبر تھی کہ زمانے کو بدلنے والے — اک اشارے پہ زمانے کے بدل جائیں گے

• بدلے گی دنیا ہلکے ہلکے — آج کے ننھے پھول ہیں کل کے

اس طرح کے اشعار تنہائی کے زاویے میں بہت ہیں۔ کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن پر گرفت کی جا سکتی ہے مثلاً

• یقین مانیے وہ دل پہ چوٹیں پہنچی ہے — ہمیں تو اپنے بھی لگتے ہیں اجنبی کی طرح

اس شعر میں یقین ماننے کی جگہ یقین جانیے ہونا چاہیے۔ دوسرے مصرع میں "ہمیں تو اپنے بھی اجنبی لگتے ہیں۔ ردیف کی طرح " زوائد میں سے ہے۔

• کچھ ان کا ذکر بھی چھیڑو چمن کے رکھوالو — جو بن کھلے ہوئے مرجھا گئے کلی کی طرح

یہ شعر ماخوذ ہے اس مصرع سے۔ حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔ لیکن ناز صاحب نے فرمایا جو کلی کی طرح مرجھا گئے۔ گویا کلی کی صفت مرجھا جانا ہے۔ کہنا کچھ چاہتے تھے بہک گئے تشبیہ میں۔

• زندگی دیر تک ہنسائی ہے — ہم نے مرنے کی جب دعا کی ہے

ہنسائی ہے نے شعر کی لطافت ختم کر دی۔ کیا اچھا ہوتا کہ ردیف "ہے" نکال کر اس زمین میں پوری غزل کہہ ڈالی جاتی یعنی اس طرح؟

ضرور مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔ (م)

● تنہائی زادے ۔ (مجموعہ غزلیات) مصنف شفیع اللہ خاں رازؔ آنادی۔ پبلشر۔ شفیع اللہ خاں رازؔ آنادی ایم اے۔ ملنے کا پتہ۔ شیوزراتن کالج، اکڑہ پردل خاں آتاوہ یوپی۔ ڈمائی سائز صفحات ۱۹۲ قیمت سات روپیہ ۔/7

شفیع اللہ خاں رازؔ حلقہ حجاب کے لیے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کی غزلیں اکثر حجاب میں شائع ہوتی رہیں۔ اور پسند کی گئیں۔ انہی رازؔ صاحب کی غزلوں کا یہ مجموعہ تنہائی زادے ہے۔ تنہائی زادے اسکا نام شاید اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ شعراء اکثر راتوں میں اشعار اسوقت کہتے ہیں جب ساری دنیا سوتی ہے اور وہ تنہا فکر سخن کرتے ہوتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں :

جب شعر میں کہتا ہوں احساس یہ ہوتا ہے ۔۔۔ بیٹھے ہیں وہ سرہانے کہتے ہیں غزل کہئے

اس کتاب پر مشہور شاعر نشور واحدی کانپوری۔ پروفیسر بشیر بدر۔ جناب توفیق صاحب وکیل اٹاوہ، سردار احمد علیگ، امان اللہ خاں شیروانی جیسے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ کتاب اترپردیش اردو اکاڈیمی لکھنؤ کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

تبصرہ نگار نے جستہ جستہ تنہائی زادوں کو پڑھا۔ ہر جگہ اشعار نے روکا اور زبان سے واہ نکلی۔ جو اشعار پسند آئے ان کی تعداد بہت ہے۔ چند حلقہ حجاب کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

● آج کل آپ کا زمانہ ہے ۔ ! ۔۔۔ جو بھی دل چاہے آپ کا کہئے !
● یہ کس کی یاد میں بیٹھے ہوئے ہیں دیوانے ۔۔۔ کڑکتی دھوپ بھی لگتی ہے چاندنی کی طرح
● مدت ہوئی وہ زلف معنبر چھوئے ہوئے ۔۔۔ اب تک مہک رہے ہیں گلستاں ہمارے پاس
● ہمارے دم سے ہے اب بھی قائم تمہاری سرمستیوں کا عالم ۔۔۔ ہمارے خون جگر سے تم نے کشید کی ہے شراب یارو
● اک وہ عالم کہ دکھتا پوچھنے والا کوئی ۔۔۔ اک یہ عالم ہے کہ ہر شخص تماشائی ہے
● جن کی آنکھوں میں اب بھی آنسو ہیں ۔۔۔ ان سے ہنستے ہو مسکرا دینا

بڑے بھائی کا خط چھوٹے بھائی کے نام

محمڈ گڈھ ہاؤس امیر گنج بھوپال
مورخہ ۲۵ر جولائی ۱۹۸۰ء

عزیزم طغرل سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دلی دعائیں۔

مجھے بہت خوشی ہے کہ اس بار تم نے میرا کہنا مان کر اور میری تلقین سے متاثر ہو کر چند دینی، اصلاحی و تعمیری رسالے اپنے نام جاری کرا لیے اور ان کے لیے تھوڑی سی رقم کی قربانی دینا قبول کر لیا۔ اس سلسلہ میں میں نے تم سے زبانی بہت سی باتیں کی تھیں مگر عام طور پر زبانی باتیں ذہن میں محفوظ نہیں رہتیں۔ اس لیے ان میں سے چند باتیں اختصار کے ساتھ لکھ بھی رہا ہوں جو انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوں گی اور آئندہ کام آئیں گی۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ جس کام کے متعلق یہ اطمینان حاصل ہو کہ اس سے ہمارے مالکِ حقیقی کی رضا ہم کو حاصل ہوگی۔ اس میں اپنا جسم و جان اور مال و وقت سب کچھ لگانا حاصلِ زندگی ہے۔ اس میں دنیا و آخرت دونوں کی کھلی ہوئی کامیابی ہے۔

(۲) یہ بات بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ سینکڑوں قومیتوں کے لوگوں کو متحد کر کے ایک ملتِ واحدہ بنا دیا ہے۔ اس اتحاد میں دنیا کی عظیم ترین طاقت ہے اور یہ اتحاد صرف دین کے ذریعہ بنا ہے اور قائم ہے۔ اب جو اس ملت سے جڑا ہوا رہتا ہے اس کو پوری ملت کی طاقت کا خزانہ حاصل رہتا ہے اور جو ملت سے کٹ جاتا ہے یا الگ الگ رہتا ہے

زندگی دیہ ہنستا کی ! ہم نے مرنے کی جب دعا کی

• تم نے دیکھے ہیں بہت ایسے زمانے لوگو! کیا ہے اس دور کا انجام پرانے لوگو!

شعر کی نثر کرنے میں پہلے مصرع کی ردیف "لوگو!" کی ضرورت نہیں۔ واضح مخاطب "لوگو" نہیں بلکہ "پرانے لوگو" ہیں۔

• ایسا بھی اک عالم گزرا ہے جب لوٹ پڑی تھی گلشن میں
احباب مجھے اپنانے لگے، ہشیار مجھے دیوانے لگے

تقطیع کرنے میں "عالم" کا حرف ع غائب ہو جاتا ہے اسے ذرا سی توجہ سے بچایا جا سکتا تھا یعنی یوں۔ اک ایسا بھی عالم .... الخ

لیکن اس طرح کے اشعار بہت کم ہیں تبصرہ نگار شعر و شاعری سے دلچسپی رکھنے والوں سے "تنہائی زادے" کے مطالعے کی سفارش کرتا ہے۔ (م)

ہے اور اس نفع کی گارنٹی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمائی ہے۔

(۴) یہ رسالے اور اخبار میں نے تمہارے نام پر اس لیے جاری کروائے ہیں کہ ان کے مطالعہ سے دینی تحریکوں اور ان کے مقاصد و لائحہ عمل سے تم واقف ہو، ان میں حصہ لینے کی تمہارے دل میں رغبت پیدا ہو اور اس راہ میں لگنے کا طریقہ آجائے۔ یہ رسالے اور اخبار دین و ملت کا یہی کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کو زندہ اور اس ضروری خدمت میں مصروف رکھنا اور ان کے مطالعہ سے فائدہ حاصل کرنا ہم سب کا فرض ہے اور اس اہم مقصد کے لیے ہر خریدار کا چندہ وہی حیثیت رکھتا ہے جو ملک کے دفاع کے لیے ہر شہری کا ٹیکس اہمیت رکھتا ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی تم ان رسالوں کو جاری رکھو گے اور جب بھی ان کا چندہ ختم ہوگا تو نئی مدت کے لیے چندہ بھیج کر خریداری کو برقرار رکھو گے۔

زیادہ دعائیں۔ والسلام۔ تمہارا بھائی محمد صابر علی خاں

غزل ... (شائستہ شمیم)

ممنون ہوں میں غم کی بھی خیرات بہت ہے
میرے لیے یہ آپ کی سوغات بہت ہے

اک بات وہ جو کل تھی چلی دار و رسن کی!
گزری ہے گراں لوگوں پہ وہ بات بہت ہے

ڈھونڈے سے کوئی شخص بھی اپنا نہیں ملتا
یوں شہر میں لوگوں سے ملاقات بہت ہے

آرام سے جو خون غریبوں کا ہیں پیتے
اُن لوگوں کو ہی فکر مساوات بہت ہے

اوروں نے تو تاریخ ہی دنیا کی بدل دی
ہم بیٹھے یہ سوچا ہی کیے رات بہت ہے

احساس اگر مُردہ ہو سو باتیں بھی بیکار
زندہ ہو جو احساس تو اک بات بہت ہے

بے شیخ کے باطن کی تو اللہ کو خبر ہے
ظاہر میں تو مصروف عبادات بہت ہے

ساقی بھی ہے پیمانہ بھی ہیں رند بھی لیکن
ویراں سا لگے بزم خرابات بہت ہے

مالک، پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر محمد اسحٰق نائل خیرآبادی۔ مطبوعہ جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی۔ مقام اشاعت بازار چتلی قبر (؟) ...

وہ اس طاقت سے محروم رہتا ہے۔ قطرہ جب تک دریا میں شامل ہے اس میں دریائے مواج کی پوری طاقت سموئی ہوئی ہے لیکن جب بھی وہ دریا سے علیحدہ ہوا تو ہوا کے ایک جھونکے سے خشک ہو کر یا مٹی کے چند ذرّوں میں جذب ہو کر فنا ہو گیا۔ جسد ملّی سے علیحدگی یا لاتعلقی دنیا کی بھی کمزوری اور ناکامی ہے اور آخرت کی بھی محرومی۔

(۳) فرد ایک ہوتا ہے اور ملت ایک ارب افراد کا متحدہ مجموعہ ہے۔ افراد کی طاقت کے اتحاد اور اجتماع سے ہی تو ملت کی عظیم الشان طاقت بنتی ہے اور پھر اس زبردست طاقت کی پشت پناہی ہر ہر فرد ملت کو حاصل ہوتی ہے لیکن ملت کی یہ عظیم الشان طاقت اس طرح وجود میں آتی ہے کہ ہر ہر فرد اتحادِ فکر و عمل کے ساتھ اپنی ذاتی طاقت ملت کے جسد متحدہ یا مرکز کو پہنچاتا رہے۔ آپ اپنا حصہ ادا کر کے ہی اس مجموعی طاقت کا تحفظ حاصل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر سمجھ لو کہ کوئی اکیلا شخص بیرونی حملہ آوروں سے اپنی اور اپنے اہل و عیال اور مال و جائداد کی حفاظت نہیں کر سکتا لیکن جب وہ ایک معمولی رقم بطور ٹیکس کے ملکی حکومت کو ادا کرتا ہے تو پورے ملک سے وصول شدہ ٹیکس کی آمدنی سے حکومت فوج رکھتی اور ہتھیار بناتی ہے جس سے بیرونی حملہ آوروں کو روکا جاتا ہے اور ہر شخص کی جان مال اور جائداد محفوظ رہتی ہے۔ اس طرح جو کام لاکھوں سپاہی اور اربوں روپیہ کے خرچ سے کر پاتے ہیں۔ اس میں آپ کو اپنی آمدنی کا صرف ایک معمولی حصہ دینا پڑتا ہے اور فائدہ پورا پورا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ دین و ملت کے کاموں کا ہے۔ آپ اپنے آپ کو دین کی تحریکوں اور ملت کی خدمتوں سے اپنے عملی اور مالی تعاون کے ذریعہ جوڑے رکھئے اور آپ کا مطمح نظر رضائے الٰہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی تحفظ و ترقی اور وقار و عزت حاصل ہو گی۔ اسی کو فوز و فلاح دارین کہتے ہیں۔ اپنی استطاعت اور صلاحیت کے بقدر اس راہ میں لگنا تھوڑی پونجی سے بہت بڑا نفع کمانے کی تجارت

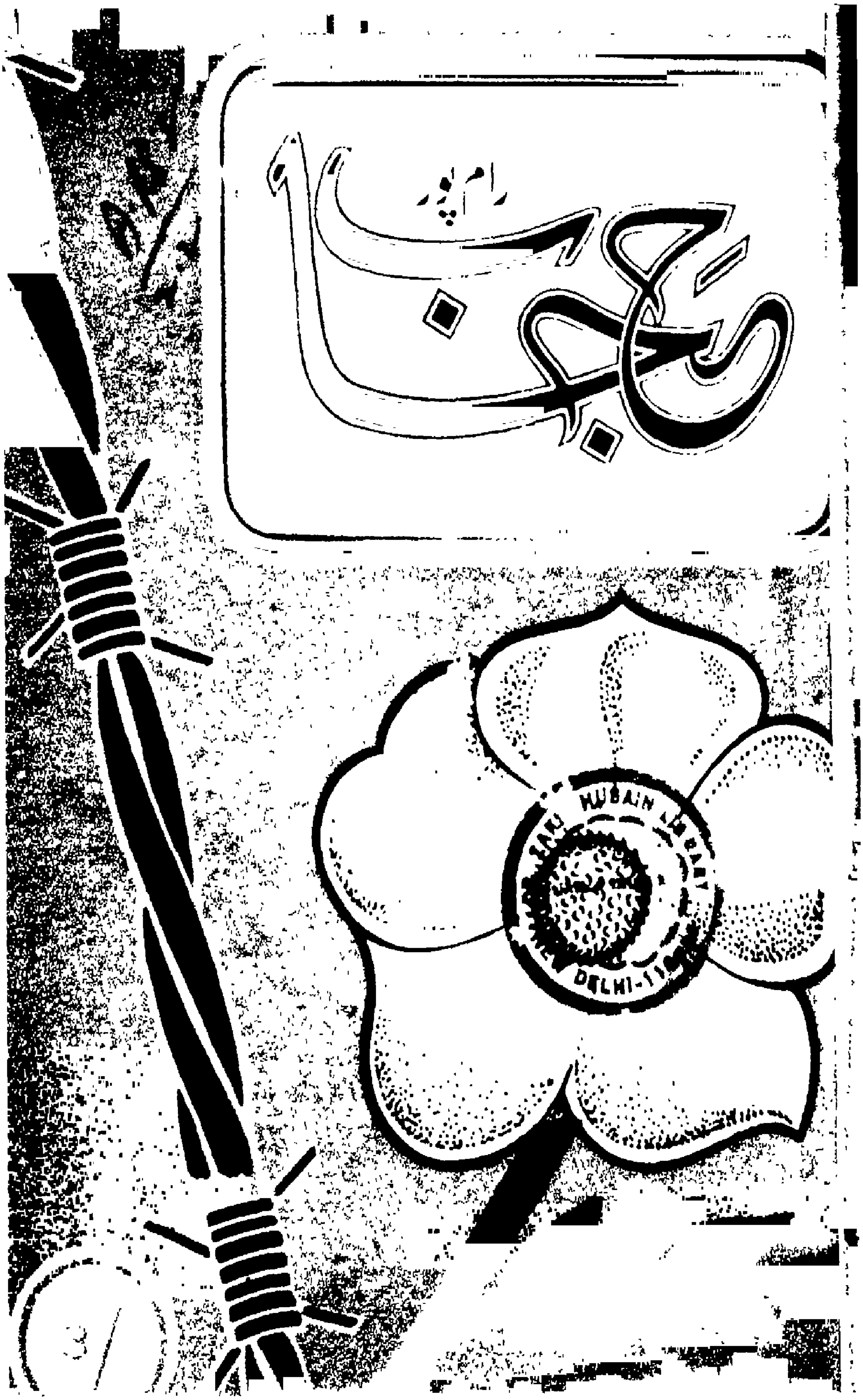
اسلامی شعور بیدار کرنے والی بے مثل کتابیں

تصانیف :- مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔

اسلام اور جاہلیت	۰/۷۵
اسلامی تزکیۂ نفس	۰/۹۰
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر	۲/۰۰
اسلام کا نظامِ حیات	۱/۰۰
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	۰/۷۵
اسلام کا نظریۂ سیاسی	۰/۷۵
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	۰/۷۵
اسلامی قانون	۱/۵۰
اسلام اور جدید معاشی نظریات	۲/۵۰
اسلامی معیشت کے اصول و مقاصد	۰/۵۰
انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	۱/۰۰
اسلام اور ضبطِ ولادت	۵/۰۰
اسلامی نظامِ معیشت	۰/۷۵
اسلام کا معاشی نظام	۰/۷۰
اسلامی ریاست (سیاسی کشمکش حصہ سوم)	[illegible]
اسلام کا سرچشمۂ قوت	۲/۰۰

اسلام کا پیغام	۰/۴۰
اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی	۱۰/۰۰
اسلام کی ابتداء	۰/۲۵
اسلام کس چیز کا علمبردار ہے	۱/۵۰
اسلام اور رہبانیت	۰/۷۰
اسلامی ادب	۰/۵۰
اسلامی فلسفۂ معیشت کے بنیادی اصول	۰/۵۰
امام ابوحنیفہؒ اور ان کا کارنامہ	۱/۵۰
ایک نہایت اہم استفتاء	۰/۲۵
اہم ہدایتیں	۱/۲۵
بناؤ بگاڑ	۰/۷۵
تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	۰/۷۵
تحریکِ اسلامی کامیابی کے شرائط	۱/
تجدید و احیاء دین	۵/۰۰
تنقیحات	۳/۲۵

تحریکِ اسلامی دوسری تحریکوں کے مقابلہ میں	۲/۵۰
تحریکِ اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات	۲/۵۰
تفہیم القرآن اول	۲۰/۰۰
〃 〃 دوم	۲۲/۰۰
〃 〃 سوم	۲۵/۰۰
〃 〃 چہارم	۲۱/۰۰
〃 〃 پنجم	۱۹/۰۰
〃 〃 ششم	۲۰/۰۰
تفہیم القرآن سورۂ احزاب	۴/۰۰
〃 〃 پلاسٹک کور	۱/۰۰
〃 〃 الناس تا الم نشرح	۳/۰۰
〃 〃 پارۂ عم	۵/۰۰
تفہیمات اول (اضافہ شدہ)	۱۲/۰۰
〃 دوم	۹/۰۰
〃 سوم	۷/۵۰


رامپور

Regd. No. M. R. D. 34

MONTHLY HIJAB RAMPUR U.P.

صرف نامیکل دہلی آرٹ پریس دہلی میں چھپا

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

ماہنامہ

حجاب

رامپور۔ یوپی

فروری ۱۹۸۱ء — ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

شمارہ ۱۲۸ — جلد ۱۱

اس شمارے کی قیمت -/3 — سالانہ زرتعاون -/30

ششماہی -/20 — سالانہ V.P سے -/35

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے حجاب کے لیے
جو زرتعاون عنایت فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچے کے ساتھ ختم ہو گئی
آئندہ کے لیے زرتعاون عنایت فرمائیں۔ منیجر

در پردۂ حجاب

ایمانیات

مقالات و مضامین

تاریخ و سیر

افسانے اور کہانیاں

گھریلو مضامین

یہاں سے آن بیٹھا ہے بھلا بھگوان پتھر میں
کہیں پتھر کو ٹھاکر جی
کبھی نہلائیں اُس کو اور کبھی ٹیکا لگاتے ہیں
کبھی بھوجن کھلاتے ہیں
مگر وہ کھا نہیں سکتا
کبھی اُس کو سُلاتے ہیں
مگر سویا ہے پہلے ہی
کبھی اُس کو جگاتے ہیں
مگر وہ بُت ہے، کیسے جاگ سکتا ہے
کبھی کپڑے بدلتے ہیں
مگر وہ چُپ اُسے کیا، بے حس و بیجان پتھر ہے
پڑے ہیں عقل پر پتھر
کہ اِن باطل پرستوں نے
لگایا ہے ٹکٹ پتھر کے درشن پر
عجب چکر چلایا ہے
اندھیرا گھور چھایا ہے
ہے اک مندر بڑے اونچے پہاڑوں پر
جہاں جا کر
مُنڈوا دیتے ہیں سر کے بال، بھگت اکثر
بہت ہے مانیتا اُس کی
وہاں درشن کو پہنچا میں
مرے ہمراہ تھی بے دھرم پتنی بھی
ٹکٹ جلدی کے درشن کا روپے پچیس فی کس تھا
اگر کرنے ہوں درشن مفت پہروں منتظر رہیے
کھڑے تھے یاتری درشن ابھیلاشی قطار اندر قطار
اس اونچے مندر میں
وہاں ہم بھی تھے اِستادہ
کہ آیا ایک مسکین شخص جو بولا
اگر کرنے ہوں درشن دس منٹ میں ایک سو کا نوٹ دیجیے
سو، ہم نے دیو درشن دس منٹ میں کر لیے، ایسے
پچاس اور دس کا منتر اٹھ گیا چند ایک لمحوں میں
بہت سے اجنبی بھی ہیں
کہاں سے آئے ہیں چل کے یہ جاہل درویشوں کے
یہ انبوہِ کثیر اوہام کیشوں کے
ہزاروں میل طے کر کے تیلا درشن کو آئے ہیں
اور اپنے ساتھ اندھا بے سُرا وشواس لائے ہیں
مرے ایشور عجب ہے تیری مایا بھی
کہ مایا کو سمجھ بیٹھے ہیں، ایشور ہم
یہ حاصل ہے مرے غم کا

جنوبی ہند کے ہارینہ مندر دیکھ کر میلا وشواس اور بھی جھکا ●

اُوِشواس

(کرشن موہن)
(بشکریہ تحریک دہلی)

جنوبی ہند کے ہر ایک مندر میں ہے اک ہاتھی
کئی دریوزہ گر ساتھی، کئی ہتھیانے والے ہیں
کئی بہکانے والے ہیں
جو پیسے دیں تو ہاتھی سونڈ سے سر چوم لیتے ہیں
یہ ہے آشیر وادان کی
عبادت کے مراکز ہیں
مجھے رنگیں روایت اور استحصال کے سنگیں مناظر ہی نظر آئے
جہالت کے مظاہر ہی نظر آئے۔
یہ مندر دیکھ کر میرا اوشواس اور بھی چمکا
ملا مجھ کو نہ ثمرہ سعیِ پیہم کا
ہر اک مندر میں ہے اک مختلف بُت مختلف پتھر
کروں کس کس کی پوجا میں
کہ ہے بھگوان دو جا میں،
کہاں سے آئی تھی یہ بُت پرستی نوعِ انساں میں
ہوئی جو باعث صد عشرت و مستی
ہوئے کیوں وقفِ باطل میرے آبا بھی
موحد تھے، انھیں کیونکر
ہوا ایماں ہزاروں دیوتاؤں پر
یہ مندر ہیں تجارت گھر
پجاری اُن کے سوداگر
پرستش کو زر و دولت کی خواہش نے
میکانیکی بنا ڈالا
کیا رومان کو صیدِ روایت اور کلاسیکی بنا ڈالا
اصولوں میں مقید کر دیا پوجا کے پھولوں کو
لپیٹا دھرم کو اوہام باطل میں
شکست فاش کھائی رسم فتنہ کار سے دل نے
کہیں بھی کوئی پتھر، کوئی صورت کوئی مورت سی نظر آئے
اُسے ہم اپنا خالق اپنا مالک مان لیتے ہیں
اور اُسکے پیار کی، پوجا کی چادر اپنے اوپر تان لیتے ہیں
اُسی کو اپنا سب کچھ جان لیتے ہیں
عجب نادان ہے، ڈھونڈے سکوں، انسان پتھر میں
کہاں سے آن بیٹھا ہے بھلا بھگوان پتھر میں۔

پندرھویں صدی ہجری مبارک

چودھویں صدی ہجری ختم ہوگئی اور ہم پندرھویں صدی ہجری میں قدم رکھ چکے۔ اس صدی میں ہم کو کتنے دن جینا ہے؟ یہ ہم کو نہیں معلوم لیکن کچھ نہ کچھ دن اس صدی میں بتانا ہیں۔ چاہے ہنس کر گزاریں چاہے رو کر۔

سمجھدار آدمی وہ کہلاتا ہے جو کل کی بیتی باتوں سے نصیحت حاصل کرے اور آج ان سے فائدہ اٹھائے۔ جس آدمی نے کل (چودھویں صدی ہجری) کو بھلادیا۔ وہ آج یعنی پندرھویں صدی ہجری میں بھٹکتا ہی رہے گا۔ اور ٹھیک ٹھیک راستہ نہ پا سکے گا۔ پھر وہ دوسروں کی نقل کرکے زندگی کے دن کاٹے گا یا من مانی کرے گا۔ بے سوچے سمجھے دوسروں کی نقل اور ریس کرنا اور بے سوچے سمجھے من مانی کرنا، یہ دونوں باتیں غلط ہی ہیں۔ نقل کرنے والی کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر روئی لدی ہوئی تھی اس گدھے کے آگے گھوڑے پر نمک لدا تھا۔ راستے میں تالاب تھا۔ گھوڑے نے تالاب میں قدم رکھا۔ جب ذرا پانی میں گیا تو ڈبکی لگائی۔ نمک پگھلا تو اس کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ گدھے نے بھی ریس کی۔ روئی بھیگی تو گدھے کا بوجھ بھاری ہوگیا۔

من مانی کرنے والے کی مثال اس احمق کی سی ہے جس کے دماغ میں خشکی تھی۔ خشکی کی وجہ سے اُسے نیند نہیں آتی تھی۔ اس نے نیند آنے والی گولیاں خریدیں۔ رات کے وقت اس نے سب گولیاں کھالیں اور پھر ایسا سویا کہ جاگا ہی نہیں۔

خبر کرو مرے گلشن کے خوشہ چینوں کو

ہمارا نیا رعایتی اعلان

(۱) اب ہم خواتین اور طالبات کے پاکیزہ ڈائجسٹ "حجاب" رامپور کے نئے سالانہ خریداروں کی خدمت میں پندرہ روپیہ کی کتابیں مطبوعہ مکتبہ حجاب رامپور تحفے کے طور پر پیش کریں گے۔ یہ پیشکش ان پرانے خریداروں کے لیے بھی ہے جو آئندہ سال کے لیے سالانہ چندہ عنایت فرمائیں گے۔

(۲) جو بہن یا بھائی تحفے کی کتابیں لینا نہیں چاہتے، وہ اگر سو روپیہ عنایت فرمائیں تو ان کو پانچ سال کے لیے سالانہ خریدار بنالیا جائے گا۔ اس طرح ان کو پچاس روپیہ کی بچت ہو جائے گی۔

(۳) جو بہن بھائی چار سال کا سالانہ چندہ بھیجدیں گے ان کو پانچ سال کے لیے حجاب کا خریدار بنالیا جائے گا اور وہ تحفے کی کتابیں بھی پانے کے حقدار ہوں گے۔

(۴) جو بہن بھائی حجاب کے جتنے نئے سالانہ خریدار بنائیں گے ان کی خدمت میں تفہیم القرآن جلد پنجم کا جزو ب (سورہ حدید تا طلاق) اور خاتون جنت کے اتنے ہی نسخے ہدیتہً بھیجے جائیں گے تفہیم القرآن جلد ۵ کا سائز تفہیم القرآن پارہ عم کے برابر ہے۔ صفحات ۲۸۶۔ آفسٹ کی طباعت۔

حجاب کا سالانہ چندہ -/30 کتابوں کے لئے پوسٹیج معہ رجسٹری 3.10۔ سالانہ خریدار بننے اور کتابیں حاصل کرنے کے لئے -/33 بھیجیں۔ V.P. سے -/35۔

نوٹ:۔ کتابوں کے نام یہ ہیں۔ کلام نرم و نازک چار روپیہ۔ خاتون جنت تین روپیہ۔ بیگناہ قاتل قتدنہ نظر بند ایک روپیہ۔ آج کے کوہکن ایک روپیہ۔ پیار کا سندیس ایک روپیہ۔ مولانا مودودیؒ کیسے تھے تین روپیہ۔

میزان پندرہ روپیہ۔ (مینیجر "حجاب" رامپور۔ یو۔پی ۲۴۴۹۰۱)

جہیز کی لعنت نے سماج کی کمر توڑ دی ہے۔ بیٹی بیاہنے کے لیے داماد کیسے خریدے۔ بڑے سے بڑے نیتا اور عہدے دار پریشان ہیں۔ وہ ڈی۔ ایم جو رشوت لینے کے جرم میں اپنے ماتحت کو برخاست کرتا ہے۔ وہ بھی اس وقت رشوت لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جب اسے داماد خریدنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ ایک افراتفری ہے جس میں سب پھنسے ہیں۔ جہیز اور رشوت کو سب بُرا بھی کہتے ہیں۔ اور اس دلدل میں گلے گلے ڈوبے بھی ہیں۔

(۳) سیاست اور غنڈے

چودھویں صدی میں ہم نے دیکھا کہ سیاسی حالت بہت ہی خراب ہوگئی۔ سیاست پر غنڈوں کا قبضہ ہوگیا۔ ووٹوں کی بدولت لوگ اوپر اٹھتے ہیں اور ووٹ ملتے ہیں، غنڈوں اور بدمعاشوں کے بل بوتے۔ اب جو ممبر اوپر پہنچے گا وہ ان بدمعاشوں کی مانگ پوری کرے گا یا کسی بھلے مانس کی؟ یہ سیاسی غنڈے دیش بھر میں دندناتے ہیں۔

ان بدمعاشوں کی مدد تاجر بھی لینے لگے۔ تاجروں نے دیکھا کہ ان کا فلاں حریف آگے بڑھ رہا ہے۔ بس غنڈوں کو لگا دیا۔ ہم نے چودھویں صدی کے آخر میں بلوؤں اور فسادوں کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ان کے پیچھے بڑے بڑے تاجروں کا ہاتھ ہے۔ ایک شخص کی، ایک پیشے والوں کی، ایک قوم کی تجارت اور فن کو ہتھیانے کے لیے غنڈوں کی مدد لی گئی۔ دھن کی دُھن بجا کر سپاہیوں کو ہموار کیا گیا۔ ضرورت پڑی تو مذہبی تعصب بھی ابھار دیا گیا اور پھر جو کچھ چودھویں صدی کے آخری برسوں میں ہوا، وہ سب سامنے ہے۔ دیش دنیا میں بدنام ہوا، ہوا کرے، مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ بھلی بات کی پوجا کرنے والے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ "تکر تکر دیدم دم نہ کشیدم"۔ وہ سب دیکھتے ہیں۔ ان کو فساد پسند نہیں لیکن ہیں وہ بھی بدمعاشوں کے دباؤ میں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ سب کیسے ختم ہو۔ چودھویں صدی ہجری کے ان برسوں کے اخبار پڑھیے۔ سب لکھتے ہیں کہ جو کچھ ہوا، بُرا ہوا لیکن اس پر کیسے قابو پایا جائے، یہ کوئی نہیں بتاتا۔

اسلئے

ہم کو چاہیئے کہ ہم پندرھویں صدی ہجری بسر کرنے کے لیے چودھویں صدی پر ایک نظر ڈال لیں یعنی اس کا جائزہ لیں۔ پھر جو ٹھیک بات سامنے آئے۔ اس کی روشنی میں زندگی بسر کریں۔

چودھویں صدی ہجری کا جائزہ

(۱) برائیاں عام پسند ہوگئیں :۔

چودھویں صدی میں ہم نے دیکھا کہ دنیا کی کوئی برائی، چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اپنے پورے عروج پر پہنچ گئی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جھوٹ، چوری، زنا، چوربازاری، رشوت بے شرمی، سینما، گندے گانے، بے جا طرف داری، لوٹ مار، دنگا فساد، ہڑتال، ناحق کمزوروں کو قتل کرنا وغیرہ یہ سب بری باتیں ہیں۔ یہ سب برائیاں اتنی عام ہوچکی ہیں کہ ہر شخص اُن کو کرنے لگا ہے جانتا ہے کہ یہ بری باتیں ہیں لیکن کرتا ہے اور جو بھولا آدمی ان سے بچنا چاہتا ہے اُسے احمق سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ برائیاں اس بلندی کو پہنچ جائیں تو کوئی چین سے نہیں رہے گا۔ آج آپ بڑے سے بڑے تاجر یا حاکم کو دیکھ لیجئے۔ وہ یہ سب باتیں کرتا ہے لیکن اُسے سکون اور سکھ اور شانتی نصیب نہیں چاہتا ہے کہ سکھ اور شانتی ملے مگر راہ نہیں ملتی۔

(۲) سماجی حالت بدترین :۔

چودھویں صدی میں ہم نے دیکھا کہ سماجی اور گھریلو زندگی میں کسی کو چین نہیں ہے۔ رشتے ناطے بے معنی ہوکر رہ گئے۔ اولاد والدین کی نافرمان، ماں باپ اولاد سے بیزار۔ ہر شخص اس چیز کی طرف دوڑ رہا ہے جسے اس کا من پسند کرتا ہے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے میں ہر ایک دوسرے کی نقل ہی نہیں کرتا، بڑھ جانا چاہتا ہے۔ گھروں میں بیجا سجاوٹ اور فضول خرچی بڑھتی جارہی ہے اور اس کی داد چاہی جاتی ہے۔ رسم ورواج نے سب کا مٹھ مار دیا ہے اور

اس جائزے کو آپ بھی دیکھیں۔

(۵) تحریک اسلامی

چودھویں صدی میں ہم نے دیکھا کہ جب دین و دھرم اور اسی لی باتوں پہ حملے ہو رہے تھے۔ دین کو افیون ثابت کیا جا رہا تھا۔ دین کا مذاق بنایا جا رہا تھا تو اس وقت دنیا کے دھرموں میں سے کسی سے نہ بن پڑا کہ ملحدوں اور ناستکوں سے ٹکر لیتا۔ ہاں، ہم نے دیکھا کہ اسلام کے ماننے والوں میں سے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے سوجھ بوجھ اور پڑھے لکھے عالم پیدا کر دیے جنھوں نے مغرب کے انتشار پھیلانے والوں کا ہر میدان میں کامیاب مقابلہ کیا۔ اور بتایا کہ صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جس سے دنیا والوں کو شانتی مل سکتی ہے۔ ان عالموں میں سید قطب شہید، ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ان کے ہمخیال عالموں نے بہت کام کیا۔ انھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں غیر اسلام سے ٹکر لی۔ مدافعت بھی کی یعنی بتایا کہ تم جو اعتراض کرتے ہو، وہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے۔ —— اور انھوں نے مدافعت ہی نہیں کی بلکہ پھر جو خود جارحانہ حملہ کیا تو غیر اسلام کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ چودھویں صدی کے آخر ہونے تک مغرب کے مفکرین کو شکست فاش دے دی۔ ہر میدان میں یہی غالب رہے۔ وہ نوجوان جو اندھا دھند مغرب کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ انھوں نے ٹھہر کر سوچنا شروع کر دیا اور جب سوچنا شروع کر دیا تو حق اسی گروہ میں دکھائی دیا اور انھوں نے بڑھ کر سینے سے لگا لیا اور اس زور کے ساتھ آگے بڑھے کہ اسلام ایک تحریک بن گیا۔

اسلام ایک تحریک کی شکل میں اُبھرا تو اسلام کے مخالف بڑے بڑے بلاک گھبرا گئے انھوں نے توپ سے تحریک اسلامی کو دبانا چاہا تو وہ اور اُبھری اور اُبھری اور چودھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے اس کے جانبازوں نے وہ وہ قربانیاں پیش کیں کہ باطل بھی سمجھ گیا کہ توپ کے گولوں سے مسلمانوں کو تو ختم کیا جا سکتا ہے لیکن تحریک اسلامی کو راستے سے ہٹایا جا سکتا۔

یہ ہے چودھویں صدی کا جائزہ۔ اب پندرھویں صدی میں ایک طرف باطل کی بوکھلاہٹ ہے

(۴) دین اور دھرم

چودھویں صدی میں ہم نے دیکھا کہ دین اور دھرم کو پڑھے لکھے لوگوں نے طاق میں رکھ دیا دین اور دھرم کی باتیں اگر کہیں ہیں تو جاہلوں میں جن کو خود اپنے دین اور دھرم کی خبر نہیں۔ پڑھے لکھوں کو یورپ، امریکہ اور روس کی طرف سے جو ملتا ہے اس کو وہ آکاش بانی اور خدائی آواز کی طرح قبول کر لیتے ہیں۔ اور یہ بلاک اپنے کو اونچے سے اونچا اٹھانے، اپنی دھاک بٹھانے اور اپنے حریف کو نیچا دکھانے پر تلے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ جو ذرا ان سے پھرا کر گرا۔ ان پچھی دیشوں نے نعرہ لگایا کہ مذہب افیون کی گولی ہے۔ اب مذہبی اور دھارمک لوگوں کی پگڑی اچھالی جانے لگی۔ انھوں نے سمجھایا کہ دین اور دھرم بس مندر اور مسجد تک۔ باقی کاموں میں نہ دین کی ضرورت ہے اور نہ خدا کے حکموں کی ؟ یہی سب کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ چودھویں صدی میں جب تک دل میں خدا کا خوف اور بھگوان کا بھے رہا تو زندگی غنیمت رہی۔ دماغ اور دل سے خدا کا خوف نکلا تو شیطان نے وہاں گھونسلا بنایا اور پھر اس نے انسان کو وہ تگنی کا ناچ نچایا کہ بس آدمی ناچے جا رہا ہے اور خوش ہو رہا ہے۔

اور پر ہم نے بہت ہی مختصر طور پر جو جائزہ لیا، وہ محض ہمارا ہی نہیں ہے بلکہ دنیا میں ابھی ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ بھلائیاں پھولیں پھلیں اور برائیاں دبیں۔ وہ سب اس بات میں ایک رائے ہیں کہ دنیا کے لوگ ایک بھیانک گڑھے کے پاس کھڑے ہیں اور اگر اس میں گرے تو پھر نکل نہ سکیں گے۔ لیکن یہ دانشور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب ہم یہ برائیاں کس طرح دور کریں بلکہ صحیح جائزہ یہ ہے کہ ایسے لوگ مایوس ہو گئے ہیں لیکن ہم نے چودھویں صدی میں ایک اور بات دیکھی اس کا بھی جائزہ لیا تو ہم کہتے ہیں کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں اگر ٹھنڈے دل سے سوچا جائے۔ تعصب کی عینک اتار دی جائے تو انسانیت سنبھل سکتی ہے۔ آئیے

نمائندہ خاتون دیارِ رسالت میں

"لیکن مرد جہاد کرتے ہیں۔ جمعہ کی نماز جماعت سے پڑھتے ہیں۔ جنازوں کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ہم سب ثواب میں ان سے کس طرح آگے بڑھ سکتے ہیں جب کہ یہ اور ایسی ہی کئی اور عبادتیں ہم پر فرض نہیں ہیں۔"

اس خلش نے خواتین میں بے چینی پیدا کردی ہے "ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا چاہئے اور پوچھنا چاہیے کہ ہم ثواب میں مردوں کے برابر کس طرح ہو سکتی ہیں؟" ایک بزرگ خاتون نے مشورہ دیا اور پھر ایک ذہین اور فصیح البیان خاتون تلاش کی جانے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم میں اسماء بنت یزید (رضی اللہ عنہا) سب سے اچھی مقرر ہیں۔ کیوں نہ ہم انھیں اپنا نمائندہ بنا کر رسولؐ خدا کی خدمت میں روانہ کریں۔"

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا ساری خواتین کی نمائندہ بن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جس وقت حضرت اسماءؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں، اس وقت صحابہ کرامؓ آپؐ کے گرد جمع تھے۔ خواتین کی نمائندہ خاتون نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ مجھے خواتین نے اپنا نمائندہ بنا کر آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں ایک مشترکہ درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔

یا رسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں سب کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور ہم سب اللہ پر ایمان لائیں لیکن ہم عورتیں بہت سے نیکی کے کام نہیں کرتیں۔ ہم سب اپنے مردوں کے گھروں میں پڑی رہتی ہیں۔ اولاد کو اٹھائے پھرتی ہیں۔ آپ لوگ

اور دوسری طرف تحریک اسلامی کے فدا کاروں کی اُمنگ۔ آپ انڈونیشیا سے چلئے اور سیدھے ٹرکی تک چلے جایئے۔ آپ کو قدم قدم پر تحریک اسلامی کے اثرات ملیں گے۔ کہیں تحریک اسلامی کے افراد تعلیم وتربیت کے مرحلے سے گزرتے ملیں گے۔ کہیں سماجی کارکن بن کر کام کرتے ملیں گے۔ کہیں ریلیف کے میدان میں خدمت کرتے دکھائی دیں گے اور کہیں سیاسی بن کر اُبھر رہے ہوں گے اور کہیں باطل سے برسرپیکار ہوں گے اور باقاعدہ جہاد کر رہے ہوں گے۔

یہ بات دوست اور دشمن سب سمجھ چکے ہیں کہ تحریک اسلامی کی کامیابی یقینی ہے۔ یہ توپ و تفنگ زیادہ عرصے تک اس کا راستہ نہیں روک سکتے اس جائزے کو سامنے رکھ کر اب ہم کو سوچنا ہے کہ ہم کیا کریں۔ کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر بیٹھے رہیں۔ کیا ہم صرف دُعا ہی کرتے رہیں؟ اگر ایک مسلمان اس طرح سوچے تو اس پر افسوس ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اس سے کم سے کم جو کچھ ہو سکے، اس میں حصہ لے تاکہ اللہ کے حضور جا کر کہہ سکے کہ اے اللہ! جب تیرے بندے باطل سے ٹکرا رہے تھے اور تیرے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے تو ان کے گھوڑوں کے لیے گھاس چھیل چھیل کر ہم نے بھی بھیجی تھی۔ اللہ نے چاہا تو ان کی یہ چھوٹی سی خدمت بھی مقبول ہوگئی تو زیادہ نہ سہی، جنت میں کوڑا رکھنے کے لائق جگہ مل ہی جائے گی۔ یہ کوڑا رکھنے کی جگہ بھی اتنی ہوگی کہ اس کے اندر بھی ایک بڑی جنت ہوگی۔ اب جسے چاہیے وہ اللہ کی توفیق تلاش کرے۔

اللہ سب سے یہ پوچھ کر رہے گا کہ جب حق و باطل کی جنگ ہو رہی تھی تو اے عبدالرحمٰن، اے محمد اقبال، اے قطب الدین یعنی اے مسلمان! تو کہاں مر گیا تھا۔ جواب سوچ رکھئے۔ جواب دیئے بغیر کوئی اللہ کے سامنے سے نہ ہٹ سکے گا۔

مضمون تشنہ رہے گا اگر ہم اس موقع پر خواتین کو ایک حدیث نہ یاد دلا دیں۔

حدیث کا مفہوم کہانی کے روپ میں اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو:۔

آپ کا مشورہ درکار ہے

نیچے حلقہ حجاب کے ایک مائل نواز بھائی کا خط شائع کیا جارہا ہے۔ وہ منگور کے ہیں۔ انھوں نے تاکید فرمائی ہے کہ خط نہ چھاپا جائے اور ان کا نام نہ اجاگر کیا جائے لیکن خط واقعی توجہ طلب ہے اس لیے خط کا بہت سا مضمون حذف کرکے ان کی تجویز چھاپی جارہی ہے۔ ہاں ان کا نام نہیں دیا جارہا ہے۔ حلقہ حجاب کے بھائیوں اور بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مفید مشوروں سے ممنون فرمائیں۔ اور بتائیں کہ اس تجویز کو روبکار لانے کے لیے کیا عملی تدبیریں ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد ہی میں کوئی منصوبہ بنا سکتا ہوں۔ (مائل خیرآبادی)

تقریباً آغاز ہی سے میں حجاب کا عاشق ہوں۔ شاید ہی کوئی پرچہ باقی ہو جو میری نظر سے نہ گذرا ہو۔ مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور ان کی حمایت میں شائع ہونے والے آپ کے مضامین پڑھ کر میں بھی ایک Feminist بن چکا ہوں۔ خدائے پاک آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ مسلم خواتین کے لیے اور مسلمان بچوں کے لیے جو کتابیں اور مضامین آپ نے شائع کی ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان کا انگریزی اور مقامی زبانوں میں ترجمہ ہو اور ملک بھر میں اشاعت ہو۔ افسوس ہے کہ اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ ہماری قوم کے ننانوے فیصدی بچے (بلکہ جنوبی ہند کے ہر صوبے میں یہی حال ہے) الا ماشاءاللہ اُردو سے نابلد ہیں اور سارد و

مرد ہیں۔ مردوں کو ہم پر ثواب کے زیادہ مواقع حاصل ہیں۔ وہ جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، جنازے کی نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جب آپ مرد حج، عمرہ اور جہاد کے لیے گھروں سے باہر ہوتے ہیں تو ہم عورتیں آپ کے گھروں کی حفاظت کرتی ہیں اور آپ لوگوں کی اولادوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ یہ صورت حال ہے کیا اس حال میں ہم عورتیں بھی مردوں کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک سمجھی جائیں گی؟"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تقریر ختم کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر سُن کر صحابہ کرام سے فرمایا، کیا تم سب نے اس عورت سے بہتر کسی کو دین کے متعلق سوال کرتے پایا ہے؟" سب نے عرض کیا "نہیں، یا رسول اللہ! ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک عورت بھی اتنی بہتر تقریر کر سکتی ہے، بلاشبہ اس خاتون نے اپنی جنس کی بہترین نمائندگی کی ہے۔"

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رض کی طرف دیکھا۔ فرمایا، "تم کو جن عورتوں نے نمائندہ بنا کر بھیجا ہے تم ان سے کہہ دو، عورت کا اپنے شوہر کی اطاعت اور خاطر کرنا، ان تمام عبادتوں کے ثواب کے برابر ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مبارک کلمات سُن کر حضرت اسماء رض خوش ہو گئیں۔ وہ واپس ہو کر ان عورتوں میں پہنچیں جنھوں نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ اس کے بعد جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو وہ سب خوش ہو گئیں۔

آپ نے ایک محترم خاتون کی نمائندگی کا حال سنا۔ سوچیے، وہ کیا چیز تھی جس کے لیے خواتین نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ یہی ناکہ! ہم عورتیں اجر و ثواب میں مردوں سے پیچھے نہ رہیں۔

اگر یہ تجزیہ صحیح ہے تو آئیے ہم آپ اپنا اپنا جائزہ لیں کیا ہم کو بھی یہی فکر ہے یا اسکے سوا کوئی اور فکر لاحق رہتی ہے آخر ہم آپ بھی تو مسلمان ہیں اور انہی خواتین کی نام لیوا جنھوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کے دین کو قبول کیا تھا اور دل کی گہرائیوں سے اسلام کو قبول کیا تھا۔ تو پھر آؤ، اس پندرھویں صدی ہجری میں اپنے گھروں میں وہ اطمینان کی فضا پیدا کریں کہ مرد مطمئن ہو کر تحریک اسلامی کو آگے بڑھانے میں گھر کی فکر سے فارغ ہو جائیں۔

حجاب کا اگلا خاص نمبر

اوہام شکن نمبر کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی، وہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اوہام شکن نمبر کو دیکھ کر طرح طرح کے خاص نمبروں کے بارے میں مشورے آنے لگے۔ کسی نے لکھا کہ حجاب کی بارہ سالہ یادگار منائی جائے اور جب سے ۱۹۶۹ء سے حجاب شائع ہونا شروع ہوا ہے اس وقت سے لیکر اب تک کے منتخب مضامین، افسانے اور منظومات کو "انتخاب نمبر" کے نام سے شائع کیا جائے۔ کسی نے رائے دی اوہام شکن نمبر کی طرح ایک خاص اشاعت "تربیت نمبر" کے لیے وقف کی جائے۔ چند بزرگوں کی رائے ہے کہ "الجھنوں کے گرفتار نمبر" نکالا جائے۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ "زمانے کی گواہی نمبر" نکلے۔ اور تین خواہشیں ایسی آئیں کہ حجاب کے تمام اداریوں کو یکجا کر کے "مقالات مائل نمبر" چھاپا جائے۔

اس طرح کے خطوط چلے آرہے ہیں، میرا رجحان "تربیت نمبر" کی طرف تھا اور میں نے اس کی تیاری کے لیے مطالعہ شروع کر دیا تھا لیکن اب ان خطوط کی بھرمار اور مفید مشوروں نے میری رائے کو بدلنا شروع کر دیا۔ مجھے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ حلقۂ حجاب کی بہنوں اور بھائیوں سے مشورہ لوں تاکہ ان مشوروں کی روشنی میں یکسو ہو سکوں اور دلجمعی سے ایک فیصلے کی طرف پوری توجہ لگا سکوں۔ مجھے امید ہے کہ حلقۂ حجاب اس بارے میں پورا پورا تعاون کرے گا۔

نوٹ: منگلور کے بھائی کا خط پچھلے صفحوں میں آپ نے پڑھا جو بہن اور بھائی میری کتابوں کو اردو میں اشاعت کے لئے تعاون دے سکیں لکھیں اور جو دوسری زبانوں میں میری لکھی ہوئی کتابوں کو ترجمہ کرانے کے حق میں ہوں وہ اپنے تعاون کی شکل سے مجھے آگاہ کریں۔ شکریہ! (مائل خیرآبادی)

لٹریچر سے استفادہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا مقامی زبانوں میں ترجمہ ہونا ضروری ہے حجاب کے بالکل ابتدائی نمبر میں آپ نے مسلم خاتون کے تعلق سے جو ٹائٹل صفحے پر مضمون شائع کیا تھا وہ اس قابل ہے کہ اس کو دوبارہ آپ شائع کریں بلکہ میں مشورہ دوں گا کہ آپ حجاب ہی کا ایک انتخاب نمبر نکالیں نیز ایمرجنسی کے موقع پر بالکل چھوٹے بچوں کے لیے جو مضامین آپ حجاب میں شائع کرتے تھے ان کو کتابی صورت میں شائع کیجیے اور ان کو انگریزی اور مقامی زبانوں میں ترجمہ کروائیے۔ اس سلسلے میں میں ہر قسم کا تعاون دینے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں انشاء اللہ۔ والسلام ...... منگلور

نوٹ:۔ مدراس کے مرکزی مکتبہ اسلامی کی ایک شاخ کے تحت جمیل صاحب ٹامل میں میری کچھ کتابوں کا ترجمہ کر کے شائع کرا چکے ہیں اور مزید کتابیں ان کے سامنے ہیں۔ بشریٰ کے خطوط۔ کہانی میں کہانی۔ ہملا ابن بطوطہ عمر ثانی وغیرہ کتابیں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں اور اب "ہیرے کا جگر" (ناول) زیر غور ہے لیکن اس ناول پر نظر ثانی ضروری تھی اس لیے نظر ثانی کر کے مرکزی مکتبہ اسلامی کو دے دی گئی ہے اور وہ پریس جا چکی ہے جب یہ چھپ جائے گی تو پھر جمیل صاحب اس پر توجہ دیں گے۔

انگریزی میں یہاں میری کتابوں کا ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ محترمہ لبنیٰ ایم اے (بیگم ڈاکٹر سید شبیر حسین آف فتح گڑھ جیل) "اسلامی نظام میں عورت کا مقام" کا ترجمہ کر رہی ہیں۔ پاکستان میں میری لکھی ہوئی سیرت کی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہونے لگا ہے۔ جانباز ساتھی، عمر ثانی وغیرہ انگریزی میں شائع ہو چکی ہیں۔ وہاں کے حلقہ خواتین کی طرف سے بچوں کی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ میری دانست میں صرف چنو منو اینڈ آئی "منظر عام پر آ چکی ہے اس میں میں نے کہانیوں کے ذریعہ فقہ کی باتیں پیش کی ہیں۔

ایمرجنسی کے زمانے میں "نظر بند" نامی کہانی تو ضرور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں شائع ہوئی اس کے علاوہ اور کوئی کتاب میری معلومات میں نہیں ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے اور کارساز اللہ ہے۔ (مائل)

اس شرط کے بعد جہاں جہاں جو لباس پہنا جاتا ہے اس میں ان تین باتوں کا خیال رکھنا چاہئے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے لباس حیا، موسم سے حفاظت اور انسان کی آرائش کے لئے اتارا ہے۔ اس میں حیا سے متعلق وہی لباس مانا جائے گا جو اوپر کہی گئی شرط کے مطابق ہو، عریاں نہ ہو، اب رہی موسم سے حفاظت اور آرائش کی بات تو یہ ہر ملک میں الگ الگ ہے۔ سرد ملکوں کے رہنے والوں کا ایک لباس ہے۔ سمندر کے کنارے رہنے والوں کا ایک لباس ہے۔ میدانی علاقوں کے رہنے والوں کا ایک لباس ہے۔ ان لباسوں میں چاہے پاجامہ کرتا ہو یا تہمد میرزئی، چاہے کوٹ پتلون ہو یا شیروانی، اور کوٹ صدری، شلوار، ساری، لمبا کرتا، تسلوکہ، جمپر غرارہ، میکسی، بیل باٹم وغیرہ کچھ بھی ہو وہ سب جائز ہے۔

ایک بات اور ہے۔ وہ شعائر کی نقل ہے۔ شعائر کا مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والے جن نشانیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ ان کے شعائر کہلاتے ہیں جیسے سکھوں کے شعائر ہیں۔ کڑا گرنتھ صاحب۔ سر اور ڈاڑھی کے لمبے بال۔ گردوارہ۔ ہندوؤں کے شعائر ہیں جنئو پہننا۔ ان کی عبادت گاہیں مندر، مٹھ، سنگت اور تیوہار وغیرہ۔ عیسائیوں کے شعائر ہیں صلیب، گرجا گھر، کرسمس ڈے، انجیل۔ مسلمانوں کے شعائر ہیں مسجدیں، شرعی داڑھی اتنی بڑی جو چالیس قدم کی دوری سے دکھائی دے۔ (علماء نے اس میں اور بھی قیدیں لگائی ہیں جیسے ٹھوڑی ملا کر مٹھی بھر داڑھی یا ٹھوڑی سے نیچے مٹھی بھر داڑھی وغیرہ) ان کے دونوں تیوہار عید، بقرعید۔ اور مسجدیں وغیرہ۔

اسلام میں کسی مذہب کے شعائر کی توہین کرنا جائز نہیں، اگر کوئی مسلمان کسی مذہب والے کے شعائر کی توہین کرے گا۔ تو اسلامی حکومت بھی اسے سزا دے گی اور اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو آخرت میں بھی عذاب بھگتے گا۔

یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اسلام میں کسی مذہب کے شعائر اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اسلام میں کسی قوم کی مشابہت (یعنی انہی جیسا بن جانا)، سے جو روکا گیا ہے اس میں شعائر کا

سوال آپ کے ہیں جواب ہمارے!

● سیدہ طاہرہ بیگم۔ ہبلی

سوال :۔ آج کی مسلمان خواتین پردے سے آزاد رہنا چاہتی ہیں۔ اس کی وجہ؟

جواب :۔ اول یہ کہ وہ غیر دلیا سے مرعوب ہیں۔ دوسرے یہ کہ بے پردگی کے نتائج وہ نہیں جانتیں۔

سوال :۔ آج جماعت اسلامی پر ہر مسلم اخبار الزام ٹھونکنے میں ایک سے بڑھ کر ایک اخبار کے صفحات کو کالا کرنے میں بازی لے جانا چاہتا ہے۔ اس سے فائدہ؟

جواب :۔ آپ کا ایک سخت جملہ میں نے نکال دیا۔ ہر ایک کو حق ہے کہ دوسروں پر تنقید کرے۔ اس تنقید سے ان کی غرض کچھ بھی ہو۔ جماعت اسلامی کو فائدہ ہی پہنچے گا۔ ان شاء اللہ۔

● محمد اسلم انصاری گوشائیں گنج۔

سوال :۔ ہر مومن کو شرعی لباس پہننا چاہیے۔ یہ سچ ہے لیکن اگر کوئی سوٹ پہنے اور ٹائی لگائے تو کیا یہ حرام ہے؟

جواب :۔ پہلے شرعی لباس سمجھ لیجیے۔ ساری الجھنیں آپ سے آپ ختم ہو جائیں گی۔ شرعی لباس کی سب سے بڑی شرط (جو فرض ہے) یہ ہے کہ مرد اپنے بدن کو ناف سے نیچے گھٹنوں تک ضرور چھپائیں اور عورتیں چہرے، ہاتھ اور پیروں کو چھوڑ کر اپنے پورے بدن کو چھپائیں، جب گھر سے باہر جائیں تو کوئی کپڑا (قرآن میں اس کے لیے لفظ "جلباب" آیا ہے۔) سر پہ ڈال کر اپنے بدن کے زینت کے حصے چھپالیں۔

● ا۔س۔ طیار

سوال :۔ ان نیک ہستیوں کے نام بتائیے جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی؟

جواب :۔ عشرہ مبشرہ یعنی وہ دس صحابی رضؓ جن کو پاس پاس بیٹھے دیکھ کر حضورؐ نے جنتی فرمایا۔ ان کے نام یہ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروقؓ رضؓ، حضرت عثمانؓ غنی رضؓ، حضرت علیؓ رضؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف رضؓ، حضرت سعدؓ بن وقاص رضؓ، حضرت طلحہؓ رضؓ، حضرت زبیرؓ رضؓ، حضرت عبیدہؓ بن جراحؓ، حضرت زیدؓ بن خطاب رضؓ۔

ان کے علاوہ تمام ازواج مطہرات رضؓ۔ تمام صحابہ کرام رضؓ و صحابیات (رضی اللہ عنہم و رضوعنہ) اگر ان کے نام لکھے جائیں گے تو ایک شمارہ حجاب کافی نہ ہوگا۔

سوال :۔ کیا اسلامی انقلاب کے قائد مولانا مودودیؒ شاعر بھی تھے۔ اگر تھے تو ان کا کوئی شعر سنائیے؟

جواب :۔ مولانا مودودیؒ شاعر نہ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک رسالے میں دو غزلیں ان کے نام سے چھپی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یا تو وہ مولانا نے بچپن میں کہی ہوں گی۔ یا کسی نے ان سے منسوب کر دیں۔ مولانا دیکھتے تو ہرگز یہ غزلیں پسند نہ کرتے۔ دو غزلیں اسی شمارے میں ملاحظہ فرما کر خود رائے قائم کر لیجیے۔ ملاحظہ ہو گا صفحہ۔

● م۔ا۔ آرزو۔

سوال :۔ آپ اپنی آنکھوں کی بیماری کے دنوں کے کچھ تجربات سے آگاہ کریں؟

جواب :۔ ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں کچھ لکھوں گا۔

نوٹ :۔ اب ہمارے ملک میں کسی مقام پر ایسا انتظام ہے کہ سود کے بغیر قرض دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے اداروں سے معلومات حاصل کر لیجیے۔

بڑا حصہ آجاتا ہے۔

اب رہا ٹائی کا مسئلہ، اگر ٹائی صلیب سے مشابہ ہو تو عیسائی شعائر کو اپنانا ہے جو مسلمان کے لیے ٹھیک نہیں ہے لیکن اگر قمیص کا کالر درست رکھنے کے لیے ہو اور کوٹ کے گلے کو محفوظ رکھنے کے لیے گرہ لگا کر لٹکائی جائے تو یہ تشبہ نہ ہوگا۔

امید ہے کہ اس تشریح کے بعد سوٹ پہننے اور ٹائی لگانے کا مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ یاد رکھیے کسی ملک کے لباس کا سوٹ پہن لینا درست ہے اور ٹائی اس احتیاط کے ساتھ جو اوپر ہم نے عرض کی۔

سوال :۔ آج کل اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے بینک میں سودی کاروبار عام ہے۔ ایسے میں اگر کوئی اپنا پیسہ حفاظت کے لیے بینک میں رکھتا ہے تو اسے لامحالہ سود کی رقم لینی پڑتی ہے اور اسلامی شرع کے مطابق سود کا لین دین بالکل حرام ہے۔ ایسی حالت میں ان پیسوں کا کیا کیا جائے؟

جواب :۔ علماء کے فتوے اس سلسلے میں دو ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ سود نہ لیا جائے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ سود لے کر مضطر کو دیدیا جائے۔ دوسرے گروہ پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ وہ سود لینے کا تو گناہگار ہوگیا۔ یہ گروہ یہ معذرت پیش کرتا ہے کہ اگر یہ سود نہ لیا گیا تو یہ سود بینک ایسے اداروں کو دے دیتی ہے جو اسلام کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال بمبئی کے ایک بینک میں سامنے آئی۔ بمبئی میں بوہرہ مسلمانوں کا چالیس لاکھ روپیہ سود کا بینک میں تھا۔ بینک نے کہا کہ اسے نکال لو۔ بوہرہ قوم نے لینے سے انکار کر دیا تو بینک نے چالیس لاکھ کی یہ رقم عیسائی مشنریوں کو دے دی۔ اب بوہرہ قوم کی آنکھیں کھلیں کہ یہ کیا ہوگیا۔

میری رائے ہے ضروری نہیں کہ میری رائے اپنائی جائے۔ اس وقت تک جب تک کہ بغیر سودی بینکوں کا انتظام عام نہیں ہوتا مجبوراً سرکاری بینکوں سے تعلق رکھا جائے اور سود کا روپیہ لے کر مضطر کو دیدیا جائے۔ مضطر نہ ملے تو محلے کے کسی غریب غیر مسلم کو دیدیا جائے۔

۲۴ جولائی ۱۹۳۲ء

دوستی کا وال صلہ ملتا ہے غداری کے ساتھ
چاہیئے جنس وفا ان کو جفا کاری کے ساتھ

پوچھتے ہو اس مریض زار کی قسمت کا حال؟
کھیلتا ہے خود مسیحا جس کی بیماری کے ساتھ

تشنگی سے جاں بلب منت کش دریا نہ ہو
مرگ پیہم ہیں اگر ہو عشق خودداری کے ساتھ

زہر اور تریاق ، دونوں جمع ہیں اک جام میں
ہو رہی ہے گل فشانی بھی شرر باری کے ساتھ

اک طرف شانِ تغافل اک طرف نظرِ کرم
پنبہ و مرہم بھی ہے ہر نشتر کاری کے ساتھ

ہیں لباسِ کامیابی میں نہاں ناکامیاں
میری قسمت سو رہی ہے شانِ بیداری کے ساتھ

دل کے ویرانے کا بسنا تا دیر ممکن نہیں،
ہے خمیر اس کا بہم وجہ تبہ کاری کے ساتھ

مستیاں اس رند کی ہیں باعثِ رشکِ خرد
عرش تک جس کی پہنچ ہے شغلِ مے خواری کے ساتھ

سعی لاحاصل ہے تیری طالب گم کردہ ہوش
کامرانی چاہتا ہے تو زیاں کاری کے ساتھ

مولانا مودودی کبھی شاعر بھی تھے

دنیا نے سدا سمجھا دیوانہ[1] کو فرزانہ
فرزانہ حقیقت میں، تھا سب میں جو دیوانہ

ارباب محبت کا ڈھنگ[2] سب سے نرالا ہے
اک آن میں دیوانہ اک آن میں فرزانہ

اک قطرہ سے عالم میں طوفان بپا کر دے
اک جرعہ سے پیدا کر میخانہ کا میخانہ

تو عالم ہستی میں جویائے سکوں کیوں ہے
اک شورش پیہم، ہو اے ہمت مردانہ

رندوں کو پلا ساقی صہبائے جنوں پرور
ہو مے کدہ برہم کن، ہر لغزش مستانہ

آتش ہے نہاں تجھ میں پھر شمع کی کیا حاجت
خود شعلۂ تاباں بن، اے سوزش پروانہ

ہم نقد کے طالب ہیں تیسے کے نہیں قائل
کیوں ہم کو سناتا ہے، جنت کا یہ افسانہ

ساقی کے تغافل سے مایوس نہ ہو رندو!
خود طالب گردش ہے، اب فطرت پیمانہ

بربت کی تجلی میں تو خود ہی درخشاں ہے[3]
تو اپنا پجاری ہے اے صانع بت خانہ

کام دل و جاں پانا دشوار نہیں طالب
ممکن ہے اگر تجھ میں ہو جرأت رندانہ

[1] یہ مولانا کا املا ہی نہیں ہے۔ وہ حرف جار کے آنے پر لے دیوانے لکھتے۔

[2] ڈھنگ کا اصل تلفظ "رنگ" "جنگ" کی طرح ہے۔ ڈھنگ میں نون غنہ جزم اور گ ساکن ہونا چاہیے۔ مولانا بچپن سے صحیح زبان بولتے تھے وہ ڈھنگ کا تلفظ اس طرح نہیں کر سکتے جو اس مصرع میں ہے اگر مولانا کی زندگی میں ان سے یہ شعر منسوب کیا جاتا تو اس سے برات کرتے اور لاحول پڑھتے۔

[3] اس خیال سے بھی مولانا پناہ مانگتے۔ (ماہر القادری)

پندرھویں صدی ہجری

کس کی

ترجمہ: ماسٹر ریاضت علیخاں



Naeemah (left) and Sakinah — picture by Peter Johns

Less equal than others

by Polly Toynbee

تمام دنیا کی طرح اس ملک میں بھی اسلام گزشتہ بیس برسوں میں سب سے زیادہ تیزی سے فروغ پانے والا مذہب رہا ہے۔ چار سو کے قریب مسجدیں بنائی گئی ہیں اور یہاں اندازاً پندرہ لاکھ مسلمان ہیں۔ انگلینڈ کے چرچ میں زیادہ سے زیادہ حاضری کرسمس کو ہوتی ہے جب کہ ۱۷ لاکھ لوگ عبادت کرتے ہیں جن میں سے بہت سے سال میں صرف اسی دن چرچ آنے والے ہوتے ہیں۔

جنوبی لندن کے ایک گھر میں میں نے دو انگلش عورتوں سے ملاقات کی جنھوں نے اسلام

خواتین کے نام بدلنے کا غیر اسلامی طریقہ

احمد امین رحمت۔ ریاض سعودی عرب

ہمارے ملک میں یہ رواج انگریزی نقالی میں چلا آرہا ہے کہ لڑکی جب تک غیر شادی شدہ ہوتی ہے اپنے نام کے ساتھ والد کا نام لکھتی ہے لیکن شادی کے بعد اپنے خاوند کا نام لکھنا شروع کر دیتی ہے۔ عورتوں کو والد کی بجائے ان کے شوہروں کے نام سے پکارنے کا یہ طریقہ خلاف قرآن ہے۔ کیونکہ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"پکارو ان کو ان کے باپوں کے نام سے۔ یہی اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔"

اگرچہ یہ حکم متبنی بیٹوں کے لیے تھا لیکن حکم عام ہے۔ دوسرے یہ کہ اسلام نے عورت کو جو عزت و منزلت دی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عورت کی انفرادیت اور مستقل شخصیت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ مغربی طریقے کے مطابق ناموں کا بدلتے رہنا عورت کی انفرادیت کے خلاف ہے اور اس سے اس کی مستقل شخصیت کا تصور نہیں ابھرتا۔ ویسے بھی یہ کئی مسائل کو جنم دیتا ہے اگر کسی زیر تعلیم لڑکی کی شادی ہو جائے تو اس کی بعض سرٹیفکیٹس پر والد والا نام ہوگا اور بعض پر خاوند والا جو ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے یا اگر خاتون کو طلاق ہو جائے اور وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے تو پھر اسے تیسری دفعہ نام بدلنا پڑے گا یا وہ خاتون لیڈی ڈاکٹر یا وکیل ہے یا کوئی اور کام کرتی ہے اور خاوند کے نام سے معروف ہو چکی ہے اور اسے طلاق ہو چکی ہے تو نام کا بدلنا اس کی پریکٹس اور بزنس پر اثر انداز ہو سکتا ہے اسے نئی اسٹیشنری چھپوانا پڑے گی۔ نام کے ریکارڈ بدلنا ہوں گے۔ آخر کیوں نہ ان جھنجھٹوں سے چھوٹنے کے لیے عورت کا ایک مستقل نام ہو۔ جو بالکل نہ بدلے اور اس کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ عورت خواہ شادی شدہ ہو وہ ہمیشہ اپنے والد کے نام ہی سے پکاری جائے ہمیشہ عورتوں کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام ہی لکھا جائے اور قرآن کا منشا بھی یہی ہے۔

(ایشیا لاہور)

منظور کرلینا چاہیے اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے لیے کوئی خاص رسم نہیں ادا کرنی پڑتی۔ بس غسل اور اسلام قبول و اختیار کرنے کا ارادہ جس کے دو مرد یا چار عورتیں شاہد ہوں۔ اس نے اپنا نام [illegible] لیا

وہ قربانی دینے اور زیادہ تقویٰ حاصل کرنے کی غرض سے زیادہ سخت پابندیاں اور فرائض اختیار کرنے کی اسلامی عادت کو پسند کرتی ہے۔ وہ پوری نقاب ڈال کر اپنا چہرہ ڈھانپنا پسند کرتی لیکن اس کا شوہر ایسا نہیں چاہتا اس لیے وہ اس کی مرضی کے مطابق کرتی ہے۔ "یہ ایک دوسرا پہلو ہے" وہ مسکرا کر کہتی ہے جہاد کے معنی ہیں مقدس جنگ خواہ یہ اسلام کو کسی ملک میں داخل کرنے کے لیے مسلح جنگ ہو یا کسی کی شخصی اندرونی کشمکش۔

وہ کہتی ہے کہ "میرے لیے دراز لباس بڑا پُرکشش ہے۔ شروع شروع میں میں نے معمولی لمبے اور ڈھیلے کپڑے پہنے اور سر پر ایک چھوٹا رومال باندھا کیونکہ میں گھر پر رہتی تھی اور یہ لباس میرے والدین کے لیے مالی پریشانی کا سبب تھا۔ میرے والدین اس سے پریشان تھے لیکن انھوں نے سوچا کہ یہ سلسلۂ تغیرات کا صرف ایک مرحلہ (Passing phase) ہے۔ ماں کہتی تھی کہ خود کو کفن پوش کرلینا میرے لیے شرم کی بات ہے اور وہ میرے رمضان میں روزے رکھنے اور پورک (Pork) نہ کھانے کو پسند نہیں کرتی تھی۔"

وہ ملنسار (well-balanced) اور مطمئن زندگی گزارا کرتی تھی اور اکثر شاموں کو بہت سے دوستوں کے ساتھ باہر جایا کرتی تھی۔ "میری ماں مجھ سے شاکی رہتی تھی۔ اور پھر جب میں مسلمان ہوگئی تب بھی اس کو مجھ سے شکایت ہی رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے ستایا جارہا ہے لیکن میں خود کو یہ یقین دلاتی رہی کہ بہت سے مسلمانوں کو ستایا جاتا ہے، خود پیغمبرؐ کو بھی ستایا گیا تھا۔ جب کہ میرے والدین ہی مجھ سے جھگڑا کرتے ہیں۔"

وہ اور بھی زیادہ وقت مسلمانوں کے ساتھ گزارنے لگی اور اس نے مکمل روایتی لباس اختیار کیا اس نے کہا: "میں نے سیکھا کہ عورتوں کو اپنی آواز اتنی ہلکی رکھنا چاہیے کہ مرد کے دل کج نہ ہوں۔ انکو

قبول کیا ہے۔ انھوں نے باہر شادیاں کی ہیں۔ نقاب پہنتی ہیں اور اب ان کے بچے ہیں جن کی پرورش وتربیت وہ مسلمانوں کی طرح کرنا چاہتی ہیں۔ وہ دونوں لمبے ڈھیلے اور سادہ روایتی کپڑے پہنے تھیں۔ اور دور متوسط کے لباس کی طرح چادروں سے اپنے سر اور کاندھے ڈھانپے ہوئے تھیں جو ٹھوڑی کے نیچے بندھی ہوئی تھیں۔ نعیمہ کی چادر خاکی رنگ کی تھی اور سکینہ کی گہرے نیلے رنگ کی۔ اگر ان کو بولتے ہوئے نہ سنا ہوتا تو انھیں مشرقی شاید ایرانی عورتیں کہا جاتا۔ انھوں نے سنجیدگی سے بیٹھنے، بہت کم بولنے، بات چیت میں مردوں کو بولنے کا موقع دینے اور ننوں کی طرح حیا اور خاموشی کا مخصوص انداز اختیار کرنے والے مشرقی طور طریق اختیار کر لیے ہیں۔

ان دونوں میں سے کسی نے بھی مجھے اپنے سابق انگریزی نام کو بتانا پسند نہ کیا بلکہ مجھ سے کہا کہ میں ان کے نئے مسلم نام ہی استعمال کروں۔ نعیمہ کیمبرج میں پیدا ہوئی اور وہیں پلی بڑھی۔ اس کی ماں ایک جرمن کیتھولک اور باپ انگلینڈ کا کرسچین ہے اور وہ ایر فورس میں ہے۔ پانچ برس پہلے جب وہ کیمبرج میں سکریٹری کی حیثیت سے کام کر رہی تھی اس کی ملاقات سوڈان کے ایک مسلم گھرانے سے ہوئی اور وہ ان کے مذہب میں دلچسپی لینے لگی۔ وہ کہتی ہے: "وہ بڑے شریف لوگ تھے۔ انھوں نے مجھے انگریزی میں قرآن پڑھنے کو دیا۔ میں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ ان کی زندگیوں کے مقابلہ میں میں شک وریب کی حالت میں مبتلا ہوں، ایمان، معیار اور اخلاق سے خالی۔" وہ کہتی ہے کہ قرآن کے پہلے مطالعہ نے اس کو چونکا دیا۔ "اس نے مجھے انتہائی خوفزدہ کر دیا، خصوصاً جو سزائیں اس میں بیان کی گئی ہیں وہ بڑی سخت اور بے رحمانہ معلوم ہوئیں اور میں دراصل انھیں نہیں سمجھ پائی۔ لیکن میں نے اس کو دوبارہ پڑھا اور مغربی تعصب کے بغیر کھلے ذہن سے سمجھنے کی کوشش کی۔"

اس نے بہت سے دوسرے مسلمانوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ اس نے بتایا کہ ایک بار جب مجھے بنیادی معلومات حاصل ہو گئیں اور بات سمجھ میں آ گئی۔ تو میں نے محسوس کیا کہ مجھے اسلا

ہے۔ شادی ایک جہاز کی مانند ہے" وہ کہتا ہے کہ مرد پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہیں اور آخرت میں مرد
، بیوی کے مقابلہ زیادہ ذمہ داریوں کے لیے جوابدہ ہوگا۔

جب نعیمہ نے شادی کی تو اس کے والدین ڈرے لیکن دو ماہ پہلے جب اس کے لڑکا پیدا ہوا تب
ے انھوں نے اس شادی کو قریب قریب تسلیم کرلیا ہے۔ اس نے بتایا کہ "میری والدہ نے براہ راست
پوچھا کہ کیا مصر میں اس کی اور بیوی ہے اور کیا وہ اور عورتوں سے شادی کرے گا۔ میں چاہتی ہوں
ہ ایسا کرے لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ بیک وقت دو بیویوں کی کفالت نہیں کرسکتا۔" کچھ ماہ پہلے اس
ملاقات ایک عورت سے ہوئی۔ عورت اسے پسند کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے: "وہ بہت اچھی اور نیک بہن
ے بڑھ کر۔ میں اس کو پسند کرتی کہ وہ ہمارے ساتھ رہے۔" اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ وہ اس
لی سے شادی کرلے لیکن اس نے انکار کردیا۔ "ہوسکتا ہے کہ مجھے اس سے حسد ہوجاتا لیکن
ں کی دیکھ بھال اور گھر کے کام میں تعاون جیسے اس کے فوائد بھی ہیں۔" وہ کہتی ہے کہ اللہ
ے مردوں کی تخلیق ایک سے زیادہ عورت کی ضرورت کے ساتھ کی ہے۔

اس کے بعد سکینہ نے اپنی کہانی سنائی۔ وہ لینکا شائر سے آئی تھی، کوئی مذہبی پس منظر نہیں
تی تھی اور یونیورسٹی کی طالبہ تھی۔ ایک سال وہ مراقش گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں
ت بیتی تھی۔ مجھے اسلام سے دلچسپی ہوگئی اور جو لوگ وہاں مجھے ملے ان سے میں نے اس کے
رے میں معلومات کیں۔" جب وہ یونیورسٹی واپس آئی تو اس نے اسلام قبول کرلیا اور مسلم لباس
رنقاب پہن لیا۔ "میں سیاست اور فلسفہ پڑھ رہی تھی۔ میرے لباس کو دیکھ کر زیادہ تر لوگوں نے
مجھے نظر انداز کردیا۔ میرے پروفیسر نے مجھ سے بات نہیں کی۔ وہ سب دہریے تھے اور ان
خیال تھا کہ میں نفسیاتی مریضہ ہوں۔ ہم پہلے سال کے دوسرے ٹرم میں خدا کا عدم وجود ثابت
چکے تھے، میں نے اپنی ڈگری نہیں لی۔"

شروع میں اس نے نہایت سخت طریقے اختیار کیے۔ وہ کہتی ہے: "میں اب سوچتی ہوں

مردوں کی موجودگی میں کھلکھلانا اور ہنسنا نہیں چاہیے۔ اور خلوت میں عورتوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے مرد اس کی طرف مائل نہ ہوں اس غرض سے اسے جسم کے خدوخال کو چھپانے والے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہننا چاہیے۔ اسے اپنی آرائش، جسم اور بالوں کو صرف اپنے شوہر کی آنکھوں کے لیے حسین رکھنا چاہیے، کسی اور مرد کے لیے نہیں۔"

میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ ایک سخت پابندی معلوم ہوتی ہے۔ جواب ملا۔ دراصل یہ بالکل سہل ہے۔ یہ پابندی قطعی نہیں ہے۔ میں اس ہی طرز زندگی کو ترجیح دیتی ہوں۔ مجھے لوگوں کے سامنے نہ بھی نمائش نہیں کرنا ہے۔ مغربی عورتیں گھر کے اندر جب کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی ہیں، پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں میں رہتی ہیں اور جب وہ باہر جاتی ہیں دوسرے انھیں دیکھتے ہیں وہ خود خوبصورتی سے ملبوس کرتی ہیں۔ میں اس کو صحیح نہیں سمجھتی۔ ہمیں اپنے شوہروں کو ہی ہمیں زیادہ سے زیادہ پرکشش دیکھنا چاہیے۔"

دوسری عورتوں کے مجمعوں میں جب کہ اسے بات چیت کرنے اور قرآن کا مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا، اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شادی کرنا چاہتی تھی وہ کہتی ہے "ایک ممکنہ حال میں شوہر مجھے دکھایا گیا مگر میں نے اس سے ملاقات نہیں کی: اُن دونوں کو ایک دوسرے کے بارے میں بتایا گیا اور ایک ایجنٹ کے ذریعہ اس (شوہر) نے اسے پیغام دیا۔ اس نے دو بار انکار کیا لیکن استدعا کیے جانے پر منظور کر لیا اور ایک بار اس سے ملاقات کی۔ وہ کمپیوٹر اسٹڈی میں ریسرچ کا طالب علم اور ایک مصری ہے اس نے کہا "تم اللہ سے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دعا کرتی ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔"

وہ بغیر کسی حیلہ حجت کے تسلیم کرتی ہے کہ وہ (شوہر) گھر کا امام ہے اور اس کے تمام فیصلوں مطیع ہے۔" مرد اور عورتیں پوری طرح مساوی ہیں۔ مگر مرد کو عورت پر ایک درجہ فوقیت حاصل یہاں بات چیت میں اس کے شوہر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، "ہر جہاز کا ایک کپتان ضر

الگ رہیں۔

جو کچھ یہ انگلش مسلم عورتیں کہتی ہیں میں اس کی سیدھی سادھی رپورٹ دے رہا ہوں۔ مذہب ان کی زندگیوں کا ایک بڑا حصہ ہے۔ شادی اور بچوں کی اجازت کے علاوہ ننوں (Nuns) کی طرح ہیں۔ میرے لیے ان کی زندگیاں اور ان کی باتیں قطعی ناقابل فہم ہیں۔ میں مغربی تعصب (ذہنی تحفظات) کو ایک طرف رکھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر بہت معمولی سی کامیابی کے ساتھ ان عورتوں کا برضا و رغبت یہ طریقۂ زندگی اختیار کرلینا اسلام کی فتح ہے۔

ان شاء اللہ

میں حیدرآباد کے کل ہند اجتماع میں اپنے بھائیوں سے شرف ملاقات حاصل کروں گا۔ ملاقات کا متمنی۔ مائل خیرآبادی

کہ میرا رویہ نہایت ہی سخت تھا۔ اگر میں ہارٹ اٹیک سے مر بھی رہی ہوتی تو میں نے کسی مرد سے بات نہیں کی ہوتی۔ دوسرے مسلمانوں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ شادی کرنا چاہتی ہے تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ لیکن میں صرف کسی عرب یا کسی مسلمان سے شادی کرنا نہیں چاہتی میں یہ یقین کرلینا چاہتی ہوں کہ جس سے میں شادی کرنے والی ہوں وہ مذہب کا سختی سے پابند ہو۔ ایک ملیشین مسلم سے اس کی شادی طے کی گئی۔ شادی ہونے تک اس نے کبھی اس سے تنہائی میں ملاقات نہیں کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ شادی دعا میں مانگنے اور کرڈالنے کی چیز ہے۔ وہ سب ایک دوسرے کا حوالہ "کل مومن اخوة" بھائی اور بہن کے طور پر دیتے ہیں دوسرے مسلمان کی طرح اپنے عقیدہ پر بات کرتے وقت وہ بھی مغربی معاشرہ کی خامیاں پر انگلی رکھ دیتے ہیں۔ خاص طور پر کثرت طلاق، بگڑے ہوئے گھر، آوارہ بچے، فرض ناشناسی جرائم، وجود خداوندی کے احساس کا فقدان، معاشرتی روابط کی کمی اور زندگی کا کوئی نصب العین نہ ہونا۔ وہ کہتے ہیں کہ پردہ اور عورت کا مردوں سے الگ رہنا کرپشن (Corruption) کو روکتا ہے اور احتیاط ہی سب سے بڑی حفاظت ہے۔ ہاتھ کاٹنا چوری کو روکتا ہے۔ سکینہ نے اپنی بچی کو گود میں لیے ہوئے رضا کارانہ انداز میں کہا "اگر میری اپنی بچی بھی بڑی ہوکر عادتاً چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جانے پر مجھے خوشی ہوگی۔ یہ فعل (ہاتھ کاٹنا) اس کو پاک کردے گا اور اس کو دوزخ میں جانے سے بچالے گا۔" دوزخ معہ شعلوں اور آگ میں جلنے اور پگھلا ہوا سیسہ پینے کے ان کے لیے ایک زندہ حقیقت ہے۔ جنت بھی معہ اپنے ٹھنڈے چشموں والے باغ پھلوں اور خوشیوں کے ان کے لیے اتنی ہی زندہ حقیقت ہے۔

بہرحال یہ عورتیں مسلم دنیا میں رہنے والی دوسری لاکھوں عورتیں کی طرح سخت پابندی سے نہیں رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ باہر جاسکتی ہیں اور اپنے گھروں میں مقید نہیں کی جاتیں۔ اگر وہ چاہیں اور ان کے شوہر متفق ہوں تو ان کو کام کرنے کی اجازت ہے۔ اگر وہ مردوں سے حتی الا

نتائج

(آ قمر مرزا)

بیگم نرگس کو اُن کی حالت پر ترس آ گیا تھا۔ ان کی داستانِ غم سن کر وہ اتنی متاثر ہوئی کہ انھیں مستقل طور پر اپنی کوٹھی میں رہائش اختیار کرنے کی پیش کش کر دی۔

وہ تینوں ماں بیٹیاں کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہی تھیں۔ رشیدہ بیوگی کا دامن تھامے ٹھیکیدار کے گھر کا سودا سلف لاتی تھی کپڑے دھوتی تھی۔ اور اس طرح تین زندگیاں سانسوں کے رشتے برقرار رکھے ہوئے تھیں بڑی بیٹی رضیہ نے مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی ماں خود اسے زیادہ تعلیم دلانے کے حق میں نہ تھی۔ چھوٹی آسیہ کو مڈل کا امتحان دینا تھا وہ اسکول سے واپس آکر ہوم ورک کم کرتی اور اپنی محرومیوں پہ کڑھتی زیادہ۔ بازار میں نئے نئے فیشن اور جدید طرز کے ملبوسات دیکھتی اور گھر آتے ہی اُن کا ذکر چھیڑ کر رضیہ کو بھی جاگتے خوابوں کے حوالے کر دیتی تھی۔ اُن کا بھی جی چاہتا نئے نئے ریشمی لباس ہوں، کبھی میکسی اور کبھی غرارہ پہن کر باہر نکلیں اور اُن کی طرف اٹھی ہوئی نظریں مبہوت ہو کر رہ جائیں۔ راہگیروں کے سانسوں میں انتشار پیدا ہو۔ ہم عمر لڑکیاں رشک آمیز نظروں سے دیکھیں۔

لیکن یہ خواب بڑی بھیانک تعبیر لے کر سامنے آتے۔ رشیدہ کو شام کے بعد تھکے تھکے قدموں اور مضمحل چہرے کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کے دل ڈوبنے لگتے۔ اُن کے قرب و جوار میں کتنی ہی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں جو لوگ گوشۂ گمنامی میں پڑے تھے۔ وہ خاص اہمیت اختیار کر چکے تھے جو بے مائیگی کی وجہ سے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے وہ قابلِ احترام بن چکے

سماج کے نام

پردہ آپ کو دقیانوسی معلوم ہوتا ہے۔ برقع آپ کو "ہوّا" معلوم ہوتا ہے۔ گھر میں رہنا گھٹ گھٹ کر مر جانے کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے ہم آپ کی تمام باتوں کو قبول کر لیتے ہیں لیکن ذرا سوچیے کہ اگر آپ برقع کو چولہے میں ڈال کر۔ پردہ کو طلاق دے کر۔ گھر کو تالا ڈال کر اور بن ٹھن کر کسی کے دل پر بجلی گرانے کے سارے ہتھیاروں سے لیس ہو کر اگر آپ باہر نکلیں۔ آپ کا معاملہ یہ ہے کہ آپ دن کو بھی نکلتی ہیں۔ رات کو بھی نکلتی ہیں۔ اگر بیچ بازار میں کسی نے ہاتھ یا کسی گلی میں گذرتے ہوئے کوئی کھینچ کر لے گیا تو آپ کیا کریں گی۔ چیخیں گی۔ چلائیں گی اور شور مچائیں گی۔ لیکن آپ یقین رکھیں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ لوگ آپ کی مدد کو دوڑیں گے۔ سب تو خود غنڈوں سے ڈر کر ادھر ادھر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جاتے ہیں۔ اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا۔ ذرا سوچیے۔

ہماری اس بات پر آپ ہنستی ہوں گی کہ یہ تو خواب و خیال کی باتیں ہیں۔ کہیں دن دھاڑے ایسا بھی ہو سکتا ہے؟

محترمہ! آپ نے بمبئی کا واقعہ پڑھا ہوگا۔ میرٹھ کا واقعہ پڑھا ہوگا۔ جہاں دن دھاڑے عورتوں کو غنڈے اسی طرح لے گئے۔ کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ اور یہ وبا آہستہ آہستہ پورے ملک میں پھیلتی جا رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ملک میں خلافتی نظام کا نہ ہونا ہے۔ لیکن دوسری اور سب سے بڑی وجہ عورتوں کا فیشن پرستی میں اتنا مبتلا ہو جانا ہے کہ بے پردہ ہو کر باہر نکلنے والی ہر عورت "قتالۂ عالم" ہی ہو کر نکلتی ہے۔

(البلاغ: سراج سنوا)

سے کہا: "تمہیں خوش دیکھنا میرے لیے بےحد اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ جو جی چاہے کھاؤ، پیو، خریدو، کوئی رکاوٹ نہیں۔ تم مجھے اب غیر مت سمجھو۔" وہ ایک گھنٹے تک اس کے ساتھ گھومتی اور اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں کو حاصل کرتی رہیں۔ اُن کے دل و دماغ پر جمی ہوئی محرومیوں کی کائی بیگم نرگس کے حسنِ سلوک نے دھو ڈالی تھی۔ احساسِ کمتری کی لکیریں شعور کے کینوس پر سے مٹ گئی تھیں اور احساسِ برتری کے ستارے جگمگا... جب بیگم نرگس اب کرید کرید کر اُن کی معاشی حالت کے متعلق دریافت کر رہی تھی اور رشیدہ روہانسی ہو کر اپنی کسمپرسی کی داستان سنا رہی تھی۔ جب بیگم نرگس نے گہری اپنائیت کا اظہار کیا اور انھیں اپنے ہاں منتقل ہونے کی پیش کش کی تو حیرت اور خوشی کے ملے جلے اثرات اُن کے چہروں پر نمایاں ہو گئے۔

بیگم نرگس نے تسلی دیتے ہوئے کہا: "شوہر کی وفات کے بعد اتنی بڑی کوٹھی میں اکیلی ہی رہتی ہوں۔ دن تو مصروفیت میں گزر جاتا ہے مگر رات کو اکیلے پن کا خوف خون چوسنے لگتا ہے تم آ جاؤ گی، تو رونق بڑھ جائے گی، میری آخرت بھی سنور جائے گی۔"

رشیدہ کو ابھی تک خواب کا گمان ہو رہا تھا اور رضیہ اور آسیہ یوں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے علی بابا کے "کھل جا سم سم" کہنے سے دروازہ کھل گیا اور ہیرے جواہرات کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو گئی ہوں۔ رخصت ہوتے وقت بیگم نرگس نے اپنی کوٹھی کا ایڈریس بتایا اور تاکید کر دی کہ جب جی چاہے بلا جھجک آ جایا کرو۔

گھر میں داخل ہوتے ہی انھیں یوں محسوس ہوا جیسے کسی سنگین جرم کی پاداش میں انھیں کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا ہو۔ دو دن تک وہ بیگم نرگس کی پیش کش پر غور کرتی رہیں۔ اور پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر انھیں اپنا مکان، اپنا محلہ اور اپنی بستی چھوڑنے کا فیصلہ کرنا ہی پڑا۔

وہ تینوں کوٹھی کے بڑے گیٹ میں داخل ہوئیں، تو بیگم نرگس لان میں بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ ایک بار تو اُن کے دل یوں دھڑک اٹھے جیسے ماحول کی یکسانیت سے وہ بوکھلا اٹھی ہوں۔ بیگم نرگس نے خندہ پیشانی سے

تھے۔ نئی نئی باتیں سن کر انہیں نئے مناظر دیکھ کر کبھی تو مارے خوف کے ان پر کپکپی طاری ہو جاتی اور کبھی گھٹن کے شدید احساس کے تحت وہ کسی ایسے سہارے کے حصول کی دعائیں مانگنے لگتیں جو خفیہ دروازہ کھول کر منور سرنگ کے راستے انھیں کامرانیوں کی منزل پر پہنچا دے۔

بیگم نرگس سے ان کی ملاقات مینا بازار میں ہوئی تھی۔ آسیہ نے اسکول سے دو ٹکٹ خریدے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ماں ناراض ہو گی اور اس سے ٹکٹوں کے پیسے حاصل کرنے کے لیے جھڑکیاں کھانی پڑیں گی اور جلی کٹی سننی پڑیں گی وہ خود کو اپنے ارمانوں کے سامنے بے بس پا رہی تھی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ رضیہ کے ساتھ مینا بازار جانے پر بضد ہو گئی اور منت سماجت سے کام لے کر رشیدہ کو بھی ساتھ لے جانے پر رضامند کر لیا۔

مینا بازار میں کھانے پینے اور خرید کرنے کے لیے ان کے پاس رقم نہ تھی۔ مختلف اسٹالوں کو دور ہی سے دیکھ کر وہ اپنے اندر ایک بھیانک خلا محسوس کر رہی تھیں۔ اس خلا کو حسین رنگوں اور جانفزا خوشبو سے پُرکشش بنانے کے لیے ان کے پاس کوئی نہ تھا۔

بیگم نرگس بہت دیر سے ان کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ آخر اس نے چائے اسٹال کے سامنے انھیں روک لیا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد مشفقانہ لہجے میں کہا:

"بہن جی! زندگی کا صحیح لطف دولت ہی سے حاصل ہوتا ہے اس سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے اور کوئی خواہش ادھوری نہیں رہتی اس کے بغیر تو زندگی جانوروں سے بھی بدتر گزرتی ہے۔"

رشیدہ نے گہرا غمناک سانس بھر کر اس خاتون کی طرف دیکھا جس کی ادھیڑ عمری میں بھی چہرے کی دلکشی اور لباس کی پھبن اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ بیگم نرگس نے اس کا بازو پکڑ کر بے تکلفی سے کہا:

"میں نے تمھیں بہن کہا ہے اور بہن کے ناطے سے اپنا فرض نبھانا چاہتی ہوں۔" پھر چاٹ کے اسٹال کی طرف جاتے ہوئے اس نے لڑکیوں

ہی صحیح معنوں میں آزادی سے لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے۔ پھر وہ انہیں آزاد ماحول کے ہوش ربا دنوں کی کہانیاں سنانے لگی کہ کس طرح ایک مفلس دوشیزہ فاقوں سے تنگ آکر نئے ماحول میں آئی اور اپنے حسن کی حشر سامانیوں سے دلوں کی دنیا کو تہہ وبالا کر دیا۔ کس طرح جھوٹی حیا کا لبادہ تار تار کرکے ایک مہ جبین نے شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا۔ رضیہ اور آسیہ تو اس کے نزدیک کچے ریشم کی مانند تھیں جس رنگ میں چاہو ڈبو لو، چمک میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

جب کھانے کو مرغن غذائیں۔ آرام کو نرم کے بستر میسر ہوں اور خیالوں میں ریشم کی نرماہٹ اور سونے کی چمک بسی ہو، تو راستے کے نشیب و فراز کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بیگم نرگس نے جب اندازہ لگایا کہ شکار بری طرح جال میں پھنس چکا ہے، تو اس نے ایک ماہ کے دوران ان پر خرچ کی گئی رقم مع سود وصول کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ ایک شہانی شام جب کہ ہوا میں خنکی بھی تھی اور سرور بھی طے شدہ پروگرام کے مطابق ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے پر بیگم نے ریسیور اٹھایا:

"ہیلو! پرویز... کیسی طبیعت ہے بہت دنوں سے نظر نہیں آرہے! کہاں رہتے ہو؟"

"اچھا... یہ بات ہے۔ مجھے تم ہمیشہ مہربان پاؤ گے۔ اس وقت کیا کام آپڑا ہے؟

ہاں ہاں.... میں سمجھ گئی۔ تم آجاؤ۔ ہاں بھئی میری بہن کی لڑکیاں یہیں سیر کے لیے آئی ہوئی ہیں۔ بے چاری سارا دن گھر بیٹھے بور ہو جاتی ہیں۔ تم جانتے ہو میں کتنی مصروف ہوں۔ مشکل تو یہ ہے کہ میں انہیں کہیں نہیں لے جا سکتی۔ تم آجاؤ، جس کو چاہو، ساتھ لے جا سکتے ہو۔ تم کوئی غیر تھوڑے ہی ہو؟"

وہ تینوں بڑے غور سے مکالمے سن رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے کوئی مفہوم اخذ کرتیں، بیگم نرگس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میرے بھتیجے پرویز کا فون تھا۔ وہ آج رات ایک شاندار پارٹی میں مدعو ہے۔ ایسی پارٹی میں کسی حسین پارٹنر کے بغیر شرکت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس کی گرل فرینڈ اچانک بیمار ہوگئی ہے۔ وہ اس پارٹی میں ضرور شریک ہونا چاہتا

خوش آمدید کہی۔ انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ملازمہ
سے چائے لانے کو کہا اور رشیدہ کا ہاتھ دبا کر بولی
"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔ میرے جذبات کو
ٹھیس پہنچانے کی جرأت نہ کر سکو گی۔ اب یہ گھر تمہارا
اپنا ہے جس طرح جی چاہے رہو۔ کوئی بندش
نہ ہوگی۔"

چائے سے فارغ ہو کر وہ انھیں کوٹھی کی
سیر کرانے لگی۔ ان کے کمرے میں تین بیڈ لگا دیے
گئے تھے۔ کمرہ کشادہ اور نفیس تھا۔ فوم کے
بستر پر بیٹھ کر رضیہ اور آسیہ اچھلنے لگیں۔

"امی، کیا ہم خواب تو نہیں دیکھ رہے؟"

"نہیں بیٹی، ایسا نہیں۔ خدا مہربان تو کل
مہربان۔ ہم اس عزت افزائی کا سوچ بھی نہ
سکتی تھیں۔ بیگم صاحبہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی
ہیں۔ اب تو میری بیٹیوں کی ڈولیاں یہیں سے
روانہ ہوں گی۔ ہمارے محلے والے جل بھن کر رہ
جائیں گے۔ مگر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہ
ہو سکے گی۔"

رہائش کے لیے بہترین ٹھکانہ مل گیا تھا
ہر نعمت میسر تھی۔ کام کوئی بھی نہ کرنا پڑتا۔ بیگم نرگس
دن بھر سوشل سرگرمیوں میں مصروف رہتی
کے کھانے کے بعد وہ سب ایک ساتھ
ٹیلی ویژن پروگرام دیکھتیں۔ رضیہ اور آسیہ
وقت آئینے کے سامنے گزرنے لگا تھا۔
کا قیمتی سامان موجود تھا۔ کوئی رکاوٹ تھی
کی مخالفت کا خوف۔

دونوں دن بھر عجیب عجیب طرز سے
میک اپ کرتیں۔ نیم برہنہ لباس پہن کر ایک
دوسری سے لپٹ جاتیں اور رشیدہ کی موجو
کو نظر انداز کر کے ٹی وی پر دیکھتے ہوئے ڈرا
کی نقل اتارنے لگتیں۔ رشیدہ کی پیشانی پر بل
پڑتے، مگر وہ کوشش کے باوجود انھیں کچھ
کہہ سکتی۔

بیگم نرگس آہستہ آہستہ انھیں اپنی گرفت
میں لے رہی تھی۔ حجاب کی زنجیریں کاٹ رہی تھی
بے باکی کی ترغیب دے رہی تھی۔ ایک بات
وہ خاص طور پر اُن کے ذہن نشین کرا رہی تھی
کہ اس دور میں زندگی کو باوقار اور پرکیف وہی
بنا سکتا ہے جو دوسروں کو بے وقوف بنانے میں
ماہر ہو۔ فرسودہ رسم و رواج کے بندھن توڑ کر

دن وہ بیدار ہوئی، تو دھوپ روشن دان پہ دستک دے رہی تھی۔ اور آسیہ سرہانے بیٹھی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ خمار آلود نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر رضیہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے عریاں بازو آسیہ کی گردن میں حمائل کر دیے۔

"باجی، تم واقعی بہت خوش قسمت ہو۔ وقت کیسے گزرا؟"

"کچھ نہ پوچھو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے خواب میں الف لیلیٰ کے کسی طلسمی شہر میں پہنچ گئی ہوں۔ ہر کوئی مجھے حسن کی دیوی محسوس کر رہا تھا۔ رنگ و بو کا ایک سیلاب امڈا ہوا تھا۔ پرویز کی پارٹنر بن کر میں نے جو لطف اٹھایا وہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔"

"ہائے باجی، کاش! میں بھی ساتھ ہوتی نہ جانے میری باری کب آئے گی؟"

"ہائے ایک ہفتے بعد ہی اس کی باری بھی آگئی۔ اس دوران میں پرویز انھیں آرکسٹرا کی لے پر رقص کرنے کی تعلیم دیتا رہا۔ اس نے رضیہ سے زیادہ آسیہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ رضیہ کو ایک اور ساتھی مل گیا۔ شکیل مردانہ وجاہت کا بہترین نمونہ تھا۔ بیگم نرگس کو پرویز اور شکیل سے بھی توقع سے زیادہ رقم ہاتھ لگی، اور اس کی کاروباری ذہنیت نے دونوں بہنوں کو بکاؤ مال بنا دیا تھا۔

رشیدہ کو بھی بیٹیوں کے بن سنور کر باہر نکلنے میں کوئی عار محسوس نہ ہوتی۔ وہ بیگم نرگس کی شفقت کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی... آہستہ آہستہ تینوں نے ماحول کی چکاچوند کو اپنی زندگی کے مختلف زاویوں میں پھیلا کر ماضی کے ہر زخم کو پھول بنا رہی تھیں کوٹھی میں بھی دوسرے تیسرے دن کوئی نہ کوئی مہمان دو چار دن کے قیام کے لیے تنے لگا تھا یہ مہمان مالدار گاہک تھے اور نشے کی گہرائیوں میں ڈوب کر رضیہ اور آسیہ اپنے ماضی کو یکسر فراموش کر بیٹھی تھیں۔

ایک دن رضیہ ایک رئیس زادے کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھی گلفروش سے موتیے کے گجرے خرید رہی تھی کہ اس کی نظریں ایک ادھیڑ عمر عورت پر جم کر رہ گئیں۔ ماضی کے کواڑ زور زور سے کھڑکھڑانے لگے۔ پرانی آبادی میں گزرے ہوئے لمحوں کی خوشبو اس کی روح میں اترنے لگی۔

ہے۔ لیکن اکیلے جا نہیں سکتا۔ میں نے اُس کی مشکل حل کر دی ہے تم میں سے کون اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے؟ ایسی دعوت عمر بھر یاد رہتی ہے۔ کاش میں بھی وہاں جا سکتی۔"

اپنی بات کا ردعمل دیکھنے کی خاطر وہ خاموشی سے اُن کا جائزہ لینے لگی۔ دونوں بہنیں بے قرار ہو رہی تھیں۔ بیگم نے اُن کے جذبات کا اندازہ لگا کر کہا:

"تم شاید خود فیصلہ نہ کر سکو۔ قرعہ اندازی ہونی چاہیے۔" قرعہ رضیہ کے نام نکلا۔ آسیہ کا چہرہ لٹک گیا۔ بیگم نرگس نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "بے بی! اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟ تمہارے لیے بھی موقع پیدا ہو جائے گا۔ آج رضیہ ہی کو جانے دو۔"

پھر وہ رضیہ کو اپنے کمرے میں لے آئی، خود ہی اس کے بالوں کا اسٹائل بنایا، میک اپ کرایا، ساڑھی ایسی پہنائی جس میں پیٹ اور بازو عریاں رہنے سے جسمانی کشش دوچند ہو گئی۔ پرویز آیا، تو بیگم نرگس نے رضیہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "یہ ہے مس رضیہ... میرا انتخاب کیسا رہا؟"

پرویز اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ رضیہ حسن کا انمول شاہکار دکھائی دے رہی تھی۔ اس تعریف کی کہ آسیہ کے دل میں رقابت کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ وہ حسرت بھری نظروں سے ... کو تکے جا رہی تھی۔ وہ ایک خوبرو نوجوان تھا ... سوٹ نے اس کی وجاہت نکھار دی تھی۔ دو ... نکلے، تو ایک لمحے کے لیے رضیہ کے دل میں ... سا ہوا کہ وہ ایک اجنبی کے ساتھ تاریک راہ پر قدم اٹھا رہی ہے اور پھر دوسرے ہی لمحے بیگم نرگس کی عنایات نے سارے وسوسے گہری ... سلا دیے۔

وہ رات کے پچھلے پہر تک پارٹی میں مصروف رہے۔ رخصت ہوتے وقت پرویز نے دوبارہ ملنے کا وعدہ لیا۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ دیر تک جاگتی رہی ... دعوت نے اُسے پہلی بار یہ احساس دلایا کہ وہ اپنے حُسن کی کشش سے بڑے بڑوں کے ہوش اُڑا سکتی ہے۔ اُس کی خواہشوں کی تکمیل میں فرسودہ روایات کی جو دیوار بھی کھڑی ہو گی، مسمار کر دی جائے گی اور گرم جسموں کے لمس کا نام ہی زندگی ہے... اگلے

نظروں سے اوجھل رہیں۔ کیا گزرے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟ یہ نہیں میری پیدائش کس شہر اور محلے میں ہوئی تھی؟ مجھے بشیراں کی تلاش میں ضرور شامل ہونا چاہیے۔ وہی تو ایک بلند راں سہیلی تھی۔ ہم نے دوپٹے بھی تبدیل کیے تھے۔

رئیس زادے کے پہلو میں بیٹھی رضیہ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے وہ کوئی اغوا شدہ عورت ہو اور نیلام گھر کی طرف لے جائی جا رہی ہو۔ ماضی اور حال میں ایک کشمکش برپا تھی۔ دونوں اپنی اپنی دلفریب تصویریں اس کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

رات ذہنی کشمکش کے زیر اثر جلد ہی اس پر نیند طاری ہوگئی۔ ... آ گئی تھی۔ جو لطف و سرور ایک جوان اور خوب رو مالدار ساتھی کے قرب میں حاصل ہوا کرتا تھا، اس کی نوعیت بدل گئی تھی۔ وقفے وقفے کے بعد ایک کپکپاہٹ سی اس کے جسم میں پھیل جاتی۔ آج نئے ماحول میں پہلی بار اس نے اپنے اندر جھانک کر دیکھا۔ دور دور تک بنجر زمین پر پھیلی خاردار جھاڑیوں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ کوئی پھل دار درخت تھا نہ کوئی پھولدار پودا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور برآمدے سے مکان کی نیچی چھتوں سے گرتی ہوئی مٹی اور کچے صحن کی خوشبو سونگھنے کی کوشش کرنے لگی۔ جسم پر پھیلی ہوئی کالا جادو مہک اس کے نتھنے جلا رہی تھی۔ گہری تاریک رات کے سناٹے میں اسے اپنے وجود سے چیخیں نکلتی محسوس ہوتی تھیں۔

وہ لباس تبدیل کیے بغیر مسہری پر لیٹ گئی۔ خواب میں بھی بشیراں اسے وعدہ یاد دلاتی رہی۔

صبح اس نے رشیدہ کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا، تو وہ ناک سکیڑ کر بولی: "ہمارا ان لوگوں سے کیا ناطہ؟ اب تو ادھر کے خیال سے بھی گھِن آتی ہے۔"

رضیہ مچلنے لگی: "امی خواہ کچھ بھی ہو میں تو ضرور جاؤں گی۔"

رشیدہ نے تیوری چڑھا کر کہا: "بیوقوف مت بنو۔ بیگم صاحبہ کی اجازت ضروری ہے ہو سکتا ہے آج کوئی خاص پروگرام ہو۔"

رضیہ نے تنک کر کہا: "امی مجھے کسی

جیناں نے پہلے تو دور سے اس کا جائزہ لیا
پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی قریب آگئی۔ حافظے
پہ زور ڈالا تو رضیہ کے خطوط نمایاں ہو گئے۔
رشیدہ کی تصویر آنکھوں میں گھومنے لگی۔ رضیہ
غیر شعوری طور پر مسکرا اٹھی:

"خالہ سلام۔" اس نے دونوں ہاتھ پکڑ کر
سے باہر نکالے۔ جیناں نے وارفتگی کے عالم
میں انھیں سینے سے لگا لیا۔

"اللہ جی! میں کچھ اور مانگتی تو وہ بھی مل
جاتا۔ گھر سے نکلتے وقت دعا مانگی تھی کہ تم سے
ملاقات ہو جائے۔"

"سچ؟ دعا بڑی جلدی قبول ہوئی۔"
"مجھے تو اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا۔"
"خالہ، میں رضیہ ہی ہوں۔ تمہارے آنگن
میں بشیراں کے ساتھ کھیلنے والی۔ بشیراں کا
کیا حال ہے؟"

"پرسوں اس کی بارات آنے والی ہے
دن رات تمہیں ہی یاد کرتی رہتی ہے۔ تم نے
جاتے وقت وعدہ بھی تو کیا تھا کہ جہاں کہیں بھی
ہو گی، بشیراں کی شادی میں ضرور شرکت
کرو گی۔"

"ہاں! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں ضرور
آؤں گی۔ اُسے میرا سلام کہنا۔"
"آپا جی کا کیا حال ہے؟"
"ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اب مجھے ذرا جلدی
ہے۔ کل شام کو میرا انتظار کرنا۔"
"اپنے میاں کو بھی ساتھ لاؤ گی نا؟"
"میاں؟" اس نے اپنے ساتھی پر
نظر ڈالی اور مسکرا دی۔
"میاں باہر جا رہے ہیں، اکیلی ہی آؤں گی۔"
"آپا جی کو ساتھ ضرور لانا۔ اُن سے ملے
کئی مہینے ہوئے ہیں۔"
"ٹھیک ہے، کوشش کروں گی۔ اچھا
خدا حافظ۔"

٭

ماضی کے پر پھڑپھڑائے اور یادوں کی
دھول اُڑنے لگی۔ وہ اپنے اندر ایک چبھن سی
محسوس کر رہی تھی۔ سوچ کی تہیں کھلتی گئیں
۔ واقعی میں نے ماضی کے اوراق پر سیاہی پھیری
پرواز اتنی اونچائی پر تھی کہ نچلی سطح کی چیزیں

نئے شکار کو امارت کے جال میں پھانسنے سے آمدنی کا نیا دروازہ کھل جائے گا۔

اپنائیت اور مسرت کے جانفزا ماحول نے رضیہ کی دلی کیفیت میں ہلچل مچا دی۔ وہ مصنوعی وقار بالائے طاق رکھ کر ڈھولک بجانے والیوں کا ساتھ دینے لگی۔ اُسے عجیب مزہ آرہا تھا نئے ماحول کا جزو بن کر اس نے عیش وعشرت میں جو وقت گزارا تھا، وہ بے وقعت دکھائی دینے لگا۔ اُسے احساس ہو رہا تھا کہ عورت مہندی کی خوشبو اور ڈھولک کی تھاپ کے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ آرکسٹرا کی لے پر رقص کرنے کے بجائے ڈولی میں سوار ہو کر باجوں کی نغمگی کے تعاقب میں جانا ہی عورت کی نسوانیت اور وقار کی ضمانت ہے۔ وہ رات بھر ڈھولک بجانے اور سہاگ کے گیت گانے میں حصہ لیتی رہی۔

نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے صبح آنکھوں میں بوجھل پن تھا۔ بارات کی آمد پر سب عورتیں چھت پر آگئیں۔ نکاح کی رسم ادا ہونے لگی۔ رضیہ کے اندر دھونکنی لگی ہوئی تھی۔

کیا ہم دونوں بہنیں اس نعمت سے محروم رہیں گی؟ وہاں تو کبھی شادی کا ذکر تک نہیں ہوا۔ وہ لوگ کتنے سنگدل ہیں، نوٹوں کی جھلک دکھا کر نسوانی عظمت کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ کوئی انھیں ٹوکنے والا نہیں۔ اس محلے سے قطع تعلق کے باوجود آج میں یہاں گہری اپنائیت محسوس کر رہی ہوں... آخر کیوں؟"

بشیراں کی من پسند چیز خریدنے کے لیے رضیہ نے جیناں کو پانچ سو کے نوٹ پکڑائے، تو اس کی امانت اور سخاوت کی دھوم مچ گئی۔ ہر زبان پر اس کا چرچا تھا۔ بشیراں کو دلہن بنانے میں بھی وہ پیش پیش رہی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پائے ہوئے تھی... رخصتی کے وقت اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ خود ڈولی میں سوار ہو رہی ہو۔

بارات روانہ ہوگئی اور گھر والے جدائی کے آنسو پونچھ کر کھانے کے برتن اور دیگر

پروگرام کی پروا نہیں۔ میرا ارادہ تبدیل نہیں ہوسکتا۔
رشیدہ اس کے تیور دیکھ کر خاموش ہوگئی۔ بیگم نرگس
کو پتہ چلا تو اس نے رضیہ کو بلا کر بڑی دلداری
سے کہا: "مجھے تمہارے جانے پر کوئی اعتراض
نہیں بلکہ میں تو چاہتی ہوں کہ اپنی سہیلی کے لیے
کوئی قیمتی تحفہ لے کر جاؤ۔ کیا پسند کروگی؟"
"وہ غریب لوگ ہیں۔ نقد رقم دینے میں
ان کا فائدہ ہے۔"
"میں تمہارے خلوص کی قدر کرتی ہوں۔
یہ لو تین سو روپے۔ زیادہ کی ضرورت ہو تو بتانا۔"
"کم از کم پانچ سو روپے ہونے چاہئیں۔"
"جیسے تمہاری مرضی۔" بیگم نرگس نے مزید
دو سو روپے کے نوٹ دیتے ہوئے کہا۔
رضیہ نے رشیدہ سے پوچھا: "امی آپ
آپ بھی ساتھ دیں گی۔"
"نہیں۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا: "تمہیں
ہی یہ دعوت مبارک ہو۔"
دن ڈھلے وہ میک اپ سے فارغ
ہوگئی۔ اس نے قیمتی جوڑا پہنا۔ انگلیوں میں
انگوٹھیاں سجائیں۔ اپنچی میں دمکتے جوڑے
رکھے اور رشیدہ کو غصے کی حالت میں چ
سے باہر نکل آئی۔ پرانے بازار سے ا
سیر مٹھائی کا ڈبہ لیا۔ گھر پہنچی تو سہیلیو
مچ گیا۔ بشیراں اٹھ کر اس سے لپٹ گئی
محلہ اس کی آمد سے چونک اٹھا تھا۔ سب
کی تقدیر پہ رشک کر رہے تھے۔ عورتیں ا
کہ اس کی شاہانہ اور تابناک زندگی کے
کھوج لگا رہی تھیں۔ نوجوان لڑکیاں د
اس جیسے مقدر کی دعائیں مانگ رہی تھی
شادی کے ہنگاموں میں اس کے میک
اور معطر لباس نے خوشبو اور قوس قزح
رنگ بکھیر دیے تھے۔ ڈھولک کی تھاپ
رضیہ کو نغمگی کے سوتے پھوٹتے سنائی دے
تھے۔ گیت کے بول نئے ماحول کے جال
ڈھیلی کرنے لگے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے
وہ ابھی تک اس محلے کی باسی ہو۔
بیگم نرگس نے ایک خاص مصلحت سے
تحت ہی اسے یہاں آنے کی اجازت دی تھی
اسے یقین تھا کہ اہل محلہ کو ورطۂ حیرت میں ڈا
وہ کسی نہ کسی سہیلی کو اپنے ساتھ لے آئے گی۔ او

بھی ہو رہی ہو، انہیں یقین ہے کہ میں اندر سے اور باہر سے ایک ہوں، تعفن سے پاک ہوں؟"

سبھی نے اثبات میں سر ہلائے۔

"نہیں... تم نے یقیناً دھوکا کھایا ہے۔"

رضیہ نے گلوگیر لہجے میں کہا: "جہاں میں ہوں وہاں کنواریاں مہندی کی خوشبو کو ذرہ بھر اہمیت نہیں دیتیں۔ سہرے کے پھولوں کی مسکراہٹ بے معنی چیز سمجھی جاتی ہے۔ ڈولی میں بیٹھنے کا بھولے سے خیال نہیں آتا۔ ڈھولک کی تھاپ اور مچلتے ہوئے سہاگ کے گیت فرسودگی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ کیا تم یہ قربانی دے سکو گی؟"

وہ سب بت بنی بیٹھی تھیں۔

رضیہ نے ذرا توقف کے بعد کہا: "بشیراں کی شادی میں شریک ہو کر ہی مجھ پر انکشاف ہوا کہ دلہن بنے بغیر عورت مکمل نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس پر قناعت کرنے ہی سے ہم نسوانیت کا احترام برقرار رکھ سکتی ہیں اور جو کچھ ہمارے پاس نہیں اس کے حصول کی خاطر چور دروازے کی تلاش کرنے سے ہم رنگ محل میں تو پہنچ جائیں گی لیکن انسانیت کا وقار رسوا ہو جائے گا۔ میں کبھی بھی نہ چاہوں گی کہ آپ کے جسموں کی پاکیزہ اجلاہٹیں غلیظ اندھیروں میں کھو جائیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم سب کے ہاتھوں پر مہندی لگے۔ رنگین چوڑیاں چھنکیں، نکاح ناموں پر دستخط ہوں اور ڈولی میں سوار ہو کر سسرال جاؤ اور جب دولہا تمہارا گھونگھٹ اٹھائے تو تمہاری کائنات وجد میں آجائے۔"

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب رہی تھی۔ وہ جانے کے لیے اٹھی اور ایک الوداعی نظر ڈال کر کہا:

"میں شاید اب زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکوں گی کیونکہ میں اب دلہن نہیں بن سکتی کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ کبھی سوگوار لمحوں کو سہرے کے پھولوں کی مہک سے پُرمسرت نہیں بنا سکتی۔ زیادہ تیز روشنی میں آنے سے بھی تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، دھندلکے پھیل جاتے ہیں اور راستہ صاف دکھائی نہیں دیتا۔"

وہ روتی ہوئی چلی گئی۔ لڑکیاں دانتوں تلے انگلی دبائے ہوئے تھیں ●●

اشیاء سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ مگر رضیہ ایک طرف سر نہوڑا بیٹھی روحانی کرب سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔

"یہ آج مجھے کیا ہو گیا ہے! میں جو سنہرے خوابوں اور ابریشمی خیالوں کے دائروں میں الجھی ہوئی زندگی کے لیے کامرانیوں کی منزل کی تلاش میں تھی۔ جس نے ایک ہی جست میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا اور لوگ جسے حاصل کرنے کی خاطر دیوانے ہوئے جاتے تھے اور جس نے اپنی خواہشوں کی تکمیل کی خاطر اپنے جسم کے ہر زاویے میں چھپی ہوئی رعنائی کو زینہ بنا لیا تھا... اب بشیراں کی رخصتی کے بعد مغموم کیوں ہوں؟ کیا شاندار کوٹھی میں رہائش اختیار کرنے، خوبصورت کاروں میں سیر کا لطف اٹھانے اور رئیس زادوں کے بازوؤں میں بازو ڈال کر رقص کرنے سے میں نے وہ سب کچھ پا لیا ہے جس کی مجھے تمنا تھی؟ کیا محرومیوں کا وہ خلا پر ہو گیا جسے بے مائگی نے سنگین بنا دیا تھا!... مگر... اب... سوچنے سے کیا فائدہ!... یہاں سب لوگ میرے مقدر پر رشک کر رہے تھے۔ نوجوان لڑکیوں کی آنکھوں میں استعجاب کے سائے پھیل رہے ہیں۔ وہ میری طے کردہ راہوں پر قدم اٹھانے کے لیے مضطرب ہیں۔ میں اگر چاہوں تو بیگم نرگس کی ہوس کی بھینٹ چڑھانے کے لیے دو چار کنواری لڑکیوں کو ورغلانے میں کامیاب بھی ہو سکتی ہوں اور شاید بیگم نرگس نے کسی سازش کے تحت ہی مجھے یہاں آنے کی اجازت دی ہو۔ اُف... او کیسی فنکاری ہے؟ اپنے ماضی سے جدا کر رہی ہیں... زندگی کی مخبر روایات سے بغاوت پہ اُکسا رہی ہیں۔"

لڑکیاں دوبارہ جیناں کے مکان میں جمع ہو چکی تھیں۔ رضیہ سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ وہ اس کے لباس، میک اپ اور قسمت کی تعریف کے پل باندھ رہی تھیں۔ وہ نئے ماحول کی خیرہ کن روشنیوں کا راز معلوم کرنے کی خاطر اسے بار بار کریدتی تھیں۔ رضیہ نے ان کا تجسس اور اضطراب بھانپ کر مجروح لہجے میں کہا:

"تم سب کیا مجھ جیسا بننے کے لیے

مکتبہ حجاب رامپور سے طلب کریں

سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ( ) 1.25

اور میں مسلمان ہوگیا (نکلین آفاقی) 1.25

اسلامی نظام زندگی کی بنیادی توحید (ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) 1.50

تخلیق آدم (اکرام الدین احمد) 6/-

تحفظ گائے (عبدالکریم پاریکھ) 25

تعلیمات حسن البنا شہید (محمد حنیف) 2/-

حق و باطل (مولانا نعیم صدیقی) 1/-

در یتیم (ماہر القادری) 9/-

زادراہ مجلد (جلیل احسن ندوی) 12/-

سفرنامہ ارض القرآن (محمد عاصم) 7/-

سیکولر جمہوریت اور اسلام (فضل الرحمن خاں) 3/-

عہد حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح پر ایک نظر (سید احمد عروج قادری) 5/-

قربانی (حبیب الرحمن خیرآبادی) 2/-

قرآن سے ایک انٹرویو (محمد رفیق چودھری) 4/-

تحریک اسلامی (مودودیؒ) (جلیل احسن ندوی) 2/-

کیا مسافر تھے (عرفان خلیلی) 2.50

گرلز دلوا دیں (وصی اقبال) 2/-

لاٹری (شمس پیرزادہ) -.40

معرکۂ فرعون و کلیم (اخلاق حسین) 9/-

نماز ایک معجزہ (امینہ خاتون) 1.50

بیگناہ قاتل (احمد یار خاں نیازی بوسی) 2/-

قادیانیت کے جیب کتریاں (عامر عثمانی) 3/-

چالیس حدیث (امام یحییٰ) 8/-

اقبال اور سوشلزم (جسٹس ایس اے رحمان) 6/-

آداب زندگی (یوسف اصلاحی) 15/-

" " مجلد 17.25

اسلام ایک نظر میں (صدر الدین اصلاحی) 5.50

اسلام اور اجتماعیت (") 5/-

تحریک اسلامی ہند (") 4/50

جماعت اسلامی کا مقصد (") 1/-

دین کا قرآنی تصور (") 9/-

تصانیف مولانا مودودی

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں 3.50

قرآن ... .50 پاس ... مسئلہ ...

قرآن اور حدیث 2.75

... 1/25

مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ -.25

معراج کی رات -.25

... -.35

مسلم خواتین سے سلام ... -.75

میلاد النبی 1.25 مسئلہ قومیت 5.50

تجدید ... علامہ ... سرہندی مجدد

... ثانی -/50

مسئلہ جبر و قدر 3/25

مسئلہ قومیت 5/50

دین حق 1/25

دعوت اسلامی 1.50

بناؤ بگاڑ 1/00

جماعت اسلامی منزل بہ منزل 1/-

حقوق الزوجین 5/00



ایران میں امریکہ کی ناکامی کا ملبہ

گزشتہ اپریل میں امریکہ نے اُن ۵۳ یرغمالیوں کو رہا کرانے کی ایک بے باکانہ کوشش کی تھی جن کو ایران کے انقلابیوں نے گرفتار کر رکھا ہے۔ پہلے ایران کے انقلابیوں کا یہ مطالبہ تھا کہ شہنشاہ ایران کو اُن کے حوالے کر دیا جائے تو ۵۳ امریکنوں کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ قاہرہ میں شہنشاہ کے انتقال کے بعد اب وہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ شہنشاہ ایران جو دولت لے کر گئے تھے وہ ایران کو واپس کر دی جائے تب ان امریکنوں کو رہا کر دیا جائے گا۔

امریکہ کے محکمہ دفاع نے گزشتہ اپریل میں ان امریکنوں کو زبردستی رہا کرانے کی کوشش میں ایک سی ۱۳۰ ٹرانسپورٹ ہوائی جہاز اور ایک آر ایچ ۵۳ ہیلی کوپٹر روانہ کیا تھا۔ ان ہوائی جہازوں کو ایران کے صحرائے نمک میں اُترنا تھا اور وہیں سے آگے کا کام کرنا تھا۔ لیکن دونوں طیارے آپس میں ٹکرا کر تباہ ہو گئے۔ اور مشن ناکام ہو گیا۔

یہ تصویر اس جگہ کی ہے جہاں جہازوں کی ٹکر ہوئی۔ جہازوں کا ملبہ ابھی تک وہیں پڑا ہے۔ اور ایرانی فوج کا ایک دستہ اب وہاں ڈیرے ڈال چکا ہے۔۔

ـداز میں اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کر رہی تھیں۔ میرے گھر میں میلے کا سا سماں تھا۔ اتنا شور اور ہنگامہ تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ میں اپنی بیشتر صلاحیتوں سے محروم ہو جانے کے باعث نہ تو انھیں اپنے گھر سے باہر نکال سکتا تھا اور نہ اُن سے یہ کہہ سکتا تھا کہ خدارا خاموش ہو جاؤ کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں، مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے خالو تشریف لا رہے ہیں۔ کئی برسوں سے ہمارے گھر اپنی امیری کبیری کے خول میں رہنے کی وجہ سے نہیں آتے تھے کیونکہ اس وقت میری مالی حالت کمزور تھی اور میں ایک کوارٹر میں رہتا تھا۔ وہ مجھے اور میرے بیوی بچوں کو اپنے مخملی خاندان میں ٹاٹ کا پیوند تصور کرتے تھے اب میرے حالات ایک عرصے تک ملک سے باہر ملازمت میں رہنے سے اچھے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ میں ترقی کر کے گریڈ اٹھارہ کا افسر بن چکا تھا۔ اس ناطے سے انھیں اب مجھ سے ملنے میں کوئی عار نہ تھا۔

خالہ نے دو ہتڑ اپنے سینے پہ مار کر رونے کی ایکٹنگ کی اور میری بد حالی بیوی کو بڑے زور سے اپنے سینے سے چمٹا لیا جس سے وہ بچاری اور ادھ موئی ہو گئی۔ میری جوان مرگی پر انھیں بہت افسوس ہوا، ساتھ ہی یہ فکر بھی لاحق کہ اب میری ذمے داریاں کون اُٹھائے گا نہ جانے کیوں انھوں نے اس سلسلے میں اپنا نام لینا مناسب نہ سمجھا۔ خالو نے بھی میری بیوی اور گم صم بچوں کو دلاسا دیا۔

میرے ایک پڑوسی جنھیں میں نے ایک بار رقم اُدھار دینے سے انکار کر دیا کیونکہ انھو نے مجھ سے پہلے کی لی ہوئی رقم نہ لوٹائی تھی، دوسرے پڑوسی سے بولے:

"دیکھ لیجیے، ان صاحب کو (میری لاش کی طرف اشارہ کیا) انھوں نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کتنی دولت اکٹھی کر لی ہے۔ رشوت لی اور ترقی کرتے کرتے کلرک سے افسر بن گئے۔ مگر آج خالی ہاتھ اس جہان فانی سے اکیلے جا رہے ہیں۔"

میرا جی چاہا کہ ان صاحب کا منہ نوچ لوں اور ان سے کہوں کہ صاحب! کیوں بہتان

(ش.م. اعظم)

ہمیں کیا بُرا تھا مرنا

میں نے یکایک محسوس کیا کہ ایک دو حواس کے سوا میرے باقی حواس اور صلاحیتیں منجمد ہو گئے ہیں۔ میں صرف دیکھ سکتا ہوں، لیکن میری آنکھوں نے ہلنا جلنا بند کر دیا ہے اسی طرح میں سن تو سکتا ہوں، مگر جواب نہیں دے سکتا میرے اردگرد بہت سے لوگ جمع ہیں۔ کچھ رشتے دار ہیں، کچھ دوست، کچھ ہمسائے اور کچھ نئے چہرے ایک واویلا مچا تھا اور ایک شور و غوغا بپا تھا سب رو رہے تھے جس میں پیش پیش میری بیوی تھی۔ کوئی آپس کے مسائل زیر بحث لا رہا تھا، کوئی مہنگائی کا رونا رو رہا تھا کہ آج کل تو مرنا بھی آسان نہیں، اس کے لیے بھی اچھے خاصے پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک اور صاحب نے یہ لقمہ ازراہ تفنن دیا کہ آج کل موت کے فرشتے کو چاہیئے کہ وہ مرنے والے کو وقت سے پہلے بتا دیا کرے تاکہ وہ اپنی رسوم اور احباب و اعزا کے لیے فاتحہ میں کھلانے کا معقول انتظام کر سکے۔

کسی کو سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹروں شکایت تھی کہ وہ مریضوں کو پوری توجہ نہیں دیکھتے اور ٹیلی ویژن کے ڈراموں میں ہیرو بننے اور کاسٹ ہونے کی فکر میں رہتے ہیں۔ بس چند ڈاکٹروں کی فرض شناسی اور دیانت داری سے کچھ کام چل رہا ہے کوئی شکایت کر رہا ہے کہ اسکولوں کالجوں کی کمی سے بچوں کو داخلہ نہیں ملتا۔ کو لبس سروس سے نالاں تھا۔ ایک شخص جو اپنے ماحول اور اپنی پوزیشن سے مطمئن نظر نہ آتا تھا۔ عورتیں رونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے زیور اور کپڑوں پر سرگوشی

پس نہ کرسکے۔ نیز میں نے معاف کیا، میرے خدا
نے معاف کیا" شاید اس خدشے کی پیش بندی
کر رہے تھے کہ میرے لواحقین اُن سے وہ رقم
طلب نہ کرلیں جو میں نے انہیں قرض دی تھی۔

یہ سب تماشا میرے سامنے ہو ہی رہا تھا
کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ہماری پھوپھی اماں پھوپھا
صاحب کے ساتھ چلی آرہی ہیں۔ روتی پیٹتی
بال کھلے اور حواس باختہ۔ آتے ہی میرے
سینے پر گر کر خوب دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں

مجھے خیال آیا یہ وہی پھوپھی اماں ہیں جنہیں
میری والدہ نے پالا پوسا، پڑھایا لکھایا شادی
کی، لیکن والدین کی وفات کے بعد کبھی انھوں
نے ہمارے گھر کا رُخ نہ کیا کہ مبادا کوئی مدد کرنی
پڑ جائے، بلکہ والد کی زندگی ہی میں ان سے
دادا کی چھوڑی ہوئی جائداد پر برسوں خوب
مقدمے بازی کی اور جب تک والد صاحب
کو بے دخل نہ کروا دیا چین سے نہ بیٹھی تھیں۔

میرا جی چاہا کہ اٹھ بیٹھوں اور چیخ چیخ کر
دنیا کی مکاری، بے وفائی اور بے مروتی پر دل
کھول کر نوحہ کروں، مگر میں تو مرد تھا اور مرد
رویا نہیں کرتے، یہ حق تو صرف عورتوں کا ہے
میں سوچنے لگا کیا انسان کے مرنے کے بعد
تمام رشتے تمام تعلقات، رواداری سب
کچھ مر جاتا ہے۔

میری آنکھیں کسی نے ہاتھ سے بند
کر دیں۔ کسی نے یہ اچھا ہی کیا تھا کیونکہ مجھ
میں اب اور زیادہ مکر و فریب دیکھنے کی طاقت
نہ رہی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں آسمان سے ایک تیز
روشنی میری طرف بڑھ آرہی ہے۔ اور اس
نے میرے تمام جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا
ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری تمام
صلاحیتیں واپس آگئی ہوں۔ میں اب چل
سکتا تھا۔ بول سکتا تھا۔ میرے سارے حواس
بحال ہو چکے تھے۔

میں نے آنکھیں کھولیں، دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب
میرے اوپر جھکے ہوئے ہیں اور انجکشن لگانے کے
بعد میری کلائی پر میڈیکیٹڈ روئی سے مالش کر رہے
ہیں۔ ساتھ ہی میری بیوی کو مجھے پابندی سے
دوا دینے اور پرہیز پر سختی سے عمل کرنے کی ہدایت
کر رہے ہیں۔

تراشتے ہو؟ تمہیں بھی ایک دن خدا کو منہ دکھانا
ہے، کچھ تو اس کا خوف کرو۔ خدا بھلا کرے
ان دوسرے پڑوسی کا جنھوں نے اس الزام کو
یہ کہہ کر جھٹلا دیا کہ مرحوم تو ایک عرصے تک اپنے
ملک سے باہر سفارت خانوں میں کام کرتے رہے
وہاں رشوت کی گنجائش ہی کہاں ہوتی ہے؟
وہ صاحب کچھ شرمندہ سے ہو گئے، اور پھر اپنی
جھینپ مٹانے کے لیے کانا پھوسی کے انداز
میں یوں گویا ہوئے۔

"ملک صاحب! یہ کوٹھی خاصی اچھی ہے
شاکر صاحب کی فیملی گورنمنٹ کے رولز کے
مطابق اب دو چار مہینے سے زیادہ اس کوٹھی
میں نہ رہ سکے گی۔ آپ یہ کوٹھی اپنے نام الاٹ
کیوں نہیں کروا لیتے؟ یہ سنہری موقع ہے
اسے ہاتھ سے نہ جانے دیجیے۔"

ملک صاحب نے ان کو عجیب نظروں
سے دیکھا اور ان کی بات سنی اَن سنی کر دی،
شاید انھیں یہ بات بے محل اور بے موقع نظر
آتی تھی۔ ملک صاحب سے ذرا پرے ہٹ کے
ایک اور پڑوسی بیٹھے تھے جنھوں نے ان کی نظروں
کا جائزہ لیا۔ وہ میرے فرنیچر اور دوسری
گھریلو چیزیں بڑی للچائی نظروں سے کچھ یوں
دیکھ رہے تھے جیسے نیلام کے وقت خریدار
چیزوں قیمت لگانے کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ایک دوسرے صاحب جو میری کوٹھی
کے بالکل پیچھے رہتے تھے کسٹمز میں ملازم تھے
پورے محلے والے جانتے تھے کہ انھوں نے
دولت کے انبار کس طرح لگائے تھے۔ اور
پانچ سو ماہوار تنخواہ میں یوں ٹھاٹھ باٹھ
سے رہ رہے تھے جیسے اُن کی آمدنی دس
ہزار روپے ماہانہ ہو۔ بدنیت اتنے کہ لوگوں
سے کسٹمز کی ملازمت میں آنے سے پہلے جب
بھی قرض لیا واپس نہ کیا، میری ہی پانچ سو کی
رقم ان پر واجب الادا تھی۔ یہ رقم میں نے اس
وقت قرض دی تھی جب وہ میونسپل کارپوریشن
میں کلرک تھے، مگر ان سے کبھی اس رقم کی واپسی
کا مطالبہ نہ کیا۔ البتہ دوسری مرتبہ جب انھوں
نے مزید رقم کا مطالبہ کیا تو وہ میں اپنی مجبوری
کے باعث انھیں نہ دے سکا تھا۔ فرمانے لگے
"مرحوم نے مجھ سے دو ہزار قرض لے رکھے تھے مگر

(اطہر عثمانی)

ٹال مٹول

ہر ایماندار شخص چاہتا ہے کہ توبہ کر کے اللہ سے لو لگائے لیکن اکثر وہ اس کام کو ٹالتا اور اس پر ڈٹا رہتا ہے میں خود پہلے یہ سوچا کرتا تھا کہ جب حج کروں گا تو سارے گناہوں سے توبہ کروں گا اور اللہ کی طرف دھیان رکھوں گا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں نے حج بھی کر لیا ہے لیکن توبہ کا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اس کے بعد میں یہ کہہ کہہ کر دل کو تسلی دیتا رہا کہ جب چالیس سال کا ہو جاؤں گا تو ہر برائی سے توبہ کر لوں گا۔ پھر چالیس سال کا بھی ہو گیا ہوں مگر توبہ کی توفیق ابھی میسر نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بدکار ہوں۔ اور ہر حرام اور فحش کام کرتا ہوں۔ بحمد اللہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے نیک بن جانے کی خواہش اور آرزو تو رکھتا ہے لیکن ٹالتا رہتا ہے اور اس انداز میں سوچتا ہے کہ موت میں ابھی بہت مہلت باقی ہے اور کافی عمر پڑی ہے۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ میں نے خود دو مرتبہ موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس وقت مجھے یہ شدید احساس ہوا۔ کہ میں اپنی زندگی میں وقت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ زندگی کے ان لمحوں پر جو اطاعت و عبادت کے بغیر گزرے، سخت ندامت محسوس ہوئی۔ واللہ میں یہ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ پھر جب میں موت کے منہ سے بچ گیا تو چند دنوں تک یہ کیفیت برقرار رہی اور میں نیک اور ٹھیک رہا اس کے بعد پھر زندگی کی فریب کاریوں میں کھو گیا اور بھول گیا یعنی موت کو بھول گیا۔

(اسلام کا عام فہم تعارف صـ۳۲)

ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں نے چارپائی سے اٹھنا چاہا مگر میری بیوی نے مجھے لیٹے رہنے کے لئے کہا اور کچھ کھانے کے لیے پوچھا۔ لیکن میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہاں جو پڑوسی رشتے دار جمع تھے وہ کہاں گئے اور میرے اوپر کیا گزری تھی۔ میری بیوی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ یہاں تو کوئی بھی نہیں آیا، ہاں کل دفتر سے جب آپ گھر آرہے تھے تو آپ کی موٹر سائیکل کسی کار سے ٹکرا گئی تھی اور سر پر چوٹ آنے کی وجہ سے آپ بے ہوش پڑے تھے ●●

دو غزلیں

عہد ماضی کو مزید اور نہ ہم یاد کریں
یہ پرندہ بھی چلو قید سے آزاد کریں
دل کو ویران پڑا رہنے دیں لیکن اس میں
بستیاں بغض و کدورت کی نہ آباد کریں
گرد نفرت کی کبھی جس پہ نہ جمنے پائے
اہل ادراک اس آئینہ کو ایجاد کریں
اور کچھ اور نکھر جاؤں گا آئینہ ہوں
مجھ پہ تنقید بہر طور یہ نقاد کریں
صرف لب ہلتے ہوئے دیکھتے ہیں لوگ یہاں
شہر بہرا ہے تو کس شخص سے فریاد کریں
ہم پہ اپنوں کے کرم کم تو نہیں ہیں اختر
کیا نتیجہ ہے جو غیروں کے ستم یاد کریں

(سید حسن اختر جبلپوری)

اڑا جو رنگ ترے رخ کا نامہ بر کچھ ہے؟
سمجھ گیا ہوں کہ پیغام کچھ خبر کچھ ہے؟
مآل کار، وفا میری کارگر کچھ ہے
کسی کے دل پہ محبت کا اب اثر کچھ ہے
خدانخواستہ کوئی اثر نہ لے بیٹھیں
سنا ہے ان کو مرے حال کی خبر کچھ ہے
وفائے غیر کا انجام جانتا ہوں میں
وفا کا شوق مرے دل میں بھی مگر کچھ ہے
ہزار درد ہیں ہستی کے غم کدے میں مگر
جو ہے تو درد محبت ہی معتبر کچھ ہے
قدم قدم پہ نشیب و فراز ہوتے ہیں
رہ حیات کی انجم نہیں خبر کچھ ہے

(انجم — انصاری ممبئی)

حیا اور لباس انسانی فطرت کا ایک اہم مطالبہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رح نے اس مقام پر ایک طویل تشریحی نوٹ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۹۔

<u>تشریحی نوٹ نمبر ۱۶</u> " ان آیات میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے، اس سے چند اہم حقیقتیں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں:

اوّل یہ کہ لباس انسان کے لئے ایک مصنوعی چیز نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا ایک اہم مطالبہ ہے۔ اللہ نے انسان کے جسم پر حیوانات کی طرح کوئی پوشش (پوشاک) پیدائشی طور پر نہیں رکھی بلکہ حیا اور شرم کا مادہ اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا۔ اس نے انسان کے لئے اس کے اعضائے صنفی (جنسی بتگ) کو محض اعضائے صنفی ہی نہیں بنایا بلکہ "سَوْاٰۃ" بھی بنایا جس کے معنی عربی زبان میں ایسی چیز کے ہیں جس کے اظہار کو آدمی قبیح (شرمناک) سمجھے۔ پھر اس فطرت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے اس نے بنا بنایا لباس انسان کو نہیں دے دیا بلکہ اس کی فطرت پر لباس کا الہام کیا (دل میں ڈال دیا) "اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا" (ہم نے تم پر لباس نازل کیا) تاکہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اپنی فطرت کے اس مطالبے کو سمجھے اور پھر اللہ کے پیدا کردہ مواد (میٹریل) سے کام لے کر اپنے لئے لباس فراہم کرے۔

دوم یہ کہ اس فطری الہام کی رُو سے انسان کے لئے لباس کی اخلاقی ضرورت مقدم ہے، یعنی یہ کہ وہ اپنی سَوْاٰۃ کو ڈھانکے اور اس کی طبعی[1] ضرورت مؤخر ہے یعنی یہ کہ یہ لباس اس کے لئے ریش (جسم کی آرائش اور موسمی اثرات سے بدن کی حفاظت کا ذریعہ) ہو۔ اس باب میں بھی فطرۃً انسان کا معاملہ حیوانات کے برعکس ہے ان کے لئے پوشش کی اصل غرض صرف اس کا ریش ہونا ہے۔ رہا اس کا ستر پوشش ہونا، تو ان کے اعضائے صنفی سرے سے سَوْاٰۃ ہی نہیں ہیں کہ انہیں چھپانے کے لئے حیوانات کی جبلت میں کوئی داعیہ موجود ہوتا اور اس کا

---

[1] یعنی سردی گرمی میں کیا لباس پہنے۔ اس کا نمبر حیا کے بعد ہے۔ اصل حیا ہے۔ (م)

تشریحات مودودی

حیا اور لباس فطری ہے

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ
اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ
مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ
اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ اعراف آیت ۲۶، ۲۷، ۲۸)

اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا کہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔ اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے یہ لوگ جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقے پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان سے کہو اللہ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا۔ کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے۔

حاشیہ ۱۵: اہلِ عرب کے سامنے خود ان کی اپنی زندگی کے اندر شیطانی اغوا کے ایک نمایاں ترین اثر کی نشان دہی فرمائی جاتی ہے۔ یہ لوگ لباس کو صرف زینت اور موسمی اثرات سے جسم کی حفاظت کے لئے استعمال کرتے تھے، لیکن اس کی سب سے پہلے بنیادی غرض یعنی جسم کے قابلِ شرم حصوں کی پردہ پوشی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ انھیں اپنے ستر دوسروں کے سامنے کھول دینے میں کوئی باک نہ تھا۔ برہنہ منظرِ عام نہانا، راہ چلتے قضائے حاجت کے لئے بیٹھ جانا، ازار کھل جائے تو ستر کے بے پردہ ہوجانے کی پروا نہ کرنا، یہ ان کے شب و روز کے معمولات تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان میں سے بکثرت لوگ حج کے موقع پر کعبے کے گرد برہنہ طواف کرتے تھے۔ اور اس معاملے میں ان کی عورتیں ان کے مردوں سے بھی کچھ زیادہ بے حیا تھیں۔ ان کی نگاہ میں یہ ایک مذہبی فعل تھا اور نیک کام سمجھ کر وہ اس کا ارتکاب کرتے تھے۔ پھر چونکہ یہ کوئی عربوں ہی کی خصوصیت نہ تھی بلکہ دنیا کی اکثر قومیں اسی بے حیائی میں مبتلا رہی ہیں اور آج تک ہیں اس لئے خطاب اہلِ عرب کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے اور سارے بنی آدم کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ دیکھو، یہ شیطانی اغوا کی ایک کھلی ہوئی علامت تمہاری زندگی میں موجود ہے۔ تم نے اپنے رب کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر اور اس کے رسولوں کی دعوت سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر دیا اور اس نے تمہیں انسانی فطرت کے راستے سے ہٹا کر اسی بے حیائی میں مبتلا کر دیا جس میں وہ تمہارے پہلے باپ اور ماں کو مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ اس پر غور کرو تو یہ حقیقت تم پر کھل جائے کہ رسول کی رہنمائی کے بغیر تم اپنی فطرت کے ابتدائی مطالبات تک کو نہ سمجھ سکتے ہو اور نہ پورا کر سکتے ہو۔

تقاضا پورا کرنے کے لئے ان کے اجسام پر کوئی لباس پیدا کیا جاتا۔ لیکن جب انسانوں نے شیطان کی رہنمائی قبول کی تو معاملہ پھر اُلٹ گیا۔ اس نے اپنے ان شاگردوں کو اس غلط فہمی میں ڈال دیا کہ تمہارے لئے لباس کی ضرورت بعینہٖ وہی ہے جو حیوانات کے لئے "سرایش" کی ضرورت ہے۔ رہا اس کا سَوْاَۃ کو چھپانے والی چیز ہونا تو یہ قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ جس طرح حیوانات کے اعضاء سَوْاَۃ نہیں ہیں اسی طرح تمہارے یہ اعضاء بھی سَوْاَۃ نہیں محض اعضائے صنفی ہی ہیں۔

سوم یہ کہ انسان کے لئے لباس کا صرف ذریعہ ستر پوشی اور وسیلہ زینت وحفاظت ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت اس معاملے میں جس بھلائی تک انسان کو پہنچنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس کا لباس تقویٰ کا لباس ہو یعنی پوری طرح ساتر بھی ہو۔ زینت میں بھی حد سے بڑھا ہوا یا آدمی کی حیثیت سے گرا ہوا نہ ہو۔ فخر و غرور اور تکبر و ریا کی شان لئے ہوئے بھی نہ ہو۔ اور پھر ان ذہنی امراض کی نمائندگی بھی نہ کرتا ہو جن کی بنا پر مرد زنانہ پن اختیار کرتے ہیں۔ عورتیں مردانہ پن کی نمائش کرنے لگتی ہیں اور ایک قوم دوسری قوم کے مشابہ بننے کی کوشش کر کے خود اپنی ذلت کا زندہ اشتہار بن جاتی ہے۔ لباس کے معاملے میں اس خیر مطلوب کو پہنچنا تو کسی طرح ان لوگوں کے بس میں ہے ہی نہیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لا کر اپنے آپ کو بالکل خدا کی رہنمائی کے حوالے نہیں کر دیا ہے۔ جب وہ خدا کی رہنمائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو شیاطین ان کے سرپرست بنا دیئے جاتے ہیں پھر یہ شیاطین ان کو کسی نہ کسی غلطی میں مبتلا کر کے ہی چھوڑتے ہیں۔

چہارم یہ کہ لباس کا معاملہ بھی اللہ کی ان بے شمار نشانیوں میں سے ایک ہے جو دنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں اور حقیقت تک پہنچنے میں انسان کی مدد کرتی ہیں بشرطیکہ انسان اس سے خود سبق لینا چاہے۔

اوپر جن حقائق کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے انھیں اگر تامل کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ لباس کس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا اہم نشان ہے۔

مولانا کے اس تشریحی نوٹ ۱۷ کا وقار بہت بلند نظر آئے گا اگر ہم اس سے پہلے تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۱۸ پر سورۂ اعراف ہی حاشیہ ۱۵ کو پڑھ لیں۔ مولانا لکھتے ہیں کہ :۔

ہمیشہ وہ اس کے تفریحی پروگرام میں حارج ہو جاتی۔

"مطلب یہ کہ حضور کو میری ایکسرے رپورٹ کے لئے ڈاکٹر صمد کے پاس بھی جانا تھا۔" وہ دھیرے سے مسکرائی نقاہت کی وجہ سے اس کے گلابی عارض مرجھا گئے تھے۔

"مگر اس وقت تو مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ جھنجھلا گیا اس کا موڈ غارت ہو جا رہا تھا۔

"میری دوا بھی ختم ہو گئی ہے!"

"تو میں کیا کروں؟ تم جا کر خود کیوں نہیں لے آتیں!"

"مجھ میں چلنے پھرنے کی سکت ہوتی، تو میں آپ کے ضروری کام میں حارج نہ ہوتی" صبوحی کے لہجے میں بیچارگی تھی۔

"تو پھر آج رک جاؤ۔ کل صبح میں ڈاکٹر صمد سے دوا لا دوں گا۔"

دیکھئے! اس وقت میرے سینے کا درد بڑھ گیا ہے۔ اس نے تکلیف کی شدت سے منہ بنا کر کہا "دوا آ جاتی، تو شاید کچھ آرام آ جاتا!"

"دوا..... دوا..... دوا!" وہ چیخ کر بولا: "اف میرے خدا! میں عاجز آ گیا ہوں اس طویل بیماری سے!"

"میں خود بھی عاجز آ چکی ہوں اپنی بیماری سے۔" اس کی آواز گلو گیر ہو گئی "مگر سنا ہے کہ موت کا ایک دن معین ہے۔"

"اب مر بھی چکو کسی صورت سے!" وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو کر برس پڑا۔ "سال بھر سے علاج کروا رہا ہوں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا، آخر پیسے بھی تو ڈال میں نہیں پھلتے!"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں!" صبوحی کا گلا رندھ گیا تھا کی کمزور آواز میں تلخی تھی۔

کاشف نے جواب میں کچھ نہ کہا، تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر صمد نے تین دن پہلے صبوحی کے سینے کا ایکسرے لیا تھا اور اسی رپورٹ کے مطابق آج دوا بدلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ گذشتہ آٹھ ماہ سے بیمار تھی پہلے پہل تو ڈاکٹر بھی اس کی بیماری سمجھنے سے قاصر رہے تھے۔ وہ بظاہر تو ٹھیک تھی۔ ہنستی بھی تھی، بولتی بھی تھی حسب معمول گھر کے کام کاج بھی کیا کرتی۔ ننھے ساجد کی دیکھ بھال اور نگہداشت کے فرائض بھی انجام دیتی۔ حتیٰ کہ خود اس کی خدمت گذاری میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی۔ اس لیے ابتدا میں جب اس نے دیکھا کہ بھی صبوحی

سمجھوتا

کبھی کبھی شکستِ دل کی صدا بھی نغمۂ جانفزا بن جایا کرتی ہے

صبیح خاور

جھوٹی سچی محبتوں کی ایک دلکش کہانی

سات بج رہے تھے! باہر ہوا مدھم سروں میں گنگنا رہی تھی۔ گھٹائیں برس کر تھم چکی تھیں اور نیلے آسمان
، وسعتوں میں ستاروں کے دیے جلنے لگے تھے۔ کاشف نے آخری بار آئینے کی طرف دیکھا۔ اس کا میک اپ
لے نیلے رنگ کے قیمتی سوٹ میں وہ اس وقت بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ
رگئی۔ آج تو وہ کلب میں جانِ محفل ہوگا۔ اس نے سوچا۔ بے شمار لوگوں کی تعریفی نگاہیں اس کی جانب اٹھیں گی۔
رمونا...! وہ تو اسے دیکھ کر جھوم جھوم اٹھے گی۔ کھل کھل جائے گی اور اسے اپنے ساتھ لیے پورے ہال میں
ملاتی پھرے گی۔ اس وقت اس کی ذو جھیل سی گہری گہری آنکھوں میں غرور و نخوت کی شمعیں جل رہی ہوں گی اور اس
پھول جیسے گلابی گلابی عارض پر حیا کی سرخی مچل رہی ہو گی۔ کتنی حسین ہے مونا: شاخِ گل کی طرح نرم و نازک،
ہنی جس پر اس کے تصور کے گلاب کھلتے رہیں!

اچانک کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ وہ چونک گیا۔ اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے
ب آیا۔ جھک کر دراز سے کار کی چابی نکالی اور جانے کے لئے مڑا۔ اس کی بیمار اور نحیف بیوی مضمحل انداز میں کمرے
داخل ہو رہی تھی۔ بیوی کو آتے دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" بیوی نے اُسے تیار دیکھ کر سوال کیا۔

"ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"کیا وہ بے حد ضروری ہے؟"

"کیا مطلب؟" کاشف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ صبوحی اب اُس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

جھلملاتے سبزہ زار محض سراب ثابت ہوں گے۔ اس کی خیر شوخ بہت جلدی طویل ہو جائے گی اور اس کی تمدد اپنی زندگی کی تمام تر لطافتوں میں زہر گھول دے گی۔ محبت کا نوخیز گلاب سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی مرجھا جائے گا اور زندگی فریب دریا سے بھرے راستوں کا ایک ایسا شہر معلوم ہوگی جہاں انسان کی ظاہری شان و شوکت جگمگاتی ہے۔ اس کا دل نہیں جگمگاتا! آنسو بیوی کی آنکھوں سے نکل نکل کر اس کے رخسار بھگونے لگے!

جب سے کاشف کو ترقی ملی ہے اس کے انداز بدل گئے ہیں۔ اب وہ چمکتے ہوئے شوخ رنگوں کے پیچھے بھاگنے لگا ہے۔ اس کا بیشتر وقت ماڈرن کلبوں اور عالیشان ہوٹلوں میں گزرنے لگا ہے۔ محبت کے سپنے بکھر کر رہ گئے ہیں۔

آہ! ماضی کس قدر حسین تھا! اور اب وہ حال کی تلخیوں میں روپوش ہو گیا ہے۔ شاید کاشف ٹھیک ہی کہتا ہے۔ زمانہ بہت بدل گیا ہے، اب صرف شوخ اور چمکیلے رنگ ہی زندگی کی علامت ہیں۔ آج صرف مسکراتے اور گنگناتے چہرے ہی دلکشی کا نشان ہیں۔ بھلا ایک بیمار اور نحیف بیوی میں بھی کوئی دلکشی ہوتی ہے!!

کنٹری کلب میں رات دھیرے دھیرے جوان ہو رہی تھی...... فضا رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ قہقہے بکھر رہے تھے۔ سریلی آوازوں کے جلترنگ سے لوگوں کے دلوں میں کتنے ہی طوفان مچل رہے تھے۔

ڈانس شروع ہونے میں چند منٹ رہ گئے تھے۔ کاشف نے وہاں پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا۔ رنگ و نور کے اس سیلاب میں اسے مونا کہیں نظر نہ آئی۔ وہ بال روم کی طرف بڑھا۔ وہاں لوگ اپنے اپنے ہم رقص کا ہاتھ تھامے رقص شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کچھ اور آگے بڑھا اور پھر وہ لوگوں کے درمیان کھڑا تھا اس کی بے تاب نگاہوں نے دیکھا۔ مونا ایک گوشے میں کھڑی ہو کر ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے اس کے گرد نوجوان امیر زادوں کا ہجوم تھا جو بیش قیمت لباسوں میں اپنی اپنی جاہ و حشمت کا اشتہار لئے مونا کی اداؤں پر نثار ہو رہے تھے۔ نمائشی مسکراہٹوں اور کھوکھلے قہقہوں کے درمیان مونا سفید ساڑھی میں کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

کاشف ٹھٹھک کر رہ گیا۔ آج مونا کا دوسرا روپ بھی اس کے سامنے تھا..... دل پر ایک نشتر لگا۔ چشم احساس سے لہو رسنے لگا۔ آنکھیں بھیگنے لگیں، تو خیال آیا کاش دل شیشے کا ہوتا۔ ایک ہی بار ٹوٹ جاتا۔ ایسی

بات کرتے کرتے ہنستے ہنستے، اچانک خاموش ہوجاتی ہے اور کسی خیال میں کھو جاتی ہے، تو اس نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی — اور جب اُسے ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا، تو بھی وہ متفکر نہ ہوا۔ اس نے خیال کیا بخار کی وجہ گھریلو کام کی شدت ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا، تو اس نے ایک لمبا سا نسخہ لکھ دیا اور پرہیز کے پیچیدہ لوازمات بتائے پھر وہ دن —— اور آج کا دن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

وہ راہداری طے کرتا ہوا پورچ میں آیا۔ اس کی سیاہ مزدا کھڑی تھی — جیسے ہی وہ تیزی سے کار کی سمت بڑھا، اس کی بیوی کی آواز آئی "سنیئے! یہ ڈبہ لے جانا شاید آپ بھول رہے ہیں۔"

وہ رک گیا۔ پلٹ کر برآمدے میں آیا۔ صبوحی انگوٹھی کا ڈبہ لئے کھڑی تھی جسے وہ جھنجھلاہٹ میں بیڈ پر بھول گیا تھا۔ یہ مونا کے لئے ایک حقیر سا نذرانہ تھا۔

"لاؤ، دے دو مجھے!" کاشف نے جھٹکے سے ڈبہ صبوحی کے ہاتھوں سے لے لیا۔ اور جلدی سے کار کی طرف لوٹ گیا۔ ڈبے کو جیب میں رکھا اور کار میں بیٹھ گیا۔ کار کا انجن زوردار آواز کے ساتھ جاگا اور گاڑی لہراتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ صبوحی شکستہ قدموں سے اپنے کمرے میں پہنچی۔ ننھا ساجد گھوڑے میں سو رہا تھا۔ وہ گھوڑے کے پاس کھڑی کچھ دیر اپنے بچے کو دیکھتی رہی۔ پھر بستر پر آ کر دراز ہو گئی۔ اس کا تصور ماضی کے ان خوشگوار دنوں کا احاطہ کرنے لگا۔ جب اس کی بے کیف اور ویران زندگی میں بھی بہار آئی تھی۔ کاشف کی ذات زندگی بھر کے لئے اس کی ذات سے منسلک ہو گئی تھی۔ اور احساسات کے نگینوں میں ستاروں جیسی لافانی چمک آ گئی تھی۔ جیسے اتفاق سے ابرِ نیساں کے کچھ قطرے خالی سیپوں کی گود میں گر پڑتے ہیں اور گوہر آبدار بن جاتے ہیں۔ دن سہانے بن گئے تھے اور لمحے زیست کا حاصل! ہر چیز پر نشہ سا چھا گیا تھا۔ کائنات اپنی رفتار بھول گئی تھی۔ کاشف کا قرب اس کے لئے محبت کا پیغام لے کر آتا۔ اس کے روئیں روئیں سے ستارے ٹوٹنے لگتے۔ اور وہ ہوا کے ایک ہی جھونکے سے بادام کے شگوفوں کی طرح بکھرنے لگتی۔ یوں کتنے ہی البیلے دن بیت گئے۔ بہار آئی۔ کلیاں پھول بن گئیں۔ پھولوں کے چراغ جلے اور گھر کی معصوم فضا بے پایاں مسرتوں سے لبریز ہو گئی۔ ننھا ساجد ان کی چاہت کا امین بن کر ان کی گود میں مسکرانے لگا۔ مگر اُف! کسے معلوم تھا محبت کی راہیں فریب کی منزل کو جا نکلیں گی۔ وفا اور خلوص کے

وہ باوقار انداز میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس گوشے کی طرف آیا جہاں وہ سوگوار عورت اپنا پاؤں
اے بیٹھی تھی۔ شال اب بھی اس کے پاؤں پر پڑی تھی۔ خوبرو جوان کو دیکھتے ہی اس عورت کا چہرہ خوشی سے
اُٹھا، اور اس کا سارا وجود منور سا ہو گیا۔ جوان چند منٹ کے لئے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور
شت سے باتیں کرنے لگا۔ اب وہی کم گو اور سوگوار عورت ہنس رہی تھی۔ قہقہے لگا رہی تھی۔ جوان اس کا ساتھ
ے رہا تھا اور عورت کی خوشی پر نہال ہوا جا رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد مرد جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ اس نے عورت کے پاؤں پر سے شال
ی۔ کاشف فرطِ حیرت سے ساکت ہو گیا۔ عورت کی ٹانگیں فالج زدہ تھیں۔ کھڑکی کے پردے کے سہارے
کھیوں کا ایک خوبصورت جوڑا سا کھڑا تھا۔ مرد نے اسے سہارا دے کر بیساکھیوں کے درمیان کھڑا کر دیا اور وہ
نوں ہال سے باہر جانے کے لئے آہستہ آہستہ بڑھے۔ نقرئی قہقہوں اور موسیقی کے مدھر سروں میں بیساکھی
ٹ کٹ کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ وہ اس کے قریب سے گزرے۔

"شادی کی بات طے ہو گئی ہے عذرا!" مرد کہہ رہا تھا۔ "ہم دونوں بہت جلد ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔"
"مگر یہ کیسے ممکن ہے سہیل!" عورت نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "کہاں میں اور کہاں تم! ہم میں بہت بڑا
صلہ ہے! میری خاطر اپنی زندگی کو روگ نہ لگاؤ۔"

"یہ فاصلہ مٹ بھی سکتا ہے۔" مرد نے پُرعزم انداز میں کہا۔
"کیسے؟" عورت کے لہجے میں استعجاب تھا۔ "میں تو چل بھی نہیں سکتی، پھر کیسے یہ فاصلہ طے کروں گی؟"
"میں تو چل سکتا ہوں۔" مرد بڑے اعتماد سے بولا۔ "کیا اتنا کافی نہیں!"
عورت کی آنکھیں جھک گئیں۔ رخسار جلنے لگے۔ مرد بڑے یقین سے کہہ رہا تھا۔ "یہ فاصلہ اصل میں قدموں
ہیں، دل کا فاصلہ ہے!"

وہ دونوں چلے گئے، مگر کاشف کو مبہوت چھوڑ گئے۔ اس کے کانوں میں بے شمار گھنٹیاں بج رہی تھیں۔
صلہ قدموں کا نہیں، دل کا فاصلہ ہے۔" یہ الفاظ بار بار اس کے پردۂ سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔ اس کے

فرماں سے۔ یہ بار بار سے کچوکے اور چوٹیں کھا کر بھی کیوں برابر دھڑکتا ہے وہ خیالوں میں گم وہاں سے لوٹ آیا اور ریکریئیشن ہال میں سب سے الگ تھلگ ایک گوشے میں رکھی ہوئی ٹیبل کے گرد بیٹھ گیا۔ بال روم سے رقص اور موسیقی کی آواز آرہی تھی۔ تو رقص شروع ہو چکا ہے۔ مونا بھی باری باری ان امیرزادوں کی بانہوں میں متحرک رہی ہوگی۔ شاید اس کے نزدیک محبت اور زندگی کا حسن کلبوں اور ہوٹلوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی میں ہے۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ بیباکی سے قہقہے لگانے والی یہ روشنی کی متوالی لڑکیاں یہ کانچ کی گڑیاں جن پر خوبصورت پالش کر دی گئی ہے۔ اندر سے کتنی کھوکھلی اور بے نور ہیں۔ کہاں کہاں سے ان کے ناسور رستے ہیں؛

اچانک اس کی نظر دور ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی خوبصورت عورت پر پڑی جو اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی تھی؛ سامنے تپائی پر پاؤں پھیلا رکھے تھے۔ پاؤں پر ایک قیمتی شال پڑی تھی۔ وہ اسے روز ہی دیکھتا — مگر کلب کی رنگینیوں میں کبھی اس کے بارے میں یہ سوچنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ کہ وہ راگ رنگ کے نت نئے پروگراموں سے ہمیشہ الگ کیوں رہتی ہے۔ موسیقی کی لہروں سے اتنی بیگانہ اور بے خبر کیوں دکھائی دیتی ہے جیسے کلب کا یہ گوشہ اس کی دنیا ہو، مگر آج جب کہ وہ خواب اور حقیقت کے سنگم پر کھڑا تھا۔ اس عورت کی مدھم سی مسکراہٹ اور خاموش خاموش سا انداز اسے کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ کیا وہ اس وسیع و عریض دنیا میں بالکل تنہا ہے! ماحول کی رعنائی سے بیگانہ اور صبح و شام کے لمحات سے بے خبر۔ کیا وہ ایک ایسا خوبصورت درخت ہے جس پر کوئی پھول نہ کھل سکا جس پر کبھی بہار نہیں آئی۔!

اُسے دفعتاً اپنے چوٹ کھائے ہوئے دل کا خیال آیا جس نے اس کے سارے حوصلوں، اس کی ساری اُمنگوں اور آرزؤں پر پانی پھیر دیا تھا۔۔۔۔۔ اب وہ خود بت جھڑ کے اس پیڑ کی مانند تھا جس کی پتیاں گر گئی ہوں ٹہنیوں کی چھال سوکھ کر سکڑ گئی ہو اور ہوا میں اس کی ننگی شاخیں خستہ حال بھکاریوں کے ننگے ہاتھوں کی مانند لہرا رہی ہوں۔

وہ خیالوں میں غلطاں تھا کہ ایک طویل قامت، خوبصورت، ڈیل ڈول رکھنے والا اور ہنس مکھ جوان گہرے رنگ کا سوٹ پہنے ریکریئیشن ہال میں داخل ہوا۔

اُمّ المومنین

ساجدہ فرزانہ

حضرت خدیجہؓ

حضرت خدیجہؓ کا تعلق عرب کی شریف قوم قریش سے تھا۔ نام خدیجہ اور لقب طاہرہ تھا آپ کے باپ کا نام خویلد تھا۔ آپؓ کی ساری زندگی ایثار، صبر اور تقویٰ سے عبارت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کا بڑا امتحان لیا اور آپؓ اس میں پوری اُتریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے آپ کی دو شادیاں ہوئیں لیکن دونوں بار آپ کو بیوگی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ جوان عمری میں اوپر تلے ان دو صدموں کے بعد زندگی کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے آپؓ کا دل اُکتا گیا اور آپ قریب قریب گوشہ نشینی کی زندگی گذارنے لگیں۔ آپؓ کا تعلق ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تھا اس لیے روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ لیکن عورت ہونے کی وجہ سے آپؓ کے لیے کچھ دشواریاں بھی تھیں۔ کاروبار میں آپ حصہ نہ لے سکتی تھیں۔ اس کا حل آپؓ نے یہ تلاش کیا کہ لوگوں کو سرمایہ اور مال تجارت دے کر آپؓ سفر پر بھیجتیں جو منافع حاصل ہوتا اس سے متعلقہ افراد کو ایک معقول حصہ ادا کرتیں۔ اس طرح آپؓ کی اچھی گذر بسر ہونے لگی۔

حضرت خدیجہؓ کو اپنے مال و اسباب کی حفاظت و تجارت کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش تھی۔ مگر زمانہ جاہلیت اور کفر میں کسی ایماندار کا ملنا بہت مشکل تھا لیکن جلد ہی اُن کی کوشش رنگ لائی اور انھیں ایک ایسا شخص مل ہی گیا جسے لوگ "الامین" اور "الصادق" کے نام سے جانتے تھے۔ وہ شخص توقع سے زیادہ صالح اور ایماندار ثابت ہوا۔ تجارت میں ہمیشہ زیادہ منافع ہوا اور حضرت خدیجہؓ اس شخص کی شخصیت اور کردار سے اس حد تک متاثر ہوئیں کہ اسے مستقل طور پر اپنے لیے تجارت کرنے پر راضی کر لیا۔

وجود کو ایک جھٹکا سا لگا۔ دل کے رشتے اگر خلوص پر استوار ہوں اور ذہنی طور پر ہم آہنگی ہو، تو زندگی کے ہر موڑ پر کوئی ان دیکھا ہاتھ رہنمائی کو موجود ملتا ہے!"

گھر پہنچا تو رات خاصی بیت چکی تھی۔ صبوحی بیڈ پر پڑی کراہ رہی تھی.... ننھا ساجد انتظار کرتے کرتے سو گیا تھا۔ ڈاکٹر کے پاس سے لائی ہوئی دوا اس نے سرہانے ریک پر رکھ دی۔ ساجد کی پیشانی کو چوما اور صبوحی کے پاس بیٹھ گیا۔

"بہت دیر کر دی!" صبوحی نے نقاہت بھری آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔ ذرا دیر ہو گئی۔" اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔

"مونا آئی تھی؟"—— "تمہیں کیسے معلوم؟" راز افشا ہونے پر وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔

"آپ کے کوٹ کی جیب میں اس کی تصویر ملی تھی۔" اس کی آواز بجھی بجھی تھی۔

وہ خاموش رہا۔ اس کے دل میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔—— "کیسی ہے وہ لڑکی؟"—— "بس ایک لڑکی ہے!"

"اسے اپنا بنا کر کیا آپ کو سکون مل جائے گا؟" وہ خاموش رہا۔ شکست و ریخت کے پیہم عمل سے اس کے اندر ایک نیا آدمی جنم لے رہا تھا۔

"تم اپنی خوشی کی خاطر اسے ہمیشہ کے لئے اپنا لو۔" احساسِ شکست سے اس کا گلا رندھ گیا۔ "مگر تم اور ساجد؟" ایک سوال بے ساختہ اس کے ہونٹوں پر آ گیا۔ "تمہیں خوش دیکھنے کے لئے میں ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔ کہہ دینا میری کوئی بیوی نہیں، کوئی بچہ نہیں...... کہہ دینا....!" صبوحی نے چادر میں اپنا منہ چھپا لیا—— کاشف کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اس کا دل ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگا۔ بے معنی بیزاری اور نخوت کی عمارت منہدم ہونے لگی دل کے سکون کی خاطر وہ ادھر سے ادھر مارا مارا پھرا مگر سکون تو گھر کے آنگن میں اس کا منتظر تھا......!

"صبوحی مجھے تمہاری رفاقت کے بغیر کہیں سکون نہیں ملے گا.... کہیں نہیں......!"

صبوحی نے منہ سے چادر ہٹا کر کاشف کو دیکھا...... اس کی آنکھوں میں زندگی کی رمق جاگی اور دور کہیں تو خیز اُجالا مسکرانے لگا۔ ★★★

بے مثال اور روشن پہلو ہے۔ بی بی خدیجہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی [ا]ن دولت سے اسلام کو تقویت پہنچائی۔ تبلیغ اسلام [می]ں آپ کا مال بے دریغ خرچ کیا۔ آپ سخاوت تقویٰ کا پیکر تھیں۔ یوں تو امہات المومنین ام ہی مناقب و مراتب کا ایک بیش بہا خزانہ تھیں لیکن آپ میں چند ایک خصوصیات ایسی تھیں جو کسی اور ام المومنین میں نہ تھیں۔

(۱) پہلی مسلمان خاتون ہونے کا شرف سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی آپ نے کی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی حالت کو آپ ہی نے مضبوط کیا اور اپنی دولت راہ خدا میں خرچ کی۔ اسلام کو آپ نے تکلیفیں برداشت کر کے خود سینچا۔

(۳) آپ جب تک زندہ رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہ کیا۔

(۴) حضرت ابراہیم کے علاوہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام اولادیں آپ ہی کے بطن سے ہیں جن میں دو صاحبزادے جن کا انتقال ہوگیا تھا اور چار صاحبزادیاں جن کی اپنی اپنی فضیلت و بزرگی اپنی جگہ مسلم حیثیت رکھتی ہے حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ آپ ہی کی صاحبزادیاں ہیں۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ان زوجہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ پچیس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں۔ ایسی نیک بی بی، اپنی غمگسار، رفیق زندگی اور ایسی محبت کرنے والی شریک حیات کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے جو دن گزارے وہ آپ کو عمر بھر یاد رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت خدیجہؓ کا احترام اور جو قدر تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں جتنا رشک مجھ کو خدیجہؓ پر ہوتا تھا اتنا کسی بیوی پر نہیں۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا تک نہ تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد فرماتے تھے۔ اور جب آپ کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھیجا کرتے تھے۔ میں بعض اوقات

سرزمین عرب پر اسلام کا آفتاب عالم تاب
طلوع نہیں ہوا تھا۔ ہر طرف جہل کی تاریکیاں
چھائی ہوئی تھیں۔ اخلاقی اقدار بُری طرح پامال
کی جا رہی تھیں۔ دیانت و امانت عدل و انصاف
اور لطف و کرم کی صفات سے اہل عرب کی
اکثریت خالی ہو چکی تھی لیکن اس گئے گذرے زمانے
میں بھی کچھ ایسے لوگ نظر آتے تھے جن کی سچائی
اور نیکی کی قسم کھائی جاتی۔ قریش کی نیک خاتون
حضرت خدیجہ رض ایسے ہی لوگوں میں سے تھیں
عفیف کندی کا بیان ہے کہ: میں زمانۂ جاہلیت
میں مکہ آیا کہ اپنی بیوی کے لیے عطر اور کپڑا خرید
لاؤں۔ میں عباس بن عبدالمطلب کے پاس
ٹھہر گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ میری نظر خانۂ کعبہ
کی طرف تھی۔ عباس بھی میرے پاس تھے۔
اتنے میں ایک شخص آیا اس نے اپنا سر آسمان
کی جانب اٹھا کر دیکھا اور پھر قبلہ رو ہو کر کھڑا
ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکا آیا اور اس
جوان کی دائیں طرف کھڑا ہو گیا زیادہ وقت
نہ گذرا تھا کہ ایک عورت آئی اور وہ بھی ان
دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ جب تینوں
نماز پڑھ کر چلے گئے تو میں نے عباس سے کہا "عباس
میں دیکھتا ہوں کہ کوئی بڑا انقلاب آنے والا ہے"
عباس نے جواب دیا: "ہاں! کیا تم جانتے ہو کہ
وہ جوان، وہ لڑکا اور عورت کون تھے؟" میں
نے کہا: "نہیں" تو عباس بولے: "وہ جوان محمدؐ
عبداللہ بن عبدالمطلب یعنی میرے بھائی کا بیٹا ہے
اور وہ لڑکا علی بن ابو طالب بن عبدالمطلب ہے
اور وہ خاتون جس کو تم نے ان دونوں کے پیچھے
نماز پڑھتے دیکھا میرے جوان بھتیجے (محمدؐ) کی بیوی
خدیجہ بن خویلد تھی۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رض کے بارے میں
یہ روایت بڑی اہم ہے۔ اور اس بات کی تصدیق
کرتی ہے کہ حضرت خدیجہ رض پہلی خاتون تھیں جنھیں
حضور پاک پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔
انھوں نے اسلام قبول کیا۔ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی مخالفت عروج پر تھی، حضرت خدیجہ رض
نہ صرف آپ کی دلجوئی اور ہر قسم کی ممکن مدد کر رہی
تھیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقاعدہ
عبادت کا فرض بھی ادا کر رہی تھیں۔ عورت ہوتے
ہوئے آپؓ کا یہ عظیم ایثار آپؓ کی شخصیت کا ایک

حیرت انگیز سائنسی انکشافات

گھریلو مشینی انسان

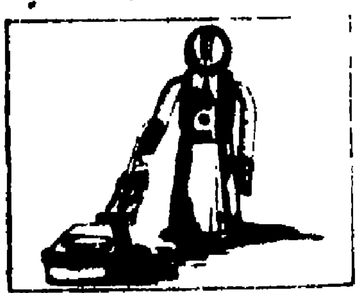
یہ پانچ فٹ دو انچ قد کا گھریلو مشینی انسان ہے جس کا وزن ۱۸۰ پونڈ ہے۔ یہ گھر بھر کے متعدد کام سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کمروں کی صفائی کرنے کے علاوہ بچوں کو سیر بھی کرا سکتا ہے۔ آپ کسی گھر میں جائیں جہاں مشینی انسان ہو تو گھنٹی کا بٹن دباتے ہی دروازے پر نمودار ہوگا۔ آنے کا سبب اور نام پوچھنے کے بعد اندر جانے کی اجازت دے گا۔ اگر آپ صحیح آدمی نہ ہوئے تو اس گھر میں داخل ہونا ناممکن ہے میزبان کے کہنے پر چائے سے آپکی تواضع کریگا۔

قیصر انڈسٹریز امریکہ کا کہنا ہے کہ آئندہ سال گھریلو مشینی انسان بازار میں بکنا شروع ہو جائے گا۔ اس کی قیمت اندازہ ۲۰۰۰ ڈالر ہوگی۔

خلائی سواری

یہ ایک فرد کو لے کر اڑنے والی مشین ہے جس میں چار جیٹ انجن لگے ہوتے ہیں جو چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ عام ہوسے ڈھانچے کی قیمت صرف ۹،۶۵۰ ڈالر ہے اور مکمل لوازمات کے ساتھ یہ خلائی





آپ سے کہہ دیا کرتی تھی کہ آپ کے خیال میں خدیجہ رض کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہ تھی۔ تو آپ جواب میں فرماتے : ہاں خدیجہ ایسی ہی تھیں اور ان کے بطن سے میری اولاد ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"دنیا کی عورتوں میں تو چار نمونے بس ہیں۔ مریم بنت عمران، خدیجہ بن خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ رض زوجہ فرعون۔"

رمضان ۱۰ھ نبوی میں پینسٹھ سال کی عمر میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وبائی بیماریاں

..●..

(Diphtheria)

ڈپتھیریا

ہمارے ہندوستان میں یہ مرض بھی بڑے پیمانے پر شروع ہوتا ہے۔ ڈپتھیریا بھی بہت خطرناک مرض ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کے (virus) سے شروع ہوتا ہے یہ مرض ایک خاص موسم میں ہوتا ہے۔ یہ جاڑوں کے شروع میں ہونے لگتا ہے اور پھر موسم پریشان کرتا ہے۔ اس کے کیڑے زیادہ تر گلے میں اور ناک میں ہوتے ہیں اور یہ کیڑے اگر دل۔ پھیپھڑے۔ گردے وغیرہ میں پہنچ جائیں تو موت واقع ہوجاتی ہے۔ یہ مرض ۲۴ گھنٹے سے ۷۲ گھنٹے تک رہتا ہے۔

پہچان :۔ اس مرض کے ہونے سے پہلے مریض کا وزن گھٹنے لگتا ہے۔ مریض کو تھوڑا کام کرنے میں تھکاوٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس مرض کی سب سے بڑی اور پہلی پہچان گلے کی خرخراہٹ ہوتی ہے۔ جسم اینٹھنے لگتا ہے گلے میں سفید میلے کپڑے کی طرح جھلی بار بار آتی ہے بخار تیز ہونے لگتا ہے۔ گلے میں زخم ہوجاتے ہیں۔ آواز پست پڑجاتی ہے۔ سینے میں درد کا احساس ہوتا ہے سانس لینے میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔ مریض کو پانی تک پینے میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے

بچنے کی ترکیب :۔ مرض کا پتہ لگتے ہی فوراً ڈپتھیریا کا انجکشن گھر کے سبھی افراد کو لینا چاہئے لہسن کے تازہ رس کو پانی میں ملاکر مریض کو کلی کرانی چاہئے لہسن کے رس سے مریض کے گلے میں آئی جھلی ٹوٹنے میں آسانی رہتی ہے لہسن کے رس کو شہد میں ملاکر گلے میں لگانا چاہئے مریض کو پھلوں کا تازہ رس انڈے کا پانی دودھ وغیرہ دینا چاہئے۔ غذا حلق سے نہ اترنے پر انیما سے کھانا پہنچانا چاہئے۔ مریض کو الگ کمرے میں رکھنا چاہیے مریض کی ناک سے اور منھ سے نکلنے والے پانی کو جلا دینا چاہیئے۔ ٹھیک

سواری ۔۔۔ ڈالر میں دستیاب ہو سکے گی۔



صوتی سگنل

صوتی سگنل ایک چھوٹی تصویروں والی الیکٹرونک ایجاد ہے جو بہروں کو سننے میں مدد دے گی۔ یہ آواز کو رنگین روشنی کے سگنل میں تبدیل کرتی ہے۔ اس صوتی سگنل مشین کا وزن آدھا اونس سے بھی کم ہے۔ اسے استعمال کے وقت عینک کے فریم سے لگا دیا جاتا ہے۔ (۔۔۔)

لاکھ لاکھ کی ایک بات

- حسد، فکر اور غصہ سے اچھے سے اچھا ہاضمہ بھی بگڑ جاتا ہے۔
- جذبات کا قابو میں رکھنا صحت کے لئے نہایت فائدہ مند ہے۔
- گلاب کا پھول ناک کے نزدیک لاکر نہیں سونگھنا چاہئے بلکہ رومال میں رکھ کر۔
- زور زور سے سانس لینا چاہئے۔ اس سے سردی زکام نہیں آتی ہے۔
- باسی روٹی یا بھات مت کھاؤ خصوصاً رات کی رکھی ہوئی۔
- کھانا وقت پر کھاؤ اور بیت الخلا وقت پر جاؤ۔
- شام کے وقت اندھیرے میں لیٹ کر اور تیز روشنی میں کبھی نہیں پڑھنا لکھنا چاہئے۔
- کم بولنے والے نہایت طاقتور ہوتے ہیں۔
- کم بولنا عقلمندی ہے۔
- قبض تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔
- زور سے بولنا بدن کو دبلا کرتا ہے۔
- نشیلی چیزیں کبھی استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

(مرسلہ: ڈاکٹر محمد فاروق اعظم بھاگلپور)

(شاہدہ ناز خاتون)

جھوٹ

کوٹھری کی فضا گرم، تاریک اور گھٹی گھٹی سی تھی

اس پردہ "پڑھولے" (دیہاتی جس میں اجناس وغیرہ محفوظ کرتے ہیں) میں تھی۔ یہاں بیٹھے ہوئے اسے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ پسینہ اس کے چہرے پہ بار بار اُبھر آتا اور وہ اپنے میلے آنچل سے پونچھ کر اسی کے ایک کونے سے اپنے چہرے کو ہوا دینے لگتی۔

اس کے کان آہٹ پر لگے تھے۔ باہر ننھا دمی اور بھیّا کانچ کی گولیوں سے کھیلنے میں مصروف تھے اور اس دوران میں وہ غلیظ زبان میں ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ لیکن آج اُسے نہ اُن کی لڑائی سے سروکار تھا نہ انھیں چپ کرانے سے مطلب۔ چھوٹی بجو اور پینی کے رونے بسورنے کی آوازیں بھی اُسے سنائی دے رہی تھیں۔

وہ ان بچوں کی نظر بچا کر اندر آئی تھی۔ اور اب اُسے یہاں بیٹھے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اماں ابا کے آنے کا وقت ہو چلا تھا... آج تو بارے قیامت ٹوٹ پڑتی اس نے تہیہ کر رکھا تھا۔ باہر نہ آنے کا!

"آج ماں کو بھی ذرا پتہ چلے گا... یوں قدم قدم اور ہر آہٹ پہ روکنے ٹوکنے کا نتیجہ معلوم ہوگا" اس نے سوچا۔

گومی اور سیمجے کی لڑائی شدت اختیار کر گئی تھی۔ بھیّا روتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ "باجی... باجی" اس کی آواز بڑی دردانگیز تھی اور پھر باجی کا جواب نہ پا کر وہ دونوں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔ اس کا دل چاہا کہ کمرے سے نکل کر اُن کی زبان ہی میں انھیں ڈانٹے لیکن وہ ضبط کر گئی۔ "اُف گرمی، گھٹن! یہ پسینہ اُس

ہو جانے کے بھی دس دن بعد تک مریض کو اور بچوں بڑوں سے الگ رکھنا چاہیے۔

مریض کو کیڑے مرنے والی دوا کو پانی میں ملا کر دن میں ۵ بار سے زیادہ کلّے کرنے چاہئیں۔

(Influenza)
انفلوئنزا

یہ ایک بھیانک روگ ہے اکثر ماہ ماری کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ دو طریقوں سے شروع ہوتا ہے۔

۱۔ عام طور سے سردی لگ جانے سے اس مرض کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ خاص طور سے موسم کی تبدیلی پر شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں یہ ساری دنیا میں پھیلا تھا۔ صرف ہندوستان میں اس مرض سے مرنے والوں کی گنتی ½۱۲ لاکھ تھی۔ زیادہ تر زکام بہت دنوں تک رہنے سے یا زکام بگڑ جانے پر اس مرض کے ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

اس مرض میں مریض کے کھانسنے اور چھینکنے سے یہ کیڑے نکل کر صاف ہوا میں مل جاتے ہیں اور ہوا کو گندہ کر دیتے ہیں۔ جب دوسرا ٹھیک انسان اسی ہوا میں سانس لیتا ہے تو اس کو یہ مرض ہو جاتا ہے۔ اور صرف ۲۴ گھنٹے سے ۴۸ گھنٹوں میں اپنا قبضہ کر بیٹھتا ہے۔

یہ مرض ۶-۲ گھنٹوں سے لے کر ۲۰ تک جاری رہتا ہے۔

پہچان: پہلے ٹھنڈ لگتی ہے جسم کانپتا ہے گھبراتا ہے۔ پھر بخار آتا ہے۔ سر میں پسلیوں درد شروع ہو جاتا ہے۔ نبض تیز چلنے لگتی ہے۔ زبان و حلق خشک ہو جاتے ہیں۔ اگر ٹھیک طریقے سے اس مرض میں مریض پر توجہ نہ کی تو اس کے دل پھیپھڑوں پر برا اثر پڑتا ہے تین دن بخار جاتا ہے۔

بچنے کی ترکیب: فوراً ڈاکٹر کو دکھا کر مریض کی دوا کرنی چاہئے۔ پورے طریقے سے مریض کو آرام سے رکھنا چاہئے۔ اس سے زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئے۔ مریض کو ہلکا اور کم چکنائی والا کھانا دینا چاہئے۔ گرم پانی میں نمک ڈال کر کلّے کرنا چاہئیں۔ مریض کے کپڑے بستر کو دوا ڈال کر گھر پر دھونا چاہیے۔ صبح کے وقت ہری گھاس پر چہل قدمی کرنا فائدہ مند رہیگا۔ U.K.L کی بوندیں رومال پر ڈال کر سونگھنا چاہیے۔

"تو پڑ گئی ڈھنڈیا! اب مزہ آئے گا، اب پتا چلے
...اور تبھی باہر کا دروازہ ایک دھڑاکے سے کھل کر
ہوا اور اس کے باپو کی کراری آواز چھوٹے سے آنگن
س پھیلتی چلی گئی: "ارے یہ کیسا شور مچا رکھا ہے
ونوں نے؟"

وہ سوچنے لگی باپو اپنے اُسی میلے میں ہوگا
دھوتی اور میلی جیکٹ صدری پہنے ہوئے۔ مجھے
س نے باہر دروازے پہ ہی باندھ دیا ہوگا۔ اب
نے میلے ہاتھ دھو کر وہ چارپائی پہ بیٹھ گیا ہوگا۔
اب وہ ہر ایک کو گدھا ہی سمجھ کر ڈانٹنا شروع
رے گا۔

مجھے کی آواز صحن میں اچانک اُبھر کر
دب گئی۔ "اماں! وہ یہاں نہیں ہے۔"

"کون نہیں ہے۔ کیا بات ہے بھئی؟" باپو
آواز نرم تو کبھی ہوئی ہی نہیں... اُس کا
نہ ہی کاٹ کھانے والا ہے، چاہے وہ کسی
سے معمولی سا سوال کیوں نہ پوچھ رہا ہو۔

"معلوم نہیں بانو کہاں ہے؟ اچھا تو جا
یرن کے گھر ادھر ہی ہوگی۔ سوئی ٹانکا سیکھنے
ہوگی۔ بس بیٹھ گئی۔ جا۔ نا میرا منہ کیا دیکھ
رہا ہے؟" ماں نے مجھے کو ڈانٹا۔

"اماں بھوک لگی ہے۔ پہلے کھا لوں پھر جاؤں گا"

"لو مردار۔ کھاؤ!... کالے کے آبا! میں ذرا
آپ پتہ کراؤں۔ نامراد کو آج وہ مار ماروں گی کہ خبر
ہو جائے گی اس کے فرشتوں کو بھی۔ ہاں! اچھا میں
جاتی ہوں۔"

اُسے باپو اور بہن بھائیوں کے کھانا کھاتے
ہوئے منہ چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ بھوک
تو اسے بھی لگی تھی۔ اس نے سوچا باہر نکل کر کھانے
میں شریک ہو جائے، لیکن نہیں، آج ماں کو تنگ
کرنے میں کتنا مزہ آ رہا تھا اُسے۔

جب میں کہیں نہیں ملوں گی، تو پھر ماں چیخے
گی چلائے گی!... "بھاگ گئی بانو بھاگ گئی!" اور
پھر وہ جیب سے نکل آئے گی... روز جو ماں ہر
وقت اس کے کانوں میں لفظ انڈیلتی رہتی ہے
آج ذرا پریشان تو ہوگی! ویسے یہ اچھی حرکت تو
نہیں، پر یہ ماں بھی تو ہر روز تنگ کرتی ہے۔ شک
کرتی ہے۔ آج تھوڑا سا پریشان تو ہوگی۔

وہ اپنے چہرے سے پسینہ پونچھنے لگی۔ شام
کے دھندلکے سیاہی میں ڈھلنے لگے تھے۔ کوٹھری

کے سرے ہوتا ہوا پشت اور گردن پر بہنے لگا تھا۔ کوئی کیڑا اس کے پاؤں پر کاٹ گیا تھا، وہ وہاں کھجاتے کھجاتے بے حال ہونے لگی تھی لیکن وہ یہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔

اچانک صحن میں ماں کی آواز سنائی دی۔

"لو اماں تو آ گئی" اس نے پہلو بدلا اور ذرا اونچی آوازوں پر غور کرنے لگی۔ ماں نے سب بچوں کو ڈانٹا۔ روتے ہوؤں کو چپ کرایا اور صحن کا ہنگامہ سرد پڑ گیا۔۔ ماں کے چلنے پھرنے اور برتن رکھنے کی آوازوں سے اُسے سب کچھ معلوم ہو رہا تھا۔ کہ وہ کیا کر رہی ہے وہ چشم تصور سے دیکھ رہی تھی کہ اماں نے اب چودھری صاحب کے گھر سے لایا ہوا باسی سالن بڑے کٹورے میں ڈالا ہے۔ کچھ سوکھی اور کچھ تازہ روٹیاں چنگیری میں رکھی ہیں۔

"پپتا، گومی، کیجو سب اس برتن کے گرد بھوکے پرندوں کی طرح اکٹھے ہو گئے ہوں گے ایک دوسرے سے چھین جھپٹ کر کھانے کے لیے!" اس نے زیر لب کہا اور تبھی اماں نے کرخت آواز میں پوچھا: "بانو کدھر ہے؟"

"ہمیں معلوم نہیں" سب نے ایک سُر میں جواب دیا۔

"جا پجے! دیکھو نذیراں ماچھن کے گھر نہ بیٹھی ہو۔ اگر نذیراں کے گھر نہ ملے، تو تیلن کے گھر پتا کر لینا، جا میرے بچے! دوڑ کے جا! جاتا ہے کہ نہو"

"اماں! یہ میرے حصے کا سالن کھا جائیں گے"

"چل چل، تو جا میں تیرا حصہ نکال کر ابھی سے علیحدہ کر دیتی ہوں، جا اب بھاگ بھی جا! اِدھر کھڑا کیا دیکھ رہا ہے۔۔۔۔ دفعان ہوتا ہے یا لگاؤں ایک جوتی۔ رکھ دوں گی تیرے لیے سالن۔ کہہ جو رہی ہوں اُسے جا۔

جا میرے لال! بانو کو لے کے آ۔ شام پڑ گئی۔ نصیبوں جلی گھر تو ٹکتی نہیں نامراد کہیں کی! صبح سے شام ہو جاتی ہے۔ چودھری کے گھر کام کرتے ہوئے کیسے اس ناشدنی کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر رکھوں۔ ذرا آنے دو، ٹانگیں نہ توڑ دوں، تو! جا اب میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے۔۔۔۔ اس کٹوری میں نکال لیے ہیں تیرے لیے چاول اور یہ رہا سالن۔"

ماں کی زوردار تقریر سُن کر اندر وہ پیروں کو کھجاتے ہوئے مسکرائی۔

لگام لگے۔ پرتہیں تو اچھا بر ڈھونڈنے کی دھن تھی ہائے نہ جانے کس کے ساتھ منہ کالا کر گئی۔ ہائے اس کی قبر میں کیڑے پڑیں... ہائے وہ سکھ کا ایک سانس نہ لے۔ ہائے وہ رنڈی ہو جائے۔ کوڑھ پھوٹے میری آہ اُسے لگے۔ ہماری عزت کو بٹا لگانے والی! تجھے کبھی چین نہ ملے۔ تجھ پر پتھر برسیں!"

"چُپ کر! وہ وقت بھول گئی جب تو میرے ساتھ بھاگ آئی تھی؟ یہی عمر تھی تیری۔ وہ تو ہندوستان پاکستان بن رہا تھا اُس ہاہاکار میں سب دب گئے، سب چھپ گئے۔ تجھے اس وقت اپنے ماں باپ کی عزت کی لاج نہ آئی۔ آج تو بانو پہ کس بات کا گلہ کر رہی ہے آخر تیرا ہی خون تھا!"

"معراج دین!" اماں کی سسکاری بہت تیز تھی۔ شاید وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اُسے الزام دینا چاہتی تھی۔ اُس کے لہجے میں غصہ، پشیمانی ندامت جانے کیا کیا کچھ تھا۔ مگر اب کچھ نہ کہنا ہی بہتر تھا۔ زندگی تو اس شخص کے سنگ جیسی بھی تھی، بھلی بُری گزر ہی گئی۔ اب پیچھے چند سال ہی تو بچے تھے۔ ان کے لئے اس سے کچھ کہنا ہی فضول تھا۔ ذرا دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولی:

"معراج دین تو نے..."

وہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ آواز اس کے گلے میں ایسے کھڑکھڑا کر رہ گئی۔ جیسے دھچکے سے گاڑی رُک جائے۔

کوٹھری کے دروازے میں کھڑی بانو کا چہرہ دھندلی روشنی میں بھی نظر آ رہا تھا... ایک حقارت آمیز تبسم کے ساتھ....

وہ آگے بڑھی اور باہر جاتے جاتے رک کر پلٹی۔ وہ دونوں ہپناٹائز کیے ہوئے بتوں کی طرح آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ انسان نہیں بھوت ہو۔

"بانو کبھی نہیں بھاگے گی ماں!" اس کا لہجہ بہت عجیب تھا... اماں کے اتنے برسوں کی پھٹکار اور باپ کے اتنے دنوں کے رعب سے بھی زیادہ کاٹ دار... زیادہ چبھتا ہوا....

وہ باہر جا کر چارپائی پہ لیٹ گئی۔۔ اور اپنا پلو چہرے پر ڈال کر رونے لگی۔

اماں نے نہیں مارا تھا۔ باپو نے نہیں ڈانٹا تھا... مگر چوٹ تو بہت گہری لگی تھی۔ ●●

کس کے لیے اُوپر جاتی ہے تو بتا کس کو تاڑ رہی تھی؟"

"اُف اُف اماں .... میں تو کروشیہ !"

"کروشیے کی بچی! مجھے سب معلوم ہے گلی سے شیرا گزرتا ہے تو وہ یہاں آتے ہی کیوں کھانستا ہے۔ مجھے سب پتہ ہے ... سب معلوم ہے"

"بس بس ماں!" وہ چھوٹی سی ناک رگڑتے ہوئے سپڑ سپڑ روتی رہ جاتی۔

اور اس دن تو حد ہو گئی۔ اس کی سہیلی پینو جو دوسرے گاؤں بیاہی گئی تھی، اس سے ملنے آئی، تو وہ اس کے لیے دکان سے گڑ لینے چلی گئی چائے کے لیے۔ وہ گئی نہیں تھی بلکہ اُسے جانا پڑا تھا کہ اس کے چھوٹے بہن بھائی پیسے خود کھا جاتے تھے۔ اس کے پاس دو روپے تھے جو چند روز پہلے ہی چودھرائن نے دیے تھے۔

وہ ابھی ڈری سہمی سی کھڑی تھی دکان پر کہ اماں اوپر سے آ گئی۔ دیکھتے ہی چلائی: "تو کیوں آئی ہے؟ گھر چل۔ میں لے کر آتی ہوں گڑ!"

اس دن تو جیسے گھر میں طوفان آ گیا تھا۔

وہ اپنی بے عزتی کے احساس سے کتنے روز ہی گم سم رہی تھی۔

آخر یہ ماں اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے!.. باپ ہے تو وہ گرجتا رہتا ہے... جیسے اگر وہ گرجے گا نہیں تو پتہ کیسے چلے گا کہ وہ باپ ہے۔ ہر کام بھاگ بھاگ کر تیزی سے کرو پھر بھی اس کے ابروؤں کے درمیان کا بل سیدھا نہیں ہوتا۔

اماں کی آواز کمرے سے آ رہی تھی... جو کوٹھری سے ملحق تھا۔ وہ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اندر چلے آئے تھے... بچوں سے چھپ کر... لالٹین کی مدھم پھڑ پھڑاتی لو میں اُن کے سایے بہت تاریک اور لوٹتے لوٹتے سے لگ رہے تھے۔

"وہ بھاگ گئی، بانو بھاگ گئی۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا۔ ہماری عزت خاک میں ملا گئی!"

اماں پیچ پیچ رونے لگی تھی۔ اُسے تب بہت ترس آیا۔ وہ آہستہ سے اٹھی۔ آخر اتنا سنگین مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اب اماں اُسے دیکھ کر کون سا خوش ہو گی، ضرور ہاتھ اٹھائے گی، اس کی اس بے ضرر اور معصوم حرکت پر پریشان بھی تو خوب کر چکی تھی وہ کافی سزا مل چکی تھی ماں کو۔

"میں کہتی تھی اس کے ہاتھ پیلے کر دو، جوانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت وآبرو کے سلسلے میں اس کو بھی بُرا کہا ہے کہ کوئی عریانی اور ننگاپن اختیار کرلے یا کوئی مرد عورت کو یا کوئی عورت مرد کو گھورے۔ سورۂ نور آیت ۳۰ میں ہے کہ

- اے نبی مومن مردوں سے کہو اپنی نظروں کی حفاظت کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بچائیں۔

اور آیت ۳۱ میں یہی بات عورتوں سے کہی گئی۔

- اور اے نبی! مومن عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنی نظریں بچاکر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ بطور عام دیا ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت پر آپ سے آپ یہ واجب ہوجاتا ہے کہ جہاں کہیں یہ حق مارا جاتا ہو اس کی حفاظت بڑھ کر کرے۔ عریاں اور فحش باتوں کو پھیلنے سے روکے۔

- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی پیٹھ اور چہرے کو محترم قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو منع فرمایا ہے کہ عورت کے چہرے پر نہ ماریں۔ ایک بار ایک عورت نے اس بارے میں شوہر کی شکایت کی تو حضورؐ نے اُسے اچھا شوہر نہیں بتایا اور آپ غضبناک ہوگئے۔
- جو عورت زنا میں پکڑی جائے تو اسے اس طرح رجم کیا جائے کہ اس کے خاص مقام بے پردہ نہ ہوجائیں۔
- ہتک آبرو کے سلسلے میں اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر شخص عزت والا ہے چاہے وہ بڑے مقام پر ہو یا چھوٹے عہدے پر۔ اور چاہے وہ لونڈی ہو یا آقا۔ اس سلسلے میں اسلام نے جو حق مظلوم کو دیا ہے اس کے صرف دو واقعے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بنی ہذیل کا ایک شخص اپنے دوست کے گھر مہمان تھا۔ اس نے دوست (میزبان) کی لڑکی پر ہاتھ ڈال دیا تو لڑکی نے پتھر دھمک دیا جس کی چوٹ سے وہ مرگیا۔ یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مقدمہ عدالت میں پہنچا۔ اسلامی عدالت نے لڑکی کو بری کردیا اور خوں بہا بھی نہیں دلایا۔ اپیل ہوئی تو عمرؓ نے جج کی تحسین کی۔

اسلامی ریاست میں عورتوں کے

بنیادی حقوق

عزت وآبرو کی حفاظت

عزت وآبرو کے حق کے سلسلے میں حضورؐ کے الوداع کے خطبہ پر پھر ایک نظر ڈال لیجئے۔ اس سلسلے میں جہاں ہم نے جان ومال کی حفاظت کا ذکر کیا ہے وہیں حضورؐ نے عزت وآبرو کی حفاظت کا بھی حق دیا ہے

عزت وآبرو کے سلسلے میں صرف یہی نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورت کی آبروریزی یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا کرنے ہی سے اس کی عزت پر حملہ ہوتا ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتک آبرو، مجمع میں کسی سے کسی کی عزت پر حملہ کرنے کو بھی منع فرمایا ہے۔ غیبت کرنے سے بھی روکا ہے۔ تُہمت لگانے اور بے جا گمان کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ گالی دینے کو بھی بُرا بتایا ہے۔ نام بگاڑ کر لینے پر بھی غصہ کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں احکام اور واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

- سورۂ حجرات آیت ۱۱ میں ہے کہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، (کسی مجمع میں) نہ مرد مردوں کا مذاق اڑائیں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو۔ (بات نہ مارو) اور نہ ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے یاد کرو۔
- اسی سورۂ حجرات کی آیت ۱۲ میں ہے: "اور تم ایک دوسرے کی غیبت (پیٹھ پیچھے بُرائی نہ کرو؛ اسی آیت میں آگے ہے کہ

- زیادہ گمان کرنے سے بچو کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔
- اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی گالی گلوچ پر اتر آئے۔

ولانا کے صاحبزادوں سے انٹرویوز

عمر فاروق مودودی

مجھے تو ان سے علیحدہ ہوئے یوں سمجھ لیجئے کہ دس سال ہو گئے۔ ۱۹۷۰ء میں میں یہاں سے ریاض گیا۔ اس
دیں آتا ہوں تو مہینہ بھر کے لئے، سوا مہینہ کے لئے۔ اس دوران ان سے اتنی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ عرب ملکوں میں اباجان کا جو لٹریچر ٹرانسلیٹ ہوا ہے وہ ہر سکول کی لائبریری میں موجود ہے
ن میں دکانوں پر عام دستیاب ہے۔ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو ان کے نام سے واقف نہ ہو۔ بے شمار لوگ
یں نے ان سے متاثر دیکھے۔ ابھی انتقال کی خبر سنتے ہی میرے پاس شامیوں کا وفد پہنچا۔ بے شمار لوگ اباجان سے
تھے۔ انہیں گنا نہیں جا سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فکری خلا کو والد صاحب مرحوم کی کتابوں نے پورا کیا
کتاب جو اسلامی تہذیب اور اس کے مبادیات پر ہے۔ یہ مجھے اس وقت یاد نہیں کہ عربی میں کس نام سے چھپی
۔ اس کے بارے میں میرا ایک سوڈانی کولیگ ہے جو پہلے منسٹری آف ایجوکیشن سوڈان میں ہوتا تھا اس نے کہا کہ توحید
بارے میں تو ہم لڑکوں کو ایک ہی کتاب بتلاتے تھے اور وہ یہ تھی۔ اس نے یہ ضرور کہا کہ اس کا نام تم لوگوں نے
رکھ دیا ہے، اس نام سے اس کتاب کا ایک اور تصور پیدا ہوتا ہے وہ کہتا تھا کہ ہم تو سٹوڈنٹس کو بھی ایک کتاب
ذکر تے تھے کہ اگر تمہیں توحید کا صحیح تصور لینا ہے تو تمہیں اسی کتاب سے ملے گا۔

سچی بات یہ ہے کہ مجھے ان کی خوبیوں میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ انکساری نہیں ہے دراصل قدرت کو جب
سے کام لینا ہوتا ہے تو وہ اس کو صلاحیتیں بھی دیتی ہے اور اس کو وہ قوت اور طاقت بھی دیتی ہے۔

• دوسرا واقعہ اس سے زیادہ عبرت ناک ہے۔ ایک نوجوان جہاد پر چلا گیا اور اپنے بھائی کو گھر دیکھ بھال کے لیے کہہ گیا۔ یہاں ایک رات ایک یہودی نوجوان مجاہد کی بیوی کے پاس پہنچ گیا قابلِ اعتراض بات کرنی چاہی۔ اچانک بھائی جاگ اٹھا اس نے یہودی کو قتل کر دیا اور اس کی لا سرِراہ ڈال دی۔ صبح کو یہودیوں نے شور مچایا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ آپؓ نوجوان کے بھائی کا بیان سنا۔ دلہن نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے قاتل کو سراہا۔ الفاظ "اللہ تیرے ہاتھ کو سلامت رکھے!" اور بدمعاش یہودی کے خون کو اکارت قرار دیا۔

اس طرح کے واقعات بہت ہیں۔ ان سب کو گھیرا نہیں جاسکتا۔ صرف سورۂ نور کی ان آیات کو د لیجیے جن میں اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضہ کو اس تہمت سے بری قرار دیا جو مدینہ کے منافقوں نے لگائی تھی۔ اصولی باتیں یہ ہیں:۔

• جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں ان میں سے جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ
• جس شخص نے (اشارہ ہے عبداللہ بن ابی کی طرف) اس میں سب سے بڑا پارٹ ادا کیا۔ اس کے لیے عذاب الیم ہے۔
• جس وقت تم لوگوں نے (مسلمانوں نے) اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ اپنے آپ سے نیک گمان کیا۔ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔
• وہ لوگ چار گواہ کیوں نہ لائے؟
• تم نے بلا ثبوت پروپیگنڈا کیوں کیا؟
• خبردار! ایسی حرکت کبھی نہ کرنا۔ اگر واقعی تم مومن ہو۔
• جو لوگ بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں خدا کی پھٹکار ہے انکے لیے نتی ملے:۔ یہی وہ حکم ہیں جن کو بنیاد بنا کر اسلامی ریاست کے خلیفہ فوج کو ہدایت کرتے تھے۔ کہ خبرد دشمن پر فتح پاکر ان کی بہو بیٹیوں اور ماؤں بہنوں کی عزت پر حملہ نہ کرنا۔

ں طرح کہ اگر کوئی چیز اپنی جگہ سے سوتر بھر بھی اِدھر اُدھر ہوئی ہے تو انہیں پتہ چل جاتا تھا کہ کوئی آیا ہے اور اس نے
ری چیزوں کو ہاتھ لگایا ہے۔ پھر ہماری باز پرس ہوتی تھی کون گیا تھا کس نے اُٹھائی میری چیز۔ کس نے یہ کیا۔ اس
رح کتابوں کا معاملہ تھا۔ لائٹ آف ہے۔ وہ اندھیرے میں اپنی مرضی کی کتاب نکال لیں گے۔ وہ کسی کو اپنی چیزوں
اتھ نہیں لگانے دیتے تھے۔ کہ مجھے معلوم ہے، میری کونسی چیز کہاں ہے۔

انھوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ وقت کی پابندی اور صحت کا بہت خیال رکھتے تھے صحت کا
ال اس لئے رہتا تھا کہ ان کو اتنا کام کرنا تھا کہ بس۔

ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کا ٹائم انھوں نے ایک بجے کا ٹائم رکھا ہوا تھا لیکن آخر میں یہ ہوگیا
ھا کہ اتنی مصروفیات ہوگئیں کہ ان کا کھانا پڑا ہے اور وہ کام میں مصروف ہیں۔ کام میں مصروفیت کے باعث یاد ہی نہیں
ہتا تھا۔

کھانے میں ان کا مزاج یہ تھا کہ کھانا جو کچھ بھی ہو، پکا ہوا اچھا ہو، کوئی خاص ڈش ان کی مرغوب نہیں تھی۔ کم خور
تھے۔ اصل میں اپنی جوانی کے زمانے میں وہ بمبئی میں رہے تھے وہاں انھیں ایک بار ملیریا کی شکائت ہوگئی تھی۔ ڈائریا کافی
دیر چلا اس کے وہ کھانے کے معاملے میں خاصے محتاط ہوگئے تھے۔ دو کھانوں کے بیچ کبھی کوئی چیز نہیں کھاتے تھے چائے
البتہ پی لیتے تھے۔ وہ بھی اس طرح کہ لوگ جانتے ہیں کہ شام کے وقت پارٹیوں میں انھیں بلایا جاتا تھا تو ایک پیالی چائے
کے سوا کبھی کچھ نہیں لیتے تھے۔ چاہے کتنا کچھ پڑا ہو۔ کہتے تھے کہ میرا یہ اصول ہے کہ میں دو کھانوں کے درمیان کوئی دوسری
یز نہیں کھاتا اور یہی حال گھر میں تھا۔ اگر انھیں کوئی چیز کھلانے کو کہا جاتا، کہتے تھے، رکھ دو۔ کھانے کا وقت ہوگا تو کھالونگا
باقی رہ جائے۔ تو چائے کی عادت انھیں کبھی نہیں رہی۔ مل جائے تو پی لیں گے نہ ملے تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے جب ان کا بچپن
اور جوانی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں یہاں چائے تھی ہی نہیں۔ یہاں تو چائے کا رواج بہت لیٹ شروع ہوا۔ گھروں میں تو چائے
کے برتن ہی نہیں ہوتے تھے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ عادت انھیں چائے کی کبھی نہیں رہی، ایک پیالی صبح اور ایک پیالی شام چینی
وہ زیادہ استعمال کرتے تھے۔ تین چمچے، چار بھی ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں۔

میں اپنا تاثر بیان نہیں کرتا۔ جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا عبدالرحمٰن کا تاثر بیان کرتا ہوں۔ کئی مرتبہ تشریف
ہیں یہاں۔ وہ کہنے لگے کہ علم تو بہت لوگوں کا دیکھا، لیکن حلم نہیں دیکھا۔ لوگوں نے کیا کچھ نہیں کیا مگر انھوں نے کبھی جو
نہیں دیا کسی کا۔

غصہ ان کو نہیں آتا تھا۔ سب سے بڑی خوبی جو تھی، یہ تھی، اب مجھے پتہ نہیں، اس میں صحیح الفاظ کیا ہو سکتے ہیں
کہتے ہیں نا، ذہنی جمع خاطر، اس پر ان کو بے حد کنٹرول تھا۔ آپ نے بھی یہ چیز محسوس کی ہو گی کہ جب آپ پریشان ہوں
لکھنے پڑھنے کا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ان میں ایسی کوئی بات نہیں جتنا انھوں نے لکھا ہے ان کی تحریروں کو جمع کیا جا
اور اس کے صفحات کا حساب لگا کے ان کی زندگی کے ایام سے آپ تقسیم کریں تو دیکھیں گے کہ فی یوم کتنے صفحے آتے
اب اس کے اندر ان کی زندگی جیسے طوفانی ادوار سے گزرتی رہی، اس کو اگر دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنا تصنیفی او
کام کیسے کر گئے۔ یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ جب تک انسان کو ذہنی سکون اندر سے حاصل نہ ہو۔

جب تک میں یہاں رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری تو ان سے ملاقات ہی بہت کم ہوتی تھی۔ بلکہ سکول کے زمانے میں
سنڈے کے سنڈے ملاقات ہوتی تھی۔ وہ اتنے اُلجھے رہتے تھے۔ ایک طرف ان کو پرچہ چلانا تھا۔ تفہیم بھی مکمل کرنی تھی
جماعت کی تنظیم تھی۔ وہ گھر میں کھانا بھی کھانے آتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کھانا تو وہ کھا رہے ہیں لیکن ذہناً
اور ہیں۔ اس وقت بھی کچھ سوچ ہی رہے ہوتے تھے۔ ان سے بات کم ہی ہوتی تھی۔

یہ خیر آخر وقت تک رہا۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہارٹ اٹیک بار بار ہوتے رہے، گردے نے کام چھوڑ دیا۔
دماغ آخر وقت تک، آپ ٹو دی لاسٹ مومینٹ، صحیح رہا۔ اتنا ضرور ہوا تھا۔ ان کو یہ خیال نہیں رہتا تھا کہ میں نے نماز
ہے یا نہیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ نماز کا وقت نہیں ہے۔ لیکن ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا۔ آپ کونسی نماز پڑھ رہے ہیں
فلاں نماز پڑھ رہا ہوں: "وہ تو آپ پڑھ چکے ہیں۔" اچھا پڑھ لی تھی میں نے۔

ہاں، سلیقہ تو ان کی ساری زندگی میں تھا۔ کبھی انھوں نے میلے کپڑے نہیں پہنے تھے۔ کبھی ان کے بال پراگندہ نہیں
ہوتے یہ عالم تھا کہ کوئی اگر ان کی غیر حاضری میں، ان کے کمرے میں چلا گیا۔ انھیں پتہ چل جاتا تھا کہ کوئی آیا تھا۔ کیسے پتہ چلتا

خالد فاروق مودودی

اباجان سے میری ملاقات سب بھائیوں سے اس لئے زیادہ ہوتی تھی کہ دوسرے بھائی تو باہر چلے جاتے تھے لیکن میرے یار دوست زیادہ نہیں تھے۔ اس لئے میں زیادہ تر گھر پر ہی رہتا تھا۔ اباجان کی خواہش ہوتی تھی کہ جب وہ کھانے کی میز پر آئیں تو سبھی وہاں موجود ہوں۔ بچوں سے ملنے کا ایک واحد ٹائم تھا۔ اس وقت وہ چاہتے تھے کہ سب بچے وہاں موجود ہوں۔ کھانے کے وقت وہ اس قدر پابندیٔ وقت ملحوظ رکھتے کہ آپ ان سے گھڑی ملا سکتے تھے۔ اس وقت میں ضرور موجود ہوتا تھا۔ اگرچہ کھانے کی میز پہ بات زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

کچھ عرصے کے لئے حسین فاروق صاحب باہر چلے گئے تھے تو ادارہ ترجمان القرآن میرے پاس تھا۔ اس کے معاملات میں دیکھتا رہا تو اس سلسلے میں اباجان مجھے بلا لیتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ میں نے کہا۔ یہ جو آپ نے باقی کتابیں رکھی ہیں یہ بھی آپ وقف کر دیں۔ آپ نے ہم لوگوں کو پڑھا دیا، لکھا دیا، اس سے زیادہ کیا ہے، کہنے لگے، یہ بات نہیں میں یہ تمہیں ایک ایسا ذریعہ معاش دے جانا چاہتا ہوں، کیونکہ آئندہ کی زندگی میں حلال کمانا مشکل ہو جائے گا، بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا ذریعہ معاش میں دے رہا ہوں کہ تمہیں کبھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑے گا اور یہ بالکل حلال کی روزی ہوگی جس میں حرام کو دخل نہیں ہے۔ میری زندگی کا یہ سب سے اہم واقعہ ہے جو ہمیشہ یاد رہے گا۔

اولاد میں سب سے کم اگر انھوں نے کسی کو کچھ کہا ہے تو وہ میں ہوں۔ کیونکہ میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی ایسی بات مجھ سے نہ ہو جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔ کیونکہ میں ہر وقت گھر پہ رہتا تھا۔ ان کے سامنے رہتا تھا جب آتے تھے تو میں ہی ملتا تھا۔ تو جس وقت ایف ایس سی کرنے کے بعد میں دہران یونیورسٹی چلا گیا تو اس وقت انھوں نے میری عدم موجودگی بہت زیادہ محسوس کی تھی۔ یہ مجھے واپس آ کے پتہ چلا کہ امی سے بار بار کہتے تھے کہ تم نے سب کو بھیج دیا اور اسے بھی بھیج دیا۔ ایک وہ تو موجود رہتا تھا۔ میں ۷۸ء میں دہران گیا تھا۔ اس وقت ہارٹ اٹیک کے بعد ان کی

امی بتاتی تھیں۔ شادی کرنے کے بعد جب وہ
مجھے یہیں بار سے لے گئے ہیں نکاح کے بعد لے گئے
ہیں حیدرآباد تو مجھے تھرڈ کلاس میں لے کے گئے ہیں
میرا پورا خاندان، وہ رو کے سناتی تھیں۔
میرا پورا خاندان مجھے چھوڑنے کے لئے آیا۔ اور انھوں
نے کہا کہ ہماری ناک کٹ جائے گی۔ آپ کو تھرڈ
کلاس میں لے کے جا رہے ہیں۔ ہم پیسے دیتے ہیں۔
آپ فرسٹ کلاس میں لے کر جائیے۔ کہنے لگے،
میری جیب میں جتنے پیسے ہیں میں تھرڈ کلاس
میں خود جاؤں گا۔ اور جب میرے ساتھ رہنا
ہے تو اسے میرے ساتھ تھرڈ کلاس میں جانا پڑے گا
اور تھرڈ کلاس میں ہی گئے۔

راوی: حیدر فاروق مودودی

مارچ سنہ ۱۹۸۱ء کا حجاب

یہ سُن کر حلقۂ حجاب کو افسوس ہوگا کہ ۱۹۸۱ء کے لئے حجاب کا رجسٹریشن نمبر کینسل کر دیا گیا ہے۔ رجسٹریشن نمبر کیلئے دوبارہ درخواست دیدی گئی ہے۔ اور سب خریداروں کے پتے بھی بھیجدئے گئے ہیں۔ حجاب کے خریداروں سے ڈاکخانہ کی طرف سے پوچھا جائیگا کہ انھوں نے سالانہ چندہ ادا کر دیا ہے؟ جن بہنوں اور بھائیوں کے پاس ڈاکخانہ سے لفافہ جائے فوراً تصدیق کر کے ڈاک میں ڈال دیں۔ اس لفافے پر ٹکٹ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس اُفتاد سے اندیشہ ہے کہ مارچ ۸۱ء کا پرچہ تاخیر سے پوسٹ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مارچ اور اپریل کا پرچہ ایک ساتھ شائع ہو۔

:- اگر :-

مارچ ۸۱ء اور اپریل ۸۱ء کا پرچہ ایک ساتھ شائع ہوا تو پھر اسکی قیمت پانچ روپے ہوگی۔ یہ بات ایجنٹ صاحبان نوٹ فرمالیں۔ دُعا کریں کہ ہمیں رجسٹریشن نمبر جلد بحال ہو جائے۔

الحمدللہ میری دوسری آنکھ کا آپریشن کامیاب رہا۔ مجھے عینک مِل گئی ہے۔ اور میں کام کرنے لگا ہوں۔ میری داہنی آنکھ کا جو آپریشن ناکام ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسکی بینائی کو نقصان نہیں پہنچا ہے صرف دھندلا دکھائی دیتا ہے۔ ان شاء اللہ اگلے سال جب اسکا دوبارہ آپریشن ہوگا تو یہ نقص جاتا رہے گا۔

ان شاء اللہ

مَیں حیدر آباد کے آل انڈیا اجتماع میں شرکت کروں گا۔ حجاب کا بک اسٹال بھی لگے گا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہاں آپ سے شرف ملاقات کروں گا۔

ملاقات کا متمنی آپ کا بھائی **مائل خیرآبادی**

بیماریوں کا سرکل چل پڑا تھا۔ یعنی تھوڑے سے دن ٹھیک رہتے تھے۔ پھر کوئی نئی اُلجھن پیدا ہو جاتی تھی یعنی اپنی زندگی میں میں نے ان کا بڑھاپا ہی دیکھا ہے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا، میں نے ان کے بال سفید ہی دیکھے ہیں اور بیماری ہی دیکھی ہے۔

قوتِ برداشت اتنی تھی کہ میں نے ان کے منہ سے آہ بہت کم سنی۔ خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو اس کا اظہار وہ زبان پہ نہیں آنے دیتے تھے۔ ابھی جب بھٹو صاحب کا مسئلہ تھا، میں یہاں آیا ہوا تھا، کراچی سے، کیونکہ میں کراچی رہتا ہوں تو بہت زیادہ، میں بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس تو بہت زیادہ تکلیف تھی، اتنی تکلیف تھی کہ برداشت سے باہر تھی۔ امی پاس بیٹھی ہوئی تھیں تو مجھے محسوس ہوا کہ بہت زیادہ تکلیف ہے، لیٹے ہوئے تھے آہ نہیں نکلی بس منہ سے یہ لفظ نکلے، "یا مولا مجھ پر رحم فرما"

جس زمانے میں اپریشن کروانے گئے ہیں۔ گردے کا اپریشن ہوا ہے۔ پتھری کا تو اس زمانے میں بے تحاشا تکلیف تھی۔ ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ ان کو جو تکلیف ہے۔ اگر وہ تکلیف کسی اور مریض کو ہوتی تو اس کی ایک چیخ آسمان ہوتی اور ایک چیخ زمین ہوتی۔ اباجان وہ پتھری لائے تھے اتنی بڑی پتھری تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتنی شدید تکلیف ہوگی۔ وہ تو پھر گردہ ہی نکال دیا تھا۔ اس گردے میں نقص تھا۔ اس میں بار بار پتھری بنتی تھی کتنی دفعہ اپریشن ہوا، پتھری نکال دی جاتی۔ پھر پتھری بن جاتی تھی۔

ان کے لئے کوئی ایک ڈاکٹر مخصوص نہیں رہا۔ ان کے ڈاکٹر بدلتے رہے ہیں۔ پہلے ہارٹ اٹیک کے بعد ان کے ڈاکٹر عالمگیر تھے۔ وہ کافی عرصے تک ان کا علاج کرتے رہے بعد میں یہ ہوا کہ ایک دفعہ انھیں غلط دوائی مل گئی۔ اس کی وجہ سے ایک گردہ جو رہ گیا تھا وہ بھی فیل ہو گیا۔ اس نے ہماری جان نکال دی تھی۔ ہوا یوں کہ اباجان کو پتہ تھا کہ اس دوائی سے ری ایکشن ہوتا ہے، لیکن جنرل اسکیم کے تحت اس میں اس دوائی کا کام بدل دیا گیا تھا تو وہ دوائی اباجان نے کھالی اور بعد میں جب انھوں نے اس کا لٹریچر پڑھا۔ اباجان کی عادت تھی کہ جو دوائی کھاتے تھے تو اس کا پہلے لٹریچر ضرور پڑھتے تھے بغیر لٹریچر کے وہ دوائی کھاتے نہیں تھے۔ لیکن اس دفعہ جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، وہ اس دوائی کی ایک دو خوراکیں لے چکے تھے کہ انھوں نے لٹریچر پڑھا تو انھیں پتہ چلا کہ یہ تو وہ دوائی ہے جس سے مجھے ری ایکشن ہوتا ہے۔ ●●

مٹھائی کا کارخانہ -/2 مسلم کی آپ بیتی . . . -/2

طویلے کی بلا -/1 تاناونے قتل کے بعد . . -/1

کہانیاں

ایک انسان دو کردار 50/-

دو انسان ایک کردار . . . . . . -/2

جنتی بچہ 25/- دودھ کا پوت 70/- دانا حکیم 1/60

دانا حکیم کی دانا بیٹی 60/- بھولے بھیا 50/-

بہت خوب 70/- زبان کا زخم -/1 مہمان بچہ 60/-

امرود بادشاہ 70/- مزدور یا فرشتے 50/-

میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی . . 60/-

دلی کا سایہ 50/- مہمان ریچھ 60/-

تربیتی کہانیاں

تربیتی کہانیاں اول 50/-

دوم 50/- سوم . . . 50/-

چہارم 50/-

اسلامی تہذیب اور آداب . . . . -/1

اب تک یاد ہے 2/25

نظمیں

گڑیا کا وعظ . . . . -/1

گڈو کے گیت 40/-

گڑیا کی نظمیں 60/-

گڈو کی گڑیا 40/-

گڈو کے ننھے اول 50/-

گڈو کے ننھے دوم 50/

اچھی نظمیں اول 50/-

اچھی نظمیں دوم 50/-

بے وقوف کی تلاش 70/-

منظوم کہانیاں . . . . . . -/?

فقہ

نماز کیسے پڑھیں (ہندی) . . . 2/50

اسلامی شریعت (ہندی) . . . . ?/50

الو ملو اور ہم (اردو) . . . . ?/50

دیگر

ہندوستانی عورت 1/50

خواتین کے دلوں کی باتیں . . . 2/50

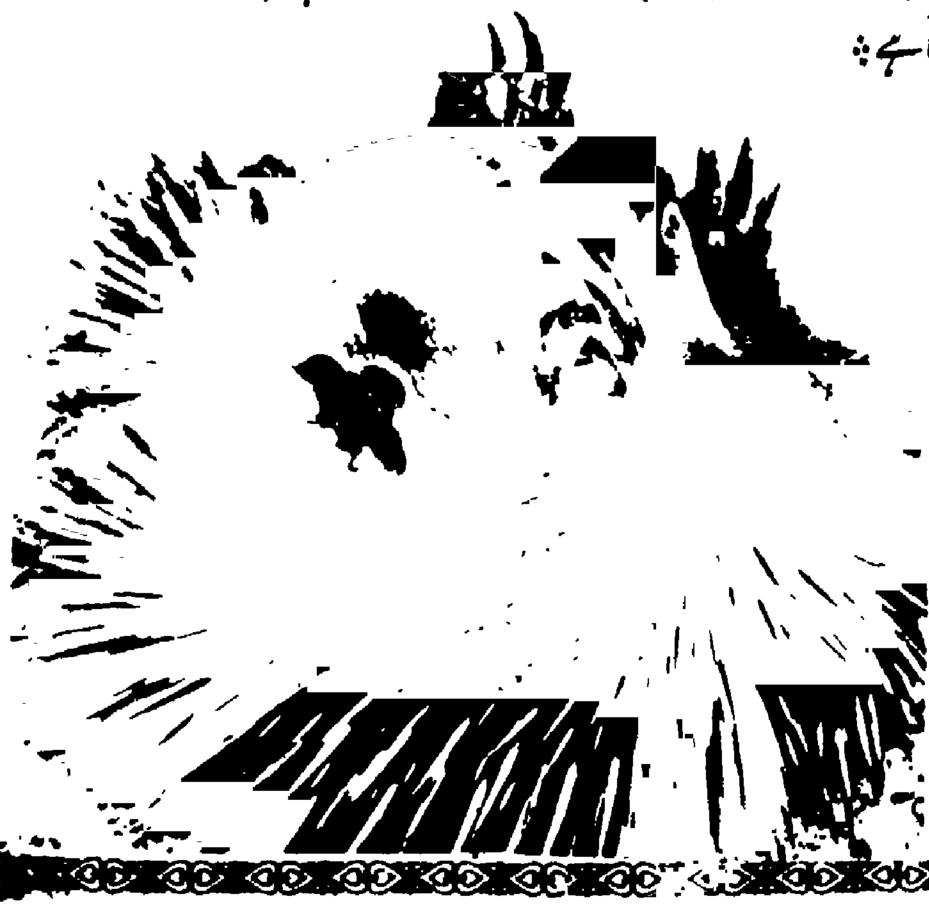
خانہ آبادی 50/-

قرآن میں عورت کی حیثیت . . . . -/?

اسلامی نظام میں عورت کا مقام . . . -/5

نہ بند ہوتا ہے۔ اس منہ کو آپ قدرتی چھید کہہ سکتے ہیں۔ اس چھید سے اپنی لمبی زبان نکال کر اپنی خوراک جمع کرتا رہتا ہے۔ ایسا کیڑا زمین کھودنے میں کافی ماہر ہوتا ہے۔ بھاری پنجوں والا چھوٹی چھوٹی ٹانگوں کی مدد سے یہ زمین کھود کر اپنا چارہ نکالتا ہے۔ یا خطرے کی صورت میں چھپ جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی دشمن اسے شکار کرنا چاہے تو یہ پلک جھپکتے ہی زمین کھود کر اندر دھنس جاتا ہے اور اپنے اوپر مٹی چھڑک لیتا ہے تاکہ اس کا دشمن اسے دیکھ نہ سکے۔ اگر کسی ایسی جگہ پر اسے خطرہ محسوس ہو جہاں زمین اتنی سخت ہو کہ یہ اسے نہ کھود سکے تو یہ گیند کی طرح گول مٹول شکل اختیار کر لیتا ہے اور شکاری جانور دھوکہ کھا جاتا ہے۔

یہ چھوٹا سا چوپایہ حیرت انگیز حد تک مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے۔ خوراک کی تلاش میں یہ بڑی بڑی چٹانوں کو اپنے پنجوں سے الٹ دیتا ہے یا اپنے پنجوں اور پیٹھ کی مدد سے زور لگا کر ہٹا دیتا ہے۔



کیڑے کھانے والا طاقتور چوپایہ!

ساہی

"ایکڈنہ" (ساہی) کا انگریزی نام ہے۔ یہ جانور فٹ بال سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ پر کانٹے ہوتے ہیں۔ اس کی ناک بالکل پانی کے نل جیسی ہوتی ہے۔ آسٹریلیا میں تسمانیہ اور نیوگنی میں یہ جانور پایا جاتا ہے۔ دودھ پلانے والا یہ عجیب و غریب جانور چیونٹی۔ دیمک اور دوسرے کیڑے کھاتا ہے۔ یہ واحد دودھ پلانے والا چوپایہ ہے جو انڈے دیتا ہے۔



جب انڈے دینے کا موسم آتا ہے تو مادہ کے شکم پر ایک تھیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ہی انڈہ یتی ہے اور اُسے اس تھیلی میں رکھ کر ھومتی ہے۔ جب انڈے سے بچہ نکل تا ہے تو وہ تھیلی کے اندر ہی رہتا ہے اور اس میں سے منہ نکال کر اپنی ں کا دودھ پیتا رہتا ہے۔ جب تک ں کے جسم پر کانٹے دار پر نکلنا شروع یں ہوتا۔ اس وقت تک وہ تھیلی کے اندر ہی رہتا ہے۔ اس کی ناک ہی اس کے منہ کا کام کرتی ہے۔ ناک کے سرے پر دو نتھنے ہوتے ہیں اور ایک چھوٹا سا منہ ہوتا ہے جو نہ کھلتا ہے۔

• مصطفےٰ مومن ___ عابدہ راشد لکھنؤ

جل جائے گی ساری کھیتی ندی کی
آگ لگی پانی کے اندر چاروں اور

• راہی قریشی ___ شمیم جہاں۔ کانپور۔

آنگنوں میں جو دیے تھے روشن
جل گئے اُن سے مکاں بستی میں

• افتخار احمد ___ نجمہ بی۔ مراد آباد

روشنی احتجاج کرتی ہے
شہر میں کس قدر اندھیرا ہے

• ڈاکٹر نریش ___ اقبال النساء بھانہ

لوگ تو مصلحت سے روتے تھے
تم نے دامن بھگو لیا ہوگا

• اظہر عنایتی ___ منظر سلطانہ رامپور

ایک چیخ بھی اُبھری نہیں خاموش فضا میں
شاید کوئی جلتے ہوئے خیموں میں نہیں تھا

• شہلا نگار شمسی ___ ریحانہ پروین مرادآباد

چھپ کر بھی ہم دعا کوئی مانگیں تو کس طرح
اُٹھیں دعا کو ہاتھ تو بجتی ہیں چوڑیاں

• رونق زیدی ___ نصرت شاہین۔ بریلی

میری پلکوں پر چمکتے تھے جو تاروں کی طرح
وہ اُجالے بھی مری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے

• رئیس رامپوری ___ سلمیٰ صنم۔ بمبئی

یہ نئے نئے سے رہبر اگر آئے ذکر ان کا
تو مورخ تباہی انھیں عمر بھر دعا دے

• ساغر اعظمی ___ باقرہ۔ دہلی

جس سے ہو روح کی دنیا میں اُجالا ساغر
کاش ایسا بھی کسی صبح کو سورج نکلے

• عروج زیدی ___ سلیم جہاں۔ نینی تال

نکتہ چینی، عیب جوئی کا گلہ بیکار ہے
آپ سے کس نے کہا تھا، ذہن نیا دیکھیے

• قلب سرشار ___ شرف النساء اُناؤ

ہو اسکے ساتھ بگولوں کی طرح مت اُڑنا
بڑھا کے وزن دوغلوں کی صف سے نکل

• رشید عبدالسمیع جلیل ___ نعیمہ۔ دہلی

ورق ورق کو ہوا لے اُڑی کہاں سے کہاں
کسے ہے یاد کہ کل تک مری کتاب کے تھے

• خالد محمود ___ آبادیوں کو روکنا ممکن نہ ہو سکا ___ رخسانہ۔ بستی
سب جھوٹ بولتے ہیں کہ قلت لہو کی تھی

اپنی اپنی پسند کے اشعار

حجاب پڑھنے والی بہنوں کے لیے ان کے ادبی ذوق کی تسکین کی خاطر پسندیدہ اشعار کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ آپ بھی اپنی پسند کے اشعار بھیجیں۔ شعر کے ساتھ شاعر کا نام بھی لکھیں۔ آپ کی پسند آپ کے ذوق کی آئینہ دار ہوگی۔ اس کالم کے لیے الگ ہی پوسٹ کارڈ استعمال کریں۔ ادارہ

فاروق شفق ______

اب جھکتے بڑھاپے میں پاؤں رکھتے ہیں
ہمارے عہد میں بچے جواں نہیں ہوتے

______ شاہدہ ۔ علی گڑھ

اختر نظمی ______

کوئی جیسے دریا پہ پیاسا نہیں
کتابیں تو ہیں پڑھنے والا نہیں

______ رشیدہ ۔ بجنور۔

اسلم آزاد ______ ماجدہ ۔ مراد آباد

تو اں دروازے، بوڑھی کھڑکیاں چلا اٹھیں
ریشمی پردوں نے ایک اک گھر کو ننگا کر دیا

● وقار واثقی ______

خشک پتے ہیں کھڑکھڑانے دو
کچھ بھی ہونا نہیں ہے، سو جاؤ

______ ندرت جہاں ۔ مالیگاؤں

● بال کرشن بے تاب ______

صاف رکھ اپنے دل کا آئینہ
مل ہی جائے گا قدرداں کوئی

______ جمیلہ ۔ بمبئی

● شہپر رسول ______ احمدی بیگم کلکتہ

میں اس سے مانگ لوں ساری رفاقتیں اپنی
کہ اس غریب کا ایسا بھی امتحان نہ لوں!

سپاہی دشمن کے مقابلے سے بھاگ کھڑا ہوگا تو اس کے سارے اعمال غارت ہو جائیں گے۔ اور جو مجاہد دشمن کے مقابلے میں اڑا رہے اور اور نہایت صبر کے ساتھ قتال کرے گا تو وہ شہید ہونے پر جنتی ہوگا اور اگر زندہ رہا تو اللہ کا سپاہی کہلائے گا۔ یہ سب سے بڑا انعام ہے کہ صبر کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ احادیث نبویؐ بھی صبر کی تائید میں اس طرح خوش خبری سناتی ہے کہ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّتَصَبَّرْ یُصَبِّرْہُ وَمَا اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَاءً خَیْرًا وَّ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ اس کو صبر دے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔"

یعنی جو شخص آزمائش میں پڑنے پر صبر کرتا ہے تو اس وقت تک صبر نہیں کر سکتا جب تک کہ خدا پر اس کو اعتماد اور یقین نہ ہو۔ پھر وہ شخص ہرگز صبر نہیں کر سکتا جس کے اندر صبر کی صفت نہ پائی جاتی ہو۔ اس طرح غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ صبر کی صفت اپنے ساتھ کتنی خوبیوں کو سمیٹتی ہے۔

ہم نے نبیوں کے حالات میں پڑھا ہے کہ اللہ کے تمام رسول ہمیشہ صابر و شاکر ہی رہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کو صبر کے سلسلے میں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اور صبر ایوبؑ مسلمانوں کے معاشرے میں مثال کے طور پر استعمال ہونے لگا۔

آخر میں میں تمام بہنوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی طرف ضرور توجہ دلاؤں گی آپؐ نے فرمایا اگر انسان میں صبر نہیں ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوبی کے ساتھ نہیں کر سکتا وہ وقت پر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ حج کی سعادت اسے نصیب نہیں ہو سکے گی۔ زکوٰۃ وہ نہیں دے سکے گا۔ اور آخری بات یہ ہے کہ وہ جہاد سے بھی محروم رہے گا۔ بے صبر انسان کے لیے اس سے زیادہ وعید اور کیا ہو سکتی ہے۔ میں اپنی تمام بہنوں سے کہتی ہوں کہ وہ اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کریں اور اپنے اور میرے لیے اللہ سے صبر کی دعا کریں ●●

صبر و استقامت

(فاطمہ زہرا رامپور)

میں نے صبر کے ساتھ استقامت کا لفظ قصداً لیا ہے تاکہ جو میں آگے لکھنا چاہتی ہوں اس کا پورا پورا حق ادا ہو سکے۔

مومن کے ایمان کو کمال تک پہنچانے کے لیے جن صفات کو اہمیت دی گئی ہے ان ہی میں سے صبر بھی ہے۔

اردو میں عام طور سے صبر مجبوری کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ یہ فقرہ بہت مشہور ہو گیا ہے کہ مجبوری کا نام صبر ہے۔ نیز ایک کمزور آدمی زبردست آدمی سے بدلہ نہیں لے پاتا تو کہہ دیتا ہے کہ بھئی صبر کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ یا صبر نہ کریں تو کیا کریں۔ وغیرہ۔ لیکن لفظ "صبر" عربی لفظ ہے۔ عربی میں صبر کے معنی اپنے موقف پر مضبوطی سے جمے رہنا اپنی سچی بات پر قائم رہنا دشمن کے مقابلے میں اڑے رہنا وغیرہ ہیں۔ اس صبر کی تعریف قرآن میں جگہ جگہ آتی ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ایک جگہ تو قرآن میں صبر کا لفظ نماز سے پہلے آیا ہے۔ فرمایا۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ اے مسلمانو! مدد مانگو صبر سے اور نماز سے۔ اور سورۂ عصر میں مومن کی سب سے انتہائی اور آخری تعلیم ہے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہو۔

نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ اور قائدین لشکر اسلام جب دشمن کے مقابل صف آرا ہوئے تھے تو سب سے زیادہ مجاہدین اسلام کو صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور اللہ کا یہ حکم سنایا کرتے تھے کہ جو

بھی کم ہو جاتی ہے۔ جس سے جوڑوں کا درد شروع ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹروں کے مشورے پر مناسب مقدار میں ایسے ہارمون کا استعمال جوڑوں کے درد سے چھٹکارہ دلا سکتا ہے۔ ایسے انجکشن اور گولیاں بازار میں مل جاتی ہے لیکن ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر (یعنی کس ہارمون کی کمی ہے) کوئی بھی دوا لینا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے

بہت زیادہ تھکان، کسی طرح کی چوٹ یا ضرب لگنے سے بھی جوڑوں کا درد شروع ہوجاتا ہے۔ لگاتار نمی کی جگہ رہنے سے بھی اور خاص طور سے ایسی جگہ جہاں دھوپ بالکل نہیں آتی۔ جوڑوں میں سوجن آجاتی ہے۔ اس طرح کے جوڑوں کے درد کی علامت یہ یہ ہوسکتی ہے کہ کسی ایک جوڑ میں درد شروع ہوجائے اور وہ اکڑ جائیں۔ بیماری کا حملہ ہونے کے ایک ماہ بعد دوسرے جوڑوں پر بھی اس کا اثر ہوسکتا ہے۔ اس طرح کا درد انگلیوں کلائیوں اور گھٹنوں وغیرہ پر زیادہ ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگ کمر کی ہڈیوں اور کولھے کے بیٹھنے کے درد میں مبتلا ہوجاتے ہیں انگلیوں میں سوجن آجاتی ہے اور وہ کام نہیں کرپاتیں جوڑوں کے عام درد میں پیروں کی انگلیوں میں سوجن نہیں آتی۔ لیکن گٹھیا (Rheu[illegible] والے درد میں عام طور پر سب سے پہلے پیروں کی انگلیاں ہی متاثر ہوتی ہیں۔ کبھی بار کہنیوں کلائیوں اور ٹخنوں پر جوڑوں کے درد کا حملہ ہوتا ہے اور سوجن آجاتی ہے۔ مرض کے مطابق سوجن میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جوڑوں کا درد اگر کئی بار حملہ کرے تو وہ مہینوں بلکہ برسوں جاری رہتا ہے۔ اگر حملہ ہو تو دواؤں کے استعمال کے باوجود بھی مریض بستر سے بھی نہیں اٹھ سکتا۔ بوڑھوں پر جوان لوگوں کے مقابلے اس بیماری کا حملہ آسانی سے ہوسکتا لیکن وہ نوجوان جو کم عمر میں ہی بھاری بھرکم ہوجاتے ہیں انھیں بھی جوڑوں کا درد گھیر لیتا ہے عموماً ۵۰ سال سے ۶۰ سال کی عمر میں ہی لوگوں کو جوڑوں کا درد شروع ہوتا ہے لیکن جوڑوں کے درد کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو نوجوانوں کے ساتھ بچوں [illegible] کی

جوڑوں کا درد

(ماخوذ)

ہندوستان میں لاکھوں افراد مختلف قسم کے جوڑوں کے درد میں مبتلا ہیں۔ جوڑوں کے درد میں اتنی زیادہ تکلیف ہوتی ہے کہ مریض کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس بیماری میں جسے انگریزی میں آتھرائیٹس کہتے ہیں۔ ہر عمر کے لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں۔

کسی طرح کی چھوت کی وجہ سے موٹاپے اور بڑھاپے کی وجہ سے۔ نیز جوڑوں کے رگ پٹھوں کے کسی طرح سے مڑ جانے کی وجہ سے جوڑوں کا درد ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی چوٹ لگ جانے کی وجہ سے بھی جوڑوں میں درد شروع ہو سکتا ہے۔ غلط قسم کے کھانوں اور دواؤں کے ردِ عمل پر بھی یہ بیماری اُبھر آتی ہے۔ کئی بار ایسے مریض بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کے جوڑوں میں رسولی پیدا ہو جاتی ہے جس سے جوڑوں کی آس پاس کی رگوں میں سوجن آجاتی ہے۔

آج سے کچھ سال پہلے تپ دق (Tubercolosis) معیادی بخار (Typhoid) جیسی بیماریوں کے نتیجہ میں جوڑوں کا درد ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب اچھی دواؤں کی وجہ سے ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کئی بار Pencilin کے استعمال کی وجہ سے بھی جوڑوں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن معمولی دواؤں کے استعمال سے یہ بیماری دور ہو جاتی ہے۔

عورتوں کے جوڑوں کا درد۔ ان کی سیکس گلینٹوں کے ٹھیک طرح سے کام نہ کرنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ جن عورتوں میں ماہواری ختم ہو جانے کا دور آجاتا ہے ان کے جسم میں سیکس ہارمون (SEX HARMONE) کی ... اور

سے ہوتی رہتی ہے۔ اور جوڑ نہ تو کمزور پڑتے ہیں اور نہ ہی مڑتے ہیں۔ جوڑوں کو گرم پانی کے دھانے سے بھی آرام ملتا ہے۔

ہڈیوں کے فوائد:۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہمارے جسم کا اہم حصہ ہے۔ جس پر سارا جسم سدھا ہوا ہے ہڈیاں ہی آدمی کے بدن کی Muscles۔ کو ان کی جگہ پہ بنائے رکھتی ہیں۔ اگر بدن سے ہڈیاں نکال دی جائیں تو آدمی گوشت کے لوتھڑے کی طرح لڑھکتا پھرے۔ نہ وہ بیٹھ سکے اور نہ ہی کام کر سکے۔ ہڈیاں ہی انسان کو ایک مضبوط جسم کی شکل دیتی ہیں۔ ساتھ ہڈیوں کے حصے میں ہمارے دماغ، دل، پھیپھڑے وغیرہ نازک اعضاء محفوظ ہیں۔ ہڈیوں کے جوڑوں کی وجہ سے ہی ہمارے ہاتھ، پیر، کمر، گردن اور کلائی وانگلیاں مڑنے کے قابل ہیں اور انھیں ہڈیوں کے ہونے کی وجہ سے ہی ہم چلتے پھرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے بدن کے لیے ہڈیاں کتنا اہم حصہ ہیں۔ ہمیں ان کی حفاظت کے لیے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس کی بنا پر ان پر کوئی اثر پڑے اور ہم چلنے پھرنے سے معذور ہو جائیں۔ ہمارے جوڑوں میں درد شروع ہو جائے یا سوجن آ جائے۔ (ماخوذ۔ آدھنک ایلوپیتھک گائڈ۔ میگزین I.M.F۔ ڈاکٹر ناظمہ رشید کا مضمون)

غزل .... ناز عتیق کانپوری

دے کے فریبِ زر مجھے میری متاعِ غم نہ چھین
فیضِ قلندری سے ہے میری حیات پر نکھار

میں نے اٹھائیں کلفتیں بہائیں نہ مجھ کو راحتیں
چھاؤں سے کیا غرض مجھے میرا جہاں ہے ریگزار

مل گیا حسنِ دل نگر کھل گئے رحمتوں کے در
آیا تیری جناب میں بندہ تیرا جو شرمسار

ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جوڑوں کے درد کے دوران جوڑوں کے درد کے دوران جوڑوں کے اندر موجود ہڈیوں کے اندر کا گودا گھل کر ختم ہو جاتا ہے۔ انگلیوں میں عموماً آخری ہڈی کے جوڑ پر حملے کی وجہ سے سوجن بڑھتی جاتی ہے اور کئی بار اگر وقت پر علاج نہ کیا جائے تو تکلیف کی وجہ سے انگلیاں سڑ بھی جاتی ہیں۔

جوڑوں کے درد کے لیے بہت سی دوائیں اور طریقۂ علاج دریافت ہو گئے ہیں "کالی سون" نامی دوا بہت زود اثر ثابت ہوئی ہے۔ اس دوا کی مدد سے معذور افراد بھی اب سرگرم زندگی گذارنے لگے ہیں۔ لیکن اس دوا کا ضرورت سے زیادہ استعمال خطرے سے خالی نہیں۔ حاملہ عورتیں (Pregnant women) کو اگر جوڑوں کے درد کی شکایت ہو جائے تو مناسب مقدار میں دی گئی یہ دوا اسے ٹھیک کر سکتی ہے۔ (از ڈاکٹر ناظمہ رشید) لیکن ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر کوئی بھی دوا نہیں کھانی چاہیئے۔

جوڑوں کے درد کے مریض کو کچھ نہ کچھ کام یا ورزش بھی ضرور کرنی چاہیئے۔ خاص طور سے دوپہر کو کھانے کے بعد ایک یا دو گھنٹے کا آرام بہت ضروری ہے۔ مریضوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے کھانے پینے کی طرف بھی خاص توجہ دیں۔ ان کے لیے متوازن غذا بہت ضروری ہے۔ جس میں وٹامن اور پروٹین کی مقدار کافی ہونا چاہیئے نیز تازہ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال بھی ہو۔

اب ایسے انجکشن بنائے جا چکے ہیں جن سے جوڑوں کے درد میں آرام ملتا ہے لیکن ہندوستان میں اس قسم کے انجکشن ابھی زیادہ مقبول نہیں ہوئے ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ان کا استعمال ابھی تجربے کے طور پر ہی کیا جا رہا ہے۔ کئی بار جوڑوں کا درد اتنی بھیانک صورت اختیار کر لیتا ہے کہ مریض کو باہر سے خون دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

جوڑوں کے درد کے سلسلے میں مالش ورزش نیز بجلی کے جھٹکے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سے جوڑوں میں خون (Blood) کی گردش (circulation) ٹھیک طرح

شمیم اختر

مغربی ممالک میں عورتوں کی آزادی

مغربی ممالک میں عورتوں کی آزادی کی تحریکیں وقتاً فوقتاً نہ صرف عوام بلکہ حکومت کو بھی متاثر کرتی رہی ہیں۔ لیکن مغرب کے شوہر اکثر اپنی بیویوں کی "انجمن خواتین" اور ان کے اتحاد و تنظیم کا مذاق ہی اڑاتے رہتے ہیں۔ عورتوں کی آزادی کی تحریک کی طرف سے مغربی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں آئے دن مظاہرے ہوتے رہتے ہیں، اور شہری، صوبائی یا مرکزی انتظامیہ کو ان کے مطالبات سننے پڑتے ہیں اور ان کو کسی حد تک تسلیم بھی کر لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات تو عورتوں کی آزادی کی تحریک نے اس قدر زور پکڑا ہے کہ متعلقہ انتظامیہ کو مسلح جوابی کارروائی بھی کرنا پڑی ہے۔ لندن اور مانچسٹر میں خواتین کی آزادی کی جماعتیں آج بھی انتہائی زور و شور سے اپنا کام انجام دے رہی ہیں۔

اسی طرح پیرس، واشنگٹن، نیویارک، شکاگو، میڈرڈ اور لزبن جیسے بین الاقوامی شہرت یافتہ شہروں میں "آزاد خواتین"، "حقوقِ خواتین" "خواتین کی آواز" "عورتوں کی فریاد" جیسی بہت سی انجمنیں اور مجلسیں قائم ہیں جو عورتوں کی آزادی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے جب عورتوں کی آزادی کی تحریک اپنے عروج پر پہنچ گئی تو مرد پریشان ہو اٹھے اور انہوں نے ان انجمنوں کو ناکام بنانے کیلئے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے، لیکن انجام کار شوہروں کی ملی بھگت اور جوابی کارروائی بے اثر ہی ثابت ہوئی۔ رفتہ رفتہ عورتیں مردوں کے برابر ہی حقوق حاصل کرتی گئیں۔ بعض جگہوں پر تو خواتین کو مردوں سے

کم قیمت بالائشین

لُو آکی بایدٹ

"آج کل تو جاڑے ہیں بی بی!" ——— "تو لُوا کھو کیا ہونا چاہیئے؟"

"آج میتھی اور مسور کی دال پکاؤ" ——— "کیسی بنے گی؟"

"بڑی مزے دار!" ——— "لو کیا کیا آئے گا؟"

• آدھا کلو میتھی کا ساگ • آدھی پیالی مسور کی دال دھلی • ایک چمچہ لال مرچ • آدھا چمچہ ہلدی۔
• نمک جیسا کھاؤ • پیاز دو عدد درمیانی سائز • لہسن ایک گانٹھ اوسط • ادرک ایک گانٹھ اوسط

"لُوا! یہ سب کیسے پکے گا؟"

• اس طرح۔ ساگ کو دھوکر پتیاں توڑ لیں۔ دال کو صاف کرکے دھولیں۔ اب ایک دیگچی میں پیاز کے لچھے ڈال دیں۔ اور اس میں گھی ڈال کر آنچ پر رکھ دیں۔ پیاز بادامی ہو جائے تو اس میں مرچیں، ہلدی، نمک، ادرک، لہسن اور پاؤ پیالی پانی ڈال کر مسالے کو بھون لیں۔ پانی خشک ہو جائے تو دال اور ساگ بھی ملا دیں۔ پانچ منٹ تک بھوننے کے بعد ایک پیالی پانی ڈال دیں اور دیگچی ڈھانپ دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو آنچ سے اُتار لیں۔ مسور کی دال کا سالن تیار ہے۔

براہ کرم ——، اسی طرح کے کم قیمت بالائشین کھانے کے نسخے بھیجئے۔ (مدیر)

اس لئے وہ دفتروں میں کام کرنے کی بجائے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالیں، ورنہ بے چارے شوہروں کی زندگی گھر اور باہر ہر طرف عذابِ جان بن جائے گی۔

ایک اور دن ہیری نے لوگوں کو بتایا: "میری بیوی سکریٹری کے طور پر ملازم ہے، وہ تمام دن ٹائپ کر کے تھکی ہاری گھر واپس آتی ہے تو اس کے اوندھے سیدھے ناز نخرے، میں تو کیا بے چارے معصوم بچے بھی برداشت کرتے ہیں کھانا پکانا تو دور کی بات ہے وہ تو بس ٹی وی کھول کر آرام سے بیٹھ جاتی ہے، جیسے وہ شوہر ہو اور میں اس کی بیوی۔ کیا اُلٹا زمانہ ہے۔"

ہیری ہفتے میں دو بار صبح کو چھ بجے گورنر مشن پہنچ جاتا ہے۔ اس کے پاس اس وقت تمام فائلیں، کاغذات اور سائیکلو اسٹائل کئے ہوئے پمفلٹ ہوتے ہیں جن کا عنوان "شوہروں کی آزادی کے خبر نامے" اور مرد کی آزادی خطرے میں ہے۔ وہ ان کتابچوں کو فی کاپی دو روپے کے حساب سے فروخت کرتا ہے پچیس تیس کاپیاں فروخت کرنے کے بعد وہ وائٹ ہاؤس کے پاس اس وسیع گوشے میں جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جہاں وائٹ ہاؤس سے ملاقاتی اور سیاح باہر نکلتے رہتے ہیں، وہ ان سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا رہتا ہے۔

ہیری طوفان یا بارش کے دوران احتیاطاً اپنا مظاہرہ جاری نہیں رکھتا۔ کیونکہ اُسے اس بات کا اندیشہ رہتا کہ اس کی کاوشیں جو دستخطوں کی شکل میں اس کے پاس نادر نمونوں کے طور پر موجود ہیں خراب ہو جائیں گی اور اس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔

ہیری ایک کامیاب صنعتی انجینیر رہ چکا ہے لیکن اب وہ صرف کتابچے فروخت کر کے گزر اوقات کر رہا ہے۔ سیاح اور آنے جانے والے ہمدرد اس کو کتابچوں کی قیمت کے علاوہ کچھ نہ کچھ عطیہ بھی دے جاتے ہیں جو اس کی گذر بسر کے لئے کافی ہوتا ہے۔

پہلے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ ہیری محض ڈھونگ رچا رہا ہے۔ لیکن ہر معاملے اور ہر موقع پر اس کو سنجیدہ اور ڈٹا ہوا پایا گیا تو

بھی زیادہ حقوق مل گئے۔ جب خواتین اس طرح کامیاب ہوگئیں تو شوہروں کو مزید گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے اس کا کوئی علاج تلاش کرنا چاہا لیکن بے چاروں کی کوئی دوا یا دُعا اثر نہ دکھا سکی۔

بے بسی کی اسی فضا میں ایک دن واشنگٹن کے ایک "غیرت مند اور ستم رسیدہ" شوہر ہیری برٹن نے خواتین کی آزادی کی تحریک کے خلاف کُھلم کُھلا آواز اُٹھائی۔ اب ہیری احتجاج کے طور پر "خانہ بدر" ہوگیا ہے اور واشنگٹن کی پُرشکوہ شاہراہوں پر بڑے بڑے بورڈ ہاتھوں میں لئے پھرتا ہے۔ چھیالیس سالہ ہیری گھر سے دُور گوسپل مشن میں دس روپے یومیہ اُجرت پر کام کر رہا ہے۔ اُسے اُمید ہے کہ وہ ایک دن اپنے مطالبات منوانے کے بعد اپنے بیوی بچوں سے پھر جا ملے گا لیکن پچھلے چودہ مہینوں سے اس کی اُمید بر نہیں آئی ہے۔ ہیری نے ایک دن مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا:

"میں نے اپنی بیوی سے بارہا کہا کہ وہ صرف تین سال تک سروس کرے اور پھر ملازمت سے سُبک دوش ہوجائے لیکن اُس نے ایک نہ مانی اور ایک دن وہ آیا کہ اُس نے میرا بوریا بستر باندھ کر باہر رکھ دیا اور غصہ میں بولی کہ باہر نکل کر پتنگ اُڑاؤ۔

مجمع پتنگ والی بات سُن کر قہقہے لگائے بغیر نہ رہ سکا۔ ہیری نے اپنا بیان جاری رکھا:
میں نے گھر کو خیرباد کہا اور طے کر لیا کہ اس وقت تک گھر واپس نہیں جاؤں گا جب تک میری بیوی نوکری نہ چھوڑ دے اور شوہر کی اطاعت قبول نہ کرے۔ آپ بھی میری تقلید کیجئے اور اپنی بیویوں کو اپنا محکوم بنائیے نہ کہ حاکم، ورنہ ہم شوہروں کا جینا اجیرن ہوجائیگا ہمیں گھر کا کھانا خود بنانا پڑے گا۔ برتن خود مانجھنے پڑیں گے اور یہاں تک کہ بچّوں کی پرورش بھی خود کرنا پڑے گی۔"

ہیری اب تک ہزاروں حامی اشخاص کے دستخط اپنے حق میں حاصل کر چکا ہے۔ یہ دستخط اس نے اس محضر پر کرائے ہیں جس میں عورتوں کی بڑھتی ہوئی حکم عدولی اور آزادی پر احتجاج کیا گیا ہے اور اُن سے واضح الفاظ میں اپیل کی گئی ہے کہ وہ گھر کے کام کاج میں ہی اچھی لگتی ہیں۔

ہیری کے مظاہرے اتنے کامیاب ہوئے ہیں کہ بہت سے ممتاز شہریوں کی طرف سے اس کو مکمل حمایت کا یقین دلایا جانے لگا ہے۔ ہیری کہتا ہے کہ "میری بیوی کام کیوں کرتی ہے؟ اس لئے تاکہ زیادہ سے زیادہ ڈالر آئیں، جن کے بوتے پر زیادہ فیشن ہو۔ زیادہ اچھے کپڑے زیب تن کئے جائیں، بہت سی آرائش و آسائش ہو۔ میں جانتا ہوں کہ اگر یہی اس کی آرزو ہے تو یہ زیادہ بے جا بھی نہیں، لیکن وہ مجھ سے کہہ کر تو دیکھے سخت محنت کر کے میں سب کچھ لا کر دوں گا۔ میری اپنی بھی دیرینہ خواہش ہے کہ گھر میں دنیا بھر کا عیش کا سامان ہو، موٹر کاریں ہوں، نوکر چاکر ہوں، اور صندوقوں میں ڈالر بھرے ہوئے ہوں۔"

ہیری کے قریب سے گزرنے والے لوگ اس کے پاس ضرور کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاتے ہیں اور اس کی بات سنے بغیر کوئی آگے نہیں بڑھتا۔ کچھ لوگ اس کے محضر پر دستخط کر جاتے ہیں۔ ہیری کا دعویٰ ہے کہ اُس نے بہت سے دانشوروں کے دستخط حاصل کر لئے ہیں۔ اب تک مجموعی طور پر وہ ایک ہزار دو سو دستخط اپنے حق میں کرا چکا ہے۔ دستخطوں کی اس فائل کا عنوان اُس نے "شوہروں کی آزادی" رکھا ہے۔ ان دستخطوں میں خاص بات یہ ہے کہ ان میں تین سو دستخط معزز شادی شدہ خواتین کے بھی شامل ہیں۔ باقی دستخط شہر کے اعلیٰ حکام وکلاء، میونسپل کاؤنسلرز اور اساتذہ وغیرہ کے ہیں۔

وائٹ ہاؤس کا رُخ کرنے سے پہلے ہیری کچھ دیر کے لئے اُس بلڈنگ کے آہنی پھاٹک پر بھی رُکتا ہے جس کا نام محکمۂ انصاف ہے۔ وہاں امریکہ کے مانے ہوئے وکلاء اور جج آتے رہتے ہیں۔ ہیری کو خاص طور سے اُس دن کا انتظار ہے جب اٹارنی جنرل جان مائیکل اس کو چرچل کی طرح اُنگلیوں سے انگریزی حرف وی (V) دکھا کر فتح کا نشان عطا کر دیں گے یعنی جب وہ ہیری کی جدوجہد کا اثر قبول کر کے شوہروں کی آزادی کو تسلیم کر لیں گے اور بیویوں کی آزادی کو قانوناً محدود کر دیں گے، لیکن ہیری کا یہ بھی خیال ہے کہ اس حد تک کامیابی

سب کو کامل یقین ہو گیا کہ حقیقتاً ہیری شوہروں کی دُرگت اور حالتِ زار کو سمجھ چکا ہے اور اسی وجہ سے عملی طور پر قدم اُٹھا کر ہزاروں، لاکھوں شوہروں کی مکمل حمایت حاصل کر چکا ہے ہیری کو پختہ یقین ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن سُرخ رُو ہو کر گھر واپس جائے گا اور اپنی بیس سال کی ازدواجی زندگی پھر اپنی شریکِ حیات کے ساتھ گزار سکے گا۔ اُسے اپنی بیوی لیلئن کبھی کبھی بہت زیادہ یاد آتی ہے۔ جب اُسے اپنے بچوں بیس سالہ رابرٹ، اٹھارہ سالہ فلپس اور سولہ سالہ بیٹی ایلن کا خیال آتا ہے تو وہ دیر تک بیٹھا سوچتا رہتا ہے۔ اُسے یہ خیال بھی ستاتا رہتا ہے کہ ان معصوموں نے کیا گناہ کیا ہے، جو جیتے جی اُن کے لئے وہ جُدا کر دیا گیا۔

ایک دن ہیری نے "واشنگٹن پوسٹ" کے نمائندے کے ایک تیکھے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ :

"ہم دونوں میاں بیوی طلاق جیسے ناپاک اقدام پر یقین نہیں رکھتے۔ نظریاتی اختلافات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی بیس سالہ شادی شدہ زندگی کو ختم کر کے علیحدگی اختیار کر لیں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ لیلئن ملازمت کو خیر باد کر کے آرام سے گھر رہے، اور اس وقت وہ مجھے بلائے گی تو میں کسی عذر کے بغیر گھر واپس چلا جاؤں گا۔ خدا کا شکر ہے اب ہم تین کمانے والے ہیں۔ میرے دونوں لڑکے تعلیم کے ساتھ ٹیلی ویژن ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں ٹی، وی کمپنی سے اب بھی ان کو اتنی تنخواہ مل جاتی ہے کہ ان کے تعلیمی اور تفریحی اخراجات بخوبی پورے ہو جاتے ہیں۔ شوہروں کو انتہائی کوشش کرنا چاہئے کہ وہ اپنی بیویوں کو راہِ راست پر لائیں اور گھریلو ذمہ داریاں ان کے سپرد کریں تاکہ وہ "سبھا کی پری" بن کر بدنامی کا باعث نہ بنیں۔ عورتوں کا ٹھکانا ان کا گھر ہے دفاتر نہیں۔ ان کا فرض ہے کہ گھر کو سنبھالیں۔ بچوں کی پرورش صحیح ڈھنگ سے کریں۔ میں تو یہ نہیں چاہتا کہ عورت گھر کی چار دیواری میں ہر وقت قید رہے لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکز گھر ہو۔ دولت یا سماجی رُتبے کا حصول نہیں۔"

سیب



[illegible]

فاسفورس کا قدرتی خزانہ

سیب اپنی غذائیت کے لحاظ سے دنیا کا مشہور پھل ہے۔ بچے، بوڑھے، صحت مند، مریض سب اسے رغبت سے کھاتے ہیں۔ یہ پھل زود ہضم اور بہت سے فوائد کا حامل ہے۔

سیب کی تقریباً چار ہزار اقسام ہیں۔ جو سینکڑوں سال سے حاصل کی جا رہی ہیں۔ ان اقسام کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ پکنے کے بعد خوراک کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ جیم، جیلی، مربے وغیرہ کی شکل میں محفوظ کیا جاتا ہے۔

۳۔ ترکاری کے طور پر پکا کر کھاتے ہیں۔

تازہ سیب میں ۸۴٪ پانی ہوتا ہے، اس میں زیادہ تر شکر اور پروٹین ہوتی ہے۔ سیب میں فاسفورس سارے پھلوں اور سبزیوں سے زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس میں میلک ایسڈ بھی ہوتا ہے اس کے چھلکے میں وٹامن سی کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کوئی مقام جتنا بلند ہو گا۔ سیب کا پھل، رنگ اور حجم کے اعتبار سے اتنا ہی

حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

اپنی تحریک کے دوران ہیری کو بہت سے تلخ تر تجربات سے بھی دوچار ہونا پڑا ہے بہت سی خواتین نے اس کو دھتکارا، ڈرایا اور دھمکایا ہے۔ کچھ بیویوں نے اس کا مونہہ چڑایا اور کچھ نے انگوٹھا دکھایا۔ کچھ نے دور سے اس کو جوتوں کا ہار دکھایا۔ کچھ اس پر قہقہے لگاتی رہیں اور کچھ ہیری کو نیم پاگل قرار دے گئیں۔ ایک دن ایک خاتون نے چپکے سے اس کے کان میں کہا۔ "ہیری ایک بات پوچھوں؟"

"جی ہاں، شوق سے معلوم کیجئے۔"

"کیا تم نے اپنے دماغ کی دھلائی کرائی ہے؟"

یہ سوال سن کر ہیری غصے میں لال پیلا ہوگیا لیکن انتہائی صبر وضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے اس عورت کو کوئی ناگوار جواب نہیں دیا اور چپ چاپ دوسری طرف مونہہ موڑ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کو پورا اعتماد ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اپنی دھن میں ضرور کامیاب ہوجائے گا۔ ہیری کے خیال کے مطابق اگر بیویاں اس گر کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ گھر سے باہر کی د آباد کرکے وہ نہ صرف اپنی زندگی برباد کر ر ہیں بلکہ آنے والی نسلوں، یعنی بچوں کی معص زندگیوں کو بھی نقصان پہنچا رہی ہیں تو یق وہ اسی وقت اپنی فضول اور نام نہاد "آز اور تفریحات کو بالائے طاق رکھ کر، گھ ذمہ داریوں کو سنبھال کر نئی، فرحت بخش خوش حال اور مسرت آگیں زندگی بسر کر گی۔ ہیری کا کہنا ہے کہ یہ مردوں کی آزا کی جنگ نہیں ہے، یہ تو صرف شوہ کی بالادستی اور آزادی کی لڑائی ہے غیر شادی شدہ نوجوان اس زمرے شامل نہیں ہیں۔"

دیکھنا یہ ہے کہ ہیری اپنے مشن کس حد تک کامیاب ہوتا ہے۔ ●

آپ کا خط ملا

آپ نے لکھا ہے کہ حجاب آپ کو بہت ا تو آپ دوسروں کو بھی پڑھوائیں ا حجاب کا خریدار بننے کی ترغیب دیں۔ (

ایک سیب روزہ کھانے سے آپ اپنی صحت کو محفوظ کر سکتے ہیں۔ جسم میں کیلشیم کی مقدار زیادہ نہ بڑھے گی۔ چونا پاخانے کے راستہ جسم سے خارج ہوتا رہے گا۔

سیب صالح خون پیدا کرتا ہے۔ چہرے کی جلد کے لیے اس سے بہتر ٹانک نہیں سیب کے استعمال سے چہرے کا رنگ خوش نما اور جلد ملائم ہو جاتی ہے۔ سیب کی سرخی رخساروں کو بھی سرخ کر دیتی ہے۔

سیب کا مربہ

موٹے اور بے داغ سیب لے کر بیج نکال لیں اور چھیل کر اچھی طرح دھو لیں۔ پھر کانٹے سے گود لیں اور نمکین پانی میں ڈالتے جائیں تاکہ ہوا لگنے سے پھل کا رنگ خراب نہ ہو

ایک سیر چھیلے ہوئے سیب کے لئے ایک سیر چینی میں چار چھٹانک پانی ڈال کر قوام تیار کریں۔ اور اس میں سیب کی قاشیں ڈال کر بیس منٹ پکائیں۔ رات بھر پڑا رہنے دیں اور اگلے روز پھر پکائیں۔ خوب گاڑھا ہو جائے تو اُتار لیں۔ چاندی کے ورق لگا کر حسب خواہش استعمال کریں۔ مقوی قلب اور مقوی دماغ ہے۔

حلوہ

سیب لے کر صاف کر لیں اور ہلکے پانی کا چھینٹا دے کر دم کریں۔ پھر حسب خواہش چینی یا شہد ملا کر پکائیں۔ مغز بادام اور پستہ وغیرہ ڈال کر ورق نقرہ لگا کر نوش فرمائیں۔ دل اور معدے کے تمام امراض کے لیے مفید ہے۔

سکنجبین سیب

میٹھے سیب کا رس آدھ سیر آب لیموں کاغذی ایک پاؤ، عرق بید مشک آدھ پاؤ۔ قند سفید ڈیڑھ سیر سب کو ملا کر شربت کی طرح تیار کریں۔ بعد میں ۳ ماشہ کافور کا اضافہ کریں۔ ۲ تولہ سے چار تولہ تک عرق بادیان یا سادہ پانی میں ملا کر استعمال کریں۔ امراض حارہ گرمی کے امراض میں مفید ہے۔ دل و دماغ کے لیے بھی نفع بخش ہے

سیب کی جیلی:۔ جیلی کے لیے ترش سیب بہتر ہے۔ دھو کر باریک ٹکڑے کر کے پتیلی میں ڈال دیں اور اتنا پانی ڈالیں کہ یہ ڈوب جائیں۔ ایک سیر میں ایک اونس کے حساب سے لیموں کا رس شامل کریں اور آگ پر پکائیں جب سیب کے ٹکڑے نرم ہو جائیں تو چھانے ہوئے رس میں کھانڈ ملائیں اور پکنے دیں۔ باریک بلبلے آنے لگیں تو اُتار لیں۔ جیلی تیار ہے

بہتر ہوگا۔

سیب کے فوائد

سیب استعمال کرنے سے بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ ننھے بچوں کے پیٹ کے امراض کے لیے سیب خاص طور پر فائدہ مند ہے۔ اس کے کھانے سے بدن میں ایک نئی طاقت کا احساس ہوتا ہے۔ فاسفورس اور فولاد کی موجودگی کے باعث یہ پھل ایک بہترین غذا ہے۔ دماغی صلاحیتوں کو تیز کرتا ہے۔

سیب فرحت پیدا کرتا ہے۔ دل و دماغ اور جگر و معدہ کو قوت بخشتا ہے۔ سوکھے جسم کو فربہ کرتا ہے۔

بے خوابی کے مریض میٹھے سیب کا تین چھٹانک رس نکال کر اس میں تین ماشے سبھی دانہ پوٹلی باندھ کر جوش دیں اور ٹھنڈا ہونے پر پی لیں۔ ایک سے ڈیڑھ ہفتے تک استعمال کریں۔

کچھ لوگوں کا کام ہر وقت بیٹھے رہنے کا ہوتا ہے اس سے جگر میں سستی پیدا ہو جاتی ہے اور جسمانی و ذہنی صلاحیتیں زنگ آلود ہونے لگتی ہیں۔ جسم کمزور ہونے لگتا ہے۔ اس کے لیے آپ ایک میٹھا بڑا سیب لیں اور بچا نکید کرکے چینی کی پلیٹ میں ایسی جگہ رکھیں جہاں کی روشنی بخوبی پڑے۔ صبح اٹھ کر یہ بچا نکید کھا لیں۔ ایک ڈیڑھ ماہ بلا ناغہ کھانے سے آپ خود اپنے اندر حیرت انگیز تبدیلی اور صحت محسوس کریں گے۔

آشوب چشم کے لیے ایک تولہ سیب عرق نکال لیں اور اسے چھان کر چار رتی پھٹکڑی بریاں ملا دیں۔ ذرا اس پر سے دو تین قطرے آنکھوں میں ڈالیں، آرام آئے گا۔

اشتہا بند ہوگئی ہو، معدہ کمزور ہو اور کھانے پینے کو دل نہ چاہتا ہو، کمزوری بڑھ رہی ہو تو ایک سیب ترش کا پانی نکال کر آٹے میں ملا کر ٹکیہ پکا کر کھائیں۔ چند روز استعمال سے بھوک از خود پیدا ہوگی۔ کمزور معدے والے لوگ ایک سیب بھوبل میں دبا کر بھرتا کرکے ہر روز کھائیں۔

تازہ سیب کے رس میں سیاہ مرچ زیرہ اور نمک کا سفوف چھڑک کر پینے بھوک لگتی ہے اور معدے کو تقویت ملتی ہے۔

یہ درسی کتابیں ہم سے طلب فرمائیں

ہماری کتاب قاعدہ نستعلیق ۱/۲۵	عام معلومات اول ۱/۵۰	بچیوں کی کتاب اول ۷۵/-
منی کتاب عکسی رنگین ۱/-	عام معلومات دوم ۲/۵۰	معلوماتی کہانیاں ۰/۵۰
ہماری کتاب قاعدہ نسخ عکسی ۱/۲۵	عام معلومات سوم ۴/-	موٹر ۵۰/- ریل ۰/۵۰
منی کہانیاں ۱/-	عام معلومات چہارم ۳/۵۰	آ، بی، اے (رنگین ہندی قاعدہ) ۱/-
ہماری کتاب اول عکسی ۱/۵۰	عام معلومات پنجم ۲/۵۰	ہماری پوستی پرائمر ۱/۵۰
〃 〃 دوم 〃 ۲/۵۰	ہماری دنیا اول ۱/۵۰ دوم ۲/- سوم ۲/۷۵	ہماری پوستی پہلا بھاگ ۱/۵۰
〃 〃 سوم 〃 ۳/-	پیاری نظمیں اول ۶۰/- دوم ۶۰/-	ہماری پوستی دوسرا بھاگ ۲/۵۰
〃 〃 چہارم 〃 ۳/-	ہمارے نغمے اول ۷۵/- دوم ۷۵/-	ہماری پوستی تیسرا بھاگ ۲/۵۰
〃 〃 پنجم 〃 ۴/-	آئینۂ تاریخ اول ۳/- دوم ۴/-	سچا دین اول ہندی ۱/۵۰
〃 〃 ششم ۵/-	پیارے رسولؐ عکسی ۷۵/-	〃 دوم 〃 ۱/۵۰
آسان کہانیاں ۱/-	ہادئ اعظم اول ۱/۵۰ دوم ۲/-	ذہنی تربیت ۲/-
اخلاقی کہانیاں اول ۱/- دوم ۱/- سوم ۱/- چہارم ۱/-	جدید ریاضی اول ۲/- دوم ۲/-	ماڈل پرائمر (زیر طبع)
موتیوں کا ہار اول ۶۰/- دوم ۶۰/- سوم ۱/- چہارم ۱/۲۵	آسان ریاضی سوم جدید ۳/-	اے، بی، سی (رنگین انگریزی قاعدہ) ۱/-
سچا دین اول ۲/۲۵ دوم ۲/۵۰ سوم ۲/- چہارم ۲/-	آسان ریاضی چہارم جدید ۴/-	انشا اور معلومات اول ۱/- دوم ۱/۵۰ سوم ۲/-
تعمیری ادب نثر ۵/-	آسان ریاضی پنجم جدید ۳/۵۰	منہاج العربیہ اول ۱/۵۰ دوم ۳/-
تعمیری ادب نظم ۵/-	بچیوں کی کتاب قاعدہ ۷۵/-	ترقی چارٹ ۴۰/۰۰

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ چتلی قبر دہلی ۶

مالک پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر محمد اسحاق مائل خیرآبادی مطبوعہ ... کے پرنٹرز دہلی۔ مقام اشاعت بارہ دری ...



Regd. No. M. R. D. 34

ONTHLY **H I J A B** RAMPUR U.P.

صرف مائل دہلی آرٹ پریس دہلی میں چھپا

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

ماہنامہ رام پور

حجاب

مارچ، اپریل ۱۹۸۱ء
جمادی الاوّل، جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

شمارہ ۹، ۱۰ (۱۲۹، ۱۳۰)
جلد ۱۲

اس پرچے کی قیمت 6/-
سالانہ چندہ 30/-

وی۔پی سے سالانہ چندہ 36/-

اس دائرے میں

سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے حجاب کے لئے جو زرِتعاون عنایت فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچے کے ساتھ ختم۔ آئندہ کے لئے جلد ہی زرِتعاون عنایت فرمائیں۔ والسلام۔ منیجر حجاب رامپور

دریچۂ حجاب

ملک قوم سے، قوم ملک سے نہیں

"اگر کوئی قوم بزدلانہ اور غلامانہ سیرت اختیار کر لے، اس کے اندر سے خود داری، بلند حوصلگی اور اخلاقی جرأت کے صفات نکل جائیں، وہ پیسے کی خاطر یا ڈر وخوف سے بالکل اپنی مرضی کے خلاف ہر کام کر سکے، وہ یہ سمجھنے لگے کہ ہر قیمت پر زندہ رہنا اور ملازمت وعہدہ کو برقرار رکھنا ضروری ہے اور اس میں ضمیر، اصول، غیرت وخود داری کا کوئی سوال نہیں، تو پھر اس ملک کے لئے خواہ وہ سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حیثیت سے کتنا ہی ترقی کر جائے کچھ خوش ہونے کی بات نہیں کہ ملک قوم سے ہے، قوم ملک سے نہیں، اور قوم اپنی سیرت اندرونی صفات، خودداری اور اخلاقی جرأت سے ہے معیار زندگی کے بلند ہو جانے اور وسائل معیشت کے حاصل ہو جانے سے نہیں۔"

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

جھوٹے سہارے

میرا عمر بھر کا مطالعہ مجھے بتاتا ہے کہ دنیا میں کبھی وہ طاقتیں زندہ نہیں رہ سکی ہیں جنہوں نے قلعوں میں پناہ لینے کی کوشش کی ہے کیونکہ میدان کے مقابلے سے جی چرانا اور قلعوں کے پیچھے چھپنا بزدلی کی علامت ہے اور خدا نے اپنی یہ زمین بزدلوں کی فرماں روائی کے لئے نہیں بنائی ہے اسی طرح میرا مطالعہ مجھے یہ بھی بتاتا ہے کہ جن لوگوں کا کاروبار جھوٹ اور فریب اور مکر کے بل پر چلتا ہے اور جن کے لئے حقیقت کا روشنی میں آجانا خطرے کا حکم رکھتا ہے اور جن کو اپنی حکمرانی کی حفاظت کے لئے "سیفٹی" قسم کے قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسے اخلاقی بزدلوں کی چوبی ہنڈیا زیادہ دیر تک چولہے پر کبھی نہ چڑھی رہ سکی ہے اور نہ رہ سکتی ہے یہ چیز عقل کے خلاف ہے۔ قانون فطرت کے خلاف ہے اور ہزارہا برس کے تجربات اس پر شاہد ہیں کہ ان سہاروں پہ جینے والے تھوڑی دیر کے لئے چاہے کتنا ہی زور باندھ لیں، بہرحال وہ دیر تک نہیں جی سکتے۔"

(مولانا مودودیؒ)

ایک ہم ہیں کہ منہ ان کا دیکھا کئے ایک وہ ہیں کہ ہم سے گریزاں رہے
خود وہ دیکھیں ذرا اپنا طرزِ عمل اب ہمیں کچھ بتانے سے کیا فائدہ

آپ نے تو مرا حالِ دل پوچھ کر میرے زخموں کی جیسے زباں کھول دی
آپ کی مہربانی، کرم آپ کا، آپ ہی کو سُنانے سے کیا فائدہ

آبگینے نہیں ہیں جو مٹ جائیں گے کوئی شیشہ نہیں جو بکھر جائیں گے
دوستو ہم تو ہیں ایک کوہِ گراں ہم پہ پتھر چلانے سے کیا فائدہ

جب بڑھے تھے اکڑتے ہوئے اہرمن کیوں نہیں ان کے بازو قلم کر دیے!
جل گیا جب کہ ہر تنکۂ آشیاں شور ناحق مچانے سے کیا فائدہ

میں بھی کہنے چلی اپنی رودادِ غم اُن کے ماتھے پہ لیکن شِکن آگئی
جب زباں کھولنا تک بھی اک جرم ہے قصۂ غم سنانے سے کیا فائدہ

ایک تاریخ عہدِ جفا جن کی ہے دے رہے ہیں ہمیں وہ بھی درسِ وفا
خود گریباں میں منہ ڈال کر دیکھ لیں اب ہمیں لب ہلانے سے کیا فائدہ

فارم ۴ تحت ضابطہ ۸

تفصیلات بابت ملکیت وغیرہ متعلقہ ماہنامہ حجاب رامپور۔ یوپی

۱۔ مقام اشاعت۔ محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور۔ یوپی
۲۔ اوقات اشاعت: ماہنامہ۔
۳۔ پرنٹر کا نام مع پتہ: محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں
۴۔ پبلشر کا نام مع پتہ: " " " " " "
۵۔ ایڈیٹر کا نام مع پتہ: " " " " "
۶۔ ملکیت شخصی: " " " " " "
۷۔ شرکاء کے نام۔ کوئی نہیں۔

میں محمد اسحٰق مائل خیرآبادی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔ مائل خیرآ

غزل

(شائستہ تسنیم)

اِن بہاروں میں دل کی کلی کب کھلی؟ ان بہاروں کے آنے سے کیا فائدہ
ان سے پانی کی اک بوند ہی کب ملی، ان گھٹاؤں کے چھانے سے کیا فائدہ
رو کے بیمارِ غم جب بہل ہی گئے چارہ گر تیرے آنے سے کیا فائدہ
خشک آنسو ہی آنکھوں کے جب ہو گئے تیرے دامن بڑھانے سے کیا فائدہ
میرا گھر جل گیا بھی تو کیا ہو گیا روشنی کچھ تو پھیلی اندھیرا مٹا
آپ اپنے کئے پر پشیماں نہ ہوں دل کو ناحق دکھانے سے کیا فائدہ
دور تک روشنی کا نشاں جب نہیں ظلمتوں میں بھٹکنے سے حاصل ہی کیا
سامنے اپنے جب کوئی منزل نہیں پاؤں آگے بڑھانے سے کیا فائدہ
چند کلیاں اگر مسکرائیں تو کیا چند کلیوں سے ہی تو گلستاں نہیں
سارے گلشن سے ہی اُٹھ رہا ہے دھواں یہ حقیقت چھپانے سے کیا فائدہ
تشنہ لب بھی رہے کچھ کہا بھی نہیں، جام خالی رہے اور دعائیں بھی دیں
پھر بھی ساقی اگر تجھ پہ ہم بار ہیں تیری محفل میں آنے سے کیا فائدہ
جب چمن پیر کوئی وقت نازک پڑا وہ ہمیں تھے کہ ہنس ہنس کے آگے بڑھے
اب یہ اہلِ چمن کہہ رہے ہیں مگر داستانیں سنانے سے کیا فائدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک اسلامی اور اس کی نوعیت

(۱) اسلام کو ایک تحریک کن معنی میں کہا جاتا ہے؟ اسلام کے تاریخی عمل اور اس کی تحریکیت میں کس نوعیت کا ربط ہے؟

(۲)۔ تحریک اسلامی میں عملیت (Pragmatism) کا کیا مقام ہے؟

(۳)۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے کہ ماضی قریب و بعید میں اکثر اسلامی تحریکات محض مناسب و مضبوط حکمت عملی (strategy) کے اختیار نہ کرنے کی وجہ سے بارآور نہ ہوسکیں؟

(۴) کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مظلوم و محکوم قوتوں کی نشان دہی "تحریک" اسلامی حکمت عملی کا ایک اہم جزو رہی ہے اور آج کے دور میں اس جزو کو نظرانداز کر دیا گیا ہے؟

(۵)۔ ہندوستان میں اسلام کو پیش آنے والے حالات اور مسائل ملکی سطح پر عموماً اور آپ کی ریاست اور علاقے کے باشندوں کے مخصوص عقائد، احوال و رجحانات کی روشنی میں کیا ہیں۔

(۶)۔ کیا یہ خیال درست ہے کہ اسلام کی تاریخ میں ہندوستان کا موجودہ ماحول (situation) اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد (unique) ہے؟ اس سے عہدہ برا ہونے کے لیے کیا اقدامات ضروری ہیں؟

(۷)۔ آئندہ برصغیر میں اسلام کے بحیثیت ایک اجتماعی نظریہ و نظام غالب آنے کے کیا امکانات ہیں؟

(۸)۔ تحریک اسلامی کے ہندوستانی عوام میں نفوذ کی راہیں کیا ہیں؟

(۹) برصغیر و عالم اسلام میں تحریک اسلامی کے ارتقاء میں جماعت اسلامی کا کیا رول ہے؟

(۱۰)۔ کل ہند اجتماعات کا نظریاتی و تحریکی پس منظر، مرکزی خیال (Central Theme) اور

مولانا کے مشوروں میں کام آرہا ہوں

نومبر ۸۰ء میں جب میں سیتاپور سے دوسری آنکھ کا آپریشن کرا کے گھر آیا اس وقت حیدرآباد سے برادرم ابوالکرم صاحب رامپور تشریف لائے وہ جناب منظورالحسن ہاشمی پرنسپل مرکزی درسگاہ جماعت اسلامی رامپور کے ساتھ مجھ سے ملے اور برائے مجلہ کل ہند اجتماع ۸۱ء مجھ سے انٹرویو چاہا۔ میں نے آنکھوں کے آپریشن کا عذر کیا تو سوال نامہ میرے آگے رکھ دیا اور فرمایا کہ جب عینک مل جائے اور کام کرنے لگیں تو سوالوں کے جوابات لکھ کر بھیج دیں۔ میں نے اس کے لیے بھی معذرت چاہی مگر وہ نہ مانے سوال نامہ دے کر چلے گئے

دسمبر کے شروع میں مجھے عینک مل گئی اور میں گھنٹہ گھنٹہ دو دو گھنٹہ روزانہ کام کرنے لگا۔ چار پانچ دن میں جب ذرا قابو پالیا تو سوال نامہ لے کر بیٹھا اور جوابات لکھنے لگا۔ یہ جوابات حلقہ حجاب کے لیے بھی مفید رہیں گے۔ اس لیے مارچ ۸۱ء کے حجاب میں شائع کر رہا ہوں۔ میں نے یہ جوابات حجاب میں شائع کرنے کی اجازت ابوالکرام صاحب سے لے لی تھی۔ انھوں نے فرمایا کہ فروری ۸۱ء کے بعد جب "مجلہ" چھپ جائے، تب شوق سے شائع کیجیے۔

امید ہے حجابی بہن بھائی دھیان سے پڑھیں گے اور ان جوابات میں جو کام کی بات ملے تو اُسے اپنالیں گے اور میرے لیے دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مجھے زیادہ سے زیادہ اس طرح کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرمائے۔

سوالنامہ من وعن اگلے صفحہ پر نقل کیا جارہا ہے۔ جوابات ان کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آنکھوں کے آپریشن کے دنوں میں جو تجربات ہوئے وہ حلقہ حجاب تک پہنچاؤں گا الحمدللہ وہ تجربات میرے جوابات میں آگئے ہیں۔

(مائل خیرآبادی)

کہ اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی دین ہے جو انسان کے مرتے دم تک فرد واحد کو دین کے احکام کی یاد دلاتا رہتا اور تربیت کرتا رہتا اور حرکت میں لاتا رہتا ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریک دعوت و تبلیغ کا جزو ہے۔ اس لیے کہ تحریک کے معنی ہیں، ہلاتے رہنا، متحرک کرنا، فرد واحد جو اسلامی نظریے کے تحت اپنی تربیت کرنا چاہتا ہے۔ اور مرتے دم تک مسلمان رہنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر روز قرآن کریم اور احادیث اور صحابہ کرام کی زندگی سے احکام خدا کی یاد دہانی کرتا اور کراتا رہے اور ان کے مطابق اپنے کو سنوارتا رہے۔ اس طرح یہ ایک مسلسل مہم بھی ہے اور تحریک بھی۔ لیکن ہے بہر حال دعوت و تبلیغ کا جزو ہی۔

اس کی نوعیت اور ربط | یہ بھی طے شدہ اور تجربے کی بات ہے کہ ایک شخص جو اسلامی عقائد کے مطابق اپنی زندگی سنوارنا چاہتا ہے۔ اگر وہ دنیا میں تنہا ہوگا تو وہ نکو بنا رہے گا۔ غیر اسلامی سماج اس کو پریشان کرے گا۔ ستائے گا۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ اسے گھر سے بے گھر کر دیا جائے گا۔ یا مار دیا جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو اسلام کی طرف بلائے۔ اپنا ہمنوا بنائے۔ ایک سے دو ہو اور دو سے زیادہ ہو کر جماعت کی تشکیل کرے۔ یہ اسلام کے لیے اتنا ضروری ہے کہ اگر یہ کام نہ کیا جائے تو اسلام ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے اقامت دین کے لیے دعوت و تبلیغ کو فرض کفایہ کر دیا گیا ہے۔ دین کو قائم کرنے کے لیے دعوت و تبلیغ جس طرح ضروری ہے اسی طرح جماعت کا قیام بھی ضروری ہے۔ بعض صحابہ کرام رض نے تو یہ تک کہہ دیا اور سچ کہا کہ دین جماعت کے بغیر نہیں۔ بات نکھر کر سامنے آگئی۔ دین کی اقامت کے لیے۔ دعوت و تبلیغ ضروری۔ دعوت و تبلیغ کے لیے قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رض کی زندگی کی یاد دہانی ضروری۔ احکام الٰہی ذہن نشین رہنے کے لیے تواصوا بالحق کی تلقین ضروری۔ اور چونکہ مرتے دم تک یہ فعل مسلسل کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر ہم آج کل کے معنی میں ایک تحریک کہیں تو یہ نام ٹھیک ہوگا۔ اور میں اس سے متفق ہوں۔ آپ اسلام کی تاریخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک کا مطالعہ کریں، ایک ترتیب کے ساتھ

کے مطلوبہ اغراض و مقاصد کیا ہیں اور آئندہ کیا ہونے چاہئیں ؟

(۱۱)۔ حیدرآباد میں جماعت اسلامی ہند کے چھٹے آل انڈیا اجتماع سے جماعتی و تحریکی استحکام و توسیع دو؟ امکانات کے سلسلے میں آپ کی توقعات کیا ہیں ؟

(۱۲)۔ کارکنان جماعت اسلامی پر تحریک فکر و عمل کے لیے مجوزہ کل ہند اجتماع کا ممکنہ و متوقع اثر؟

(۱۳) عالمی اسلامی اور دیگر ملکی و بین الاقوامی تحریکات پر مجوزہ کل ہند اجتماع سے مرتب ہونے والے اثرات اور ان اثرات کے مثبت طور پر واقع ہونے کی امکانی صورتیں کیا ہوسکتی ہیں ؟

(۱۴)۔ کچھ آپ کے تحریکی حالات و تجربات کے بارے میں :۔

ا ۔ آپ کی تحریکی وابستگی کا سنہ آغاز۔

ب ۔ اسلام کے کس پہلو نے، کونسی شخصیت اور اس کی زندگی کے کونسے رخ نے کون سی کتاب کے اور کون سے جماعتی و تحریکی حالات و واقعات نے آپ کی زندگی پر نمایاں اثرات ڈالے ؟

ج ۔ تحریکی جد و جہد میں آپ کی مساعی و تجربات ؟

د۔ آئندہ عزائم و منصوبے ؟

ھ ۔ رفقائے جماعت اور تحریکی ساتھیوں کے نام آپ کا پیام ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جوابات

(۱)۔ اسلام ایک تحریک ہے

اسلام ایک موومنٹ ہے۔ لفظ "تحریک اسلامی" موومنٹ کے معنی میں آج کل خاص کر اس؟ مشہور ہوگیا کہ موومنٹ اور آندولن کی بھرمار اس صدی عیسوی میں عام ہوگئی ہے۔ ورنہ صحیح بات

کے حافظے پر علم کے حصول کا دارومدار ہے۔

نمبر۲ • دیکھو بولو کا طریقہ۔ اس طریقے کی مثالوں سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ مثال کے طور پر آفاق و انفس والی آیات کو لیجیے۔ کیا تم نہیں دیکھتے، یہ زمین، وہ آسمان اور پہاڑ، سمندر، سورج اور خود تم کو اور تمہارے اندر جو کچھ ہے یہ سب کس نے بنایا — اے نبی! ان سے پوچھو، یہ پانی کون برساتا ہے؟ سبزہ کون اُگاتا ہے۔ یقیناً یہ کہیں گے "اللہ" حکم ہوتا ہے کہ اے نبی! اب ان کے یقین او وجدان کو جھنجھوڑو، تو پھر تم اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا الٰہ کیوں بناتے ہو۔

• دیکھو بولو طریقے میں مشاہدہ بھی ہے۔ حجت بھی ہے۔ دلیل بھی ہے۔ یہ طریقۂ تعلیم بہت ہی مقبولیت رکھتا ہے۔ عبادات یعنی نماز روزہ وغیرہ اس طرح سکھائی جاتی ہیں۔

نمبر۳ • عملاً کر کے دکھانا اور طالب علم کا اُستاد کی نقل کرنا۔ اس طریقۂ تعلیم کی مثالیں مدنی آیات میں کثرت سے ملتی ہیں۔ اسلامی ریاست وجود میں آ چکی تھی۔ قوانین بن رہے تھے ان کی عملی شکل برتی جا رہی تھی۔ صحابہ کرام رض حضورؐ کو ہر بات کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور حضورؐ تمام کاموں میں صحابہ کو شریک کر کے ان سے عمل کراتے تھے۔ کر کے اور کرا کے سبق یاد کرانا تمام طریقوں سے بہترین طریقۂ تعلیم ہے۔ اس طریقے سے بات نقش کالحجر ہو جاتی ہے۔

نمبر۴ • خواہش پر تعلیم دینے کی مثالیں بہت ہیں۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے سے پہلے متمنی تھے کہ خدا کی عبادت کا طریقہ جانیں۔ اس کے لیے متفکر رہتے تھے۔ آپؐ سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بہت سے بزرگ ایسے تھے جو کعبے سے پیٹھ لگا کر پکارتے تھے کہ یہ بت پرستی غلط ہے۔ لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ خدا کو کیسے پوجیں؟ عہدِ رسالت میں ابوذر غفاری۔ ابوسہیل شاعر۔ زید بن خطاب وغیرہم کی مثالیں ہیں۔ ان میں ایک اللہ کی عبادت کی خواہش اُبھر چکی تھی۔ تب اللہ نے توفیق بخشی۔

یہ طریقۂ تعلیم عام نہیں ہے۔ نہایت ذہین اور طالب حق کے لیے ہے۔

ان چاروں طریقوں کے مفہوم کو Pragmatism اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ میرے

یہی کچھ ملے گا۔ چاہے آپ اخوان المسلمون پر نظر ڈالیں، چاہے جماعت اسلامی پر اور دنیا کی دوسری اسلامی تحریکوں کا مطالعہ کریں۔ سب کی تحریکیت میں ایک ہی ربط پائیں۔

(۲) اسلام میں عملیت

● اسلام میں عملیت (Pragmatism) کا کیا مقام ہے؟ مقام متعین کرنے کے لیے لفظ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں Pragmatism چار عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ طریقہ تعلیم آف ٹیچنگ) کا اصطلاحی لفظ ہے۔ میں نے ٹریننگ اسکول میں یہ پل ٹیچرس کو یہ بتائے تھے۔

۱● استاد آگے آگے کہتا جائے اور طالب علم استاد کے الفاظ رٹتا جائے۔ (طریق

۲● دیکھو بھر لو لو کا طریقہ۔ جانی پہچانی چیز کو تمہید بنا کر استاد سبق پڑھائے۔

۳● کرکے اور بچوں سے کرا کے سبق ذہن نشین کرے۔ (طریقہ محسوسات)

۴● طالب علم اپنی خواہش کرے تو استاد بتائے۔ (یہ ڈالٹن پلان کہلاتا ہے) ڈالٹن پلان والے نے لکھا ہے کہ یہ چاروں طریقے الہامات سے ماخوذ ہیں۔

اب میں اسکول کی طرف سے آپ کی توجہ ہٹا کر الہامات ہی سے سمجھانے کی کوشش

نمبر ۱● استاد کہے اور طالب علم رٹے۔ اس کی مثال قرآن میں یہ ملتی ہے کہ نبی صلی ا پر جب پہلے پہل وحی نازل ہوئی تو پانچ آیتیں نازل ہوئیں "اقراء بسم ربك الذی پڑھ! اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا.... الخ

حضرت جبرئیل استاد ازل کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھا رہے تھے آیات رٹ رہے تھے۔

اسی طرح سورۂ اخلاص۔ قل هو الله احد...... الخ اس طریق تعلیم میں طا

فی دین اللہ افواجًا" کی تعبیریں ملتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی فتنۂ تاتار میں بھی بقول اقبالؒ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے۔ یہی وہ حکمت عملی تھی جس کو خواجہ معین الدین چشتی رحنے اجمیر کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اچھوت ذاتوں کے ساتھ برتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش کامیاب فرمائی تھی۔ افسوس کہ بعد میں لوگوں نے اس حکمت کو فراموش کردیا اور حضرت چشتیؒ کی کرامتوں کے چکر میں پڑ کر اصل مقصد کھودیا۔

جواب ۵

• ہندوستان میں ملکی حالات نہایت خطرناک اور تکلیف دہ نظر آرہے ہیں۔ میں کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ہمارا ملک (خدانہ کرے) ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا۔ دراوڑستان کا ایک طرف سر اٹھائے ہے۔ آسام کی تحریک زوروں پر ہے۔ خالصتان بھی کروٹیں لے رہا ہے۔ ہر ریاست میں قوم پرستی کا جذبہ ابھر رہا ہے۔ ملک کے دانشور پریشان ہیں کہ اس رجحان کا سدباب کیسے ہو۔ کوئی ایک ریاست ہی نہیں۔ ہر ریاست جاتی واد کو ابھار رہی ہے اور مرکز سے کٹ جانا چاہتی ہے۔

جواب ٦

• طرفداری کی بات نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اسلام کے پاس ہی اس کا حل ہے اور اس کے لیے کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ ایک دقت ضرور سامنے ہے، یہ کہ اہل ہند کو ہم نے اپنی کوتاہیوں اور غفلت سے اسلام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کے اعلیٰ ذات کے لوگ پاکستان بننے کے جرم میں ہم سے اب بھی برہم ہیں۔ تیسری دقت یہ ہے کہ اسلام کے متعلق یہاں کے دانشوروں نے جو کچھ جانا، مغربی مفکرین سے جانا اور مغربی مفکرین کا حال یہ ہے کہ انھوں نے بڑی تنگدلی اور تعصب سے کام لے کر اسلام کے بارے میں اپنے افکار پیش کیے۔ ہندوستان اپنے مذہب سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی مذہب سے چپٹا ہوا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ لاشعوری طور پر ہندوستان ایک دھارمک دیش ہے۔ اور اپنی ذات پات اور روایت اور رسم کے اعتبار سے منفرد ہے۔ ہندو، ہندی، ہندوستان

خیال میں عملیت Pragmatism اتنا ہی ضروری ہے جیسا ضروری قرآن کے ساتھ رسول کا نمونہ
بعد عملوا الصالحات Pragmatism کے بغیر تحریک اسلامی کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ میری را
طریقہ نمبر ا اور طریقہ نمبر ۳ پر زیادہ توجہ نہ دی جائے۔ لیکن نمبر ۲، نمبر ۴ کو تحریک اسلامی
بنا لینا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی خواہش کرے کہ اسلام سمجھنا چاہیے
سمجھایا جائے۔ بوقت ضرورت اس پر عمل کر لینا چاہیے۔

جواب ۳

• ماضی قریب و بعید میں یعنی صحابہ کرام رضی کے بعد سید احمد شہید رحمہ تک جو اسلامی تحریکیں
ان میں پبلک کو ساتھ نہیں لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان تحریکوں کے قائد کے بعد سب دم
آج ان کا نام لیوا تک نہیں اور اگر کہیں ہے تو مسلک کے طور پر جامد ایک خانقاہ
اور منفی ترمیموں اور صحیح و غلط اضافوں کے ساتھ قید ہے۔
تحریک اسلامی کے بارآور ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یہ حکمت عملاً ہمارے پیش
ایک طرف ہم لوگوں کے ذہن و فکر کو اسلام کے لیے ہموار کریں۔ اسلام کے متعلق غلط
اور شکوک و شبہات کو دور کریں۔ وعظ و تلقین سے کام لیں اور ایسا لٹریچر تیار کریں
کا بخیہ ادھیڑ کر رکھ دے جیسا کہ چودھویں صدی ہجری میں سید قطبؒ اور مولانا مودودی
ان کے ساتھیوں نے کر دکھایا۔ ہم ایک جماعت بن کر یہ کام انجام دیں۔ اسی طرح
بارآور ہو سکتی ہے۔

جواب ۴

• یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مظلوم و محکوم قوتوں کی نشاندہی کرنے اور ان کو ا
کی تدبیر اسلامی حکمت عملی کا اہم جز رہی ہے۔ یہی تو وہ تدبیر ہے جس کی بدولت

وہ اتنا بوکھلا گئے ہیں۔ جینے سے ہاریں تو سید کو ماریں والی کہاوت پر اتر آئے ہیں۔ تحریک اسلامی کا دبانا ان کے بس میں نہیں رہا۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن تحریک اسلامی کو دبایا نہیں جا سکتا۔ ہم نے چند سال پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کچھ نمردد اور فرعونوں نے چاہا تھا کہ تحریک اسلامی کو ختم کر دیں۔ وہ تحریک کو تو نہ مٹا سکے۔ خود عبرتناک موت مر گئے یا مارے گئے۔ ان شاء اللہ یہی حشر دوسرے فرعونوں کا ہوگا۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں انڈونیشیا سے چلئے، ہمالیہ کے نیچے نیچے افغانستان ہوتے ہوتے ایران و شام ہو کر ترکی تک نکل جائیے۔ اسلام اسلام کی آواز سنیں گے۔ ہم اپنے دیش میں بہترین ذہنوں کو مسلمان ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ تحریک اسلامی اب نوجوانوں کے دلوں میں در آئی اور یہ نوجوان بہترین ذہنوں کو دین اسلام کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے سوا کسی کے پاس کچھ نہیں۔ آگے میں اپنا ایک نیا تجربہ پیش کروں گا جو ابھی کل آنکھ کے آپریشن کے دلوں میں سامنے آیا۔

جواب ۸

• ہندوستان میں اس وقت دو ذہن کام کر رہے ہیں۔ ایک برہمنیت کی پیداوار ہے جو کسی طرح اپنا مقام چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ دوسرا بنیا پن ہے۔ یہ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے پر عامل ہے۔ ان میں تحریک اسلامی کے نفوذ کی راہیں دکھانا چاہتا ہوں۔

• اسلامی دعوت پیش کرنے سے پہلے اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر نگاہ رکھ کر انسانیت کا بہترین نمونہ پیش کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ ابن عبداللہ کی تربیت فرما کر جب نبی بنایا تو "لا الٰہ الا اللہ" سن کر مکہ کے برہمنوں اور بنیوں نے ہٹ دھرمی برتی لیکن محمد بن عبداللہ کو سب سے بڑا انسان صادق اور امین ہی کہتے رہے۔

بدر کی لڑائی میں جب مسلمانوں اور کفار مکہ کے لشکر آمنے سامنے تھے تو جب حضورؐ اپنے لشکر کی ترتیب فرما رہے تھے اس وقت ابوالبختری نے ابوجہل سے پوچھا۔ اس شخص (محمدؐ) کے بارے

کے ناموں پر اہل ہند کو جوڑنا چاہتا ہے۔

اگر ہم اس ذہن سے ذات پات کے فرق کو کھرچ پھینکیں اور مغربی افکار کی تردید کرکے یہاں ذہن کو مطمئن کردیں اور ہندوپاک کے فرق کو سامنے رکھیں اور ہم عملی طور پر اسلام کے سچے نمائندے بن جائیں تو ہمارا یہ اقدام یہاں تحریک اسلامی کے لیے فال نیک ثابت ہوگا۔

جواب ۷

• برصغیر بھارت ہی میں نہیں، ساری دنیا میں اسلام کے بحیثیت اجتماعی نظریہ اور نظام غالب آنے کے امکانات اس وقت بالکل روشن ہیں۔ آٹا گندھا رکھا ہے، خمیر اٹھ چکا ہے۔ اب کوئی کالال روٹی پکا کر کھلا دے۔

آپ ملاحظہ فرمائیں۔ آج مشرق و مغرب کے لوگ فحشیات و منکرات سے اس درجہ عاجز آگئے ہیں کہ سارے دانشور بیک زبان کہنے لگے ہیں کہ دنیا بربادی کے دہانے کے پاس پہنچ چکی ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ اسے نیکی کے اس نقطے پر کیسے واپس لائیں۔ برائیاں دور ہوں۔ وہ پریشان ہیں کہ عورت کو اب پھر کیسے گھر والی بنائیں۔ معاشرے کی تشکیل کن بنیادوں پر کریں۔ فرد کو جماعت سے کیسے جوڑدیں۔ قومیت اور وطن پرستی کے بدلے وحدت آدم کی بنیاد کیسے ڈالیں۔ سیاست میں وہ بنیادی اصول کہاں سے لائیں جو سارے ملکوں کے لیے قابل قبول ہوں۔ افراط زر کو کیسے کنٹرول کریں۔ سود کے بغیر خدمت خلق کے کام کس طرح ہوسکتے ہیں اور یہ انسان جو انسان کا خون کرتا پھرتا ہے۔ اس کو انسانیت کا پابند کس ڈھب سے کریں۔ وغیرہ۔

یہ تو ہے مخلص دانشوروں کی الجھن متعصب دانشوروں کو اسلام کا ہوّا دکھائے جارہا ہے اس درپے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو راستے سے ہٹادیا جائے پھر جا ہے جو لازم آئے۔

اللہ کا شکر ہے کہ متعصب دانشوروں کے افکار کی دھجیاں سید قطبؒ اور ابوالاعلیٰ اور ان کے ساتھیوں نے اسلامی لٹریچر کی مدد سے بکھیر دیں۔ متعصب دانشوروں کو شکست کھا چکے ہیں۔

لٹریچر کی پیاس ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے۔

• ایک دوسرے کے قریب ہوا جائے۔ ایک دوسرے کی تقریبات میں حصہ لیا جائے۔ ہر جگہ بتایا جائے کہ اسلام اس کام کو اس طرح کرنے کو کہتا ہے۔

جواب ۹

الحمدللہ کہ ہندوستان میں جماعت اسلامی اسی طرح کام کر رہی ہے جو میں نے عرض کیا۔

جواب ۱۰

جماعت اسلامی کے کل ہند اجتماعات کا پروگرام اور پس منظر اسلامی عبادات کے اغراض و مقاصد سے ماخوذ ہے۔ جس طرح پنجوقتہ نمازوں میں محلے کے نمازی آپس میں مل کر ایک دوسرے کی دینی اور دنیوی دلچسپیوں کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہیں پھر آٹھویں دن جمعہ کو شہر کے لوگ اور سال بھر کے بعد حج کے موقع پر عالمی طور پر جمع ہوتے ہیں اسی طرح جماعت اسلامی نے پروگرام بنایا ہے۔ مقامی جماعتیں ہفت روزہ اجتماعات کر کے رفقاء جماعت کی کارگذاریوں کا جائزہ لیتی ہیں۔ رفقاء اگلے آٹھ دن کے لیے قوت حاصل کرتے ہیں پھر ماہانہ اجتماع پھر سال دو سال کے بعد صوبائی ــــ پھر آل انڈیا معیار پر پانچ چھ سال کے بعد جمع ہوتے ہیں۔ اس اجتماع میں عام دعوت دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دوسرے مکتبہ خیال کے حضرات کو بھی بلایا جاتا ہے اور غیر مسلم بھائیوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔ انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بارے میں صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ ایک بار گاندھی جی ہماری دعوت پر تشریف لائے تھے۔ دوسرے دن انھوں نے اپنے معمول کے مطابق جب پرارتھنا کی تو فرمایا کہ میں درویشوں کے ایک سمیلن میں گیا تھا۔ اگر مجھے پھر کبھی دعوت دی گئی تو پیدل جاؤں گا۔ وہ اس سے اتنا متاثر تھے کہ جب ہندوستان آزاد ہوا تو فرمایا کہ اب ابوبکرؓ و عمرؓ جیسی حکومت بناؤ۔

میں تیری کیا رائے ہے۔ ابوجہل نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ پھر پوچھا تو اس سے لڑتا کیوں ہے؟ بولا، خدا کی قسم! عمر بن ہشام (ابوجہل کا نام تھا) کا گھٹنا بلال سے نہیں چھو سکتا۔ مرتے دم تک لڑوں گا۔ دیکھا آپ نے یہ برہمن زادہ بلال رضی کو اچھوت سمجھ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا نہ سکا۔ اسی طرح کی گواہیاں ابوسفیان کی ہیں۔ ابولہب کی ہیں۔

میری گذارش ہے کہ ہم آپ اگر عوام میں نفوذ چاہتے ہیں تو سچے مسلمان بن جائیں جھٹلا نہ سکے۔

• دوسری راہ یہ ہے کہ اسلام کے عقائد و نظریات کو عام کردیں۔ ہندوستان کے عوام اللہ کے دین سے بے بہرہ ہوچکے ہیں۔ بَلْ لِّکُلِّ قَوْمٍ هَاد۔ یہاں بھی اللہ کے نبی آئے تھے۔ عوا تو الگ رہی۔ یہاں کے نبیوں کے نام بھی بھلا بیٹھے۔ یہاں ایک ذہن بھی ہندو نہیں۔ آپ اسلام کی حقانیت واضح کردیں پھر میدان آپ کا ہے۔

• دین کے داعی بکھرے نہوں۔ وہ مل کر ایک جماعت بن جائیں۔ جماعت میں بڑے لوگ دیکھیں کہ یہ فرد مسلم ہے اور ان کی یہ جماعت ہے جو انسان کو انسان بنانے کا کام کررہ

• اونچ نیچ اور ذات پات کے مارے ہوؤں کو کُلُّ مُؤمِنٍ اِخْوَۃ اور ان اکو حکم عند اللہ کی نوید سنایئے۔ مولانا حامد علی صاحب نائب سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے دکن کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ جب میں وہاں گیا اور اسلامی تعلیم پیش کی تو اچھوتوں نے کہا آپ تشریف لائے ہیں۔ ہزاروں برس حکومت کی، تب برہمنوں اور راجپوتوں کو نو معلوم ہوا کہ کئی گاؤں کے لوگ مسلمان ہوگئے)

• اہل ہند کے ذہن کو سامنے رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ لکھی جا توحید کے مسئلے پر بات کرکے ہم سے متفق ہوجاتا ہے مگر نبوت کے معاملے میں بدک جا

• ہندوستان کی مختلف زبانوں میں چھوٹی بڑی کتابیں عام کی جائیں۔ اس وق

ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ اجتماع لوگوں کے دلوں پر اچھی چھاپ لگائے گا۔

جواب ۱۲

اس اجتماع میں دینی و دنیوی اور مہمان نوازی کے فرائض انجام دے کر کارکنان پر انشاء اللہ
ے اچھے اثرات پڑیں گے۔ انھیں نظم و ضبط کی ٹریننگ ملے گی۔ تمام رفقاء میں فکر کی یکسانیت
م میں ہم آہنگی اور خیالات میں وسعت پیدا ہوگی۔
کارکنوں کے دلوں سے اچھا کھانے کی خواہش اور امارت پن دور ہوگا۔ میں نے خود دیکھا
، کہ دستر خوان کی آخری نشست میں جب جب کھانا ختم ہوگیا تو جو کارکن کھانا کھلا رہے تھے
ھوں نے ٹکڑے کھائے، دال کی دیگیں چاٹیں اور اس طرح جیسے نعمت تناول فرما رہے ہوں۔
یک بار مجھے بھی یہ خدمت ملی اور میں نے ٹکڑے کھانے کا شرف حاصل کیا اس وقت میرے
یک رفیق نے چپکے سے کہا تھا "سو المومنون شفاء"
حیدرآباد کے پچھلے اجتماع میں جو ۶۷ء میں ہوا تھا۔ میں اپنے نمبر پہ کھانا کھانے
چلا۔ کیو میں لگا۔ میرے آگے دس بارہ آدمیوں کے بعد مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت اسلامی
ہند کیو میں تھے۔ جی ہاں! جماعت اسلامی ہند کا امیر ہمارے ساتھ کیو میں لگا تھا۔
کیا خیال ہے آپ کا؟ کیا میں یہ اثرات اپنے دل سے محو کر سکوں گا۔ آل انڈیا اجتماع کے یہی
وہ مناظر ہیں جن کو یاد کر کے میں آج بھی روشنی حاصل کرتا ہوں۔ میں نے دوسرے بڑے شاندار
اجتماعات دیکھے ہیں۔ ایسے اجتماعات دیکھے ہیں کہ ان پہ لاکھوں روپیہ صرف ہوا۔ انھیں حکومت
کی سرپرستی اور اعانت بھی حاصل رہی مگر ـــ "وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی"

جواب ۱۳

عالم اسلامی اور دیگر ملکی و بین الاقوامی تحریکات پر ہمارے اس اجتماع کے اثرات کی امکانی
صورت تبھی ہی بار آور یا تعبیر ہو سکتی ہے جب ہم اپنی بات پورے طور پر دوسروں کے ذہنوں

مطلوبہ اغراض ومقاصد یہ ہیں:۔

• جماعت اسلامی ہند کے وابستگان ایک جگہ مل جل کر بیٹھیں۔ ہر ریاست کے رفقاء
سرگرمیوں اور کارگزاریوں اور تجربوں کو بیان کریں۔ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کر
دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔

آل انڈیا پیمانے پر جنرل سکریٹری سے جماعت کی رفتار کار کی رپورٹ حاصل کریں۔ جماعت
سال کا منصوبہ دے۔ رفقاء میں ضبط و نظم اور ایثار و قربانی کی کیفیت پیدا ہو۔ جماعت ہر ریاس
رفقاء کو سفر و حضر کا پروگرام دیتی ہے۔ اپنے شہر سے چلو تو جماعت کی شکل اختیار کرلو۔ اپنا
مقرر کرلو۔ راستے میں خدمت خلق کرتے ہوئے اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو ترجیح د
مل جل کر جماعت سے نماز پڑھو اور پورا سفر یاد خدا اور خوف آخرت کے تحت کرو۔
سے نکلو، لوگ محسوس کریں کہ یہ انسانیت کے خدام جارہے ہیں۔ تمہارا اٹھنا بیٹھنا،
بات چیت کرنا، ہنسنا اور مذاق کرنا، کھانا پینا وغیرہ سب اسلامی سانچے میں ڈھلا ہو۔

ایک یہ بھی مدعا ہے کہ رفقاء کے دلوں سے مال کی محبت کم ہو۔ دور دراز کا س
خوشی برداشت کریں۔ اگر اپنا کوئی رفیق سفر خرچ کی کمی کے باعث اجتماع میں شرک
ہو۔ تو اپنے پاس سے رفقاء اس کا انتظام کریں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو جماعت ا
اور یہ سب اس طرح ہو کہ وہ معذور خفت محسوس نہ کرے، بلکہ یہ سمجھے کہ اپنے بھا
ساتھ بے تکلف سفر کررہا ہے اور وہ تو وہ دوسرے بھی اندازہ کرسکیں کہ جماع
ہند کتنے پانی میں ہے۔

تفصیل عرض کرونگا تو اسکے لیے دفتر چاہیے۔ میرے خیال میں آئندہ بھی یہی اغراض ومقا

جواب ۱۱

• میں حیدرآباد میں جماعت اسلامی ہند کے چھٹے آل انڈیا اجتماع سے اوپر عرض

بھی شروع کردی۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ میرے اندر خوف خدا اور اتباع رسولؐ کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔
میں اب سوچتا ہوں کہ اگر زاہد صاحب "پردہ" کے بدلے کوئی دینیات کی کتاب دیتے تو شاید میں اُسے پھینک دیتا کیونکہ میں ۵۲ء میں تقریباً دہریہ ہوچکا تھا۔ معاذاللہ اسی وقت سے میری اٹھارہ سالہ شاعری نے رخ بدلا۔ میرا یہ شعر اسی وقت کا ہے

؎ کتنی آسان تھی بے راہ روی اے مائلؔ — راہ پر آئے تو چلنا ہمیں دشوار ہوا

پھر میں نے سرکاری ملازمت چھوڑدی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں کوئی ایسا روزگار تلاش کروں جس کے ذریعہ حلال روزی حاصل کرسکوں۔ زاہد صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ میں رامپور کا سفر کروں اور جماعت کے مرکزی رفقاء سے ملاقات کروں۔

بارہ دن مرکزی رفقاء کے ساتھ

میں اگست ۵۲ء میں رامپور گیا۔ اس وقت مرکز جماعت اسلامی ہند رامپور کے محلہ پرانی کھنڈسار میں تھا۔ یہاں مجھے جس کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ اس میں مجھے ایک جانا پہچانا چہرہ نظر آیا۔ میں ملازمت کے زمانے میں یوپی کے ادھیاپک منڈل کا جوائنٹ سکریٹری تھا۔ انہی دنوں میں ایک بار ایک سمیلن کے سلسلے میں بستی گیا وہاں انگریزی ٹیچر مسٹر عبدالوہاب سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہی مسٹر اب مولوی کی شکل میں کمرے کے اندر مجھ سے اپنا تعارف کرا رہے تھے۔

سابقوا الی مغفرۃ کے تحت عبدالوہاب صاحب نے مجھ سے پہلی ملازمت چھوڑ دی تھی، اور درسگاہ جماعت اسلامی میں چھوٹے بچوں کو پڑھانے کے لیے اپنے کو وقف کردیا گیا۔ آج جب میں یہ تحریر کررہا ہوں۔ میرا یہ پہلا شناسا رفیق اس دنیا میں نہیں ہے۔

میں اپنے ساتھ 'تنقیحات' (کتاب) لے گیا تھا۔ سوتے وقت ڈیڑھ سو روپیہ کے نوٹ اسی کتاب میں رکھ دیے تھے۔ کچی نیند میں آہٹ محسوس ہوئی۔ دیکھا تو عبدالوہاب صاحب اس کتاب کو

میں پیوست کردیں۔ ہم چھے تلے موضوعات پر مذاکرے کریں۔ دوسروں کو بولنے کا زیادہ سے موقع دیں۔ پھر ان مذاکروں کا صدر تمام بیانات پر ایسا بھرپور تبصرہ کرے کہ سب کا دل کہنے کر حق اس طرف ہے۔

پریس کانفرنس اور سوال و جواب کی بھی نشستیں ہوں۔ ان نشستوں کے ذریعہ دوسرے شکوک وشبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ ادبی نشست کا بھی انتظام کیا جائے۔ اس بڑا اچھا اثر پڑے گا۔ ان نشستوں کے شرکا سے آئندہ ربط رکھا جائے۔

جواب ۱۴

• آپ نے میرے تحریکی حالات و تجربات دریافت کئے ہیں۔ میں آپ کے قائم کردہ ضمنی س کا جواب ترتیب وار عرض کرتا ہوں۔

ا۔ جماعت اسلامی ہند سے مجھے سنہ ۱۹۴۸ء میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ میں سنہ ۵۵ء میں رکن ہوا۔

ب۔ میں سنہ ۴۸ء میں سرکاری ملازم تھا اور آن ڈیوٹیشن بنیتے پور ضلع سیتاپور (اودھ) میں ہائی اسکول کی افتتاح کرنے گیا تھا۔ وہاں ایک عربی مدرسہ شمس العلوم ہے۔ حسن اتفاق سے مشہور تعمیری شاعر جناب مولانا ابوالمجاہد زاہد صاحب عربی مدرسے میں ٹیچر ہوکر پہنچے۔ زاہد صاحب مدرسہ رکنیہ کے میرے ایک کلاس فیلو مولانا فقیر محمد کے بھتیجے ہیں۔ اس ناطے زاہد صاحب سے قرب بڑھا۔ آنعزیز محترم کی تعریف کرنا ایسا سمجھتا ہوں گویا میں نے اپنی تعریف کرلی۔ لیکن اتنا ضرور عرض کر کہ زاہد صاحب نے بڑی حکمت کے ساتھ مجھے جماعت سے متعارف کرایا۔ میرے ادبی ذوق کو ملحوظ رکھ کر انھوں نے مجھے "پردہ" کتاب پڑھنے کو دی۔ میں اس کا پہلا صفحہ ہی پڑھ کر اچھل پڑا۔ یہ تھا۔ زاہد صاحب ڈوز پہ ڈوز دیتے چلے گئے اور میں ہضم کرتا چلا گیا۔ میرے دل میں پہلا احساس پیدا ہوا کہ گویا اب میں دھیرے دھیرے مسلمان بن رہا ہوں۔ آپ مسکرا رہے ہیں۔ جی ہاں! میں چہرے پر داڑھی بھی اگالی اور حرام وحلال کی تمیز کرنے لگا۔ زاہد صاحب کے ساتھ نمازوں کی پا

مولانا اس انکشاف پر اپنے مخصوص انداز میں ہنسے۔ بنچ پر بیٹھے ہوئے حضرات مسکرانے لگے۔ انہی میں سے ایک نوجوان عالم نے برجستہ کہا "جی ہاں! مولانا پہلے شیر تھے اب ابو اللیث ہیں" میں نے یہ لطیفہ سن کر اس نوجوان کے چنچل پن کو محسوس کیا اور دل میں کہا کہ جماعت اسلامی کے علماء خشک نہیں ہیں۔ یہ تھے مولانا حامد علی صاحب جو آج بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھ چکے ہیں۔ اور جماعت اسلامی ہند کے اسسٹنٹ سکریٹری ہیں۔ ان سب سے مل کر ان سب کو دیکھ کر ان سب کے لباس پر نظر ڈال کر اور ان کے حوصلے دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ اب انقلاب آجانا چاہیئے۔ ان میں کس کو بتاؤں کہ سب سے زیادہ کس سے متاثر ہوا۔ ہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آگے چل کر جب میں بیک بینی و دو گوش ہمیشہ کے لیے رامپور آ گیا تو اپنے محسنین میں سے ان صاحبان کے نام لے سکتا ہوں۔ مولانا ابو اللیث صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب (موجودہ امیر جماعت اسلامی ہند) مولانا افضل حسین صاحب سید حامد حسین صاحب حیدر آبادی، مولانا حامد علی صاحب، سید عبد القادر صاحب، مولانا عبد الحی صاحب رامپوری، اور عبد اللہ مبارک شاہ صاحب۔ اگر میں ان کے احسانات کی تفصیل عرض کروں تو اندیشہ ہے کہ یہ بزرگ میرے منھ کو ریت سے بھر دیں گے۔ ہاں ایک خط پڑھ کر آپ اندازہ لگائیے۔ یہ خط میرے پاس کل آیا ہے۔ مولانا ابو اللیث صاحب اب جبکہ امیر جماعت نہیں ہیں۔ ان کی وضعداری ملاحظہ فرمائیں۔ کس محبت اور دل سوزی سے اپنے سے ہیچ کمتر شخص کو خط لکھا کرتے ہیں اس کا نمونہ یہ خط ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۲۷ نومبر ۱۹۸۰ء

چاند پٹی ضلع اعظم گڈھ		برادر عزیز۔ السلام علیکم۔ گرامی نامہ بہت تاخیر سے ملا۔ یہ معلوم کر کے نہایت افسوس ہوا کہ پچھلے دنوں آپ آنکھ کی تکلیف سے پریشان رہے اور دوبارہ آپریشن کرانا پڑا۔ خدا کرے آپ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہو چکی ہوں۔ اور آپ پوری طرح لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے ہوں۔ میں دل سے اس کے لیے دعا کرتا ہوں کیونکہ جو مفید خدمات آپ

اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ میں خاموش رہا۔ صبح کو مجھے نوٹ اسی صورت میں ملے۔ امید ہے کہ آپ کا جواب مل گیا ہوگا کہ سب سے پہلے میں کس ہستی سے متاثر ہوا تھا۔

پابندِ پیری ناشتہ دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد میں جن صاحب سے ملنے والا تھا، حسن اتفاق سے بڑھ کر مجھ سے ملے۔ گویا کنواں خود پیاسے کے پاس آگیا۔ یہ صاحب تھے افضل حسین صاحب مرکزی درسگاہ جماعت اسلامی۔ میں افضل صاحب کی مرتبہ درسی کتب دیکھ چکا تھا۔ ان۔ میں بہت خوش ہوا۔ ناشتہ انہی کے ساتھ کیا۔ ناشتہ پرہیزی نہیں بایزیدی تھا۔ خوب لے کر کھایا۔ خوب باتیں ہوئیں۔ نصاب تعلیم اور طریقِ تعلیم پر کھل کر تبادلہ خیال ہوا۔ میں، کتابوں کے اسباق پر کچھ مشورے دے۔ میں حیران رہ گیا کہ اتنا بڑا ماہرِ تعلیم میرے مشورے کرتا چلا گیا۔ میں افضل صاحب کی وسیع النظری سے متاثر ہو کر خاموش ہو گیا۔ ان کے اخلاق کا اثر یہ ہوا۔ کہ ربط بڑھتا چلا گیا اور اب یہ حال ہے ہم دونوں گھریلو معاملات میں مشورہ

ناشتہ کے بعد مجھے مرکزی جماعت اسلامی کے دفتر کے سامنے برآمدے کے آگے کے صحن میں لے جایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک باوقار شخص کرسی پر بیٹھا ہے اور سامنے بنچ سنجیدہ درویش صفت حضرات تشریف فرما ہیں۔ افضل صاحب کندہم جنس باہم جنس کے مصداق بنچ پر جا کر بیٹھ گئے۔ میں کرسی نشین بزرگ کے پاس دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں خدا جانے کیسے سمجھ گیا کہ یہ مولانا ابو اللیث ہیں۔ مولانا نے ہمنشیں صاحبان کا نام لے لے کر تعارف کرایا۔

مولانا تعارف کرا رہے تھے اور بار بار ان حضرات کی طرف سے ہٹ کر میری نظر مولانا کے چہرہ پر جم جاتی تھی۔ مولانا نے محسوس فرما لیا وجہ پوچھی میں نے عرض کیا کہ ۳۲ء میں جب میں لکھنؤ پڑھتا تھا۔ اس وقت ندوہ میں مصر کے کچھ علماء تشریف لائے تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک سا جلسہ ہوا تھا۔ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا تھا۔ جو برجستہ ترجمانی کے فرائض انجام دے۔ اس نوجوان کا نام شیر محمد خان تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آپ وہی ہیں۔

ہیں لیکن آپ کو اپنی خبر نہیں۔ آپ کی بائیں آنکھ کی بینائی آدھی رہ گئی ہے۔

میں نے عرض کیا۔ ڈاکٹر صاحب! جو تنبیہ آپ نے مجھے دی ہے اس میں میں اکیلا نہیں ہوں وہ لوگ جنھوں نے چاند پر جھنڈے گاڑ دیے۔ انھیں بھی اپنی خبر نہیں۔ اگر وہ اپنے کو پہچان لیتے تو مجھے امید ہے کہ اپنے خدا کو پہچان لیتے پھر وہ ناستک (دہریہ) نہیں رہ سکتے تھے۔

ڈاکٹر نے ایک نظر مجھے دیکھا۔ اسی دن پھر تق کر لیا۔ تب سے بیڈ کے داہنی طرف ایک شخص بھائی کا بیڈ تھا۔ نام ٹھاکر پرساد قوم کا یستھ۔ پرنسپل نہرو ہائر سیکنڈری اسکول ہوبرسکنہ باندہ۔ آپریشن کے بعد، اکتوبر کو پرنسپل صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کل لیٹے لیٹے ہاتھ کیوں اٹھا رہے تھے شاید آپ کو زیادہ تکلیف تھی۔ میں نے بتایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔

"ایسے بھی نماز پڑھی جاتی ہے؟" انھوں نے دریافت کیا اور میں نے معذور کی نماز کے بارے میں اسلامی فقہ کی کچھ کچھ باتیں بتائیں۔

دوسرے دن شیکھنر کی (مشہور کوی) رانے بریلی والے جن کی آنکھ کا بھی آپریشن ہوا تھا انہوں نے سپتر جو سنسکرت کے طالب علم رہ چکے تھے۔ ماسٹر ٹھاکر پرساد جی سے اس ناتے آکر ملے کہ ان کی رشتہ داری باندہ میں ہے۔ انھوں نے سنسکرت کے کچھ بول پڑھے پھر کہنے لگے۔ کہ اس میں بتایا گیا ہے سکھ کیا ہے۔ پھر ترجمہ کر کے یہ چھ باتیں بتائیں۔

(۱) تندرستی ہو۔ (۲) کچھ روپیہ روزگار میں لگا ہو اور اس کا سرکولیشن رہے (۳) خوبصورت اور پتی ورتا بیوی ہو (۴) ضرورت کی چیزیں مہیا ہوں (۵) اچھی اولاد ہو (۶) چھٹی بات میں بھول گیا۔

ترجمہ کر کے مجھ سے پوچھا "چا چاجی ان چھ باتوں کے بارے میں آپ کا وچار کیا ہے؟ میں نے کہا اگر یہ آپ کے دھارمک اشلوک ہیں تو کچھ تنقید نہیں کرنا چاہتا ہاں ان اشلوکوں کے مقابلے میں قرآن کا فیصلہ سناتا ہوں۔ "المال والبنون فتنۃ" قرآن انہی باتوں کو فتنہ اور پرکشا کہتا ہے سکھ ان چیزوں سے نہیں خریدا جا سکتا۔ میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو یہ سب نعمتیں

انجام دے رہے ہیں اس کے لیے بصیرت اور بصارت دونوں ہی اشد ضروری ہیں۔

حجاب کا اوہام شکن نمبر بلہ یا گنج سے موصول ہوا اور میں نے اسی وقت کچھ ادھر ادھر دیکھا تھا اور اس سے خوشی ہوئی تھی۔ کہ آپ نے نہایت ضروری قابل اصلاح مسئلے کی طرف توجہ اس وقت مجھے کوئی خاص کمی محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن وہ پرچہ میری بچیاں ساجدہ اور رضیہ ساتھ جامعہ لیتی گئیں۔ جب وہ واپس لائیں گی تو انشاء اللہ اسے دوبارہ دیکھوں گا اور آپ کے قابل کوئی بات نظر آئی تو ضرور لکھوں گا۔ میری بچیاں بہت شوق سے حجاب پڑھتی ہیں سیتاپور سے واپس ہو چکے ہوں گے۔ اب آنکھوں کا کیا حال ہے۔ والسلام

(دستخط) ابواللیث

خط آپ نے پڑھ لیا؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ میری جگہ ہوتے تو ان وضعدار اور شریف کی طرف سے آپ کے کیا جذبات ہوتے؟ بس وہی قیاس فرمائیں۔

ج۔ تحریکی جدوجہد میں میری مساعی کا حال نہ پوچھئے۔ بدنام کنندہ نکو نامے چند ہوں لہو لگا کے شہیدوں میں نام کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ میرے دعوتی وتبلیغی تجربات "اب تک یاد ہے" سے ایک کتاب میں چھپ چکے ہیں۔ ایک اور کتاب تیار ہے۔ آج کا ایک تازہ تجربہ سنئے۔ اس سے یہ بھی سمجھ لیں گے کہ ہندوستان کا ذہن کس طرح سوچتا ہے اور اسے کس طرح مطمئن کیا جاسکتا۔

۴ا دن آئی اسپتال سیتاپور میں

۵ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو میری دوسری آنکھ کا آپریشن سیتاپور کے آنکھوں کے اسپتال میں ہوا تھا ۱۹۸۰ء کو جب ڈاکٹر میری آنکھوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ تو کہتا جا رہا تھا کہ داہنی آنکھ کا آپریشن اس طرح ہوا جیسے اب سے تیس برس پہلے ہوا کرتا تھا مگر بینائی محفوظ ہے۔ دھندلاہٹ اس وقت جائے گی جب دوبارہ آپریشن ہوگا۔ مگر مائی صاحب! آپ نیوز مرتب کر کے دنیا بھر کو راہ

کے ہاتھ بیچے تھے۔

پرنسپل صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابھی میرا جواب پورا نہیں ہوا۔ صاف صاف سنئے۔ اگر آپ ہم کو اللہ کے حکموں پر چلنے سے روکیں گے۔ صرف اس لئے کہ ہم اسلام کے پیرو ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور اللہ ہی کو اپنا مالک مولا عالم اور آقا تسلیم کرتے ہیں جو دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر آپ ہمیں ہمارے دین پر چلنے نہ دیں گے تو پھر ہم آپ سے ٹکرا جائیں گے۔ اپنے دین کو بچانے کے لیے ہم اپنا پیارا وطن بھارت ورش بھی چھوڑ کر کہیں جا رہیں گے۔ یا آپ سے لڑ کر جان دے دیں گے۔ وطن اور دین کا فرق مجھ سے نہیں، ساری دنیا کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنئے:۔

مکے کے لوگوں نے محض دین اسلام کے جرم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیارے ساتھیوں کو کفر کی طرف لوٹانا چاہا اور اتنا مجبور کر دیا کہ ہجرت کے سوا چارہ نہ رہا۔ اس وقت اللہ کے حکم سے آپ مکے سے نکلے۔ شہر کے کنارے پہنچ کر دردناک لفظوں میں فرمایا۔ اے میرے پیارے وطن مکہ، تیری زمین پر لوگ مجھے اللہ کے دین پر چلنے نہیں دیتے۔ اس لیے محض اللہ کے لیے میں تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ حالانکہ اے میرے پیارے وطن! تو مجھے سارے جہاں سے زیادہ پیارا ہے۔

پرنسپل صاحب! وطن اور دین کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ آپ بتائیں آپ کا عقیدہ کیا ہے۔ آپ کے یہاں بھگوان اور بھارت میں کس کی ویلیو زیادہ ہے؟ پرنسپل صاحب کچھ جواب نہ دے سکے ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ میں نے تیمم کیا۔ عصر کی نماز بیٹھے بیٹھے اشاروں اشاروں میں پڑھی۔ پرنسپل صاحب یہ سب چپ چاپ دیکھتے رہے۔ میں نے سلام پھیرا۔ ان پر بھی نظر پڑی۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں نے ان کی کوئی قیمتی شے کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔

اسی وقت میرے دونوں داماد میاں تفضل حسین بسواں میڈیکل اسٹور والے اور جلال الدین جنتا کلاتھ ہاؤس والے چار لے کر آگئے۔ میں جانتا تھا کہ پرنسپل صاحب کو اسپتال کی طرف سے جو چائے ملتی ہے وہ انھیں پسند نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ہمارے آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا

رکھتے ہیں لیکن بہت دکھی ہیں۔

اور اگر یہ دھارمک اشلوک نہیں ہیں بلکہ کویتا ہے تو شاعر نے نہایت گھٹیا وچاروں کو نظم کیا ہے۔ قرآن ان کو مرغوبات نفس اور دشمن کہتا ہے۔

شیکھر کوی کا پستر پرنسپل صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔ پرنسپل صاحب نے کہا "چاچا سچ ہیں"۔ پھر میں نے رد پیہ، بیوی، اچھی اشیا کے استعمال اور انفاق کا اسلامی نظریہ پیش کیا۔ میں نہا سکتا کہ میری باتوں کا کیا اثر لیا گیا۔ دوسرے دن پرنسپل صاحب نے مجھ سے کہا "آ گیا ہو تو کچھ کروں، بُرا تو نہ مانیں گے؟" میں نے کہا "فرمائیے، لیکن کل آپ جان چکے ہیں کہ میں بے لاگ کہتا ہوں، آپ بھی بُرا نہ مانیں۔ میں حق بات ہی کہوں گا۔" بولے "میں بھی ستیہ کو پسند کرتا ہوں" پوچھا کہ اگر پاکستان اور ہندوستان آپس میں لڑیں تو آپ کا رول کیا ہوگا؟

سوال سنکر میں پرنسپل صاحب کو دیکھنے لگا۔ ان کی دائیں آنکھ پر اور میری بائیں آنکھ بندھی تھی۔ ایک ایک آنکھ ہی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یعنی آنکھیں چار نہ ہو سکیں میں نے جواب دیا۔

"پرنسپل صاحب! میرا خیال تھا کہ آپ کوئی علمی سوال کریں گے مگر آپ نے اپنے مرتبے سے گرا اسٹوڈنٹ لائف کا سوال کیا۔ افسوس! آپ ۱۹۴۷ء سے اب تک ۴۰ برس میں ہمارا رول نہ دیکھ سکے جبکہ اس عرصے میں ہندوستان اور پاکستان دو بار لڑ چکے ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کب ہم نے غداری کی اور اپنے وطن بھارت کے خلاف قدم اٹھایا۔ آپ نے ہم میں سے کوئی جاسوس بھی پکڑا۔ کیا رول عثمان بریگیڈیر کے روپ میں آپ نے نہیں دیکھا۔ جو آگرہ کے ہوائی اڈے کا بریگیڈیر تھا غداری کرتا تو نہ جانے کتنے شہر تہس نہس کر دیتا۔ مگر اس نے پاکستان میں گھس کر جان دی۔ عبدالحمید بھی آپ کو یاد نہ رہا جو پاکستان سے لڑتے لڑتے مارا گیا۔ ذرا آپ مجھے یہ بتائیں کپور، موہن اور ان کے ساتھی ہندو تھے یا مسلمان۔ جنھوں نے ہندوستان کے جنگی راز پا

کے شبدوں میں لگاتے ہیں۔ کیا آپ کا یہ نعرہ عالمی بن سکتا ہے۔

پرنسپل صاحب بولے "چاچا! شائد آپ سمجھ گئے کہ میں آر۔ ایس۔ ایس کا آدمی ہوں جس طرح بے جگری سے آپ اسلام کے بارے میں باتیں بتاتے ہیں۔ یہی طریقہ مولوی شبرات علی صاحب کا تھا۔ میں نے پوچھا شبرات علی صاحب کون؟" بتایا کہ ایمرجنسی کے زمانے میں مدھل کے شبرات علی صاحب ہمارے ساتھ جیل میں تھے۔ انھوں نے بھی مجھے بتایا تھا کہ قرآن سب لوگوں کے لیے ہے وہ جماعت اسلامی کے ممبر تھے اور اسی جُرم میں پکڑے گئے تھے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ بھی جماعت اسلامی کے ممبر ہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں! میں بھی جماعت اسلامی سے وابستہ ہوں۔ میرا خیال ہے کہ کافروں کو جہاں پاؤ، مارو والی بات کا جواب مولوی شبرات علی نے جیل میں قرآن پڑھ کر بتا دیا ہوگا

پرنسپل صاحب بولے۔ ہاں، مگر میں آپ سے بھی سننا چاہتا ہوں۔

سنئے۔ "یہ حکم اسلامی ریاست کے ان دشمنوں کے لیے ہے جو بار بار مسلمانوں سے لڑتے تھے اور جب ہارتے تھے، پکڑے جاتے تھے تو معافی مانگ لیتے تھے لیکن پھر لڑتے تھے۔ خفیہ طور پر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی تدبیریں کرتے تھے اور جہاں اکّا دکّا مسلمان پاتے اُسے شہید کر دیتے تھے۔ قرآن میں ان کے لیے حکم ہے کہ ایسے بدعہدوں کو جہاں پاؤ مارو۔ پرنسپل صاحب! میرا خیال ہے کہ آپ سیاست سے بھی واقف ہوں گے۔ کیا دنیا کی کوئی ریاست ایسے دشمنوں کو چھوڑ دیتی ہے اسلام جو اپنے کو دینِ فطرت کہتا ہے اسی لیے کہتا ہے کہ اس کے احکام فطرت کے مطابق ہیں۔

میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ میرے ماموں زاد بھائی مسٹر عابد علی انصاری آ گئے۔ اور سلام کر کے میرے بیڈ پر بیٹھ گئے۔ انصاری صاحب نے مجھ سے کہا۔ آپ بہت باتیں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کی ہدایات کی بے چوں و چرا پابندی کیجیے۔ ورنہ کچھ گڑ بڑ ہو گیا تو پھر آنکھ دوبارہ نہ بن سکے گی۔"

میں نے مسکرا کر جواب دیا "بھائی! یہی بات جب ہم دنیا بھر کے سب سے بڑے ڈاکٹر کا نام لے کر اس طرح کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا ہے اور قیامت آ کر رہے گی

ہے کہ جب کھاؤ پیو تو اپنے پڑوسی کا خیال رکھو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر اور منزل کے ساتھی کا
ہے اس لیے میرے لیے جو چائے آئی ہے اس میں آپ کا بھی حق ہے اور یہ جو بائیں طرف
بھائی لیٹے ہیں۔ ان کا بھی حق ہے۔ آپ دونوں میرے پڑوسی ہیں۔

میرے دامادوں نے میرا اشارہ پاتے ہی دو اُبلے ہوئے انڈوں کو اس طرح کاٹا
چھ حصے ہو گئے۔ چار پیش کی۔ چائے پیتے وقت بستی والے بھائی نے کہا، مائل صاحب!
صاحب سے جو آپ کی باتیں ہوئیں وہ میں نے بھی سنیں۔ آپ کی باتوں نے ہمارے ذ
دیا ہے۔

میرے دونوں داماد تبلیغی جماعت کے اچھے درکر ہیں مجھ سے پوچھنے لگے۔ کیا بات
نے کہا پھر بتادوں گا۔ کل سے ایسا کرنا کہ میرے ان دونوں پڑوسیوں کے لیے صبح اور سہ
حصے لانا۔

دوسرے دن پرنسپل صاحب نے مجھ سے کہا، چاچا! آپ کے قرآن میں لکھا ہے کہ
جہاں پاؤ، مارو، قتل کرو۔ کیا اس اشلوک سے آپ متفق ہیں؟"

میں نے کہا کہ سب سے پہلے آپ کی بدنصیبی یہ ہے کہ آپ نے قرآن کو ہم مسلمانوں کا
قرآن پکار پکار کر کہتا ہے: یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم
تتقون "اے ساری دنیا کے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور تم
لوگوں کو بھی پیدا کیا تو تم بچ سکو گے۔

پرنسپل صاحب! آپ سمجھے کس چیز سے بچ سکیں گے۔ دنیا میں غلط راہوں سے اور مرنے
(جہنم) سے۔

قرآن کا یہ پیغام سب لوگوں کے لیے ہے لوگوں میں مسلمان بھی ہیں، ہندو بھی، عـ
یہودی۔ اب آپ ذرا اس کا مقابلہ اپنے اس نعرے سے کریں، ہر روز "ہندو، ہندو

لے لیا۔ پھر راون قید کرکے لے گیا۔ رکھا یا ستایا۔ طرح طرح کے ظلم کئے کہ کسی طرح سیتا اس سے راضی ہو جائیں
مگر اس پاک سیرت مہیلا نے اُسے ہاتھ نہ لگانے دیا۔ پھر جب رام نے راون پر فتح پائی اور سیتا جی کو چھڑایا
تو جلتے توے پر چلا کر ان کی پریکشا لی کہ وہ پاک رہیں یا نہیں۔ اس پریکشا میں سیتا جی پوری اُتریں
لیکن اجودھیا کے ایک غنڈے نے جو اپنی بیوی سے لڑ رہا تھا۔ اس سے کہا: میں رام نہیں ہوں
کہ انھوں نے توبہ توبہ)........ ایسی اور ایسی سیتا کو گھر میں رکھ لیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر راجہ
رام چندر جی کو پہنچائی تو انھوں نے اس پتی ورتا خاتون کو جو پریکشا میں پاک ثابت ہوئی تھی اس
حالت میں جنگل بھجوا دیا جب کہ وہ غریب حاملہ تھی اور وہ اپنے پیٹ میں رام کے دو بچوں کا بوجھ
سہارے تھی۔ یہ رام راجیہ کا فیصلہ تھا۔ اگر سیتا جی کا مقدمہ کسی اسلامی عدالت میں ہوتا تو اس
غنڈے دھوبی سے دو نہیں چار چشم دید گواہ مانگے جاتے۔ وہ نہ پیش کرتا تو کوڑوں سے اس کے....
اُدھیڑ دیے جاتے پھر اگر وہ زندہ رہتا تو ہمیشہ کے لیے ساقط الاعتبار قرار پاتا۔ یعنی عدالت میں اس
کی گواہی کبھی تسلیم نہ کی جاتی۔ وہ جھوٹا مانا جاتا۔ اور اگر رام چندر جی سیتا کو قبول کرنے سے انکار کرتے تو
وہی جرم ان پر بھی عائد ہوتا۔ آپ مجھے سمجھائیں کہ بھگوان رام نے اپنی بے گناہ بیوی پر یہ ظلم
کیوں روا رکھا۔ اس کا جواب پرنسپل صاحب نے جو دیا۔ وہ حیرت انگیز بھی ہے۔ دلچسپ بھی ہے اور
اس میں بے مثل کلائمکس ہے اور سننے کے لائق اس لئے ہے کہ ہندوؤں میں دانشور طبقہ بھی کیسی کیسی باتوں
کو مانتا ہے اور جب ایک الشیوروادکی بات کی جاتی ہے تو کہتا ہے کہ ویدوں میں یہی ہے۔ پرنسپل صاحب
نے فرمایا:

"میں بھی اس بات کو سدا سوچا کرتا تھا۔ پھر ایک آچاریہ جی سے میں نے پوچھا۔ انھوں
نے سمجھایا تو مجھے اطمینان ہوا۔ وہی جواب سنئے۔ آچاریہ جی نے فرمایا:
کسی شخص کی قبل از وقت موت ہو جاتی ہے تو اس ٹائم تک جب تک کہ اُسے جینا چاہئے تھا
اس کی روح کوئی یونی (جسم) دھارن نہیں کرتی۔ وہ اِدھر اُدھر بھٹکا کرتی ہے۔ رام بن کو گئے

تو لوگ بے چوں وچرا انہیں مانتے ہیں۔
انصاری صاحب گھنٹہ سوا گھنٹہ بیٹھ کر چلے گئے۔ پرنسپل صاحب نے پوچھا۔ کیا یہ عابد علی انصاری ایم۔ ایل۔ اے تو نہیں جو منسٹر آف یو، پی رہ چکے ہیں؟ میں نے بتایا۔ وہی ہیں۔

تین دن تک پرنسپل صاحب اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں سوال کرتے رہے اور میں قرآن اور حدیث کی دلیلوں کے ساتھ جواب دیتا رہا۔ چوتھے دن میں نے ان سے کہا میں ہندو دھرم اور ہندوؤں کے بارے میں آپ سے کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اسی طرح حق بات کہیں گے جس طرح میں نے کسی جھجک کے بغیر عرض کی۔

پرنسپل صاحب! ایک ایشور واد (توحید) کے بارے میں آپ لوگوں کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ایشور ایک ہی ہے تو پھر یہ سورج دیوتا، چاند دیوتا، بیگھ ناتھ۔ اندر دیوتا اور ایسے ہی ہزاروں خدا آپ لوگوں نے کیوں بنا ڈالے۔

پرنسپل صاحب نے جواب دیا کہ ویدوں میں ایک ایشور واد ہی کا عقیدہ ہے۔ یہ تو بعد میں پران کی دنت کتھاؤں نے ڈھونگ رچ دیا اور ہندو اسی کو ماننے لگے۔

میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے مطمئن نہیں کیا۔ آپ تو جواب دینے سے بھاگ رہے ہیں اچھا آپ بتائیے کہ ویدوں میں ایشور کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے یعنی کہ اُسے ہم کیا مانیں اور کیا نہ مانیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس کی کیا صفات ہیں جن میں اس کا کوئی ساجھی نہیں۔

پرنسپل صاحب نے بتایا کہ وید میں نے نہیں پڑھے۔ میں نے کہا" پھر آپ نے کیوں کہہ دیا کہ ویدوں میں ایک ایشور واد کا عقیدہ ہے۔

میرے یہ کہنے پر پرنسپل صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ میں نے دوسری بات پوچھی۔ میں نے کہا کہ میری نظر میں ہندوستان کی عورتوں میں سیتا جی کا مقام بہت اونچا ہے۔ وہ پتی ورتا (شوہر پرست) تھیں۔ شوہر کی محبت میں انھوں نے پھولوں کی سیج چھوڑی اور چودہ برس کا بن باس

کہ آپ کے ہندو دھرم میں بھگوان اور بھارت میں کس کا درجہ اونچا ہے۔

"چاچا، میں آپ کو مطمئن نہ کرسکوں گا۔" یہ سن کر پرنسپل صاحب پر مجھے ترس آگیا۔ افسوس! اس قوم نے اپنے سچے نبیوں اور نبیوں کی سچی تعلیم کو بالکل کھو دیا اور اب بھگوان کو بھلا کر ہندو، ہندی، ہندستان کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں۔

۱۲/ اکتوبر کو سہ پہر کے وقت میرے دامادوں میں سے وقت پر کوئی چا ہنیں لایا تو پرنسپل صاحب نے مجھ سے کہا "چاچا! چلیے ہوٹل چلیں اور آپ میری طرف سے چا پی لیں"۔ میں سمجھ گیا کہ پرنسپل صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ہمیں چلنے پھرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ میں ان کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں انھوں نے کہا کہ "آر ایس ایس میں سب سے بڑا وہ مانا جاتا ہے جو شادی نہیں کرتا اور اپنی ساری کمائی آر ایس ایس کو دیتا ہے۔ ہمارے بالا صاحب کنوارے ہیں"۔

میں نے پوچھا "کنوارا رہنے میں کیا حکمت ہے"؟ بتایا کہ ایسا آدمی اگر کسی عہدے پر پہنچ جائے تو پکش پات نہیں کرسکتا۔ لوگ رشوت اور پکش پات کے اپرادھی اپنے بیوی بچوں کے لیے ہی تو ہوتے ہیں۔

میں نے کہا پرنسپل صاحب! بالا صاحب سخت غلطی پر ہیں۔ اگر وہ شادی کرتے۔ ان کے بچے ہوتے۔ بھارت ماتا کو کئی بالا صاحب ملتے۔ بہترین جانشین اولاد کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے نبیوں نے اپنے مشن کے لیے صالح اولاد کی دعا کی تھی۔ اسلام کہتا ہے۔" لا رھبانیۃ فی الاسلام " اسلام میں جوگی پن نہیں ہے۔ تم دنیا کے بکھیڑوں سے لڑو اور اس حالت میں اللہ کا نام لیتے ہوئے۔ دنیا سے صاف بچ جاؤ۔ پھر یہ کہ سارے اچھے لوگ سنیاس لے لیں تو حکومت بدمعاش اور غنڈوں ہی کے ہاتھوں میں آئے گی اور یہ غنڈے بھلے مانس اور صالح لوگوں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرسکیں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟

پرنسپل صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ چا پی کر جب ہم واپس آئے تو برادر ماد جلال الدین

تو بیٹے کی جدائی میں راجہ دسرتھ جی کا موت کے ٹائم کے پہلے ہی دیہانت ہوگیا۔ ان کی روح راج محل میں بھٹک رہی تھی۔ چودہ برس کے بعد جب رام بن سے واپس آئے تو چونکہ وہ رام تھے اس لئے انھوں نے باپ کی پریشان روح کو پہچان لیا۔ انھیں بڑا دکھ ہوا۔ اسی زمانے میں ایک دھوبی نے سیتا جی کو دوشی قرار دیا۔ تو رام نے اس حکمت سے کام لیا کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ پتا جی کی روح سے کہا۔ میں اپنی دیہہ چھوڑتا ہوں۔ آپ میری دیہہ میں آجائیں۔ میری دیہہ میں آنے کے بعد سیتا آپ کے ساتھ پٹ رانی بن کر سنگھاسن پر نہیں بیٹھ سکتی اور نہ آپ اس سے بھوگ کر سکتے ہیں۔ اس سے بچنے کے لیے آپ سیتا کو دوبارہ بن باس دیدیں تاکہ پبلک میری طرف سے بدگمان نہ ہو۔ تو اصل بات یہ ہے کہ وہ رام نہیں تھے بلکہ دسرتھ تھے جنھوں نے احتیاط کے طور پر سیتا کو بن باس دیا تھا۔ پھر جب اپنی موت کے اصلی سمے پر وہ بھی موت مرے تو رام کی روح پھر اپنی دیہہ میں آگئی اور وہ سیتا کو لینے بن میں گئے اور لوکش سے وہ مشہور یدھ ہوا جس میں رام کی فوج کے سب سے بہترین جنرل لچھمن مارے گئے۔"

آچاریہ ہندوؤں میں سب سے بڑے وِدّوان کو کہتے ہیں جسے ویدوں، پرانوں، اپنشدوں پر عبور ہوتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے۔ کہ وہ ہندو دھرم کا سب سے بڑا فقیہہ ہوتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں ایسے چار آچاریہ ہیں۔ آچاریہ کے حوالے سے میں نے یہ جواب سُنا تو میں دنگ رہ گیا۔ میری زبان سے نکلا کہ آپ نے اس قصے کو تسلیم بھی کر لیا اور مطمئن بھی ہوئے۔ کیا میں اس طرح جیسے ڈاکٹر نے آپ کی آنکھ کا آپریشن کیا ہے۔ اسں دنت کتھا کا آپریشن کروں؟

قبل اس کے کہ پرنسپل صاحب کچھ کہتے، بستی والا میرے بائیں طرف کا پڑوسی بولا "عذرگنا بدتر از گناہ" اور پھر وہ شیخ سعدی کی گلستاں سے کوٹ کر کے ایسی ایسی باتیں کرنے لگا کہ میں دنگ رہ گیا۔ تیسرا سوال کرتے وقت میں نے کہا کہ پرنسپل صاحب اگر آپ نے میری تیسری بات کا جواب بھی اسی طرح دیا تو پھر میں آپ سے کچھ نہ پوچھوں گا۔ مجھے ابھی تک اس کا جواب نہیں ملا

(مس گلشن آرا ملک آرونی کشمیر)

پندرھویں صدی ہجری اور خواتین کی ذمہ داری

یہ صدی جو صرف ایک دو ماہ پہلے ہم پر بہت طمطراق کے ساتھ سایہ فگن ہوئی اپنے ساتھ بہت ے کر آئی ہے اب نہ صرف مسلمان مردوں کو بلکہ خواتین کو بھی ان تقاضوں کو پورا کرنا ہے مدی کے استقبال میں دنیا کے ہر گوشے میں رنگ رنگ کے پروگرام اور جلسے و جلوس م ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اس صدی کے استقبال میں جہاں مسلمان پیش پیش ہیں۔ غیر مسلم حضرات کچھ پیچھے نہیں ہیں۔ ایک طرف اگر پاکستان پندرھویں صدی کی تقریبات جا رہا ہے تو وہاں دوسری طرف امریکہ اور ہندوستان بھی اس صدی کے لیے دیدہ دل کیے ہوئے ہے۔ کیونکہ یہ صدی ایک عظیم صدی ہوگی۔ اس صدی نے اپنے آنے سے ہی اپنے اثرات دنیا پر چھوڑ دیے تھے۔ جس سے روشن مستقبل ظاہر ہو رہا تھا۔ یہ صدی ساتھ بہت سے اسلامی انقلابات لے کر آئی ہے۔ اب کے متعلق دنیا آج تک جو رائے تھی یکایک بدل دینی پڑی۔ اور دنیا کو اسلام بھی ایک نظام حیات [redacted] تسلیم کرنا ۔ آج تمام دنیا کو اسلام کی حقانیت ماننی پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام لوگ یہ رائے ظاہر کرتے ہا کہ یہ صدی انشاء اللہ اسلام کی صدی ہوگی اور اسلام اب دنیا کے تمام مسائل حل کر کے رکھ ے گا۔ کیونکہ تمام دوسرے نظریہ ہائے حیات کو زمانہ نے رد کر دیا ہے۔ اب دنیا کو اسلام ے بغیر چارہ ہی نہیں۔ یہ صرف مسلمانوں کی ہی رائے نہیں اور نہ آج کی بات ہے بلکہ بہت سال پہلے [redacted] کہہ چکے ہیں کہ پندرھویں صدی میں کوئی بھی مذہب نہیں ہوگا

چائے لئے ہوئے ہمارے بیڈ پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔

یہ تجربہ مختصر طور پر لکھنے کے باوجود طویل ہوگیا مگر اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں کا ذہن کس طرح سوچتا ہے جب کہ وہ اپنے دھرم پر مطمئن نہیں ہے۔ اگر ہم اُسے اسلامی تعلیم سے روشناس کردیں تو ہم بھارت کے باسیوں پر احسان کریں گے اور ہمارا اللہ بھی ہم سے راضی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

(۵) آئندہ کے لئے ہمارے عزائم۔

- ہم کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی تربیت میں اپنی 60% قوت لگا دینی چاہیئے۔
- باقی 40% میں سے ہماری 20% کوشش ہندی میں اسلامی لٹریچر پھیلانے میں صرف ہونا چاہیئے۔
- باقی 20% عام مسلمانوں اور غیر مسلموں کی خدمت اور دعوت و تبلیغ کرنے کے لیے وقف کرنا چاہیئے۔

اس طرح بتدریج کچھوے کی چال چل کر خرگوش کو شکست دینا چاہیے۔

(۶) رفقائے جماعت اور تحریکی ساتھیوں کے لیے میرا پیام یہ ہے:۔

- تم لوگوں کو جیسا بنانا چاہتے ہو ویسے خود بن جاؤ۔
- جماعت سے کسی حال میں بھی نہ کٹو ورنہ شیطان تم کو اچک لے جائے گا۔
- اللہ کا دین پھیلانے میں کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاؤ۔ باطل تم کو قتل کرسکتا ہے لیکن اللہ کے دین کے پھیلاؤ کو کوئی روک نہیں سکتا۔
- ہمیشہ حق بات کہو چاہے تمہارا اپنا ہی نقصان ہو۔
- خود غرض نہ ہو، جنت کے ٹھیکیدار خود نہ بنو۔ ہمارا غیر مسلم بھائی بھی اس کا حقدار ہے۔ اُسے جنت کے راستے پر لگانے کی جدوجہد کرو۔
- بھارت بھگوان بانی کے لیے ترس رہا ہے۔ قرآن کو عام کرو۔ یہی میرا پیغام ہے۔ اللہ تمہاری مدد کرے۔ ●●

برائے کرم، خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری یا ایجنسی ضرور لکھا کیجئے۔ منیجر

لاسکتی ہے۔ اس طرح یہ اپنے ماحول، خاندان، قوم میں اسلامی اقداروں کو بحال رکھ سکتی ہے۔

حق کی گواہی دینے کی ذمہ داری جتنی مرد پر اتنی ہی عورت پر ہے۔ اگرچہ یہ دوسری بات ہے کہ عورت فطری طور پر کمزور ہے۔ قیامت کے روز اس سے بھی اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ایک اور ذمہ داری جو اس پر ہے وہ ہے رفاہ عام اور اصلاح معاشرہ کی خدمت آپ جانتے ہیں کہ اس وقت بہت ہی اخلاقی بیماریاں عورتوں میں ہیں وہ دینی علم سے کوسوں دور ہیں۔

اس وقت ضرورت ہے کہ اصلاح حال رفاہ عام کی طرف توجہ فرمائیں۔ جتنا علم ایک عورت میں ہو اس کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ یہ دوسری عورتوں تک پہنچادے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بے قرار ہونی چاہئے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تحریکی کام عورتوں میں عورت جتنا کرسکتی ہے مرد اتنا نہیں کرسکتا۔ عورت عورتوں کے مزاج سے پوری واقف ہوتی ہے۔

ہمارے سامنے صحابیات کا اسوہ حسنہ ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ دورجدید میں اخوان المسلمون کی خواتین نے ہمارے لئے اس راہ کو اور بھی روشن کردیا۔ اور تحریکی کام کو اس دورجدید میں آسان بنا دیا۔ اس بارے میں انھوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ انھوں نے اپنے خون سے اس راہ کو روشن کیا۔

اگر خواتین اپنی زندگی کی جو بھی ضروریات ہیں اور زندگی قائم رکھنے کے لئے جو ضروریات وہ ضروری سمجھتی ہیں۔ اسی طرح اس دعوتی کام کو بھی اپنی زندگی کی ایک ضرورت سمجھیں تو دور نہیں کہ یہ صدی ایک اسلامی صدی ثابت ہوگئی۔ اور اسلام اپنے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے ایک بار پھر آجائے گا۔

• •

اگر ہوگا تو اسلام اور دہی دنیا کو امن دے سکتا ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو یہاں پر مسلمانوں پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام نہ دیا تو اللہ کے حضور جواب دہ ہوں گے اور تمام دنیا کا بوجھ ان کے کندھوں پر لاد دیا جائے گا۔ کیونکہ دنیا اس وقت ہدایت اور امن کے لئے ترستی ہے۔ انسانیت پر سکتہ کی حالت طاری ہے۔ اور مسلمانوں کے پاس ہی اس کا حل ہے۔ مگر عجیب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں خواتین اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے بری سمجھتی ہیں۔ جب کہ خواتین بھی اپنے مخصوص دائرے میں بہت ساری ذمہ داریاں سنبھال سکتی ہیں۔

سب سے اہم ذمہ داری جو اس وقت ان پر عائد ہوجاتی ہے وہ کردار سازی character building کی ہے۔ اگر خواتین اپنے اندر اسلامی کردار پیدا کریں تو وہ ایک معاشرے کو بدل سکتی ہیں۔ خواتین اسکول میں ہوں یا کالج میں ہوں یا ہسپتال میں ہوں۔ اگر اسلامی کردار کا مظاہرہ کریں تو اپنے اس قوی اور مضبوط ہتھیار سے ہزاروں کے دل بدل سکتی ہیں۔ یہ کوئی خیالی بات نہیں تاریخ کے اوراق یہ ثابت کرچکے اور شہادت پیش کرچکے ہیں کسی کے ذہن میں یہ خیال ہوگا کہ وہ تو پرانی بات ہے مگر ایران کے اسلامی انقلاب کے راستے میں جو رول خواتین، طالبات نے ادا کیا کون اس سے انکار کرسکتا ہے۔ کیا وہ مافوق الفطرت تھیں۔ کیا وہ کمزور مخلوق نہ تھیں۔

دوسری اہم ذمہ داری جو عورت پر عائد ہوسکتی ہے وہ ہے اپنے گھر کا ماحول۔ اس کی تربیت میں اس کے بچے ہوتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں اور لڑکے اس وقت دین سے جتنا بیگانہ ہیں اس کی تمام تر ذمہ داری اسی عورت پر عائد ہوتی ہے اگر عورت اپنے بچوں کی تربیت اسلامی بنیادوں پر کریں تو ماحول بالکل بدل کر رہ جائے گا۔ یہ عورت اپنے شوہر کا چال چلن بھی اور اس کے دوسرے لوگوں کا ذہن بھی بدل دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں ایسی ایمانی قوت ہو۔

ایک دوشیزہ (کنواری) لڑکی اپنے بھائی بہنوں کے مزاج دل اور کردار میں انقلاب

اُٹھتا چلا گیا تھا۔

"دوست!" جمال دو قدم اور آگے بڑھ کر بولا۔

"کون ہو؟" لڑکی غرائی۔

"نئی صبح" جمال نے کہا اور لڑکی کا تنا ہوا جسم ایک طویل سانس سے ڈھیلا ہو گیا۔

"میں ایک گھنٹے سے بھٹک رہی ہوں۔" لڑکی نے آہنی گن کندھے سے لٹکاتے ہوئے کہا: "مجھے بتایا گیا تھا کہ وادی پر تم لوگوں کا مکمل کنٹرول ہے۔ لیکن یہاں تو حالات ہی دوسرے ہیں۔"

"تشریف لائیے!" جمال نے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ "اندر چل کر باتیں کریں گے۔"

"کیا قدیر بابا موجود ہیں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ہاں" جمال نے جواب دیا اور لڑکی اُس کے دوش بدوش چلنے لگی۔ غار کا دہانہ کھل چکا تھا اور تازہ گل باہر جھانک رہا تھا۔ گھوڑا انھوں نے جھاڑی کے ساتھ باندھا اور غار میں داخل ہو گئے۔

"السلام علیکم" نزدیک جا کر لڑکی بولی اور قدیر بابا اُچھل کر کھڑا ہو گیا: "کون؟ سعدیہ تم؟"

"جی محترم بابا!" سعدیہ نے پلکیں جھپکائے مودب انداز میں جواب دیا۔

"تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا" قدیر بابا بڑبڑایا: "تمہیں گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔"

"گھر۔ کون سا گھر بابا!" سعدیہ مضبوط مگر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میرے گھر کے صحن میں تو بھیڑیے گھس آئے ہیں بابا! میرے گھر کے در و دیوار جل رہے ہیں۔"

"ہاں!" قدیر بابا کے منھ سے طویل سانس نکلی "یہ تو سچ کہتی ہے میری جان، لیکن ابھی تیرا باپ اور لاکھوں بھائی زندہ ہیں۔ ادھر دیکھو یہ غیور بیٹے، یہ بہادر مجاہد، یہ سب تیرے بھائی ہیں اور تیرے ناموس کی حفاظت کے لیے سر پر کفن باندھے پھرتے ہیں۔"

"مجھے اپنے غیور بھائیوں پر فخر ہے بابا!" سعدیہ نے جواب دیا: "یہ گھر ہم سب کا گھر ہے؟"

"ہاں" قدیر بابا بیٹھتے ہوئے بولا: "یہ گھر، یہ مقدس وطن ہم سب کا گھر ہے۔ یہ سب

نئی صبح کی تلاش



ابن آدم

• گھوڑے کی لگام تھامے وہ پتھریلی زمین پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس کے دائیں کندھے سے شامی گن اور بائیں سے دوربین لٹک رہی تھی ہوئی ٹوپی نے اس کا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ چڑھائی کی وجہ سے وہ جھک کر چل رہی تھی۔ اور جمال جھاڑیوں کے درمیان کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ قدرے ہموار جگہ پہنچ کر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی جمال جھاڑیوں سے نکل کر بولا: "خوش آمدید!" لڑکی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ غیر اختیاری طور پر شامی گن کی طرف

عباس نے خط لفافے میں رکھا اور میجر قدیر کی طرف بڑھایا۔

"خط کو جلا دیا جائے!" میجر نے سپاٹ لہجے میں کہا اور عباس نے لفافہ چراغ کے شعلے پر رکھ دیا۔

☆

مقامی گرلز اسکول کے اندر ایک سرونٹس کوارٹر میں کیپٹن عباس اور سعدیہ درجہ چہارم کے ملازمین کی سرکاری یونیفارم پہنے بیٹھے تھے جمال اچانک بیمار ہوگیا تھا اور اس کی جگہ کیپٹن عباس کو مقرر کردیا گیا تھا۔

اسکول پر اچانک روسی فوج نے قبضہ کرلیا تھا اس لیے بیشتر کوارٹروں سے ملازمین بھاگ گئے تھے۔ ایک خالی کوارٹر پر مجاہدین کا قبضہ تھا۔ کمرے میں ایک ٹین، جھاڑو، کلہاڑا اور کوئلوں کا بیگ رکھا تھا۔

"ایک بات پوچھوں کیپٹن؟" سعدیہ نے مشین گن کا ایمونیشن پٹہ رول کرتے ہوئے کہا۔

"ضرور پوچھو۔"

"یونیورسٹی میں تمہارا شمار باتونی لڑکوں میں ہوتا تھا۔" سعدیہ نے دوسرا پٹہ اٹھاتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "لیکن میں دیکھ رہی ہوں تم بہت بدل گئے ہو، کیا میرا آنا ناگوار گزرا ہے؟"

کیپٹن نے نم آلود بھوری آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ سعدیہ بھی براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"پتہ نہیں مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔" کیپٹن نے کھوئے سے انداز میں ہاتھ ہلایا "میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"سنو عباس!" سعدیہ نے کہا "بے شک میں نے مخلوط تعلیم حاصل کی ہے لیکن تعلیم سے فارغ ہوکر میں صرف ایک بیٹی بن گئی تھی جو رات دن صرف ایک ہی خواب دیکھا کرتی تھی جس کے من میں ایک شخص بس رہا تھا۔ لیکن اچانک دھماکہ ہوا، خواب کرچی کرچی ہوکر بکھر گئے اور میں مجبور ہوگئی کہ اس خطرے سے نبرد آزما ہوسکے جس نے میرے وطن کو گھیر لیا ہے۔"

عباس اٹھ کھڑا ہوا۔ "پھر بھی تمہیں گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں آنا چاہئے تھا سعدیہ!"

نے کیا پیغام دیا ہے؟"

"وہ دو ہزار مجاہدین کے ساتھ پیر سید احمد گیلانی کی کمانڈ میں چلے گئے ہیں" سعدیہ نے بتایا۔

"اوہ!" قدیر بابا ہونٹ کاٹنے لگا: "لیکن کیوں؟ وہ تو مولوی محمد یونس خالص کے ساتھ تھا"

"مجھے پیغام دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے باباجی!" سعدیہ بولی: "خدا کے فضل و کرم سے دونوں رہنما قومی مفاد کے پیش نظر متحد ہو چکے ہیں۔ پیر صاحب اور مولوی صاحب کے متحارب گروپ مل گئے ہیں۔ مولوی صاحب ہی نے میرے بابا کو حکم دیا ہے کہ پیر صاحب کی قیادت میں چلے جائیں"

"اللہ اکبر! اللہ اکبر!" قدیر بابا بولا: "یہ ایک نیک قدم ہے، اتحاد میں بڑی برکت اور طاقت ہوتی ہے۔ میرے لیے کیا حکم لائی ہو؟"

"آپ کے لیے بابا نے یہ خط دیا ہے" سعدیہ نے پنڈلی کی پٹی سے لفافہ نکالا اور قدیر کو پیش کیا۔

عباس نے خط لیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پڑھنے لگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــــ قدیر بھائی!

آپ پر سلامتی ہو!

مجھے کامل یقین ہے کہ محبِ وطن ا
غیور مہاجر قدیر نے وطن عزیز کی حفاظت
لیے فیصلہ کن لائحہ عمل تیار کر لیا ہوگا۔ ہم پر ن
جارحیت مسلط کر دی گئی ہے۔ لیکن قومیں آ
اور خون سے نہا کر ہی سنورتی ہیں۔ میں دکھی
ہوں، مگر مایوس نہیں۔ شاید نارِ نمرود کو
عشق کا امتحان مقصود ہے اور ہم انشاءا
اس آزمائش میں سرخ رو ہو کر ابھریں۔
سعدیہ اب میری نہیں۔ قوم کی بیٹی ہے ا
میں قوم کے ایک عظیم مجاہد کی تحویل میں
رہا ہوں۔ ہم کسی اور فرض کی ادائیگی کا سا
کر رہے تھے، آپ عباس کے سہرے
آرزو پامال کر رہے تھے اور میں سعدیہ کے
کے لیے مہندی لے کر آیا تھا، لیکن قدرت
ایک گراں قدر فرض عائد کر دیا ہے۔ بہر
ہم پھر ملیں گے اور نئی صبح کی روشنی میں خو
منائیں گے۔ سعدیہ ایک تربیت یافتہ ا
ہے امید ہے قوم کی خدمت میں آپ کو کبھی
نہیں کرے گی۔ آپ کا بھائی یو

کمانڈر کے نزدیک ہوگئی۔ پوپوف نے غور سے اُسے دیکھا اور ایک افسر کو مخاطب کیا: "لڑکی کو میرے کمرے میں پہنچادو!" پھر اس نے ایک قدم بڑھ کر سعدیہ کے شانے پر تھپکی دی: "میرا کمرہ بہت گندہ ہے، صاف کردو، تمہیں انعام ملے گا، جاؤ۔"

"ج ب۔ بہت اچھا جناب!" سعدیہ ہکلاتی ہوئی پلٹی۔ عین اسی لمحے کیپٹن عباس بھی وہاں پہنچ گیا۔

"سلام جناب!" عباس نے ہاتھ پیشانی پر رکھ کر سلام کیا۔ "ہیڈ مسٹریس نے کوئلے بھیجے ہیں۔ جناب، بہت سردی ہے۔ انھوں نے سلام بھی کہا ہے جناب۔"

"تم بھی اسکول کے ملازم ہو؟" کمانڈر پوپوف نے پوچھا۔

"جی جناب۔" عباس کی آواز سے بے خوفی عیاں تھی۔ "اسکول کا چوکیدار اور جناب کا خادم۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" پوپوف نے سوال کیا۔

"خستہ گل جناب!"

پوپوف اپنے کمرے میں داخل ہوا تو عباس آتش دان میں کوئلہ چن رہا تھا اور سعدیہ کرسیاں صاف کرنے میں مصروف تھی۔ کمانڈر نے دروازہ اندر سے بند کیا اور فٹ میٹ پر کھڑا ہوکر ہوس ناک نگاہوں سے لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا: "تمہاری سرکار بہت بے ذوق ہے، اتنی خوب صورت لڑکی کو کیسی پوسٹ دی ہے۔ ہم اگر ادھر رہے تو تمہیں ہیڈ مسٹریس بنادیں گے۔"

"شکریہ جناب!" سعدیہ سر جھکا کر ہاتھوں کو ملنے لگی: "لیکن ہم۔ میں ان پڑھ ہوں جناب"

"ادھر آؤ۔" پوپوف نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔ سعدیہ شرمائی، پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ اور پھر ایک قدم چل کر رک گئی: "جناب آج سردی بہت ہے۔"

"اے خستہ گل جلدی کرو!" کمانڈر کپ بورڈ کی جانب بڑھتے ہوئے بولا: "آگ جلاؤ لڑکی کو سردی لگ رہی ہے۔" اس نے کپ بورڈ کا ایک کواڑ کھولا۔ اندر لڑکیوں کی ہوم ورک کی کاپیوں کے ساتھ شراب کی بوتلوں کی قطار تھی۔ سعدیہ نے قدموں

ہمارے ملک کے گلی کوچے غیر محفوظ ہیں۔ ہر طرف بھیڑیے غراتے پھرتے ہیں۔ افغان قوم کی عزت فوجی بوٹوں تلے کتنی بے دردی سے کچلی جا رہی ہے۔"

"عباس — !" سعدیہ بولی "یہ سب کچھ میرے والدین بھی جانتے تھے، کیا تم نہیں سوچ سکتے ہمارا گھر باغیوں کی فہرست میں ہے۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ کسی وقت بھی کوئی بھیڑیا ہماری دہلیز کو پار کر سکتا تھا! کیا میری بوڑھی ماں میرا تحفظ کر سکتی تھی؟"

کیپٹن عباس نے گہری سانس لی "شاید میری سوچ ہی غلط ہو۔ اچھا چلو اب وقت ہو گیا ہے۔"

سعدیہ نے پرانا ٹین اور جھاڑو اٹھالی اور عباس نے کوئلوں کا بیگ اور کلہاڑا کندھوں پر رکھا اور کوارٹرز سے نکلے۔

اسکول کی گراؤنڈ میں بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک قطاروں میں پارک تھے۔ جن پر صرف چند فوجی پہرہ دے رہے تھے۔

برف کی سفید پھوار پڑ رہی تھی۔ ڈرے سہمے لوگ سر جھکائے سڑکوں پر چل رہے تھے۔ انہی میں سعدیہ اور کیپٹن عباس بھی اسکول کی جانب بڑھ رہے تھے۔ عباس بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

اسکول کے سامنے ہوسٹل کا کچن اور ڈائننگ روم تھا۔ جس پر روسیوں کا قبضہ تھا۔ کچن اور مین گیٹ کے درمیان اسمبلی گراؤنڈ میں تین روسی آفیسر چمڑے کے مخصوص اوور کوٹ پہنے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سعدیہ نے کچن کی دیوار کے ساتھ ٹین رکھا اور جھاڑو سے بکھرے ہوئے پتے صاف کرنے لگی۔

"اے کون ہو — ؟" ایک افسر نے پشتو میں پکارا اور سعدیہ جیسے چونک کر سہم گئی۔

"ادھر آؤ!" افسر نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

سعدیہ نے جھاڑو بغل میں دبائی اور ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"م — میں —" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "جناب میں اسکول کی خاکروب ہوں۔"

"نزدیک آؤ!" کمانڈر پوپوف کی بٹن نما آنکھیں چمک اٹھیں۔ سعدیہ لڑکھڑاتی ہوئی

جواب دیا: "ہمارا چیف سکریٹری گیا ہے۔"

"ہم تمہارے جوانوں تک اپنے کمانڈر کا ایک پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔" سعدیہ بولی: "اسے تم اپیل بھی کہہ سکتے ہو۔ سب کو ہال میں بلاؤ۔"

"ٹیلی فون سیٹ اِدھر لے آؤ!" پوپوف نے کرسی پر بیٹھے ہوئے خود بخود ہاتھ نیچے گرا دیئے۔

عباس نے فیلڈ سیٹ اٹھا کر اس کے سامنے رکھا۔ ابھی وہ سیدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ پوپوف کرسی سے اُچھلا۔ پاؤں کی ضرب لگانے کے لیے اس نے عباس کے چہرے اور سعدیہ کے پیٹ کا نشانہ لیا، لیکن دونوں ہی پیچھے ہٹ گئے۔ پوپوف نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور ساتھ ہی سعدیہ کے ریوالور سے خاموش شعلے نے بھی۔

پوپوف فٹ میٹ پر اوندھے منہ گر پڑا۔

"چلو جلدی کرو، طریقہ نمبر دو!" سعدیہ پوپوف کا تڑپتا ہوا جسم گھسیٹتے ہوئی بولی اور عباس اوور کوٹ کی ٹوپی پیشانی پر جھکائے باہر نکل گیا۔

سعدیہ نے پوپوف کی جیب سے شناختی کارڈ اور سُرخ ڈائری نکال اور اس کی لاش پلنگ کے نیچے چھپا دی۔

باہر دسل کی آواز کے ساتھ ہلچل سی مچ گئی۔

سعدیہ گولوں کے تھیلے سے دستی بم نکال کر ٹین میں رکھ رہی تھی۔ دستی بم ٹین میں منتقل کرنے کے بعد اس نے مشین گن کے حصے جوڑے اور دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔ سردی کے باوجود اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے۔ باہر ستون کی آڑ میں عباس کھڑا تھا اور روسی قطاروں میں ہال کی جانب جا رہے تھے۔ اس نے ٹین کندھے پر رکھا اور مشین گن اُونی چادر کے نیچے چھپا کر باہر نکل گئی۔ وہ برآمدے سے اُتر کر روش پر چلنے لگی عباس نے بھی اس کے متوازی برآمدے میں قدم بڑھائے۔ دونوں ہال کے آخری دروازے کے قریب جا کر ایک لمحے کے لیے ملے اور پھر جدا ہو گئے۔ سعدیہ نے ایک پٹہ مشین گن پر چڑھا لیا۔

کیپٹن نے اللہ کا نام لے کر دو دستی بم ٹین سے نکالے اور دانتوں سے سیفٹی پن کھینچ لیے۔۔۔ پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ نیم وا کر کے اس نے ایک بم اگلے حصے میں اور دوسرا سامنے اُچھال دیا اور خود اچھل کر ستون کی آڑ میں چلا گیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی دو دھماکے ہوئے کیپٹن

کی چاپ دبانے کی بالکل احتیاط نہ کی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ پوپوف نے مسکرا کر دائیں کندھے کے اُوپر سے اس کی طرف دیکھا۔

"کمانڈر!" سعدیہ نے بدلے ہوئے سرد اور سفاک لہجے میں شستہ روسی زبان میں کہا۔ "ہاتھ اوپر لے جاؤ! تم پلٹ کر دیکھنے کی حماقت نہیں کرو گے!"

پوپوف کا بدن ساکت ہوگیا۔ سعدیہ نے جان بوجھ کر عباس کو رینک سے مخاطب کیا۔ "کیپٹن! تم کمانڈر کی یونیفارم پہن لو!"

عباس تو پہلے ہی کرسی پر پڑا اوورکوٹ اٹھا چکا تھا۔

"پیچھے ہٹو سُرخ سؤر!" سعدیہ نے پوپوف کی پنڈلی پر ٹھوکر ماری۔ "خبردار! کوئی غلط حرکت تمہیں مہنگی پڑے گی۔ ہم تمہیں ماریں گے نہیں، بشرطیکہ تعاون کرو۔"

"سنو کامریڈ!" پوپوف نے لجاجت کے انداز میں کہا۔ "اس لڑکی کو سمجھاؤ، ہم افغان عوام کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم تو بیرونی مداخلت روکنے آئے ہیں، ہمیں تمہارے صدر نے بلایا ہے۔ ہم یہاں امن اور جمہوریت کی بحالی کے لیے آئے ہیں۔"

"بالکل نئی خبر ہے!" عباس نے کوٹ کی زپ اُوپر کی۔ اُس کے لہجے میں طنز تھی۔ "اگر بھیڑیا جنگل کے بے ضرر اور امن پسند جانوروں کے سامنے تقریر کرے کہ میرے دانتوں میں زندگی کا پیغام ہے، تو کیا جانور یقین کرلیں گے؟" عباس مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ "جمہوریت کی باتیں کر رہے ہو؟ تم امن اور جمہوریت کا وہی بیج یہاں بونے آئے ہو جو ہنگری اور چیکوسلواکیہ میں بو چکے ہو، مگر یہ غیور افغان قوم ہے۔ میں حیران ہوں فیصلہ کرنے سے پہلے تمہارے بڑوں نے برطانیہ کے مورخوں اور مفکروں سے مشورہ کیوں نہیں کیا! برطانیہ بھی یہاں ایسا ہی پودا لگانے آیا تھا۔"

"یہ تقریر کا وقت نہیں کیپٹن اپنا کام کرو!" سعدیہ سرد آواز میں بولی۔

"تمہارے نائب کا کیا نام ہے؟" عباس نے پوچھا۔

"نائب کمانڈر میں ہوں۔" پوپوف نے

"بھیڑیوں کا غول ایک اور دستے کے درمیان ہے اوور"

عباس نے بٹن دبا کر فریکوئنسی تبدیل کی۔

"ہیلو ہیلو فلزئی! ہیلو ہیلو فلزئی — اوور"

"ہیلو ہیلو فلزئی دو اوور"

"رپورٹ — اوور"

"بھیڑیوں کا ہراول جتھا نمبر دو عبور کر رہا ہے اوور"

"دوسرے حکم کا انتظار کرو! اوور اینڈ آل"

کیپٹن نے ٹرانسمیٹر سعدیہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اب ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی تھی۔

سعدیہ بولی: "معلوم نہیں میرے بابا کو کون سا پہلو دیا گیا ہے؟"

"کیوں؟"

"ادھر سے فارغ ہو کر ان سے جا ملتے۔"

"ہر سپاہی اپنی ہی جگہ کام کر کے مشین کو متحرک رکھتا ہے سعدیہ!" کیپٹن عباس نے کہا۔ "ہمیں جو کام سونپا گیا ہے اور جو حکم ملا ہے وہی کچھ کریں گے۔"

"بہت بہتر جناب!" سعدیہ بولی۔

کیپٹن کی نگاہیں الیکٹرونک ٹرانسمیٹر کی حرکت سوئی پر جمی ہوئی تھیں۔ دھندلی چاندنی میں سیاہ دھبوں کی قطار ظاہر ہوئی، وادی کا سکوت گڑگڑاہٹ نے توڑ دیا۔ جب کانوائے کا کچھ حصہ پل عبور کر چکا تو کیپٹن کی انگلی نے بٹن دبا دیا اور کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا۔ وہ جب اس طرف اُتر رہے تھے۔ تو اُن کی سماعت سے سینکڑوں دھماکے ٹکرا رہے تھے۔ جیسے پوری وادی ہولناک جنگ کی لپیٹ میں آ گئی ہو۔

"کل ماسکو کے ایوانوں میں بڑے بڑے سفید ریچھ ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچیں گے۔" سعدیہ بولی۔

"کاش! ہمیں فضائیہ کی پشت پناہی حاصل ہوتی۔" کیپٹن کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔

"لیکن میں مایوس نہیں کیپٹن!" شاید کوئی بھرپور جھٹکا ہماری فضائیہ کے بڑوں کو بھی بیدار کر دے!"

"ہاں اللہ دلوں کو پھیرنے پر قادر ہے۔" کیپٹن عباس نے کہا۔

"لیکن ہماری فضائیہ کے بڑے چھوٹے سب ماسکو کی آغوش میں پلے ہیں۔ وہ اتنے

عباس کے ہاتھوں میں دو اور بم آ چکے تھے، سعدیہ کی مشین گن بھی شعلے اگلنے لگی۔

"کیپٹن۔۔۔!" سعدیہ نے چیخ کر کہا۔ عباس نے سعدیہ کی طرف دیکھا اور سعدیہ کی روح تک لرز اٹھی۔ کیپٹن کا چہرہ خون میں بھیگا ہوا تھا۔ سعدیہ نے کیپٹن کو کندھے پر ڈالا اور بدحواس روسی فوجیوں کے درمیان دوڑنے لگی۔

"میں ٹھیک ہوں سعدیہ!" کیپٹن نے سعدیہ کے کان میں سرگوشی کی: "مجھے اتار دو۔"

"ابھی نہیں۔ میں تمہاری آڑ میں ہوں۔ ہمیں اسی افراتفری میں یہاں سے نکل جانا ہوگا۔" سعدیہ نے کہا۔

لڑاکا طیارے فضا میں غراتے اڑ رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے بعد شلنگ کی تڑتڑاہٹ بھی اندھیری فضا میں گونج رہی تھی اور وہ دونوں شہر سے تین میل اوپر ایک پہاڑی چشمے کے کنارے اوندھے منہ لیٹے ہوئے تھے۔ گھنی خاردار جھاڑیوں نے ان کو اپنے پیروں کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ پوری وادی روسی ہیلی کاپٹروں کی سرچ لائٹوں کی زد میں تھی۔ یہ سب ان کی شاندار کامیابی کا جشن تھا۔ وہ روسی بکتربند کیمپ کا تقریباً صفایا کر آئے تھے۔

"کیپٹن۔۔۔!" سعدیہ نے کہا۔

"اوہ!" عباس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا: "آؤ اب چلیں۔"

سعدیہ اٹھتے ہوئے بولی: "ہاں ہمیں بہت طویل سفر کرنا ہے۔"

عباس نے جھک کر مشین گن اٹھائی اور دونوں جھاڑیوں کی اوٹ میں چڑھائی چڑھنے لگے۔

الیکٹرونک ڈائنامیٹ، پل کے پایوں میں کامیابی سے دبانے کے بعد وہ دونوں پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے بل کھاتی گرد آلود سڑک کو دیکھ رہے تھے۔ ٹرانسمیٹر نما مستطیل ڈبہ سامنے پتھر پر رکھا تھا۔ ریڈیم کی سوئی آہستہ آہستہ تین اور چار کے درمیان رینگ رہی تھی۔ کیپٹن نے بیگ سے ٹرانسمیٹر نکال کر کہا: "ہیلو ہیلو فلزی ایک اوور۔"

"ہیلو ہیلو فلزی ایک اوور۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"رپورٹ۔"

ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا: "یہ روحی نہیں ہو سکتا
ہے" سعدیہ بولی۔ کیپٹن عباس نے چھوٹا سا پتھر
اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا۔

"کون ہے؟" کیپٹن عباس نے پکارا
اور وہ پتھر کی آڑ سے باہر نکل آیا۔

"میں احمد ہوں" اس نے کہا۔ سعدیہ
اور عباس جھاڑیوں سے نکل کر دوڑتے ہوئے
احمد کے قریب پہنچ گئے۔

"میں اچھی خبر نہیں لایا کیپٹن!" احمد کی
آواز افسردگی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "ہمارے
ٹھکانے پر چھاپہ مارا گیا ہے۔ ہم سب پوسٹوں پر
تھے۔ اندر صرف میجر قدیر ہی تھے۔"

"بولتے رہو احمد!" کیپٹن عباس نے مضبوط
اور ٹھہرے انداز میں کہا: "کیا میرے بابا شہید
ہو گئے ہیں؟"

"نہیں ___" احمد نے بتایا: "ان کو گرفتار
کر لیا گیا ہے۔"

"اوہ!" کیپٹن نے طویل سانس لی۔ "بچے ہوئے
کی قیادت کون کر رہا تھا؟"

"کرنل شمروز" احمد نے کہا: "سب لوگ
بکھر گئے تھے، کیونکہ مقابلہ ایک اور پچاس کا تھا۔"

"سعدیہ ___!" کیپٹن عباس بولا: "تم اور
احمد باقی لوگوں کو تلاش کر کے دوسرے ٹھکانے
پر جمع ہو جاؤ۔"

"ہم آپ کے ساتھ رہیں گے کیپٹن!" احمد
نے پرجوش آواز میں کہا۔

"نہیں" کیپٹن نے جواب دیا: "شہروں
میں طاقت کی نہیں، سیاست اور ذہانت کی
ضرورت ہوتی ہے۔ بابا کو ہم لڑ کر آزاد نہیں
کرا سکتے۔ مجھے تنہا کچھ کرنے دو۔"

"میں تمہیں روکوں گی نہیں، عباس!" آہستہ
ٹھہرے انداز میں بولی: "میجر قدیر تمہارے ہی
باپ نہیں بلکہ تمام مجاہدین کے باپ ہیں۔ ان
کی گرفتاری کوئی معمولی نقصان نہیں۔ میری درخواست
ہے کہ مجھے بھی اس کوشش میں حصہ لینے دو۔"

"میں تمہیں ساتھ نہیں رکھ سکتا سعدیہ!" عباس
نے کہا: "مجھے شاید آگ اور خون کا سمندر عبور کرنا
پڑے۔"

"میں ضد بھی نہیں کروں گی، لیکن کچھ مدد
کر سکتی ہوں۔ کرنل شمروز کے گھرانے سے ہمارے گھ

بے غیرت ہو گئے ہیں کہ اپنی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کے تقدس کو خود ہی پامال کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے گھروں کے دروازے درندوں کے لیے کھول دیے ہیں۔ کل لڑکیوں کے اسکول پہ حملے کی بڑی وجہ اُن کی بے غیرتی ہی تھی۔ جب روسی وہاں پہنچے، اسکول لگا ہوا تھا، میری بدنصیب قوم کی معصوم بچیاں پڑھ رہی تھیں۔ روسیوں کی رہنمائی کرنل خُمروز بخت کر رہا تھا ـــــ وہ بے غیرت اگر چاہتا تو اُن کو دوسری طرف بھی لے جا سکتا تھا، لیکن نہیں، اس نے اپنی قوم کی عزت کو کوئی اہمیت ہی نہ دی، معصوم بچیاں اور قوم کی مائیں اگلی صبح تک ہوس کی بھٹیوں میں جلتی رہیں۔ روسی درندوں نے اپنی سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لیے اسکول کے ایک کمرے کو آگ لگا دی اور فائر بریگیڈ دس لڑکیوں کی لاشیں اپنے ساتھ لے گیا تھا!"

"بس کرو عباس!" سعدیہ کی دبی دبی سی چیخ اُبھری۔

"اس ننگِ انسانیت کی بیٹی مہروز بھی بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لے جائی گئی تھی۔" عباس نے بتایا۔

"خدا نے یقیناً ہماری راہیں آسان کر دی!..." سعدیہ بولی: "کیپٹن! تم نے کبھی اتنا آسان اور اس قدر مہلک آپریشن دیکھا تھا۔ ہم نے پوری کمپنی کو کتنی آسانی سے تہس نہس کر دیا ان کے لیے سزا مقرر ہو چکی تھی۔"

"بے شک خدا ظالموں کو ناپسند کرتا ہے اور مظلوموں کو دوست رکھتا ہے۔"

٭

دونوں نے پختہ سڑک عبور کی تو مشرقی شفق کی لالی سے مسکرانے لگا تھا اور نیچے نالہ غلزئی کے قرب و جوار میں گھمسان کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ کیپٹن عباس نے ٹیکری کی چوٹی پر رک کر دوربین سے نیچے دیکھا۔

"کوئی آ رہا ہے کیپٹن!" سعدیہ نے سرگوشی میں بتایا: "میں نے پتھر لڑھکنے کی آواز سنی ہے۔"

"جھاڑیوں کی اوٹ لے لو!" کیپٹن نے کہا: "یہ روسی بھگوڑے بھی ہو سکتے ہیں۔" دونوں ہی جھک کر جھاڑیوں میں داخل ہو گئے۔

ایک سایہ چڑھائی چڑھ کر اوپر آیا اور

آفیسرز کالونی کی ایک کشادہ کوٹھی کے سامنے جیپ رُکی اور عباس اور سعدیہ اتر کر گیٹ میں داخل ہو گئے۔ سعدیہ پڑھی لکھی لڑکیوں کا روایتی لباس پہنے ہوئے تھی اور کیپٹن بھی واسکٹ اور اُونی ٹوپی میں بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔

پہرے پر کھڑا افغان آرمی کا سپاہی مؤدب لہجے میں بولا: "ادھر آنا منع ہے۔ آپ وہیں رُک جائیں۔"

"ہش!" سعدیہ ہاتھ نچا کر بولی: "مجھے نہیں پہچانتے، چلو ہٹو آگے سے، ورنہ خالہ جان سے شکایت کر دوں گی۔"

"مادام ہی کا حکم ہے۔" سنتری گھبرا کر ایک طرف ہٹ گیا اور سعدیہ عباس کا ہاتھ تھامے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اور برآمدے میں جا کر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

"کون؟" اندر سے آواز آئی۔

"میں سعدیہ یوسف ہوں خالہ جان!" سعدیہ نے جواب دیا۔ اور فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔

"آؤ بیٹی!" شمروز بیگم نے گرم جوشی سے کہا: "اور کون آیا ہے؟"

"میرے کزن ادریس۔" سعدیہ نے جان بوجھ کر عباس کا نام چھپا لیا۔

"اسے!" بیگم شمروز نے باہر جھانک کر سنتری کو پکارا: "مہمان کے لیے ڈرائنگ روم کھول دو — تم اندر آجاؤ سعدیہ!" سعدیہ نے پلٹ کر کیپٹن عباس کو دیکھا اور پھر اندر چلی گئی۔

"کیا تمہارے بابا کو بھی واپس بلا لیا گیا ہے؟" بیگم نے پوچھا: "سنا ہے محفوظ فوج طلب کی جا رہی ہے؟"

"جی ہاں!" سعدیہ نے جواب دیا: "مہروز کہاں ہے؟"

"اندر پڑھ رہی ہے۔" بیگم شمروز نے دوڑ کر سعدیہ کا ہاتھ پکڑ لیا: "وہ پڑھ رہی ہے۔"

"میں مہروز سے مل آؤں۔" سعدیہ بولی۔

"اوہ — نن — نہیں!" بیگم شمروز نے دوڑ کر سعدیہ کا ہاتھ پکڑ لیا: "وہ پڑھ رہی ہے اُسے پڑھنے دو۔"

سعدیہ مسکرانے لگی: "کیا ماں کی طرح بابا بھی اس تلخ حقیقت سے واقف ہے؟"

مراسم ہیں۔ بیگم فیروز کے نزدیک میں اب بھی ایک ملٹری آفیسر کی بیٹی ہوں۔" "پھر تو بلاشبہ تم مدد کر سکتی ہو۔" عباس نے کہا: "سنو احمد! اب تم تنہا ساتھیوں کو تلاش کرو۔ سعدیہ میرے ساتھ جائیں گی۔"

بہت دنوں بعد آسمان صاف ہوا تھا۔ روپہلی دھوپ مگرام کے در و دیوار پر اُتر رہی تھی۔ بازاروں میں ابھی اکا دکا دکانیں ہی کھلی تھیں۔ کچھ مزدور کدالیں اور بیلچے کندھوں پر رکھے چھاؤنی ایریا کو جانے والی سڑک پر جا رہے تھے اور انہی میں عباس اور سعدیہ بھی تھے۔ چڑھائی کے اختتام پر وہ دونوں بزازی کی ایک دکان میں داخل ہو گئے۔ اندر جا کر عباس نے چادر کی اوٹ سے چہرہ نکالا تو دکان دار اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور خوش ہو کر بولا "عباس"

"بیٹھ جاؤ عباس! اور جو کچھ کہنا ہے جلدی کہہ ڈالو۔ ابا جی آنے والے ہیں۔" دکان دار نے کہا:

"ہمیں ایک گاڑی کی ضرورت ہے۔ ماجد! اور ریوالور کی کچھ گولیاں بھی۔"

"تمہاری جیپ فرید آٹو ورکشاپ میں بھیس بدل کر کھڑی ہے۔ یہ کارڈ دل شیر کو دکھانا، وہ تمہارے حوالے کر دے گا۔" ماجد نے واسکٹ کی اندرونی جیب سے کارڈ نکالا اور عباس کو دیا: "ضرورت کی ہر شے بھی تمہیں مل جائے گی۔"

"عوامی جذبات کیا ہیں ماجد؟"

"ابھی گیلی لکڑیاں سلگ رہی ہیں۔" ماجد بولا "دھواں اٹھ رہا ہے، اُمید ہے عنقریب ہی شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ آج چار بجے گرلز اسکول کے شرمناک سانحے کے خلاف ایک احتجاجی جلوس نکل رہا ہے۔ لڑکیاں گھر گھر جا کر لوگوں کو بتا رہی ہیں۔ شہر کی مائیں جلوس کی قیادت کر رہی ہیں۔"

"شاباش بڑھتے چلو! منزل دور نہیں، جس قوم کی مائیں بیدار ہو جاتی ہیں اس کی قسمت کو کوئی گہری نیند نہیں سلا سکتا۔ یہ بھی تمہاری ایک بہن ہے جو گوریلوں کے دوش بدوش محاذوں پر لڑ رہی ہے۔" عباس نے سعدیہ کی طرف اشارہ کیا۔

ماجد نے اٹھ کر سعدیہ کی تعظیم کی۔ عباس نے کارڈ جیب میں ڈالا اور وہ دونوں دکان سے باہر نکل گئے۔

آواز جذبات سے لرزنے لگی: "میری بہن! میں نے میری مظلومیت کا اُن درندوں سے انتقام لے لیا ہے۔"

"میں ..... مجھے" مہروز کپکپاتی آواز میں بولی اور پھر چیخ کر سعدیہ سے لپٹ گئی: "مجھے تباہ کر دیا گیا ہے سعدیہ بہن۔ میں مرنا چاہتی تھی، لیکن ماؤں ناصر نے مجھے مرنے بھی نہیں دیا۔ داغ دار چہرے اور پھٹے ہوئے دامن کے ساتھ میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔" مہروز بلک رہی تھی۔ سعدیہ اُس کے بالوں پر چہرہ رگڑنے لگی: "تم بے گناہ ہو مہری!" سعدیہ نے اس کا چہرہ ہتھیلیوں کے پیالے میں تھام کر کہا۔ "تمہارا دامن پاک ہے۔ تمہیں جینا ہوگا، اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے۔ وہ درندے آج بھی ہماری دھرتی پر موجود ہیں۔ اُن کے ہاتھ اب بھی قوم کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے دامن تار تار کر رہے ہیں۔ آنسو پونچھ ڈالو میری بہن! اور میرے سامنے اپنے رب سے عہد کرو کہ تم جنگ آزادی میں ایک جان فروش مجاہدہ بن کر وطن عزیز کے دشمنوں سے لڑو گی!"

مہروز سسک کر بولی: "میں وعدہ کرتی ہوں میں وعدہ کرتی ہوں۔" سعدیہ نے اُس کی روشن پیشانی چوم لی۔

"اب ایک مجاہدہ کی طرح ایک مجاہد عظیم کی مدد کرو۔ میجر قدیر کو تمہارے پاپا گرفتار کرا لائے ہیں۔ اُن کی رہائی بے حد ضروری ہے، کیا تم تعاون کرو گی مہروز؟"

"دل و جان سے۔" مہروز نے پرعزم آواز میں جواب دیا: "مجھے بتائیے میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"ہم ایک ڈرامہ کھیلیں گے مہری!" سعدیہ نے کہا: "میں جانتی ہوں کرنل صاحب شاہدہ اور تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ہم تمہیں یرغمال بنا لیں گے۔ تم ٹیلی فون پر تصدیق کرتے ہوئے اپنے پاپا سے اپنی اور چھوٹے بھائی کی زندگی کی بھیک مانگو گی۔ پھر ہم کرنل سے میجر قدیر کی رہائی کا مطالبہ کریں گے۔ اگر میجر قدیر کو یہاں لایا گیا تو بھی ہم اپنی سلامتی کی ضمانت کے طور پر تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کیا تم بھروسا کرو گی؟"

مہروز بولی: "میں آپ کی اسکیم سمجھ رہی ہوں باجی!"

"جزاک اللہ مہری! ..... اب آؤ کھیل شروع کریں!"

"تم — !" بیگم شمروز چونک کر بولی۔ "زخم پر نمک چھڑکنے آئی ہو۔"

"زخم — !" سعدیہ نے قہقہہ لگایا۔ "بے غیرتوں کے احساسات بھی زخمی ہوا کرتے ہیں کہیں؟"

"خاموش!" بیگم دھاڑی۔ "شمروز کچھ نہیں جانتا۔ اُسے یہی بتایا گیا ہے کہ بچی غیر ملکی فوجیوں سے دہشت زدہ ہو کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ یہ ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ یہ ہماری بچی کے مستقبل کا مسئلہ ہے سعدیہ۔ براہ کرم اپنی زبان بند رکھو۔"

"کیا میری قوم کی مائیں بھی بے غیرت ہو گئی ہیں؟" سعدیہ غرائی۔ "خالہ تم نے یہ ظلم کتنی خاموشی سے برداشت کر لیا ہے۔ تم ماں ہو، تمہیں تو چیخ چیخ کر اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے تھا۔ تمہیں ایک ماں کی چیخوں اور ایک معصوم بیٹی کے خون آلود دامن سے دنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر جگانا چاہئے تھا لیکن تم نے شاید بیٹی کو بھی اپنی عصمت کی موت پر آنسو بہانے سے روک دیا ہوگا۔ کرنل شمروز بے غیرت سہی لیکن وہ ایک باپ ہے۔ اُس کی رگوں میں افغان ماں کا خون ہے۔ تم نے اسے بتا دیا ہوتا۔ شاید باپ کی غیرت اور افغانی خون جوش کھول اٹھتا۔"

"خاموش!" بیگم شمروز نے اُچھل کر سعدیہ کے منہ پر تھپیڑ مارا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

سعدیہ گال پہ ہاتھ رکھ کر بیگم شمروز کو گھورنے لگی اور پھر اس کے لبوں پر سفاک مسکراہٹ ابھری۔ بیگم شمروز سحر زدہ حالت میں بالکل ساکت کھڑی تھی۔ جب سعدیہ نے کراٹے کا انداز اختیار کرتے ہوئے جسم کو تولا اور دایاں ہاتھ اٹھایا تب بھی بیگم شمروز کے جسم میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ سعدیہ میں ڈوبی کھڑی رہی — سعدیہ نے کھڑی ہتھیلی کی آزمودہ ضرب اس کی گردن پر لگائی اور پھر لپک کر اُسے سنبھال بھی لیا۔ قالین پر بیگم شمروز کو لٹا کر جیسے ہی وہ سیدھی ہوئی اندر کی جانب کھلنے والا دروازہ چرچرایا۔ سعدیہ کسی زخمی شیرنی کی مانند غراتی ہوئی پلٹی۔ نیم وا دروازے سے مہروز کا سنہری چہرہ جھانک رہا تھا۔ "اندر آجائیے باجی!" مہروز بولی۔ "میں سب کچھ سن چکی ہوں۔"

سعدیہ اندر داخل ہو گئی۔ "مہری!" اُس

رونے کی اداکاری بھی کر رہی تھی: "نہیں بچا لیجیے پاپا! ممی بے ہوش پڑی ہیں۔ شاہ روز کی کنپٹی پر ریوالور کی نال ہے، وہ بہت سہما ہوا ہے پاپا، میں نے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ ان کا مطالبہ پورا کر دیں۔ شکریہ پاپا۔"

مہروز نے ریسیور واپس سعدیہ کو دے دیا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور بولی: "ہیلو کرنل! اور کسی تصدیق و تائید کی ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے ہم منتظر ہیں۔ یاد رکھنا ہماری آنکھیں اور کان کوٹھی کے باہر بھی ہیں۔ تمہاری کسی بھی ہوشیاری کی اطلاع پاتے ہی ہم تمہارے خاندان کا نشان مٹا کر نکل جائیں گے۔ اسکوٹ نہیں، ایک باپ بن کر آؤ۔"

سعدیہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر بیگم شمروز کی طرف دیکھا، وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔

***

سیاہ اسٹاف کار جب پارکنگ لاٹ میں آکر رکی، تو سعدیہ کھڑکی کا پردہ اٹھائے باہر دیکھ رہی تھی۔ کار سے پہلے کرنل شمروز کود کر نکلا اور پھر اس نے پچھلا دروازہ کھول کر میجر قدیر کو گھسیٹ کر نیچے گرایا۔ میجر قدیر اوندھے منہ زمین پر گرے اور

سعدیہ نے پردے کو مسل کر اپنے کھولتے ہوئے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ کرنل نے جھک کر میجر کی بغلوں میں ہاتھ ڈالا اور پھر گھسیٹتا ہوا چل پڑا۔

"کیپٹن!" سعدیہ نے پلٹ کر کہا: "میجر کی حالت خراب ہے۔ ہمیں ان کو یہاں سے جلد از جلد نکالنا ہے۔ اپنے جذبات پر قابو رکھنا!"

سعدیہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا

"اوہ — تم سعدیہ!" کرنل شمروز غرایا۔

"جی!" سعدیہ ایک طرف ہو گئی: "میجر کو گاڑی میں ہی رہنے دیتے!"

"پاپا!" مہروز اپنے باپ کو دیکھ کر رونے لگی، عباس نے ننھے شاہ روز کو بانہوں میں دبا رکھا تھا اور ریوالور کی نال مہروز کی پشت سے لگی تھی۔

"پیچھے ہٹ جاؤ!" کرنل دہاڑا: "تمہارا مطالبہ پورا کر دیا گیا ہے۔"

"میں تمہارا بیٹا اور مہروز کا دینی بھائی ہوں کرنل! مجھ پر غصہ بے محل ہے۔" کیپٹن عباس بولا: "لیکن وہ بھیڑیے جب قوم کی بیٹیوں کا

سعدیہ ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔
— مہروز نے خود کرنل شموز کا نمبر ملایا اور جب رابطہ قائم ہوگیا تو اس نے ریسیور سعدیہ کی جانب بڑھا دیا۔
"کرنل! میں تمہاری بیٹی مہروز کے بیڈروم سے بول رہی ہوں بخیریت — ؟" سعدیہ نے قہقہہ لگایا "ایک لڑکی کے پاس ایک گوہر ہوتا ہے کرنل، جسے عصمت کا نام دیا گیا ہے۔ جب وہ گوہر چھن جائے تو لڑکی کے پاس سوائے آنسوؤں کے کچھ نہیں رہتا اور تمہاری بیٹی کے پاس تو یہ ذخیرہ بھی ختم ہوچکا ہے۔ خیر چھوڑو، تمہیں یقیناً فخر ہوگا کہ تمہاری بیٹی کے دامن سے یہ گوہر چرانے والے تمہارے آقا ہیں ایک سپر پاور کے لوگ۔ کیوں ہے نا باعثِ فخر بات؟"
"بند کرو یہ بکواس!" کرنل دہاڑا۔
سعدیہ نے پرسکون آواز میں کہا: "اور سنو تمہارا بیٹا شاہ روز اور مہروز ہمارے سامنے بیٹھے ہیں اور میرے ریوالور میں سیسے کی گرم گرم کئی ٹافیاں ہیں جو یقیناً ان پیارے بچوں کو ناپسند ہوں گی — اوہ — ہمیں پہچانا نہیں — کمال ہے کرنل! اردسیوں کے دوست ہو کر اتنے بھولے بن رہے ہو ہاں — بفضلِ خدا ہم حریت پسند ہیں — چاہتے کیا ہیں — تمہارے ان معصوم بچوں کی خیریت — اور قدیر کی واپسی — کیوں — ! خاموش کیوں ہو کرنل ؟ کوئی حکم جاری کر رہے ہو، تو یہ سمجھ لینا شاہ روز کے ننھے سے حلق میں گرم گولی بڑی اذیت ناک ہوگی — ارے نادان کرنل! ہم تو موت ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ ہمیں موت کیا ڈرائے گی آپ ایسا کریں خود تشریف لائیں۔ کیونکہ بچے آپ کے ہیں۔ دوسروں کو کیا درد ہوگا۔ وہ اپنے آقا کی خوشنودی کی خاطر کوئی حماقت بھی کر سکتے ہیں بالکل سیدھا سا لین دین کا طریقہ ہوگا — سیم! لے آؤ، ہمارے حوالے کر دو اور اپنے بچے لے — نہیں کرنل اب ہم اتنے زخم کھا کر بیوقوف نہیں بن سکتے — بچے اور تم ہماری گاڑی میں — ہم کسی بھی محفوظ مقام پر تمہیں اتار دیں گے — ٹھیک ہے، لیکن ہم ایسے بے غیرت شخص پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ جس نے غیروں کے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دیے ہیں۔ جاؤ! مہروز سے بات کر سکتے ہو۔" بات ختم کر کے اس نے ریسیور مہروز کے ہاتھ میں تھما دیا۔
"پاپا!" مہروز کچھ تو پہلے ہی رو رہی تھی اور

"اللہ اکبر!" میجر قدیر لڑکھڑاتا ہوا اندر آگیا۔ "سنو کرنل شہروز! اگر تمہارا فیصلہ عارضی نہیں، تو میں صرف ایک کرنل کی نہیں بلکہ اُس کے پورے بریگیڈ کی فوج کی
"وقت ہی میرے فیصلے کی تصدیق کرے گا"

میجر!" کرنل مضبوط لہجے میں بولا: "کل شام کا سورج اُس وقت ڈوبے گا جب میں بگرام کو روسیوں کے خون سے تر کر چکا ہوں گا۔ جاؤ میجر! میرا خاندان اب تمہاری حفاظت میں رہے گا۔"

"نہیں کرنل" میجر نے کہا: "مجھ پہ یہ گراں بوجھ نہ ڈالو۔ ہم سب خاندانوں سے کٹ کر باہر نکلے ہیں تم اپنے خاندان کو کسی محفوظ جگہ منتقل کردو۔ آؤ بچو اب ہمیں کرنل پر بھروسا کرنا چاہیئے۔"

"شکریہ میجر!" کرنل بولا: "راستوں کی ناکہ بندی کی جا چکی ہے۔ کل اسکول پر گوریلوں کے حملے نے روسیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ بگرام اس وقت ان کے محاصرے میں ہے۔ مہروز اور شاہ دونوں کو ساتھ لے چلیے۔ میں اسٹاف کار خود ڈرائیو کروں گا۔"

"شکریہ کرنل!" میجر قدیر کے بھنچے ہوئے ہو خون آلود ہونٹ مسکرانے لگے۔

شہر سے آٹھ میل دور مشرقی پہاڑیوں کی وادی میں پہنچ کر میجر قدیر نے اسٹاف کار روکنے کو کہا اور کار رُک گئی، تو سعدیہ اور عباس نے تھام کر میجر کو نیچے اُتارا۔ کیپٹن عباس جان بوجھ کر نگاہیں اِدھر اُدھر گھما رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کا کٹا پھٹا جسم دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میجر قدیر اس حالت میں بھی بے مثال حوصلے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"جزاک اللہ مہری!" سعدیہ نے قریب کھڑی مہروز کو سینے سے لگا لیا: "ہم انشاء اللہ پھر ملیں گے۔" مہروز بولی: "میں واپس نہیں جاؤں گی میں باجی سعدیہ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہوں گی پاپا!"

"میجر قدیر!" کرنل نے چہرہ باہر نکال کر کہا

"میرے خون کا یہ حقیر سا نذرانہ قبول کرلو۔"

"ہاں کرنل ——" میجر نے مہروز کو پہلو کے ساتھ لگا لیا: "یہ درخشندہ ستارے ہی تو قوم پر پھیلی ہوئی تاریکیوں کو روشنی دیں گے۔"

"خدا حافظ میرے بچو!" کرنل نے ہاتھ باہر نکال کر لہرایا، مہروز نے جھک کر باپ کے ہاتھ تھامے اور آنکھوں اور ہونٹوں سے لگا لیے۔ ■■

بوٹیاں نوچ رہے تھے، اس وقت تمہاری غیرت کہاں سوئی ہوئی تھی؟"

"خاموش!" کرنل مٹھیاں بھینچ کر دہاڑا۔ "بکواس بند کرو۔"

"بڑے ہی بے غیرت باپ اور ننگ وطن ہو کرنل!" کیپٹن عباس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "تم جو خواب دیکھ رہے ہو، اس کی تعبیر بڑی بھیانک ہوگی — آگے جانے اور موت کی غار میں گرنے والوں کے نقش قدم پر نہ چلو۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کبھی کوئی غدار پھل پھول نہیں سکا۔ غداروں کی فہرست میں نام بہت کم ہیں، گھاٹے کا سودا کیوں کر رہے ہو؟ سرفروشوں کی جگمگاتی فہرست کی طرف لوٹ آؤ۔ کیا تم اپنی اس معصوم بیٹی کی عصمت کے عوض جنرل بننا چاہتے ہو؟ مہرو! اپنے باپ کو ظلم کی داستان سناؤ! اسے اپنا خون آلود دامن دکھاؤ۔ شاید اس کے آباؤ اجداد کا خون رگوں میں کھول اٹھے۔ سنو کرنل! اسکول کی ان معصوم اور ستم رسیدہ بچیوں میں تمہاری مہرو بھی شامل تھی۔"

"نن — نہیں — نہیں —" کرنل لڑکھڑا کر چیخا۔ "یہ جھوٹ ہے — یہ جھوٹ ہے۔"

"یہ سچ ہے بابا!" مہرو کی چیخیں نکل گئیں۔ "میں — میں آپ سے نفرت کرتی ہوں — تھو!"

"مہر — رو — !" کرنل نے لڑکھڑا کر دیوار تھام لی۔ "تم نے۔ تم نے مجھے۔ مجھے...."

"جاگو جاگو محترم!" سعدیہ نے بھرپور ضرب لگائی۔ "اپنی بیٹی کے دامن چاک چاک کے لیے جاگو!"

"بس — بس کرو!" کرنل سسکنے لگا۔ "لے جاؤ میجر کو اپنے ساتھ —"

"چلو عباس!" سعدیہ بولی۔ "ان سب کو گاڑی میں منتقل کر دو۔"

"کرنل!" عباس نے شاہ روز کو سعدیہ کی بانہوں میں دیتے ہوئے کہا۔ "تم ساتھ چلو گے یا تمہارے گارڈ کو لے جائیں؟"

"سب کو ساتھ لے جاؤ۔" کرنل نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اس کا سرخ چہرہ پسینے میں ڈوب چکا تھا۔ "کل یہ کوٹھی ایک باغی اور بھگوڑے کرنل کی ہوگی۔"

ہونے سے پیدا ہوئی تھی لیکن جلد ہی علم ریاضی کے ماہرین نے اس خیال کو غلط قرار دیدیا۔ چونکہ بحرالکاہل اور چاند کے حجم میں کوئی تناسب ہی نہیں ہے۔

اکتوبر ۱۹۵۹ء میں روس کے ایک تحقیقاتی مشن لونا ۳ نے چاند کے گرد چکر لگایا اور مختلف تصویریں اتاریں۔ جیسا کہ پہلے ہی اندازہ لگایا جا چکا تھا، ان تصویروں نے چاند پر پہاڑی سلسلوں گھاٹیوں اور آتش فشاں پہاڑیوں کی موجودگی ثابت کردی۔ ساتھ ہی یہ بھی طے ہوگیا کہ بظاہر بے حد حسین نظر آنے والی چاند کی دھرتی اب بھی اسی طرح بنجر اور بانجھ ہے جس طرح یہ اپنی تخلیق کے ابتدائی دور میں تھی۔ اس کے بعد کئی دیگر تحقیقاتی مشن بھیجے گئے جن میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اپولو مشن بھی شامل تھے اور رفتہ رفتہ سائنسدان چاند کی مختلف سطحوں کی واضح تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔



جولائی ۱۹۶۹ء میں سائنسدانوں کو انسانی تاریخ کی سب سے بڑی کامیابی ملی۔ ہاسٹن (ٹیکساس) میں واقع قمری تجربہ گاہ میں چاند سے لائی گئی تقریباً ۵۰ پونڈ وزنی چٹانوں اور مٹی کے ٹکڑوں کو شیشے کے بنے ہوئے برتنوں میں محفوظ کرلیا گیا۔ یہ نادر اور نایاب تحفے چاند پر پھیلے ہوئے دائمی سکون کے سمندر سے حاصل کیے گئے تھے۔ اپولو ۱۱ کے خلاباز چاند کی بالائی سطح سے چھوٹے بڑے تقریباً چھیالیس پتھر اور مٹی کے ٹکڑے لائے تھے۔ ان میں سے بعض مٹر کے دانوں جیسے تھے۔ تو بعض پانچ پانچ انچ سے بھی زیادہ لمبے تھے۔ پہلی نظر میں یہ چٹانیں معمولی زمینی چٹانوں سے مشابہ نظر آتی تھیں۔ مگر خوردبینوں سے مطالعہ کرنے پر حیرت انگیز

چاند کی سرزمین

(عمر حیات)

زمین پر چاندنی بکھیرنے والا وہ خوبصورت سیارہ جسے ہم چاند کہتے ہیں۔ دنیا والوں
ہمیشہ ایک معمہ بنا رہا ہے۔ تاریخ کے ابتدائی ترین دور میں بھی، چاند سے بے شمار کہانیاں
داستانیں منسوب تھیں۔ یہاں تک کہ اپولو ۱۱ کے
خلائی مشن کی کامیابی کے باوجود چاند سے متعلق
بے شمار معمے ابھی حل ہونے باقی ہیں۔



زمین اور چاند کے درمیان دو لاکھ انتالیس ہزار
میل کی دوری ہے۔ زمین کے گرد ایک پورا چکر لگانے
میں چاند کو ۲۷، اعشاریہ تین (تقریباً ساڑھے ستائیس
دن) لگتے ہیں۔ ٹھیک اتنے ہی وقت میں چاند اپنے
محور پر بھی ایک چکر پورا کر لیتا ہے۔ گویا زمین کی
حرکت کے مقابلے میں چاند بالکل ساکت رہتا ہے
اس لئے عام انسانوں کے سامنے اس کا صرف ایک
ہی رخ رہتا ہے۔ اس کا دوسرا رخ اب تک صرف خلا باز ہی دیکھ سکے ہیں۔
ایک زمانے میں یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ چاند ابتداء میں زمین ہی کا ایک حصہ
ہے کروڑوں سال پہلے زمین سے الگ ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ ایشیا اور افریقہ کے د
وسیع بحرالکاہل اسی خالی جگہ میں پانی بھر جانے کا سبب پیدا ہوا ہے جو چاند اور

قطعات

(شہباز صدیقی امرادھوی)

(۱) حُسن اور سادگی

عبث میک اپ کی خواہاں ہے کسی سے — وہ دُختر خود ہی جو نورِ جہاں ہے
سُنے وا کرکے گوشِ ہوش اپنے — اگر آگاہ لحنِ گلستاں ہے
لبِ ہر برگ پر صحنِ چمن میں — یہ شعرِ حضرت آتش رواں ہے

"تکلّف سے بری ہے حُسنِ ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے"

(۲) حُسن اور آرائش

ذرا سوچیں وہ مومن بیویاں فیشن کی متوالی — کہ جن کے ہاتھ میں ہے ناک اپنے خاندانوں کی
گھروں میں بیٹھ کر شوہر کا گھر وہ کیا بنائیں گی — کہ دھن میں اپنے ہی میک اپ کی زینت ہے دکانوں کی

حُسن اور نمائش

کیوں نہ دیکھے قیس اس منظر کو آنکھیں پھاڑ کر — پردۂ محمل سے باہر صاحبِ محمل ہے آج
خود نمائی کی ہوس میں لیلیٰ، خیمہ نشیں — رونقِ خانہ تھی کل تک زینتِ محفل ہے آج

خصوصیات سامنے آئیں۔

قمری چٹانیں چھوٹے چھوٹے پھپھولے دار دانوں سے داغدار تھیں۔ یہ پھپھولے بڑی حد تک چمک دار دانوں سے ملتے جلتے تھے کچھ چٹانیں شیشے کی جھلیوں سے ڈھکی ہوئی تھیں جس کے سبب ان کی سطح پر سفید سفید دھاریاں بن گئی تھیں۔ مٹی کے ٹکڑوں کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلا کہ ان میں ۵۰ فیصد شیشہ کے ذرات شامل تھے جن کا بیشتر حصہ تیز زاویہ دار اور بے رنگ تھا۔ ان ذرات کا تقریباً ۱ فیصد حصہ ایسا بھی تھا جو مخروطی تھا اور جس میں لال، بھورے، ہرے پیلے اور بیگنی رنگ کے ذرات شامل تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ چاند کی مٹی اور چٹانوں میں شیشے کا تناسب بہت زیادہ ہے جبکہ زمین پر یہ تناسب بیحد کم ہے

چاند کا راز اس وقت اور بھی گہرا ہو گیا جب چاند سے لائی گئی مٹی کا تجربہ کچھ بیکٹریائی پودوں پر کیا گیا۔ چند جراثیمی پودوں کو چار قمری نمونوں سے متعارف کرایا گیا ان میں سے تین پر کوئی اثر نہیں ہوا لیکن جب ان جراثیمی پودوں کو اپولو ۱۱ کے ذریعہ لائی گئی ذیلی سطح کی چٹانوں کے تعلق میں لایا گیا تو وہ مر گئے۔ تعجب تو یہ ہے کہ انتہائی کوششوں کے باوجود سائنس داں آج تک ان کی موت کا سبب نہیں بتا سکے۔

چند دوسرے تجربوں میں غلہ کی کچھ نمائندہ قسموں کو قمری چٹانوں سے متعارف کرایا گیا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن صرف بحری پودوں کو قمری گرد کے ساتھ ملانے سے ان کی قوت نمو میں اضافہ ہوا اور ان کا رنگ مزید سبز ہو گیا مگر سائنسداں اس کی بھی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکے۔

قمری چٹانوں کے متعلق سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ زمین اور دوسرے سیاروں پر ہونے والی بیشمار بری، بحری اور فضائی تبدیلیوں کا ان چٹانوں پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا۔ خلا بازوں کے ذریعہ لائی گئی یہ چٹانیں اپنی جگہ سے ایک سینٹی میٹر بھی ہلے بغیر تین ارب سال سے چاند کی سرزمین پر موجود تھیں شاید انھیں سائنسدانوں کے انتظار میں جو انھیں دنیا میں لے آئے۔ ●

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری یا نمبر ایجنسی ضرور لکھیے۔

لباس کے متعلق اسلام نے ایک اصول مقرر کیا ہے۔ وہ اصول ستر کے حدود ہیں۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے اسلام اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ تمام عورتیں خواہ وہ زمین کے کسی خطے میں رہتی ہوں چہرے، ہاتھ اور پیروں کے سوا اپنے پورے جسم کو چھپائیں۔ لباس چاہے وہ شلوار، فراک ہوں۔ یا پھر قمیص ہوں میکسی ہوں۔ یا ساڑھی بلاوز ہوں۔ مگر ستر کی شرط پوری ہو جائے۔

ہم مسلمان عورتوں کو یہ بھی معلوم ہونا بے حد ضروری ہے کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے۔ ستر وہ چیز ہے جسے عورت کو ہر ایک سے چھپانا ضروری ہے خواہ باپ بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ حجاب (پردۂ نسواں) یہ دوسری چیز ہے جس میں قریبی رشتہ داروں اور غیر مردوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ عورتیں اپنی خانگی زندگی کے حدود سے باہر اپنے حسن اور آرائش کی نمائش کرتی پھریں۔

اگر تمام لباسوں میں کسی لباس کا کپڑا اس قدر پتلا، مہین اور باریک ہو جس سے باوجود لباس کی موجودگی کے ستر کی شرط ٹوٹی جا رہی ہو تو ایسا لباس ممنوع ہے۔

ایک بار حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا حضورؐ کی خدمت میں آئیں، اس وقت وہ باریک کپڑا پہنے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ ایسا لباس نہ پہننا چاہیئے جس کے اندر سے بدن جھلکے حضورؐ نے ایسے لباس کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس طرح کے لباس سے بھی انسان ننگا ہی مانا جائیگا

حضرت عائشہؓ کے گھر ایک لڑکی آئی وہ نوجوان تھی اور باریک دوپٹہ اوڑھے تھی۔ آپ نے وہ دوپٹہ اُتروا دیا اور موٹی چادر دیدی اور وہی بات فرمائی جو اوپر لکھی جا چکی۔

مردوں کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے۔ مرد کو بھی چاہیے کہ اپنا ستر موٹے کپڑے سے چھپائے اور ستر کا کپڑا ڈھیلا رکھے۔ تنگ نہ ہو۔

پہلوان جو لنگوٹ کشتی کے وقت باندھتے ہیں، وہ لنگوٹ ستر پوشی نہیں کرتا۔ تنہائی میں لنگوٹ باندھ کر کسرت کرے تو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

(سیدہ نشاط النساء بیگم)

عورتوں کا اسلامی لباس

لبِ عشرت پہ تبسم نظر آتا ہے مگر
آنکھ اخلاق کی روتی ہے بڑے شہروں میں
خلوتِ خاص میں جس بات سے آتی تھی حیا
منظرِ عام پہ ہوتی ہے بڑے شہروں میں

اسلام وہ دینِ فطرت ہے جس نے علم و عقل سے کبھی مخالفت نہیں کی۔ وہ ایک مکمل قانون فطرت و قانونِ زندگی ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے (معاملے) میں کامل رہبری کرتا ہے۔ لباس اور سترپوشی جو انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اسلام اس کو نہایت ضروری اور فرض قرار دیتا ہے۔

یوں تو مختلف اقوام میں مختلف قسم کے لباس رائج ہیں لیکن وہ قومی روایات جن کے تحت نسل اپنے بزرگوں سے ایک قسم کا لباس وراثت میں پاتی ہے۔ اس کو اہمیت دی جاتی ہے اس رواج کو باقی رکھنا ہر قوم اپنا فرض سمجھتی ہے۔ چنانچہ دنیا کی ہر قوم اپنا طرزِ زندگی اور ایک خاص قسم کا لباس رکھتی ہے۔ ہمارے ہندوستان ہی میں مختلف اقوام میں مختلف قسم کے لباس رائج ہیں۔ لباس قومی نفسیات۔ قومی تہذیب اور قومی روایات کا مظہر بھی ہے۔ لباس سے ہی قوم متعارف ہوتی ہے۔ اور لباس ہی سے قوم پہچانی جاتی ہے۔ اگر کوئی قوم اپنا لباس بدل کر دوسری قوم کا لباس اختیار کرے تو گویا اس نے اپنی تہذیب و تمدن کے ساتھ اس ورثہ کو بھی کھو دیا۔ جو اس کے بزرگوں سے اسے امانتاً ملا تھا۔ وہ امتیازات جن پر صدہا سال سے ہماری قوم فخر کرتی آئی ہے۔

دینا یا پیر سے آہٹ کر دینا وغیرہ۔

• حضرت عمرؓ ایک بار اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے گھر گئے۔ وہ اس وقت اکیلی تھیں تو واپس چلے آئے۔

نوٹ :۔ یہ بات میں نے مدت ہوا کہیں سنی یا پڑھی تھی آج تلاش کیا تو مجھے یہ روایت نہ ملی۔ واللہ اعلم۔
اور یہ جو ہدایات دی گئیں ان کے پیچھے یہ اندیشہ ہے کہ ہو سکتا ہے گھر کے اندر کوئی عورت نہا رہی ہو یا سر کھولے بیٹھی ہو یا ایسی حالت میں ہو کہ ایسی حالت میں اسے دیکھنا منع ہو یا سو رہی ہو اور اس کے بدن کا کوئی حصہ کھل گیا ہو۔ وغیرہ۔

گھریلو زندگی میں مرد اور عورت دونوں کا یہ بھی حق ہے کہ کوئی آکر ان کے وقت کو ضائع نہ کرے اس لیے حکم ہے کہ ”اگر تم کو کھانے پر بلایا جائے تو ضرور جاؤ لیکن جب کھا چکو تو جلد واپس جاؤ۔ باتیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ (احزاب ۵۳)
اس سلسلے میں یہ احتیاط بھی مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے کہ اگر کسی کے گھر سے کسی مرد کو کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگے۔

• اگر کوئی عورت تم سے خط پڑھوائے تو خط پڑھتے وقت اسے کنکھیوں سے دیکھنے کی کوشش نہ کرو۔
• نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی تعریف فرمائی ہے جس نے اپنے بھائی کے عیب کو چھپا لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ گویا اس نے ایک زندہ درگور انسان زندہ کر لیا۔

اس طرح کے بھی بہت سے واقعات ہیں لیکن صرف دو واقعے سنیئے:

(۱) حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ آپ رات کو گشت لگایا کرتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ ایک بار آپ نے ایک گھر سے گانے کی آواز سنی۔ آپ کو شک ہوا۔ دیوار پر چڑھے اور اندر کود گئے۔ دیکھا تو وہاں شراب بھی ہے اور ایک عورت بھی۔ حضرت عمرؓ غضبناک ہو گئے۔ ڈانٹا ”اے اللہ کے دشمن! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اللہ تیرا پردہ

اسلامی ریاست میں عورت کے .... بنیادی حقوق

گھریلو حق

• عورت کے نان نفقہ کے سلسلے میں اس کا یہ بھی حق رکھا گیا ہے کہ شوہر اُسے کم سے کم اتنی جگہ مہیا کرے جہاں وہ اپنا سامان حفاظت کے ساتھ رکھ سکے۔ اس سلسلے میں جو اسلامی احکام ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

• عورت کی کسی چیز کو کھکوڑا نہ جائے۔

• اس کی نجی رقم یا جائداد یا کمائی کی ٹوہ میں نہ رہا جائے۔

• دروازوں یا موکھلوں سے کسی گھر میں جھانکا نہ جائے۔ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کی آنکھ پھوڑ دی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

• قرآن کا حکم سنئے، فرمایا:۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ لے لو۔ اور گھر والوں کو سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ (سورۂ نور، ۲۷-۲۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا کہ اپنے گھروں میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرتے تھے یا ایسی کوئی آواز نکالتے تھے کہ گھر والے ہوشیار ہو جائیں جیسے کھنکھارنا یا دستک

(نظر زیدی)

لا اکراہ فی الدین

پادریوں کے خفیہ جلسے کی کاروائی سنکر الزولا اپنی کوٹھری میں آئی تو بہت افسردہ تھی اس کی قوم کے ان معزز لوگوں نے بحث و مباحثے کے بعد جو فیصلہ کیا وہ اُسے کسی نقطہ نظر سے بھی معقول معلوم نہ ہو رہا تھا۔ یہ تو کھلی دیوانگی تھی کہ کوئی شخص مسلمانوں کے مجمعے میں جاکر اُن کے پیغمبر کی شان میں گستاخی کرے اور اپنے اس انتہائی مکروہ فعل کو اپنی قوم اور اپنے مذہب کی خدمت بھی قرار دے۔

مسلمان اُس ملک کے حکمران تھے۔ بیشک اُن میں کچھ کمزوریاں آگئی تھیں۔ دوسری آسودہ حال قوموں کی طرح اُن کے امراء لہو و لعب کی طرف جھکتے چلے جا رہے تھے لیکن اپنے دین اسلام سے محبت اُن کے دلوں میں پہلی طرح زندہ اور تازہ تھی اور دینی غیرت میں تو اُن کا کوئی حریف ہی نہ تھا۔ ناموس رسالت پر کٹ مرنا ایک عام مسلمان کے لیے بھی بالکل معمولی بات تھی۔

الزولا کے ذہن میں ہزار ہا خدشات رینگ رہے تھے۔ بار بار یہ اندیشہ اُسے پریشان کر رہا تھا کہ ان دیوانوں کی اس حرکت سے مسلمان مشتعل ہوکر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے تو ہزار ہا بے گناہ موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔

وہ اسی قسم کے خیالات میں گھری بیٹھی تھی کہ اس کا بھائی یولوجیوس بہت باوقار انداز میں چلتے ہوئے کوٹھری میں داخل ہوا اور اُسے یوں افسردہ دیکھ کر خوش دلی کے لہجے میں بولا "کیا بات ہے الزولا! بہت خفزدہ نظر آتی ہو؟ خیر تو ہے؟"

الزولا نے مسکرا کر اپنے بھائی کی طرف

فاش نہ کرے گا؟

گھر والے نے جواب دیا۔ امیرالمومنین! آپ جلدی نہ کریں۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا تو آپ نے تین گناہ کئے۔ (۱) اللہ نے تجسس (ٹوہ) سے روکا ہے۔ آپ نے تجسس کیا۔ (۲) اللہ کا حکم ہے کہ گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ۔ آپ دیوار پر چڑھ آئے۔ (۳) اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اجازت لیکر جاؤ۔ آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں کود پڑے۔

یہ سنکر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی مانی اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ ہاں اس سے وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اپنائے گا۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک لڑکی کو کوڑوں کی سزا سنائی گئی تو وہ ایسا ڈری کہ چھری لے کر خودکشی کر بیٹھی لیکن مری نہیں بچ گئی اور پھر گناہ سے توبہ کرلی۔ ایک شخص نے اُسے نکاح کا پیام دیا۔ وہ اس کی خودکشی کے بارے میں جانتا نہ تھا۔ لڑکی کے سرپرست نے حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا کہ ہونے والے داماد کو سارا حال بتادیا جائے یا نہیں۔ آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ جس چیز کو اللہ نے چھپادیا تو اسے نہ کھول۔

یہ ہے اسلامی ریاست میں انسان کی گھریلو زندگی کا حق۔

انولہ کے ہونٹوں پر چھائی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ وہ چند لمحے طنزیہ نظروں سے اپنے اس جوان عمر، خوبرو بھائی کی طرف دیکھتی رہی، جو راہبوں کا لباس پہنے دل بن جانے کا دعویٰ کر رہا تھا، لیکن اس نے بدگمان کر دینے والے خیالات ذہن کے دامن سے جھٹک دیے۔ بہت اپنائیت سے بولی "اگر ایسا ہے تو یہ واقعی خوش بختی ہے۔ شاید میں تو اس منزل پر کبھی نہ پہنچ سکوں گی۔ بہرحال یہ بتائیے کیا ہمارے یہ بزرگ کسی خاص مقصد سے اکٹھے ہوئے ہیں یہاں۔ کچھ دنوں سے خانقاہ میں بہت چہل پہل دیکھ رہی ہوں"۔

"ہاں انولا! ہمارے یہ اکابر ایک بہت ہی خاص فیصلہ کرنے یہاں تشریف لائے ہیں ایک مدت سے یہ بات محسوس کی جا رہی تھی کہ اب ہماری قوم کو ظالم اور بے دین مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کر دینا چاہیے۔ خداوند خدا کا شکر ہے۔ اب یہ بات متفقہ طور پر مان لی گئی"۔

"یعنی ہماری خانقاہوں اور گرجوں میں اب یادِ خدا کے بجائے فوجی تربیت کا اہتمام کیا جائے گا؟" انولہ نے پادریوں کے منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ ہونے کے لیے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

یولوجیوس مسکرایا "نہیں یہ تو نہیں، لیکن اب ہماری ان خاموش اور متبرک خانقاہوں سے طبلِ جنگ کی آواز ضرور سنائی دے گی۔ ان کے پرسکون گوشوں میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرنے والے ہمارے بھائی اب مسلمانوں کی عبادت گاہوں اور محفلوں میں جا کر اس طرح خدا اور اس کے اکلوتے کی بڑائی بیان کریں گے کہ اُن سے پہلے شاید کسی نے بیان نہ کی ہو گی"۔

یہ کہہ کر اس نے بہت صراحت سے پورا منصوبہ بیان کیا اور آخر میں کہا کہ اس مہم کا آغاز کرنے جو پہلا دستہ جا رہا ہے اس میں، میں بھی شامل ہوں"۔

"یعنی آپ مسلمانوں کے مجمعے میں جا کر اُن کے پیغمبر کی شان میں نازیبا الفاظ کہیں گے؟" انولہ بے حد دہشت زدہ نظر آ رہی تھی۔

نظریں اٹھائیں۔ اس نے اسے کئی سال بعد دیکھا تھا فطری محبت اس کے دل میں یوں امڈ آئی، جیسے کسی چٹان سے اچانک چشمہ ابل پڑے۔ وہ اپنی جگہ سے والہانہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "آج بھلا میں کس غمزدہ ہوسکتی ہوں بھائی جان! یہ دن تو آج میری زندگی کے مبارک ترین دنوں میں سے ہے۔ آج آپ آئے ہیں۔ کتنے عرصے بعد دیکھا ہے اپنے ماں جائے کو! میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ آپ اب تک مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے؟"

"میں بھی تمہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوں الولو بہن! — ویسے غور کرو، ہم لوگوں کو اپنی یہ کمزوری رفع کرنی چاہیے۔ جب ہم نے اپنی زندگیاں خدا اور اس کے اکلوتے کے لیے وقف کردی ہیں، تو ایک دوسرے کو اس طرح یاد کرنا کچھ مناسب بات نہیں!" یولوجیوس نے سرد سے لہجے میں کہا اور دامن سمیٹ کر چٹائی پر بیٹھ گیا۔

الولو حیران سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر رک رک کر بولی۔

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن ہماری یہ زندگی بھی تو اپنی جگہ ایک سچائی ہے، پھر اس کے معاملات اور تعلقات کس طرح نظرانداز کئے جاسکتے ہیں؟"

"الولو! مجاہدہ نام ہی اس بات کا ہے کہ ہم اپنے جذبات کو مغلوب کریں اور تمام خیالوں پر خداوند خدا اور اس کے اکلوتے کے خیال کو غالب کردیں" یولوجیوس نے دلیل کے انداز میں کہا۔ الولو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ نہ جانے کیوں اسے بے اختیار پادری سیموئیل یاد آگیا۔ طنزیہ لہجے میں بولی: "بھائی جان! ہمارے تصورات خواہ کیسے بھی اونچے ہوں، لیکن انسان بہرحال انسان رہتا ہے اس کا قلب محبت کے جذبات سے بھی متاثر ہوتا ہے اور نفرت کے خیالات سے بھی!"

"ٹھیک ہے، لیکن اس تعلق خاطر کو انسان کی کمزوری ہی سمجھا جائے گا اور کم از کم میں اس بات کے لیے اپنے خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے فانی زندگی کے ان فانی رشتوں کو غیر اہم خیال کرنے کی ہمت عطا کردی ہے۔"

جاؤں۔"

"لیکن تم میرے ساتھ کس طرح جا سکتی ہو؟ کیا خانقاہ کے ضابطوں کو نظر انداز کر دوں؟" پولوجیوس نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

الزلو فیصلہ کن انداز میں بولی: "ایک پریشان کن بیکاری کے سوا یہاں کون سا ضابطہ ہے جسے توڑنے کا سوال سامنے آئے گا! میں تو اپنی اس بے مقصد اور بے مصرف زندگی سے اکتا گئی ہوں۔ محسوس ہوتا ہے اس خانقاہ کا ماحول روز بروز دا ضدار ہوتا جا رہا ہے۔"

"اور میں محسوس کر رہا ہوں یہ داغ خود تمہارے شعور پر اُبھر رہے ہیں۔ تم عبادات میں تو باقاعدگی سے شریک ہوتی ہونا؟" پولوجیوس نے شک بھری نظروں سے الزلو کی طرف دیکھا۔

"خدا کا شکر ہے میرے شعور پر کوئی داغ نہیں۔ مجھے تو خانقاہ کی عجیب سی زندگی نے پریشان کر دیا ہے اور میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤں۔"

"لیکن خادمہ سوفیل کی اجازت کے بغیر تم کس طرح جا سکو گی یہاں سے؟ تم اپنی پوری زندگی خداوند خدا کی نذر کر چکی ہو، عزیز بہن! عہد توڑنے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ تمہاری یہ زندگی جیسی کچھ بھی ہے، نوشتۂ تقدیر ہے۔ مجھے امید ہے تم اپنے فاسد خیالات پر جلد ہی قابو پا لوگی اور اپنے دل کو پہلے کی طرح نورانی محسوس کرنے لگو گی!" پولوجیوس نے جیسے فیصلہ سنا دیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

الزلو کچھ دیر ویران ویران نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر پژمردہ سی آواز میں بولی: "میں جس طوفان میں گھری ہوئی ہوں اگر آپ کو اس کی ہلاکت آفرینی کا ذرا سا اندازہ بھی ہوتا، تو میرے بارے میں شاید یہ فیصلہ نہ کرتے۔" اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

پولوجیوس نے رُخ موڑ کر وہاں سے چلے جانے کا ارادہ کیا، لیکن نہ جانے دل کے کون سے گوشے سے ایک عجیب سی لہر ابھر کر اس کی آنکھوں تک آ گئی اور وہ اپنی بہن کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا جو مایوسی اور ملے جلے جذبات سے زرد ہو رہا تھا ـــــ وہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر خود کو سنبھالتے

"ہاں پیاری بہن! اور شاید اس وقت
تم مجھے آخری بار دیکھ رہی ہو۔ میرا دل
شہادت کا تاج زیب سر کرنے کے لئے
کچھ اس طرح بے قرار ہے کہ زندگی کا ہر
سانس گراں گزر رہا ہے!"

"لیکن میرے نزدیک تو آپ کا فیصلہ ہرگز
ہرگز درست نہیں۔ میں آپ کو اُن دیوانوں کے
ساتھ کبھی نہ جانے دوں گی۔ جو جانتے بوجھتے خودکشی
کا فیصلہ کر رہے ہیں!" الزلو نے زور دے کر کہا۔

"تمہیں اپنے بزرگوں کی شان میں ناشائستہ
الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں الزلو!" یولو
جیوس نے خاصے تیز لہجے میں اپنی بہن کو سرزنش
کی، لیکن اُس پر جیسے اس کی برہمی کا کوئی اثر نہ
ہوا پہلے کی طرح بیزار ہو کر بولی "بھائی جان!
آپ کچھ بھی خیال کریں لیکن میرے نزدیک تو
یہ حرکت بالکل مجنونانہ ہے۔ خدارا مجھے سمجھائیے
دینِ عیسوی کے کس ضابطے اور کس حکم کے
مطابق آپ یہ عجیب و غریب طریقہ اختیار کر رہے
ہیں۔ جہاں تک میں نے اپنے مذہب پر غور
کیا ہے یہ تو سراسر رحم و کرم اور عفو و درگزر سے
نفرتوں کے بیج بونے کے بجائے یہ تو ہمیں مح
کرنا سکھاتا ہے۔ خداوند خدا کے اکلوتے
تو جانوروں تک کا احترام کرنے کی تعلیم دی۔
بتلائیے کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"تم ابھی ان معاملات کو نہ سمجھ سکو گی میر
ننھی بہن! ہمارے لیے صرف اس قدر جا
لینا کافی ہے کہ یہ فیصلہ ہماری قوم کے بزرگو
نے کیا ہے" یولوجیوس نے نصیحت کی۔

"خیر جو بھی ہے، لیکن میں آپ کو ا
گناہ میں ہرگز شامل نہ ہونے دوں گی!" ال
کے لہجے سے بے پناہ عزم ظاہر ہو رہا تھا۔

یولوجیوس دھیرے سے ہنسا، پھر ت
دیتے ہوئے بولا: "معلوم ہوتا ہے تمہیں
مادی زندگی بہت عزیز ہے پیاری بہ
ویسے اطمینان رکھو، سردست میری حقیر
کو کوئی خطرہ نہیں۔ ابھی تو میں قرطبہ جا
آخری فیصلہ کچھ دن بعد ہو گا کہ یہ سلسلہ کہ
اور کہاں سے شروع کیا جائے۔"

"کب روانہ ہو رہے ہیں آپ قرطبہ
لیے دل چاہتا ہے میں بھی آپ کے س

ہنگامہ کھڑا نہ ہونے پائے۔" الولو نے التجا کی۔

"تمہارا مطلب ہے اس معصوم کو پھر اسی میں دھکیل دوں جس سے بمشکل نجات پائی ہے ایسے ہو سکتا ہے؟"

"عرض کر چکی ہوں کہ وہ ایک پکی سچی مسلمان لڑکی ہے بھائی جان! کچھ غلط اندیش لوگوں نے جن میں اس کی ماں بھی شامل ہے۔ اسے اغوا کر کے ایک خوفناک صورت حال پیدا کر دی ہے۔ نہ صرف اس کی بلکہ ہم سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسے اس کے بھائی کے حوالے کر دیا جائے اور میں امید کرتی ہوں آپ اس سلسلے میں اس کی مدد کریں گے۔"

"اگر تمہاری بات درست ثابت ہوئی تو میں ایسا ضرور ہی کروں گا۔ لیکن میرا دل ابھی تک یہ باور کرنے کو تیار نہیں کہ فادر سموئیل اور عالی مرتبت الوارو کے مقابلے میں تمہاری بات معتبر ہے۔ بہرحال میں آج ہی قرطبہ جا رہا ہوں، وہاں جا کر یہ معاملہ بہتر طور پر سمجھ سکوں گا۔" بات ختم کر کے یولوجیوس نے باہر کا رُخ کیا اور اپنی غمزدہ بہن کو خدا حافظ کہے بغیر باہر نکل گیا۔

☆

سارہ عصر کی نماز پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف تھی۔ اس کی آنکھوں کے سیپ اشکوں کے موتیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور دل زخمی پرندے کی طرح تڑپ رہا تھا۔ الولو کی ہدایت کے مطابق وہ یہاں ایک آفت زدہ عیسائی لڑکی کی حیثیت سے رہ رہی تھی۔ اس لیے نماز ادا کرتے ہوئے بہت محتاط رہنا پڑتا تھا۔ اگرچہ اس کی رہائش ایک الگ کمرے میں تھی اور گھر کے مکینوں کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ ایک الولو کی ضعیف والدہ اور دو خدمت گار، کل تین افراد تھے، لیکن الولو کی والدہ کسی وقت بھی اس کے پاس آ جاتی اور پاس بیٹھی گھنٹوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہتی، اس لیے تنہائی کے لمحات کبھی کبھار میسر آتے تھے۔

یہ مظلوم لڑکی جب سے یہاں آئی تھی برابر اس کوشش میں تھی کہ خالد سے رابطہ قائم ہو جائے اور کسی ہنگامے کے بغیر وہ اپنے گھر چلی جائے، لیکن ایسی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تھی۔

کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "امی جان کے لیے کوئی پیغام دینا چاہو تو میں اُن تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ وہ اکثر تمہارا ذکر کیا کرتی ہیں"۔

"امی جان کے لیے میں کیا پیغام دے سکتی ہوں! سوائے اس کے کہ حالات نے انھیں اور ہم سب کو جس عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس پر صبر کریں، البتہ اس مظلوم لڑکی تک میرا یہ پیغام ضرور پہنچا دیجیے کہ وہ اب میرا انتظار نہ کرے جس طرح بھی ممکن ہو اپنے بھائی کے پاس پہنچ جائے۔ میں شاید اس کی کوئی مدد نہ کرسکونگی"۔

"اسے ہاں، وہ لڑکی! اس کے بارے میں تو ہمیں تفصیل سے باتیں کرنی چاہیے تھیں قرطبہ میں وہ مجھ سے اس وقت ملی تھی جب میں رختِ سفر باندھ کر یہاں آنے کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ پھر بھی انتظام کر آیا تھا کہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ کون ہے؟ مجسمۂ غم نظر آ رہی تھی بے چاری"۔ یولوجیوس نے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اس کی اصلیت جان کر شاید آپ ناراض ہو جائیں، لیکن میرے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دوں سنئے! یہ وہی لڑکی ہے جس کی وجہ سے پورے ملک کی فضا طوفانی ہو رہی ہے"۔

"یعنی یہ وہی عیسائی دوشیزہ ہے جسے زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے؟" یولوجیوس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ "اگر یہ وہی ہے الزلو! تو تم اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جاؤ۔ وہ ایسی جگہ پہنچ گئی ہے جہاں اس کی جان اور ایمان دونوں کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی"۔

"یقیناً یہ وہی ہے، لیکن اس کے بارے میں یہ بات درست نہیں کہ اُسے زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اُسے جبراً عیسائی ثابت کیا جا رہا ہے"۔ الزلو نے بہت اعتماد سے کہا۔

یولوجیوس مشتعل ہو گیا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے فادر سموئیل ایسے گناہ کا ارتکاب ہرگز نہیں کر سکتے"

"میں نے جو کچھ کہا، بالکل درست ہے بھائی جان! اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ اس لڑکی کو اس کے گھر پہنچا دیں۔ اس طرح کہ

جان بوجھ کر دھوکا دیا؟" خاتون نے تیز نظروں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں امی! میں نے آپ کو وہی کچھ بتایا تھا جو مجھے معلوم ہوا تھا۔" یولوجیوس نے بہت احترام سے جواب دیا۔

"تو اس کا مطلب ہے اس مکارہ نے تجھے بھی دھوکا دیا۔ کیوں ری یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے اپنے بارے میں صاف صاف بتا، تو کون ہے اور ہمارے ہاں کس ارادے سے آئی ہے؟" بوڑھی خاتون کا غصہ اب عروج پر تھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے سارہ کو گھور رہی تھی۔ سارہ کے چہرے پر بھی گھبراہٹ اور شرمندگی کے آثار گہرے ہو رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اپنی غلطی کی کیا تاویل کرے۔ اس نازک مرحلے پر یولوجیوس نے اس کی مدد کی۔ اُسے پریشان محسوس کر کے وہ جلدی سے بولا۔

"امی! آپ اس بارے میں بدگمان نہ ہوں اس نے جو کہا وہ انولو کی ہدایت کے عین مطابق تھا۔ اس نے مجھے اس کے بارے میں ساری بات بتا دی ہے اور میں سمجھتا ہوں حالات نے اس غریب کو جھوٹ پر نشانوں میں پھنسا دیا ہے۔ ان کے باعث یہی مناسب تھا کہ یہ اپنی اصلیت ظاہر نہ کرتی۔ آپ بے فکر رہیے یہ ایک بہت معزز خاندان کی بیٹی ہے۔"

"اور کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں جس کے بارے میں ایک طوفان بپا ہو گیا ہے شہر میں؟" بوڑھی خاتون کے چہرے پر اب پریشانی کے آثار تھے۔

"ہاں یہ وہی ہے لیکن اُمید ہے ہمیں اس کی وجہ سے کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔ میں اپنے دل میں یہ تہیہ کیے ہوئے تھا کہ اگر یہ دل سے عیسائی ہوئی، تو بڑے سے بڑا خطرہ مول لے کر بھی پناہ دوں گا اور کسی حالت میں مسلمانوں کے حوالے نہ کروں گا لیکن اب میرا یہ ارادہ ہے کہ جن لوگوں نے اس غریب کو زبردستی عیسائی بنانے کی سازش کی ہے۔ اُن کے ارادوں کو ناکام بنا دوں گا۔ اپنے بزرگوں کے بارے میں یہ جان کر مجھے بہت صدمہ ہوا ہے کہ وہ ایسی رکیک حرکت بھی کر سکتے ہیں۔ آیئے میرے ساتھ اطمینان سے

امام یحییٰ بن یحییٰ اور اس کے بھائی خالد کی مسلسل کوششوں سے اب حکومت اُسے برآمد کرنے کی طرف خاص توجہ دے رہی تھی۔ پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور یوں شہر میں ایسی دہشت کی فضا پیدا ہو گئی تھی کہ اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے خیال ہی سے وہ دہشت زدہ ہو جاتی وہ محسوس کرتی کہ اگر حکومت کے کارندوں کو اس کے یہاں موجود ہونے کا علم ہوا تو اس گھر پر آفت ٹوٹ پڑے گی، چنانچہ اسی لیے وہ بہت ہمت سے یہ عذاب اپنی جان پر جھیل رہی تھی۔

وہ بڑے انہماک سے دعا میں مصروف تھی کہ یولوجیوس اور اس کی والدہ دروازے میں نمودار ہوئے اور اسے قبلہ رخ بیٹھے دیکھ کر وہیں رُک گئے۔ یولوجیوس تو انزولو کی زبانی اس کے مسلمان ہونے کی بابت سُن چکا تھا لیکن بوڑھی خاتون کے لیے یہ ایک بہت ہی اچنبھے کی بات تھی کہ جسے وہ ایک مظلوم عیسائی دوشیزہ خیال کر کے اپنے گھر میں چھپائے ہوئے تھی۔ وہ مسلمانوں کی طرح عبادت میں مصروف ہے

وہ کچھ دیر مبہوت سی ہو کر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر برہم ہو کر بولی: "لڑکی تو یہ کیا کر رہی ہے" سارہ نے چونک کر دیکھا۔ راز فاش ہو جانے کے احساس سے وہ ذرا دیر کے لیے سراسیمہ سی ہو گئی۔ لیکن پھر سنبھل کر بہت باوقار انداز میں بولی: "میں عبادت میں مصروف ہوں مادرِ مہربان!"

"کیا تو مسلمان ہے؟" خاتون نے بہت ناراض ہو کر پوچھا۔

"جی" سارہ کا جواب مختصر تھا، لیکن لہجہ بہت گمبھیر۔

"لیکن تو نے یہ بات بتائی کیوں نہیں" خاتون کے لہجے میں پہلے سے زیادہ برہمی تھی۔

"کبھی اس کا موقع ہی پیدا نہیں ہوا" سارہ اب کچھ شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ اسے خیال آ رہا تھا۔ یہ بات تو واقعی نامناسب ہے کہ میں نے خوف کو اپنے ذہن پر مسلط کر لیا اور اپنی میزبان کو دھوکے میں رکھا۔

یولوجیوس! تو نے کہا تھا یہ ایک مصیبت زدہ عیسائی دوشیزہ ہے! کیا تو نے بھی مجھے

میں پوچھ سکتا ہوں۔ آپ ایک معزز شہری کے ساتھ ایک ظالمانہ اور توہین آمیز سلوک کیوں کر رہے ہیں؟"

"معزز شہری!" سعید بن جودی طنز بھرے انداز میں ہنسا: "اگر تم معزز شہری ہو، تو پھر اس دنیا میں صرف معززین ہی آباد ہیں!"

"بے شک میں معزز ہوں۔ اگر میں معزز نہیں تو یقیناً دنیا میں کوئی بھی معزز نہیں ہے!"

یولوجیوس کی آواز غصے سے کپکپا رہی تھی۔ وہ گھر میں داخل ہونے کے لیے مڑا لیکن کئی سپاہیوں نے گھوڑے آگے بڑھا کر اس کا راستہ روک لیا۔ سعید نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا کر بولا: "گستاخ شاید تو یہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں! غور سے سن، میرا نام سعید بن جودی ہے۔ میں وہی ابن جودی ہوں جس کا نام سن کر کافروں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ میرے دوسرے حکم تک اب تو کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ تجھے بغاوت اور ایک مسلمان دوشیزہ کو اغوا کرنے کے جرم میں گرفتار کیا جا رہا ہے!"

یولوجیوس خاموش، لیکن مشتعل نظروں سے کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر بہت باوقار انداز میں بولا: "بغاوت کے جرم میں؟ ٹھیک ہے۔ میں باغی تو ضرور ہوں اور مجھے اس بات پر فخر بھی ہے لیکن دوسرا الزام درست نہیں۔ میں نے کسی لڑکی کو اغوا نہیں کیا، بلکہ میں نے تو ایک!"

"خاموش!" ابن جودی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ فیصلہ عدالت کرے گی کہ تو مجرم ہے یا نہیں۔ فی الحال یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ مزاحمت کی تو شاید تیرے ہاتھ پیر سلامت نہ رہ سکیں!" سعید بن جودی نے سپاہیوں کی طرف دیکھا اور سرزنش کے انداز میں بولا: "تم لوگ ابھی تک تماشا دیکھ رہے ہو۔ اپنا کام مکمل کیوں نہیں کرتے!" حکم سنتے ہی کئی سپاہی گھوڑے سے کود ے اور تیزی سے حویلی میں داخل ہو گئے۔

یولوجیوس نے بہت نفرت سے سعید کی طرف دیکھا اور غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ "معزز سردار! گھر میں میری بوڑھی والدہ اور ایک مظلوم لڑکی کے سوا کوئی نہیں۔ اپنے ان بہادروں کو روکیے اور ان سے کہیے انھیں

بیٹے، میں ساری باتیں تفصیل سے عرض کروں گا۔"

بوڑھی خاتون نے چند ثانیے اپنے بیٹے کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور پھر خاموشی سے اس کے ساتھ جانے کے لیے رُخ موڑا۔

سارہ نے اطمینان کا سانس لیا اور وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے دل میں فلورا اور یولوجیوس کے لیے عقیدت کے بے پناہ جذبات تھے۔ وہ سوچ رہی تھی اگر یہ نیک دل بہن بھائی میری مدد نہ کرتے تو خدا جانے اس وقت میری کیا حالت ہوتی۔

یولوجیوس بھی بہت مسرور تھا۔ اس خیال نے اُسے طمانیت بخشی تھی کہ غیر مذہب کی اس مظلوم لڑکی کی اعانت کر کے میں نے خداوند خدا کا ایک حکم پورا کیا ہے۔ وہ اسی سرشاری کے عالم میں اپنی ماں کا ہاتھ تھامے صحن عبور کر رہا تھا کہ ڈیوڑھی پر ایسا شور بلند ہوا جیسے سواروں کا کوئی دستہ آکر رُکا ہو۔ پھر بہت تیز آواز میں بولنے اور دروازہ پیٹنے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر دیکھا اور یہ کہتا ہوا باہر کی طرف روانہ ہو گیا: "امی جان! آپ اپنے کمرے میں جائیے میں دیکھتا ہوں باہر یہ کیسا ہنگامہ ہے۔"

ڈیوڑھی پر سعید بن جودی اوپچی بنا کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ سواروں کا دستہ تھا۔ گھوڑوں کے آگے پیچھے ہونے اور سواروں کے اونچی آواز میں بولنے کی وجہ سے خاصا شور پیدا ہو گیا تھا۔ یولوجیوس نے باہر آکر بہت شائستگی سے پوچھا: "کیا جناب کسی خاص ضرورت سے یہاں تشریف ہیں؟"

"کیا تمہارا نام یولوجیوس ہے؟" سعید نے جواب دینے کے بجائے گونجتی ہوئی رعب دار آواز میں پوچھا۔

"میرا یہی نام ہے جناب!" یولوجیوس نے پہلے کی طرح بہت ادب سے جواب دیا۔

"میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں!" سعید نے مضبوطی سے یولوجیوس کا ہاتھ پکڑ لیا اور سپاہیوں کی طرف دیکھ کر بولا: "ابوریحان! تم گھر کی تلاشی لو اور جتنے افراد یہاں مقیم ہوں، انھیں جیل خانے پہنچا دو۔ اسے ہم اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

یولوجیوس نے زوردار جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور غصے بھری آواز میں سوال کیا: "کیا

مطالبہ کر رہا تھا کہ دربار کی طرف دیکھے بغیر یہ مسئلہ اپنی قوت سے حل کیا جائے اور اب گویا امام بھی نے اس کی یہ بات مان لی تھی۔

کئی با اثر عالموں کے خیالات سننے کے بعد امام صاحب نے خالد کو اظہار خیال کی دعوت دی تھی۔ تو اس نے مناسب الفاظ میں تمہید باندھی اور کہا! "حضرات! مجھے تو پہلے بھی اس بات میں کسی قسم کا شک نہ تھا کہ ہمارے حکمران نہ صرف دینی غیرت بلکہ عام صلاحیتوں سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ اب اُن کے ذہنوں پر ندیاب اور ملکہ طروب کا قبضہ ہے اور یہ دونوں شیطان کے اتنے بڑے ایجنٹ ہیں کہ اُن کی موجودگی میں ہماری معقول سے معقول بات بھی امیر کو متاثر نہ کر سکے گی۔ ان حالات میں آخری چارہ کار یہ ہے کہ ہمارے بزرگ کھلے لفظوں میں جہاد کا اعلان کریں اور اگر حکومت ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کرے تو اس کے خلاف بھی پوری ہمت سے تلوار اُٹھائیں۔ حضرات والا۔ ہم قبرستان کے مُردوں سے توقع کر سکتے ہیں کہ وہ کسی وقت بیدار ہو جائیں گے لیکن اپنی قوم کے ان امراء سے کوئی امید وابستہ نہیں کر سکتے۔"

خالد ذرا دیر کے لیے رُکا۔ اس نے ابھی سلسلۂ کلام نہیں جوڑا تھا کہ سعید بن جودی مسلح سپاہیوں اور یوجیوس کو ساتھ لیے داخل ہوا۔ وہ خود بھی فوجی لباس پہنے ہوئے تھا۔ سب نے چونک کر نوواردوں کی طرف دیکھا، خاص طور پر امام بھی نے۔ انھیں شک ہوا کہ کسی نے اس اجلاس کے بارے میں غلط سلط اطلاع پہنچا دی ہے اور ابن جودی فوجی دستے کر انھیں گرفتار کرنے آیا ہے۔

خالد نے بھی بہت تیکھی نظروں سے ابن جودی کی طرف دیکھا اور اُسے ٹوکنے کا ارادہ کیا لیکن امام نے اُسے روک دیا اور خود سوال کیا:

"خیریت تو ہے ابن جودی! آپ مسلح ہوکر یہاں تشریف لائے ہیں۔۔۔؟"

ابن جودی نے مسکراتی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور بہت شگفتہ لہجے میں بولا۔ "یا امام! آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ تکلف کرنا پڑا۔ کچھ دن سے میں خود بھی محسوس

پریشان نہ کریں۔ میں آپ کے ساتھ بخوشی چلنے کو تیار ہوں۔"

"تجھے تو بخوشی یا بہ جبر ہمارے ساتھ جانا ہی ہے۔ لیکن ہمیں اس گھر کے دوسرے افراد کی بھی ضرورت ہے۔ اگر وہ بے گناہ ثابت ہوئے تو ان کا پورا پورا احترام کیا جائے گا۔" سعید نے کہا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا، پھر اپنے نائب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "اور سحان! قیدیوں کو جیل خانے پہنچا کر تم ہمارے پاس آ جاؤ گے اور مکمل رپورٹ پیش کرو گے۔ ہم اس شخص کو لے کر قاضی یحییٰ کے پاس جا رہے ہیں۔"

نائب نے بہت ادب سے حکم کی تعمیل کرنے کا اقرار کیا، پھر یوجیوس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں۔ زنجیر ایک سپاہی کے ہاتھ میں تھما دی اور وہ اُسے ساتھ لے کر سعید بن جودی کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

امام یحییٰ کے گھر آج بہت بڑا اجتماع تھا شہر کے قریب قریب تمام قابل ذکر عالم اور فقیہہ ان کی دعوت پر اکٹھے ہوئے تھے اور بہت سنجیدگی سے ملک کے حالات پر بحث کر رہے تھے۔ امام نے آخری طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ سارہ کو عیسائیوں کی قید سے رہا کرانے کے سلسلے میں امیر اندلس سے آئندہ کچھ نہ کہیں گے۔ انھیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ زندگی کے جس فلسفے کو دربار پر حاوی دیکھنا چاہتے ہیں، وہ زریاب کے فلسفے سے مات کھا گیا ہے اور امیر عبدالرحمٰن کی خواہش اور نیک دلی کے باوجود سرسری تفتیش اور نمائشی سرگرمی سے آگے بات نہ بڑھے گی۔

امام صاحب ذاتی طور پر اس حادثے کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ اُن کے نزدیک یہ صرف اُن کے عزیز شاگرد خالد ہی کی عزت نہیں بلکہ پوری قوم کی غیرت اور عزت کا معاملہ تھا۔ وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ سارہ کو آزادی نہ دلا سکے۔ تو مفسد عیسائیوں کے حوصلے اور بڑھیں گے اور پھر مسلمانوں کے زوال کی راہیں ہموار ہوتی چلی جائیں گی۔

اس معاملے میں خالد فطری طور پر بہت زیادہ پُرجوش تھا۔ وہ شروع ہی سے

رکھتے۔ یہ بات اچھی طرح ہمارے علم میں ہے کہ اکثر غیرمسلم اسلام اور مسلمانوں سے سخت عناد رکھتے ہیں۔ اگر یہ شخص بھی اس مرض میں مبتلا ہے، تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہم تو یہ جاننا چاہتے ہیں کیا اس نے سارہ کو اغوا کیا ہے یا اس جرم میں حصہ لیا ہے؟"

"یہ بات تو آپ معلوم ہوگی۔ تفتیش کے دوران میں انشاء اللہ یہ ایک ایک بات بتلانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اسی غرض سے میں اسے پکڑ کر لایا ہوں۔" ابن جودی نے کہا۔

"آپ کا مطلب ہے اسے محض شک کی بنا پر پکڑ لائے ہیں آپ؟" امام صاحب نے سوال کیا۔

"اور شاید آپ یہ چاہتے ہیں کہ جب یہ اپنے جرم کا اقرار کر لیتا پھر اسے گرفتار کیا جاتا!" ابن جودی کے لہجے میں طنز تھی۔ "امام صاحب محترم! آپ کے حلقے کا کوئی عالم یا فقیہہ ایسی بلند اخلاقی کا مظاہرہ کرے تو الگ بات ہے، ورنہ مجرم مار کھا کر ہی اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔ آپ نے سنا نہیں مار کے آگے بھوت ناچتا ہے۔"

"اور اگر آپ نے اس غریب کو اسی نیت سے گرفتار کیا ہے کہ مار مار کر جرم کا اقرار کرائیں گے، تو ہم حکم دیتے ہیں اس کی ہتھکڑیاں کھول دیجیے۔ جرم ثابت ہونے سے پہلے کسی شہری کو ذلیل کرنا انصاف کے خلاف ہے۔" امام صاحب نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔

"یعنی میں اس شخص کو آزاد کر کے اس کے گھر بھیج دوں اور خود کو مجرم تسلیم کر کے اس سے معافی طلب کروں؟" ابن جودی کا لہجہ کچھ اور بھی طنزیہ ہو گیا۔

امام صاحب نے اس کے رد عمل کو پوری طرح محسوس کیا، لیکن وہ مشتعل نہیں ہوئے پُرسکون آواز میں بولے: "یقیناً ہمارا یہی مطلب ہے۔ آپ کا فرض تھا پہلے معاملے کی پوری طرح تحقیق کرتے اور جب اطمینان ہو جاتا کہ یہ شخص واقعی مجرم ہے تو پھر اسے پابند سلاسل کرتے۔ محکمۂ انصاف کے صدر کی حیثیت سے ہم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اس غریب پادری کو فوراً آزاد کر دیجیے اور آپ نے اس کی اور اس کے گھر والوں کی جو توہین کی ہے۔ اس کے

کر رہا تھا کہ آپ کا یہ ارشاد درست ہے کہ ہم لوگ آرام طلب اور ناکارہ ہوتے جارہے ہیں۔ سوچا کچھ قومی خدمت کرکے زندگی کا ثبوت فراہم کیا جائے۔"

"یہ تو واقعی اچھی خبر ہے۔ قوموں کے لیے ان کے امراء کی حیثیت شمشیر براں کی ہوتی ہے ابن جودی! اگر وہ اپنے فرائض سے غافل ہوجائیں تو گویا وہ تلوار زنگ آلود ہوجاتی ہے جس سے دشمنوں کو روکا جاتا ہے۔ اگر ہماری یہ خاراشگاف تلوار کامل طور پہ زنگ آلود ہونے سے پہلے حرکت میں آگئی ہے تو اس سے زیادہ مبارک کوئی بات نہیں، لیکن مناسب ہوگا آپ اپنی بات کی کچھ وضاحت بھی کریں۔۔۔!" امام صاحب کے لہجے سے مسرت ٹپک رہی تھی۔ وہ ابن جودی کی طرف تحسین بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"اس کا ثبوت میرا یہ پہلا شکار ہے یا امام" ابن جودی نے پادری یولوجیوس کی طرف اشارہ کیا جو شرمندگی اور غصّے کے جذبات سینے میں دبائے سر جھکائے کھڑا تھا۔

امام صاحب نے گہری نظروں سے یولوجیوس کی طرف دیکھا اور سوال کیا: "آپ کا مطلب ہے یہی وہ شخص ہے جس نے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔۔۔؟"

"جی۔ میری اطلاع یہی ہے کہ قرطبہ میں اس سے زیادہ خوفناک کوئی شخص نہیں۔ اس کا پورا گھرانا مسلمانوں سے حد درجے عناد رکھتا ہے اس کا حلیہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ اس کی بہن بھی راہبہ بن کر ایک خانقاہ میں مقیم ہے اور بوڑھی ماں بھی دن رات مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتی ہے۔" ابن جودی نے بہت فخر سے کہا۔

امام صاحب کچھ دیر بہت غور سے یولوجیوس کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے! "لیکن ابن جودی آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا اصل جرم سے تو کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ اس ملک میں ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی آزادی کے مطابق زندگی گزارے۔ یہاں کسی شخص کے راہب یا راہبہ بن جانے پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ اسی طرح ہم جبراً کسی کو اس بات کا پابند نہیں کرسکتے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ عقیدت و محبت

گھر والوں کو آزاد کرنے میں بھی رکاوٹ نہ ڈالیں گے۔" امام صاحب نے ابن جودی کے کہہ دینے کو کو نظر انداز کرتے ہوئے سمجھایا۔

اس عرصے میں یولوجیوس آزاد کیا جا چکا تھا اور وہ حیرت کے عالم میں امام صاحب اور لمبی لمبی داڑھیوں والے ان کے ہمراہیوں کو دیکھ رہا تھا۔ ابن جودی نے بڑھ کر پھر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا اور اپنے سپاہیوں کو اکسایا کہ وہ ملزم کو پھر گرفتار کرلیں، لیکن اس کی اس بے قراری اور چیخ پکار کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ذرا دیر بعد وہ اپنے ہمراہیوں پر بگڑتا اور غصے میں پیر پٹختا اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

ابن جودی چلا گیا تو امام صاحب نے یولوجیوس کی طرف دیکھا اور بولے: "اے شخص ہم نہیں جانتے تو گناہگار ہے یا بے گناہ، لیکن اس بات کے لیے ہم تجھ سے معذرت خواہ ہیں کہ ایک غیر متعلق شخص نے محض طاقت اور اقتدار کے گھمنڈ میں تیری توہین کی اور تجھے تکلیف پہنچائی، اب تو آزاد ہے، اطمینان سے اپنے گھر جا سکتا ہے۔ تیری حفاظت کے لیے ہم اپنے محلے کے پیادے تیرے ہمراہ بھیج رہے ہیں اور انشاء اللہ کچھ دیر میں تیرے گھر کے وہ افراد بھی آزاد کر دیے جائیں گے جنھیں اس شخص نے جیل خانے بھیج دیا ہے۔"

"قاضی صاحب! آپ کے اس انصاف اور حسن سلوک کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ شکریہ جیسے معمولی الفاظ میرے جذبات کی صحیح عکاسی نہیں کر سکتے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں جب تک اس مقدمے کا آخری فیصلہ نہیں ہو جاتا اپنے گھر مقیم رہوں گا اور اگر انصاف کو میری ضرورت ہوئی تو بلا چون و چرا آہنی زنجیریں پہن لوں گا۔" یولوجیوس کے چہرے پر اس وقت اطمینان اور مسرت کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ چند لمحے قاضی صاحب کی طرف دیکھتا رہا پھر سر جھکائے باہر چلا گیا۔

امام صاحب نے حاضرین کی طرف دیکھا

"معزز حاضرین! ہمارا ذاتی خیال ہے اس اجلاس کی کارروائی اسی مرحلے پر ختم کر دی جائے۔ ویسے قوم کے اس بگڑے ہوئے فرزند

لیے اس سے معذرت طلب فرمائیے!"

ابن جودی نے بے اختیار قہقہہ لگایا، پھر ہنستے ہنستے بولا: "معلوم ہوتا ہے آپ تو محکمۂ عدل کی صدارت کا حق خوب ادا کرتے ہوں گے۔ مجھے تو آج اندازہ ہوا کہ رعایا کے ادنیٰ لوگ ایسے نڈر اور بے باک کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ کی انصاف پروری خوب گل کھلا رہی ہے!"

"ابن جودی! ہم نے آپ کو حکم دیا ہے اس پادری کو آزاد کر دیجیے۔ اور اگر اس کے گھر والوں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائی ہے، تو اس کا بھی تدارک کیجیے!" امام صاحب نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا۔

"لیکن میں آپ کے حکم کا ہرگز پابند نہیں ہوں امام صاحب! میں آپ کو مشورہ دوں گا اس سلسلے میں کچھ اور فرمانے سے پہلے میری اعلیٰ حیثیت کو پیش نظر رکھئے!" ابن جودی کا چہرہ غصے کی لَو میں تمتمانے لگا تھا۔

"ابن جودی! امام صاحب آپ کی حیثیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ خود آپ اُن کی اعلیٰ حیثیت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔ اسلامی قانون کی رو سے امام صاحب اس ملک کے سلطان کو بھی حکم دے سکتے ہیں۔ آپ کو چاہیے بے چون و چرا حکم کی تعمیل کریں اور ملزم کو آزاد کر دیں۔"

ایک نوجوان فقیہہ نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا اور آگے بڑھ کر سپاہی کے ہاتھ سے وہ زنجیر چھین لی جس کے دوسرے سرے سے پادری کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔

ابن جودی کا ہاتھ بے اختیار تلوار کے دستے پر پہنچ گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا کئی پُرجوش نوجوانوں نے اُسے دبوچ کر غیر مسلح کر دیا اور وہ غصے سے پاگلوں کی طرح چیخنے لگا: "تم سب کو اس گستاخی کی سزا بھگتنی ہوگی تم نے میری نہیں، امیرِ اندلس کی توہین کی ہے۔ تم غدار اور سازشی ہو۔ میں اسی وقت امیر کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہاری شکایت کروں گا۔"

"آپ ضرور ہماری شکایت کیجیے، لیکن اس وقت ہمارا حکم ماننا ضروری ہے۔ بہتر ہوگا ملزم کو ہمارے حوالے کر کے پُرامن طور پر یہاں سے تشریف لے جائیے۔ اُمید ہے آپ اس شخص کے

درخواست کرلی کہ وہ اُس وقت تک اس ایوان سے باہر نہ جائیں جب تک اُسے ان کی جان کی حفاظت کا پوری طرح یقین نہ ہو جائے۔

ملکہ کا حکم تھا کہ کوئی شخص امیر سے ملنے نہ پائے اور یہ احتیاط راز فاش ہو جانے کے اندیشے سے کی گئی تھی لیکن جب سعید بن جودی نے امیر کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی تو ملکہ نے اُسے فوراً ان کے پاس پہنچا دیا اور اس نے کچھ ایسے ماہرانہ انداز میں انھیں امام کے خلاف بھڑکایا کہ انھیں ان کے باغی ہو جانے کا یقین ہو گیا اور فوراً فرمان جاری کر دیا "امام اور ان کے حواریوں کو اسی وقت ہمارے حضور پیش کیا جائے اور اگر وہ بہ رضا و رغبت حاضر نہ ہوں۔ تو انھیں گرفتار کر کے لایا جائے"

امام صاحب تو پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ امیر نے طلب کیا تو پہلی فرصت میں حاضر ہو جائیں گے۔ چنانچہ شاہی پیادہ جونہی طلبی کا فرمان لیکر پہنچا وہ اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اسی عرصے میں ملکہ طروب حالات سے پوری طرح آگاہ ہو چکی تھی اور اس خیال سے بہت مسرور تھی۔ کہ امام یحییٰ امیر کے عتاب سے نہ بچ سکیں گے۔ سعید بن جودی نے اپنا مقدمہ جس انداز سے تیار کیا تھا اس کے مطابق وہ واضح طور پر مجرم معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے نہ صرف ابن جودی جیسے عالی مرتبہ سردار کی توہین کی تھی بلکہ ایک مجرم پادری کو آزاد کر کے اس معاملے کو کچھ اور الجھا دیا تھا جس کے باعث پوری قوم مضطرب تھی۔

امام صاحب آئے تو امیر اندلس نے بہت برہم اور درشت انداز میں اُن سے جواب طلب کیا "امام صاحب" اس نے کہا "ہم نے آپ کے منصب اور آپ کی ذات کا ہمیشہ احترام کیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہمارے نزدیک کوئی مافوق الفطرت ہستی ہیں جواب دیجئے آپ نے اپنی حدود سے تجاوز کر کے ایک ایسے مجرم کو کیوں رہا کر دیا جسے ابن جودی نے بصد دشواری گرفتار کیا تھا"

امام صاحب کے بشرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ امیر کا طرز تخاطب انھیں بہت ناگوار گزرا ہے لیکن انھوں نے اپنے جذبات کو بے قابو نہ

کی جسارت بیجا دیکھ کر جہاں ہمیں افسوس ہوا ہے
وہاں یہ اطمینان بھی میسر آیا ہے کہ حکومت کے
بلند ایوانوں میں رہنے والوں کے بیدار ہونے
کی ایک تقریب پیدا ہوگئی ہے۔ یہ بات یقینی
ہے کہ ابن جودی سیدھا امیر اندلس کی خدمت
میں حاضر ہوگا اور اپنی سمجھ کے مطابق ہمارے
بارے میں اُلٹی سیدھی باتیں اُن کے گوش گذار
کرے گا۔ اگرچہ ہم اپنے طور پر یہ فیصلہ کر چکے
تھے کہ یہ اہم معاملہ طے کرنے کے سلسلے میں وسیع
وعظیم شاہی ایوانوں کی طرف کبھی نہ دیکھیں گے
بلکہ اپنے زخموں کا مرہم خود اپنی کوشش سے فراہم
کریں گے، لیکن اب یہ بات مناسب معلوم
ہوتی ہے کہ اگر اس شخص کی شکایت سن کر امیر
ہمیں طلب کریں، تو ایک مرتبہ اور انھیں حالات
کی صحیح تصویر دکھانے کی کوشش کریں۔ توقع
ہے آپ ہمارے اس فیصلے سے اتفاق کریں گے۔"
یقیناً یقیناً! کئی آوازیں ایک ساتھ بلند
ہوئیں۔ صرف خالد نے پُرزور الفاظ میں مخالفت
کی، لیکن بالآخر اس نے بھی تسلیم کر لیا کہ حکومت
کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ایک بار اور کوشش
کر لی جائے۔

امام یحییٰ کا اندازہ درست تھا۔ سعید ابن
جودی نے سیدھا ایوان شاہی کا رُخ کیا۔ اُن
دنوں امیر، ملکہ طروب کے محل میں فروکش تھے
ملکہ نے اس خوشی میں بہت بڑے جشن کا اہتمام
کیا تھا کہ امیر کو ہلاک کرنے کی سازش ناکام
ہوگئی اور خود وہ شخص موت کے گھاٹ اُتر
گیا جس نے یہ گھناؤنا جرم کرنے کا ارادہ کیا
تھا۔ اس مکار عورت نے امیر پر جان نچھاور
کرنے اور اُن کی جان بچ جانے کی خوشی منانے
کے لیے جو اداکاری کی اُسے دیکھتے ہوئے کوئی
شخص یہ گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ اس خوفناک
سازش کی اصل کڑی وہ خود تھی۔ امیر کا تو یہ
حال تھا کہ اس کی محبت کے کچھ اور قائل نظر آتے
تھے۔ وہ اسی احساس سے اس کے محل میں مقیم
تھے۔ صدقہ خیرات تقسیم کرنے کا ہنگامہ بہت
زور شور سے جاری تھا۔ امیر جب بھی وہاں سے
جانے کا ارادہ کرتے۔ ملکہ آنکھوں میں آنسو
بھر لاتی، اُن کا ہاتھ تھام لیتی اور لرزتی آواز میں

گیا ہے۔ یہ در پردہ مجرموں سے ملے ہوئے ہیں اور ان کا سب سے بڑا مقصد امیر اور اُن کے کارندوں کے خلاف عوام کو بھڑکانا ہے۔"

ابن جودی جب تک بولتا رہا امام یحییٰ متبسم نظروں سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ وہ خاموش ہوا تو بہت اعتماد سے بولے۔

"وہ شخص اب بھی موجود ہے۔ اگر ابن جودی کے پاس اس کے خلاف واقعی کوئی ثبوت ہے تو پیش کرے۔ میں ان کے حسب منشاء اُسے سخت ترین سزا دوں گا۔ امیر حکم فرمائیں، تو ذرا دیر بعد ہی اُسے پیش کیا جا سکتا ہے۔"

ابن جودی کے چہرے پر پریشانی کی پرچھائیں پھیل گئیں۔ اور مضطرب نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر قدرے سنبھل کر بولا: "کم از کم میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ وہ شخص قرطبہ میں موجود ہوگا۔ ایسے مجرم دوبارہ گرفتار ہونے کی غلطی نہیں کیا کرتے۔"

"وہ قرطبہ ہی میں موجود ہے معزز سردار۔"

امام صاحب نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسا ہے، تو اسے پیش کیا جائے، اہم اس معاملے کو پوری طرح سمجھنا چاہتے ہیں۔" امیر نے کہا: "امام یحییٰ کیا آپ اس شخص کو اسی وقت پیش کر سکیں گے؟"

ملکہ طرب پردے کے پیچھے بیٹھی بہت غور سے یہ مکالمہ سُن رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا امام کا پہلو کمزور نہیں۔ وہ شخص امیر کے حضور پیش ہو گیا تو آج ابن جودی کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی اور پھر شاید امام یحییٰ کو پہلے سے بھی زیادہ اقتدار حاصل ہو جائیگا۔ جلدی سے بولی: "یا امیران خصرات کو تو صرف اپنے مفادات عزیز ہیں انھیں حضور کی صحت اور قلبی کیفیات کا خیال کیوں ہونے لگا۔ لیکن یہ کنیز تو ان دونوں باتوں کو اپنی زندگی سے بھی زیادہ اہم خیال کرتی ہے۔ مناسب ہوگا یہ مقدمہ کسی اور وقت کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے طرب!" امیر کو ملکہ کی رائے پسند آگئی پھر امام صاحب سے کہنے لگے: "ہمارا خیال ہے کل پہلے وقت ہم یہ کارروائی بہتر طور پر سُن سکیں گے۔ آپ اس شخص کو چاشت کے وقت ساتھ لے آئیے۔"

امام نے ابن جودی کی طرف گہری نظروں سے دیکھا وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔ اُن کے دل میں خدشہ پیدا ہوا کہیں یہ شخص اُس غریب پادری کو غائب نہ کر دے! لیکن امیر کی رائے سے اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے اجازت لے کر وہاں آ گئے ●● (ماخوذ)

ہونے دیا۔ بہت تحمل سے بولے: "یا امیر! میں اس التفاتِ خسروانہ کے لیے ہمیشہ نہایت عاجزی سے شکرگزار رہا ہوں جو میرے حال پر فرمایا جاتا رہا اور یہ خیال کبھی بھول کر بھی ذہن میں نہیں آیا کہ میں دوسرے انسانوں سے مختلف ہوں۔

میں نے اس پادری کو اس لیے رہا کیا ہے کہ اس غریب کو بے وجہ گرفتار کیا گیا تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے ابن جودی جیسے ذمہ دار شخص نے اُسے بغیر کسی جواز کے گرفتار کر لیا تھا؟" امیر نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"ابن جودی کی اس کارگزاری کو بے جواز تو نہیں کہا جا سکتا یا امیر! کم از کم اُن کی لئے نیک نامی کا پہلو ضرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس کی بے عملی اور قومی معاملات سے لاتعلقی ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اب یہ طعنہ تو نہیں دیا جا سکتا، لیکن جس انداز سے یہ ثبوت فراہم کیا ہے اسے ہم کسی طرح بھی مستحق قرار نہیں دے سکتے۔ یا امیر! محکمۂ عدل کے سربراہ کی حیثیت سے میں نے ہمیشہ اس بات پر فخر کیا ہے کہ ہمارے ملک میں بلا امتیاز ہر شخص کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ جس مسلک کو چاہے اختیار کر لے۔ کسی شخص کا عیسائی ہونا اور اپنے مذہبی اصولوں پر سختی سے عمل کرنا ہرگز قابل اعتراض بات نہیں۔ اور مجھے افسوس ہے کہ ابن جودی نے اس شخص کو محض اس کی انہی خصوصیات کے باعث زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہ تھا کہ وہ اُس مسلمان دوشیزہ کے اغوا میں ملوث ہے؟" امیر نے ابن جودی کی طرف دیکھا جو اُن کے قریب بچھی ہوئی کرسی پر بیٹھا غصے سے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ امیر اس کی طرف متوجہ ہوئے، تو تیز آواز میں بولا: "یا امیر امام صاحب کی یہ بات درست نہیں کہ میں نے اس شخص کو بے وجہ گرفتار کیا۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ وہی فساد کی اصل جڑ ہے۔ اگر یہ بے جا حمایت نہ کرتے اور اُسے میرے ہاتھ سے نہ چھڑاتے تو اب تک اس کا جرم ثابت ہو جاتا۔ میں بہت اعتماد کے ساتھ ان پر الزام عائد کرتا ہوں کہ انھوں نے اس شخص کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے آمادہ

وہ حسرت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا بلکہ وہ اللہ کی دی ہوئی صلاحیت کو اسی کی مرضی کے مطابق لگاوے گا۔
مولانا کی توضیح کا یہی خلاصہ ہے۔ آپ بھی دیکھیں اور فیصلہ کریں۔ مولانا مودودی اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں کہ

" اس آیت میں ایک بڑی اہم اخلاقی ہدایت دی گئی ہے جسے اگر ملحوظ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی میں انسان کو بڑا امن نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا ہے بلکہ ان کے درمیان بے شمار حیثیتوں سے فرق رکھے ہیں۔ کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت کوئی خوش آواز ہے اور کوئی بد آواز۔ کوئی طاقتور ہے اور کوئی کمزور، کوئی سلیم الاعضاء[1] ہے اور کوئی پیدائشی طور پر جسمانی نقص لے کر آیا ہے۔ کسی کو جسمانی اور ذہنی قوتوں میں سے کوئی قوت زیادہ دی ہے اور کسی کو کوئی دوسری قوت۔ کسی کو بہتر حالات میں پیدا کیا ہے اور کسی کو بدتر حالات میں کسی کو زیادہ ذرائع دئیے ہیں اور کسی کو کم۔ اسی فرق و امتیاز پر انسانی تمدن کی ساری گوناگونی قائم کی ہے اور یہ عین مقتضائے حکمت ہے۔ جہاں اس فرق کو اس کے فطری حدود سے بڑھا کر انسان اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے۔ وہاں ایک نوعیت کا فساد رونما ہوتا ہے اور جہاں سرے سے اس فرق ہی کو مٹا دینے کے لئے فطرت سے جنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہاں ایک دوسری نوعیت کا فساد برپا ہوتا ہے۔ آدمی کی یہ ذہنیت کہ جسے کسی حیثیت سے اپنے مقابلے میں بڑھا ہوا دیکھے۔ بے چین ہو جائے۔ یہی اجتماعی زندگی میں رشک، حسد، رقابت، عداوت، مزاحمت، اور کشاکش کی جڑ ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو فضل اُسے جائز طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا، اسے پھر وہ ناجائز تدبیروں سے حاصل کرنے پر اُتر آتا ہے اللہ تعالیٰ اس آیت میں اسی ذہنیت سے بچنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔ اس کے ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ جو فضل اس نے دوسروں کو دیا ہو، اس کی تمنا نہ کرو، البتہ

---

[1] سلیم الاعضاء ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے تمام اعضاء (انگ) ٹھیک ہوں۔ ان میں کمی بیشی نہ ہو (م)

تشریحاتِ مودودیؒ

حسرت

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ
لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے۔ اس کی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے۔ اس کے مطابق ان کا حصہ۔ ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دُعا مانگتے رہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے ۳۲۔

حسرت کے معنی

حسرت کے معنی ایسی تمنا کرنا اور خواہش کے ہیں جو پوری نہ ہو اور انسان اسے یاد کرکے کڑھتا رہے۔ جیسے ایک شخص کالا ہے، وہ گورے آدمی کو دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ کاش! میں بھی گورا ہوتا۔ اسی کا نام حسرت ہے۔ یہ معنی سمجھنے کے بعد اب اس کی توضیح مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس توضیح میں مولانا نے آخری دو تین سطروں میں جو تشریح کی ہے وہ اس توضیح کی جان ہے جس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو جو صلاحیت ملی ہے، اس کو چاہئیے کہ اس صلاحیت کو اللہ کی مرضی کے مطابق بھرپور کام میں لائے۔ انشاء اللہ اس کا ثواب اللہ کے یہاں بھی بھرپور بلکہ اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ یہاں پہنچ کر مرد اور عورت، غریب اور امیر، طاقتور اور کمزور، کالے اور گورے سب برابر ہو جاتے ہیں۔ اگر سب کو ہر وقت یہ بات یاد رہے تو

شہ۔ یہاں فضیلت بمعنی شرف اور کرامت اور عزت نہیں ہے جیسا کہ ایک عام اُردو خواں آدمی اس لفظ کا مطلب لے گا، بلکہ یہاں یہ لفظ اس معنی میں ہے کہ ان میں سے ایک صنف (یعنی مرد) کو اللہ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ اس بنا پر خاندانی نظام میں مرد ہی قوام ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور عورت فطرتاً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خاندانی زندگی میں مرد کی حفاظت و خبرگیری کے تحت رہنا چاہیئے سلہ۔

سلہ میں اس موقع پر ان سطروں کے پڑھنے والوں سے بطور خود عرض کروں گا کہ وہ میری کتاب "اسلامی نظام میں عورت کا مقام" بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مخصوصاً اس کتاب کے عنوان "کیا مرد و عورت ہر حیثیت سے برابر ہیں؟" کے تحت فطری اور سائنٹفک جائزہ انشاء اللہ بہت مطمئن ہوں گے (م) وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸) اور مردوں کو ان عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔ کتنی بے لاگ اور ٹھیک بات ہے۔ اس کے علاوہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔ عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر۔

اللہ سے فضل کی دعا کرو جس فضل کو اپنے علم و حکمت سے تمہارے لئے مناسب سمجھے گا عطا فرمادے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ "مردوں نے جو کچھ کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔ اس کا مطلب جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں میں سے جس کو جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس کو استعمال کر کے جو جتنی اور جیسی برائی یا بھلائی کمائے گا۔ اسی کے مطابق یا بالفاظ دیگر اسی کی جنس سے اللہ کے ہاں حصہ پائے گا۔"

میں اس جگہ یہ محسوس کر رہا ہوں کہ مولانا مودودیؒ نے مرد کے قوام ہونے کی جو توضیح فرمائی ہے وہ اسی کے ساتھ ترتیب میں لے آؤں تو بہت مفید ہوگا۔ یہ توضیح اسی سورۃ النساء کی آیت ۳۴ کے الفاظ کے سلسلے میں فرمائی ہے پہلے متن تلاوت فرمائیں پھر ترجمہ اس کے بعد توضیح۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۔

مرد عورتوں پر قوام ہیں ۵۶ اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ نساء آیت ۳۴)

قوام کے معنی اور اس کی ذمہ داری

۵۶۔ قوام یا قیّم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالات میں چلانے اور اس کی حفاظت و نگرانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔

طلبی کے لیے لڑتے ہو تو تم سے بُرا کون خدا کا بندہ ہوگا۔ کہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو تباہ کیا اور اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو گئے تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔"

یہ سُنکر ابن زبیر رضہ نے کہا۔

" اماں! مجھے خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد بنی اُمیہ میری لاش کو مثلہ کرکے سولی پر لٹکا دیں گے"

بہادر ماں نے جواب دیا۔

" ذبح ہونے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو"

والدہ سے رخصت ہو کر وہ سیدھے میدان جنگ پہونچے اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑے۔ حملہ آور ان سے لڑتے لڑتے حرم کے پھاٹک تک ان کو ڈھکیل لے گئے۔ یہاں تک کہ اس مجاہد حق نے شہادت پائی۔

ہے کوئی بہادر ماں جو اپنے بیٹے کو اس طرح جواب دے؟ آج حالات پھر ایسے ہی ماؤں کے جوابات کے منتظر ہیں۔

اس مضمون پر لکھنے والے بھائی یا بہن کا نام نہیں ملا۔ براہ کرم صاحب مضمون مطلع فرمائیں۔ (ایڈیٹر)

بہادر ماں کا جواب

سنہ ۷۳ھ میں خلیفہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک لشکر جرار کے ساتھ حضرت ابن زبیرؓ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ وہ حرم مکہ میں پناہ گزیں تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کرکے سنگ باری شروع کر دی۔ کئی ماہ تک محاصرہ مسلسل قائم رہا۔ بڑی شدت سے سنگ باری ہوتی رہی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہونچا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بڑی بہادری سے لڑتے رہے، لیکن ان کی مدد کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ سامان رسد ختم ہو چکا تھا۔ پورے ملک میں سخت قحط پڑ گیا۔ ان حالات میں ابن زبیرؓ کے دس ہزار آدمی حجاج سے جا ملے۔ آخر میں جناب ابن زبیرؓ کے لڑکوں نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

خلیفہ عبدالملک ابن زبیرؓ کے ساتھ رعایت برتنے کو تیار تھا۔ جب مقابلہ جاری رکھنا ممکن نہ رہا تو عبداللہ ابن زبیرؓ اپنی غیور والدہ کے پاس تشریف لے گئے۔ عرض کی کہ تمام ساتھی الگ ہو چکے ہیں۔ میرے لڑکے بھی میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں جو چند جاں نثار باقی ہیں ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔ دشمن رعایت برتنے کو تیار ہے آپ کیا فرماتی ہیں؟

اس موقع پر حضرت اسمارؓ نے ایک مسلم ماں کی حیثیت سے جو جواب دیا وہ بڑا زندگی افروز ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

"بیٹا تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے ہو تو اب بھی حق کے لیے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے اور اگر ..."

حالت میں دیکھتے تو خوش ہوتے کہ چلو ستانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا اور پھر عقبہ بن ابی معیط اونٹ کا
جھوا اٹھالایا اور جیسے ہی آپؐ سجدہ میں گئے اس کافر نے وہ اوجھ حضورؐ کی گردن مبارک پر رکھدی
دیکھ کر سب کافر بہت خوش ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ اس وقت وہیں موجود تھے۔ مگر
سرکش کفار کے خوف سے ان کی اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ اس اوجھ کو آپؐ کی مبارک گردن سے ہٹادیتے
ہم آپؐ یہ منظر دیکھ کر بے چین و بے قرار ہو گئے۔ اللہ کے پیارے رسولؐ کو اس حالت میں دیکھ کر
پؐ کا دل تڑپ گیا اور آپؐ نے فوراً کمسن فاطمہ رضہ کو اس بات کی اطلاع دی۔ فاطمہ رضہ زہرا باوجود
کم عمر ہونے کے اس قدر ہمت والی تھیں کہ اس اوجھ کو گردن مبارک سے اٹھا کر پھینک دیا اور
کفار کو ڈانٹنے لگیں۔ (حضورؐ اس وقت تک سجدے ہی میں تھے) دیکھا آپ نے ـــ فاطمہ زہرا رضہ
کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی۔

جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم ہوا اور آپؐ نے حکم خداوندی
سے تبلیغ شروع کر دی تو قریش مکہ آپؐ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپؐ کو ستانے اور
تکلیفیں دینے لگے۔ آپؐ کی تکلیف سے آپؐ کے گھر والوں کو تکلیف پہنچتی تھی اور دکھ ہوتا تھا۔
حضرت فاطمہ رضہ کم عمری میں ان تکلیفوں کو سہتی تھیں۔ آپؓ کا بچپن دین کے لیے تکلیفیں سہنے میں
گذرا۔ حتیٰ کہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایذاؤں سے بچنے کے لیے مدینہ منورہ کو ہجرت
فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضہ کو رفیق سفر بنا کر ہجرت کی تھی۔ اور آپؐ اپنے
تمام کنبہ کو مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضہ نے بھی آپؐ کا پورا اتباع کیا اور اپنے
اہل و عیال کو چھوڑ کر آپؐ کے ساتھ چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ جب سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ہم دونوں بیویوں (حضرت سودہ رضہ اور حضرت عائشہ رضہ) کو
اور اپنی صاحبزادیوں کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے اور مدینہ منورہ پہونچ کر جب آپؐ مقیم ہو گئے تو زید بن حارثہ رضہ
اور ابورافع رضہ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا تاکہ ہم سب کو مدینہ منورہ لے جائیں۔ اور

(اسما جعفر زادہ)

حضرت فاطمۃ الزہراؓ

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ پیاری اور چہیتی صاحبزادی تھیں۔ آپ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپ بہت ہی زیادہ خوبصورت و حسین تھیں۔ حضرت عائشہ رضہ آپ کی خوبصورتی کے تعلق سے فرماتی ہیں کہ "فاطمہ رضہ کا چہرہ اس قدر روشن تھا۔ کہ اندھیری رات میں ہم ان کے چہرے کے نور کی چمک سے سوئی میں دھاگہ پرو لیا کرتی تھی۔ حضرت فاطمہؓ شکل و صورت، چال ڈھال اور بات چیت کرنے میں رسول اکرمؐ سے بالکل مشابہ تھیں۔

حضرت عائشہ رضہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟" جواب میں حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا "فاطمہ" سائل نے دوبارہ دریافت کیا "مردوں میں کون زیادہ محبوب تھا؟" جواب میں فرمایا "فاطمہ رضہ کا شوہر" فاطمہ زہرا رضہ بچپن ہی سے نیک تھیں اور بڑی سنجیدہ طبیعت پائی تھی۔ آپ بچپن میں کھیل کود سے دور رہتی تھیں۔ اسی لیے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم "بتول" کہا کرتے تھے۔ جس کے معنیٰ ہیں "دنیا کو چھوڑ دینے والی"۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو حضرت خدیجہ رضہ سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اور ساتھ ہی حضرت فاطمہ رضہ مع اپنی بڑی بہنوں کے ایمان لائیں۔ اس وقت آپ کی عمر صرف پانچ سال کی تھی۔ مگر اس چھوٹی سی عمر میں بھی آپ کے دل میں اللہ کا خوف، عبادت کا شوق اور خدا و رسولؐ کی محبت تھی۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ کفار تو ہمیشہ اسی فکر میں رہا کرتے تھے کہ حضورؐ کو کیسے ستائیں۔ جب وہ حضورؐ کو نماز

نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور قبیلوں اور بعض رشتہ داروں کا نام لے کر فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ اے قریش اپنے کنبوں کو دوزخ سے بچالو۔ میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ نہ آؤں گا۔ اور بنی عبد مناف رض سے بھی یہی فرمایا۔ پھر فرمایا کہ اے عباسؓ! میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا (اپنے کو دوزخ سے بچاؤ) اے صفیہ رض (جو اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی ہیں) میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ (اپنے کو دوزخ سے بچاؤ) اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ رض! میرے مال میں سے تم جو چاہو سوال کرلو۔ میں اللہ کے معاملہ میں کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اپنے کو دوزخ سے بچالو)

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا فاطمہ زہرا رض کو بے حد رنج ہوا اور آپؐ کے بعد جب تک یہ زندہ رہیں کبھی ہنستے نہ دیکھی گئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ ماہ بعد یہ اللہ کو پیاری ہوئیں۔ آپ کو چار اولادیں ہوئیں۔ حسن رض، حسین رض، زینب رض اور ام کلثوم رض۔ ●

حضرت ابوبکر رضؓ نے بھی اس مقصد سے دو یا تین اونٹ دے کر آدمی بھیجا۔ اور اپنے بیٹے عبداللہ رضؓ کو لکھ دیا کہ سارے کنبہ کو لے آؤ۔ چنانچہ حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضؓ کے سب گھر والوں نے ایک ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ اس قافلہ میں حضرت فاطمہ رضؓ اور ان کی بہن حضرت ام کلثوم رضؓ اور ام المومنین حضرت سودہ رضؓ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضؓ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات تھے۔ جس وقت یہ قافلہ مدینہ منورہ پہونچا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے آس پاس اپنے اہل و عیال کے لیے حجرے بنوا رہے تھے۔ ان ہی میں آپؐ نے اپنی صاحبزادیوں اور ام المومنین حضرت سودہ رضؓ کو ٹھہرایا۔

ہجرت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضؓ کا حضرت علی رضؓ سے نکاح کر دیا۔ سارے عالم کے سردارؐ نے اپنی سب سے چہیتی بیٹی کو جہیز میں ایک بچھونا، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو چکیاں اور دو مشکیزے عنایت فرمائے۔ فاطمہ زہرہ رضؓ بڑی ہی صابرہ و شاکرہ تھیں۔ آپؓ تنہا گھر کا پورا کام کاج کرتیں، خود ہی چکی پیستیں، پانی بھرتیں اور شوہر کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ آپ کو اکثر فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر آپ کبھی لفظ شکایت زبان پر نہ لاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آپؐ کہا کرتے "جس نے فاطمہ کو خوش کیا، اس نے مجھ کو خوش کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا" ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے فرمایا "جس پر تم کو غصہ آئے اللہ کو بھی اس پر تمہارے غصے کی وجہ سے غصہ آتا ہے اور تم جس سے راضی ہو اللہ تعالیٰ اس سے تمہاری رضا کی وجہ سے راضی ہوتے ہیں"

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "فاطمہ رضؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور حسنؓ و حسینؓ رضؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں" حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قیامت کے روز پردے کے پیچھے سے ایک منادی اعلان کرے گا کہ اے لوگو اپنی آنکھوں کو بند کر لو، فاطمہ بنت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم گذر رہی ہیں"

جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

چاہا۔ لیکن انھوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل رضؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بولے پہلے ان کو پلاؤ۔ حضرت سہیل رضؓ کے پاس پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت حارث رضؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے بولے اُن کو پلاؤ۔ بالآخر سب کا انتقال ہوگیا۔ کوئی بھی پانی نہیں پی سکا۔ نزع کا عالم تھا۔ زبان سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی۔ لیکن ان کے دلوں میں ایثار کا جذبہ موجزن تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی دلی خواہش یہ تھی کہ اپنی جان جائے تو جائے۔ لیکن دوسرے کی سلامت رہے۔ اللہ کیسے تھے وہ لوگ۔ اے اللہ ہمارے دلوں کو بھی ایثار و کرم سے بھر دے اور اللہ تعالیٰ خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

غزل

(نظام الدین نظام۔ عیدگاہ۔ نئی آبادی مرادآباد)

اس سڑک کے دونوں جانب سیکڑوں اشجار تھے
بیشتر ان میں سے لیکن غیر سایہ دار تھے

اور وہ میداں پہاڑوں کی ہی پیداوار تھے
یعنی وہ بھی ایک دن ایسے ہی ناہموار تھے

رات کے جگنو بھلا دن میں دہکتے کس طرح
طائرِ منقار بستہ مائل پیکار تھے

شعلہ شعلہ روئی سے اور اب سسکتی ہوگی راکھ۔
کل جہاں گلزار تھا، بلبل تھے گل بھی خار تھے

ہاں! کہ تھے بیگانہ دامن مرے اشکِ غریب
یوسفِ کنعاں متاعِ کوچہ و بازار تھے

اپنے اک پابوس کو خاطر میں وہ لاتے تو کیوں
وہ کہ اک دیوار تھے ہم سایہ دیوار تھے

تھی ہوا محلولِ آتش اور یخ بستہ تھے جسم
جلد تک میں بھی مگر نامعتدل آثار تھے

ہم کہ از خود ساختہ تھے باعثِ ذوقِ نمو
دستِ نادیدہ کا ہم ایک دیدنی شاہکار تھے

آج کس حالت میں ہیں اور کیوں ہیں بس یہ سوچیئے
اس سے کیا حاصل ہے؟ کہ دیوانے کبھی گلزار تھے

اپنے اہل قافلہ کے کیوں تھے محتاج صلاح
اصطلاحاً تو وہ بالتصف قافلہ سالار تھے

(نگہت زاہدہ)

ایثار

دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھنا ہی ایثار ہے۔ ایثار سخاوت کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ ایثار کرنے والے بندوں کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے۔ جو خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلائے جو خود تکلیف اٹھائے دوسروں کو آرام پہونچائے وہ ایثار کرنے والا ہے۔

● حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے چند واقعات یہ ہیں۔ مکّہ کے مسلمان جب اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ آئے تو انصار نے اُن کو رہنے کے لیے گھر دیے، باغ دیے، کھیت دیے۔ خود ہر طرح کی تکلیفیں اٹھا کر ان کو آرام پہونچایا۔ ایک دفعہ ایک بھوکا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، حضورؐ کے گھر میں اس وقت پانی کے سوا کچھ نہ تھا اس لیے فرمایا کہ جو شخص آج کی رات اس شخص کو مہمان بنائے گا خدائے تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔ ایک انصاری مہمان کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے پوچھا کہ گھر میں کچھ ہے۔ بیوی بولیں صرف بچوں کا کھانا ہے۔ کہا کہ بچوں کو سُلا دو۔ یہ کہہ کر کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ چراغ گُل کر دے اور اندھیرے میں اپنا ہاتھ بھی کھانے کی طرف بڑھاتے رہے گویا کہ وہ خود بھی کھانے میں شریک ہیں۔ مگر حقیقت میں کھا نہیں رہے تھے۔ یہاں تک کہ مہمان نے سب کھانا کھا لیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم نے رات میں جو سلوک مہمان کے ساتھ کیا۔ خداوند کریم کو بہت پسند آیا۔

● ایک مرتبہ ایک جنگ میں حضرت عکرمہ رضہ حضرت حارث بن ہشام رضہ، حضرت سہیلؓ زخم کھا کر زمین پر گر پڑے۔ نزع کا وقت تھا۔ ایک شخص پانی لایا اور حضرت عکرمہ رضہ کو پانی پلانا

اپنے خط میں کروں گی۔ تو آج میں تمہیں اپنی داستانِ محبت سناتی ہوں۔

ویسے تو ہمارے یہاں ان کا آنا جانا اکثر ہوتا رہتا تھا لیکن وہ میرے قریب قیام علی گڑھ کے دوران ہی آئے۔ علی گڑھ میں میری چچی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے مجھے جانا پڑا تھا۔ وہ بھی عیادت کے لیے آئے۔ ایک دوسرے کو جاننے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ چچی کی طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد میں واپس لکھنؤ آگئی اور وہ بہرائچ چلے گئے۔ جاتے وقت مجھ سے اپنے گھر آنے کی درخواست کی۔ تم تو میرے گھر کا ماحول جانتی ہی ہو۔ میں آج تک یہ فیصلہ نہ کرسکی کہ میں اسے اچھا کہوں یا بُرا۔ گھر سے کالج اور کالج سے گھر اور شاید یہ اچھا ہی تھا تو پھر میں بہرائچ کیسے جاتی؟ میرے بھیا وہاں کبھی کبھی جاتے تھے کیونکہ وہ میرے دور کے رشتے دار بھی تھے۔ آخر ایک موقع آیا اور میں ان کے گھر ان کے بھائی کی شادی میں گئی۔ وہیں پر انھوں نے اپنے دل کی بات مجھ سے کہی۔ کچھ دنوں بعد میری ان سے شادی ہوگئی

وہ بہت اچھے ثابت ہوئے۔ یقین جانو مجھے دنیا میں ہی جنت نظر آنے لگی۔ لیکن پچھلے ہفتہ ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے میرا دل ہی ہلا کر رکھ دیا۔

مارچ کا آخری ہفتہ تھا۔ میں نے سوچا کیوں نہ انھیں اور ان کے دوستوں کو اپریل فول بنایا جائے۔ انھیں بھولنے کی عادت بھی بہت ہے۔ میں نے ان کی اور ان کے ایک دوست پرویز صاحب کی دعوت پہلی اپریل کی شام کو کردی۔ میں ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں انھیں خیال آگیا تو سارا مزا خراب ہوجائیگا اس دن شام ہوتے ہی میں نے انھیں بھیجا کہ جاکر پرویز صاحب کو لے آئیں۔

رات تقریباً آٹھ بجے یہ دونوں آئے اس دوران میں نے کھانا میز پر چن دیا تھا جیسے ہی انھوں نے سالن نکالنے کے لیے ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا تو اس میں سالن کے بدلے ایک پرچی رکھی تھی جس پر APRIL FOOL لکھا ہوا تھا۔ جیسا کہ میں نے محسوس کیا یہ دونوں بڑی طرح کھسیا گئے بلکہ بوکھلا گئے۔ دوسرے ڈونگوں

ایک خط

محترم ایڈیٹر صاحب۔ تسلیمات

ایک افسانہ لے کر آپ کی بزم میں شریک ہونے کی جسارت کر رہا ہوں۔ یہ افسانہ میں نے آپ کے ماہ نامہ کے Theme کو مدنظر رکھ کر لکھا ہے۔ اگر پسند آجائے تو کسی قریبی اشاعت میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

خدا آپ کو بعافیت رکھے۔ اور آپ اسی طرح اردو کی خدمت انجام دیتے رہیں۔ (آمین)

ناچیز۔ جاوید صدیقی (علیگ)

میری پیاری غزالہ،

اس بات کو بھی بہت دن گزر گئے کہ میری شادی کے بعد تمہارا خط مجھے ملا تھا۔ اپنی شادی میں تمہاری غیر حاضری کے لیے میں تمہیں معاف کرتی ہوں اور تم مجھے اتنی دیر سے خط لکھنے کے لیے معاف کرنا۔ یہ تو بہت اچھی خبر ہے کہ تم بہت جلد دوسے تین ہونے والی ہو اب میں سمجھی کہ اس آنے والے نے میری پیاری سہیلی کو میری شادی میں شرکت سے باز رکھا۔ ایڈوانس مبارکباد قبول ہو۔

تمہیں یہی شکایت ہے نا کہ میں خط بہت مختصر لکھتی ہوں؟ چلو آج تمہاری ساری شکایات دور کرتی ہوں۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں بہت خوش ہوں۔ میری یہ خوشی دراصل میرے شوہر کی پر جوش اور پُر خلوص محبت کی وجہ سے ہے جس کا تذکرہ میں آج

"اُف میرے خدا! تو یہ تمھاں کا اپریل فول ہے" میں نے کہا۔
آپ نے تو میری جان ہی لے لی تھی!"
بولے "بھلا کوئی اپنی جان کی بھی جان لے سکتا ہے"
تو میں نے طویل خط لکھدیا۔ خبردار! اس طرح کی حرکت کبھی نہ کرنا۔ ورنہ خدا ہی جانتا ہے کیا
کچھ ہوسکتا ہے۔ اپنے ان کو سلام کہنا۔ تمہاری۔ نرگس

کیا آپ جانتے ہیں ؟

(ریحانہ بانو۔ بلگام)

(۱) ۱۲ ربیع الاول سلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروز دوشنبہ بعارضہ بخار بعمر ۶۳ سال اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) ۲۲ جمادی الآخر شنبہ سلہ کو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رض بعمر ۶۳ سال بعارضہ بخار ۲ برس ۳ مہینے ۹ دن خلافت کرکے وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳) ۱۸ ذی الحجہ سلہ بروز جمعہ بعمر ۸۲ سال۔ ۱۱ سال ۱۱ مہینے ۲۸ دن خلافت کرنے کے بعد تلاوت کلام پاک کرتے وقت خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رض نے جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۴) ۱۹ رمضان سلہ بروز جمعہ خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہٗ۔ ابن ملجم کے ہاتھوں زخمی ہوکر ۲۷ رمضان المبارک کو وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۵) ۳ رمضان المبارک سلہ حضرت فاطمہ زہراؓ بعمر ۲۹ سال فوت ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۶) ۲۹ شوال سلہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ بعمر ایک سال ۶ ماہ ۸ دن رہ کر انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۷) ۴ رجب سلہ بروز پیر ام المومنین حضرت صفیہ رض بعمر ۶۲ سال فوت ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۸) ۱۲ رجب سلہ حضرت عباس رض ۸۸ سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور ڈشز (DISHES) کی بھی یہی کیفیت تھی میں نے سوچا تھا کہ تھوڑی دیر بے وقوف بنانے کے بعد دونوں کو بہترین کھانا کھلاؤں گی لیکن اسی بیچ یہ اٹھے۔ ان کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے۔ میں ایک دم ڈر گئی۔ میں کچھ کہنے ہی جا رہی تھی کہ انھوں نے ایک ہاتھ سے میرا منھ بند کر دیا اور پروتیز سے بولے "جاکر ڈکی سے پٹرول کا کنستر اٹھا لاؤ"۔

انھوں نے میرا منھ کپڑے سے باندھ دیا دونوں ہاتھ پیر باندھ دیے۔ اسی بیچ وہ کہتے جا رہے تھے "کم بخت نے جینا حرام کر رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو کس قماش کی عورت ہے۔ تمہارے ماں باپ نے شادی کر کے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میں نے اس نرس سے پیار کیا تھا جو سادہ لوح پاکیزہ اور تھوڑی سی شوخ تھی۔ اس وقت مجھے کیا پتہ تھا کہ تو ایسی بھی ہو سکتی ہے" یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پل میں کیا ہو گیا ہے انھیں؟ یہ کیسے جا رہے تھے۔

"لیکن اب میرا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے تم نے میرے دوست کو گھر بلا کر اس طرح بے عزتی کی۔ اب میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا آگ لگا دوں گا۔ اس جسم میں، میں وحشت سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دونوں نے مل کر میرے کپڑوں پر پٹرول چھڑک دیا اور کھینچتے ہوئے کچن میں لے گئے۔ وہاں انھوں نے پروینہ سے کہا، ماچس نکالو" تم اس وقت کی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ مارے ڈر کے میں بیہوش ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ یہ میرے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ رات بھر یہ اسی طرح بیٹھے رہے ہیں۔ مجھے کسی قسم کے درد کا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ مجھے ہوش آتا دیکھ کر یہ بولے۔

خدا کا شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔ اس دوران میں دو ڈاکٹروں کو بلا چکا ہوں میں۔ تمہارے دل کو بہت زبردست صدمہ پہنچا تھا۔ لیکن ایسا بھی صدمہ کیا؟ اگر تم میرے دوست کو اپریل فول بنا سکتی ہو تو کیا میں تمہیں اپریل فول نہیں بنا سکتا؟"

اور ان فنون میں بھی وہ مبتدی نہ تھے بلکہ منتہی فارغ التحصیل تھے۔ خصوصاً فلسفہ میں تو ان کو امامت کا مرتبہ حاصل تھا جس کا اعتراف موجودہ دور کے اکابر فلاسفہ تک کر چکے ہیں جس شراب کے دو چار گھونٹ پی کر بہت سے لوگ بہکنے لگتے ہیں، یہ مرحوم اس سمندر میں پیٹے بیٹھا تھا پھر مغرب اور اس کی تہذیب کو بھی اس نے محض ساحل پہ سے نہیں دیکھا تھا جس طرح ہمارے ۹۹ فی صد نوجوان دیکھتے ہیں بلکہ وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر تہہ تک اتر چکا تھا اور ان سب مرحلوں سے گذرا تھا جن میں پہنچ کر ہماری قوم کے ہزاروں اپنے دین و ایمان، اپنے اصول تہذیب و تمدن اور اپنے قومی اخلاق کے مبادی تک سے برگشتہ ہو جاتے ہیں، حتی کہ اپنی قومی زبان تک بولنے کے قابل نہیں رہتے۔

لیکن اس کے باوجود اس شخص کا حال کیا تھا؟ مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی نہیں رہا۔ وہ جو کچھ سوچتا تھا، قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شئے واحد تھے اور اس شئے واحد میں وہ اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ اس دور کے علماء دین میں بھی مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو فنائیت فی القرآن میں اس امام فلسفہ اور اس ایم۔ اے پی، ایچ، ڈی، بار ایٹ لا سے لگا رکھتا ہو۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آخری دور میں اقبال نے تمام کتابوں کو الگ کر دیا تھا اور سوائے قرآن کے اور کوئی کتاب وہ اپنے سامنے نہ رکھتے تھے۔ سالہا سال تک علوم و فنون کے دفتروں میں غرق رہنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے تھے، وہ یہ تھا کہ اصل علم قرآن ہے اور یہ جس کے ہاتھ آجائے وہ دنیا کی تمام کتابوں سے بے نیاز ہے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان کے پاس فلسفہ کے چند اہم سوالات بھیجے اور ان کا جواب مانگا، ان کے قریب رہنے والے لوگ متوقع تھے کہ اب علامہ اپنی لائبریری کی الماری کھلوائیں گے اور بڑی بڑی کتابیں نکلوا کر ان مسائل کا حل تلاش کریں گے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لائبریری کی الماریاں مقفل کی مقفل رہیں اور وہ صرف قرآن ہاتھ میں

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے

:(تحریر:۔ ابوالاعلےٰ مودودی۔ ۱۹۳۸):

دُنیا کا میلان ابتداء سے جدید ترین دور تک اکابر پرستی HERO-WORSHIP کی جانب رہا ہے۔ بڑی چیز کو دیکھ کر لذا ربی ہذا اکبر کہنے کی عادت جس کا ظہور قدیم ترین انسان سے ہوا تھا۔ آج تک اس نے نہیں چھوڑا ہے، جس طرح دو ہزار برس پہلے بودھ کی عظمت کا اعتراف اس مخلوق کے نزدیک بجز اس کے اور کسی صورت سے نہ ہوسکتا تھا کہ اس کا مجسمہ بنا کر اس کی عبادت کی جائے۔ اسی طرح آج بیسویں صدی میں دنیا کی سب سے زیادہ سخت منکر معبودیت قوم (روس) کا ذہن لینن کی بزرگی کے اعتراف کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں سوچ سکتا کہ اس کی شخصیت کے آگے مراسم معبودیت بجالائیں۔

لیکن مسلمان کا نقطہ نظر اس باب میں عام انسانوں سے مختلف ہے۔ اکابر پرستی کا تصور اس کے ذہن کی اُفتاد سے کسی طرح میل نہیں کھاتا۔ وہ بڑوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی صرف ایک ہی صورت سوچ سکتا ہے۔ یعنی اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ "اللہ نے ان کو زندگی کا سیدھا راستہ بتا دیا تھا جس پر چل کر وہ بزرگی کے مراتب تک پہنچے، لہٰذا ان کی زندگی سے سبق حاصل کرو اور اس کے مطابق عمل کرو"۔

اسی نقطۂ نظر سے میں اس مختصر سے مضمون میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جس اقبال کی عظمت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھا ہے۔ اس کی زندگی کیا سبق دیتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اقبال نے یہی مغربی تعلیم حاصل کی تھی۔ جو ہمارے نوجوان انگریزی یونیورسٹیوں میں حاصل کرتے ہیں۔ یہی تاریخ، یہی ادب، یہی اقتصادیات، یہی سیاسیات، یہی قانون اور یہی فلسفہ انھوں نے بھی پڑھا

احکامِ اسلامی کی پابندی میں بہت کوتاہیاں مجھ سے ہوتی ہیں، مگر اتنی ذلت اختیار نہیں کر سکتا کہ محض آپ کا ایک عہدہ حاصل کرنے کے لئے شریعت کے حکم کو توڑ دوں۔

اقبالؒ کے متعلق عام خیال ہے کہ وہ فقط اعتقادی مسلمان تھے عمل سے ان کو کچھ سروکار نہ تھا۔ اس بدگمانی کے پیدا کرنے میں خود ان کی افتادِ طبیعت کا بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ان میں کچھ فرقۂ ملامتیہ کے سے میلانات تھے جن کی بنا پر اپنی رندی کے اشتہارات دینے میں انہیں کچھ مزہ آتا تھا۔ ورنہ درحقیقت وہ متبعِ شرع تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے ان کو خاصا شغف تھا اور صبح کے وقت بڑی خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے مگر آخر زمانے میں طبیعت کی رقت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ تلاوت کے دوران میں روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور مسلسل پڑھ بھی نہ سکتے تھے۔ نماز بھی بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے مگر چھپ کر، ظاہر میں یہی اعلان تھا کہ "گفتار کا غازی" ہوں۔

ان کی سادہ زندگی اور فقیرانہ طبیعت کے حالات ان کی وفات ہی کے بعد لوگوں میں شائع ہوئے۔ ورنہ عام خیال یہی تھا کہ جیسے اور "سر صاحبان" ہوتے ہیں ویسے ہی وہ بھی ہوں گے اور اسی بنا پر بہت سے لوگوں نے یہاں تک بلا تحقیق لکھ ڈالا تھا کہ ان کی بارگاہِ عالی تک رسائی کہاں ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ شخص حقیقت میں اس سے بھی زیادہ فقیر منش تھا جتنا اس کی وفات کے بعد لوگوں نے اخبارات میں بیان کیا ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ سن لیجئے جس سے اس نائٹ اور بیرسٹر کی طبیعت کا آپ اندازہ کر سکیں گے۔ پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک قانونی مشورہ کے لئے اقبالؒ اور سر فضل حسین مرحوم اور ایک دو اور مشہور قانون دان اصحاب کو اپنے ہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ رات کو جس وقت اقبالؒ اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لئے گئے تو ہر طرف عیش و تنعم کے سامان دیکھ کر اور اپنے نیچے نہایت نرم اور قیمتی بستر پا کر معاً ان کے دل میں خیال آیا کہ جس رسولِ پاک کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوئے ہیں اس نے بوریے پر سو کر زندگی گزاری تھی یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ اس بستر پہ لیٹنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا۔ اٹھے اور برابر غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مسلسل رونا شروع کر دیا۔ جب ذرا دل کو قرار آیا تو اپنے ملازم

لے کر جواب لکھوانے بیٹھ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت کا حال اکثر لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ شاید کسی کو نہیں معلوم کہ انھوں نے اپنے سارے تفلسف اور اپنی تمام عقلیت کو رسولِ عربیؐ کے قدموں ایک متاعِ حقیر کی طرح نذر کر کے رکھ دیا تھا۔ حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں، پرانے مولوی تک کان کرتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم پر ایمان رکھتا اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں شک کا گذر نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان کے سامنے بڑے اچنبھے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ اصحابِ ثلاثہ کے ساتھ کوہِ اُحد پر تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں اُحد لرزنے لگا اور حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے ایک نبیؐ، ایک صدیقؓ اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔ اقبالؒ نے حدیث سنتے ہی کہا اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے؟ میں اس کو استعارۃً مجاز نہیں بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نز اس کے لئے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے آکر مادّے بڑے بڑے تودے بھی لرز اُٹھتے ہیں۔ مجازی طور پر نہیں، واقعی لرز اُٹھتے ہیں۔

اسلامی شریعت کے جن احکام کو بہت سے روشن خیال حضرات فرسودہ اور بوسیدہ قوانین سمجھتے ہیں جن پر اعتقاد رکھنا ان کے نزدیک ایسی تاریک خیالی ہے کہ مہذب سوسائٹی میں اس کی تائید کرنا ایک تعلیم یافتہ آ کے لئے ڈوب مرنے سے زیادہ بدتر ہے۔ اقبالؒ نہ صرف ان کو مانتا اور ان پر عمل کرتا تھا بلکہ برملا ان کی حمایت تھا اور اس کو کسی کے سامنے ان کی تائید کرنے میں باک نہ تھا۔ اس کی ایک معمولی مثال سُن لیجئے۔ ایک مرتبہ حکومت ہند نے ان کو جنوبی افریقہ میں اپنا ایجنٹ بنا کر بھیجنا چاہا اور یہ عہدہ ان کے سامنے باقاعدہ پیش کیا مگر شرط بیوی کو پردہ نہ کرائیں گے اور سرکاری تقریبات میں لیڈی اقبال کو ساتھ لیکر شریک ہوا کریں گے۔ اقبالؒ شرط کے ساتھ یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور خود لارڈ ولنگڈن سے کہا کہ میں بے شک ایک گنہگار آ

تحریر: شورش کاشمیری

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں کچھ کہنے سے نہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں مکمل کتاب ہیں۔ ہر شخص پڑھ سکتا ہے۔ اندازہ نہیں اس وقت ان کی عمر کیا ہے؟ ساٹھ یا ساٹھ کے لگ بھگ۔ دن نکال لیجئے جتنے بھی دن ہوں ان سے زیادہ صفحات مولانا نے قلمبند کئے ہیں۔ یہ اوراق محض ان کے افکار ہی نہیں، ان کی تصویر بھی ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہ تصویر کما حقہ نمایاں ہوئی ہے۔

نام ابوالاعلیٰ، قد میانہ، بدن دہرا، رنگ گورا، آنکھیں روشن، لیکن ان پہ چشمہ، سونے پر سہاگہ۔ داڑھی مشتِ، ماتھا کھلا، بال پٹے دار، چال پُروقار، آہستہ خرام، بلکہ محرام، خوش پوشاک، خوش خوراک، زبان شستہ، لہجہ رفتہ، قلم کے دھنی خطابت کے غنی، جماعت اسلامی کی روح رواں بالفاظ دیگر امیر کارواں، تأمل و تذبذب سے بیزار، نہ زندہ باد کے تمنائی نہ مردہ باد سے خائف، نہ رعب کھاتے، نہ رعب ڈالتے ہیں۔ قلم مصور، دماغ منور، تقریر میں کڑک نہ پھڑک، تحریر کی طرح بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ لکھنے میں تلوار اور گرز دونوں سے کام لیتے ہیں، عام لیڈروں سے مختلف ہیں۔ ان لیڈروں کی طرح نہیں جو گھروں میں عوام کو کالانعام کہتے اور اخباروں میں پیغام دیتے ہیں۔ انھوں نے سیاست کو انتخاب نہیں کیا بلکہ سیاست نے انھیں انتخاب کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جرأت کے ساتھ اپنی کہتے صبر کے ساتھ دوسروں کی سنتے ہیں۔ سب لوگ ہر شخص سے متفق نہیں ہوتے، مسلمانوں میں اختلاف کا بازار ہمیشہ ہی زور پر رہا ہے۔ ان سے بھی بیشتر لوگوں کو اختلاف ہے اور وہ لوگوں سے کچھ فاصلہ پر رہتے ہیں۔ لیکن بقول اقبال ؎

مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہوں میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

آبائی وطن دہلی مرحوم، مولد دکن اورنگ آباد، بھوپال نے مصرع طرح تجویز کیا، جبل پور میں قافیہ اٹھایا، بجنور میں گرہ لگائی، دہلی میں مطلع ہوگیا اور اب لاہور میں اس طویل نظم کے مقطع کی فکر میں ہیں جس کا عنوان ہے جماعت اسلامی۔

(۵ر اکتوبر ۱۹۶۳ء - روزنامہ کوہستان لاہور)

بلاکر اپنا بستر کھلوایا اور ایک چارپائی اس غسل خانہ میں بچھوائی اور جب تک وہاں مقیم رہے غسل خانہ ہی میں سوتے رہے۔ یہ وفات سے کئی برس پہلے کا واقعہ ہے جب باہر کی دنیا ان کو سوٹ بوٹ میں دیکھا کرتی تھی، کسی کو خبر نہ تھی کہ اس سوٹ کے اندر جو شخص چھپا ہوا ہے اس کی اصلی شخصیت کیا ہے؟ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھا جو سیاسی اغراض لئے سادگی و فقر کا اشتہار دیتے ہیں اور سوشلسٹ بن کر غریبوں کی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں مگر پبلک کی نگاہ سے ہٹ کر ان کی تمام زندگی رئیسانہ اور عیش پسندانہ ہے۔

اقبال کے نائٹ ہڈ اور سر شفیع مرحوم جیسے حضرات کے ساتھ ان کے سیاسی رشتہ کو دیکھ کر عام خیال تھا اور اب بھی ہے کہ وہ محض شاعری ہی میں آزاد خیال تھے۔ عملی زندگی میں آزاد خیالی ان کو چھو کر بھی نہ گزری تھی بلا نرے انگریز کے غلام تھے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے ان کے قریب جو لوگ رہے ہیں اور جن کو گہرے وضبط کی بنا پر ان کی اندرونی زندگی اور ان کے اندرونی خیالات کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ انگریزی سیاست سے ان کو خیال اور عمل دونوں میں سخت نفرت تھی۔ بارگاہِ حکومت سے وہ کوسوں دور بھاگتے تھے۔ سرکار اور ا کے پرستار دونوں ان سے سخت بدگمان تھے اور ان کی ذات کو اپنے مقاصد میں جارح سمجھتے تھے۔ سیاست ان کا نصب العین محض کامل آزادی ہی نہ تھا بلکہ وہ آزاد ہندوستان میں "دارالاسلام" کو اپنا مقصودِ حقیقی بنا ہوئے تھے۔ اس لئے کسی ایسی تحریک کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھے جو ایک دارالکفر کو دوسرے دارالکفر میں تب کرنے والی ہو۔ صرف یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عملی سیاسیات میں ان لوگوں کے ساتھ مجبورانہ تعاون کیا جو برٹش گورنمنٹ کے زیرِ سایہ ہندو راج کے قیام کی مخالفت کر رہے تھے گو مقاصد کے اعتبار سے ان میں اور اس طا میں کوئی ربط نہ تھا۔ مگر صرف مصلحت نے ان کو اس طبقہ کے ساتھ جوڑ رکھا تھا کہ جب تک مسلمان نوجوانوں میں "دا کا نصب العین ایک آتشِ فروزاں کی طرح بھڑک نہ اُٹھے اور وہ اس کے لئے سرفروشانہ جدوجہد پر آمادہ نہ ہوں اس وقت تک کم از کم انقلاب کے رُخ کو بالکل دوسری جانب پلٹ جانے سے روکے رکھا جائے، اس بنا پر انھوں نے ایک طرف اپنی شاعری سے نوجوانانِ اسلام کے میں وہ روح پھونکنے کی کوشش کی جس سے سب لوگ واقف ہیں اور دوسری طرف عملی سیاسیات میں وہ مسلک اختیار کیا جس کے اصل مقصود سے چند خواص کے سوا کوئی واقف نہیں اور جب کہ بعض ظاہر بین لوگوں کی وجہ سے وہ خواہ مخواہ بہتون، منتقد، تہذیب پارٹی تک کے طعنے سنتے رہے ہیں" (رسالہ جوہر دہلی ۱۹۳۸ء)

کے بعد وہ اسے پانی پلاتے اور اپنے رومال سے
اس کا منہ صاف کرتے۔

ایم۔بی۔بی۔ایس کے آخری سال میں ہوں۔ میں نے جب سے یہاں داخلہ لیا ہے یہاں کے سارے ڈاکٹر، پروفیسر مجھے عجیب معنی خیز نظروں سے دیکھا کرتے ہیں کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ میرے اندر ایسی کونسی خوبی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اتنی عزت کرتے ہیں۔ آخر اسی قدر و منزلت نے مجھے کبر و نخوت کے آسمان تک پہنچا دیا۔ اب میں کسی ڈاکٹر، پروفیسر سے سیدھے منہ بات نہ کرتا۔

بہت جلد میں اسٹوڈنٹس یونین کا لیڈر بن گیا۔ کسی بھی ڈاکٹر کا گھیراؤ کرنا، کسی بھی پروفیسر کے پیچھے آوازے کسنا، آفس کے سامنے ناجائز مانگوں کے پورا کرنے کے لیے دھرنا دینا، پورا نہ ہونے کی صورت میں کرسیاں شیشے وغیرہ توڑنا میرا محبوب مشغلہ بن گیا، ان سب ہنگامہ آرائیوں کے باوجود یونیورسٹی کے ذمہ دار میری ہر خطا کو درگزر کرتے اور میں بزعم خود ایک بے باک لیڈر بن چکا تھا

ابھی کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے اسٹوڈنٹس یونین کا الیکشن ہو رہا تھا۔ الیکشن میٹنگ میں حزب مخالف سے کسی بات پر تنازع ہو گیا۔ بات لاتوں اور گھونسوں سے تجاوز کر کے وکٹ اور ہاکیوں تک جا پہنچی، سب کے ہاتھوں میں ہاکیاں آ گئیں۔ ندیم نے ایک ہاکی بہت زور سے میری پشت پر ماری۔ ابھی میں اس ضرب سے اپنے حواس مکمل بحال کر سکا تھا کہ اچانک دوسری ہاکی بہت تیزی سے میری طرف بڑھی.... مگر یہ کیا ہوا میں بالکل صحیح و سالم ایک طرف کھڑا تھا۔ لیکن رشو پاگل اس ہاکی کی چوٹ اپنے سر پر لے چکا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے کھڑا رہا۔ جب اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ خون کا ایک فوارہ اس کے غلیظ، گندے میلے سر سے پھوٹ نکلا۔ لال لال خون چہرے کو رنگین کر کے دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا.....!

وہ اس حالت میں بھی مسکرائے لگا ہوا

(عبدالملک فاروقی)

خاموش گویائی

وہ یونیورسٹی کیمپس میں رہتا تھا. میں اس کو چار سال سے جانتا تھا. اس کا معمول تھا کہ تعلیمی اوقات میں وہ بائیلوجی لیب کے سامنے بیٹھا رہتا تھا۔ یونیورسٹی بند ہونے کے بعد وہ ہوسٹل کے چکر لگاتا رہتا۔ اس کی پیاسی پیاسی خالی خالی نگاہیں ہر لڑکے کو گھورا کرتی تھیں۔ ہر موسم میں اس کے اوپر صرف گہرے کلر کی ایک پھٹی پینٹ ہوا کرتی تھی. سردی گرمی، برسات سے آزاد رشو پاگل کبھی یونیورسٹی کے گیٹ پر، کبھی کنٹین کے پاس بیٹھا مختلف زاویوں سے لکیریں بناتا رہتا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس گورکھ دھندے کو ایک ہاتھ مار کر مٹا دیتا اور از سر نو ایک نیا ہوائی محل تعمیر کرتا۔ اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آتا اور اس کے اس ادھورے محل کو گرا دیتا۔ اپنے محل کے مٹتے نقوش دیکھ کر وہ ایک سرد آہ بھرتا اور اپنے اُلجھے با(لوں) کے پیچھے سے دور فضا میں اڑتی ابابیلو(ں) کو دیکھنے لگتا.

میں اس کو ہمیشہ تنگ کرتا رہتا تھا. کسی کو کچھ نہیں کہتا تھا. بڑی شفیق نظ(ر) سے وہ مجھے اکثر دیکھا کرتا تھا. پھر بھی اس سے نفرت تھی. لڑکے اس کے آ(گے) ڈبل روٹی کے ٹکڑے اور کیلا وغیرہ پھینک(تے) وہ کسی کی دی ہوئی چیز نہ کھاتا. ٹھیک (...) بجے پروفیسر شاکر علوی آتے اور اپنے بکس سے کچھ ڈبل روٹی کے پیس نکال (کر اپنے) ہاتھ سے اسے کھلاتے اور وہ بہت (شوق) سے کھاتا جب وہ کھاتا تو ایسا لگتا جیسے (کئی) وقت سے بھوکا ہو. ہم سب بہت (غور) سے اس منظر کو دیکھا کرتے تھے. کہا:

پر رکھ آیا۔ واپس آکر لحاف اوڑھ کر دل بہلانے کے لیے ناول کا سہارا لیا مگر پڑھنے سے دل اُچاٹ تھا۔ خالی خالی نگاہیں صفحات پر بے سبب تیر رہی تھیں۔ اچانک دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک معمر آدمی کھڑا تھا اس نے ایک لفافہ میرے آگے بڑھایا ابھی میں یہی اندازہ لگا رہا تھا کہ آخر یہ کون ہو سکتا ہے۔ بظاہر چہرے سے وہ کسی کا خاص ملازم معلوم ہو رہا تھا۔ پرچہ میں نے لیا۔ وہ جس خاموشی سے آیا تھا اسی خاموشی سے چلا گیا۔ میں پوچھتا رہ گیا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ یہ لفافہ کس نے دیا ہے؟ اور اسی طرح کے انگنت سوالوں میں وہ مجھے غلطاں و پیچاں چھوڑ کر چلا گیا... میں نے دروازہ بند کیا اور کھول کر پڑھنے لگا۔ خط پروفیسر شاکر علوی کا تھا لکھا تھا: پیارے بیٹے "احسن" خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آج رات میں ابوظہبی جا رہا ہوں۔ ارادہ تھا کہ تم سے بالمشافہ گفتگو کروں گا مگر شاید اس موضوع پر تم سے بات نہ کر پاتا اس لیے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آج سے اٹھارہ

سال پہلے کی بات ہے اس یونیورسٹی میں ایک بہت اچھے پروفیسر تھے۔ ان کا نام رشید الحسن امانی تھا۔ وہ بڑے زندہ دل ہنس مکھ تھے۔ یونیورسٹی کے بہترین رومانی شاعر تھے ادبی مجالس کے پیر مغاں تھے اور ان سب سے بڑھ کر میرے لنگوٹیا یار تھے۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ تعلیم حاصل کی۔ ایک ساتھ نوکری ملی۔ اس یونیورسٹی میں ہم دونوں جڑواں پروفیسر کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مگر شاید شاعری کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک عشق پر عملی تجربہ نہ کیا ہو۔ خوبصورت وجیہہ پروفیسر رشید الحسن امانی نے بھی اس پر تجربہ کیا اور وہ کامیاب بھی ہوئے ڈاکٹر سلمہ صدیقی نے جلدی ہی ان کے گھر میں رونق کر دی۔ سات سال کے اندر پانچ خوبصورت صحت مند بچے گھر کی رونق بڑھانے لگے۔ کتنے اچھے بچے تھے؟ جب کوئی گھنٹی بجاتا تو ایک ساتھ پانچوں دوڑتے ہوئے جاتے مگر یہ پھلتا پھولتا باغ زیادہ دن سرسبز و شاداب نہ رہ سکا۔ بہت جلد رشید کا چمن

سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اِدھر میں اپنی شکست پر زخم خوردہ شیر کی طرح بپھرا ہوا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ لاتوں اور گھونسوں سے رشو کو لپیٹ گیا۔ بڑی مشکل سے لڑکوں نے مجھے اس سے الگ کیا۔ اُدھر سے پروفیسر شاکر دوڑتے ہوئے آئے اور بڑی بے چینی سے اس کے زخموں کو دیکھنے لگے۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ آنسوؤں میں بتدریج زیادتی آتی جا رہی تھی۔ لڑکے کہتے ہیں اس دن وہ بہت رویا اور اسے دیکھ کر پروفیسر شاکر بھی بہت روئے۔

دوسری صبح وہ حسبِ معمول یونیورسٹی کے گیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ کبھی کبھی غنودگی کے عالم میں ایک آدھ جھپکی بھی کھا لیتا تھا۔ لڑکوں نے مجھ سے کہا، "یار احسن آج رشو کو دیکھ کر اس کے سر میں بڈھے شاکر نے پٹی باندھ رکھی ہے" تو میں نے غرور میں آکر کہا کہ "اگر یہ حرام زادہ پاگل بیچ میں نہ آتا تو میں ندیم کو اچھا سبق سکھاتا تاکہ وہ آئندہ الیکشن میں کھڑے ہونے کی جرأت نہ کرتا۔ خیر میں فی الحال اس پاگل

سے نمٹتا ہوں" یہ کہہ کر میں رشو کے قریب
جواب مکمل طور پر سوچ چکا تھا۔ جاتے ہی ا
کے پیر کی انگلی کو میں نے اپنے جوتے کے
رکھ کر پیس دیا۔ وہ درد کی شدت سے بلبا
جاگ گیا اس کا بڑھا ہوا گندا ناخن اُتر چکا
بے حس رشو کبھی اپنی انگلی کو دیکھتا جس
سے خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا اور کبھی
دیکھتا میں وہیں سفاکانہ مسکراہٹ لیے
تھا ــــ وہ بڑی اداس شام تھی۔ ہر طر
ہو کا عالم تھا۔ سردی کی یخ بستہ رات
ہر ذی روح کو پناہ گزین ہو جانے پر مجبو
تھا۔ پورے ہوسٹل میں سناٹا چھایا ہ
ہر لڑکا اپنے کمرے میں بند اس طوفانی
سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہوسٹل
خاموش گیلریوں میں صرف ٹھنڈ اور س
کا راج تھا۔ وہ رات مجھ پر بہت بھاری
تھی۔ طبیعت بڑی بے کیف ہو رہی
میں نے سوچا ایک گلاس دودھ پی لا
اس سے کچھ سکون ہو سکے۔ اس ارا
جامہ پہنانے کے لیے دودھ کی تھ

پھر اس طرح تھا۔

اکیلا ہوں مگر آباد کر دیتا ہوں ویرانہ ❊ بہت روئے گی میرے بعد میری شام تنہائی

ہوا کے ایک جھونکے نے رہے سہے حروف بھی مٹا ڈالے اس کے معصوم چہرے پر پھیلے بے ترتیب بال ادھر اُدھر اُڑ رہے تھے اور ہونٹوں پہ ایک خاموش گویائی تھی جسے شاید اب صرف میں ہی سمجھ رہا تھا۔۔

(عبدالملک فاروقی، تغلق آباد، نئی دہلی)

خزاں کی زد میں آگیا۔ سلمہ اپنے ساتھ چار بچوں کو
لے کر مرض طاعون اس دنیا سے رخصت ہوگئی
محسن، حسن جیسے بچوں سے گھر سونا ہو چکا تھا۔
کلثوم، ام عمارہ " کے پیروں میں بندھی پازیب
کی جھنکار اب رک چکی تھی۔ پروفیسر ان حملوں
کی تاب نہ لا کر دیوانہ وار ہر کسی سے سلمہ، حسن، محسن
کلثوم، ام عمارہ کا پتہ پوچھتا۔ سب اسے تسلی دیتے
کہ گھبراؤ نہیں وہ آجائیں گے۔ ڈاکٹروں کا کہنا
ہے کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو چکا ہے اور ان
کے پانچویں لڑکے کو لے کر میں اپنے گھر آ گیا۔
اس کی پرورش کی، جب وہ سمجھدار ہو گیا تو اس
کو ہوسٹل میں داخل کرایا اور احسن بیٹے وہ
پانچویں تم ہو!... پروفیسر رشید الحسن امانی
کی آخری یادگار! پروفیسر رشید الحسن امانی جنہیں
آج دنیا رشو پاگل کے نام سے جانتی ہے جو
آج بھی یونیورسٹی کے گیٹ پر بیٹھا سلمہ اور
اپنے بچوں کا انتظار کرتا رہتا ہے وہ یونیورسٹی
میں ڈاکٹر تھی۔ میں آج یہاں سے ہمیشہ کے
لیے جا رہا ہوں۔ تم اپنے باپ پروفیسر رشید الحسن
امانی عرف رشو پاگل کا خیال رکھنا۔ فقط تمہارا علو

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا تمام دروازے
پھڑ پھڑانے لگے۔ شاید باہر طوفان آ رہا تھا
اُبل چکا تھا۔ معلوم ہوتا تھا بہت جوش
آیا تھا۔ کوئی روک نہ پا کر ہیٹر کے چاروں
منتشر ہو چکا تھا۔ اب تو صرف دودھ کی
فضا میں ناگوار بو پیدا کر رہی تھی...
دیوانہ وار باہر آیا اور ابا! ابا! کہہ کر میں
اس پاگل کو تلاش کرنا شروع کیا۔ وہ حسب
معمول گیٹ سے ٹیک لگائے بڑی پُر
نیند سو رہا تھا۔ سر پر سفید پٹی بندھی
تھی۔ پیر کی کٹی انگلی پر چیونٹیاں لپٹی
تھیں۔ میں بے تحاشا اس کے قدموں
گرا اور ایک وجد کے عالم میں اس کے
پیروں کو چومنے لگا۔ زور سے جھٹکے سے اس
بے جان جسم ایک طرف لڑھک گیا۔
کا پاک جسم سردی سے اینٹھ چکا تھا۔
چیخیں مار مار کر رو رہا تھا۔ پاس ہی ریت
زمین پر انگلیوں سے اس نے ایک ش
لکھا تھا۔ تیرھویں رات کے چاند میں د
نقوش بڑی مشکل سے ضبط ہو سکے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے تھے۔ مگر مجھے دعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر ان دیکھے مالک سے لو لگا کر دعائیں کرتی رہتی تھی۔ جب میں جوان ہوگئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے ٹکراتے محسوس ہوئے۔ مجھے بائبل کے کلامِ خدا ہونے میں شک ہونے لگا۔

کچھ عرصہ کے بعد میری شادی ہوگئی۔ مگر میرے شوہر ایک دنیادار عیسائی تھے۔ وہ میرے فکر و خیال کے ساتھی نہ بن سکے۔ اس لیے میں نے فرصت کے وقت میں فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا اور اسپنسر ہیگل اور دوسرے فلاسفر کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مگر ان خیالی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

انھیں دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی۔ میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے۔ یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیز مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کردیا۔ میں کچھ عرصے کے لیے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی اور بالآخر ہندو ہوگئی۔ مجھے راماکرشن کے ویدانتی سلسلے میں داخل کرلیا گیا۔ مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا چنانچہ میرا یقین ہل گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔ اسی زمانے میں بیمار ہوگئی۔ مجھے علاج کے لیے فرانس جانا پڑا۔ وہاں میرے سات آپریشن ہوئے۔ ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میں موت کے لیے تیاری کرلوں۔ میں نے سوچا کہ دنیا ترک کردوں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں۔ لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا۔ میں نے ایک سو آٹھ اپنشد پڑھے لیکن یہ کیا... یہاں بھی بائبل کی طرح کے ان گنت تضاد تھے۔ ان میں کون کی بات حق ہے اور کون سی غلط ہے۔ یہ کیسے معلوم ہو، میں ایک بار پھر الجھ گئی۔ مجھے خوف ہوا کہ اسی ذہنی الجھن میں کہیں پاگل نہ ہوجاؤں۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میہ

قبولِ مومن کی آپ بیتی

مولانا عزیزگل شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ساتھ مالٹا میں سیر تھے۔ ایک انگریز عورت نے مولانا حسین
مدنی کے ذریعے اسلام قبول کیا پھر انہی کے مشورے اور خواہش سے مولانا عزیزگل سے شادی کر
یہ آپ بیتی اس نیک بخت مومنہ کی ہے۔ مولانا عزیزگل ابھی تک بقید حیات ہیں لیکن یہ خاتون
مالک حقیقی کے پاس پہنچ چکی ہے۔

میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں۔ میں ۱۸۸۵ء میں حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئی۔ میرے والد بڑے انصاف پسند اور بات کے پکے انسان تھے۔ انھیں ہندوستان لوگوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہدیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں۔ مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے۔ نہ کہ خون، بہرحال میں چھ سال کی ہوئی ہوں گی کہ مجھے تعلیم کے لیے انگلستان

بھیج دیا گیا مجھے بچپن سے ہمیشہ سے ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا میرے دوست احباب مجھے شفقت کہا کرتے تھے۔ کیونکہ میں ہر بات پر اور کیسے جیسے سوال کرنے کی عادی تھی میں ایک عیسائی کنبے میں پیدا مگر سب عیسائی متحد نہ تھے۔ عیسائیوں کے فرقے تھے جو ایک دوسرے کو اس لیے عیسائی مذہب مجھے کو

زندگی کی طرف بلا رہا تھا۔ ایسی زندگی کی طرف جو
آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی ہے مگر مشکل یہ تھی
کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی۔ لوگ
مجھے پیار سے ماں کہتے تھے۔ میں مسلمان ہو جاؤں
گی تو دنیا کیا کہے گی؟ مگر مجھے اپنی روح کو خلجان
سے بچانا تھا۔ میں نے لوگوں کے کہنے کی پروا
نہ کی۔ میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ
سارے گرو بھائی بڑے وحشت زدہ ہوئے مگر
میں نے انھیں خلوص سے بتایا کہ اصل ویدانت
یہ ہے جو اب میں قبول کر رہی ہوں۔ میرے گرو
بھائیوں نے کہا کہ یہ کام مسلمان ہوئے بغیر
بھی جاری رہ سکتا ہے۔ ویدانتی رہ کر بھی تم
قرآن کی راہ اختیار کر سکتی ہو۔ یہ بھی ویدانت
کا ہی ایک سلسلہ ہوگا۔ لیکن یہ بات میرے
دل میں نہ اُتر سکی۔ میں سمجھ رہی تھی راماکرشن نے
حقیقت کا راستہ نہیں اختیار کیا تھا بلکہ وہ
خود اُن کے ذہن کی اُپج اور ایک بھرم تھا۔
ہو سکتا ہے کہ کسی نام نہاد صوفی نے انھیں یہ
بھرم دلا دیا ہو۔ میرے ہندو دوستوں نے
مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں

تو وہ مجھے آگرہ میں راماکرشن مشن کا مہنت
بنا دیں گے۔ مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھا۔ مجھے
روح کے لیے آرام کی ضرورت تھی، اس لئے
میں نے اُن کی بات کو رد کر دیا۔ مگر اب ایک
اور مشکل آئی، مسلمانوں نے مجھے مسلمان ماننے
سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو
بنانے کے لیے یہ روپ دھارن کر رہی ہے۔
میں خود شبہ میں پڑ گئی۔ میں قرآن کو اپنا ہادی
اور رہنما مان رہی تھی تو کیا بات مسلمان ہونے
کے لیے کافی نہ تھی۔ اپنے دل کی بے قراری کو
دور کرنے کے لیے میں دیوبند گئی۔ میری لڑکی
میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں بے پردہ تھیں
ہم نے مولانا حسین احمد مدنی سے ملاقات کی
اپنی بات اُن کے سامنے رکھی اور پوچھا، "کیا
ہم مسلمان نہیں ہیں؟" "تم حقیقتاً مسلمان ہو"
مولانا نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا: "تمہیں
اس میں شک کیوں ہے؟" مولانا حسین احمد
صاحب کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ
انھوں نے ہماری بہت خاطر کی۔ بعد کو وہ
ایک بار مجھ سے ملنے منگلور بھی آئے تھے۔

روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے۔ نفسیاتی کش مکش بڑھ رہی تھی۔ اسی زمانہ میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی۔ ہندوستانی ہندوستانیوں سے لڑ پڑے۔ الموڑہ بھی فساد سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں ہے۔ بلکہ باہر نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے اپنے گرو جی سے یہ بات کہی۔ مگر انھوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیادار نہیں ہیں۔ تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو۔ سیاست کی باتیں ہیں۔ ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

مجھے ان کے سوچنے کے اس انداز پر حیرت ہوئی۔ میں انھیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کرسکی مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی اور میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی امداد کی، مجھے اس سے دل کا چین ملا۔ اور میں نے طے کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔ خانقاہوں کی زندگی سے نہیں، چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا جس میں نوجوان لڑکوں کی اخلاقی تربیت کی

جائے۔ اس آشرم میں میں نے ہندو مسلمان کی
نہیں رکھی۔ وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے
لایا گیا۔ یہ لڑکا اپنے والدین کے لیے ایک مر
بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلا
کے نظام حیات کے بارے میں معلومات
نہ کروں۔ میں اس لڑکے کی تربیت کا حق
کرسکوں گی۔ اس نیت سے میں نے قرآن
شروع کیا۔ اب تک میں مسلمانوں سے ڈر
میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے "ڈاکو"
ہیں جو ہر قسم کا ظلم کرسکتے ہیں۔ لیکن اس ک
نے میری آنکھیں کھول دیں یہ تو سراسر حق
اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ عملی دیانت
آہ۔ میں اب تک کن اندھیروں میں تھی۔ اف
کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط
پیش کی ہے وہ مذہب جسے میں خونخوار بھ
کا مذہب سمجھتی تھی مکمل سچائی کا دین تھا۔
اللہ میں اب کیا کروں، میں نے تو ساری
اکارت کردی!" میں نے سوچا میں ہندو ہی
یا ہندو مت کو چھوڑ دوں۔ میں نے سا بانہ ز
کرلی تھی۔ یہ ایک طرح کی موت تھی۔ قرآن

تھیں۔ ہم دونوں اللہ کے پیارے نبیؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی، میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھے حق کی راہ میں قدم بڑھانے سے روکا نہیں۔ میری زندگی ایک سفر ہے۔ وہ برسوں کی محرابوں سے گذر کر اسلام کی وادی میں ختم ہو رہا ہے۔ (بشکریہ ایشیا لاہور)

از:۔ حیدر بیابانی

مناجات

پیار کا فرش ہو، اخلاص کا چھپر دے دے!
جس میں اخلاص ہی اخلاص ہو وہ گھر دے دے!
درد کے ساز کو جھنکار عطا کر یارب!
[1] فقر فخری کے لیے شانِ قلندر دے دے!
ہر قدم پر ہے یہاں لشکرِ باطل کا پڑاؤ!
کربلا کے مجھے جرّار بہتر دے دے!
کفر کی آگ برستی ہے پیاسا ہوں میں!!
مجھ کو وحدت کے سمندر کے سمندر دے دے!
صرف ہم نامیٔ حیدر سے بھلا کیا ہوگا
میرے اللہ! مجھے بازوئے حیدر دے دے

[1] الفقر فخری

غزل

کیسے کہہ دوں میں اسے سمجھا کبھو
وہ بھولا گا برا یا اچھا کبھو
تلخ ہے کس واسطے میرا مزاج
دوستوں نے میرے یہ سوچا کبھو
رہتے ہیں احباب کیوں مجھ سے خفا
میں بھی کیا احباب سے روٹھا کبھو
سبز پتے اڑ گئے سب ٹوٹ کر
اے ہوا! چلنا تجھے آیا کبھو
ٹوٹ کر ملتا رہ شفاق تو
آپ نے اپنا اسے سمجھا کبھو

● سید اشفاق علی زیدی جبلپور۔

انھیں کے ساتھ مولوی عزیز گل بھی تھے۔ مولانا
حسین احمد انھیں بہت چاہتے تھے۔ ایسا لگتا
تھا کہ جیسے دو دوست لڑکے ہوں۔ وہ ایک
دوسرے سے معصوم مذاق کرتے، ایک دوسرے
کی ہنسی اُڑاتے اور کبھی کبھی ایک دوسرے
کو چڑھاتے بھی تھے۔ مجھے ان کی محبت پر رشک
ہوتا تھا۔ وہ دن بھر ہمارے یہاں رہے جب
وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا حسین احمد صاحب
سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں۔ اس پر انھوں
نے کہا کہ میں تو زیادہ نہ آسکوں گا مگر عزیز گل
کبھی کبھی آیا کریں گے۔ چنانچہ مولوی عزیز گل
صاحب آتے رہے۔ ان سے پردہ اور دوسرے
مسائل پر بے جھجک بات چیت کرتی رہی۔ شروع
میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے
ہیں۔ مگر بعد کو پردے کی حقیقت مجھ پر کھلی
تو میں ان کی وسعت نظر کی قائل ہوگئی۔ یہاں
میں اسلام کے مطالعہ میں لگی ہوئی تھی کہ
اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر میں فوراً
انگلستان نہ لوٹی تو وہ بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھے دینا
بند کر دیں گے اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس خبر

پر مجھے نہ تعجب ہوا نہ افسوس۔ میں مسلمان
اب میں کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے
رہا رزق۔ تو یہ اللہ کی دین ہے۔ کم یا ز
گا ہی۔ عزیز گل کو جب یہ بات معلوم ہوئی
نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کی
بڑے احترام سے اس پیش کش کو
میں جانتی تھی کہ ان کے یہاں غر
افلاس ہے، پردہ ہے۔ مگر میرے
اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ عزیز گل
میں نے سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر
کی تواضع میں کیا لذت ہے۔ عز
گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت
نہایت شریف اور مہربان شو
یوں بھی وہ سید ہیں اور انھ
کی لاج رکھی ہے۔ ان کے اجداد
افغانستان اور افغانستان سے
آگئے تھے۔ اب تو ہم دونوں را
مسافر تھے اور راہ حق کی مسافرت
و مغرب کیسے۔ ہماری راہ ایک
منزل ایک تھی، ہماری روحیں

معلوم ہوسکیں۔

عام قاعدہ تو اس کے لئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو مذہبی اصولوں کے مطابق جو ہماری ہدایت کے لئے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اس پاک شخص کی زندگی سے مقابلہ کریں جس نے یہ فرمایا کہ انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم اللہ واحد۔[1] اور جو اس درجہ کمال تک پہنچا جہاں تک انسان کا پہنچنا ممکن ہے اور جس کی زندگی ہماری زندگی کے لیے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنے والوں کے لیے بلکہ تمام دنیا کے لیے بڑا ہادی اور بڑا اور اعلیٰ استاد ہے۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے۔ جو بن ہوئے رہ نہیں سکتا اور کچھ زمانے کے گزرنے سے بسبب حالت اور کیفیت ان واقعات کی جو گزرے معلوم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے برخلاف اگلے مسلمان مصنفوں کے صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اور بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو تحقیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں۔

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہم کو کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب ان کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اسے پوشیدہ رکھنے کے خیال سے ان کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم ان کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دشمن ہم کو خوب ٹٹولتا ہے

[1] رسول اللہ نے فرمایا۔ بلاشک میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ پس میرے پاس وحی آتی ہے (اور تمہارے پاس نہیں آتی) اور بے شک تمہارا معبود ایک ہے۔

(مرسلہ: بشارت عیسیٰ)

دل کے چھپے عیب

دنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دنیادار اور رند مشرب جس قدر کہ دراصل وہ بد ہیں اس سے زیادہ اپنے تئیں وہ بد بناتے ہیں۔ دینداری کی بناوٹ والے جس قدر کہ ہوتے ہیں اس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جتلاتے ہیں وہ تو دیندار کی فداؤ باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماش بینی اور پینے پلانے کی باتوں کی جن کو دنیا نے کیا بھی نہیں گپیں اُڑاتے ہیں۔ اور یہ حضرت بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری کے پردہ میں چھپاتے ہیں۔ اور ٹٹی کے اوٹ شکار کھیلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم چنداں بڑے نہیں ہیں۔ مگر ایک تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علٰحدہ ہیں اُنہی کا کچھ ذکر میں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی بناوٹ خود ان سے اُنہی کے دل سے ہے۔ جس قدر کہ درحقیقت وہ نیک ہیں اس سے زیادہ ان کو نیک جتاتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس داؤد نے نہایت دلچسپ لفظوں میں اس برائی سے پناہ مانگی ہے۔ اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے: "کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر۔" جو لوگ اعلانیہ بدی کرتے ہیں تو وہ لوگ جو درحقیقت موت کی راہ پر ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کتنی نصیحت کے محتاج ہیں۔ پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان

یہی حال پانچ وقت کی نمازوں کا ہے۔ اللہ ان نمازوں کے ذریعہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)
نماز سے انسان کے دل میں شکر کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ خدا کی اطاعت کی راہ میں برابر بڑھتا جاتا ہے اور نافرمانیوں سے اس کا ذہن دور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس سے کبھی کوئی غلطی بھی ہو جاتی ہے تو وہ فوراً اپنے پروردگار کے سامنے گڑ گڑاتا ہے اور درگزر معافی مانگتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہ پڑھنے کو کفر کی بات اور کافروں کا طریقہ قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے تھے ـــ" جو شخص نماز نہ پڑھے اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔" اور فرمایا۔ بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔" (مسلم)

ایک بار حضرت عمرؓ کو بہت گہرا زخم لگا۔ رات بھر خون بہتا رہا۔ آپ بے چین رہے، صبح کی نماز کے لیے جب لوگوں نے آپ کو اٹھایا تو فرمایا " اللہ تمہارا بھلا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص نماز چھوڑ دے اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔" چنانچہ اٹھے۔ زخم سے خون جاری تھا اور آپ نے اسی حالت میں نماز ادا فرمائی۔ صحابہ کرامؓ کے اس ذوق شوق اور رات دن دینداری کے چرچوں کا یہ اثر تھا کہ عورتوں اور بچوں میں بھی نماز کا ایسا ہی شوق پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ابھی چھوٹے ہی تھے، لیکن رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ رات کو اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سوتے اور جب رات میں پیارے رسولؐ اٹھ کر وضو فرماتے اور نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو خود بھی اٹھ جاتے۔ پیارے رسولؐ کے ساتھ وضو کرتے اور پھر آپؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔

یاد رکھیے! یہ شمارہ مارچ اور اپریل ۱۹۸۱ء دو ماہ کا ہے۔ اب مئی کے حجاب کا انتظار کیجئے۔ ۔ منیجر حجاب رامپور۔ یوپی

(ساجد فرزانہ)

نماز مومن کی معراج

ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے جس فرض کی ادائیگی کا نمبر آتا ہے، وہ "نماز" ہے۔ نماز — جو کاذکر اللہ کی یاد اور بہترین عبادت ہے۔ جو بندے کو اللہ سے جوڑتی ہے جو دلوں کو خوف خدا الٰہی سے بھر دیتی ہے۔ جس کے پڑھنے سے دلوں کو سکون واطمینان اور روحانی لذت حاصل ہوتی نماز — جو انسان کی زندگی کو سنوارتی ہے اور اس کے اعمال کو درست کرتی ہے اور جو آدمی کے اندر للّٰہیت پیدا کرتی ہے جس کے بعد وہ خدا کی رحمت، توجہ اور مدد کا مستحق بن جاتا ہے۔

سورۂ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

"نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ تم اپنے لیے جو کوئی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تم جو کچھ کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظر میں ہے۔"

قرآن کریم میں نماز کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ احادیث میں ہے۔

"نمازیں انسان کے گناہوں کو معاف کئے جانے کا ذریعہ بنتی ہیں اس بات کو پیارے نبی علیہ وسلم نے ایک محسوس مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا" اگر تم میں سے کسی کے دروا پر کوئی نہر ہو جس میں وہ ہر دن پانچ بار غسل کرتا ہو تو اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل باقی ر صحابہ کرام رضہ نے عرض کیا کہ نہیں، اس کے جسم پہ ذرا بھی میل کچیل نہیں رہے گا۔ آپؐ۔

کبھی کبھی یہ بھی شکایت ہوتی ہے کہ پڑھتے پڑھتے آنکھوں میں یا سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ اس کے لیے کبھی کئی عوامل ذمہ دار ہیں۔ اصل میں درد دماغ میں نہیں بلکہ آنکھوں کے پٹھوں میں ہوتا ہے یا گردن وسر کے پٹھوں میں ہوتا ہے۔ روشنی کی کمی یا زیادتی و آنکھوں کی بصیرت کی کمزوری بھی اس کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ایسا ہو تو صحیح روشنی جو نہ زیادہ تیز ہو اور نہ مدھم ہو اس میں مطالعہ کریں۔ اگر نظر کمزور ہو تو اس کی جانچ کرا کر چشمہ بنوانا چاہیے اور چشمہ کا صحیح نمبر ہر سال ٹیسٹ کراتے رہنا چاہیے۔

لوگوں کو شکایت رہتی ہے کہ یاد نہیں رہتا ہے۔ اگر کسی حقیقت کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔ تو وہ حقیقت زیادہ عرصے تک یاد رہے گی۔ اس لیے کسی چیز کا یاد رکھنا چیز یا بات یا حقیقت و علم کو بار بار دہرانا استعمال میں لانا ہی ایک ذریعہ یادداشت ہے۔ دوسری طرف کچھ باتیں ہوتی ہیں، کیا ہم چاہتے ہیں ان کو یاد رکھیں۔ ہم ان کو یاد کر کے اپنی زندگی کو تلخ کرنا نہیں چاہتے۔ ایسی صورت میں بھولنا بھی ایک نعمت ہے۔ اگر تلخ یادیں محفوظ رہیں تو ہم روتے ہی رہیں گے ۔

(ظفر سعید)

ہم کیسے پڑھیں

جسم کے وہ اعضا جو پڑھتے وقت کام کرتے ہیں۔ ایک پوزیشن میں بیٹھنے لیٹنے وغیرہ سے
یا اکڑ جاتے ہیں جیسے آنکھوں کے پٹھے گردن کاندھے پیٹھ وغیرہ جو ایک حالت میں رہنے اور نہ
ہلنے کی وجہ سے تھک گئے تھے آپ ان کی پوزیشن بدل دیں یا ہلا جلا کر مالش یا چہل قدمی و
بھی حرکت سے اس کیفیت کو ختم کر دیں۔

پڑھنے سے اوبنا یا اکتاہٹ وغیرہ بھی اسی طرح کی بات ہے یعنی اوبنے میں بھی جسمانی
یا کتاب یا مضمون کی یکسانیت یا دلچسپی اور دلکشی کا کم ہونا۔ دماغ کا کسی اور طرف رجحان
باتیں اکتاہٹ پیدا کرتے ہیں۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ دماغ تھک گیا ہے اگر دماغ تھک گ
تو کورس کی کتاب جس سے ابھی اوبن ہوئی تھی۔ اس کی جگہ دوسری کتاب جو دلچسپ بھی ہے ا
کو طبیعت بھی چاہتی ہے۔ لے کر پڑھنے لگتے وہ دماغ جو ابھی اوبن اور اکتاہٹ محسوس کر رہ
اور جوش کے ساتھ اس کتاب کو پڑھنے میں لگا ہوا ہے۔ کیا دماغ اوبا تھا نہیں بلکہ عدم دلچسپ

جب بھی تھکن محسوس ہو تو اس کو دماغی تھکن نہ سمجھئے بلکہ فوراً جسم کو حرکت دے کر کتا
بدل کر اور دوسرے مضامین جن میں دلچسپی ہو ان کو پڑھ کر تھکن اور اوبن کو دور کر دینا چاہیئے۔ جیسے
جیومیٹری کی کتاب پڑھ رہے ہیں اور آپ کو تھکن یا اوبن محسوس ہونے لگتی ہو تو فوراً آپ
کی جگہ مولانا مودودی کی کتاب پردہ یا خلافت و ملوکیت یا اقبال کی شاعری یا اس کے
جس کتاب کو چاہیں پڑھنے لگئے آپ کا دماغ ویسی ہی دلچسپی اور کارکردگی کا اظہار کرے گا

حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ ایسی حقیقت جس سے مفر نہیں اور ایسی صداقت جس کا اعتراف کیے بنا گزارا نہیں۔
تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے کارہائے نمایاں جو سرانجام دیے گئے ان کے پیچھے عورت کا ہاتھ اور ذہنی صلاحیتیں مصروف کار ہوئیں۔

مرد تو ہمیشہ بیساکھیوں اور سہاروں کا محتاج رہا۔ آنکھ کھولی، تو عورت ماں کے روپ میں سہارا بنی کبھی بہن کی دعاؤں کی صورت میں سر پر سایہ کیے رہی اور کبھی بیوی کی حیثیت سے زندگی کی کڑی مسافتوں میں حوصلہ بنی اور کبھی بیٹی کی صورت میں دنیا و آخرت میں بھلائی اور نیکی کی مجسم تصویر اور جس کو زندہ گاڑ کر یہ ثبوت دیا کہ مرد سہارا لیتا ہے دیتا نہیں!۔

اس عظیم عورت کو دیکھیے جس نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت پر نہ صرف لبیک کہا بلکہ اس وقت نبوت کی تصدیق کی جب سب نے تکذیب کی۔ اس وقت معاشی سہارا دیا جب اس کی ضرورت تھی اور حق کی خاطر راہوں پر اس وقت شانہ بشانہ چلی جب مرد حضرات جھوٹی انا اور وقار کے پندار اور بھرم میں مدہوش تھے جب خانۂ خدا پر اس کا طواف کرنے والے منجنیقوں سے پتھر برسا رہے تھے۔ تاریخ جسے دنیا عبداللہ بن زبیرؓ کے نام نامی سے جانتی ہے انھیں اس وقت سہارا دیا اور شہادت جو مومن کی آرزو بھی ہے، مقصود بھی ہے۔ رتبہ دینے والی حضرت اسماءؓ عورت ہی تھیں نا!!

مورخ تحریک پاکستان کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا تو وہ علی برادران کا ذکر کیے بغیر اپنے فرض کو صحیح طور پر ادا نہ کر سکے گا اور جب وہ اپنے اس فرض و ذمہ داری کو نبھائے گا تو وہ "بی اماں" کو خراج تحسین پیش کیے بغیر آگے نہ بڑھ سکے گا۔

قیام پاکستان پر قائد اعظم نے ایک عورت کے سہارے کا جس طرح اعتراف کیا یہ بھلا ہر مرد کا ظرف کہاں!
"اگر فاطمہ میرا ساتھ نہ دیتی، تو پاکستان کی جنگ اتنی آسانی سے میں کبھی نہ جیت سکتا۔"
قومیں عورتوں کی گود میں پروان چڑھتی اور عروج پاتی ہیں نپولین بھی اس کا معترف ہے۔
جب قدرت کسی شخص سے کوئی بڑا کام لیتی ہے تو اسے حالات اور واقعات و تجربات کی بھٹی میں کندن

عورت

سہارا دیتی ہے لیتی نہیں

حجاب اکتوبر کے شمارے میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت کچھ بہنوں کے خیالات آپ کے سامنے آچکے۔ باقی بہنوں کے خیالات آج ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے ساتھ کچھ بھائیوں نے بھی لکھا ہے یہ بھی ہم ساتھ ہی شائع کر رہے ہیں۔ اگر کوئی بہن یا بھائی ابھی اور لکھنا چاہیں تو ضرور لکھیں ان شاء اللہ ہم شکریے کے ساتھ شائع کریں گے۔ موضوع کام کا بھی ہے۔ اور اسکے تحت بہت عمدہ باتیں بھی آسکتی ہیں اور بہترین تجربے بیان کیے جاسکتے ہیں۔

حجابی بہن اور بھائی اپنے اپنے تجربات لکھ کر بھیجیں۔ (م ا)

خدیجہ جلال

عورت ــــ جس کا اپنا کوئی تعارف نہیں شناخت نہیں پہچان نہیں پہلے باپ کے نام سے جانی جاتی ہے اور پھر خاوند اور کبھی بھائی یا بیٹا عنوان بن جاتے ہیں وہی عورت ہے نا جو خود تو گمنام رہتی اور جس کی صلاحیتیں اور دانش مستور ہوگئیں اور جسے آپ مرد حضرات ناقص العقل بھی کہتے ہیں اور صنفِ نازک کا نام بھی دیتے ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ عورت سہارا لیتی ہے دیتی نہیں کچھ عجیب سا لگا۔

جاؤ وہ جو سر چڑھ کر بولے

مجھے اپنی صنف کا وکیل سمجھیں، ایسا وکیل جو فیس لیے بغیر مقدمہ لڑ رہا ہو اور پھر جیت بھی جائے،

صدمے کو برداشت نہ کرسکے اور نقد جاں ہار دی۔ اور اس باہمت خاتون کو دیکھیں کہ گھر اسکول کے نام وقف کر کے خود کرایہ کے مکان میں چلی گئیں اور جب ۱۹۷۵ء میں انتقال ہوا تو سکندرِ اعظم کی طرح کفن سے دونوں ہاتھ باہر تھے۔

سلیمہ وحید

عورت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ اس عالم رنگ و بو کا وجود۔ بلکہ میں تو کہوں گی کہ اس سے بھی پہلے کیونکہ اس دنیا کے وجود میں آنے سے پیشتر وہ کافی عرصہ بہشتِ بریں کی مکین رہی ہے۔

نوعِ انسانی کی تخلیق تکثیر اور حفاظت کا عظیم کام قادرِ مطلق نے عورت کے حوالے کیا ہے، کیا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ مرد کی پیدائش اور اس کے وجود میں آنے تک عورت کے سہارے کا محتاج ہے۔ رضاعت، تربیت اور پرورش کے دور میں کیا مرد عورت کے سہارے کا محتاج نہیں؟

قدرت نے نظامِ تمدن کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک فرائض منزلی، دوسرا فرائض تمدنی۔ عورت فطری، جسمانی، ذہنی اور جذباتی طور پر پشت پناہی کرنے اور سہارا دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی نکتے کی جانب قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:

ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقہ ثم ھدی (ہمارا خدا وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کا مکمل وجود عطا فرمایا اور پھر اسے اپنے فرائض بجا لانے کی ہدایت کی) چنانچہ عورت کا کام فطرتی طور پر ایسا ہے کہ وہ ان امور کی جانب توجہ دے کہ مردوں کو سہارا دے تاکہ وہ خارجی اور دیگر تمدنی امور میں ترقی کر سکیں۔

تاریخِ عالم کے اوراق ایسے واقعات سے مزین ہیں جن میں عورت کا وجود نازک ترین تاریخ ساز لمحات میں ایک مضبوط سہارا ثابت ہوا۔

جس ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا مقام اٹھا کر عرشِ معلٰی تک پہنچایا، جو خدا کا محبوب و مقرب تھا اور جس کی ذاتِ اقدس کسی سہارے کی محتاج نہیں، اس پاک ہستی پر جب وحی کا نزول ہوا تو ایک عورت نے

بخشنے کے لئے پہلے اس کے سر سے پدری شفقت کی دبیز چادر کھینچ لیتی ہے۔ گمراہ متا کی چھایا، نیم شبی کی دعائیں سرپرستی اور مامتا کا نور کھٹی راہوں میں روشنی بکھیر رہا ہو تو سید عبدالقادر جیلانی جیسی ہستیاں آسمانِ شہرت پر درخشندہ ستارہ بن کر چمکیں اور شہرت عام و بقائے دوام حاصل کی، لیکن جن بچوں سے قدرت نے ماں کو چھین لیا وہ گلیوں میں آوارہ پھرے۔

پچھلے سال کی بات ہے، پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیم و تحقیق کی طرف سے لاہور کے ثانوی مدارس میں مجموعی ریکارڈ کا سروے کرنا تھا۔ اس سلسلے میں رنگ محل میں سنہری مسجد کے پاس سید نواب بیگم کے پرائمری اور ہائی اسکول میں جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ دونوں پرائیویٹ ادارے تھے جنہیں چند سال قبل قومیا لیا گیا تھا ان اداروں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ پائلٹ اور پبلک اسکولوں، جامعہ اسکولوں اور مرکزی و صوبائی حکومتوں کے ماتحت چلنے والے مدارس میں جو چیز عنقا و ناپید تھی مکمل صورت میں یہاں ملی۔ ہر سال کا نتیجہ سو فیصد تھا، کوئی تھرڈ ڈویژن نہ ملی۔ اساتذہ میں کام کرنے کی لگن، جذبہ، ولولہ اور جوش مشنری سپرٹ کی گواہی دے رہا اور آخر ان اساتذہ کا تعلق بھی اسی معاشرے سے ہے۔ ایک عورت نے ثابت کر دیا کہ ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کھوج لگانے پر پتہ چلا کہ سید نواب بیگم تقسیم کے وقت اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان آئیں کچھ عرصے کے بعد خاوند کا انتقال ہو گیا، تن تنہا عورت بے کس و مجبور عورت جس کی کوئی شناخت نہیں جس کی اپنی کوئی پہچان نہیں مگر یہ عورت، سہارا ڈھونڈنے کے بجائے عورت کی اس فطرت کہ "سہارا لیتی نہیں دیتی ہے" کی زندہ تصویر اپنی جمع پونجی اور جائیداد کو ایک مد سے میں لگا دیا۔ قوم کی بیٹیوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے گہنے بیچ دیے اور شب و روز نہ صرف اپنی توانائیوں اور جذبوں کا تیل فراہم کیا۔ بلکہ چراغ سے چراغ جلایا اور یہ مشن کی سپرٹ دوسروں میں پیدا کی کہ ؎

خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

اور جب قومیانے کی اُلٹی چھری چل رہی تھی، تو ایک صاحب جن کا ڈیڑھ ہزار روپیہ ضائع ہوا تھا

اسلحہ سازی کی فیکٹریوں اور کھیتوں میں کام کیا۔ بچوں کی تعلیم پر توجہ دی۔ زخمیوں کی تیمارداری کی۔ محبت اور جذبۂ حق سے مردوں کو سہارا دیا۔ چنانچہ وہ اقوام عالم جو بام عروج سے ہمکنار ہوئیں۔ عورتوں کے سہارے کی مرہون منت ہیں۔ زمانۂ حال میں بھی عورتیں کسی میدان میں پیچھے نہیں رہیں۔ خواہ سیاسی ہوں یا جنگی، علمی ہو یا ادبی اگر ان بلند پایہ عورتوں کا فرداً فرداً ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب اور بے پناہ وقت درکار ہوگا۔ مگر قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ہمشیرہ محترمہ مس فاطمہ جناح کا ذکر خیر نہ کرنا ناقابل معافی ہوگا۔ آپ شانہ بشانہ اپنے عظیم المرتبت بھائی کے اعلیٰ مشن میں ساتھ رہ کر ان کے لئے تقویت اور سہارے کا باعث ہوئیں۔

روزمرہ اور عام زندگی میں ادنیٰ سے ادنیٰ عورت بھی عالم وجود اور تمام انسانیت کے لئے سہارا فراہم کرتی ہے۔ گھر ایک ایسا حصار ہے جس کی چھوٹی سے چھوٹی مملکت میں اگر عورت صحیح طریقے پر حکمرانی کرے بچوں کی تربیت، خاندان کی دیکھ بھال اور اپنے دیگر فرائض منصبی سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو تو اسی سہارے کے بل بوتے پر مرد اپنے حصار سے باہر نکل کر بہتر طریق پر خدمت خلق انجام دے سکتا ہے۔ کہیں پروفیسر و ڈاکٹر ہیں کہیں وکیل، کہیں جج، کہیں سفیر اور کہیں وزیر، افسر اور گورنر بھی ہیں قانون ساز اور حکمران بھی۔ غرضیکہ یہ تمام صورتیں سہارا دینے پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ لینے پر نہیں۔

عدیلہ کوکب

سرکار دو جہاں گھر تشریف لاتے ہیں۔ چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں۔ وفا شعار اور غمگسار بیوی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھتی ہے۔ "میرے ماں باپ آپ پر نثار، کیا بات ہے"! حضورؐ فرماتے ہیں: "مجھے کمبل اوڑھا دو"۔ بیوی حکم کی تعمیل کرتی ہے۔ پھر پاس بیٹھ کر اپنا سوال دہراتی ہے۔ رسالت مآبؐ کے لب مبارک ہلتے ہیں: خدیجہؓ! آج میں نے غار حرا میں ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک اجنبی میرے پاس آیا۔ کہنے لگا: میں خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ آپ کی طرف خدا کا پیغام لایا ہوں"۔ حضرت خدیجہؓ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ پرعزم لہجے میں فرماتی ہیں: آپ ایک عظیم انسان ہیں۔ غریبوں کے ہمدرد اور بے یاروں کے مددگار ہیں۔ خدا آپ کو تنہا نہیں

اس اللہ کے پاک نبیؐ پر ایمان لا کر تقویت اور سہارا دیا تھا جس کا اعتراف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ننھے فرزند کو بے آب و گیاہ لق و دق صحرا میں بحکم رب چھوڑ کر چلے گئے۔ (بے شک اللہ کے فضل و کرم سے) ایک عورت ہی اس بچے کا سہارا بنی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے الٰہی کی بجا آوری میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔ یہ تو ان چند بے مثل اور پاک بیویوں کی مثالیں تھیں۔ تاریخ اسلام تو جلیل القدر اور باکمال عورتوں کے کارہائے نمایاں سے بھری پڑی ہے۔ اسلام کی بدولت جبکہ شرق اور سارا رشد و ہدایت اور علم و فضل کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حافظ قرآن تھا عالم دین اور فقیہہ تھیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ کیا یہ امر مردوں کو اخلاقی، روحانی اور دنیاوی سہارا دینے کے مترادف نہیں؟ اسلام کے غزوات کی طرف نگاہ دوڑائیے۔ آپ کو صحابیات رضی اللہ عنہات زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی، پانی پلاتی، خوراک و طعام کا بندوبست کرتی دف کے ساتھ رزمیہ اشعار گا کر مردوں کا حوصلہ بڑھاتی، شہیدوں کے لئے قبریں تک کھودنے کی خدمات بجا لاتی نظر آتی ہیں۔ کئی غزوات میں کفار مجاہدین کو دھکیلتے ہوئے عورتوں کے خیموں تک بڑھتے چلے آئے تو ان بہادر اور جری خواتین نے خیموں کی طنابیں اکھیڑ کر دشمنان دین کے دانت کھٹے کر دیے۔

بے شک اسلام کی نگاہ میں زن و مرد دونوں برابر کی حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کی ذات و صفات کوئی بھی حد فاصل مقرر نہیں کی گئی، صرف حقوق و فرائض کی حدود مختلف بتلائی گئی ہیں۔ لیکن وقت پڑنے ہر قدم پر عورت نے اپنی حدود سے تجاوز کر کے نہ صرف مرد کو سہارا دیا ہے بلکہ تمام انسانیت کو سہارا دیا۔ تمام عالم کی تاریخ پر نظر ڈالیں، تو جگہ جگہ ہر ترقی کی منزل پر اور ہر کامیابی اور کامرانی کے پس منظر میں عورت کے سہارے کا پَرتو نظر آئے گا۔

دور کیوں جائیے جنگ عظیم اوّل، دوم میں عورتوں نے بے مثال خدمات اور قربانیاں دے کر قوموں کو سہارا دیا۔ مردوں کی غیر موجودگی میں جو خلا پیدا ہوا تمدنی زندگی کے ہر شعبے میں نہ صرف اس کو پُر کیا بلکہ بحسن و خوبی اپنے فرائض سے بڑھ چڑھ کر انہیں انجام دیا۔

رت نہ صرف سہارا لیتی ہے بلکہ وقت آنے پر مرد کے لئے ایک بہت بڑا سہارا بن جاتی ہے۔ جب مرد پر مصائب پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو عورت حالات کے آگے سینہ سپر ہو جاتی ہے۔

عورت نے کتنے ہی اہل علم و دانش حضرات کی عظمت کو چار چاند لگائے، میدان جنگ ہو یا ملکی معاملات، معاشرتی مسائل کا سامنا ہو یا گھریلو الجھنیں، عورت ہر موڑ پر مرد کے لئے مدد و معاون ثابت ہوئی ہے۔ اسلام نے اسی لئے عورت کی عظمت کو سراہا۔ مشاہیر عالم نے اسی لئے عورت کی وفا کے گن گائے، اور آج بھی انسانی ذہن اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرد کی عورت کے ساتھ نہ صرف جذباتی اور ذہنی وابستگی ہے بلکہ معاملات زندگی میں بھی مرد عورت کے سہارے کا متلاشی ہے۔

فرزانہ وسیم

عورت جس کے مختلف روپ ہیں۔ ماں، بہن، بیوی، بیٹی، دیکھا جائے، تو ہر شعبۂ حیات میں اس کا بڑا موثر کردار ہے۔ زندگی سہاروں ہی کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔ بچے کو پیدا ہوتے ہی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے ماں کے روپ میں ملتا ہے۔

اس رنگ و بو کی دنیا میں کسی شے کو ثبات نہیں۔ کاروبار حیات میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا پڑتا ہے، سہارے ڈھونڈنے پڑتے ہیں، تاکہ زندگی کی گاڑی اپنا سفر آسانی سے طے کر سکے، مگر یہ سہارے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ عورت کبھی سہارا بنتی ہے کبھی سہارا لیتی ہے۔ بچپن میں والدین کا سہارا لیا جاتا ہے تو ان کے بڑھاپے میں ان کا سہارا بننا پڑتا ہے۔ یہ دنیا تو مکافات عمل ہے جو بوئیں گے وہ کاٹیں گے سہارا دیں گے، تو سہارا لیں گے اور یہ زندگی کا تسلسل یوں ہی چلتا جائے گا۔

مسکین علی حجازی

یہ ایسا موضوع ہے جس کی حمایت یا مخالفت میں حتمی طور پر کچھ کہنا درست نہیں۔ عورت اور مرد دونوں

چھوڑے گا۔" ہمدردی کے یہ چند بول حضورؐ کے لئے ایک بہت بڑے سہارے کا کام کرتے ہیں ساری پریشانی اور تفکرات دور ہو جاتے ہیں اور آپ چند لمحوں میں خود کو یوں پُرسکون سا محسوس کرنے لگتے ہیں جیسے بہت بڑا بوجھ سر سے اُتر گیا ہو۔

حضور کی پوری زندگی میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ جب ازواج مطہراتؓ نے دل و جان سے آپؐ کی خدمت کی۔ آپؐ کو پورا پورا سہارا دیا۔ آپؐ کی نبوت کا اقرار کرنے اور آپؐ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی خدیجہؓ بھی ایک عورت ہی تھیں۔ رسولِ اکرمؐ پر کفار کے مظالم دیکھ کر تڑپ اُٹھنے والی فاطمہؓ بھی ایک عورت تھیں۔ اور جنگ کے موقع پر برستے تیروں میں رسولِ اکرمؐ کا ساتھ دینے والی عظیم ہستی حضرت عائشہؓ بھی ایک عورت تھیں۔ تاریخ اسلام کے اوراق کا جائزہ لیا جائے، تو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں واقعات اس بات کی گواہی دیں گے کہ عورت نے مختلف اوقات میں اور مختلف روپ میں مردوں کو سہارا دیا۔ کبھی ماں بن کر اس کا پیار مرد کے لئے سایۂ فگن رہا ـــ اور کبھی بیوی کے روپ میں آغوشِ محبت وا کرتی رہی۔ کبھی بہن بن کر بھتیا پر جان تک نچھاور کی، تو کبھی بیٹی بن کر باپ کے لئے چاہتوں کے خزانے نچھاور کئے۔ غرض عورت نے مرد کی زندگی کو بے پناہ مسرتوں سے ہم کنار کیا۔

عورت نے فراخدلی اور فطری نرمی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر دور میں مرد کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ صدیوں پہلے کا تصور کیجئے! اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت ایوبؑ کے صبر و شکر کا امتحان ہے، مال و دولت، گھر بار ہر چیز ختم ہو چکی ہے۔ خود انھیں بیماری نے گھیر رکھا ہے۔ جسم میں کیڑے پڑ چکے ہیں۔ عزیز و اقارب اور ملنے جلنے والے سب چھوڑ چکے ہیں۔ کوئی پُرسانِ حال نہیں، مگر ایک ہستی دن رات ان کی خدمت میں لگی رہتی ہے۔ آخر بے قرار ہو کر حضرت ایوبؑ فرماتے ہیں۔" تم بھی میری طرف سے آزاد ہو، مجھے چھوڑ کر جانا چاہو تو جا سکتی ہو میں بخوشی اجازت دیتا ہوں۔ مگر وہ مجسم ایثار و وفا اپنے دامن میں خاوند کی اُلجھنوں اور پریشانیوں کو سمیٹ لینا پسند کرتی ہے مگر اسے اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دینا گوارا نہیں کرتی۔ یہ واقعہ جہاں عورت کی عظمت کی دلیل ہے کہ وہ کٹھن اور روح فرسا حالات کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ وہاں اس بات کا بھی بیّن ثبوت ہے کہ

قائم کر چکی ہیں. لیکن میری نظر میں عورت ایک ایسا معنوی سہارا ہے جو ہر مرد کے لئے ناگزیر ہے. زندگی کے مختلف شعبوں میں انہماک، توجہ، سرگرمی اور شوق سے کام کرنے والے بیٹے، بھائی، شوہر اور باپ اسی سہارے کے بل پر زندگی کی راہوں پر آگے بڑھتے اور کامیابیاں حاصل کرتے ہیں. اگر خدانخواستہ کسی سے یہ سہارے چھن جائیں تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا ہے۔ اس کے قوی احساسات اور جذبات کو زندہ رکھنے اور مضبوط کرنے والی قوت مفقود ہو گئی ہے. اگر کوئی عورت دانستہ یا نادانستہ طور پر بیٹے، بھائی، باپ، شوہر کے لئے معنوی سہارا بننے کے بجائے اس کے دامن زیست کو تفکرات، پریشانیوں، اضطراب اور کرب سے بھر دیتی ہے. تو وہ اصل میں زندگی سے اس کا سہارا چھین لیتی ہے. ہر معاشرے میں دونوں قسم کی عورتیں موجود ہوتی ہیں لیکن جس معاشرے میں اول الذکر عورتیں زیادہ ہوں وہ اپنی خوش بختی پر ناز کر سکتا ہے. بقول چکبست زندگی عناصر میں ظہور ترتیب کا نام ہے. یہ عناصر پریشان ہو جائیں. تو زندگی کی موت واقع ہو جاتی ہے. ہر انسان کو زندگی گزارنے کے لئے مادی، روحانی نفسیاتی اور جذباتی سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے. ان سہاروں کا انضباط زندگی کا دامن طمانیت اور مسرت کے پھولوں سے بھر دیتا ہے. اگر یہ سہارے منضبط نہ رہیں یا ٹوٹ جائیں تو زندگی کا آبگینہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ عورت اور مرد ہر رشتے میں ایک دوسرے کے لئے سہارا ہیں. یہی بات ہے کہ عورت سہارا دیتی بھی ہے اور سہارا لیتی بھی ہے۔

ش. م. اعظم

جب سے دنیا بنی ہے. مرد عورت کا سہارا ڈھونڈ رہا ہے اور آخر تک ڈھونڈتا رہے گا۔ باری تعالیٰ نے جب جنت تخلیق کی تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے بسنے کے لئے بھیجا. جنت اپنی تمام رعنا کنوارپن، تازگی، شگفتگی، نوجوانی اور رنگینیوں کے ساتھ ہاتھ پھیلائے. حضرت آدم کے سامنے کھڑی تھی کہ اسے اپنی آغوش میں لے لیں، لیکن پھر بھی انہیں یہ جنت بے رنگ، خاموش، بے کشش، بے نور، ویرانہ اور

انسان ہیں۔ انسانوں کے بارے میں یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں کہ سبھی ایک سے نہیں ہوتے، نیک، بد، فرشتہ خصلت، شیطان صفت، مستعد، نکھٹو، لائق اور نالائق کچھ انسان بہت سے دوسرے انسانوں کا سہارا بنتے ہیں، قوموں کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔ تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیتے ہیں لیکن بعض انسانوں کا وجود دوسروں پر بوجھ ہوتا ہے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہ صرف خود کسی کا سہارا نہیں بنتے، بلکہ دوسروں کے سہارے بھی چھین لیتے ہیں۔ سب مردوں کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سہارا دیتے ہیں لیتے نہیں ان میں سے بہت سے زندگی بھر سہاروں کی بیساکھیاں استعمال کرتے ہیں۔

عورت کے بارے میں بھی حتمًا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بحیثیت صنفِ نازک دوسروں کا سہارا لیتی ہے یا دوسروں کو سہارا دیتی ہے۔ اس صنف کی تاریخ میں بھی کردار کی انتہائی بلندیوں اور انتہائی پستیوں کی مثالیں ملتی ہیں حکیم الاُمت کے الفاظ میں ؂

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

بیشتر مشاہیر نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ان کی عظمت اور شہرت کسی نہ کسی عورت کے سہارے کی مرہونِ منت ہے۔ عورت ماں، بیوی، بہن، بیٹی ہر رشتے میں مردوں کے لئے سہارا بنتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ سہارا بالعموم محسوس نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں یہ بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔ نفسیاتی، روحانی اور جذباتی سہارا اس قدر مضبوط اور ضروری ہوتا ہے کہ دولت کے انبار اس کا نعم البدل نہیں بن سکتے۔ نفسیاتی، روحانی اور جذباتی سہاروں سے محروم لوگوں کی زندگی غیر متوازن ہوتی ہے۔ ماں کے پیار سے محروم بچے کو کوئی بھی سہارا خوش نہیں رکھ سکتا جس بچے کو ماں کی آغوش میسر ہو وہ شہر کے فٹ پاتھ پر یا گاؤں کی پگڈنڈی پر بھی میٹھی نیند سوتا ہے۔

ممکن ہے کچھ لوگ یہ سمجھیں کہ عورت کا مالی طور پر مرد کا کفیل ہونا ہی مرد کے لئے اس کا سہارا کہلا سکتا ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں خواتین اب مالی طور پر بھی اپنے کنبوں اور خاندانوں کے سہارے بننے کی مثالیں

ستاروں پر کمند ڈالنے کی کوشش میں آج کل مصروف ہیں۔ معاشرتی اقدار کی نشوونما ہوئی۔ عورت کے بغیر انسانی تخلیق نامکمل رہ جاتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو نہیں بلکہ مرد کو اس کی شدت سے ضرورت رہی وہی اس کا سہارا ڈھونڈتا رہا۔ تاکہ وہ انسانی نسل کو آگے چلائے، گھر کو جنت بنائے اور اس میں حسن اور دلکشی پیدا کرسکے۔

مرد عورت کے بغیر اس پودے کی مانند ہوتا جس میں کانٹے اور پتے تو ہوتے، مگر پھول اور اس کی مہک نہ ہوتی جو زندگی کی بیل کو مہکائے رکھتی۔ عورت مرد کی زندگی میں پیار کی طرح داخل ہوتی ہے اور اس کے اُجڑے ریگستان کو لہلہاتے رنگین پھولوں کے گلستان میں بدل دیتی ہے جنہیں دیکھ دیکھ کر آدمی کی زندگی کی ڈور لمبی ہوتی جاتی ہے۔ اُسے ڈھارس بندھتی ہے۔ حوصلہ بڑھتا ہے۔ اسے اپنی دنیا خوشحال اور پُرلطف نظر آتی ہے دنیا کا حسن بھی عورت کے دم سے ہے وہ نہ ہو تو یہ دنیا بے رنگ، بے خوشبو اور بھائیں بھائیں کرتا قبرستان لگے۔

یاد آیا ہمارے پڑوس میں ایک صاحب رہتے تھے۔ ان سے ہمارے بزرگوں کے دیرینہ تعلقات تھے اسی مناسبت سے ہم انھیں ——— چچا کہا کرتے۔ ہم نے جب ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ وہ گھر میں ایسے ہی دبکے بیٹھے رہتے جیسے بلی کو دیکھ کر مرغی دُبک کر بیٹھ جاتی ہے۔ انھیں صرف دفتر جانے اور مہینہ پورا ہونے پر بیوی کو تنخواہ حوالے کرنے سے کام تھا۔ وہ بعد میں ایسے بے فکر ہو جاتے جیسے پرانے زمانے میں گھوڑے بیچ کر سوداگر بے فکر ہو جاتے تھے۔ تمام گھر کا انتظام ان کی بیوی بڑی خوش اسلوبی سے چلایا کرتیں، کبھی ترشی سے کبھی نرمی سے، کبھی کبھی معاملے بھی نہ ہوتا۔ ہمارے پڑوسی چپ چاپ اپنی پارٹی اور اپوزیشن کے مکالمے، گفتگو سردی، گرمی سب کچھ ایک آزاد ممبر کی طرح سنا اور دیکھا کرتے، اپنا منہ ایسا بند رکھتے جیسے کسی نے ان کے لبوں پر سولیشن لگا دی ہو۔ ان کے اس رویے کے باعث ان کے تمام دوست، عزیز و اقارب سب ان کی تعریف کیا کرتے کہ وہ بہت شریف، ملنسار، صلح کُن اور خاموش طبیعت انسان ہیں۔ اللہ میاں کی گائے ہیں۔ کسی کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ میں نے اکثر دیکھا کہ ان کی بیوی جو مشورہ وہ دیتے تھے اس پر سختی سے عمل کرکے ایم۔ ایم وی کا رول ادا کرتی تھیں۔ بقول کسے کوئی اور بولتا ہے۔ میری زبان نہ سمجھو مگر سب یہی سمجھتے کہ ان کی بیوی اپنے گھر کی ملکہ ہیں اور سب گھر والے ان کے حکم کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔

بکھرنے لگی۔ اس بے کیف اور بے سرور جنت میں حضرت آدمؑ کو رہتے ہوئے وحشت ہونے لگی۔ ان کی اس بے چینی بے کلی اور اضطرابی کیفیت کے پیش نظر باری تعالیٰ نے اماں حوا کی تخلیق کی جو حضرت آدمؑ کی ساتھی، غمگسار اور زندگی کی ہمسفر بنیں۔ دنیا میں آکر اماں حوا کی وجہ سے زندگی کے قافلے راہوں پر آنے لگے، تو چاند ستاروں نے بھی اپنے نور سے دنیا کو منور کرنا شروع کر دیا۔

اماں حوا کے بغیر حضرت آدمؑ کی زندگی کے خانے کے ساتھ ہی دنیا پھر سے اُجاڑ اور ویران بن جاتی کوئی اس پر رہنے اور بسنے والا نہ ہوتا۔ زمین بھی چاند اور زہرہ کے سیاروں کی طرح زندگی سے عاری رہ جاتی۔ آج کی دلکشی رنگینی اور حسن و دلفریبی سب کچھ عورت کی مرہونِ منت ہیں۔ شجاعت، وفا اور بہادری بھی اسی کے طفیل ہیں۔

ہمارے شاعر اور ادیب حضرات نے اپنی نگارشات میں عورت کے حسن کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے اسے پھول اور خوشبو سے تشبیہ دی ہے۔ پھولوں کا گہوارہ کہا ہے جس میں مرد اپنے تمام تفکرات و غم بھول جاتا ہے۔ اسے دلی سکون اور اطمینان ملتا ہے۔ عورت جو کائنات کا سب سے پُراسرار وجود ہے، جو حسین گلدستہ ہے جس سے پوری دنیا مہک رہی ہے اور تا ابد مہکتی رہے گی۔

عورت کے وجود ہی سے پھول کو اس کا رنگ اور خوشبو ملی۔ اس نے پیار اور محبت کو جنم دیا۔ یہ نہ ہوتی تو انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف رہتے۔ ظلم و ستم کا جوا لہجتا رہتا اور دنیا ایک بھیانک خواب بن کے رہ جاتی۔

عورت دنیا میں باری تعالیٰ کی بے شمار تخلیقات میں سے حسین ترین، کومل ترین اور زندگی دینے والی شگفتہ ترین تخلیق ہے اس کے بغیر انسانی زندگی ایک سلگتا ہوا تپتا ہوا صحرا ہوتی جہاں نہ کوئی سایہ ہوتا، نہ ٹھنڈک ہوتی، نہ گلستاں ہوتے اور نہ حسن ہوتا۔ وحشت ہی ہر طرف حکومت کرتی نظر آتی، کانٹوں سے بھرے ویرانے ہوتے جہاں حضرتِ انسان اپنے وجود کو لہولہان کرتے رہے، پیاسے مارے مارے پھرتے اور اپنی زندگی کے کانٹے کو اپنے وجود سے جلد سے جلد نکالنے کی کوشش کرتے۔ زندگی بے مقصد ہو کر رہ جاتی۔

عورت کے دم سے ہی شاعر، دانشور، مفکر اور سائنسدان وجود میں آئے جو چاند کے بعد دوسرے

شیرازہ انسان کی عزت بکھر جانے سے بچ جاتے۔

اس کے برعکس ہمارے ایک نوجوان عزیز کا انتقال کار کے ایک حادثے میں ہو گیا۔ جوان بیوی جس سے شادی صرف چھ ماہ قبل ہوئی تھی۔ اسے بے سہارا چھوڑ کے اگلے جہاں سدھار ے۔ ہم سب کو فکر من گیر کر ان کی جوان بیوی کا کیا بنے گا! اس کی پہاڑ جیسی جوانی تنہا کیسے گزرے گی۔ بستر بالا ئے ستم چار مہینے بعد ان کے گھر ایک بچہ بھی تولد ہوا۔ والدین نے اب دوسری شادی کا مشورہ دیا، مگر اس خدا کی بندی ایک ہی رٹ "نہیں" کی لگائے رکھی۔ شادی کے وقت وہ انٹر پاس تھیں۔ بی اے کیا پھر ایم اے کیا اور یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئیں۔ بچے کو اعلیٰ تعلیم دلوائی جو بعد میں ایک اعلیٰ افسر بنا۔

یہ سب ثابت کرتا ہے کہ عورت سہارا دیتی ہے، لیتی نہیں۔ زندگی کی گاڑی کے عورت اور مرد کے دو پہیے ہیں۔ اگر عورت کا پہیہ گاڑی کا ساتھ چھوڑ دے۔ تو وہ گاڑی اسی مقام پر کھڑی رہ جاتی ہے۔ اسے آگے چلانے والا کوئی نہیں رہ جاتا اور یوں زندگی کا سفر رُک کے رہ جاتا ہے۔

مرزا ریاض

معروف مصنف ول ڈوراں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "داستان فلسفہ" میں لکھا ہے کہ نفسیات اس دنیا میں آخری علم کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا اور نفسیات کے لئے آخری لائحہ عمل مسئلہ ہو گا عورت ممتاز قنوطی جرمن فلسفی شوپنہار نے عورت کو ایک انتہائی قابل نفرت شے قرار دیا ہے، بدہیئت، بدنما، اور احمق وہ اسے Neccessary evil کی حیثیت دینے کے لئے بھی تیار نہیں بلکہ کہتا ہے۔ "LIFe is saper & smother without THEM" اسی طرح نطشے عورت کو مرد کے لئے نہایت خطرناک کھلونا سمجھتا ہے اور دماغی اعتبار سے اونٹ کی ذہنی سطح سے بلند ہونے کی اہلیت اس میں نہیں پاتا، حالانکہ وہ موسیقی کے بغیر زندگی کو ایک جرم اور رقص کے بغیر اسے ایک نامکمل شے قرار دیتا ہے اور اپنے مافوق الفطرت انسان کے لئے حسن و جمال کے شعور کو ایک لازمی صفت قرار دیتا ہے۔

ایک اور ہمارے دوست بڑے خوددار، عزت والے اور بڑے بارعب تھے۔ ہمیشہ ان کا ہاتھ ہم اوپر ہی دیکھتے رہے۔ قدرت نے بھی انھیں خوب نوازا تھا۔ خوبصورت بیوی، صحت مند اور حسین اولاد، بڑی سی کوٹھی۔ رتبہ مرتبہ، انگریز کے زمانے کے افسر جبکہ کلرک کی بھی عزت ہوتی تھی۔ گھر پہ اردلی حاضر رہتا جو بچوں کو اسکول کار میں لے جایا کرتا، بیگم صاحبہ کو شاپنگ کراتا۔ سستا زمانہ تھا۔ گھر کے کام کے لئے نوکر اور خادمہ الگ تھیں۔ چہل پہل گھر میں رہتی۔ عزیز رشتے دار دوست حضرات کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا، خاطر مدارات سب کی ہوتی۔ ہمارے دوست کا گھر اور باہر دونوں جگہ بڑا رعب تھا۔

خوشی جیسا کہ مثل مشہور ہے چند روزہ بلکہ میں تو کہوں گا چند ساعتوں کی ہوتی ہے۔ کیونکہ زندگی خود ہی چند روزہ ہے۔ ان کی زندگی نے بھی خوشی کے سفر کی حد پار کرلی تھی۔ اور وہ اب نہ ختم ہونے والے غم کی سرحد میں داخل ہوچکی تھی۔ آسمان ان کی مسرتوں کو اب اور زیادہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ ان کی بیگم ڈاکٹر کو ایک دن دکھانے گئیں۔ وہاں انکشاف ہوا کہ وہ تو کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ برف کی طرح گھل گھل کر خاک میں پنہاں ہوگئیں۔ ان کا ہنستا بستا گھر ایک اُجاڑ کھنڈر میں بدل گیا۔ ایسے لگتا تھا جیسے ان کے گھر کے ستون گر گئے ہوں اور وہ دھڑام سے زمین پہ آرہا ہو۔ جس گھر میں ہنسی خوشی کے فوارے اُچھلتے تھے۔ اس گھر میں اب قبرستان جیسی اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ ہمارے دوست دفتر جاتے تو گھر پر بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا، گھر رہتے تو دفتر کا نقصان ہوتا۔ آخر کار انھوں نے بہت پہلے ریٹائرمنٹ لینے کا فیصلہ کرلیا اور گھر بیٹھ رہے مگر اولاد کو نہ سنبھال سکے وہ آوارہ ہوگئی۔ پنشن میں گزارہ مشکل ہوگیا۔ جن لوگوں کو وہ دیا کرتے تھے۔ ان سے اب لینے کی توقع رکھتے۔ ان کا رتبہ، ان کا رعب، رکھ رکھاؤ، شان سب کچھ ہی تو حرفِ غلط کی طرح آناً فاناً مٹ گیا تھا۔ اب انھیں محسوس ہوتا تھا کہ ان کی بیوی نے انا، افتخار اور ان کی شخصیت کو کتنا سہارا دیا ہوا تھا۔ رشتے دار اب ان کے منہ پر بدتمیزی کرتے جو ان کے سامنے ان کی بیوی کی زندگی میں ہوئے ڈرتے تھے۔ کبھی سامنا ہوجاتا تو اپنی نگاہ نیچی رکھتے۔ اب وہ آنکھیں ملا کر اونچی آواز میں بات کرتے ان کی معقول بات کو بھی لغو قرار دیتے انھیں اکثر کہتے سنا گیا کاش وہ مرجاتے مگر ان کی بیگم زندہ رہتیں

ظ سے وہ کسی سہارے کی محتاج نہیں ہوتی۔ بلکہ محتاجوں کو سہارا دیتی ہے۔ چنانچہ گھر کے صدود سے دائرے
نکل کر معاشرے اور پھر قوم اور پھر دنیا تک اگر دیکھا جائے تو اس کے بھرپور مثبت کردار کو تسلیم کرنا پڑتا
ہے۔ بچے کی تربیت، شوہر کے دکھ سکھ کی شریک بوڑھے والدین کی خدمت گزار، بھائیوں کی ہمدرد معاون اور
دگی میں اس کی Narticipation کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔

اسلام نے عورت کو کمزور اور بے سہارا نہیں سمجھا۔ اسی لئے اسلام نے اسے حقوق دیے ہیں، رعایات نہیں
یں کہ رعایات صرف بے سہارا لوگوں کو دی جاتی ہیں اور اسلام میں عورت کا کردار ہمیشہ مثبت اور فاعل رہا ہے
یہاں تک کہ وہ جنگ کے میدانوں میں بھی مردوں کو سہارا دیتی رہی ہے۔ چنانچہ آج تک وہ یہ کردار بہ خلوص
سے ادا کر رہی ہے۔ زمانۂ امن میں ہسپتالوں میں جنگ کے میدانوں میں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اگرچہ پیدائشی طور پر مرد اور عورت تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں، مگر ایک کو اس معاشی
تنگ نظری اور تعصب کی بنا پر کمزور اور بے سہارا بنا دیا جاتا ہے اور دوسرے کو شہسوار۔ جہاں تک فطرت
اور مزاج کا تعلق ہے، عورت کی برتری اور فوقیت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اس میں محبت، دردمندی میں
بے غرضی، مروت، پاسداری، اور اپنائیت کی صفات پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے شاید اس کی زبان سے نکلا ہوا
ہمدردی اور تسلی کا ایک لفظ بھی مسیحائی کرتا ہے اور مرد میں مصائب زمانہ اور گردشِ دوراں کی پریشانیوں
کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

کی ذات ہشت پہلو اور نہ در رمزور ہوتی ہے، پیچیدہ اور متنافی نہیں، وہ زندگی کی طرح وسیع
وہ ہے گوناگوں صفات کی حامل، مگر ان سے بے خبر ہے یہ بے خبری معاشرے کے اس گروہ کی
دمحرومیوں کا شکار اور احساس کمتری کے کہنہ مریض ہے۔ ہم نے خود نے مست کہہ
یہ احساس اگرچہ عارضی ہے، مگر ان لوگوں نے اسے [illegible]
تے ہیں۔ مگر [illegible]
[illegible]

مولانا مودودیؒ — اپنے بیٹوں کی نظر میں

احمد فاروق مودودی

● اباجان نہایت ہی وسیع النظر تھے۔ دو مرتبہ یہاں سے امریکہ گئے اور دونوں مرتبہ وہ سفر کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ پہلی مرتبہ جب میں ان کو لے کے گیا تو یہ سن چوہتر کا واقعہ ہے۔ اپریل ۷۴ء میں میں ان کو لے کے گیا۔ اس مرتبہ ہم ۲۶ مئی ۷۹ء کو یہاں سے روانہ ہوئے۔ پہلی مرتبہ بھی یہ کیفیت تھی کہ وہ کوئی ذہنی کام نہیں کر سکتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا ان کا کام سب بند تھا۔ ذہنی کام نہیں کر سکتے تھے اعصابی عارضے سے یہ کام نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں آ کے میں نے ان کی کیفیت دیکھی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کو اس ماحول سے نکال کے لے جانا ضروری ہے علاج کے لیے۔ یہاں رہ کے علاج نہیں ہو سکتا تو اس وقت میں نے ان کو تیار کیا جانے کے لئے۔ اس زمانے میں ذہنی کام کے وہ قابل نہیں تھے۔ نیند نہیں آتی تھی۔ ختم ہو گئی تھی۔ حافظہ ان کا خراب ہو گیا تھا۔ یہ تمام تکالیف جو تھیں۔ وہاں پر مہینہ دو مہینہ قیام کے بعد علاج میں کچھ ردو بدل سے اس میں کافی امپروومنٹ ہوئی اور وہاں پہ ہی انھوں نے لکھنے پڑھنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ اگست ۷۴ء میں واپس آ کے اور انھوں نے سیرت کے اوپر کتاب جو تھی اس پہ کام پورے زور و شور سے شروع کر دیا۔

اس مرتبہ ان کو لے جانے کے لئے یہی چیز خیال میں تھی کہ پچھلے ڈیڑھ سال سے سیرت پہ کام بند تھا۔ میری یہ خواہش تھی کہ کوئی ذہنی سکون ملے گا۔ یہاں کے ماحول کی گھٹن سے وہ نکلیں گے۔ یہاں کے روز مرہ کے آنے والے پرابلم جو ہوتے ہیں ان سے اگر ان کو نکال کے لے جایا گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ سیرت کے اوپر کام کرنے کے قابل ہو جائیں۔

میں اس آزادی کا خواہش مند نہیں ہوں جو مغربی ممالک میں ہے اور جس نے واقعی عورت کو ایک خطرناک چیز بنا دیا ہے۔ جہاں عورت محض گوشت کا ایک متناسب ٹکڑا ہے۔ عفت وعصمت اور حیا سے عاری، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ عورت قوم کے لئے ایک مثبت کردار ادا کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ تاریخ کے اوراق ایسی عفت مآب خواتین سے پُر ہیں اور میں اس تاثر کو بھی تاریخی اور دیگر شواہد سے جھٹلانا چاہتا ہوں، کہ عورت معذور و مجبور رہے۔ وہ مردوں کے سہارے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتی، وہ لنگڑی لولی مخلوق ہے۔ وہ جسمانی طور پر ناتواں اور دماغی طور پر پست ہے۔

گھر کی چار دیواری سے لے کر کاروبارِ حیات کی سرحدوں تک عورت نے مثبت کردار ادا کیا ہے تاریخ انسانی کے اوراق اس امر کے شاہد ہیں کہ عورت سہارا دیتی ہے لیتی نہیں"★★★★★ ★

خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری یا منہدایجنسی لکھنا نہ

یکن صحیح معنوں میں مسلمان ہم آپ کا لٹریچر پڑھ کے ہوئے ہیں۔ تقریباً روزانہ چند نوجوان آ کے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں
س طرح کہ آپ سے ہمیں اسلام کی روشنی حاصل ہوئی۔

اباجان کی وہاں موجودگی میں، وہاں کوئی ایمان لایا یا نہیں کم از کم میرے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں اس لئے کہ میں
ہر محفل میں موجود نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے ان کی موجودگی کے متعلق کوشش یہ کی زیادہ پھیلنے نہ دیا جائے تاکہ زیادہ سے
یادہ انہیں سکون ملے۔ اور آرام کر سکیں۔ بلکہ میں نے کوشش یہی کی کہ لوگ نہ آئیں۔ بہت سے لوگوں کو پھر شکایت
پیدا ہوئی کہ مولانا اتنے عرصے سے یہاں ہیں۔ آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔ میرا جواب یہ ہوتا کہ وہ یہاں علاج اور آرام کی غرض
سے آئے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ اباجان وہاں کے معاشرے کو بخوبی سمجھتے تھے۔ عام طور پر جو آدمی یہاں سے جاتا اسے سطحی چیزیں
نظر آتیں کہ سڑکیں صاف ستھری ہیں۔ لوگ بس میں گھسنے کے لئے دھکم پیل نہیں کرتے، لائن بنا لیتے ہیں زندگی میں باقاعدگی
ہے عام آدمی کو یہ سطحی چیزیں خاصی متاثر کرتی ہیں۔ جبکہ اباجان کی نظر زیادہ گہرائی تک جاتی تھی۔ وہ ان کے معاشرے کی
ان خرابیوں کو بخوبی دیکھ سکتے تھے جو ان کے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔

ان کے اندر وہ کیفیت کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ وہاں کے معاشرے سے کسی حد تک متاثر ہوں یا مرعوب ہوئے
ہوں۔ ان کی نظر کافی گہری تھی۔ کہ ان کے اندر کیا معاشرتی خرابیاں ہیں کس طرح مادی طور پر تو انھوں نے اپنے آپ کو ترقی دی
ہے لیکن روحانی طور پر، اخلاقی طور پر اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے اور ترقی کا جو اباجان کا تصور تھا وہ یہ تھا کہ مادی، روحانی اور
اخلاقی، ہر قسم کی ترقی میں ہم آہنگی ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ مادی طور پر تو انسان بہت ترقی کر لے اور روحانی طور
پر بالکل دیوالیہ ہو جائے۔ یا وہ ہندو سادھوؤں کی طرح مادی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دے اور خالی روحانیت ہی روحانیت
دے بیٹھے اس پر وہ تنقید کرتے تھے کہ یہاں پر مادی ترقی تو ہوئی ہے، اخلاقی یا روحانی ترقی جو ہے وہ بالکل نہیں ہوئی
.. اس سلسلے میں وہاں کے فلسفیوں اور علوم معاشرت پر نظر رکھنے والوں کے کام پر اباجان کی کافی نظر تھی۔
ست کے سلسلے میں میں نے جب انھیں کوئی بات کہی۔ وہ اس پر عمل کرتے تھے۔ مثلاً ایک روز میں نے کہا کہ آپ کچھ

امریکہ میں پچھلے قیام کے دوران میں بھی اور اس قیام کے دوران بھی ان کے پاس ملاقاتیوں کا سلسلہ جو تھا وہ پورے زور و شور سے جاری تھا۔ اکثر سو، سوا ڈیڑھ، ڈیڑھ سو میل دور شہروں سے لوگ ان کے پاس آتے تھے جس طرح یہاں یہ ان کی کیفیت ہوتی تھی کہ عصر سے مغرب تک بیٹھا کرتے تھے۔ اور لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتے تھے اس طرح وہاں یہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لوگ آس پاس کے شہروں سے، مختلف شہروں سے، دور دور سے آتے تھے۔ کافی تعداد میں بعض اوقات لوگ آجاتے تھے اور عصر سے مغرب تک ان کا ملاقاتوں کا سلسلہ رہتا تھا۔ لوگ ہر قسم کے سوال پوچھتے تھے۔ اس مرتبہ بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ رمضان سے پہلے تو کافی زور و شور سے جاری رہا۔ رمضان کے بعد اس میں کچھ کمی آگئی، کیونکہ آس پاس کے شہروں کے لوگوں کو آنے میں مشکل ہوتی تھی۔

ملاقاتیوں میں عام لوگ بھی ہوتے تھے۔ جماعت کے لوگ بھی ہوتے تھے۔ زیادہ تر سوالات وہاں کے مسائل کے متعلق پوچھے جاتے۔ مثلاً نمازوں کے اوقات کے بارے میں اور سود کے بارے میں، بچوں کی تعلیم کے بارے میں اور وہاں کی [illegible] کے بارے میں۔

ملاقاتیوں میں وہاں کے لوگ بھی ہوتے تھے۔ نومسلم بھی، غیر مسلم بھی، جماعت اسلامی کے مخالفین بھی ہوتے تھے وہ لوگ بھی سوالات پوچھتے تھے، کالے مسلمان جو ہیں کافی تعداد میں آتے تھے۔

ہسپتال کے دوران ہم نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ ان کا کیا درجہ ہے، یہ کون ہیں۔ عام آدمی کی حیثیت سے وہاں داخل ہوئے۔ کسی کو پتہ نہیں تھا لیکن وہاں ہسپتال کے ڈاکٹر جو تھے جن سے ابا جان کا واسطہ پڑتا تھا وہ ان سے بے انتہا متاثر تھے اور وہ لوگ پوچھتے کہ یہ کون ہیں۔ ہم نے ان جیسا آدمی پہلے نہیں دیکھا۔ ان کے اندر بڑی زبردست روحانیت ہے۔ ان کے پاس بیٹھ کے ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ اس طرح کی باتیں وہاں عام لوگوں نے کیں، حالانکہ انھیں کچھ نہیں پتہ تھا کہ یہ کون ہیں۔

امریکہ میں کافی لوگ ایسے بھی آتے رہے جو مولانا کا لٹریچر پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں کالے بھی تھے [illegible]

ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ اس قدر زور پکڑ جائے گی۔

میرا ہمیشہ سے اپنے والد کے بارے میں یہ تاثر رہا ہے اور اب بھی رہی ہے کہ ہماری قوم جو ہے وہ بنیادی طور پر مردہ پرست قوم ہے۔ محسن کش قوم ہے۔ اس قوم نے ان کی قدر نہیں کی۔ اس کے مقابلے میں آپ ایران میں دیکھیں کہ امام خمینی نے چالیس سال کے اندر جو تحریک اٹھا کے کھڑی کی۔ اس نے کس قدر ناسازگار حالات کے اندر حالات کا رخ موڑ کے رکھ دیا کہ پوری امریکہ کی طاقت اس کے خلاف تھی۔ ایران کے اندر یہودی اس طرح سے رچے بسے تھے کہ وہ ایران کو اپنے گھر کا آنگن سمجھتے تھے۔ اپنے ملک کا جزو سمجھتے تھے اور بے انتہا یہودی ایران کے اندر گھسے ہوئے تھے۔ اس طرح ہمارے ہاں بعض اقلیتوں کے مسائل ہیں۔ قادیانیوں کے مسائل ہیں اسی طرح ان کے ہاں بہائیوں کا وہی رول تھا۔ اس طرح انھوں نے حکومت کے اندر، فوج میں، پولیس میں، کنٹرول کر رکھا تھا۔ اور عام جو وہاں کے شیعہ مسلمان تھے، ان کو مفلوج کر رکھا تھا۔ بہائیوں نے، یہودیوں نے، تیسرا گروہ عیسائی آرمینیوں کا تھا۔ پاکستان میں اس کے مقابلے اگر آپ دیکھیں، کوئی حکومت بھی اتنی خونخوار نہیں رہی ہے جتنی کہ شاہ ایران کی حکومت تھی اور کسی تحریک کو اتنی سختیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا اتنی قربانیاں نہیں دینا پڑی ہیں جتنی کہ شاہ ایران کا مقابلہ کرنے کے لئے خمینی کے حامیوں کو برداشت کرنی پڑی لیکن آپ دیکھیں گے کہ چند سالوں کے اندر خمینی نے اتنی زبردست تحریک اٹھا کے کھڑی کر دی۔ آپ کو یہ نظر آئے گا کہ وہاں یہ ایک قوم تھی جس کے اندر جان تھی اور جب انھوں نے ایک مقصد کو سمجھ لیا تو وہ جان و دل سے اس کے پیچھے لگ گئے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے وہاں یہ ہے کہ آپ ایک آدمی کو ایک مقصد سمجھا بھی دیں۔ اس کے بعد بھی اس کی کچھ مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں۔ اس کے کچھ وقتی مفادات آڑے آجاتے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس تحریک نے جو ابا جان نے شروع کی، دوسرے ممالک میں اس کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ پاکستان میں جہاں کے اس تحریک کے اثرات زیادہ سے زیادہ ہونے چاہئیں وہاں پہ تحریک نے اپنا حق ادا نہیں کیا۔

اس چیز کے اوپر ابا جان سے بات ہوئی تو ان کا کہنا یہ تھا کہ ایران کے سارے کے سارے عوام خمینی کی لیڈرشپ پر متحد ہو گئے۔ یہاں پر ہمارے مذہبی عناصر نے اس حد تک بھانت بھانت کی بولیاں بولی ہیں کہ عام آدمی کنفیوز ہو کے

وقت ٹہلنے میں صرف کریں۔ تاکہ آپ کے اعضاء بگڑ رہیں۔ تو اسے انھوں نے بخوشی قبول کیا۔

جیلو میں بعض اوقات نشستیں ہلکا پھلکا انداز بھی اختیار کر جاتی تھیں اور بعض اوقات وہ خاصے سنجیدہ سوالات کا انتہائی لائٹ جواب بھی دیتے تھے۔ ایک چیز جو میرے ذہن میں آرہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک صاحب سود کے جواز کے بارے میں کچھ کہلوانا چاہتے تھے کہ جس سود سے اسلام نے منع کیا ہے وہ انسان کی کھال کھنچوانے والا سود ہوتا ہے یہ جو بنکوں کا سود ہے اس سے منع نہیں کیا گیا۔ وہ صاحب بار بار اس چیز کو مختلف رنگوں میں پوچھ رہے تھے۔ سود کی ایک قسم کو ان صاحب نے ظالمانہ سود اور دوسری کو منصفانہ سود کا نام دیا۔ اباجان نے بار بار ان کو مختلف انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔ آخر انھوں نے کہا کہ اچھا میں آپ کو مثال دے کے سمجھاتا ہوں۔ فرق دونوں میں صرف اتنا ہے کہ ایک زنا بالجبر ہے اور ایک زنا بالرضا ہے۔

یہ اباجان کی خوبی تھی کہ جن حالات میں ایک عام آدمی غصے میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں بھی وہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ کسی کے خلاف دل میں کینہ نہیں رکھا۔ وہ لوگ جو انھیں سنگین سزائیں دینے یا بلاوجہ جیلوں میں رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ وہ لوگ بھی جب بعد میں ملنے گئے تو وہ ان سے پوری خندہ پیشانی کے ساتھ، فراخدلی کے ساتھ ملے ہیں۔ گلے ملے ہیں۔ کبھی انھوں نے باتوں میں بھی جتانے کی کوشش نہیں کی کہ آپ نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا۔ بعض لوگ جو اس نیت سے آتے تھے کہ چبھتے ہوئے سوال پوچھیں وہ بھی متاثر ہو کے جاتے تھے کیونکہ وہ کسی بھی سوال پر غصے میں نہیں آتے تھے اصبات دلیل کے ساتھ کرتے تھے۔

انھیں تحقیقی کام کی وہاں بھی خاصی فکر تھی۔ ان کے پاس کتابوں کی ایک طویل فہرست تھی جو وہ پڑھنا چاہتے تھے وہاں کے مستشرقین نے حضورؐ کے بارے میں مناسب یا نامناسب باتیں لکھی ہیں۔ اباجان چاہتے تھے کہ اس کے متعلق ان کے پاس مکمل انفارمیشن ہو۔ انھوں نے تمام کتابیں منگوا کے پڑھنا شروع کر دی تھیں اور اپنے نوٹس بنانے شروع کر دیئے تھے۔ بیماری سے قبل ان کا یہ حال تھا کہ انھوں نے دن میں دس دس گھنٹے، بارہ بارہ گھنٹے کام کیا ہسپتال میں جب داخل ہوئے ہیں تو ان کو کافی کمزوری ہو گئی تھی۔ ہسپتال میں جا کر پڑھنے لکھنے کا کام معطل ہو گیا تھا اگرچہ یہ تکلیف ان کے جسم میں پہلے تھی لیکن

میں خیال بھی نہ تھا کہ اس قدر زور پکڑ جائے گی۔

میرا ہمیشہ سے اپنے والد کے بارے میں یہ تاثر رہا ہے اور اب بھی وہی ہے کہ ہماری قوم جو ہے وہ بنیادی طور پر مردہ پرست قوم ہے۔ محسن کش قوم ہے۔ اس قوم نے ان کی قدر نہیں کی۔ اس کے مقابلے میں آپ ایران میں دیکھیں کہ علامہ خمینی نے چالیس سال کے اندر جو تحریک اٹھا کے کھڑی کی۔ اس نے کس قدر ناسازگار حالات کے اندر حالات کا رخ موڑ کے رکھ دیا کہ پوری امریکہ کی طاقت اس کے خلاف تھی۔ ایران کے اندر یہودی اس طرح سے رچے بسے تھے کہ وہ ایران کو اپنے گھر کا آنگن سمجھتے تھے۔ اپنے ملک کا جزو سمجھتے تھے اور بے انتہا یہودی ایران کے اندر گھسے ہوئے تھے۔ اس طرح ہمارے ہاں بعض اقلیتوں کے مسائل ہیں۔ قادیانیوں کے مسائل ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں بہائیوں کا وہی رول تھا۔ اس طرح انھوں نے حکومت کے اندر، فوج میں، پولیس میں، کنٹرول کر رکھا تھا۔ اور عام جو وہاں کے شیعہ مسلمان تھے، ان کو مغلوب کر رکھا تھا۔ بہائیوں نے، یہودیوں نے، تیسرا گروہ عیسائی آرمینیوں کا تھا۔ پاکستان میں اس کے مقابلے اگر آپ دیکھیں، کوئی حکومت بھی اتنی خونخوار نہیں رہی ہے جتنی کہ شاہ ایران کی حکومت تھی اور کسی تحریک کو اتنی سختیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا اتنی قربانیاں نہیں دینا پڑی ہیں جتنی کہ شاہ ایران کا مقابلہ کرنے کے لئے خمینی کے حامیوں کو برداشت کرنی پڑی لیکن آپ دیکھیں گے کہ چند سالوں کے اندر خمینی نے اتنی زبردست تحریک اٹھا کے کھڑی کر دی۔ آپ کو یہ نظر آئے گا کہ وہاں پہ ایک قوم تھی جس کے اندر جان تھی اور جب انھوں نے ایک مقصد کو سمجھ لیا تو وہ جان و دل سے اس کے پیچھے لگ گئے اس کے مقابلے میں ہمارے وہاں یہ ہے کہ آپ ایک آدمی کو ایک مقصد سمجھا بھی دیں۔ اس کے بعد بھی اس کی کچھ مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں۔ اس کے کچھ وقتی مفادات آڑے آجاتے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس تحریک نے جو ابا جان نے شروع کی، دوسرے ممالک میں اس کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ پاکستان میں جہاں کے اس تحریک کے اثرات زیادہ سے زیادہ ہونے چاہئیں وہاں پہ تحریک نے اپنا حق ادا نہیں کیا۔

اس چیز کے اوپر ابا جان سے بات ہوئی تو ان کا کہنا یہ تھا کہ ایران کے سارے کے سارے عوام خمینی کی لیڈر شپ پر متحد ہو گئے۔ یہاں پر ہمارے مذہبی عناصر نے اس حد تک بھانت بھانت کی بولیاں بولی ہیں کہ عام آدمی کنفیوز ہو کے

وقت ٹہلنے میں صرف کریں۔ تاکہ آپ کے اعضاء رگولر ہوں۔ تو اسے انھوں نے بخوشی قبول کیا۔

بفیلو میں بعض اوقات نشستیں ہلکا پھلکا انداز بھی اختیار کرجاتی تھیں اور بعض اوقات وہ خاصے سنجیدہ سوالات کا انتہائی لائٹ جواب بھی دیتے تھے۔ ایک چیز جو میرے ذہن میں آرہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک صاحب سود کے جواز کے بارے میں کچھ کہلوانا چاہتے تھے کہ جس سود سے اسلام نے منع کیا ہے وہ انسان کی کھال کھنچوانے والا سود ہوتا ہے یہ جو بنکوں کا سود ہے اس سے منع نہیں کیا گیا۔ وہ صاحب بار بار اس چیز کو مختلف رنگوں میں پوچھ رہے تھے۔ سود کی ایک قسم کو ان صاحب نے ظالمانہ سود اور دوسری کو منصفانہ سود کا نام دیا۔ ابا جان نے بار بار ان کو مختلف انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔ آخر انھوں نے کہا کہ اچھا میں آپ کو مثال دے کے سمجھاتا ہوں۔ فرق دونوں میں صرف اتنا ہے کہ ایک زنا بالجبر ہے اور ایک زنا بالرضا ہے۔

یہ ابا جان کی خوبی تھی کہ جن حالات میں ایک عام آدمی غصے میں آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔ ان حالات میں بھی وہ تحمل اور بُردباری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ کسی کے خلاف دل میں کینہ نہیں رکھا۔ وہ لوگ جو انھیں سنگین سزائیں دینے یا بلاوجہ جیلوں میں رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ وہ لوگ بھی جب بعد میں ملنے گئے تو وہ ان سے پوری خندہ پیشانی کے ساتھ، فراخدلی کے ساتھ ملے ہیں۔ گلے ملے ہیں۔ کبھی انھوں نے باتوں میں بھی جتانے کی کوشش نہیں کی کہ آپ نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا۔ بعض لوگ جو اس نیت سے آتے تھے کہ چبھتے ہوئے سوال پوچھیں وہ بھی متاثر ہو کے جاتے تھے کیونکہ وہ کسی بھی سوال پر غصے میں نہیں آتے تھے اسباب دلیل کے ساتھ کرتے تھے۔

انھیں تحقیقی کام کی وہاں بھی خاصی فکر تھی۔ ان کے پاس کتابوں کی ایک طویل فہرست تھی جو وہ پڑھنا چاہتے تھے وہاں کے مستشرقین نے حضورؐ کے بارے میں مناسب یا نامناسب باتیں لکھی ہیں۔ ابا جان چاہتے تھے کہ اس کے متعلق ان کے پاس مکمل انفارمیشن ہو۔ انھوں نے تمام کتابیں منگوا کے پڑھنا شروع کردی تھیں اور اپنے نوٹس بنانے شروع کردیئے تھے۔ بیماری سے قبل ان کا یہ حال تھا کہ انھوں نے دن میں دس دس گھنٹے، بارہ بارہ گھنٹے کام کیا۔ ہسپتال میں جب داخل ہوئے ہیں تو ان کو کافی کمزوری ہوگئی تھی۔ ہسپتال میں جاکر پڑھنے لکھنے کا کام معطل ہوگیا تھا اگرچہ یہ تکلیف ان کے جسم میں پہلے تھی لیکن

بھٹو صاحب نے جب بھی ان سے مشورہ مانگا تو انھوں نے مخلصانہ مشورہ دیا۔ اس موومنٹ کے درمیان جب کہ حالات قابو سے باہر ہوتے جارہے تھے۔ بھٹو صاحب تین چار مرتبہ ان کے پاس آئے، تینوں، چاروں مرتبہ اباجان نے جو ان کے فائدے کی بات ہوسکتی ہے۔ ان سے کہی۔

بعد میں بھی بھٹو صاحب کے حامی آئے اور انھوں نے شکوہ کیا کہ آپ نے بھٹو صاحب کے لیے کسی قسم کی بددعا کی۔ یا کینہ رکھا۔ اباجان نے کہا کہ نہیں قطعاً نہیں، بلکہ مختلف مواقع پر جب بھٹو صاحب آئے تو میں نے ان سے وہی بات کی جس میں ان کی بھی خیرخواہی تھی۔ ملک کی بھی خیرخواہی تھی۔ قطعاً انھوں نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی کہ بھٹو صاحب کے لئے بددعا کی ہو، یا بھٹو صاحب کو کوئی غلط مشورہ دیا ہو اور یہی انھوں نے ایوب خاں کے ساتھ معاملہ کیا۔ بھٹو صاحب نے تو اباجان کے ساتھ اتنے ظلم نہیں کئے جتنے ایوب خاں نے کئے۔ ایوب خاں نے پوری اپنی مشینری جماعت کی مخالفت میں لگا رکھی تھی۔ اور جماعت کو بین کیا۔ پوری انفارمیشن منسٹری کا کام ایک زمانے میں یہ ہوگیا تھا کہ وہ جماعت کو بدنام کرے اس کے باوجود ۶۵ء کی لڑائی میں ایوب خاں نے اباجان کو بلوایا اس وقت بھی اباجان نے اپنی پوری خدمات جو تھیں۔ ملک کے لئے، قوم کے لئے ایوب خاں کے حوالے کردیں اور ریڈیو پر تقریریں کیں۔ اور جب ایوب خاں کے خلاف تحریک چلی۔ اور ایوب خاں نے اباجان سے مدد کی خواہش کی تو اباجان نے مخلصانہ مشورہ دیا کہ حالات سنبھالنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہوسکتا ہے آپ طاقت استعمال کرنے کی بجائے گفت وشنید کے ذریعہ حالات کو سنبھالنے کی کوشش کریں۔ طاقت سے حالات مزید بگڑ جائیں گے اور دل اتنے دور ہوجائیں گے کہ آپ حالات سنبھال نہیں سکیں گے۔ اس لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ گفت وشنید کے ذریعے حالات سنبھالنے کی کوشش کریں۔ اس وقت تک ایوب خاں حالات سے اتنے بددل ہوچکے تھے کہ انھوں نے اعلان کردیا تھا کہ وہ نہ تو الیکشن میں حصہ لیں گے اور نہ وہ آئندہ صدارت کے امیدوار بنیں گے۔ اباجان نے ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ بجائے یہ بات کہنے کے، آپ حالات کو سنبھالیں اور طاقت استعمال کرنے کے بجائے عوام اور عوام کے لیڈروں کو اعتماد میں لیں۔ اباجان نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ آپ کی اصل طاقت فوج اور پولیس میں نہیں ہے بلکہ آپ کی اصل طاقت یہ ہے کہ عوام کو اعتماد میں لینے کی کوشش کریں۔

رہ گیا ہے اور یہاں پر عوام کا نہیں، لیڈر شپ کا دیوالیہ پن ہے اور اب کسی ایک مقصد کی طرف، کسی ایک لگن کی طرف ان کو لگانا، وہ اس لئے ناممکن ہے کہ یہاں پارٹیوں کا نڈی دل ہے۔ اسی طرح لیڈر شپ کا بھی ٹڈی دل موجود ہے۔ ایسی لیڈر شپ کو قوم یا ملت کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ان کی دور بینی ناک سے آگے نہیں جاتی۔ قوم کے لانگ ٹرم مقاصد کے بارے میں اُن کی کوئی سوچ ہی نہیں اور عام آدمی کو اس لیڈر شپ نے اس حد تک کنفیوز کر دیا ہے کہ انھیں ایک مرکز پر اکٹھا کرنا آسان نہیں رہا، تو یہ ہماری قوم کی بدقسمتی ہے۔

میں پچھلے تیرہ برس سے ملک سے باہر ہوں، اس سے پانچ چھ سال پہلے میں کراچی میں تھا۔ اس دوران چھٹی پر کبھی گھر آ گیا، یا پھر ٹیلی فون پر ان سے بات ہو گئی یا خط و کتابت کر لی۔ اور جب میں یہاں تھا، تب بھی صورت حال یہ تھی کہ ابا جان تحریک کے کاموں میں اور تصنیف و تالیف میں اس حد تک منہمک تھے کہ ان کو ہم لوگوں کے ساتھ زیادہ وقت صرف کرنے کا موقع نہیں ملا۔ عام طور پر دوپہر کو کھانے کے وقت یا دوپہر کے وقت ہمارے ساتھ ان کا کچھ وقت صرف ہوتا تھا ایک باپ کی حیثیت سے، میرا خیال ہے ان سے مشفق یا مہربان شاید ہی کوئی آدمی ہو۔ انھوں نے ہر موقع پر اپنی اولاد کے ساتھ انتہائی مشفقانہ، منصفانہ سلوک کیا۔ تھوڑی دیر کی توجہ میں بھی وہ ایسی دل نشیں یا دل میں اُتر جانے والی بات سامنے لاتے تھے کہ وہ اپنے گہرے اثرات چھوڑ دیتی تھی۔

بھٹو صاحب کے لئے ابا جان نے ہمیشہ کلمۂ خیر کہا۔ بلکہ آخری وقت تک انھوں نے بھٹو صاحب کے لئے کلمۂ خیر کہا اور یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ انھیں راہِ راست پر لائے اور حالات کو بہتر بنائے تاکہ اس ملک کا اس قوم کا مزید نقصان نہ ہو انھوں نے بھٹو صاحب کے لئے کبھی کوئی بُرا کلمہ نہیں کہا۔ بد دعا تو رہی ایک طرف، ابا جان نے بھٹو صاحب کے لئے کبھی ناشائستہ کلمہ بھی نہیں کہا۔ بھٹو صاحب کا نام ہمیشہ انھوں نے احترام کے ساتھ لیا اور ہمیشہ ان کے لئے دعائے خیر کی۔ ابا جان کی حالت تو یہ تھی کہ جب ان کے پاس خبر آئی کہ ڈاکٹر نذیر کو شہید کر دیا گیا یا اس سے پہلے کالاباغ کے زمانے میں اللہ بخش کو شہید کر دیا گیا تو ان کا جواب ہمیشہ یہ تھا کہ ہم نے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ کبھی انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کی سزا دے۔

آپ نے پوچھا ہے کہ ہم بھائیوں اور جماعت کے لوگوں کے درمیان کبھی اختلافات بھی ہوئے۔ اس کا جواب یہ
ہے کہ برتن تو بجتے رہتے ہیں۔ یہ بات بتاؤں میں آپ کو کہ ایک عام آدمی بھی جب باپ ہوتا ہے تو بہت معزز ہوتا ہے
لیکن ہم کو اپنی والد کی شخصیت اتنی بھرپور اور اتنی شاندار نظر آتی تھی کہ ان کے بعض ساتھی واقعی ہماری نظر میں جچتے
نہیں تھے۔ یہ بھی بات بتا رہا ہوں۔ اس کی وجہ سے کچھ چیزیں تھوڑی سی وہ کریٹ ہو جاتی تھیں۔ باپ کے ساتھی تو اچھا
ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت معزز ہوتی ہے اس کے باوجود اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تھی تو کوئی جواز بھی ہونا چاہئے تھا۔ اس کے لئے
عقل کی نہیں آنکھوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس وقت چھوٹی عمر میں شائد عقل انسان کی ہوتی بھی کم تھی جس زمانے کی میں
بات کر رہا ہوں۔ یہ ایک چیز ہے۔ لیکن اس کا جواب بھی وہ بڑا اچھا دیا کرتے تھے۔

کہتے، بیٹا جس دور میں میں نے دین کی بات کی، اور جس زمانے میں میں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے واسطے
جدوجہد شروع کی تو اس زمانے میں پڑھا لکھا اور سمجھدار آدمی تو دین کی طرف آتا ہی نہیں تھا۔ دینی رجحانات اور دینی مدرسوں
کی طرف وہی لوگ میلان رکھتے تھے جو زندگی میں یا تو کسی AMBITION سے عاری ہوتے تھے یا ویسے ہی دھکا کھا جاتے
تھے۔ زندگی کی جدوجہد میں جس قسم کے لوگ مجھے ملے، میں نے ان سے کام چلا لیا۔ بہتر لوگ ہوتے میں دس سال پہلے انقلاب
لے آتا۔ لیکن میں اپنے ساتھیوں کی رفتار کو دیکھ کر اپنی رفتار متعین کرتا تھا۔ اگر میں اپنی رفتار پر اصرار کرتا تو میں یک و
تنہا ہوتا۔ آج اگر میرے ساتھ اتنے لوگ ہیں تو صرف اس لئے کہ میں ان کی رفتار دیکھ کر اپنی رفتار متعین کرتا رہا۔ دوسری
بات میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ اسی نقطے کے ساتھ انھوں نے ایک دفعہ یہ بھی کہا۔ کہنے لگے کہ جن لوگوں کو تم سمجھتے ہو کہ یہ
بیکار، فضول لوگ ہیں تو تم یہ دیکھو کہ انہی کے ساتھ میں نے دنیا بھر میں کتنا ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔ تم تو سمجھتے ہو کہ ان کے
ساتھ آدمی شائد چل ہی نہیں سکتا، ان کے ساتھ میں نے اپنی زندگی گذاری، ۴۴ سال گذر گئے، میرے بچپنے یعنی اس کی
ایک بیک گراؤنڈ دیکھیں، شکایت کی، اس کا جواب دیا، وہ کتنا مکمل تھا۔

ہم نے ایک چیز بڑی شدت سے محسوس کی کہ جذباتیت سے بالکل عاری، غصے اور نفرت کا معاملہ نہیں، شائبہ نہیں
کوئی اس کا تعلق نہیں، حتی الامکان بات ہوتی تھی، دلیل سے، منطق سے۔

محمد فاروق مودودی

بات یہ ہے کہ ہمارے والد کی زندگی میں چند چیزیں ایسی ہیں جنہیں انسان اگر تصور کرے تو یقین نہیں آتا کہ ایسا ہو سکتا ہے اس میں پہلی چیز یہ کہ پوری زندگی میں خاص طور پر بچپن کا پورا دور، اس میں ان کا کوئی دوست نہیں تھا اور پوری زندگی تقریباً ان کی دوستوں سے خالی تھی۔ ایک چاہنے والے اور جانثار، نام پر، آواز پر کٹ مرنے والے لوگ بالکل دوسرے ہوتے ہیں۔ دوست کا معاملہ بالکل جدا ہوتا ہے اس لحاظ سے ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔

اس کے بعد یہ کہ ایک مستقل مزاجی کا جو پہلو ان کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ تقریباً اٹھارہ بیس سال کی عمر میں زندگی کا نقشہ بنایا اور ساری زندگی اس نقشے پر گذاری۔ لوگوں نے ان سے پوچھا بالکل ابتدائی دور میں کہ اس طرح کے عزائم اور اسی قسم کی باتوں کے ساتھ ابوالکلام آزاد بھی آگے بڑھے تھے وہ اس کا جواب بڑا دلچسپ دیا کرتے تھے۔ "ابوالکلام آزاد تو معالج تھے، جب دیکھا کہ مریض میں شفا پانے کے امکانات کم ہیں تو اٹھ کے چلے گئے۔ میں تو تیماردار ہوں۔ اُٹھ کے نہیں جا سکتا" وہ ہمیں کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے تمہاری تربیت کرنے کی مہلت ملتی تو میں تمہیں دنیا کی مثالی اولاد بناتا۔ مجھے چونکہ تربیت کرنے کی مہلت نہیں ملی۔ میں سارا وقت اپنے دوسرے کاموں میں صرف کرتا رہا۔ اس لئے میں تم سے باز پرس کا بھی کوئی حق نہیں رکھتا۔ میں اپنا جو وقت ہے وہ دین کے کاموں کے لئے اور خدا کے دین کی سربلندی کے واسطے صرف کرتا ہوں۔ اس لئے تمہاری تربیت میں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اور خدا سے امید رکھتا ہوں وہ تمہیں اپنے دین کا خادم بننے کی توفیق عطا کرے۔ باقی جو جمہوریت انھوں نے اپنے گھر میں قائم کی۔ وہ ہمیں اس دنیا میں دیکھنی نصیب نہیں ہوئی۔ جو چاہیں کریں۔ جس طرح چاہیں کریں۔ ہر چیز میں ہم بالکل آزاد ہیں۔ بیٹھ کے بات ضرور ہوتی تھی لیکن ہماری آزادی کار، آزادی فکر اور آزادئ عمل میں کبھی کوئی ان کی طرف سے رکاوٹ نہیں ہوئی۔ بہت بڑی بات ہے یہ، پوری دنیا کی نظریں اور پوری دنیا کی زبانیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ پتہ نہیں، کس کس قسم کی تنقید انھیں سننی پڑتی تھی۔ کیا کیا بکواس انھیں سننے اور برداشت کرنی پڑتی تھی۔ لیکن انھوں نے کبھی ہمیں اس کا احساس نہیں ہونے دیا۔ خود ہی برداشت کیا۔

رتے چلے گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ انھیں کسی اور پر نہیں، خدا کی ذات کے بعد اپنی ذات پر بھروسہ تھا۔ اعتماد بہت تھا۔ انھوں نے زندگی بھر اتنی شدید محنت کی اور خدا نے شائد انھیں اعصاب بھی ایسے دئیے تھے کہ ایسی محنت آپ عام آدمی سے تصور نہیں کر سکتے۔ آپ کو صحیح عرض کروں۔ عشاء کی نماز کے بعد کام کرنے بیٹھتے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد وہ سوتے تھے ساڑھے آٹھ بجے وہ ناشتہ کر رہے ہوتے تھے۔ نو بجے پھر وہ دفتر میں ہوتے تھے۔ دوپہر کو ظہر کی نماز کے بعد کھانا کھا کر عصر کی نماز تک سوتے تھے۔ اکثر دوپہر کی نیند بھی کسی ہنگامی ضرورت کی وجہ سے موقوف کر دی جاتی تھی۔

پھر جماعت کی جو تنظیم ہے آپ سمجھتے ہیں کہ اس پر تھوڑا وقت، تھوڑی صلاحیتیں اور تھوڑے اعصاب خرچ ہوئے ہیں۔ مجھے یہ بتائیں کہ ایک عام آدمی کو متاثر کرنے میں کتنا وقت لگتا ہے جو ہماری ڈے ٹو ڈے لائف میں ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں تو کام کرنے والے اور کٹ مرنے والے ہزارہا آدمیوں کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور ان کو ہر قسم کی قربانی کے لئے ذہناً تیار کر کے ساتھ لے کر چلے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ محض مشیت ایزدی ہے کہ ۱۹۶۸ میں جس وقت اس ملک میں صحیح معنوں میں میدانِ کارزار بنا اور اس کے اندر سے بھٹو صاحب نے سر نکالا اور سوشلزم کا ڈُم چھلا لگایا۔ اور اس معاشرے کو کلاس وار کی جہنم میں دھکیلا۔ اس وقت مولانا مودودی میدان سے خرابیٔ صحت کی وجہ سے قدرت کے حکم پر پیچھے ہٹے۔

میں اس کو سوائے قدرت کے حکم کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ان کے جسم میں اگر صرف کھڑے ہونے کی صلاحیت ہوتی تب بھی وہ اس وقت خود فرنٹ سے پیچھے نہ ہٹتے۔ اگر وہ صرف ٹرین میں بیٹھ کر دروازے پر آ سکتے تو بھی بہت غنیمت ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا جسم پورے کا پورا اس زمانے میں، ان کے جوڑ پورے کے پورے فریز ہو گئے تھے۔ اگر وہ صرف ٹرین میں بیٹھ کر پورے پاکستان کا دورہ کر سکتے، دروازے پر کھڑے ہو سکتے، ہر سٹیشن پر۔ تو بڑا کام ہو سکتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو صاحب وقت کی یعنی پیداوار کا شاہکار ہے۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور اپنی تمام تر قوت کار کے باوجود میں یہ کہتا ہوں کہ وہ وقت کی پیداوار تھے۔ اس کو قدرت نے ایسے حالات دے دئیے۔ مطلب یہ ہے کہ جو آدمی معاشرے میں ایک عذاب سے نجات دلا سکتا ہو، وہ آدمی اس میدان سے پیچھے ہٹا دیا گیا۔ قدرت کو یہی منظور تھا

ان کی زندگی میں سب سے زیادہ یہ چیز ہم نے محسوس کی، ایک باقاعدگی، دوسرے دلیل اور تیسرے مچی تلی رائے
اور جچا تُلا اس کا انداز۔ تو ان چیزوں کی وجہ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کہنا کہ ان کو فلاں صاحب بہت محبوب تھے۔ یا
فلاں صاحب کو وہ بہت پسند کرتے تھے۔ یا فلاں صاحب ان کو بہت بُرے لگتے تھے تو صاحب رَدّ ل آؤٹ کردیں۔ ان
چیزوں کو ایک عام چھوٹے ذہن کے اوپر تو اثر ہو سکتا ہے، ان کے ذہن پر ہم نے نہیں دیکھا۔ بلکہ عجیب بات یہ ہے
کہ ہم سمجھتے تھے کہ جن لوگوں سے اباجان کو بہت محبت ہوتی تھی۔ رفقا میں۔ ساری زندگی پہ ایک نظر ڈال کے کہیں
کچھ ایسے فقرے ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے، کچھ بھی نہیں تھا۔ ویسے ہر آدمی کی عزت وہ اس طرح کرتے تھے اور
ہر آدمی کو اپنائیت کا اس طرح تاثر دیتے تھے کہ کچھ لوگ از خود ان کے منہ چڑھے بن گئے تھے۔ حالانکہ معاملہ کچھ بھی
نہیں تھا۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے ایک صاحب جن کا نام نہیں لینا چاہوں گا۔ انھوں نے مجھے ایک ترجمان القرآن
کی کاپی دی۔ پروف ریڈنگ کے واسطے۔ ذرا اس کو پڑھ لو۔ ان کا اپنا ایک مضمون لکھا ہوا تھا بہت طویل، اچھے
پڑھے لکھے، لکھنے والے آدمی سمجھے جاتے ہیں۔ تو جب میں اس کی پروف ریڈنگ کر رہا تھا تو اس دوران میں میں نے
محسوس کیا کہ اس کے اندر تو اردو کی تین چار غلطیاں ہیں جن کا کتابت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ زبان کی غلطیاں تعبیر
ویسے ہی کھانے پر میں نے کہا۔ امریکہ جانے سے کوئی تین مہینے پہلے۔ میں نے کہا۔ اباجان، ان کا میں نے مضمون دیکھا
وہ تو اردو ہی غلط تھی۔ کہنے لگے، تم کو کس نے کہہ دیا کہ ان کو اردو لکھنی آتی ہے۔ بڑی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ ایک اور
صاحب ان سے بھی بڑے اور بہت ہی بڑے، وہ تو شائد سب سے بڑے لکھنے والے، عالم فاضل کامل سمجھے جاتے ہیں
ان کے بارے میں بھی، اس قسم کی رائے ہمارے سامنے آئی یہ بہت پہلے کی بات ہے۔ بڑے بھائی عمر فاروق صاحب بتا
رہے تھے۔ یہ ۱۹۶۰ء کے بعد کی بات ہے۔ جب ترجمان القرآن میرے پاس آیا، تو ہم نے ترجمان القرآن کے لئے لکھنے والو
کی ایک فہرست بنائی، کہ ان سے قلمی تعاون حاصل کیا جائے۔ ان صاحب کا سب سے پہلے نام تھا، تو وہ لسٹ اباجان
کے سامنے رکھ دی کہ ان سے تعاون لیا جائے گا۔ سب سے پہلا جو نام انھوں نے کاٹا۔ وہ وہی نام تھا۔
میں کہتا ہوں کہ انھیں ہر چیز کا پورا پورا اندازہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود، وہ یہ کام انہی ساتھیوں کے سا

آدمی نے کبھی کوئی ایسی چیز نہیں سنی۔ اس سے بڑی بات آپ کو بتاتا ہوں کہ ایک بار ساری رات ہارٹ اٹیک ہوا کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا۔ حالانکہ والدہ ساتھ رہتی تھیں۔ نہیں بتایا۔ نہیں پتہ چلنے دیا۔ صرف یہ کہ ان کو چلتے دیکھ کر یا دوسری تیسری چیزوں سے آپ اندازہ کر سکتے تھے کہ ان کے اس وقت جسم میں طاقت کتنی ہے یا آواز۔ مطلب یہ ہے کہ، دو منٹ سے زیادہ ہم نے دیکھا کہ بات کرنے سے کتنا گھبراتے تھے، کیوں؟ جسم میں اتنی انرجی نہیں تھی کہ پانچ سات منٹ بات بھی کر سکتے، عینک میز سے اٹھا کر آنکھوں میں لگا رہے تھے کہ ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے گر کر ٹوٹ گئی۔ اتنی کمزوری تھی۔ کام لیٹ کے کرتے رہتے تھے۔ فارغ بیٹھنے کی تو پوری زندگی میں انھیں عادت ہی نہیں تھی۔ فارغ رہنا یہ انھوں نے سیکھا نہیں تھا۔

گھریلو معاملات میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ کوئی اہم بات ہوئی تو ایک منٹ کے لئے بیٹھے اور مشورہ کر لیا۔ یہ نہیں کہ گھنٹوں بیٹھے ایک بات پر بحث یا غور ہو رہا ہے۔ بالکل نہیں بڑی سے بڑی گھریلو بات پر بھی وہ آدھے منٹ سے زیادہ نہیں لیتے تھے۔

بات یہ ہے کہ ان کا معاملہ یہ تھا کہ اگر بجلی آف ہو جائے تو وہ بالکل اسی اعتماد سے جیسے کہ بجلی جل رہی ہو چل کے جائیں گے اور جو چیز انھوں نے اٹھانی ہے صرف وہی چیز وہاں سے اٹھا کے لے آئیں گے یعنی ہر چیز کو رکھنے کا ایک طریقہ تھا ایک جگہ تھی۔ اس جگہ کے علاوہ وہ چیز کہیں رکھیں گے نہیں۔ وہ جو ایک باقاعدگی تھی زندگی میں۔ اب ان کے غسل خانے میں ان کی دوائیاں بھی پڑی ہوتی تھیں تو اگر بجلی بند ہو گئی تب بھی دوائیاں ان کے ہاتھ میں ہوں گی۔ انھیں ٹارچ جلانے کی بھی ضرورت نہیں، ٹارچ ہوتی تھی ان کے پاس۔ باقی ہم لوگ کوئی چیز غلط جگہ پر رکھ دیا کرتے تھے تو اس پر وہ پروٹسٹ کیا کرتے تھے۔

ایک اور بات، ہمارے والد صاحب کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ ان کے پاس آئندہ کے کام اور روزمرہ کے کام جو تھے کہ وہ اپنی گذری ہوئی زندگی اور گذرے ہوئے واقعات کے بارے میں لب کشائی نہیں کرتے تھے۔

ہاں جس وقت ایسٹ پاکستان کا سانحہ عمل میں آیا ان کے اعصاب پر ان کی صحت پر بڑا شدید ردِعمل ہوا۔ بلکہ صحت ٹوٹی اس کے بعد ہی۔

اس کے باوجود اگر وہ اس زمانے میں دو ایک جگہ گئے ہیں تو بڑی مشکل سے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی کو اپنی بیماری کی شدت محسوس نہیں ہونے دیتے تھے۔ ابھی جب آخری بار علاج کے لئے جا رہے تھے اس سے پہلے بڑی شدید حالت کا دورہ تھا اور ۲۶ / ۲۴ گھنٹے مسلسل آ کے بیٹھتے رہے۔ ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم آئی تھی اور پھر دوسری ٹیم آجاتی تھی۔ جو لوگ کمرے سے آتے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو ہوتے تھے اور ابا جان کا گاؤ تکیہ نیچے لگا ہوتا تھا اور چہرے پر بڑی جاذب مسکراہٹ اور جتنے لوگ عیادت کے لئے آئے ہوتے تھے، ان کو تسلیاں وہ دے رہے ہوتے تھے یعنی عجیب منظر میں نے دیکھا امریکہ جانے سے پہلے یہ پوزیشن تھی کہ جو لوگ عیادت کو آتے تھے ان کو تسلیاں دیتے تھے۔ مذاق کرتے تھے۔ ہنساتے تھے۔ ایک صاحب فرمانے لگے مولانا کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بہت جلدی اچھے ہو جائیں گے، کہنے لگے میں کہہ رہا ہوں یعنی ان کو تسلیاں دینا اور اپنے چہرے سے محسوس نہیں ہونے دیتے تھے۔

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک خاص ڈیوٹی پر وہ آئے تھے۔ اپنی زندگی کا ہر لمحہ وہ ڈیوٹی پر کام کرتے رہے۔ اور ان کی ذات، ان کا جسم، ان کی ضروریات، ان کے ہاں ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جتنا بے نیاز ہم نے ساری زندگی ان کو دیکھا اپنی ذات سے، مثلاً درد گردہ انہیں بہت شدید ہوا کرتا تھا۔ پتھری تھی۔ شدید درد ہوتا تھا معمولات ان کے جاری رہتے تھے۔ ۵۰ء کے زمانے کی بات ہے کہ ایک دورے پر گئے ہوئے تھے کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ایکسیڈنٹ سے کوئی چیز پنڈلی میں لگ گئی۔ اس سے ایگزیما ڈویلپ ہو گیا۔ بڑی سخت تکلیف تھی، بہت شدید تکلیف تھی۔ ایک حکیم صاحب آئے۔ انھوں نے ٹانگ میں جونکیں لگا دیں انھوں نے بڑے آرام سے وہ جگہ تیار کی کہ یہاں لیٹ جائیں۔ ابا جان کتاب اٹھا کے آ گئے اور پڑھنی شروع کر دی۔ حکیم صاحب کام کرتے رہے یعنی وہ کسی صورت وقت ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

میں آپ کو ایک بڑی عجیب بات بتاؤں کہ پیر ان کے اس بیماری کے دور میں تقریباً سن تھے، گھٹنے، گردہ دل، دوسرے، تیسرے۔ اسے جسم میں بیماریاں ہی بیماریاں تھیں۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی بیماری تھی۔ اور بڑی شدید اس کے باوجود ہم نے ان کے منہ سے کبھی ہائے یا آہ یا چیخ کوئی چیز کبھی نہیں سنی۔ آپ سے میں صحیح کہہ رہا ہوں کہ ان کے منہ سے

یزی کی، کم از کم پولیس کی پانچ سات سو کی نفری تھی۔ صبح سات بجے تک بہت بدتمیزی کرتے رہے۔ ہم نے کوئی چھ مہینے
ُسنا کہ ان صاحب کو بلڈ کینسر قسم کی کوئی چیز ہو گئی تھی۔ بعد میں جب ان کا انتقال ہوا۔ ڈاکٹری کے زمانے میں ان کا
نقال ہو گیا تھا تو ان کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا تھا اتنا تعفن تھا ان کے جسم میں۔ اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کے وہ شخص
ا۔ اس وقت ہم نے دیکھا تھا کہ اس آدمی نے ابا جان سے بدتمیزی کی تھی۔ اور ابا جان نے جواب اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ ابا
ن چپکے سے چلے گئے تھے۔ اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ تو یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور بھی جس نے
ن کے ساتھ بدتمیزی کی ہے ان میں سے کسی کا بھی انجام بخیر ہوتے میں نے تو دیکھا نہیں۔ شائد ابا جان کو اپنے اس مقام کا
ندازہ تھا جس کی وجہ سے ان کے منہ سے ایسا کوئی لفظ نکلتا نہیں تھا۔ یہ میرا ان کے بارے میں ذاتی خیال ہے کہ ان
لے پاس یہ طاقت تھی اور بڑی مضبوط طاقت تھی لیکن اس کا انھوں نے کبھی اظہار یا شائبہ ہونے نہیں دیا۔

حسین فاروق مودودی

ابا جان کی ایوب خاں سے ۶۴ء میں ملاقات ہوئی تھی۔ ملک امیر محمد خاں بھی موجود تھے۔ بڑی معرکۃ الآرا گفتگو تھی۔ ایوب خاں صاحب کا ارشاد یہ تھا کہ مولانا آپ سیاست چھوڑ دیں، ملک کو، حکومت کو آپ کی بڑی ضرورت ہے۔ ابا جان نے اپنے بالوں پہ ہاتھ پھیر کے کہا تھا۔ یہ بال میرے ملکی سیاست کو دیکھتے اور عملی سیاست میں دلچسپی لیتے سفید ہوئے ہیں۔ آپ نے تو ساری زندگی فوج کی خدمت انجام دی، جمعہ جمعہ آٹھ دن آپ کو سیاست میں وارد ہوئے گزرے اور مجھے سیاست سے دستکش ہونے کا مشورہ دیتے ہیں معلوم نہیں آپ کہاں تک حق بجانب ہیں اس کے بعد ایوب خاں صاحب تھوڑا اسا ادھر ادھر اُدھر سے مکھن وکھن کا بندوبست کرتے رہے۔ جب دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو کہنے لگے، مولانا آپ کو اپنے رویے کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ ابا جان نے اس پہ جواب دیا تھا کہ لیاقت علی خاں مجھے اس رویے کی سزا دیتے ہوئے چل بسے۔ غلام محمد مجھے اس رویے کی سزا دیتے دنیا سے گزرے۔ سکندر مرزا صاحب کا

میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس لحاظ سے بہت ہی خوش نصیب ہیں کہ ہم نے معاشرے کو سیاست کو اس زاویے سے دیکھا، جس زاویے سے دیکھنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہوگا بہت ہی عجیب بات ہے اور سیاست کا وہ طرزِ عمل ہم نے دیکھا جو شاید منفرد ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ سیاست کی جو ٹریننگ ہماری ہوئی وہ عجیب و غریب ہے۔ والد صاحب کی پیشین گوئیاں سیاست کے بارے میں حیرت انگیز طور پر صحیح ثابت ہوتی رہیں ہمیشہ اور حالات، وہ بات دوسری ہے کہ وہ اس وقت قیادت سے ہٹے یعنی اسلام دوست اور اسلامی انقلاب برپا کرنے والی قوتوں کی قیادت سے اس وقت ہٹے، جس وقت ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اور جس وقت کی تیاری وہ ایک مدت سے کرتے چلے آرہے تھے۔ لیکن یہ ایک معاملہ ایسا ہے جسے مشیتِ ایزدی ہی کہا جاسکتا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا کا بڑا فضل ہے اس کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ان چیزوں کا نہ صرف یہ کہ مشاہدہ ہم نے اس زندگی کے دور میں کیا جس وقت ہم سوچ سمجھ سکتے تھے بلکہ اس کے بہت سارے نتائج بھی ہم نے دیکھ لئے۔ بات یہ ہے کہ اس کو بغیر کسی حیل و حجت اور بغیر کسی نفع و نقصان کے خیال سے آگے لے کے چلنا چاہیئے۔

انھیں اپنے منہ سے نکلنے والی ہر بات کا اندازہ تھا کہ اس کی اہمیت ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں بھی یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کے لئے کبھی کلمۂ خیر کے علاوہ کچھ نہیں کہتے تھے۔ انھیں اپنے روحانی مقام کا اندازہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی ان کے ساتھ زیادتی کی ہم نے اس کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک ڈی ایس پی صاحب تھے۔ جب ابا جان ۶۴ء میں جیل گئے۔ وہ ڈی ایس پی واقعی بدتمیز آدمی تھا۔ ایسا بدتمیز آدمی ہم نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ پہلے بھی بہت سے بدتمیز لوگوں سے واسطہ پڑا۔ وہ خاص بدتمیز تھا۔ بہت ہی بدہیئت قسم کا آدمی تھا۔ گوشت کا اسراف تھا اس کے جسم پر۔ اس ڈی ایس پی کی قیادت میں گرفتاری عمل میں آئی تھی جس کے بعد وہ سترہ مقدمے قائم ہوئے تھے۔ وہ آکے ابا جان کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سردیوں کی رات تھی۔ صبح کوئی چار بجے کا وقت تھا۔ میں نے احتجاج کیا کہ آپ اس کرسی سے ہٹ جائیں تو اس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تو مجھے خطرہ یہ تھا کہ وہ کوئی کاغذ ابا جان کی میز کی دراز میں نہ گھسا دیں جو بعد میں برآمد کرکے طوفان کھڑا کریں۔ میں نے پروٹسٹ کیا کہ اس کمرے میں آپ نہیں بیٹھیں گے۔ خاص طور پر یہ کرسی آپ چھوڑ دیں۔ انھوں نے

جب استعفیٰ دے دیں تو میں آپ کی زندگی بچانے کے لئے کوئی کوشش کر سکتا ہوں۔ ورنہ آپ کی زندگی بچانا مشکل ہو جائے گا۔ آپ اس وقت ایک ہی کام کر سکتے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں سے سب کچھ نکل چکا ہے۔ ابا جان نے اس وقت کہا تھا کہ آپ اصل میں سول وار کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے غنڈوں کو اسلحہ دے کر نظامِ مصطفیٰ کے جلسوں کو درہم برہم کرنے کی کوشش آپ نے کی جس کا انجام آپ نے دیکھ لیا۔ اب آپ کے پاس اور کوئی ہتھیار نہیں رہا۔ یہ آخری ہتھیار تھا اور یہ آخری تحفہ تھا جو آپ اس قوم کو دے سکتے تھے سول وار۔ اب تو آپ کے پاس ایک ہی رستہ رہ گیا ہے کہ آپ استعفیٰ دے دیں پھر آپ کی زندگی بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ ورنہ نہیں۔

بالکل صاف میں بتا رہا ہوں آپ کو۔ لیکن یہ ہے اس کرسی پہ بیٹھ کر انسان کی آنکھیں شاید بند ہو جاتی ہیں۔ اور ماری جاتی ہے۔ وہ آخر وقت تک یہی سمجھتے رہے کہ کرسی بہت مضبوط ہے۔ حالانکہ ان کی کرسی کے اندر جو سوراخ تھے اس کے اندر سے وہ پورے کے پورے نیچے جا چکے تھے۔

ہاں۔ بھٹو صاحب ابا جان سے کہنے لگے، میں آپ کو سادے کاغذ پر دستخط کرنے کو تیار ہوں۔ جو شرائط آپ عائد کریں گے مجھے منظور ہیں۔ میں آپ پر ٹرسٹ کرتا ہوں اور ایک ہی آدمی ہے جس سے میں بات کر سکتا ہوں۔ آپ کو میں سادے کاغذ پر دستخط کر کے دینے کے لئے تیار ہوں جو شرائط آپ چاہیں عائد کر دیں مجھے منظور ہیں جبکہ ابا جان کا جواب یہ تھا کہ اس کاغذ پر استعفیٰ دے دیں۔ ۴۵ منٹ بھٹو صاحب نے صرف اسی موضوع پر صرف کئے کہ افغانستان کے حالات یہ ہیں اور ایران کے حالات یہ ہیں اور انڈیا کے حالات یہ ہیں۔ امریکہ کے مفادات یہ ہیں اور رشیہ کی پالیسی یہ ہے اور فلاں کی یہ ہے۔ فلاں کی وہ ہے۔ نان سٹاپ وہ آدمی بولا۔ نان اسٹاپ۔ اور جب اس نے ابا جان سے رائے پوچھی تو ابا جان نے یہی کہا کہ جناب آپ استعفیٰ دے دیں۔ اس طرف وہ آتے نہیں تھے۔ ابا جان نے یہ بھی بتایا کہ اس وقت آپ سے بات کرنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے آپ تصور نہیں کر سکتے۔ اس وقت آپ سے کوئی آدمی بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا میں وہ بھی اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ اس قوم کو بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے اور کشت و خون ہو۔ میں کشت و خون اور اس بڑی تباہی سے بچانے کے واسطے میں نے مناسب سمجھا کہ میں آپ سے بات کر لوں۔ حالانکہ بات کرنے کا کوئی موقع

انجام بھی آپ دیکھ چکے ہیں اور خود اپنا انجام بھی آپ دیکھیں گے۔ میں انشاءاللہ یہاں ہوں اور رہوں گا اور جس جبر سے اس رویے کی شکایت کی ہے اور کسی ایسا طرزِ عمل اختیار کیا ہے میں نے اس سے کبھی اُلجھنے کی کوشش نہ
خود اپنے انجام کو پہنچا ہے۔

آپ کو بڑی دلچسپ بات یہ بتائیں۔ واپس آکر انھوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ انھوں نے اس سزا کی شروع کر دی، جو سزا ہو سکتی تھی۔ مقدمہ جوان کے اوپر دائر ہو سکتا تھا کسی بھی نوعیت سے۔ وہ مقدمہ جو مقدمہ امکانی طور پر ان پر دائر ہو سکتا تھا وہ تمام میرا خیال ہے اس وقت سترہ مقدمے بنے تھے ابا جان ملاقات کے بعد انھوں نے سترہ چارجز لکھے کہ یہ چارج شیٹ حکومت لگا سکتی ہے اور اس کے جواب لکھ اور وہ ایک لسٹ تیار کر لی تھی۔ وہ حوالے کر دی تھی ہماری والدہ کے۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلدی یہ ڈرا جائے گا۔ اس ڈرامے کے اندر جو کچھ امکانی حد تک ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے، اور جب وہ چلے گئے۔ اس کے ا سے بروہی صاحب آ گئے تو وہ فائل انھیں دے دی گئی۔ اور وہ فائل دیکھ کر بروہی صاحب کا بیان یہ تھا کہ عالم نہ ہوتے تو کم سے کم وکیل ان سے بڑا کوئی نہ ہوتا۔

اسی طرح ۱۹۷۷ء میں جب بھٹو صاحب اپنی شاطرانہ چالیں، جب ان کی ساری جواب دے گئی تھیں ا وہ یہاں آئے تھے۔ اور انھیں یہ امید تھی کہ شراب اور جوئے پر پابندی لگا کر اور اس طرح کی کچھ نام نہاد تبدیلیا وہ کوئی سودے بازی کی پوزیشن میں ہے۔ حالانکہ ان سے اس وقت بات کرنا، قوم کی جو اس وقت پوزیشن تھی عظیم جذبے اور قربانی کے، کیا کہہ سکتے ہیں اسے، قربانی سے سرشار تھی۔ اس میں کوئی آدمی بھٹو صاحب سے تو قوم اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی، تو ان حالات میں وہ جو سیدھا سا کھیل سمجھ رہا تھا اس وقت مزورت اس کا خیال تھا کہ اسے ابا جان کی تائید حاصل ہو جائے گی، لیکن وقت گزر چکا تھا۔ دوسری بات یہ کہ بھائی صاحب سمجھے کہ ان کے ہاتھ میں بہت کچھ ہے اور وہ بہت کچھ کر سکیں گے۔ جبکہ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک سادہ کاغذ پین رہ گیا تھا۔ اور یہ ہر آدمی جانتا تھا کہ یہ کاغذ اور پین کس کام کا ہے۔ والد صاحب نے ان سے کہا کہ ا

کبھی انھوں نے کام سے بلوایا کہ حیدر کو بلاؤ۔ انھیں بتایا گیا کہ وہ تو ایک مہینہ ہوا کراچی گیا ہوا ہے۔ کہتے، اچھا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ کراچی گیا ہے۔ کہہ کے نہیں جاتا کسی کو۔ اس کے بعد جب میں آیا ہوں ملنے گیا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ تم کسی سے کہہ کے نہیں جاتے کہ کراچی جا رہے ہو۔ کہہ جایا کرو۔ آدمی کو حادثہ پیش آجائے، کچھ ہو جائے یا ضرورت پیش آجائے۔ معلوم تو ہو۔ یعنی ان کی سرزنش کا انداز بھی ویسا ہوتا تھا اس سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ سرزنش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی نصیحت کے انداز میں۔ ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے۔

انھوں نے کبھی پسند نہیں کیا کہ ہم ان کے معاملے میں دخل دیں۔ جماعت کے کسی معاملے میں کبھی دخل دیں۔ اگر ہمارے سامنے کبھی کوئی ایسی بات ہو بھی گئی تو اباجان نے کہا کہ تم یہ بات باہر مت بیان کرنا۔ بچوں کا کام روایتیں بیان کرنا نہیں۔

آپ نے پوچھا ہے کہ اگر ہم بھائی جماعت میں شامل ہوئے تو ان کا ردِعمل کیا ہوتا۔ تو بات یہ ہے کہ وہ آدمی جس نے ساری زندگی ایک ہی مقصد میں گزاری ہو، اس کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کیا مقام ہوگا کہ اولاد اس کے نقشِ قدم پر چلے۔ انھوں نے ہمیں کبھی کسی کام کے لئے کہا ہی نہیں۔ ہاں یہ ہے کہ جب ہم نے کوئی اچھا کام کیا تو اس سے انھیں بے انتہا مسرت ہوئی، لیکن مسرت میں بھی وہ کبھی آپے سے باہر نہیں ہوئے مثلاً یہ کہ نماز پڑھتا تھا۔ میری نماز سے کچھ زیادہ وہ خوش ہو جاتے تھے۔ کسی بھی نماز میں وہ کسی کا انتظار نہیں کرتے تھے لیکن میرا وہ ایک دو منٹ انتظار کر لیتے تھے کہ حیدر کہاں ہے، میں آگیا ہوں تو کہتے، کیا بات ہے آج نماز نہیں پڑھنی، جب نماز کا وقت مقرر ہے تو پھر نماز پر پہنچنا چاہئے آدمی کو، تو انھیں ہمیشہ ہمارے اچھے کام سے خوشی ہوئی ہے۔ کبھی ہم نے انھیں کسی بات پر رنج پہنچایا تو اس کا انھوں نے کبھی اظہار نہیں کیا۔

محمد فاروق صاحب کی نماز میں قدرا کمی رہتی تھی۔ یہاں سے امریکہ خط گیا کہ اب کے انھوں نے پورے روزے رکھے۔ باقاعدگی سے نماز پڑھی۔ قرآن مجید بھی پڑھتے رہے۔ انھوں نے والدہ سے کہا کہ میں نے انھیں رزقِ حلال کھلایا ہے اور میری ساری زندگی ان کے سامنے ہے۔ میں نے قوم کے بچوں کی آخرت سنوارنے کی طرف توجہ دی۔ یہ کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بچوں کو دین سے بے بہرہ رکھے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بچے اگر بہک بھی جائیں تو دین کی طرف آ جائیں گے۔

نہیں رہا۔ اور اس لئے بھی میں بات کر رہا ہوں کہ آپ میرے گھر آئے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو بتا دوں آپ کو جو رپورٹیں ملتی ہیں۔ شائد صحیح نہیں ہیں۔ حالات بدل چکے ہیں۔

میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں، یہ عجیب بات ہے۔ مختلف لوگوں کی شدید تنقید ان کو بتائی جاتی تھی وہ خود پڑھتے بھی تھے۔ ان کے علم میں بھی ہوتی تھیں کبھی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ ایک بہت بڑے عالم دین، بڑی بزرگ ہستی جن کا تعلق جامعہ اشرفیہ سے ہے انھوں نے ایک دفعہ ابا جان سے کہا۔ مولانا احمد علی نے آپ پر تنقید کی ہے۔ آپ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تو اس سے شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں۔ ابا جان نے کہا۔ مجھ پر جو آدمی تنقید کرتا ہے تو مجھے دکھ ہوتا ہے لیکن مولانا احمد علی کا معاملہ بالکل جدا ہے مولانا احمد علی کی نیکیاں اتنی ہیں کہ تنقید کرتے ہیں۔ تو مجھے یقین ہے کہ ان کی نیکیوں کے صدقے، ان کی یہ تنقید خدا بخش دے گا اور میری کوتاہیاں اتنی ہیں کہ میری خاموشی کی وجہ سے ان میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی۔

حیدر فاروق مودودی

میں نے ایسا آدمی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا جو پبلک لائف میں بھی وہی ہو اور زندگی میں بھی وہی ہو۔ اگرچہ وہ کبھی اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی پرائیویٹ زندگی پبلک لائف میں آئے یا لوگوں کو معلوم ہو۔ اس چیز کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے اس کے باوجود کوئی فرق نہیں تھا جو کچھ وہ اندر تھے وہی باہر تھے یعنی جو ایک مومن کی شان ہونی چاہئیے کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ وہ اس کا عملی نمونہ تھے۔ کوئی فرق نہیں تھا۔ گھر پر بھی سیاست کی بات ڈسکس کرتے تھے لیکن از خود نہیں ہم لوگ اگر چھیڑتے تھے تب۔

گھر پر ان سے ملاقات کھانے پر ہوتی تھی۔ انھیں یہ پتہ نہیں ہوتا تھا ہم کیا کر رہے ہیں کونسی جماعت میں پڑھ رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں۔ کہاں سے آ رہے ہیں۔ کبھی انھیں معلوم ہی نہیں ہوا۔ کچھ تعلق ہی ان چیزوں سے نہیں رہا۔

ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرنے لگو۔
لیا میں تمہیں ایسی چیز کا پتہ نہ دوں جس
کو اختیار کرکے تم باہم محبت کرنے لگو،
آپس میں سلام کو رواج دو!

روایات میں آتا ہے کہ حضور کریم ؐ جہاں گزرتے
سلام میں پہل کرتے خواہ وہ کوئی مرد ہو یا عورت
ہوں۔

حقیقت یہ ہے اور تجربات اس کے شاہد
سلسل ذہنی و جسمانی کاوش کے بعد مرد جب
تا ہے اور رفیقہ حیات کو سلام کرتا ہے اور
... وعلیکم السلام کہتی ہیں تو اس گھر کے لیے فرشتے
... کی دعا کرتے ہیں: السلام علیکم، کانوں میں
... قبول دیتا ہے، السلام علیکم، دلوں میں اتر جاتا ہے
... ام علیکم کا نغمہ سن کر انسان جھومنے لگتا ہے۔

مصافحہ سلام اظہار محبت کا بہترین طریقہ ہے۔
... س کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

تَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ

(ترمذی)

"تمہارے باہمی سلام کی تکمیل مصافحہ سے
ہوتی ہے۔"

محض سلام کرنے سے ہو سکتا ہے کہ مخاطب نے
بے خیالی میں جواب دے دیا ہو لیکن اگر شوہر سلام
کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بھی بڑھا دے تو گویا اس
امر کا اظہار ہے کہ وہ جوش محبت میں مبتلا اور مسرت
و الفت میں سرشار ہے اور بیوی جب جواب دینے
کے ساتھ مصافحہ بھی کر لیتی ہے تو گویا دو گرم ہاتھ ایک
دوسرے سے ملتے ہیں، دلوں کی گرمی اور پیار کی دھڑکن
ایک دوسرے کے جسم میں منتقل کر جاتی ہے اور مسرت
و انبساط سے دونوں کھل اٹھتے ہیں۔ حضور ؐ مصافحہ
کے سلسلے میں بشارت سناتے ہیں۔

مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا۔ (مسند احمد)

"جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو
ان کے جدا ہونے سے پیشتر ان کو بخش
دیا جاتا ہے۔"

جذبات کا پاکیزہ اظہار دیندار حضرات جب اپنی بیویوں
کے سامنے ہوتے ہیں تو اس وقت بھی ان پر خشک
مزاجی چھائی رہتی ہے۔ حضرت مولانا محمد نعیم استاذ
حدیث دارالعلوم دیوبند نے اس طبقہ کو بڑا اچھا مشورہ
دیا ہے۔ فرمایا۔

حسن معاشرت کے آداب

(طاہرہ فہد)

(دوسری قسط)

سلام کو رواج دیا جائے اکثر دیکھا گیا ہے کہ باہر کی دنیا میں تو لوگ ہر خاص و عام اور ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرتے ہیں لیکن اپنے گھروں میں اپنی بیوی اور بچوں کو سلام کرنا ضروری نہیں سمجھتے جب کہ امن و سلامتی اور رحمت و برکت کی دعاؤں کا حق باہر والوں سے زیادہ اپنے گھر والوں کو پہنچتا ہے۔ ان سے ہمارا مات دن واسطہ پڑتا ہے ان ہی کے درمیان ہمیں اپنی پوری زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ کے تحت ان کی ہدایت گمرہی کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ان کی تربیت و تعلیم اور اصلاح سیرت ہم سے متعلق ہے۔ ہم اپنے بیوی بچوں کو خیر و برکت کی دعاؤں سے کیوں محروم کرتے ہیں؟ ہم کو چاہیے کہ ہم ان کی خیر و عافیت چاہیں اور اس کے لئے دعا بھی کریں اور جب گھر میں آئیں یا گھر سے جائیں تو "السلام علیکم" کہہ کر ان کو مخاطب کریں۔"

حضورؐ نے گھر والوں سے سلام کرنے کی خاص طور سے تاکید کی ہے۔ حضرت انسؓ سے فرمایا۔

يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ تَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ

(جامع ترمذی)

"اے بیٹے! جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کر، یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا۔"

ارشاد نبویؐ ہے:۔

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (مشکوٰۃ شریف)

• تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ مومن نہ ہو جاؤ اور مومن اس وقت تک

ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لغزشوں اور کوتاہیوں کے وقت عفو و درگزر ہی بہتر ہے اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر شوہر بیوی کی غلطیوں کو نظر انداز کر دے اور محبت اور حسن سلوک کا رویہ اپنائے تو اس سے دل ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو ہدایت فرماتا ہے۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء ۱۹)

"پھر اگر وہ تمہیں کسی وجہ سے ناپسند ہوں، تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر خدا نے اس میں تمہارے لیے بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

اسی مفہوم کو نبیؐ نے ایک حدیث میں یوں واضح فرمایا ہے:

"کوئی مومن اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے اگر بیوی کی کوئی عادت اس کو ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ دوسری خصلت اس کو پسند آجائے۔"

ایک دوسری جگہ خدا کا ارشاد ہے:

وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ.

(التغابن ــ ۱۴)

"اور اگر تم عفو و کرم اور درگزر اور چشم پوشی سے کام لو تو یقین جانو کہ خدا بہت ہی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

"کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہیں اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے اچھے ہیں۔" (ترمذی)

حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے آپؐ نے ہدایت فرمائی۔

"لوگو سنو! عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ۔ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔ تمہیں ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ سوائے اس صورت کے جب ان کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی نافرمانی سامنے آئے۔"

اسی خطبہ میں آپؐ نے فرمایا:

"سنو! تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر

"اہل علم اور مولویوں کو اور بھی زیادہ اس طرف توجہ رکھنی چاہیے تاکہ ان کی خشک مزاجی اور بدخلقی سے تنگ آکر عورت یہ نہ سمجھنے لگے کہ اس سے تو ہم کسی انگریزی دان اور دنیادار سے وابستہ ہو جاتے تو زیادہ لطف سے رہتے۔ اس بدگمانی کے ازالہ کے لئے دینداروں کو مدارات، نرم خوئی، خوش خلقی سے برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے۔"

(ماہنامہ توحید نومبر و دسمبر ۱۹۷۹ء ص ۲۸)

کتنے ہی شوہر ہوتے ہیں جو ایک اچھی بات پیار کا جملہ اور دل کو خوش کر دینے والی بات نہ کہہ کر بیوی کا دل توڑ دیتے ہیں۔ اور اس سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں جس کی طرف اللہ کے رسولؐ نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے "جس نے کسی مسلمان کو خوش کیا اس نے اللہ کے رسولؐ کو خوش کیا۔ اور جس نے اللہ کے رسولؐ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا تو اسے اللہ جنت میں داخل کرے گا۔

حضور نبی کریمؐ نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ۔ (ابوداؤد)

"جب کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اسے خبر کر دے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے۔"

عفو و درگزر: ایک بیوی کے نزدیک شوہر کا وقار تحمل اور بردباری میں ہے۔ وہ ہر وقت نکتہ چینی اور عیب جوئی میں نہ لگا رہے، کچھ عفو و درگزر سے کام لے۔ حضورؐ نے عفو و درگزر کی بہت تلقین کی ہے۔

"میں تمہیں اس آدمی کی پہچان بتاتا ہوں جس پر جہنم کی آگ حرام ہے اور وہ آگ پر حرام ہے۔" یہ وہ آدمی ہے جو نرم مزاج ہو، نرم طبیعت ہو اور نرم خو ہو۔" (ترمذی)

ایک دوسری جگہ نبیؐ نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے:

"مومن بردبار اور نرم دل ہوتے ہیں۔ اس اونٹ کی طرح جس کی نکیل پڑی ہو۔ اس کو کھینچا جائے تو کھنچتا چلا آئے اور پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جائے۔" (ترمذی)

"جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی سے اپنی غلطی پر عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا یا اس کے عذر کو قبول نہ کیا تو اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا ایک ناجائز محصول لینے والے پر اس کے ظلم کا ہوتا ہے

ایک بار حضرت عائشہؓ نے گیارہ عورتوں کی ایک بہت ہی دلچسپ کہانی سنائی اور آپؐ نے بڑی توجہ سے سنی۔

خوش گمانی خوش گمانی بھی محبت میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ جہاں تک ہوسکے بیویوں سے خوش گمان رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر بیوی کو یہ یقین ہوجائے کہ میرا شوہر مجھ سے خوش گمان ہے اور مجھ سے اعلیٰ صفات کی توقع رکھتا ہے تو وہ ان تمام چیزوں سے بچنے کی کوشش کرے گی جن میں بدگمانی کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف بدگمانی ایسی بیماری ہے جو باہمی تعلقات کو گھن لگادیتی ہے اور دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہے۔ قرآن کریم اس سلسلہ میں ان الفاظ میں تاکید کرتا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات — ١٢)

اور آنحضرتؐ نے اپنے پیارے ساتھیوں کو یوں نصیحت کی ہے۔

اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔

اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ (مسلم — ابوہریرہؓ)

تم ظن سے دور رہو اس لئے کہ ظن بدترین جھوٹ ہے۔

کفالت میں فیاضی کا مظاہرہ بیوی کی تمام بنیادی ضرورتوں کی تکمیل شوہر پر واجب ہے اپنی بیوی کی کفالت پر خرچ کرکے سکون و مسرت محسوس کرنا چاہیئے۔ اس سے دلوں میں محبت بڑھتی ہے۔ آپس کے رشتے مستحکم ہوتے ہیں نیز آخرت میں اجر و انعام کا حصہ وافر ملتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

"ایک دینار تو وہ ہے جو تم نے خدا کی راہ میں خرچ کیا۔ ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی غلام کو آزاد کرانے میں صرف کیا، ایک دینار وہ ہے جس کو تم نے کسی فقیر کو صدقے میں دیا اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر صرف کیا، ان میں سب سے زیادہ اجر و ثواب اس دینار کے خرچ کرنے کا ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر صرف کیا ہے۔" (مسلم

دین کی باتیں ایک اچھی اور مثالی بیوی بننے کے لئے ضروری ہے کہ دین کی ضروری باتیں اسے معلوم ہوں وہ یہ جانتی ہو کہ ایک مومنہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں،

ہیں اور تمہاری بیویوں کے کچھ حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو لوگوں سے نہ روندوائیں ....

اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے دیں جن کا آنا تمہیں ناگوار ہے اور سنو ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔"

(ریاض الصالحین)

معلوم ہوا کہ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک، عفو ودرگزر اور چشم پوشی کا رویہ اختیار کرنا خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا عمل بھی یہی تھا۔

سہیلیوں کی دلجوئی تجربات بتاتے ہیں کہ اگر بیوی کی سہیلیوں کی عزت کی جائے۔ ان کے ساتھ احترام و توقیر کا معاملہ کیا جائے۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوا جائے اور ان کی خوشی غمی میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کی جائے تو اس سے حسن اخلاق کا دوسروں پر اثر پڑتا ہی ہے خود میاں بیوی کے درمیان یہ چیز رشتۂ محبت کو مضبوط کرنے کا سبب بنتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی سہیلیوں کے یہاں ہدیہ بھجواتے تھے، کوئی اچھی چیز پکتی تو اسے ان کے یہاں بھجوانے میں خوشی محسوس کرتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ "میں نبی ﷺ کے یہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلتیں، جب نبی تشریف لاتے تو سب ادھر اُدھر چھپ جاتیں آپ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایک ایک کو میرے پاس بھیجتے تاکہ میرے ساتھ کھیلیں۔"

(بخاری و مسلم)

بے تکلفی بیوی کے ساتھ مل جل کر رہنے اور مخلصانہ تعلقات قائم کرنے سے بھی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہر وقت لئے دیے رہنے کی روش سے بچنا چاہیے۔ جب شوہر بیوی سے گھل مل کر رہے گا اس کے دکھ درد اور خوشی غمی میں شریک رہے گا تو اس سے بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔ آپس میں محبت بڑھے گی اور تعلقات مضبوط ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے بڑی بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار آپؐ نے گھر والوں کو ایک قصہ سنایا۔ ایک عورت نے کہا، یہ عجیب و غریب قصہ تو بالکل خرافہ کے قصوں کی طرح ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"تمہیں خرافہ کا صحیح قصہ بھی معلوم ہے اور پھر خود ہی آپ نے خرافہ کا اصل قصہ تفصیل سے سنایا۔

کے لئے اور پر محبت پیدا کرنے کے چند طریقے
ئے گئے ہیں جو شوہروں سے متعلق ہیں۔ اب
، وہ اصول اور نکات بیان کئے جا رہے ہیں
یویوں سے متعلق ہیں۔ جب دونوں مل کر فضا کو
زہ اور مہذب بنانے کی کوشش کریں گے تبھی
ا پُرمحبت معاشرے کا قیام ہو سکتا ہے۔

ہر کی اطاعت | شوہر کے دل میں بیوی کی قدر اسی
ت ہوتی ہے جب بیوی شوہر کی اطاعت کرنے
ں خوشی محسوس کرے۔ شوہر دن بھر کی دوڑ دھوپ
ری بچوں کے لئے ہی کرتا ہے۔ نبی کریمؐ نے
یسی عورت کے لیے بشارت دی ہے۔

"عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے
ور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ
کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے
تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے
سے چاہے داخل ہو۔" (مشکوۃ المصابیح)

"جس عورت نے بھی اس حال میں انتقال
کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا تو وہ جنت
میں داخل ہوگی۔" (ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک
عورت نبیؐ کے پاس آئی اس نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول! مجھے عورتوں نے آپؐ
کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ (دیکھئے) یہ جہاد
صرف مردوں پر فرض ہوا ہے۔ اگر وہ زخمی ہو جائیں
تو اجر پائیں، شہید ہو جائیں تو اپنے رب کے پاس زندہ
رہیں گے اس کے انعامات سے فائدہ اٹھا رہے ہوں
گے اور ہم عورتیں ان کے پیچھے ان کے گھر اور بچوں
کی نگرانی کرتی ہیں تو ہمیں کیا اجر ملے گا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن عورتوں
سے تم ملو ان کو یہ بات پہنچا دو کہ شوہر والی کی اطاعت
کرنا اور ان کے حقوق کو پہچاننا جہاد کے برابر درجہ
رکھتا ہے لیکن تم میں بہت کم عورتیں ایسا کرتی ہیں۔"

(ترغیب و ترہیب)

شکر گزاری | شکر گزاری سے محبت میں اضافہ ہوتا
ہے۔ جب شوہر کو یہ معلوم ہوگا کہ بیوی میری محبتوں اور
اور الفتوں کی قدر کرتی ہے۔ میں اس کی کفالت اور
نگہداشت کے لیے جو دوڑ دھوپ کرتا ہوں اور اس
پر گاڑھی کمائی خرچ کرتا ہوں اسے بیوی شکر وسپاس
کے جذبے سے دیکھتی ہے تو اس کے دل میں ایک
امنگ، نیا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ ناشکر گذار اور احسان

معاشرے کو کیسے پاکیزہ اور اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ خاندان کے مختلف افراد کے اس پر کیا حقوق ہیں۔ گھر کے سدھار میں اس کا کردار کیا ہونا چاہیے؟ جب تک اسے یہ سب نہ معلوم ہو ایک اچھی بیوی نہیں بن سکتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو دین کی بنیادی باتیں ضرور بتائے۔ اس کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کرے اور گھر اور خاندان کی اصلاح کے لئے اس کی ذمہ داریاں بتلائے حضور نبی کریمؐ جس طرح گھر کے باہر تبلیغ میں مشغول رہتے تھے اسی طرح گھر میں اپنی اس ذمہ داری کو پوری توجہ سے ادا فرماتے تھے۔ قرآن کریم میں آپ کو ہدایت کی گئی۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔

اور اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کیجئے اور خود بھی اس کے پورے پابند رہیے۔

حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے ہیں۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

زمین کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

حضرت عمر فاروق رضؓ رات میں خدا کے حضور کھڑے عبادت کرتے رہتے۔ پھر جب سحر کا وقت آ جاتا تو اپنی رفیقہ حیات کو جگاتے اور کہتے اٹھو! اٹھو! نماز پڑھو اور پھر یہ آیت بھی پڑھتے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔

ابوداؤد کی حدیث ہے؛

"جب کوئی مرد رات میں اپنی بیوی کو جگاتا اور وہ دونوں مل کر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تو شوہر کا نام ذکر کرنے والوں میں اور بیوی کا نام ذکر کرنے والیوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔"

اور جب وہ اس کے بھروسے قسم کھا بیٹھے تو وہ اس کی قسم
پوری کردے اور جب وہ کہیں چلا جائے تو وہ اس کے
پیچھے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کے
مال و اسباب کی نگرانی میں شوہر کی خیرخواہ اور وفادار
رہے۔" (ابن ماجہ)

شوہر کے سامنے زینت کا مظاہرہ | خدا کے نزدیک
بیوی کے لئے غیروں کے سامنے حسن و جمال کا مظاہرہ
جتنا زیادہ ناپسندیدہ اور معیوب ہے اپنے شوہر کے
سامنے حسن کی نمائش اتنی ہی پسندیدہ اور محبوب
ہے۔ ہر بیوی کو صفائی، سلیقہ اور آرائش و زیبائش
کا پورا اہتمام کرنا چاہیے۔ شوہر کے لئے زیادہ سے
زیادہ جاذب نظر اور پرکشش بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک بار عثمان بن مظعونؓ کی زوجہ سے حضرت عائشہؓ
کی ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ وہ نہایت سادہ کپڑوں
میں ہیں اور کوئی بناؤ سنگار بھی نہیں کیا ہے تو حضرت عائشہؓ
کو بہت تعجب ہوا اور ان سے پوچھا: بی بی! کیا عثمان
کہیں باہر سفر پر گئے ہوئے ہیں؟" اس تعجب سے
اندازہ ہوتا ہے کہ سہاگنوں کا اپنے شوہروں کے لئے
بناؤ سنگار نہ کرنا کیسا ناپسندیدہ فعل ہے۔

ایک بار ایک صحابیہ نبیؐ کی خدمت میں حاضر
ہوئیں۔ وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے
تھیں۔ آپؐ نے ان کو پہننے سے منع فرمایا تو کہنے
لگیں "یا رسول اللہ! اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ
سنگار نہ کرے گی تو اس کی نظروں سے گر جائے
گی۔" (نسائی)

مکان اور لباس کی صفائی، بدن کی پاکیزگی اور
طہارت، گھریلو انتظام میں سلیقہ اور سگھڑپن اور زینت
و آرائش ایک مومن بیوی کی اہم صفات ہیں۔ اگر
گھر کی ہر چیز سلیقے اور صفائی سے رکھی ہو۔ پورا گھر صفائی
و سلیقگی کا ثبوت مہیا کر رہا ہو، لباس اور بدن سے
طہارت اور زینت کی خوشبو پھوٹ پڑ رہی ہو تو شوہر
قریب ہونے میں مسرت محسوس کرے گا۔ گھر میں
اسے سکون اور اطمینان حاصل ہوگا۔ اور گھر کی ہر چیز
اسے اچھی اور بھلی لگے گی۔

تعاون علی البر | جب تک میاں بیوی کے افکار و خیالات
میں ہم آہنگی نہ ہو، زندگی پرامن بسر نہیں ہو سکتی۔ اگر
بیوی صالحہ ہے اور دین کے تقاضوں کو اچھی طرح
سمجھتی اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن شوہر
زندگی دین کے معاملہ میں پراگندگی کا شکار ہے تو بیوی
کو چاہیے کہ شوہر پر یہ بات واضح کردے کہ

فراموش بیوی کو تنبیہ کرتے ہوئے نبی ؐ نے ارشاد فرمایا:

• خدا قیامت کے روز اس عورت کی طرف اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو شوہر کی ناشکر گذار ہو گی۔ حالانکہ عورت کسی وقت بھی شوہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔"

(النسائی ؒ)

نافرمانی اور ناشکری عورت کے لیے موجب گناہ ہے اور شکر گزاری موجب ثواب ہے۔ یہ بات تجربہ میں آچکی ہے کہ اگر شوہر کو یہ احساس ہو کہ اس کے خلوص و محبت کی بیوی کے نزدیک کوئی قدر نہیں تو اس کا دل بیٹھنے لگتا ہے اس لیے بیوی شوہر کے خلوص و محبت کی قدر کرے اور اس پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شکر گذاری کی روش اپنائے بیوی کی اس روش سے شوہر کی قوت اور ہمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

مسکراہٹ کے ساتھ استقبال | شوہر لاکھ ذہنی الجھنوں کا شکار ہو، دن بھر معاشی محنت کی وجہ سے چور چور ہو چکا ہو، مختلف قسم کی پریشانیاں اس کے گرد منڈلا رہی ہوں، لیکن اگر وہ گھر میں داخل ہو اور بیوی آگے بڑھ کر اپنی مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرے تو تجربات بتاتے ہیں کہ شوہر اپنی ساری پریشانیاں اور الجھنوں کو بھول کر اس نئی دنیا میں تبسم بکھیر دیتا ہے جہاں خلوص و محبت، اپنائیت اور چاہت اس کا خیر مقدم کرتی ہے۔ مسلسل ذہنی یا جسمانی مصروفیت کے بعد جب وہ تھک کر گھر واپس آتا ہے فطری طور پر کسی محبت کرنے والی ہستی کے انتظار اور اس کی مسکراہٹ کا خواہاں ہوتا ہے اور جب اس کی یہ مراد بر آتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے اور اس کی ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔

ایک بار حضور ؐ سے پوچھا گیا، کون سی بیوی سب سے بہتر ہے؟" فرمایا: "وہ بیوی جو اپنے شوہر کو خوش کر دے جب کہ وہ اس کی طرف دیکھے، اطاعت کرے جبکہ وہ حکم دے اور اپنے اور اپنے مال کے بارے میں کوئی ایسا رویہ نہ اختیار کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔"

(النسائی ؒ)

ایک دوسری روایت میں نبی کریم ؐ نے نیک بیوی کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

• مومن کے لیے خوف خدا کے بعد دنیا کی نعمتوں میں سب سے بہتر نعمت نیک بیوی ہے کہ جب اس کے شوہر اس کو کہے تو وہ فوراً مان لے اور جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ

پرندے اپنے راستوں کی شناخت کس طرح کرتے ہیں؟

(بشارت حسین ہمت)

بہت سے پرندے گرمیوں میں اپنے گھروں سے سرد مقامات کو اور سردیوں میں رہنے والے پرندے گرم مقامات کے لیے ہجرت کرتے ہیں۔ شمالی منطقہ معتدلہ سے جنوبی منطقہ معتدلہ تک کی مسافت کئی ہزار کلومیٹر کی ہوتی ہے۔ اپنے سفر کے دوران یہ جانور براعظموں کے ساحل، بڑی ندیوں پہاڑ کے سلسلوں وغیرہ کی مناسبت سے راستہ دریافت کرتے ہیں اور رات کے وقت ستاروں سے اپنے سفر کے لیے راستے کی نشاندہی میں مدد لیتے ہیں۔ صرف پرندہ ہی نہیں بہت سی مچھلیاں بھی خاص کر بحر اوقیانوس کی سالمن salmon مچھلی ہزاروں کلومیٹر کا سفر طے کر کے انڈے دینے کے لیے مخصوص دریاؤں میں چلی آتی ہیں اور راستے کا تعین سمندر کے کھارے پن، پانی کی حرارت، سرد اور گرم پانی کی لہروں اور دوسرے سمندری اثرات کے ذریعے کرتی ہیں۔

پتّوں کا رنگ سبز کیوں ہوتا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ نباتات میں سبز رنگ سب سے زیادہ ملتا ہے اور پتیاں اکثر و بیشتر سبز ہوتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پودے اپنی غذا آفتاب کی شعاعوں کی مدد سے خود پانی اور کاربن ڈائی آکسائڈ سے بناتے ہیں۔ اس عمل کو Photosynthesis کہتے ہیں۔ سورج کی شعاعوں سے توانائی حاصل کرنے کے لیے پتّوں میں کچھ رنگین مادّے ہوتے ہیں۔ یہ عموماً چار قسم کے ہوتے ہیں جس میں کلوروفل سب سے اہم ہے۔ سورج کی روشنی میں سات رنگ ہوتے ہیں۔ کلوروفل ان میں سے سبھی رنگوں کو جذب کرتا ہے لیکن سبز رنگ کو منعکس کر دیتا ہے اسی لیے یہ سبز دکھائی دیتا ہے اس لیے جو میں یہ کافی مقدار میں ملتا ہے۔ ہرے دکھائی دیتے ہیں۔

(ماخوذ: پندرہ روزہ "آواز" نئی دہلی)

حلال کمائی پسند ہے اور کوٹھیوں کے بدلے جھونپڑے
اور مرغن غذاؤں کے بدلے روکھے سوکھے ٹکڑے
مرغوب ہیں۔ انشاءاللہ شوہر ایک نہ ایک دن بیوی
کا ہمنوا بن جائے گا۔

اور اگر خوش قسمتی سے بیوی کو ایسا شوہر میسر
آگیا ہے جو دین کے تقاضوں کو سمجھتا ہے اور
اپنی پوری زندگی اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کا لحاظ
کرتے ہوئے بسر کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ مرد کا ساتھ
دے۔ حلال ذریعہ سے کمائی ہوئی کم سے کم رقم میں تنگی
اور تکلیف برداشت کر کے گزر کرلے اس کی ہمت
بندھائے، تکلیفوں میں اس کا ساتھ دے اور سختیاں
جھیلنے کے لیے اس کے اندر حوصلہ پیدا کرے۔

حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی بیبیوں میں سے کسی پر اتنا رشک مجھ کو نہیں آتا
تھا جتنا حضرت خدیجہ رضہ پر آتا تھا۔ میں نے انھیں
دیکھا نہیں تھا لیکن حضورؐ ان کا ذکر بہت زیادہ کرتے
تھے اور بسا اوقات ہوتا کہ آپ بکری ذبح کرتے پھر اس
کے ٹکڑے کرتے ... حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے یہاں
[illegible]

فرماتے "بلاشبہ وہ بہت اچھی عورت تھیں۔ وہ ا
اور ایسی تھیں، ان کے یہ اور یہ کارنامے ہیں اور ان
سے مجھے اولاد ہوئی۔"

حضرت خدیجہ رضہ آپؐ کی پہلی بیوی تھیں۔
کے آغاز سے انھوں نے ہر طرح کے مرحلوں میں
کا ساتھ دیا اور دعوت کی راہ میں ہر طرح کی تکلیفیں
خوشی برداشت کیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسالت
کے ابتدائی زمانہ میں حضرت خدیجہ رضہ کے پاس
درہم تھے لیکن ۸، ۹ سال میں سارا سرمایہ دعوت
راہ میں ختم ہوگیا۔ وہ اہل ایمان جو ایمان لانے کے
میں اپنے گھروں سے نکال دیے جاتے ان سے
کفالت فرماتیں۔ اسی لیے حضورؐ ایسی ایثار و قربانی
والی بیوی کو زندگی بھر نہ بھول سکے۔

ایک حدیث میں حضورؐ نے دین کی راہ میں
بیوی کو سونے چاندی کے ذخیروں سے بھی افضل بتلایا ہے
کہتے ہیں ہم نبیؐ کے ساتھ سفر میں تھے کہ آیت وَالَّذِينَ يَكْ
وَالْفِضَّةَ نازل ہوئی تو ہم میں سے بعض نے کہا
سلسلے میں یہ آیت اتری جس سے معلوم ہو
[illegible]

ڈویژن آف انٹرنیشنل ہیلتھ کے ہیڈ ڈاکٹر ڈیرک جلیفی کی سربراہی میں صحت کی امریکی سینیٹ کی سب کمیٹی نے تخمینہ لگایا کہ اشتہار بازی کے نتیجے میں تیسری دنیا کے ایک کروڑ بچے بوتل دودھ کے امراض کے شکار ہو گئے۔

انفیکٹ کے ڈوگلس جانسن کا کہنا ہے کہ پاؤڈر ملک کمپنیوں نے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں اشتہار بازی کے فن سے کام لیتے ہوئے خشک دودھ کو جدید سائنسی تحقیقات کا ایک معجزہ قرار دیا اور ماں کا دودھ پلانے کو فرسودہ اور تکلیف دہ رسم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

انفیکٹ کے تجزیہ نگاروں کا بیان ہے کہ تیسری دنیا کے پس ماندہ ملکوں کی مائیں بازاری دودھ کی قوتِ خرید نہیں رکھتیں لیکن ان کمپنیوں کے اشتہاری سحر نے انھیں اس قدر متاثر کیا کہ وہ اپنے دودھ کو نظرانداز کر کے مہنگے بازاری دودھ خریدنے پر مجبور ہو گئیں اور یوں ان ممالک کے لاکھوں بچے "بوتل بے بی بیماری" کا شکار ہو گئے۔

ڈبے کا دودھ بیچنے والے اشتہار باز ایڑی چوٹی کا زور یہ ثابت کرنے پر لگا رہے ہیں کہ تیسری دنیا کی ماؤں کی کم خوراکی ان کے اپنے دودھ کی کمی کا باعث ہے۔ لیکن امریکن نیشنل اکیڈمی آف سائنسز کی سالانہ رپورٹ میں شائع ہونے والے حقائق کے مطابق کم خوراک استعمال کرنے والی ماؤں کا دودھ بھی مقدار یا کوالٹی میں پاؤڈر ملک سے افادیت میں کہیں بڑھ کر ہے۔

ڈاکٹر جلیفی لکھتے ہیں:

"بیشک صحت مند ماؤں کا دودھ بچوں کی نشو و نما اور غذائیت کا ضامن ہے لیکن کم غذائیت کا شکار ماؤں کا دودھ بھی حیرت انگیز طور پر بچوں کی صحت کے لیے مفید ہے۔"

غذائیت پر بارھویں بین الاقوامی کانفرنس کے نائب صدر ڈاکٹر سیموئیل جی فومون نے کہا: "ترقی پذیر ممالک میں وہ تمام بچے جنھیں ماں کا دودھ میسر نہیں اکثر مر جاتے ہیں۔ بہتر حالات میں بھی ایسے بچوں کا زندہ رہنا محال ہے۔"

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی غذائی خدمات کے سربراہ ڈاکٹر موئیسز بہار کے خیال میں

(ایس۔ ایس احمد)

زہر بھرا دودھ

اس ے انکشاف سے کہ بچوں کی خوراک تیار کرنے والی شہرہ آفاق کمپنیاں گمراہ کن اشتہار بازی میں مصروف ہیں۔ تمام دنیا میں ہلچل سی مچادی ہے اور شاید اسی انکشاف کے باعث ماں کے دودھ اور فیڈر کی تقابلی افادیت کی بحث بھی چھڑ گئی ہے اور عالمی اداروں کی جلبِ زر کی ایک مکروہ کہانی سامنے آئی ہے۔ ایک طرف ہنستا مسکراتا اشتہاری بچہ ہے جس کی حیثیت شاہکار سے کسی طور کم نہیں۔ دوسری طرف اسی فارمولے کے دودھ کا شکار حقیقی بچہ جو بیماری اور کم غذائیت کا چلتا پھرتا شاہکار ہے۔

غذائیت کے اس اسکینڈل کا انکشاف نیو نا امریکہ میں قائم ایک تنظیم نیشنل ... [illegible]

جانسن کا کہنا ہے۔

"جب ایک ادارہ انسانیت سوز کام کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر اس کی بداخ... سدِ باب کے لئے اُسے معاشی ضرب جائز ہے۔"

۹۶ ارب روپے کے سالانہ بجٹ ایک امریکی فرم اپنی دودھ کی مصنوعا... نصف مقدار ایشیا، افریقہ، اور لاطینی... میں فروخت کر رہی ہے۔ اس کا د... میں سب سے زیادہ فروخت ہوتا... یہ انتہائی تلخ حقیقت ہے کہ اس... میں دکھلائے جانے والے صحت... بھلے سہانے پیچش، کمزوری ا... کے مریض بچوں کی تعداد میں اض... وں اشتہار کے لیے فور...

چونکہ ڈاکٹر اُن کے ممنون ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اُن کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اس طرح ایک لحاظ سے ان صحت کانفرنسوں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

تیسری دنیا میں ان فارمولا ملک کمپنیوں کی وجہ سے جس قدر وسیع پیمانے پر کمزوری بیماری اور اموات ہوتی ہیں، اس پر پان امریکن ہیلتھ آرگنائزیشن ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن اور "انٹر نیشنل کانگریس برائے غذا" نے ان بین الاقوامی دھوکے باز کمپنیوں کی شدید الفاظ میں مذمت میں کی ہے۔

انفیکٹ نے اپنے ایک سرکلر میں کہا ہے کہ افریقہ، ایشیا اور امریکہ میں اُن کے ایک اشارے پر فارمولا دودھ اور دیگر مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ ہو سکتا ہے۔ ایک ماں کو اس بات کی ترغیب دینا کہ وہ نہایت معصومیت اور بھولپن کے ساتھ اپنے بچے کو زہر پلانا شروع کر دے، نہایت مکروہ اور قابل نفرت عمل ہے جس کی مزاحمت جتنی بھی کی جائے، کم ہے۔

اس ضمن میں سب سے سخت موقف یونیسیف اور ڈبلیو ایچ او کے زیر اہتمام جنیوا میں ہونے والے چار روزہ اجلاس میں اختیار کیا تھا۔ جس میں دنیا بھر کے ۱۴۰ وفود نے شرکت کی۔

ماں کا دودھ چھڑانا اور مصنوعی دودھ پلانا ایسے اقدامات ہیں جن سے انفیکشن کے خلاف بچے کا قدرتی دفاعی نظام کمزور پڑ جاتا ہے۔ اور وہ غیر صحت مند حالات کا مقابلہ کرنے کے بجائے اُن کا فوری شکار ہو جاتا ہے۔

کارنل یونیورسٹی کے شعبۂ بین الاقوامی غذائیت کے سربراہ ڈاکٹر مائیکل لیتھم کا نظریہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بچوں کی بڑھتی ہوئی اموات کی شرح کا سب سے بڑا سبب بوتل کا دودھ ہے۔

ڈاکٹر سسلی ولیمز نے اپنی کتاب "دودھ اور قتل" میں کہا ہے کہ پسماندہ ملکوں میں بوتل کا دودھ پینے والے بچوں کی شرح اموات ماں کا دودھ پینے والے بچوں سے دوگنی ہے۔ ان کی یہ ریسرچ سنگاپور کے ایک چینی قصبے کے بچوں پر مشتمل تھی۔

جانسن کا کہنا ہے کہ ملک پاؤڈر تیار کرنے والی کمپنیوں نے اپنے پُرفریب اشتہار کے ساتھ ساتھ سیلز ومین کا بھی جال بچھا رکھا تھا جو زچہ بچہ وارڈز یا نومولود بچوں کے گھروں

میں جاکر دودھ بطور نمونہ پیش کرتی تھی۔ [اس] طرح یہ کمپنیاں دھوکہ دہی کے ساتھ ر[...] [شعبۂ] صحت میں گھس گئیں۔ انھوں نے ہسپ[تالوں] اور کلینکوں کو دودھ مہیا کرنا شروع [کیا] ڈاکٹروں اور ان کی بیویوں کو تحفے د[ینے کا اہتما]م کیا۔ اس کے ساتھ ہی بڑے بڑے کنونشن بلانے کا اہتمام کیا۔

ڈاکٹر سسلی ولیمز نے اپنی کتا[ب میں] لکھا ہے کہ ان کمپنیوں کا کاروبار انتہا[ئی] اور خوفناک ہے۔ میں نے سنگاپور میں [اپنی] آنکھوں سے دیکھا کہ ان کی تنخواہ دار [...] ماؤں کی چھاتیوں سے بچوں کو الگ [کر کے] انھیں بوتل کے دودھ کا عادی بنا ر[ہی تھیں] اور یوں مجھ پر پہلی بار عیاں ہوا کہ ان کمپنیو[ں] کی صحت سے کوئی غرض نہیں بلکہ یہ تو اپنا دودھ بیچنا چاہتی ہیں۔

ملائشیا کے کوالالمپور جنرل ہسپتا[ل کے] ڈاکٹر محمد شام قاسم کہتے ہیں:

"جتنی بھی صحت کا نفرنسیں منعق[د ہوتی] ہیں۔ اُن کا اہتمام یہی ملک کمپنیاں کر[تی ہیں]

انسانیت کے اشعار

مرسلہ: ریاض فاطمہ عجب بلاری ——— امیر مینائیؒ

آخرت میں عملِ نیک ہی کام آئیں گے
پیش ہے تجھ کو سفر زادِ سفر پیدا کر

مرسلہ: شیخ ابراہیم (بیدر) ——— رشید کوثر فاروقی

بتوں نے سجدے کئے ہیں مجھے یہ کہہ کہہ کر
کہ اس سے جھوٹے خداؤں کی بندگی نہ ہوئی

مرسلہ: ابو عبید اعظمی ——— اکبر الٰہ آبادی

با اثر قوتِ عمل کی سو میں ہو یا دس میں ہو
سب سے پہلی شرط یہ ہے اتفاق آپس میں ہو

مرسلہ: ابو عبید اعظمی ——— اکبر الٰہ آبادی

جس نے چھوڑا شوقِ جاہ و مال میں ذکرِ خدا
وہ حقیقت میں اٹھا شیطان کی تعظیم کو

مرسلہ: رضیہ خاتون، دھنباد ——— شمس صدیقی

مئے توحید سے سرشار ہر مردِ مسلماں ہے
یہی مستی نشاطِ آخرت کا ساز و ساماں ہے

مرسلہ: رضیہ خاتون دھنباد ——— شمس صدیقی

محمدؐ کا سراپا مظہرِ انوارِ ربانی
محمدؐ کی جو سیرت ہے وہی تفسیرِ قرآں ہے

مرسلہ: خا کوثر، گریڈیہہ ——— شمس صدیقی

سیرِ گلستانِ مذاہب سے خوشی ممکن نہیں
قرآن پڑھ قرآں اک گلدستۂ احکام ہے

مرسلہ: خا کوثر، گریڈیہہ ——— ماہر القادری

حق سے جو وعدہ کیا تھا وہ وفا ہوتا رہا
گولیاں چلتی رہیں اور فرض ادا ہوتا رہا

مرسلہ: شائستہ نظر، جھ کنڈہ ——— مروح قادری

جبیں جھکے ماسوا کے در پر پناہ تیری خدائے برتر
خرد کو یہ مصلحت مبارک جنوں کا یہ فیصلہ نہیں ہے

مرسلہ: رقیہ خانم، کوٹہ ——— علامہ اقبال

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اونچی ایڑی

(ایم۔ اے خیام)

ئی زمانہ یہ دیکھ کر کہ لوگوں میں اونچی ایڑی کے جوتے کس قدر مقبول ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر ردٹ میو
صاحب نے جو ہڈیوں کے سرجن ہیں۔ خیال ظاہر کیا ہے کہ جوتوں کے اس نئے فیشن میں بہت بڑ
تکالیف اور دشواریاں سامنے آئیں گی۔ یہ صرف فیشن پرستی کا رجحان ہے۔ جس میں عقل کا شائبہ
تک نہیں۔ زیادہ زمانہ نہیں گذرا جب خواتین کے جوتے پنجوں کی طرف کھلے اور ایڑی کی طرف
تنگ ہوا کرتے تھے جو نہایت مناسب تھے۔ مگر فیشن کے دلدادہ آج تک پنجوں اور اونچی ایڑی
کے جوتوں کو مقبول عام کر رہے ہیں۔

ہر قدم جو اونچی ایڑی سے ہر دفعہ اٹھتا ہے اس سے بوجھ انگوٹھی پر پڑتا ہے۔ اگر اس قسم کے جوتے زیادہ
عرصہ تک پہنے جائیں تو نازک پٹھے اور ہڈیاں ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ اور جراحی سے بھی پاؤں دوبارہ
اصلی حالت پر نہیں آسکتے۔ اونچی ایڑی کے جوتے، ٹخنے، گھٹنے اور پشت میں درد کا باعث ہوتے
ہیں۔ چھوٹی ایڑی کے جوتے پہنا کر خواتین کے کمر کے درد کا علاج ہو سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں بھی مردوں نے اونچی ایڑی کے جوتے پہننا شروع کر دیے ہیں۔ وہ ضرور خواتین کی
طرح ہی دکھ پائیں گے۔

والدین کو اپنے بچوں کو آدھا انچ سے اونچا جوتا ہرگز نہیں پہنانا چاہیے۔ کیونکہ عنفوان شباب میں
ہڈیاں اور پٹھے بن رہے ہوتے ہیں اور اونچی ایڑی کے جوتے یقینی طور پر ٹانگوں پاؤں اور کمر کی
پیدا کریں گے اور ہو سکتا ہے یہ درد اور تکلیف تاحیات قائم رہے۔ اس طرح کی کڑی نظر سے مجبور ہو
کمپنیاں صحت کے اصولوں پر دوبارہ جوتے بنانا شروع کر دیں گی۔

آزمودہ باتیں

۔۔۔ (فاطمہ زہرا) ۔۔

مولی کا اچار | مولی (بغیر پتوں کی) دو کلو لے کر انھیں چھیل کر نصف c.m موٹے گول گول قتلے کاٹ لیں۔

ایک دیگچی میں مولی کے قتلے اور اتنا پانی ڈالیں کہ اس میں قتلے ڈوب جائیں۔ پھر دیگچی کو تیز آنچ پر رکھ دیں۔ پانی اُبلنے لگے تو پانچ دس منٹ بعد دیگچی کو آنچ سے اتار کر تھوڑا ٹھنڈا کر لیں۔ چینی کے مرتبان میں مولی کے قتلے سمیت ڈال دیں۔ پھر مرتبان کو بند کر کے دھوپ میں رکھ دیں۔ دو تین دن کے بعد پیلی مرچ ۲ ٹیبل اسپون۔ لال پسی ہوئی ۵۰ گرام۔ لہسن ۲ گٹھی۔ نمک حسب ذائقہ ڈال دیں۔ اور دھوپ میں بند کر کے رکھ دیں۔ دس پندرہ دن دھوپ لگانے کے بعد استعمال کریں۔ اس دوران مرتبان کو روزانہ ہلاتی رہیں۔ پھر استعمال کریں۔

(بشارت حسین)

آلو کے چپس | بڑے سائز کے آلو لے کر پہلے انھیں خوب صاف کر کے چھیل لیں اور انھیں کدوکش (Potato cutter) میں گول گول قتلے کدوکش کر لیں۔ اور انھیں ٹھنڈے پانی میں ڈالتی جائیں تاکہ کالے نہ پڑ جائیں۔ اس کے بعد انھیں ایک باریک کپڑے میں رکھ کر کھولتے پانی میں تین چار بار ڈبکی دے کر دھوپ میں پھیلا دیں۔ جب خوب سوکھ جائیں تو انھیں تیل یا گھی میں تل لیں۔ اور اس پر کالی مرچ اور نمک چھڑک کر استعمال کریں۔ کھانے میں بہت لذیذ ہوتی ہے۔

• گولر کا پکا پھل مسلم سال میں کئی بار کھا لینے سے آنکھیں نہیں دُکھتی ہیں۔

• انجیر کا دودھ آنکھ میں ٹپکانے سے موتیا بند ٹھیک ہو جاتا ہے۔

(بشارت حسین ہاشمی ہمت)

بُوا کی بیٹی

(ادارہ)

"نہ بہو بیگم! اس میں بڑے پیسے لگ جائیں گے۔"

"لگ جانے دو بوا! چیز تو معرکے کی ہوگی۔"

"بیٹی! بڑی گرانی ہے۔ پھر میاں پانچسو ہی تو پاتے ہیں۔ اسی میں کھاؤ پیو دلہن!"

"اچھا تو تم بتاؤ کیا چیز بناؤں؟"

"بی بی! آج تو آلو کی چٹ پٹی بھاجی بناؤ۔"

"وہ کیسے؟"

"دیکھو بہو بیگم۔ یہ سامان منگوالو۔"

• آلو بڑے بڑے یکساں آدھا کلو۔

• لال مرچ اوسط درجے کی آٹھ نو۔

• دھنیا ثابت۔ ایک مٹھی بھر۔

• زیرہ ثابت سفید ڈیڑھ چمچ چائے والا۔

• لہسن ایک گانٹھ • ادرک۔ ایک چھوٹی گانٹھ۔

• املی۔ بغیر بیجوں کی پانچ چھ بڑی بڑی۔

• ہرا دھنیہ دس پیسے کا • نمک اپنی مرضی کا • گھی ایک روپیہ کا۔

"اچھا یہ منگالیں پھر؟"

"پھر آلوؤں کو دھو کر اُبال لو اور چھیل کر رکھ لو۔ املی کو دھو کر ایک پیالی پانی میں بھگو دو۔ ایک گھنٹہ بھیگیں۔ پھر مل کر چھان کر۔ پھوک پھینک دو۔"

"اچھا یہ ہوگیا۔ اس کے بعد؟"

"اس کے بعد دھنیہ، زیرہ اور لال مرچ کو سوکھی سل پر موٹا موٹا پیس لو۔ پودینے کی پتیوں کو باریک کاٹ لو۔ اب ایک دیگچی میں گھی اور تمام سوکھے مسالے، نمک، پاؤ پیالی پانی ڈال کر مسالہ بھون لو۔ پھر آلو ڈال دو۔ اس کے بعد املی کا چھنا ہوا پانی۔ ہرا دھنیہ اور پودینہ ڈال کر تین چار منٹ کے بعد چولھے سے اُتار لو۔ چٹ پٹی بھاجی تیار ہے۔ دو وقت ہم سب مزے سے کھائیں۔"

"بوا۔ بہت خوب۔ دو وقت۔ بڑے سستے رہیں گے۔ تو جلدی جاؤ اور سامان لاؤ۔"

"اور بیگم! ایک بات اور بتاؤں۔ آپ کی ساس اللہ بخشے جب وہ ایسی چیز پکاتی تھیں تو پڑوس میں ضرور بھیجتی تھیں۔ بڑا ثواب ہے بی بی!"

"اچھا اچھا پڑوس میں دے آنا۔" "جزاک اللہ"

آزمائیے بالاستین

(فاطمہ زہرا)

مولی کا اچار مولی (بغیر پتوں کی) دو کلو لے کر انھیں چھیل کر نصف c.m موٹے گول گول قتلے کاٹ لیں۔

ایک دیگچی میں مولی کے قتلے اور اتنا پانی ڈالیں کہ اس میں قتلے ڈوب جائیں۔ پھر دیگچی کو تیز آنچ پر رکھ دیں۔ پانی اُبلنے لگے تو پانچ دس منٹ بعد دیگچی کو آنچ سے اتار کر تھوڑا ٹھنڈا کر لیں۔ چینی کے مرتبان میں مولی کے قتلے سمیت ڈال دیں۔ پھر مرتبان کو بند کرکے دھوپ میں رکھدیں دو تین دن کے بعد پیلی مرچ ۳ ٹیبل اسپون۔ لال پسی ہوئی ۵۰ گرام۔ لہسن ۳ گٹھی۔ نمک حسب ذائقہ ڈال دیں۔ اور دھوپ میں بند کرکے رکھ دیں۔ دس پندرہ دن دھوپ لگانے کے بعد استعمال کریں۔ اس دوران مرتبان کو روزانہ ہلاتی رہیں۔ پھر استعمال کریں۔

(بشارت حسین)

آلو کے شیپ بڑے سائز کے آلو لے کر پہلے انھیں خوب صاف کرکے چھیل لیں اور انھیں کدوکش (Potato ...) میں گول گول قتلے کدوکش کرلیں۔ اور انھیں ٹھنڈے پانی میں ڈالتی جائیں تاکہ کالے نہ پڑجائیں۔ اس کے بعد انھیں ایک باریک کپڑے میں رکھ کر کھولتے پانی میں تین چار بار ڈبکی دے کر دھوپ میں پھیلا دیں۔ جب خوب سوکھ جائیں تو انھیں تیل یا گھی میں تل لیں۔ اور اس پر کالی مرچ اور نمک چھڑک کر استعمال کریں۔ کھانے میں بہت لذیذ ہوتی ہے۔

- گولر کا پکا پھل مسلم۔ سال میں کئی بار کھا لینے سے آنکھیں نہیں دکھتی ہیں۔
- انجیر کا دودھ آنکھ میں ٹپکانے سے موتیا بند ٹھیک ہوجاتا ہے۔

(بشارت حسین ہاشمی ہمت)

(ادارہ)

بُوا کی ہنڈی

" نہ بہو بیگم! اس میں بڑے پیسے لگ جائیں گے "

" لگ جانے دو بُوا! چیز تو معرکے کی ہوگی "

" بیٹی! بڑی گرانی ہے۔ پھر میاں پانچسو ہی تو پاتے ہیں۔ اسی میں کھاؤ پیو دلہن! "

" اچھا تو تم بتاؤ کیا چیز بناؤں؟ "

" بی بی! آج تو آلو کی چٹ پٹی بھاجی بناؤ "

" وہ کیسے؟ "

" دیکھو بہو بیگم۔ یہ سامان منگوا لو "

● آلو بڑے بڑے یکساں آدھا کلو

● لال مرچ اوسط درجے کی آٹھ نو

● دھنیا ثابت۔ ایک مٹھی بھر۔

● زیرہ ثابت سفید ڈیڑھ چمچ چائے والا۔

● لہسن ایک گانٹھ ● ادرک۔ ایک چھوٹی گانٹھ۔

● املی۔ بغیر بیجوں کی پانچ چھ بڑی بڑی۔

● ہرا دھنیہ دس پیسے کا ● نمک اپنی مرضی کا ● گھی ایک پاؤ یا ڈیڑھ پاؤ

" اچھا یہ منگالیں پھر؟ "

" پھر آلوؤں کو دھو کر اُبال لو اور چھیل کر رکھ لو۔ املی کو دھو کر ایک پیالی پانی میں بھگو دو۔ ایک گھنٹہ بھیگیں پھر مل کر چھان کر پھوک پھینک دو "

" اچھا یہ ہوگیا۔ اس کے بعد؟ "

" اس کے بعد دھنیہ، زیرہ اور لال مرچ کو سوکھی سل پر موٹا موٹا پیس لو۔ پودینے کی پتیوں کو باریک کاٹ لو۔ اب ایک دیگچی میں گھی اور تمام سوکھے مسالے نمک، پاؤ پیالی پانی ڈال کر مسالہ بھون لو۔ پھر آلو ڈال دو۔ اس کے بعد املی کا چھنا ہوا پانی۔ ہرا دھنیہ اور پودینہ ڈال کر تین چار منٹ کے بعد چولہے سے اُتار لو۔ چٹ پٹی بھاجی تیار ہے۔ دو وقت ہم سب مزے سے کھائیں "

" بُوا۔ بہت خوب۔ دو وقت۔ بڑے سستے رہیں گے۔ تو جلدی جاؤ اور سامان لاؤ "

" اور بیگم! ایک بات اور بتاؤں۔ آپ کی ساس اللہ بخشے جب وہ ایسی چیز پکاتی تھیں تو پڑوس میں ضرور بھیجتی تھیں۔ بڑا ثواب ہے بی بی! "

" اچھا اچھا پڑوس میں دے آنا " " جزاک اللہ

[illegible]

کتاب	مصنف	قیمت	کتاب	مصنف	قیمت
[illegible]	سی۔ بی۔ رحمان	4/-	[illegible]	حافظ محمد [illegible]	5/-
شرک کیا ہے	امام ابن تیمیہ	2/50	[illegible]	محمد فاروق خان ایم اے	[illegible]
توحید کیا ہے	شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب	2/[illegible]	[illegible]	پروفیسر عبدالحمید صدیقی	1/-
مسنون نمازیں	عاصم نعمانی	1/25	رسول اکرم کی نماز	علامہ محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ	[illegible]
مہر نبوت	علامہ قاضی سلیمان منصورپوری مؤلف رحمۃ للعالمین	2/-	شمائل عائشہ	شفیق احمد سعید انبالوی	3/50
کرو کا جادو	شاہ بلیغ الدین	2/50	معیار الحق	شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی (میاں صاحب)	زیر طبع
[illegible]	عبدالقادر عودہ شہید	2/50	[illegible] القرآن	حافظ ثناء اللہ جاوید	[illegible]
چالیس حدیث	امام نووی رح ترجمہ انگریزی مع اردو	4/-	سیرۃ الرسول	شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب	[illegible]
[illegible]	سید قطب شہید	2/25	حقیقۃ الفقہ	علامہ محمد یوسف جے پوری	[illegible]
اقبال اور سوشلزم	ڈاکٹر ایس۔ اے رحمان ریٹائرڈ چیف جسٹس پاکستان	6/-	[illegible]	ڈاکٹر محمود احمد مصری	[illegible]
[illegible]	سجاد جان	2/50	[illegible]	خلیل الرحمٰن نعمانی	[illegible]
قرآنی اخلاق	پروفیسر عبدالصمد صارم ازہری	3/-	اسلامی فقہ	علامہ عبیداللہ رحمانی	[illegible]

مکتبہ [illegible]

آزمائے ہوئے ٹوٹکے

۔۔۔ (ماخوذ۔ دولت کی بارش) ۔۔۔

• تھوڑے سے پانی میں لیموں کا رس ملا کر صبح نہار منہ متواتر کچھ عرصہ پینے سے موٹاپا دور ہو جاتا ہے۔

• مرض کا باپ خواہ کوئی ہو، لیکن خراب اور ثقیل غذا اس کی ماں ضرور ہوتی ہے۔

• بتھوا کا ساگ بواسیر میں بہت مفید ہے کیونکہ یہ جگر کی گرمی مٹا کر پیشاب خوب لاتا ہے۔ قبض کشا ہے۔

• جگر خراب ہو تو پالک استعمال کرو۔ گلا بیٹھ جائے تو اس کے پتوں کے گرم پانی سے غرغرہ کرو، قدرتی علاج ہے۔

• دل کی کمزوری، جگر کی کمزوری میں گاجر کا پانی یا مربہ بہترین اور زود اثر علاج ہے۔

• اگر آپ خوبصورت اولاد چاہتے ہیں تو ایام حمل میں عورت کو سنگتروں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرائیں۔

• مولی کھانے سے پیشاب کھل کر آتا۔ پتھری میں مفید ہے مقوی معدہ و جگر ہے۔ اس لیے بواسیر میں بہت مفید ہے۔ مولی غذا کو ہضم کرتی ہے اور مولی کو گڑ ہضم کرتا ہے۔

• کدو (گھیا) درمیان سے کاٹ کر پاؤں کے تلوے پر ملیں تو تمام جسم کی گرمی نکل جاتی ہے۔

• قوت ہاضمہ بڑھانا چاہتے ہوں تو ٹماٹر پیاز، ادرک، سبز پودینہ کھائیے۔ ان کی چٹنی بنا یا کچی ہی کھائیے۔

• چونا اور شہد ملا کر جہاں بچھو کاٹے لگا دیں فوراً سکون ہوگا۔

• گندھک اور نوشادر سرکہ میں حل کر کے بچھو کے کاٹے کی جگہ پر لگا دیں۔ نہ درد رہے گا نہ تکلیف۔ (ماخوذ۔ دولت کی بارش)

یہ مقبول کتابیں مکتبہ حجاب رامپور سے طلب فرمائیں

تصانیف سید ابوالاعلیٰ مودودی

اسلامی سیاست 6/-
اسلام کا سرچشمۂ قوت 2/-
اسلامی نظام معیشت -/75
اسلامی تزکیۂ نفس -/90
اسلامی نظم معیشت کے اصول و مقاصد -/50
اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی 10/-
اسلام اور جاہلیت -/75
انسان کا معاشی مسئلہ اور اسکا اسلامی حل 1/-
اسلامی فلسفۂ معیشت کے بنیادی اصول -/50
اسلام کا پیغام -/50 - اسلام اور رہبانیت -/70
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے -/75
اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر 3/-
اسلام اور جدید معاشی نظریات 3/50
اسلام کا نظام حیات 1/00
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر -/75

ایک نہایت اہم استفتاء -/35
اسلام کا معاشی نظام -/70
اسلام کس چیز کا علمبردار ہے 1/50
بناؤ بگاڑ -/1 تعلیمات 3/25
الجہاد فی الاسلام 24/-
تجدید احیائے دین 5/-
تحریک اسلامی دوسری اجتماعی تحریکوں کے مقابلے میں 2/50
تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات 2/50
تنقیحات 6/50 جبر و قدر -/35
تفہیمات اول 12/- دوم 9/- سوم 7/50
جماعت اسلامی کی دعوت -/50
جنسی تعلقات اور قوانین فطرت 1/-
جہاد فی سبیل اللہ -/75
حقوق الزوجین 5/-
خطبات مکمل مجلد اول تا ششم 18/-
خطبات اول (حصہ ایمان) 1/50
" دوم (حصہ اسلام) 1/50

خطبات سوم (حصہ صوم و صلوٰۃ) 2/50
" چہارم (حصہ زکوٰۃ) 2/-
" پنجم (حصہ حج) 1/50
دین حق -/75 - رسالہ دینیات 5/-
سرمایہ داری اشتراکیت اور اسلام -/50
سود 12/- سلامتی کا راستہ -/70
سرور عالم -/35 - شہادت حق 1/25
سرور عالم کا اصلی کارنامہ -/60
سرمایہ داری اور اشتراکیت 1/75
رسائل و مسائل اول 9/- دوم 20/-
سوم 7/50 چہارم 7/-
اسلام اور ضبط ولادت 5/-
شہادت حضرت امام حسینؓ -/50
شراب انسانی قانون و الٰہی قانون -/40
عید قربان -/35 - قربانی -/25
عید الفطر کس کے لئے -/60
قرآن کی معاشی تعلیمات 1/-
قرآن اور پیغمبر -/75
امام ابو حنیفہ اور انکا کارنامہ 1/50

"ابلاغ" (اشتہاری)

- ابہام و تجرید، قدیم و جدید اور مقصدیت و بے مقصدیت کی لایعنی بحثوں سے پاک
- ادب میں حسن و صحت، استقلال و اعتدال اور تخلیق و تنقید کا سنگم
- فنی آداب اور صحت مند تہذیبی اقدار سے مزین
- تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ڈیمائی سائز کا یہ بیش قیمت رسالہ عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے

.:: اس شمارہ کی ایک جھلک ::.

- مقالہ نگار و افسانہ نویس ——————

جیلانی کامران۔ عبدالمغنی۔ محمد حسن عسکری۔ جمیل مظہری۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ۔ ضیا عظیم آبادی طاہر رضوی برق۔ اقبال مسعود اور حسن رضا وغیرہ۔

- شعراء :- وزیر آغا۔ جمیل مظہری۔ جگن ناتھ آزاد۔ پرکاش فکری۔ رضا نقوی راہی۔ حفیظ میرٹھی سلطان اختر۔ کرشن کمار اور مظہر حنفی۔ حنیف کیفی۔ وغیرہ۔
- مجلس مشاورت :- پروفیسر اسلوب احمد انصاری۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔ پروفیسر عبدالقوی دسنوی۔ ڈاکٹر ابن فرید۔ ڈاکٹر عبدالمغنی۔
- سرپرست : سلیمان صادق • مدیر۔ احمد سجاد • مدیر معاون : مظفر احمدی مہدی • تزئین کار : محمد مظہر
- قیمت :- سالانہ :- اندرون ہندوستان۔ پندرہ روپے اور فی پرچہ دس روپے۔

بیرون ہندوستان پینتیس روپے اور فی پرچہ پندرہ روپے

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

مینیجر "ابلاغ" طارق منزل۔ بریلی ہاؤسنگ کالونی رانچی ۸۳۴۰۰۹ (بہار)

مالک، پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر محمد اسحٰق مائل خیرآبادی بمطبوعہ جے کے پرنٹرز دہلی۔ مقام اشاعت محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور یوپی

مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اِسلامی ہند کے اجلاس دہلی منعقدہ

۵ تا ۸ ر دسمبر ۸۰ء میں منظور کردہ قراردادیں

مرادآباد وغیرہ کے سانحات

مرادآباد، علی گڑھ اور الہ آباد وغیرہ کے فسادات، آسام کی تحریک اور مہاراشٹر میں کسان جیسے خاموش طبقہ کا اٹھ کھڑا ہونا، بہار میں زیر سماعت قیدیوں کو اندھا کر دیا جانا اور اسی طرح کے دوسرے ناخوشگوار واقعات جو یکے بعد دیگرے رونما ہوتے جارہے ہیں وہ اس خطرے کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ ملک تیزی سے انتشار اور زبردست بگاڑ کی طرف جارہا ہے۔ جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ اس صورت حال کو انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس کے نزدیک اور زیادہ پریشان کن بات یہ ہے کہ ملک کی کارفرما قوتیں اور وہ ایجنسیاں جو حالات پر اثر انداز ہونے کی طاقت بھی رکھتی ہیں اور اسے پرامن رکھنے کی ذمہ دار بھی ہیں۔ اس مقابلہ میں اپنی ذمہ داری سے غفلت اور کوتاہی برت رہی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کا رویّہ اکثر حالات کی مزید خرابی کا باعث ہوتا ہے۔ البتہ قیدیوں کو اندھا بنا دینے پر قومی پریس، سیاسی پارٹیوں، ملکی پارلیمنٹ اور دوسرے اداروں اور شخصیتوں کا جو ردعمل سامنے آیا وہ اس پہلو سے یک گونہ قابل اطمینان اور حوصلہ افزا ہے کہ جس حد تک بھی ان کے علم میں آیا ہے۔ اس ضمن میں ان میں ذمہ داری کا احساس بیدار ہوا ہے بشرطیکہ یہ احساس صرف بعض واقعات یا ان کی کسی خاص قسم ہی تک محدود ہو کر رہ جائے۔

مرکزی مجلس شوریٰ کا شدید احساس ہے کہ خاص طور پر مرادآباد کے ناخوشگوار واقعات کے سلسلے میں حکومت کے ذمہ داروں، نظم و نسق کو برقرار رکھنے کی دوسری ذمہ دار ایجنسیوں اور قومی پریس

تصانیف مائل خیرآبادی

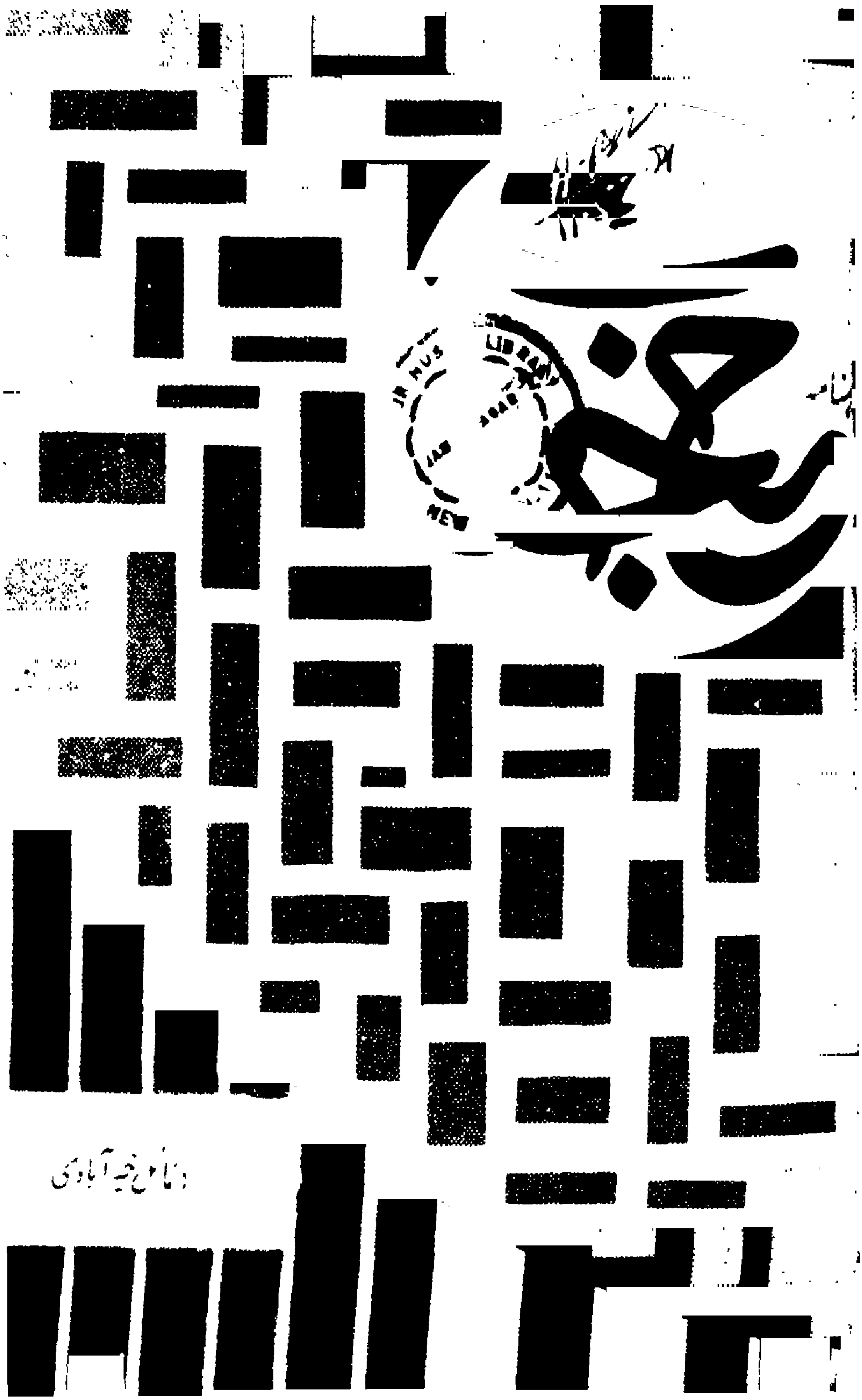
اندیشوں کے گرفتار 2/30
ایک شعر ایک کہانی -/50
امرود بادشاہ -/70
ابن بطوطہ کا بیٹا 2/50
اسلامی تہذیب اور آداب 1/-
امانت کا بوجھ 2/-
ہمارا ابن بطوطہ 6/00
کلام نرم و نازک 4/00
اسلامی نظام میں عورت کا مقام 5/00
احساس ابھرتا ہے 1/00
ششمہ کی عظیم کہانی 1/00
آج کے کوہکن 1/00
شہزادہ توحید 1/00
قرآن میں عورت کی حیثیت 5/00
خاتون جنت فاطمۃ الزہراء 3/00
نقلی شہزادہ 3/00
پیار کا سندیش 1/00
مرد ناداں 2/50
دل کا سایہ -/50

ہندوستانی عورت 1/50
اچھی پیاری اور مزیدار باتیں -/50
اب تک یاد ہے 2/25
اچھی نظمیں اول -/50 دوم -/50
ایک انسان دو کردار -/50
دو انسان ایک کردار 2/50
ام المومنین حضرت عائشہؓ 4/50
بھولے بھیا -/50
بڑوں کا بچپن -/75
بڑوں کی مائیں -/50 بہت خوب -/70
بیوقوف کی تلاش -/70
لشری کے خطوط 1/-
بدنصیب -/30 ابنت حوا 1/30
بنت اسلام 1/80
پھول کی پتی 1/50
پیارے نبی ایسے تھے -/70
پیشین گوئیاں 1/25
ترکستان سے ترکی تک 1/-
تاریخی کہانیاں اول -/50
" " دوم -/60 اسلام -/80 چار انچ
جنتی بچہ -/25 چٹانیں 2/50

اسلامی شریعت ہندی 1/-
جاں باز ساتھی 2/-
خدیجۃ الکبریٰ -/50
خواتین کے مطلب کی باتیں -/50
خانہ آبادی -/80
دادا کا پوست -/70
دانا حکیم 1/60 زبان کا زخم 1/-
دانا حکیم کی دانا بیٹی -/60
سچے افسانے 1/-
اچھے افسانے 1/-
طویلے کی بلا 1/-
عمر ثانی 1/30 فیصلے -/70
گڈو کے گیت -/40
گڑیا کا دغا 1/ امر حلے 1/-
گڈو کی گڑیا -/40
میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی -/60
مہمان ترکیہ -/60 دل کا سایہ
مزدور یا فرشتہ -/50
نثالسے قتل کے بعد 1/-
فیصلے -/70

کا جو رویہ رہا ہے وہ نہ حق وانصاف پر مبنی ہے اور نہ ملک کے وسیع تر مفاد میں ہے۔ اب سب لوگ جان چکے ہیں کہ یہاں کے واقعات کے رونما ہونے کی اصل ذمہ داری پولیس اور پی اے سی کے سر ہے۔ لیکن وہاں نہ پولیس اور پی اے سی کے افراد کی معطلی ہوئی اور نہ ان میں سے کسی کے خلاف مقدمہ قائم کیا گیا۔ شہداء و مقتولین کے پس ماندگان کی جو مدد کی گئی وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ کے مصداق ہے۔ جن کالونیوں اور محلوں کو لوٹا، جلایا اور تباہ کیا گیا ان کی بازآبادکاری کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر اہتمام نہیں کیا گیا۔ ان تباہ شدہ محلوں میں کچھ لوگ ہلاک بھی ہوئے اور کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمات قائم کر دیے گئے۔ پھر جب بعض ریلیف کمیٹیوں نے ان کی بازآبادکاری کی کوشش کی ان کو بھی حکومت نے بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگا کر گرفتار کر لیا اور ان پر غلط قسم کے مقدمات قائم کر دیے۔ اس کے علاوہ ابھی چند روز پہلے خواتین کے اغوا اور ان کی آبروریزی کے واقعات پارلیمنٹ میں بیان کیے گئے ہیں جو جان و مال کی تباہی و بربادی سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہیں۔

مرکزی مجلس شوریٰ ایک بار پھر اس سنگین صورت حال پر اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتی ہے اور مرکزی و ریاستی حکومتوں کو توجہ دلاتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو صحیح طور سے محسوس کریں۔ تباہ حال خاندانوں کی بازآبادکاری، مظلوموں کی دادرسی اور حالات کی بہتری کے لیے مناسب اور فوری اقدامات کریں۔



دانش خیرآبادی

Regd. No. M. R. D 14

MONTHLY **H I J A B** RAMPUR U.P.

ہماری مقبول کتابیں

• [illegible]	2.00	• حضرت عائشہ
• شہزادہ [illegible]	1.00	• قرآن [illegible]
• حمیدہ بیگم	6.00	• خاتونِ جنت
• نقلی شہزادہ	3.00	• [illegible]
• نظر بند	1.00	• کرتوت
• آج کے [illegible]	1.00	• [illegible] سے گرفتار
• پیار کا سندیس	1.00	• [illegible] و ناز
• احساس [illegible]	1.00	• مقالات [illegible]
• نماز کیسے پڑھیں	2.50	• خیر القرون

Hijab RAMPUR U.P. P. 244901

[illegible]

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

ماہنامہ

حجاب

رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

مئی سنہ ۱۹۸۱ء

شمارہ ۱۴

جلد ۱۲

اس پرچہ کی قیمت 3/-

سالانہ زر تعاون 30/-

... زر تعاون 35/-

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے حجاب کے
لئے جو زر تعاون ارسال فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچہ کے ساتھ ختم ہو گئی آئندہ کے
لئے جلد از جلد زر تعاون عنایت فرمائیں۔ والسلام — منیجر ماہنامہ حجاب

درپردۂ حجاب

چھٹا کل ہند اجتماع عام

حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ نے چھٹے کل ہند اجتماع عام کے لئے جو تجویزیں پاس کی
تھیں ان میں یہ تجویز خاص طور پر میں نے نوٹ کی

• اس اجتماع میں ارکان جماعت اسلامی کی شرکت لازمی نہیں ہے۔

اس تجویز کے ذریعہ ارکان جماعت اسلامی کی شرکت اس لیے لازمی نہیں کی گئی تھی کہ بعض
ارکان سفر خرچ اور زاد سفر کا بار نہ اٹھا سکیں گے۔

مجھے ایثار و قربانی کے اعتبار سے یہ تجویز بہت ہلکی نظر آئی۔ پھر میں نے سوچا کہ خود رب العالمین
کسی جان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا تو ہم کون ہوتے ہیں کہ ارکان جماعت کو ان کی حیثیت سے
زیادہ بوجھ ڈالیں۔ اس پر دل تو مطمئن ہو گیا لیکن دماغ یہ سوچتا رہا کہ جماعت اسلامی جس طرح
پہلے مقامی جماعتوں اور اہل خیر حضرات کو یہ تلقین کرتی ہے کہ کوئی رکن جماعت محض کسی مالی
وجہ سے شرکت سے محروم نہ رہے۔ اسی طرح اب بھی اہل خیر اور مقامی جماعتوں کو اس پہلو کو
شوریٰ بینہم کے تحت قرآن میں آیا ہے کہ جب کوئی بات باہم مشورے سے طے ہو جائے
اس میں خیر کا پہلو سمجھنا چاہیے۔ یہ آیت یاد آئی تو میں اجتماع کی کامیابی کے لیے دعا کرنے لگا

میرے نزدیک آپ کا حال اور آپ کا مستقبل متعلق ہے اس سوال پر کہ آپ اُس ہدایت کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ جو آپ کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت پہنچی ہے جس کی نسبت سے آپ کو مسلمان کہا جاتا ہے اور جس کے تعلق سے آپ خواہ چاہیں یا نہ چاہیں بہرحال دنیا میں اسلام کے نمائندے قرار پاتے ہیں۔ اگر آپ اس کی صحیح پیروی کریں اور اپنے قول و فعل سے اس کی سچی شہادت دیں۔ اور آپ کے اجتماعی کردار میں پورے اسلام کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ ہونے لگے تو آپ دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخرو ہو کر رہیں گے، خوف اور حزن، ذلت اور مسکنت، مغلوبی اور محکومی کے یہ سیاہ بادل جو آپ پر چھائے ہوئے ہیں چند سال میں چھٹ جائیں گے، آپ کی دعوتِ حق اور سیرتِ صالحہ دلوں اور دماغوں کو مسخر کرتی چلی جائے گی ـــــ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آئے گا جب کیمونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہوگا، سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی، مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہوگا ـــــ اور یہ دور تاریخ میں ایک داستانِ عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اسلام جیسی عالمگیر و جہاں کشا طاقت کے نام لیوا کبھی اتنے بے وقوف ہو گئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر کانپ رہے تھے!

(سیّد مودودیؒ)

سنجیدہ مضامین پر رنگ رہ گیا۔ پھر ایک اعلان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ناظم اجتماع نے وادیٔ ہدیٰ میں ہونے والے اجتماع میں اپنے کس رفیق کو کس خدمت پر مامور کیا ہے۔ اپنے جواں العمر عبدالعزیز اور نوجوان رشید عثمانی کی سوجھ بوجھ پر پہلا اعتراف میری زبان پر آیا۔ دل نے بھی اقرار کیا کہ بے شک شوریٰ بینہم کے تحت جو فیصلہ ہوتا ہے اس کی تائید میں اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے حالانکہ وہ نظر نہیں آتا لیکن کامیابی کا ضامن وہی ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں اگر میں سارے اعلان نقل کردوں تو حجاب کے صفحات ناکافی ہوں گے صرف تین چھوٹے چھوٹے اعلانات بعینہٖ چھپاں کر رہا ہوں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق سلیقگی اور شائستگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

●

آدابِ اجتماع

۱۔ اللہ کی یاد سے اپنے قلب کو معمور رکھیے۔
۲۔ سنجیدگی، شائستگی، متانت، حلم اور بردباری سے اپنے آپ کو آراستہ کیجیے۔
۳۔ ہر حال میں اوقاتِ اجتماع کی پابندی کیجیے۔ پروگرام سے اپنے آپ کو مربوط کیجیے۔
۴۔ کیمپ انچارج اجتماع کی اجازت کے بغیر اجتماع گاہ سے باہر تشریف نہ لے جائیے۔
۵۔ اپنی ضروریات کی تکمیل میں ترتیب کو پیش نظر رکھیے صبر و تحمل کو ہاتھ سے جانے نہ دیجیے۔ ایثار کو اپنا شیوہ بنائیے۔
۶۔ مفوضہ ذمہ داریوں کو خوش دلی اور ذوق و شوق اسلامی سے پورا کیجیے اور دوسروں کے ساتھ تعاون عمل کی راہیں تلاش کیجیے۔
۷۔ فی الجملہ تمام امور میں اسلامی اخلاق و کردار کو پیش نظر رکھیے۔

●

آداب طعام

۱۔ اس دعا کو پڑھ کر کھانا شروع کیجیے: بسم اللہ و علیٰ برکت اللہ۔
۲۔ طعام گاہ میں داخلہ کے لیے عجلت سے کام نہ لیجیے۔
۳۔ کھانے کے دوران زیادہ باتوں سے پرہیز کیجیے۔
۴۔ کھانے میں عیب نہ نکالیے، پسند نہ ہو تو چھوڑ دیجیے۔
۵۔ پلیٹ میں جو کچھ رہ جائے اس کو صاف کر لیجیے۔
۶۔ پانی ٹھہر ٹھہر کر تین سانسوں میں پیجیے۔
۷۔ ہر موقع پر صفائی کو ملحوظ رکھیے۔
۸۔ بعد فراغت طعام یہ دعا پڑھیے: الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین

ترغیب و تعارف

اس تجویز کے بعد ہی جماعت اسلامی ہند کے آرگن "دعوت" اخبار میں ہر شمارے کے اندر جلی حروف میں اجتماع عام کا اعلان آنا شروع ہو گیا۔ اس اعلان کے الفاظ یہ تھے۔

"جماعت اسلامی ہند کے چھٹے کل ہند اجتماع عام

اور

پندرھویں ہجری کے پروگراموں میں شرکت فرمائیے"

اس اعلان میں اجتماع عام سے زیادہ پندرھویں صدی ہجری کے الفاظ پُرکشش محسوس ہوئے۔ یہ اس اجتماع کے پروپیگنڈے کی ابتدا تھی۔ پروپیگنڈہ ایک مکروہ لفظ ہے۔ ناظم اجتماع نے شاید اس کراہیت کو محسوس کر لیا۔ ان کی طرف سے جو اعلانات دعوت میں مسلسل آنا شروع ہوئے وہ زیادہ تر تعارف اجتماع آداب اجتماع۔ ہدایات اجتماع۔ سامان سفر۔ ٹرینوں کے ٹائم ٹیبل۔ دکن کا موسم۔ پہاڑی شریف کا تعارف۔ وادئ ہدیٰ کی وجہ تسمیہ۔ آداب طعام وغیرہ پر مبنی تھے یعنی کبھی یہ بتایا جا رہا تھا کہ اجتماع کی زمین پہاڑی ہے۔ پتھروں کو توڑ کر زمین ہموار کی جا رہی ہے کبھی حیدرآباد کے تاریخی حالات پر مضامین آ رہے تھے۔ کبھی پہاڑی شریف کی وجہ تسمیہ بتائی جا رہی تھی۔ سابق امیر حلقہ لطیفی مرحوم کی مختصر سوانح عمری بیان کی جا رہی تھی۔ ہر ہفتہ بتایا جاتا کہ اب موسم کی حرارت کا یہ عالم ہے۔ اور اب یہ اور فروری میں صرف ایک چادر کافی ہو گی۔ سکندرآباد اور نام پلی کے اسٹیشنوں کی خصوصیت بتائی جا رہی تھی۔ وہاں سے اتنی دور اجتماع اور وہاں سے اتنی دور۔ ٹرینوں کے آنے جانے کے اوقات (ٹائم ٹیبل) سے بھی آگاہ کیا جا رہا تھا۔ یہ بھی اعلان ہوتا رہا کہ مقامی جماعتیں اپنے یہاں کے متوقع شرکاء کا اندازہ لکھ بھیجیں۔

میں یہ اعلانات پڑھتا تھا۔ پڑھ پڑھ کر دل میں شرکت اجتماع کی ترغیب ہوتی تھی۔ میں ان

ہم شاعروں اور ادیبوں کے لیے داد ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ امیر مینائی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ:۔

شاعر کو مست رکھتی ہے داد سخن امیر
سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں

اگر مجھ میں اس نشے کے بدلے تقویٰ کا نشہ ہوتا تو شیطان کا منہ ریت سے ضرور بھر دیتا۔

رزرویشن

اب میں مقامی اجتماع میں شرکت کرنے لگا تھا۔ ایک اجتماع میں امیر مقامی نے اعلان کیا کہ جو مقامی اجتماع میں شرکت کرنا چاہتے ہیں وہ ٹکٹ کے لیے ۷۴/- جمع کردیں اور اگر واپسی کا بھی ٹکٹ چاہیں تو بتلا دیں۔ مزید ماہانہ فیس ۹۰/- میں نے رامپور سے دہلی اور دہلی سے حیدرآباد آنے جانے کے کرایہ رہا۔ رکشا اور دیگر خرچ کا حساب لگایا تو چار سو روپے کے لگ بھگ ہوگیا۔ سر چکرا گیا۔ یا اللہ! یہ رقم کہاں سے لاؤں۔ پھر دل نے کہا کہ میاں بہتر سال کے ہوگئے۔ معلوم نہیں اگلا اجتماع دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ اللہ کا نام لے کر قلندری چھلانگ لگا دو جہاں اتنے کے قرضدار ہو اس میں اتنا اور اضافہ سہی:

مجھے اس وقت حساب سے دو ہزار روپوں کی ضرورت تھی۔ سوچا کس رفیق کی جیب پر ڈاکہ ڈالوں۔ پہلے میں ماسٹر قادر علی صاحب کے پاس گیا۔ ماسٹر قادر علی صاحب ایک حادثے کا شکار ہوگئے تھے۔ کولہا ٹوٹ گیا تھا۔ وہ صاحب فراش تھے۔ جیسے ہی میں ان کے پاس جاکر بیٹھا انہوں نے سرہانے سے ایک لفافہ نکالا۔ مجھے دیا اور فرمایا، اس میں ایک ہزار کے نوٹ ہیں۔ کام میں لاؤ۔ سہولت ہونے پر واپس کردینا۔ میں نے دل میں کہا: خوب، اور زبان سے الحمدللہ کہہ کر لفافہ رکھ لیا۔

پھر چلا امیر محترم مولانا عزیز کی طرف۔ مولانا کی خدمت میں پہنچا تو وہ عصر سے پہلے

ناشتہ	طعام دوپہر	طعام شب
۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ	۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ	۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ
۲۳ فروری ۱۹۸۱ء	۲۳ فروری ۱۹۸۱ء	۲۳ فروری ۱۹۸۱ء
بقلم ...	بقلم ...	بقلم ...

میرا عزم شرکت

حجاب پڑھنے والے بھائیوں اور بہنوں کو یہ بات حجاب کے شمارہ مارچ اپریل ۸۱ء سے معلوم ہو چکی ہے کہ بھائی ابوالاکرم صاحب میرے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے۔ ان کے ساتھ محترم سید منظور الحسن ہاشمی پرنسپل مرکزی درسگاہ جماعت اسلامی رامپور بھی تھے۔ بھائی ابوالاکرم صاحب ناظم اجتماع کی طرف سے دو کاموں پر مامور کئے گئے تھے ان میں ایک یہ تھا کہ مجھ سے انٹرویو لیں۔ میں نے اپنے کو اس کا اہل نہ پاکر معذرت چاہی۔ انھوں نے اصرار کیا تو میں نے آنکھ کے آپریشن کا ذکر کیا کہ ان دنوں میں لکھنے پڑھنے اور باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ابوالاکرم صاحب کو مجھ پر رحم تو آیا لیکن جب وہ مایوس سے نظر آئے تو ہاشمی صاحب نے تجویز پیش کی کہ جو سوالات ناظم اجتماع نے بھیجے ہیں، وہ یہاں دے دیجیے۔ جب مائل صاحب لکھنے پڑھنے لگیں گے تو جوابات لکھ کر بھیج دیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ آپریشن کے بعد جب مجھے عینک ملی تو سب سے پہلے میں نے ان ۱۴ سوالات کے جوابات لکھے اور ناظم اجتماع کے نام رجسٹرڈ ڈاک سے بھیج دیا۔

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے جوابات اجتماع عام کی طرف سے شائع ہونے والے مجلہ میں جگہ پا گئے۔ پھر جب میں اجتماع میں گیا اور رشید عثمانی دوڑ کر گلے ملے تو وہ کہتے جا رہے تھے کہ مضمون بہت اچھا، بہت دلچسپ۔

بھی تھا۔ رات کو نزار اور رفیق نے مجھے اسی قافلے کے پاس لٹا دیا۔ کچھ دیر احراز الحسن سلمہٗ سے باتیں کرتا رہا
تقریباً دو بجے رات کو سونے کی کوشش کرنے لگا۔

پائے شفقت

جس طرف میرا سر تھا۔ ادھر ایک رفیق کے پیر تھے۔ وہ جب رات کو سوتے میں پیر سیدھے
کرتے تو میرے سر سے لگتے۔ میں جھنجلاتا لیکن جب بار بار یہ ایکسرسائز ہونے لگی تو یارائے ضبط نہ رہا
رفیق کے پاؤں پکڑے اور عرض کیا۔ بھائی صاحب! آج تک دست شفقت کے بارے میں بہت
کچھ سنا تھا۔ آج آپ کے پائے شفقت سے بہت ہی فیض حاصل ہو رہا ہے۔ رفیق ہنس پڑا اور
پھر میں اس کے پائے شفقت سے محروم رہا۔

اجتماعی سفر کی برکتیں

رامپور سے کم و بیش ساٹھ افراد نے حیدرآباد جانے کے لیے رزرویشن کروا لیا تھا۔ ان میں سے
تقریباً چالیس کا رزرویشن ۱۸ فروری کو اے پی ایکسپریس سے تھا۔ ان میں ۱۱ خواتین تھیں ان خواتین
میں چار استانیاں اور سات طالبات تھیں۔ سفر اجتماعی طے ہوا۔ مولوی عبدالسلام صاحب امیر سفر بنائے
گئے۔ عبدالسلام صاحب نے ایک بس طے کی۔ بیعانہ دے دیا۔ یہ سب میرے سامنے ہوا تھا۔ پھر
میں تو جیسا کہ اوپر عرض کیا، پہلے ہی چل دیا تھا۔ میں ۱۶ فروری کو مرکزی جماعت اسلامی میں تھا کسی
نے خبر دی کہ رامپور کا قافلہ جو بس سے آنے والا تھا۔ بس والے نے آنے سے انکار کر دیا اور بیعانہ
واپس کر دیا۔ وجہ یہ بتائی کہ ۱۶ فروری کو دہلی میں کسان ریلی ہے۔ تمام بسیں ان کے لیے وقف
ہوں گی۔ کوئی پرائیویٹ بس دہلی نہ جا سکے گی۔ میں نے یہ خبر سنی تو بہت پریشان ہوا۔ اگر بسیں
بھی بند ہیں تو رامپور کا قافلہ بروقت کیسے پہنچ سکے گا؟ میرے اوپر مایوسی طاری ہونے

چار بنا رہے تھے۔ چار بنا کر مجھے پلائی۔ خود پی۔ میں نے قادر علی صاحب کے لفافے کا ذکر کیا اور پوچھا۔ مولانا بتائیے؟ قادر علی صاحب اور مائل خیرآبادی میں ولی کون ہوسکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کل جواب دونگا دوسرے دن میرے غریب خانہ پر آئے اور فرمایا کہ یہ ایک ہزار رکھ لو۔ میں مئی کے مہینے میں گھر جاؤنگا تو دیدینا۔ میں ہنسا اور کہا کہ اب تو تین شخصوں میں جھگڑا ہوگا کہ ان میں کون ولی ہے؟

میری باتیں مولانا اور دیگر رفقاء سے اکثر تفریحی ہوا کرتی ہیں۔ یہ میرے رفقاء کی عالی ظرفی ہے کہ وہ میری تفریحی باتوں کو سنجیدگی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ میں نے ۱۵۰/ روپے ٹکٹ کے لیے دے دیے تاکہ رزرویشن کرالیا جائے۔ نوجوان رفیق مولوی عبدالسلام صاحب بستوی اس کام پر مامور کئے گئے۔ وہ دہلی گئے۔ ۱۷ فروری سنہ ۸۱ء کو اے، پی ایکسپریس سے رزرویشن ہوگیا۔ اب میں انتظار کے دن اور گھڑیاں گننے لگا۔

روانگی

ایک اعلان قیم جماعت کی طرف سے دعوت میں بار بار شائع ہورہا تھا کہ مرکز کے قریب چتلی قبر میں رکشائیں کم ہوتی ہیں۔ اس لئے جو رفقاء مرکز تشریف لائیں وہ ۱۶ تاریخ کو مغرب تک یا مغرب بعد نئی دلی کے اسٹیشن ضرور روانہ ہو جائیں۔ صبح رکشاؤں کا ملنا مشکل ہوگا۔

مجھے دہلی میں کچھ "حجابی کام" تھا اس لئے میں ۱۵ فروری کو دہلی پہنچ گیا۔ ۱۶ فروری کو کام نپٹا کر دو نوجوانوں لزار و عتیق کے ساتھ نئی دہلی کے اسٹیشن پہنچا۔ آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے میرے لئے چلنا بڑا مشکل تھا۔ اللہ نے یہ نوجوان فرشتے بھیجدیے۔ میں سمجھا تھا کہ سب سے پہلے میں پہنچا ہوں مگر وہاں بہت سے رفقاء پہلے سے موجود تھے اور پھر تانتا بندھ گیا۔ یہ بلند شہر کا قافلہ۔ یہ مظفر نگر کا اور یہ فلاں اور یہ فلاں۔ یعنی شمالی ہند کے مغربی اضلاع کے بہت سے رفقاء آ گئے۔ علی گڑھ کے ۲۴۔۱۔ ۵ کا قافلہ بھی اے۔ پی ایکسپریس سے جانے کے لئے آ گیا۔ اس میں میرا بھتیجہ اعزاز الحسن جاوید بھی

پکڑ لیے۔ مشورہ ہونے لگا کسے پایا اب تک فسادی چھاپے لگانے کے سوا چارہ نہیں۔ اللہ سے دعا کیجئے اور چلئے مرادآباد کی سڑک پر کوئی ٹرک پکڑیں۔

ٹرک کا نام سنا تو ہمارے امیر سفر مولوی عبدالسلام بستوی صاحب یکدم اٹھ کھڑے ہوئے ابھی آتا ہوں کہہ کر ایک طرف بھاگے۔ ہم سب سوچنے لگے کہ دیکھیں ان حضرت پر اس وقت کیا الہام ہوا ہے اور یہ دفعتاً غیب سے کیا ظاہر ہونے والا ہے۔

مولانا عبدالسلام صاحب نوجوان رکن جماعت ہیں۔ وہ دوڑتے ہوئے رفیق جماعت نوشن صاحب کے مکان پر پہنچے۔ اللہ کا فضل شامل حال تھا۔ ان کا ٹرک کھڑا تھا۔ عبدالسلام صاحب نے ان کے ساتھی اور ڈرائیور سے کہا کہ فوراً تیار کرو۔ اور وہاں سے آکر پکارے۔ تمام لوگ جلد سے جلد نوشن صاحب کے یہاں پہنچیں۔ اب ہم پیدل مدرسہ سے سامان لاد لاد کر بھاگے۔ ٹرک پر سامان لادا۔ جلسے میں ساتھ خواتین بھی تھیں کہنے سے شاید یہ شبہ ہو کر معمر خواتین تھیں یہ سب طالبات تھیں۔ اچھا تو ان لڑکیوں کو بٹھا دیا گیا۔ سامان نے کرسی کا کام دیا۔ ہم سب ان کے بیچ میں کرسیوں پر بیٹھے۔ ٹرک سیدھا چلا۔ ہم نے کہا:

ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

مرادآباد کے رفقاء کو کہلوا دیا گیا تھا کہ وہ بھی بس سے چلیں گے۔ اب سوال یہ تھا ان کو کیسے اطلاع دی جائے کہ ہم ٹرک سے جا رہے ہیں اور مرادآباد سے دہلی جانے والی چار بجے والی گاڑی پکڑنی ہے وہ ہم سے کہا کہ ہاتھوں کے طوطے اُڑے ہوئے تھے لیکن ذہن کام کر رہا تھا۔ عبدالسلام صاحب نے اسی جہان بھائی کو پہلے ہی دوڑا دیا تھا کہ مرادآباد کے رفقاء کو اس اچانک واردات کی خبر کر دیجیے۔ جس وقت ہم مرادآباد کے اسٹیشن کے پاس پہنچے۔ گاڑی چھوٹنے میں سات منٹ باقی تھے اسی وقت مرادآباد کے رفقاء آ گئے اور وہ پلیٹ فارم کی طرف بھاگے۔ ساری بیٹیاں ان کے ساتھ ہو لیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ لڑکیاں ہم پر بوجھ بنیں گی لیکن ان سب نے بڑی ہمت سے کام لیا۔ جو

کی۔ اب دعا کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔

میں نئی دہلی کے اسٹیشن پر لیٹا تھا۔ آنکھیں بند کئے سونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مایوسی میرے ذہن و دماغ پر سوار تھا۔ صبح ہونے کو تھی کہ اچانک "ابا جان! السلام علیکم" کی آواز نے چونکا دیا۔ میں یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے ظفر اسحاق رشاد سلام کرکے گلے لگا لیا اور پوچھا: بیٹے! تم آگئے یا تمام رفقاء بھی؟" اس نے خوشخبری سنائی کہ دیکھا قافلہ آگیا اور ہم لوگ سامان اتار رہے ہیں۔ میں نے پوچھا "آئے کیسے؟" وہ بتا رہا تھا اس وقت اتنا خوش تھا کہ مارے خوشی کے ناچا جا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تم کچھ دیر ٹھہرو، میں آتا ہوں" اور میں عبداللہ کی تلاش میں بھاگا۔

میں جا کر رفقاء سے ملا۔ دیکھا تو سامان کا انبار بھی موجود ہے۔ میں حیران رہ گیا کہ کس نے سب کو اور کس طرح یہاں پہنچا دیا۔ اس کے بعد رامپور تا دہلی کی جو دلچسپ روداد سفر معلوم ہوئی وہ یہ ہے:۔

غم انبوہ جشنے دارد

ہم نے جو بس نئی دہلی تک لے لی تھی وہ رامپور سے ایک بجے چلنے والی تھی۔ ہم نے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ قلعے کے سامنے یہاں وہ سب اکٹھا ہو جائیں۔ ساتھی بارہ بجے ہی وہاں آنے لگے۔ عین وقت پر پولیس والے نے جانے سے انکار کر دیا اور بتایا کہ بسوں کو دہلی جانے سے روک دیا گیا ہے اور جو سرکاری بسیں تھیں وہ سب کسان ریلی کے لئے ہو چکی ہیں۔ یہ بات ہم جان چکے تھے کہ ۲۹ فروری کو دہلی میں آل انڈیا کسان ریلی کی طرف سے کسا[ن] اس اچانک حادثہ پر ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے لیکن الحمدللہ دماغ کام کرتا رہا۔ سوچا جانے لگا کہ اب کیا ہو؟ پسنجر ٹرین تو اب ۱۱ بجے رات کو دہلی جائے گی۔ ہم سے سکا

نے ہماری اور ہماری لڑکیوں کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کردیا کہ جن عورتوں اور بچوں کو ہماری لڑکیوں نے لے اپنے پاس بٹھالیا تھا۔ ان کے مردوں نے دوسرے مسافروں کو پوری قوت سے ادھر آنے سے روک دیا: خبردار! کوئی ادھر دھکے نہیں تو اچھا نہ ہوگا۔ گویا:-

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے

خدا خدا کرکے گاڑی رینگی۔ پھر رفتار تیز ہوئی۔ یہ ٹرین ہر اسٹیشن پر رکتی ہے۔ ہر اسٹیشن پر وہی ہنگامہ جیسے آج کل کے ہر شخص نے دیکھا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی بے حد تکلیف میں تھے۔ ہمارے ساتھ کچھ مختلف قسم کے بزرگ بھی تھے۔ کچھ رؤسا بھی تھے۔ ہمارے امیر جماعت رامپور مولانا عزیز صاحب بزرگ آدمی۔ پرانے ہمدرد جماعت جناب عابد سعید صاحب۔ وہی عابد سعید صاحب جن کے علاقے میں پہلا آل انڈیا اجتماع جماعت اسلامی ہند ہوا تھا جب کہ چاروں طرف سے مخالفت ہورہی تھی۔ یہ صاحبزادہ صاحب بھی عجیب و غریب دل گردے کے آدمی ہیں۔ ہر کل ہند اجتماع میں جائیں گے بہت سامان چوری میں جائے گا۔ سخت پریشان ہوں گے لیکن پھر جب چھ سات سال کے بعد اجتماع ہوگا تو اس طرح دوڑے جائیں گے گویا وہ خود آئے نہیں لائے گئے ہیں۔ اور لانے والا ان کا وہی جذبہ ہے جو پہلے ان میں دیکھا گیا۔

لشتم پشتم ہم پرانی دلی کے اسٹیشن پر پہنچے۔ اب یہ سوال تھا کہ یہ جو گاڑی نئی دلی جارہی ہے اس پر بیٹھیں یا باہر نکل کر رکشاؤں، آٹو رکشاؤں یا جو سواری ملے اس سے جائیں۔ اس طرح ساتھیوں کے منتشر ہوجانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے یہی طے ہوا کہ سب ایک ساتھ چلیں اور نئی دہلی جانے والی ٹرین پر بیٹھنے کی کوشش کریں۔ مولانا عزیز صاحب نے مجھے بتایا کہ پھر سب سے زیادہ تکلیف وہ اور دلچسپ یہی دس منٹ کا سفر تھا۔ اس موقع پر جب کہ تل دھرنے کی جگہ ٹرین میں نہ تھی۔ عابد سعید صاحب کے ذہن اور ان کی سوجھ بوجھ نے خوب کام کیا۔ بات ہنسی میں پڑی جارہی ہے۔ وہ ڈبہ جس میں جانور جاتے ہیں۔ طے کیا گیا۔ یہ بتانا کچھ ضروری نہیں ہے۔ ہمارا سامان اس میں بھرا

جس سے اٹھایا گیا سامان لیا۔ باقی قلیوں کے حوالے کیا گیا۔ ٹرین کا حال یہ کہ پوری کی پوری فل۔ اور فل سے آگے یہ کہ چھتوں پر ہزاروں مسافر۔

اب تو ہمارے بیشتر ساتھیوں کی زبان سے "انا للہ" نکل گیا۔ اب کیا ہو۔ اس طرف سے ادھ اُدھر سے اِدھر۔ اس طرح ہم لگاتے بھتے چکر۔ قلیوں کے پیچھے ہمارا قافلہ بھیڑ کو چیرتا ہوا بھاگ ر تھا۔ واقعی تھا تو قیامت کا سماں۔ لیکن شکر ہے کہ ہم میں نفسی نفسی کا عالم نہ تھا۔ لڑکیوں کی نگہداشت بھی ہو رہی تھی اور سامان کی بھی۔

اس بھاگ دوڑ میں سات منٹ ختم ہو گئے۔ "یا اللہ!" عجیب کرب کے ساتھ ہماری زبانوں تھا۔ اچانک ایک ڈبہ خالی نظر آیا۔ مگر وہ رزرو ہو چکا تھا لیکن معلوم ہوا کہ رزرویشن کرانے والوں کینسل کرا دیا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہم سب اس میں گھس گئے۔ ہمارا گھسنا تھا۔ کہ مسافروں نے اس ڈبے پر ہلّہ بول دیا اور پھر وہ کشمکش اور ریلم ریلا۔ دھکم ڈھکیلا ہوا کہ پناہ بخدا۔ آدمی پر آدمی چڑھ آ رہا تھا ان کے ساتھ نوجوان لڑکیاں، چھوٹے بچے۔ بوڑھی عورتیں بھی تھیں۔ ایک شور اور ہر جوا ہر شخص چاہتا تھا کہ خود سوار ہو جائے اور دوسرے رہ جائیں۔

ہمارے لئے اس قیامت میں مشکل یہ تھی کہ جو مسافر سوار ہو جانے میں کامیاب ہو جات وہ ہماری بھیڑ میں گھستے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ لڑکیوں کی خیر نہیں۔ ہمارے بعض رفقاء نے مدافعت کی تو جھگڑے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس ہنگامے میں ہماری ایک لڑکی نے کہا: "چچا میاں! وہ اور اس کی ماں کچلی جا رہی ہے۔ اسے ہماری طرف کھینچ لیجئے۔"

ایک چچا میاں نے اس "حکم" پر عمل کیا۔ تو ساتھ میں کئی نوجوان عورتیں اور بوڑھی مہلائیں ادھر آ گئیں ہماری لڑکیوں نے انھیں جگہ دی۔ جو اس درست ہوا تو ان مہلاؤں نے آشیرواد دیا۔ بھگوان کو بھاگوان کرے۔

معلوم ہوا کہ گاڑی پون گھنٹہ لیٹ ہے۔ [illegible]

انداز میں آندھرا ایکسپریس نہایت ادب کے ساتھ جا رہی ہے۔

راستے میں جہاں اے۔ پی ایکسپریس کو نہ ٹھہرنا چاہیئے تھا۔ کسان ریلی کے مہمانوں کے آدرِ سنہ کار میں اُسے ٹھہرنا پڑا۔ اگر ہم رات بھر کے جاگے اور راستے کے تھکے ہارے نہ ہوتے تو راستے کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے لیکن ہوش کسے تھے۔ دن گزرا۔ رات گزر گئی۔ ۱۸ فروری کی صبح کو ہم نے پہلے لحاف پھینکا پھر چاہا کہ فروری کے جاڑے سے بچنے کے لیے گرم شیروانی اور کوٹ کے مرہونِ منت ہوں لیکن اب ان کی ضرورت نہیں تھی۔ جاڑا ہم شمالی ہند میں چھوڑ آئے تھے۔ جسم گرمی سے یا گرمی جسم سے مس ہو رہی تھی۔ آندھرا ایکسپریس تقریباً کل کی کل ہم ہی لوگوں کی تھی۔ شمالی ہند کے مغربی اضلاع رامپور۔ مرادآباد۔ بریلی۔ نینی تال۔ بلند شہر۔ علی گڑھ مظفر نگر۔ سہارنپور اور دہلی وغیرہ کے بیشتر رفقاء اس سے سفر کر رہے تھے۔ وہ سب ایک دوسرے سے ملاقات کے متمنی تھے۔ میں بھی سب سے مل رہا تھا۔ یا سب مجھ سے مل رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ مرکزی رفقاء بھی اسی ٹرین سے جا رہے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ سب سے آخری ڈبے میں ہیں اور وہ سب خصوصاً عبدالعظیم خاں صاحب بار بار آپ کو پوچھ رہے ہیں۔ میں ادھر چلا تو راستے میں دیکھا۔ ایک جگہ میرا بھتیجہ احراز سلمہٗ کھڑا چائے پی رہا ہے۔ مظفر نگر کے امیرِ جماعت رشید صاحب اور دوسرے رفقاء بھی چائے کے انتظار میں تھے۔ احراز نے کہا "آبا چائے پی لیجئے"۔ سبھی رفقاء نے یہ پیش کش کی۔ چا ر پی۔ آگے بڑھا تو دروازہ بند پایا۔ واپس لوٹ آیا۔ واپس آیا تو اب دیکھا۔ سب بستر بوریا لپیٹ رہے ہیں۔ میں نے بھی بستر باندھا۔ سامان دیکھا بھالا گاڑی دو تین گھنٹہ لیٹ سکندرآباد کے اسٹیشن پر پہنچی۔ یہاں والنٹیروں نے ہمیں اپنی پناہ میں اور ہمارے سامان کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ پھر ہم تو نواب بنے اسٹیشن سے باہر آئے۔ ہمارا سامان والنٹیر اپنی نگرانی میں لائے۔ باہر بسیں ہمارے استقبال کو کھڑی تھیں۔ والنٹیروں نے سامان بسوں پر لادا۔ ہمیں بٹھایا۔ ۳/- کرایہ طے شدہ ہم سے لیا گیا۔ سامان کا کچھ نہیں۔ بس ٹیڑھے میڑھے راستوں سے

گیا۔ سامان پر ہم سب بیٹھے۔ یہ سہولت دوسرے مسافروں نے دی تھی۔ دوسرے مسافر بھی اسی طرح بیٹھے اور پھر ہنگامہ برپا ہو گیا لیکن اب ہم ہنگامے سے بیزار کہاں تھے۔ ہمارا دل کہتا تھا کہ ہم کافی بہت سے گزر آرام کے ساتھ۔ ہمیں تو دس تھی اجتماع میں شرکت کی۔ اس دھن میں ساری تکلیفیں ہوا ہو گئیں اور ہم نئی دہلی کے پلیٹ فارم پر جا اترے۔

نئی دہلی کے پلیٹ فارم پر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ یا اللہ! کہاں ہم سامان رکھیں۔ کہاں بیٹھیں یا کھڑے ہوں۔ لڑکیاں کہاں بیٹھیں؟ مگر اللہ جب چاہتا ہے جگہ نہ ہو تو ہو جاتی ہے کسی نہ کسی طرح ہم نے لڑکیوں کو تو ایک جگہ بٹھا دیا اور ہم چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔ لڑکیوں نے گانے گانے شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک سفر پر تبصرہ کرتی رہیں۔ ہنستی مسکراتی رہیں۔ پھر ان کی آنکھوں میں نیند کی پریاں ناچنے لگیں۔ آپ سے آپ سر جھکنے لگے۔ وہ سر جوڑ کر سو گئیں۔ اس طرف دو شخص گزرے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ کالا گلاب کا پھول دیکھا۔

لڑکیاں کالا برقعہ پہنے واقعی گلاب کا پھول ہی لگ رہی تھیں۔

دہلی سے حیدرآباد

اے۔ پی ایکسپریس کے چھوٹنے کا ٹائم ہم کو آٹھ بجکر ۲۰ منٹ بتایا گیا تھا لیکن ۱۰ سوا دس بجے چھوٹی ہم سب بیحد تھک چکے تھے۔ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ اپنی اپنی سیٹوں پر پہنچے تو آرام و آرام تو سونے کی سوجھی۔ جلدی جلدی کچھ نے ان ہیں کر اور کچھ نے ویسے ہی ناشتہ کیا۔ کسی کا اس سے کچھ مطلب نہیں تھا۔ نیند ستا رہی تھی۔ آنکھیں بند کر کے پڑ رہے۔ مجھے ٹرین پر نیند نہیں آتی۔ میں نے سنا تھا کہ اے۔ پی ایکسپریس کی رفتار بہت تیز ہے اور وہ ۲۲ گھنٹوں میں حیدرآباد پہنچا دیتی ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس کی رفتار بہت سست تھی۔ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا ایسا کیوں ہے۔ اس نے بتایا کہ آگے آگے دو اسپیشل ٹرینیں کسان ریلی کے تازیوں کو لیے جا رہی تھیں۔ انہی کے

بیٹھے تھے۔ پوچھنے لگے۔ کیا ہوا؟" اور جب انھیں معلوم ہوا کہ میں سفر کی وضعداری نبھا رہا ہوں تو میرا ہاتھ پکڑا اور اسپتال کی طرف لے چلے۔

عابد سعید صاحب جہاں جاتے ہیں۔ ہر چیز بڑی گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ حیدرآباد سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ راستے میں مجھے بتانے اور دکھانے لگے کہ اپنے ناظم اجتماع اور یہاں کے رفقاء کی محنت مشقت کا ثمرہ دیکھئے۔ انھوں نے بتایا کہ یہاں چٹانیں تھیں۔ آٹھ ماہ میں چٹانیں توڑ توڑ کر زمین ہموار کی گئی ہے۔ میں نے ایک نگاہ چاروں طرف ڈالی "اللہ اکبر" میری زبان سے نکلا۔ مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جن یاد آگئے۔ "کیسے یہ سب ہوا؟" عابد سعید صاحب نے کہا۔ "ادھر آیئے ایک چیز دکھاؤں۔ وہ مجھے ایک چوڑی سی باؤلی کی طرف لے گئے اور بتایا کہ دیکھئے۔ یہاں ڈائنامیٹ کرکے یہ باؤلی بنائی ہے اور پھر پائپ لائن کی طرف اشارہ کیا۔ مشین کے پاس لے گئے۔ میں نے کہا۔ یہ کام تو جناتوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ بولے۔ انسان تو اشرف المخلوق ہے بھئی۔ پھر محکمت کیمپوں، آس پاس کی پہاڑیوں، پہاڑیوں پر ابھری ہوئی چٹانوں کے کتبے دکھائے۔ یہ کتبے ناظم اجتماع کی جدت اور اختراع سے تعلق رکھتے تھے۔ ان پر جلی حروف میں ولولہ پیدا کرنے والی آیات لکھوائی گئی تھیں۔ بعض چٹانیں تو اس طرح نظر آئیں کہ ذرا اشاروں پر انھیں گر جانا چاہیئے تھا۔ عابد سعید صاحب نے خدا کی قدرت پر تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ چٹان کے بیلنس کو دیکھئے۔ مدتوں سے اس طرح قائم ہے۔ میں دنگ رہ گیا۔ پھر انھوں نے چٹائیوں سے مزین کیمپوں کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ اگر یہاں شامیانے لگائے جاتے تو لاکھوں روپیہ صرف ہوتا۔ یہ جماعت والوں ہی کا ذہن سوچ سکتا ہے کہ کس طرح خرچ کم کرکے "کم قیمت بالانشین" کا نمونہ پیش کریں۔ عابد سعید صاحب عبدالعزیز ناظم اجتماع اور دوسرے حیدرآبادی رفقاء کا نام لے لے کر انھیں داد اور دعا دے رہے تھے۔ اور میں ہر رفیق کے نام پر کہہ رہا تھا۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

عابد سعید صاحب نے مجھے بتایا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں پولیس کا ایک سپاہی بھی نہیں۔

گزرتی ہوئی سواری ہرنی کی سیدھی راہ پر چلنے لگی۔ دوپہر سے پہلے پہلے وادئ ہرنی میں یوپی کیمپ کے سامنے ہماری بس کھڑی ہوئی۔ یوپی کیمپ میں اہل رامپور کے لئے جگہ متعین تھی۔ ہم نے اپنی جگہ بستر جالگایا۔

میری علالت

میں جب سفر میں ہوتا ہوں۔ تو مجھے خشکی اور گلے میں تکلیف ہو جاتی ہے۔ یہ بات ایک نوجوان ڈاکٹر تنویر صاحب بلند شہری کو میں بتا چکا تھا۔ انھوں نے کچھ احتیاطی تدابیر بتائی تھیں۔ اور دو شیشیوں میں گولیاں دیدی تھیں کہ انھیں استعمال کرتے رہیے۔ ویسے بھی میں نے احتیاط ملحوظ رکھی تھی۔ الّم غلّم کھانے سے اپنے کو بچایا تھا۔ امیر جماعت رامپور جناب مولانا عزیز صاحب کے ساتھ اکثر سفر کرتا رہا ہوں۔ وہ میری علالت کی وضعداری سے واقف تھے۔ خیریت پوچھی تو میں نے کہا اب کی بار خوب پرہیز کیا ہے۔ فرمایا "دیکھنا ہے"

اب ذرا اس "دیکھنا ہے" کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ میرا ایک بچہ محمد اسحاق جواد جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں پڑھتا ہے۔ وہ طلبہ کے ساتھ وہاں سے آیا ہوا تھا۔ بلریا گنج کے رفقاء مجھ سے ایک دن پہلے وادئ ہرنی میں پہنچ چکے تھے۔ ۱۹ر فروری کو جواد مجھے تلاش کرتا ہوا آیا۔ سلام کیا اور ایک بڑا سا لفافہ جس میں انگور تھے۔ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے پوچھا "اتنے ڈھیروں؟" بولا "ابا جان! یہاں انگور تین اور چار روپیہ کلو بک رہے ہیں۔ میں ایک کلو لے آیا ہوں۔ آپ بھوکے ہوں گے"

میں نے، رشاد میاں نے اور جواد نے وہ سب انگور کھا ڈالے۔ بھوک لگی تھی جو۔ پھر میں لیٹ گیا۔ بدن میں درد سا ہونے لگا۔ ظہر کی نماز کے لیے اٹھا تو بخار تھا۔ پیٹ میں درد۔ آنتوں میں تشنج ہو رہا تھا۔ یعنی بخار اور پیچش، دو رفیقوں نے میری رفاقت کی۔ مولانا نماز سے فارغ ہو کر آگئے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسے "بڑا وضعدار ہے میرا مائی" سامنے عابد سعید صاحب

۱۰ر فروری کی صبح کو میں نے خطبۂ صدارت اطمینان سے سنا۔ پہلی نشست کے بعد میری طبیعت پھر بھاری ہونے لگی۔

ایک انتشار

دوپہر کا کھانا میں نے نہیں کھایا۔ شام کو بھوک لگی تو عشاء کے بعد یوپی کیمپ کی طعام گاہ کی طرف چلا۔ اس بار صوبہ صوبہ کے لوگوں کا انتظام انھیں کے ہاتھوں میں دے دیا گیا تھا۔ اچانک اعلان ہوا کہ ارکان جماعت اور کارکنان کھانا نہیں کھائیں گے۔ وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اندازے سے زائد ڈیلی گیٹس آگئے۔ چالیس ہزار افراد کے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ۵۲ ہزار راشن کارڈ ایشو ہو چکے ہیں۔ انتشار کے دفعیہ کی خاطر یہ اعلان ہوا ہے لیکن کہاں تک ۱۲ ہزار کا فرق معمولی نہ تھا۔

دراصل اس میں ہماری کوتاہی زیادہ تھی۔ ناظم اجتماع کی طرف سے بار بار ہر جگہ سے پوچھا جاتا رہا کہ کتنے شرکاء کے آنے کی توقع ہے۔ ہمارا بھی زیادہ تصور نہ تھا۔ مثال کے طور پر رامپور کو لیجیے امیر جماعت نے ۳۶ افراد کی متوقع تعداد دی تھی لیکن ہمارا قافلہ چلا تو ساٹھ تھے۔ اس انتشار نے دور وقت تک سب کو اپنی لپیٹ میں لیے رکھا۔ دوسرے وقت تک ۲، ہزار کارڈ ایشو ہوئے۔ میں ارکان جماعت اسلامی کے کردار سے بہت متاثر ہوا۔ جب دیکھا کہ اعلان سنتے ہی ارکان فوراً پلیٹ پڑے جو کھانا کھانے کے لیے بیٹھا تھا۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کے ہاتھ میں نوالہ دیا۔ اس نے رکھ دیا اور جس کے منھ میں نوالہ تھا اس نے چبا کر نگلا اور پانی پی کر چلا آیا۔

والنٹیروں کی زد میں

جب سے میری آنکھوں کا آپریشن ہوا ہے۔ اس وقت سے مجھے بجلی کی روشنی میں بڑی چکا چوند ہوتی ہے۔ ۱۲ر تاریخ کو بعد عشاء میں چھوٹے استنجے کے لیے گیا۔ اس ڈر سے بیت الخلا میں نہیں گیا کہ

"ارے واقعی! پھر اتنے عظیم مجمع کو اور لاکھوں کی بھیڑ کو کنٹرول کون کرے گا۔ انھوں نے بتایا کہ گذشتہ
تھا۔ اس نے تعاون پیش کیا۔ شکریہ کے ساتھ معذرت کردی گئی۔ مگر وہ مطمئن نہ تھا۔ اُسے اطمینان
گیا کہ ہمارے پانچسو والنیٹر ہر وقت نو سے ایکڑ کی اس جگہ کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور وہ
والنیٹر باری باری سے ڈیوٹی بدل بدل کر گھوما کرتے ہیں۔

میں نے ایک اندیشہ ظاہر کیا کہ ایک دیاسلائی میں سارے کیمپ راکھ ہو جائیں گے۔ عا
صاحب نے کہا کہ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ واقعات کچھ ایسے دلچسپ انداز میں آرہے تھے اد
اور پہاڑیوں کا منظر ایسا دلچسپ تھا کہ مجھے اپنا بخار اس وقت یاد آیا جب عابد سعید صاحب
کہا۔ وہ ہے اسپتال " اور پھر وہ ایک اسپتال میں لے گئے۔ ڈاکٹر کے پاس بٹھا دیا۔ ڈاکٹر نے پوچھا
شریف " میں نے کہا۔ مجھے بیمار کہتے ہیں" ڈاکٹر مسکرایا۔ فرمانے لگا۔ میں تخلص نہیں پوچھ رہا
"اچھا تو پھر لکھیے محمد اسحٰق " عابد سعید صاحب سنجیدہ انسان ہونے کے باوجود ہنس پڑ
بول اٹھے: بھئی یہ مائل خیرآبادی ہیں"

ڈاکٹر اپنی جگہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ گلے ملا۔ حال پوچھا۔ عابد سعید صاحب نے بتایا۔ رامپور میں
کے لیے انگور کھٹے ہوتے ہیں۔ یہاں سستے پاکر پیٹ بھر کے کھائے ہیں۔

ڈاکٹر سنجیدہ ہوگیا۔ اس نے دوا دی اور پھر آنے کے لیے دعوت دی۔ میں نے عرض
دوا دیجیے پھر آنے کی ضرورت نہ پڑے"

واپسی پر دیکھا ایک کیمپ میں دودھ دہی وغیرہ بک رہا تھا۔ عابد صاحب مجھے وہاں
پیٹ بھر کے دہی کھلایا۔ اس کے بعد کیمپ میں لائے اور پھر پہاڑی شریف کے پیر شرف الد
کہانی۔ وادی ہدیٰ کی کہانی۔ جماعتی انتظامات کی کہانی۔ اور جانے کیا بیان کرتے رہے میں
ہاں کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ عابد سعید صاحب نے کتنی جلد یہ معلومات حاصل کرلیں۔ حالانکہ
میرے ساتھ اے۔ پی ایکسپریس سے آئے تھے۔

نے بائیں رُخ آکر فوٹو لینا چاہا۔ میں نے ہاتھ کی آڑ لے کر چہرہ بچایا تو اس نے نہایت پھرتی سے داہنی طرف آکر فوٹو لے لیا۔ مجمع ہنس پڑا۔ میں نے برجستہ شعر کہا۔

اے صاحبِ حجاب! میرے صاحبِ حجاب
تصویرکش سے چہرہ چھپایا نہ جا سکا

لیکن اس خیال سے نہیں پڑھا کہ میری غزل بڑی سنجیدگی سے سنی جا رہی ہے اگر میں یہ شعر پڑھ دوں گا تو قہقہہ بلند ہوگا۔ اور میری غزل کا تاثر ختم ہو جائے گا۔

بہت تھوڑے شعرا حصہ لے سکے۔ ڈیڑھ بجے ادبی نشست کے خاتمے کا اعلان ہوا۔

غزل

یہ غزل جماعت اسلامی ہند کے چھٹے اجتماع عام کی ایک ادبی نشست منعقدہ ۱۲ر فروری ۱۹۸۱ء میں پڑھی گئی۔ م

روشن کبھی چراغ وہ پایا نہ جا سکا — جو آندھیوں کی زد میں جلایا نہ جا سکا
پھولوں کی انجمن میں جگہ پا سکا نہ وہ — کانٹوں کا ساتھ جس سے نبھایا نہ جا سکا
یاد آتا ہے کہ میں نے ہی شاید اٹھایا تھا — وہ بوجھ، جو کسی سے اُٹھایا نہ جا سکا
اقرار ہے کہ عہد محبت کیا تو تھا — اقرار ہے کہ عہد نبھایا نہ جا سکا
یہ سوچ کر کہ میں انھیں شرمندہ کیا کروں — اپنوں کو دل کا داغ دکھایا نہ جا سکا
نام اس کا لے رہے ہیں مگر جانتے نہیں — کیسا ہے، وہ کہاں ہے، بتایا نہ جا سکا
دنیا کے یہ اندھیرے تو کیسے مٹائیگا — دل کا اندھیرا تجھ سے مٹایا نہ جا سکا
روتا ہے آج قحط میں کھیتی کو اے کسان! — کل اپنا گرم خون پلایا نہ جا سکا

شور اُٹھا قتل گاہ میں مائلؔ کا سر ہے یہ
کاٹا تو جا سکا ہے جھکایا نہ جا سکا

گر جاؤں گا۔ سوچا آگے بڑھ کر کسی چیز کی آڑ میں ضرورت پوری کروں۔ میں نشیب و فراز طے کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور اس حد پر پہنچ گیا جہاں سے کھائیاں اور گڑھے شروع ہوتے ہیں۔ ابھی میں جگہ متعین ہی کر رہا تھا کہ اچانک کھائی کی طرف سے آواز آئی "کون ؟" اور ساتھ ہی دو ٹارچوں کی روشنی مجھ پر پڑی۔ وہ تو خیر ہوئی کہ میرے سینے پر ارکان کا بیج لگا ہوا تھا۔ دو نوجوان اپنے قد کے برابر لاٹھی لئے آ گئے۔ مسکرائے اور بولے "بائی صاحب خیریت ہے ؟"

میں نے ضرورت بتائی اور پھر خود سوال کر دیا۔ آپ کون ہیں ؟ انھوں نے بتایا کہ ہم والنٹیر ہیں۔ اس طرف دکھن رخ اس کھائی کی حفاظت ہم سب کے ذمے ہے۔ ان میں سے ایک نے آواز دی کئی اور والنیٹر آ گئے۔ انھوں نے مجھے جگہ بتائی۔ میں فارغ ہوا۔ ایک والنیٹر کو ساتھ لیا۔ وہ مجھے یوپی کیمپ تک پہنچا گیا۔ پھر سلام کر کے جدھر سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔

اس کے بعد نشستوں میں شریک ہوتا رہا۔ لیکن گرانی طبع کی وجہ سے کارروائیاں نقل نہ کر سکا۔ ایڈوٹوریم میں اس بار خاص انتظام یہ بھی تھا کہ جگہ جگہ ٹیلی ویژن لگائے گئے تھے۔ دور دور کے لوگ تقریر کے ساتھ مقرر کو بھی سن اور دیکھ سکتے تھے۔ ویسے بھی زیادہ پرواہ اس لئے نہیں کی کہ یہ عام کارروائی اخباروں میں نقل ہوگی۔ تمام کارروائی اخبارات میں آ چکی ہے اس لیے حجاب میں شائع کرنا محض اوراق کا بھرنا ہے)

صدقے کے دو گھنٹے

۲۱ رفروری کو ادبی نشست تھی۔ دو گھنٹے کے لئے۔ ۱۱ بجے سے ایک بجے تک۔ یہ دو گھنٹے ذمہ داران جماعت نے صدقے کے طور پر ہمیں عنایت فرمائے تھے۔ شعرائے جماعت بجھے بجھے سے تھے۔

ایک لطیفہ

ادبی نشست میں میرے ساتھ عجیب لطیفہ ہوا۔ جب میں غزل پڑھ رہا تھا۔ ایک فوٹوگرافر

تفصیل اور اشارے

اجتماع گاہ

۱۔ کل رقبہ ——— ۹۰ ایکڑ

۲۔ رُخ ——— بجانب قبلہ

۳۔ طول و عرض ——— ۳۰۰۰×۱۶۰۰ فیٹ

۴۔ کل قیام گاہیں — ۳۵ جن کا مجموعی رقبہ ۱۰ لاکھ مربع فیٹ

۵۔ آڈیٹوریم کا رقبہ ۳ لاکھ ۵۵ ہزار مربع فیٹ جس میں سوا لاکھ افراد بآسانی بیٹھ سکتے ہیں۔ آڈیٹوریم کا طول عرض ۷۵۰×۵۰۰ فیٹ۔ اسٹیج کا طول و عرض ——— ۸۰×۵۵ فیٹ ہے۔

وسعت ——— ۴۰۰ افراد کے لئے۔

۶۔ آڈیٹوریم برائے خواتین۔

کل رقبہ ——— ۸۰۰۰۰ مربع فیٹ

طول و عرض ——— ۴۰۰×۲۰۰ فیٹ ہے

جس میں ۱۵ ہزار خواتین بیٹھ سکتی ہیں۔

۷۔ بیت الخلاء ——— ۳۰۰۰ ہزار

حمام ——— ۱۵۰۰ سائز ۳×۳ فیٹ

۸۔ پانی کی سپلائی ——— بیت الخلاء اور حمام کے لئے کنکشن اور ڈرمس کے ذریعہ

۹۔ وضو گاہیں اور طہارت خانے — آڈیٹوریم کے شمال مغربی و جنوب مشرقی کونوں پر۔

۱۰۔ مسجد — آڈیٹوریم ہی نماز گاہ ہوگی۔

۱۱۔ مطبخ — کل تعداد تیس ۳۰

رقبہ ——— ۶۶۰۰۰ مربع فیٹ

ہاسٹل کا محل وقوع — قیام گاہ کے شمال میں

۱۲۔ پلنگ ——— ۴۰ عدد

۱۳۔ نشر گاہ ——— ایک عدد

۱۴۔ بیرونی مہمانوں کی قیام گاہ:

کل رقبہ ——— ۲۰۰۰۰ مربع فیٹ

محل وقوع ——— باب الداخلہ سے شمال کی جانب ۶۰۰ فیٹ دور پہاڑی کے دامن میں۔

۱۵۔ باب الداخلہ سے آڈیٹوریم اور قیام گاہوں تک جانے والی سڑک کی چوڑائی ۱۰۰ فیٹ

۱۶۔ ٹی اسٹالس ——— ۲۴ عدد

جن کا رقبہ ——— ۱۵۰۰۰ مربع فیٹ

۱۷۔ حفاظتی چوکیاں قیام گاہوں اور خصوصاً اجتماع گاہ کے اطراف میں ۱۵ عدد

۱۸۔ قیام گاہوں کے درمیان سڑکیں ہوں گی جن کی چوڑائی ۶۰ فیٹ ہوگی۔

ناظم اجتماع، معاونین، استقبالیہ، استفسار، واچ اینڈ وارڈ اور شعبہ کارکنان وغیرہ کے لیے دفاتر کے لئے

کل رقبہ ——— ۲۰۰۰۰ مربع فیٹ

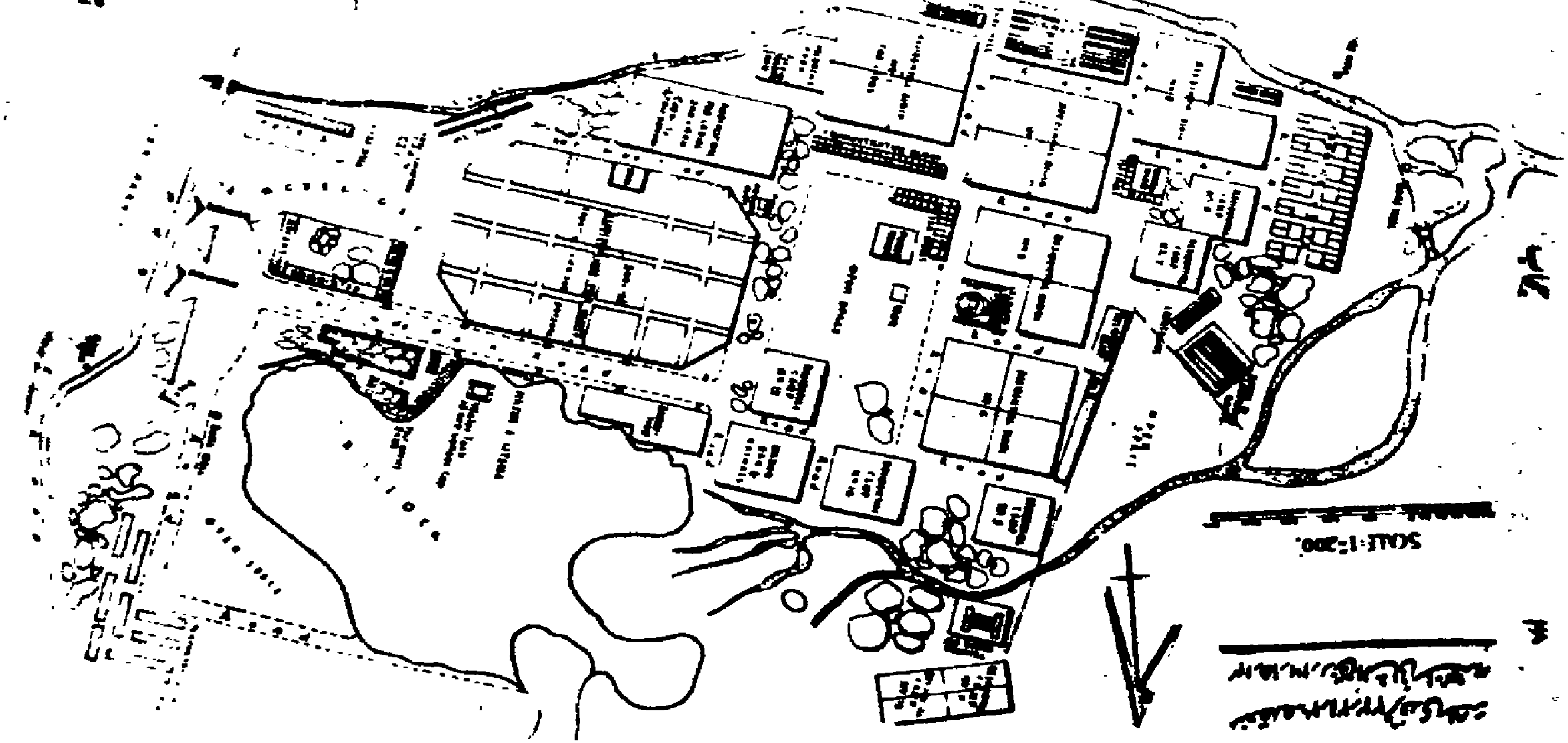
۲۴۔ اسٹالس ——— ۲۰۰ عدد

کل رقبہ ——— ۳۰۰۰۰ مربع فیٹ

۱۵۔ واٹر ٹینک کی گنجائش ——— ۲۵۰۰۰ گیلن

جنرل آل انڈیا اجتماع جماعت اسلامی ہند

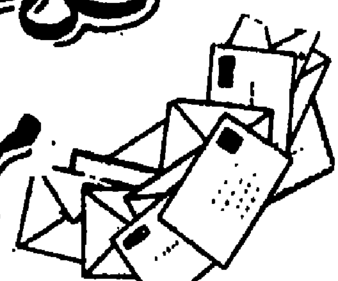
ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ — تقریبات پندرھویں صدی ہجری — فروری ۱۹۸۱ء



تفصیل اور اشارے اگلے صفحہ پر



کس محبت سے یہ نامے مرے نام آتے ہیں



(۱) ضیاء الاسلام (۲) شکیل داد خاں (۳) ساجدہ فرزانہ (۴) نجیدہ اختر (۵) عبدالوحید (۶) روشن آرا خانم

• ضیاء الاسلام۔ (دمن پوری۔ یوپی)

محترم السلام علیکم —— حجاب فروری ۸۱ء کا موصول ہوگیا۔ صفحہ ۹۲ پر آپ کی دوسری آنکھ کے کامیاب آپریشن کی خوش خبری پڑھی۔ اللہ کا شکر ادا کیا جو آپ کو صحت نصیب ہوگئی۔ یہ احقر ۲۴ر مئی کو دیوبند سے واپسی پر رامپور کا اور اپنے کرم فرما دوست ماسٹر عبدالباری خاں صاحب کی ہمراہی میں آپ کے در دولت پر حاضر ہوا۔ وہاں آپ کے اسپتال میں داخلہ کا علم ہوا۔ پھر وہیں سے (آپ کے مکتبہ سے) دو تین من پسند کتابیں بھی خریدیں اور اسی روز واپسی میں اسپتال کے وارڈ میں آپ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اس کے بعد کسی رسالہ میں پڑھا کہ آپ کا وہ آپریشن کارگر نہ ہوسکا اور آپ سیتاپور میں آپریشن کرانے تشریف لے گئے ہیں۔ الحمدللہ اس بار یہ پُر مسرت صحت کا حال ملا۔ اس عریضہ سے قبل ایک خط ۲۴/۱۱ کو ارسال کیا اور چند اشعار بعنوان زندگی برائے اشاعت تحریر کئے مگر ہنوز جواب سے محروم رہا اور نہ اُن اشعار کی اشاعت ہی کسی رسالہ میں نظر آئی۔ پھر اپنے ایک دوسرے دوست کے ذریعہ ایک عریضہ ارسال جنوری میں کیا۔ شکریہ کہ اس کے جواب میں حجاب کا اوہام شکن نمبر جو اس وقت ڈاک سے خریداری نمبر ۲۱۰۶ پر موصول نہیں ہوسکا تھا اب حاصل ہوگیا اور بشوق زیر مطالعہ ہے۔ مکمل مطالعہ کے بعد اپنا اور احباب کا تاثر لکھوں گا۔ فروری کا رسالہ بھی خوب ہے۔ اب تک صرف ۱۸ صفحات دیکھ سکا ہوں۔ طباعت کی طرف توجہ ضروری ہے۔ مثلاً صفحہ ۹ پر کالم دو پہلی سطر (پہنچا ہیں) کی جگہ پہنچا میں ہونا چاہیے، صفحہ ۱۱ سطر ۱ رنڈی کی بجائے رنڈی ہونا چاہیے۔ صفحہ ۱۵

محترم مائل خیرآبادی صاحب۔ سلام مسنون

کل ہند اجتماع کی ادبی نشست کے فوراً بعد آپ سے ملاقات کی میں نے بہت کوشش کی لیکن ممکن نہ ہو سکا۔ پہلی بار میں نے آپ کو دیکھا۔ آپ بہت علیل و کمزور لگ رہے تھے۔ خدائے تعالیٰ آپ کو تندرستی عطا فرمائے۔ آمین ــ "حجاب" کے لیے نعت روانہ کر رہا ہوں جسے آپ نے بھی ۲۱ر فروری ۸۱ء کی ادبی نشست حیدرآباد میں) سنا تھا۔ اُمید کہ آپ اسے "حجاب" کی قریبی اشاعت میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ فقط والسلام ــ خیراندیش ــ عزیزالدین عزیز بل گام

نعتِ رسولؐ

اہلِ ستم کے پتھر کھا کر گُل برسانے والا وہؐ ۔۔۔ اور دُعا کی خاطر اپنے ہاتھ اُٹھانے والا وہؐ

اُس سے ربطِ خاص کا ہر دم ڈھونگ رچانیوالے ہم ۔۔۔ اور عمل کے میداں میں ہم سب کو بُلانے والا وہؐ

گھر زدہ ماحول میں لمبی تان کے سونے والے ہم ۔۔۔ خوابِ غفلت کے ماروں کو ہوش میں لانے والا وہؐ

بازاروں میں فن پاروں کو بیچ کے کھانے والے ہم ۔۔۔ فنکاروں کو فن کی عظمت کیا ہے بتانے والا وہؐ

. . . کو پورا دین سمجھنے والے ہم ۔۔۔ باطل سے ٹکرا جانے کو دین بتانے والا وہؐ

رحم و کرم کی بھیک پہ اپنی عمر گنوانے والے ہم ۔۔۔ مظلوموں کی اخلاقی تنظیم بنانے والا وہؐ

فرقہ فرقہ، مسلک مسلک میں بٹ جانے والے ہم ۔۔۔ "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہ" کا درس سُنانے والا وہؐ

پیٹھ میں اپنے بھائی کے خود خنجر گھونپنے والے ہم ۔۔۔ قاتل پر کردار کی گہری چھاپ ... نے والا وہؐ

اپنے قلم کی قوت کو تو اس پہ لُٹانے والا عزیزؔ
لفظوں کے ہر پیکر کی تاثیر بڑھانے والا وہؐ

● ساجدہ فرزانہ ۔ اونتور۔

میرے محترم چچا جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ

خداوند قدوس سے امید کرتی ہوں کہ آپ سب لوگ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ابھی ابھی آپ کا ۲۰ جنوری کا لکھا ہوا خط وصول ہوا اور جسے پاکر مجھے جو خوشی و مسرت حاصل ہوئی ہے۔ میں اُسے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی۔ آپ کا خط پاکر ہمیشہ مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنا کہ کسی قریب ترین عزیز کا خط پاکر بھی نہیں ہوسکتی۔ چچا جان! آپ سچ مچ میرے چچا جان ہیں۔

مائل چچا میاں! مجھے بچپن ہی سے دینی ذوق ہے۔ جب میں ۱۲، ۱۳ سال کی تھی اسی وقت سے خدا نے مجھے اقامتِ دین کا فریضہ ادا کرنے کی سچی تڑپ اور توفیق دی۔ میں اس وقت پڑھنے کے زمانے سے اپنے محلے میں اجتماع کیا کرتی تھی۔ میرے ابا بھی جماعت اسلامی کے ہمدرد اور متفق ہیں یہ میری بہت رہنمائی کرتے ہیں۔ دسویں پاس ہوں۔ پڑھنے میں بہت ہوشیار تھی اور ہمیشہ فرسٹ آتی تھی مگر ابا نے آگے پڑھانے سے انکار کردیا۔ وہ پردے کے سخت پابند ہیں۔ اس طرح میں نے پڑھنا بند کرکے دینی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا۔ اور خدائے رحمان ورحیم کا مجھ پر یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے دینی مضامین لکھنے کی توفیق بخشی۔ میں یہاں ہر بیر کو اجتماع کرتی ہوں۔ تقریباً ۷۰، ۸۰ خواتین شرکت کرتی ہیں اور خدا کے فضل وکرم سے یہاں اچھا دینی کام ہورہا ہے اور کئی ایک لڑکیاں اور تعلیم یافتہ خواتین میری شریک بن گئی ہیں۔ میری تمنا یہی کہ خدا زندگی بھر مجھ سے اپنے دین کی خدمت لے اور میری ساری طاقتیں، قوتیں صلاحیتیں اور ساری زندگی اس کے دین کی خدمت میں صرف ہوجائیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ کی دعا اپنی بیٹی کے حق میں ضرور قبول ہوگی۔ اگر آپ کو فرصت رہی تو میرے خط کا جواب ضرور دیجئے۔ اور مضمون ملنے کی اطلاع بھی۔ میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گی۔ خدا حافظ۔ جواب کی منتظر۔ آپ کی بیٹی۔ ساجدہ فرزانہ

سطر ۱۹: راستے سے ہٹایا جاسکتا" میں نہیں چاہیئے کی بجائے چاہیئے گا۔ "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور جو کھٹکا ظاہر کردیا۔ اُمید کہ حجاب جیسے معیاری جریدہ کے شایانِ شان طباعت بھی ہو۔ آپ نے اوہام شکن نمبر کے ساتھ میرے دوست کو کلام نرم ونازک۔ خاتونِ جنت بھی عنایت فرمائیں جو انھوں نے مجھے روانہ کردیں۔ صفحہ ۳۲ پرٹائی کا مسئلہ ہنوز تشنہ ہے۔ قمیص کا کالر اور کوٹ کے گلے کو محفوظ رکھنے کے لئے ٹائی ہی لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ فیشن کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ جب سوٹ پہنا تو ٹائی بھی لازمی ہوجاتی ہے۔ پھر تشبہ کیونکر نہوگا۔ ذرا وضاحت آئندہ شمارہ میں فرمائیں۔ شکریہ۔

براہ کرم حجاب اس پتہ پر بھی روانہ فرمائیے۔

(۱) ڈاکٹر نورالاسلام۔ مرغی بازار۔ شاہجہاں آباد۔ بھوپال۔

(۲) ہیڈ ماسٹر فیضان جونیر ہائی اسکول۔ امام باڑہ۔ مین پوری۔

سید ولایت حسین صاحب لکھیا۔ محلہ قاضی۔ کرہل۔ ضلع مین پوری (یوپی)

• شکیل داد خاں۔ شہید وارڈ۔ سیونی۔ ایم پی

محترم جناب مائل خیرآبادی صاحب السلام علیکم

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ میں نے آج کل اسلامی کتابیں پڑھ کر اپنے ذہن میں کافی حد تک تبدیلی پائی ہے۔ اور ان کتابوں میں "حجاب" بھی ایک کتاب ہے۔ میں نے مطالعہ سے اخذ کیا ہے کہ صرف کتابیں پڑھ لینے سے ہی کام نہیں چل سکتا بلکہ اپنے قول وعمل سے بھی یہ ثابت کردکھاؤ کہ تم ایک سچے مسلمان ہو اور دوسروں کو حق بات کی دعوت دو اور دعوت دینا فرض سمجھو۔ اس لئے ایک اقوالِ زریں پر مبنی چھوٹا سا مضمون ہی لکھ کے بھیج رہا ہوں۔ پہلا اتفاق ہے امید ہے آپ حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ (شکیل داد خاں)

امید کہ تم مع جواد اور ابو محترم کے بخیر رامپور پہنچ گئے ہو گئے۔ اجتماع کی ملاقات میں کافی تشنگی
ہی۔ مجھے خود حیرت و جھینپ سے محسوس و محفوظ ہوتا پڑا۔ تمہاری پھپی ام عامر (سنجیدہ اختر): الگ پریشان
مدرب العزت نے ملاقات کا موقع فراہم کیا بھی تو ایسی جگہ جہاں اپنا بھی اجنبی بنا پڑتا ہے اور دونوں
، حالت ایسی ہوا کرتی ہے کہ کوئی ڈھنگ کی بات۔ یا اپنا دکھ درد یا اور کسی سنجیدہ مسئلے پر کھل کر گفتگو
جی ہو نہیں سکتی۔ تم سے کئی باتیں کرنے کا عزم لئے آئے تھے۔ ابو سے کئی مسئلوں پر تبادلۂ خیال
رنے اور مستقبل کے لئے واقعی یادگار صحبت بنانے کا ارادہ لئے آئے تھے لیکن انسان اپنے آرزو۔ ارمان۔
نصوبے لئے بھاگ دوڑ تو کر سکتا ہے حاصل کرنا اس کے بس کا روگ نہیں۔ میں نے تمہیں بہت
ذہین والا نوجوان پایا۔ تم میں کئی صلاحیتیں ہیں جن کو تم صحیح روش پر لگا ڈالو تو دین و دنیا میں سرخروئی
تمہارے قدم چومے گی۔ ابو محترم کی عمر کا لحاظ رکھو۔ نصیحتیں قبول کرنے اور عمل کرنے کا پختہ ارادہ اسی عمر
یں کیا جاتا ہے جس کا پھل رہتی دنیا تک ملتا رہتا ہے: حجاب" کو تمہاری ضرورت ہے اور ہمیں حجاب
، ضرورت ہے۔ اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر تمہاری صبح و شام گزرنی چاہئے۔ اجتماع کے تاثرات
تو ابو محترم لکھیں گے۔ ہم وہاں سے کیا لائے؟ کارکنوں کے پلّے کیا چیز آتی ہے۔ ابو سے ندیا فت
مرلو۔ ہاں ایک لطیف و میٹھی میٹھی کسک ضرور لیتے آئے۔ تم سے اور جواد سے مل کر اور گہری سوچ
و احساس لاتے۔ محترم ابو سے مل کر کاش اسی بہانے ہمارے رسمی رشتے "رشتوں" میں تبدیل ہو جاتے
خیر اللہ کی مصلحت وہ خود بہتر جانتا ہے۔ خیریت خط لکھو۔ ابو کو امی کو بے حد سلام۔ والسلام راشد چاچا

- - • - - ● - - • - -

سنجیدہ اختر۔ بھدراولی

عزیزی رشاد سلمہٗ۔ سلام مسنون۔ امید کہ مع الخیر ہوں۔

الحمدللہ! ہم سبھی بخیر و خوب اپنے جائے مقام پر پہنچ گئے۔ اللہ کرے آپ بھی ابو و بھیا کے ساتھ
بخیریت گھر پہنچ گئے ہوں۔ آپ سبھوں سے مل کر جو خوشی ہمیں میسر ہوئی۔ وہ بیان سے باہر ہے۔

• روشن آرا خانم۔ مچھگرہ (سیوان)

پیارے چچا میاں! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں نے ایک کارڈ آپ کو کسی مہینہ کا حجاب نہیں ملنے کی شکایت میں بھیجا تھا۔ جس کے جواب میں آپ نے ایک کارڈ حیدرآباد کے اجتماع میں جاتے وقت لکھ بھیجا تھا۔ میں نے اپنے خط میں آپ کو بحیثیت "حجاب" کے مالک اور ایڈیٹر خطاب کیا تھا۔ اُس وقت میں آپ کی اس حیثیت کو بالکل ہی بھول گئی تھی جس کے تحت آپ نے "حجاب" کا اجرا کیا تھا۔ مگر آپ کے جواب نے میری آنکھیں کھول دیں۔ آپ کا خط پڑھ کر میں اپنے طرز تخاطب پر بہت شرمندہ ہوئی۔ میرے رسمی جملے "محترمی ایڈیٹر صاحب السلام علیکم" کے جواب میں "عزیزہ بیٹی روشن آرا۔ السلام علیکم" خط کے ایک ایک جملے سے اپنائیت ٹپکتی ہے۔ اس کے بعد یہ جملہ: اپنے والد صاحب کو سلام کہہ دینا" پھر نوٹ میں یہ بتانا کہ "۵ ارتاریخ کو حیدرآباد جاؤں گا اور وہاں سے ۲۰ر فروری کو واپس آؤں گا" میں تو اپنے بزنس لیٹر کے جواب میں ایسے پُرخلوص خط پہ پانی پانی ہوگئی۔ آپ کے کارڈ کی مختصر تحریر میں مجھے تحریک اسلامی کے کارکنوں کے کردار وا خلاق کی ایک جھلک نظر آگئی۔ اور مجھے بے ساختہ مردِ مومن کی تعریف میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا حامل خلق عظیم" صاحب صدق ویقین والا مصرع یاد آگیا۔ میں زیادہ لکھ کر آپ کا قیمتی وقت برباد کرنا نہیں چاہتی اور یہ بھی بخوبی سمجھتی ہوں کہ آپ اپنی تعریف خود سننا پسند بھی نہیں کریں گے۔

جواب:۔ عزیزہ بیٹی! نفس موٹا کرنے کے لیے یہ کیا کم ہے جو آپ نے لکھا۔ باقی اور جو کچھ لکھا ہے وہ قینچی نے قلمزد کردیا ہے۔ (م)

منجانب۔ راشدہ صمدی۔ عبدالوحید بھدراوتی۔

عزیزہ بیٹی راشدہ سلمہا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ان پیٹ پالو مجاوروں نے بھولے بھالے عوام کو خواہ مخواہ گنہگار بنا رکھا ہے۔ جب ایسے لوگ اس دنیا میں بستے ہوں تو بھلا کیسے ہماری حالت بدلے گی۔ اللہ تعالیٰ کب تک برداشت کرے۔ ان کمبختوں نے مسلمانوں کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ پتہ نہیں کب یہ راہ راست پر آئیں گے۔ جہاں جہاں مزارات دیکھے وہاں عجیب عجیب طرحداریاں دیکھیں اللہ ہر مسلمان پر رحم فرمائے۔ آمین۔

بیجاپور ہوتے ہوئے نکلے وہاں ایک رات مدرسہ میں گزاری۔ مسلمانوں نے کیا خوب چیزیں چھوڑی ہیں۔ گول گنبد۔ جامع مسجد۔ قلعہ اتنا شاندار کہ پوچھو نہیں۔ پھر علی عادل شاہ اور چاند بی بی کے مزارات اور اس کے ساتھ میں ایک عالیشان مسجد جس کی شان یہ ہے کہ اگر مسجد میں نماز پڑھی جائے تو مزارات کے اندر اتنی صاف آواز سنائی دیگی جیسے کہ وہیں نماز پڑھی جا رہی ہو۔ سبحان اللہ! بڑی دیر تک ان سبھوں کے لیے دعائیں نکلتی رہیں۔

گول گنبد آپ نے دیکھی ہے۔ اگر نہیں تو سنو۔ وہاں ایسا سسٹم ہے کہ ایک طرف کوئی آ بیٹھے تو دوسری جانب بیٹھے ہوئے آدمی سے بالکل آسانی سے بات چیت کر سکتا ہے۔ یعنی دیوار کی طرف منہ کر کے۔ ٹیلی فون سسٹم ہے۔ لوگوں کا حیرت و استعجاب دیکھنے کے قابل تھا اور آواز بھی خوب گونجتی ہے جیسے کہ چار پانچ مرتبہ کوئی کہہ رہا ہو۔ وہاں کی جامع مسجد میں محراب پورا ہی سونے کے حرفوں میں کندہ ہے۔ جس پر بھاری پردہ پڑا ہے۔

بھئی آپ لوگوں کو شاید کچھ اچنبھا لگتا ہو۔ چونکہ مغل شہنشاہوں نے دلی کو جو آباد کیا ہے وہ بار بار دیکھتے ہی رہتے ہو۔ مگر ہمیں تو ضرور اچنبھا لگتا ہے۔ دلی کو تو میرا جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ انشاء اللہ کبھی ضرور ہو آؤں گی۔ اگر زیست باقی رہی۔

رہا اجتماع کے تعلق سے ہمیں جو شعبۂ آب رسانی سے ملحق کر دیا گیا تھا۔ تو وہاں گھنٹوں کھپ جاتے۔ اندر آئیں تو یہاں طعام گاہ کا حال بُرا ہوتا۔ وہاں بھی ہاتھ بٹانا پڑتا۔ یوں وہاں تین دن بیکار ہو گئے۔ صرف دوسرے دن کا پروگرام سن سکی۔ جس میں مولانا عبدالعزیز صاحب

بھائی صاحب نے اپنائیت جو ہم سے قائم رکھی ہے اس کے ہم مشکور ہیں۔ ارے ہاں خوب یاد آیا۔ ار کرنے پر ابو نے خوب جھاڑا تھا۔ مگر ڈیر بھتیجے میاں میں نے جانتے بوجھتے یہ حرکت کی تھی۔ دیکھنا یہ تھا ابو کی نگاہیں کتنی تیز ہیں۔ الحمدللہ انھوں نے بالکل نظرانداز نہیں کیا جس کی مجھے بے انتہا خوشی ہے۔

اجتماع گاہ تک پہنچنے اور واپس ہونے تک جو چیزیں ہم نے دیکھیں اور سنیں۔ وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ انسان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو رکھ رکھاؤ، بناوٹ تصنع کافی ہوجا ہے۔ مگر ہفتہ بھر یا دوران سفر پورے ۶ دن ایک دوسرے کو پہچاننے میں کافی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک بہت اچھی بات ہوئی۔

دوران سفر جب ہم حیدر آباد سے گلبرگہ پہنچے تو وہاں ہم کو بندہ نواز نامی ولی اللہ کے مزار پہ حاضری دینی تھی۔ آپ نے تو دیکھا ہی ہوگا کتنی خوبصورت عمارت ہے۔ مسجد بھی عالیشان وہاں جب میں نے دو رکعت نماز پڑھی تو مانو میرا دل بے ساختہ رو اٹھا۔ کہ ہائے اللہ ہم کیا تھے ہوگئے۔ کیا ہونے والے ہیں۔ کیا ہم پھر سے ماضی کے دور میں لوٹ سکیں گے ؟ مگر جلد ہی مجھے جواب مل گیا۔ نماز سے فارغ ہوکر ہم زائرین مزار کے پاس گئے۔ تو یہ دیکھ کر پریشان ہوگئی کہ زائرین مزار کے چاروں طرف سربسجود ہیں۔ دہلیز پہ دو عورتیں بڑی دیر سے سجدہ میں پڑی تھیں میں نے انھیں اٹھایا اور بڑی منت سے کہا کہ بہن جی آپ یہ کیا کر رہی ہیں۔ ایک مسلمان کو سوائے خدا کے کسی کے آگے سجدہ جائز نہیں۔ یہ تو بس مشرکوں کا کام ہے۔ کافر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی سجدہ کرتے ہیں۔ آپ یہاں بیٹھیے۔ فاتحہ پڑھیے۔ درود وسلام پڑھیے فقیروں و محتاجوں کو اللہ کے نام پر خیرات کیجیے۔ مگر جو مانگنا ہے بس اپنے اللہ سے مانگیے۔ یہ بے چاریاں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور ندامت سے سر کو جھکائے چلدیں۔ مگر غضب خدا کا اندر وہ پہ وست جیسا جو شخص بیٹھا ہوا تھا غضبناک ہوگیا اور کہنے لگا۔ اے محترمہ اپنا راستہ لو۔ کیوں دوسروں کو بہکاتی ہو۔ بڑی آئیں وہاں سے نصیحت کرنے والی۔

ہمسائے

برادرِ عزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

"ادہام شکن نمبر" ابھی سرسری طور پر دیکھا ہے۔ یہ اطمینان سے پڑھنے کی چیز ہے۔ اطمینان سے پڑھوں گی۔ ہاں محترم چچا جان کی نظم "توحید" دیکھی۔ بہت پسند آئی۔ مدتوں بعد ان کی ایک بہت اچھی نظم دیکھنے کو ملی۔ ان کی آنکھوں کے دوبارہ آپریشن کا کیا ہوا اب کیا حال ہے۔ میرا مودّبانہ سلام عرض کریں۔ اور ان کی خیریت سے مطلع کریں تو مشکور ہوں گی۔

اکتوبر کا شمارہ دیکھ چکی ہوں۔ "آدھا چاند" میں افغان مجاہدین کے کارناموں کو ابن آدم نے بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کہانی میں فن اور مقصد دونوں کا ایک حسین امتزاج ہے۔ چچا جان کی کہانی "دلہن بھابی" کی اٹھان تو بڑی اچھی تھی لیکن آخر میں وہ جبر کا شکار ہو کر رہ گئی ہے میرا خیال ہے کہ ابھی کہانی اس موڑ پر نہ آئی تھی کہ اسے ختم کیا جاتا۔ ابھی دلہن بھابی کی سسرال کو واپسی اور ان کے حسن اخلاق سے ترش مزاج ساس کے طرزِ عمل میں خوشگوار تبدیلی کی بات بھی ہونی چاہیئے تھی۔ عابدہ تبسم کی کہانی "باپ بیٹیاں" خوب رہی۔ اردو کے افسانوی ادب میں محترمہ کا اپنا ایک خاص مقام ہے "عورت سہارا دیتی ہے لیتی نہیں" اس موضوع پر خواتین کے تاثرات بیحد دلچسپ انداز لگے ہیں

پچھلے دنوں پچیس سالوں بعد پاکستان سے میری خالہ زاد بہن آئی تھیں۔ وہ خواب و خیال کی طرح آئیں اور اپنی یادوں کے زخم دے کر چلی گئیں۔ انھیں یادوں سے متعلق ایک نظم بھیج رہی ہوں۔

خیر طلب

شائستہ شمیم

کی تقریر بے حد پسند آئی۔ تیسرے دن قرآن شریف کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کا اجراء جو ہوا وہ سن سکی۔ پھر بھی جو کچھ سنا۔ اگر اسی کو پلے باندھ لیا جائے تو میں سمجھتی ہوں۔ ہم جیت گئے۔ ورنہ وہی مثال صادق آتی ہے۔ وہی چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔ اُفوہ کتنا لکھ چکی تم بور تو نہیں ہو گئے امی کو بہت بہت یاد و سلام۔ او ہے پھر ایک بار مودبانہ سلام عرض کر دینا۔

بچے سبھی تایا ابا کو سلام۔ بھائی بہنوں کو یاد عرض کرتے ہیں۔ والسلام

نقط: دور افتاد۔ آپ کی چچی۔ سنجیدہ اختر۔ بھدرا دتی

نسیم، نکہت و نسرین تمہارے آنے سے مسرتوں کے ہزاروں نئے چراغ جلے
اُجڑ گئے تھے خزاں میں جو زندگی کے چمن اسی چمن میں بہار آئی پھر گلاب کھلے
وہ زندگی جو مسلسل تھی ایک کرب لئے
تمہارے دید سے اب اس کا اضطراب گیا
جو دل میں آگ غم و درد کی فروزاں رہتی
وہ غم کی آگ بجھی، درد کا عذاب گیا
مگر یہ سوچ کے ہوتا ہے دل بہت مغموم تم آج ساتھ ہو کل ساتھ چھوٹ جائے گا
خوشی خوشی تو گلے آج مل رہے ہیں مگر یہ وقت لوٹ کے شاید کہ پھر نہ آئے گا
یہ اپنی ساری ہی خوشیاں ہیں چند لمحوں کی
یہ ایک خواب ہے جو خواب ٹوٹ جائے گا
تم آج تو مری سانسوں سے ہو قریب بہنی
مگر کوئی بھی تمہیں کل نہ دیکھ پائے گا
یہ سرحدیں جو سکھاتی ہیں نفرتوں کے چلن میرا یقین ہے اک روز ٹوٹ جائیں گی
یہ اور بات ہے ان کو نہ دیکھ پائیں ہم مگر کبھی تو یہ گھڑیاں مزید آئیں گی
دیارِ ہند میں آئی ہوئی مری بہنو!
تمہیں بتاؤ تمہیں کس طرح سے پیار کروں
جو آ گئے ہیں محبت سے میری آنکھوں میں
تو تم پہ وہ آنسو ہی میں نثار کروں

استقبال

وطنِ پاک سے آئی ہوئی میری بہنو!
یہ سوچتی ہوں کہ میں تم پہ کیا نثار کروں

فلک کے چاند ستارے، زمیں کے لالہ و گل
کلی کا زمِ تبسم، گلوں کی زیبائی

سحر کا حسن دلآویز، کہکشاں کا جمال
بہارِ نو کا ترنم، شفق کی رعنائی

پچیس برسوں کے جانگسل انتظار کے بعد
خدا کا شکر کہ تم میرے پاس آئی ہو
وہی خلوص، وہی سادگی، وہی چاہت
جو ساتھ لے کے گئی تھیں وہ ساتھ لائی ہو

تمہارا آنا مبارک مگر یہ شکوہ ہے
اکیلی کیوں مری خالہ کو چھوڑ آئی ہو؟

وہ جن کے دید کو آنکھیں تھیں منتظر سب کی
تم اُن کی قبر کی مٹی [illegible] لائی ہو؟

[illegible]

آرہا تھا۔ والد بزرگوار مجھے رخصت کرنے ریلوے اسٹیشن تک آئے۔ بزرگانہ انداز میں بہت سی نصیحتیں کرتے رہے جن میں نماز کی باقاعدگی کو خصوصیت حاصل تھی۔ انھوں نے فرمایا کہ جب کبھی خطرہ محسوس کرو، نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، یاد رکھو سجدے میں مانگی ہوئی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ پھر خدا حافظ کہہ کر واپس چلے گئے۔ میں سوچیت گڑھ (جموں) سے لاہور تک ان کے یہ الفاظ مسلسل دہراتا رہا کہ "یاد رکھو! سجدے میں مانگی ہوئی دعا مستجاب ہوتی ہے۔"

وقت کم تھا۔ بندر ڈراؤنی آوازیں نکالتے ہوئے گھیرا تنگ کرتے آ رہے تھے۔ قریب تھا کہ میرا ہندو ساتھی دہشت سے زمین پر گر پڑے میں نے اسے مخاطب کر کے کہا: "بچن داس! گھبراؤ مت، تم اس درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ اور نگاہیں نیچی رکھو۔ عصر کا وقت تنگ ہے۔ میں باوضو ہوں، گھاس پر نماز پڑھ لوں۔"

میں خطرے سے بے پروا ہو کر نماز میں مشغول ہو گیا۔ اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی ذات بابرکات کے تصور میں کھو کر مجھے وہ سکون ملا کہ پھر شاید ہی کبھی نصیب ہوا ہو۔ سلام کے بعد بے اختیار سر سجدے میں گر گیا۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ، کا ورد میری زبان پر جاری تھا جس سے دل و دماغ کو ناقابلِ بیان حلاوت میسر آئی۔ یہ کیفیت دیر تک جاری رہی۔ اتنے میں مجھے بچن داس کی آواز نے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "بشیر! اٹھو۔ راہ صاف ہے۔ جلدی کرو۔"

میں نے سجدے سے سر اٹھایا تو اللہ کی قدرت کا عجیب کرشمہ دیکھا۔ بندر غائب ہو چکے تھے۔ اُن کی آوازیں سنائی تو دے رہی تھیں مگر بہت دور سے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کیمپ میں پہنچے تو کافی اندھیرا چھا چکا تھا۔

صبح سویرے میں تلاوت قرآن کے لیے بیٹھا تو میری نگاہوں کے سامنے یہ آیت آئی:

"اور جب انسان کو مصیبت
پڑتی ہے تو لیٹے، بیٹھے یا کھڑے
ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم

دعا کا کرشمہ

(بشیر احمد لودھی)

باتوں میں مشغول ہم آگے بڑھتے رہے۔ بہت دیر چلنے کے باوجود ہمیں کوئی بستی دکھائی نہ دی۔ قدموں کے نشان مسلسل آگے جاتے گئے۔ اچانک بچن داس نے میرا بازو پکڑ لیا اور وہ ہنس کر کہنے لگا: بشیر! تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ دیکھو ہمارا کیمپ کتنی گہرائی میں رہ گیا ہے اور ہم بلندی پر آ پہنچے ہیں۔ واقعی ہمارے خیمے نیچے وادی میں نظر آ رہے تھے۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ بچن داس نے واپس چلنے کا مشورہ دیا۔ ابھی ہم چند قدم ہی واپس چلے تھے کہ میرا ساتھی خوف سے چیخا۔ اُس نے میرا بازو تھام کر کہا: "مروا دیا بھلے آدمی تم نے تو"

میں نے اپنے سامنے ایک عجیب منظر دیکھا چند ہی منٹ پہلے ہم جس راستے سے گزرے تھے، بے شمار بندر اُسے روکے ہوئے تھے۔ ہمارے تین طرف درختوں پر، زمین پر، بند بندر تھے۔ چھوٹے چھوٹے بھی تھے اور ا بڑے بڑے بھی کہ ایک ہی بندر ہم دونو کو اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔ وہ عجیب خوفنا انداز میں خوخیا رہے تھے۔ سب کی نگا ہم پر جمی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے۔ ان کی طرح طرح ک آوازیں ویرانے میں ایک خوفناک سما پیدا کر رہی تھیں۔ مجھے گھبراہٹ تو ضرور محسو ہوئی۔ مگر بچن داس کے برعکس میں اپ حواس قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ ویران جن میں خونخوار بندروں سے بچ نکلنا کسی طر ممکن نظر نہ آتا تھا۔ اچانک میرے دماغ ایک گزرا ہوا واقعہ گھوم گیا۔ میں آخری با والدین سے مل کر اپنی فوجی ڈیوٹی پر واپ

ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت

(ڈاکٹر [illegible] دہلی)

صحت و تندرستی

مرزا غالب کا یہ مصرع بہت مقبول ہے اور ہر خاص و عام کی زبان پر ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ غالب نے اس مصرع میں بہت بڑی سچائی بیان کی ہے۔ تندرست رہتے ہوئے ہمیں صحت کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن خدانخواستہ مرض جڑ پکڑ جائے اور صحت نہ رہے تو تندرستی کی قیمت معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی عقل مند نے کہا ہے کہ چار چیزوں سے پہلے چار چیزوں کو غنیمت جانو مثلاً (۱) موت سے پہلے زندگی کو (۲) مفلسی سے پہلے غنی ہونے کو (۳) بڑھاپے سے پہلے جوانی کو (۴) مرض سے پہلے تندرستی کو۔

تندرست آدمی کا دل و دماغ روشن ہوتا ہے وہ جو کچھ سوچتا ہے اس کے مطابق کر گزرنے کا حوصلہ اور ہمت اس کے اندر ہوتی ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ کو وہ آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ اور تندرستی کے سہارے ہمت اور بہادری کے ساتھ ناموافق حالات کا بھی مقابلہ کر لیتا ہے۔ آدمی تندرست ہو تو اس کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ حسن و خوبی کے ساتھ اپنے کام انجام دے۔ بلکہ اس کے اندر یہ صلاحیت بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی بھلائی کے بھی بہت سے کام کرے۔

اس کے برعکس ایک ایسا آدمی جو تندرست نہیں ہے اس کے ارادے کمزور اور حوصلے پست ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ سوچتا ہے اُسے کر گزرنے کی ہمت نہیں پاتا۔ اپنے بہت سے کاموں میں وہ دوسروں کے اوپر تکیہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح اُس کے

اس کی مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو یوں پھر جاتا ہے گویا کہ مصیبت میں اُس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حدود سے تجاوز کرنے والوں کے لئے ہم نے ان کے اعمال کو زینت دے رکھی ہے۔"

آگے لکھا ہوا تھا۔

"اور اللہ کے علاوہ ان کی بندگی کرتے ہیں جو ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں" (سورۂ یونس پارہ ۱۱ رکوع ۲)

میں نے اس واقعے سے بلاواسطہ خالص اللہ کو پکارنا سیکھ لیا۔

استعمال پر موقوف ہے۔ ایک آدمی اگر طاقتور ہے اور انصاف پسند نہیں ہے تو اس کی تندرستی وبال جان ہے لیکن اگر کوئی صحت مند آدمی اپنے تندرست جسم کو نیکی پھیلانے میں اور برائیوں کو مٹانے میں استعمال کرتا ہے تو اس کی صحت خود اس کے لیے بھی اور پورے سماج کے لیے بھی اللہ کا انعام ہے۔ اسی لئے صحت پر ایمان مقدم ہے مگر ایمان و یقین کے بعد سب سے اہم چیز تندرستی ہی ہے۔ اور اس بات میں ذرا مبالغہ نہیں ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے۔

آدمی پر خدا کا حق سب سے مقدم ہے۔ کیونکہ وہ خالق اور مالک سب کچھ ہے۔ دوسرا حق آدمی کے اوپر خود اپنے جسم اور جان کا ہے۔ اور تیسرا حق ہے، بندگانِ خدا کا۔ یہ تینوں طرح کے حق ادا کرنا آدمی کے لیے ضروری ہیں۔ اس میں دوسرا حق یعنی اپنے جسم اور جان کا جو حق ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی اللہ کی بخشی ہوئی اس نعمت کی قدر کرے۔ اپنی تندرستی کی دیکھ بھال رکھے۔ اور صحت کو قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ اس طرح اسے جو تندرستی حاصل ہوگی اور اسے حاصل کرنے میں آدمی جو بھی کرے گا۔ اس پر وہ اللہ کے یہاں بھی اجر کا مستحق ہوگا۔ اور دنیا میں تندرست آدمی کو جو لطف اور مسرت حاصل ہوتی ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے سچی بات یہی ہے کہ ایمان کے بعد تندرستی سب سے بڑی نعمت ہے ●●

بگڑے کام کوئی دوسرا بنا دے۔

اسی لیے ایک حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے نز
طاقتور مومن کمزور مومن سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ صحت مند آدمی اپنی ذمہ
کو اور اپنے فرائض کو جس خوبصورتی کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔ بیمار کمزور اور غیر صحت مند آد
کاموں کو نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ غالب نے یہ شعر اس طرح کہا تھا۔

تنگ دستی اگر نہ ہو غالبؔ تندرستی ہزار نعمت ہے

مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ شعر اس طرح زیادہ صحیح ہے۔

تنگ دستی اگرچہ ہو غالبؔ تندرستی ہزار نعمت ہے

یعنی اگر آدمی غریب اور مفلس بھی ہو مگر صحت مند ہو تو وہ اس مالدار آدمی سے اچ
جو مال تو بہت رکھتا ہے مگر تندرست نہیں ہے۔

اگرچہ تندرستی سے بھی بڑی نعمت ایک اور ہے۔ جو قدرت نے اپنے خاص بندوں
فرمائی ہے اور وہ ہے ایمان اور یقین کی دولت۔ زندگی کی حقیقتوں کا شعور، زندگی کے با
میں حقیقت پسندانہ نظریہ، صحیح راستے کی پہچان، نبیوں کی رہنمائی، زندگی بسر کرنے کے رسولوں
اور اس پر ایمان۔ یہ دراصل زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے اور ایمان کے بعد جو چیز سب
زیادہ قیمتی ہے وہ دراصل صحت اور تندرستی ہے۔ صحت پر ایمان اس لئے مقدم ہے کہ آ
ایماندار ہے اور تندرست بھی ہے تو وہ انسان کے لیے سب سے اچھا ہے اور یہ اللہ کی
نعمت ہے۔

لیکن اگر آدمی گمراہ ہے بے اور سیدھے راستے پر نہیں ہے تو اس کی تندرستی
اور سوسائٹی کا کوئی بھلا نہیں ہو گا بلکہ اس کی تندرستی انسانوں کے حق میں مضر ثابت
تندرستی اصل میں ایک تیز دھار والے ہتھیار کی طرح ہے اور اس کی اچھائی برائی

پہچانا جائے پڑھ لیا جائے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ :۔

"بعض لوگ اہلِ مغرب کی مسیحیت زدہ رائے سے مغلوب و مرعوب ہو کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کا اصل مقصد تعددِ ازدواج کے طریقے کو (جو مغربی نقطۂ نظر سے دراصل برا طریقہ ہے) مٹا دینا چاہتا ہے مگر چونکہ یہ طریقہ بہت زیادہ رواج پا چکا تھا اس لئے اس پر صرف پابندیاں عائد کر کے چھوڑ دیا گیا لیکن اس قسم کی باتیں دراصل ذہنی غلامی کا نتیجہ ہیں۔ تعددِ ازدواج کا فی نفسہٖ ایک برائی ہونا بجائے خود ناقابلِ تسلیم ہے کیونکہ بعض حالات میں یہ چیز ایک تمدنی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ ہو تو پھر وہ لوگ جو ایک عورت پر قانع نہیں ہو سکتے، حصارِ نکاح سے باہر صنفی بدامنی پھیلانے لگتے ہیں جس کے نقصانات تمدن و اخلاق کے لئے اس سے بہت زیادہ ہیں جو تعددِ ازدواج سے پہنچ سکتے ہیں۔ اسی لئے قرآن نے ان لوگوں کو اس کی اجازت دی ہے جو اس کی ضرورت محسوس کریں۔ تاہم جن لوگوں کے نزدیک تعددِ ازدواج فی نفسہٖ ایک برائی ہے، ان کو یہ اختیار تو ضرور حاصل ہے کہ چاہیں تو قرآن کے برخلاف اس کی مذمت کریں اور اسے موقوف کر دینے کا مشورہ دیں لیکن یہ حق انھیں نہیں پہنچتا کہ اپنی رائے کو خواہ مخواہ قرآن کی طرف منسوب کریں کیونکہ قرآن نے صریح الفاظ میں اس کی اجازت دی ہے اور اشارۃً و کنایۃً بھی اس کی مذمت میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہو کہ فی الواقع وہ اسے مسدود کرنا چاہتا تھا۔"

ایسے لوگوں کو نظر انداز اور ان کو تنبیہہ کر کے مولانا نے اس آیت کی جو تفسیر و تشریح کی ہے وہ یہ ہے :۔

تشریحی نوٹ ۴ اس کے تین مفہوم اہلِ تفسیر نے بیان کئے ہیں :۔

(۱) حضرت عائشہؓ اس کی تفسیر میں فرماتی ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جو یتیم بچیاں لوگوں کی سرپرستی میں ہوتی تھیں ان کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے، یا اس خیال سے کہ ان کا کوئی سر دھرا تو ہے نہیں جس طرح ہم چاہیں گے دبا کر رکھیں گے۔ وہ ان کے ساتھ خود نکاح کر لیتے تھے اور پھر ان پر ظلم کیا کرتے تھے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو دوسری عورتیں دنیا میں موجود ہیں ان میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان کے ساتھ نکاح کر لو۔ (اسی سورہ میں انیسویں رکوع کی پہلی آیت اس تفسیر کی تائید کرتی ہے۔

تشریحات مودودی

تعددِ ازواج کا مسئلہ

قرآن بوقتِ ضرورت اجازت دیتا ہے نہ کہ حکم

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔ یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضے میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ زیادہ قرینِ صواب ہے۔ (سورۂ نساء آیت ۳)

ذہنی غلامی کا نتیجہ

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں نہ تو اہلِ مغرب کی مسیحیت زدہ رائے سے مرعوب ہوئے اور نہ انہوں نے ان مسلمان علماء سے اتفاق کیا جو اہلِ مغرب کی ذہنی غلامی سے مغلوب ہو کر اس آیت کا یہ مفہوم لیتے ہیں کہ یہاں بھی ایک مرد کو ایک ہی بیوی رکھنے کا حکم ہے۔ اہلِ مغرب اور اہلِ مغرب کی ذہنی غلامی میں پھنسے ہوئے مسلم دانشوروں کے متعلق مولانا مودودیؒ نے ان آیتوں کی تفسیر کے بعد جو حاشیہ لکھا ہے وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

اسلامی ریاست میں

عورتوں کے حقوق

شخصی آزادی اور جائز مانگ

اسلامی حکومت میں عورت بھی اسی طرح آزاد ہے جس طرح مرد۔ عدالتی کارروائی کے بغیر کسی کو جیل میں نہیں ٹھونسا جاسکتا۔ امتناعی نظربندی کے نام پر آج کل جو کچھ ہو رہا ہے اس کی گنجائش اسلامی قانون میں نہیں ہے۔ بندوں کی اس آزادی کو اللہ کا رسول بھی چیلنج نہیں کرسکتا۔ سورہ آل عمران آیت ۷۹ میں ہے :۔

"کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے غلام بن جاؤ۔"

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جہاد کے قیدیوں کے علاوہ نہ کسی کو غلام بنایا جاسکتا اور نہ لونڈی۔ جہاد میں حاصل کی ہوئی لونڈی سے اس کا مسلمان آقا کوٹھوں کی کمائی نہیں کراسکتا۔ آزاد عورتیں۔ معصوم بچے، آزاد مرد بیچنا حرام قرار دیا گیا۔ لونڈی کے اولاد ہو جائے تو اس لونڈی کو حق مل جاتا ہے کہ اب وہ آزاد ہوگئی۔

ایک خاص مسئلہ ملاحظہ فرمائیں۔ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز جماعت سے پڑھنا عورت پر واجب نہیں ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سی عورتیں جامع مسجد میں جمعہ کی جماعت کی غرض سے جاتی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی عورتوں کا یہی طریقہ رہا۔ اب حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کو روکا تو انھوں نے جواب دیا "جس بات کو اللہ کے رسولؐ نے نہیں منع فرمایا تم

(۲) ابنِ عباسؓ اور ان کے شاگرد عکرمہ اس کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا تھا اور جب اس کثرتِ ازدواج سے مصارف بڑھ جاتے تھے تو مجبور ہو کر اپنے بھتیجوں بھانجوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نکاح کے لئے چار کی حد مقرر کر دی اور فرمایا کہ ظلم و بے انصافی سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ایک سے لے کر چار تک اتنی بیویاں کرو جن کے ساتھ تم عدل پر قائم رہ سکو۔

(۳) سعید بن جُبیر اور قتادہ اور بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ جہاں تک یتیموں کا معاملہ ہے، اہلِ جاہلیت بھی ان کے ساتھ بے انصافی کرنے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے لیکن عورتوں کے معاملہ میں ان کے ذہن عدل و انصاف کے تصور سے خالی تھے۔ جتنی چاہتے تھے، شادیاں کر لیتے تھے اور پھر ان کے ساتھ ظلم و جور سے پیش آتے تھے اس پر ارشاد ہوا کہ اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو عورتوں کے ساتھ بھی بے انصافی کرنے سے ڈرو۔ اول تو چار سے زیادہ نکاح ہی نہ کرو اور اس چار کی حد میں بھی بس اتنی بیویاں رکھو، جن کے ساتھ انصاف کر سکو۔

آیت کے الفاظ ان تینوں تفسیروں کے متحمل ہیں اور عجب نہیں کہ تینوں مفہوم مراد ہوں۔ نیز اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم یتیموں کے ساتھ ویسے انصاف نہیں کر سکتے تو ان عورتوں سے نکاح کر لو جن کے ساتھ یتیم بچے ہیں ــــ ۵۔ اس بات پر فقہائے اُمت کا اجماع ہے کہ اس آیت کی رو سے تعددِ ازدواج کو محدود کر دیا گیا اور بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔ روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ طائف کا رئیس غیلان جب اسلام لایا تو اس کی نو بیویاں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ چار بیویاں رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص (نوفل بن معاویہ) کی پانچ بیویاں تھیں آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے۔ نیز یہ آیت تعددِ ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دیتی ہے جو شخص عدل کی شرط پوری نہیں کرتا مگر ایک سے زیادہ کرنے کی اجازت سے فائدہ اُٹھاتا ہے وہ اللہ کے ساتھ دغابازی کرتا ہے۔ حکومتِ اسلامی کی عدالتوں کو حق حاصل ہے کہ جس بیوی یا جن بیویوں کے ساتھ وہ انصاف نہ کر رہا ہو، ان کی دادرسی کریں۔ ●●●

ہم نے کسی عورت سے اس سے بہتر تقریر نہیں سنی۔

اب حضورؐ حضرت اسماءؓ کی طرف مڑے فرمایا۔ اے اسماء! تم میری طرف سے عورتوں سے کہدو کہ جو عورت یہ سب کرتی ہے (حضورؐ نے وہ کام گنائے) تو اسے بھی جہاد کے برابر ثواب ملتا ہے۔

راویوں کا بیان ہے کہ جب حضرت اسماءؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام عورتوں کو سنایا تو انھیں اتنی خوشی ہوئی کہ عورتوں کے لیے اس دن سے زیادہ خوشی کا دن پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ عورتیں آ آ کر حضرت اسماءؓ سے پوچھتی تھیں اور اپنا یہ حق معلوم کر کے خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھیں۔

تاریخ آغاز پندرہویں صدی ہجری!

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط

۱۴۰۱ھ

عالم اسلام اس وقت جن مشکلات و مصائب سے دوچار ہے وہ اظہر من الشمس ہیں ان حالات میں پندرہویں صدی ہجری کا آغاز اور اس کی آیۃ کریمہ لَا تَقْنَطُوْا سے تائید عالم اسلام کے لیے ایک مژدہ جانفزا اور بشارت کاملہ ہے۔ لہٰذا جملہ اہل اسلام کو ہمہ وقت یہ تصور کرنا چاہیے کہ اللہ کی رحمت قریب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ اس اعتبار سے پندرہویں صدی ہجری کا آغاز مبارک و مسعود ہے۔ تمام مسلمان اگر احکام الٰہی کی صدق دل سے پیروی کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ صدی مبارک ہوگی اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ ہم سب کی طرف متوجہ ہوگی۔

پندرہویں صدی ہجری عالمِ اسلام کو مبارک ہو

سید حافظ توسل حسین قصبہ سیوہارہ ضلع —— بجنور —— یوپی

کیوں منع کرتے ہو۔

واضح رہے کہ یہ نفل کی بات ہو رہی ہے حضرت عمرؓ جواب نہ دے سکے۔ اور چپ ر...

اس سے بڑھ کر ایک اور بات سنئے۔

ایک جگہ عورتوں کا اجتماع تھا۔ اس میں عورتوں کا یہ احساس ابھر کر سامنے آیا کہ جمعہ کے ثواب سے ہم عورتیں محروم۔ جنازے کی نماز سے ہم محروم۔ ہمارا کام تو بس یہ رہ گیا ہے کہ بچوں کو پالیں بس۔

اس احساس میں عورتوں کو اپنی محرومی نظر آئی تو طے ہوا کہ ہماری نمائندہ خاتون حضو... خدمت میں جائے اور جواب لائے تاکہ ہم کوئی اطمینانی صورت اپنا سکیں۔ چنانچہ ایک ذہین خاتون کو نمائندہ بھیجا گیا۔ یہ تھیں حضرت اسماء بنت یزیدؓ

حضرت اسماءؓ حضورؐ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں عورتوں طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں۔ اللہ نے آپ کو مردوں اور عورتوں سب کے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہم عورتوں نے بھی آپ کی پیروی کی ہے۔ عورتیں بھی آپؐ پر ایمان لا... ہیں۔ لیکن ہماری حالت مردوں سے الگ ہے۔ ہم پردہ کرنے والیاں ہیں۔ ہم جمعہ اور ... میں شریک نہیں ہو سکتیں۔ جب کہ مرد شریک ہوتے ہیں۔ ہم نماز جنازہ سے محروم۔ ج... مردوں کو یہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مرد عبادت میں بھی ہم سے بازی لے جاتے ہیں۔ وہ ... جیسی افضل العبادت کا ثواب پاتے ہیں اور ہم ہیں کہ ان تمام صورتوں میں گھروں کے ا... مردوں کی اولاد کو پالتی رہتی ہیں۔ گھروں کی حفاظت کرنا اور کپڑوں کے لیے چرخا چلانا ... کام رہ گیا ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر سنتے رہے جب حضرت اسماءؓ خاموش ہو گئیں تو صحابہؓ سے پوچھا: کیا تم نے اس سے پہلے ایسی تقریر سنی ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: نہیں یارسول

سوال ۱۲؎ ایک طالب علم اپنے گھر سے ۸۰ کلومیٹر دور یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اب وہاں پر ہی قیام فرماتے ہیں۔ اور کبھی کبھی گھر آتے بھی ہیں مگر اب آیسے ایسے حالات ہوئے کہ نہ وہ گھر جا سکتا ہے اور نہ یونیورسٹی جہاں رہتا تھا۔ صرف سفر میں ہوتا ہے اگرچہ اس سفر میں وہ اپنے ان رہائشی مقامات سے تھوڑا دور ہوتا ہے اب بتائیے کیا وہ نماز قصر کر سکتا ہے؟ کیا اس کی حیثیت مسافر کی ہے؟

جواب :۔ سوال کو خواہ مخواہ لمبا اور مبہم کر دیا گیا تھا۔

(۱) نہ وہ گھر جا سکتا ہے اور نہ یونیورسٹی۔ (۲) صرف سفر میں رہتا ہے۔

(۳) رہائشی مقام سے تھوڑا دور ہے۔ (۴) ایسے حالات آ گئے ہیں۔

یہ چاروں مبہم باتیں واضح ہونا چاہئیں۔ ہم کو بتایا جائے کہ ایسے کیا حالات ہیں؟ رہائشی مقام سے کتنے کلومیٹر دور ہے؟ لڑکا ہر وقت سفر میں رہتا ہے، نہ گھر جا سکتا ہے اور نہ یونیورسٹی یہ بہت اُلجھی بات ہے۔ ۸۰ کلومیٹر کا سفر ہے تو اس سفر میں نماز کو قصر کرنا ہوگا۔ اور اگر نیت یہ ہے کہ پندرہ دن سفر میں کہیں قیام رہے گا تو قصر کرنا ہوگا۔ پندرہ دن کے بعد پھر ضرورت پڑ گئی اور رہنا پڑا تو بھی قصر کرنا ہوگا جس دن یہ نیت کر لی کہ پندرہ دن سے زیادہ رہے گا تو اسی وقت سے پوری نماز پڑھنا ہوگی۔ پھر چاہے پندرہ دن سے کم ہی رہنا ہو جائے۔

سوال آپ کے جواب ہمارے

محمد سیف اللہ خالد آروی۔ کشمیر

سوال ۱ :۔ کیا اس شخص سے جو چرس کی کاشت کرتا ہو یا کسی طرح اس میں ملوث ہو، درسگاہ، مسجد یا کسی اور پاک مقصد کے لیے چندہ لے سکتے ہیں؟

جواب :۔ سوال واضح نہیں ہے۔ اس لئے ہم اصولی بات پہلے عرض کر دیں اس کے بعد سوال صحیح کر کے جواب عرض کریں گے۔

اصولی بات

یہ ہے کہ چرس ہو یا انگور، گیہوں، جو، آم ہو یا گنا اور تاڑی وغیرہ کی کاشت حرام نہیں اور ایسی چیزیں ہی ناجائز ہیں بلکہ انسان جب ان سے ایسی نشیلی چیز بناتا ہے جس کے استعمال سے بہکنے لگتا ہے تو وہ شے حرام ہو جاتی ہے جیسے ان چیزوں کے رس کو سڑا کر شراب تیار کی جاتی۔ یہ شے یعنی شراب حرام ہو گئی۔ جب کہ بذاتِ خود گیہوں، جو، گنا، آم وغیرہ سب حلال اشیاء ہیں ا کاشتکار ان چیزوں کی کاشت کرنے سے گناہگار نہیں ہوتا اور اس سے حاصل کیا ہوا پیسہ پاک ہے اور پاک مقصد کے لیے کسان سے لیا ہوا چندہ پاک ہوگا۔

اب دوسرے سوال کے یہ لفظ کہ "کوئی کسی طرح اس میں ملوث ہو" ظاہر ہے کہ یہ لفظ سوال کو واضح نہیں کرتے۔ اس طرح کہہ کر پوچھنا چاہیے کہ چرس سے فلاں چیز بنتا ہے جو نشہ آور ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی بہکنے لگتا ہے۔ تب ہی صحیح جواب مل سکتا ہے جو آپ سمجھ

حُسن جب پردے سے نکلا ہے ہوا ہے بدنام — شوخیوں نے اسے ہر دور میں رکھا ناکام
ہو کے بے پردہ رہا ہے یہ شکست آلام — ٹھوکریں کھائی ہیں جب چھوڑ دیا اپنا مقام

گل بداماں ہے یہ اسکو تہی داماں مت کر
صنفِ نازک کو سرِ بزم تو عریاں مت کر

ابھی پردہ میں ہے یہ اس میں خودی باقی ہے — اس کے کردار میں اک زندہ دلی باقی ہے
اسکی گفتار میں اک خوش طبعی باقی ہے — لب ہیں خاموش مگر ان میں ہنسی باقی ہے

اسکی فطرت میں تو پیدا اپنا ہیجان مت کر
صنفِ نازک کو سرِ بزم تو عریاں مت کر

غزل

.... (طالب کمیٹروی) (مرسلہ ساجدہ تبسم ایوت محل)

شمع جل اٹھی ہے اب ظلمتوں کے متوالو تم بجھا نہیں سکتے
روشنی کے دیوانے سر کٹا تو سکتے ہیں سر جھکا نہیں سکتے

خوں رُلا رہا ہوگا ہائے ان کو خود اپنی بے بسی کا نظارہ
کتنے بے گناہوں کے خوں سے سُرخ دامن ہیں اب چھپا نہیں سکتے

قوم و ملک کی حالت مجھ سے پوچھتے کیا ہو خود ہی فیصلہ کرلو
کون کس کا قاتل ہے آپ سُن نہیں سکتے ہم سنا نہیں سکتے

ہر کلی ہے لرزیدہ گل ہیں سہمے پژمردہ باغباں ہے خوابیدہ
قہر بن کے اب گلچیں چھا گیا گلستاں پر لب ہلا نہیں سکتے

ہر طرف یہ شہرہ ہے سبز انقلابوں کی طالب آمد آمد ہے
چھا گئی اداسی کیوں آج سُرخ نگری پر کچھ بتا نہیں سکتے

محترمی! السلام علیکم۔ حکیم اعجاز محمد خاں اعجاز صاحب سیونی کے ایک اچھے شاعر ہیں۔ عمر ۶۵ سے تجاوز کر گئی ہے موصوف نے بہت کہا ہے۔ غزلیں، نظمیں، رباعیات وغیرہ لیکن کلام کی اشاعت کی طرف سے بے نیاز رہے۔ میں نے ان کی بیاض دیکھی اس میں اقبال کے کافی اشعار کی انھوں نے تشریح کی ہے۔ اگر آپ اسے شائع کر سکیں تو میں ارسال کر سکتا ہوں۔ فی الحال ان کی بیاض سے ایک نظم ارسال خدمت ہے۔ راقم۔ خلیق الزماں سحر سیونی

صنفِ نازک ...... از۔ حکیم اعجاز محمد خاں اعجاز سیونی

صنفِ نازک کو سرِ بزم تو عریاں مت کر

حُسن کو پردے میں رہنے دے نمایاں مت کر
سامنے لا کے اُسے حشر بداماں مت
پیکرِ شرم کا یوں چاک گریباں مت کر
ننگِ اسلام نہ بن، روح کو نالاں مت

خاک میں اس کو ملانے کا تو ساماں مت کر
صنفِ نازک کو سرِ بزم تو عریاں مت کر

بے حیائی کے نہ اوصاف کر اس میں پیدا
اس کی غیرت کو تو لِلّٰہ نہ مٹی میں
رہے واضح ملے اسٹیج پہ لاکر نہ نچا
اس کو تو مغربی تہذیب کا شیدا

اس کو پائل کی صدا پہ کہیں رقصاں مت کر
صنفِ نازک کو سرِ بزم تو عریاں مت کر

گر یہ بھٹکی تو اسے راہ پہ لانا ہے محال
یہ جو بے پردہ ہوئی، ہوگا اسے شوق د
اس کے دامن پہ نہ داغ آئے رہے اتنا خیال
ہاتھ آئے گا نہ کچھ بھی ترے جز رنج د

بے بہا دُر ہے یہ تو اب اسے ارزاں مت کر
صنفِ نازک کو سرِ بزم تو عریاں مت کر

پک کو چھوڑ کر آبائی گاؤں منتقل ہو جائیں، کیونکہ پک میں ہمارا کوئی رشتہ دار نہ رہتا تھا۔ لیکن اماں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ ایک دن میں نے اُن سے پوچھا: "اماں! جب حالات اتنے دگرگوں تھے اور مشکلات اتنی زیادہ تھیں۔ تو آپ نے اُن لوگوں کی بات کیوں نہ مانی؟" وہ کہنے لگیں: "میں نے سوچا اگر آج میں نے ہمت ہار دی اور مشکلات کا مقابلہ نہ کیا تو پھر مجھے اور میرے بچوں کو ساری عمر دوسروں کے رحم و کرم پر جینا پڑے گا۔ اس کے علاوہ آبائی گاؤں میں اسکول نہ ہونے کی وجہ سے تمہاری اور تمہارے بھائیوں کی تعلیم بھی رہ جاتی۔ پھر میں نے یہ بھی خیال کیا کہ یہی رشتے دار، جو آج اتنے ہمدرد بنتے ہیں، کل کو تمہیں طعنے دیں گے اور اپنے احسانات جتائیں گے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے بیٹے کسی کے سامنے بلاوجہ شرمندہ ہوں۔"

میٹرک کے بعد میں لاہور چلا گیا اور کالج میں داخلہ لے لیا۔ کالج کا زمانہ میں نے بڑے ٹھاٹھ سے گزارا۔ اس دوران میں اماں نے مجھے اخراجات کے بارے میں کبھی پریشان نہ ہونے دیا۔ بہت دیر بعد پتہ چلا کہ ہمارے ٹھاٹھ قائم رکھنے کے لئے اماں نے اپنا بہت سا قیمتی زیور بیچ دیا تھا۔ قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ابھی وکالت کے اسرار و رموز سے واقف بھی نہ ہوا تھا کہ گردشِ دوراں مجھے کھینچ کر سیاست کی وادیٔ پُرخار میں لے آئی اور پُرپیچ راستوں پہ لا کر چھوڑ دیا۔ میخانہ سیاست میں پگڑی تو خیر ہر ایک کی اُچھلتی ہے بعض اوقات خود انسان کو اتنا اچھال دیا جاتا ہے کہ وہ ہوا میں معلق ہو کر رہ جاتا ہے اور دنیا اُسے حیرت سے دیکھنے لگتی ہے۔ وہ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کا سر اُچھل کر تن سے جُدا نہیں ہو جاتا، ورنہ اس کا امکان بھی موجود ہوتا ہے۔

سیاست کے ہنگاموں میں اُلجھ کر میں ماں کے قدموں سے دور ہو گیا۔ کئی کئی دن گزر جاتے اور ان سے ملاقات نہ ہوتی۔ میرا دل چاہتا کہ میں ان کے پاس جاؤں، اُن کے قدموں میں بیٹھوں۔ لیکن کچھ تساہل اور کچھ مصروفیات میری راہ میں ہمیشہ حائل رہتیں۔ زیادہ عرصہ گزر جاتا تو اماں خود مجھ سے ملنے کے لیے آ جاتیں اور مجھے ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے کہنے لگتیں: "میں نے

ارلائے منصب علیما

اماں جی

ابا جی کی وفات کے بعد ہمارے سر پہ دستِ شفقت رکھنے والی واحد ہستی ہماری ماں تھی جس نے اس مقدس لفظ کے مفہوم کو خوب سمجھا اور بیک وقت باپ اور ماں کے فرائض سنبھال لیے۔ انھوں نے یہ اچھی طرح جان لیا کہ انھیں ذمہ داریوں کا سارا بوجھ خود اٹھا کر زندگی کے نشیب و فراز سے گزرنا ہے اور منزل تک پہنچنا ہے۔ ایک ناقابلِ شکست عزم کے ساتھ انھوں نے اس مشکل ترین سفر کا آغاز کیا اور آخری دم تک خندہ پیشانی سے مصائب کا سامنا کیا۔ ایک سلطنت چلانے کی طرح گھر چلانا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ مسائل کے انبار دونوں صورتوں میں انسان کے فہم و تدبر اور صبر و تحمل کا کڑا امتحان لیتے ہیں۔ اماں نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی کی اور اُن کو گھر سے اس طرح رخصت کیا کہ باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ ہمیں لکھایا پڑھایا، اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کی۔ زمینیں ٹھیکے پر دیں، مزارعوں سے حصہ لیا اور اس سے جو بھی تھوڑی بہت آمدنی ہوئی اس کو دانش مندی اور سلیقے سے خرچ کیا۔ بھرم قائم رکھا اور کبھی کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کیا اور نہ ہی اپنی بے بسی کا رونا رویا اور یوں بڑی خاموشی اور عقل مندی کے ساتھ اپنے طرزِ عمل سے ہمیں سر اونچا کر کے چلنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا سبق سکھایا۔ وہ خود لکھی پڑھی نہ تھیں۔ کسی درسگاہ کا دروازہ تک نہ دیکھا تھا۔ ان کی پرورش ایک پسماندہ علاقے کے افتادہ گاؤں میں ہوئی۔ لیکن انھوں نے ہماری تربیت اس طریقے سے کی کہ کوئی بہت تعلیم یافتہ اور سلجھی ہوئی خاتون بھی شاید ہی کر سکتی۔ ابا کی وفات کے بعد عزیز و اقارب نے اصرار کیا کہ ہم لوگ

گئیں۔" اللہ مالک ہے۔ مجھے کسی نہ کسی طرح مدینے پہنچا دے گا۔ اتفاق سے ہماری بعض رشتے دار خواتین بھی حج پر جانے کے لئے تیار ہو گئیں اور اس طرح اماں جی کو سفر کے ساتھی مل گئے۔ پھر ایک دن ہم اماں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ اُن کے گلے میں ڈھیر سارے ہار تھے اور چہرے پر شگفتگی۔ ہماری عقیدتوں کے جھرمٹ میں وہ چپ چاپ بیٹھی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خیالوں ہی خیالوں میں سرزمین حجاز پہنچ چکی ہوں اور ان کی نگاہیں روضۂ رسولؐ کی جالیوں کو چوم رہی ہوں۔ مدینہ منورہ میں انھوں نے بیشتر وقت عبادت میں گزارا اور واپسی پر کوئی خرید و فروخت نہ کی۔ حج سے پہلے بھی نماز روزہ اور تہجد ان کا معمول تھا۔ کھانے پینے اور رہن سہن میں سادگی اور قناعت کا عنصر نمایاں تھا۔ انھوں نے کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات نہ کی اور نہ کبھی کسی کی غیبت کی۔ سادہ خوراک سادہ لباس اور مختصر بات اُن کی عادت تھی۔ عزیز و اقارب میں کوئی بیمار پڑتا، تو اماں اس کا حال پوچھنے ضرور جاتیں۔ انھیں پتہ چلتا کہ گاؤں میں کسی غریب کے پاس کھانے کو آٹا نہیں تو اس کے گھر گندم یا چاول بھجوا دیتیں۔ کسی ملازم یا مزارے کی لڑکی کی شادی ہوتی، تو اس کی پوری پوری امداد کرتیں۔ وہ خوش اخلاق اور ملنسار تھیں ہر وقت ان کے چہرے پر ایک ہلکی دھیمی مسکراہٹ بھی رہتی اور نور کا ایک ہالہ سا بنا ہوتا جو کہ صبر و تحمل محبت و شفقت اور نیکی و شرافت کا پرتو تھا۔

مصائب کے دن اماں نے بڑے صبر کے ساتھ گزارے۔ نہ کبھی حرف شکایت زبان پر لائیں اور نہ تقدیر کا شکوہ کیا۔ بڑی خاموشی کے ساتھ وہ زندگی کے راستے سے دکھ کے کانٹے چنتی رہیں تاکہ ہمارے تلوے زخمی نہ ہوں۔ آنسوؤں کو پلکوں تک آنے کی کبھی اجازت نہ دی تاکہ ہمارے چہروں پر ملال نہ آئے۔ انھوں نے جو کچھ مانگا، اپنے خدا سے مانگا اور خدا نے بھی اُن کی خوب لاج رکھی۔ انھیں کبھی کسی کا احسان مند نہ ہونے دیا۔ نہ کبھی وہ بیمار ہوئیں اور نہ کسی سے پانی کا پیالہ مانگا۔ کام کاج کرتے۔ چلتے پھرتے انھوں نے اچانک بھری دنیا کو خیرباد کہہ دیا، جیسے کوئی چلتے چلتے راستہ بدل لے۔ ہم نے زندگی میں پہلی اور آخری با

وچا ہتیں دیکھ آؤں بہتیں دیکھے ہوئے . . . . بہت دن ہو گئے تھے" بار ندامت سے میرا سر اُن کے سامنے جھک جاتا۔ انتخابات کے دنوں میں وہ میرے لیے دن رات دعائیں کیا کرتیں۔ ان کی تمام تر توجہ میرے مسائل پر مرکوز ہو جاتی۔ کسی ملازم کو ساتھ لے کر وہ میرے پاس آجاتیں۔ اور باورچی خانے کا انتظام سنبھال لیتیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مہمانوں، کارکنوں اور گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو کھانے کے بارے میں کبھی کوئی شکایت پیدا نہ ہوتی۔ کامیابی کی خبر سن کر دوست احباب خوشی کے نعرے لگاتے اور مجھے کندھوں پر اٹھائے پھرتے۔ اماں اس موقع پر سجدۂ شکر ادا کرتیں اور کوئی چیز منگوا کر خیرات کے طور پر بانٹنے لگتیں۔ سردیوں کے آغاز میں اماں ایک دفعہ ضرور میرے پاس شہر آکر ٹھہرا کرتیں۔ اُن کی آمد سے میرے بہت سے کام کاج سدھر جاتے۔ برتنوں سے مہینوں کی جمی ہوئی میل کی تہیں اتر جاتیں۔ مکان کی چھتوں اور دیواروں سے جالا صاف ہو جاتا۔ چارپائیوں کی ٹوٹی ادوائین ٹھیک ہو جاتی۔ مہمانوں کے لئے رکھے ہوئے بستر دھل جاتے۔ نمک مرچ پیس کر رکھ لیا جاتا اور یوں سردیاں بڑے آرام سے گزر جاتیں۔

ہم سب بہن بھائی ہر سال عید گزارنے کے لیے اماں کے پاس گاؤں آجاتے تھے۔ اس دن اماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ ہوتا۔ سارے انتظامات وہ خود کرتیں۔ اچھے سے اچھا کھانا پکواتیں اور خود ٹرے میں سجا کر ہمارے سامنے لا رکھتیں۔ میں اعتراض کرتا: "آپ کیوں ایسا کرتی ہیں؟ کام کرنے کے لیے اور لوگ تھوڑے ہیں!" لیکن اماں جواب میں محض مسکرا دیتیں اور باورچی خانے سے لا کر کوئی اور مزے دار ڈش ہماری میز پر رکھ جاتیں۔ بچوں کی دنیا اماں جی کے دم سے آباد تھی۔ بچے بھی اُن سے بہت مانوس تھے، وہ اُن کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے۔

وفات سے پہلے ایک سال قبل اماں نے حج پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے کہا: "اماں! آپ حج پر ضرور جائیں، لیکن آپ کے ساتھ ہم میں سے کسی کو جانا چاہیے تاکہ آپ کو سفر میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ آپ نے اتنا طویل سفر کبھی نہیں کیا اور نہ ہی آپ کو ہوائی جہاز کے سفر کا تجربہ ہے۔" کہنے

تو کتنی نیک اور صابر تھی! اللہ نے تجھے کس نیک مٹی سے بنایا تھا کاش سب کی مائیں تجھ جیسی ہوتیں! لوگوں کی یہ باتیں بناوٹی نہ تھیں۔ اُن میں سچائی تھی حقیقت تھی۔ ان میں مصلحت یا خوشامد کا رنگ نہ تھا۔ عزت واحترام کا یہ مقام کسی کو یونہی نصیب نہیں ہوتا دنیا کے منہ سے کلمۂ خیر کہلوانا کوئی آسان بات نہیں، اس کے لیے بڑی ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں، اپنا آپ مارنا پڑتا ہے اور زندگی کے چراغ میں اپنا لہو جلانا پڑتا ہے۔ اماں نے اپنے جذبۂ ایثار، خلوص و محبت، صبر و تحمل اور عادات واطوار کی دلکشی کے سبب دلوں پر یہ نقش ابھارا تھا۔ اُن کی زندگی میں یہ نقش مدہم تھا لیکن ان کی وفات کے بعد ستارۂ صبح کی مانند دمکنے لگا۔ شاید مرنے کے بعد مرنے والے کی خوبیاں لوگوں سے ہم کلام ہوتی ہیں۔

اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کی شادی کرنے اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد اماں بہت مطمئن تھیں۔ انھوں نے اپنے سارے فرائض ادا کر دیے تھے اور تمام قرضے بھی چکا دیے تھے۔ اب اُن کے آرام کرنے کے دن تھے۔ خدمت کرنے کا نہیں، خدمت کرانے کا وقت تھا۔ لیکن انھوں نے یک لخت دنیا سے ناطہ توڑ لیا۔ جیسے کوئی بھیڑ میں بچھڑ جاتا ہے۔ میں اور سعیدہ سوچا کرتے تھے ہم لاہور میں ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر بنائیں گے۔ اس میں ایک کمرہ اماں جی کے لیے مخصوص ہوگا۔ اس کمرے میں ایک تخت پوش رکھا ہوگا۔ جس پر جا نماز بچھی ہوگی اماں وہاں نمازیں پڑھا کریں گی اور ہمارے لئے دعائیں مانگا کریں گی۔ تو ہمارے گھر میں خدا کی رحمت ہوگی۔ یقیناً ہمارا گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ وہ جنت جو ماں کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے جس کی آرزو سب کرتے ہیں۔ لیکن جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔

اب بھی جب کبھی زندگی کے ہنگاموں سے فرصت ملتی ہے اور میں گزشتہ واقعات پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو ماں کی یاد ذہن کے اُفق سے طلوع ہوتی ہے۔ دور خلاؤں میں ایک مہ چہرے کے مدہم نقوش ابھرتے ہیں۔ جیسے کو جنت کے جھروکے سے جھانکتا ہو۔ اس چہ پر وہی نرم دھیمی مسکراہٹ ہوتی ہے۔ تو

اماں کی اگر کوئی مدد کی، تو وہ یہی تھی کہ ان کے جنازے کو کندھا دیا۔ اُن کے بس میں ہوتا، تو شاید یہی نہ کرنے دیتیں۔ مجھے تو ضرور آہستہ سے کہتیں "بیٹا تم میری چارپائی نہ اٹھاؤ، تھک جاؤ گے۔"

جب ہم اماں کو قبرستان لے چلے، ایک کہرام مچ گیا۔ بہنوں نے ہمارے پاؤں پکڑ لیے اور فرش پر لوٹ پوٹ ہونے لگیں۔ میرے سامنے ماہیِ بے آب کے تڑپنے کا منظر گھوم گیا۔ وہ کہنے لگیں: "ویرا! ہماری ماں کو آج تو ہمارے پاس رہنے دو۔ اس کے بعد تو ہم کبھی ان کی صورت نہ دیکھ سکیں گی" یہ دیکھ اور سن کر ضبط کے بندھن ٹوٹ ٹوٹ جاتے اور آنکھیں بے اختیار چھلک پڑتیں۔ دل پر پتھر رکھ کر ہم نے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ ہماری ایک بہن جنازے کے پیچھے پیچھے قبرستان تک آئی۔ ہم نے اسے منع کیا، تو اس نے ہاتھ جوڑ دیے اور اس کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی۔

اماں کو قبر میں اتار کر ہم واپس آئے۔ تو یوں محسوس ہوا جیسے ہم ایثار و خلوص اور مہر و محبت کے تابناک جذبوں کو مٹی میں دفنا آئے ہیں اور اب چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا ہے۔ ہماری چھوٹی سی دنیا میں اماں کا وجود کسی گھنے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں کی طرح تھا۔ یہ سایہ اٹھ گیا۔ تو یوں لگا۔ جیسے ہم حالات کی کڑی دھوپ میں بے آسرا ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ جن سے ہمارا کوئی رشتہ ناطہ نہ تھا، ہم سے بھی زیادہ سوگوار تھے۔ شاید اُن کے دلوں پر اماں کے حسنِ اخلاق کا نقش جاوداں جاگزیں تھا۔ بھاماں جمعدارنی رو رو کر کہہ رہی تھی: "بے بے جی کے بعد ہم غریبوں کا حال کون پوچھے گا؟" بابا قطبا کی سفید ڈاڑھی آنسوؤں میں بھیگ گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "گور کنارے تو میں بیٹھا تھا، مرنے کے دن تو میرے تھے۔ بے بے جی تو بھلی چنگی تھیں، انھیں اچانک کیا ہو گیا؟" یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ اپنی بوڑھی بے نور آنکھوں پر رکھ لیے اور دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ محمد علی ڈرائیور گلوگیر آواز میں کہہ رہا تھا: "اب میں کبھی گاؤں نہیں آؤں گا۔ میرے سلام کے جواب میں ڈھیر ساری دعائیں اب کون دے گا؟"

ہر کوئی اپنے اپنے پیرایے میں اپنے اپنے غم کا اظہار کر رہا تھا: "اللہ تجھے جنت دے،

رسول کی حیثیت

رسول کو کیا مانا جائے اور کیا نہ مانا جائے

رسول کے بارے میں لوگ طرح طرح کے عقیدے رکھتے ہیں۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اس سے بڑھ کر رسول کو "اوتار" مانا جاتا ہے۔ "اوتار" کا مطلب یہ کہ جب جب دنیا میں دھرم نشٹ ہوا تب تب اللہ تعالیٰ زمین پر اترا اور اس نے دھرم کو زندہ کیا۔ کبھی اس نے انسان کے روپ میں جنم لیا۔ کبھی شیر بن کر چانک آگیا اور کبھی دوسرے جانور کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ہمارے ملک میں ایسے بہت سے اوتار مانے جاتے ہیں۔ میرے ایک ہمدرد ودوان نے ایک کتاب لکھی ہے۔ انھوں نے بڑی پہچانوں اور دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ "انتم (آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آج کل یہ کتاب بہت پڑھی جا رہی ہے۔ مسلمان خوش ہو کر اسے پڑھتے ہیں کہ اس کتاب میں ایک ہندو ودوان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول ثابت کرد[یا] اب سارے ہندو مسلمان ہو جائیں گے۔ ہندو اس لئے اس کتاب سے خوش ہیں کہ اس سے وحدت ادیان (سارے دھرم ایک ہیں) کا مسئلہ حل ہونے میں مدد ملے گی ہو سکتا ہے کہ اب مسلمان بھی ہندوؤں میں اسی طرح جذب ہو جائیں گے جس طرح بودھ ہندوؤں کا ایک جزو بن کر رہ گئے۔

عبدہٗ ورسولہٗ

رسول اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے

قرآن مجید نے جس طرح اللہ، اللہ کی کتابوں، ملائکہ، جن وغیرہ کے بارے میں ٹھیک ٹھیک تعلـ

سا بنا ہوتا ہے۔ میری پلکیں نم ہو چلی ہیں اور خود کلامی سسکیوں میں بدل جاتی ہے۔ پھر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اماں سرگوشی کے انداز میں کہہ رہی ہوں: "بیٹا! تم نے تو کبھی حوصلہ نہ ہارا تھا۔ تم تو کبھی گھبرایا نہ کرتے تھے تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے ہیں؟ تم رو کیوں رہے ہو؟" اور پھر اماں اپنے دامن خیال سے میرے آنسو پونچھ ڈالتی ہیں۔۔

حجاب کا اگلا خاص نمبر ۱۹۸۱ء

اوہام شکن نمبر کی اشاعت کے بعد ہی ہمارے پاس نومبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہونے والے خاص نمبر کے بارے میں یہ مشورے آنے لگے کہ فلاں فلاں نام سے نمبر نکالے جائیں۔ ہم نے ان ناموں کے بارے میں پھر حجابی حلقے سے رائیں لیں تو اب ان دو ناموں میں سے ایک کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے۔

● الجھنوں کے گرفتار نمبر — یا — ● تعلیم و تربیت نمبر

ان شاء اللہ آنے والے شمارے میں ہم تفصیل سے اس بات کا اعلان کردیں گے۔

غزل

دنیا سے جُدا عہد وفا ہم نے کیا ہے
دنیا کو بڑا غم ہے یہ کیا ہم نے کیا ہے

جو درد ملا تھا ہمیں فطرت کی نوا میں
اُس درد کو کچھ اور سوا ہم نے کیا ہے

اوروں نے جسے دردِ سری جان کے چھوڑا
اُس غم کو مگر دل کی دوا ہم نے کیا ہے

ڈرتے ہیں نہ ہو جائے کہیں ہم سے خفا وہ
جس کے لیے دنیا کو خفا ہم نے کیا ہے

دنیا کو تو اک سیرِ چمن زار ہے دنیا
دنیا کو مگر سجنِ بلا ہم نے کیا ہے

کہنے کو تیری راہ میں مر مر کے جئے ہم
کس منہ سے کہیں فرض ادا ہم نے کیا ہے

روکے سے رُکا ہے کہیں پرویز یہ طوفاں
جذبات کو پابندِ حیا ہم نے کیا ہے

احمد پرویز۔ شیش گراں۔ فیروز آباد۔ یو۔پی

اپنے بزرگ فرشتے کے ذریعہ اسے اپنی مرضی بتاتا ہے۔ اپنے حکم سے آگاہ کرتا ہے اور ذمہ دار بناتا ہے
و اللہ کے حکموں کو بندوں تک پہنچا دے اور ان پر چل کر نمونہ دکھا دے تا کہ اس طرح لوگ اللہ کے
وں پر چلیں اور اللہ کو مانیں۔
رسولوں پر اللہ کا یہ فضل خصوصی ہے۔ یہی وہ فضل ہے جو دوسرے انسانوں کو نہ حاصل ہو سکتا ہے
نہ کبھی حاصل ہوگا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ جس شخص کو اللہ نے اپنا رسول بنایا، اس نے کوئی بڑا کام کیا ہو
مرنے جس کو چاہا یہ بلند مرتبہ دے دیا۔ کسی صلے یا خدمت کے عوض نبوت نہیں ملتی۔
رسولوں کے بارے میں لوگوں کا جو عقیدہ اور خیال تھا اس کی وجہ سے وہ تعجب کرتے تھے۔ ان
سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انہی جیسے انسان کے پاس اللہ کا فرشتہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اس
ب کے بارے میں فرمایا۔

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ
وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا (سورہ یونس ۲)
کیا لوگوں کے لئے یہ عجیب بات ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی کو وحی کی تاکہ وہ لوگوں
کو جہنم سے ڈرائے اور ایمان لانے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائے۔ لوگ یہ بات بھی نہیں
سمجھ پا رہے تھے کہ کیا کوئی انسان بھی رسول ہو سکتا ہے۔
أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا۔ (بنی اسرائیل ۹۰) حیرت ہے کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول
بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا، لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ
لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا۔ (بنی اسرائیل) اگر زمین میں فرشتے اطمینان
سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور کسی فرشتے ہی کو ان کے لئے رسول بنا کر بھیجتے۔
مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان ہی کو رسول بنانا ٹھیک ہے۔ اگر انسان کے لئے
کسی ہاتھی یا شیر یا فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا تو انسان تعلیم اور پیروی کیا ہاتھی یا شیر کی کرتا وہ کیسے کرتا اور کیوں

دیا ہے اور لوگوں کے خیالوں اور دھاروں کو سدھارا ہے اسی طرح ۔ رسول کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ اسے کیا مانا جائے اور کیا نہ مانے جائے۔

• سب سے پہلے قرآن نے یہ بتایا کہ فرشتوں، جنوں اور انسانوں کی طرح رسول بھی مخلوق ہیں۔ پیدا کئے گئے ہیں۔ ہر رسول اللہ کا بندہ پہلے ہے اس کے بعد رسول ۔مسلمان جس طرح اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یوں گواہی دیتا ہے کہ محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اسی طرح سارے رسول بھی اللہ کے بندے اور رسول ہی تھے۔ یعنی ان میں الوہیت (خدائی) نہیں پائی جاتی۔ نہ ان کی شکل میں اللہ زمین پر آیا اور نہ اللہ کا کوئی خاندان ہے لم یلد ولم یولد۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی اللہ کا باپ ہے۔ ولم یکن لہٗ کفواً احد اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا۔ برابری کا، اس کے کفو کا ہے کہ کہیں اس کا بیاہ ہو سکے۔

بَشَرٌ مِثلُکُم

رسول انسان ہی ہے سارے انسانوں کی طرح

جس طرح سارے انسان عناصر ترکیبی (مٹی پانی وغیرہ) سے بنائے گئے ہیں اس طرح رسول بھی انسان ہی ہے اور انہی عناصر ترکیبی سے بنایا گیا ہے۔ رسول کو موت بھی آتی ہے۔ رسول بیمار بھی ہوتا ہے رسول کے چوٹ بھی لگتی ہے۔ رسول کو رنج بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی۔ رسول اپنے جسم کی بناوٹ اور جسم کی ظاہری شکل وصورت میں پورے کا پورا انسان ہی ہے۔ اس کے جسم میں خون اسی طرح دوڑتا ہے جس طرح دوسرے انسانوں کی رگوں میں۔ اس کا دل اسی طرح حرکت کرتا اور دھڑکتا ہے جس طرح دوسرے انسانوں کا۔ رسول دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا ہے، پیتا ہے۔ سوتا ہے، شادی بیاہ کرتا ہے۔ بازار جاتا ہے وغیرہ۔

یُوحیٰ اِلیَّ

البتہ ایک فرق انسانوں اور رسولوں میں ضرور ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ رسول کی طرف وحی بھیجتا ہے

اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ ایسی آیتیں اور جملے ملتے ہیں جن پر لوگ انگلی رکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی یہ اور یہ غلطیاں ہو گئیں۔

میں ان باتوں کو لکھتا ہوں۔ آپ بھی غور کریں کہ واقعی کیا وہ غلطیاں تھیں یا انھیں خوبیاں ہی کہا جائے گا۔ یہ باتیں دلچسپ بھی ہیں اور ان سے نصیحت بھی ملتی ہے۔

(۱) پہلا واقعہ سنئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ مکے کے کچھ رئیس پاس بیٹھے تھے۔ آپ پوری توجہ کے ساتھ ان کے سامنے اسلام پیش فرما رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ام مکتوم رضؓ آ گئے اور کوئی مسئلہ پوچھنے لگے۔ حضورؐ کی پوری توجہ رئیسوں پر تھی۔ چاہتے تھے کہ ان لوگوں کے دل میں اسلام اتر جائے۔ حضورؐ تو اس دھن میں تھے اور اسی حالت میں حضرت ام مکتوم رضؓ جو نابینا تھے آکر مسئلہ پوچھ بیٹھے۔ حضورؐ نے ان کی طرف دھیان نہ دیا۔ اسی کا ذکر عَبَسَ وَتَوَلّٰی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیشک حضورؐ کو توجہ دلائی ہے لیکن پہلے یہ تو سوچیے کہ حضورؐ کیا یہ کوئی غلطی کر رہے تھے؟ ذرا اس شخص سے پوچھئے جسے اللہ کا دین پھیلانے کی دھن ہو کیا ایسے موقع پر اپنے بیٹے کی بات سنے گا؟ اُسے تو یہ دھن ہوگی کہ کسی طرح لوگوں کے دل میں بات اتر جائے۔ حضرت ام مکتوم رضؓ کوئی غیر نہ تھے۔ حضورؐ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ہر وقت پاس اٹھنے بیٹھنے والے مشہور صحابی۔ حضرتؐ نے سوچا ہوگا کہ ان کو مسئلہ بعد میں بتا دیا جائے گا اس وقت موقع ہے کہ پوری بات قریشی سرداروں کو بتا دی جائے۔ شاید ان میں کوئی مسلمان ہو جائے اور دعوتی کام آگے بڑھے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک معرکے کی بات حضورؐ کو بتائی۔ فرمایا: اے نبیؐ! آپؐ نے ام مکتوم رضؓ کے آنے پر توجہ نہیں دی۔ اس نابینا کی قیمت ان رئیسوں سے زیادہ ہے۔ آپ کیا جانیں۔ ام مکتوم رضؓ آپ سے علم حاصل کر کے پورے طور پر سنور جاتے یا وہ جو خاص مسئلہ پوچھ رہے تھے اس سے نصیحت پاتے اور کس درجہ فائدہ حاصل کرتے۔ آپؐ تو اس کی فکر میں ہیں جو دین سے بے پروائی کرتا ہے حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو آپؐ پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اس کے مقابلے میں آپ اس کی فکر کیجیے جو دوڑ کر آپؐ کے پاس آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا ہے۔ آپ اس پر زیادہ توجہ دیں۔ کلّا۔ آپ آئندہ ہرگز ایسا نہ کیجیے۔

بنانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

لوگوں نے ہر رسول پر یہ بھی اعتراض کیا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا ہے پیتا ہے۔ بازاروں میں چلتا ہے۔ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور نہ ماننے والوں کو دھمکاتا کہ تو تباہ کر دوں گا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سورہ الفرقان (۲۱) میں ہے کہ اے محمدؐ! تم سے پہلے بھی ہم نے بھیجے وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔

سورۂ انعام میں ایسے ہی اعتراضات کا جواب یوں دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ نہیں اُتارا گیا۔ اگر کہیں ہم نے فرشتہ اُتار دیا ہوتا تو اب تک کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر انھیں کو نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم فرشتے کو اُتارتے تب بھی اُسے انسان ہی بنا کر اُتارتے اور اس طرح انھیں اس شبہ میں مبتلا کر دیتے جس میں اب پھنسے ہیں۔

اس طرح کے بہت سے اعتراض اور ان کے جواب قرآن مجید میں ہیں۔ یاد رکھئے کہ تمام رسول یہ کہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم کی بناوٹ میں انسانوں ہی کی طرح تھے لیکن نے رسولوں کو جو حسن اخلاق اور فضل و کمال عطا فرمایا تھا اس میں کوئی انسان ان کے پیروں کی دھول کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے رسول انسانی اخلاق کا مکمل نمونہ تھے فضل و کمال کے ہوتے ہوئے، تھے بندے ہی۔ خدائی کا کوئی حصہ انھیں نہیں ملا تھا۔ وہ بھی اللہ کی رحمت کے محتاج تھے اور دوسرے انسانوں کی طرح مجبور بھی۔

رسول معصوم ہوتا ہے

(رسولوں سے نہ کبھی گناہ ہوا اور نہ خطا ہوئی)

تمام رسول گناہوں سے پاک تھے۔ ان سے کبھی نہ خطا ہوئی اور نہ انھوں نے کبھی گناہ کا کام کیا۔

واسطے میں دل بدست کرنا حج اکبر است، اور دوسروں کا دل رکھ لینا حج اکبر کے برابر کہا جاتا ہے بڑی بات ہے۔

ان باتوں کو جو شخص خدا کی نافرمانی اور حضورؐ کی غلطی کہتا ہے۔ ایسے واقعات اور معاملات سے نتیجہ اخذ کرنا نہیں آتا۔ وہ ظالم ہے۔ دعوتی ذمہ داری کی نرمی اور دوسروں کا دل رکھنا۔ یہ تینوں باتیں ایک شخص کے حسن اخلاق کا پتہ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس حسن کو دوبالا کر دیا۔ بالفرض اگر انھیں غلطیاں مان بھی لیا جائے تو ایک صوفی کے بقول، ایسی غلطیوں پر ہزاروں اخلاقی کردار قربان ہیں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا رسول معصوم ہی ہوتا ہے۔ اس سے گناہ اور نافرمانی نہیں ہوتی اور اگر کہیں حسن اتفاق کے تحت کوئی ذرا سی بات ہو جائے اسے جسے صرف اللہ کی حکمت ہی محسوس کرے تو اللہ تعالیٰ وہ حکمت کی بات بنا کر اس میں مزید حسن پیدا فرما دیتا ہے۔

"آئندہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں" مطلب یہ ہے کہ اب جب کبھی ایسا ہی موقع ہو، بڑے بڑے رئیسوں کی موجودگی میں کوئی مسلمان آجائے تو رئیسوں پر یہ جتا دیجئے کہ اس مسلمان کی اہمیت تم سے زیادہ ہے چاہے وہ نابینا ہو یا غلام یا غریب۔

اب لطف کی بات سنئے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ آیتیں نازل نہ فرماتا تو کسی کے وہم و خیال میں بھی کبھی نہ آتا کہ یہ بھی کوئی توجہ دلانے کی بات ہے۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے پیار سے ایک چھوٹی بات کے مقابلے میں بڑی بات بتادی تو اعتراض ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یہ غلطی کی تھی جس پر اللہ نے ڈانٹا تھا۔ خوب ہے یہ اعتراض بھی۔

(۲) دوسرا واقعہ اس سے زیادہ حضورؐ کے بلند اخلاق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں آپؐ کے مزاج کی نرمی اور رحمدلی پوری کی پوری سامنے آتی ہے۔ ہوا یہ کہ بدر کی جنگ میں ستر کافر قید کئے گئے تھے۔ آپؐ کو ان پر بڑا رحم آیا۔ آپ نے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ آیتیں نازل فرمائیں جن کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ سے غلطی ہوگئی۔ میں پھر وہی کہتا ہوں کہ اگر قرآن مجید کے اندر اس فدیہ کے بارے میں یہ آیتیں نہ ہوتیں تو کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ یہ بھی کوئی غلطی ہوسکتی ہے بلکہ الٹے حضورؐ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی گواہی دیتے۔

(۳) تیسرا واقعہ سنئے، ایک بار آپؐ نے دوسروں کا دل رکھنے کے لئے قسم کھائی کہ شہد نہ کھائیں گے جبکہ شہد حرام نہیں ہے۔

اب اس قسم کی نزاکت سمجھئے۔ اللہ کا رسول ایک حلال شے نہ کھانے کی قسم کھا بیٹھا۔ اگر اللہ تعالیٰ حضورؐ کو اسی قسم پر رہنے دیتا تو نبی کی یہ قسم قانون بن جاتی۔ نبی کی دیکھا دیکھی امت بھی حلال چیزوں کے نہ کھانے پر قسم کھاتی اور اس قسم کو جائز سمجھا جاتا۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ اس قسم کا حال دوسروں کو معلوم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آیت نازل فرمائی اور حکم دیا کہ قسم توڑ دو۔ حضورؐ نے اسی لمحہ قسم توڑ دی۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر اس قسم پر قرآن انگلی نہ رکھتا تو کسی کو پتہ بھی نہ چلتا۔

یہ تین واقعے ہیں۔ ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کی دھن میں آپؐ اپنے ایک خاص عزیز کی طرف سے بے توجہ ہوگئے تھے۔ دوسرے واقعہ میں آپ کے دل کی نرمی کا عظیم نمونہ پایا جاتا ہے اور تیسرے

حاسد، نہ جانے کتنے ہی "القابات" جو مختلف لوگوں سے میں نے ایسے لوگوں کے متعلق سُنے تھے، ایک ایک کرکے یاد آنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ وہ واقعات بھی جنہیں سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ یہ چھوٹے بچوں کو اغوا کرکے لے جاتے ہیں۔ میں نے سُنا جبری بیگار لیتے ہیں۔ اُن معصوموں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور صرف اتنا کھانے کو دیتے ہیں کہ وہ زندہ رہ سکیں۔ مجھے اپنے پڑوسی آغا صاحب کا خیال آگیا جن کے اکلوتے بچے کو بچپن میں اغوا کرلیا گیا تھا اور آج تک معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہے۔ زندہ بھی ہے یا مرگیا! اپنے معصوم بچے کی جدائی میں آغا صاحب کی بیگم روتے روتے اپنی آنکھوں سے محروم ہوگئی تھیں۔

مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ یہ لوگ اپنی نوجوان لڑکیوں کو فروخت کر دیتے ہیں اور پھر اس بات سے کوئی غرض نہیں رکھتے کہ انھیں کہاں لے جایا گیا ہے۔ میں نے سوچا پھر ان میں اور زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں کیا فرق رہا جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفنا دیا کرتے تھے۔

یہ خیال آتے ہی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے "خان" سے میری نفرت دوچند ہوگئی۔ میں اپنے آپ میں کچھ اور سمٹ گیا۔ میں نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے مزے سے اگلی سیٹ پر ماتھے ٹکائے سو رہا تھا۔

اسی لمحے ایک دھماکہ ہوا اور بس ایک دم یوں رُکی کہ تمام سواریاں اُچھل کر ایک دوسرے پر جا پڑیں۔ صورتِ حال کا ادراک اُس وقت ہوا جب ریوالوروں اور بندوقوں سے مسلح تین آدمی بس میں چڑھ آئے۔ پہلا خیال یہی آیا کہ ڈاکہ پڑ گیا ہے۔ اب کسی کی خیر نہیں تمام سواریاں دم بخود رہ گئیں، لیکن ڈاکوؤں نے بلند آواز سے ہدایت کی۔ وہ بالکل خلافِ توقع تھی۔ انھوں نے ایک نظر پوری بس میں گھمائی اور گرج دار آواز میں کہا:

"کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے! ہم کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے صرف اپنا مقصد حاصل کرکے تمام لوگوں کو بحفاظت روانہ کر دیں گے۔"

ساتھ ہی اُن میں سے ایک آدمی آگے

(عارف قریشی)

سوچ کا فریب

بس ایک جھٹکے سے رُکی، تو سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے لوگوں کا ایک اژدہام اُس پر ٹوٹ پڑا۔ میں دو والی سیٹ پر تنہا بیٹھا دعا مانگ رہا تھا کہ خدا کرے کہ کوئی ایسا ساتھی ملے جس کی ہمراہی میں سفر کسی بوریت کے بغیر کٹ جائے، لیکن میری ساری دعائیں بے اثر گئیں اور اپنی روایتی وضع قطع میں قبائلی علاقے کے ایک خان صاحب میرے ساتھ آن براجمان ہوئے۔ سر پر بڑی سی پگڑی میلی سی شلوار، گھٹنوں تک لمبا قمیص نما کُرتہ اور اس کے اُوپر جیکیٹ جو غالباً کئی پشتوں سے ان کی وراثت میں چلی آ رہی تھی۔ پہلی ہی نظر میں اُن کا حلیہ مجھے کچھ اچھا نہ لگا۔ اس پر یہ کہ انھوں نے سیٹ پر بیٹھتے ہی کُرتے کی جیب سے نسوار کی بڑی سی ڈبیا نکالی اُسے کھولا اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"باؤ!" "نسوار کھائے گا!"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے کراہت سے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا، لیکن اُس نے میری اس حرکت کا کچھ بُرا نہ مانا اور اپنے دائیں ہاتھ کی پہلی اُنگلی سے خاصی مقدار میں نسوار اُٹھائی اور نچلے ہونٹ میں دبالی۔ اُس کا چہرہ پہلے ہی کم بھدا نہ تھا کہ اب اور بھدا ہوگیا پھر اُس نے یونہی بیٹھے بیٹھے اپنے دونوں گھٹنوں کو کھولا اور "پچ" کر کے تھوک کا ایک گولا سا فرش پر پھینک دیا۔ مجھے اُبکائیاں آنے لگیں میں نے مڑ کر ساری بس کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی خالی سیٹ نظر آ جائے تو اُٹھ کر وہاں چلا جاؤں لیکن خالی سیٹ تو کیا، کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ تھی۔ ناچار میں نے پھر اپنا منہ کھڑکی کی طرف کر لیا اور باہر دیکھنے لگا۔

خرکار، بردہ فروش، ظالم، سنگ دل، خودغرض

عاملہ نہ جانے کتنے ہی اتفاقات ... جو مختلف
لوگوں سے میں نے ایسے لوگوں کے متعلق سنے
تھے ایک ایک کر کے یاد آنے لگے۔ ساتھ
ہی ساتھ وہ واقعات بھی جنھیں سن کر رونگٹے
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ چھوٹے
بچوں کو اغوا کر لے جاتے ہیں۔ میں نے سنا
جبری بیگار لیتے ہیں۔ ان معصوموں پر ظلم ڈھاتے
ہیں اور صرف اتنا کھانے کو دیتے ہیں کہ وہ زندہ
رہ سکیں۔ مجھے اپنے پڑوسی آغا صاحب کا
خیال آگیا جن کے اکلوتے بچے کو بچپن میں اغوا
کر لیا گیا تھا اور آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ وہ
کہاں ہے۔ زندہ بھی ہے یا مر گیا! اپنے معصوم
بچے کی جدائی میں آغا صاحب کی بیگم روتے
روتے اپنی آنکھوں سے محروم ہو چکی تھیں۔
مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ یہ لوگ نوجوان
لڑکیوں کو فروخت کر دیتے ہیں اور پھر اس
بات سے کوئی غرض نہیں رکھتے کہ انھیں
کہاں لے جایا گیا ہے۔ میں نے سوچا پھر ان
میں اور زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں کیا فرق
رہا جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفنا دیا کرتے تھے۔

یہ خیال آتے ہی جب ساتھ بیٹھے ہوئے
نوجوان سے میری نفرت اور زیادہ ہو گئی۔ میں
نے آپ میں جو [illegible] لیا۔ میرے ساتھ
[illegible] کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے مزے سے
[illegible] پر ہاتھ رکھے سو رہا تھا۔
[illegible] ایک دھماکہ ہوا۔ بس رک گئی۔
[illegible] تمام سواریاں [illegible] چیخیں۔ ایک دو بچے
[illegible] صورت حال کا اندازہ [illegible]
[illegible] لوگوں [illegible] سے مسلح
تین آدمی بس میں چڑھ آئے۔ پہلا خیال یہی
آیا کہ ڈاکہ پڑ گیا ہے۔ اب کسی کی خیر نہیں۔ تمام
سواریاں دم بخود رہ گئیں لیکن ڈاکوؤں نے
بلند آواز سے ہدایت کی وہ بالکل خلاف توقع
تھی۔ انھوں نے ایک نظر پوری بس میں
گھمائی اور کرخت دار آواز میں کہا:
"کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ
کرے! ہم کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے صرف
اپنا مقصد حاصل کر کے تمام لوگوں کو بحفاظت
روانہ کر دیں گے۔"
ساتھ ہی ان میں سے ایک آدمی آگے

(عارف قریشی)

سوچ کا فریب

بس ایک جھٹکے سے رکی، تو سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے لوگوں کا ایک اژدہام بس پر ٹوٹ پڑا۔ میں دروازں سیٹ پر تنہا بیٹھا دعا مانگ رہا تھا کہ خدا کرے کہ کوئی ایسا ساتھی ملے جس کی ہمراہی میں سفر کسی بدمزگی کے بغیر کٹ جائے۔ لیکن میری ساری دعائیں بے اثر گئیں اور اپنی روایتی وضع قطع میں قبائلی علاقے کے ایک خان صاحب میرے ساتھ آن براجمان ہوئے۔ سر پر بڑی سی پگڑی میلی سی شلوار، گھٹنوں تک لمبا قمیص نما کرتہ اور اس کے اوپر جیکٹ جو غالباً کئی پشتوں سے ان کی وراثت میں چلی آرہی تھی۔ پہلی ہی نظر میں اُن کا حلیہ مجھے کچھ اچھا نہ لگا۔ اس پر یہ کہ انہوں نے سیٹ پر بیٹھتے ہی کرتے کی جیب سے نسوار کی بڑی سی ڈبیا نکالی اُسے کھولا اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"باؤ! نسوار کائے گا!"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے کراہت سے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا لیکن اُس نے میری اس حرکت کا کچھ برا نہ مانا اور اپنے دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی سے خاصی مقدار میں نسوار اٹھائی اور نچلے ہونٹ میں دبالی۔ اُس کا چہرہ پہلے ہی کم بھدا نہ تھا کہ اب اور بھدا ہوگیا پھر اُس نے یونہی بیٹھے بیٹھے اپنے دونوں گھٹنوں کو کھولا اور پچ کر کے تھوک کا ایک گولا سا فرش پر پھینک دیا۔ مجھے اُبکائیاں آنے لگیں میں نے مڑ کر ساری بس کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی خالی سیٹ نظر آجائے تو اٹھ کر وہاں چلا جاؤں لیکن خالی سیٹ تو کیا، کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ تھی۔ ناچار میں نے پھر اپنا منہ کھڑکی کی طرف کرلیا اور باہر دیکھنے لگا۔

خرکار، بردہ فروش، ظالم، سنگ دل، خود غرض

جواب سنکر کوئی کارروائی کرتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر لڑکی کو گھسیٹنے والے غنڈے کا وہ بازو پکڑ لیا جس میں اس نے پستول تان رکھا تھا۔ معاً پیچھے کھڑے ہوئے ایک غنڈے نے بندوق کا بٹ خان کے سر پر دے مارا۔ یہ ضرب خاصی شدید تھی۔ ایک دفعہ تو خان چکرا گیا، لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سنبھل کر دوسرے ہاتھ سے بندوق بھی پکڑ لی۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنا خوفناک منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ دو درندے ایک انسان سے نبرد آزما تھے جبکہ ان کا تیسرا ساتھی باہر کھڑا شور مچا رہا تھا۔ دونوں غنڈے ایڑی چوٹی کے زور سے اپنے ہتھیار چھڑانے کی تگ و دو کر رہے تھے۔ لیکن خان کی گرفت اتنی آہنی تھی کہ وہ بے بس سے نظر آتے تھے۔ چند منٹ کی اس کشمکش کے بعد لڑکی کے بازو پر غنڈے کی گرفت کمزور پڑ گئی جس پر لڑکی نے فوراً اپنے آپ کو چھڑا لیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی ماں کے سینے سے جا لگی۔

اتنے میں خان ایک غنڈے سے پستول چھیننے میں کامیاب ہو چکا تھا اور وہ دونوں غنڈوں کا نشانہ بنے ہوا تھا:

"خنزیر کا بچہ! غریب کی موت مرے گا۔ اسے ہم تو مار ڈالو وہ خود ہی مر جائے گا۔"

لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ دونوں غنڈے جھٹ سے خان کے پاؤں پر گر پڑے اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے۔ ان کا تیسرا ساتھی پہلے ہی سے فرار ہو چکا تھا۔

بس میں خوف و تحیر سے دم بخود ہوئی اور لوگ مسرت کے نعروں میں خان کی تعریف میں جت گئے۔ لڑکی ابھی تک اپنی ماں کے ساتھ لپٹی سسکیاں لے رہی تھی۔ وہ شخص جسے تھوڑی دیر پہلے میں خرکار اور خود غرض خیال کر رہا تھا اب میری نگاہ میں دنیا کا سب سے بڑا بہادر، جرأت مند اور رحم دل بن چکا تھا۔ میرے دل سے اس کی نفرت کا غبار یک دم چھٹ گیا اور اس کی جگہ عظمت کے ایک ایسے مینار نے لی جو آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہو۔ میرا جی چاہا میں اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے دوں، لیکن وہ اتنا قد آور نظر آ رہا تھا کہ میرے لیے اس کے گھٹنوں کو چھونا بھی ناممکن ہو گیا ●●

بڑھا اور ہم سے اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ایک نوجوان لڑکی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا "خاموشی سے اُٹھ کر چلی آؤ" پھر وہ لڑکی کے ساتھ بیٹھی ہوئی بوڑھی عورت سے مخاطب ہوا۔

"بڑھیا! ہم ٹیڑھی انگلیوں سے گھی نکالنا بھی جانتے ہیں۔ تمہیں کہا تھا کہ شرافت سے اپنی بیٹی میرے حوالے کردو۔ لیکن تم نے ہماری بات نہ مانی۔ اب ہم دیکھیں گا کون تجھے روکتا ہے؟" اس نے لڑکی کو بازو سے پکڑ کر گیٹ کی طرف گھسیٹنا چاہا۔ لڑکی نے چیخ پکار شروع کر دی اور بڑھیا غنڈوں کی منت سماجت کرنے لگی۔

"خدا کے لئے یہ ظلم نہ کرو! مجھ غریب کی عزت کیوں برباد کرتے ہو۔ میں تو اسی لیے تمہارا گاؤں بھی چھوڑ کر جا رہی ہوں کہ نہ یہ بدبخت تمہاری نظروں کے سامنے ہوگی اور نہ...." یہ کہتے ہوئے بڑھیا کی آواز بھرا گئی اور الفاظ ٹوٹ ٹوٹ گئے۔ اس نے بڑی حسرت سے بس میں بیٹھی ہوئی سواریوں کی طرف دیکھا، اس امید پر کہ شاید کوئی اس ظلم کو روکنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو لیکن کسی نے جنبش نہ کی۔ اُلٹا مجھ سمیت اکثر لوگوں نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ کرتے بھی کیا۔ جان بوجھ کر موت کے منھ میں کون جاتا ہے؟ بڑھیا بچھ رونے لگی۔ وہ بچہ کہہ بھی رہی تھی جو میری سمجھ میں قطعاً نہ آیا۔

اچانک ایک بھاری سی مردانہ آواز آئی!

"خوشیرو! تم ہمارے سامنے یہ ظلم نہیں کر سکتا!" میں نے دائیں طرف دیکھا۔ میرے ساتھ بیٹھا ہوا خان سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ غنڈوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔

"بی بی کو چھوڑ دو!"

بیک وقت سات آٹھ آدمیوں سے بھری ہوئی بس میں تنہا ایک آدمی کا ان کے مقابلے میں ڈٹ جانا غنڈوں کے لئے خاصے تعجب کا باعث تھا۔ بہر حال انھوں نے اپنی حیرانی پر قابو پاتے ہوئے حکم دیا:

"خان صاحب بیٹھ جاؤ، یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے تم اس میں دخل مت دو"

"ام دخل وخل نہیں جانتا ہے، ہم کہتا ہے بی بی کا بازو چھوڑ دو!" خان نے اسی لہجے میں کڑک کر کہا اور اس سے پہلے کہ غنڈے اس کا

گھنٹوں ایک ساتھ گزرتے۔ مگر بات بہت انتہائی سرسری اور رسمی سی ہوتی۔ میں نے یہ بات نوٹ کی کہ جتنی دیر وہ اسٹاف روم میں رہتی، دوسرے اساتذہ یا تو اخباروں کا مطالعہ کرتے یا ایک دوسرے سے ادبی موضوعات پر بحثیں کرتے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا۔ جب وہ اٹھ کر جاتی تو سب لمبا سانس لے کر نعرہ لگاتے۔ تسلیمہ بلاّ ملی!" اور پھر اس کی ذات کو موضوعِ سخن بنا کر ایسی موشگافیاں کرتے کہ میں حیرت سے اُن کے چہرے تکنے لگتا۔

ایک دن ایک لڑکے نے مجھ سے کہا "سر! میڈیم راحیلہ تو کچھ عجیب ہی شخصیت کی مالک ہیں۔ سبق کے دوران میں سادہ سا شعر بھی پڑھا جائے تو ایک دم شرما کر سُرخ ہو جاتی ہیں۔"

میں کچھ اور کہہ دینا چاہتا تھا، لیکن مصلحتاً فوراً موضوع بدلا اور ڈانٹنے کے انداز میں کہا: "آپ کو اپنے اساتذہ کا احترام کرنا چاہیے۔"

ایک دن میں ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ، انصاری صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ راحیلہ اُدھر آنکلی۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور وہ بار بار اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔

"بی بی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" انصاری صاحب نے پوچھا۔

"سر! میں شاعری کا پرچہ نہیں پڑھا سکتی" شدتِ جذبات یا غصے سے اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"لیکن کیوں؟" انصاری صاحب نے پوچھا:

"یہ نئی نسل تو بالکل ہی بگڑ گئی ہے۔ لڑکے کہتے ہیں ریختی پر نوٹس لکھوائے۔ آپ خود ہی سوچیے۔ میں کس طرح ... !" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

انصاری صاحب سوچ میں ڈوب گئے بڑی دیر بعد بولے: "پھر آپ لکھا دیا کریں نوٹس!"

"سر! مجھے تنقید دے دیجیے، اقبالیات دے دیجیے، لینگویج دے دیجیے، لیکن میں شاعری نہیں پڑھا سکتی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

اُجلے اُجلے کالے حروف

—·— گلزار شاہد —·—

راحیلہ سے میری ملاقات ریڈیو اسٹیشن پر ہوئی مجھے ایک مذاکرے میں شرکت کرنی تھی جس میں راحیلہ بھی شامل تھی۔ میں ریڈیو اسٹیشن پہنچا تو وہ پروڈیوسر سے باتوں میں مصروف تھی۔ میرا اس سے تعارف ہوا۔ وہ کالج میں اردو کی اُستاد تھی۔ اور اکثر تنقیدی مضامین لکھا کرتی تھی۔ اس کے چند مضامین میں نے پڑھے تھے۔ اس کے نقطۂ نظر سے مجھے اصولی اختلاف تھے۔

اس کے نقش تیکھے رنگت کسی قدر سانولی آنکھیں بہت گہری اور ایک کنپٹی پر سفید بالوں کی لٹ تھی۔ مجھے دُزدیدہ نظروں سے دیکھ کر وہ اپنے ناخنوں سے کھیلنے لگی۔

پروڈیوسر نے ہمیں مذکرے کے اُن نکات کے بارے میں بتایا جن پر ہم بحث کر سکتے تھے اور مشورہ دیا کہ ہم ان نکات پر آپس میں بات چیت کرلیں تاکہ ریکارڈنگ کے وقت کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

چند ہی منٹ کی گفتگو میں مجھ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ خاتون مَردوں کے بارے میں بڑے منفی خیالات رکھتی ہے، انھیں مکار اور عیار سمجھتی ہے اور اس سلسلے میں کچھ سننا اُسے پسند نہیں۔ یہ اندازہ کرکے میں نے چُپ رہنے ہی میں مصلحت جانی۔

دوسری بار میں راحیلہ سے یونیورسٹی میں ملا اُن دونوں میں ملازمت کی تلاش میں تھا۔ بہت تگ و دو کے بعد یونیورسٹی سے سال بھر کا معاہدہ ہوا تھا۔ پہلے دن ڈیوٹی پر آیا تو سب سے پہلے اسی سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں کا تعلق شعبۂ اُردو سے تھا۔ اسٹاف روم میں

"آپ باتوں کو نہیں سمجھتے۔ میں چاہتی ہوں سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ دراصل وہ بڑا ..

"دیکھئے آپ جانب داری برت رہی ہیں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ جلدی سے بولی: "پروفیسر صاحب! میرا تجربہ اور مشاہدہ آپ سے بہت زیادہ ہے اور میں اسی بنا پر کہہ رہی ہوں کہ لڑکیاں بڑی معصوم اور بڑی بے حیا ہوتی ہیں!" وہ ایک لمحہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر بولی۔ "میں ایک مثال دیتی ہوں۔ سائرہ کو جانتے ہیں آپ! کتنی معصوم اور بھولی بھالی لڑکی ہے، مگر انجم کے چنگل میں گرفتار ہے۔ یہ لڑکا کسی طرح بھی اعتبار کے قابل نہیں۔ وہ کھلنڈرا ہے۔ لاابالی ہے اس کے نزدیک زندگی کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں۔"

سائرہ اور انجم کی کہانی یونیورسٹی کے در و دیوار پر گویا لکھدی گئی تھی۔ سائرہ کا تعلق شعبۂ اردو ہی سے تھا۔ اس کی رنگت بے حد اجلی اور آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ اس کے لبوں پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔

انجم شعبۂ معاشیات کا طالب علم تھا۔ وہ گریبان کے دو بٹن ہمیشہ کھلے رکھتا۔ بال بالعموم شانے سے بے نیاز ہوتے۔ ہمیشہ شوخ رنگ کا لباس پہنتا اور اس کی انگلیوں میں ہر وقت سگریٹ کا ٹکڑا سلگ رہا ہوتا۔

اس وقت راحیلہ کی زبان سے ان دونوں کا ذکر سنا۔ تو میں نے بے ساختہ کہا: "آپ فکر نہ کیجئے محترمہ! میں سائرہ کو سمجھاؤں گا۔"

"آپ!" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"ہاں کیونکہ خود میں بھی وہی کچھ محسوس کر رہا ہوں۔ جو آپ محسوس کرتی ہیں۔ وہ لڑکی واقعی بہت معصوم ہے۔" میری یہ بات سنکر راحیلہ کچھ مطمئن سی ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلی گئی۔

* * *

میں سوچنے لگا "سائرہ سے کس طرح بات کروں۔ کیا کہوں، کس طرح کہوں!" اور آخر ایک روز ہمت کر کے میں نے اسے بلا لیا اس نے بہت سعادت مندی سے میری طرف دیکھا اور مؤدب ہو کر بولی: "جی سر!"

انصاری صاحب کچھ دیر سوچتے رہے، پھر میری جانب تکتے ہوئے کہنے لگے: "مناسب ہو تو شاعری کا پرچہ آپ لے لیجیے، لینگوئج خاتون پڑھا دیا کریں گی۔"

میں نے اقرار میں سر ہلا دیا، حالانکہ میں جانتا تھا شاعری کے پرچے کے لیے مجھے نئے سرے سے تیاری کرنی پڑے گی۔

یہ ذمے داری قبول کرنے کے بعد میں نے اسٹاف روم چھوڑا اور لائبریری سنبھال لی۔ کونے والی نشست پر بیٹھ کر گھنٹوں پڑھتا۔ لائبریری میں لڑکوں کی باتیں قریب سے سننے کا موقع ملا۔ ان کا موضوعِ سخن بالعموم راحیلہ ہوتی۔ وہ اسکی عادات کا دل بھر کر تمسخر اڑاتے۔

کئی بار میری موجودگی میں راحیلہ لائبریری میں آجاتی۔ کتابیں نکالتی، ورق الٹ پلٹ کرتی۔ نوٹس لیتی اور چلی جاتی۔ لیکن بات چیت کی نوبت نہ آتی۔ ایک روز وہ ریک سے کتابیں نکال رہی تھی کہ میں نے آواز دی۔

"پروفیسر صاحبہ، آپ ایک بات سنیں گی میری!"

وہ چند لمحے مجھے حیرت سے تکتی رہی شاید یہ سوچتی ہوئی کہ مجھ میں اتنی جرأت اور حوصلہ کہاں سے آگیا ہے! پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی قریب آگئی۔ اور شائستگی سے بولی: "جی!"

"غرض یہ ہے کہ یونیورسٹی اور کالج کے درمیان طویل فاصلہ ہے۔ شاید آپ کو علم ہو کہ طلبا کا اندازِ فکر کیا ہے؟"

اس نے کھردرے لہجے میں جواب د
"آپ کو میرے بارے میں سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ رخ بدل کر چلی گئی۔

ذہن میں آندھی سی اٹھی اور میں جا
خیالوں میں کہاں سے کہاں نکل گیا۔ میز پر کتاب تھی اور میں تصورات کی دنیا میں منزل طے کر رہا تھا۔ زیادہ دیر نہیں گزری ہوگی کہ راحیلہ میرے قریب والی کرسی پر آبیٹھی اور معذرت چاہنے کے انداز میں بولی: "میں تلخی کی معافی چاہتی ہوں۔ دراصل یہ اندازِ تکلم میری عادت بن گیا

"ماشاءاللہ بڑی اچھی عادت ہے۔" میں نے طنز کی۔

تو اچھا ہے۔ میں اپنی برائی بھلائی خوب سمجھتا ہوں۔"

--- * ---

اس واقعے سے دوسرے دن راحیلہ مجھے اسٹاف روم میں ملی۔ وہ رجسٹر میں کچھ لکھ رہی تھی۔ میں نے تمہید کے بغیر سوال کر دیا۔ "کیا انجم آپ کا بیٹا ہے؟"

اس نے رجسٹر اور قلم دونوں میز پر رکھ دیے۔ اور بڑے پرسکون انداز میں بولی۔ "ہاں — لیکن ہے تو مرد۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی اور چلی گئی۔ اس کے بعد جب بھی راحیلہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیشہ سائرہ اور انجم سے بات شروع کرتی۔ اور تان آکر یہاں ٹوٹتی کہ مرد بڑا منافق اور عیار ہوتا ہے۔

اس دوران میں انجم بھی مجھ سے خاصا بے تکلف ہو گیا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا وہ اپنی ماں کے رویے سے بہت پریشان ہے۔

میں اُسے اکثر سمجھاتا: "تمہاری ماں کو تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔ تم سعادت مند بن کر ان کی خدمت کرو۔"

وہ یہ کہہ کر چپ ہو جاتا: "سر! وہ میری ماں ہے۔ میں اُسے آپ سے بہتر جانتا ہوں۔"

ایک روز میں نے راحیلہ کے ساتھ ایک لڑکی دیکھی۔ دونوں اسٹاف روم میں ایک دوسری سے اُلجھتی رہیں۔ گفتگو میں بار بار انجم اور سائرہ کا نام آتا رہا۔ کافی دیر بعد دونوں خاموش ہوئیں۔ تو میں کمرے میں داخل ہوا۔ راحیلہ نے اس لڑکی سے تعارف کرایا۔

"اس کا نام رضوانہ ہے۔ نفسیات پڑھاتی ہے۔ سرگودھا میں۔ میری چھوٹی بہن ہے۔ آج کل یہاں چھٹیاں گزار رہی ہے۔"

وہ ہو بہو راحیلہ کی تصویر تھی۔ مجھے ایکا ایکی خیال آیا جوانی میں راحیلہ بھی خاصی حسین ہوگی۔

کچھ دیر بعد راحیلہ کا پیریڈ شروع ہو گیا اور وہ رجسٹر اٹھا کر پڑھانے کے لیے چلی گئی۔ ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں انسانی نفسیات زیرِ بحث آ گئی۔ میں نے گستاخی کی معافی چاہوں گا۔ کیا آپ نے کبھی اپنی بہن راحیلہ کا نفسیاتی تجزیہ بھی کیا ہے؟"

"میں ایک بہت ضروری مسئلے پر تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھ سے سر؟" اس نے اپنی گھنی پلکیں حیرت سے جھپکیں۔

"ہاں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم انجم سے ملنا جلنا چھوڑ دو۔ وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔" میں نے بمشکل کہا۔

وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر باہر کا رُخ کرتے ہوئے بولی: "سر میں اس کا جواب کل دوں گی۔"

وہ اس وقت بھی مسکرا رہی تھی۔

اگلے دن وہ میرے پاس آئی، لیکن اکیلی نہیں تھی۔ انجم بھی اس کے ساتھ تھا۔ دونوں میرے سامنے بیٹھ گئے۔ دیر تک ہم چپ رہے میں کرسی پر پہلو بدلتا رہا اور انجم سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

"سر!" کل آپ نے سائرہ سے میرے بارے میں کچھ کہا؟" انجم نے مہر سکوت توڑی۔

"ہاں کچھ کہا تو تھا۔" میں نے کہا۔ میں اب تک اپنے حواس پر قابو پا چکا تھا۔

وہ ایک لمبا کش لے کر بولا: "سر! یہ آپ کا مشاہدہ ہے یا میڈم راحیلہ کا؟"

"اگر میڈم راحیلہ کا بھی یہی خیال ہے تو غ نہیں ہے!" میں نے سرزنش کے انداز میں

وہ دیر تک سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے کر مسکراتا رہا۔ پھر دھیمی آواز میں بولا: "ر یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ میڈم راحیـ میری ماں ہیں۔"

میں نسق ہو کر رہ گیا۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ ایک ماں اپنے بیٹے کے بار میں ایسی رائے کیوں رکھتی ہے؟"

"میری ماں مجھ سے نفرت کرتی ہے، وہ میرے باپ سے بھی نفرت کرتی تھی۔ ا لیے وہ اُسے طلاق دے کر چلا گیا۔ میں اپنے والد کی شکل تک نہیں دیکھی۔ مجھے معا نہیں۔ باپ کی شفقت کیا ہوتی ہے۔ ماں کی م کسے کہتے ہیں۔ بتائیے اس محرومی کا ذمہ دا کون ہے؟"

میں نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بد وہ دُکھی سا ہو کر بولا۔

"سر! آپ اس معاملے میں فریق نہ بنا

یہ صدمہ برداشت نہ کرسکیں اور پاگل ہوگئیں!"

"اوہ!" میرے لب سے آہ نکلی "اب کہاں ہیں وہ؟"

رضوانہ کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ جب وہ بولی۔ تو اس کی آواز لرزتے ہوئے بھی "مینٹل ہاسپٹل میں ہیں۔ دراصل ان کا گھر رہنا کسی طرح مناسب نہیں تھا"

مجھے کوئی چیز سینے میں سلگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "اب تو کچھ ٹھیک ہیں نا؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا "میں کل مینٹل ہاسپٹل گئی تھی۔ وہ لوہے کی سلاخوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر کہہ رہی تھیں۔ تم سائرہ کو سمجھاؤ، وہ پاگل ہے۔ اپنے خاوند سے ٹوٹ کر پیار نہیں کرتی۔ اگر اس نے سیانہ کیا تو انجم اُسے طلاق دے دے گا" میں نے بہت غمزدہ ہوکر رضوانہ کی طرف دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی: "باجی کی انا کا خول اب ٹوٹا ہے۔ کاش وہ ہوش کے عالم میں کامیاب زندگی کا یہ راز پا لیتیں" ● ●

رضوانہ سوچ میں ڈوب گئی۔ بہت دیر بعد
اُس نے سر اُٹھایا اور بولی۔ "یہ ایک پیچیدہ مسئلہ
ہے۔ دراصل ہم انسان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔
انسان کائنات کی سب سے پُر اسرار شے ہے۔"
ممکن تھا کہ یہ گفتگو طول کھینچتی اور میں کچھ
نہ کچھ کُرید لیتا، لیکن چند لوگ اسٹاف روم میں
آگئے۔ اور ہماری بات ادھوری رہ گئی۔

--- ۰ ---

اُنہی دنوں مجھے لاہور میں ایک اچھی
ملازمت مل گئی۔ اور میں یہاں چلا آیا۔ کچھ
دنوں تک راحیلہ کا خیال آتا رہا۔ پھر ماضی
کی دھندلی یادوں پر لاہور کی مصروفیات
غالب آگئیں۔ اور میں سب کچھ بھول بھال کر
اپنے کاموں میں مگن رہنے لگا۔ دو سال
گزر گئے یا شاید اس سے بھی کچھ زیادہ۔ میرے
ایک دوست کی شادی تھی۔ شرکت کے لئے
گیا تو وہاں رضوانہ سے ملاقات ہوگئی، اور
پھر ماضی کی یادوں کے دیپ ایک ایک
کرکے جل اُٹھے۔ "راحیلہ تو ٹھیک ہے نا؟"
میں نے پوچھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی
انجم نے سائرہ سے شادی کرلی تھی۔ پتہ ہے
آپ کو؟"
میں چونکا "نہیں — مگر کب؟"
"کوئی سال بھر پہلے۔"
"کیا راحیلہ نے یہ رشتہ منظور کرلیا؟"
"میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اُسے
یہ رشتہ پسند نہیں تھا۔"
"پھر وہ .... میرا مطلب ہے اُن
کے تعلقات کیسے ہیں؟" اُس نے دھیمے
لہجے میں جواب دیا: "اُن کے تعلقات ہمیشہ
کشیدہ رہے۔ آپی ہر وقت لڑتی رہتی تھیں
سائرہ سے۔"
"پھر؟" میں نے بے تابی سے پوچھا
"پھر انجم سائرہ کو لے کر آپی سے علیحدہ
ہوگیا۔" اس کا لہجہ بدستور دھیما تھا۔
"پھر؟" میری بے تابی بہت بڑھ
گئی تھی۔
وہ دیر تک کچھ نہ بولی۔ جیسے اُسے
الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ پھر رک رک کر بولی:

میں بھی بیشتر فرقوں نے رومی بت پرستوں کا اثر قبول کر کے تثلیث کا عقیدہ اپنایا اور مشرکین میں شامل ہو گئے۔

شادی بیاہ محض دو جسموں کے ملاپ کا نام نہیں ہے جو صرف جسمانی تعلق رکھتے ہوں اور اس سے آگے کسی کسی کا ذمہ دار نہ ہو۔ یہ محض دو دلوں کا ملن بھی ہے کہ میاں بیوی خاندانی اور معاشرتی ذمہ داریوں سے بے پروا ہو کر صرف جذباتی زندگی گذاریں بلکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شادی کے بعد دو زندگیاں مل کر ایک تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ایک نسل کو پروان چڑھاتے ہیں اور مسلمان کے لئے تو اس کا گھر اسلام کا قلعہ ہے وہ اپنے گھر میں اسلام کو ایک نظام حیات کی طرح نافذ و جاری کرتا ہے۔ اسلام کے اصولوں پر اپنے بچوں کی تربیت کرتا ہے اور اپنے گھر کو اسلام کی خدمت کا پہلا مرکز بناتا ہے۔ ماں کی گود بچہ کے لئے اسلام کا پہلا مکتب ہوتی ہے۔

یہی حقائق ہیں جن کی وجہ سے اسلام میں مسلمانوں کو آپس میں رشتے ناطے جوڑنے کی تو عام اجازت ہے لیکن جو قومیں خدا کی منکر یا مشرک ہیں جن کے عقائد اور تہذیب و تمدن مسلمانوں سے مختلف ہیں ان سے شادی بیاہ کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان لڑکی کسی منکر خدا یا مشرک خاندان میں چلی جائے تو وہ وہاں اپنی ہی اولاد کو اپنے عقیدے کے مطابق تعلیم و تربیت نہیں دے سکے گی۔ بلکہ بچے کے مشرک باپ کی مشرکانہ تہذیب و تمدن کی خادمہ بن کر اسے اپنی اولاد کو شرک کی بنیاد پر پروان چڑھانا ہوگا۔ اور رفتہ رفتہ وہ خود بھی اسی مشرکانہ ماحول کے رنگ میں رنگ کر انھیں میں ضم ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی مشرک لڑکی مسلم شوہر کی بیوی بن جائے تو ایک طرف ہر روز میاں بیوی میں عقیدے خیالات، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، عید و تہوار کے سلسلے میں ٹکراؤ ہوتا رہے گا۔

اور ایسی محبت سے رشتہ ایک مستقل درد سر بنا رہے گا۔ اس سے زیادہ خطرناک بات اس وقت ہوتی ہے جبکہ ہو جائے اور اس کی تعلیم و تربیت کا سوال پیدا ہو۔ ایسی اولاد کس مذہب پر ہوگی۔ اگر اسلام پر رہنا ہے تو ایک مشرک ماں اپنی اولاد کو توحید خالص کی تعلیم اور اسلامی تہذیب کی تربیت کیسے دے سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ گھریلو زندگی سے اسلامی تہذیب و تمدن کا جنازہ نکل جائے گا۔

یہ معاملہ یہیں پر ختم ہونے والا نہیں بلکہ زندگی کے بعد بھی قبر میں اور روز حشر اس کی جواب دہی ہوگی۔

مختار صدیقہ صاحبہ

سِول مَیرج

زندگی کے تمام شعبوں کی طرح شادی بیاہ کے معاملات میں بھی اسلام نے صاف اور واضح احکام اور ہدایات دیئے ہیں۔ یہ الہٰی احکام قرآن میں موجود ہیں جو ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے اٹل ہیں۔ ان کی مزید تفصیل و تشریح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے اسلام میں شادی بیاہ کے جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ ایک طرف انسان کی فطری ضرورتوں کے لحاظ سے منصفانہ، اور دوسری طرف اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ اور تیسری طرف خاندان کی تعمیر و ترقی، مسلمان نسلوں کی تعلیم و تربیت اور مستحکم و پرسکون زندگی کے ضامن ہیں۔

اسلام سارے انسانوں کو ایک خاندان اور برادری قرار دیتا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے خالق و مالک اپنے حاکم و الٰہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ دیگر خداؤں کو شریک کرتے ہیں اور آخری رسول کو نبی نہیں مانتے وہ اس برادری سے کٹ کر ایک الگ برادری بنا لیتے ہیں۔ یہ دو الگ برادریاں صرف عقیدے کی حد تک ہی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتیں بلکہ اس کا اثر ان کے رسم و رواج ان کے تہواروں اور ان کی شب و روز کی عام زندگی پر پڑتا ہے۔ اس طرح مسلم ملت اور مشرک ملت اپنے عقیدے تہذیب و تمدن اپنے مقصدِ زندگی، اپنے ضابطہ حیات وغیرہ ہر ایک میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا جدا ہیں۔ ان کی منزلیں بھی جدا اور ان کے راستے بھی جدا۔

ان دو ملتوں کے علاوہ اور ملتیں بھی ہیں جو خدا پر بھی ایمان رکھتی ہیں۔ آسمانی کتابوں اور رسولوں پر بھی ایمان رکھتی ہیں۔ مگر قرآن مجید اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتیں اور ان کے آباد اجداد نے اپنی آسمانی کتابوں میں ایسی تحریف کی کہ اصل ہدایت تقریباً مسخ ہو گئی اور صرف بو باس باقی رہ گئی۔ ایسی ملتوں کو اسلامی اصطلاح میں "اہل کتاب" کہا جاتا ہے۔ معاشرتی زندگی میں اسلام اہل کتاب کو مسلم ملت سے مشرک ملت کے مقابلہ میں ایک قدم قریب سمجھتا ہے۔ اہل کتاب میں عام طور پر یہود اور نصاریٰ کو تسلیم کیا گیا ہے مگر نصاریٰ

وہ ترا شوقِ شہادت کیا ہوا

(تاز علیق کانپوری)

مردِ مسلم تو نگاہ ہوش مند ! ہے ترے سینے میں قلبِ درد مند
خیرِ اُمت کا لقب تجھ کو ملا ! رنگ ہستی تھا کبھی تجھ سے کھلا
تھا کبھی فرمان رب کا پاسباں تیری صورت سے عیاں تھی تیری شاں
تو سراپا تھا کبھی خلقِ عظیم تیری ہستی تھی کبھی مثلِ نسیم
وہ ترا نایاب گوہر کیا ہوا وہ ترا فیض سمندر کیا ہوا
وہ ترا ذوقِ عبادت کیا ہوا وہ ترا شوقِ شہادت کیا ہوا
جلوہ آرا تھا کبھی افلاک پر کیوں ہے گردِ راہ ارضِ خاک پر
روزِ محشر ہوگا جب تجھ سے سوال کیوں لٹا یہ کاروانِ بے مثال
جب کہ تھا تو کارواں کا راہبر لے گئے کس طرح رہزن لوٹ کر
ہوگا آخر لاجواب و شرمسار دامنِ ہستی رہے گا داغ دار
وقتِ فرصت ہے ابھی کچھ کام کر دہر میں تعلیم احمدؐ عام کر
پھر متاعِ گم شدہ کی فکر کر یعنی پیدا کر تو پھر سوزِ جگر
تیرے دم سے گردشِ لیل و نہار یہ چمن کا حسن یہ بادِ بہار
دفعِ شر کے واسطے ہے تیری ذات تجھ سے قائم ہے وجودِ کائنات

اپنی منزل کی طرف پھر لوٹ آ
بارگاہِ رب میں آ کر سر جھکا

اسلام چونکہ دیگر مذاہب سے شادی بیاہ کا رشتہ ناجائز قرار دیتا ہے۔ اس لئے ایسی جتنی بھی شادیاں
گی چاہے حکومت انھیں جائز تسلیم کرے مگر اسلام میں وہ محض ناجائز تعلقات سمجھے جائیں گے اور ایسے میاں
ساری عمر ایک حرام کاری میں مبتلا رہیں گے۔ اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی ناجائز اور حرامی ہوگی پھر ا
اولاد اور ایسی بیوی مسلمان شوہر کے ورثہ کی حق دار نہیں ہوسکتی۔

اس طرح دنیا میں اولاد کو مسلم و مشرک تہذیب کا آدھا تیتر آدھا بٹیر بنا کر اور اللہ، رسول کی نگاہ
محض زنا کار کی زندگی گزار کر جب یہ دربار الٰہی میں پہونچیں گے تو عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکیں گے
اس طرح بین المذہبی شادی بیاہ مسلمان لڑکی کے لئے موت اور مسلمان مرد کے لئے انتہائی تباہ کن ا
اور دونوں جہان برباد کرنے والی ہے۔

اسلام نے اہل کتاب کی حد تک یہ اجازت دی ہے کہ ان کی لڑکیوں سے رشتہ کیا جاسکتا ہے مگر
لڑکی نہیں دی جاسکتی۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ چونکہ بنیادی طور پر وہ لڑکی خدا اور رسول کو مانتی ہے اس لئے
وہ ضروری تربیت سے بیوی اور ماں کے فرائض انجام دے سکے اور رفتہ رفتہ اسلامی رنگ اختیار کرے۔

جو لوگ آج بین مذہبی شادی بیاہ کی تائید کرتے ہیں وہ نہ اسلام سے واقف ہیں نہ شادی کے دور
اثرات سے، وہ قومی یکجہتی کی دہائی دیتے ہیں لیکن اس مقصد کے لئے یہ گھریلو سکون اور معاشرت
تباہ کر دیں گے۔

قرآن میں عورت کی حیثیت

مکتبہ "حجاب" کی مشہور کتاب "قرآن میں عورت کی حیثیت" کو ختم ہوئے دو برس ہو چکے تھے لیکن
مجبوریوں کی وجہ سے چھپ نہ سکی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب اس کا نیا ایڈیشن ظاہری و معنوی دونوں حیثیتوں سے
عمدہ شائع ہوگیا ہے۔ ٹائٹل بھی نہایت چمکدار ——— قیمت پانچ روپیہ۔ تاجران کتب کو 40/ کمیشن۔
محصولڈاک خریدار کے ذمہ . . . . (منیجر "حجاب" رامپور۔ یوپی ۹۰۱

ہے۔ نہ ہم نے نہ کسی نے۔ اور میرا خیال ہے تم نے بھی نہیں دیکھا ہوگا.... یا دیکھا ہے؟"

میں نے اچانک اس سے پوچھ لیا۔ دیکھیں یہ ملانی اس کا کیا جواب دیتی ہے۔

"میں نے کیا کسی نے یہاں تک کہ انبیائے کرام تک نے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن پھر بھی ہم مانتے ہیں کہ خدا ہے ایسا کیوں ہے؟" اس نے سوال کیا۔

یہ سوال تو آج تک میرے ذہن میں ابھرا ہی نہیں تھا۔ اور نہ کبھی اس کی کبھی ضرورت ہی محسوس ہوئی۔ ہم تو خدا کو صرف اس لئے مانتے ہیں کہ ہمارے بڑے بوڑھے مانتے آئے ہیں۔ ماں باپ اور کنبہ کے سبھی افراد مانتے ہیں۔ سارے مسلمان مانتے ہیں بلکہ مسلمان تو مسلمان ہندو، سکھ، عیسائی سبھی مانتے ہیں.... اس کے علاوہ تو ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ آخر کیوں مانتے ہیں۔ چنانچہ بول پڑی۔

"بھئی مانتے اس لئے ہیں کہ ہمارے بزرگ مانتے ہیں۔ اور بس"

"مگر آخر ہمارے بزرگ کیوں مانتے ہیں؟ کیا تم کسی چیز کو محض اس لئے مان لوگی کہ ہمارے بزرگ مانتے ہیں... اچھا بتاؤ اس سامنے والے میدان میں کچھ ہے؟" اس نے سامنے میدان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ مجھے اب اس کی عقل میں کچھ فتور معلوم ہونے لگا۔ بھلا سامنے میدان میں کیا تھا۔ یہ تو محض صفاچٹ میدان تھا۔ یہ تو آنکھ کا اندھا بھی کہہ سکتا تھا کہ کچھ نہیں تھا۔ ضرور اس پر کسی سایہ کا اثر ہے جب ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کر رہی تھی۔

"بھئی یہ تو کوئی ایک نظر میں کہہ دے گا کہ کچھ نہیں ہے۔ صفاچٹ میدان ہے۔

"لیکن اگر تمہارے بزرگ کہیں کہ اس صفاچٹ میدان میں ایک مکان ہے تو کیا تم مان لوگی؟"

رابعہ بولی:۔

بھلا یہ بات محض کسی بزرگ کے کہنے پر کیسے مان لی جائے گی۔ یہ خود آج پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہے اور مجھ سے چاہتی ہے کہ میں ایک غلط بات مان لوں۔ چنانچہ بولی: لاحول ولا... آج تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ یہ تو صفاچٹ میدان ہے۔ محض کسی کے کہنے پر کیسے مان لوں گی کہ اس میں ایک مکان ہے۔ بزرگ کہے یا کوئی اور"

"تو پھر محض کسی بزرگ کے کہنے پر تم یہ کیسے

عقیدت منطق

(ایم۔ صلاح الدین ایم۔ اے)

رابعہ میری سہیلی تھی۔ دیکھنے میں بے حد بھولی بھالی تھی مگر تھی بالکل ملاّئن۔ ہر بات میں خدا رسولؐ ہر عمل میں کتاب و سنّت، صرف کتاب و سنّت کی پابندی۔ میں بھی ایک مسلمان لڑکی تھی۔ مگر اس کی طرح ہر وقت خدا رسول کی ہی رٹ لگائے نہیں رہتی تھی۔ بھئی ہوگئی پرائیوٹ زندگی میں مذہب کی پیروی جمعہ کے دن نہا دھولیا۔ جو گدا گر دروازہ پر آیا اُسے کچھ خیر خیرات کردی۔ رمضان کے دنوں میں روزے رکھ لئے۔ نمازیں پڑھ لیں۔ عید بقر عید میں نئے نئے کپڑے زیب تن کرلئے۔ سیوئیاں اور قربانی کے گوشت کھالئے اور لوگوں میں تقسیم کردیے۔ مذہب ہے کیا آخر؟ ایک پرائیوٹ چیز ہے۔ ایک عقیدہ ہے خواہ سچ یا جھوٹ۔ اس سے ہمیں کیا لینا دینا۔ بزرگوں سے جو چیز مانتے آئے ہیں۔ مانتے چلے جائیں گے۔ مذہب میں کیوں اور کیسے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ مذہب کو عقل سے کیا واسطہ لیکن یہ ہماری سہیلی رابعہ تو بس مت پوچھئے۔ مذہب کی ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر کس کر ہی مانے گی۔ ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث سے اس کی دلیل ملنی گی۔ بلکہ بہ چشم خود دیکھ لے گی۔ ہے نا عقل کی کچی اب یہی دیکھئے نا ایک روز کہنے لگی: "اچھی غزالہ یہ تو بتاؤ ہم اللہ پر کیوں ایمان لاتے ہیں؟"

میں تو اُس کا یہ سوال سُنکر دنگ رہ گئی۔ کیا کُفر بک رہی تھی: "تو تمہارا خیال ہے ہمیں اللہ پر ایمان نہیں رکھنا چاہئے؟ کیوں؟"

"وہ تو رکھنا چاہئے لیکن کیوں؟ کیا تم نے اُسے دیکھا ہے؟" اس نے کمال اطمینان سے پوچھا اور میں واقعی زچ سی ہوگئی۔ اُسے تو میں نے کیا کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن اُسے کچھ جواب تو دینا ہی تھا۔ بولی! "بھئی دیکھا تو کسی نے نہیں

اور یہ وہ دن ہوگا جب دنیا بلکہ ساری کائنات فنا کردی جائے گی اور پھر ایک نئے قسم کی کائنات وجود میں لائی جائے گی اور سارے انسان آدمؑ سے لے کر آخری انسان تک ازسرِنو زندہ کئے جائیں گے اور یوم حساب قائم ہوگا۔ اس دن ہاں اس دن یہ حقیقت پنہاں ساری خلقت کے سامنے مثل آفتاب ظاہر ہوگا۔ . . . .''

رابعہ بولتی جارہی تھی اور میں اس کی باتوں کو سنتی جارہی تھی۔ مسحور سی۔ . . اس قدر مسحور کہ چند لمحوں بعد مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے نہ رابعہ ہے نہ اسکول اور نہ کچھ اور . . . . بس صرف ایک ذات ہے خدائے رب العزت کی ذات . . . مثل روشن آفتاب جلوہ گر ہے۔

واقعہ صرف اتنا ہی نہیں کہ دنیا کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بنی ہے، بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ اس کو ایک ہی نے بنایا ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہی نہیں کہ اس دنیا کا انتظام کسی حاکم کے بغیر نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ حاکم ایک ہی ہے۔ انتظام کی باقاعدگی صاف کہہ رہی ہے کہ یہاں ایک کے سوا کسی کے ہاتھ میں حکومت کے اختیارات نہیں ہیں۔ ضابطے کی پابندی منھ سے بول رہی ہے کہ اس سلطنت میں ایک حاکم کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ قانون کی سخت گیری شہادت دے رہی ہے کہ ایک ہی بادشاہ کی حکومت زمین سے آسمان تک قائم ہے۔ چاند، سورج، ستارے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ زمین اپنی تمام چیزوں کے ساتھ اُسی کے تابع فرماں ہے۔ ہَوا اُسی کی غلام ہے۔ پانی اسی کا بندہ ہے۔ دریا اور پہاڑ اُسی کے محکوم ہیں۔ انسان کا جینا اور مرنا اُسی کے اختیار میں ہے۔ اُسی کی مضبوط گرفت نے سب کو پوری قوت سے جکڑ رکھا ہے۔ کوئی اتنا زور نہیں رکھتا کہ اُس کی حکومت میں اپنا حکم چلا سکے۔'' (سید ابوالاعلیٰ مودودی)

(اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات)

مان لوگی کہ خدا ہے۔"

میں گھبرا سی گئی۔ مجھے پسینہ سا چھوٹنے لگا اور میرے ذہن میں بار بار یہ سوال کوندنے لگا: تو کیا خدا نہیں ہے؟ کیا میں محض بزرگوں کے کہنے پر خدا جو نہیں ہے اس پر ایمان رکھتی ہوں؟ تب تو ساری باتیں جو میں مذہب کے بارے میں جانتی اور مانتی ہوں محض کسی کے کہنے پر مان رہی ہوں جب کہ ان کی یہ باتیں غلط ہیں۔ ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ میں نے ہتھیار ڈال دیا اور بے ساختہ بول پڑی۔ "تو کیا واقعی خدا نہیں ہے اور ہمارے بزرگ بلکہ سارے لوگ جو کہتے ہیں کہ خدا ہے تو کیا غلط کہتے ہیں؟" میں گویا اپنے آپ سے بولتی ہوئی گویا ہوئی۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ خدا ہے اور واقعی ہے۔ اور ہمارے بزرگ جو کہتے ہیں وہ غلط نہیں بالکل صحیح کہتے ہیں۔ مگر اس بات یا کسی بات کو بھی محض کسی کے کہنے پر آنکھ موند کر نہیں مان لیں گے۔ اس کے لئے دلیل ضروری چاہیں گے اور دلیل بہت ہی آسان ہے جب ایک معمولی سے معمولی چیز جیسے یہ لباس جو ہم زیب تن کئے ہیں

یہ سینڈل جو ہمارے پاؤں میں ہے یہ اسکو
میں ہم تم پڑھتے ہیں بغیر کسی کے بنائے
سکتے تو یہ زمین۔ یہ چاند۔ یہ ستارے۔ یہ
غرض پوری کائنات کیونکر کسی کے بنائے
سکتے ہیں۔ پھر جس نظم و ضبط اور مکمل ہم آ
ساتھ یہ کام کر رہے ہیں وہ اس بات کو
کر رہے ہیں کہ کوئی ایسی طاقت ہے
دے رہی ہے۔ اسی نے ہمیں بنایا ہے
ہم اس کائنات سے الگ کوئی چیز نہ
وہی خالق ہے وہی رب ہے۔ وہی م
بات تو اس نے بہت پتے کی کہ
ذہن نے اسے فوراً قبول کر لیا لیکن
کہتی ہو یہ تمام چیزیں خدا کی بنائی ہوئی
وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟"

"پگلی! وہ کیا اس کائنات کی
وجود رکھتا ہے جو وہ ہمیں نظر آئے۔
مادی آنکھوں سے صرف مادی اشیا
سکتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔"

پھر قدرے رک کر بولی: لیکن
منتظر کو ان شاء اللہ ایک دن ضرور د

آنکھ کھل جاتی تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور مسجد کی طرف چلے جاتے۔ رات کا بڑا حصہ خدا کی عبادت میں گزار دیتے تھے۔ عمر بھر معمول رہا کہ دوسرے نصف حصے کے آغاز میں بیدار ہو کر مسواک و وضو کے بعد تہجد ادا فرماتے۔ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے۔ بعض اوقات اتنا لمبا قیام فرماتے کہ قدم مبارک پر ورم آجاتا۔ آپؐ بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ رکوع کرتے اور بڑی دیر تک سجدے کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی انتہائی شوق و محبت سے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ نہ صرف صحابہ کرامؓ بلکہ عورتوں اور بچوں میں بھی نماز کا ایسا شوق پیدا ہو گیا تھا۔

• عبداللہ بن عباسؓ کو بچپن ہی میں راتوں کو نماز پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سوتے۔ جب رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر وضو فرماتے اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ بھی فوراً اٹھ کر وضو کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نماز میں عجیب کیفیت ہو جاتی۔ نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے بے اختیار رونے لگتے اور اس قدر روتے کہ بعض اوقات قرأت رک جاتی۔ روتے روتے ایسی ہچکی بندھ جاتی کہ مسلمان تو مسلمان اس منظر کا فروں کی عورتیں اور بچے بھی متاثر ہوتے۔

• خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو آپ کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتے۔۔ خوفِ خدا سے سارا بدن کانپنے لگتا اور چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا۔ ایک بار کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا — میرے بھائی! یہ امانت اٹھانے کا وقت ہے۔ وہ امانت جسے زمین و آسمان اور پہاڑ اٹھا نہ سکے۔ نادان انسان نے اسے اٹھایا۔ بتاؤ تو، کیا اس امانت کا ادا کرنا کوئی آسان بات ہے۔

• حاتم اصمؒ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ یہ بہت ہی نیک، خدا ترس، عبادت گزار اور بڑے زبردست عالم تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ حضرت ذرا اپنی نماز کی کیفیت تو بیان کیجئے کہ ہم بھی اپنی نمازوں کو سدھار سکیں آپؒ نے فرمایا — جب نماز کا وقت ہوتا ہے

اساجدہ فخر

اسلاف کی نمازیں

اسلام نے جو عبادتیں ہم پر فرض کی ہیں ان میں "نماز" سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو کسی حال میں چھوڑی نہیں جاسکتی انسان کی پوری زندگی کو اللہ کی عبادت بنانے میں نماز سب سے زیادہ مددگار ہے۔" نماز انسان میں یہ صلاحیت اور قوت پیدا کرتی ہے کہ وہ ہر وقت یہ بات یاد رکھے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ اسے اپنی یہ حیثیت ہر وقت یاد رہے کہ میں اللہ کا پیدا کیا غلام ہوں اور مجھے اس نے اپنی بندگی کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور اس لیے میرے لیے ضروری ہے کہ میری ساری زندگی اللہ کی عبادت میں صرف ہو۔ اور میں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی عبادت سے غافل نہ رہوں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہ پڑھنے کو کفر کی بات

اور کافروں کا طریقہ قرار دیتے تھے اور
"جو شخص نماز نہ پڑھے اس کا دین میں
نہیں" اور فرمایا۔" بندہ اور ک
درمیان نماز چھوڑ دینے کا ہی فاصلہ
دوسری ایک حدیث میں ہے
میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نما
اور ایک حدیث میں ہے۔" دین ا
کی حیثیت وہی ہے جو جسم انسانی
حیثیت ہے۔"

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
تو یہ عالم تھا کہ آپ ہر لمحہ محو عباد
اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے فرض ہر
رب العزت کی خوشنودی حاصل
تلاش رہتی۔ آپ محفلوں میں
حجروں میں ہوتے اور یکایک اذ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ

(حافظ عبدالسمیع دھاپوری)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم صحابی ہیں۔ آپ کے والد محترم حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی حضورؐ کے ذی عزت صحابی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

عبداللہ بن زبیر بن عوام بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ آپ کے پدر بزرگوار حضرت زبیرؓ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے، آپؓ کی والدہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور و محبوب، محترم اور مقرب صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ کی دادی حضرت صفیہؓ ہیں جو رشتے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ولادت، ہجرت کے بعد ہوئی۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بہت دنوں تک مہاجرین مکہ کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ اس لئے یہودی کہتے پھرتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اس لئے اب انکے یہاں کوئی اولاد نہ ہوگی۔ لیکن حضرت زبیرؓ جو مہاجرین کی سب سے پہلی اولاد تھے۔ پیدا ہوئے تو ان کے یعنی یہود کے اس جھوٹ کی قلعی کھل گئی۔ آپ کی پیدائش سے پہلے مہاجرین کو بہت مسرت ہوئی۔ گھروں میں خوشیاں منائی گئیں لیکن یہودیوں کو رنج و غم اور ذلت و ندامت حاصل ہوئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ پیدا ہونے کے بعد سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لائے گئے۔ حضورؐ نے کھجور اپنے منہ میں چباکر آپ کو کھلائی، اسی لئے مسلمانوں کے لئے یہ بات باعث سعادت ہے کہ بچہ کو اس کی پیدائش کے بعد کسی بزرگ صالح مسلمان کی خدمت میں لے جایا جائے اور اس

تو میں فوراً بڑی احتیاط سے وضو کر لیتا ہوں۔ وضو کے بعد بیکار باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتا بلکہ سیدھا نماز پڑھنے کی جگہ جا کر کچھ دیر خاموش بیٹھ جاتا ہوں۔ جب اچھی طرح سکون ہو جاتا ہے تو نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ دل میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا پاک گھر میرے سامنے ہے۔ جنت کو اپنی داہنی طرف اور دوزخ کو اپنی بائیں طرف، پلصراط کو پاؤں کے نیچے اور ملک الموت کو اپنے پیچھے خیال کرتا ہوں اور پھر اس نماز کو اپنی آخری نماز تصور کرتا ہوں پھر پورے خشوع و خضوع، ادب و تعظیم، عاجزی و انکساری کے ساتھ نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ اسی کیفیت کے ساتھ ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں۔ اس کے باوجود اللہ سے ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں نماز میں کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو کہ پکڑا جاؤں پھر اللہ کی رحمت سے امید بھی رکھتا ہوں کہ وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ میری غلطیوں کو معاف کر کے میری نمازوں کو قبول فرمائے گا۔

• حضرت خلف بن ایوب جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا کسی نے لکڑی گاڑ دی ہے۔ بدن میں ذرا بھی حرکت نہیں ہوتی۔ ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ایک بار کسی نے ان سے پوچھا۔ "حضرت! آپ کو نماز میں مکھیاں پریشان نہیں کرتیں؟"

یہ سنکر آپ نے فرمایا۔ "بھائی! تم نے بھی خوب سوال کیا، بڑے بڑے فاسق اور بدکار لوگ حاکموں کے کوڑے کھاتے ہیں اور ذرا حرکت نہیں کرتے بلکہ اپنی برداشت اور بہادری پر اتراتے ہیں اور فخر کے ساتھ بیان کرتے پھرتے ہیں کہ میرے اتنے کوڑے مارے گئے مگر ذرا جو حرکت کی ہو، کوڑے پر کوڑے برستے رہے مگر میں ہلا تک نہیں تم ہی بتاؤ۔ بدکاروں اور فاسقوں کا تو کوڑے کھا کر یہ حال ہو۔ اور میں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ پاؤں ہلاؤں، لوگ تو کوڑے کھائیں اور حرکت نہ کریں اور میں ایک حقیر سی مکھی سے گھبرا کر رب عظیم کے دربار میں گستاخی کروں۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری نمازیں بھی اسلاف ہی کی طرح ہو جائیں •

ڈالا۔ میری رائے یہ ہے کہ حجاج کی اماں اختیار نہ کرو اور نہ خود کو بنو امیہ کے حوالے کرو، رہی موت تو اس کا خدائے قادر مطلق نے ایک وقت مقرر کیا ہے وہ (موت) اپنے وقت پر آکر ہی رہے گی۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ لوگوں نے مجھ کو دھوکہ دیا اس وجہ سے میں کمزور ہو گیا تو تمہارا یہ کہنا مناسب نہیں ہے نیک آدمی اس طرح شکایت نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ میں اس بات سے خوف کرتا ہوں کہ کہیں موت کے بعد وہ لوگ میری لاش کا مثلہ نہ کریں اور مجھ کو صلیب پر نہ لٹکائیں۔ آپ کی والدہ نے فرمایا۔ اے میرے بہادر بیٹے۔ بکری کو جب ذبح کر دیا گیا تو پھر اس کو کیا خوف کہ اس کی کھال کھینچی گئی۔ جو کچھ تم کر رہے ہو شمع بصیرت و دانائی کی روشنی میں کئے جاؤ۔ اور خدائے پاک سے مدد چاہتے رہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ کے یہ نصیحت آمیز اور حوصلہ وہمت کو بڑھانے والے حق و صداقت سے بھرے ہوئے کلمات سنکر کہا۔ اماں جان! میرا خیال بھی یہی تھا جو آپ نے ظاہر فرمایا، میرے دل میں حُبِّ دنیا اور آرزوئے حکومت نہ کبھی پہلے تھی نہ اب ہے۔ میں نے کارِ خلافت کو صرف اس غرض سے اختیار کیا تھا کہ اللہ کی مخلوق اللہ کے دین کی پابندی نہیں کرتی تھی اور لوگ بُری باتوں سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ جب تک میں زندہ ہوں سچائی کی خاطر جنگ کرتا رہوں گا۔ میں نے آپ کا حکم اور آپ کی رائے ضرور سمجھی تھی، آپ کے ارشادِ عالی نے میری بہت کچھ ہمت افزائی کی ہے، اماں جان! آج میں ضرور راہِ خدا میں کام آجاؤں گا۔ میرے بعد آپ قطعاً غمگین نہ ہونا۔ اب آپ مجھے سپردِ خدا کرکے رخصت کیجئے۔ میں خوش ہوں کہ میں نے زندگی میں کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ظلم کرنے میں کسی ظالم کی مدد کی۔ حتی المقدور میں نے اللہ کے احکام کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔

پھر آپ نے درگاہِ رب العزت میں عرض کیا کہ یا اللہ آپ علیم وخبیر ہیں کہ یہ باتیں میں ازراہِ فخر و ناز نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اماں جان کو سکونِ قلب حاصل

کی نیکی اور سعادت کے لئے دعا کرنے کے بعد اس سے کھجور چبا کر بچہ کو کھلائی جائے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے، بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تمام رات بارگاہ رب العزت میں سجدے کرتے تھے۔ تمام تمام رات عبادت میں گذار دیتے ہی آپ بہت دلیر، بہادر اور نڈر بھی تھے۔ بہت صابر وشاکر، حوصلہ مند اور مستقل مزاج تھے عظیم سپہ سالار اور شہ سوار تھے، بڑے مدبر اور منصف خلیفہ تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کے دشمنو تدبیریں کامیاب ہوئیں اور آپ شہید ہو گئے۔

آپ اپنی خلافت کے زمانے میں جب کہ آپ کے ساتھ گنتی کے چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ اپنی حضرت اسماء رضی بنت ابوبکر صدیق رضی کی خدمت مبارک میں تشریف لے گئے اور عرض کیا کہ میرے اب کوئی نہیں رہا۔ صرف چند افراد انگلیوں پر گنے جانے والے باقی رہ گئے ہیں، جو میرا ساتھ دینے اب بھی تیار ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے بھی وہی سلوک کیا جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا تھا کی طرح مجھے بھی دھوکہ دیا، لیکن حضرت حسین رض کے بیٹے ان کی زندگی میں آخری دم تک اپنے باپ رہے اور دشمن سے آخر دم تک لڑتے رہے مگر میرے دو بیٹے ظالم حجاج کی اماں میں چلے گئے صرف بیٹا میرے ساتھ ہے۔ اب حجاج مجھ کو بھی اپنی اماں میں بلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے پا میں تمہاری ہر خواہش پوری کر دوں گا، اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ کہ آپ حق میں کیا حکم کرتی ہیں اور کیا رائے دیتی ہیں؟

حضرت اسماء رضی نے بیٹے کی یہ باتیں سنکر فرمایا کہ تم ہی اپنے معاملات کو اچھا سمجھ سکتے اگر تم سچائی اور صداقت پر ہو اور اسی کی طرف خلق خدا کو دعوت دے رہے ہو تو کچھ پرواہ اور اس نیک اور اچھے کام میں لگے رہو۔ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے راہ حق میں جانیں شہید ہوئے۔ تم بھی اسی راہ پر چلتے ہوئے شہید ہو جاؤ اور اگر تم نے دنیا کے لئے خلافت تھی تو تم سے برا کوئی آدمی نہیں کہ خود بھی تباہی میں پڑے اور اپنے ساتھیوں کو بھی تباہ

تنہا

(مترجم: شفیق بانو سہاگی)

اس کے بعد پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ گھوڑا چلتا رہا۔ راستہ طے ہوتا رہا۔ چاند پر کچھ ابر سا چھا گیا اور فضا کدر سی ہوگئی۔ ٹیس کو شاید نیند آنے لگی تھی یا اس کا ذہن سوچتے سوچتے سُن سا ہوگیا تھا پھر بھی اس نے محسوس ہی نہیں کیا کہ گھوڑا ان راہوں پر نہیں جا رہا جو لیڈی اوبر ووائلز کے محل کو جاتی تھیں۔

رات کا ایک بج چکا تھا۔ گھوڑا اسی طرح آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ ٹیس غضب کی تکان محسوس کر رہی تھی۔ اس کا سر نیند سے جھوم جھوم کر ایلک کی کمر سے ٹکرا رہا تھا اور اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے۔ اچانک ایلک نے گھوڑا روکا اور رکاب سے پیر نکال کر نیچے اُترا اور اپنا مضبوط بازو ٹیس کی کمر کے گرد ڈال دیا۔ ٹیس کو یک لخت ہوش آیا اور اس نے اپنی پوری طاقت سے اُسے دھکا دیا وہ توازن کھو بیٹھا اور سڑک پر گر گیا۔ اٹھا تو غصے میں بپھر کر بولا۔ "بڑی ظالم ہو تم۔ میں نے بھلا تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ تم نیند میں جھوم رہی تھیں، اس لیے گرنے سے بچانا چاہتا تھا۔"

ٹیس نے مشکوک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سوچا شاید یہ کہہ درست ہو۔ بات کچھ معقول سی نظر آئی۔ شرمندہ ہو کر بولی: "معاف کیجئے۔ میں واقعی نیند میں تھی اس لیے ڈر گئی۔"

ایلک نے موقعے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فائدہ اٹھایا اور غصے میں چیخا: "یہ تو ہی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہیں میرے اوپر بھروسا کرنا چاہئے۔ میں ایسا گرا ہوا تو نہیں کہ تم جیسے لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگیں۔"

"تم بڑے بے ہودہ انسان ہو اور

حضرت اسماءؓ نے یہ سنکر فرمایا کہ بیٹا! مجھے امید ہے کہ خدائے بزرگ و برتر تمہارے نیک کاموں کا اجر تمہیں عطا فرمائے گا، تم اللہ کا نام لے کر دشمنوں سے برسرپیکار ہو جاؤ، پھر حضرت اسماءؓ اپنے بہادر بیٹے حضرت زبیر کو گلے سے لگایا۔

آپ والدہ سے رخصت ہو کر باہر آئے اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر یہ تقریر فرمائی۔

" اے آل زبیرؓ تم شمشیروں کی چمک دمک سے مت ڈرو، اپنی تلواریں تول لو، ہر شخص اپنے مقابل سے لڑے، دیکھو تم مجھ کو تلاش نہ کرنا۔ اگر ایسا ہی ارادہ ہوگا اور مجھے ڈھونڈنا ہی چاہو گے تو میں سب سے آگے دشمنوں سے نبرد آزما ملوں گا۔ یہ کہہ کر حجاج کی فوج پر حملہ کیا، صفوں کو چیرتے ہوئے، اور دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے پچھلی صفوں تک پہنچ گئے۔

دوران جنگ میں نماز کا وقت ہو گیا، آپؓ نے نماز شروع کی، نماز کے بعد پھر مصروف جنگ ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کے میدان میں بے مثل و بے نظیر حیرت انگیز شجاعت اور دلیری دکھائی، آخر کار ایک ایک کر آپ کے تمام ساتھی شہید ہو گئے۔ بالآخر آپ نے بھی دشمنوں کو مارتے ہوئے تیروں اور پتھروں کی بارش میں جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کیا کبھی ہم نے اپنے آپ پر غور کیا کہ ہم کیوں مسلمان ہیں کس لئے مسلمان ہیں، کس مقصد کے لئے اس کائنات میں ہمارا وجود ہے۔ آج جس سماج میں آپ ہم رہ رہے ہیں کیا اسے دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلامی سماج ہے۔ آپ چاہے اپنی زبان سے اسلام کی تعریف میں بہت کچھ کہہ اور لکھ سکتے ہیں لیکن دنیا کے رہنے والے انسان اب قرآن و نبیؐ کی تعلیمات کے بجائے، آپ کی زندگی، رہن سہن، کاروبار، معاملات طور و طریقے کو دیکھ کر ہی اسلام کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔ اگر آپ کی زندگیاں اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتیں تو لوگوں کے اسلام کو سمجھنے اور قبول کرنے کا موقع فراہم کرتیں اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کی ذات اللہ کے بندوں کو اسلام کے قریب کرنے کا ذریعہ بن رہی ہیں یا اسلام سے دور کرنے کا۔ کاش! ہم اپنے مقام کو پہچان سکیں ●●

ٹھہرا کر لیا۔" تم خاموشی سے روانہ ہو گئیں۔ مجھی سے کہہ دیتیں تو گاڑی کا انتظام کر دیتا۔ وہ تو اتفاق سے پتہ چل گیا اور تیزی سے تمہارے پیچھے بھاگا۔ واپس چلو، میری التجا ہے۔"

"نہیں نہیں، میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

"اچھا، تمہاری مرضی، مگر یہ سامان تو گاڑی میں رکھ دو۔ آؤ میں تمہیں پہنچا دوں۔"

ٹیس نے بہت سنجیدگی سے اپنا سامان گاڑی میں رکھ دیا اور خود بھی اس کی طرف سے منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔ اب اسے الیک سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ صرف نفرت تھی۔ وہ بھی قریب ہی بیٹھ چکا تھا۔ اس نے اطمینان سے سگریٹ سلگایا اور ٹیس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ دلسوزی کے انداز میں بولا۔

"کیوں رو رہی ہو؟"

ٹیس نے آنسو پونچھ لیے اور بولی: "کچھ نہیں، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی۔"

الیک نے تیوری چڑھا کر کہا: "تمہیں شہر آنے کا اتنا ہی غم ہے تو آئی کیوں تھیں۔"

"مجھے تم سے نفرت ہے اور اب تو اپنے آپ سے بھی نفرت ہے۔ زندگی سے نفرت ہے دنیا سے نفرت ہے۔ میں کیا سمجھتی تھی کہ تم اچھے آدمی ہو۔ میں احمق تھی جو گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔"

الیک بولا: "سب عورتیں ایسی باتیں کرتی ہیں۔"

ٹیس کو غصہ آگیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ وہ مشتعل ہو گئی: "کمینے اور ذلیل آدمی۔ عورتوں کے لیے ایسے ناپاک جملے استعمال کرتے ہو۔ ان کے جذبات کو پامال کرتے ہو۔ ان کی عزت و وقار سے کھیلنا چاہتے ہو۔"

الیک نے زور سے قہقہہ لگایا۔ پھر نرمی سے بولا: "مجھے افسوس ہے۔ میں نے تمہیں صدمہ پہنچایا۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ مگر میں اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے کو تیار ہوں۔ میں تمہیں ہمیشہ روپیہ بھیجتا رہوں گا۔ اس قدر روپیہ کہ تم اچھی طرح کھا پہن سکو۔"

"بس مجھے معاف رکھو۔ مجھے تمہارے ایک پیسے کی بھی ضرورت نہیں۔"

الیک نے پھر قہقہہ لگایا اور کہا: "واقعی کوئی تمہارے انداز دیکھے تو تمہیں شہزادی ہی سمجھے۔ خاندان ڈی اوبرو ولز کی شہزادی،

ہو مجھ پر بھروسہ کرو۔ بس چھوڑ دو مجھے۔ میں پیدل چلی جاؤں گی۔"

"تم یہاں سے پیدل نہیں جا سکتیں۔ ہم لوگ گھر سے میلوں دور ہیں۔ راستہ بھول جاؤ گی اور اس جنگل میں عمر بھر بھٹکتی پھرو گی؟"

"پرواہ نہیں۔ بس چھوڑ دو مجھے!" ٹیس نے بل کھاتے ہوئے کہا۔

ایک نے کہا: "بہت خوب! مگر ایک شرط ہے کہ تم مجھ پر بھروسہ کرو گی۔ دیکھو نا، کتنا کہر چھایا ہوا ہے! مجھے خود نہیں معلوم کہ ہم کہاں ہیں؟ میں تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں۔ اب حفاظت سے گھر پہنچانا بھی میری ہی ذمہ داری ہے۔ میں تمہیں یوں نہیں چھوڑ دوں سکتا۔ ذرا اُتر کر گھوڑے کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں راستہ اور سمت سمجھ لوں، پھر تمہیں آزاد چھوڑ دوں گا پھر تمہاری مرضی ہے میرے ساتھ چلو یا تنہا۔"

ٹیس نے یہ شرط منظور کر لی اور نیچے اُتر کر بیٹھ گئی۔

ایک چپ چاپ چلا گیا۔ ٹیس کچھ دیر پڑی بیٹھی رہی۔ پھر نیند سے جھومنے لگی اور لیٹ کر سو گئی۔ اچانک بیدار ہوئی تو وہ کریہہ انسان اُسے زندگی کی سب سے قیمتی متاع سے محروم کر چکا تھا۔

-۵-

چار ماہ گزر گئے۔ ٹیس نے چار و ناچار یہ دن وہیں لیڈی اوبر وائلز کے بنگلے میں بسر کئے۔ اس کی طبیعت ہر چیز سے اچاٹ تھی۔ ذہن پریشان تھا۔ زندگی اجیرن ہو چکی تھی۔ آخر اس نے رختِ سفر باندھ لیا۔ نہ لیڈی صاحب سے کچھ کہا اور نہ کسی اور کو خبر تک۔ اُٹھا کر روانہ ہو گئی۔

راستہ دراز تھا۔ وہ تھک گئی۔ شام ہوتی جا رہی تھی۔ سامنے کے پہاڑوں پہ سورج کی زرد زرد کرنیں پڑ رہی تھیں۔ اور ابھی بہت سے ناہموار مرحلے سامنے تھے۔ آج ان راہوں پر اس کے وطن کا ایک شخص بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ٹیس نے ہمت کی اور تیز تیز قدم اُٹھانا شروع کر دیئے۔ وہ بلندی پر ہانپ ہانپ چڑھ رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے کسی گاڑی کے آنے کی آواز سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک نظر آیا۔ وہ اس کے قریب گاڑی

"واقعی غضب کی حقیقت ہے۔"

"یہ کیا ہے! میرے پاس تو اس سے زیادہ
...مقولے ہیں۔ دیکھیے وہ صاف سی دیوار ہے۔
...پر ایک مقولہ لکھتا ہوں۔ آپ جیسی خوب صورت
لڑکیوں کے کام کا ہے" اس نے سامان پھر سڑک
کے کنارے رکھ دیا اور ڈبہ اور برش لے کر دیوار
کی جانب بڑھا۔ میں نے اپنا سامان اٹھایا اور
چل پڑی۔ پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو سفید دیوار پر
بڑے بڑے سرخ الفاظ میں لکھا ہوا تھا "شیطان
سے بچو!" عورت اکیلی نکلتی ہے تو شیطان پیچھا
کرتا ہے۔"

مجھے متوجہ دیکھ کر وہ شخص چلاتے ہوئے
بولا: "آپ کو ان مقولوں کی تفصیل کا شوق ہے۔
تو آج شام وعظ سنئے۔ مسٹر کلیئر آف انیئر آرہے ہیں
بڑے غضب کا وعظ کہتے ہیں۔"

میں آگے بڑھتی چلی گئی۔ سامنے اس کا گھر
تھا۔ چمنی میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ اس کا
دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ قدم بوجھل ہوگئے
آگے بڑھتے ہی نہ تھے۔ بڑی مشکل سے دروازے
تک پہنچی۔

ماں نے جو اسے دیکھا تو اپنا کام چھوڑ کر
کمرے سے باہر نکل آئی۔ اور حیرت سے بولی۔
"کیا چھٹی لی ہے؟"

"ہاں! بہت طویل چھٹی۔"

"کیا مطلب؟"

"ماں! وہ ہمارے رشتہ دار نہیں ہیں۔"
پھر اس نے رو رو کر ساری داستان ماں کو
سنا دی۔

ماں سکتے میں رہ گئی اور پھر خشمگیں انداز
میں بولی:

"تم پھر اس کو شادی پر مجبور کرتیں۔ کوئی
اور لڑکی ہوتی تو ان حالات میں شادی کئے بغیر
واپس نہ آتی۔"

میں روتی رہی اور ماں بھی آنسو بہانے
میں اس کا ساتھ دیتی رہی۔ پھر ماں نے کہا: "تم
دونوں کی باتیں یہاں بھی لوگ کرتے رہتے تھے
کسے خبر تھی ان باتوں کا یہ انجام ہوگا۔ سب
کو شادی کی امید تھی۔ اب انھیں کس طرح منھ
دکھا سکیں گے۔ کاش تم گھر سے نہ جاتیں۔ ہمیں
تم سے کیا کیا امیدیں تھیں۔ تمہارا مستقبل بنانے

مگر ٹیس میں واقعی کمینہ ہوں۔ ذلیل ہوں۔ میری ساری زندگی اسی طرح گزری ہے۔ ذلت کے انہی گڑھوں میں پیدا ہوا تھا اور انہیں میں مرجاؤں گا۔ مگر میں تم سے بدسلوکی نہیں کروں۔ جب بھی میری مدد کی ضرورت پڑے۔ مجھے یاد کرنا۔ بس ایک سطر لکھ بھیجنا، تمہیں جتنے روپے کی ضرورت ہوگی میں فوراً پہنچا دوں گا۔ لیکن میں چند دن کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔ خیر خط تو وہاں بھی پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھنا، مجھے تم سے نفرت ہے"

یہ سن کر الیک نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور گاڑی روک کر نیچے اُتر گیا۔

سٹاسٹن کی آبادی نزدیک تھی۔ الیک نے سامان اُتار کر نیچے رکھا اور ٹیس اُتر گئی تو واپس چلا گیا۔

ٹیس نے سامان اٹھایا اور گھر کی طرف ہولی۔ تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا۔ تو ایک شخص نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سُرخ رنگ سے بھرا ہوا ایک ڈبہ تھا اور دوسرے میں برش ڈلا۔

آپ کہیں دور سے آرہی ہیں۔ آپ کا سامان میں اٹھالوں؟"

ٹیس نے کچھ جواب نہ دیا۔

کسان نے سامان اٹھالیا اور چلنے لگا۔ کچھ دور جاکر رکا۔ سامان نیچے رکھ دیا۔ رنگ کا ڈبہ ہاتھ میں لیے دیوار کی جانب بڑھا اور بڑے بڑے الفاظ میں لکھ دیا۔ "شیطان سوتا نہیں"۔ میں نے یہ الفاظ پڑھے تو لرز کر رہ گئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سارے واقعات جانتا ہے۔

اس نے سامان پھر اٹھالیا اور دونوں پھر روانہ ہوگئے۔ ٹیس نے پوچھا: "تم جو لکھتے ہو اس پر تمہیں یقین بھی ہے؟"

"کیوں نہیں؟"

"مگر شیطان کی بیداری سے ہم خود کو محفوظ نہ رکھ سکیں۔ تو قصور کس کا ہے؟"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔ میری زندگی یہی الفاظ لکھتے ہوئے گزری ہے۔ لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں اور میں خود بھی، مگر بحث نہیں کرسکتا۔"

آم کے آم گٹھلیوں کے دام

(صغیرہ بانو شیریں)

آم پھلوں کا بادشاہ ہے۔ اس کی منفرد خوشبو لذت اور مٹھاس لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہ مشہور و معروف پھل ہندی میں آمبرا، عربی زبان میں انبج، فارسی میں انبہ و نغزک، ترکی میں منگواغ، فرانسیسی میں انبو، چینی زبان میں ملوکو، برمی میں تھائیٹ اور جرمنی میں مینگوبا کہلاتا ہے۔ برصغیر میں اسے امرت پھل بھی کہتے ہیں۔

آم کی کاشت آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے ہندوستان میں شروع ہوئی تھی چینی سیاح ہیون سانگ کی تصانیف میں آم کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ بدھ مت کے قدیم مندروں میں آم کی موجودگی سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی پرانا پھل ہے۔ محقق کہتے ہیں آم کی ابتدا برما، ہند چینی آسام اور ملایا میں ہوئی، لیکن اس کی صحیح طریقے سے نگہداشت برما اور آسام کے لوگوں نے کی، ہندوؤں کی قدیم ترین روایت کے مطابق پرجا پتی نے اپنے آپ کو آم کے روپ میں دھار لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو تہواروں کی رسوم آم کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں۔ آم کے پتوں کا ہار گلے میں پہننا متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ سرسوتی جی اور شیو جی کی پوجا اس کے بغیر نامکمل رہتی ہے آم کی خشک ٹہنیاں ہون کی "پاک آگ" میں جلاتے ہیں۔ ایک تصور یہ ہے کہ شمشان بھومی میں مردے کو جلاتے وقت آم کی لکڑی شامل کرنے سے اس کی آتما کو چین ملتا ہے۔ امرسنہا کی کتاب "امروکش" بدھ مت کے عہد میں تحریر کی گئی اس میں بھی آم کے خواص مرقوم ہیں۔

آم کی سب سے زیادہ کاشت ہندوستان اور پاکستان میں ہوتی ہے۔ مغلیہ عہد میں اس پر

کے لیے تمہیں گھر سے دور بھیجا تھا۔ اور یہ دن دیکھنا پڑا۔ محنت کرتے کرتے میری بانہیں شل ہو گئیں۔ تمہارے ابا بے چارے بیمار اور پریشان ہیں تمہیں قسمت بنانے کے لیے گھر سے جدا کیا تھا اور تم یہ سوغات لے کر واپس آئیں۔ دیکھو اس کمبخت نے کیا کیا بھیجا ہے۔ ہم یہی سمجھتے رہے کہ یہ اقربا پروری ہے اور قبول کرتے رہے۔ اگر اُسے تم سے محبت نہ ہوتی۔ تو وہ یہ سب کچھ کیوں بھیجتا؟ تمہیں نہ معلوم اس سے نفرت کیوں ہو گئی اس سے شادی کر کے کچھ بُری تو نہ رہتیں اور اب، اب تو تمہیں شادی کر ہی لینا چاہیے۔"

ثمیں خاموشی سے ماں کی باتیں سنتی رہی۔

"اگر تم شادی کرنا نہیں چاہتی تھیں تو محتاط رہنا چاہیے تھا۔" اماں نے پھر کہا:

ثمیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی:

"ماں! مجھے تو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ تم نے مجھے کچھ بھی نہ بتایا۔ ان خطروں سے آگاہ تو کر دیتیں۔"

ماں بے چاری کیا کہتی شرمندہ ہو کر ثمیں کو سمجھانا شروع کر دیا۔

"بیٹی! قسمت کی بات ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ میں تو آس لگائے گھر میں تمہاری شادی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اور قسمت نے یہ دکھایا۔"

اقوالِ زرّیں — مرسلہ: شکیل دادخاں

- ہمیشہ صبر کرو کیونکہ صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے ہے۔
- سیکھنا چاہو تو ہر غلطی میں کچھ نہ کچھ سبق موجود ہے
- حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو۔
- لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔
- سب سے بہتر گھونٹ جو انسان پیتا ہے اس کے غصہ کا گھونٹ ہے۔
- جس کی زندگی سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہونچے اُس کو مُردوں میں شمار کرو۔
- جو زبان کو قابو میں نہیں رکھتا وہ ضرور پشیمان ہوگا

ہے۔ پیشاب لاتا ہے اور پیاس بجھاتا ہے۔

آم کا بُور ایک عجیب خصوصیت رکھتا ہے جیسے ہی بور دیکھیں، توڑ کر دونوں ہاتھوں پر خوب مل لیں اور ہاتھ نہ دھوئیں۔ جب بھی بور نظر آئیں، اسی طرح کریں۔ کسی کو بھڑ، شہد کی مکھی، بچھو یا سانپ کاٹے، اپنا ہاتھ وہاں مل لیں۔ سوجن اور درد کافور ہو جائے گا۔ اس خاصیت کا اثر ایک برس رہتا ہے اس لیے ہر سال آم کے موسم میں بُور مل لیا کریں۔

بُور کو پانی میں پیس کر غرارے کرنے سے دانت اور مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔ آم کے پھول سکھا کر باریک کوٹ لیں اور برابر کی مصری ملا دیں۔ ایک تولہ شام، ایک تولہ صبح روزانہ کھانے سے جسم کی ساری کمزوری رفع ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ جریان کے لئے بھی از حد مفید ہے۔ آم کی ننھی ننھی کونپلیں، پھول اور لکڑی تینوں ہم وزن لیں ان سب کو ملا کر جلا کر منجن بنا لیں۔ اس کے استعمال سے دانت سفید اور مضبوط ہو جائیں گے مسوڑھوں سے پیپ اور خون آنا بند ہو جائے گا۔ آم کی لکڑی سے مسواک کرنے سے منہ کے سارے امراض دور ہو جاتے ہیں۔ منہ کی بدبو رفع ہو جاتی ہے۔ اسہال آتے ہوں۔ مرض کہنہ ہو تو سوکھے ہوئے پھولوں کا جوشاندہ نہار منہ پلائیں۔ پرانی بیماری دور ہو جائے گی۔

آم کی گٹھلی کی گری انتہائی قابض ہے صبح و شام دو ماشے اس کا سفوف کھلانے سے آنتوں کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ ایک ہفتے کا علاج ہے۔

خیر التجارب میں تحریر ہے کہ اس کا لیپ ورم پر کرنے سے فوراً فائدہ ہوتا ہے۔ گٹھلی کی گری کا تیل معدے کو قوت دیتا ہے۔ صفرا کو دور کرتا ہے اور ریاح و بلغم کے فساد کو دور کر کے اعضاء کو قوت دیتا ہے، آگ کے جلے پر لگانے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

آج کل کے لڑکے لڑکیاں چہرے کے داغ دھبوں کی شکایت کرتے ہیں۔ مختلف قسم کی کریمیں اور لوشن استعمال کرنے کے بعد بھی جلد صاف نہیں ہوتی۔ چاہے کیسی ہی چھائیاں اور سیاہ رنگ کے دھبے پڑ گئے ہوں۔ آپ رات کو آم اور جامن کی گٹھلی کا مغز پانی میں گھس کر چہرے پر لیپ کر لیں صبح کے وقت ہلکے گرم پانی سے منہ دھو لیں۔

کافی توجہ دی گئی۔ شہنشاہ اکبر نے دربھنگہ (بہار) کے علاقے میں آم کا باغ لگوایا جس میں ایک لاکھ درخت تھے۔ اسی کی مناسبت سے اس کا نام لاکھو باغ رکھا گیا۔ آج کل مصر، یمن، عمان، سری لنکا، میکسیکو، آسٹریلیا، تھائی لینڈ، فلوریڈا، سوڈان، برازیل، برما، فلپائن اور انڈونیشیا میں اس کی کاشت کی جاتی ہے۔ دکن کے علاقے کرناٹک میں آم کی ایک ایسی قسم پائی جاتی ہے جس کا وزن تقریباً پانچ سیر ہوتا ہے اُسے "بھونریا" کہتے ہیں۔ اس کی گٹھلی میں سے بھونرا نکلتا ہے۔ ایک اور قسم بنگال میں ملتی ہے جسے "کپوریہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس آم سے کافور کی خوشبو آتی ہے۔ ترہت (بنگال) میں ایک بہت بڑا آم ملتا ہے۔ اُسے "کروا" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ تقریباً دو فٹ لمبا ہوتا ہے اور اس میں سے کیلے جیسی تیز خوشبو آتی ہے۔

سوڈان اور عمان میں آم، اخروٹ، بڑے آلو اور ناشپاتی کے حجم کا بھی ملتا ہے۔ آم کی دو قسمیں مشہور ہیں۔ قلمی اور تخمی۔ انہی سے بے شمار اقسام وجود میں آتی ہیں۔ قلمی آموں میں سرولی، مالدہ، طوطا پری، سفیدہ، دسہری، سیندوریا، چولسہ، ثمر بہشت، لنگڑا، فجری گولہ، فجری کلاں اور ٹول کے علاوہ بہت سی اقسام ہیں قلمی آم نہایت خوش ذائقہ، بے ریشہ شاداب اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ تر نشاستہ دار شکری اجزا شامل ہوتے ہیں۔ تقریباً ایک چھٹانک میں ۴۸ غذائی حرارے توانائی پائی جاتی ہے۔ اس کے غذائی اجزا میں چکنائی، فولاد، وٹامن سی وٹامن اے پروٹین، معدنی نمکیات، چونا، پانی اور نشاستہ والے اجزا ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے آم کے چھلکے، گودے، ریشے گٹھلی، بور، کیری، پتے، چھال لکڑی اور گوند میں بے پناہ خواص رکھتے ہیں۔ خواص الادویہ میں مرقوم ہے کہ میٹھا آم اعضائے رئیسہ، معدہ، مثانہ گردہ اور آلات تنفس کو قوت بخشتا ہے۔ رنگ نکھارنے میں اس کا جواب نہیں، بہترین مصفی خون ہے۔ خفقان، دردسر، سرد بواسیر، اسہال، سنگریزی، قولنج، کھانسی اور حرارت صفرا کو دور کر کے صحت دیتا ہے۔ سوکھے ہوئے ناتواں جسم میں ایک نئی طاقت اور فربہی لاتا ہے۔ جسم کی چستی بحال کرتا

دور ہو جاتے ہیں۔ پرانا ناسور ہو تو پہلے زخم
م کے جوش کیئے ہوئے پتوں والے پانی سے
ئیں، پھر خشک ہونے پر آم کے گوند کا لیپ
یں۔ زخم مندمل ہو جائے گا۔ آم کے درخت کی
رلیموں کے رس یا سرسوں کے تیل میں ملا کر جسم پر
، خارش کافور ہوگی۔ پاؤں یا ہاتھوں میں
ئیاں ہوں، پھٹ رہے ہوں۔ آم کا گوند چھیے
لے کر گرم کریں اور بھر دیں۔ آرام ہو جائے گا۔

آم کی گٹھلی سے خضاب بھی بنتا ہے جس سے
نید بال سیاہ ہو جاتے ہیں۔ گنج کی صورت میں
لنے اچار کا تیل سر پر لگائیں۔ چند ہفتوں کے
ستعمال کے بعد بال از سر نو نکلنے شروع ہو جائیںگے
خواتین بال لمبے کرنا چاہیں، وہ بھی اس نسخے
سے فائدہ حاصل کر سکتی ہیں۔

آم کا اچار جہاں ذائقے اور خوشبو میں اچھا
لگتا ہے، تلی کے مریض کو فائدہ دیتا ہے۔ آم کا حلوا
مقوی ہوتا ہے۔ اس کی معجون بھی تیار کی جاتی ہے
نزلہ، زکام، تلی، جگر کے امراض، تھکاوٹ، حلق
کی جلن، ناک سے خون جاری ہونا اور زبان بیٹھ
جانا میں مفید ہے۔ جن خواتین کو اسقاط کی شکایت
ہو، اس کے کھانے سے دور ہوتی ہے۔

آم کا مربہ لذیذ ہوتا ہے۔ اس کا لبوب رنگت
نکھارنے اور خون پیدا کرنے میں لاجواب ہے
آم کا شربت اور سکولیش بھی بنتا ہے۔ اس کی چٹنی
اور سرکہ لوگ بڑے شوق سے استعمال کرتے ہیں۔

پکا ہوا آم اعتدال کے ساتھ کھانے سے
نقصان نہیں ہوتا۔ اس کی کثرت جسم پر برا اثر
ڈالتی ہے جن لوگوں کو کھانسی اور دمے کی شکایت
ہو۔ مزاج سرد اور نزلہ زکام رہتا ہو۔ انھیں اس
سے نقصان ہوتا ہے۔

آم میں جس قدر ترشی ہوگی، گرمی اتنی ہی کم ہوگی
ترش آم دانتوں، مسوڑوں، حلق اور سینے کو نقصان
دیتا ہے۔ ریشے والا آم سوداوی مرض، خارش
اور پھوڑے پھنسیاں پیدا کرتا ہے۔ پکا ہوا ترش
آم بلغم اور صفرا کی شکایت پیدا کرتا ہے۔ کچا آم
گردے اور مثانے کی پتھری توڑتا ہے ●●

براہ کرم

خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری یا ایجنسی نمبر
ضرور لکھا کیجئے۔ (منیجر حجاب رامپور۔ یوپی)

چھائیاں اور داغ آہستہ آہستہ ہلکے ہو کر معدوم ہو جا گے۔ جلد تر و تازہ نظر آئے گی۔

بال توڑ پھنسی پر بھی کچے آم کی گٹھلی کا مغز گھس کر لگائیں، چند روز میں آرام ہو گا۔ آم کھانے سے دست آئیں۔ تو گٹھلی کا مغز کھائیں۔

مزاج خشک ہو، تو آم کھا کر دودھ ضرور پئیں۔ دودھ پیٹ میں گیس پیدا کرتا ہے۔ تو تھوڑی سی سونٹھ اس میں ڈال کر جوش دیں اور ٹھنڈا کر کے پی لیں۔ آم کھا کر دو چار جامن کھا لیں۔ اس کا مصلح ہے۔ ہمیشہ آم پانی میں بھگو کر برف سے ٹھنڈے کر کے کھائیں اور دودھ یا دہی کی لسی بعد میں پئیں۔ سہ پہر کا وقت آم کھانے کے لئے بہترین ہے۔

کچے آم بھوک لگاتے ہیں۔ اُن کی چٹنی بنتی ہے۔ لُو کا اثر ہو جائے تو کیری کو آگ میں یا بھوبھل کے اندر دبا کر پکاتے ہیں۔ اُسے چھان کر پلاتے ہیں اور چھلکا جسم پر مل دیتے ہیں۔ لُو کا اثر دور ہوتا ہے۔ اس کا چھینٹا بھی جسم پر دیتے ہیں۔

مکڑی جسم پر پھر جائے تو سوزش اور دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اچور کو پانی میں گھس کر لگانے سے فائدہ ہوتا ہے آنکھ میں گوہانجنی ہو تو آم کی شاخ توڑیں، جو پانی نکلے، دن میں تین چار بار لگائیں، آرام ہو گا۔ آم کی کونپلوں کا شیرہ نکال کر مصری ملائیں۔ دو تولہ صبح دو تولہ شام استعمال کرنے سے خونی بواسیر سے آرام ملتا ہے۔

آم کے پتے جو خود بخود پیڑ سے جھڑ جائیں بہت کام کے ہوتے ہیں۔ ذیابیطیس جیسے مرض میں ڈیڑھ ماشہ صبح و شام تازہ پانی سے کھلائیں۔ انشاءاللہ فائدہ ہو گا۔ کسی کے حلق میں زخم ہو کر ناک اور تالو کا ایک راستہ ہو گیا ہو تو درخت سے گرے پتے سے مسل کر چلم میں رکھ کر تمباکو کی طرح کش لگائیں مریض کی صحت کے لیے چالیس روز کی حد مقرر کی گئی ہے۔ آم کی لکڑی اور پتوں کو جلا کر رکھ لیں۔ زخم ہو خون بہہ رہا ہو تو چھڑک دیں۔ خون بند اور زخم مندمل ہو جائے گا۔

آم کے پتوں سے سر دھونا مفید ہے بال سیاہ اور دراز ہوتے ہیں۔ آم توڑتے وقت جو رس نکلے وہ پھوڑے پر لگائیں آرام ہو گا۔ آم کے منہ پر چیپ سا ہوتا ہے۔ اس میں تیزابیت ہوتی ہے۔ داد چنبل جیسے جلدی امراض اس کے استعمال

ذریعہ جسم میں داخل ہونے کے بعد کم از کم چار پانچ دن اور زیادہ سے زیادہ تین چار ہفتہ کے اندر زخم پر اپنے مضر اثرات ظاہر کرنے لگتا ہے جہاں وہ ایک طرح کا زہر (Toxin) پیدا کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ مریض کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

ٹٹنس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ زخم کے قریب کے حصے میں اکڑن (Stiffness) یا کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جبڑے (Jaw) میں اکڑن پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے منہ کھلنے میں وقت درپیش ہوتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے منہ پورے طور پر بند ہو جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ جسم کے مختلف اعضاء گردن، کمر، سینہ، پیٹ اور ہاتھ پیروں میں بھی اکڑن پیدا ہونے لگتی ہے اور پھر اس کھنچاؤ یا اکڑن کے بار بار دورے (Convulsions) (Attack) پڑنے لگتے ہیں حتی کہ آپ محسوس کریں گے کہ ٹھنڈی ہوا، تیز روشنی معمولی آہٹ سے بھی دوروں میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

تمام جسم میں شدت کا درد (Agony) مریض کے چہرے ہی سے عیاں ہونے لگتا ہے۔ یہ کیفیت بڑی خطرناک حالت کا پتہ دیتی ہے۔ اس حالت میں پہنچتے پہنچتے مریض کو تیز بخار ہو جاتا ہے اور بار بار پسینہ آنے لگتا ہے اور انتہا یہ ہو جاتی ہے کہ ہمارے سانس کی نلی (Respiratory Tract) بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی جس کی وجہ سے سانس کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے اور لاکھ کوشش کے باوجود مریض بالآخر موت کے مزہ میں چلا جاتا ہے ـــ!

یہ بیماری عام طور پر نوزائیدہ بچے (New born babies) اور دس سال سے بیس سال تک کے نوجوان میں اکثر پائی جاتی ہے موسم کے اعتبار سے ٹھنڈے ملکوں کے مقابل گرم ممالک میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ چھوٹے بچے تقریباً سو فیصدی اور دیگر لوگ چالیس فیصدی اس بیماری سے انتقال کر جاتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خواتین ٹٹنس سے محفوظ رہتی ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بچے کی ولادت (Delivery) کے وقت خواتین کی زندگی کا سب سے بڑا خطرہ

باقی: صحت کے دو بڑے دشمن کے آخر میں

ٹٹنس

ڈاکٹر تنویر احمد خاں ڈی۔ایچ۔بی

ٹٹنس (Tetanus) دنیا میں سب سے خطرناک بیماریوں میں سے ایک ہے۔ جس کا نام سنتے ہی ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اور ہم اس سے مقابلہ کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں صرف کر دیتے ہیں۔

عام طور پر کسی بیماری کے ظاہر ہونے پر ہی ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مگر اس کا ڈر ہمارے دلوں پہ اس قدر بیٹھ چکا ہے کہ ماں کے پیٹ سے ہی ہم اس سے محفوظ ہونے کے انتظامات کرنے لگتے ہیں۔ بچہ کے عالم وجود میں آنے کے بعد سب سے پہلے اسی کی فکر لگی ہوتی ہے اور کبھی کبھی اذان واقامت کا نمبر اس سے بچنے کے اقدامات کے بعد ہی آتا ہے۔

یہ وبا اب اتنی عام ہو چکی ہے کہ دور دراز دیہات کی ان پڑھ خواتین بھی اس سے متعارف ہو چکی ہیں۔ آیئے مختصر طور پر ہم بھی اس سے متعارف ہو جائیں۔

ٹٹنس کا دوسرا مشہور نام Lack Jaw ہے۔ جس کو اردو میں منھ کا تالا لگ جانا کہتے ہیں۔ یہ اس بیماری کی خاص کیفیت کا نام ہے۔ بیماری کا حملہ ہونے پر منھ بالکل نہیں کھلتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے منھ کا تالا لگا دیا ہو۔

کلوسٹریڈیم ٹٹنی (Clostridium Tetani) نام کے Bacelus کے کسی زخم کے ذریعہ جسم میں داخل ہونے سے تیزی سے پھیلنے والی بیماری کا نام ٹٹنس ہے۔ جس میں شدت کا درد جسم کے تقریباً گوشت کے تمام عضلات (Mucles) میں خاص طور پر منھ گردن، کمر، ہاتھ پیر اور اندرونی حصوں میں اکڑن (STIFNESS) ہو جاتی ہے Bacelus کسی زخم (WOUND) سے

صحت کے دو بڑے دشمن

غصہ اور فکر

حکیم حبیب اشعر صاحب

بہت زیادہ فکر میں رہنے سے تندرستی خراب ہوجاتی ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ ایک چھٹانک فکر اچھے جوان کو مار ڈالتی ہے۔ بعض لوگ تفکرات کو رستم کی بہادری کی طرح برداشت کرتے ہیں لیکن جو چیز انسان کو ہلاکت تک پہنچاتی ہے وہ عموماً زندگی کے چھوٹے چھوٹے مشاغل اور چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کا سلسلہ ہوتا ہے۔ بے فکری سے زندگی بسر کرنا بہت مشکل کام ہے۔ خصوصاً عصبی مزاج والوں سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص اپنی مرضی اور ارادے پر قابو پا جائے تو ایک فکر کیا ہزاروں فکروں کو غدر بود کرسکتا ہے۔

اینڈرو کلارک کا مقولہ ہے، کہ رنج و تفکرات انسان کو ہلاک کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کی بدنظمی انسان کو مار ڈالتی ہے۔ قدرت کسی شخص پر اس کی بساط سے زیادہ بار نہیں ڈالتی جب تک وہ شخص قدرت کے ساتھ دھوکا نہ نہ کرے، محرکات کے استعمال اس غلو سے کام نہ لے اور تمباکو نوشی اور افیون خوری میں حد سے نہ بڑھ جائے۔ اگر یہ شخص پابند اوقات ہے۔ قوانین صحت کو خوب جانتا اور مانتا ہے اور فزیالوجی کے سیدھے اور سچے طریقے پر چلتا ہے تو قدرت اس پر یا کسی دوسرے شخص پر بساط سے باہر کام کا بوجھ نہ ڈالے گی۔

میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا، جسے کثرت کار یا زیادتی مشاغل سے سخت نقصان پہنچا ہو لیکن یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمام چیزوں کے بارے میں طبیعت کو آسودہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اپنی مرضی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اپنی مرضی اور ارادے پر معقول تصرف رکھیے۔ کیونکہ ان چیزوں

ٹٹنس ہی ہے۔

اس بیماری سے بچنے کے لیے بچہ کی ولادت سے پہلے ہی ماں اور بچے کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس میں لاپرواہی ہو جائے تو ولادت کے بعد ہومیوپیتھک طریقۂ علاج کے تحت Arnica ,Hypericum یا Tetanus Injection Anti ومعده وغیرہ ادویات کھلائی جا سکتی ہیں۔ ایلوپیتھک طریقۂ علاج کے تحت A.T.S injection کسی ڈاکٹر کی نگرانی میں ہی دلانا چاہیے۔

کسی بھی زخم کو فوراً Antiseptic دواؤں سے پٹی Dressing کرنی چاہیے اور کبھی کبھی معمولی زخم کو بھی کھلا نہ رہنے دینا چاہیے کان کے بہنے تک میں بھی ٹٹنس کے خلاف پرہیزی علاج (Preventive Treatment) کرنا چاہیے، کیونکہ بقول ڈاکٹر ہینی مین کے "Prevention is better The cure" یعنی علاج سے پرہیز بہتر ہے۔

ٹٹنس کی معمولی علامات ظاہر ہوتے ہی مریض کو فوراً اسپتال میں داخل کر دینا چاہیے ●●

سے آسودگی نصیب ہوتی ہے، جو چیزیں موجودہ حالت میں آپ کے روبرو ہیں انھیں بڑی خوشی سے اپنائیے اور کل کے لئے کچھ نہ کیجیے۔ جو کسی کے قبضے میں نہیں ہے۔ جو لوگ بار بار مستقبل کے متعلق سوچتے رہتے ہیں یا اور حال میں انھیں کچھ لطف نہیں آتا انھیں موجودہ زندگی ہی حاصل نہیں ہے ایسے نادان ہمیشہ ماضی پر افسوس کرتے ہیں اور مستقبل کے متعلق خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں — جو شخص غصہ، حسد، نفرت، رشک، خواہش نفسانی اور اسی قسم کے دوسرے تیز جذبات میں بہہ گا وہ اپنی صحت کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ طبیعت کے تیز جذبات میں غصہ سب سے مہلک ہے۔ خصوصاً جب اعتدال سے گزر جائے، غصہ آتے ہی جسمانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے مختلف اعضاء کے باقاعدہ اور صحتمند افعال میں خلل پڑ جاتا ہے خصوصاً دماغ اور دل کو زیادہ صدمہ پہنچتا ہے۔ غصے کو بہت تیز دورہ شروع ہونے سے معمولی بخار، جگر، قلب اور دماغ میں سوزش نیز بعض اوقات دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے جب غصہ بار بار اسی شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے۔ یرقان، اعصابی بخار، سل اور فالج جیسے سخت امراض کا روپ دھار لیتا ہے۔ غصے کے بعد ماں کا دودھ بچے کی خمار تشنجی کیفیت پیدا کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ وہ تیز زہر کا اثر پہنچا کر بچے کو فوراً ہلاک کر سکتا ہے ●●

اسلامی شعور بیدار کرنے والی بے مثل کتابیں

تصانیف: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

- اسلام اور جاہلیت ۰/۷۵
- اسلامی تزکیۂ نفس ۰/۹۰
- اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر ۲/۰۰
- اسلام کا نظامِ حیات ۱/۰۰
- اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر ۰/۷۵
- اسلام کا نظریۂ سیاسی ۰/۷۵
- اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے ۰/۷۵
- اسلامی قانون ۱/۵۰
- اسلام اور جدید معاشی نظریات ۲/۵۰
- اسلامی معیشت کے اصول ومقاصد ۰/۵۰
- انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل ۱/۰۰
- اسلام اور ضبطِ ولادت ۵/۰۰
- اسلامی نظامِ معیشت ۰/۷۵
- اسلام کا معاشی نظام ۰/۷۰
- اسلامی ریاست (سیاسی کشمکش حصہ سوم) ۶/۰۰
- اسلام کا سرچشمۂ قوت ۲/۰

- اسلام کا پیغام ۰/۴۰
- اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی ۱۰/۰۰
- اسلام کی ابتدا ۰/۲۵
- اسلام کس چیز کا علمبردار ہے ۱/۵۰
- اسلام اور رہبانیت ۰/۷۰
- اسلامی ادب ۰/۵۰
- اسلامی فلسفۂ معیشت کے بنیادی اصول ۰/۵۰
- امام ابوحنیفہؒ اور ان کا کارنامہ ۱/۵۰
- ایک نہایت اہم استفتاء ۰/۲۵
- اہم ہدایتیں ۱/۲۵
- بناؤ بگاڑ ۰/۷۵
- تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں ۰/۷۵
- تحریکِ اسلامی کامیابی کی شرائط ۱/
- تجدید واحیاءِ دین ۵/۰۰
- تعلیمات ۳/۲۵

- تحریکِ اسلامی اور دوسری تحریکوں کے مقابلہ میں ۲/۵۰
- تحریکِ اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات ۲/۵۰
- تفہیم القرآن اول ۲۰/۰۰
- " " دوم ۲۲/۰۰
- " " سوم ۲۵/۰۰
- " " چہارم ۲۱/۰۰
- " " پنجم ۱۵/۰۰
- " " ششم ۲۰/۰۰
- تفہیم القرآن سورۂ احزاب ۴/۰۰
- " " پلاسٹک کور ۱/۰۰
- " " الناس تا الم نشرح ۳/۰۰
- " " پارۂ عم ۵/۰۰
- تفہیمات اول (اضافہ شدہ) ۱۲/۰۰
- " دوم ۹/۰۰
- " سوم ۷/۵۰



حجاب کی نظر میں

تبصرے کے لئے کتاب یا رسالے کی دو جلدیں بھیجنا ضروری ہیں

سہ ماہی **"نشاۃ ثانیہ"** ۔ ۲۴۲ مولانا آزاد روڈ بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۸

صفحات ۱۰۰ قیمت فی شمارہ ۱۰ روپے تین عام شماروں کے ساتھ ایک خصوصی شمارہ ۲۵/-
سالانہ چندہ ۵۰ روپے طباعت آفسٹ سائز ۲۳X۳۶/۸

رسالہ "نشاۃ ثانیہ" کا پہلا شمارہ جو ستمبر ۸۰ء میں شائع ہوا ہے۔ ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ مضامین جامع اور بڑی محنت سے لکھے گئے ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ ادبی، اخلاقی، علمی، سماجی، معلوماتی، مذہبی، اقتصادی، سائنسی، اور سیاسی بھی عنوانات کے تحت مضامین ہیں۔ اور لکھنے والے بھی متعارف ہیں۔ توقع ہے کہ اردو ادب کی نشاۃ ثانیہ کے آرگن کا فرض ادا کرے گا۔ کسی خاص نظریہ کا حامی نہ ہونے کے باوجود اسلامی فکر کی طرف جھکاؤ پایا جاتا ہے۔

میری حقیر رائے یہ ہے کہ "نشاۃ ثانیہ" کو ہر لائبریری اور دار المطالعہ میں بھی ضرور جگہ ملنی چاہیے یہ رسالہ اِن اداروں کے ساتھ خصوصی رعایت کرتا ہے۔ (س۔ق۔ ع)

"اسلامی نظام میں عورت کا مقام" کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے اب کتاب پریس میں ہے۔ آئندہ حجاب میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں

یہ اہم اور نادر کتابیں مکتبہ حجاب رامپور سے طلب فرمائیں

- قرآن میں عورت کی حیثیت ——— مائل خیرآبادی ——— 5/-
- کلمہ طیبہ ——— سی۔ بی خان ——— 1/-
- مسنون دعائیں ——— عاصم نعمانی ——— 1/25
- قرآن اور دعوتِ انقلاب ——— سید قطب شہید رح ——— 2/25
- شرک کیا ہے؟ ——— امام ابن تیمیہ رح ——— 2/50
- توحید کیا ہے؟ ——— علامہ محمد بن عبدالوہاب رح ——— 2/25
- مُہر نبوت م ——— قاضی سلیمانؒ منصور پوری مولف "رحمۃ للعالمین" ——— 2/-
- قانون۔ الٰہی یا انسانی ——— عبدالقادر عودہ شہید ——— 3/-
- کردار کا جادو ——— شاہ بلیغ الدین ——— 2/50
- چالیس حدیث ——— امام نودی رح (ترجمہ۔ انگریزی و اردو) ——— 8/-
- اقبال اور سوشلزم ——— ڈاکٹر ایس اے رحمان ریٹائرڈ چیف جسٹس آف پاکستان ——— 6/-
- قرآنی اخلاق ——— پروفیسر عبدالصمد صارم ——— زیر طبع
- کلام نرم و نازک ——— مائل خیرآبادی ——— 4/-
- بے گناہ قاتل ——— احمد یار خاں ——— 2/-
- اسلامی نظام میں عورت کا مقام ——— مائل خیرآبادی ——— 5/-
- نقلی شہزادہ ——— مائل خیرآبادی ——— 3/50
- شہزادہ توحید ——— مائل خیرآبادی ——— 1/50
- خاتون جنت ——— مائل خیرآبادی ——— 3/-
- مرد ناداں ——— مائل خیرآبادی ——— 3/-

(مکتبہ حجاب رامپور۔ یوپی ۲۴۴۹۰۱)

مالک، پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر محمد اسحٰق مائل خیرآبادی مطبوعہ ۔۔۔ کے پرنٹرز دہلی بمقام اشاعت محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور۔


رامپور

Regd. No. M. R. D. 34

MONTHLY HIJAB RAMPUR U.P.

[illegible]

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب

رامپور۔ یوپی

جون سنہ ۱۹۸۱ء

شعبان سنہ ۱۴۰۱ھ

شمارہ نمبر ۱۲۲

جلد نمبر ۱۲

قیمت اس شمارے کی ۳/-

سالانہ زر تعاون ۳۶/- • وی۔ پی سے ۴۲/-

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت

ہے کہ آپ نے حجاب کے لیے جو زر تعاون ارسال فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچے کے ساتھ ختم ہوگئی۔ آئندہ کے لیے جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔ والسلام منیجر حجاب

منظومات

تاریخ و سیرت

معلومات

جستہ جستہ

صحت و تندرستی

حجاب کی نظر میں

درپردۂ حجاب

ایمانیات

اسلامیات

افسانے اور کہانیاں

بہنوں سے ملاقات

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رجبی شریف اور کونڈے

جون کا یہ حجاب ٹھیک اس وقت آپ کے پاس پہنچے گا، جب آپ رجبی شریف منا رہے ہوں گے ۔ ماہِ رجب ہوگی اور آپ جگہ جگہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ جلسے کر رہے ہوں گے۔ ان جلسوں میں آپ نے بجلی کے بلبوں سے چراغاں کیا ہوگا۔

رجبی شریف ہر سال منائی جاتی ہے۔ اس کے جلسوں میں مولوی صاحبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جھوم جھوم کر سناتے ہیں۔ ان معجزوں میں معراج کا معجزہ سرفہرست ہوتا ہے۔ پھر مٹھائی بانٹی جاتی ہے۔ وعظ فرمانے والے اپنی بھاری بھرکم فیس لیتے ہیں۔

کبھی آپ نے سوچا کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد آپ کو کیا ملا؟ ہم بتاتے ہیں۔ مسلمانوں کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ مسلمان جہاں تھا وہیں کا وہیں رہا۔ وہ جس جگہ پڑا تھا اب بھی وہیں پڑا ہے۔ وہ جس جگہ کھڑا تھا۔ اب بھی وہیں کھڑا ہے۔ وعظ اور معجزات سن کر حلق سے زوردار نعرہ تکبیر تو لگایا لیکن اس کا دل نہ گرمایا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

رجبی نے یہ پہنائی وردی　　گالوں پہ سُرخی دل میں زردی

حالانکہ اسی معراج کے واقعے کے بعد دنیا میں وہ انقلاب آیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ کیا اس انقلاب کا حال کسی مولوی نے کسی وعظ میں سنایا۔ اگر نہیں سنایا تو آپ نے اپنا جو وقت اور پیسہ رجبی شریف میں خرچ کیا سب برباد ہوگیا۔

دوسری قومیں، جنھوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا تھا ان کا انجام تباہ کر دیا گیا۔ فرمایا گیا کہ اگر تم نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔

سورۂ بنی اسرائیل میں چودہ نکاتی اسلامی منشور عطا فرمایا گیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اب جلد ہی حضورؐ کو اسلامی ریاست بنانے کا حکم دیا جانے والا ہے۔ یہ چودہ نکاتی منشور ہم اس مضمون کے بعد نقل کر رہے ہیں۔

اس سورۂ میں ایسے اشارہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو ہجرت کا حکم ملنے والا ہے۔ آپ اس سورہ کی دو ٹوک باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

- آیت ۷۶ میں ہے کہ:۔

"اور یہ لوگ اس بات پر بھی تلے رہے کہ تمہارے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں اور تم کو یہاں سے نکال دیں (تو اے محمدؐ) اگر یہ ایسا کریں گے تو تمہارے بعد یہ خود یہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں گے۔"

- ہجرت کا اشارہ آیت ۸۰ میں ہے کہ:۔

"(اور اے نبیؐ) دعا کرو کہ پروردگار! مجھ کو جہاں بھی لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال۔"

- آیت ۸۱ میں ہے کہ:

"اور (اے نبیؐ) اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔"

تاریخ گواہ ہے کہ اس کے بعد ہی حضورؐ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپ مکے سے مدینے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ کہ سارا عرب اسلامی

ہم بتاتے ہیں کہ آپ نے جو رجبی شریف منائی اس کے پیچھے کیا کارنامہ کروڑوں لیتا ہے جس کی آپ کو خبر بھی نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں نبی ہوئے۔ آپؐ نے بارہ سال لگاتار مکے والوں کو اللہ کے حکم سنائے۔ اللہ کی مرضی بتائی۔ آپ نے بتایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اسکی عبادت اس طرح کرو جس طرح میں بتاؤں کیونکہ اللہ نے مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔ دنیا میں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اور اللہ کا دین سارے دینوں پر غالب کردو۔

ان باتوں کو سن کر مکے کے سرداروں نے جو سب کے سب بت پرست تھے۔ ین کے موجی تھے۔ آپؐ سے جھگڑنے لگے۔ عجیب ستم ظریفی کی بات ہے کہ آج ہمارے رجبی شریف کے جلسوں میں بت پرست اور مشرک شرکت کرتے ہیں اور مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ آخر یہ مشرک ہم سے کیوں نہیں جھگڑتے ؟ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان بے مقصد یہ رجبی شریف منا رہا ہے۔ اسے شاباش ہی دینا چاہئے۔ اس کے برعکس مکے والوں نے حضورؐ کو دین پھیلانے سے ٹوکا۔ روکا۔ مارا۔ پیٹا۔ طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ آخر کار گھر سے بے گھر کردیا۔

بارہ برس کے اس عرصے میں مکے کے ہر گھر میں آپ کی آواز پہنچ چکی تھی۔ آپ کی آواز کی گونج سارے عرب میں ہو رہی تھی۔ گاؤں اور قریوں میں جو صالح لوگ تھے اس آواز کو سن کر مسلمان ہو رہے تھے۔ خود مکے میں یہ حال تھا کہ شاید ہی کوئی گھر بچا ہو جس کا کوئی نہ کوئی نوجوان مرد یا لڑکی مسلمان نہ ہوئی ہو۔ یہ نوجوان جن میں دو ایک پینتیس چالیس کے درمیان بھی تھے۔ ایسے پکے مسلمان اور صاحب کردار بن گئے تھے کہ دین کی خاطر ہر خطرہ مول لینے اور بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرانے کی ہمت رکھتے تھے۔

یہ حالات تھے جب معراج کا واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو آسمان کی سیر کرائی۔ جنت دوزخ دکھائی۔ آپؐ نے فرشتوں کو دیکھا اور وہ کچھ دیکھا جو اللہ نے دکھایا۔ مسلمانوں کے لیے پنجوقتہ نمازوں کا تحفہ لائے۔ واپس آئے تو سورۂ بنی اسرائیل نازل ہوئی۔

سورۂ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے مکے والوں کو آخری وارننگ دی گئی۔ بنی اسرائیل اور

نے حضرت عمرؓ کو نصیحت کی تھی کہ ان سے ملاقات ہو تو دعا کرانا۔
ایسے عظیم، متقی اور صالح تابعی کے بارے میں یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ انھوں نے دانت اکھاڑنے کا غلط کام کیا ہوگا۔ اُحد کی لڑائی کے وقت بڑے بڑے صحابہؓ اور حضورؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ موجود تھیں ان میں سے کسی نے یہ جرأت نہیں کی۔ کیوں نہیں کی؟ کیونکہ یہ فعل ناجائز ہے۔
شب برات کی رات کو آتش بازی ہوتی ہے اور چراغاں بھی۔ یہ دونوں فعل غلط ہیں بلکہ فضول خرچی ہے۔ فضول خرچ کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین
ہم ہر سال شبرات کے سلسلے میں شائع ہونے والی رپورٹ پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے لاکھوں روپیہ فضول خرچ کر ڈالا۔ اور رپورٹ میں یہ بھی پڑھتے ہیں۔ کہ ہزاروں بچے آتش بازی میں جھلس گئے اور مر بھی گئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس فعل حرام سے بچائے۔

روایات کی چھان بین کر کے جو بات نکھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جنت البقیع (قبرستان) تشریف لے گئے تھے۔ مُردوں کے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔
اس سے ایک مستحب عبادت کا جواز نکالا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے اس رات کو یہ مستحب عبادت کی تھی۔ اس لیے ہمیں بھی کرنا چاہیئے۔ لیکن آج کل تو اس میں اتنا غلو کیا جاتا ہے کہ اس مستحب عبادت کو کرتے کرتے صبح کی فرض عبادت کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ حضورؐ تو جب کبھی قبرستان کی طرف سے گزرتے تھے تو مُردوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ اس رات آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی۔

روایات سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس رات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ مانگو جو مانگنا ہو وغیرہ۔ تو اس سے بھی ایک مسلمان یہ فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ اس رات کو عبادت کرے۔ مغفرت کے لیے دعا کرے۔ رزق حلال کی دعا کرے۔ اسلام کے غالب

ریاست کے تحت آگیا۔

معراج کے بعد ہجرت، ہجرت کے بعد اسلامی ریاست، یہ وہ انقلابی کارنامے ہیں کہ مسلمانوں نے ہجرت ہی سے اسلامی سال شروع کیا۔

اب آپ بتلائیے کیا آپ رجبی شریف کے جلسوں میں یہ ساری باتیں سنتے ہیں۔ اگر نہیں سنتے تو جلسے کس کام کے۔ آپ کو چاہئے کہ واعظین سے کہیں کہ ہمیں وہ ساری باتیں بتائیں جو معراج، ہجرت اور اسلامی ریاست سے متعلق ہیں۔ اگر وہ نہ بتائیں تو آپ خود قرآن لے کر بیٹھ جائیں اور سورہ بنی اسرائیل کے ترجمے اور تفسیر کی مدد سے ساری باتیں مسلمانوں کو بتائیں۔ اللہ آپ کی مدد کرے۔

شبرات

رجبی شریف مناکر ابھی آپ بیٹھیں گے، شبرات کی سوچیں گے۔ شبرات کے سلسلے میں کچھ روایتیں غلط طور پر مشہور ہوگئی ہیں اور ان کی بنا پر حلوے مانڈے کی رسم چل پڑی ہے۔ اس کے ساتھ آتشبازی بھی۔ اس کا تعلق فضول خرچی سے ہے۔ ہم ان دونوں کو پہلے بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد روایات میں جو کچھ آیا ہے وہ مختصراً عرض کریں۔

شبرات کے دن جو حلوہ بنایا جاتا ہے اس کی بنیاد ایک من گھڑت افسانہ ہے۔ اس میں صرف اتنا ہے کہ اُحد کی لڑائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت شہید ہوئے تھے اس کے بعد حضرت اُویسؓ قرنی سے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ غلط ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اُویسؓ قرنی اپنے وطن (یمن) میں تھے۔ اُحد کا حادثہ سنا تو محبت میں اپنے دو دانت اکھاڑ ڈالے۔ پھر خیال آیا کہ خدا جانے حضورؐ کے کون سے دانت شہید ہوئے ہوں۔ اس لئے سارے ہی دانت اکھاڑ دیے۔ جب حضورؐ نے سنا تو ان کے لیے حلوہ بنا کر بھیجا۔

یاد رہے کہ حضرت اُویس قرنیؒ وہ تابعی بزرگ ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کردیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے۔ (آیت ۲۷، ۳۰)

(۷) اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل بڑی خطا ہے۔ (آیت ۳۱)

(۸) زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا برا راستہ۔ (آیت ۳۲)

(۹) جسے اللہ نے قتل کرنا حرام فرمایا ہے اس جان کو قتل نہ کرو۔ مگر حق کے ساتھ۔ (خودکشی نہ کرو اور نہ دوسروں کو ناحق قتل کرو) اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا، اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق دیا ہے۔ پس چاہیے وہ قتل میں حد سے نہ گزرے۔ اس کی مدد کی جائے گی۔ (آیت ۳۳)

(۱۰) یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے (آیت ۳۴)

(۱۱) عہد کی پابندی کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دینا ہوگا۔ (آیت ۳۴)

(۱۲) پیمانے سے (ناپ کر) دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی بہتر ہے۔ (آیت ۳۵)

(۱۳) کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ بے شک آنکھ، کان اور دل سب سے پوچھا جائے گا۔ (آیت ۳۶)

(۱۴) زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو۔ نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ (آیت ۳۷)

ہونے کی دعا کرے۔ وغیرہ۔

لیکن یہ بات ذہن میں رکھئے کہ یہ دونوں باتیں نہ فرض ہیں، نہ واجب، نہ سنّت موکدہ، سنّت غیر موکدہ بھی نہیں۔ صرف مستحب ہو سکتی ہیں۔ تو بس اسی حد میں رکھا جائے۔

اسلامی ریاست کا چودہ نکاتی پروگرام (ماخوذ از بنی اسرائیل)

(۱) تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی یعنی اللہ کی۔ آیت ۲۳

(۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرم درحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما، جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویے کی طرف پلٹ آئیں۔ (آیت ۲۳، ۲۴، ۲۵)

(۳) رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ (آیت ۲۶)

(۴) فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (آیت ۲۶، ۲۷)

(۵) اگر ان سے (یعنی حاجتمند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) تمہیں کترانا ہو۔ (یعنی وہ مانگیں اور تم نہ دے سکو) اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو تو انھیں نرم جواب دو۔

(۶) نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اُسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ

اُلجھنوں کے گرفتار

ﮨﻦ آرا خانم سیوان • قمر خیرآبادی خیرآباد

. . . .

سوال :۔ عورتوں کا اس طرح گیت گانا کہ ان کی آواز باہر سنائی دے کیسا ہے؟ خصوصیت کے ساتھ
ہ گیت جن میں نہ اسلاف کے کارنامے بتلائے جاتے ہوں نہ اور کوئی نصیحت؟

جواب :۔ ایسے گیتوں اور گانوں کے لیے احادیث میں سخت ممانعت آئی ہے۔ یہ حدیث تو
ب ہی جانتے ہیں کہ جس عورت کی آواز گھر سے باہر جاتی ہے تو شیطان اس آواز پر دوڑتا ہے۔ ایک
ضورؐ کے گھر میں ایک گلوکار عورت ایسے اشعار گا رہی تھی جو نا جائز نہ تھے۔ حضورؐ نے سنا تو فرمایا کہ
ں عورت کے گلے میں شیطان بیٹھا بول رہا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عائشہؓ نے اس عورت کو کچھ
ہیں دیا اور اسے خالی ہاتھ واپس کر دیا۔

سوال :۔ فاتحہ کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب :۔ ہم نے حجاب میں اس کا جواب دو بار دیا ہے۔ شاید خانم صاحبہ کی نظر سے نہیں گزرا
لیے ہم جس تفصیل سے سمجھا چکے ہیں، اس تفصیل سے تو نہیں، مختصراً ہی جواب دے رہے ہیں۔

نوٹ :۔ آپ نے جو لفظ "فاتحہ" لکھا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس سے آپ کی مراد "ایصال ثواب"
طریقہ ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے۔

• ایصال ثواب سنت کے مطابق ہو۔ آپ قرآن کی تلاوت فرمائیں یا کچھ صدقہ اور خیرات
ریں۔ ان کے سلسلے میں آپ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کر سکتے ہیں کہ ان کا ثواب فلاں مرحوم

مردِ مومن

دنیا کے علائق سے سبکبار ہے مومن — عقبیٰ کی محبت میں گرفتار ہے

وارث ہے وہ اُن کا، کوئی والی نہیں جن کا — ہر بے پر و بے در کا مددگار ہے

ہر آن نئی شان ہے انعام کی اس کے — گل پاش کبھی ہے کبھی دُربار ہے

نخوت کا اثر بشرہ پہ اُس کے نہیں مطلق — بیگانۂ خود بینی و پندار ہے

دامن سے اُلجھنا نہیں کام اس کا چمن میں — پھولوں کی حفاظت کے لیے خار ہے

سدرہ پہ ٹھہر جانے سے کیا واسطہ اس کو — اک جست میں افلاک کے اس پار ہے

واقف نہیں جو نور سے خفاش کے مانند — اس کور کی آنکھوں میں شب تار ہے

دنیا کے زر و مال کی کیا اس کو طمع ہو! — ایمان کی دولت سے گرانبار ہے

اوروں کے معائب سے اٹھاتا نہیں پردہ — خاموشی لب و مظہر ستار ہے

اوصاف و محاسن کی نمائش نہیں کرتا — خود اپنی ثنا گوئی سے بیزار ہے

نسبت ہی نہیں اس پہ کوئی مکر و دغا سے — عیار نہ مکّار نہ طرار ہے مو

دم بھر میں گزر جاتا ہے وہ بام فلک سے — کس درجہ سبک سیر و سبکبار ہے مو

مصدر ہے عجائب کا غرائب کا ہے مظہر — لیکن نہ شعبدہ نہ فسوں کار ہے مو

رزاق کی تقسیم پہ ہے صابر و شاکر — بے دغدغۂ اندک و بسیار ہے مو

بوتہ میں پگھلنا تو ہے کندن کا مقدر — کیا ہے اگر آفات سے دوچار ہے مو

مقتول کے رنگ اور وطن کی نہیں تخصیص — ہر کشتۂ ناحق کا عزادار ہے مو

شان اس میں جمالی بھی جلالی بھی ہے شہباز — یعنی کہ کبھی نور کبھی نار ہے مو

دینی لٹریچر میں قرآن اور حدیث بنیادی ہیں۔ ان کے بعد سیرت کی کتابیں اور بزرگان سلف کا کردار۔ مجھے ان سب میں کہیں تیجا (سوئم)، دسواں اور چہلم وغیرہ نظر نہیں آتا اور نہ اسلامی ملکوں میں کہیں یہ ہوتا ہے۔ آخر ہمارے ہندوستان میں یہ کہاں سے گھس آیا۔ براہ کرم آپ ان سب کی حقیقت پر روشنی ڈالیں۔ یہاں مجھ سے یہ سوال کیا جاتا ہے تو میں کچھ اطمینان بخش جواب نہیں دے پاتا ہوں۔ والسلام۔ آپکا چھوٹا بھائی قمر خیرآبادی

جواب:۔ عزیز بھائی! آپ نے جن باتوں کی حقیقت معلوم کرنا چاہی ہے۔ وہ ہندو سماج میں ایک حکمت کے تحت رواج پائیں۔ آگے چل کر وہ رسم بن گئیں۔ حکمت یہ تھی کہ ان کے یہاں جب کوئی مر جاتا تو بستی کے لوگوں کو جلد معلوم ہو جاتا تھا —— (یہ بات ہر جگہ اور ہر معاشرے میں آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں) بستی کے لوگ اکٹھا ہو کر کریا کرم کر دیتے اور فرض سے ادا ہو جاتے تھے۔

لیکن ظاہر ہے کہ مرنے والے کے رشتہ دار صرف بستی کے اندر ہی محدود نہیں ہوتے۔ قریب کی بستیوں کے رشتہ دار اور ملنے والوں کو دوسرے دن معلوم ہو جاتا اور وہ تیسرے دن اکٹھا ہو کر تعزیت (پرسا کرنے) کو آتے۔ یہی تیسرے دن کی تقریب تعزیت آگے چل کر "تیجا" کے نام سے مشہور ہوئی۔ تیجا کے معنی ہیں تیسرا دن۔ اردو میں اسے "سوئم" کہتے ہیں۔

پھر اور فاصلہ دور کے لوگ دسویں دن، پھر اور فاصلہ دور کے لوگ بیسویں دن اور چالیسویں دن اکٹھا ہو کر یکجائی غم مناتے۔ اس طرح یہ پرسے کی تقریبیں دنوں کے نام کی مناسبت سے چہلم تک چل پڑیں۔

مدتوں تک یہ سب ہوتے ہوتے رسم بن گئیں۔ اب اگر کوئی رسم نہ کرتا تو اس پر گرفت ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ دھرم میں بادھا ڈالتا ہے۔ اس میں پنڈتوں کا زیادہ ہاتھ رہا کیونکہ ہندو معاشرے میں پیدائش سے لے کر مرتے دم تک جتنی دنیاوی اور دھارمک رسمیں ہوتی ہیں وہ بغیر پنڈت کے انجام نہیں پاتیں اور ان سے پنڈتوں کو بڑی آمدنی ہوتی ہے۔

کو رحمت فرمایا جائے۔ اللہ چاہے گا تو مرحوم کے کھاتے میں جمع فرمائے گا یا آپ کے نامۂ اعما
• جو شے ایصال ثواب کے لیے مقرر کی گئی ہے وہ جائز اور حلال ہو۔ اللہ پاک ہے ا
شے پسند کرتا ہے۔ ایصال ثواب کے لیے آپ عید اور بقر عید کے دنوں میں روزہ نہیں
سکتے۔ ایصال ثواب کے لئے چوری، جوا، رشوت اور اسی طرح کی رقم اور شے نہیں لگا سکتے۔
• اگر فاتحہ سے مطلب آپ کا نذر و نیاز سے ہے تو یہ نذر خالص اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ نہ
حرام ہے۔
• ایصال ثواب اور نذر میں اگر مادی شئے کھانا کپڑا اور رقم وغیرہ بانٹی جا رہی ہے تو
کو دینا چاہیے۔ مالدار کو نہیں۔ اس سے آپ کا مقصد پورا نہ ہوگا۔
نوٹ:۔ مالدار شخص کو ایصال ثواب اور نذر والی شے سے خود پرہیز کرنا چاہیے۔ ویسے اگر ا
آدھ چھوہارا یا بتاشہ وغیرہ منہ میں رکھ لے تو یہ اس کے لیے حرام نہیں ہوگا۔
نوٹ ۲:۔ سنت کے طریقے سے ہٹ کر آج کل ایصال ثواب اور نذر کے سلسلے میں
کچھ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کو مطلوب نہیں۔ وہ سب خرافات ہے۔

سوال:۔ محترم بھائی مائل خیر آبادی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
آپ نے جو کتابیں میرے لیے بھیجی تھیں، وہ میں نے ایک ایک کر کے سب پڑھ ڈالیں۔ آ
جس غرض سے یہ کتابیں بھیجیں، آپ سن کر خوش ہوں گے کہ وہ غرض پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے میں
وہ راستہ بدل دیا ہے جس پر آپ نے مجھے چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب میں نے وہ راستہ اختیار کر لیا۔
پر آپ بیس سال سے گامزن ہیں۔ اب کی بار جب آپ وطن تشریف لائیں گے تو ان شاء اللہ آپ خ
ہوں گے۔ آپ بہت سے لوگوں کو اپنی بھیجی ہوئی کتابیں پڑھتے ہوئے پائیں گے۔ اور ان سے
اس کے بعد ایک بات دریافت طلب ہے۔ آپ کی بھیجی ہوئی کتابوں میں ایمان و عمل سے
بہت کچھ ملا۔ لیکن ایک چیز پر بحث کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ ہے تیجا، دسواں، بیسواں، چہلم

کھانڈے راؤ کو بھیجا کر خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو منتشر کر دے۔ کھانڈے راؤ آیا تو وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ یہ پہلا ذی شعور انسان تھا جس نے اسلام کے عقیدہ حق پر بات کی اور مسلمان ہو گیا۔

یہی طریقہ ہندوستان کے تمام خانوادوں کا رہا۔ تمام صوفیوں نے عوام ہی میں عوام کی زبان میں "وحدت آدم" کے اصول پر زیادہ زور دیا۔ وحدت الٰہ کی آواز اس سے بہت مدھم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست میں عوام ہی عوام نظر آتے ہیں۔ بیشک آپ جے پال جیسے دو دانوں کا نام لے سکتے ہیں۔ لیکن ایسے صاحبان خال خال ہیں۔ جنہوں نے اسلام سمجھ کر قبول کیا۔ یہ جو مشہور ہے کہ جے پال اور سید سالار غازی ؒ کے درمیان کراماتوں کا مقابلہ ہوا تھا۔ یہ غلط ہے۔ سید سالار ایک سپاہی آدمی تھے۔ وہ صوفیوں میں سے نہیں تھے۔ ایک مسلمان سپاہی اور صاحب کردار فوجی تھے۔ انھوں نے کوئی کرامت نہیں دکھائی۔ ان کی کرامت تھی "گلے میں قرآن اور ہاتھ میں تلوار" سید سالار کی تلوار نے باطل کی کھیتی کو کاٹا اور حق کی کھیتی کو بچایا۔ جے پال اس کرامت سے متاثر ہوا تھا۔ ہم نے تاریخ چھان ماری۔ ہمیں کھانڈے راؤ اور جے پال جیسے لوگ اکا دکا ہی نظر آئے۔ باقی سارے کے سارے لوگ پست اقوام کے تھے۔

ایک بات اور ذہن میں رکھئے۔ پرانے زمانے میں قبیلے قبیلے کے سردار ہوا کرتے تھے۔ یہ سردار قبیلہ کے قبلہ اور دیوتا ہوتے تھے۔ جدھر یہ قبلہ پھر جاتے اسی طرف قبیلے کے لوگ پھر جاتے۔ قبیلوں کے یہ سردار صاحبان علم نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ صاحبان اقتدار ہوتے تھے۔ ان سرداروں نے مسلمان صوفیوں کی "مساوات اسلام" کو بہت پسند کیا۔ یہ قبلہ لوگ "مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کے قبیلے بے سوچے سمجھے مسلمان ہو گئے۔

ہمارے بزرگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے محنت مشقت کر کے ان قبائل اور پست اقوام میں خوب کام کیا۔ جوش تبلیغ میں "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر پیش کر دیا لیکن بے چارے ان سب کی تربیت نہ کر سکے۔ شعوری اسلام نہ پا سکے۔ تبلیغ اسلام میں ہندوستان کے

اس تمہید کے بعد اب سنئے۔ ہندوستان میں مسلمان آئے۔ آنے والے مسلمانوں میں دو طرح کے لوگ الگ الگ مقصد لے کر آئے۔ ایک تو بادشاہ، ان کا مقصد حکمرانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ دوسرے مبلغین اسلام حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے مریدین۔ اور انہی طرح کے دوسرے اسلام پھیلانے والے حضرات آپ ان تمام خانوادوں کے صوفیوں کے حالات پڑھ جائیے۔ پنجاب، دہلی، عظیم آباد۔ احمد آباد۔ بنگال دکن۔ سارے ہی مقامات کے حضرات نے زیادہ تر کام پسماندہ اقوام میں کام کیا۔ ان سب نے مسلمان حکمرانوں سے بے نیاز ہو کر کام کیا۔ ہاں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جہانگیر کے درباریوں تک اسلام پہنچایا۔

ہندوستان کی پسماندہ اقوام یعنی اچھوتوں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔ یہ بے چارے انسانیت کو ترس گئے تھے۔ بلکہ مایوس ہو چکے تھے اور انھوں نے اچھوت ہونا تسلیم کر لیا تھا۔ یہ سارے کے سارے مساوات اسلام اور صوفیوں کے کردار سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ اسلام کو سمجھ کر صاحب علم لوگ تو اکا دکا ہی مسلمان ہوئے۔ اچھوت لوگ ہی زیادہ تر متاثر اور مسلمان ہوئے۔ صرف ایک مثال سے سمجھئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ تشریف لائے تو آنجناب نے اجمیر شہر سے ذرا ہٹ کر اپنا مسکن ایک درخت کے نیچے بنایا۔ اس راہ سے گزرنے والوں کی خدمت کرتے۔ اسلامی شعائر و اخلاق کے ساتھ ہر چھوٹے بڑے سے پیش آتے۔ اس زمانے میں مسافر کی نظر میں پانی کی بڑی اہمیت تھی۔ خواجہ صاحب صاف ستھرے برتن میں سب کو پانی پلاتے۔ اچھوت جھجکتے تو فرماتے "بھائی! پیو، اسی برتن میں پیو۔ تم بھی تو اللہ کے بندے ہو۔" اس کردار نے اثر کرنا شروع کر دیا اور اچھوت مسلمان ہونے لگے۔

بہت سے لوگ مسلمان ہو کر گھر جاتے، بہت سے وہیں رہ جاتے اور تربیت حاصل کرتے یہ خبر پنڈتوں نے اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کو خطرے کی گھنٹی کے طور پر سنائی۔ اس نے روک ٹوک کی۔ خواجہ صاحب پر اس کی روک ٹوک کا اثر نہیں ہوا۔ تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی



کابل سے جو سڑک بندر وال جاتی ہے اس سڑک کے کنارے بائیس تیئس سال کی ایک نوجوان لڑکی نے دو تین پتھر رکھ کر چولہا سا بنالیا۔ اس چولہے پر ایک برتن رکھا۔ برتن کے نیچے گھاس اور پتوں کو سلگا کر وہ گیلی لکڑیاں جلانے کی کوشش کررہی تھی۔ پاس ہی ستائیس اٹھائیس سال کا ایک نوجوان ملی جلی گیلی سوکھی گھاس اور پتیوں پر لیٹا کراہ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ سینے پر تھا۔ وہ بار بار اپنا سینہ دباتا۔ بندر والن کو گالی دیتا اور کبھی کبھی پتھر پھینک مارتا اور کہتا "غنڈی جلدی لا"۔

بندر والن بیچاری اپنی جیسی کوشش کررہی تھی لیکن وہ کرتی تو کیا کرتی۔ ماچس سے سلائیاں نکال نکال کر پھونک رہی تھی لیکن گیلی لکڑیوں کو جلانا آسان نہیں۔ ایک بار جب بڑا سا پتھر اس کے سر پر لگا تو وہ بھی غرا گئی۔ اس نے برابر کا جواب دیا "غنڈے دیکھتا نہیں۔ کوشش تو کررہی ہوں" اور پھر اسے نوجوان پر پیار آگیا "پیارے! ابھی لاتی ہوں"۔

بندر والن اس کے پاس گئی۔ اچانک بندر والن چونکی۔ وہ دوڑ کر چولھے کے پاس پہنچی اور پھر ماچس کی تیلیاں گھس گھس کر پھینکنے لگی۔ اس کی ناک سے رطوبت نکل رہی تھی اور دھوئیں کے لگنے سے آنسو بھی نکل رہے تھے۔ وہ آنسو اور رطوبت بار بار پونچھ رہی تھی۔ بندر وال اب سینے کے درد کے مارے ہائے واویلا کررہا تھا اور بلند آواز سے بندر والن کو گالیاں دینے لگا تھا۔

اتنے میں ایک کار ان کے پاس ہی آکر رکی، پھر دوسری، پھر تیسری۔ تیسری کار آکر رکی تو اس میں سے پہلے ایک شخص نے جھانک کر بندر والوں کو دیکھا۔ پھر باہر آیا۔ اس کے باہر آتے ہی تینوں کاروں کے لوگ اتر پڑے۔ یہ سب فوجی لباس میں تھے۔ پہلا شخص جو بندر والوں کے پاس پہنچ چکا

مسلمان حکمرانوں سے نہ مدد ملی اور نہ ان حکمرانوں نے مدد دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نومسلموں کے لیے کہیں کوئی مدرسۃ العلوم قائم نہ ہو سکا۔ کہیں کہیں قرآن یاد کرانے کے مکتب قائم ہو گئے۔ جو زیادہ تر خانقاہوں اور گھروں میں ہوتے تھے۔

یہ بہت سے لوگ جو مسلمان ہوئے۔ اپنے ساتھ اپنے اپنے سماج کے رسم و رواج بھی لائے یہ تیجا، یہ دسواں اور یہ چہلم انہی رسموں میں سے ہیں۔ ان موقعوں پر ایک مشکل یہ پیش آئی کہ جو لوگ پڑھ کے لئے آئے تھے۔ انھیں کیسے ڈیل کیا جائے۔ ہمارے بزرگوں نے انہی رسموں کو ذرا سی اسلامی شکل یہ دیدی کہ جو لوگ تیجا وغیرہ میں آئیں وہ بیٹھے بیٹھے کلمہ پڑھیں اور جسے قرآن یاد ہو، وہ قرآن پڑھے یا درود شریف۔

یہی چیز مسلم معاشرے میں در آئی اور آگے چل کر میت کے موقع پر ہمارے یہاں بھی سوئم اور چہلم ہونے لگا۔

کاش ہمارے جن بزرگوں نے اس تیزی سے اسلام پھیلایا۔ مسلمان حکمراں ان کی مدد کو علماء فراہم کر دیتے تو یہ بدعت مسلم معاشرے میں نہ پھیلتی۔

میرے عزیز! یہ ہے مسلم معاشرے میں تیجا اور چہلم کی حقیقت۔ ضرورت ہے کہ آپ میرے اس خط کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو سنا دیں۔ اللہ آپ کو توفیق دے۔ آمین

گلنار نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔ فوجی افسر کے اشارے پر ڈرائیور نے ایک کار کو موڑا اور اس رخ کھڑا کر دیا جدھر سے آیا تھا۔ بندر والن نے بندر وال کو سہارا دیا۔ دونوں کار میں بیٹھے۔ کار بھرّائی اور تیزی سے نامعلوم مقام کی طرف چل دی۔

○

"خان بابا! آپ مجھ سے روپیہ لے لیں۔ مجھے اپنی بیٹی سمجھیں"۔ اور یہ کہہ کر نوجوان لڑکی نے سو روپیہ کا نوٹ بوڑھے بیمار کی طرف بڑھا دیا۔ "آپ فوراً انجکشن اور دوا منگوالیں ضرورت پڑے تو اور دے لیں۔"

"رب الارباب تیری مراد پوری کرے بیٹی! یہ نوجوان تیرا شوہر ہے نا بیٹی! بڑا حسین و جمیل ہے۔ اسے کیا بیماری ہے؟"

"بابا! کچھ نہیں۔ یہ غنڈا مستا رہا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے دل کا بیمار ہوں۔ بابا! آپ سمجھے؟"

"ہاں بیٹی! جب میں جوان تھا تو مجھے بھی دل کی بیماری تھی۔ پھر میری بیماری مر گئی۔ خدا کرے تیرے شوہر کے دل کی بیماری برقرار رہے۔"

نوجوان لڑکی مسکرادی۔ بوڑھے نے سو روپیہ کا نوٹ لے کر اپنے لڑکے کو دے دیا۔

بیٹی! یہ بچہ بھیک مانگ مانگ کر میرے علاج کے لئے پیسے لاتا ہے۔ اور ہاں سن لڑکی! کیا تو میری بیٹی نہیں ہے؟"

"ہوں، ضرور ہوں بابا! اب آپ میرے معصوم بھائی سے بھیک نہ منگوائیں۔"

"اچھا تو آ میرے پاس۔"

نوجوان لڑکی نے اپنے بیمار کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا۔ لڑکی خان بابا کے پاس گئی۔ خان بابا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ اس کا سر اپنے قریب کیا اور بولا "بیٹی! اب تو مجھے دوسرا روگ ہے"۔

"وہ کیا بابا؟" لڑکی ہونق ہو گئی۔

"وہ روگ ہے آزادیٔ وطن کا۔"

تھا کوئی بڑا افسر لگتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بندروالن نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور ادب سے کھڑی ہو گئی۔

"سرکار! ہم بندروال ہیں۔ ہمارے قبیلے کے لوگ آپ کے وفادار ہیں۔ یہ میرا شوہر گلزار ہے اس کے سینے میں بیماری ہے۔ میں اسے اسپتال لے جا رہی ہوں۔ آپ اپنے وفاداروں کے قدردان ہیں۔ میں آپ سے مدد کی طلب گار ہوں۔"

بندروالن ادب کے ساتھ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ فوجی افسر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بندروال کو دیکھا۔ وہ اب بھی گالی بک رہا تھا۔

"کیا تو اپنی بیوی کو پسند نہیں کرتا" فوجی افسر نے گلزار سے پوچھا۔

"او بائی سرکار لوگ! ام اس غنڈی کو بوت چاہتا۔ میں اس سے کہتا "اما سے دل میں درد ہے۔ یہ آمارا مطلب نئیں سمجھتا۔ آپ اسے سمجھائیں۔ آپ دیکھئے یہ کتنا حسین ہے"۔

فوجی افسر مسکرایا۔ "غنڈی! ہم تمہاری مدد کرے گا"

"سرکار! معافی۔ میرا نام غنڈی نہیں ہے۔ یہ تو گالی ہے۔ میرا نام گلنار ہے۔"

"سوری۔ اچھا۔ ہم تم کو اسپتال پہنچا دیں گے"۔

فوجی افسر نے اپنے فوجیوں سے روسی زبان میں کچھ مشورہ کیا۔ جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی۔ پھر کہنے لگا۔

"یہ دیکھو گلنار! ایک ہزار ہے۔ اسے رکھو۔ ہم ابھی تم کو اسپتال پہنچائیں گے لیکن ایک ایسے اسپتال پہنچائیں گے جہاں تمہاری قوم کے لوگ رہتے ہیں۔ وہاں تمہارے بندروال کا علاج بھی ہو جائے گا اور وہیں تم کو روپیہ بھی ملتا رہے گا۔ جو کام تمہیں کرنا ہے وہیں معلوم ہو جائے گا۔"

گلنار نے جھک کر سلام کیا اور نوٹوں کی گڈی لے کر بندروال کو دے دی۔ فوجی افسر نے کہا "ہم تم کو سرحد تک پہنچا دیں گے۔ وہاں سے تم اپنے لوگوں میں خود جاؤ گی۔ وہاں کے اسپتال میں اپنے بندروال کو داخل کر دینا اور دیکھو اگر تم نے غداری کی تو تم زندہ نہیں رہ سکتے۔"

پیسہ دیتی۔ ہمدردی کی باتیں کرتی۔ باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ دیتی کہ کابل کی نئی سرکار بہت اچھی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس کی اطاعت قبول کرلیں اور واپس جائیں۔ بہت سے لوگ یہ سن کر لاحول پڑھتے لیکن کچھ کم ہمت والے بھی تھے۔ پناہ گزینی کی آزمائش سے تنگ آچکے تھے۔ پھر انہیں منزل کا پتہ بھی تھا۔ وہ سوچ میں پڑجاتے۔ ان کو بندروالن زیادہ سے زیادہ رقم دیتی اور انہی سے زیادہ تر باتیں کرتی

بندروال دن بھر بیڈ پر پڑا رہتا۔ وہ ہٹا کٹا تھا۔ سب سے ہنستا بولتا۔ سیب کھانے کا شوقین تھا۔ خود کھاتا، اوروں کو کھلاتا لیکن کسی سے کہتا کچھ نہ تھا۔ کبھی کبھی خان بابا کے بچے کو پاس بٹھا لیتا اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہتا۔ بچہ جب خوش ہوتا تو اپنی کھنجری (چھوٹی دف) لے آتا چاربیت گاتا۔ بندروال بھی اس کی لے میں لے ملاتا۔ پناہ گزینوں کے اس میدانی اسپتال میں لوگوں کے دل گرم ہوجاتے۔ اور پھر کچھ جوان ٹولیاں ٹولیاں بیٹھ جاتے۔ چاربیتوں کا مقابلہ شروع ہوتا جو آدھی رات تک چلتا۔

○

بابا! اللہ بھلا کرے ، بابا! اللہ بھلا کرے

اک پیسہ جو دے گا بابا! ، اجر خدا سے لے گا بابا!

اجر خدا سے ، اجر خدا سے ، اجر خدا سے

"بھابی! کیا رُوں رُوں کرتی ہو۔ مصرع اٹھاؤ۔" اور پھر لڑکے نے اپنی کھنجری کو حرکت دی۔ چھن چھن کی آواز آئی۔ لڑکے نے کھنجری میں زور سے انگلی ماری۔ ٹب۔ پھر دھن بجانے لگا۔

ٹب ٹب۔ چھن چھن۔ بم بم بم بم۔

"ہاں بھابی! ذرا زور سے۔ اجر خدا سے۔ اجر خدا سے۔ اجر خدا سے۔" لڑکا تو کھنجری بجاتا اور گاتا لیکن اس کی بھابی اس کا ساتھ نہ دے پاتی۔ دراصل وہ چاربیت میں ماہر نہیں تھی۔ ا

کا کرتھ ٹرچھ ٹربجوار نرہوری کاخو ااو دونوں ہمکارلوں کے ساتھ شور مچاتے آجاتے

اسی وقت دودھ والا آگیا۔ اس نے دودھ کی بوتل لڑکی کی طرف بڑھا دی۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ ایک اور دے دے۔ پھر خان بابا سے کہا "بابا! اب تو فیصلہ ہوگیا۔ اپنا روگ دل سے نکال دو"

دودھ والا ایک نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ خان بابا کہہ رہا تھا "نہیں بیٹی! یہ روگ تو اسی وقت نکلے گا جب یہ غاصب روسی کابل سے نکل جائیں گے۔"

بچہ انجکشن اور دوائیں لے آیا تھا۔ اس کے ساتھ کمپاؤنڈر بھی تھا۔ کمپاؤنڈر نے انجکشن لگایا، گولیاں دیں۔ ترکیب استعمال بتائی۔ پھر بوڑھے کی ران کے زخم کو دیکھا۔ "بابا مندمل ہوگیا۔ اب درد تو نہیں۔"

"کاش! میرے دل پر جو زخم آیا ہے وہ کبھی اچھا نہ ہو۔"

کمپاؤنڈر چلا گیا۔ خان بابا لڑکی سے مخاطب ہوا۔

"بیٹی! تو کسی بڑے گھرانے کی معلوم ہوتی ہے۔ تیرا شوہر کس قبیلے کا ہے؟"

"بابا! ہم دونوں بندر وال ہیں۔"

"او بابا۔ خوب! ہم بھی بندر وال ہیں۔ بندر والوں کا کیا حال ہے؟"

"بابا! بندر وال پر نئی سرکار کا قبضہ ہوگیا۔ بندر والوں نے اطاعت قبول کرلی اور اب سب چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ بندر والوں کی عزت کیا ہوئی؟ غلامی کا پٹہ گلے میں ڈالنے سے پہلے مر کیوں نہ گئے؟" بوڑھے خان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اسی وقت دودھ والا ادھر سے نکلا۔ وہ واپس جا رہا تھا۔ لڑکی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ کچھ دور چل کر دودھ والے نے مڑکر دیکھا۔ لڑکی نے دو انگلیاں اٹھا دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا۔ چپکے سے ایک پوٹلی بندر والن کو دی۔ اس میں دو ہزار کے نوٹ تھے۔

بندر والن بڑی نیک لڑکی تھی۔ وہ گھوم پھر کر بیماروں کی مدد کرتی۔ جس کے پاس پیسہ نہ ہوتا اُسے

روکتی تھی۔ عبدالجبار نے ڈیوٹی پر کھڑے سپاہی کو اشارہ کیا۔ وہ سلوٹ کر کے چلا گیا۔ عبدالجبار نے اس کی ڈیوٹی سنبھال لی۔

آغو اور اس کی بھابی کے ساتھ بھیڑ بانس کے پاس پہنچی تو "خبردار" کی گرجدار آواز سن کر بچے سہم کر پیچھے ہٹے لیکن آغو اور بھابی اور دودھ والا اور کچھ بڑے بچے گاتے رہے۔ "حکم اسی کا چلا کرے۔ بابا اللہ بھلا کرے۔"

"خبردار! ٹھہرو۔" عبدالجبار پھر گرجا۔ اب کی بار آغو بھی ڈر گیا لیکن بھابی نے کپتین سے ٹکر لی۔

"کیوں ٹھہروں۔ بھیک نہیں دیتے تو جھڑکتے کیوں ہو۔ یہ سوا چھ فیٹ کا ڈیل ڈول، یہ چوڑا چکلا سینہ، لیکن اس میں دل نہیں۔"

"بدتمیز! زبان سنبھال کر بات کر۔"

"بدتمیز وہ ہے جو فقیروں کو جھڑکتا ہے۔"

بھابی اور عبدالجبار میں تو تو میں میں شروع ہوئی تو پبلک چپکے سے کھسکنے لگی۔ بچے بھی جانے لگے۔ دیکھتے دیکھتے آغو، بھابی دو رہ گئے۔ دودھ والا بھی غائب تھا۔ عبدالجبار نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

"تو کون ہے؟"

"فقیر ہیں ہم لوگ۔ دیکھتے نہیں۔"

"جوان ہے۔ محنت مزدوری نہیں کی جاتی؟"

"تقدیر گردش میں ہے۔ مجبوروں پر طنز نہیں کرتے جی۔"

"تیرا کوئی وارث نہیں ہے؟"

"حیّ القیّوم ہمارا وارث ہے۔ اچھا کچھ دیتے ہو یا ہم واپس جائیں۔"

عبدالجبار ہنس پڑا۔ اس نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مڑ کر دیکھا۔ ڈیوٹی کا دوسرا سپاہی

آج بازار کے دوکانداروں میں حرکت ہی حرکت تھی۔ آج آغو کے ساتھ اس کی بھابی بھی ہے۔ نہایت حسین، نہایت جمیل بھابی۔ جھولی بھابی کے ہاتھ میں تھی۔ لوگ خود بڑھ بڑھ کر سکے اور نوٹ اس جھولی میں ڈال رہے تھے۔ بڑے بڑے دوکاندار بھی اپنی اپنی دوکانوں پر کھڑے ہو کر اس حسین و جمیل بھکارن کے حسن کو دیکھ رہے تھے۔

راستے میں دودھ والے کی دوکان تھی۔ اس نے بھی دیکھا۔ مسکرایا۔ "بھابی! میں بھی آجاؤں؟" "آجا"۔ اور دودھ والا بھی اس طوفان بدتمیزی میں شامل ہو گیا۔ دودھ والا چاربیت کا ماہر تھا۔ اس نے لڑکے کا ساتھ دیا۔ لڑکے نے ایک جگہ کھڑے ہو کر گھنٹی اوپر اٹھائی۔ ایڑی پر گھوما اور پھر چاربیت کی تان اڑائی۔ دودھ والا اور سارے بچوں نے مصرعے اٹھائے۔

شمس و قمر میں، شام و سحر میں، بحر و بر میں، خشک و تر میں
شجر حجر میں، لعل و گہر میں، سفر حضر میں، دنیا بھر میں
حکم اسی کا چلا کرے
بابا! اللہ بھلا کرے

یہ مصرعے ایک شور و غل کے ساتھ فضا میں گونجے تو بازار میں عجیب سماں بندھ گیا۔ بھابی تو اپنی جھولی بھر رہی تھی۔ لڑکا، دودھ والا اور بچے جھوم جھوم کر مصرعے اٹھا رہے تھے۔ اس طرح یہ ٹولی اس طرف جا رہی تھی جدھر ان پناہ گزینوں کا کیمپ تھا جو کابل کی طرفدار فوج سے بغاوت کر کے بھاگ آئے تھے اور انھوں نے یہاں پہاڑوں کی آڑ میں اپنا کیمپ لگا لیا تھا۔ ان فوجیوں کا رہنما کرنل منشا تھا۔ کرنل منشا ہی سارے پناہ گزینوں کی رہنمائی بھی کرتا اور جب موقع پاتا ان مجاہدین کی مدد بھی کرتا جو افغانستان میں روسیوں سے ٹکرا رہے تھے۔

اس وقت سینئر کیپٹن عبدالجبار خاں اپنے جونیئر کپتانوں کے دستوں کی پریڈ کا معائنہ کر رہا تھا اس نے شور سنا۔ ادھر دیکھا۔ چونکا اور بڑھ کر بانس کے پاس پہنچا جو آنے والوں کا راستہ

• حی القیوم ہمارا وارث ہے۔

کرنل منشا سنجیدہ ہو گیا۔ اپنے جذبات دبا کر بولا "ہر فقرے کے پہلے تینوں حروف مل کر ہمیں فتح کی نوید سُناتے ہیں۔ فریدہ کیمپ میں کیوں نہیں آئی؟ اور کیا علی اس کے ساتھ ہے؟"

"علی بھی فریدہ کے ساتھ ہے۔"

"کہاں ہے؟"

"اسپتال میں۔"

کرنل منشا اسپتال کا نام سن کر پھر متفکر ہو گیا۔ بولا

"اسپتال میں یہ خلفشار کیسا ہے۔ بہت سے مریض روسیوں کے گن گا رہے ہیں۔ ان پر پیسوں کی بارش کہاں سے ہو رہی ہے۔ یہ راز مجھے پریشان کئے ہے۔"

"ہمارے بوڑھے اور تجربہ کار رہنما کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جب کہ فریدہ اور علی اسپتال میں موجود ہیں۔"

"عبدالجبّار! میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھے تمہارے جیسے قوی بازوؤں کی ضرورت ہے۔"

"ہمارے بازو آپ کے لئے کھلے ہوتے ہیں۔"

"جزاک اللہ۔ اور سنو! مجھ میں ایک کمزوری آ گئی ہے۔"

عبدالجبار 'کیا' نہ کہہ سکا۔ اس نے سر نیچا کر لیا۔ اس طرح جیسے پوچھ رہا ہو کہ وہ کمزوری کیا ہے۔ کرنل بولا ــــ

"میں فریدہ اور علی سے ملنے کے لئے بے تاب ہو رہا ہوں۔"

"یہ تو انسان کی فطرت ہے اے میرے رہنما۔"

"یقیناً فریدہ اور علی میجر قدیر کا کوئی پیغام بھی لائے ہوں گے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

آچکا تھا۔ اس نے ایڑی بجا کر سلوٹ کیا۔ عبدالجبار کرنل منشا کے خیمے کی طرف چلا گیا۔ آٹھوں بھی اپنی راہ واپس چلے گئے۔

○

کرنل منشا اپنے دفتر میں نہایت فکرمند بیٹھا تھا۔ اچانک پردہ ہلا۔ اردلی نے ایڑی ملا کر کی آواز کے ساتھ سلوٹ کیا۔ ایک پرچہ میز پر رکھ دیا اور سلوٹ کر کے واپس چلا گیا۔ کرنل نے نظر سوا چھ فٹ کا سینیئر کیپٹین اندر آچکا تھا۔ اس نے سلوٹ کیا۔ کرنل منشا کھڑا ہو گیا۔ کیپٹین سے ملایا۔ کرسی کی طرف دیکھا۔ کیپٹین بیٹھ گیا۔

"آج میں اپنے رہنما کرنل کو بہت فکرمند محسوس کر رہا ہوں"۔ عبدالجبار نے خیریت کے انداز میں عرض کیا۔

"ہم سب مجاہد ہیں جبار! ہم میں نہ کوئی کرنل ہے نہ کیپٹین۔ تمام مجاہد بھائی بھائی ہیں"

"ہم اپنے رہنما کے ایسے ہی جملوں سے اپنے دلوں میں گرمی پاتے ہیں۔"

"تم جانتے ہو کہ میں کیوں فکرمند ہوں؟"

"میرا قیاس کہتا ہے کہ فریدہ اور علی آپ کو یاد آرہے ہیں۔"

"بے شک انھیں گئے ہوئے دو ماہ ہو گئے۔ میجر قدیر روسیوں کے نرغے میں پھنس معلوم نہیں ہو سکا علی اور فریدہ اس پر قربان ہو گئے یا فتحیاب واپس آرہے ہیں"

"میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ فریدہ اور علی کامیاب واپس آگئے۔"

"کہاں ہیں؟" کرنل منشا خوشی میں اٹھ کھڑا ہوا۔

کیپٹین عبدالجبار نے ایک پرچہ پیش کیا۔ کرنل منشا نے پڑھا۔

- فیتر ہیں ہم لوگ۔
- تقدیر گردش میں ہے۔

کے پاس نہیں نکلی۔ جاسوس پوچھ رہے تھے کہ یہ رقم تم کو کہاں سے ملی، تمہارا اصل پیشہ کیا ہے؟ ر روالن کچھ نہیں بتا رہی تھی۔ ٹھیک اسی وقت دودھ والا ادھر سے نکلا۔ بندر روالوں کو گرفتار کھا تو چاہا کہ تیزی سے نکل جائے۔ اچانک جوڈو کا زبردست ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ وہ زمین گرا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ بندر روالن اپنی جگہ ایڑی پر گھوم چکی تھی اور اپنا بایاں تھ دیکھ رہی تھی۔ جوڈو کا وار کرنے سے اس کا ہاتھ سرخ ہو گیا تھا۔ یہ خطرناک اقدام دیکھ کر اسوس سپاہیوں نے نہایت پھرتی سے بندر روالن اور بندر روال کو ہتھکڑی پہنا دی ورنہ وہ تو ہایت شرافت کے ساتھ عورت ذات کو لے جانے والے تھے۔

اس گرفتاری اور دودھ والے کے مارے جانے کی خبر آگ کی طرح سارے بازار میں پھیل گئی۔ لوگ سہم گئے۔ اپنی اپنی دوکانوں پر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ پکڑی جانے والی لڑکی وہی بھابی بھکارن ہے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بازار کے لوگ اس پر خوش تھے کہ مجاہد کیمپ کے جاسوس بھی غافل نہیں ہیں۔ آخر انھوں نے اس خطرناک جاسوس بھکارن کو دھر ہی لیا۔ آغو ایک جگہ اپنے باپ کے لئے دوا خرید رہا تھا۔ اس کی نظر بھی بھابی پر پڑی۔ وہ پہلے چونکا پھر سب کچھ سمجھ گیا۔ ناچتا ہوا آگے بڑھا۔ پکارا "بھابی! اللہ بھلا کرے۔ سفر حضر میں دنیا بھر میں۔ حکم اسی کا چلا کرے۔ بھابی! اللہ بھلا کرے۔"

بھابی اسے دیکھ کر ہنسی۔ کہنے لگی "آغو! میری رقم جاسوسوں نے ہتھیا لی ورنہ تجھے اس وقت بہت دیتی۔"

"نہیں ضرورت بھابی! اس رقم پر باپ لاحول پڑھتے رہے ہیں۔ بھابی! تم کو بھی ہضم نہیں ہوئی اب کھایا پیا اگلو گی۔" آغو دیدے مٹکاتا، ہاتھ ہلاتا، ناچتا چلا گیا۔ جاسوس دونوں کو لئے ہوئے کیمپ کی طرف چلے۔

o

"دیکھئے فریدہ اور علی اسپتال سے کب فارغ ہوتے ہیں۔"

"لیکن وہ دونوں بھی تو ہم لوگوں سے ملنے کو بے قرار ہوں گے" کیپٹن جبار مسکرا

"میرا دل کہتا ہے کہ کوئی افتاد برپا ہونے والی ہے"۔

"آپ نے ہمیں بتایا ہے کہ کوئی افتاد اللہ کے اذن کے بغیر نہیں آتی۔"

"بے شک سے بے شک۔"

"اللہ ہی اس افتاد کو دور بھی کرے گا۔"

"انشاء اللہ۔"

"انشاء اللہ کل تک سارے راز طشت از بام ہو جائیں گے۔"

"انشاء اللہ!"

"میں آج اسپتال جانے والا تھا لیکن اب نہیں جاؤں گا۔"

"جبار! میرے پیارے کیپٹن! تم بہت ذہین ہو۔"

"تو انشاء اللہ میں کل شام تک پوری رپورٹ پیش کر دوں گا۔"

"جزاک اللہ۔"

کیپٹن عبدالجبار اٹھ کھڑا ہوا اور سلوٹ کر کے دفتر سے نکل گیا

○

دوسرے دن عین اس وقت جب کہ بندروال ایک غریب مریض کو ساڑھے سات سو کے تین انجکشن دے رہی تھی کیمپ کے دو جاسوسوں نے اسے حراست میں لے لیا۔ بندروا نے بڑی خاموشی سے اپنے کو جاسوسوں کے حوالے کر دیا۔ اس نے کہا "ہتھکڑیوں کی ضرورت نہیں۔ میں بھاگوں گی نہیں۔" جاسوس اسے بندروال کے بیڈ پر لائے۔ بندروال کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ تلاشی لی تو پندرہ ہزار روپوں کے تازہ نوٹ برآمد ہوئے۔ شبہ کی کوئی او

ہوشیاری اور تیزی سے بارود نکلوانی شروع کر دی۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بارود کے اندر سے بہت سے کارتوس اور دستی بم ملے۔ عبدالجبار نے اپنے جونیئر کپتان ملک کو گلے سے لگا لیا۔ دونوں کامیابیوں کا سہرا ملک کے سر رہا۔ میجر قدیر کی مدد کو بروقت پہنچا تھا اور اسے روسیوں کے گھیرے سے نکال لایا تھا۔ دوسری فتح اس راز کو فاش کرنے کی۔ اللہ اللہ! ظالم اور غاصب روسیوں نے کہاں کہاں فریب اور مکاری کا جال پھیلا رکھا ہے۔ اللہ مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

غزل

مصیبت، ہم نے مانا زندگی پر بار ہوتی ہے
مصیبت ہی سے لیکن زندگی ہموار ہوتی ہے

زباں قابو میں ہوتی ہے تو گوہر بار ہوتی ہے
نہیں تو پھر وہی اک تیز اک تلوار ہوتی ہے

فداکاروں پہ جب انعام کی بوچھار ہوتی ہے
فداکاری کے میداں میں وہیں سے بار ہوتی ہے

محبت کی یہ کھیتی ہے اسے دے گرم خوں اپنا
یہ کھیتی خون پاکو ہی گل و گلزار ہوتی ہے

وہیں تو ہر قدم کو تربیت ملتی ہے چلنے کی
کہیں جب راہ کانٹے دار ناہموار ہوتی ہے

تصور ہی تصور میں جب ان سے باتیں کرتا ہوں
تو دل بھی جھومتا ہے روح بھی سرشار ہوتی ہے

یہ لگتا ہے کوئی پائل پہن کر رقص کرتا ہے
کہیں زنداں سے زنجیروں کی جب جھنکار ہوتی ہے

یہ دنیا ہے اسے تو بس اسی میں لطف آتا ہے
ذلیل و خوار کرتی ہے ذلیل و خوار ہوتی ہے

وہ اطمینان سے محروم ہو جاتا ہے اے مائل!
کسی انسان پر دولت کی جب بھرمار ہوتی ہے

(مائل خیرآبادی)

عبدالجبار کرنل نشا کے ساتھ دفتر میں بیٹھا بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے کرنل نشا کو یقین دلایا تھا کہ فریدہ اور علی آنے والے ہی ہیں۔ اتنے میں رپورٹ ملی کہ بندروالن بہت خطرناک لڑکی ہے۔ اس نے جوڈو کا ہاتھ مار کر دودھ والے کی گردن توڑ دی اور وہ قتل کی مجرمہ بھی ہے۔

"یہ کون ہے؟" کرنل نشا نے عبدالجبار سے پوچھا۔ اسی وقت اردلی اندر آیا۔ سلوٹ کیا اور ایک پرچہ عبدالجبار کے ہاتھ میں تھما کر چلا گیا۔ عبدالجبار نے وہ پرچہ کرنل نشا کی طرف بڑھا دیا اور فریدہ اور علی کے بسلامت آنے کی مبارک باد دی۔ اسی وقت پردے کے باہر کچھ سائے نظر آئے۔ عبدالجبار نے پھر مبارکباد پیش کی کہ بیٹی اور داماد سے ملئے۔ کرنل نشا پردے کی طرف دیکھنے لگا۔ پردہ اٹھا۔ بندروالن اور بندروال اندر آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ سنتری نے عبدالجبار کے اشارہ سے ہتھکڑی کھول دی۔ کرنل نشا اب پہچان چکا تھا۔ "فریدہ" اس کی زبان سے نکلا۔ بندروالن لپک کر کرنل نشا کے سینے سے جا چمٹی اور بندروال کو جبار نے اپنی طرف گھسیٹ کر گلے سے لگا لیا۔ "علی! کیسے ہو؟"

فریدہ اور علی نے کہا "ابھی ضروری کام تو باقی ہی ہے۔ فوراً گوالے کی دکان پر چلئے حالانکہ فریدہ نے اسے مار ڈالا، پھر بھی ہو سکتا ہے کوئی خطرہ موجود ہو۔"

نہایت پھرتی سے علی نے وردی پہنی، عبدالجبار کے ساتھ جیپ پر بیٹھا، بازار کی طرف چلا۔ چند منٹ میں گوالے کی دکان پر جا پہنچا۔ گارد پہنچ چکی تھی، دکان کو گھیر لیا گیا تھا۔ مقتول کے پاس سے کنجیوں کا گچھا لیا۔ دکان کھولی۔ علی نے فرش کی چادر ہٹائی۔ نیچے چوکیوں کا فرش تھا۔ چوکیاں ہٹائی گئیں تو صندوق نما اوپر کا حصہ نظر آیا۔ اوپر کا حصہ اٹھایا گیا تو عبدالجبار دانتوں تلے انگلی داب کر رہ گیا۔ اب وہ فریدہ کی ہوشیاری کی داد دینے لگا۔ اگر ذرا دیر کی ہوتی تو اب تک ساڑھے بارہ ہزار پناہ گزین اور سات ہزار مجاہد سپاہی بھک سے اڑ گئے ہوتے۔

اندر سرنگ میں بارود بھری تھی۔ دیا سلائی لگانے کی دیر تھی۔ اسی وقت عبدالجبار نے نہایت

اور جو [illegible] ہیں اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (المومنون)

• بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

معاون کی ضرورت!

ایک ابھرتے ہوئے نوجوان ادیب و شاعر کی ضرورت ہے

صلاحیت؟

• اسلامی نظریات کی واقفیت اور تحریکی مزاج ہو۔
• اس کی زندگی اسلامی شریعت کے مطابق ہو۔
• آسان اردو لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔
• کسی قدر ہندی اور انگریزی بھی جانتا ہو۔
• اشاعت اسلام کے لیے بے قراری محسوس کرتا ہو۔
• قرآن و حدیث سے براہ راست یا ترجمے کی مدد سے مضامین اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔
• ان خصوصیات کے جو نوجوان تعاون دے سکیں۔ وہ مجھ سے رابطہ قائم کریں۔ اگر اس نے کوئی تازہ کہانی یا نظم لکھی ہو تو بطور نمونہ بھیجے اور لکھے کہ فی الوقت کیا مشاہرہ لے گا۔

(ماہنامہ حجاب، رامپور، [illegible])

(ساجدہ فرزانہ)

صفاتِ مومن

• مومن تو حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں اور پھر شک میں نہ پڑیں۔ (الحجرات)

• جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے۔ (حم سجدہ)

• مومن تو حقیقت میں وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ (الانفال)

• جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ (البقرہ)

• پس نہیں (اے نبیؐ) تمہارے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہیں جب تک کہ اپنے باہمی اختلاف میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کریں۔ (النساء)

• حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے جان اور مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔ (التوبہ)

• اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے اس کی بندگی بجالانے والے، اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے (اس شان کے ہوتے ہیں وہ مومن جو اللہ سے خرید و فروخت کا یہ معاملہ طے کرتے ہیں) اور اے نبیؐ! ان مومنوں کو خوش خبری دے دو۔

• یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو۔ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ لغویات سے دور رہتے ہیں۔ زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں، کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابلِ ملامت نہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں، وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اپنی امانتوں کی

تعلیم پائی تھی۔ جہاں نہ دینی تعلیم کا انتظام تھا اور نہ کسی مذہب سے لگاؤ تھا۔ استاد اگر مذہب کا
بھی لیتے تو اس کے خلاف باتیں سکھاتے اور یہ بات ذہنوں میں بٹھاتے کہ اللہ ہے ہی نہیں۔
بھی یہی سمجھتا تھا۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ مجھے ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ذریعہ پہلے پہل کودنا پڑا۔ پہلی بار
جب میں کودا اور چھتری کھلنے سے پہلے اپنے کو گرتے پایا تو آپ سے آپ "اللہ" کا نام میری زبان سے
نکل گیا: اے اللہ! مجھے بچا"

پیراٹروپر لکھتا ہے کہ میں حیران رہ گیا کہ اللہ کے ہونے پر ایمان کہاں سے آگیا۔

• دوسرا واقعہ اسٹالن کی بیٹی کا سنئے۔ اس نے آپ بیتی میں بتایا ہے کہ اس نے اللہ کے ہونے کو کیسے
مانا۔ وہ لکھتی ہے کہ:-

میں ایسے لوگوں میں پلی بڑھی جو پوری طرح بے دین اور ملحد (ناستک) تھے۔ ان میں کوئی بھی
اللہ کو نہ مانتا تھا۔ میں بھی ایسی ہی تھی۔ پھر جب میں روس سے بھاگی تو ایسے مرحلوں سے گذری کہ
جان کے لالے پڑ گئے۔ بچنے کی کوئی صورت نہ پا کر اچانک ایک بار خدا یاد آگیا۔ میں نے اسی سے
مدد مانگی۔ میں حیران رہ گئی کہ اللہ مجھے آپ سے آپ کیسے یاد آگیا۔

اس طرح بہت سے ملحدوں نے گواہیاں دی ہیں۔ آخر میں سب نے لکھا ہے کہ دراصل
بات یہ ہے کہ ہمارے اندر اللہ اسی طرح موجود ہے جس طرح بھوک لالچ "اچھی چیزوں کی خواہش"
ایک دن آپ سے آپ پردہ اٹھ جاتا ہے۔ دبی چھپی ہوئی یہ بات اسی طرح سامنے آجاتی ہے جس طرح
چیز دیکھ کر اس کے پانے کی خواہش۔

اسلام میں کافر کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اس حقیقت کو چھپاتا ہے۔ کُفر کے معنی ہیں چھپانا اور
کے معنی ہیں چھپانے والا۔

رابعہ بصری کی دلیل :- رابعہ بصریؒ ایک مشہور عالمہ اور عبادت گزار خاتون ہوئی ہیں۔ وہ آ

اللہ پر ایمان لانے کی شرطیں

(۱) اللہ ہے (۲) اللہ ہی خالق ہے (۳) اللہ ہی مالک ہے (۴) اللہ ہی عبادت کے لائق ہے

ان چاروں شرطوں میں سے اگر کسی ایک شرط کو نہ مانا جائے تو اسلام کی رو سے اللہ پر ایمان لانا ٹھیک نہ ہوگا۔ اس لیے ہم یہ چاروں شرطیں صاف صاف نہایت آسان طریقے سے بیان کرتے ہیں تاکہ ہر شخص سمجھ لے۔

(۱) اللہ ہے

اللہ کے ہونے سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اللہ کے نبیوں نے جب بڑے بڑے نمرودوں اور فرعونوں کے سامنے کہا کہ اللہ ہے تو کسی نے انکار نہیں کیا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش مکہ کے سامنے یہی بات پیش کی تو انہوں نے اللہ کے ہونے پر اعتراض نہیں کیا۔ ہاں اگر انکار کیا تو اس پر کہ (۱) تم اللہ کے رسول کس طرح بن بیٹھے اور (۲) یہ کہ اللہ کی زمین پر ہمارا حکم چلنا چاہیے۔

میں نیچے کچھ دلچسپ اور نصیحت بھرے قصے نقل کرتا ہوں۔ ان سے اس بات کو سمجھئے۔ یہ چند دہریوں کی گواہی ہے جو اللہ کے ہونے کو نہیں مانتے تھے۔

• زیادہ دن نہیں ہوئے۔ ابھی کل کی بات ہے۔ پیراشوٹ اور ہوائی جہاز سے اس کے ذریعہ اترنے کی ابتداء ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں پیراشوٹ الٹرڈ [illegible] نامی ایک دہریہ اپنی آپ بیتی لکھتا ہے کہ میں ایسے خاندان میں پلا اور بڑھا تھا جس میں کوئی اللہ کو یاد نہیں کرتا تھا۔ میں نے ان اسکولوں میں

بن سکتی۔ لوہار کے بغیر ایک کیل بھی نہیں بنتی۔ بڑھئی کے بغیر ایک کرسی نہیں بن سکتی۔ باورچی کے بغیر کھانا نہیں بن سکتا۔ تو یہ اتنا عظیم آسمان، سمندر، چھوٹی بڑی چیزیں کسی کے بنائے کیسے بن سکتی ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ ہر شے کا بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں سے لوگ دوسری چیزیں بنا لیتے ہیں لیکن کسی سائنسدان سے کہئے کہ نیم کی ایک پتی بنا کر دکھا دے؟ عاجز، عاجز رہے گا۔ قرآن کیا خوب کہتا ہے۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ۔ (سورہ طور) کیا یہ لوگ کسی خالق کے بغیر پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟"

(۳) اللہ مالک ہے (سب کا رب)

ہم آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں اور مانتے بھی ہیں کہ ہم جو کچھ بناتے ہیں۔ اس کے مالک ہم ہوتے ہیں۔ دوسرا شخص اس پر اپنا حق نہیں جتاتا۔ جب اللہ نے سب کچھ پیدا کیا۔ بنایا۔ تو وہی اس کا مالک ہوا۔ اور ہے! آسمانوں میں جو کچھ ہے۔ وہ سب اسی کا ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے۔ وہ سب بھی اسی کا ہے۔ اللہ مافی السموت والارض۔ یہ بات تو ایک چھوٹا بچہ بھی سمجھتا ہے۔ لیکن کافر اس بات کو چھپاتا ہے۔ کافر کہتا ہے کہ اس زمین پر میں بادشاہ ہوں۔ اس لیے لوگ میری رعیت ہیں۔ میں ان کا مالک ہوں۔ سب میرا حکم مانیں۔ نمرود اسی بات پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے جھگڑا۔ انا ربکم الاعلیٰ فرعون نے موسیٰؑ سے یہی کہا۔ اور آج بھی کافر یہی کہتے ہیں۔ الوٹ دلیلیں کسی کے پاس نہیں۔ اٹوٹ دلیلیں صرف اسلام کے پاس ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا: اللہ کے بس میں موت اور زندگی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو میرے بس میں ہے جس کو چاہوں زندہ رکھوں۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اللہ پورب سے سورج نکالتا ہے اور پچھم میں چھپاتا ہے تو پچھم سے نکال دے۔ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ۔ وہ کافر ہکا بکا رہ گیا

شیطان کو بھی اس سے انکار نہیں کہ رب اور مالک اللہ ہی ہے۔ اس کو تو جلاپا یہ تھا کہ انسان اللہ کا خلیفہ کیوں بنایا گیا جب کہ وہ مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ

زبردست عالمہ تھیں کہ حضرت جنیدؒ اور حضرت شبلیؒ ان سے بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے۔

ایک بار ایک شخص نے حضرت رابعہ بصریؒ کے سامنے بیان کیا کہ فلاں عالم نے اللہ کے ہونے پر ایک ہزار ثبوت دیے ہیں۔ یہ سُن کر رابعہ بصریؒ ہنس پڑیں اور فرمایا کہ جھک ماری اس نے۔ صرف ایک دلیل کافی ہے۔ پوچھا: "وہ کیا؟" فرمایا، "جب تم صحرا میں اکیلے چلے جارہے ہو اور اچانک کسی کنویں میں گر جاؤ اور نکلنے کی کوئی صورت نہ رہے تو تم کیا کرو گے؟" اس نے کہا: "اپنے اللہ کو پکاروں گا" فرمایا بس یہی دلیل کافی ہے۔"

قرآن نے کیا خوب کہا کہ وَفِیٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (ذاریات ۲۱) ثبوت اور نشانیاں خود تمہارے اندر موجود ہیں کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

اسلامی عقیدہ ہے کہ اللہ ہے، ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ اس کو کسی کی ضرورت نہیں۔ سب کو اس کی ضرورت ہے۔ اس کو نہ کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا۔ اس کی برابری کا کوئی ہے ہی نہیں کہ وہ شادی کرے اور اس کے بیٹی بیٹے ہوں۔

(۲) اللہ خالق ہے

اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ سب کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ بنایا ہے۔ اس بات کو جب اللہ کے نبیوں نے پیش کی تو کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ مان لیا۔ قرآن میں اللہ کے خالق ہونے پر جگہ جگہ بحث آئی ہے۔

"اے نبی! ان سے پوچھو، یہ آسمان، یہ زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے۔ یہ چاند اور ستارے یہ سورج اور کہکشاں اور جنود السموات (اللہ کے لشکر جن کو ابھی تک معلوم نہیں کیا جا سکا) یہ ہوا، یہ پانی یہ سبزہ، یہ پھل پھول اور میوے وغیرہ کس نے بنائے؟ یقیناً یہ کہیں گے "اللہ" تو پھر ان سے کہو کہ پھر تم کہاں بھٹکے جارہے ہو۔ (یہ میں نے خلاصہ پیش کیا ہے۔ آپ خود قرآن میں دیکھ لیجیے)

پھر یہ کہ جب تک خالق نہ ہو۔ مخلوق ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کاریگر کے بغیر کوئی چیز نہیں

کیوں جھگڑتے ہیں۔

پردہ اٹھنا تھا کہ عکرمہ دوسرے لمحے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ انھوں نے دل میں کہا کہ اے رب! اگر میں اس طوفان سے بچ گیا تو واپس جا کر تیرے نبی کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا۔ ایسا ہی ہوا۔ وہ واپس گئے اور حضورؐ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اللہ سے وہ راضی رہے۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔

ہم اپنے بچوں کو یہی باتیں سناتے ہیں۔ ہمارے بچے سنتے اور سیکھتے ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ

ہم یہ سنا کر بتاتے ہیں کہ اللہ ہم سب کا رب اور مالک بھی ہے۔ ایک مولا اور حاکم بھی ہے اور اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔ اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اللہ کی عبادت کا طریقہ بتایا اسی طرح اللہ کی عبادت کرنی چاہئے۔ یہی ہمارا ایمان ہے۔ یہی ہمارا اسلام ہے۔

خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ میں اس سے افضل ہوں۔ قرآن میں ہے کہ وہ اللہ سے جھگڑنے لگا تو جو کچھ اس نے کہا اسے رب ہی کہہ کر کہا۔ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ (حجر ۳۹) اے میرے رب! جس طرح تو نے مجھے بہکایا۔ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْ (حجر ۳۶) اے میرے رب مجھے مہلت دے۔

مگر صرف رب رب کہنے سے شیطان لعنت زدہ ہونے سے بچ نہ سکا۔ دراصل اللہ کے ہونے کا اقرار۔ اللہ کو خالق ماننا اور اللہ کو مالک ماننا۔ ان تینوں شرطوں کے ساتھ جب تک چوتھی شرط نہ مانی جائے گی اللہ پر پورا ایمان نہیں ہوسکتا۔ وہ چوتھی شرط ہے۔ اللہ کو معبود ماننا۔

(۴) اللہ ہی معبود ہے

جب ایک شخص سمجھتا ہے کہ اللہ ہے، اللہ خالق ہے۔ اللہ مالک ہے تو پھر عقل کہتی ہے کہ اللہ ہی کی مرضی پر چلا جائے۔ اس کی عبادت اسی طرح کی جائے جیسے اس نے بتایا ہے۔ دنیا میں اسی طرح رہا جائے جس طرح اس نے سکھایا ہے۔ ہر کام اس طرح کیا جائے جس طرح اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کے نبیوں نے یہ چاروں شرطیں پیش کیں تو تین شرطیں سب نے مان لیں لیکن چوتھی شرط "اللہ ہی معبود ہے" پر سب جھگڑے لیکن کافروں کی بات بے وزن اور بے دلیل تھی اور آج بھی ہے اس لیے آج بھی بات اسلام ہی کی بالا ہے۔ ہمیشہ کسی نہ کسی طرح کٹر سے کٹر کافروں کو ماننا ہی پڑا۔ مضمون لمبا ہوتا جاتا ہے اس لیے ایک صرف ایک دلچسپ اور عبرتناک واقعہ لکھتا ہوں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو ابوجہل کے بیٹے عکرمہ بھاگ کر جدہ پہنچے اور جہاز پر سوار ہو کر حبش کی طرف چلے۔ ارادہ تھا کہ کبھی مکہ واپس نہیں لوٹیں گے۔ بیچ سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز بے قابو ہو گیا۔ بچنے کی امید نہ رہی تو سب نے اپنے اپنے بتوں اور خداؤں کو مدد کے لیے پکارا لیکن جب سب سے مایوس ہو گئے تو سب نے طے کیا کہ اب رب الارباب کو پکارنے کے سوا چارہ نہیں۔ یہ فیصلہ سننا تھا کہ عکرمہ کے دل پر جو پردہ پڑا تھا یکدم ہٹ گیا۔ انھوں نے کہا کہ یہی بات تو محمد کہتے ہیں کہ پکارنے کے لائق اللہ ہی ہے۔ سب کچھ اسی کے بس میں ہے۔ کسی اور کے بس میں کچھ نہیں۔ پھر ہم ان سے

وقت کی کئی گردشوں کے بعد اب چندا کتنی ہی بہوؤں کی ساس اور کتنے ہی پوتے پوتیوں کی دادی بن گئی تھیں ایک ہی والدین کے مختلف بچے مختلف فطرتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ گرچہ بچے ماں کی بڑی عزت کرتے تھے اور محبت بھی رکھتے تھے مگر سب اپنے اپنے میں مگن تھے کوئی بیٹا ایسا بھی تھا کہ اگر کبھی چندا پانچ روپے بھی مانگ لیتی تو بیٹا جواب میں کہتا "آپ کو روپے کی کیا ضرورت ہے اماں! روپے لے کر آپ کیا کریں گی" اور کوئی بیٹا ایسا بھی کہتا "ضرورت کے لئے یہ کچھ روپے تو رکھ لیجئے۔ آج آپ کے لئے ایک نیا سوٹ کیس لے آؤنگا۔ سفر میں ٹھیک رہے گا" اور پھر بیوی سے مخاطب ہو کر کہتا "سنو جی! اگلے ماہ تنخواہ ملنے پر یاد دلانا اماں کے لئے نیا پاندان خرید کر لے آؤنگا۔ یہ پاندان پرانا ہو گیا ہے" چندا نہال ہو جاتی۔ مگر اس کو محبت تو اپنی سب اولاد سے برابر کی تھی اب عمر کے اس حصے میں پہنچی تھیں جب عورتوں کو بیٹے بیٹیوں پوتے پوتیوں کو کھلاتے رہنے میں ہی مزا آتا ہے۔
مگر چندا! وہ بھلا بیٹھی کیسے رہتی۔ بچپن سے اب تک تو کام میں مصروف رہنے کی عادت پڑی تھی۔

بیٹے کہتے کہ اماں کام کیوں کرتی ہیں اور بیوی پر بگڑتے کہ اماں کو کام کرنے کیوں دیتی ہو۔ بہو الگ پریشان ان کو کام سے کیسے روکا جائے۔ وہ بھی جواب دیتی "اتنا تو کر سکتی ہوں۔" وہ سنتی کب ہیں ہم لوگوں کی۔ بیٹیاں منع کرتے؟ منع کرنے لگیں تو ہاتھ سے ان کے چھین لیا کرو۔ بہو پریشان ہو کر جواب دیتیں "ان کو بُرا لگ جاتا ہے کہ میں اپنا اختیار چلاتی ہوں۔ آپ ہی چھین کر دکھائیے۔"

اس طرح بہو بیٹے میں زوردار جھڑپ ہو جاتی اور کئی روز تک سرد جنگ باقی رہتی۔ مگر چندا ان سب باتوں سے بے نیاز کام میں لگی رہتی۔ ساٹھ باسٹھ سال کی عمر میں بیوگی کا دکھ تو اٹھانا پڑا۔ گرچہ بہت مختصر عرصے کے لئے ہی سہی۔ اور آج ـــ چندا بیٹوں کے کاندھوں پر سوار اپنی آخری منزل پر رواں دواں ہیں ـــ سب بچوں کو پھلتا پھولتا ہوا دیکھ کر، سب بچوں پر اپنی دعاؤں کی چاندنی کا سایہ ڈال کر ـــ
میں سوچتی ہوں کہ وہ بد قسمت تھیں یا خوش قسمت۔ وہ جو زندگی بھر سہاگن رہیں! ـ جو اپنے سب بچوں کو پھلتا پھولتا دیکھتی رہیں! وہ بد قسمت کیسے ہوئیں؟ وہ چاند اپنی چاندنی سے دوسروں کو منور کرتا ہے مگر اپنے آپ کو نہیں کرتا لیکن چندا کی پھیلائی چاندنی بھی بچوں کے گرد ہالہ بنائے بچوں کی قسمت کو منور کرتی رہی۔

افسانہ

چندا کی پھیلی چاندنی

(سلطانہ جلیل)

وہ ایسی خوبصورت تو نہ تھی مگر ماں باپ کی نظر میں اپنا بچہ ہر حال میں پیارا ہوتا ہے، پیار سے وہ چندا کہنے لگے اور اس طرح نام ہی چندا پڑ گیا۔ قسمت کی ستم ظریفی کہیے کہ ابھی وہ چند سال کی ہی ہوئی تھی کہ باری باری سے ماں باپ دونوں چل بسے یتیم لڑکی گاؤں کے مکھیا کے یہاں پرورش پانے لگی۔ لڑکی مُنتی اور بھولی بھالی تھی مکھیا نے مناسب سمجھا گھر کی بہو ہی بنا کر رکھ لیں چھ سات سال کی عمر میں ہی مکھیا کے بارہ سالہ لڑکے سے بیاہ دی گئی۔ نہ لڑکے کو پتہ چلا کہ کب شادی ہوئی اور نہ چندا کو یاد رہا کیسے شادی ہوئی اور دونوں میں سے کسی کو عرصہ تک یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ دونوں دولہا دلہن بھی ہو چکے ہیں۔

دونوں جوان ہوئے۔ اب معلوم ہوا کہ ماماؤں کی طرح ہر وقت کام میں مصروف رہنے والی دبلی پتلی سی لڑکی بیوی بن چکی ہے تو شوہر بددل ہو گیا، چندا اُسے ذرا بھی پسند نہ تھی۔ کہاں وہ مکھیا کا لاڈلا بیٹا۔ کہاں یہ دبلی پتلی سی یتیم لڑکی، جو دل یتیمی کے داغ لئے ہوئے تھی ہی، ساتھ میں چہرہ پر چیچک کے داغ سے بھی بھرپور تھی اب اس اتفاق کو کیا کہیے کہ اس بیماری کو بھی گھر بھر میں ایک یہی بے پناہ لڑکی ملی تھی جس پر وار کیا جا سکے۔ لہذا بچپن میں ہی بھرپور وار کر دیا تھا، جس کی یادگار کی طرح انمٹ داغ اس غریب کے سانولے چہرہ کو اور کربناک بنائے ہوئے تھے۔ مگر اگلے وقتوں کی یہ خوبی بھی شوہر میں موجود تھی کہ "اب نکاح ہو چکا ہے تو نباہ بھی کر ہی لینا چاہیے" کا خیال دل میں تھا۔ گرچہ اکثر دل ڈانواں ڈول ہو جاتا اور نکاح ثانی کا خیال آتا مگر پتہ نہیں، چندا کی بے زبانی پر قسمت کو رحم آ رہا یا شوہر کے ہاتھ کی لکیروں میں نکاح ثانی کی کوئی لکیر نہیں تھی۔ جو بھی ہو، وہ دوسری شادی تو نہیں کر سکا مگر کبھی کبھی اپنی زبان کے تیروں کا نشانہ بھی بناتا رہا خدا کی قدرت اور اولاد ہونا شروع ہوئی تو ہوتی چلی گئی۔ یکے بعد دیگرے گیارہ لڑکے ہی لڑکے ہوئے بچے اس کی ممتا کی چھاؤں تلے پرورش پانے لگے۔

اور اچھی پیداوار حاصل کرنی ہے

حاشیہ نمبر ۲۲۷۔ اپنی نسل برقرار رکھنے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمہاری
. دوسرے کام کرنے والے پیدا ہوں جس آنے والی نسل کو تم اپنی جگہ چھوڑنے والے ہو اس کو دین، اخلاق
ہ آدمیت کے جوہروں سے آراستہ کرنے کی کوشش کرو۔ بعد کے فقرے (یعنی اللہ کی ناراضی سے بچو)۔
ں اس بات پر بھی تنبیہہ فرمادی ہے کہ اگر دونوں فرائض کے ادا کرنے میں تم نے قصداً کوتاہی کی تو اللہ تم سے
پرسش کرے گا۔

حالتِ حیض

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۖ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○ (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۲)

پوچھتے ہیں۔ حیض کا کیا حکم ہے۔ کہو، وہ ایک گندگی کی حالت ہے[۲۲۸]۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو۔ اور ان کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں[۲۲۹]۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ، اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے[۲۳۰]۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔

حاشیہ نمبر ۲۲۸، ۲۲۹ حیض کے معنی گندگی کے بھی ہیں اور بیماری کے بھی۔ حیض صرف ایک گندگی ہی نہیں ہے بلکہ طبی حیثیت سے وہ ایک ایسی حالت ہے جس میں عورت تندرستی کی بہ نسبت بیماری سے قریب تر ہوتی ہے۔ اس لئے ان سے الگ رہو اور قریب نہ جاؤ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ

تشریحاتِ مودودی

معاشرے میں عورت کی حیثیت

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تمہیں اختیار ہے، جس طرح چاہو، اپنی کھیتی میں جاؤ[۲۲۳] مگر اپنے مستقبل کی فکر کرو،[۲۲۴] اور اللہ کی ناراضی سے بچو۔ خوب جان لو کہ تمہیں ایک دن اس سے ملنا ہے اور اے نبی! جو تمہاری ہدایت کو مان لیں انہیں فلاح و سعادت کا مژدہ سنا دو۔

مقصد

حاشیہ ۲۲۳: یعنی فطرۃ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے لئے سیرگاہ نہیں بنایا ہے بلکہ ان دونوں درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے۔ کھیت میں کسان محض تفریح کے لئے نہیں جاتا بلکہ اس لئے جاتا ہے کہ اس سے پیداوار حاصل کرے۔ نسلِ انسانی کے کسان کو بھی انسانیت کی اس کھیتی میں اس لئے جانا چاہئے کہ وہ اس سے نسل کی پیداوار حاصل کرے۔ خدا کی شریعت کو اس سے بحث نہیں کہ تم اس کھیت میں کاشت کس طرح کرو البتہ اس کا مطالبہ تم سے یہ ہے کہ جاؤ کھیت ہی میں اور اس غرض کے لئے جاؤ کہ اس سے پیداوار حاصل کرنی ہے۔

اسلامی ریاست میں

عورت کے بنیادی حقوق

ناکردہ جرم

اسلامی ریاست میں کسی عورت کو ناکردہ جرم یا دوسرے کے جرم پر نہیں پکڑا جاسکتا اس
لیے مستقل حکم ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ـــــ (انعام ۱۶۴)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

سے پہلے ہے:۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ـــ اور ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

قرآن کریم میں اس طرح کے اور بھی حکم ہیں۔ ان کی بنا پر ریاست کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی ملزم کے
اس کی ماں، بہن یا کسی اور کو گرفتار کرے۔

کے خلاف آواز اٹھانا

اسلامی ریاست میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق حاصل ہے
جس طرح دوسری قوموں کے مرد اپنی بیویوں کو ذراسی غلطی پر پیٹ دیا کرتے ہیں۔ اس طرح عز
ستے تھے۔ لیکن جب مدینے میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو عورتوں نے اس کے خلاف احتجاج
صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپؐ نے ایسے شوہروں کو تنبیہ کی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کر
کے بعد عورتیں شیر ہوگئیں۔

ایک فرش پر بیٹھنے یا ایک جگہ کھانا کھانے سے بھی احتراز کیا جائے اور اسے بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے جیسا کہ یہود اور ہنود اور بعض دوسری قوموں کا دستور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی جو توضیح فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں صرف فعل مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔

مزید تشریح

سورۂ نساء آیت ۲۸ تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۲۵ میں حاشیہ ۶۱ کے تحت مولانا مودودیؒ یہودیوں کے یہاں کے دستور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہودیوں کے ہاں دستور تھا کہ ایام ماہواری میں عورت کو بالکل پلید سمجھا جاتا تھا۔ نہ اس کا پکایا ہوا کھانا کھاتے، نہ اس کے ہاتھ کا پانی پیتے، نہ اس کے ساتھ ایک فرش پر بیٹھتے، بلکہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھو جانے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ ان چند دنوں میں عورت خود اپنے گھر میں اچھوت بن کر رہ جاتی تھی۔ یہی رواج یہودیوں کے اثر سے مدینے کے انصار میں بھی چل پڑا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا۔ جواب میں وہ آیت آئی جو سورۂ بقرہ رکوع ۲۸ کے آغاز میں درج ہے (یعنی حیض گندگی اور بیماری ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی رو سے حکم دیا کہ ایام ماہواری میں صرف مباشرت ناجائز ہے۔ باقی تمام تعلقات عورتوں کے ساتھ اسی طرح رکھے جائیں جس طرح دوسرے دنوں میں ہوتے ہیں۔"

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ

وہ (عورتیں) تمہارے (تم مردوں کے) لئے لباس ہیں اور تم (مرد) ان کے (عورتوں کے) لئے لباس۔[۱۹۵]

حاشیہ نمبر ۱۹۵ یعنی جس طرح لباس اور جسم کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہ سکتا بلکہ دونوں کا باہمی تعلق و اتصال بالکل غیر منفک ہوتا ہے اسی طرح تمہارا اور تمہاری بیویوں کا تعلق ہے۔

• ایک بار حضرت عمرؓ نے امہات المومنین پر اپنی رائے لادنا چاہی تو حضرت سلمہ رضی نے ڈانٹ دیا: "عمر ہٹو، تم بیچ میں دخل مت دو۔"

یہی وہ حق ہے کہ بادشاہوں کا سرکمزور عورتوں کے سامنے جھک جھک گیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے بھرے دربار میں محمود غزنوی کو ڈانٹا۔ اور محمود غزنوی کو اس کے کہے کے مطابق کام کرنا پڑا تھا۔ اسی طرح ملک شاہ سلجوقی کے گھوڑے کی لگام ایک بوڑھیا نے پکڑ کر خدا کا خوف دلایا اور اسے اسی وقت اسی جگہ انصاف کرنا پڑا۔

واقعہ یوں ہے!

ایک بار ملک شاہ سلجوقی شکار کے لیے گیا۔ ایک جنگل میں پڑاؤ ڈالا۔ جنگل کے قریب ایک گاؤں تھا۔ فوج کے سپاہی گاؤں گئے، اور ایک بوڑھیا کی گائے پکڑ کر لے گئے۔ ذبح کر ڈالا اور کھا گئے۔

بوڑھیا بہت پریشان ہوئی۔ یہی گائے اس کی زندگی کا سہارا تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ بادشاہ فلاں پل پر سے گزرے۔ بوڑھیا پل کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ جیسے ہی بادشاہ کی سواری پل کے پاس پہنچی، بوڑھیا نے لپک کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ پھر بولی! اے بادشاہ! میرا انصاف اس پل پر ہوگا یا اس پل پر؟ (یعنی پل صراط پر)

یہ سنتے ہی ملک شاہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ بولا کہ اسی پل پر انصاف ہوگا۔ اس کے بعد اس نے بوڑھیا کی فریاد سنی۔ سپاہیوں کو سزا دی اور بوڑھیا کو اس کی گائے سے ایک سو گائیں دیں اور معافی چاہی۔

بوڑھیا نے معاف کیا تو سو دینار انعام دیئے۔

اس طرح بوڑھیا کو انصاف بھی ملا اور انعام بھی۔ یہ نتیجہ ہے اس حق کا جو اسلام نے اسے عطا فرمایا تھا۔

• ایک بالغ لڑکی کی شادی اس کے سرپرست نے ایک شخص سے کر دی اس لڑکی نے حضورؐ کے پاس پہنچ کر احتجاج کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تجھے حق ہے کہ نکاح توڑ دے۔ اس نے کہا کہ مجھے منظور ہے میں تو اپنا حق منوانا چاہتی تھی۔

• رائے کی آزادی کا حق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی آزادیٔ رائے کو پروان چڑھاتے تھے اور جب کوئی آزادی کے ساتھ رائے دیتا تھا تو پسند فرماتے تھے۔ آپؐ کے بعد خلفاء کرام رضؓ نے بھی اس حق کو برقرار رکھا۔ اس سلسلے میں بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ سنئے۔

ایک بار حضرت عمر رضؓ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک خاتون ملیں وہ ان پر برس پڑیں۔ بولیں "عمر! تمہارے حال پر افسوس ہے۔ میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم عمیر کہلاتے تھے اور لاٹھی لئے بکریاں چَراتے پھرتے تھے۔ اس کے بعد میں نے تمہارا وہ زمانہ بھی دیکھا جب تم عمر کہلانے لگے۔ اور اب یہ زمانہ دیکھ رہی ہوں کہ امیرالمومنین بنے پھرتے ہو۔ رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور اس بات کو یاد رکھو جو اللہ سے ڈرے گا اور جو آخرت کو قریب سمجھے گا اور جس کو موت کا ڈر ہوگا ہمیشہ اسی فکر میں رہے گا کہ خدا کی دی ہوئی مہلت بیکار نہ جائے۔

حضرت جارود رضؓ حضرت عمر رضؓ کے ساتھ تھے۔ اس تقریر کو سُن کر بولے: "اے بوڑھی عورت! تو نے امیرالمومنین کے ساتھ زیادتی کی۔ حضرت عمر رضؓ نے فوراً حضرت جارود رضؓ کو ٹوکا اور فرمایا "یہ جو کچھ کہنا چاہتی ہیں، کہنے دو۔ ان کو اس سے زیادہ کہنے کا حق ہے۔ تم نہیں جانتے کہ یہ خولہ بنت حکیم ہیں۔ ان کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سنی تو عمر کی کیا ہستی ہے کہ وہ (یعنی عمر) ان کی بات نہ سنے۔

نوٹ: سورۂ مجادلہ میں حضرت خولہ رضؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنا، پھر حضرت خولہ رضؓ کے حق میں اللہ کا حکم آنا سب موجود ہے۔ اسے پڑھ لیا جائے۔

یہ خاتون جنہوں نے اپنے محبوب لختِ جگر کو فخرِ موجودات کی خدمت میں رہنے کا عظیم شرف حاصل کیا اور جن کے جذبۂ اخلاص نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور کیا۔ حضرت امّ سلیمؓ انصاریہ تھیں۔

- ❁ -

حضرت امّ سلیمؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام رملہ یا سہلہ اور بعض کے نزدیک رمیثہ تھا۔ غمیصا اور رمیصا لقب اور امّ سلیم کنیت تھی۔ بعض اہلِ سیر نے ان کی ایک اور کنیت "امّ انس" بھی لکھی ہے، لیکن اس کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت امّ سلیمؓ قبیلہ خزرج کی نہایت معزز شاخ عدی بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

امّ سلیم بنت ملحان بن خالد بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ ماں کا نام ملیکہ (بنت مالک بن عدی) تھا۔ وہ بھی بنو نجار سے تھیں۔

اکثر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت امّ سلیمؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امّ سلیمؓ کو اس لیے حضورؐ کی خالہ کہا جاتا تھا کہ آپ کی پردادی سلمیٰ (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا اور حضرت امّ سلیمؓ سلمیٰ کے بھائی کی پوتی تھیں۔ اسی نسبت سے وہ ان کی بہن امّ حرامؓ حضورؐ کی خالہ مشہور ہوگئی تھیں۔ اگرچہ یہ رشتہ دور کا تھا۔ لیکن سرورِ عالمؐ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت تھی اور آپؐ وقتاً فوقتاً حضرت امّ سلیمؓ کے گھر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امّ سلیمؓ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ میں جب چند سعید الفطرت یثربی حضورؐ کی بیعت سے سعادت اندوز ہوکر مدینہ واپس گئے۔ اور وہاں جاکر اسلام کا چرچا کیا، تو حضرت امّ سلیمؓ نے دینِ حق قبول کرنے میں ایک لمحے کا توقف بھی نہ کیا چنانچہ ان کا شمار انصار کے سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔

حضرت اُمّ سُلیم رضؓ

(طالب ہاشمی)

توحید کی گھٹا گو کے پہ چھا رہی تھی
لیکن زمین مدینے کی مسکرا رہی تھی

اللہ اللہ قدرت کی کرشمہ سازیوں کی شان بھی عجیب ہے۔ ایک طرف قریش مکہ کی حرماں نصیبی دیکھئے کہ رحمت حق ان کے گھر میں نازل ہوئی، لیکن انھوں نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا۔ دوسری طرف تین سو میل دور شہر یثرب کے باشندوں کی خوش بختی دیکھئے کہ مہیب خطرات کے علی الرغم وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے، والہانہ ذوق و شوق کے ساتھ رحمتِ مجسم کا دامن اُن تھام لیا اور آپؐ کے سامنے دیدۂ و دل فرشِ راہ کر دیے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

بعثت کے تیرھویں سال سیّد الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارضِ مکہ کو چھوڑ کر یثرب میں نزولِ اجلال فرمایا، تو دو ہزار سالہ اس قدیم شہر پر تازہ بہار آ گئی۔ وہ یثرب سے "مدینۃ النبی" بن گیا۔ اور اس کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ انوارِ رسالت سے جگمگانے لگے۔ اسی زمانے کا ذکر ہے ایک دن ایک باوقار خاتون دس سال کے ایک کمسن بچے کے ہمراہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں بڑے ادب سے حضورؐ کو سلام کیا اور پھر یوں عرض پیرا ہوئیں:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ میرا فرزند انس ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ یہ آپؐ کی خدمت کیا کرے۔ اس کو اپنے خادموں میں شامل فرما لیں اور اس کے لیے دعا کریں۔"

حضورؐ نے خاتون کے جذبۂ اخلاص کی تحسین فرمائی، بچے کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور پھر ان کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔

اب خدائے واحد کی پرستار اور تم خود ساختہ بتوں کے پجاری، جو کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ بھلا میرا تمہارا میل کیسے ہو سکتے ہیں؟"

یہ باتیں کچھ ایسے دل نشیں انداز میں کہی گئیں کہ ابو طلحہ کے دل میں اتر گئیں۔ کچھ دن غور کرتے رہے اور پھر حضرت ام سلیم رضہ کے پاس آ کر کہا "مجھ پر حق واضح ہو گیا ہے اور اب میں تمہارا دین قبول کرنے کے لئے تیار ہوں"

حضرت ابو طلحہ کی مالی حیثیت اس وقت بہت معمولی تھی لیکن ام سلیم رض کو ان کے اسلام قبول کر لینے سے اتنی خوشی ہوئی کہ بے ساختہ کہا: "فانی تزوجتک ولا آخذ منک صداقا غیرہ": "پھر میں تم سے نکاح کرتی ہوں اور سوائے اسلام کے تم سے مہر نہیں لیتی"۔ اس کے بعد اپنے بیٹے انس رض سے فرمایا: "اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔"

حضرت انس رض نے اپنی والدہ کا نکاح حضرت ابو طلحہ رض سے پڑھا دیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کا نکاح حضرت ابو طلحہ رض سے عجیب و غریب مہر پر ہوا۔ یہ روایت ابن سعد کاتب الواقدی کی ہے۔ حافظ ابن حجر رح نے بھی اصابہ میں سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن بہت سی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رض کے قبولِ اسلام کے وقت حضرت انس رض کی عمر نو برس کے لگ بھگ تھی۔ ایک نابالغ بچے کا نکاح پڑھانا کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے نکاح کسی دوسرے صاحب نے پڑھایا ہو اور حضرت انس رض مجلسِ نکاح میں موجود ہوں۔ واللہ اعلم۔ حضرت ثابت کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی عورت کا مہر ام سلیم رض سے افضل نہیں سنا۔

-:-

قبولِ اسلام کے بعد ابو طلحہ رض اپنے جوشِ ایمان، حبِ رسول اور جذبۂ ایثار کی بدولت بڑے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔ نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے چند ماہ بعد حضرت ابو طلحہ رض کو انصار کے ان بہتر مردانِ حق میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی جو ۱۳ نبوت میں مکہ جا کر رحمتِ عالم

حضرت ام سلیمؓ کی پہلی شادی اپنے ابن عم مالک بن نضر (بن ضمضم بن زید) سے ہوئی۔ ما
بن مالک جن کا شمار اساطین امت میں ہوتا ہے، انہی سے پیدا ہوئے۔ حضرت ام سلیمؓ نے جب
قبول کیا، حضرت انسؓ کا دور طفل تھا۔ ماں نے بیٹے کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہا، وہ ا
کلمہ پڑھاتی تھیں اور شعائر اسلامی سکھاتی تھیں۔ ان کے خاوند مالک بن نضر بدقسمتی سے بدستور ا
آبائی مذہب پر قائم رہے بلکہ حضرت ام سلیمؓ کے قبول اسلام پر بھی بہت خفا ہوئے اور انھیں ا
فرزند انسؓ کو کلمہ پڑھانے سے منع کیا لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو کسی ترغیب و تخویف سے
جاتا۔ حضرت ام سلیمؓ نہایت سختی سے اسلام پر قائم رہیں اور ننھے انسؓ کو بھی اسی رنگ میں رنگتی رہ
یہ ہوا کہ دونوں میاں بیوی میں سخت کشیدگی پیدا ہوگئی۔ مالک بن نضر ناراض ہوکر شام چلے گئے ا
وہیں فوت ہوگئے۔ (ایک روایت کے مطابق کسی دشمن نے انھیں قتل کر ڈالا) یہ بیعت عقبہ کبیر
(سنہ ۱۳ نبوت) سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت ام سلیمؓ اب بیوہ تھیں اور ان کا لاڈلا بچہ یتیم۔ کچھ مدت بعد ہر طرف سے نکاح کے
پیغام آنے لگے۔ لیکن انھوں نے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا کہ جب تک میرا بچہ مجلسوں میں اُ
بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہ ہو جائے، میں کسی سے نکاح نہیں کرسکتی۔

جب حضرت انسؓ نے ذرا ہوش سنبھالا تو ان کے قبیلے کے ایک شخص ابوطلحہ زید بن سہل
نے حضرت ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔

ابوطلحہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے اور لکڑی کے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت
اُم سلیمؓ نے پہلے شوہر سے اس کے شرک کی وجہ سے علیحدگی گوارا کی تھی، اب انھیں یہ کیسے گوارا ہو سکتا
تھا کہ ایک دوسرے مشرک سے نکاح کرلیں، صاف انکار کردیا اور کہا: "میں تو خدائے واحد اور اس
کے سچے رسولؐ پر ایمان لائی ہوں۔ افسوس ہے تم پر کہ جس خدا کو پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے
(یعنی لکڑی کا بت ہے) جو زمین سے اُگا ہے اور اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے۔ میں

ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہم اُون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ زخمیوں کے علاج کا سامان ہے۔ ہم لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتے ہیں۔" حضورؐ نے ان کا جواب سنکر انھیں میدان جنگ میں موجود رہنے کی اجازت دے دی۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور حضرت صفیہؓ بنت حیی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو حضورؐ نے انھیں حضرت اُم سلیمؓ کے سپرد کیا کہ نہلا دھلا کر انھیں دلہن بنائیں کیونکہ جنگ کی صعوبتوں نے حضرت صفیہؓ کو بہت خستہ حال کر دیا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ نے بڑے ذوق وشوق سے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

— ٭ —

۸ ہجری میں فتح مکہ کے چند دن بعد حنین کی خونیں لڑائی پیش آئی۔ حضرت ام سلیم اپنے شوہر ابوطلحہؓ کے ساتھ اس معرکے میں والہانہ ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہوئیں۔ لڑائی کی ابتدا میں بنو ہوازن کے ماہر قدر اندازوں نے مسلمانوں پر اپنی کمین گاہوں سے ایسی شدت سے تیر برسائے کہ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ اس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم گنتی کے چند جاں نثاروں کے ہمراہ میدان جنگ میں کوہِ استقلال بن کر کھڑے تھے اور آپؐ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ٭ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ (میں نبی ہوں اس میں مطلق جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں)

جس جس مسلمان کے کان میں یہ آواز پڑی وہ پلٹ پڑا اور پھر جب حضورؐ کا اشارہ پاکر حضرت عباسؓ نے باآواز بلند مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارا: "اے جماعت انصار! اے اصحاب شجرہ!" تو سب نے جوش اور ولولے کے ساتھ حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے اور کفار پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ خاک نامرادی چاٹنے پر مجبور ہو گئے۔ جس وقت گھمسان کا رن پڑ رہا تھا حضرت ابوطلحہؓ نہایت پامردی کے ساتھ حضورؐ کے دائیں بائیں لڑ رہے تھے اور حضرت ام سلیمؓ ہاتھ میں خنجر لیے شمع نبوت پر قربان ہونے کے

کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور آپؐ کو اس عہد کے ساتھ مدینے تشریف لانے کی دعوت دی کہ وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کریں گے۔ یہ بیعت تاریخ میں بیعت لیلۃ العقبہ، بیعتِ عقبہ ثانیہ اور بیعت عقبہ کبیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت امِّ ان کے شوہر اور فرزند کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ حضورؐ کا ورودِ مدینہ ان کے لیے یومِ عید تھا۔ ہجرت کے ابتدائی ایام میں ہی حضرت امّ سلیمؓ نے اپنے لختِ جگر حضرت انسؓ کو سید المرسلینؐ کی خدمت میں دینے کا شرف حاصل کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ کے ایما پر حضرت ابوطلحہؓ حضرت انسؓ کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ انسؓ کو اپنی غلامی میں لیجیے۔ حضورؐ نے اُن کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔

ہجرت کے چند ماہ بعد رحمتِ عالمؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ (عقدِ مواخات) قائم کرایا، تو حضرت امّ سلیمؓ کے مکان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہاں سید البشرؐ اور تمام مہاجرین و انصار اس مقصدِ عظیم کے لیے جمع ہوئے۔

سنہ ہجری میں حضرت ام سلیمؓ اپنے شوہر حضرت ابوطلحہؓ کے ہمراہ بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ جنگ اُحد میں شریک ہوئیں۔ جب ایک اتفاقیہ غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت ابوطلحہؓ ان چند صحابہ کرام میں سے تھے جو اخیر تک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سینہ سپر رہے۔ اس موقع پر حضرت اُمّ سلیمؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمراہ میدانِ جنگ میں مشک بھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

سنہ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت اُمّ سلیمؓ چند دوسری صحابیات کے ساتھ لشکرِ اسلام کے پیچھے روانہ ہوئیں۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ!

انھیں اور مشکیزے کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ رحمت عالم کے مبارک ہونٹ اس سے مس ہوئے تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ میں اپنے موئے مبارک ترشوائے، تو حضرت ام سلیم رضی نے اپنے شوہر ابوطلحہ رضی سے کہا کہ حجام سے ان بالوں کو مانگ لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ام سلیم رضی نے موئے مبارک ایک شیشی میں خیر و برکت کے لیے اپنے پاس محفوظ کر لیے۔

ابن سعد نے اسی ضمن میں ایک اور واقعہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات حضرت ام سلیم رضی پر کس قدر شفقت فرماتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضورؐ حج کے لئے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو ام سلیم رضی سے فرمایا: "تم حج کے لئے نہ جاؤگی؟" انھوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ میرے شوہر کے پاس صرف دو سواریاں تھیں اور ان دونوں پر وہ اپنے بیٹے کے ساتھ حج کو چلے گئے، میرے پاس اب کوئی سواری نہیں۔"

حضورؐ نے انھیں ازواج مطہرات رضی کے ساتھ سوار کرا دیا اور اپنے ساتھ حج کو لے چلے۔ اثنائے راہ میں آپ کے غلام انجشہ نے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے حدی خوانی شروع کر دی جس سے اونٹ دوڑنے لگے۔ حضورؐ نے دیکھا تو فرمایا: "انجشہ! انجشہ! آہستہ اونٹوں پر شیشے ہیں شیشے۔"

حضرت ابوطلحہ رضی کے صُلب سے حضرت ام سلیم رضی کا ایک فرزند تھا جس کا نام ابوعمیر تھا۔ وہ بڑا پیارا بچہ تھا۔ حضورؐ ام سلیم رضی کے گھر تشریف لاتے تو اس سے پیار محبت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپؐ تشریف لائے تو ابوعمیر کا چہرہ اُترا ہوا پایا۔ آپؐ نے ام سلیم رضی سے پوچھا: "کیا بات ہے۔ آج ابوعمیر کچھ شکستہ سے ہے؟" انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ابوعمیر کی چڑیا (نُغیر) جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا، آج مر گئی ہے۔ اسی لیے وہ غمگین ہے۔"

حضورؐ نے ابوعمیر کو اپنے پاس بلایا اور دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

یا اَبَا عُمَیْرُ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ ۱۰ اے ابوعمیر! تیری نُغیر نے کیا کیا؟

یے کھڑی تھیں۔ لڑائی کا زور کم ہوا تو حضرت ابو طلحہؓ نے حضورؐ کو بتایا کہ ام سلیمؓ خنجر ہاتھ میں لیے کھڑی ہیں۔
حضورؐ نے ام سلیمؓ سے پوچھا: "خنجر کیا کروگی؟"
انھوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کوئی مشرک قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کردوں گی۔"
حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر متبسّم ہو گئے۔
اس کے بعد حضرت ام سلیمؓ نے عرض کی: "یارسول اللہ! مکہ کے جو لوگ آج میدانِ جنگ سے بھاگ گئے ہیں انھیں قتل کردیں۔"
رحمتِ عالمؐ نے فرمایا: "خدا نے خود ان کا انتظام کردیا ہے۔" صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔" اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُحد، خیبر اور حنین کے علاوہ حضرت ام سلیمؓ نے کئی دوسرے غزوات میں بھی حصہ لیا ہوگا۔

-:-

حضرت اُم سلیمؓ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجے کی محبت اور عقیدت تھی۔ حضورؐ بھی ان کی بے حد قدر و منزلت فرماتے تھے۔ ازواجِ مطہراتؓ کے علاوہ عورتوں میں صرف حضرت ام سلیمؓ اور ان کی بہن اُم حرامؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور دوپہر کو وہاں آرام فرماتے تھے۔ اور حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ام سلیمؓ پر رحم آتا ہے کہ اس کے بھائی حرامؓ بن ملحان نے میری حمایت میں شہادت پائی ہے۔ (حضرت حرامؓ سریۂ بئرِ معونہ میں شہید ہوئے تھے) حضورؐ سے حضرت ام سلیمؓ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ جب اُن کے گھر میں استراحت فرماتے، وہ آپؐ کا پسینۂ مبارک اور گرے ہوئے موئے مبارک ایک شیشی میں تبرک کے طور پر جمع کرلیتی تھیں۔ اگر کبھی حضورؐ کو ام سلیمؓ کے گھر نماز کا وقت آجاتا تو آپؐ وہیں نماز چٹائی پر ادا کرلیتے۔ ایک بار سرورِ عالمؐ نے حضرت اُم سلیمؓ کے مشکیزے سے اپنا دہن مبارک لگا کر پانی پیا، وہ

کی خدمت میں کھجوریں اور گھی پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "میں روزے سے ہوں"۔ پھر دیر بعد حضورؐ نے نماز نفل پڑھی اور ام سلیمؓ کے گھرانے کے لیے دعا مانگی۔ حضرت ام سلیمؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے اپنے فرزند انسؓ سے جو حضورؐ کا خدمت گار ہے، بہت محبت ہے۔ اس کے لیے خاص طور پر دعا کیجیے۔"

رحمتِ نبویؐ جوش پر تھی۔ آپؐ نے دستِ دعا اٹھائے اور حضرت انسؓ کے حق میں یوں دعا مانگی: "اے اللہ! اس کو مال دے، اولاد دے اور اس کی عمر میں برکت دے۔"

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ حضرت انسؓ تمام انصار میں سب سے زیادہ متموّل ہو گئے، طویل عمر پائی اور کثیر اولاد ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو طلحہؓ گھر تشریف لائے اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں، کچھ کھانا بھیج دو۔ انھوں نے چند روٹیاں اپنے فرزند انسؓ کو دیں اور کہا اسی وقت جا کر حضورؐ کو کھانا کھلاؤ۔ جب حضرت انسؓ مسجد میں پہنچے تو وہاں حضورؐ کے گرد بہت سے صحابہؓ کا مجمع تھا۔ حضورؐ نے حضرت انسؓ سے پوچھا: "ابو طلحہ نے تمہیں بھیجا ہے؟" عرض کی: "بے شک یا رسول اللہ"

انھوں نے کہا: "جی ہاں"

حضورؐ سب صحابہؓ کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ام سلیمؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو طلحہؓ کو فکر ہوئی کہ اتنے آدمیوں کے لیے کھانا کافی نہ ہوگا۔ حضرت ام سلیمؓ سے کہا: "اب کیا تدبیر کی جائے کہ یہ سارے اصحاب کھانا کھا سکیں" انھوں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: "یہ بات اللہ اور اللہ کا رسول بہتر سمجھتے ہیں"۔ پھر جو تھوڑا بہت کھانا موجود تھا انھوں نے رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے سامنے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ۵ ہجری میں رسولِ کریمؐ نے حضرت زینبؓ بنت جحشؓ سے نکاح

ابوعمیرؓ جواب میں ہنس دیا اور پھر کھیل کود میں مشغول ہو گیا۔ اس وقت سے حضورؐ کا یہ جملہ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

کچھ عرصہ بعد ابوعمیر نے کمسنی ہی میں وفات پائی۔ ابوطلحہؓ اس وقت گھر سے باہر تھے۔ حضرت ام سلیمؓ نے اپنے لاڈلے بچے کی رحلت پر کمال صبر و استقلال سے کام لیا۔ خاموشی سے اس کی میت کو غسل دے کر کفنایا اور ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو منع کر دیا کہ ابوطلحہؓ کے آتے ہی انہیں ابوعمیر کی موت کی المناک خبر نہ دیں۔ رات کو حضرت ابوطلحہؓ گھر آئے۔ ام سلیمؓ نے انہیں کھانا کھلایا۔ جب وہ اطمینان سے بستر پر لیٹے تو ان سے مخاطب ہو کر کہا: "اگر تم کو کوئی چیز مستعار دی جائے اور پھر واپس لے لی جائے تو کیا اس کا واپس لیا جانا تمہیں ناگوار گزرے گا؟" حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا: "ہرگز نہیں۔"

بولیں: "تمہارا لڑکا بھی اللہ کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لی۔ تمہیں اب اس کی طرف سے صبر کرنا چاہیئے۔"

ابوطلحہؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان سے کہا "تم نے پہلے کیوں نہ بتایا؟"

بولیں: "تاکہ تم اطمینان سے کھانا وغیرہ کھا لو۔"

صبح اٹھ کر ابوطلحہؓ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضورؐ نے ام سلیمؓ کے شیوۂ صبر و رضا پر ان کی تحسین فرمائی اور دعا کی، "اللہ تعالیٰ تمہیں (ام سلیمؓ کو) ابوعمیر کا نعم البدل عطا فرمائے۔" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابوطلحہؓ اور ام سلیمؓ کو ایک اور فرزند عطا کیا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ ان کی تربیت حضورؐ ہی کے زیر سایہ ہوئی اور انہیں سے حضرت ابوطلحہؓ کی نسل چلی۔

ایک مرتبہ رحمتِ عالمؐ حضرت ام سلیمؓ کے گھر تشریف لائے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (

کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت انسؓ کو گھر بھیج دیا۔ چونکہ کام میں مصروفیت کی وجہ سے انھیں بہت دیر ہوگئی تھی، اُمّ سلیمؓ نے پوچھا، آج اتنی دیر کیوں لگائی۔ انھوں نے کہا، حضورؐ کے ایک کام کے لیے گیا تھا۔" انھوں نے پوچھا" کیا کام تھا؟" انھوں نے جواب دیا کہ ایک پوشیدہ بات تھی۔ حضرت ام سلیمؓ نے ان کو تاکید کی کہ اس کو کسی سے نہ کہنا۔ چنانچہ انھوں نے اس کو کسی پر ظاہر نہ کیا

ـ ـ ـ ـ ـ

حضرت اُمّ سلیمؓ کے سالِ وفات کے بارے میں ارباب سیر نے تصریح نہیں کی۔ قیاس یہ ہے کہ انھوں نے صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ انھوں نے اپنے پیچھے دو فرزند چھوڑے حضرت انسؓ جو پہلے خاوند مالک سے تھے۔ اور حضرت عبداللہؓ جو حضرت ابو طلحہؓ سے تھے۔

حضرت اُمّ سلیمؓ سے حضرت انسؓ، عبداللہ بن عباسؓ، زیدؓ بن ثابت اور عمرو بن عاص نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔ لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

كَانَتْ مِنْ عُقَلَاءِ النِّسَاءِ (وہ عاقل خواتین میں سے تھیں)

حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے، اللہ میری ماں کو جزائے خیر دے، انھوں نے بڑی خوبی سے میری پرورش اور تربیت کی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تمثیلی پیرایہ میں فرمایا: "میں جنت میں گیا تو مجھے کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ میں نے پوچھا، کون ہے، تو لوگوں نے کہا، انس کی والدہ رمیصاء بنت ملحان ہیں۔"

گویا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ سلیمؓ کو خود جنت کی بشارت دی۔"

تو حضرت اُم سلیمؓ نے ایک بڑے برتن میں مالیدہ بنا کر حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس حقیر ہدیے کو قبول فرمالیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص بحالِ پریشان سرورِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے طعام کا سوال کیا۔ حضورؐ نے ازواجِ مطہرات سے پوچھ بھیجا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے۔ سب طرف سے جواب آیا کہ آج فاقہ ہے۔ اب حضورؐ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: "کوئی ہے جو اس اللہ کے بندے کو اپنا مہمان بنائے" حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابو طلحہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: "یارسول اللہ! اس کو میں اپنا مہمان بناؤں گا" یہ کہہ کر فوراً گھر آئے اور حضرت اُم سلیمؓ سے پوچھا: "کھانے کے لئے کچھ ہے؟" انھوں نے کہا: "بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے، اس کے سوا خدا کی قسم! گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں" حضرت ابو طلحہؓ نے کہا: "کوئی مضائقہ نہیں، بچوں کو بہلا کر سُلا دو ___ وہ سوجائیں تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے۔ تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے اُٹھ کر اُسے بجھا دینا۔ اندھیرے میں مہمان کھانا کھالے گا اور ہم بھی یوں ہی منھ چلاتے رہیں گے" بہ غرض اس طرح مہمان کو کھانا کھلا کر دونوں میاں بیوی اور بچوں نے رات فاقے سے گزار دی۔ صبح کو حضرت ابو طلحہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زبانِ رسالت پر یہ آیت جاری تھی۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

(وہ لوگ اپنے اُوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی ہو)

پھر آپؐ نے ابو طلحہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "رات کو مہمان کے ساتھ تم لوگوں کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا"

ایک دفعہ رسولِ اکرمؐ نے حضرت انسؓ کو کسی خاص کام کے لیے کہیں بھیجا اور خود ایک دیوار کے سایے میں انتظار فرماتے رہے۔ حضرت انسؓ واپس آئے تو حضورؐ اپنے کاشانۂ اقدس

ہڈیوں تک میں محسوس کی جاتی ہے۔ درد کے ساتھ ساتھ مریض کو بخار آجاتا ہے جو بار بار چڑھتا اور اترتا رہتا ہے۔ بخار کی شدت سے مریض بکواس کرنے اور ڈرنے لگتا ہے۔ اس بیماری کی ایک خاص علامت ہوتی ہے ناک اور حلق سے گاڑھا چپلا بدبودار (Discharge) رطوبت خارج ہونا۔ حتیٰ کہ آپ مریض کی آنکھوں تک سے پانی جیسا مادہ نکلتا دیکھیں گے۔ کبھی کبھی ناک پھیپھڑے یا رحم سے خون بھی آجاتا ہے۔

اگر انفلوئنزا کے ساتھ Pneumonia یا Bronchitis کے complications بھی ہیں تو مریض کو تر یا خشک کسی بھی طرح کی کھانسی ہوسکتی ہے۔ مختلف قسم کا بلغم (Expectoration) پتلا گاڑھا سفید یا پیلے رنگ کا یا سرخی مائل یا خالص خون بھی منہ کے ذریعہ آسکتا ہے۔ اس بیماری میں پھیپھڑے (LUNGS) یا دل (HEART) فیل ہوجانے سے مریض دوسری دنیا میں منتقل ہوجاتا ہے۔

TREATMENT (علاج) مریض کو مکمل آرام کرنا چاہیئے۔ اور ہلکی پھلکی غذا استعمال کرنا چاہیئے۔ ایلوپیتھک میں Analgesic دوائیں استعمال کرنا چاہیئے۔ ساتھ میں Antibiotics کے استعمال کے لئے sputum کے ذریعہ بلغم ٹیسٹ کرنا چاہیئے۔

ہومیوپیتھک میں آرسنک البم، جیلسیمیم، یوپیٹوریم پرف، فیرم فاس، برائی، ونیا، رس ٹکس، کالی بائی کرم وغیرہ دوائیں علامات کے مطابق استعمال کرائی جاسکتے ہیں۔

انوریلا

انفلوئنزا

(INFLUENZA)

انفلوئنزا جس کا دوسرا نام فلو (FLU) بھی ہے ایک VIRUS سے پھیلنے والی بیماری ہے جس میں تیزی کے ساتھ تقریباً تمام اجزا میں شدت کا درد اور بخار ہوتا ہے۔

یہ بیماری EPEDEMIC اور PENDEMIC ہے یعنی یہ کسی علاقہ کے بیشتر افراد اور کسی ایک یا مختلف ملک میں ایک ساتھ پھیل سکتی ہے۔

لفظ INFLUENZA دنیا میں سب سے پہلے ۱۷۴۳ء میں انگلینڈ کے JOHN HUXHAM نے ایجاد کیا۔ انفلوئنزا INFLUSSO سے بنا ہے جو اٹالین لفظ ہے INFLUXIO سے لیا گیا ہے جس کو انگریزی میں CATARRH اور اردو میں ایک طرح کا زکام تصور کر سکتے ہیں۔ یورپ میں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۹۰ء تک پانچ بار EPEDEMIC شکل میں پھیل چکا ہے۔ اور اس کا سب سے خطرناک روپ ۱۹۱۹ء میں دیکھنے میں آیا جب کہ یہ تقریباً تمام دنیا میں ایک ساتھ پھیل گیا جس سے ۲۰ ملین تک اموات واقع ہوئی تھیں۔

ETIOLOGY (بیماری کا سبب) یہ:

انفلوئنزا گروپ کے VIRUS سے پھیلتی ہے جو کی تین قسم ہوتی ہیں A، B VIRUS اور C۔ یہ وائرس سانس کی نلی (Respiratory Tract) کے ذریعہ انسان کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور اپنے مضر اثرات بڑی تیزی سے ظاہر کرنے لگتے ہیں۔

SYMPTOMS (علامات):۔ انفلوئنزا ایک روز سے دس روز تک اپنا اثر دکھا سکتا ہے اس کا حملہ ہونے پر مریض سب سے پہلے ٹھنڈ محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد MUSCLES اعضاء میں درد محسوس کیا جاتا ہے۔ اس درد کی شدت

کے وارد ہوئیں تو بیگم کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیونکہ ان کے ساتھ نہ صرف پون درجن بچے، بلکہ ایک بھینس، ایک شٹریا، چار بکریاں ان کے آٹھ بچے، چودہ مرغیاں اور ایک کتا تھا۔ اس لاوا شاک (Lava Stock) کے علاوہ ڈیڈ اسٹاک (Dead Stock) کی اشیاء میں چھ پلنگ، دو درجن صندوق، نصف درجن کرسیاں، نصف درجن بستر باقی کھانے پکانے کے برتن وغیرہ گھر میں پھیلا کر جب ان کی بیوی صاحبہ آرام سے سو گئیں اور بچوں نے اپنی شرارتیں شروع کر دیں تو ہم دونوں کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ یہاں تک تو غنیمت تھا لیکن دوسرے روز ہمیں توقع تھی کہ سلیمان صاحب مکان کی تلاش شروع کر دیں گے لیکن وہ سیدھے دفتر گئے اور شام کے وقت لوٹ کر کچھ اس طرح گھر کے دوسرے کاروبار میں مصروف ہو گئے جیسے انہیں مکان کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تیسرے دن ہم نے یاد دلایا کہ کوئی مکان تلاش کر لیں تو جواب ملا — آپ ہی کوئی اچھا سا مکان تلاش کر دیجئے — کیونکہ آپ یہاں کافی عرصہ سے مقیم ہیں، مقام اور مقامی لوگوں سے آپ واقف ہیں۔ ...

سے واقف ہوں — اب ہم یہ محسوس کرنے لگے کہ مکان کی غرض انہیں نہیں بلکہ ہم کو ہے۔ بیگم بھی دو دن کے عرصہ میں آدھی سے زیادہ گھل گئی تھیں، ہم سے کہا کرنے لگیں جس طرح ہو سکے فوراً ایک مکان آپ ہی ڈھونڈ ڈالئے ورنہ میرا اور آپ کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ہم نے بھی اپنی آنکھوں سے ان دنوں میں جو دیکھا اگر اس کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو ان کے آنے سے ایک روز قبل ہی بچوں کو لے کر کہیں فرار ہو جاتے اور جب معلوم ہوتا کہ انہوں نے اپنی رہائش کا انتظام کر لیا، اس وقت لوٹتے — لیکن ایسے خیالات اب بعد از وقت تھے۔

ان دو دنوں میں ہم پر جو گذری اس کا اندازہ آپ ذیل کے چند چھوٹے موٹے مگر اہم واقعات سے لگا لیں۔

سب سے پہلے ان کے کتے صاحب نے جن کا نام "ٹامی" تھا دروازے پر قبضہ جما لیا تھا۔ ہماری اور ہمارے بچوں کی آتے جاتے ہلکی سی مزاج پرسی کر لیتے۔ ہم تو پچکار لیتے لیکن بچے
[illegible]

قدم حضور کے آئے

جب ہم اپنے خالزاد بھائی صاحب کا خط لیکر پہنچے تو بیگم نے جو اکثر اپنے میکے سے مسلسل آنے والے خطوط کے انتظار میں رہتی تھیں مسکراتے ہوئے پوچھا — "کس کا خط ہے؟" ہم نے کہا "نسیم صدیقی کا —" جواب سے مایوس ہوکر وہ باورچی خانہ کی طرف جانے لگیں۔ ہم نے کہا — "سننا آپ کے لئے ایک خوش خبری ہے۔" وہ لوٹیں اور پوچھا — "کیا لکھا ہے؟ بہت دنوں کے بعد ہم یاد آئے ہیں" ہم نے کہا "لکھا ہے کہ ان کا تبادلہ یہیں ہوگیا ہے اور وہ پرسوں آرہے ہیں —" یہ سنتے ہی ان کا چہرہ یک دم اتر گیا اور خالی خالی آنکھوں سے دیکھ کر پوچھنے لگیں "کیا ہمارے یہاں آرہے ہیں —؟" ہم نے کہا۔ "ہاں —" تو سر پکڑ کر صحن میں ہی اس طرح بیٹھ گئیں جیسے پاؤں کی طاقت یکایک سلب ہوگئی ہو اور سر چکرا گیا ہو — پھر دل اس طرح تھام لیا جیسے اس کی حرکت بند ہونے سے روک رہی ہوں۔ اس معمولی سی خبر سے ان کی یہ حالت کیوں ہوگئی۔ اس کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا پڑے گا۔

جب ہم عادل آباد میں تھے تو ہم نے ایک خوش وضع مکان مناسب کرایہ پر لے لیا تھا۔ تین سال اس مکان میں آرام سے گذرے تھے کہ ایک روز بیگم کی ایک چچازاد بہن کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ ان کا تبادلہ عادل آباد کو ہوا ہے اور وہ ایک ہفتہ کے اندر آرہے ہیں۔ اس عرصے میں کسی کرایہ کے مکان کا بندوبست کیا جائے اس پر یہ بہت خوش ہوئی تھیں اور جواب لکھوایا تھا کہ سیدھے ہمارے مکان پر آجائیں کوئی تکلف نہ کریں۔ مکان وغیرہ بعد میں تلاش کرلیا جائے گا اور جب وہ معہ اہل وعیال اور سازوسامان

پہلے دن جب ہم مکان کی تلاش میں نکلے اور ایک مکان
ے خالی ہونے کی اطلاع پر وہاں پہنچے تو معلوم ہوا
اس مکان کے نصف حصے میں مالک مکان ہے
صف حصہ کرایہ پر دیے جانے کے لئے خالی ہے
ہمیں پسند نہ آیا۔ دوسرے مکان کو جاکر دیکھا تو
کسی گوشے سے بھی وہ مکان نظر نہ آیا بلکہ ایک
ازہ میں دو کھوکھے کھڑے تھے جن کے دروازے
ی بند ہو سکتے تھے۔ تیسرے مکان کے مالک
ہی گئے ہوئے تھے۔ ان کے آنے کے بعد بات
یت ہوگی۔۔۔ چوتھے مکان کے مالک تین میل
فاصلے پر رہتے تھے۔ بہ ہزار دقت جب ان
ے ملنے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ مکان ہی کی طرف
ا کی مرمت کی غرض سے گئے ہیں۔ جب مکان
طرف پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ اس مکان پر آکر
ہی منٹ پہلے اپنے گھر گئے ہیں۔ لہذا پھر ان
گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ مکان کی مرمت
لے اینٹ خریدنے گئے ہیں۔ جب اینٹ
دوکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ چونا لینے کے
ایک میل دور گئے ہیں۔ وہاں پہنچے تو پتہ چلا
بن مکان کی مرمت کروانا ہے اس مکان کی
طرف گئے ہیں۔ مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ
سامان رکھ کر وہ گھر گئے ہیں۔ اس دوران میں
نہ صرف شام ہوگئی بلکہ دوڑ دھوپ بھی اتنی ہوئی
تھی کہ آرام کی ضرورت محسوس ہونے لگی دوپہر
میں کچھ کھایا بھی نہ تھا لہذا سیدھے اپنے گھر
پہنچے۔۔۔ بیگم ہماری آمد کی خبر سنتے ہی دروازہ
تک استقبال کو آگئیں اور بیتابانہ پوچھا۔۔۔
"کوئی مکان ملا۔۔۔؟" ہم نے اپنی پوری
خستہ حالی کے ساتھ جواب دیا "نہیں" ۔۔۔
تو وہ اس طرح رنجیدہ اور ملول ہوکر بیٹھیں
جیسے ہم نے کسی منحوس خبر کا ٹیلی گرام ان کے
ہاتھ میں دے دیا ہو۔۔۔

دوسرے دن علی الصباح بائیسکل لے کر
پیران حضرت کی تلاش میں سیدھے ان کے
گھر پہنچے جو یوم گذشتہ باوجود تلاش بسیار کے
ہاتھ نہ آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ سو رہے ہیں
وہ روزانہ نو بجے تک سوتے ہیں اس لئے کہ
فجر کی نماز تک وہ برج کھیلتے ہیں۔۔۔ ان کے
کئی مکانات اور آراضیات ہیں۔ دن بھر وہ
آراضیات کے جھگڑوں میں عدالت اور تحصیل

رونے لگتے۔ ہمارے تیسرے صاحبزادے ذرا تندمزاج واقع ہوئے ہیں۔ انھوں نے تو ایک تھپڑ ہی جڑ دیا ماسی صاحب کے ۔ جس پر ماسی صاحب نے غصہ میں آکر ان کے کُرتے کا دامن علیحدہ کرکے پھینک دیا۔ پھر جب یہ مسئلہ بچے کی ماں اور کُتّے کی مالکن میں نزاعی شکل اختیار کرگیا تو کُتّے کی مالکن نے کُتّے کی طرف سے پُرزور وکالت کی اور اپنی چرب زبانی سے بچے کی ماں کو قائل ہونے پر مجبور کردیا کہ قصور بچے کا ہے نہ کہ کُتّے کا۔

صحن کچھ زیادہ کشادہ نہ تھا۔ پورے کا پورا صحن بھینس اس کی ثریا، بکریوں معہ ان کے بچوں اور مرغیوں کا بیت الخلا بن گیا بلکہ مرغیوں کے لیے تو گھر کا ہر حصہ بیت الخلا تھا۔ ذرا غفلت ہوئی اور بیگم کی نماز کی چوکی پر ایک مرغی صاحبہ نے فراغت پائی۔ مرغ صاحب نے تو کسی کی غفلت کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ بیگم ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں اور انھوں نے سامنے کھڑے ہوکر پہلے تو پر جھاڑے پھر ایک زوردار بانگ دے دی۔ اس کے بعد وہ ہوا ئیں ضروری سے فراغت پانے کے امکانات پر غور کررہے تھے کہ بیگم نے نماز توڑ دی اور چیخ چلاتے ہوئے بچوں تک کو گھر کے باہر کرکے صحن کا دروازہ بند کرلیا اور نماز پڑھ لی۔ اس کے علاوہ سلیمان صاحب کے اور ہمارے برخورداروں میں چھوٹی موٹی جھڑپیں شروع ہوگئیں۔ بیگم کی بہن صاحبہ اپنے بچوں کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ کوئی قصور ہی نہیں کرتے ۔ قصوروار ہمارے ہی بچے ہیں۔ باورچی خانہ میں جب وہ داخل ہوتیں تو ان کا پورا پکوان ختم ہونے کے بعد بچے بڑے کھانے سے فارغ ہوجاتے اور سلیمان صاحب جب دفتر چلے جاتے تو باورچی خانہ کا جائزہ دیا جاتا ۔ اور اجازت دی جاتی کہ ہم اب اپنے پکوان کرسکتے ہیں۔ ہمارے بچے بھوک سے چلّانے لگتے تو ریمارک پاس ہوتا کہ بڑے بےصبر بچے ہیں۔ حالانکہ جو بچے آٹھ بجے کے اندر کھانے سے فارغ ہوتے تھے وہ دس بجے تک بھوکے رہتے۔

ان تمام واقعات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم کو خود مکان کی تلاش کرنی پڑی۔ ایک دن کی رخصت لے لی اور جب معلوم ہوا کہ اس کے لیے ایک دن بالکل ناکافی ہے تو ہم نے ایک ہفتے کی رخصت حاصل کرلی اور مکان تلاش کرنے لگے

رہے ہیں آپ ؟"

مکان مجھے نہیں چاہئے بلکہ میرے ایک عزیز ہیں جو محکمہ زراعت کے مددگار ہیں اور ان کا حال ہی میں اس ضلع میں تبادلہ ہوا ہے چنانچہ ان کو مکان کی ضرورت ہے۔

تو پھر آپ ان صاحب کو ساتھ لے آئیے کیونکہ جب تک میں خود کرایہ دار صاحب کو نہیں دیکھتا اس وقت تک مکان کا تصفیہ نہیں ہوسکتا۔"

گھر آکر جب ہم نے سلیمان صاحب سے کہا کہ وہ دوسرے روز ساتھ چلیں تو انھوں نے کہا کہ وہ کسی ایسے بے ہودہ شخص کے مکان میں نہیں رہنا چاہتے جو کرایہ دار کا شجرۂ نسب اور پورے خاندانی حالات کی جانچ کرتا ہے۔ بھلا اس کو مکان کرایہ پر دینا ہے یا اپنی لڑکی بیاہنا ہے۔"

اس کے بعد ہم نے کافی تلاش و جستجو کے بعد ایک مکان ڈھونڈھ نکالا جو ہمیں پسند آیا بڑی منت و خوشامد کے بعد شام کو سلیمان صاحب دفتر سے آنے کے بعد اگرچہ بہت تھکے ہوئے تھے لیکن ہمارے ساتھ مکان دیکھنے کے لئے ازراہ مہربانی چلنے پر راضی ہو گئے۔ مکان دیکھ کر جب لوٹے تو ان کی بیگم صاحبہ نے کہا کہ وہ خود بھی دیکھیں گی کیونکہ سلیمان صاحب کو مکان پسند کرنے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا۔ لہذا ان کو بھی بہ ہزار دقت اسی شب مکان دیکھنے پر راضی کرنا پڑا کیونکہ ان کے سر میں درد تھا۔ جب لوٹیں تو انھوں نے کہا کہ مکان کئی دن سے خالی پڑا ہے انھیں شک ہے کہ اس میں کوئی بلا ہے۔ یہ سنکر بیگم نے ہم سے علیحدگی میں آہستہ سے کہا "ان سے بڑھ کر کونسی بلا ہے جس گھر میں یہ بلا جائے گی اس گھر کی ساری بلائیں وہاں سے بھاگ جائیں گی" کان اتنے تیز تھے کہ ان کی بہن صاحبہ نے سن لیا اس کے بعد ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ وہ معہ شوہر اور بچوں کے اسی وقت کسی درخت کے نیچے جاکر ٹھہر جائیں گی مگر اب ایک منٹ کے لئے بھی یہاں نہ رہیں گی ۔۔ اس پر سلیمان صاحب نے دبی زبان سے تجویز پیش کی کہ درخت کے بجائے اس بلا والے مکان ہی میں چلے چلیں لیکن سلیمان صاحب

میں دکانوں کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔ اس سے کچھ
فرصت ملتی ہے تو کرائے وصول کرنے اور مکانات
کی مرمت کرانے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ اس
لئے کہ وہ جیسے ہی مکان کی تعمیر ختم کرتے ہیں اس
کی مرمت کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہر سال اس کا
سلسلہ جاری رہتا ہے۔ نو بجے تک جب ہم ٹھہرے
تو وہ برآمد ہوئے اور کہا کہ گیارہ بجے ہم اس
مکان پر حاضر ہیں جو کرایہ پر دیا جانے والا ہے۔
گیارہ بجے جب ہم اس مکان پر پہنچے تو بارہ کے
بعد وہ صاحب آئے اور بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ
معافی چاہی کیونکہ آنے میں "ذرا" دیر ہوگئی تھی۔
— ہم نے بڑی فراخدلی کے ساتھ معاف کر دیا ہم
اس انتظار میں تھے کہ وہ بند مکان کا تالا کھول کر
ہمیں مکان دکھائیں گے لیکن انھوں نے ایک
خاص انداز وکیلانہ میں ہم پر جرح شروع کردی۔

"جناب کا اسم گرامی — ؟"

"جی، ناچیز کو سید معین الدین خاں کہتے ہیں۔"

"تو آپ بیک وقت سید بھی ہیں اور پٹھان
بھی — ؟"

یہ سوال ہمیں بہت ناگوار گذرا — لیکن
ہم نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"سید تو میں خاندانی ہوں اور "خان" اس
لحاظ سے نام کے ساتھ آتا ہے کہ ہمارے دادا
حضرت سید بشیرالدین صاحب قبلہ کو برٹش
گورنمنٹ کی جانب سے "خانصاحب" کا خطاب
ملا تھا جس کی وجہ سے وہ خانصاحب سید
بشیرالدین خاں کہلائے جانے لگے اور اب
اعزازاً یہ لفظ ہمارے ناموں میں بھی شریک
ہوگیا ہے۔ اس جواب سے غالباً وہ ہماری
خاندانی نجابت سے مطمئن ہوگئے — پھر پوچھا

— کیا کام کرتے ہیں آپ ؟"

"جی میں کوآپریٹیو انشورنس سوسائٹی کا
انسپکٹر ہوں۔"

"یہ تو کوئی سرکاری ملازمت نہیں ہے"

"جی نہیں —"

انھوں نے کچھ سوچنے کے بعد کہا —

— آپ کو یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ گذرا — ؟

"میں یہاں تین سال سے ہوں۔"

"تین سال سے — ؟ — تو پھر آپ غالباً
مکان تبدیل کر رہے ہیں۔ وہ مکان کیوں چھوڑ

رسول اللہ صلعم نے فرمایا

• وہ شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جو خود تو سیر ہو کر کھائے لیکن اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

• اپنے کو مظلوم کی بددعا سے بچاؤ اس لئے کہ وہ خدا سے صرف اپنا حق مانگتا ہے اور خدا حقدار کو اپنا حق مانگنے سے نہیں روکتا۔ (یعنی اسے اس کا حق ضرور دیتا ہے)

• نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس امر کو بُرا سمجھے کہ لوگ اس سے واقف ہو جائیں گے۔

• حیا ایمان کی شاخ ہے۔ • امانت سے رزق بڑھتا ہے خیانت سے افلاس لازم آتا ہے۔

• جو شخص جھوٹی قسم کھائے اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

• تم میں سے اچھے لوگ وہی ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔

• جو شخص جائز طریقے سے روپیہ کما کر اس لئے پس انداز کرے کہ کسی سے سوال کرنے سے بچے اور اپنے بال بچوں اور ہمسایوں پر خرچ کرے وہ قیامت کے دن خدا سے یوں ملے گا کہ اس کا چہرہ ماہ کامل کی طرح روشن ہوگا۔

• حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اہل ایمان! ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب کہ طاغوتی قوتیں تمہیں مٹا ڈالنے کے لئے اس طرح جمع ہو جائیں گی جس طرح دسترخوان کے گرد کھانے والا جمع ہو جاتے ہیں۔" ایک صحابی نے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے مگر تمہاری حیثیت گھاس کے ان تنکوں سے زیادہ نہ ہوگی جنہیں سیلِ رواں بہالے جاتا ہے!

یہ کہہ کر جھڑک دیا گیا کہ اس وقت وہ مذاق برداشت نہیں کر سکتیں۔ قریب تھا کہ وہ گھر سے نکل پڑیں کہ ہم نے بڑی عاجزی کے ساتھ بیگم کی جانب سے معافی مانگی لیکن معافی اس وقت ملی جب کہ بیگم نے بھی انتہائی ادب کے ساتھ معافی مانگ لی۔ غرض اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے ہی روز انھوں نے سامان باندھا۔ اگرچہ بلاوا لا مکان پسند نہ تھا لیکن فی الحال اس میں منتقل ہونا گوارا کر لیا اس طرح ہمیں ایک زبردست پریشانی سے نجات ملی

آج پھر ایک ایسی اطلاع پاکر بیگم پریشان تھیں۔ ہم نے کہا کہ پریشانی کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کا حل جانتے ہیں۔ چنانچہ دوسری صبح ایک ہفتہ کے لیے حیدرآباد روانہ ہوگئے۔ جاتے وقت ہم نے دروازہ کو تالا لگا کر نہایت ہوشیاری کے ساتھ ان کا کارڈ دروازے کی دراز میں سے ڈال دیا اور جب نعیم صدیقی صاحب مختصر سی پریشانی کے بعد ایک کرایہ کے مکان میں مقیم ہوگئے تو ہم آہستہ سے آکر اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور انھیں بتایا کہ ان کا خط ہمیں آنے کے بعد دروازے ہی میں پڑا ہوا ملا۔ ورنہ ہم اپنا جانا ملتوی کر دیتے۔ اس طرح ہم نے سانپ بھی مار لیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے دی ○

غزل

(شائستہ شمیم)

میرا کام کیوں ہو فکرِ غم روزگار کرنا
میرا کام ہے خدا پہ دل و جاں نثار کرنا

میں جلا کے اپنے گھر کو ابھی ساتھ آملوں گی
مجھے دیر ہو اگر تو مرا انتظار کرنا

میرا ایک جرم حق کے سوا اور جرم کیا ہے
ذرا سوچ کر سمجھ کر مجھے سنگسار کرنا

میں کہاں چکا سکوں گی ترے اس کرم کا بدلہ
مجھے دے کے بد دعائیں نہ ذلیل و خوار

ترے سر پہ جو بھی گزرے تری جان بلا سے جائے
جو روش تھی اہل حق کی وہی اختیار کرنا

میرے پاس اور کیا ہے سوا چند آنسوؤں کے
کبھی ہاتھ مت بڑھا کر مجھے شرمسار کرنا

میرے پیچھے آرہے ہیں کئی اور قافلے بھی
یہ زمیں نہ میرے خوں سے ابھی لالہ زار کرنا

سورۂ اعراف (۱۸۸) میں ہے :۔

"اے محمدؐ! ان سے کہو، میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے سمیٹ لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو اللہ سے ڈرنے والا اور ان لوگوں کو خوشخبری سنانے والا ہوں جو میری بات مانیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح کی بہت سی آیتوں سے انسانوں کو خبردار کیا ہے کہ رسولوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریمؐ نے بھی بار بار یہی بات سمجھائی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت فرما کر جب مدینے پہنچے تو لڑکیاں آپ کے استقبال اور سواگت میں خوشی کے گیت گا رہی تھیں۔ ایک شعر میں یہ تھا کہ ہمارے درمیان وہ نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔ آپ نے سنا تو فرمایا، یہ نہیں، وہ گاؤ جو گا رہی تھیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ انسان کی شکل میں تشریف لائے اور حضورؐ سے ایمان اسلام تقویٰ، احسان کے بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے جواب دیا پھر جب حضرت جبرئیلؑ نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ بات میں بھی نہیں جانتا۔

غیب کی باتیں وہ ہیں جو کوئی نہیں جانتا۔ نہ دیکھ سکتا ہے۔ نہ محسوس کر سکتا ہے۔ جیسے اللہ، عرش فرشتے، جنت، دوزخ قیامت کب ہوگی۔ وغیرہ۔ غیب کی باتوں میں سے جو کچھ اللہ نے اپنے نبیوں کو بتا اور دکھا دیا، اللہ کے نبی اتنا ہی جانتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔

کیا رسول غیب کا علم جانتے ہیں

انسان کا عجیب حال ہے۔ اگر وہ کسی بات سے انکار کردے تو کوئی لاکھ اُسے سمجھائے کہ وہ بات ٹھیک ہے، نہیں مانتا اور اگر کسی چھوٹی سی چھوٹی یا غلط بات کو ٹھیک مان لے تو پھر اس پر نہ صرف یہ کہ پورے طور سے جم جاتا ہے بلکہ اس میں غلو کرتا ہے۔ بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ اپنی طرف سے باتیں بنا بنا کر اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے پر ضد کرنے لگتا ہے۔ اس بات کو اگر کوئی دیکھنا چاہے تو پیروں، فقیروں، سادھوؤں سنتوں کے ان ماننے والوں کو دیکھ لے جو اپنے اپنے پیروں اور سادھوؤں کی حاجت روائی اور عالم الغیب ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کی کمزوری کو جانتا ہے اسی لئے قرآن میں سب سے بڑے انسانوں (رسولوں) کے بارے میں صاف صاف بتا دیا کہ وہ عالم الغیب نہیں۔ کل کیا ہوگا وہ نہیں جانتے۔ کس کو کہاں موت آئے گی؟ وہ نہیں جانتے۔ کوئی کل کیا کمائی کرے گا۔ وہ نہیں جانتے وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ سے فرمایا:۔

قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ (الانعام ۵۰)

اے محمدؐ! ان سے کہو " میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔

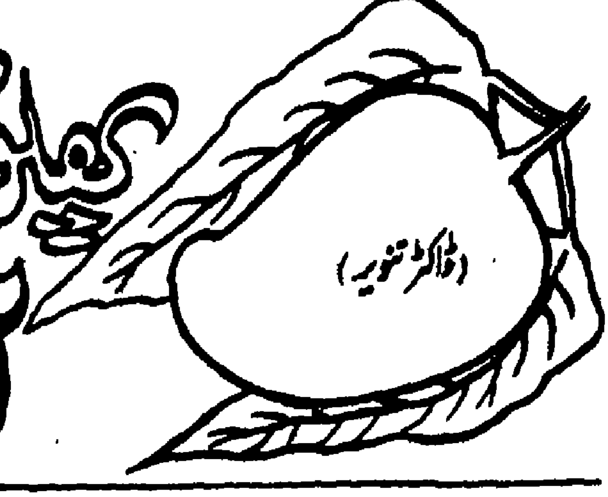
آم صرف ذائقہ اور مزے کے لیے ہی نہیں بلکہ تجارت کے لیے بھی اچھا سلسلہ ہے۔ ہندوستان سے باہر ۵۰ فیصد آم بھیجا جاتا ہے۔ (جس کی اوسط مقدار تقریباً ۱۷۲۰۰ ٹن بنتی ہے۔) یہ مقدار جو باہر بھیجی جاتی ہے پیداوار کی نسبت کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی جو مقدار باہر جاتی ہے وہ کافی ہے لیکن کچھ سالوں سے بیرونی غیر ممالک میں مانگ بڑھ رہی ہے ۴۔۲ کروڑ روپوں کے آم ہندوستان باہر بھیجتا ہے۔ ہم لوگ اس طرف توجہ کرکے اور زیادہ زرمبادلہ حاصل کرسکتے ہیں۔ باہر آم سے بنی کئی اشیاء جاتی ہیں۔ شربت، اچار، چٹنی، اچار، کتلیاں وغیرہ باہر بھیجی جاتی ہیں۔ مسلم ممالک روس، برطانیہ وغیرہ اس کے خاص طلبگار ہیں۔

آم خوردن کے اعتبار سے دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) گودے دار جس کو کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔ (۲) اس قسم میں ریشہ زیادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے چوس کر کھایا جاتا ہے۔ اس آم کی قسم کو دیسی کہتے ہیں۔ (۱) گودے دار قسم زیادہ ترقلمی ہوتی ہے۔ آم کا کاروبار روز بروز ترقی کر رہا ہے اس لیے اچھی اچھی قسم کے آم کی پیداوار کرکے آپ کافی فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔ آم کا کاروبار اب ایک اچھا کاروبار ہے جو ملک اور اندرون ملک دونوں صورتوں میں نافع ہے۔

آم غذائیت کے اعتبار سے بھی کافی اہم ہے۔ آم ایسے پھلوں میں سے ہے۔ جو جسم کے لیے اجزا کا ذخیرہ رکھتے ہیں اور غذائیت کے اعتبار سے بھرپور ہوتے ہیں۔ کچے اور پکے آم میں الگ طور پر تناسب ہوتی ہے جس کی تفصیل ذیل کے نقشہ میں ہم دے رہے ہیں۔ اس نقشہ میں جو تناسب جوہروں کا دیا

نمبر	غذائی جوہر	کچے آم	پکے ہوئے آم	نمبر	غذائی جوہر	کچے آم	پکے ہوئے آم
۱	پانی	۹۰ گرام	۸۶.۱ گرام	۷	فاسفورس	۰.۰۲	۰.۰۲
۲	پروٹین	[illegible] گرام	۰.۶ گرام	۸	لوہا۔ فولاد	۵.۳	۰.۳
۳	چربی	۰.۱	۰.۱	۹	وٹامن اے کچا (A)	۱۵۰ انٹ	۴۸۰۰ یونٹ
۴	نشاستہ	۱۱.۰۸	۸.۸	۱۰	وٹامن بی (B)	۳۰ ملی گرام	۵۰ ملی گرام
۵	نمک	۰.۰۴	۱.۳		وٹامن سی (C)	۳	۱۳
۶	کیلشیم	۰.۰۱	۰.۰۱				

پھلوں کا راجہ آم



(ڈاکٹر تنویر)

آم کا نام آتے ہی منہ میں پانی آجانا قدرتی ہے۔ بھینی بھینی مہک کے ساتھ کھٹے میٹھے ذائقہ کتنی طرح کے ہماری زبان کو دیتے ہیں۔ آم کا ذائقہ دار پھل رس دار پھل چھلکا اتار کر پلیٹوں میں کاٹ کر قاشیں بنا کر کھائیں اور یہ بھی پسند نہ ہو تو چوس چوس کر رس کا ذائقہ لیں۔ یہ کتنی قسمیں ہیں جن میں مختلف طرح سے استعمال کر کے لذت حاصل کرتے ہیں۔ عرف عام میں یہ پھلوں کا راجہ ہے۔ آم خوردن سے مزاج بھی رسیلا ہو جاتا ہے۔ آم کی جائے پیدائش یعنی آغاز برما، تھائی لینڈ اور فلپائن میں اول اول ہوا تھا۔ وہاں سے ہندوستان اور اس کے بعد یورپ میں پھیلا ہے۔

آم کا صرف پھل ہی استعمال نہیں ہوتا ہے بلکہ آم کے پھل کی طرح اس کے دیگر حصے بھی کثرت سے مفید ہوتے ہیں۔ آم کے پتوں میں وٹامن سی کی بھرمار رہتی ہے۔ جاوا اور فلپائن میں ملائم کونپل دار پتے ساگ بنا کر استعمال کئے جاتے ہیں۔ گھریلو نسخوں میں آم کا ایک خاص مقام ہے۔ پتوں کو جلا کر ان کی راکھ کا چھالوں پر لیپ کیا جاتا ہے۔ خشک پھل دست، پیچش، سنگرائی وغیرہ امراض کی بہت کارآمد اور شرطیہ دوا تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈفتھیریا، نقرس (گٹھیا) میں آم کی چھال کا استعمال بہت مفید ہوتا ہے۔ چھال میں کئی طرح کے رنگ دار مادے ہوتے ہیں جن کو سوتی، ریشمی اور گرم کپڑوں کا رنگ دینے کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔ گٹھلی سے تیل نکلتا ہے۔ آم کی گری کو بھون کر یا ابال کر کھایا جاتا ہے کیونکہ گٹھلی میں روغن اور کیلشیم کافی مقدار میں حاصل ہوتے ہیں۔

(پروفیسر ایچ نرسمہا)

کاہنوں اور راہبوں کے کرشمے

اور سائنسی نظریہ

● سائنس میں ترقی کے باوجود کچھ معاملات میں انسانوں کے قبائلی اندازِ فکر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ اس وقت زیادہ واضح ہوتا ہے جب اس کے اپنے مفاد متاثر ہوتے ہیں۔ ایک سائنسداں یا سائنس کا طالب علم لیبارٹری میں سائنس کے مسائل سے متعلق اپنے اندازِ فکر میں نہایت عقلی (Rational) ہوگا۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اکثر اوقات وہی عقلی انسان زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں بے ہمتی کے ساتھ غیر معقول طریقوں کو اپناتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے سوچنے کی صلاحیت کا وجود نہیں ہے حالانکہ انسان تین مرتبہ چاند پر جا کر کامیابی سے واپس آچکا ہے۔ پھر بھی گرہن کے لیے دو نظریات ہیں۔ ایک جماعت میں پڑھانے کے لیے اور دوسرا گھر پر عمل کرنے کے لیے۔ سورج اور چاند راہو (Rahu) کیتو (Ketu) کے پنجوں سے نہیں بچ پائے۔ ہمارے پاس ایسے سائنسدانوں کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جو ہاتھ دیکھنا (Palmistry) اور علم نجوم (Astrology) پر پورے طور سے یقین رکھتے ہیں۔ کچھ سائنسداں اُن افراد کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کرشمے دکھانے کی طاقت کے مالک ہیں۔ ایسے افراد سے کس قسم کے سائنسی کردار (Scientific Temper) یا عقلی نقطۂ نظر (Rational outlook) کی اُمید کی جا سکتی ہے جن کے لیے سائنس ایک زندہ عقیدہ نہیں بلکہ روزی کمانے کا ایک ذریعہ ہے۔

ہمارا ملک توہمات سے بھرا پڑا ہے۔ ایک غیر تعلیم یافتہ توہم پرست شخص کے مقابلہ میں ایک تعلیم یافتہ توہم پرست سماج کے لیے

اس کو ۱۰۰ گرام آم کے کھائے جانے والے حصہ میں رکھا گیا ہے گویا ۱۰۰ گرام آم کے کھانے والے حصے میں نقشے میں درج اجزا موجود ہوتے ہیں۔ اس نقشے سے ظاہر ہے آم غذائیت کے اعتبار سے بھی کم نہیں ہے۔ ہر وہ جوہر جو ہمارے جسم کے واسطے ضروری ہے وہ آم میں ضرور ملتا ہے۔ وٹامن اے کے سلسلے میں خاص طور پر آم نمائندہ ہے۔ اس لئے آم کوئی عام شے نہیں بلکہ یہ پھلوں کا راجہ ہے۔

اب ہم آپ کو آم کا جوس (mango juice) تیار کرنے کا ایک عمدہ طریقہ بتلاتے ہیں تاکہ آپ سال میں کبھی بھی اس کو استعمال کر سکیں اور خراب نہ ہوگا اس میں جو preservatives استعمال آتے ہیں وہ دہلی سے تلک بازار اطف خاں کے پھاٹک سے ملتے ہیں اور آپ ان کو کسی بھی جگہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

● ترکیب:۔ آم کا رس بنانے کے لیے آپ رسیلے آم جیسے چونسہ، رسولہ وغیرہ قسم کے اچھے آم لیں۔ ان کو صاف کر کے پانی سے دھو کر مٹی وغیرہ سے پاک کرلیں۔ اس کے بعد دبا کر رس نکال لیں اور اس میں برابر مقدار میں پانی ڈال کر خوب اچھی طرح سے ریشے اور چھلکوں کو کچل کر ان کا تمام جز نکال لیں۔ اب شکر ملائیں۔ اس کے بعد سائٹرک ایسڈ ڈالیں۔ کچھ پانی میں حل کر کے ملا دیں۔ اب پوٹاشیم میٹا بائی سلفٹ کچھ پانی میں حل کر کے ملا دیں۔ اچھی طرح سے رس میں ملا دیں۔ اور صاف خشک بوتل میں تیار ہونے رس کو بھر لیں کارک لگا دیں تاکہ ہوا داخل نہ ہو۔

● استعمال:۔ اب اس تیار شدہ رس (mango juice) میں ۲½ گنا تازہ پانی ملا کر استعمال کریں اس طرح پانی شامل کرنے کے بعد ایک گلاس رس میں تقریباً ۹ حصے توانائی اور دیگر معدنیات۔ وٹامن وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

اجزاء

۱۔ آم کا رس ۱۰۰۰ لٹر
۲۔ پانی ۱۰۰۰ لٹر
۳ شکر ۲۰۰۰ کلو
۴۔ سائٹرک ایسڈ ۴۰۰۰۰ گرام (۸ چمچے)
۵۔ پوٹاشیم میٹا بائی سلفٹ ۲٫۵ گرام (½ چمچے)

دکھایا علاوہ ازیں راہب لوگ اپنی مرضی کی اشیاء ظہور میں لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ بات عقلی دلائل پہ پوری نہیں اُترتی۔ جب اس مسئلہ پہ مجھ سے بہت سے افراد نے وضاحت چاہی تو میں نے یہ واضح کیا کہ شری ستیہ سائیں بابا سے گزارش کی جائے۔ کہ وہ عوام کے سامنے اپنی ہتھیلی کو عمودی حالت میں (Vertical) طور سے کھلی رکھیں پھر اُسے بند کریں اور پھر جب وہ اُسے دوبارہ کھولیں تو اس میں ہماری مرضی کی چیز موجود ہو اگر یہ آسان کام کیا جا سکے تو ان کی کرشماتی قوت بغیر کسی شبہ کے تسلیم کی جائے گی۔ اور اس کے بارے میں کوئی اور مسئلہ باقی نہیں رہے گا۔ لیکن کسی راہب انسان اور ستیہ سائیں بابا نے بھی آج تک ایسے عمل کو عوام کے سامنے دکھانے کے لیے آگے قدم نہیں بڑھایا جس سے کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے کسی نہ کسی طرح وہ اس مسئلہ کو ٹالتے چلے جا رہے ہیں۔

اگر کوئی راہب انسان جو کہ کرشماتی قوتوں کا دعوے دار ہے ایسے کرشموں کو مقید حالات میں دکھانے سے انکار کرتا ہے اور ایک کے بعد ایک بہانا بناتا ہے تو یہ خدا اور مذہب کے نام پر عوام کو دھوکا دیتا ہے۔

اس کے علاوہ میں جب شری ستیہ سائیں بابا وسان کے مریدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایچ ایم ٹی (H.M.T) کی گھڑی، یا کسی بنیاد وجود کے تخلیق کی جا سکتی ہے، تو اس کے معنی ہیں کہ وہ پیٹنٹ (Patent) کا سرقہ کر رہے ہیں اگر ایک سوئس گھڑی پیدا کرنا صحیح ہے تو اس کے معنی کسٹم کو دھوکا دینا اور کسٹم ادا نہ کرنا ہوگا اس طرح سونے کی اشیاء تخلیق کرنا، گولڈ کنٹرول ایکٹ کی قانون شکنی ہوگی۔ مجھے تعجب ہے کہ متعلقہ افسران نے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا اور کوئی قانونی چارہ جوئی ستیہ سائیں بابا ایسے دوسرے لوگوں کے خلاف کیوں نہیں کی۔

بنگلور یونیورسٹی جس نے ۱۱ ماہ پہلے اس قسم کی تحقیقات شروع کی تھیں اُسے کچھ کامیابی ملی ہے۔ سائیں کرشنا جنہیں طفل راہب (Child God) چھوٹے سائیں بابا سمجھا جاتا تھا

. نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ
دکی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بات
ندی ضرورت ہے کہ تعلیم دینے والے افراد
ح تعلیم دی جائے۔ تمام توہمات خوف کا نتیجہ
تے ہیں اور وہ افراد کی خود اعتمادی تباہ کر کے
ں ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ افراد
یالات اور سبے خوبی کی دھار کو ختم کر دیتے ہیں۔
کچھ نام نہاد راہب دکھاوے قسم کے انسان
لو (Godmen) کراماتی (Miraculous
Pow قوتوں کا مالک بتاتے ہیں خصوصاً شری
سائیں بابا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بغیر کسی چیز
مدد کے ایک ایمٹی کی گھڑی وجود میں لاسکتے ہیں
پانی کو پیٹرول میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ
بات کو کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ بعید از عقل
یر معمولی واقعات اگر صحیح ہونے لگیں تو پوری
میں اب تک ہوئی تمام سائنسی تحقیقات
ایجادات کو غیر اہم و باطل ثابت کر دیں
۔ اس لیے اس سے پہلے کہ عقیدے کے
بہا معنیٰ تسلیم کرنے سے پہلے یہ نہایت اہم
کہ عقل اور تحقیق کرنے کی خواہش رکھنے والا

کوئی شخص ایسے واقعات کی تحقیق کرے۔ لیکن یہ نہایت
افسوس کی بات ہے کہ شری ستیہ سائیں بابا جو خود کو
خدا بتاتے ہیں اپنے متعلق کسی بھی قسم کی تحقیق کی اجازت
نہیں دیتے۔

اگر ہم عام طور سے ان راہبوں کا اور خاص
طور سے ستیہ سائیں بابا کا مشاہدہ کریں تو یہ الگ
اُسی جسمانی ساکھ، عادتوں پسند اور ناپسند مضبوط اور
کمزور نقطوں، اسی غصے اور مختلف اوقات میں خراب
زبان استعمال کرنے تنظیموں کو چلانے میں، اُسی
محدود جانکاری کے مالک ہیں جو عام انسانوں میں
پائی جاتی ہیں۔

ایسے راہبوں کے بارے میں عام طور سے اور
شری ستیہ سائیں بابا کے بارے میں خصوصی طور سے
دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسی تمام اشیاء یعنی
گھڑی، انگوٹھی یا زنجیر وغیرہ جن کو یہ وجود میں لاتے
ہیں اُن کا ناپ 'کلائی' کے نام سے کم ہوتا ہے اس
کے علاوہ ان تمام چیزوں کا پہلے ہی سے وجود
تھا۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز وجود میں لاسکے جو
پہلے کبھی موجود نہ رہی ہو تو یقیناً ایک حقیقی تخلیق ہو
گی اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس شخص نے ایک کرشمہ

منسوب کی جانے لگیں۔ ایسے موقع پر میں شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ کیمیا دانوں (Chemists) اور علم نباتات کے ماہرین (Botanists) کی ایک ٹیم فوراً ہی اس مقام کا دورہ کرے وہاں کا مشاہدہ کرے اور عوام کو بتائے کہ آیا وہ سفید رس حقیقت میں گائے کا دودھ ہے یا اس کے پیچھے کوئی غیر معمولی بات ہے تب ہی سائنس داں عوام کے تئیں اپنے فرض اور ذمہ داری کو پورا کرسکیں گے اسی طرح کے اور واقعات بھی مانے جاتے ہیں ان کے بارے میں سائنسدانوں کی موزوں ٹیموں کو تحقیق کرنا چاہیئے۔ اور عوام کو سچائی سے آگاہ کرنا چاہیئے یہ نہایت افسوسناک بات ہے کہ سائنسداں اور معلّم (Educationists) یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات کی تحقیق کرنا ان کا کام نہیں ہے۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ہمارا تعلیمی نظام سماج اور زندگی کی ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتا۔

ہمارے ملک میں اوسطاً ہر گاؤں میں ایک راہب انسان مل جاتا ہے ان راہبوں کے ذریعے خدا اور مذہب کے نام پر عوام کو ٹھگا جا رہا ہے اور دھوکا دیا جا رہا ہے۔ مادی نقصان کے علاوہ ملک کی ترقی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

یونیورسٹیوں اور اعلیٰ اداروں کو چاہیئے کہ وہ خود کرشموں کی تحقیق کریں اس تحقیق کو کرشمہ دکھانے والے افراد کی پوری حمایت حاصل نہیں ہوگی۔ عوام جانتے ہیں کہ شری ستیہ سائیں بابا نے تحقیقات کے خلاف ایک مکمل عدم تعاون (Non-cooperation) کا رویہ اپنایا ہے اس لیے میں شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ سرکار منصفانہ طاقت (Judicial Powers) رکھنے والی قومی سطح کی کمیشن کی تشکیل کرے جو ایسے واقعات کی تحقیق کرے تب سرکار کو یہ معلوم کرنے میں آسانی ہوگی کہ کون جعلی راہب ہے اور کون حقیقی روحانی بزرگ ہے۔ اگر سرکار ایسی کمیٹی کی تشکیل کرتی ہے تو بالیم بابا اور طفل بابا (Mini Babas) غائب ہو جائیں گے اور کوئی ایسا راہب یا نام نہاد کرشمہ کار باقی نہیں رہے گا جو عوام کے سامنے کوئی کرشمہ پیش کر سکے۔ (ترجمہ)

اُنھیں یونیورسٹی کے ذریعے بنائی گئی ایک کمیٹی کے سامنے کھلے طور پر پیش کیا گیا۔ شری شیو بالا یوگی اور شری سائیں شنکر جن کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ کرشمہ دکھلاتے ہیں انھوں نے اس بات کا اعلانیہ اقرار کیا کہ وہ کوئی کرشمہ نہیں دکھاتے یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ شری ستیہ سائیں بابا نے کہا کہ وہ عموماً کرشمہ دکھلانے میں اب دلچسپی نہیں لیتے اور یہ کہ ان کا مشن یا مقصد مختلف ہے۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے راہب لوگ۔ چالاک اور ہوشیار بن گئے۔

میں ایک استاد، پرنسپل اور وائس چانسلر کی حیثیت سے اس بات کے پورے حق میں ہوں کہ تمام کرشموں کی تحقیق کی جائے ابھی تک میرا تجربہ اس بات کا مظہر ہے کہ تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں ایسا تعلیمی طریقہ مہیا کرنے میں ناکام رہی ہیں جو اساتذہ اور طلبہ میں سائنسی رجحان پیدا کر سکیں۔

یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ تحقیق کی روح جو کسی بھی نظام تعلیم کی پختہ بنیاد ہونی چاہیے کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ تعلیمی ادارے یونیورسٹیاں اعلیٰ تعلیم کے ادارے اور تعلیمی اور سائنسی ادارے مناسب غور و خوض کے فروغ اور توہمات کو ختم کرنے کا پروپیگنڈہ کرنے کی ذمہ داری قبول کریں۔ یہ ہر ایک تعلیمی ادارے کا اولین فرض ہونا چاہیے لیکن معلم (Educator) اس کے راستے کی رکاوٹ ہو سکتے ہیں بعض اوقات معلم خود ہی توہم پرست اور ظلمت پسند (Obscurantist) ہوتے ہیں کبھی کبھی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ معلم کو ہی تعلیم دی جائے۔

کرشمے صرف اشیاء کو مادی شکل دینے تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ مختلف قسم کے معجزے اور کرشمے ہوتے ہیں تقریباً دو سال پہلے مقامی اخبارات نے اس خبر کو کافی شہرت دی تھی کہ بنگلور میں ایک نیم کے درخت سے گلے کا دودھ نکلتے ہوئے دیکھا گیا۔ فوراً ہی وہ درخت پوجا جانے لگا اور تمام قسم کی آسمانی و الہامی طاقتیں اس کے ساتھ

پیارے نبیؐ نے فرمایا ——— ساجدہ فرزانہ ادنوٹر

- وہ شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جو خود تو سیر ہو کر کھائے لیکن اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔
- اپنے کو مظلوم کی بد دعا سے بچاؤ اس لیے کہ وہ خدا سے صرف اپنا حق مانگتا ہے اور خدا حقدار کو اپنا حق مانگنے سے نہیں روکتا۔ (یعنی اسے اس کا حق ضرور دیتا ہے)
- نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس امر کو بُرا سمجھے کہ لوگ اس سے واقف ہو جائیں گے۔
- حیا ایمان کی شاخ ہے۔
- جو شخص جھوٹی قسم کھائے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔
- تم میں سے اچھے لوگ وہی ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔
- جو شخص جائز طریقہ سے روپیہ کما کر اس لیے پس انداز کرے کہ کسی سے سوال کرنے سے بچے اور اپنے بال بچوں اور ہمسایوں پر خرچ کرے وہ قیامت کے دن خدا سے یوں ملے گا کہ اس کا چہرہ ماہِ کامل کی طرح روشن ہوگا۔
- امانت سے رزق بڑھتا ہے خیانت سے افلاس لازم آتا ہے۔
- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اہل ایمان! ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب کہ طاغوتی قوتیں تمہیں ہڑپ کر جانے کے لیے جمع ہو جائیں گی جس طرح دسترخوان کے گرد کھانے والے جمع ہوتے ہیں" ایک صحابی نے دریافت کیا۔ "اے اللہ کے رسول۔ کیا اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں بلکہ تعداد میں بہت زیادہ ہو گے مگر تمہاری حیثیت گھاس کے ان تنکوں سے زیادہ نہ ہوگی جنھیں سیلِ رواں بہالے جاتا ہے: پھر آپؐ نے فرمایا۔ "خدا تمہارے دشمنوں کے قلوب سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں جمود و کسل ڈال دے گا" ایک صحابی نے پوچھا "اس کا کیا سبب ہوگا؟ جواب ملا۔ یہ کہ تم دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور موت تمہیں بہت ناگوار ہوگی"

اقوال زریں

از سیدہ ناظمی بلگام

۱۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس پر حسن عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

۲۔ حاسد تمہاری خوشی سے غمگین ہوتا ہے۔ یہ اس کے لیے کافی ہے۔ تمہیں انتقام لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود اپنی آگ میں جل رہا ہے۔

۳۔ جو شخص اللہ کی طرف سچے دل سے رجوع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔

۴۔ عبادت میں اس وقت تک لطف نہیں آتا جب تک کہ حلال کی کمائی نہیں کھائی جاتی۔

۵۔ انسان کا کوئی عمل اخلاص اور تقویٰ کے بغیر مقبول نہیں ہوتا۔

۶۔ دنیا کی نعمتوں میں سب سے اچھی نعمت عورت ہے۔ (حدیث)

۷۔ یہ قدرت کا اٹل قانون ہے کہ جب رزق کا ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دس نئے دروازے کھل جاتے ہیں۔ مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم اس بند دروازے کو ہی اس قدر یاس اور افسوس سے دیکھتے رہتے ہیں کہ نئے کھلے ہوئے دروازہ پر ہماری نگاہ نہیں پڑتی۔

قطعہ

عرفان احمد اعظمی۔ نیوتنی

سرسراتے ہوئے ملبوس میں اے شوخ کلی
تجھ کو کھلنا تھا کہاں اور کہاں آ کے کھلی

راس آئیں گی نہ کالج کی فضائیں تجھ کو
ڈر تو یہ ہے کہ بدل جائے نہ چنچوں میں ہنسی

ایک مسافر سخت گرمی میں ایک ایسے جھونپڑے میں جا پہنچا جس پر ناریل کے درختوں کا سایہ تھا۔ جھونپڑی میں رہنے والے نے مسافر کو شراب، پانی، دودھ اور حلوہ پیش کیا۔ مسافر نے پوچھا کہ بیابان میں یہ غذائیں کہاں سے آئیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ ناریل کی بدولت ہے۔ کچے ناریل سے پانی اور میٹھی گری، پکے ناریل سے دودھ، پتوں سے حلوہ، شگوفوں سے شراب، پھولوں سے شکر، چھال سے برتن، لکڑی سے ایندھن، بٹے ہوئے پتوں سے چھت ریشوں سے رسیاں، گدے اور جھاڑو اور تیل سے روشنی حاصل کرتا ہوں۔

جب یہ مسافر جانے لگا تو میزبان نے ایک شاخ کو جھاڑا جس سے غبار سا گرا۔ اس غبار سے سیاہی کا کام لے کر ایک پتے پر کسی دوست کو خط بھی لکھ دیا۔

اقوالِ زریں ——— کرن عزیز کا بھینڈی

۱۔ نادان لوگ دولت کے لیے دل کا چین گنوا دیتے ہیں اور دانشمند لوگ دل کے چین کی خاطر دولت لٹا دیتے ہیں۔ (ایک قول)

۲۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جائے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے (حدیث)

دل ——— ایم۔ اے خیامی پکھریلا

سخت سے سخت دل کو اسے رَاہی　　نرم الفاظ جیت لیتے ہیں!
بڑا فاتح ہے وہ جو دیدۂ ادراک رکھتا ہو　　دل معصوم رکھتا ہو، ضمیر پاک رکھتا ہو
دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے　　جو رنج کی گھڑی بھی خوشی میں گزار دے
ہے عید پس ماہِ صیام اے دلِ ناداں　　بے رنج اٹھائے ہوئے راحت نہیں ملتی

تین شعر
اشفاق نگینوی، جیپور نینی تال

یہ مسافت تمام ہوجائے ۔ صبحِ غم کی جو شام ہوجائے
ہو اگر آپ کی نگاہ کرم ۔ میرا بھی ایک مقام ہوجائے
دل تو تم دے چکے انھیں اشفاق ۔ جان بھی ان کے نام ہوجائے

غزل
حسرت بھٹکلی

کوئی کہتا ہے کہ ساغر کی طرف مت دیکھو ۔ پیاس بڑھنے دو، سمندر کی طرف مت دیکھو
تاج میں دفن ہے تاریخ محبت لوگو ۔ تم فقط مرمریں پتھر کی طرف مت دیکھو
تم مجاہد ہو شہادت ہے تمہارا انجام ۔ سر پہ لٹکے ہوئے خنجر کی طرف مت دیکھو
ہمنوا اپنا بنانا نہیں آساں مجھ کو ۔ تم سکندر ہو قلندر کی طرف مت دیکھو
لغزشِ پائے محبت یہ سبق دیتی ہے ۔ اب سنبھلنا ہو تو رہبر کی طرف مت دیکھو
تم کو زیبا نہیں اصنام پرستی ہرگز ۔ تم براہیم ہو آذر کی طرف مت دیکھو
مجھ کو ایمان کی معراج عطا ہوتی ہے ۔ دل جو کہتا ہے تونگر کی طرف مت دیکھو
وقت کی بات ہے، یہ بات بھی سن لی حسرت ۔ دیدہ ور کہتے ہیں گوہر کی طرف مت دیکھو

ناریل کے فائدے
ایم اے خیامی، بھمریا، بنارس

ناریل ایک انوکھا نرالا میوہ اور پھل ہے۔ اسے چھوٹے بڑے سبھی لوگ بیسیوں طریقے سے استعمال کرتے ہیں اور لذیذ ذائقہ دخاص فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ کچے ناریل کا پانی ہر خاص و عام بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ اکثر علاقوں میں اس کی مختلف چیزیں بنا کر مہمانوں کی خاطر و تواضع کرتے ہیں۔ اس کا پانی پیٹ کی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔

کاش ہم اپنے مقام کو پہچانتے ؟

محترمی و مکرمی ۔ السلام علیکم السلام اللہ و برکاتہ

ہفت وار ہندی اخبار مومنٹ ۔ مورخہ ۲۰ دسمبر ۹۰ء میں شائع شدہ مختصر مضمون کا اردو ترجمہ روانہ کر رہا ہوں

اگر قابل اشاعت ہو تو کسی قریبی اشاعت میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع دیں ۔ فقط م ۔ ع ۔ باسط

ہر شخص آپ کو مسلمان کی حیثیت سے جانتا ہے ۔ ہم بھی اپنے آپ کو غلامان رسول کا دعویدار کہتے ہیں ہر سال رمضان المبارک کے روزے بھی رکھتے ہیں ۔ ابراہیم علیہ السلام کی یاد میں رسم قربانی بھی کرتے ہیں ۔ حج کا فریضہ بھی ادا کر رہے ہیں ۔ زکوٰۃ بھی نکال لیتے ہیں ۔ جمعہ اور عید کی نماز تو قریب قریب سب پڑھ ہی لیتے ہیں ۔ شادی بیاہ کی سنتیں بھی ادا ہوتی ہیں ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کام بھی کر لئے جاتے ہیں جن کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔

کیا کبھی ہم نے اپنے آپ پر غور کیا کہ ہم کیوں مسلمان ہیں کس لئے مسلمان ہیں ، کس مقصد کے لیے اس کائنات میں ہمارا وجود ہے ۔ آج جس سماج میں آپ ہم رہ رہے ہیں کیا اسے دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلامی سماج ہے آپ چاہے اپنی زبان سے اسلام کی تعریف میں بہت کچھ کہہ اور لکھ سکتے ہیں لیکن دنیا کے بسنے والے انسان اب قرآن و نبیؐ کی تعلیمات کے بجائے آپ کی زندگی رہن سہن ، کاروبار ، معاملات ، طور وطریقے کو دیکھ کر ہی اسلام کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں ۔ اگر آپ کی زندگی اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتی تو لوگوں کے لیے اسلام کو سمجھنے اور قبول کرنے کا موقع فراہم کرتی ۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپکی ذات اللہ کے بندوں کو اسلام کے قریب کرنے کا ذریعہ بن رہی ہیں ۔ یا اسلام سے دور کرنے کا ۔ کاش ہم اپنے مقام کو پہچان سکیں ۔ (اے ۔ این ۔ انصاری)

دل وہ ہے بے دل سے جو مانوس نہ ہو — کیسا ہی غم و رنج ہو محسوس نہ ہو
دل جس نے محبت سے یہاں جیت لئے — اس نے دراصل دو جہاں جیت لئے
دل توڑ دیا گر شکست کامل پائی — دل جیت لیا کون و مکاں جیت لئے

نوٹ: اشعار بھیجتے وقت شاعر کا نام ضرور لکھئے۔

اقوال زریں

مرسلہ: شکیل دادخاں

• ہمیشہ صبر کرو کیونکہ صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے ہے۔
• سیکھنا چاہو تو ہر غلطی میں کچھ نہ کچھ سبق موجود ہے۔
• حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو۔
• لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔
• سب سے بہتر گھونٹ جو انسان پیتا ہے اس کے غصّے کا گھونٹ ہے۔
• جس کی زندگی سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہونچ سکے اس کو مُردوں میں شمار کرو۔
• جو زبان کو قابو میں نہیں رکھتا وہ ضرور پشیمان ہوگا۔

M. I. Ansari B. Com., S. E. M. — محمد ابراہیم انصاری بی۔ کام۔ ایس۔ ای۔ ایم
Ansari House, [illegible]-Panjrapole Rd., BHIWANDI, Dist. Thana MHR. PIN. 421302 (India)

محترم جناب مائل صاحب! السلام علیکم ـــ حیدرآباد میں آپ سے بس سرسری سی ملاقات ہو سکی۔ تشنگی رہ گئی۔ اردو صحافت کے ذریعہ اگر کوئی روزی کمانے اور بچوں کی پرورش کرنے کی راہ اپناتا ہے جبکہ دین کا بھی پاس ہو اخلاق کا بھی لحاظ ہو تو بس جہاد ہی کرنا پڑتا ہے۔ حجاب کے ذریعہ تعمیر سیرت کا ایک عظیم مجاہدہ عمل میں آرہا ہے۔ نیکی کا ایک اور سلسلہ میں نے آپ کے اشتہار دعوت میں دیکھا۔ خدا کرے آپ کی کاوشیں، قلم اور دماغ ہمیشہ جوان رہیں۔ خدا حافظ ـــ آپ کا مخلص محمد ابراہیم انصاری

تمہاری کھیتی ہے" : ایک کسان اپنی کھیتی ہی کے سہارے جیتا ہے۔ کس قدر محتاج ہے کسان اپنی کھیتی کا لیکن کھیتیاں بھی کسانوں کی عرق ریزی کے بغیر بارآور نہیں ہوتیں۔ پھر ذرا آگے بڑھئے "مرد عورتوں پر قوام ہیں" یہ کوئی حاکم اپنی رعایا کے سہارے کے بغیر ایک پل بھی حکومت نہیں کرسکتا اور نہ تنہا کوئی بادشاہ صرف اپنی قوت بازو سے کوئی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ مردوں نے دنیا میں بے شمار ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ کہ کوئی بھی عورت وہ مقام تو کیا گرد بھی نہیں پاسکتی لیکن جب آپ اپنے ذہن پر زور دیں گے تب خود یہ صاف محسوس کرنے لگیں گے کہ ہر کار نمایاں اور کامرانی کے پیچھے کسی عورت کا سہارا دست غیب کی طرح ہمیشہ موجود رہا ہے۔ مرد اس سہارے کے بل بوتے پر کامرانی حاصل کرتا ہے اور سہارا دینے والی پس پردہ رہ جاتی ہے۔ یہ دنیا کا دستور رہا ہے کہ مقابلوں میں سرفرازی گول ([illegible]) اسکور ([illegible]) کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ گیند ([illegible]) کو پاس کرنے والوں کو نہیں۔

اور یہ کہنا بھی کلی طور پہ درست نہیں ہو سکتا کہ عورت "صرف سہارا دیتی ہے لیتی نہیں"؛ اللہ کے سوا کون ہے جسے سہارے کی حاجت نہیں۔ کیا باپ عرق ریزی سے ابر کرم نہیں بنا رہا؟ کیا بھائی ہمالہ کی طرح محافظ بنے ڈٹے نہیں رہے؟ کیا شوہر نے شمع کی طرح جل کر روشنی نہیں کی؟ بے شک وہ سہارا لیتی بھی ہے۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ اس سے بدرجہا زیادہ سہارا دیتی ہے۔ اس کے ثبوت میں اگرچہ کہ تاریخ عالم شاہد ہے۔ مگر اس کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ اپنے اطراف نگاہ دوڑائیے اپنے ماحول میں بے شمار جیتے جاگتے گوشت و پوست کے ثبوت نظر آئیں گے۔ ایک بیوہ، ایک بے سہارا عورت، ناتجربہ کار، چھ بچوں کی ماں، بالکل اچانک ہی اپنے گھر کی جملہ ذمہ داری کا بار گراں اپنے کاندھوں پر اٹھا لیتی ہے اور بچوں کو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرتے ہوئے بہترین شہری بنا دیتی ہے۔ کیا یہ کسی مرد کے بس کا کام ہو سکتا ہے۔

اس کے باوجود بھی مرد یہی سمجھتے رہے ہیں کہ عورت سہارے کی محتاج ہے وہ بھلا سہارا کیا دے گی۔ لیکن یہ سمجھنے میں مردوں کا کوئی قصور بھی نہیں ہے۔ ان بے چاروں کو صدیوں سے

عورت سہارا دیتی ہے لیتی نہیں

چچا جان۔ آداب ۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔
دوران اجتماع حیدرآباد ملاقات کے شرف سے محروم رہی۔ بھیڑ بہت تھی۔ آج پہلی مرتبہ خط و کتابت کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ اس کے ہمراہ ایک مضمون بعنوان "عورت سہارا دیتی ہے لیتی نہیں" برائے طباعت پیش خدمت ہے۔ مارچ و اپریل کے مشترکہ شمارہ میں آپ کی دعوتِ تحریر سے کافی حوصلہ افزائی ہوئی۔ جس کے زیر اثر پہلی مرتبہ رقم طراز ہوں۔ کامیابی کہاں تک ہوئی ہے قارئین ہی بہتر فیصلہ کریں گے۔ براہ کرم آئندہ اشاعت میں شامل فرمائیے۔ عین نوازش ہوگی۔ اور ہاں ایک منی آرڈر ۴۰.۰ کی رسید منسلک ہے۔ براہ کرم ایک سال کے لیے اپنا پاکیزہ ماہنامہ جاری فرمائیں۔ کرم ہوگا۔ طالب دعا۔ ڈاکٹر افروز تاج۔ واسکو گوا

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا مگر یہ مسئلہ زن رہا جہاں کا وہیں

یہ انسانی تہذیب و تمدن کا سب سے مقدم اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ جس کے صحیح حل پر انسانی تہذیب و تمدن کا دارومدار ہے اور جب تک فطرت کے تمام حقائق پر نظر حاوی نہ ہو تو اسے حل کرنا ناممکن سی بات ہے یوں بھی اس عنوان پر کچھ اس قدر لکھا جاچکا ہے کہ عمر بھر بھی مطالعہ فرمائیں مگر یہ رنج رہے گا کہ زندگی کم ہے۔

آج پھر ایک مرتبہ اجمالاً ہی سہی اس کا جائزہ لیں۔ کیا رب العزت نے یہ نہیں فرمایا کہ عورت

گھر

بشریٰ انجم

میں نے پہلی بار اُسے مسز شیخ کی کوٹھی کے گیٹ کے پاس بیٹھے دیکھا۔ وہ اینٹوں کے چند ٹکڑے بار بار مختلف انداز سے رکھ رہی تھی۔ اور اپنے اس کام میں اس قدر منہمک کہ دائیں طرف کی کوٹھی کی بالکنی سے آتے ہوئے قہقہے سن کر بھی اس کی محویت نہ ٹوٹ سکی تھی۔ میں نے ذرا آگے ہو کر بالکنی کی جانب نظر دوڑائی تھی چند شوخ و شنگ لڑکیاں قہقہے لگاتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی آواز تو آ رہی تھی، باتیں سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ وسط میں کھڑی ایک لڑکی نے اپنے شولڈر کٹ بال جھٹکے اور تیزی سے ایک کنکر پھینکا۔ جو آکر اُس پگلی سی عورت کے شانے پر لگا۔ اس نے چونک کر ہماری طرف دیکھا۔ اُف..... اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں..... جن میں اس قدر ویرانیاں، وحشت اور کبھی نہ ٹوٹنے والے سناٹے تھے کہ مجھے جھرجھری سی آگئی۔ یہ چہرہ..... یہ نقوش..... نہ جانے کیوں میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے غور سے اس کے گرد وغبار کی تہوں سے جھانکتے ہوئے نقوش دیکھے جو اس بات کے غماز تھے کہ وہ کبھی حسین بلکہ حسین ترین رہی ہوگی۔ اس کی پھیکی پھیکی اُڑی اُڑی رنگت اپنی تمام تر سیاہٹ کے باوجود بھی اس کے شہابی ہونے کا پتہ دے رہی تھی۔ میری نظریں اس کے اوپر جم گئیں۔ اس کے کپڑے اس قدر میلے تھے کہ اپنا اصلی رنگ روپ کھو چکے تھے۔

یوں ہی سمجھایا جاتا رہا ہے۔

ایک قدم اور آگے بڑھ کر دنیا کی مختلف تہذیبوں کا جائزہ لیجیے۔ دنیا کی ہر تہذیب صرف عورت کے اطراف گردش کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ یونان کو لیجیے۔ وہ بھی کیا دن تھے کہ عورت، عورت تھی۔ یونان یونان تھا۔ آج بھی جب ہم دنیا کے مختلف علوم کے نقطۂ آغاز کا جائزہ لیں تب نگاہیں یونان پہ پہنچ کر رک جائیں گی۔ لیکن جب عورت، عورت مستور نہ رہی۔ چراغِ خانہ سے شمعِ انجمن بن گئی۔ تب تہذیب کا بھی سہارا چھوٹ گیا۔ عورت کا سہارا چھوٹنا کیا تھا کہ محلِ اخلاق، تہذیب و تمدن کے وہ مضبوط ستون ٹوٹ گئے جو عورت نے تھام رکھے تھے۔ پھر وہ قوم کچھ اس طرح برباد ہوگئی کہ پھر کبھی نہ ابھری۔ بالکل یہی حال مصر، بابل، روم اور دیگر تہذیبوں کا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تعمیر و ترقی کا انحصار تہذیب پر ہے اور تہذیب کا انحصار عورت پر۔ عورت کے صحت مند اخلاق کے سہارے پر عظیم الشان تہذیبوں نے جنم لیا ہے۔ جب بھی عورت اپنے منصب سے گر گئی۔ ایک مضبوط سہارا جاتا رہا پھر قوم کی عمارت منہدم ہونے سے نہ رک سکی۔ مجموعی اعتبار سے مرد قدم قدم پر عورت کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔ صدیوں سے مسلمانوں کی ایک امتیازی و انفرادی تہذیب رہی ہے اس تہذیب کے بقا و قیام کی ذمہ داری بھی ہماری بہنوں کے کاندھوں پر ہے۔ اس لیے ان پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ اپنے ماحول کو اسلامی ماحول میں ڈھالنے کی جدوجہد کریں۔ ورنہ خواتین کی عزیمت کی داستانیں کچھ کام نہ آئیں گی۔ عورت سہارا صرف اسی وقت دے سکتی ہے جب اس کے اخلاق صحت مند ہوں ورنہ وہ کسی سہارے کے سہارے بھی نہ ٹھہر سکے گی۔ ایک سہارے کے بجائے رہزن سفینہ بن جائے گی پھر قوم کا بیڑہ غرق آب ہونے سے نہیں بچ سکتا۔

ذرا اس نکتے پر غور کیجیے۔ اگر ابراہیم خلیل اللہ جیسے عظیم نبی کا سہارا حضرت سارہؓ نہ بنتیں اور پھر حضرت ہاجرہ آنحضرت سے تعاون نہ کرتیں اور حضرت خدیجہ، نہ حضورؐ کو سہارا نہ دیتیں تو تحریک اسلامی کی تاریخ ایسی درخشاں نہ ہوتی جیسی آج ہے ●●

کئی دن گزر گئے لیکن میرے ذہن پر اس پگلی عورت کی صورت کچھ یوں نقش ہو گئی تھی کہ میں باوجود کوشش کے اُسے نہ بھلا سکی۔ جب بھی فرصت ملتی میری سوچ کے دھارے خود بخود اس طرف مڑ جاتے اور میں گھنٹوں اس کے بارے میں سوچتی رہتی۔ نہ جانے میں نے اُسے کب دیکھا تھا.....؟ کہاں دیکھا تھا؟ اور کیسے دیکھا تھا...؟ ذہن میں ایسی گرہ پڑی تھی کہ کسی صورت کھلتی ہی نہ تھی۔

اور اس روز میں حشمت کے ساتھ شاپنگ سنٹر سے واپس آ رہی تھی کہ راستے میں میرے شوہر کے ایک دوست مل گئے اور وہ گاڑی رکوا کر ان کو جانے کہاں لے گئے، شاید کسی قریبی ہوٹل یا ریسٹورانٹ میں۔ میں سڑک کے کنارے کھڑی گاڑی میں بیٹھی اپنے بچوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو بورڈنگ میں تھے اور مجھے کل ان سے ملنے جانا تھا۔ میں ان کی ضروریات کی چیزیں ذہن میں دھر رہی تھی کہ کیا کیا لے کے جانا ہے۔ دفعتاً میری نظر سامنے سے آتی ہوئی اسی پاگل عورت پر پڑی اور میرے رگ و پے میں ایک انجانی سی خوشی سرایت کر گئی۔ ابھی میں اپنی اس بے معنی سی خوشی پر حیران ہی ہو رہی تھی کہ میں نے دیکھا اس کے دیدہ و دامن سے سنبھلنے کیسے ایک اینٹ کا ٹکڑا نکل کر راہ گیر کے پاؤں پر گر گیا اور وہ بظاہر مہذب سا شخص..... اس نے غلیظ سی گالی دیتے ہوئے دیوانی عورت کو دھکا دیا اور وہ "ہائے میرا گھر" کہتے ہوئے اسی اینٹ پر گر پڑی۔ میرے ذہن کے جیسے سارے تار یکلخت جھنجھنا اُٹھے۔ صفیہ آپا..... ذہن کے نہاں خانوں میں گونجتی ہوئی مانوس سی صدا ...... یہ حسین و جمیل صفیہ آپا ہیں.....؟؟؟ ان کے نقوش دیکھ دیکھ کر سوچ سوچ کر میں انہیں نہ پہچان سکی تھی اُن کی آواز..... ان کا لہجہ..... اور ان کے لہجے میں رچی بسی برسوں پرانی مسرت نے یکلخت ساری گرہیں کھول دی تھیں۔ صفیہ آپا..... !!! میرے دل میں درد کا ایک طوفان اُٹھا اور پلکوں پر آ کر رُک گیا۔ شدتِ کرب سے میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ آنکھیں بند ہوتے ہی جیسے بیس پچیس برس پہلے کی صفیہ آپا چھم سے آنکھوں میں اُتر آئیں۔ دبلی پتلی یاس انگیز مسکراہٹ والی سپید رنگت اور ساحر آنکھوں والی صفیہ آپا جب دلہن بنی تھیں تو کسی میں دیکھنے کی تاب نہ تھی۔ ایک شور رہا تھا ان کے حسن و جمال کا۔ معصوم و سادہ..... لیکن وہ محض صورت ہی نہیں سیرت کی بھی بے حد حسین تھیں۔ بہت کم گو اور حد درجہ صابر و شاکر، سوتیلی ماں کے ظلم و ستم کے ساتھ

باؤں نہ جانے کب سے جو توں کی بندش سے بے نیاز تھے اور اس بے نیازی اور صعوبتوں کی شدت کے آئینہ دار تھے۔ گردن میں اٹی ہلکی چوڑی سبھوسلی سی رتی کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ بال آدھے سے زیادہ سفید ہو چکے تھے لیکن میل کچیل سے بھرے ہونے کی وجہ سے سیاہ اور سفید بالوں کا ایک ہی رنگ تھا یعنی مٹیالا سا۔

پھر ہم نے دیکھا اس کی آنکھوں میں بے تحاشا وحشت اور دیوانگی سی اُتر آئی۔ مسز شیخ نے جو میرے ساتھ ہی کھڑی تھیں۔ اس بالکنی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دُبلی پتلی ادھیڑ عمر کی عورت بڑی تیزی سے مڑ کر اس طرف دیکھنے لگی۔ چند لمحے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔ اور پھر سڑک کے کنارے سے ایک پتھر بھاری سا اٹھا کر اس بالکنی کی طرف پھینکا۔ مگر لڑکیاں تو اسے پتھر اُٹھاتے دیکھ کر ہی اندر چلی گئی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر خالی خالی نظروں سے اُس طرف دیکھتی رہی۔ پھر نجانے کیا خیال آیا کہ آندھی طوفان کی صورت اپنی مخصوص جگہ کی جانب بڑھی اور اینٹوں پر اوندھی گر کر شاید رونے لگی۔

میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور مسز شیخ کی جانب دیکھا۔ انھوں نے میری آنکھوں میں مچلتے سوال پڑھ لیے تھے جب ہی تو کہنے لگیں "آہ نجانے کون ہے..... مجھے تو کسی اچھے گھرانے کی لگتی ہے۔ نجانے بے چاری کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوئی ہے جو اس حال کو پہنچی..... ہر وقت یہ تین اینٹیں اُٹھائے پھرتی ہے کہ یہ میرا گھر ہے ایک بار میں نے اس سے بات کرنا چاہی کہ کچھ پتہ چلے مگر کچھ اپنے بارے میں بتاتی ہی نہیں۔ بس اسے ہر دم یہی ڈر اور خوف رہتا ہے کہ کہیں کوئی اس کا گھر یعنی یہ اینٹیں نہ چھین لے۔ میں حیران ہوں کہ ہر وقت یہ اتنا بوجھ کیسے اُٹھائے پھرتی ہے۔ کبھی کبھی اچھی خاصی عقل کی بات کر جاتی ہے لیکن اکثر بالکل پاگل لگتی ہے۔"

مسز شیخ خاموش ہو کر نجانے کیا سوچنے لگیں۔ میرا دل شدت سے چاہا کہ آگے بڑھ کر اس سے کوئی بات کروں ایسی بات کہ نجانے میں کیا چاہتی تھی۔ میں نے پھر اس کی جانب غور سے دیکھا۔ دفعتاً مجھے یوں لگا جیسے میں نے اُسے کہیں دیکھا ہے مگر کہاں ہے کب..... یہ اس کہاں اور کب کا جواب میرا ذہن دینے سے قاصر تھا۔ اتنے میں مسز شیخ چونک کر بولیں "لو عابدہ..... وہ آگئی تمہاری گاڑی..... اچھا دیکھو پارٹی میں ضرور آنا اور حشمت سے کہنا وہ بھی ضرور آئے۔ اچھا... گڈ بائی..." اور میں خدا حافظ کہتے ہوئے گھر آگئی۔

ایسی صفیہ آپا تو میں نے کبھی نہ دیکھیں تھیں ..... وہ اکیلی نہ تھیں ان کے ساتھ تین برس کا ننھا ثاقب بھی تھا دبلا اور کمزور سا..... اس کو صفیہ کی خوبصورتی میں سے کوئی حصہ نہ ملا تھا۔ شاید بالکل اپنے باپ پر تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے پرانے گھر کی دہلیز پر بیٹھی کتنی دیر آنسو بہاتی رہیں۔ محلے والوں کی طرح انھیں بھی کچھ خبر نہ تھی کہ ان کے ماں باپ وغیرہ کہاں چلے گئے۔ اس رات، رات گئے تک گھروں میں گفتگو کا موضوع صفیہ آپا تھیں ماں باپ کے گھر کی طرح شوہر کا گھر بھی راس نہ آیا تھا۔ وہ پہلے ہی بہت کم بولا کرتی تھیں۔ اب تو گویا چپ لگ گئی تھی کوئی زیادہ پوچھتا تو ان کی حالت غیر ہونے لگتی اور وہ چیخ اٹھتیں۔ وہ..... گھر بھی میرا گھر نہ تھا۔ میرا نہ تھا.....

اور پھر صفیہ آپا محلے والوں کے سائے پناہ میں آگئیں۔ اب صفیہ آپا ہو تیں، مشین ہوتی، کپڑے ہوتے اور قریب ہی لیٹا ہوا ثاقب ..... ان کا بچہ بھی شاید ماں کی طرح ستم سہنے کا عادی تھا جب ہی تو چپ چاپ بھوک پیاس سے بے نیاز اپنی ماں کو کپڑے سیتا دیکھتا رہتا۔ سال بھر میں انھوں نے سلائی مشین کی قیمت ادا کر دی اور اب وہ خالہ بی کے گھر کا بلکہ ایک کمرے کا تھوڑا بہت کرایہ بھی ادا کرتیں، یوں کئی برس بیت گئے اب ان کی صورت بھی قدرے غنیمت ہو گئی تھی۔ اور وہ خلافِ فطرت کچھ ہنس مکھ بھی ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے ننھے ثاقب کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں جو اب اسکول میں پڑھتا تھا۔ انھیں ثاقب سے دیوانگی کی حد تک پیار تھا۔ وہ اب مطمئن سی رہتیں اور اکثر کہتیں: میرا اصلی گھر تو یہ ہے جو سچ مچ میرا ہے..... باپ کا گھر بھی میرا نہ تھا۔ شوہر کا گھر بھی میرا نہ تھا جب ہی تو دونوں نے نکال دیا لیکن یہ گھر.....؛ پھر وہ خالہ بی سے پوچھتیں: کیوں خالہ بی کچھ غلط کہہ رہی ہوں؟ "نہیں بٹیا تو سچ ہی کہتی ہے۔" خالہ عینک کے موٹے موٹے شیشے میں سے جھانکتی ہوئی کہتیں، تو وہ مسکرا دیتیں اور پھر والہانہ نگاہوں سے ثاقب کو دیکھنے لگتیں اور کہتیں: "میں اپنے ثاقب کو بہت بڑا آدمی بناؤں گی؟ بہت بڑا آدمی..... وہ تصور میں اسے بڑا آدمی بنے دیکھ کر مسرت سے آنکھیں بند کر لیتیں۔ چھوٹی سی عمر میں، وہ کتنی باوقار خاتون بن گئی تھیں..... وہ ثاقب کے لئے ایک گھنا سایہ دار درخت بن گئی تھیں جس کے سائے تلے ثاقب ہر غم ہر فکر سے آزاد پروان چڑھ رہا تھا۔ وقت کا طائر اپنی مخصوص رفتار سے برسوں کی منزل سے گزرتا رہا اور جب ثاقب آٹھویں کلاس میں تھا تب عابدہ شاہ سے عابدہ حشمت بن کر دوسرے شہر آگئی۔

ساتھ اکھڑ مزاج باپ کے ظلم بھی سہہ کر ہر دم مسکراتی رہتی تھیں۔ آنکھوں میں شبنم، مگر لبوں پہ معصوم سی مسکراہٹ ۔۔۔ اور وہ مسکراہٹ تو ان کے درد و غم کی غماز ہوا کرتی۔ مگر مسکراہٹ سے درد و غم کا اندازہ ہر کوئی تو نہیں لگا سکتا نا، یہ تو وہ جانے جس پہ بیتے یا پھر دیدۂ بینا ہو۔ مگر ہر آنکھ دیدۂ بینا تو نہیں ہوتی نا......

میں ان دنوں دس گیارہ برس کی تھی۔ وہ مجھ سے بہت بڑی تھیں۔ مگر اس کے باوجود میری ان سے گہری دوستی تھی۔ میں نے اکثر ان کی سوتیلی ماں کو کہتے سُنا تھا: "اری اپنے گھر جا کر یہ ناز نخرے کر یہ ساری یہ صبح صبح منہ کیوں رگڑ رگڑ کر دھو رہی ہے...... ارے میں کہتی ہوں کمبخت میرا ہی گھر رہ گیا تھا، تیری منحوس صورت کے لئے ۔۔۔ ہائے ہائے یہ کام ابھی تک ختم نہیں کیا۔؟ اللہ اللہ یہ ناز نخرے، ابھی سے یہ لچھن ہیں ۔۔۔ حالانکہ وہ بے چاری ناز نخرے تو کیا، کبھی سُکھ کا سانس بھی نہ لے سکتی تھی۔ ایک بار نہ جانے کس جلی کٹی بات پر انھوں نے غصے سے کہہ دیا: "ماں کیا کروں ۔۔۔ تم دشمنوں جیسا سلوک کرتی ہو۔ آخر یہ میرا گھر بھی تو ہے۔ میری ماں کا گھر میرے باپ کا گھر......" اور پھر...... میں نے قیامت کا منظر دیکھا۔ ان کی سوتیلی ماں نے مار مار کر انھیں بے ہوش کر دیا اور پھر شام کو نہ جانے انھوں کے باپ سے کیا کہا کہ رات کو محلے بھر کے لوگ ان کے دروازے پر جمع ہو گئے کیونکہ صفیہ آپا کی دل خراش چیخیں آسمان ہلائے دے رہی تھیں......

اور پھر نیپر سے ہی صفیہ آپا کو سستے سُرخ جوڑے میں دلہن بنا دیا گیا اور پھر وہ "اپنے اصلی گھر" چلی گئیں اس گھر سے جاتے ہوئے اُن کی آنکھوں میں کوئی آنسو تھا، نہ ہی لبوں پر کوئی شرمیلی سی مسکراہٹ، وہ تو پتھر کا ایک مجسمہ لگ رہی تھیں۔ ایک ایسی مورتی جس پر رہ رہ کر تصویر کا گماں ہوتا تھا۔ ہر طرح کے احساسات سے عاری۔ اس دن صفیہ آپا گئیں، تو پھر لوٹ کر نہ آئیں۔ تین برس بیت گئے، کتنے موسم آئے اور چلے گئے اور اسی عرصے میں ان کی سوتیلی ماں اور باپ محلہ چھوڑ کر جانے کہاں چلے گئے۔

اور پھر موسم گرما کی ایک سوگوار شام کو جب دھیرے دھیرے سسکتی ہوا یکلخت چپ ہو گئی تھی، تھم گئی تھی۔ اور آسمان گرد و غبار سے زرد ہو رہا تھا کہ صفیہ آپا آ گئیں...... مگر نہیں وہ صفیہ آپا تو نہ تھیں۔ کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ...... بڑی بڑی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ اور ویران آنکھوں کے صحرا میں اُڑتے بگولے......

وہ دو اینٹیں برابر برابر رکھ کر اس پر تیسری اینٹ کی چھت رکھ رہی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے اٹھوں اور دوڑ کر انھیں اپنے گلے سے لگا لوں...... انھیں اپنے ساتھ گھر لے چلوں.... انھیں وہ سکھ آرام دوں کہ ان کے زخم بھر جائیں۔ ان کی آنکھوں کے ویرانوں میں اڑتے بگولوں کی جگہ امید کے کنول کھل اٹھیں۔ مگر میں بھی کس قدر پاگل ہوں، بھلا کبھی پارہ پارہ دل بھی جڑے ہیں؟ دل کی بستیاں اجڑ کے کبھی بسی ہیں.... ؟ لمحوں لمحوں کے زخم بھی کبھی بھرے ہیں.... ؟ اور..... اور کیا میں ایسا کر سکتی ہوں.... ؟ کیا میں اس بھرے بازار میں اس پاگل عورت کو صفیہ آپا کہہ کے گلے لگا سکتی ہوں.... ؟ یقیناً نہیں.... میرے شوہر مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ان کی زبردست انسلٹ نہ ہوگی۔ بھلا ایک فقیرنی..... ان کی بیوی کی رشتہ دار نہ ہی ملنے والی ہو.... سہیلی ہو.... واقف کار ہو.... !!

میں..... میں تو اس قدر تہی داماں.... تہی دست ہوں کہ اس پگلی سی عورت کو چند سکوں کی خیرات بھی نہیں دے سکتی۔ بھلا میرے رئیس شوہر چند سکوں کا نقصان کیسے برداشت کریں گے؟ وہ جنھوں نے گذشتہ پندرہ برسوں میں کبھی ایک پیسہ بھی خیرات نہیں کیا۔ مجھے یاد ہے ایک بار شروع شروع میں دروازے پر آئے ایک فقیر کو میں نے چند پرانے کپڑے اور کچھ پیسے دے دیئے تھے اور جب میرے رئیس شوہر کو نوکروں سے پتہ چلا تو کتنی قیامت مچی تھی۔ میز پر رکھے سالن کے ڈونگے، گلاس، کھانے سے بھری ڈشیں اٹھا اٹھا کر پھینک دی تھیں کہ میں نے سخت نقصان کر دیا تھا، کیونکہ وہ کپڑے پرانے کپڑوں میں یقیناً بک سکتے تھے..... اور جو چند پیسے فقیر کو دیئے تھے۔ ان کو وہ بزنس میں لگا کر کئی گنا کر سکتے تھے.... کہ قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے.... اس کے بعد میں نے کبھی ایسی غلطی نہ کی۔ اور مجھے اس کی اجازت بھی کہاں ہے؟ اور آج.... آج میں بھرے بازار میں ایسی جرأت بھلا کیسے کر سکتی ہوں.... ؟

اور.... لیجئے..... وہ آرہے ہیں میرے شوہر نامدار خراماں خراماں..... دولت کے نشے میں چور..... ہر ایک پر حقارت کی نظر ڈالتے، ہر شے کو ٹھوکروں سے اڑاتے..... وہ اگر سیٹ پر بیٹھ گئے ہیں۔ میں حسرت سے اس پگلی عورت پر ایک الوداعی نظر ڈالتی ہوں..... میرے دل کے سمندر میں ایک طوفان برپا ہے۔ دل کا صحرا درد کے بگولوں سے اَٹ گیا ہے مگر میں آنسو بہنے نہیں دوں گی......

شروع شروع میں تو کبھی اپنے میکے ہو جاتی تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ کبھی کبھی کا ملنا بھی ختم ہو گیا اور کئی برس بیت چکے ہیں۔ حالانکہ مجھے کچھ ایسی زیادہ مصروفیات بھی نہیں بچے بھی بورڈنگ ہاؤس میں ہیں۔ ساس سسر بھی نہیں، مگر پھر بھی نہ جانے کیوں جانا ہی نہیں ہوتا۔

تین چار برس پہلے شگفتہ کے خط سے پتہ چلا تھا کہ ثاقب صفیہ آپا کی لاکھ کوشش کے باوجود آگے نہ بڑھ سکا۔ میٹرک میں فیل ہو کر پڑھائی کو قطعی خیرباد کہہ دیا۔ آوارہ لڑکوں کی صحبت میں پڑ گیا..... صفیہ آپا ایک بار پھر اپنی کشتی کو طوفان سے بچانے کی تدبیر سوچنے لگیں۔ اور بہت سوچ سمجھ کر انھوں نے ثاقب کی شادی کر دی اور اسے ایک ورکشاپ میں کہہ سن کر نوکر کروا دیا..... مگر اس کی قلیل آمدنی تو خود اس کے سگریٹ اور فلم بینی کا شوق پورا نہ کر سکتی تھی۔ صفیہ پھر حالات کے تھپیڑوں کی زد میں تھیں۔ وہ کہاں تک سلائی کرتیں۔ ان کی نظر بھی کمزور ہو گئی تھی۔ بہو بھی قسمت سے ایسی ملی تھی کہ جس نے سوتیلی ماں کے سلوک کے تمام زخم از سر نو ہرے کر دیے تھے۔

اور پھر ایک تند طوفان کی پالی، آہنی ہمت اور حوصلے والی صفیہ آپا ایک بار پھر بے گھر ہو گئیں..... اس بار اُن کا گھر اُن کے بیٹے نے چھینا تھا..... نہیں بلکہ بہو بیٹا کہتے تھے کہ وہ ان کا گھر ہے۔ یہ صفیہ آپا گھر والی کہاں سے بن گئی.....!

شگفتہ نے لکھا تھا اس روز وہ گلی میں کھڑی ہو کر قہقہے لگا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔ لوگو.....! پہلا گھر میرے باپ کا گھر تھا..... دوسرا گھر میرے شوہر کا گھر تھا..... یہ تیسرا گھر میرے ثاقب کا گھر ہے..... لوگو..... میرا گھر کون سا گھر ہے؟..... وہ رو بھی رہی تھیں اور فلک شگاف قہقہے بھی لگا رہی تھیں وہ صفیہ آپا جن کو کبھی اونچی آواز میں کسی نے ہنستے نہیں سنا تھا۔ اب گلیوں میں قہقہے لگاتی پھر رہی تھیں۔ محلے والوں نے دیکھا مگر آنسو پی کر رہ گئے۔ ثاقب سے نمٹنا اُن کے بس میں نہ تھا۔ محلے کی ایک خاتون ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنے گھر لے گئی۔ مگر شام کو وہ وہاں سے نکل گئیں اور یوں صفیہ آپا..... نہ جانے کہاں کھو گئیں۔ اور آج..... میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ اُف کتنی دیر سو گئی..... میری نظریں بائیں جانب فٹ پاتھ پر بیٹھی صفیہ آپا پر تھیں۔

اُمِّ سلمہؓ کی ہجرت

ہجرت رسولؐ کے بعد جب ابو سلمہؓ اپنی بیوی ام سلمہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہونے لگے تو بنو مغیرہ کے قبیلے کے لوگوں نے آکر روکا۔ اور ابو سلمہؓ سے کہا کہ ایک نئے دین کے شوق میں تمہیں تو در در کی خاک چھاننے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ لیکن تم ہماری بیٹی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ معاملے نے زیادہ طول کھینچا تو بنو عبد الاسد کے قبیلے کے لوگ وہیں آگئے (ابو سلمہؓ بنو عبد الاسد قبیلے سے تھے اور ام سلمہ بنو مغیرہ قبیلے سے) اور انھوں نے بنو مغیرہ کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اپنی لڑکی کو مدینہ جانے سے روکو گے تو ہم بھی تمہیں اپنا بچہ نہیں دیں گے۔ یہ کہتے ہوئے بنو عبد الاسد کے لوگوں نے بچہ ام سلمہؓ کی گود سے چھین لیا۔ غرض بچہ تو بنو عبد الاسد لے گئے۔ اور بنو عبد الاسد نے ام سلمہؓ کو روک لیا ابو سلمہؓ تنہا مدینے کی طرف روانہ ہو گئے اور بیوی بچے کی محبت ان کے لیے زنجیر پا نہ بن سکی۔

ام سلمہؓ کا معاملہ بڑا نازک تھا۔ وہ صرف شوہر اور بچے سے جدا نہ تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی بھی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ انھوں نے ایک سال گذارا۔ ام سلمہ دن بھر صحرا میں اونٹ چرایا کرتیں۔ اور ہر وقت یہی دعا مانگتیں کہ کسی طرح مدینہ منورہ پہونچنے کی صورت نکل آئے۔ ایک دن ان کے گھر ایک مہمان آگیا۔ جو ان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس نے اُم سلمہؓ کی بے کسی دیکھی تو اس پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے خاندان والوں کو سمجھایا۔ مہمان کے سمجھانے پر بنو مغیرہ کے لوگوں نے مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ بنو عبد الاسد کو جب معلوم ہوا کہ بنو مغیرہ والوں نے ام سلمہؓ پر سے پابندی اٹھالی ہے اور انھیں مدینہ جانے کی اجازت دے دی ہے۔ تو وہ بھی بچہ لوٹانے پر راضی ہو گئے

میں آنسو پینے کی کوشش کرتی ہوں کہ سمجھانے سے غرض کیا سمجھیں......!!! دفعتا حشمت کی گرفت آمانہ طنز کے زہر میں ڈوبی ہوئی آواز...... میری سماعت پر ہتھوڑا بن کر لگتی ہے: کیوں..... عابدہ بیگم..... کیا خیال ہے...... اس فقیرنی کو یہ گاڑی ہی خیرات میں نہ دے دیں: میں سہم جاتی ہوں..... گھبرا کے ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتی ہوں اور آنکھوں میں آئے آنسو اندر ہی اندر گراتے ہوئے نشست کی پشت سے سر ٹیک دیتی ہوں۔! ●●

تعلیم وتربیت قرآن وحدیث کی روشنی میں

● جو شخص کسی بھلائی کی طرف رہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس نیکی کرنے والے کو۔ (مسلم)

● جو شخص ایسی راہ اختیار کرے جس میں اسے علم حاصل ہو تو اس کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کردے گا۔ (مسلم)

● معلم کی خیر کے لیے تمام چیزیں دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ (ترمذی)

● جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے وہ اللہ کی راہ میں (جہاد) ہے۔" (ترمذی)

● طالب علم کی خوشی کے لئے فرشتے اس کے روبرو اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (ابوداؤد)

● اس علم سے پناہ مانگو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ جو نفع نہ دے۔" (ابن ماجہ)

● علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو زبان سے گذر کر دل میں گھر کرلیتا ہے یہی نفع بخش ہے دوسرا وہ جو زبان ہی پر رہتا ہے وہ اللہ کی عدالت میں ابن آدم کے خلاف حجت بنے گا۔" (دارمی)

● میری تعلیم لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو۔" (بخاری)

● جو شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہے اور وہ اس کو چھپائے (یعنی بتائے) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔" (ترمذی)

● علم سکھاؤ، سختی نہ کرو معلم سختی کرنے والے سے بہتر ہے۔" (بیہقی) (مرسلہ: منیر احمد مبارکپوری)

اپنی پسند کے اشعار

مرسلہ: رقیہ خانم ۔ کوٹہ ———— حفیظ میرٹھی

گزار ہے ہیں عیب ہمارے جناب شیخ
شعلوں سے چھیڑ، پیرہن کاغذی کے ساتھ

مرسلہ: عرشیہ انجم عزیزی ۔ کریم نگر ———— تخلیق

اے باد صبا کچھ تو نے سنا مہمان جو آنے والا ہے
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم آنکھیں بچھانے والے ہیں

عرشیہ انجم عزیزی ۔ کریم نگر ———— ساحر

زندگی ریشم و کمخواب نہیں ہے اے دوست
تجھ کو جینا ہے تو پتھر کا جگر پیدا کر

مرسلہ: شبینہ سلطانہ ۔ کاماریڈی ———— اقبال

حرم پاک بھی اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

مرسلہ: عرشیہ انجم عزیزی کریم نگر ———— اقبال

لباس پارسائی سے شرافت آ نہیں جاتی
شرافت نفس میں ہوگی تو انساں پارسا ہوگا

مرسلہ: عرشیہ انجم عزیزی ۔ کریم نگر ———— قائم

سر جس پہ نہ جھک جائے اُسے در نہیں کہتے
ہر در پہ جو جھک جائے اُسے سر نہیں کہتے

مرسلہ: منظر کامٹوری ———— سیف خیر آبلو

ادھر تجھے ہوس سیر لالہ زار بھی ہے
اُدھر پیام طرب نغمہ بہار بھی ہے
نشاط خیز ہے فردوس رنگ و بو لیکن
بہوش باش کہ دامان گل میں خار بھی ہے

مرسلہ: عزیز جھانسوی ———— عزیز جھانسوی ۔ مدیر نخشاں

روشنی تو ملتی ہے علم کے سویروں سے
کاش ہم نکل آئیں جہل کے اندھیروں سے
زندگی کا ہر لمحہ موت کی امانت ہے
ہم اسے بچائیں گے وقت کے لٹیروں سے
اس کی قدر و قیمت تو بس خدا سمجھتا ہے
آدمی کو مت تولو سیم و زر کے ڈھیروں سے

غرض ام سلمہؓ بچہ کو لے کر مدینے کی طرف روانہ ہوگئیں۔ ابھی وہ دو تین میل کی ہی مسافت طے کرنے پائی تھیں کہ راستے میں عثمان بن طلحہ مل گئے۔ انھوں نے اپنی مسلمان بہن کو تنہا سفر کرتے دیکھا تو آگے بڑھ کر پوچھنے لگے کہ میں اپنی بہن کو تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ اونٹ کی نکیل پکڑ کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ عثمان بن طلحہؓ جب ام سلمہؓ کو ان کے شوہر ابو سلمہؓ کے پاس پہنچا کر قبا کے مقام سے لوٹنے لگے تو ام سلمہؓ والہانہ انداز میں دعائیں دے رہی تھیں۔ فرمایا: میں نے عثمان سے بہتر کسی شخص کو امین نہیں پایا۔

ام سلمہؓ نے یہ ہجرت اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے کی تھی۔ رضی اللہ عنہا۔

صفراوی دستوں کو روکتا اور صفرے کے غلبے کو کم کرتا ہے لہذا یہ بطور پھل کھانے کے بجائے بطور دوا کے استعمال ہوتا ہے۔ کھٹے انار دانے سے چورن بنایا جاتا ہے جو نہایت خوش مزا اور ہاضم ہوتا ہے۔ اس کا نسخہ یہ ہے۔

انار دانہ ترش ۵ تولہ، سونٹھ، زیرہ سفید، نمک سیاہ ہر ایک ایک تولہ سب کو کوٹ کر ملائیں اور چھ چھ ماشہ بعد از غذا دیں۔

انار کے استعمال کا طریقہ:- عموماً دانے نکال لیے جاتے ہیں اور ان کا رس چوس کر پھینک دیا جاتا ہے۔

بعض لوگ دانوں کو نکال کر ان پر نمک اور مرچ سیاہ باریک پسی ہوئی چھڑک کر کھاتے ہیں اور اس سے وہ خوش مزا ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کا رس نکال کر پیا جاتا ہے اور کبھی اسکے رس کا رب اور شربت اور جوارش بنائی جاتی ہے۔

آپ!

ہم سے پوچھتے ہیں کہ حجاب کا تعاون کیسے کریں۔ لفظوں کی تدبیریں یہ ہیں:-

(۱) آپ حجاب کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنائیں اور ہم سے تفہیم القرآن جلد پنجم کا نصف حصہ حدیث تا طلاق اور خاتون جنت کا ایک ایک نسخہ اعزازی طور پر حاصل کریں۔

(۲) اپنے شہر کے دیانت دار ایجنٹوں کو حجاب کی ایجنسی کے لئے آمادہ کریں۔

(۳) مدیر حجاب مائل خیرآبادی کی لکھی ہوئی کتابوں کا انگریزی ترجمہ ہونے لگا ہے اس کی اشاعت میں ہاتھ بٹائیں۔

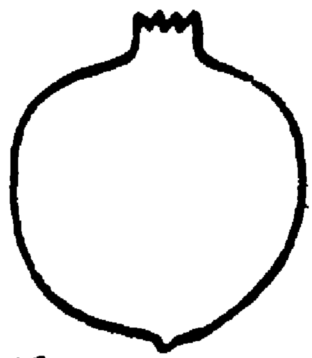
(۴) آسان اردو میں اصلاحی کہانیاں لکھنے والوں سے کہانیاں لکھوا کر بھیجیں۔

(۵) انگریزی ہندی یا عربی میں کوئی اچھی کہانی آپ پڑھیں تو اسے اردو میں ڈھال کر مدیر حجاب کو بھیجیں۔

(۶) مدیر حجاب مائل خیرآبادی کی صحت کے لیے دعا کریں۔ (منیجر حجاب رامپور۔ یوپی)

(قانتہ داس دیمیچہ)

انار



انار کو اعلیٰ درجے کے پھلوں میں شامل کیا جاتا ہے عرب، ٹرکی، شام، فلسطین، ایران اور افغانستان میں ثرت ہوتا ہے۔ لیکن کابلی یا قندھاری انار اپنے مزے ورشادابی کے اعتبار سے خاص شہرت رکھتا ہے

انار مزے کے اعتبار سے میٹھا کھٹا اور کھٹ مٹھا تین قسم کا ہوتا ہے۔ انار کو مرد، عورت، بچے جوان اور بوڑھے سب ہی پسند کرتے ہیں۔ لیکن بیماروں خصوصًا بخار کے مریضوں کے لئے یہ نہایت مفید اور دل پسند پھل ہے۔ اسی لئے "ایک انار صد بیمار" ضرب المثل مشہور ہے۔

انار میں تیرہ فی صدی شکر اور ایک فی صدی سے زیادہ مقدار میں نائٹرک ایسیڈ ہوتا ہے اور کسی قدر فولاد بھی پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ حیاتین ب اور ج وٹامنز اور سی بھی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ غذائیت اور دوائیت دونوں اعتبار سے بہترین پھل ہے۔ بدن کو غذائیت دیتا اور پیاس کو بجھاتا ہے۔ معدے اور جگر کی حرارت کو تسکین دیتا ہے۔

بھوک نہ لگتی ہو تو انار کا رس چوسنے یا انار کا رس نکال کر پینے سے یہ شکایتیں دور ہو جاتی ہیں۔ پیشاب کھل کر آتا ہے اور خون صاف ہو جاتا ہے۔ منہ کی بدمزگی رفع ہو جاتی ہے۔ قے اور متلی کی شکایت ہو تو وہ بھی جاتی رہتی ہے۔

سوء ہضمی میں جبکہ کسی ٹھوس غذا کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو اور غذا نہ دینے سے مریض کا ضعف و اضمحلال بڑھ رہا ہو تو انار کا رس بہت اچھا مشروب ہے۔ یہ غذا اور دوا دونوں کا کام کرتا ہے۔

کھٹا انار قابض ہوتا ہے۔ گرم مزاج اشخاص میں بھوک لگانے اور غذا کو ہضم کرنے کا کام دیتا

اور ایک بات یہ ہے کہ میں نے آپ کی کتاب "خواتین کے دلوں کی باتیں" پڑھی ہے۔ جس سے مجھے کچھ فائدہ پہنچا۔ بڑی روشنی ملی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ پھر سے حجاب میں ایسے ہی سوالات کا سلسلہ شروع کر دیں۔ بلکہ پہلے سوالات رکھیں جن کا ایک عام عورت بھی آسان زبان میں جوابات لکھ کر آپ کو بھیج سکے۔ خاص کر دین کا کام کرنے والی بہنیں اپنے کام کی تفصیلات لکھ کر بھیجیں تاکہ دوسری بہنوں کو بھی اس کام کے کرنے کا شوق پیدا ہو اور وہ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ میری آپ سے گزارش یہ ہے کہ آپ میرے اس مشورے پر غور فرمائیں اور "بہنوں سے ملاقات" کے عنوان سے ایک نیا کالم نکالیں۔ مجھے یقین ہے کہ بہنوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ اور ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت بھی ہوگی۔

چچا میاں! آپ بہت دُبلے ہو گئے ہیں۔ صحت کا خاص خیال رکھئے۔ اچھی غذائیں لیجئے۔ خاص طور پر دودھ، انڈا اور میوے کھاتے رہیے۔ آنکھ کی تکلیف سے آپ کا بہت بڑا امتحان لیا گیا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ آپ کو آخرت میں بہترین اجر عظیم سے نوازے اور صحت مند رکھے۔ چچی جان اور میرے بہنوں بھائیوں سے سلام کہیئے۔ والسلام

• صبیحہ تسنیم۔ آصف نگر محترم چچا جان۔ السلام علیکم

مارچ۔ اپریل ۱۹۸۱ء کا حجاب نظر نواز ہوا۔ تحریک اسلامی اور اس کی نوعیت کے تحت سوالنامے کے جوابات واقعی خاصے کی چیز ہے۔ خصوصاً پرنسپل صاحب کے سوالات کے آپ نے جس طرح سے جوابات دیے۔ آپ کی طرح کے مخلص اصحاب کسی تحریک کو میسر آجائیں تو اس کی خوش قسمتی کا کیا کہنا۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کے جوابات سن کر پرنسپل صاحب نے اسلام کے متعلق مزید کچھ جاننے کی خواہش کی یا نہیں۔ بھارت۔ پاکستان تعلقات کے پس منظر میں بھارت کے مسلمانوں کی وفاداری ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے لیکر آج تک شک وشبہ کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ افسوس صد افسوس۔ والسلام

بھتیجی سے ملاقات

ساجدہ قزانہ۔

میرے محترم چچا جان مائل صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدائے رحیم وکریم سے امید کرتی ہوں کہ آپ تمام لوگ بخیریت ہوں گے۔ اجتماع کا کیف وسرور اب تک دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ وہی تقاریر، وہی مناظر نگاہوں میں گھوم رہے ہیں۔ اور دل بیقرار ہو رہا ہے۔ میں خدائے مہربان کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اس عظیم اجتماع میں شریک کیا اور پھر آپ سے ملاقات کا شرف بخشا۔ چچا میاں! آپ کی ملاقات تو زندگی بھر یاد رہے گی۔ اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ انشاء اللہ آپ کی ہر نصیحت پر عمل کروں گی۔ میں حیدرآباد اجتماع سے پندرہ دن پہلے ہی گئی تھی۔ گھر آئی تو پہلے لکھا ہوا آپ کا تفصیلی خط ملا۔

اپنے پیارے ومحبوب حجاب کے لیے پہلے کے لکھے ہوئے دو مضمون ماں باپ کا حق اور تکبر وغیرہ بھیج رہی ہوں۔ انشاء اللہ اب آپ کی ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے لکھنے کی کوشش کرونگی۔

مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو آج تک آپ جیسی شفیق ہستی کی رہنمائی سے محروم رکھا۔ چچا میاں کل ہند اجتماع نے مجھے ایک نیا عزم وحوصلہ دیا ہے۔ میں نے بہت کچھ کرنے کا اپنے خدا سے عہد کر لیا ہے۔ خدا میری مدد فرمائے۔ اور دین پر قائم رکھے۔ میں نے یہاں منظم طور پر کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور دعوت دین کے لیے آس پاس کے گاؤں جانے والی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس کام کے لیے پڑھی لکھی سمجھ دار عورتیں اور لڑکیاں عطا کی ہیں۔ جو میری مددگار ہیں۔

اس کے بعد کئی بار کنگھی کیجئے تاکہ محلول پورے سر میں پھیل جائے، پھر بالوں کو ایک جگہ جمع کرکے سر کے اوپر جوڑا باندھ لیں اور باقی محلول اس پر چھڑک کر تولیہ کا ٹکڑا یا مومی کاغذ سے ڈھانک دیجئے اور گرم مفلر سے لپیٹ دیجئے۔ ایک دو گھنٹے بعد بالوں کو گرم پانی سے دھو ڈالیے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بالوں کی ہر لٹ میں جڑ سے لیکر اوپری سرے تک ایک چمچ کسی نباتی تیل اور ایک انڈے کی زردی ملا ہوا محلول لگا دیا جائے اور ہر لٹ کو دوسری لٹ سے ملا دیا جائے اور پھر مذکورہ بالا طریقے سے سر کو ڈھانپ دیا جائے اور ۲۰ یا ۳۰ منٹ بعد جھاگدار صابن سے سر کو دھو ڈالا جائے۔

خشک اور سخت بالوں کیلئے ایک طریقہ جسے ترشی تھراپی کا طریقہ کہا جاتا ہے وہ بہت آسان طریقہ ہے۔ بالوں پر پھٹا ہوا دودھ یا دہی اچھی طرح چھڑک کر بالوں کو جوڑا بنالیں اور ۲۰ یا ۳۰ منٹ تک اسے لپیٹے رکھیئے پھر گرم پانی سے دھو ڈالیے۔ یہ نسخہ خصوصی سے پھٹے ہوئے والے بالوں کیلئے مفید ہے۔ شیمپو کرانے کے بعد بالوں میں کوئی قابل اعتبار تیل لگانا مفید ہے۔ بالوں میں کبھی ایسی چیز نہ لگائیے جس میں الکحل یا ہائیڈروجن پر آکسائیڈ کا جز ہو۔

آج آپ نے

- قرآن کے کچھ حصے کا مطالعہ کیا؟
- قرآن کی کوئی سورت یا آیت زبانی یاد کی
- قرآن کے کسی حصے کو ترجمہ یا تفسیر سے سمجھنے کی کوشش کی؟
- قرآن یا حدیث کی کسی آیت یا حکم پر عمل
- نماز پابندی کی وقت سے باجماعت
- کوئی عمل خاص اللہ کے لئے کیا؟
- اپنے گھر والوں کو دین اسلام کے بارے میں کچھ بتایا؟
- اپنی روزانہ آمدنی میں سے مسکین و محتاج یتیموں کو حصہ دیا۔

اگر نہیں

تو آج آپ نے اپنی عمر عزیز کا ایک دن یونہی کھو دیا۔ کوشش کیجئے کہ آئندہ کل آج گزرے۔ اگر آپ نے روزانہ پندرہ منٹ بھی حدیث کے پڑھنے یاد کرنے اور اس پر عمل کرنے تو دنیا و آخرت میں آپ کی فلاح و نجات کے راستے جائیں گے۔ خدا نے توفیق دی تو آپ کے ارادوں میں استقامت عطا

بالوں کی حفاظت

حمیدہ بیگم

محترمی و مکرمی! السلام علیکم

پہلی بار ایک مضمون "بالوں کی حفاظت" روانہ کر رہی ہوں اگر قابل اشاعت ہو تو کسی قریبی اشاعت میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط

حمیدہ بیگم
اورنگ آباد

جب کبھی بالوں کو ضروری غذا پہنچانے کے سلسلے میں کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو بال بے حد سخت ہو جاتے ہیں، بال کے کونے انتہائی نازک لٹوں کی صورت میں بکھر جاتے ہیں۔ اور آسانی سے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ اسلئے اگرچہ بال بڑھتے رہتے ہیں پھر بھی زیادہ لمبے نہیں ہو پاتے۔ اسکے علاوہ اکثر بے احتیاطی کے ساتھ کنگھی کرنے سے بھی بال خراب ہو جاتے ہیں۔ اور خاص طور پر اسوقت جب کنگھی کے دانے بے حد تیز ہوں۔ بار بار مالش کرنے سے بھی بالوں کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اگر آپ کے بال ٹوٹنے پھوٹنے لگیں تو انہیں چھوٹا کر دیجئے۔ تاکہ ٹوٹے ہوئے کونے کٹ جائیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ پندرہ دن میں ایک بار سر کی مالش کرائیں۔ اور اگر بالوں کو گھونگریالا بنایا گیا ہو تو اور بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

بالوں کو متعدل پانی یا بارش کے پانی سے دھونا مفید ہے بال کو گرم پانی میں بھگو کر صابن کے جھاگ کو سر کھال میں ملئے اور پھر صاف پانی سے دھو دیجئے صابن کا آدھا گلاس جھاگ دار پانی لیجئے اور اس میں ایک انڈے کی زردی حل کر لیجئے اور پھر بالوں میں لگائیے۔ پھر دہی سے بال دھوئیے۔ یہ ایک قابل اعتبار عوامی نسخہ ہے۔

ٹوٹنے پھوٹنے والے بالوں کو ڈھانکنا بھی مفید ہے ۔اس کام کے لئے چمچہ بھر سورج مکھی کا تیل لیجئے اور اسمیں آدھا چمچہ جھاگ دار صابن ملا دیجئے۔ تیار شدہ محلول کو تھوڑا گرم کیجئے۔ اور پھر ٹوتھ برش سے یا سوتی اونی کپڑے کے ٹکڑے سے بالوں کے بیچ میں لگا دیجئے۔

ترجمے کیے۔ مشہور نومسلم علامہ محمد اسد کی کتاب ROAD TO MECCA روڈ ٹو مکہ کے عربی ترجمہ الطریق الیٰ مکہ کا بڑا موثر ترجمہ اردو میں "طوفان سے ساحل تک" کے نام سے کیا۔

ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ نے بہت اچھا کیا کہ مولانا مرحوم کے کچھ منتخب مضامین کو ترتیب دے کر "مولانا محمد الحسنی نمبر" کے نام سے شائع کیا۔ ہر مضمون پڑھنے کے لائق ہے۔ انشاء اللہ روشنی ملے گی اور دینی تحریک ہوگی۔ اس خاص اشاعت پر میں ماہنامہ "رضوان" کے مرتبین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور گذارش کرتا ہوں کہ مرحوم کے سارے مضامین کتابی شکل میں منظر عام پر آجائیں تو یہ بہت ہی اچھا ہوگا۔ (م ی)

حضرت عائشہ رضی کی شادی اور اصل عمر :

مصنف۔ محمد فاروق ایم۔ اے

ناشر : فردوس پبلیکیشنز۔ دہلی۔ صفحات ۱۶۔ کتابت و طباعت اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت ۵۰ پیسے

مولانا محمد فاروق خاں ایم۔ اے قرآن پاک کے ہندی کے مشہور مترجم اور "کلام نبوت" جیسی کتاب کے مولف ہیں۔ وہ انگریزی اور عربی کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور حاصل مطالعہ بڑی خوبی سے منظر عام پر لاتے ہیں۔

خاں صاحب کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اردو میں پہلی مرتبہ حضرت عائشہ رضی کی شادی کے وقت ان کی عمر کے بارے میں تحقیقی مقالہ لکھا اور اٹوٹ دلیلوں سے ثابت کیا کہ حضرت عائشہ رضی کی شادی کے وقت عمر وہ نہیں تھی جو عام طور پر مورخین نے لکھی ہے۔ بلکہ ۱۶ اور ۱۹ کے درمیان تھی۔

ان شاء اللہ یہ مقالہ جسے فردوس پبلیکیشنز نے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ دلچسپی سے پڑھا جائے گا اور پڑھنے والے کی رائے یہی ہوگی جو لکھنے والے کی ہے۔ فردوس پبلیکیشنز دہلی نے اب تک دس بارہ اچھی کتابیں چھاپی ہیں۔ ان میں اس کتاب کا اضافہ بہترین اضافہ ہے فردوس پبلیکیشنز کی ساری کتابیں مکتبہ حجاب سے مل سکتی ہیں۔ (م ی)

حجاب کی نظر میں

مولانا محمد الحسنیؒ انتخاب نمبر :۔ ماہنامہ رضوان، لکھنؤ کی ایک خاص اشاعت ڈیمائی سائز زیر ادارت۔ محمد ثانی حسنی۔ محمد حمزہ حسنی۔ امام حسنی۔ میمونہ حسنی۔ ڈیمائی سائز: صفحات ۱۲۸۔ قیمت پانچ روپیہ پتہ :۔ دفتر ماہنامہ رضوان۔ ۴۷۔ گوئن روڈ۔ لکھنؤ۔ یوپی۔ انڈیا۔

لکھنؤ سے مسلم خواتین کا ترجمان ایک سادہ سا لیکن بڑا پیارا ماہنامہ شائع ہوتا ہے۔ اس میں خواتین کے ذہنوں کو سنوارنے والے بڑے اچھے اچھے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ رضوان نے اس سال ایک خاص اشاعت "مولانا محمد الحسنیؒ انتخاب نمبر" کے نام سے شائع کی ہے۔ جس وقت یہ نمبر میں نے دیکھا تو مجھے دو نوجوان عالم باعمل اور بہترین صاحب قلم مولانا محمد الحسنیؒ اور اسحاق جلیسؒ یاد آگئے میں ان دونوں کے علم، قلم اور کردار سے ہمیشہ متاثر رہا۔ اس وقت میری آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں اور میرا قلم کانپنے لگا ہے۔ افسوس! پچھلے سال میرے یہ دونوں پیارے عین جوانی میں آگے پیچھے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

مولانا محمد الحسنیؒ لکھنؤ کے مشہور و معروف بزرگ اور میرے مخدوم جناب مولوی ڈاکٹر سید عبدالعلیم سابق ناظم ندوہ (لکھنؤ) کے فرزند ارجمند اور مولانا ابوالحسن علی میاں کے بھتیجے تھے۔ ندوہ ہی میں تعلیم حاصل کی۔ اہل علم ان کی معیاری اردو اور معیاری عربی اور دونوں زبانوں میں انشا پردازی کے قائل ہیں۔ مولانا محمد الحسنی رح نے بہت سی عربی اور فارسی کتابوں کے کامیاب

کی ہے اس کے شر سے بچو۔ (تحفۃ الاحوذی شرح الجامع الصغیر للمناوی)

احسان کو جتانا یہ بھی بہت عام ہو گیا ہے اس کی سخت ممانعت ہے بالخصوص احسان کرنے کے بعد ستانا، طعنہ زنی، ایذا دینا تو بہت ہی برا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۚ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ (البقرہ-۲۶۲ تا ۲۶۴)	جو لوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد منت نہیں رکھتے نہ ایذا دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا کے یہاں بڑا اجر ہے۔ ان کو کچھ خوف و غم نہیں ہوگا۔ اچھی بات کہنا اور معاف کر دینا بہتر ہے اس صدقے سے جس کے بعد ایذا ہو خدا غنی اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو اپنے صدقات کو منت و ایذا سے باطل مت کرو جیسے دکھاوے کے لئے کوئی خرچ کرتا ہے۔

الغرض احسان کر کے اس کو جتانا یا طعنہ زنی کرنا یا ریا کے لئے خرچ کرنا ان سب سے بہتر خندہ پیشانی سے بات کرنا اور معاف کر دینا ہے۔

اخلاص

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ (اعراف ۲۹) خدا کو پکارو اس کے خالص فرمانبردار بن کر۔

اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ جو کام کیا جائے صرف خدا کے لئے ہو۔ اس میں کسی دنیاوی غرض کا شائبہ تک نہ ہو مثلاً کسی کے دکھانے یا شہرت یا کسی اور مقصد سے نہ کیا جائے ورنہ اُخروی ثواب ضائع ہو جاتا ہے

اچھی عادتیں

اِحسان

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (البقرہ — ۱۹۵)
احسان کرو، خدا احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حسن سلوک کو احسان کہتے ہیں اس میں اخلاقیات کے تمام شعبے سما سکتے ہیں اس لئے یہ الفاظ متعدد جگہ آئے ہیں اور اس کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (القصص — ۷۷)
احسان کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا

دیکھئے کیسے عمدہ پیرایہ میں احسان کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیت میں خدائی احسان کے مانند بھلائی کرنے کا مطالبہ ہے جس سے سبکدوش ہونا نہایت مشکل ہے۔ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو احسان کرتے ہیں مگر اس کے بدلے کے متمنی رہتے ہیں۔ یہ احسان نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کی تجارت ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ○ (المدثر — ۶)
ایسا احسان نہ کر جس کا تو بہت بدلہ چاہے

لیکن خود ہمیں احسان کا بدلہ دینا چاہیئے اس کے متعلق ارشاد ہے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ (الرحمٰن — ۶۰)
احسان کا کیا بدلہ سوائے احسان کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

آج کل کچھ عجیب اندھا طریق ہو گیا ہے کہ لوگ اپنے محسن کے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں شاید اسی زمانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جس کے ساتھ تم نے بھلائی

علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی شخص انتہائی عابد و زاہد ہو مگر اس کے ماں باپ ناخوش ہوں تو اس کی عاقبت خطرہ میں ہے۔

اظہارِ حق

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ ۴۲)

مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور حق بات کو جان بوجھ کر مت چھپاؤ۔

جو بات اپنے نزدیک صحیح ہو جان بوجھ کر اس میں غلط بات کا ملا دینا لوگوں کا فیشن ہو گیا ہے۔ اس کو تفریحِ طبع کا نام دیا گیا ہے فلاح پانے والوں کی ان الفاظ میں تشریح کی گئی ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر ۱ تا ۳)

قسم زمانہ کی انسان ٹوٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور حق کا پرچار کرتے، اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ نے اس سورت کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں جب دو مسلمان باہم دگر ملا کرتے تھے تو یہ سورت پڑھا کرتے تھے۔ تاکہ اظہارِ حق میں سست نہ ہو جائیں۔ اکثر ایسے مقامات میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی لئے تلقین و صبر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان سر دینا گوارا کرتا تھا مگر حق کے خلاف لب کشائی نہ کرتا تھا۔ آج یہ حالت ہے کہ خواہ مخواہ جھوٹ بول کر حق چھپاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"۔ اخلاص سے تھوڑا کام کرنا بہتر ہے اس سے جو بہت ہو مگر اخلاص سے خالی ہو۔ (بخاری و مسلم)

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۞ (الزمر-۲) اللہ کی عبادت خلوص سے کرو۔

غور سے دیکھا جائے تو ہمارے اکثر اعمال اخلاص سے دور ہوتے ہیں۔ اسلاف اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض حضرات تو نوافل بھی تو چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ کہیں دل میں ریا کا گذر نہ ہو جائے۔ مگر ریا کے خوف سے اعمال کا ترک کر دینا جائز نہیں۔

اطاعتِ والدین

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ (العنکبوت-۸) ہم نے انسان کو نصیحت کی ہے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی۔

ماں باپ کے حقوق بہت زیادہ ہیں ان کی نافرمانی حرام ہے۔ حتیٰ کہ ان کے کہنے سے مستحبات و نوافل کا چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے، جہاد کے لئے بھی بغیر ماں باپ کی اجازت کے حاصل کئے ہوئے نکلنا منع ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے۔

ماں باپ کی اطاعت، ان کی خدمت بڑی عمدہ اطاعت ہے، اگر ماں باپ کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (النساء-۳۶) والدین کے ساتھ احسان کرو۔

حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ سے عرض کیا کہ میری بیوی نہایت صالحہ ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں کیا میں اس کو طلاق دے دوں؟ آپ نے فرمایا "باپ کے فرمان کی اطاعت کرو"۔ (ترمذی)

یہ درسی کتابیں ہم سے طلب فرمائیں

ری کتاب قاعدہ نستعلیق ۱/۲۵	عام معلومات اول ۱/۵۰	بچیوں کی کتاب اول ۷۵/-
ی کتاب عکسی رنگین ۱/-	عام معلومات دوم ۲/۵۰	معلوماتی کہانیاں ۵۰/-
ری کتاب قاعدہ نسخ عکسی ۱/۲۵	عام معلومات سوم ۴/-	موٹر ۵۰/- ریل ۵۰/-
ی کہانیاں ۱/-	عام معلومات چہارم ۳/۵۰	آ، بی، اے (رنگین ہندی قاعدہ) ۱/-
ی کتاب اول عکسی ۱/۵۰	عام معلومات پنجم ۲/۵۰	ہماری پوتھی پرائمر ۱/۵۰
" دوم " ۲/۵۰	ہماری دنیا اول ۱/۵۰ دوم ۲/- سوم ۲/۷۵	ہماری پوتھی پہلا بھاگ ۱/۵۰
" سوم " ۳/-	پیاری نظمیں اول ۶۰/- دوم ۶۰/-	ہماری پوتھی دوسرا بھاگ ۲/۵۰
" چہارم " ۳/-	ہمارے نغمے اول ۷۵/- دوم ۷۵/-	ہماری پوتھی تیسرا بھاگ ۲/۵۰
" پنجم " ۴/-	آئینۂ تاریخ اول ۳/- دوم ۴/-	سچا دین اول ہندی ۱/۵۰
" ششم " ۵/-	پیارے رسولؐ عکسی ۷۵/-	" دوم " ۱/۵۰
سان کہانیاں ۱/-	ہادیٔ اعظم اول ۱/۵۰ دوم ۲/-	ذہنی تربیت ۲/-
لاقی کہانیاں اول ۱/- دوم ۱/- سوم ۱/- چہارم ۱/-	جدید ریاضی اول ۲/- دوم ۲/-	ماڈل پرائمر (زیر طبع)
یتوں کا ہار اول ۱/- دوم ۱/- سوم ۱/- چہارم ۱/۲۵	آسان ریاضی سوم جدید ۳/-	اے، بی، سی (رنگین انگریزی قاعدہ) ۱/-
دین اول ۲/۲۵ دوم ۲/۵۰ سوم ۳/- چہارم ۴/-	آسان ریاضی چہارم جدید ۴/-	انشا اور معلومات اول ۲/- دوم ۲/۵۰ سوم ۲/-
سیری ادب نثر ۵/-	آسان ریاضی پنجم جدید ۳/۵۰	منہاج العربیہ اول ۱/۵۰ دوم ۳/-
سیری ادب نظم ۵/-	بچیوں کی کتاب قاعدہ ۷۵/-	ترقی چارٹ ۴۰/-

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ چتلی قبر دہلی ۶

مالک پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر محمد اسحاق ... سے چھپوا کر ... دفتر سے شائع کیا۔ مقام اشاعت ... دہلی

Regd. No. M. R. D. 34

MONTHLY **HIJAB** RAMPUR U.P.

ہماری مقبول کتابیں

• مرد ناداں	2.00	• حضرت عائشہؓ (عظیم نمونہ) زیر طبع	
• شہزادہ توحید	1.00	• قرآن میں عورت کی حیثیت	[illegible]
• حمیدہ بیگمؒ	6.00	• خاتون جنتؓ	[illegible]
• نقلی شہزادہ	3.00	• منکر نکیر	[illegible]
• نظر بند	1.00	• کرتوت	[illegible]
• آج کے کوہکن	1.00	• اُلجھنوں سے گرفتار	[illegible]
• پیار کا سندیس	1.00	• کلام نرم و نازک	[illegible]
• احساس اُبھرتا ہے	1.00	• مقالات ماہل	[illegible]
• نماز کیسے پڑھیں (ہندی)	2.50	• خیر القرون	[illegible]

Hijab RAMPUR UP
P. 244901
رامپور۔ یوپی
رسالہ حجاب

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب

HIJAB

رام پور

جلد ۱۲

شوال سنہ ۱۴۰۱ھ

اگست سنہ ۱۹۸۱ء

شمارہ ۱۴۴

ایک پرچہ -/3

سالانہ زرتعاون -/37

V.P سے -/42

اس دائرہ میں سرخ نشان

اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے حجاب کے لئے جو زرتعاون عنایت فرمایا

تھا اس کی مدت اس پرچے کے ساتھ ختم۔ آئندہ کے لئے زرتعاون

عنایت فرمائیں "منیجر"

[illegible]

تاریخ و سیر

صحت و تندرستی

دائرۂ مباحث

ایمانیات

مقالات و مضامین

افسانے اور کہانیاں



عید مبارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک مرتبہ پھر عید کا دن دکھلایا۔

میری جانب سے نیز جماعت اسلامی ہند کے وابستگان کی جانب سے آپ سب کو عید مبارک!

محمد یوسف

(امیر جماعت اسلامی ہند)

اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ جنت ہی وہ اصلی گھر ہے جس سے شیطان نے ہمارے والدین (آدم وحوا) کو اپنی چالوں سے نکلوایا تھا۔ اس کی بھرجہد یہ ہے کہ سب انسان اللہ کی نافرمانی کرکے دوزخ میں جائیں اور جنت میں کوئی نہ جانے پائے۔ اس لئے شیطان کے جھانسوں سے ہوشیار رہیئے۔

عید کی خوشی میں خواتین کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا مردوں کا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر عورت عیدگاہ جایا کرتی تھی اور گھر میں لڑکیاں عید کی خوشی میں کچھ گنگنا بھی لیا کرتی تھیں۔ لیکن وہ اشعار فلمی گانوں کی قسم کے نہیں بلکہ پاکیزہ اشعار ہوتے تھے

اگر مسلمان مرد اور عورتیں خدا اور رسول کے احکام کی پابندی کریں تو انشاء اللہ دنیا بھی ان کی ہوگی اور آخرت بھی۔ اللہ تعالیٰ عذاب نار سے بچائے۔ آمین۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور شکر اور تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔

یہ عیدین کا شعار (motto) ہے جس کی گونج عید کے موقع پر ہر گلی کوچہ میں سنائی دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے، وہی اکیلا خالق، حاکم اور مالک ہے۔ باقی سب محتاج اور عاجز بندے ہیں۔ ہم اسی کے گن گاتے اور اسی کا حکم مانتے ہیں۔ اسی سے ڈرتے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ط

عید کی خوشیوں میں غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو نہ بھولیے۔ دل کھول کر ان کی مدد کیجئے

(محمد یوسف)

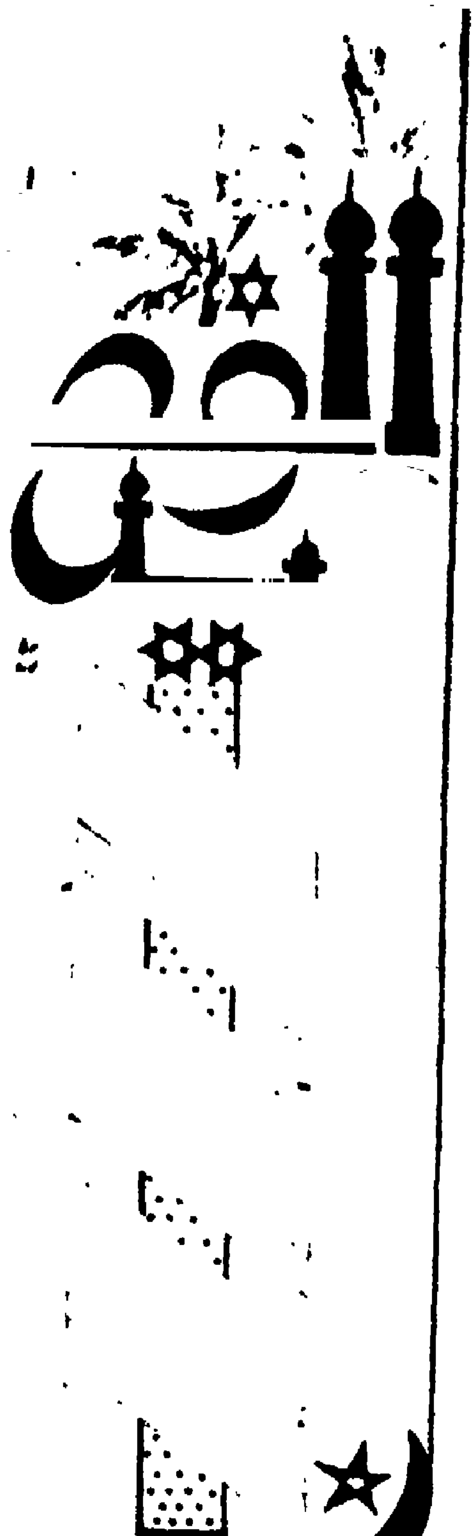
ایک الٰہی تنبیہہ

عید کا موقع چونکہ خوشی کا موقع ہوتا ہے اس لئے بہت سے لوگ ان حدود کا خیال نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں۔

آپ شیطان کی ان چالوں سے عید کے دن بھی اور روزمرہ کی زندگی میں بھی ہوشیار رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مناسب تنبیہہ قرآن میں دی ہے۔

"اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو!! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے، وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔"

خدا کے لئے آپ شیطان کی چالوں سے عید کے دن بھی اور تادمِ مرگ ہوشیار رہیئے۔ عید آتے ہی تقویٰ کے بند ڈھیلے نہ ہو جائیں اور مہینہ بھر کی محنت و مشقت کا ثمرہ ہاتھ سے ضائع نہ ہو جائے۔ عید کے بہانے سینما کا رخ کرنا اور کلچرل سرگرمیوں CULTURAL ACTIVITIES کے نام پر ناچ گانوں اور اختلاطِ مرد و زن کا اہتمام اگر اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یعنے قرآن اور حدیث نے اس کی اجازت دی ہو تو ضرور کیجئے لیکن اگر اللہ کو یہ چیزیں ناپسند ہوں ۔۔۔ اور یقیناً ناپسند ہیں ۔۔۔ تو ان سے خود بچئے اور اپنے اہل و عیال کو بچایئے۔ خدا کی نافرمانی پر اصرار کی وجہ سے شیطان اور اس کی ذریت دوزخ میں جائے گی لیکن نافرمانی سے توبہ کرنے والوں





دنیا میں جتنی قومیں پائی جاتی ہیں وہ ہر سال کچھ متعین تاریخوں میں خوشی کے دن مناتی ہیں۔ یہی خوشیوں کے دن تیوہار کہلاتے ہیں۔ یہ تیوہار کیوں منائے جاتے ہیں، ان کی بنیاد کیا ہے، دنیا کی قومیں اپنے تیوہار کیسے مناتی ہیں؟ ان سوالوں کے جوابات الگ الگ ہیں۔

وہ قومیں جن کا پیشہ کاشت کاری ہے، اپنے

کتنی آسان ہے بے راہ روی

انسان چاہتا ہے کہ اسکو ہر چیز آسانی سے مل جائے۔ انسان یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ جو کچھ چاہے کرے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہو۔ لیکن دین آدمی کو ٹوکتا ہے یہ کر یہ نہ کر۔ دین کی یہ پابندی انسان کو کھلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک برا آدمی اُسے آسانی سے ملنے والی چیز کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے، یار! جو جی میں آئے کرو۔ رکاوٹ خوب نہیں۔ طبع کی روانی میں رکاوٹ سے بدبو فساد کی آتی ہے بند پانی میں" تو اس بُرے آدمی کے بلاوے پر انسان جھٹ اس کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے پانی ڈھلوان کی طرف بہتا ہے اگر آپ بلندی پر پانی کے کسی ٹب میں سوراخ کر دیں تو آپ کے دیکھتے دیکھتے پانی اس میں سے بہہ کر نیچائی میں کہیں اکٹھا ہو جائے گا لیکن اگر اسی پانی کو دوبارہ بلندی پر پہنچانا چاہیں گے تو یہ کام آسانی سے نہ ہو گا اس کے لیے آپ کو پمپ کام میں لانا ہو گا۔ دوسری مثال لیجیے۔ پہاڑ پر کہیں ایک پتھر پڑا ہے۔ اس پتھر کو نیچے کی طرف لڑھکانے کے لئے بس ذرا سا اشارہ کافی ہے۔ وہ آپ سے آپ نیچے لڑھکتا چلا آئے گا لیکن یہی پتھر پھر پہاڑ پر پہنچانا ہو تو بڑی مشقت کرنی پڑے گی۔

یہ دونوں مثالیں سہل پسند اور من موجی آدمی پر فٹ آتی ہیں۔ کسی شخص سے اس کا نالائق دوست کہتا ہے کہ یار! فلاں جگہ نہایت خوبصورت عورت ننگی ناچ رہی ہے۔ چلو دیکھیں چل کر۔ نالائق دوست کا بس یہ اشارہ کافی ہے۔ من موجی جھٹ اس کے ساتھ ہو لے گا۔

دین کہتا ہے وہ حسینہ آ رہی ہے نظر نیچی کر لے۔ سود نہ کھا۔ رشوت نہ لے۔ صبح سویرے اٹھ۔ نماز پڑھ۔ سہل پسند آدمی کو یہ روک ٹوک بُری لگے گی۔ بڑا خوش نصیب آدمی ہے وہ جو دین کی طرف مڑ جائے۔ ہیرا بن جائیگا ورنہ کوئلہ۔ وہ تو جا بجا بہت بہت مل سکتا ہے۔

یہی ان کا سب سے بڑا تیوہار ہوتا ہے۔ اس دن وہ شہر سے باہر جا کر دن بھر طرح طرح کے مشغلوں سے دل بہلاتے اور خوش ہوتے ہیں۔ ان کے یہ مشغلے شراب، ناچ اور راگ سے بھرپور ہوتے ہیں۔ دن بھر لوگ انہی میں کھوئے رہتے ہیں۔

بہت سی قومیں اپنے تیوہار اپنے کسی خاص کارنامے کی یادگار میں مناتی ہیں۔ اس کی مثال ہمارے ملک میں دسہرا اور دیوالی کے تیوہار ہیں۔ ہندوستان کے خطہ "اودھ" کے مشہور و معروف اور مثالی حکمراں شری رام چندر جی کی لنکا کے راجہ راون سے ایک سخت جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں شری رام چندر جی کو بہت بڑی فتح حاصل ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ اپنے والد بزرگوار کے حکم سے چودہ برس کا بن باس اختیار کئے ہوئے تھے۔ راون پر فتح حاصل کرنے کے کچھ دنوں بعد چودہ برس بھی پورے ہو گئے۔ واپس ہوئے تو ایک طرف قوم نے چراغاں کر کے ان کا استقبال کیا، دیوالی کا تیوہار اسی چراغاں کی یادگار ہے، دوسری طرف جب راون پر فتح پانے کا حال سُنا تو اسے سلیبریٹ کیا، دسہرے کا تیوہار اسی فتح کی یادگار ہے جو آج تک ناٹک کی شکل میں منایا جاتا ہے۔ اس ناٹک میں وہ سارے مناظر سامنے لانے کی کوشش کی جاتی ہے جو شری رام چندر جی کو چودہ برس میں پیش آئے تھے۔

بعض قومیں جو کبھی غلام رہ چکی تھیں پھر جب وہ غلامی سے آزاد ہوئیں تو انھوں نے آزادی کے دن کو بھی اپنا قومی تیوہار بنا لیا۔ اس کی مثال ہمارے ملک میں "یوم آزادی" کا تاریخی تیوہار ہے جو ہر سال ریاستی پیمانہ پر بطور یادگار منایا جاتا ہے۔

بعض قومیں اپنے ملک کے کسی خاص ہیرو کی یادگار میں تیوہار مناتی ہیں۔ یہ تیوہار اس ہیرو کی تاریخ پیدائش کے دن منائے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں "جنم اشٹمی" کا تیوہار ایسا ہی تیوہار ہے۔ شری کرشن جی ہندوستان کے وہ مہاپرش گزرے ہیں جن کو بہت سے لوگ خدا مان کر پوجتے ہیں۔ ان کے کارنامے بھی عجیب و غریب ہیں۔ ان کارناموں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ ان کے کارناموں کو دیکھ کر ان کی طرف گرویدگی بڑھی اور انھیں یہاں کا بہت ہی اہم اور بڑا ہیرو تسلیم کر لیا گیا اور ان ہی کے جنم دن

تیوہار اناج بونے اور غلہ کاٹنے سے پہلے مناتی ہیں۔ جب ان کے اناج بونے کا وقت ہوتا ہے تو وہ بارش دیوتا کو خوش کرنے کے لئے عبادات کی کچھ رسمیں ادا کرتی ہیں تاکہ بارش کا دیوتا خوش ہوکر ان کے کھیتوں کو سرسبز اور شاداب کردے۔ پھر جب غلہ کاٹنے کا وقت آتا ہے تو ان کے خیال میں جو رزق کا دیوتا ہوتا ہے اس کی پرستش کی رسوم بجالاتی ہیں تاکہ وہ دیوتا ان کے پکے ہوئے غلے کی حفاظت کرے۔ اس سلسلے میں کاشت کار قومیں ندیوں، بادلوں، بجلیوں پر (اپنے خیال میں) متعین دیوتاؤں کو نذریں اور بھینٹیں پیش کرتی ہیں۔ ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے بھجن گائے جاتے ہیں۔ لوگ باجے بجاتے ہیں اور ناچتے ہیں اور بڑی سے بڑی قربانیاں دیتے ہیں۔ اب تو شاید کہیں رواج نہیں ہے مگر کسی زمانے میں کنواری کنیائیں ندیوں اور بادلوں کے دیوتاؤں کو بھینٹ دی جاتی تھیں۔ انھیں بنا سنوار کر دریاؤں میں غرق کردیا جاتا تھا۔ قوموں کا عقیدہ تھا کہ یہ قربانی دینے کے بعد بادلوں کا دیوتا خوش ہوجائے گا اور قحط نہ ڈالے گا۔

ایران کا ایک تیوہار نوروز ہے۔ یہ تیوہار موسم سرما کا زور ٹوٹتے ہی منایا جاتا ہے۔ جاڑوں میں ہر طرف برف جم جاتی ہے۔ پھر جب جاڑوں کا زور ٹوٹتا ہے، آفتاب کی تمازت (دھوپ کی تیزی) بڑھتی ہے، برف پگھلنے لگتی ہے۔ برف پگھلتے ہی خدا کی قدرت کا عجیب وغریب نظارہ سامنے آتا ہے۔ برف کے نیچے دبے ہوئے طرح طرح کے پھولوں کے بیج پھوٹنا شروع ہوجاتے ہیں اور ایران کی زمین لالہ زار بن جاتی ہے۔ چاروں طرف چمن کھلے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ حسن وجمال کے شیدائی اس موقع پر بڑی خوشی مناتے ہیں۔ طرح طرح کے کھیلوں، تماشوں اور بہترین کھانوں سے محظوظ ہوتے ہیں، شرابیں پیتے اور رنگ رلیاں مناتے ہیں اور اس طرح ان کے تیوہار کا یہ دن ختم ہوجاتا ہے۔

اس سے ملتا جلتا تیوہار یورپ کے ان خطوں میں منایا جاتا ہے جہاں سخت سردی پڑتی ہے اور برف دھنکی ہوئی روئی کی طرح زمین پر بچھ جاتی ہے، سورج کی کرنیں بہت ہی دھیمی پڑتی ہیں۔ پھر جب سورج شمال کی جانب بڑھنا شروع ہوتا ہے تو اس کی تیزی محسوس کرتے ہی وہاں کے لوگ خوش ہوجاتے ہیں۔ اس خوشی میں وہ ٹھیک اس تاریخ کو بڑا دن مناتے ہیں جب دن گھٹنا کم ہوجاتا ہے اور بڑھنا شروع ہوجاتا ہے۔

حقدار ہے کہ اسے عالمگیر تیوہار کہا جاسکتا ہے۔ یہ تیوہار اللہ کے بندوں کے لئے اور بندوں کے مالک اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے وہی منکر ہوسکتا ہے جو اللہ کو نہ مانے اور اللہ کی طرف سے انسانیت کو بلند کرنے کا جو طریقہ ملا ہے اس سے منھ موڑے۔

ہم اللہ کو مانتے ہیں اور ایک مانتے ہیں۔ آج ہم خوش ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں رمضان کے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہم آج کے دن اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم خود اس دنیا میں امن سے رہیں، دوسروں کو امن دیں اور پھر جب اپنے مالک کے سامنے آخرت میں کھڑے ہوں تو وہ ہم سے خوش ہو جائے۔ آمین۔

اللہ کو ایک ماننے والوں اور امن کی تلاش کرنے والوں کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن

سب سے پہلے عید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ یکم شوال ۲ھ بمطابق ۳ مارچ ۶۲۴ء کو منائی۔ دن منگل کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ مدینے سے باہر ایک ہزار گز کے فاصلے پر کھلے میدان میں تشریف لے گئے اور عید الفطر کی نماز ادا فرمائی اور یہی جگہ بعد میں عیدگاہ بن گئی۔

صدقہ فطر کی ادائیگی

عید کا چاند دیکھ کر سب سے پہلا کام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کرتے تھے وہ یہ تھا کہ صدقہ فطر ادا کرتے تھے اور عیدگاہ پہنچنے سے پہلے تقسیم کر دیتے یعنی بہرحال نماز پڑھنے سے قبل ضرور صدقہ فطر کی ادائیگی کر دیتے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ ہر مسلمان پر واجب کیا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، جوان ہو یا نابالغ۔ نابالغ کا صدقہ اس کے والد یا سرپرست کو ادا کرنا چاہئے۔ یہ صدقہ

کی تاریخ کو تیوہار بنالیا۔ اس تیوہار کا نام جنم اشٹمی ہے۔

مختصر یہ کہ دنیا میں اس طرح کے جو تیوہار منائے جاتے ہیں وہ یا تو موسمی ہیں یا قومی یا کسی ہیرو کی یادگار یا کسی فتح کی خوشی کی وجہ سے منائے جاتے ہیں یا آزادی حاصل کرنے کی بنا پر۔ ایسے موقعوں پر خوشیاں منانا فطری خواہشوں کا تقاضہ بھی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی تیوہار عالم گیر تیوہار نہیں بنایا جاسکتا۔ جس قوم نے کبھی آزادی حاصل کی اور اس نے آزادی کے دن کو تیوہار بنایا اس سے کسی دوسری قوم کو کیا خوشی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس میں حصہ لے؟ کسی ملک کے ہیرو کو دوسری قومیں کیوں اپنا ہیرو تسلیم کریں؟ کسی ملک کے جیتنے پر فاتح کی خوشی بے شک فطری ہونا چاہئے لیکن جو قوم وہی لڑائی ہاری وہ کیوں کر اس خوشی میں حصہ لے سکتی ہے؟

اب آیئے ہم اپنے مذہبی تیوہار عیدالفطر پر ایک نظر ڈالیں۔ اس تیوہار کا پس منظر یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں انسان کو انسان بنانے کے لئے سارے جہان کے پروردگار اور مالک نے اپنا قانون اتارا جو قرآن کی شکل میں سب کے سامنے ہے۔ اس مالک نے انسان کو حکم دیا کہ ایسا بہترین قانون پاکر میرا شکر ادا کرو۔ شکر ادا کرنے کا طریقہ بھی بتادیا کہ مہینے میں روزے رکھو اور جب روزوں کے رکھنے میں کامیاب ہو جاؤ تو سب ایک جگہ جمع ہو کر ایک ساتھ شکر ادا کرو، مجھ سے انسانیت کی توفیق طلب کرو، اس دنیا کو امن سے بھرنے کا عزم کرو اور اس دن کی کامیابی کی تیاریوں میں لگ جاؤ جہاں میرے سامنے کھڑے ہو کر تم کو اپنی زندگی کے اچھے برے کاموں کا حساب دینا ہوگا اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

یہ ہے عیدالفطر کا تیوہار۔ عید کے دن صدقہ کا حکم ہے، اللہ کی حمد و ثنا کا حکم ہے، دو رکعت نماز کا حکم ہے، خوشی منانے کا حکم ہے لیکن اس طرح کہ نہ اللہ سے غافل ہوا جائے نہ اللہ کے بندوں سے، نہ کھیل نہ تماشہ، نہ ناچ نہ گانا اور نہ ایسی ہی دوسری خدا کو بھلانے والی تفریحات۔

عیدالفطر کے تیوہار کو جو لوگ مناتے ہیں وہ چاہے ہندوستان کے رہنے والے ہوں یا پاکستان کے، چین کے باشندے ہوں یا جاپان کے، امریکہ میں رہتے ہوں یا یوروپ میں، ایران و عرب کے باسی ہوں یا افریقہ کے برِاعظم کے، سب ایک ہی تاریخ کو مناتے ہیں، ایک ہی طرح مناتے ہیں۔ ہاں یہ تیوہار اس کا

باجماعت نماز پڑھاتے اور برخلاف دوسری نمازوں کے دونوں عیدوں میں نہ تو نماز کے لئے اذان دیتے اور نہ نماز شروع کرتے وقت اقامت کا حکم دیتے یعنی عیدین کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ادا فرماتے مگر بہرحال نماز باجماعت ادا فرماتے۔ قرأت عموماً لمبی کرتے مگر کمزوروں اور عورتوں اور بچوں کا ضرور خیال رکھتے۔

دو رکعت پڑھ چکنے اور سلام پھیرنے کے فوراً بعد آنحضور کھڑے ہوتے اور مجمع کی طرف منہ کر کے لوگوں کو کچھ وعظ و نصیحت کرتے، کوئی خاص حکم دینا ہوتا تو ارشاد فرماتے اور اگر کہیں فوج بھیجنی ہوتی تو اس کی روانگی کے متعلق احکامات جاری فرماتے۔ یہ خطبہ حضورؐ بغیر کسی منبر کے کھڑے ہو کر پڑھتے اور خطبہ کے اختتام پر دعا فرماتے۔

مردوں میں خطبہ دینے کے بعد آنحضرتؐ عورتوں میں آتے تو اس وقت آپؐ کے غلام حضرت بلالؓ حضورؐ کے ساتھ ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو نصیحت فرماتے۔ پھر ان کو صدقہ کا حکم دیتے اور اس پر عورتیں اپنی بالیں اور دوسرے زیور حسب توفیق ڈال دیتیں اور حضرت بلالؓ سب چیزیں جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتے۔

یاد رہے کہ یہ صدقہ صدقۂ فطر کے علاوہ ہوتا تھا۔ صدقۂ فطر نماز سے پہلے ہی دیتے۔ اس کے بعد اور جو صدقہ دیتے وہ معمولی سا دیتے۔

ان دونوں خطبوں سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس شہر کو تشریف لاتے لیکن ساری عمر حضورؐ کا یہ دستور رہا کہ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس آتے۔ یہ اس لئے تھا کہ مدینہ کے دوسرے باشندوں عیسائیوں اور یہودیوں پر اسلام کی شوکت اور عظمت کا احساس ہو جب کہ وہ بہت سے آدمیوں کو اس شان کے ساتھ اکٹھے آتے اور جاتے دیکھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے خلفائے کرام ہمیشہ عید کی نماز کھلے میدان میں شہر کے باہر پڑھاتے رہے مگر ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بارش سخت ہوتی جا رہی تھی اور باہر میدان جانے کا موقع نہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی ہی میں نماز عید ادا فرمائی تھی۔

اس مجبوری کے سوا آپؐ نے اور آپؐ کے خلفاء نے کبھی مسجد میں عید کی نماز نہیں پڑھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس لئے قائم کیا کہ رمضان کے روزوں میں اگر کچھ نقص رہ گیا ہو تو اس کی تلافی اس صدقہ سے ہو سکے۔ یہ صدقہ یتیموں، بیواؤں، معذوروں، لاچاروں، غریبوں اور مسکینوں کا حق ہے۔ اپنے غریب رشتہ داروں کو بھی یہ صدقہ خاموشی سے دے سکتے ہیں اور حاجت مندوں پر بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

حضرت رسول کریمؐ اور صحابہؓ ایک صاع فی کس دیا کرتے تھے اور صدقہ جو، گیہوں، خشک چھوہارے، خشک انگور اور پنیر وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک صاع ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک کا ہوا کرتا تھا۔ اس بات کی اجازت ہے کہ اگر پورا صاع کوئی ادا نہیں کر سکتا تو نصف صاع دیدے، مگر دے ضرور۔ ہاں جو صحابہؓ بہت ہی غریب ہوتے تھے اور نصف صاع بھی نہیں دے سکتے تھے ان کے لئے صدقۂ فطر معاف تھا۔ عام طور سے اس وقت یہ قاعدہ تھا کہ ہر بڑے شہر میں عید کی صبح بہت سویرے صدقہ دینے کا اعلان آنحضرتؐ یا خلیفہ تمام گلیوں اور بازاروں میں ایک شخص کے ذریعہ کرا دیا کرتے تھے۔ اسی طرح صدقۂ فطر وصول کرنے کے لئے بھی ایک شخص کو مقرر کر دیا جاتا تھا کہ تمام صدقۂ فطر ایک انتظام کے تحت ضرورت مندوں میں تقسیم ہو سکے اور یہ نہ ہو کہ کسی غریب کو ڈھیروں مل گیا اور کسی غریب کو ذرا سا بھی نہ ملا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ صدقۂ فطر جمع کرنے کا کام حضرت ابوہریرہؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ صدقہ میں بجائے جنس کے اس کی قیمت بھی دے سکتے تھے۔

دوگانہ عید

عید کے روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غسل اور وضو کرتے اور اعلیٰ کپڑے پہنتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ عید کے روز حضورؐ بہت عمدہ کپڑا پہنا کرتے تھے۔ ایک چادر جو کہ قیمتی اور خوشنما کپڑے کی ہوتی، جس پر سرخ اور سبز دھاریاں پڑی ہوتیں۔ جس کو میسر ہوتا کپڑوں میں خوشبو لگاتا، سر میں تیل ڈالتا اور کھجوریں یا کوئی میٹھی چیز کھا کر یہ تکبیر پڑھتے ہوئے گھروں سے باہر نکل پڑتے:۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد"

نماز فجر اور نماز عید کے درمیان کوئی نماز نہ پڑھتے۔ عیدگاہ پیدل جاتے وقت آہستہ آہستہ تکبیریں پڑھتے۔ عیدگاہ پہنچ کر جب سورج سوا نیزہ بلند ہو جاتا یعنی جب چاشت کا وقت ہو جاتا اس وقت آنحضورؐ صحابہؓ کو


ایمان افروز کہانی
مائل خیرآبادی
(سعد و سلمیٰ)
محبت، ایمان اور یقین کی ملی جلی داستان
قیصر و کسریٰ
ناقابلِ فراموش شخصک

اظہارِ مسرت کا طریقہ

نمازِ عید ادا کرنے کے بعد ہی اظہارِ مسرت کا روحانی طریقہ بتلاتے۔ آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو اس امر کی اجازت دے دی کہ بے شک ظاہری طور پر تم اس دن خوشی اور مسرت مناؤ، اپنے دوستوں اور عزیزوں کو دعوت دو اور ان کی دعوتیں کھاؤ، تم ان کو تحفہ دو اور وہ تمہیں تحفے دیں، کھیل تماشوں میں بھی اگر مشغول رہو تو کوئی حرج نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ عید کے روز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دو لڑکیوں کو پاس بٹھا رکھا تھا جو بڑی خوش الحانی سے گا رہی تھیں۔ یہ گانے جنگ بعاث کے متعلق تھے۔ اتنے میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور بچھونے پر دوسری طرف منہ کر کے لیٹ گئے۔ لڑکیاں گاتی رہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ محظوظ ہوتی رہیں۔

یکایک ان کے والد محترم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے اور یہ نظارہ دیکھ کر آپ نے بیٹی کو جھڑکا اور فرمانے لگے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر پر یہ شور۔ اس پر حضرت رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیرا اور ارشاد فرمایا "ابوبکرؓ! ان کو کچھ نہ کہو۔ آج عید کا دن ہے۔ ان کو بھی خوشی منا لینے دو۔"

ایک دوسرے موقع پر اسی عید کے دن نٹ اور بازیگر تماشہ کرنے آ گئے اور انھوں نے ڈھالوں اور برچھیوں کے کرتب دکھانا شروع کر دیئے۔ جب ان ڈھالوں اور ڈھول ڈھمکیوں کی آوازیں حضرت صدیقہ محترمہؓ کے کانوں میں پڑیں تو عمر کے تقاضے سے ان کی طبیعت بے چین ہو گئی۔ یا تو انھوں نے خود درخواست کی یا ان کی اس وقت کی بے چینی دیکھ کر خود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا "کیوں عائشہ! کیا تماشہ دیکھنے کو دل چاہتا ہے؟"

حضرت صدیقہؓ نے جواب دیا "جی ہاں حضورؐ! چاہتا ہے۔" اس پر خدا کا مقدس ترین نبیؐ اپنے تمام تر تقدس کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور بازیگروں کو حکم دیا کہ قریب آ جاؤ اور یہاں آ کر میرے سامنے کھیلوں کا مظاہرہ کرو۔ وہ حکم کی تعمیل میں آگے آ گئے اور انھوں نے اپنے تماشے اور کرتب دکھانا شروع کئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دروازے میں کھڑے ہو گئے اور ان کے پیچھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو گئیں۔ خود فرماتی ہیں کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے کھڑی ہو گئی ـــــ

"مگر بات تو سچ ہے۔ یا سعد! کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟ ہمارا خاندان خزرج کہتا ہے یہ ہم پر اوس کی فتح ہے۔ ہم اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔"

"اس کے معنے یہ ہیں کہ پھر کوئی جنگ بعاث چھڑ جائے گی اور خزرج اور اوس کے نوجوان باہم ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔"

"ٹکرا جاتے! وہ تو کہئے بوڑھے شعیب پر اللہ کی رحمتیں نازل ہو گئیں۔"

"اس نے کیا کہا؟"

"اس نے وہی بات کہی کہ سلمیٰ کا یہ اقدام احسان ہے اوس پر خزرج کے خاندان کا۔ خزرجی نوجوانوں نے فتحمندانہ نظر ڈالی اوس پر اور اوسیوں کی گردنیں جھک گئیں۔ اور پھر پہلے اوسیوں نے اپنی تلواریں میانوں میں کر لیں پھر خزرجیوں نے۔"

"لیکن یہ جذباتی رفع دفع کا معاملہ ہے سلمیٰ!"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اسی لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پھر شیطان کسی کے کان میں کچھ پھونک دے اور تلواروں سے فیصلہ ہونے لگے۔"

"یہ تو کل دیکھا جائے گا۔ اس وقت کوئی خزرجی ہمیں تو نہیں دیکھ رہا ہے؟"

"ہم مغرب تک بالکل محفوظ ہیں۔"

"تو پھر ہمیں وقت کی قدر کرنی چاہیئے!"

"بے شک۔ بتاؤ تم نے وہاں کیا دیکھا؟ کیا سُنا؟"

"میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا۔ لوگ اسے امین و صادق کہتے ہیں۔"

"یعنی وہ بہت ہی ہر دلعزیز ہے۔"

"لیکن لوگ اس کے دشمن ہیں۔"

"یا للعجب! تضاد یا سعد! تضاد!!"

"تم کب آئے اور کیا خبر لائے؟"

"میں آج ہی آیا ہوں اور بڑی مبارک خبر لایا ہوں۔"

"مرحبا! میں نے آج تمہارے لئے بڑی خوبصورت کھجوریں چنی ہیں۔"

"یہاں سب خیریت ہے؟"

"مجھے اندیشہ ہے۔"

"کیا؟"

"میں نے اس دن تم کو اپنے چشمے کا پانی پلایا تھا، یاد ہے؟"

"ہاں ہاں یاد تو ہے۔"

"بس اس پر ایک ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا۔"

"وہ کیسے؟"

"میرے قبیلے کے کسی 'خزرجی' نے شور مچا دیا کہ 'سلمیٰ خزرجی' نے ایک 'اوسی' نوجوان کو اپنے چشمے کا پانی پلا دیا۔"

"اس میں ہنگامے کی بات کیا تھی؟ یہ تو احسان تھا اوسیوں پر خاندان خزرج کا!"

"مگر اس میں ایک شوشہ اور ملا دیا گیا۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ سلمیٰ اور سعد آپس میں محبت کرتے ہیں۔"

"یہ یقیناً کسی شیطان کا کام ہے۔"

"دوسرا ذریعہ یہ ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے فرشتے کو بھیجے اور وہ خدا کی مرضی بتائے اور اس پر عمل کرکے دکھائے"

"ٹھیک! یاسعد! اس میں ایک الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ فرشتے کا عمل انسانوں کے لئے نمونہ کیسے بن سکتا ہے؟"

"مرحبا، جزاک اللہ! اس کے بعد یہی ایک شکل ہو سکتی ہے کہ اللہ کسی انسان کو اپنا رسول بنائے اور اسے اپنی مرضی بتائے اور وہی شخص لوگوں کو اللہ کے حکم سنائے اور عمل کرکے دکھائے۔"

"واقعی یہی صورت ممکن ہے۔"

"مگر سلمٰی! سارا جھگڑا یہیں سے اٹھ کھڑا ہوا۔"

"وہ کیسے؟"

"جب اس شخص نے کہا کہ مجھے اللہ نے اپنا رسول بنایا ہے، میں تم کو اللہ کے حکم سناتا ہوں وَاتَّقُوهُ واطیعون۔ تم اللہ سے ڈرو اور میری مدد کرو۔ اس کے ساتھ اس نے پہلا اعلان یہ کیا کہ یہ بت جو تم نے خود بنائے ہیں یہ خدا نہیں ہو سکتے۔ یہ محض مجبور ہیں۔ ان کو مت پوجو۔ ان سے مرادمت مانگو۔ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو ساجھی نہ بناؤ۔ بس یہ سننا تھا کہ لوگ اس شخص کے دشمن ہو گئے اور اس سے جھگڑنے لگے"

"یاسعد! ذرا ٹھہرو۔ یہ بتاؤ، کیا وہ شخص پاگل تو نہیں ہے؟"

"سلمٰی! وہ پاگل کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کے دشمن آج بھی امانت اس کے پاس رکھتے ہیں، اپنے جھگڑوں کا فیصلہ اس سے کراتے ہیں، مشورہ اس سے کرتے ہیں۔ وہ غریبوں کا ہمدرد، یتیموں کا والی اور بیواؤں کا سہارا بنا ہوا ہے۔"

"یاسعد! تم نے وہاں کے لوگوں سے یہ بھی پوچھا کہ کبھی وہ جھوٹ بھی بولا؟"

"میں نے پوچھا لیکن ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ اس شخص نے ابھی تک کوئی بات جھوٹ نہیں کہی۔"

"تو پھر سعد! اسے کوئی بڑا لالچ ہوگا۔"

"مگر اس کا تجربہ مکے والوں نے کرلیا۔ اسے کوئی لالچ بھی نہیں۔ سنو! مکے کا سب سے زیادہ تجربہ کار بوڑھا اور بڑا آدمی عتبہ اس شخص کے پاس گیا۔ کہا — اے محمدؐ! اگر تم اپنے اندر جنون محسوس کرتے ہو تو ہم تمہارا

"وہ کہتا ہے کہ ساری کائنات اللہ نے بنائی ہے۔"

"اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔"

"وہ کہتا ہے کہ خالق صرف اللہ ہے باقی سب مخلوق ہیں۔"

"لاریب۔ اس میں کیا شک ہے۔۔۔"

"پھر وہ کہتا ہے کہ جب خالق اللہ ہے تو ہر شے اسی کی ہوئی۔"

"بے شک۔۔۔"

"پھر وہ کہتا ہے کہ جب ہر شے اسی کی ہے، مالک وہی ہے، تو ہم سب کو اسی کی مرضی پر چلنا چاہیے۔"

"شکر گزار لوگوں کا یہی شیوہ ہونا چاہیئے۔"

"اب سوال اٹھتا ہے سلمیٰ کہ اس مالک کی مرضی کیسے معلوم ہو؟"

"بالکل فطری سوال ہے۔"

"سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا خدا خود بتانے آئے؟"

"ناممکن۔ وہ لاشے ہے۔ کسی شے میں نہیں آ سکتا۔"

"مرحبا! یا سلمیٰ! یہ وہی جواب ہے جو اس شخص نے دیا تھا۔"

"واقعی! یا سعد! کیا کہا تھا اس نے نہیں۔۔۔۔ نہیں بلکہ اس نے کیا فرمایا تھا؟"

"لوگوں نے کہا کہ جب تک خدا خود آ کر نہ بتائے کہ وہ کیا چاہتا ہے اس وقت تک ہم کیسے کسی کی بات مان سکتے ہیں۔ اِس پر اُس شخص نے کہا کہ خدا کا کوئی جسم نہیں۔ وہ تو نور ہے۔ وہ کسی جسم میں نہیں آتا۔"

"یا سعد! بالفرض ہم مان لیں کہ خدا کسی جسم میں ہمارے سامنے آئے اور کہے کہ میں خدا ہوں تو بھی ہم شک میں پڑ سکتے ہیں۔"

"ماشاء اللہ! بہت ذہین ہو تم سلمیٰ!"

"پھر خدا کی مرضی معلوم کرنے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے؟"

"اور نوجوان علی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی اور جوانوں میں زید بن حارثہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام جس کا باپ اسے لینے آیا تھا مگر وہ محمدؐ کی غلامی چھوڑ کر باپ کے ساتھ نہیں گیا، ان دونوں نے رسول مان لیا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"اس کے بعد ان سب نے جم کر توحید کی تبلیغ کی تو اب مکے کا کوئی گھر ایسا نہیں جس کا کوئی نہ کوئی نوجوان چاہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا، مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ اب مکے کے سرداروں کا یہ حال ہے کہ وہ غصے میں اپنی انگلیاں چبا رہے ہیں۔ انھوں نے مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو گھروں میں قید کر دیا ہے اور ان کی زندگی دوبھر کر دی ہے۔ بہت سے مسلمان حبش بھاگ گئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ انھیں جان کا خوف ہے بلکہ اس لئے کہ انھیں ایسی پناہ کی جگہ مل جائے کہ وہ اپنے اللہ کی عبادت اپنے رسول کے بتائے ہوئے طریقے سے کر سکیں۔"

"بہت اچھا کیا، نکل گئے۔"

"سُنا ہے کہ حبش میں ان کو پناہ مل گئی اور وہاں کا عیسائی بادشاہ مسلمان ہو گیا۔"

"سُبحان اللہ، سعد! ایک بات کہوں؟"

"کہو۔ وہ کیا بات ہے؟"

"وہ بات یہ ہے کہ ہم دونوں کی زبانوں سے بے ساختہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ نکل گیا۔ اب ہم شعوری طور پر ایک بار پھر کیوں نہ اس کلمے کی تجدید کر لیں۔"

"ایک بار نہیں سَو بار۔"

سعد و سلمٰی نے ایک دوسرے کو گواہ بنا کر پھر کلمۂ شہادت پڑھا۔ اچانک سلمٰی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"کیا ہو گیا سلمٰی تم کو؟ میں تم پر اپنے کو قربان کر دوں گا۔"

"سعد! رفیقی و صدیقی (سلمٰی آنکھوں میں آنسو بھر لائی) ہمارا یہی گناہ کیا کم تھا کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن قبیلوں سے ہیں اور آپس میں محبت کرتے ہیں اس پر طرّہ یہ کہ ہم نے ان معبودوں کو خدا ماننے سے انکار کر دیا جن کو اوس اور خزرج پوجتے ہیں۔ اب اوس تم کو اور خزرج مجھ کو کیسے برداشت کریں گے؟"

بہترین علاج کرا سکتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے سردار بن جاؤ تو ہم یہ بھی تسلیم کر لیں گے۔ اگر تم دولت چاہتے ہو تو ہم تم کو اتنی دولت دیں گے کہ تمہاری سات پشتیں فضول خرچی کے ساتھ لٹائیں تب بھی ختم نہ ہو اور اگر تم عرب کی کسی حسین ترین لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو ہم ایسی لڑکی بھی ڈھونڈ نکالیں گے لیکن تم ہمارے معبودوں پر تنقید نہ کرو۔ سلمٰی! حیرت کرو۔ اس امین اور صادق نے یہ چاروں باتیں ٹھکرا دیں۔ پھر جب اس کو جان کی دھمکی دی گئی تو۔ سنو سلمٰی! وہ کہتا ہے میرے ایک ہاتھ میں سورج رکھ دو اور دوسرے ہاتھ میں چاند تب بھی میں یہی کہوں گا کہ خدا ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے، اس کا کوئی ساتھی اور شریک نہیں یہ بت مخلوق ہیں، بے بس ہیں، یہ محض تمہارا ڈھونگ ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔"

"لاریب فیہ!"

"سلمٰی! میں نے جب اس کے بارے میں تحقیق کر لی تو میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

"تو سعد! تم گواہ رہو۔ میں بھی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

"مرحبا۔ جزاک اللہ سلمٰی! ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

"اب یہ بتاؤ مکے والوں میں سے کسی نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول مانا یا کسی نے نہیں مانا؟"

"مانا۔ سب سے پہلے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی خدیجۃ الکبریٰ نے انھیں رسول تسلیم کر لیا۔"

"یہ تو سب سے بڑی دلیل ہے سعد! بیوی اپنے شوہر کے عیوب سے کما حقہٗ واقف ہوتی ہے۔"

"پھر مکے کے ذہین ترین شخص جنھیں مکے والے اپنا سفیر بنا کر بھیجا کرتے تھے یعنی ابوبکر جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے دوست تھے کہ من تو شدم تو من شدی والی بات تھی انھوں نے بھی کسی جھجک کے بغیر آپؐ کو اللہ کا رسول مان لیا۔"

"سعد! دوست سے بھی اپنے عیوب کوئی چھپا نہیں سکتا۔ اور؟"

مٹیں اور پھر قسطنطنیہ کے سامنے جا کر ڈٹ گئے۔ قیصر ہرقل کو بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے خسرو کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجا اور بڑی عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ میں ہر قیمت پر صلح کے لیے تیار ہوں مگر اس نے جواب دیا کہ اب میں قیصر کو اس وقت تک نہ بخشوں گا جب تک کہ وہ زنجیروں میں جکڑ کر میرے سامنے نہ لایا جائے اور اپنے عیسائی مذہب کو چھوڑ کر مجوسی مذہب اختیار نہ کرلے۔

خسرو کے اس سخت جواب نے قیصر کو مایوس کر دیا۔ اس کے کچھ جانباز سپاہی اب بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس نے ان کو ساتھ لیا اور اپنی راجدھانی قسطنطنیہ چھوڑ کر جنگل جنگل بھٹکنے کے لیے نکل گیا۔"

"اف بے چارہ!" عبرتناک لیکن دلچسپ کہانی سنتے سنتے سلمٰی کی زبان سے نکلا۔ سعد ذرا رکا، پھر بولا،

"یہ بے چارہ مکے کے ان بے چاروں سے کس درجہ ملتا جلتا ہے جو اپنی جان اور اپنا ایمان لے کر حبش کو نکل گئے"

"بالکل! بالکل!"

"کیا خیال ہے سلمٰی! کیا قیصر اب اپنا مقام برقرار رکھ سکے گا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"کیا عیسائی اب اپنے قلعے ایرانیوں سے واپس لے سکیں گے؟"

"کبھی نہیں۔"

"لیکن میں نے ایک نہایت ہی عجیب و غریب، انوکھی اور نرالی بات مکے کے اندر دیکھی اور سنی۔"

"وہ کیا؟"

"اللہ تعالیٰ نے حیران کر دینے والی آیتیں نازل فرمائیں۔"

"یاسعد تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، مجھے وہ آیتیں سناؤ"

"سنو،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ
فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ

سلطے نے پلک جھپکائی تو دو موٹے موٹے آنسو اس کے دامن پر گر کر جذب ہو گئے۔ سعد کچھ دیر تک متاثر رہا۔ پھر جب سلمٰی نے اسے جھنجھوڑا تو اس نے کہا:

"سلطے! اس وقت ایک ایسی تدبیر سمجھ میں آرہی ہے جسے ہم اپنی کامیابی کی شاہ کلید کہہ سکتے ہیں اگر تم بھی پسند کرو۔"

"میں ضرور پسند کروں گی سعد!"

"اس وقت ایرانیوں اور عیسائیوں کے درمیان زبردست جنگ ہو رہی ہے۔ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے اسے مذہبی جنگ کا رُخ دے دیا ہے اور اب وہ ایرانیوں اور عیسائیوں کی نہیں، اب وہ قیصر و کسریٰ کی نہیں بلکہ مجوسیت اور مسیحیت کی جنگ ہے۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے زبردست فتح حاصل کی۔ وہ عیسائیوں کے قلعے پر قلعے فتح کرتے ہوتے بیت المقدس میں گھس گئے اور ۹۰ ہزار عیسائیوں کو اس شہر میں قتل کیا۔ عیسائیوں کا سب سے بڑا اور مقدس کلیسا انھوں نے تباہ کر دیا۔ اصلی صلیب جس پر عیسیٰ مسیح نے جان دی تھی وہ بھی لوٹ کر لے گئے لاٹ پادری زکریاہ کو بھی پکڑ کر لے گئے۔ تمام گرجوں کو ڈھا دیا۔ سُن رہی ہو سلطے!"

"میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"اس فتح کا نشہ جس بری طرح خسرو پرویز پر چڑھا تھا اس کا اندازہ اُس خط سے کیا جا سکتا ہے سلمٰی! جو اس نے بیت المقدس میں بیٹھ کر قیصر کو لکھا تھا۔ سلطے! غرور و نخوت کی انتہا پر غور کرو۔ خسرو قیصر کو لکھتا ہے:—

> سارے خداؤں سے بڑے خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کمینے اور بے شعور بندے ھرقل کے نام ——————
>
> تو کہتا ہے کہ مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھوں سے بچا لیا؟.............

اس کے بعد اس کی فوجیں دیکھتے دیکھتے اردن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقے کو روندتی ہوئی مصر میں داخل ہو گئیں۔ پھر طرابلس میں عیسائی فوجوں کو مارتی اور دباتی ہوئی ایشیائے کوچک کی طرف

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مگر تمہیں پتا ہوگا کہ اس معاملے میں تم کو اپنی کامیابی کی کیا نشانہ کیسے ملی؟"

"میں نے وہاں سنا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ یثرب (مدینہ) جائیں گے اور یثرب کے لوگ ان کی مدد کریں گے۔ میرا دل کہتا ہے کہ حضورؐ کے مدینہ پہنچنے پر اللہ تعالیٰ اوس اور خزرج کے دل جوڑ دے گا اور شاید انہی کی مدد سے مسلمانوں کو مکے والوں پر فتح حاصل ہو گی۔"

"تمہارا یہ جائزہ تو خوب ہے۔ میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔ تو پھر کیا ہو؟"

"تو پھر ہم تم یہ کریں گے کہ یہاں سے نکل چلیں، بدویوں کا ساتھ دیں اور ایرانیوں سے لڑیں۔ انشاء اللہ دس سال کے اندر حالات سازگار ہوں گے۔ پھر جب سنیں کہ اوس اور خزرج کے دل اللہ تعالیٰ نے جوڑ دیئے تو ہمیں یثرب واپس ہونے میں خوشی ہی ہو گی۔ اور اس وقت... اس وقت... اس وقت...!"

"ہاں پھر اس وقت کیا؟ کہو کہو سعد! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اوس مجھے اور خزرج تمہیں قبول کر لیں گے۔ پھر..."

"پھر کیا سعد! میں بھی تو سننا چاہتی ہوں۔"

"پھر یہ کہ ہماری تمہاری محبت بھی کامیاب ہو گی۔"

"یعنی؟"

"کیا تم نہیں سمجھیں سلمےٰ؟"

"سمجھا تو نہ۔"

"یعنی یہ کہ جو تمہارا دل چاہتا ہے اور میرا دل..."

"کیا چاہتا ہے میرا دل اور تمہارا دل؟"

"انشاء اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہمارا نکاح پڑھائیں گے۔"

سلمےٰ کے چہرے پر شرم سے ملی جلی سرخی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اپنا چہرہ چھپا لیا

(باقی اگلے حجاب میں)

مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝

رومی قریب کی سرزمین میں ہار گئے ہیں۔ وہ اپنی اس ہار کے بعد چند سال کے اندر فتح پائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا مگر بہت سے لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (سورۂ روم آیات ۱ تا ۶)

"یا سعد! اگر اللہ نے یہ فیصلہ فرمادیا اور یقیناً اس نے فرمادیا ہے تو پھر یہی ہو کر رہے گا۔"

"مگر سنو سلمٰی! یہ آیتیں نازل ہوئیں تو مکے والے ان کا بڑا مذاق اڑا رہے تھے۔"

"ان کو تو مذاق بنانا ہی چاہیے۔ وہ نہ تو قرآن کو مانتے ہیں اور نہ اللہ کے نبی کو۔"

"ہاں! وہاں ایک دلچسپ شرط ہو گئی۔"

"اچھا! وہ کیا؟"

"ابوبکرؓ اور مکے کے ایک سردار اُبّی بن خلف میں یہ شرط ہو گئی کہ اگر دس سال کے اندر رومی جیت گئے تو اُبّی بن خلف سو اونٹ ابوبکرؓ کو دے گا اور اگر دس برس میں رومی نہ جیتے تو ابوبکرؓ سو اونٹ اسے دیں گے۔"

"سعد! ابوبکرؓ کا ایمان بہت پکا ہے۔"

"بے شک۔ اور انشاء اللہ یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہو کر رہے گی۔"

"اور اس دن مسلمانوں کو دُہری خوشی ہو گی۔ ایک خوشی یہ کہ رومی جیتیں گے لیکن دوسری خوشی کیا؟"

"سلمٰی یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ جب رومی ایرانیوں پر فتح پائیں گے تو انہی دنوں مسلمان مکے والوں کو شکست دیں گے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمۃ

یہ آب و گل کریں گے حشر تک لعل و گہر پیدا
ابوالاعلیٰ سا مشکل سے مگر ہوگا بشر پیدا

ذکر دانائے رازِ اقبال کو جس کی تمنا تھی
ملک اللہ ہوا وہ خود شناس و خودنگر پیدا

اذانِ حق تھی یا تھا صورِ اسرافیل کا کڑکا
ہوا بت خانۂ لندن میں شورِ الحذر پیدا

تھا اک سیلِ معانی موجزن رشحات میں اس کے
ہوئی ہم جیسے بے بصروں میں بھی فکر و نظر پیدا

تزلزل آ سکا ہرگز نہ استقلال میں اس کے
کیے گو کفر نے دار و رسن تیغ و تبر پیدا

ہٹے راہِ وفا سے کب قدم مردِ مجاہد کے
کیے گو خوب ریشے شیخ و برہمن نے بال و پر پیدا

حدودِ ملک و ملت توڑ کر آفاق میں گونجی
مجاہد کی اذاں میں جب ہوا سوزِ جگر پیدا

نہ مٹ پائی ضیائے صد ہزار انجم سے تاریکی
کیا جب تک نہ عالم تاب نے نورِ سحر پیدا

جلالِ موسوی، عزمِ خلیلی، زہدِ عیسائی،
ہوا صبر و رضا، صدق و صفا کا تاجور پیدا

غرور و تمکنت ٹوٹے جہاں پر کھلا ہوں کے
یہ کس فولاد سے قدرت نے کی تیغ و سپر پیدا

حسن، عودہ، قطب، اقبال اور سید ابوالاعلیٰ
خدا جانے کہ پھر کب ایسے ہوں اہلِ نظر پیدا

"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

روا ہے جس قدر بھی ناز کر لے اپنی قسمت پر
مجاہد عہد میں تیرے ہوئے یہ دیدہ ور پیدا

ابوبکر رودن مجاہد اعظمی مدرسۃ الاصلاح کونہ گھنی اعظم گڑھ

اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

(تصانیف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

خطبات اول ۰/۵۰ خطبات دوم ۲/۰۰
خطبات سوم ۵۰/۰ چہارم ۲/۰۰ پنجم ۱/۷۵
دین حق ۰/۲۵ نشان راہ ۱/۲۵
علمی تحقیقات ۰/۶۰
انسان کے بنیادی حقوق ۰/۷۵
شب برات ۰/۲۵
سانحہ مسجد اقصیٰ ۰/۵۰
مقدمہ تفہیم القرآن ۱/۵۰
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ۲/۵۰
مسئلہ جبر و قدر ۳/۲۵
شہادت امام حسینؓ ۰/۶۰
خلافت و ملوکیت ۰/۰۰
میلاد النبیؐ ۱/۲۵
زندگی بعد موت ۰/۶۰
سرور عالمؐ ۰/۵۰ قربانی ۰/۵۰
سرور عالمؐ کا اصلی کارنامہ ۰/۶۰

عید قرباں ۰/۵۰ مسئلہ قومیت ۵/۵۰
معراج کی رات ۰/۵۰
معراج کا پیغام ۰/۶۰
معراج کا سفر نامہ ۰/۳۵
سفر نامہ ارض القرآن ۷/۰۰
عید الفطر کس کے لیے ۰/۶۰
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں ۲/۰۰
مسئلہ ملکیت زمین ۲/۰۰
سود ۱۲/۰۰ دعوت اسلامی ۲/۵۰
قرآن کی معاشی تعلیمات ۱/۰۰
سرمایہ داری اشتراکیت اور اسلام ۰/۵۰
خطبہ تقسیم اسناد ۰/۵۰
لباس کا مسئلہ ۰/۵۰
روزہ اور ضبط نفس ۰/۳۵
دعوت اسلامی میں خواتین کا حصہ ۱/۰۰
مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات ۰/۷۵

رسائل و مسائل اول ۱۳/۰۰ دوم ۱۰/۰۰
سوم ۱۴/۰۰ چہارم ۱/۰۰
سیرت سرور عالمؐ اول ۵۰/۰۰ دوم ۰/۰۰
سیرت کا پیغام ۰/۰۰ شراب ۰/۴۰
قرآن اور حدیث ۲/۷۵
قرآن اور پیغمبر ۰/۷۵
قرآن کی سیاسی تعلیمات ۱/۵۰
تعلیمات ۳/۲۵ قرآن ایک معجزہ ۰/۵۰
جماعت اسلامی کی دعوت ۰/۶۰
اسلام اور عدل اجتماعی ۱/۰۰
خطبات (مکمل یکجا) ۱۳/۵۰
خطبات (مکمل مجلد) ۱۸/۰۰
غلاف کعبہ اور اس کی تاریخ ۱/۰۰
ادبیات مودودی (مولف پروفیسر خورشید احمد) ۷/۰۰
او پنج نیچ ۰/۰۰ چھوت چھات ۰/۳۰ خطبات حرم ۰/۹۰
ختم نبوت ۰/۰۰ تفسیر خاتم الرسل ۲/۰۰ رفع شبہات ۰/۰۰

مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی -

دو غزلیں

(شفیع اللہ خان راز اماروی)

اپنے مرکز سے ہٹ گئے ہیں ہم
چند سمتوں میں بٹ گئے ہیں ہم

دھار خنجر کی موڑ دی لیکن!
کچے دھاگے سے کٹ گئے ہیں ہم

الاماں شامِ زندگی اپنی
اک دیے میں سمٹ گئے ہیں ہم

جن کی قسمت میں روشنی ہی نہیں
اندھیروں میں بٹ گئے ہیں ہم

وقت ہے اب بھی متحد ہو جائیں
کتنے خانوں میں بٹ گئے ہیں ہم

اتنے جلوے دکھائی دیتے ہیں
جتنے پردے اُلٹ گئے ہیں ہم

ہر کسی کو حقیر لگتے ہیں
الاماں کتنے گھٹ گئے ہیں ہم

رازؔ منزل تو ہے وہی لیکن
صرف رستے سے ہٹ گئے ہیں ہم

جب زمیں پر سرد پڑ جاتی ہے آگ
آسماں سے اُتر آتی ہے آگ

رازؔ یہ دنیا کو سمجھاتی ہے آگ
ایک چنگاری سے لگ جاتی ہے آگ

خون میں جس وقت گھل جاتی ہے آگ
دل کی رگ رگ میں لہراتی ہے آگ

پھونک دیتی ہے پہاڑوں کا غرور
توڑ کر پتھر نکل آتی ہے آگ

رنگ لا کر ہی رہیں چنگاریاں
چپہ چپہ پر نظر آتی ہے آگ

اب کوئی صورت نظر آتی نہیں
آئینوں میں رقص فرماتی ہے آگ

کس قدر شعلہ بداماں ہے حیات
سرمگیں آنکھوں میں لہراتی ہے آگ

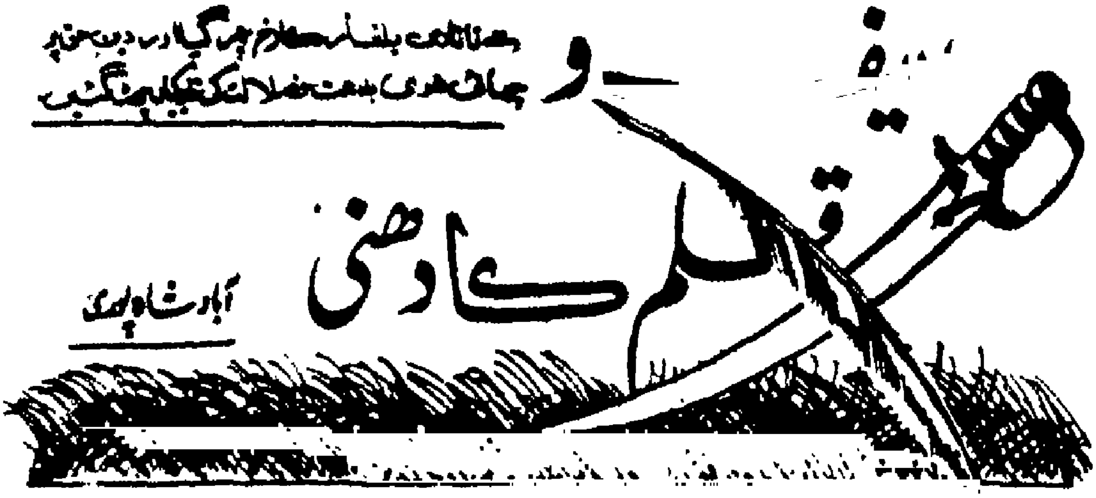
جسم اپنا سرد پڑ جاتا ہے رازؔ
جب ہماری روح گرماتی ہے آگ

غزل

رشید کوثر فاروقی

برتو، پرکھو، دیکھو سمجھالو ! موند کے آنکھیں دل نہ لگالو
کچھ دھوکے دانستہ کھالو ! نیکی کرو، دریا میں ڈالو
شہر میں کچھ مفتی رہتے ہیں ! حق گویو! دستار سنبھالو
واعظ اور پیامِ محبت ! توبہ۔توبہ، نامِ خدا لو
اندھی محبت، بہری نفرت ! دونوں کانٹے دل سے نکالو
چہرے کے دھبّوں کی خبر لو ! آئینے کو پونچھنے والو
تم ہو مصلحتوں کے پجاری ! جانے کس [illegible] زنجیریں ڈالو
جب تک [illegible]ورت پردے میں ہے ! عیش کرو مانگے کے اجالو
[illegible]ن پھر گھر آنگن سے ہے ! گگن گھروندے لاکھ بنالو
دھرتی پر آنا ہی پڑے گا ! خوش خوابو، رنگین خیالو
بستی بستی آگ لگی ہے ! دوڑو۔دوڑو، جنگل والو
جیتے جی فانی ہی رہو گے ! مر کے امر ہو جاؤ جیالو
یا بشریٰ! موت آئی چلے ہم ! یارو! جیون جال سنبھالو
بحثیں اور بھی الجھا دیں گی ! تم کو اے معصوم سوالو
دشمن کوئی اور نہیں ہے ! مجھ کو مرے سائے سے بچالو
رقص کرو کوثر کی دھن پر ! دشتِ غزل کے مست غزالو

ایک مجاہد کی زندگی کے تابناک اوراق جس کے سنان و قلم
[illegible] بلند ... ہو گیا اور دبدبہ
جہاں ... خدا کے ...



تیغ و قلم کا دھنی

آباد شاہ پوری

******

عراق و شام پر تاتاریوں کے حملوں کا آغاز ساتویں صدی ہجری کے وسط سے ہوا ہے جب انھوں نے ہلاکو خاں کی سرکردگی میں بغداد پر دھاوا بولا اور مرکز خلافت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد انھوں نے دمشق اور سواحل شام کا رُخ کیا۔ اور ان پر قبضہ کرنے کے بعد مصر کی طرف بڑھے۔ مصر میں اس وقت ملک مظفر سیف الدین سریر آرائے اقتدار تھا۔ وہ فوج لے کر مقابلے کو نکلا۔ فلسطین کے مضافات میں عین الجالوت کے مقام پر ہلاکو سے مقابلہ ہوا یہ پہلا موقع تھا جب تاتاریوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ رکن الدین بیبرس بند قداری شکست خوردہ تاتاریوں کے تعاقب میں نکلا اور انھیں شام کی سرحدوں سے نکال باہر کیا؛ تاہم تاتاریوں کی یلغار مختصر اور طویل وقفوں کے ساتھ جاری رہی۔

حقیقت یہ ہے کہ تاتاری اتنے شجاع اور دلیر نہیں ہیں جس قدر ان کی وحشت اور بہیمیت اور خون آشامی نے لوگوں میں دہشت پھیلا رکھی ہے۔ جب بھی مسلمانوں نے پامردی، استقلال اور بے خوفی کے ساتھ اللہ پر توکل کرتے ہوئے ان کا مقابلہ کیا ہے، انھوں نے منہ کی کھائی ہے۔

تاتاریوں کے سیلاب کا بار بار اُمڈ کر آنا اور پیچھے ہٹنا قیامت سے کم نہیں۔ اس کا اثر عام مسلم آبادی کے اخلاق پر یہ پڑا ہے کہ وہ بالعموم ان کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں۔ ان کی آمد آمد سُن کر بستیوں کی بستیاں خالی

پسندیدہ اشعار

● مرسلہ: جویریہ ادہوی ——— (فانی)

دل کا اُجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

● مرسلہ: بشیر احمد انصاری ——— (علامہ اقبال)

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

● مرسلہ: مہہ جبیں آمبور ——— (غالب)

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

● آخرت میں عمل نیک ہی کام آئیں گے
پیش ہے تجھ کو سفر زادِ سفر پیدا کر

● زرینہ حبیب رائے بریلی ———

مل جائے گی کہیں ڈھونڈنے والوں کو بہار
ہر گلستاں میں خزاں ہو یہ ضروری تو نہیں

——— (ساحر ہوشیار پوری)

● مرسلہ: طلعت وحید کلکتہ ——— (جگر مرادآبادی)

ہو گئی دل کو تری یاد سے اک نسبت خاص
اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو

● مرسلہ: عشرت وحید کلکتہ ——— اکبر حسین اکبر

چھوٹی چھوٹی سی شے بھی اس دنیا میں بیکار نہیں
لفظوں سے منہ موڑ لیا تو لفظوں کی پہچان گئی

● مرسلہ: عشرت وحید کلکتہ ——— (افضل حسین افضل)

فکر و فن، مہر و وفا، علم و ہنر، قدر و خلوص
آج گرتی ہوئی دیوار ہے جس کو دیکھو

● مرسلہ: جبین النساء بیگم ورنگل ——— (غالب)

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

● تبین احمد شارق اکوٹ ——— (خلش اکوٹوی)

کچھ کرنے کا عزم نہ ہو تو یارو ایسا لگتا ہے
چلتا پھرتا جسم بھی اپنا ایک جنازہ لگتا ہے

کہ بندگانِ خدا عدل و دولت پر عفو و کرم کی نگاہ کی جائے۔ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمایا جائے اور انھیں جان کی امان بخشی جائے۔ لیکن امام ابن تیمیہؒ کی موجودگی گویا اس وفد کی ہیئت ہی تبدیل کر دیتی ہے۔

قازان وفد کو باریابی کی اجازت دیتا ہے اور رسمی اعزاز و تکریم سے پیش آتا ہے۔ علیک سلیک کے بعد کمرے میں سکوت طاری ہے۔ قازان کے چہرے پر خشونت اور درشتی کے آثار ہیں جنہیں وہ دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ قازان کی اپنی ہیبت اس کے مصاحبینِ خاص کے وحشتناک چہرے اور کمرے میں چھایا ہوا سکوت ماحول کو اور بھی وحشتناک بنائے دیتے ہیں۔ وفد کے بعض ارکان اس ماحول سے متاثر نظر آتے ہیں لیکن ابن تیمیہؒ کا چہرہ پُرسکون سطحِ سمندر کی طرح خاموش ہے اور اضطراب کی ہلکی سی لہر بھی محسوس نہیں ہوتی۔ قازان کی وحشت بھری نگاہیں اندازِ استفسار سے اہلِ وفد پر مرکوز ہیں۔ آخرش امام ہی مہرِ سکوت توڑتے ہیں ان کی آواز گو پست ہے مگر اطمینان اور عزم سے معمور!

وہ کہتے ہیں: "اے قازان ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ ہم نے سنا ہے تم مسلمان مردوں کو قتل کرنے اور مسلمان عورتوں اور بچوں کو باندیاں بنانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ہم تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کے حدود سے تجاوز نہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے کسی مسلمان کو دیدہ و دانستہ اپنی تیغِ ظلم کا شکار بنایا اس کا ٹھکانا جہنم ہے عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون بس تین صورتوں میں مباح ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ وہ کسی کو قتل کر دے، دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہو اور تیسرے یہ کہ وہ مرتد ہو جائے، ان کے سوا مسلمان کا خون بہانا حرام ہے۔ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک کوئی حرام یعنی قتل کا مرتکب نہیں ہوتا اس وقت تک دین اپنی وسعت و کشادگی کے ساتھ اسے اپنے دامن میں لیے رہتا ہے۔ اے قازان! مجھ تک اسامہ بن زیدؓ کی یہ روایت پہنچی ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ جہینہ کے چند لوگوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ایک شخص سے میرا سامنا ہوا۔ میں نے اس پر نیزے کا وار کرنا چاہا تھا اس نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا، لیکن میں نے نیزہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہوجاتی ہیں اور مسلمان بغیر مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ اس عالم میں مسند علم وارشاد چھوڑ کر تلوار اُٹھاتے ہیں اور مسلمانوں کے دل جوشِ شجاعت اور سامانِ سے بھر دیتے ہیں۔

۶۹۹ھ ہے ہلاکو خاں کا پوتا قازان جو مسلمان ہو چکا ہے۔ بلادِ شام پر حملہ آور ہوتا ہے اور کسی مزاحمت کے بغیر دمشق پر قابض ہو جاتا ہے۔ شہر پر قابض ہو کر یہ نام نہاد مسلمان سخت مظالم ڈھاتے ہیں؛ تاہم دمشق کا قلعہ ان کے قبضہ میں نہیں آپاتا۔ امام ابن تیمیہؒ مصر میں ہیں۔ بلادِ شام پر قبضہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اب تاتاریوں کا رخ مصر کی جانب مڑ جائے گا۔ اور یہاں بھی آگ وخون کا وہی طوفان برپا ہوگا جو تاتاری اپنے مفتوحہ علاقوں میں بپا کرتے آرہے ہیں۔ امام صاحب خبر سنتے ہی شام کی طرف چل پڑتے ہیں اور مسافتیں قطع کرتے منزلیں مارتے قلعے میں پہنچتے ہیں۔

سلطان الناصر محمد بن قلاوون المنتصم سے ملتے ہیں۔ اسے جنگ پر اُبھارتے ہیں۔ سلطان فوج لے کر قلعہ سے نکلتا ہے امام ابن تیمیہؒ اسلحہ اُٹھائے لشکر کی اگلی صف میں ہیں۔ تاتاریوں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ تاتاری خونریز جنگ اور سخت مقابلے کے بعد شکست فاش کھاتے ہیں اور شہر سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ سلطان الناصر کی فوجیں ان کا تعاقب کرتی ہیں اور ہزیمت دے کر شام کا پورا علاقہ ان سے خالی کروا لیتی ہیں۔

لیکن ——— تھوڑی مدت کے بعد تاتاری پہلے سے زیادہ جمعیت اور ساز وسامان کے ساتھ دوبارہ حملہ آور ہوتے ہیں۔ نئے حملے کی خبر سے لوگوں میں اضطراب برپا ہوتا ہے اور بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ شمالی علاقہ لڑے بھڑے بغیر سرِ اطاعت خم کر دیتا ہے اہل دمشق یہ خبر سنتے ہیں تو وہ بھی حوصلہ ہار دیتے ہیں شہر کے دروازے کھول دیتے ہیں اور قازان اور اس کا لشکر کسی مزاحمت کا سامنا کئے بغیر شہر پر قابض ہو جاتا ہے تاہم قلعہ اب بھی ان کی دست برد سے باہر ہے۔ قازان پچھلی شکست کے سبب جوشِ انتقام میں بھرا ہوا ہے۔ وہ یہ ارادہ کر کے شہر میں داخل ہوتا ہے کہ مردوں کو قتل کر دے گا اور عورتوں اور بچوں کو باندیاں بنا لے گا۔ امام ابن تیمیہؒ اُسے اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے معزز شہریوں کا ایک وفد لے کر اس کے پاس جاتے ہیں۔

ایسے موقع پر جبکہ ایک فریق فاتح اور دوسرا مفتوح ہے اور فاتح کے ہاتھوں میں بے بس اور لاچار مفتوح فریق کے نمائندہ وفد سے یہی اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ بڑی عاجزی اور ذلت کے ساتھ فاتح کے حضور عرض پرداز ہوگا

خوش ہے۔

"اے قازان! تمہیں اپنے مسلمان ہونے کا زعم ہے۔ تمہارے ساتھ قاضی، امام، علما اور مؤذن ہیں اس کے باوجود تم، ہم مسلمانوں پر چڑھ آئے ہو اور ہمیں اپنی تلواروں کا نشانہ بنا رہے ہو، تمہارے باپ اور دادا دونوں کافر تھے لیکن تمہاری مسلمانی پر ان کا کفر خندہ زن ہے۔ وہ جو عہد و پیمان باندھتے تھے اس کا پاس کرتے تھے۔ اور تم عہد و پیمان توڑنے کے لئے کرتے ہو اور اپنی کوئی بات پوری نہیں کرتے۔"

امام تقریر کر رہے ہیں اور وفد کے ارکان دل ہی دل میں ہراساں ہیں۔ بعض گاہے گاہے کنکھیوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ کہیں ان کے سر پر تلواریں تو نہیں لٹک رہیں اور جب وہ امام ابن تیمیہؒ کی بے دھڑک گفتگو سنتے ہیں، تو گویا انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس مجلس سے زندہ و سلامت نہ جا سکیں گے، لیکن قازان سر جھکائے چپ چاپ بے حس و حرکت بیٹھا ہے۔ ایک مردِ حق کی بے باکی اور حق گوئی نے قہرمان قازان سے جبر و قہر کی ساری قوتیں چھین لی ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "اے قازان! عبداللہ بن عمروؓ بن العاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے، تو بری طرح پکڑتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: "جب تیرا رب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے بلا شبہ اس کی گرفت سخت دردناک ہے۔"

قازان، امام صاحب کی پند و نصیحت سے بہت متاثر ہے وہ بے اختیار چلا اٹھتا ہے: "میں مسلمان ہوں، اور مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کروں گا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔" اتنے میں خدام بارگاہ بڑے بڑے طشت اٹھائے کمرے میں داخل ہوتے ہیں حاضرین کے آگے کھانا چن دیا جاتا ہے۔ سبھی کھانے لگتے ہیں۔ وفد کے ارکان بھی کھاتے ہیں مگر امام ابن تیمیہؒ ایک لقمہ بھی نہیں اٹھاتے۔ قازان پوچھتا ہے: "آپ ماحضر تناول نہیں فرماتے؟"

امام صاحب جواب دیتے ہیں: "میں تیرا کھانا کیسے کھاؤں؟ یہ سارا مال تو نے لوگوں سے چھینا ہے اور ان کے درخت کاٹ کر ان کی آگ پر پکایا ہے۔"

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دیا تھا تو پھر تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ ارشاد فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ جندب بن عبد اللہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ قیامت کے دن جب کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ جھگڑتا ہوا آئے گا تو اے اسامہؓ! اس وقت کیا جواب دو گے؟ اے قازان! تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے مدعی ہو اور مسلمانوں کو جو نماز پڑھتے اور احکامِ خداوندی بجا لاتے ہیں قتل کرنے اور ان کی عورتوں اور بچیوں کو باندیاں بنانے کا ارادہ رکھتے ہو؟

اے قازان! اللہ نے عدل و انصاف کرنے اور احسان کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے اور تم نے ظلم و جور و ستم کو شعارِ حیات بنا رکھا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قیامت کے روز ظالموں کا کوئی ساتھی اور سفارشی نہ ہو گا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیاروں کا سبب ہو گا.....؟

امام صاحب کی آواز بتدریج بلند ہوتے ہوتے پورے کمرے میں گونجنے لگی ہے اور وہ اثنائے گفتگو میں بڑھتے بڑھتے قازان کے اس قدر قریب ہو گئے ہیں کہ ان کا کندھا اس کے کندھے سے بھڑنے لگا ہے۔ قازان آگے کی طرف جھکا ہوا امام صاحب کی گفتگو بڑی توجہ سے سن رہا ہے۔ اس کے چہرے کے زیر و بم اور بار بار پہلو بدلنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خاصا بے قرار اور مضطرب ہے۔ اس کا خشونت آمیز اندازِ نگاہ بدل گیا ہے اب اس کی آنکھوں سے نرمی اور لطافت مترشح ہے۔ اس کے دل میں امام صاحب کی محبت اور ہیبت بیٹھ گئی ہے پوچھتا ہے:

"یہ شیخ کون ہیں؟ میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اتنا دلیر اور نڈر ہو جس کی بات میرے دل میں اس طرح گھر کر گئی ہو اور جو اتنا بڑا ہو کہ میں نے اس کے آگے سر جھکا دیا ہو؟"

وفد کے رکن قاضی القضاۃ ابو العباس کہتے ہیں: "یہ شیخ الاسلام تقی الدین احمد ابن تیمیہؒ ہیں۔ امام اہل السنۃ علم و فضل میں سارے علم و فضل میں سارے بلادِ اسلام میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔"

قازان سر جھکا دیتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اپنی تقریر جاری رکھتے ہیں۔ ان کی آواز میں وہی بلندی اور جوش ہو

اور قلم کی تیغ کے علاوہ فولاد کی تیغ چلانی بھی جانتا ہے۔ چنانچہ وہ فقہاء اور دینی رجال کو بلاتا ہے اور یہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی تیر اندازی، شہ سواری اور جنگ کے طور طریق سیکھیں تاکہ جب دشمن حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ کر سکیں۔

تاتاری شکست کھا کھا کر لوٹتے ہیں اور پھر پہلے سے زیادہ لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہ گویا ان کی جنگی حکمتِ عملی بن چکی ہے؛ چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ وہ قتلو شاہ کی قیادت میں پھر حملہ آور ہوتے ہیں اب کے وہ مصمم ارادہ کر کے آئے ہیں کہ جب تک شام اور مصر فتح نہ کر لیں گے واپس نہیں جائیں گے۔ اہلِ شام ان کی یلغار کی خبر پاکر مقابلے کی تیاریاں کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ امداد طلب کرنے کے لیے مصر روانہ ہو جاتے ہیں۔

قاہرہ میں امام صاحب سلطانِ مصر اور ارکانِ حکومت سے ملتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں سلطان کچھ پس و پیش کرتا ہے امام صاحب اسے کھری کھری سناتے ہیں؛ ــــــ اگر شام تمہارے حلقۂ اقتدار میں نہ ہوتا اور اہلِ شام تم سے مدد کے طلب گار ہوتے تب بھی تم پر (وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اور اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے) کے ارشادِ الٰہی کے مطابق ان کی مدد واجب تھی اب تو شام تمہاری عملداری میں ہے۔ تم اس کے حاکم اور سلطان ہو اور اس کے تحفظ اور سلامتی کے ذمہ دار پھر تمہارے لئے یہ گریز اور تذبذب کیسے روا ہے؟ اللہ کے ہاں تمہاری بڑی باز پرس ہوگی اور اگر تم پیٹھ پھیرتے ہو اور لڑائی پر آمادہ نہیں، تو ہم اپنا الگ سلطان چن لیں گے اور اپنی حفاظت خود کر لیں گے۔

امام صاحب کے تازیانے اور دھمکیاں کام کر جاتی ہیں۔ سلطانِ مصر رکن الدولہ بیبرس جاشنگیر کی قیادت میں ایک بڑا لشکر شام کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے مدِمقابل کھڑے ہیں، تاتاریوں کا ٹڈی دل دور دور تک پھیلا ہوا ہے اس ٹڈی دل کے مقابلے میں مصری اور شامی مٹھی بھر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور دل چھوٹ جاتے ہیں۔ وہ میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنے کے لئے حیلے بہانے تراشتے ہیں چنانچہ ایک گروہ امام صاحب کی

قازان کے دل میں امام صاحب کی عظمت اور منزلت ہو جاتی ہے وہ درخواست کرتا ہے کہ امام صاحب اس کے لئے دعا کریں۔

امام صاحب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں: "اے اللہ! اگر یہ تیرا بندہ اس لئے جدال و قتال کرتا ہے کہ تیرا کلمہ بلند ہو اور تیرے دین کا چہار دانگ عالم میں ڈنکا بجے تو اس کی نصرت فرما اسے قوت و عظمت بخش، اس کی سطوت و بادشاہت کا پرچم دیس دیس میں لہرا اور اگر یہ دولت و جاہ اور شہرت کے حصول اور دنیا کی طلب پر اٹھا ہے، اپنا بول بالا چاہتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی ذلت کا خواہاں ہے تو اسے تباہی سے دوچار کر، اور اس کا نام و نشان نہ چھوڑ!"

وفد کے ارکان اس دعا پر لرز اٹھتے ہیں۔ انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب امام بچ نہیں سکتے، وہ اپنے کپڑے سمیٹنے لگتے ہیں کہ اب یہ قتل ہوئے اور ان کے خون سے ہمارے دامن آلودہ ہوئے مگر قازان ——— خود اس دعا پر آمین کہتا جاتا ہے۔

وفد رخصت ہوتا ہے، تو قازان امام صاحب کو قصر کے دروازے تک چھوڑنے آتا ہے، باہر نکل کر وفد کے ارکان بڑے غصے سے کہتے ہیں: "شیخ! زندگی تھی کہ بچ کر نکل آئے، ورنہ آپ تو اپنے ساتھ ہمیں بھی ہلاک کروا دینے کو تھے، آئندہ ہم آپ کا کبھی ساتھ نہ دیں گے۔" امام صاحب کو بھی غصہ آ جاتا ہے اور وہ اہل وفد کا ساتھ چھوڑ کر تنہا شہر کی راہ لیتے ہیں۔ ان کا قول ہے "غیر اللہ سے وہی شخص ڈرتا ہے جس کے دل میں کھوٹ ہو!"

امام صاحب قلعہ میں آتے ہیں، تو لوگوں کو صبر و توکل کی تلقین کرنے اور دشمن سے نبرد آزما ہونے پر ابھارنے میں لگ جاتے ہیں۔ اتنے میں مصر سے بھی مدد آ پہنچتی ہے۔ شہر سے باہر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوتی ہیں گھمسان کا رن پڑتا ہے۔ کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں۔ بالآخر تاتاری بھاگ نکلتے ہیں۔ امام صاحب اس جنگ میں ایسی بے نظیر شجاعت و عزیمت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ دمشق کا امیر جمال الدین اور دنگ رہ جاتا ہے اس کی حیرت اپنی جگہ درست ہے اس نے علماء اور فقہاء کو فی سبیل اللہ فساد کرتے دیکھا ہے ان کی زبانوں کو تیر و سنان اور تیغ و تبر سے زیادہ تیز پایا ہے۔ لیکن ایسا مرد حق پہلی مرتبہ دیکھا ہے جو تہجد کے ساتھ ساتھ میدان کارزار کا شہسوار ہے

بھائی زین الدین عبدالرحمٰن ابن تیمیہ اور تیسرے بایۂ افتخار شاگرد حافظ ابن قیم ہیں۔ بقول غالب ؎

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے

ان کا جرم؟ مصلحین امت کا جرم کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ وہ حق کو واشگاف بیان کرتے ہیں۔ باطل کے ساتھ مداہنت نہیں برتتے۔ فکر اور عقائد کی ضلالتیں ٹھنڈے پیٹ برداشت نہیں کرتے۔ علماء و مشائخ کی غلط کاریوں پر گرفت کرتے ہیں اور اس بات میں کسی کی شخصیت و علمیت خاطر میں نہیں لاتے۔ دین مبین پر ہوا و ہوس جو پردے ڈال دیتی ہے انہیں چاک کرتے ہیں۔ اسلام کے چشمۂ صافی کو کدورتوں سے پاک کرنے اور اسے صاف و مصفّٰی رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان عظمتوں پر پہنچ جاتے ہیں جن کا ان کی پست ندر سااور ظرف کوتاہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بس یہی اس مردِ خدا کا جرم ہے جس کی پاداش میں اسے قلعہ میں محبوس کر دیا گیا ہے۔ ؎

اس خطا پر مجھے مارا کہ خطا وار نہ تھا

لیکن مردانِ حق پر مخالفین کبھی سامنے سے حملہ آور نہیں ہوتے۔ یہ ہمیشہ ان کی روایت رہی ہے۔ اگر وہ علانیہ اس دعوت پر حملہ آور ہوں جس کی طرف مصلحینِ امت خلقِ خدا کو بلاتے ہیں تو خود بے نقاب ہو کر رہ جائیں۔ اس لئے وہ گوناگوں گمراہیاں ان کے سر منڈھ کر انہیں ضال اور مضل ٹھہراتے ہیں۔ ان کے افکار و نظریات مسخ کر کے اور حقائق کو بگاڑ کر انہیں کافر گردانتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کو غلط رنگ دیتے ہیں۔ اس طرح ایک طوفان کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر اقتدار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جبر و تشدد کے تازیانے اور دار و رسن حرکت میں لائے اور ان بے گناہ مجرموں کو سزا دے۔

یہی کچھ اس مردِ حق کے ساتھ بندگانِ ہوس اور حاسدانِ کینہ جو نے کیا ہے اور اب وہ قلعۂ دمشق کے زنداں میں زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔ شرف الدین عبداللہ ابن تیمیہ اور زین الدین عبدالرحمٰن نے اپنے جلیل القدر بھائی کی رفاقت کو آزادی کی زندگی پر ترجیح دی..... شرف الدین عبداللہ ایک سال کے بعد اپنے رب کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے اور اب زین الدین عبدالرحمٰن حقِ رفاقت ادا کرنے کے لئے رہ گئے ہیں۔ رہے حافظ ابن قیم تو ان کے آزاد رہنے کی صورت میں اس مردِ حق کو قید و بند میں ڈالنے کا مقصد ہی فوت ہوا جاتا تھا۔ استاد کے قید ہوتے ہی وہ ان کا مشن پورا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے اور ان کے قلم نے معاندین کی صف میں کھلبلی مچا دی تھی چنانچہ ایک

خدمت میں حاضر ہو کر کہتا ہے: "ہم ایسے لوگوں کے خلاف کیسے تلوار اٹھا سکتے ہیں جو مسلمان ہو چکے ہیں اور اخوت اسلامیہ کی سلک میں منسلک ہو چکے ہیں"! امام صاحب غضبناک لہجے میں جواب دیتے ہیں: "نہیں بخدا نہیں، یہ لوگ ہمارے بھائی نہیں ہیں۔ انھیں یہ زعم باطل ہے کہ حق انھیں کے ساتھ ہے۔ یہ لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں انھیں اپنی خون آشام تلواروں کا شکار بناتے ہیں، معصیت اور ستم رانی ان کا اوڑھنا بچھونا بن چکا ہے۔ اللہ نے جس خون کو حرام کیا ہے یہ اسے پانی کی طرح بہاتے ہیں، مسلمانوں کے مال و جان اور آبرو کی ان کی نگاہوں میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ بخدا اگر تم لوگ مجھے ان کی جانب سے اس حال میں لڑتا ہوا دیکھو کہ قرآن کریم میرے سر پر رکھا ہے تو میرا خون تم پر حلال ہے۔ مجھے قتل کر دو!"

بالآخر جنگ چھڑ جاتی ہے جو چار روز تک جاری رہتی ہے۔ تاتاریوں کا لشکر سیل عظیم ہے جس کی تند و تیز موجیں مصری اور شامی فوجوں کو لقمۂ اجل بنانے کے لیے رہ رہ کر اٹھتی ہیں۔ امام صاحب کے خداداد جوہر اس جنگ میں کھل کر سامنے آجاتے ہیں، وہ ایک صف سے دوسری صف تک دوڑتے پھرتے ہیں اور لوگوں کو صبر و ثبات کی تلقین کرتے ہیں۔ جہاد کے ثمرات و فضائل کا ذکر کر کے انھیں جوش دلاتے ہیں، جس بازو کو دیکھتے ہیں کہ سیل تند کی موجیں اسے بہا لے جانے کو ہیں، وہیں پہنچ جاتے ہیں اور اس جوش و خروش سے دشمن کی صف پر حملہ آور ہوتے ہیں کہ مسلمانوں کے اکھڑتے ہوئے قدم جم جاتے ہیں۔ راہِ فرار ڈھونڈنے والے پلٹ جاتے ہیں اور لڑائی کا نقشہ بدل دیتے ہیں۔ چوتھے روز تاتاری بھاگ نکلتے ہیں، مصری اور شامی ان کا تعاقب کرتے ہیں اور انھیں تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کی انی پر رکھ لیتے ہیں۔ تاتاری اس کثرت سے مارے جاتے ہیں کہ میدان جنگ میں دور دور تک ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری نظر آتی ہیں۔ وہ ایک دل بادل بن کر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن بھاگتے ہیں، تو قطلو شاہ کے ساتھ ایک مختصر سا گروہ باقی رہ جاتا ہے۔ یہ شکست تاتاریوں کی کمرِ ہمت ہمیشہ کے لئے توڑ کر رکھ دیتی ہے۔

دمشق کے قلعے میں یہ کون لوگ مقید ہیں؟ ان میں سے ایک وہی مرد حق ہے جس کی شمشیر آبدار تاتاریوں کے مقابلے میں خود اس قلعے کی مدافعت کر چکی ہے۔ ترجمان القرآن والسنۃ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، دوسرے ان کے

امام اور ان کے ساتھی گو قید میں ہیں مگر انھیں لکھنے پڑھنے کی سہولتیں حاصل ہیں۔ امام تصنیف و تالیف میں معروف رہتے ہیں، مراسلات اور خطوط کے ذریعے وہ اپنے معاندین کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا پردہ بھی چاک کرتے ہیں۔ اس طرح زنداں میں محبوس ہونے کے باوجود ان کا مشن جاری ہے۔ دشمن دیکھتا ہے اور پیچ و تاب کھاتا ہے آخر وہ سلطان سے یہ فرمان جاری کروانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ امام سے لکھنے پڑھنے کا سامان لے لیا جائے فرمان کی تعمیل ہوتی ہے۔ قلم دوات، کاغذ، کتابیں اور مسودات ضبط کر لیے جاتے ہیں۔ دمشق کے قاضی اور فقیہ امام کے کاغذات اور مسودات اٹھا لے جاتے ہیں اور آپس میں مالِ غنیمت کی طرح بانٹ لیتے ہیں۔ امام اس سارے منظر کا تماشا اس مجبور و بے بس انسان کی طرح کرتے ہیں جو طوق و سلاسل میں جکڑا ہوا ہو اور خونخوار بھیڑیے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے جگر گوشوں کو اچک کر لے جائیں۔ ایک مصنف کی تصانیف بھی اس کے جگر کے ٹکڑے اور معنوی اولاد ہوا کرتی ہیں۔

ایک صاحبِ قلم کے لئے اس سے بڑھ کر کڑی سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس کے قلم کو زنجیریں پہنا دی جائیں اور اسے لکھنے پڑھنے سے روک دیا جائے۔ امام جنھوں نے قید و بند کے مصائب اور معاندین کی عداوت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے، پہلی مرتبہ محسوس کرتے ہیں کہ انھیں سزا دی گئی ہے چنانچہ قید خانے کی دیوار پر کوئلے سے اپنے مجروح دل کے اس احساس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں: "مجھے کوئی سزا فی الواقع دی گئی ہے تو وہ یہی ہے"

اب امام کا کام شب و روز تلاوت قرآن اور اپنے رب کے حضور رکوع و سجود رہ گیا ہے .... لیکن دیکھئے مخالفتوں کے طوفان اور قید و بند کے مصائب و شدائد میں بھی یہ مردِ حق کس قدر مطمئن اور شاداں و فرحاں ہے۔ چہرے پر ترو تازگی ہے اور قلب سکینت اور طمانیت کی دولت سے مالا مال ہے۔ ان کے ساتھی جب ہجومِ مصائب سے گھبرا اٹھتے ہیں اور دشمن کی معاندانہ سرگرمیوں پر مضطرب اور پریشان ہو جاتے ہیں تو اس مردِ حق کا روشن اور مطمئن چہرہ ان کے دلوں میں اطمینان کی قندیل روشن کرتا ہے اس کی جوش بھری باتیں ان کے ایمان کو گرماتی اور ان کے حوصلے بڑھاتی ہیں۔ اس کا پاکیزہ اور مضبوط کردار اور اس کی عزیمت و استقامت ان کے خوف و حزن کو مٹاتی اور انھیں جرأت و تسکین کا سامان بخشتی ہے اور اپنے رب پر توکل اور دشمن کے مکر و کید سے

جلنے کے بعد ہی انھیں گرفتار کر کے قلعے میں پہنچا دیا گیا۔

اس مردِ عظیم کے خلاف، ان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کے منکرین جنھوں نے نعم کو کافروں کو بھی دعائیں دیں، جنھوں نے عفو و کرم کا سبق دیا، افترا پردازی اور تہمت تراشی کو ایمان کے منافی دیا، مسلمان کی یہ علامت بتائی کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان مامون و محفوظ رہیں۔ لیکن یہ زہاد و عباد، ایمان کے اجارہ دار، حق و صلاح کے محافظ اس مردِ حق کی جان کے درپے ہیں۔ وہ ان کے غلط عقائد اور گمراہ کن نظریات کی تردید میں جو کچھ کہتا ہے کتاب و سنت اور آثارِ سلف کے دلائل کے ساتھ کہتا ہے، ایسے دلائل جن کا جواب دینے سے ان کے بڑے بڑے اساطینِ علم اور مجتہدینِ عصر عاجز ہیں، یعنی عجز انھیں اس مردِ حق پر تہمت تراشی اور افترا پردازی پر اکساتا ہے، چنانچہ وہ اس کے عقائد کو غلط رنگ دے کر اس کے کفر کا فتویٰ دے دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ تصریح کر کے کہ کفر کی سزا قتل ہے۔ صرف تمنا زبانِ قلم پر لاتے ہیں اور پھر سلطان پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ اس شخص کی گمراہیوں سے عامۃ المسلمین کو بچائے۔

سلطانِ مصر جو اس مردِ حق کی عظیم شخصیت اور عقائد و نظریات سے واقف اور اس کا عقیدت مند ہے اس فتوے کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ نہیں مگر اس کے مخالفین عوام ہی میں نہیں سلطنت میں بھی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ وہ ان سے بگاڑ مول لے کر اپنے اقتدار کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس لئے باطل نخواستہ اسے نظر بند کر دیتا ہے۔

عالمِ اسلام سے احتجاج کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ ہر جگہ سے رہائی کے مطالبے ہوتے ہیں اور معروضات پہنچتے ہیں۔ علمائے حق امام کے افکار و عقائد کی تائید میں فتوے دیتے ہیں۔ مگر رہائی تو دور کنار رہا، ان کے دشمن ان کی جان کے درپے ہیں اور کوشاں کہ ان کی کوئی ایسی تحریر ہاتھ آئے جسے ان کے کفر کی شہادت میں پیش کر کے ان کے لہو سے کھیلیں اور اپنے قلبِ کینہ پرور کی آتشِ سوزاں کو ٹھنڈا کریں۔ البتہ ان احتجاجی آوازوں، معروضات اور تائیدی فتوؤں کا اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ سلطان اس دباؤ کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جو اس پر اس مردِ حق کے بالمقابل معاندین کی طرف سے ڈالا جا رہا ہے اور وہ امام کو انتہائی سزا دینے سے انکار کر دیتا ہے۔

سے قاصر ہو نہ یعنی ط

دشمن تھا جسے سمجھا کیا میرے حق میں موت

مجھ کو اسی سے زیست کے ساماں بہم ہوئے

ان الفاظ سے اس مردِ عظیم کی عظمت بھی آشکارا ہوتی ہے۔ اس کا دل اپنے دشمنوں کے برعکس کینہ کپٹ اور بغض و عناد سے بالکل پاک ہے۔ دشمن اسے آزادی سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس کی زبان کو تالے لگا دیتے ہیں اس کے قلم کو زنجیریں پہنا دیتے ہیں لیکن حرفِ شکایت لب پر نہیں آتا۔ بلکہ اپنے دشمنوں کے اس فعل کے نتیجے میں وہ جن روحانی اور علمی فوائد سے متمتع ہوتا ہے۔ ان کے لئے دشمنوں کا شکر گزار ہوتا ہے۔ وہی اس دولت بے بہا سے بہرہ اندوز ہونے کا باعث ہوئے، نہ وہ اس سے دشمنی کرتے، نہ اسے گوشۂ تنہائی میسر آتا اور نہ اس پر حق تعالیٰ کے الطاف وعنایات کی بارش ہوتی اور نہ قرآنِ حکیم کے وہ اسرار و رموز اس پر آشکارا ہوتے جن کے آگے دنیا بھر کے علمی سرمایے اور فکری خزانے ہیچ ہیں۔

امام ہمام کے کردار کی بلندی ہی کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ان کا سب سے بڑا حریف اور خون کا پیاسا دشمن شیخ کمال الدین ابن الزملکانی دمشق کے منصبِ قضا پر سرفراز کر دیا جاتا ہے۔ وہ مصر سے یہ ٹھان کر روانہ ہوتا ہے کہ امام اور ان کے ساتھیوں سے انتقام لے کر دل کی بھڑاس نکالے گا۔ مگر ابھی پچاس ساٹھ میل بھی سفر طے نہیں کر پاتا کہ مسندِ قضا پر جلوہ افروز ہونے کی حسرت دل میں لئے اپنے علم و فضل اور شیخت کا حساب کتاب دینے کے لئے سب سے بڑے قاضی عادل کے حضور پہنچ جاتا ہے۔ قلعۂ دمشق میں خبر پہنچتی ہے تو حافظ ابن قیم بے حد خوش ہوتے ہیں مگر امام عالی مقام انھیں جھڑک دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: "دشمن کی موت پر ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیے۔"

ذوالقعدہ ۷۲۸ھ کی ۲۸ تاریخ ہے۔ دو شنبہ کی رات دمشق سے رخصت ہوا چاہتی ہے۔ مشرق سے سپیدۂ سحر کے آثار نمودار ہو چکے ہیں۔ اچانک مساجد کے میناروں سے مؤذنوں کی پکار بلند ہوتی ہے۔ یہ صلاح و فلاح (نماز) کی طرف بلانے والی دعوت نہیں، بلکہ پکارنے والے اپنے عہد کی سب سے غمناک خبر اہلِ دمشق کو دے رہے ہیں

بے نیازی کا جذبہ خوبی جو کر اُن کی رگ و پے میں دوڑ رہا تھا ہے۔

امام خود ان مصائب و آلام کو اپنے لئے بلندئ درجات اور فوزِ عظیم کا باعث سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ میری جنت میرے دل میں ہے اور میرا باغ میرے سینے میں۔ میں جہاں بھی جاؤں گا۔ وہ میرے ساتھ رہیں گے اور مجھ سے الگ نہیں ہوں گے۔ میری قید میرے لئے گوشۂ تنہائی ہے؛ میرا قتل میری شہادت ہے۔ میری جلا وطنی میری سیاحت ہے"۔

نیز فرماتے ہیں: "دنیا میں بھی ایک جنت ہے جو اس میں داخل نہیں ہوگا وہ آخرت کی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا"۔

مزید ارشاد ہوتا ہے: "قیدی وہ ہے جس کا دل اس کے پروردگار سے بند ہو جائے اور مقید وہ ہے جسے ہر طرف سے خواہشاتِ نفسانی گھیر لیں"۔

گویا زنداں کی چار دیواری اس مردِ حق کے نزدیک ایک ایسا دروازہ ہے جس میں داخل ہوئے بغیر ایک مسلمان جنت کی زندگی اور اس کی نعمتوں سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ پھر امام قید و بند میں رہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو قیدی نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ ان کے دل کے دروازے اپنے پروردگار کے احکام کی تعمیل اور اس کی فرمانبرداری و اطاعت کے لئے کھلے ہیں۔ قیدی تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر خواہشاتِ نفسانی نے پردے ڈال رکھے ہیں۔ ان خواہشات کی تکمیل میں وہ اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ ایک مسلمان کے حقوق اس کی آزادی، اس کی عزت و وقار اور اس کی جان سے کھیلنے میں انھیں کوئی باک نہیں۔

باہر کی ہنگامہ خیز اور معرکہ آرا زندگی سے کٹ کر امام زنداں میں آتے ہیں اور اس گوشۂ تنہائی میں انھیں قرآن کریم کے بحرِ ذخار میں غوطہ زن ہونے کا موقع ملتا ہے تو معانی و مطالب کے وہ بے بہا موتی ان کے ہاتھ آتے ہیں کہ بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں۔

"مجھ پر بہت سے حقائق و نکات آشکارا ہوئے ہیں اتنے پہلے کبھی نہیں ہوئے افسوس کہ میں نے قرآن چھوڑ کر دوسرے علوم پر اتنی محنت کیوں صرف کی۔ اگر میں اس قلعے کے برابر سونا لٹا دوں تو بھی خدا کی اس نعمت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا میں اپنے حریفوں اور دشمنوں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے قید میں ڈال کر بہت فائدہ پہنچایا۔ اس کا بدلا کرنے

وجہ یہ ہے جہاں نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی تجہیز و تکفین ہو چکی ہے تو امام کا جنازہ قلعہ سے باہر لایا جاتا ہے اور پہلی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے تاکہ قیدی بھی شریک ہو سکیں۔ پھر جنازہ وسیع و عریض جامع اموی میں پہنچتا ہے جہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ نمازِ جنازہ کی صفیں باندھی جاتی ہیں، تو ناگہاں ایک شخص رُندھی ہوئی آواز میں پکارتا ہے ھکذا یکون جنائز ائمۃ السنۃ (اہلِ سنت کا جنازہ ایسے ہوا کرتا ہے) اس کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے لوگ بے اختیار رو پڑتے ہیں اور پھر یہ گریہ آہستہ آہستہ سسکیوں میں بدل جاتا ہے ؎

جنازہ تیرے دیوانے کا اس تو قفس سے اُٹھا
کہ شورِ نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اُٹھا

تیسری مرتبہ نمازِ جنازہ شہر سے باہر سوق الخیل کے عظیم الشان میدان میں پڑھی جاتی ہے قلعے سے جامع اموی اور جامع سے سوق الخیل تک کے راستے میں ازدحام کا یہ عالم ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ ایک کی پشت دوسرے کے سینے سے پیوست ہے۔ رواں دواں انسانوں کے اس سمندر میں کسی شخص کا جھکنا محال ہے لوگوں کے جوتے پاؤں سے نکل نکل جاتے ہیں مگر وہ اس سمندر کی متلاطم موجوں کے ریلے میں آگے بڑھے چلے جاتے ہیں گھروں کی چھتوں پر اور بالا خانوں میں خواتین اس مردِ عظیم کے آخری دیدار کے لئے کھڑی ہیں۔ سوق الخیل میں جنازہ پہنچتا ہے تو اس وسیع میدان میں جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں کوئی گوشہ خالی دکھائی نہیں دیتا، مرد ہی نہیں ہزاروں خواتین بھی میدان کے ایک گوشے میں شریکِ نماز ہیں۔ پانچ لاکھ سے کم مجمع تو کیا ہوگا۔ یہاں امام رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی شیخ زین الدین عبدالرحمٰن ابن تیمیہؒ نمازِ جنازہ پڑھاتے ہیں۔

عصر سے کچھ پہلے جنازہ امام کے آبائی قبرستان صوفیا میں پہنچتا ہے اور یہاں چوتھی مرتبہ نماز پڑھی جاتی ہے جس میں چند مخصوص اعیانِ سلطنت شریک ہوتے ہیں۔ عصر کے قریب انہیں ان کے منجھلے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ ابن تیمیہؒ کی قبر کے پہلو میں دفن کر دیا جاتا ہے اور ایک عہد ساز تاریخ علم و عمل کا ایک بے بہا خزینہ اور فضل و کمال کا ایک آفتاب خاک کے پردے میں قیامت تک کے لیے روپوش ہو جاتا ہے۔ مساجد کے میناروں سے مؤذن اہلِ ایمان کو عصر کی نماز کی طرف بلا رہے ہیں اور لوگ اشکبار آنکھوں اور غمزدہ دلوں سے قبرستان سے رخصت ہو رہے ہیں۔

ترجمان القرآن والسنۃ شیخ الاسلام امام تقی الدین ابوالعباس احمد ابن تیمیہؒ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں نقش دوام ثبت کرکے دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے ہیں۔ وہ جو علم و عمل اور تقویٰ و طہارت کا پیکر تھے، جو جبہ استقامت اور عزیمت کا پہاڑ تھے جن کی عظمت کردار کو ان کے دشمن بھی خراج ادا کرتے تھے، آج وہ مرد حق قید حیات اور بند زنداں دونوں سے نجات پا کر اپنے آقا و مولا سے جا ملا ہے۔ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ جو بھی اس خبر جانکاہ کو سنتا ہے، رنج و غم میں ڈوب جاتا ہے۔ زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ نکلتا ہے اور آنکھ سے سیلابِ اشک رواں ہو جاتا ہے۔ چشمِ تصور میں وہ شب و روز پھر جاتے ہیں جب شام تاتاریوں کی تاخ کی جولانگاہ بنا ہوا تھا اور ان کا سامنا کرتے ہوئے بڑے بڑے دلیروں اور بہادروں کا زہرہ آب ہوتا تھا۔ تاتاری جدھر رخ موڑتے تھے بستیاں خالی ہو جاتی تھیں اور ان بھاگنے والوں میں وہ لوگ پیش پیش ہوتے تھے جنہوں نے اس مردِ حق کے خلاف عمر بھر فی سبیل اللہ فساد کا محاذ کھولے رکھا تھا جن کی تیغِ تکفیر اس کا لہو چاٹنے کے لئے بار بار جوش کھاتی تھی۔ تاتاریوں کی یلغار روکنے کے لئے یہی مردِ حق اٹھا تھا اس نے اپنی سحر آفریں خطابت اور جوشِ ایمان سے دلوں میں جرأت و شجاعت کی روح پھونک دی تھی اور اس سیلاب کے آگے بند باندھ دیا تھا۔

دوشنبہ کا سورج مشرق کے دریچے سے جھانکتا ہے، تو پورے دمشق کو غم و اندوہ کے اتھاہ سمندر میں غرق پاتا ہے۔ شہر بھر کی دکانیں بند اور کاروبار معطل ہیں۔ لوگ محزون و مغموم جوق در جوق قلعے کی طرف رواں دواں ہیں جہاں اس مردِ عظیم کے آخری سفر کا سامان ہو رہا ہے۔ قلعے کے باہر کا میدان ہجوم خلائق سے پٹا پڑتا ہے۔ وہ جو زندگی بھر اپنوں کی غیریت کا شکار رہا، آج اس کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لئے پوری قوم گھروں سے نکل آئی ہے۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں اور زبان پر اس مردِ حق کا ذکرِ خیر جاری ہے جو اس کی زندگی سراپا خیر و صلاح سے عبارت تھی۔ آج دشمن خائب و خاسر گھروں میں دبکے بیٹھے ہیں کہ کہیں عوام طیش میں آ کر ان پر نہ ٹوٹ پڑیں۔

لیکن قلعہ کی دیوار کے نیچے جمع ہونے والا یہ ہجوم تو اس سمندر کی محض ایک لہر ہے جو جامع اموی کی طرف

انار

> باجی حجابیاں! السلام علیکم. حجاب میں پچھلے دنوں انار کے بارے میں ایک مضمون چھپا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک رسالے میں سے اس سے اچھا مضمون پڑھا. وہ میں کاٹ چھانٹ کر بھیج رہی ہوں پسند آئے تو چھاپ دیں. (صفیہ حیدرآبادی)

انار ایک مشہور پھل ہے۔ انار کا درخت ہمارے ملک میں ہر جگہ بویا جاتا ہے۔

جاڑے کے موسم کے آخر میں اس کے نئے پتے ٹہنیوں کے آمنے سامنے نکلتے ہیں، جو کچھ لمبے لڑکدار اور کچھ زردی مائل لال ہوتے ہیں. اس کے سرخ رنگ کے پھول ایک ہی جگہ دو نکلتے ہیں۔ پھولوں کے جھڑ جانے کے بعد پھل آتے ہیں۔ پھول اور پھل ۹ مہینے مسلسل آتے ہیں انار (پھل) کا قد عموماً دو سے ساڑھے تین انچ ہوتا ہے۔ ذائقہ کی حیثیت سے انار کی کئی قسمیں ہیں۔ میٹھا انار، کھٹا انار، کھٹا میٹھا انار۔ انار کی تمام قسمیں پھل کا پوست، غنچے، پھول، پتے، درخت کی چھال، سب دواؤں میں بکثرت کارآمد ہیں۔

- انار کا شربت امراض دماغ کے لیے مفید ہے۔ انار شیریں کے پتوں کو سائے میں خشک کر کے پیس لیا جائے اور شہد کے ہمراہ گولیاں بنائی جائیں اور ایک ایک منہ میں رکھ کر چوسی جائے تو اس سے نزلہ حاد کو فائدہ پہنچتا ہے۔
- انار کے پتوں کو پیس کر آنکھوں پر باندھنے سے آشوب چشم کو آرام ہوتا ہے۔

ابو الحسن علی ندوی

یہ میراث جو ہمارے ہاتھ میں پہونچی (اور جس کو ہم میراث) کے معنی میں نہیں بول رہے ہیں، جو اہل مغرب کا مفہوم ہے، اس لئے کہ اسلام ایک زندہ و جاوید دین ہے، ہم میراث سے وہ دولت اور ثروت مراد لیتے ہیں، جو ہمارے اسلاف سے ہماری طرف منتقل ہوئی ہے، علم راسخ، محفوظ و مضبوط عقائد، طاقتور ایمان، سنّت سنیہ، اخلاق عالیہ، فقہ و شریعت اور شاندار اسلامی ادب کی ثروت، اس میراث میں ہر اس فرد کا پورا حصہ ہے جس نے اسلام کے کسی دور میں بھی منہاجِ خلافت پر حکومت قائم کی، جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام کے خصائص مٹ گئے تھے ان کو اُجاگر کیا، امت میں ایمانی روح پیدا کی، اس لازوال ثروت میں ہر اس شخص کا اضافہ تسلیم کیا جائیگا، جس نے اس دین پر اس کے مآخذ اور اس کی تعبیرات پر اعتماد کو از سرِ نو استوار کیا، نو وارد فلسفوں کا ابطال کیا، اسلام کی حقیقی فکر کی حفاظت کی اور اس امت کو کسی نئے فتنہ میں پڑنے سے باز رکھا جس نے اس امت کے لئے اس کے دین اور مصادرِ دین کی حفاظت کی، حدیث و فقہ کی تدوینِ جدید کا کام انجام دیا، اجتہاد کا دروازہ کھولا اور امت کو تشریع کا خزانۂ عامرہ اور زندگی و معاشرہ کا منظم قانون عطا کیا، جس نے معاشرہ میں احتساب کا فرض ادا کیا، اور اس کے انحراف اور کجروی پر کھل کر تنقید کی اور صحیح و حقیقی اسلام کی برملا و آشکارا دعوت دی جس نے شکوک و شبہات کے دور اور اضطرابِ عقائد کے زمانہ میں علمی طرزِ استدلال اختیار کر کے دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی جس نے دعوت و تذکیر اور انذار و تبشیر میں انبیاء علیہم السّلام کی نیابت کی، اور ایمان کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلۂ جوالہ کی حرارت و حرکت بخشی، جس نے مادہ کے تند و تیز دھارے کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی تیزی و بلاخیزی کم کی، اور خدا کی مخلوق کو اس دھارے میں بہہ جانے یا اس میں دب جانے سے محفوظ رکھا! تاریخ دعوت و عزیمت حصہ

قربانی کا بکرا

اس امر سے تو آپ بفضلہ پہلے ہی سے بخوبی واقف ہیں کہ میں اپنی نصف بہتر یعنی کہ بیوم مسز کا نہایت ہی سعادت مند نصف بدتر یعنی کہ شوہر نامدار دیر امطلب ہے شوہر نامدار واقع ہوا ہوں چنانچہ جب انھوں نے حکم صادر کر دیا کہ وہ قربانی فرمائیں گی تو میں نے چونک کر گھبرائی گھبرائی نگاہوں سے انہیں دیکھا تو انھوں نے اپنی باری میں مجھ سے بھی زیادہ چونک کر دیکھا جھٹ میں نے کہا "نہیں تو آپ کا نہایت فرماں بردار شوہر ہوں پھر یہ آپ قربانی کی بات کیوں کر رہی ہیں؟ ... وہ مزید چونک کر بولیں کیا مطلب ہے کیا آپ مسلمان نہیں ہیں ہے کیا آپ پر قربانی واجب نہیں؟

میں نے طمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا اُوہ تو یہ بات ہے۔ میں نے سمجھا شاید آپ بطور شوہر میری کارگذاری پر خوش نہیں ہیں ... اور ... اور ... "

" ... اس لئے میں آپ کی قربانی کردوں گی؟ کیوں ہے نا یہی آپ کا مطلب؟ آپ مجھے اتنی گری ہوئی سمجھتے ہیں مجھے اس کا پتہ نہ تھا (پھر یکایک سنجیدہ ہوتی ہوئیں) کیا کبھی کسی بیوی نے اپنے شوہر کی قربانی کی ہے؟ "

"یہ بھی کیا پتہ؟ میں تو اخبار وغیرہ پڑھنے کا عادی بھی تو نہیں ہوں ... ویسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کی قربانی"

تڑپ کر بولیں "ان کی بات چھوڑئیے ... نبیوں کی بات اور تھی ... آپ نبی تو نہیں ہیں ...!"

"یعنی میں اگر نبی ہوتا تو میری قربانی کر دیتیں۔ وہ تو خیر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کے بعد اس کا سلسلہ بند کر دیا"

"دیکھئے خدا سے ڈریئے ... اتنی بڑی تہمت لگاتے کچھ تو آپ کو خدا کا خوف ہوا ہوتا" ... وہ روہانسی ہوتی ہوئی بولیں۔

میں سمجھ گیا ان بادل برسات دور نہیں چنانچہ جھٹ میں نے کہا "اچھا میں نے مان لیا آپ کو اپنے شوہر سے بہت پیار ہے آپ اس کی قربانی کرنی نہیں چاہتیں لیکن مجھے یہ تو بتایا جائے ابھی سے آپ کو قربانی کی کیا عجلت ہے؟ ابھی تو بقر عید کو دو تین ماہ دیر ہے۔

• انار شیریں کے دانوں کا پانی ایک بوتل میں بھر کر دھوپ میں یہاں تک رکھا جائے کہ گاڑھا ہو جائے اور پھر اسے آنکھوں میں لگایا جائے تو اس سے آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔ بصارت قوی ہو جاتی ہے یہ جتنا پرانا ہو بہتر ہے۔

• انار شیریں کے دانوں کا پانی شہد کے ساتھ ملا کر کان میں ڈالنے سے کان کے درد کو آرام ہوتا ہے۔ صرف انار شیریں کا پانی بھی کان میں ڈالنے سے کان کا درد دفع ہو جاتا ہے۔

• انار شیریں کا پانی ناک میں ٹپکایا جائے تو ناک کے اندر کی پھنسیوں کے لیے مفید ہے اور نکسیر کے لیے بھی۔

• منہ میں چھالے پیدا ہو جائیں، جس کو منہ آنا کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں انار شیریں کے پانی سے کلیاں کرنے سے آرام ہوتا ہے۔

• انار شیریں کو مع پوست پانی میں جوش دے کر اس سے کلیاں کی جائیں تو مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں اور ان سے خون آنا بند ہو جاتا ہے۔ انار کے درخت کی چھال کو بھی پانی میں جوش دے کر کلیاں کرنے سے مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں اور ان کا ورم ہو جاتا ہے۔

• انار شیریں کا پانی یا اس کا شربت پینے سے درد سینہ اور کھانسی میں آرام ملتا ہے۔

• انار شیریں اور اس کا شربت قلب کو فرحت اور تقویت بخشتا ہے۔

• انار شیریں اور اس کا پینے سے دست بند ہو جاتے ہیں اور بواسیر کو بھی فائدہ دیتا ہے۔

• پوست انار کو پانی میں بھگو کر اسی پانی کے ساتھ استنجا کرنے سے بواسیر کا خون بہنا بند ہو جاتا ہے۔

• انار ترش کو آگ میں جھلسا کر بدن پر مالش کرنے سے تر و خشک خارش کو فائدہ ہوتا ہے۔

• انار ترش کا پانی گندے زخم پر لگانے سے زخم مندمل ہو جاتا ہے۔ انار کی چھال کو باریک پیس کر شہد کے ہمراہ چیچک کے چھالوں پر لگانے سے ان کی رطوبت بہت جلد خشک ہو جاتی ہے۔

بہر حال انار عام صحت کے لیے نہایت عمدہ میوہ ہے اس سے خون صالح پیدا ہوتا ہے اور بدن موٹا تازہ ہو جاتا ہے۔ اس کا اشارہ "ایک انار سو بیمار" والی ضرب المثل سے بھی ملتا ہے۔

اصل آزمائش کی گھڑی اس وقت شروع ہوئی جب میں بکرا ہوم منسٹریٹ بکر انو یدکر گھر لیا۔

"اسے ہے یہ کیا آپ لے کر آئے ہیں؟ کیا کہیں سے مفت مل گیا ہے؟ کتنی عمر ہے اس کی؟"

ان کے سوال کے جواب میں میں نے بکرے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "کیوں بے کیا عمر ہے تیری؟ دیکھ بے انسانوں بالخصوص عورتوں کی طرح عمر کم کر کے مت بتانا۔ بالکل اصلی اور صحیح بتانا ورنہ خدا کے ہاں پکڑا جائے گا اور محض اس لئے تو وہاں چھوڑ نہیں دیا جائے گا کہ تو اس کی راہ میں قربان ہوگا۔ . . . (کسی قدر توقف کے بعد) مگر یہ غریب اپنی عمر کیا جانے۔ اس کی عمر کا علم تو اس کی امی کو ہوگا۔ . . "

"مذاق چھوڑیے۔ سچ سچ بتائیے اس کی عمر کیا ہے؟"

"سچ سچ تو چھوٹے مجھے تو اس کی چھوٹی عمر کا بھی پتہ نہیں ہے۔ ویسے چشم بد دور یہ زیادہ عمر رسیدہ تو نہیں معلوم ہوتا . . . . مگر بیگم مجھے آپ کی خفیہ محکمہ جیسی انکوائری، ور وہ بھی بزرگانہ متانت کے ساتھ . . . کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر ہمیں کیا ضرورت ہے اس کی صحیح عمر جاننے کی؟ کچھ شادی بیاہ کے لئے بر کا انتخاب تو کر نہیں رہے ہیں۔ ہمیں تو اسے ذبح کرنا ہے اور پھر مزے لے لے کر چٹ کر جانا ہے . . . . بس الحمدللہ خیر سلا"

"ہمیں خالی ذبح کر کے چٹ کر جانا نہیں ہے ہم اسے اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے دے رہے ہیں اس لئے نہ صرف یہ کہ اسے کم از کم سال بھر کا ہونا چاہیے یا پھر اتنی عمر تو ضرور ہو کہ قربانی کے وقت تک سال بھر کا ہو جائے۔ ویسے ہے یہ صحیح و سلامت سینگیں بھی سالم ہیں لنگڑا لولا بھی نہیں ہے اور نہ ہی ساری دنیا کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے مطلب یہ کہ اس میں کسی طرح کا عیب یا نقص نہیں ہے البتہ ذرا دبلا زیادہ ہے مگر کوئی بات نہیں قربانی کے وقت تک اچھی کھلائی پلائی سے انشاء اللہ فربہ ہو جائے گا (مسکرا کر) ہاں یہ اگر آپ ہی کی طرح نہ ساون ہرے نہ بھادوں بھرے قسم کا واقع ہوا ہو تو پھر بات اور ہے" "مجھے بھی آپ اچھی کھلائی پلائی کر کے دیکھ لیجئے منہ دار اسنگھ" "وہ آپ کبھی نہ ہوں گے . . . . اور پھر آپ کو فربہ کرنے سے کیا فائدہ . . . . کچھ . . . " کہ میں نے بات قطع کرتے ہوئے لقمہ دیا۔ . . . . "کچھ میری قربانی تو کرنی نہیں ہے" "کیوں؟ ہے نا یہی بات؟"

"یا اللہ . . . آپ بھی غضب کی بات کرتے ہیں . . . قربانی کروائیں آپ کے دشمنوں کی . . . بھلا آپ کی . . . "

یہ سن کر ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ کسی قدر خوش ہو کر بولیں "یہ تو صحیح ہے کہ ابھی عید الاضحیٰ کو دو تین ماہ باقی ہیں لیکن اول تو عین قربانی کے وقت جانور مہنگے ملتے ہیں بلکہ نہیں ملتے ہیں دوسرا دو تین ماہ گھر پر پلنے سے جانور فربہ بھی ہو جاتے ہیں۔۔۔" "آپ کو جانوروں کے فربہ ہونے کی اتنا فکر ہے کبھی اپنے غلام کی فربہی کا بھی کچھ خیال آیا؟"

چونک کر بولیں "غلام؟ کون غلام؟" "آپ کا یہ میچداں اور کون۔"

"آپ؟" بمشکل اپنا لعاب دہن اپنے حلق سے نیچے اتارتی ہوئی بولیں۔ "میں۔۔ جی ہاں میں۔ بکمال اطمینان سے میں نے جواب دیا" خدا سے ڈریئے۔۔۔۔آپ۔۔۔"

"خدا سے زیادہ آپ ہی سے ڈر لگتا ہے"

"نعوذ باللہ۔۔۔۔ایک مشاق مولوی کی طرح بولیں۔

"اعوذ باللہ۔۔۔۔مجھے یہ بچپن سے یاد تھا ہاں یوں کہیے ہمارے مولوی صاحب کی چھڑی نے یاد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"توبہ توبہ!! استغفراللہ!" اپنے کان پکڑتی بولیں۔ شکر ہے میرے کان نہیں پکڑیں

"اچھی اچھی!!! الحمد للہ" میرے مولوی صاحب نے ہر چھینک پر مار مار کر الحمد للہ کہنا سکھلایا تھا جو مجھے اس بیت بازی میں کام آیا۔ اب میرا اسٹاک قریب الختم تھا ویسے ایک آدھ قدم ان کا اور ساتھ دے سکتا تھا کیونکہ ابھی بسم اللہ وغیرہ میرے پاس محفوظ (۲۶۵۶۲ ۷۹) تھے ویسے میں اللہ سے دعا گو تھا کہ اس بیت بازی کا سلسلہ مزید طول نہ پکڑے۔ اور بحمد اللہ میری آزمائش کی گھڑی ختم ہوئی۔

"آپ اس بندی کو کیوں گنہگار کرتے ہیں۔۔۔آپ میرے غلام کیوں رہنے لگے؟ میں تو خود آپ کی کنیز ہوں۔" انھوں نے شرمساری کے ساتھ کہا "جب میں آپ کا غلام نہیں ہوں تو پھر آپ کیوں میری کنیز ہونے لگیں؟" میں نے انھیں زچ دینے کی نیت سے کہا "ارے بابا میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں آپ کی کنیز ہوں آپ میرے مجازی خدا ہیں" "ارے بابا میں بھی غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔۔۔میں آپ کا غلام ہوں آپ میری۔۔۔"

قبل اس کے کہ میں اپنا جملہ مکمل کر سکوں انھوں نے میرے منھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

میں تمہاری ماں ہوں!

اے، بی شبانہ

اکتوبر کے اوائل کی ایک شام تھی آسمان پہ کالی گھٹا
ائی تھی۔ کچھ دیر پہلے شمال کی طرف سے آنے والی تیز آندھیوں
ے ہر چیز پر مٹی کی ہلکی تہہ بچھا دی تھی۔ میں اپنے چھوٹے بیٹے
زنان کے لئے دودھ گرم کر رہی تھی۔ کہ گیٹ پر ہلکی سی دستک
ی۔ تبھی میں نے دیکھا۔ شام کے ڈھلتے سائے میں امی اکیلی تنہا
ڑی تھیں۔ ان کا خاموش چہرہ اُداس تھا۔ اس خاموشی تلے
ور تہہ دکھوں کا ہجوم تھا۔ مجھے یوں احساس ہوا جیسے امی کے
ور بوڑھے جسم پر ایسی بوری لدی ہو جس میں دُکھ پریشانیاں
نیں، اپنوں کی جدائیوں کا غم اور مشکلات کے طویل سلسلے
رے ہوئے ہیں اور گزرتے دنوں کے ساتھ اس میں اضافہ
تا چلا گیا۔ اور کسی نے اس بوجھ کو کم کرنے کی کوشش نہ کی ہو
ساری عمر زندگی کے پُر پیچ کٹھن اور مشکل راستوں پر اکیلی
تی رہیں اور آج بھی تنہا ہیں۔ شاید میں اس لئے ایسا سوچتی
ں کہ وہ میری ماں ہیں۔

میں نے دیکھا زندگی میں بہت کم ایسے لمحے آئے جب وہ واقعی خوش ہوئیں ورنہ ان کی زندگی کی ساری کتاب پہ ناخوشی کی آڑی ترچھی لکیریں کھنچی تھیں۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ وہ اکثر خاموش اور افسردہ رہتی ہیں۔ مگر آج ان کے چہرے پر بے نام اداسی تھی۔ ایسی اُداسی جس کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔

میں نے امی کو بستر پر بٹھاتے ہوئے کہا: "آپ تھک گئی ہیں، لیٹ جائیے" امی نے دکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور ویران سے لہجے میں بولیں: "بس بہت پرانی اور کھٹارا سی تھی۔ رُک رُک کر چلتی اور جب چلتی تو ہر بار ایک نیا جھٹکا لگتا ...... اس سفر نے تو میرا جوڑ جوڑ ہلا ڈالا ہے" انھوں نے تکیے پر سر رکھ دیا۔ میں ان کے لئے چائے لینے کچن میں آئی.... سٹو جلا کر میں نے پانی رکھا اور اسٹول پر بیٹھی سوچنے لگی۔

امی آپ نے دکھوں تکالیف اور مصائب کا

"نہیں نہیں بخدا ایسا نہ کیجئے گا۔ اللہ نے جانوروں کی قربانی کا حکم دیا ہے دشمنوں کی قربانی کا نہیں۔۔۔!"
"اچھا اچھا اب زیادہ باتیں نہ بنائیے جائیے جا کر عمر کا پتہ کیجئے ورنہ بوچڑ سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔"

—•×•—

اب خواہ اس بکرے کی عمر جو بھی رہی ہو بوچڑ نے میرے یہ کہنے پر کہ "کیوں میاں رحمت بکرے کی عمر ایک سال ہے نا۔ میری بیگم کا کہنا ہے کہ ایک سال کا ہونے کی صورت میں ہی اس کی قربانی جائز ہوگی ورنہ نہیں"

اس نے پہلے تو ایک منٹ تک مجھے دیکھا پھر کہا "اُو بکرا۔۔۔۔ہاں ہاں۔۔۔۔یعنی کہ بکرا۔۔۔۔اچھا اچھا بکرا۔۔۔ ہاں جناب بالکل ایک سال کا ہے۔۔۔۔آپ کی قسم ایک سال کا ہے۔ یقین نہ ہو تو خود اس بکرے سے پوچھ لیجئے۔۔۔۔افسوس کہ اس کی ماں کچھ دیر پہلے اللہ کو پیاری ہو گئی ورنہ میں آپ کے سامنے اسی سے اس بات کی تصدیق کرا دیتا۔۔۔" میں نے یہ سن کر شاداں و فرحاں اپنے مکان کا رخ کیا۔

بھیا نے امی کو خوشخبری سنائی تھی۔ "ماں میں امریکہ جا رہا ہوں۔"

"تم امریکہ جاؤ گے؟" امی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"تو کیا ساری عمر ڈھائی سو روپے میں گزارا کرتا رہوں۔ خیال رہے میرا لکٹ آ گیا ہے۔"

بھائی جان امریکہ چلے گئے۔ ہمارے سارے خواب اور امیدیں ادھوری رہ گئیں۔ ہم سب بہن بھائیوں کے لئے جدوجہد کا ایک نئے دور کا اضافہ ہو گیا۔

دو چار مہینے تو بھائی جان نے باقاعدہ خط لکھے۔ مگر پھر سال بعد ایک جرمن لڑکی کی تصویر آئی۔ ساتھ لکھا تھا: "میں نے شادی کر لی ہے۔" پھر لمبی خاموشی طاری ہو گئی۔ پانچ سال کے بعد خط میں لکھا: "بہت مصروف رہتا ہوں۔ میری فکر نہ کریں۔" انھوں نے کسی بہن بھائی کو بھولے سے بھی سلام و دعا یا پیار نہ لکھا۔

امی کے دل میں بھیا کی بے حسی اور خود غرضی کا گہرا ملال تھا۔ وہ بظاہر چپ رہتیں۔ مگر جیسے ہی وہ بھیا کے کمرے میں جاتیں آنسو آنکھوں سے جاری ہو جاتے۔ ہم انھیں خاموش کرانے کی کوشش کرتے "امی جب وہ ہمیں بھول گئے ہیں تو آپ بھی بھائی جان کو بھول جائیے۔"

"میں اس کی ماں ہوں، کیسے بھول جاؤں؟ یہ قیامت تک نہ ہو گا۔"

ایک دن امی کی ایک پرانی سہیلی آ گئیں سعیدہ اختر۔ باتوں ہی باتوں میں بھائی جان کا ذکر چل نکلا: "کلثوم تمہیں اپنا بیٹا یاد نہیں آتا۔ تم نے کیسے دل سے اس کا باہر جانا گوارا کر لیا؟" اس نے کہا۔

امی نے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کئے: "یاد آتا ہے، کیسے یاد نہ آئے گا! رہ گیا اس کا باہر جانا، تو سعیدہ بہن! ڈھائی سو کی تنخواہ میں اس کا گزارا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنا مستقبل سنوارنے گیا ہے۔ بڑا ڈاکٹر بنے گا۔ میں نے اپنا دل چٹان کی طرح بڑا اور مضبوط بنا لیا ہے اسی لئے بیٹے کی جدائی دس سال سے برداشت کئے ہوئے ہوں۔"

بھائی جان نے کبھی پھوٹی کوڑی تک نہ بھیجی تھی۔ رشتہ دار ویسے ہم سے کوسوں دور تھے۔ امی نے یوں کبھی کسی عزیز کے سامنے دست سوال نہ بڑھایا تھا۔ ایسے مایوس کن تھکا دینے والے حالات میں ہم نے بڑی محنت اور کوشش کی جس قدر ہو سکا پڑھنے کی سعی کی۔ پھر یکے بعد دیگرے سب بہنوں کی شادیاں ہو گئیں۔

لامتناہی صحرا عبور کیا..... آپ ساری عمر چلتی رہی ہیں۔ چلتے چلتے تھک گئی ہیں، مگر منزل نہیں آئی جہاں آپ آرام اور سکون مل سکتا۔

ماں تو نام ہی ایثار اور محبت کا ہے اپنے منہ سے نوالہ نکال کر بچے کے منہ میں ڈالنے والی ہستی۔ ماں کی تو راتوں کی نیندیں اُڑ جاتی ہیں جس دن اس پر پہلے بچے کی ذمے داری پڑ جاتی ہے اور جب عورت کے دس پانچ بچے ہوں اور شوہر کا سایہ بھی سر پر نہ رہے تو اس کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے۔

جانے بچپنے کا وقت ہم نے کیسے گزارا تھا۔ مزدوری کر کے ہمسایوں سے اُدھار مانگ کر، اُدھار وقت پر نہ لوٹانے پر سو سو معذرتیں کرنی پڑتیں۔

بھائی جان ہم سب کی اُمیدوں کا واحد سہارا تھے، لاڈلے، نازک مزاج ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے انہیں اچھے کپڑے چاہئیں۔ چاہے ماں شب بھر لوگوں کے کپڑے سیتی رہے یا کسی سے اُدھار پیسے لینے پڑیں یہ اچھے بھائی جان میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے اور ہم اتنے خوش ہوتے جیسے ڈاکٹری بھائی جان نہیں ہم سب پڑھ رہے ہوں۔

امی بھی میرا ڈاکٹر بیٹا، ڈاکٹر بیٹا کہتے فخر محسوس کرتیں۔ وہ کسی سے قرض لیتے ہوئے بھی کہتیں میرا بیٹا ڈاکٹر بن جائے تو میں آپ کا ایک ایک پیسہ ادا کر دوں گی۔

بھائی جان یوں تو سدا سے خود کو اعلیٰ درجے کی مخلوق سمجھتے تھے مگر ڈاکٹر بن کر تو گویا ان کا سر عرش سے جا لگا وہ ابھی ہاؤس جاب کر رہے تھے کہ ایک دن امی سے تین سو روپے مانگے۔ امی نے دس پندرہ دنوں کی مہلت مانگی۔

بھائی جان غضبناک ہو گئے۔ ”ماں جی فکر نہ کریں یہ سب پیسے میں مع سود لوٹا دوں گا، سمجھیں!“

”کیا یہ سب کچھ ہم اسی مقصد کے لئے کر رہے ہیں؟“ امی بے حد رنجیدہ ہو گئیں۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ پیسے مجھے پرسوں تک مل جانے چاہئیں“ بھائی جان نے کہا اور باہر چلے گئے۔

امی کا خیال تھا۔ بھیا ذمہ دار فرد کی طرح بہن بھائیوں کا خیال کریں گے۔ بہنوں کو تعلیم دلائیں گے۔ کچھ جہیز کی فکر میں مدد کریں گے۔ ابھی انہیں نوکری کرتے دو مہینے ہوئے تھے کہ ایک دن ہماری اُمیدوں پر بجلی گر پڑی۔

میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں نے امریکہ کی بات چھیڑ دی تو امی نے کہا "اس بڑھاپے میں تمام گھر اور بچوں کی ذمے داری مجھ ناتواں پر ڈال دی۔ میاں بیوی خود سیر تفریح کرکے آدھی رات کو گھر لوٹتے۔ میں تھک گئی تھی۔ کچھ بیمار بھی رہنے لگی۔ بیٹے نے واپسی کے لیے ٹکٹ لے کر دینے سے انکار کر دیا۔ ایک دن چند پاکستانی فیملز سے میں نے اپنی مشکل بیان کی ان خدا کے بندوں نے چندہ کرکے مجھے ٹکٹ دیا اور میں زندہ لوٹ آئی۔"

ساری عمر سخت کوشی، دکھ تکلیف، اپنوں کے زخم، بیماری، بڑھاپا اور پھر تنہائی سب نے امی کی صحت تباہ کر دی ہے۔

وہ پندرہ بیس دن بعد مجھ سے ملنے آتی ہیں۔ مگر میں اپنے گھر اور بچوں کی مصروفیات کی وجہ سے مہینے دو مہینے بعد ہی بمشکل شہر جا سکتی ہوں۔

امی میرے پاس دیر تک چپ بیٹھی رہتی ہیں۔ پھر پوچھتی ہیں "تمہارے ایم اے کرنے کا کیا فائدہ؟ جب تم مجھے یہ نہیں بتا سکیں کہ اب میں کس بات کے انتظار میں زندہ ہوں؟"

"للہ! امی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے ہمیں اچھی باتوں کی امید رکھنی چاہیے۔" میں تسلی دیتی ہوں۔

"کیوں نہیں، اس زمین پر مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا؟ میرے دس بچے ہیں۔ لڑکیاں اپنے گھروں میں خوش حال ہیں اور سب بیٹے کتنے نالائق ہیں! کوئی آئی سپیشلسٹ، کوئی ایم کام، کوئی فارن ایم ایس سی۔ وہ بڑے بڑے ملکی غیر ملکی عہدوں پر فائز ہیں۔ میری خدمت کرتے ہیں کتنا خیال رکھتے ہیں میرا...... مجھے تو اب یہ بھی نہیں کہنا پڑتا کہ میں تمہاری ماں ہوں کہ میں تمہاری ماں ہوں۔" یہ کہتے ہوئے امی کی آنکھوں میں ویرانیاں چھا جاتی ہیں۔ پھر مجھے ان کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔ ●●●

توجہ فرمائیں

افسانے یا مضامین بھیجتے وقت مناسب ڈاک ٹکٹ لگا لفافہ ضرور بھیجیں۔ تاکہ ناپسند ہونے کی صورت میں آپ کو واپس بھیجا جا سکے۔ (ادارہ)

جہیز بس نام کا تھا۔ ساری بہنیں اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئیں۔ باپ تو تھا ہی نہیں بھائی سات سمندر پار جا کر بیگانہ بن گیا تھا۔ ان یتیم و بے کس لڑکیوں کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کون دعا دیتا؟ دل میں جانے کیسی کیسی حسرتیں اور دکھتے ہوئے احساسات لئے سب اپنی سسرال سدھار گئیں۔

پندرہ سال بیت گئے۔ ہمیں خواب کی طرح لگتا کبھی اپنا بھی ایک بھائی تھا پھر یک لخت بھائی جان نے امی کے نام خط لکھنے شروع کر دیے۔ ضرور کوئی خاص مطلب اور سبب ہو گا ورنہ ان صاحب کی پندرہ سالہ نیند کیوں ٹوٹی؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا خط کھول کر پڑھا، لکھا تھا: "میری بیوی نے طلاق لے لی ہے۔ کئی لاکھ روپیہ جرمانہ دینا پڑا ہے۔ کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، یہاں کوئی اپنا نہیں، ذہنی طور پر بڑا پریشان ہوں۔"

پھر ایک اور خط ملا: "اگلے مہینے پاکستان آ رہا ہوں۔ میری شادی کے لیے کوئی خوبصورت سی لڑکی تلاش کیجئے۔" اتنی کم مدت میں کوئی اچھا رشتہ تو مل نہ سکا، مگر بھائی جان ایک میرج بیورو والے سے جا ٹکرائے جس نے دس پانچ ہزار روپے لیکر پندرہ دن کے اندر ان کی شادی کرانے کا وعدہ کر لیا۔ یہ خاندان ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ...... اور اشتہاری شادیوں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔

شادی کے بعد بھائی جان بیوی کو لے کر واشنگٹن ڈی سی چلے گئے۔ دو سال بعد ان کے گھر بیٹی پیدا ہوئی تبھی انھوں نے امی کو لکھنا شروع کر دیا: "آپ امریکہ آ جائیں۔" پھر بہت اصرار کرنے لگے۔ امی ٹالتی رہیں، مگر ہم بہنوں نے اصرار کیا: "چلی جائیے، دل نہ لگے، تو واپس آ جائیے گا، سیاحت ہی سہی۔"

امی امریکہ چلی گئیں۔ چھ مہینے، پھر سال ہو گیا۔ وہ دو تین مہینے بعد خط لکھتیں: "میں ٹھیک ہوں۔ ننھی افشاں سے بہت مانوس ہو گئی ہے۔"

دو سال گزر گئے۔ میں سوچتی امی پتہ نہیں کس حال میں ہیں! کاش امی آپ اتنی دور نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ کا حال معلوم کرنے آتی مگر...... ایک دن امی اکیلی واپس آ گئیں...... وہ بہت کمزور اور بیمار تھیں ہم نے وہاں کے حالات کریدنے کی کوشش کی وہ چپ ہو گئیں۔ اب وہ تنہا پھر اسی پرانے شہر کے گھر میں رہنے لگیں۔ میں نے کوشش کی کہ وہ ہمارے پاس آ جائیں، مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا: "نہیں گڈی

زمینداروں کے جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں ایک بار کسی تنازعے کے موقع پر جاگیردار کے لڑکے نے برکتے کے باپ کو گالیاں دیں۔ برکتا اپنے باپ کی بے عزتی برداشت نہ کر سکا اور اُس نے آگے بڑھ کر جاگیردار کے لڑکے کو ایک گھونسا رسید کیا۔ لڑکا وہیں ڈھیر ہو گیا۔"

"صرف ایک گھونسے ہی سے؟" میری بیوی نے حیرانی سے سوال کیا۔

"ہاں۔ صرف ایک گھونسے سے" شیخ صاحب نے جواب دیا "میں نے تمہیں بتایا ہے نا وہ بلا کا طاقتور انسان تھا۔ جاگیردار کے لڑکے کی موت پر برکتا گرفتاری کے ڈر سے گاؤں سے فرار ہو گیا۔ یہی اس کی زندگی کا پہلا منحوس دن تھا۔ جس نے ایک اچھے خاصے شخص کو ڈاکو بننے پر مجبور کرا دیا۔

علاقے کی پولیس ہر وقت اُس کی تلاش اور تعاقب میں مصروف رہتی۔ برکتا آگے آگے اور پولیس پیچھے پیچھے۔ لیکن یہ صورت حال بہت تھوڑا عرصہ رہی۔ برکتے نے جب دو تین قتل اور ڈاکے کی وارداتیں یکے بعد دیگرے کیں تو ہر طرف تہلکہ مچ گیا۔ سب سے پہلے اُس نے جاگیردار کے گھر کی صفائی کی۔ وہ دن دہاڑے ڈاکے مارتا اور جو سامنے آتا اُسے گاجر مولی کی طرح کاٹ دیتا۔

ایک روز شام کے وقت علاقے کا تھانیدار۔ جو سکھ تھا۔ تانگے میں کہیں جا رہا تھا۔ برکتے نے اُس پہ حملہ کر دیا۔۔۔ پستول اور گولیوں کی پیٹی اس سے چھین لی۔ اور ٹینٹوا دبا کر اُسے وہیں ہلاک کر دیا۔

چار پانچ سال کے اندر اندر اُس نے لاہور کے کئی بڑے بڑے جاگیرداروں کے گھروں پر کامیاب ڈاکے مارے اور پورے پنجاب میں اس کی دہشت جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگوں نے سرِ شام گھروں سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ ساری کارروائیاں صرف دو آدمی یعنی برکتا اور اُس کا ایک ساتھی کر رہے تھے۔ حالانکہ آج تک جتنے بھی نامی گرامی اور مشہور ڈاکو ہوئے ہیں۔ مثلاً امام دین گوہاویا، سلطانہ یا بھوپت وغیرہ اُن سب کے بڑے بڑے گینگ ہوتے

آدم و حوّا کے لئے

(سید جاوید اختر)

جب رات کا کھانا ہم کھا چکے تو میرے شسر محترم شیخ عبدالرشید نے نامی گرامی ڈاکوؤں کی سرگزشت شروع کردی اور آپ کو معلوم ہے۔ ایسی داستانیں سب چھوٹے بڑے یکساں دلچسپی کے ساتھ سنتے ہیں۔

"ایک تھا ڈاکو — برکتا کمبو" وہ بولے۔ "انگریز کے زمانے میں وہ پنجاب کا مشہور و معروف ڈاکو تھا۔ یہ واقعہ مجھے بڑے بھائی نے سُنایا تھا جو اُس زمانے میں لاہور کو نواحی میں تھانیدار تھے۔ برکتا کمبو لاہور کے کسی نواحی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کا قد کاٹھ غیر معمولی تھا۔ بھاری بھرکم بڑے بڑے ہاتھ پاؤں۔ شیر کی طرح چوڑا سینہ اور بن مانس کی مانند بے پناہ طاقت۔ اس کا باپ ایک غریب کسان تھا اس لیے وہ برکتے کو سکول میں نہ پڑھا سکا تھا۔

جب برکتے کی مسیں بھیگیں تو اس کی جوانی کسی طوفانی دریا کی طرح اُمڈ آئی۔ دور دور کسی گاؤں، کسی قصبے میں اُس جیسا شہ زور اور گرانڈیل نوجوان کوئی نہ تھا۔ اس کی طاقت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہ ایک انچ موٹی لوہے کی سلاخ کو پلک جھپکنے میں موڑ دیتا۔ شاید اسی لئے ان گنت عورتیں اُس پر دل و جان سے فریفتہ تھیں۔

اچھا۔ پھر تو وہ بڑا خوش قسمت تھا میں نے ازراہِ تفنن شیخ صاحب کی بات کاٹی۔

"ہاں سنو تو سہی" وہ مسکرا کر بولے: "پہلے زمانے میں جسمانی قوت کسی مرد کی بہترین صفت ہوتی تھی۔ دوسرے لوگوں کے لیے قابلِ رشک لیکن برکتے کی یہی خوبی بدبختی کا سبب بن گئی۔ دیہات میں چھوٹی موٹی باتوں پر کسان

پیچھے جاچکا تھا۔ اس کے باوجود اس کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ پولیس کی ایک پوری گارد سیٹھ کے مکان پر پہرے کے لیے متعین کردی گئی تھی ڈاکے والی رات برکتے کا ماموں زاد بھائی جیل خانے پہنچا اور بولا، "برکت! یہ مردوں کا شیوہ نہیں۔ آج کی رات ہم نے ڈاکہ مارنے کا اعلان کیا ہوا ہے۔ ہمیں اپنا قول نبھانا چاہئے" یہ سنکر برکتے کی رگ حمیت پھڑکی اور اُس نے قید خانے کے محافظ کو بلاکر کہا: "دوست! میں نے اپنی پوری زندگی آزادی کی طرح گزاری ہے، اور جوان قول کے پکے ہوتے ہیں۔ میں نے آج کی رات سیٹھ کے گھر ڈاکہ ڈالنے کا اعلان کیا ہوا ہے۔ تم اگر مجھے صرف ایک گھنٹے کی مہلت دے دو، تو میں تمہیں سیٹھ کی لوٹی ہوئی پوری دولت لادوں گا"

محافظ غریب اور لالچی آدمی تھا۔ اُس نے جان کی بازی لگاکر برکتے کو ایک گھنٹے کے وعدے پر آزاد کردیا۔ برکتا اور اس کا ماموں زاد بھائی سیدھے سیٹھ کے گھر پہنچے۔ چھت پھاڑ کر انھوں نے سیٹھ کی تجوری توڑی اور فرار ہوگئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ڈاکہ اس لیے کامیاب رہا ہو کہ پولیس صرف حکم بجالانے کے لیے موقع پر موجود تھی اور اس خیال سے کہ برکتا تو جیل خانہ میں بند ہے زیادہ مستعد نہ تھی۔ ڈاکہ مارنے کے بعد برکتا اپنے گاؤں پہنچا۔ اس نے اپنے دھوکہ باز چچا کو قتل کیا جس نے اُسے گرفتار کرایا تھا اور پھر ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ جیل خانے میں واپس چلا گیا۔ محافظ کو حسب وعدہ سیٹھ کی تمام دولت دے دی گئی۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک عجیب ڈاکہ تھا کہ مجرم زیر حراست ہونے کے باوجود ایک نئی واردات کردے۔ بہرحال چند روز بعد اُس پر مقدمہ چلا اور حکومت نے اُس کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کی، لیکن عین سزا والے دن برکتا جیل خانے کی سلاخیں توڑ کر فرار ہوچکا تھا۔ پھر کئی مہینے گزر گئے۔ انگریز ڈی ایس پی برکتے کی گرفتاری سے مایوس ہوگیا تو اُس نے ایک نئی چال چلی۔ برکتے کے تمام عزیز رشتہ دار گرفتار کرلیے گئے۔ ان کا منہ کالا کرکے گاؤں گاؤں گلی گلی گھمایا گیا۔ اُن میں برکتے کا باپ بھی شامل تھا اور برکتا

تھے۔ لیکن برکتا اور اس کا ماموں زاد بھائی صرف دو شخص ہی پوری پنجاب پولیس کے لیے مصیبت بنے ہوئے تھے۔ آخر کار ایک انگریز ڈی ایس پی کی ڈیوٹی لگی کہ وہ برکے کو گرفتار کرے۔ انگریز ڈی۔ ایس۔ پی نے منادی اور اشتہاروں کے ذریعے اعلان کر دیا کہ جو شخص برکت ڈاکو کو زندہ یا مردہ پکڑے گا اُسے دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ چھٹ پٹے کے سمے برکتا اپنے گاؤں کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اُس نے ایک بوڑھی عورت کو جلدی جلدی گاؤں کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔

"کیا بات ہے، مائی جی؟ آپ کچھ گھبرائی سی لگتی ہیں؟" برکتے نے بڑھیا سے سوال کیا۔

"بیٹا میں ڈیرے سے آرہی ہوں۔ سورج ڈوب گیا ہے۔ ڈر لگتا ہے کہیں برکتا کمبو نہ آجائے" بڑھیا نے جواب دیا۔

"چلو، ماں جی، میں آپ کو گھر آگے تک چھوڑ آتا ہوں" برکتے نے کہا۔ وہ بوڑھی عورت کا ہاتھ پکڑ کر بستی تک لے گیا۔ جب وہ بستی کے پاس پہنچے تو برکتے نے اجازت مانگی لیکن بڑھیا نہ مانی۔

"پُتر! مجھے گھر تک چھوڑ آ۔ کہیں برکتا نہ آجائے!" بڑھیا نے اصرار کیا۔

"نہیں برکتا۔ یہ تو اُس کا اپنا گاؤں ہے یہاں کے غریبوں کو وہ کیوں ستائے گا؟" برکتے نے بڑھیا کو تسلی دی۔

انگریز ڈی ایس پی کئی مہینوں تک اُس کو گرفتار کرنے کی کوششوں میں مارا مارا پھرا، مگر وہ ہاتھ نہ آیا، جیسے آسمانی بجلی لحظہ بھر کے لئے نظر آتی ہے، کڑکتی ہے اور کسی کو خاکستر کرنے کے بعد روپوش ہو جاتی ہے۔ بالآخر کافی مدت کے بعد برکتے کے سگے چچا نے دھوکہ دے کر اُسے اپنے گھر سے رات کے وقت سوتے میں گرفتار کروا دیا۔ انگریز ڈی ایس پی نے حسبِ اعلان اُس کے چچا کو دس ہزار روپے کا انعام دیا۔ جس رات اس کی گرفتاری عمل میں آئی اس سے دوسری رات اُس نے ایک سیٹھ کے گھر ڈاکہ ڈالنے کا اعلان کیا ہوا تھا۔ مگر اب تو وہ جیل خانے کی موٹی موٹی سلاخوں کے

آفتاب عالم اجمیری

نگاہوں کی آغوش

رشتہ دل لے آئے حنا کے دل کی دھڑکن تیز تر ہو گئی سب نے حنا کو دیکھا اور پسند کیا لڑکے کی ماں تو چشم بد دور کہے بغیر نہ رہ سکی ہیرے کی جگمگاتی ہوئی انگوٹھی پہناتے ہوئے بولی اب تمہاری حنا ہماری حویلی میں مہکے گی حنا شرما گئی اور اس کا سر جھک گیا حنا کے مقدر پر تمام سہیلیاں اور محلے والے رشک کر رہے تھے آج سے اس کی زندگی میں خوشیاں اور بہاریں قدم رکھنے والی تھیں حنا خوش تو تھی لیکن ڈر رہی تھی کہ یہ سنہرا خواب کہیں ٹوٹ نہ جائے وہ چاہتی تھی کہ تمام عمر یہ حسین خواب دیکھتی رہے اور اسی طرح اس کی زندگی کی شام ہو جائے لیکن خواب کبھی سچے ہوتے بھی ہیں؟ وہ تو وقتی طور پر خوشی لے کر آتے ہیں اور آنکھ کھلتے ہی ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ شام کے وقت گھر کے سب لوگ اور پنچ جمع ہوئے تو انھوں نے پوچھا آپ جہیز کتنا دیں گے حنا کے ماں باپ کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ وہ بولے زمیندار صاحب آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہم غریبوں کی دولت تو اولاد ہی ہے اور اس کے سوا ہمارے پاس اور کچھ بھی نہیں جو کچھ تھا اس کی تعلیم میں لگا دیا۔ ہماری بیٹی کے پاس علم کی دولت ہے عزت عصمت اور شرافت کی جاگیر ہے اس میں ہر وہ خوبی ہے جو آپ کی حویلی میں چار چاند لگا دے گی لیکن دولت کے پجاریوں پر غریب باپ کے اس کہنے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حنا کے ہاتھ کی انگوٹھی اتار لی گئی اور اپنے جوڑوں کے ساتھ وہ لوگ ایک غریب خاندان کی عزت بھی لے گئے۔ حنا کی ماں یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور وہ کمزور عورت اس عظیم صدمے کی تاب نہ لا کر زندگی کے قفس سے ہمیشہ کے لیے نجات پا گئی۔ حنا کا باپ بیک سکتہ سا طاری ہو گیا اور وہ دل ہی دل میں اپنی بدنصیبی اور غریبی پر رونے لگا کاش دنیا میں یہ جہیز کی رسم نہ ہوتی۔ اس کے بنائے ہوئے خواہش کے محل دھڑام سے ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے دور مغرب میں پہاڑ کے پیچھے اترتی ہوئی سورج کی گیند کو دیکھتی رہی جو تھوڑی دیر بعد غروب ہو گیا اور نگاہوں کی آغوش کو [illegible]

ڈاکو یہ سب داستان خاموشی سے سنتا رہا۔

سب سے آخر میں اس کی بوڑھی ماں کو گرفتار کیا گیا۔ جب اس کے چہرے پر کالک ملی جانے لگی تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا: "آہ! برکتے، نہ تم پیدا ہوتے، نہ یہ دن آتا۔"

بدنصیب بوڑھی ماں کے منہ سے نکلے ہوئے یہ بے ساختہ بول جب برکتے ڈاکو کے کانوں تک پہنچے تو وہ انھیں سن کر تڑپ اٹھا۔ وہ اسی لمحے سیدھا انگریز افسر کے پاس پہنچا اور گرج کر بولا: "میری بوڑھی ماں کو فوراً چھوڑ دیا جائے، کیونکہ اس کا کوئی جرم نہیں، کوئی قصور نہیں۔ گناہ میرا ہے۔ سرکار مجھے گرفتار کرلے۔"

چنانچہ برکتا اُسی وقت حراست میں لے لیا گیا۔ اُسی روز گاؤں میں عدالت کا ایک بنچ بیٹھا اور اُسے فوری موت کا حکم سنا دیا۔"

یہ کہہ کر شیخ صاحب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے۔ پوری محفل پر سناٹا طاری تھا۔ اچانک میری بیوی نے پوچھا: "پھر کیا ہوا ابو جان؟"

"پھر، پھر اُسے سزا ہوگئی" شیخ صاحب نے کسی قدر افسردگی کے ساتھ جواب دیا: "اور اس کی سزا بڑی ہی ہولناک تھی۔ توبہ تو... کا ایک بیلنا منگوایا گیا۔ دو طاقتور بیل بیلنے جوتے گئے اور برکت ڈاکو کو رسیوں سے... پیروں کی طرف سے بیلنے کی مشین میں پھنسا... جب بیلنا چلا تو تڑاخ تڑاخ کی آوازوں سے... کی ہڈیاں ٹوٹنے لگیں اور سُرخ سُرخ خون... پر پھنکارنے لگا۔ بھائی صاحب کے کہنے مطابق پورا برکتا بیلنے سے گزر گیا لیکن اُس کی آنکھ سے ایک آنسو نہ ٹپکا۔ نہ ہی زبان... ایک ہائے نکلی۔ خدا دشمن کو بھی یہ موت نہ...

شیخ صاحب نے برکتے کی کہانی ختم... مجلس پہلے سے زیادہ اُداس ہوگئی۔ ●

نعت پاک

(آفتاب عالم اجمیری)

غم کی بھیانک راتوں میں دیدار تمہارا ہو جا...
جینے کی تمنا کیا معنی مرنا بھی گوارا ہو...
اُس رحمت عالم کا زاہد گر ایک اشارا ہو...
دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے خالق بھی ہ...
تابانی زخمِ دل صدقے اے یادِ غم آقا تم پر
جو اشک بھی ڈھلکے پلکوں سے پُرنور...

۷۔ آنکھ میں سُرخی رہتی ہو تو ہلدی کا سفوف اور بہت تھوڑی مقدار میں ایک بوند کے قریب پانی لے کر ملائیں پھر پر لیپ کریں۔ اس سے آنکھ کی سُرخی جلد رفع ہو جاتی ہے۔

۸۔ کان میں درد ہو تو تُلسی کے پتوں کا رس ڈالیں۔ فوری فائدہ ہوتا ہے۔

۹۔ باؤلے کُتے نے کاٹ لیا ہو تو سُرخ مرچ کو سرسوں کے تیل میں ملا کر دن میں تین بار لگائیں۔ جلد آرام ہو۔

۱۰۔ آشوبِ چشم کی شکایت ہو تو شہد کی دو دو بوند ایک ایک آنکھ میں ٹپکائیں۔ بہت مفید ہے۔

۱۱۔ نکسیر آتی ہو تو پھٹکری پانی میں گھول کر ناک میں چند قطرے ڈالیں۔ انشاء اللہ آرام ہوگا۔

۱۲۔ خارش کی شکایت ہو تو سرسوں کے تیل میں پھٹکری کو پیس کر بدن پر مالش کریں۔ انشاء اللہ جلد ہی خارش رفع ہوگی۔ خشک و تر دونوں میں مفید ہے۔

۱۳۔ دست کی شکایت ہو تو ایک ایک ماشہ پھٹکری بریاں دن میں تین بار پانی کے ساتھ کھلائیں۔ دست بند ہو۔

۱۴۔ کمر کے درد کی شکایت ہو تو سونف دو حصہ سونٹھ ایک حصہ دونوں کو باریک پیس کر کپڑے سے دبا کر چھان ۶/۶ ماشہ صبح و شام گرم پانی یا گرم دودھ کے ساتھ کھائیں۔ انشاء اللہ جلد ہی افاقہ ہوگا۔

۱۵۔ داد کی شکایت ہو تو نمک اور سرکہ ملا کر لگائیں۔ بہت مفید ہے۔

محمد جمیل صدیقی زاہد

کام کی باتیں

کبھی کبھی معمولی بیماریاں اور چوٹ بھی ہمارے لئے ایک اہم مسئلہ بن جاتی ہیں اور ہم فوراً ڈاکٹر کو بلواتے ہیں اور بے دریغ پیسہ بہاتے ہیں کہ صحت مزید نہ خراب ہو۔ ایسے اوقات میں اکثر لوگ یا تو حواس باختہ ہو جاتے ہیں یا عجلت پسندی کی وجہ سے کثیر اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ صحت اللہ کی بہترین نعمت ہے۔ اور اس کی حفاظت ہمارا اولین فریضہ ہے۔ مگر جہاں قدرت نے بیماریاں بنائی ہیں وہیں اکثر بیماریوں کا علاج بھی ہماری روزمرہ کی استعمال کی چیزوں میں مضمر کر رکھا ہے۔ ذیل میں چند ایسی ہی وقتی بیماریوں کے آسان علاج درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اگر قے آ رہی ہو تو ادرک اور پیاز کا پانی پلانے سے شفا ہوتی ہے۔

۲۔ بچہ دودھ الٹتا ہو تو لیموں کی جڑ دودھ میں گھس کر دیں۔

۳۔ کسی مقام پر درد ہوتا ہو تو اجوائن کے تیل کی مالش کرنے سے دور ہو جاتا ہے۔

۴۔ اگر چوٹ لگنے سے سوجن ہو تو ہلدی ایک حصہ چونا سفید نصف حصہ لے کر ہلدی الگ سے پیس کر چونے میں ملا لیں پھر سوجن پر لیپ کریں۔ اس سے سوجن کے ساتھ ساتھ درد بھی رفع ہو جاتا ہے۔ مگر ہمیشہ خیال رہے اگر چوٹ لگنے سے زخم ہو گیا ہو تو ہرگز ہرگز چونا استعمال نہ کریں۔

۵۔ اگر زخم ہو گیا ہو تو ہلدی کا سفوف برابر گھی ملا کر آگ پر گرم کریں پھر اس کو کپڑے میں پوٹلی کی طرح باندھ کر گرم گرم سے ٹکور کریں۔ اس کے بعد یہی ہلدی زخموں پر باندھیں۔ سخت سے سخت زخم جلدی بھر جاتا ہے ساتھ ساتھ جلن، درد اور سوجن بھی رفع ہو جاتی ہے، مجرب نسخہ ہے۔

۶۔ بلغمی کھانسی سے پریشان ہوں تو سفوف ہلدی مناسب مقدار میں پھر شہد اس کا ڈھلے کر کے چاٹیں جلد ہی شفا ملے گی۔ انشاء اللہ۔

ہو کہ محبوب حسین کا منی آرڈر نہیں آیا، اُن کے والد
دو دن سے ملیریا میں مبتلا ہیں۔ صرف دو سیر آٹا
دے دیں۔

حافظ صاحب نے فرمایا۔

"بیٹا! تم چلو، میں وکیل صاحب کی خیریت معلوم کرنے خود ہی آتا ہوں۔" میں لوٹ آیا۔

والدہ محترمہ مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر دھک سے رہ گئیں۔ ابا جان اور خود امی جان تو فاقے کر ہی رہے تھے۔ اُن کو غم تھا، تو مجھ معتوب گندم آزاد کا! جسے وہ تین دن تک گھر میں جھکی ہوئی بیری سے بیر اور امرود کے درختوں سے کچے کچے امرود توڑ کر بہلاتی رہی تھیں۔ میں رو رو کر نمک مرچ کا پانی مانگا کرتا۔ مجھے تو پڑوس کی ایک شادی میں قورمہ ہضم نہیں ہوا تھا۔ وہ بڑا بدمزہ معلوم ہوا۔ مجھے نمک مرچ کے پانی میں سوکھی روٹی ڈبو کر کھانے میں جو لذت محسوس ہوتی، اُسے آج بھی ستر سال گزرنے کے باوجود بھول نہ سکا تھا۔ میرے بچے ماشاء اللہ ہر ہفتے ایک مرغن ڈش نئے نئے انداز سے بناتے ہیں اور کھا کر خوش ہوتے ہیں۔ مگر میں اپنی پیاری امی جان (اللہ ان کو جنت مکین کرے) کے مبارک کا وہ ملغوبہ۔ وہ 'قدیا (قدیا)' اس کا ذ اس کی وہ خاص خوشبو کبھی نہیں بھلا گا۔ جس میں قناعت کا درس تھا، جس اور خودداری کے سبق تھے جس میں من سے بڑھ کر مزہ تھا جو کھلاتے ہوئے مجھے جان نے یہ پڑھایا تھا۔

وہ دونوں جہان کی شاہی فرماتے ان کی غذا تھی۔ (ایسی قناعت پر لاکھوں مجھے خالی ہاتھ آتا دیکھ کر امی جا گیئں۔ اب کیا ہوگا۔ بچے کا کیا بنے گا۔ شاید صاحب نے بچے کو چلتا کر دیا ہے۔ اب کیا سر ننگا ہو جائے گا۔ وکیل صاحب کی کو پتہ تو نہیں لگے گا۔ کہیں میرے بچے اُن کی قناعت پر سے اٹھ تو نہ جائے گا۔ سوچ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بے ق کے عالم میں پوچھا۔

"حامد بیٹا! کچھ تو بولو، کیا ہوا؟"

میں نے یہ کہہ کر گویا ان کی طرف شب پھینک دیا: امی جان! حافظ صاحب

ان کہی [illegible]

(احمد بریلوی)

اللہ بخشے۔ ابا میاں حیدرآباد دکن کی نظامت مالزن سے وابستہ رہے تھے اور وکیل صاحب کی اصطلاح سے مشہور تھے۔ ان کی آنکھیں خراب تھیں تکلیف بہت بڑھ گئی تو تایا جان (مرحوم) نے اپنے پاس علاج کی غرض سے بریلی بلوا لیا۔ بہتیرا علاج ہوا آپریشن تک کروایا۔ لیکن افاقہ نہ ہوا۔ بینائی جاتی رہی۔ اور وہ گھر کے ہو کر رہ گئے۔ ہم پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ میں صرف چار سال کا تھا۔ ذریعہ آمدنی کوئی نہ تھا۔ سوائے دس روپے کے منی آرڈر کے جو میرے بڑے بھائی کبھی ہر ماہ کبھی ناغہ کر کے بھیج دیا کرتے۔ یہ رقم اگرچہ اس زمانے میں، یعنی ساٹھ پینسٹھ سال قبل اچھی خاصی رقم تھی۔ پھر ہم تین افراد... ابا جان مرحوم (مغفور)، امی جان مرحومہ اور مجھ ناچیز کے لئے کافی نہ تھی۔ وہ تو خیریت گزری کہ ہم اپنے ذاتی مکان میں رہ رہے تھے۔ ورنہ جانے کیا حال ہو۔

امی جان پانی میں نمک ملا کر اور ایک لال مرچ توڑ کر روٹی کے ساتھ رکھ دیا کرتیں۔ یہ گویا ہمارا قورمہ تھا۔ صرف آٹا حافظ بلو کے یہاں سے اُدھار آ جاتا تھا۔ منی آرڈر موصول ہوتا تو کچھ بقایا کر کے ادائیگی کر دی جاتی۔

حافظ صاحب مہینہ ختم ہو جانے پر نہ تو تقاضا کرتے اور نہ ہمارے اُدھار چکانے کا انتظار۔ یہ اندیشہ اور انتظار ہمیں کو لاحق رہتا کہ کہیں حافظ صاحب حساب نہ مانگ بیٹھیں۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہوا۔ ایک مرتبہ پورے تین مہینے گزر گئے۔ اور بھائی جان کی طرف سے کچھ نہ آیا۔ نوبت فاقوں تک پہنچ گئی۔ ہمارے گھر میں چولہا جلے تین دن ہو گئے تو بوڑھی اماں محترمہ نے مجھے حافظ صاحب کے پاس بھیجا کہ جا کر میری طرف سے

انھوں نے کہا۔ میں نے محسوس کیا امی جان کا جیسے دم گھٹ گیا ہو۔ وہ بے حال ہوکر سسکنے کے عالم میں کھڑی ہوکر گر پڑیں۔ میری آ چیخ نکل گئی۔ امی جان نے زور سے میرا منھ بند کردیا۔ حافظ صاحب واپس جارہے تھے۔ تو امی نے مجھے تلقین کی ۔۔!

"بیٹا! حافظ جی سے کہو، اتنی تکلیف آپ نے کیوں کی؟ ہمیں شرم آتی ہے۔"

میں نے اسے یوں دہرایا۔

"آپ کو کیا تکلیف ہے۔ شرم نہیں آتی ہے۔"

امی جان نے میرے منھ پر ہاتھ رکھ کر میرے ہلکے سے چپت رسید کی "بیوقوف نہیں تو یہ"

میں نے زور سے یہ بھی دہرایا۔ بیوقوف نہیں تو۔

امی جان نے میرے منھ میں اپنا دوپٹہ ٹھونس دیا۔ ماں کی محبت کی خوشبو جس میں تھی، اس کے نمکین پن میں ایک مخصوص لذت تھی۔

میں ابھی اس سے لطف اندوز ہورہا تھا کہ حافظ صاحب زور سے ہنسے۔

"اماں صاحب! میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ کیا کہلوانا چاہتی ہیں۔ مگر میری اس میں میری تکلیف کی بات ہی نہیں۔ آپ کے جو احسانات مجھ پر ہیں میں ان کا بدلہ کبھی نہ دے سکوں گا۔ آپ کی مہربانیوں سے میں حافظ بنا، آدمی بنا ورنہ ایک جانور ہوتا۔ آپ میرے لیے اللہ کا کرم ہیں، اللہ کا فضل ہیں۔ آپ کی خدمت کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ بہرحال یہ سارا سامان سنبھال لیجیے۔ ایک بوری آٹا، ایک بوری چاول۔ اس برتن میں دو سیر اصلی گھی ہے۔ برتن واپس کرا دیجیے۔ اس ڈبے میں دو سیر سرسوں کا تیل ہے۔ اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس بڑے تھیلے میں دو سیر چینی ہے۔ دوسرے بڑے تھیلے میں نمک مرچ مصالحے اور دالیں ہیں سن لائٹ صابن ہے۔ دودھ والا کل سے روز ایک سیر دودھ دے جایا کرے گا۔ اس کا اور اس سامان کا کوئی حساب آپ کی طرف واجب الادا نہ ہوگا۔ اور جس چیز کی ضرورت ہو مجھے حکم بھجوا دیجیے گا۔ میں وکیل صاحب کا ادنیٰ خادم ہوں۔ السلام علیکم اماں صاحب۔"

امی جان مجھے بتایا کرتی تھیں۔ اول تو خود سلام کرنا بڑی نیکی ہے اور سلام کا جواب

خود آرہے ہیں۔

اُن کے مبارک ہونٹوں سے نکلا۔

"ہائے اللہ! اب کیا بنے گا۔ وہ یہ سُن کر بے حال ہو گئی تھیں۔ حافظ صاحب نے اُن کو (ابا جان) سے بخار کی حالت میں تقاضا کر دیا تو اُن پر کیا گزرے گی؟" امی جان کی آنکھوں میں آنسو آگئے جنھیں انھوں نے اپنے پلّو میں چھپا لیا۔

بھیگا ہوا پلّو اپنی آنکھوں سے ہٹایا ہی تھا کہ بیرونی دروازے کی کُنڈی کھڑکی۔ اس وقت امی جان کی حالت اور بے قراری دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ بُری طرح رو رہی تھیں۔ جھولی پھیلا پھیلا کر آسمان کی طرف اُٹھاتیں۔ ابا جان کی طرف دوڑی دوڑی جاتیں، جاگ نہ جائیں۔

"یا اللہ! اُن کی عزت رکھ لے، یا اللہ ہماری لاج رکھ، یا اللہ اس معصوم کی خاطر ہم پر در رحمت کھول دے۔" وہ کہتی جاتیں اور روئے جاتیں۔

میں اس لئے رو رہا تھا کہ وہ رو رہی تھیں مجھ سے کوئی پوچھتا کیوں رو رہے ہو؟"

میں جواب دیتا: "امی جو رو رہی ہیں۔"

"تمہاری امی کیوں رو رہی ہیں؟"

"بھوک سے رو رہی ہیں۔ میرے ابا کو بھی بھوک سے بخار آگیا ہے۔ میرے ذہن میں کھلبلی سی مچی تھی۔ لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا۔ امی جان، حافظ صاحب کے ابا جان کے پاس آنے سے خائف کیوں ہیں؟ کیا ہو جائے گا؟ کیا ابا جان اس لیے ناراض ہوں گے کہ انھیں اٹھا کیوں دیا گیا؟ میں جا کر ان سے کہہ دیتا ہوں۔ ابا جان! ابا جان! آپ اٹھیے گا نہیں۔ سوتے رہیے گا۔ پھر آپ ناراض نہیں ہوں گے کہ کیوں اُٹھا دیا۔ امی جان اسی لیے تو گھبرا رہی ہیں۔

جا کر کنڈی کھولی۔ دیکھا خود حافظ صاحب اور اُن کے ساتھ دو مزدور لدے پھندے کھڑے ہیں۔ حافظ صاحب نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے امی جان سے پوچھا۔ امی جان نے جواب میں اندر کے دروازے کی کنڈی کھڑکھڑائی۔ حافظ صاحب بمع مزدوروں اور سامان کے اندر آگئے۔

"اماں صاحب! السلام علیکم! وکیل صاحب کی طبیعت کیسی ہے۔ میں ذرا جلدی میں ہوں اذان ہو چکی ہے۔ یہ سامان کہاں رکھوا دوں؟"

لڑکا ہوگا یا لڑکی

آج ہمارے ملک کے معاشرے میں لڑکی کی شادی ایک مسئلہ (Problem) بن گئی ہے۔ ماں باپ خون پسینہ ایک کرکے اپنی بیٹی کو پالتے پوستے ہیں اُسے پڑھاتے ہیں اور پھر بہت کوششوں کے بعد اس کا بیاہ کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات انھیں پریشانیوں سے اب بھی چھٹکارا نہیں ملتا کہا جاتا ہے کہ وہ صرف لڑکیاں ہی پیدا کرتی ہے اس لئے وہ منحوس سمجھی جاتی ہے۔ شوہر دوسری شادی کر لیتا ہے یا اسے طلاق دے دیتا ہے ہر حال ہر صورت میں بیوی کو پریشانی اُٹھانی پڑتی ہے۔ ماں باپ جنھوں نے اپنی زندگی مشکلات میں گذاری تاکہ ان کی اولاد کی زندگی بنے پھر ایک بار مصائب کا شکار ہو جاتے ہیں جو برداشت سے باہر ہے آپ غور کیجئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ اسکی اصل وجہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں لوگوں کے خیالات (conceptions) یہ ہے کہ ماں کو اگر اچھی غذا دی جائے تو لڑکا پیدا ہوگا۔ ماں باپ میں سے جس کسی کی بھی غالب خاصیت ہوگی (Dominating nature) ہوگی یا جنسی قوت (SEXUAL POWER) زیادہ ہوگی۔ اسی جنس کی اولاد ہوگی یا اگر بچہ ماں کے داہنے رحم (RIGHT UTERUS) میں بنا تو لڑکا ہوگا اور اگر بائیں میں بنا تو لڑکی۔ اسی طرح کی قیاس آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ آج سائنس کافی ترقی کر چکی ہے۔ اس کی نظر میں سارے پچھلے گمان غلط ہیں حقیقت یہ ہے کہ ماں میں ایکس ایکس کروموزوم (xx chromosome) ہوتے ہیں۔ باپ میں ایکس بڑا اور وائی چھوٹا (xY) جب xY کا ایکس ماں کے ایکس سے ملتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے اور xY کا وائی xx کے ایکس سے ملتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولاد کی جنس پر ماں کا کوئی اختیار نہیں۔ باپ میں ایکس کروموزوم نہ ہوتا تو لڑکی پیدا ہی نہ ہوتی۔ یہ باپ ہے جو ایکس کروموزوم رکھتا ہے جس کے نتیجہ میں لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ ماں میں

دنیا تو بہت ضروری ہے۔ ورنہ اللہ، رسولؐ ناخوش ہوتے ہیں۔ گرامی جان نے تو اس وقت حافظ صاحب کے سلام کا جواب ہی نہ دیا۔ میں حیرانی سے اُن کا فرشتوں جیسا معصوم چہرہ تکے جا رہا تھا۔ اور امی جان ..... ؟ آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی تھیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا تھا۔ اور چہرہ سے جذبہ تشکر عیاں۔ انھوں نے کبھی بے تار برقی کا ذکر سنا تھا۔ شاید خلا میں وہی تلاش کر رہی تھیں ● ●

کان میں کیا کہا ؟

میں بھی وہاں موجود تھا۔ وہ ایک بڑا اجتماع تھا۔ ایک نوجوان مقرر محبت رسولؐ کے عنوان پر تقریر کر رہا تھا۔ وہ محبت رسول کے تقاضے بیان کر رہا تھا۔ اس کی تقریر کا سارا زور اس پر تھا کہ جو دین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خون پسینہ کرکے پھیلایا تھا، محبت رسول کا تقاضا یہ ہے کہ آج اسے پھر غالب کیا جائے۔

سامعین بڑے سکون کے ساتھ تقریر سُن رہے تھے اور سب متاثر ہو رہے تھے۔ میں بھی بہت متاثر ہو رہا تھا۔ اچانک پچھلی صفوں سے ایک آدمی نے دوسرے کے کان میں کچھ کہا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ اس دوسرے آدمی نے تیسرے آدمی کے کان میں کچھ کہا اور وہ بھی اُٹھ کر چلا گیا۔ اس طرح ایک ایک شخص اُٹھتا چلا گیا۔ آخر میں تین آدمی رہ گئے۔ ایک خود مقرر صاحب دوسرا میں اور تیسرا ایک اور شخص۔ اس شخص نے میرے کان میں راز کی بات کہی اور اُٹھ کر چلا گیا۔ میں بیٹھا رہا۔ مقرر صاحب یہ منظر دیکھ کر حیران تھے انھوں نے مجھ سے پوچھا۔ "آپ کے کان میں اس شخص نے کیا کہا ؟" میں نے بتایا۔ اس شخص نے میرے کان میں کہا کہ مقرر مودودی ہے۔

میں یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ مجمع بریلوی حضرات کا نہ تھا۔ آپ پوچھیں گے پھر کس کا تھا ؟ میں عرض کروں گا کہ یہ ان حضرات کا مجمع تھا جن کو میں پسند کرتا ہوں لیکن ان کا نام نہیں بتا سکتا۔

یہ سوچ کر کہ میں انھیں شرمندہ کیا کروں، اپنوں کو دل کا داغ دکھایا نہ جا سکا

حضرت عیسیٰؑ اور ان کے شاگرد پطرس

حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا.... ابراہیمؑ کا باپ بُت ساز تھا جو جھوٹے خدا بناتا اور پوجتا تھا
ی سے اُن میں یہاں تک دشمنی ہوگئی کہ باپ اپنے بیٹے کو جلادینے پر آمادہ ہوگیا۔

پطرس نے جواب دیا۔ تیری باتیں سچی ہیں، سو میں منت کرتا ہوں ہمیں بتا کہ ابرہام (ابراہیمؑ) نے اپنے
پ کو کس طرح زِچ کیا؟

یسوع (حضرت عیسیٰؑ) نے جواب دیا، ابراہیمؑ سات سال کا تھا جب وہ خدا کی جستجو کرنے لگا۔ سو
ب دن اُس نے اپنے باپ سے کہا، آبا! آدمی کس نے بنایا؟

"احمق" باپ نے جواب دیا "آدمی نے، کیونکہ میں نے تجھے بنایا، اور مجھے میرے باپ نے بنایا۔"

ابراہیمؑ نے جواب دیا، "آبا ایسا تو نہیں ہے کیونکہ میں نے ایک بوڑھے کو رُو رُو کر کہتے سنا۔

"اے میرے خدا! تو نے مجھے بچے کیوں نہ دیے؟"

اس کے باپ نے جواب دیا، یہ سچ ہے، بیٹا، کہ آدمی کو آدمی بناتے ہیں خدا مدد کرتا ہے۔ مگر
، اس میں خود ہاتھ نہیں ڈالتا۔ بس اتنا ضروری ہے کہ آدمی اپنے خدا سے دعائیں مانگے اور اُسے
ے اور بھیڑیں چڑھائے تو اس کا خدا اس کی مدد کرے گا۔

ابراہیمؑ نے جواب میں کہا، خدا کتنے ہیں آبا؟"

بوڑھے نے جواب دیا بے گنتی ہیں بیٹا۔

تب ابراہیمؑ نے کہا، آبا اگر میں ایک خدا کی خدمت کروں اور دوسرا مجھے ضرر پہنچانا چاہے کہ

والی کروموزوم رہتا ہی نہیں جس سے کہ لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ ماں کے (xx) ایکس ایکس کروموزوم میں سے ایک بچہ کی جنس میں استعمال ہوتا ہے اور دوسرا جسم کے لئے۔ اب اگر اس پر بھی کوئی شخص بیوی ہی کو قصور وار ٹھیرائے تو وہ کم عقل، جاہل اور ہٹ دھرم ہے۔ صرف لڑکے یا لڑکیاں پیدا ہونا محض اتفاق ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ احادیث میں لڑکی کی تربیت اور نکاح کرنے والوں کو جنت میں داخلہ کا یقین دلایا گیا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی سن لیجئے۔

"اللہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے۔ (۵۰،۴۹) شوریٰ پارہ ۲۵)

ابوالمجاہد احمد جریر

لائف ۵۸۔ اے مغلپورہ حیدرآباد۔

بڑا طاقت ور آدمی بن جاتا ہے؟"

باپ اپنے بیٹے کی یہ باتیں سن کر آپے سے باہر ہو گیا، بڈھا کہہ گیا۔ ارے کیا خدا کسی انسان کے بنیر بن گئی؟

ہاں! بڈھے نے جواب دیا، کیوں بھلا؟ کیونکہ ابراہیمؑ نے کہا۔ مجھے معلوم تو ہو کہ پہلا خدا کس نے بنایا؟

۔ نکل جا میرے گھر سے: بڈھے نے کہا اور مجھے جلدی سے یہ کھانا بنا لینے دے اور مجھ سے بات نہ کر۔

۔ کیونکہ جب تجھے بھوک لگتی ہے تو تجھے روٹی درکار ہوتی ہے۔ باتیں نہیں۔

ابراہیمؑ نے کہا۔ اچھا خدا ہے کہ تو اپنی مرضی سے اُسے تراشتا ہے مگر وہ اپنے تئیں بچا نہیں سکتا

تب بڈھا بہت غصہ ہوا اور بولا ساری دنیا کہتی ہے یہ خدا ہے اور تو احمق شخص کہتا ہے کہ نہیں ہے۔ اپنے خداؤں کی قسم اگر تو پورا مرد ہوتا تو میں تجھے مار ڈالتا اور یہ کہہ کر اُس نے ابراہیمؑ کے گھونسے اور لاتیں ماریں اور اُسے گھر سے نکال باہر کیا۔

بوڑھے کے پاگل پن پر (مسیحؑ کے) شاگرد ہنسنے لگے۔ اور ابراہیمؑ کی فراست پر حیران رہ گئے!

جس میں چودھویں صدی ہجری کے مردِ حق آگاہ امام اہلسنت حضرت مولانا محمد عبد الشکور

امام اہلسنت نمبر

صاحب فاروقی لکھنوی کی حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں اور ان کی ناقابل فراموش دینی و ملی خدمات پر ملک و بیرون ملک کے مشاہیر اہل قلم کے مقالے شائع کئے جائیں گے۔

امام اہلسنت نمبر اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کے اعتبار سے البدر کا مثالی شمارہ ہوگا۔
امام اہلسنت نمبر ایک عاشق نبیؐ و اصحاب نبیؐ کی داستان عشق و محبت کا آئینہ دار ہوگا۔
امام اہلسنت نمبر ایک مناظر حق کے باطل کو حیرت بداماں کرنے کے انداز بتائے گا۔
امام اہلسنت نمبر ایک فقیہ عصر کی نکتہ آفرینیوں کی جھلکیاں پیش کرے گا۔
امام اہلسنت نمبر عصر حاضر کے ایک عظیم مفسر قرآن، ترجمان حدیث، بے مثل واعظ اور انقلاب آفریں شخصیت کی حیات، پیغام اور کارناموں سے واقفیت کے لیے بہترین رہنما ہوگا۔
امام اہلسنت نمبر بہت جلد شائع ہو رہا ہے اور البدر کے مستقل خریداروں کو سالانہ زر تعاون ہی میں مفت پیش کیا جائیگا۔ آج ہی البدر کی سالانہ خریداری قبول کرتے ہوئے مبلغ پندرہ روپیہ روانہ کیجئے۔
خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ البدر۔ دارالعلوم فاروقیہ۔ کاکوری۔ لکھنؤ ۲۲۶۱۰۱ (انڈیا)

میں اس کی خدمت نہیں کرتا۔ تو میں کیا کروں گا؟ ہر صورت میں ان کے درمیان ناچاقی ہوگی، اور پھر خداؤں میں جنگ چھڑ جائے گی، اور اگر اتفاق سے جو خدا مجھے ضرر پہنچانا چاہتا ہے وہ میرے اپنے خدا کو قتل کر دے تو میں کیا کروں گا؟ یہ یقینی ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر دے گا؟

بوڑھے نے ہنس کر جواب دیا، بیٹا، ڈر نہیں کیونکہ کوئی خدا دوسرے خدا سے جنگ نہیں چھیڑتا بلکہ بڑے معبد میں خدائے کبیر بعل کے علاوہ ایک ہزار خدا اور ہیں۔ اور میں اب ستر برس کا ہونے آیا پھر بھی میں نے کبھی نہ دیکھا کہ کسی خدا نے دوسرے خدا کو مارا ہو، اور بے شک تمام آدمی ایک ہی خدا کی خدمت نہیں کرتے۔ بلکہ کوئی آدمی کسی کی خدمت کرتا ہے اور کوئی کسی کی۔

ابراہیمؑ نے جواب میں کہا، تو ان کی آپس میں صلح رہتی ہے۔ اس کے باپ نے کہا۔ ہاں سچ ہے۔

تب ابراہیمؑ نے کہا، ابا خدا کیسے ہوتے ہیں؟ بوڑھے نے جواب دیا۔ بے وقوف میں روز ایک خدا بناتا ہوں جسے میں اوروں کے ہاتھ بیچ کر روٹی خریدتا ہوں، اور تو نہیں جانتا خدا کیسے ہوتے ہیں؟ اور اس وقت وہ ایک بُت بنا رہا تھا، وہ بولا، یہ چوب نخل (کھجور کی لکڑی) کا ہے، اور یہ زیتون کا ہے، یہ ننھا سا ہاتھی دانت کا ہے۔ دیکھو کتنا نفیس ہے۔ ایسا نہیں لگتا، جیسے یہ زندہ ہو، سچ مچ اس میں بس سانس کی کسر ہے۔ ابراہیمؑ نے جواب میں کہا۔ اچھا تو ابا خدا بغیر سانس کے ہوتے ہیں؟ پھر وہ سانس دیتے کس طرح ہیں؟ اور خود بے جان ہوتے ہوئے جان عطا کس طرح کرتے ہیں؟ ابا یقینی ہے کہ یہ خدا نہیں۔

بوڑھے نے ان الفاظ پر جھلا کر کہا۔ اگر تو سیانی عمر کا ہوتا تو میں اس کلہاڑے سے تیرا سر پھاڑ دیتا بس خاموش رہ، تو ابھی ناسمجھ ہے۔

ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ ابا، اگر خدا انسان بنانے میں مدد کرتے ہیں، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی خدا بنائیں؟ اور اگر خدا لکڑی کے بنے ہوتے تو لکڑی کا جلانا بڑا گناہ ہوتا، مگر ابا یہ کیا بات ہے کہ تو نے اتنے بہت سے خدا بنائے مگر خداؤں نے اتنے بہت سے بچے بنانے میں تیری مدد نہ کی کہ تو دنیا کا سب سے

بھی مجھے صدمہ اُٹھانا پڑا۔ وہ اچانک ہی ئب ہوگئی۔ میں نے اُسے بہت تلاش کیا، لیکن یابی نہ ہوئی۔ مجھے یقین ہے میری بیوی کی سہیلی نے مجھ سے انتقام لینے کی غرض سے اُسے ں غائب کردیا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے جین کی آواز بھرّا گئی اور اس آنکھوں میں نمی اُبھر آئی۔ وہ جذبات پر قابو تے ہوئے بولا: "تب سے میں نے عہد کیا تھا کہ ی بچی کو تلاش کئے بغیر شادی نہیں کروں گا۔"

اینڈا یہ سنکر رنجیدہ ہوگئی۔ جین نے کہا: "مجھے ہے ایک نہ ایک دن میں اپنی بیٹی کو تلاش کرنے ں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ کیا تم میرا انتظار رگی ایمی۔۔؟"

اینڈا نے افسردگی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے بات میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں ایمی تم ضرور میرا انتظار کروگی" ن نے بہت جذباتی ہو کر کہا اور ان الفاظ کے تھ ہی اختتامی موسیقی کی آواز سنائی دینے ی۔ اور اسکرین پہ "جاری ہے۔۔" کے الفاظ ودار ہوگئے۔

میں نے اُٹھ کر ٹی وی سیٹ آف کیا اور واپس صوفے پر آ بیٹھی۔ کمرے کی فضا خاموش تھی۔ سوائے میرے تیز چلتے ہوئے سانسوں کی آواز کے۔ اور دل سے اُبھرنے والی دھڑکن کے کوئی آواز نہ تھی۔ البتہ باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے مارچ کی ہوائیں اندر آنے کے لیے شور مچا رہی تھیں۔

میں اٹھی، کھڑکی کے پاس پہنچی، پٹ کھولتے ہی شور مچاتی ہوائیں اندر آنے لگیں۔ میرے دل سے صدا اُبھری: "تمہارا باپ تمہاری تلاش میں ہے؟"

تیز ہوائیں گا رہی تھیں۔ میرے ذہن کے پردے پہ بے ساختہ ایک تصویر لرزنے لگی۔ وہ ایک چھوٹی بچی تھی جو ایک کالی ٹیبل پر اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ مجھے محسوس ہوا وہ بچی میں خود ہوں اور وہ دونوں مرد اور عورت میرے باپ ماں ہیں۔۔

پچھلے کئی برسوں سے میں سوچتی آئی تھی کہ میرے حقیقی ماں باپ کون ہیں؟"

ٹی وی پر آنے والی سیریل "محبت اور زندگی" کی کہانی مجھے بالکل اپنی زندگی

سا چہرہ

دن کے گیارہ بجے تھے۔ میں اپنے آراستہ
روم میں تنہا بیٹھی تھی۔ ٹی وی پر میری
یدہ سیریز" محبت اور زندگی" دکھائی جا رہی
ور میں گرد و پیش سے بے خبر پوری محویت
تھ پروگرام دیکھ رہی تھی۔

جب جین نے اپنی محبوبہ اینڈا کو جذباتی
یں سردست شادی نہ کر سکنے کی وجہ بتائی
ریا آنکھیں بے اختیار بھر آئیں ـــــ جین
یا:

"میری محبت صرف اور صرف تمہارے
ہے۔ میرے دل میں تمہارے سوا کوئی جگہ
پاسکتا، لیکن آج سے بہت عرصہ پہلے
نے ایک عہد کیا تھا اور جب تک وہ
پورا نہ کر لوں شادی نہیں کروں گا۔"

اینڈا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے جین کی
طرف دیکھا۔ وہ بولا۔ "کئی برس پہلے کی بات ہے
میرا ایک خوبصورت سا گھر تھا۔ میں ایک پیاری سی
بچی کا باپ تھا۔ لیکن افسوس کہ اس کی ماں ایک
اچھی بیوی ثابت نہ ہو سکی۔ میرے اور اُس کے
خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ ہر وقت
میرے ساتھ لڑتی جھگڑتی رہتی۔ بچی کی پیدائش
کے بعد تو وہ کچھ زیادہ ہی چڑچڑی ہو گئی تھی۔ اس
کا خیال تھا۔ ابھی اُسے ماں نہیں بننا چاہیے تھا
اور بالآخر ایک روز اُس نے مجھ سے طلاق کا مطالبہ
کر دیا۔ میں خود اب اس کے ساتھ رہنا نہیں
چاہتا تھا۔ ہم دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔"

جین نے گہرا سانس لیا اور پھر کہنے لگا۔

"وہ میرا گھر چھوڑ کے کہیں اور چلی گئی جبکہ
میری بچی میرے پاس ہی رہی۔ مجھے اپنی بچی
سے بہت پیار تھا، لیکن ایک روز اس کی طرف

نے فیصلہ کرلیا کہ یہ گھر چھوڑ کر اپنے حقیقی باپ ہیری کیروتھرز کے پاس چلی جاؤں گی۔

ایک روز میرے موجودہ والدین — جنھوں نے مجھے گود لیا تھا کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ مجھے یہ موقع غنیمت لگا اور گھر چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئی۔ روانہ ہونے لگی تو سوچا اُن کے نام ایک خط لکھ جاؤں کہ وہ پریشان نہ ہوں — لیکن پھر خیال آیا کہ اگر انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں اپنے حقیقی باپ کے پاس نیو یارک جا رہی ہوں، تو وہ یقیناً میرے پیچھے پولیس لگا دیں گے۔ وہ دونوں ہمیشہ کہا کرتے سیریل "محبت اور زندگی" کے بارے میں بالکل نہ سوچا کرو اس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو صرف کہانی ہے۔

میں نے جانے کے لیے اپنا بیگ تیار کر لیا، یکایک ایک عجیب سا خوف میری رگ و پے میں رینگنے لگا۔ اور میں لرز کر رہ گئی۔ نیو یارک کے بارے میں اپنے موجودہ باپ کے الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگے۔ اس نے ایک بار کہا تھا۔ "یہ شہر مجرموں سے بھرا پڑا ہے۔"

میں کبھی نیو یارک نہیں گئی تھی اور نہ میرا کبھی ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ میں پریشان ہو گئی۔ خیال آیا۔ میرا موجودہ باپ ہمیشہ اپنے پاس ایک پستول رکھتا ہے جو اکثر اس کی میز کی دراز میں پڑا رہتا ہے۔ کیوں نہ ساتھ لے لوں، چنانچہ میں نے پستول نکالا اور اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ کر سفر پر روانہ ہو گئی۔

اپنے ماں باپ کو چھوڑتے ہوئے میرا دل رو رہا تھا۔ عمر کا ایک طویل عرصہ میں نے ان کے ساتھ گزارا تھا اور وہ دونوں میرے لیے بہت اچھے ماں باپ ثابت ہوئے تھے، لیکن میرا حقیقی باپ تو کیروتھرز تھا جو میری تلاش میں بھٹکتا پھر رہا تھا اور میں چاہتی تھی کہ زندگی کے بقیہ ایام اُسی کے زیر سایہ گزاروں۔

ٹی وی اسکرین پر اُسے اپنی تلاش میں پریشان حال بھٹکتے دیکھ کر میں بے تاب ہو اٹھی تھی اور اب میرے خیال میں یہ اندوہناک ٹی وی سیریل ختم ہو جانی چاہئے۔

اپنے گھر سے میں سیدھی اس بینک میں گئی، جہاں میرا سیونگ اکاؤنٹ تھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ صرف تین سو ڈالر میرے اکاؤنٹ میں

کا عکس محسوس ہوتی تھی بلکہ اسی کے بارے میں کچھ رہنے سے محسوس ہونے لگا۔ جیسے جیمز کیرو ستھرز ہی میرا اصل باپ ہے۔

لیکن اب تو مجھے اس کا بالکل یقین ہو گیا تھا ہوائیں میرے قریب سے گزرتی ہوئی میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

"تم نے اپنے باپ کو پا لیا تھا — ! تم نے اپنے باپ کو پا لیا ہے !"

مارچ کی ان خوشگوار ہواؤں کو یقیناً علم تھا کہ میں اپنے باپ کے بارے میں جاننے کی کس قدر آرزومند ہوں۔ میں نے اپنی ان دوست ہواؤں کے سوا کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اپنے حقیقی والدین کے بارے میں کیا احساسات ہیں۔ جب کبھی میں یہ ذکر اپنے موجودہ والدین سے کرتی ہوں، وہ غمگین ہو جاتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے محبت نہیں کرتی۔ حالانکہ میرے دل میں ان کے لئے محبت کے بے پناہ جذبات ہیں۔ میں جانتی ہوں انھوں نے کبھی میری کسی ضرورت کو نظرانداز نہیں کیا۔ وہ مجھے ہمیشہ خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن انھیں خبر نہیں میرا دل اس اطمینان کو ترس رہا ہے۔ جو مجھے اپنے حقیقی ماں باپ کی قربت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

میں اکثر اپنے مکان کے پیچھے والی پہاڑی پر بیٹھ جاتی اور نرم خرام ہواؤں سے اپنے دل کی باتیں کیا کرتی ہوں۔

مجھے میرے موجودہ والدین نے ایک مذہبی سوشل ایجنسی سے گود لیا تھا اور یقین ہے کہ میری ماں نے مجھے میرے باپ سے جدا کرنے کے بعد اس سوشل ایجنسی کے سپرد کر دیا ہوگا۔

میں جان چکی تھی کہ سیریل "محبت اور زندگی" کا جیمز کیرو ستھرز ہی میرا اصل باپ ہے اور ٹی وی پر یہ سیریل دکھانے کا مقصد بھی دراصل اپنی کھوئی ہوئی بیٹی کی تلاش ہی ہے۔ اس نے سیریل میں اپنی بیٹی سے متعلق جو کچھ بھی بتایا تھا وہ مجھ سے مطابقت رکھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا اس کی بیٹی کے بال اور آنکھیں بھورے کتھئی رنگ کے ہیں۔ میرے بالوں اور آنکھوں کا رنگ بالکل ویسا ہی تھا۔

یہی سوچتے سوچتے اپنے باپ کے پاس پہنچنے کے لئے بے قرار ہو اٹھی اور آخرکار میں

ناامید ہو کر لوٹ رہی تھی کہ وہ ایک آدمی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں داخل ہوا اور میرے قریب سے گزرتے ہوئے ایک میز پر بیٹھ گیا۔ میں قریب کی میز پر بیٹھ گئی۔ اور ویٹر کو بلا کے سویٹ ڈش کا آرڈر دیا۔ یہ محض وہاں بیٹھنے کا بہانہ تھا۔ اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے مسلسل اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھے کچھ بوڑھا اور تھکا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ میں جانتی تھی کہ یہ میری تلاش میں وہ رات کی پریشانی کا اثر ہے۔

میں اس کے لیے اپنے دل میں محبت اور ہمدردی کے گہرے جذبات محسوس کر رہی تھی، لیکن پروگرام کے مطابق یہ بات ضروری تھی کہ وقت تک اجنبی بنی رہوں۔ چنانچہ دل پر جبر کیے خاموش بیٹھی رہی۔ وہ کافی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ پھر باہر آ گیا۔ میں بھی ساتھ آ گئی۔ اس نے ایک ٹیکسی کو روکنے کی کوشش کی۔ میں نے دوڑ کے اس کا بازو چھوا اور جین کرافٹ کہہ کر پکارا۔

وہ پلٹا اور ناراض ہو کر میری جانب دیکھنے لگا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔" یہ کہہ کر میں اس کے سامنے آ گئی تاکہ وہ میری پیشانی آنکھیں اور بال دیکھ کر مجھے پہچان سکے لیکن اس نے میری طرف دھیان ہی نہ دیا۔ برہم ہو کر بولا "میں صرف تمہاری وجہ سے ٹیکسی نہیں پکڑ سکا۔"

"آپ ٹیکسی تو حاصل نہیں کر سکے، لیکن کچھ دیر بعد آپ بہت کچھ پالیں گے۔" میں نے کہا

"ہاں ۔۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "میرا خیال ہے کہ ایسا ضرور ہوگا ۔ میں اپنی زندگی کا سنہری موقع ضرور پالوں گا۔" یہ کہہ کے اس نے اپنا ہاتھ اور کوٹ کی جیب میں ڈال کر کاغذ کا ایک ٹکڑا باہر نکالا اور اس پر کچھ لکھنا پھر میری طرف دیکھ کر کہا "تمہارے لیے نیک خواہشات" اور کاغذ کا ٹکڑا میری طرف بڑھا دیا پھر وہ پلٹا ۔ اور چلا گیا۔

میں نے حیرت سے کاغذ کی طرف دیکھا ۔ آٹوگراف کے ساتھ اس کے دستخط تھے ۔ میں نے کاغذ کا پرزہ جیب میں رکھ لیا۔

جین کو ٹیکسی مل گئی تھی اور وہ اس کا پچھلا دروازہ کھول کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ ایک لمحے کے سوویں حصے میں ایک خیال میرے

ہیں۔ میں نے رقم نکلوائی اور سیدھی بس اسٹینڈ آگئی۔ خوش قسمتی سے نیویارک جانے والی بس کے لیے مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔

بس میں بیٹھی تمام راستے میں یہی سوچتی رہی کہ اپنے باپ سے کیسے ملوں گی؛ جب میں اُسے یہ بتاؤں گی کہ میں تمہاری گم شدہ بیٹی ہوں تو اس کے تاثرات کیا ہوں گے۔

پھر خیال آیا یہ کوئی مزے کی بات نہ ہوئی کہ میں ملتے ہی اصل بات اُسے بتا دوں۔ چنانچہ فیصلہ کیا کہ پہلے تو خاصا وقت اس کے ساتھ گزاروں گی اس کے بعد یہ انکشاف کروں گی کہ جس بیٹی کی تلاش میں تم اتنے عرصے سے پریشان ہو وہ میں ہی ہوں۔

وہ لمبے قد اور گہرے رنگ کے بھورے بالوں والا خوبصورت آدمی تھا لیکن پریشانی اس کے چہرے پر یوں منجمد ہو کر رہ گئی تھی گویا اس کا ایک حصہ ہو۔ اس کی شبیہ نگاہوں کے سامنے آتی، تو دل درد سے بھر جاتا۔ انہی خیالات میں غلطاں میں نیویارک پہنچ گئی۔ اور یہاں پہنچنے کے پہلے ہفتے ہی مجھے دو باتوں کا اندازہ ہوا۔ پہلی یہ کہ تین سو ڈالر یہاں زیادہ عرصہ نہیں چل سکتے۔ دوسرے یہ کہ بے شمار سراغ رساں ایجنسیاں ہونے کے باوجود میلکم اتنا آسان نہیں۔

جین کیمرون تھرز کے متعلق سوال کرنے پر مجھے ہر جگہ بالعموم یہی جواب ملا "معاف کیجئے ہم اس کا صحیح پتہ ظاہر نہیں کر سکتے۔"

میں مایوس ہو کے ایک ایجنسی سے نکلتی اور دوسری کی تلاش میں چل پڑتی۔ ہر جگہ ایک ہی جواب سن سن کے میں تنگ آ چکی تھی، لیکن تلاش ترک نہ کر سکتی تھی، آخر مایوسی کے انہی ایام میں ایک میگزین میں اس کی تصویر نظر آئی، اُسے نیویارک کے کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھے دکھایا گیا تھا۔ میں وہاں پہنچ کر اُس کا انتظار کرنے لگی۔ لیکن بہت دیر وہاں بیٹھنے کے بعد بھی وہ نظر نہ آیا، تو ویٹر سے اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا وہ روزانہ باقاعدگی سے نہیں آتا، کبھی کبھار دوپہر کے وقت آ نکلتا ہے۔

میں لگاتار تین دن وہاں لنچ کے لیے جاتی رہی، اس امید پر کہ شاید وہ عادت کے مطابق آ نکلے، لیکن اُسے نہ آنا تھا نہ آیا۔ چوتھے دن میں

ساتھ اس طرح کا سلوک کرنے پر معافی چاہتی ہوں۔"
اس نے یکایک دونوں ہاتھوں سے اپنا
چہرہ چھپا لیا۔ شاید میرے الفاظ سے وہ یہ سمجھ
رہا تھا کہ اب میں اپنا پستول استعمال کرنے
والی ہوں۔"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں مسٹر جین کیرو تھرز
میں آپ سے اپنے برتاؤ پر شرمندہ ہوں۔ اگر
میں پستول استعمال کرنا چاہتی تو اب تک کر چکی
ہوتی۔" یہ کہہ کر میں چند لمحے چپ رہی — وہ
ویسے ہی دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپائے
بیٹھا تھا۔ میں پھر بولی۔

"بات یہ ہے کہ میں نے جو کچھ سوچا تھا
وہ میں عجلت سے نہیں کر سکی۔ مسٹر جین کیرو تھرز
میں دراصل آپ کی بیٹی ہوں —" میں نے
بغیر تمہید کے کہا۔

جین کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے
سے علیحدہ ہو گئے۔ اب وہ بہت غور سے
مجھے دیکھ رہا تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے
لگا اور میں بے چینی کے عالم میں انتظار کرنے لگی کہ

"اگر تم یہ پستول سامنے درخت پر رکھ دو
— تو میں تم سے اس سلسلے میں بات کرنے کو
تیار ہوں۔"

"منظور!" میں نے جواب دیا اور چند قدم
بڑھ کر ایک درخت کی شاخ پر پستول رکھ دیا۔
لوٹتے ہوئے میں نے دیکھا۔ جین اُسی طرح
اُداس بیٹھا تھا۔ شاید اُس نے میری بات کا
یقین نہیں کیا، مگر میں خوش تھی کہ بالآخر میں
نے اپنے باپ کو پا لیا ہے۔

"بیٹھ جاؤ!" اس نے کہا۔

"بہتر فادر —!" میں نے جواب دیا۔

اس نے میری طرف دیکھا۔ بالکل ایسے جیسے
وہ ٹی وی سیریل میں اینڈا آرمسٹرونگ کی طرف
دیکھتا ہے۔ پھر وہ رک رک کر بولا: "جو کچھ میں
کہنے والا ہوں اُسے غور سے سنو! میں تمہارا باپ
نہیں ہوں۔ یعنی یہ کہ میں حقیقت میں جین کیرو تھرز
نہیں ہوں۔ میرا نام ایوری ولسن ہے یعنی
یہ کہ میں ایک اداکار ہوں جو ٹی وی ڈراموں میں
مختلف کردار ادا کرتا ہے۔ یہ کہانی جس میں جین

ذہن میں آیا اور میں نے تیز قدموں سے آگے بڑھ کے پستول کی نالی اس کی کمر سے لگا دی اور مدھم آواز میں بولی: "مسٹر جین آپ اکیلے نہیں جا سکتے۔"

وہ چونک گیا۔ پھر اس نے سر کو ہلکی سی حرکت دی اور میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر نظریں جما دیں۔ اس کی گہری کتھئی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ میں نے اُسے ٹیکسی کے اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی اندر داخل ہو گئی۔ پستول کو میں نے مضبوطی سے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔

"کہاں جناب؟" ڈرائیور نے پوچھا۔ جین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"سینٹرل پارک!" میں نے ڈرائیور کو بتایا اور ٹیکسی چل پڑی۔ میں نے کنکھیوں سے جین کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں سختی سے پیوست کیے کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار تھے۔ میں اپنے رویے پر شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

میں نہیں چاہتی تھی کہ اپنے باپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کروں، لیکن اس وقت ایسا کرنے پر مجبور تھی۔

سینٹرل پارک کے سامنے ٹیکسی رکتے ہی میں نے جین کو اشارہ کیا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ میں بھی اس کے پیچھے تھی۔ جین نے جیب سے دس ڈالر کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے نوٹ لیا۔ باقی رقم جین کو واپس دی اور چلا گیا۔

میں نے پستول کے اشارے جین کو پارک میں داخل ہونے کو کہا۔ اس نے بلا چون و چرا تعمیل کی۔ اس وقت پارک بالکل سنسان تھا اور شاید اسی لیے جین کچھ خوف زدہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے پستول کی نالی اس کے پہلو میں چبھوتے ہوئے سامنے ایک بنچ کی طرف اشارہ کیا اور وہ میری طرف دیکھے بغیر خاموشی سے وہاں جا بیٹھا۔

میرا ذہن ہمیشہ باپ بیٹی کے ملاپ کے لیے سوچا کرتا تھا، لیکن ہماری ملاقات جس انداز میں ہوئی تھی۔ اُسے خوشگوار نہ کہا جا سکتا تھا یہ سوچ کر میں نے اپنے دل میں بہت ندامت محسوس کی۔ معذرت کے انداز میں بولی: "میں آپ کے

کے قریب موجود تھی۔

"تم رو رہی ہو۔" اس نے ہمدردی سے کہا۔ "مجھے یقین ہے تم بالآخر سمجھ جاؤ گی کہ میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔ میں کسی کا باپ نہیں ہوں۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ سوائے ایک دوست کے جسے تم ہوٹل میں میرے ساتھ دیکھ چکی ہو۔ وہ بھی میری طرح ایڈوری آرٹسٹ ہے۔"

"میں کوئی کہانی سننے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "مجھے یقین ہے آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ مجھے اب یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ آپ نے میری ماں کے بارے میں بھی جھوٹ بولا ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ شادی تو کر لی لیکن نبھا نہ سکے۔ آپ نے اس کی بچی کو بھی اس سے چھین لیا اور پھر اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ شاید اس کی حفاظت کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ آپ صرف جھوٹی کہانیاں بنانا جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنی بیٹی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سچ ہے اس دنیا میں صداقت کی تلاش بیکار ہے اور ایسا کرنے والے کو تکلیف کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔" میں جذبات میں بہہ کر کہتی چلی گئی اور پھر لمبے قدموں سے پارک کے دروازے کی طرف چل پڑی۔

ہوائیں اداس تھیں اور میرے ساتھ ساتھ وہ بھی سسکیاں بھر رہی تھیں۔ یہ ہوائیں ایک مدت سے میری دوست اور رازدار تھیں۔ انہوں نے میرے ساتھ آنسو بھی بہائے تھے اور قہقہے بھی بکھیرے تھے۔ کچھ دیر پہلے وہ مجھے اپنے باپ کے ساتھ دیکھ کر کس قدر خوش تھیں۔ لیکن اب میرے ملال نے انہیں بھی افسردہ کر دیا تھا۔ شاید وہ جانتی تھیں کہ جو خواب میں برسوں سے دیکھ رہی تھی۔ ٹوٹ گیا ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ اب میں اپنے باپ کو کبھی حاصل نہ کر سکوں گی۔

نہ جانے کب تک میں اسی طرح چلتی رہی مجھے ذرا احساس نہ تھا کہ کہاں جا رہی ہوں۔ کیوں جا رہی ہوں۔ یکایک یاد آیا کہ میں اپنا پستول پارک ہی میں بھول آئی ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی میں تیزی سے پلٹی اور تقریباً دوڑتی ہوئی پارک میں داخل ہو گئی۔

جس بنچ پر کچھ دیر پہلے ہم بیٹھے تھے۔ وہ اب خالی پڑا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ میں بھی

تم بہک گئیں؟"

"میں جانتی ہوں۔" میں ہنس پڑی۔

"آپ میرا امتحان لے رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے، تم ایک نفسیاتی مرض کا شکار ہو۔ آؤ میرے ساتھ، میں تمہیں کسی ڈاکٹر کو دکھا دوں گا۔" اس نے کہا۔

"ہاں مجھے ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے جس کا نام جین ہے۔ فادر! میں بہت تھک گئی ہوں" میری آواز بھرا گئی۔

وہ کچھ دیر غور سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اگر تم کچھ پیسے چاہتی ہو، تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ بولو کتنی رقم چاہیئے؟"

اس کی بات سن کر میرا دل خون ہو گیا میں نے کہا۔ "میں روپیہ نہیں چاہتی — میں تو اپنی ماں کی وہ تصویر دیکھنا چاہتی ہوں جو آپ ہر وقت اپنے بریف کیس میں لیے پھرتے ہیں۔ وہ تصویر ایک بار آپ نے اینڈا آرمسٹرونگ کو بھی دکھائی تھی۔"

"میں کبھی کسی کی تصویر اپنے بریف کیس میں نہیں رکھتا۔ وہ بریف کیس جس میں تصویر ہوتی ہے صرف اس وقت استعمال کرتا ہوں، جب "محبت اور زندگی — میں جین کیرو تھرز کا کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر صاف لفظوں میں کہا

"یہ مت کہئے کہ آپ جین کیرو تھرز کا کردار ادا کرتے ہیں۔ میں یقین سے کہتی ہوں آپ ہی جین کیرو تھرز ہیں — آپ "محبت اور زندگی" کے ذریعے ہر ہفتے اپنی بیٹی کو تلاش کرتے ہیں؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں ہر ہفتے بیٹی کو تلاش کرتا ہوں۔ مگر یہ صرف کھیل ہے، تم میری بیٹی ہو؟ یقین کرو یہ بالکل غلط ہے۔" اس نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"ہر چیز غلط ہے — سب کچھ غلط ہے —" میں بڑبڑائی۔

وہ مجھے اپنی بیٹی ماننے کے لیے کسی صورت تیار نہ تھا۔ میری مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی — آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میرے تصور میں "محبت اور زندگی" کا وہ منظر لرزنے لگا۔ جہاں جین اینڈا سے کہتا ہے "میں جب تک اپنی بیٹی کو تلاش نہ کر لوں تم سے شادی نہیں کر سکتا!" اور اب میں اس کی بیٹی — میں

توقع کے خلاف اینڈا آرمسٹرونگ کا رویہ جین سے مختلف تھا۔ میں سوچ رہی تھی، اگر اینڈا آرمسٹرونگ میرے ساتھ وہی برتاؤ کرتی جیسا جین نے کیا تھا تو میں کیا کر سکتی تھی۔

ہم دونوں لفٹ میں داخل ہوئے اور گراؤنڈ فلور کی طرف جانے لگے۔ میں نے اچانک ہی اس سے کہا، "اینڈا کیا آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کی شادی جلد ہی جین کیروتھرز سے ہو جائے؟"

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا، پھر ہنس پڑی شاید وہ سمجھ رہی تھی کہ میں مذاق کر رہی ہوں۔

"اس سلسلے میں، میں آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں اینڈا۔" میں نے کہا۔

"اچھا!" وہ آنکھیں پھیلا کے مسکرائی

"بھلا کس طرح؟"

"جین آپ سے اسی صورت میں شادی کرے گا جب اسے اس کی بیٹی مل جائے گی اور اور میں آپ کو اس کی بیٹی کے بارے میں سب کچھ بتا سکتی ہوں۔"

"اچھا۔ کون ہے اس کی بیٹی۔۔۔؟" وہ ایسے مسکرا رہی تھی جیسے مجھے بہلا رہی ہو۔

"اب آپ لوگوں کو چاہیے کہ اس سیریل کا کردیں اور جین اور اس کی بیٹی کا ملاپ دکھا دیں"

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ سیریل اور طویل ہو؟"

"اور کیا تم نہیں چاہتیں؟"

میں نے اس کی بات کا کچھ جواب نہ

لفٹ۔۔۔ دوسری اور پہلی منزل سے ہوتی گراؤنڈ فلور پہ پہنچ گئی تھی۔ ہم دونوں سے نکل کر اسٹور کے دروازے کی طرف بڑھ

"تم مجھے جین کی بیٹی کے بارے میں کچھ تھیں؟" اینڈا نے پوچھا۔

"جی ہاں میں ہی جین کی وہ بیٹی ہوں اس سے بچھڑ گئی ہے۔" میں نے کہا۔ وہ چونک میری طرف دیکھنے لگی۔۔۔ شاید وہ غور کر رہی کہ جین جو نشانیاں اپنی بیٹی کے لیے بتاتا ہے سب مجھ میں موجود ہیں یا نہیں۔۔۔!

چند لمحے وہ میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"ویسے ابھی تک جین کی بیٹی کے کردار کے لیے کوئی لڑکی ملی نہیں۔ تم چاہو تو میں کردار تمہیں دلوا سکتی ہوں؟"

جا چکا ہے۔

میں دوڑ کر درخت کے نزدیک پہنچی پستول اپنی جگہ موجود تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھا کر جیب میں رکھا اور پھر پارک سے باہر نکل آئی۔

چند لمحوں کے لیے میری سوچ کی ڈوری درمیان سے ٹوٹ گئی تھی۔ اب پھر ایک مایوسی کی کیفیت میرے اوپر طاری ہو گئی اور میں ڈولتے قدموں سے بلا مقصد ایک طرف ہو لی۔ میری دوست ہوائیں بدستور میرے ساتھ تھیں۔ اور میں تنہا ہوتے ہوئے بھی خود کو اُن کے درمیان گھرا محسوس کر رہی تھی۔

چلتے چلتے میں ایک اسٹور کے سامنے پہنچ گئی اور پھر غیرارادی طور پر اس میں داخل ہو گئی۔ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی پہلی منزل پر پہنچی، پھر دوسری اور پھر تیسری پر۔ یک دم مجھے احساس ہوا کہ میں بغیر کسی وجہ کے اسٹور کی منزلیں طے کرتی جا رہی ہوں۔ آخر کیوں؟

میں اپنے آپ سے یہ سوال کر رہی تھی مجھے اس کا جواب مل گیا۔ تیسری منزل پر اینڈا آرمسٹرونگ کا چہرہ نظر آیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں غیرارادی طور پر اُس کا تعاقب کرتی یہاں پہنچ گئی ہوں۔ میرے دل پر چھائی ہوئی مایوسی کی دھند میں اینڈا ایک امید افزا کرن کی طرح چمک اٹھی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے وہ میری مدد کرے ۔۔ اور جب بہت سے پیکٹ اپنے بازوؤں میں لیے وہ لفٹ کی طرف جا رہی تھی، میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچی اور والہانہ انداز میں کہا: "اینڈا اینڈا ۔۔!"

وہ چونک کر رک گئی ۔۔ پھر پلٹ کے مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔ وہ سمجھ رہی تھی، میں اس کی کوئی پرستار ہوں۔ وہ ویسی ہی خوبصورت تھی جیسی کہ ٹی وی اسکرین پر نظر آئی تھی۔

"میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں" میں نے کہا۔

"ضرور" وہ خوش اخلاقی سے بولی: "تم میرے ساتھ چلو۔ جہاں کہوگی میں تمہیں ڈراپ کرا دوں گی۔ اور اس طرح ہم راستے میں باتیں بھی کر لیں گے" یہ اس نے لفٹ کے لیے بٹن دباتے ہوئے کہا۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میری

اس کا نام رابرٹ تھا۔ پھر اینڈا ولیم

اینڈا نے میرا مسئلہ اُن دونوں کے سامنے رکھا۔ مسٹر ولیم نے بھی میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور مسٹر رابرٹ نے بھی۔ اُن کے رویے سے میں نے محسوس کیا وہ دونوں میری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان سے باتیں کرنے لگی۔

رابرٹ نے مجھ سے کہا: "میں نے شاید آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ شاید آپ سیری ڈان میں اکثر بیٹھتی ہیں؟"

"جی ہاں۔ میں وہاں اپنے باپ کی تلاش میں جاتی تھی۔" میں نے جلدی سے جواب دیا پھر وہ مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ولیم اور رابرٹ اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے اور اینڈا میرے پاس آ بیٹھی اور تسلی دیتے ہوئے بولی: "تم فکر نہ کرو ہنی! ہم مل کر تمہارا مسئلہ ضرور حل کر دیں گے۔"

پھر وہ مجھ سے میرے ماضی کے متعلق سوال کرتی رہی۔ میں نے اپنے منہ بولے ماں باپ کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ خاصی دیر بعد ولیم اور رابرٹ لوٹے اور ولیم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "ہنی! امید ہے کہ تم بہت جلد اپنے باپ سے ملو گی۔"

میں نے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ ولیم کو دیکھا۔ میرے ہونٹ کانپے، مگر میں کچھ نہ کہہ سکی۔

دونوں اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ ولیم نے کہا: "رابرٹ اور میں کی کہانی مسٹر زبرش نے تحریر کی ہے۔"

"کیا یہ جین کی اپنی کہانی نہیں ہے مسٹر رابرٹ؟" میں بے تابی سے بول اٹھی۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ جین کی اپنی کہانی ہے۔ اور یقیناً حقیقت سے تعلق رکھتی ہے لیکن۔۔۔" وہ کچھ دیر کے لئے رکا۔ پھر بولا تو اس کے لہجے میں سنجیدگی کا گہرا تاثر تھا: "لیکن۔۔۔ ایوری ولسن اصل جین نہیں ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" میں بے چین ہو کے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔۔۔" ولیم نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور تسلی دینے کے انداز میں بولا: "لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جین کیرو مقرر سے تمہیں نہیں ملوائیں گے۔ پوری

وہ کہہ رہی تھی کہ شاید میں ٹی وی ڈراموں میں کام کرنے کی خواہش مند ہوں۔

"ہاں میں یہ کردار لینا چاہتی ہوں" میں نے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ "اس لیے کہ میں جین کی حقیقی بیٹی ہوں۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ مسکراتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی جو اسٹور کے باہر کھڑی تھی۔ ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"مجھے یہاں سے سیدھا ٹی وی اسٹیشن جانا تھا۔ چلو میں وہاں تمہیں 'محبت اور زندگی' کے پروڈیوسر سے ملوا دوں۔ ہوسکتا ہے وہ تمہیں جین کی بیٹی کے کردار کے لیے منتخب کر لے۔"

"شاید آپ کو یقین نہیں آیا کہ میں واقعی جین کیرو تھرز کی بیٹی ہوں۔ جب میں بہت چھوٹی تھی میری ماں مجھے چھوڑ گئی تھی۔" میں نے اسے بتانا شروع کیا۔ "لیکن میرے باپ کا کہنا ہے کہ پھر اس نے مجھے غائب کروا دیا، وہ چونکہ میرے ساتھ محبت نہیں کرتی تھی۔ اس لیے اس نے مجھے ایک مذہبی سوشل ایجنسی کے سپرد کر دیا۔ جہاں سے بے اولاد میاں بیوی نے گود لے لیا۔ میری عمر چودہ سال ہے اور میں جرسی میں رہتی تھی۔ سب کہتے ہیں۔ جین کے بال اور آنکھیں گہرے کتھئی رنگ کی ہیں۔ کیا میں ایسی نہیں ہوں؟"

"ہاں تم واقعی ویسی لگتی ہو۔" اینڈا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم ناکام نہیں ہوگی۔"

"تمہیں یقین آگیا نا۔" میں نے خوشی سے اچھل کے کہا۔ "جین نے میری بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ آپ اسے منا لیں گی؟"

"ہاں میں اسے مناؤں گی۔" اس کی مسکراہٹ میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، مگر میں نے اس پر غور نہیں کیا، میں خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی اینڈا جین کو ضرور مجبور کرے گی کہ وہ مجھے اپنی بیٹی مان لے۔

وہ مجھے اپنے ساتھ ٹی وی اسٹیشن لے آئی اور پھر ہم "محبت اور زندگی" کے پروڈیوسر کے کمرے میں آگئے۔ وہاں ایک اور شخص بھی بیٹھا تھا۔ پروڈیوسر مسٹر ولیم کے بعد اس سے بھی میرا تعارف کروایا گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک اسٹوری رائٹر ہے

لے جائیں گے اور ہمیں امید ہے کہ جلد ہی تم باپ بیٹی کا ملاپ ہو جائے گا۔"

"آپ کب مجھے وہاں لے جائیں گے؟"

میں نے بے تابی سے پوچھا۔

رابرٹ نے کلائی گھما کے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: "میرا خیال ہے اب شام گہری ہو گئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کل شام کا کوئی وقت رکھ لیں۔"

"آج رات تم میرے ساتھ رہو۔" اینڈا نے کہا۔ اور وہاں سے مجھے اپنے ساتھ لے گئی وہ ایک فلیٹ میں تنہا رہتی تھی۔

اگلا تمام دن میں نے اینڈا کے ساتھ گزارا اور شام ہوتے ہی ہم ہائی ڈری اسٹیشن پر آ گئے۔ ولیم اور رابرٹ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ذرا دیر بعد ہی پارک میں جا پہنچے۔ ہم نے دیکھا سامنے ایک شکستہ حال، پریشان آدمی پتھر کے بنچ پر خاموش سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک بوسیدہ سا بریف کیس بھی رکھا تھا۔

وہ شخص واقعی ایڈورڈ ولسن سے حیرتناک حد تک مشابہ تھا۔

"یہی تمہارا حقیقی باپ ہے۔" اینڈا نے سرگوشی کی۔ میرے سینے میں دل بڑی طرح دھڑکنے لگا۔ کل کے واقعات نے مجھے اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ اب میں باپ بیٹی کے اس ملاپ کے لیے لمحوں کی تاخیر بھی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ میرا جی چاہا میں دوڑ کے جاؤں اور اپنے باپ سے لپٹ جاؤں لیکن اینڈا نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ میرا باپ اب بریف کیس سے کچھ نکال رہا تھا۔ ولیم نے مجھ سے کہا: "جلد بازی سے کام مت لو۔ آؤ ہم اس درخت کے پیچھے چلتے ہیں جہاں سے ہم اسے آسانی دیکھ سکیں گے۔"

ہم چاروں اس کے دائیں جانب سے ہوتے ہوئے ایک درخت کے موٹے تنے کے پیچھے آ گئے جو اس بنچ سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ ہم نے دیکھا اس کے ہاتھوں میں ایک تصویر تھی جسے وہ بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ شاید تصویر دیکھتے ہوئے وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا لیکن اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ آسانی سے سنائی نہ دیتی تھی۔

میں اپنے باپ سے ملنے کے لیے اس قدر بے قرار تھی کہ اینڈا سے ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی۔

ولسن تمہارا حقیقی باپ تو نہیں، لیکن وہ اس کے ساتھ میرتاک حد تک مشابہت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اُسے جین کے کردار کے لیے منتخب کیا تھا؟

ولیم صاحب کے خاموش ہونے کے بعد رابرٹ نے کہنا شروع کیا۔ میں نے یہ کہانی ایک پریشان اور مفلوک الحال شخص کی زندگی سے لی ہے۔ اس کا نام جین کیرو تھرز ہے۔ وہ اکثر مجھے ایک ویران پارک میں بیٹھا نظر آتا تھا۔ اس کے پاس ایک بوسیدہ سا بریف کیس بھی رہتا تھا۔ اس کے کپڑوں اور حلیے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک بہت ہی غم زدہ اور غریب آدمی ہے، لیکن اس کی شخصیت میں مجھے کچھ ایسی باتیں نظر آئیں جن سے میں بہت متاثر ہوا اور آخر ایک دن میں اس کے پاس پہنچا۔ تب اس نے مجھے بتایا کہ وہ تمام دن اپنی بیٹی کی تلاش میں سرگرداں رہنے کے بعد دن ڈھلے اس پارک میں آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک تصویر بھی نکال کر مجھے دکھائی۔ اس نے کہا: "یہ میری بیوی کی تصویر ہے اور میری بیٹی۔ جو اب انتیس سال کی ہو چکی ہوگی اس وقت ایسی ہی ہوگی۔

میں نے اس کی زندگی کے بارے میں اس سے بہت کچھ معلوم کیا اور آخرکار مجھے ایک بہترین کہانی کا مواد مل گیا۔ اور اب یہی کہانی "محبت اور زندگی" کے عنوان سے ٹی وی پر قسط وار دکھائی جا رہی ہے۔" رابرٹ نے بہت تفصیل سے کہانی کے بارے میں بتایا۔ اس کی باتیں سن کر میری حالت عجیب سی ہوگئی۔ میرا باپ اتنی عسرت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ کتنا مظلوم ہے۔ میرے دل میں اس کے لیے بے تحاشا جذبات پیدا ہوگئے اور میری آنکھیں بے اختیار آنسو بہانے لگیں۔

رابرٹ نے پھر کہا: "اس کے بعد میں اس شخص سے پھر کبھی نہیں ملا، لیکن مجھے امید ہے کہ وہ اب بھی تمام دن اپنی بیٹی کی تلاش کے بعد اسی ویران پارک میں اپنی تھکن اتارتا ہوگا۔"

اصل حقیقت جان کر میں اپنے مظلوم باپ سے ملنے کے لیے بے تاب ہوگئی۔ رابرٹ نے مجھے تسلی دی: "ہم تمہیں اپنے ساتھ وہاں ضرور

اُبھرا اور میرا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب کی طرف بڑھ گیا۔ ریوالور میرے ہاتھ میں آیا اور میں نے دوڑتے ہوئے شخص کی پشت کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی میرے ریوالور سے نکلی، لیکن نشانے پر نہ بیٹھی، کیونکہ اینٹا نے پہلو سے میرا ہاتھ پکڑ کر ریوالور کا رخ موڑ دیا تھا۔

فائر کی آواز سن کر ولیم نے ہماری طرف دیکھا اور اس اثنا میں قاتل فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

میں اشک آلود آنکھوں سے خون میں ڈوبی ہوئی اپنے باپ کی لاش کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کہانی ختم ہو چکی تھی جس کا انجام میرے ذہن میں کچھ اور ہی تھا۔

اینٹا کا خیال تھا کہ اب میں اس کے پاس یہاں رہوں۔ لیکن رابرٹ اور ولیم کا مشورہ تھا کہ مجھے اپنے منہ بولے ماں باپ کے گھر لوٹ جانا چاہیے۔ میرا دل ٹوٹ گیا تھا اور اب مجھ میں کوئی فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی چنانچہ ولیم اور رابرٹ کے مشورے کے مطابق اسی رات میں نیویارک روانہ ہو گئی۔

جس وقت میں گھر میں داخل ہوئی، میرے ماں باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ شاید وہ مجھ سے مایوس ہو چکے تھے۔ میرے فرار ہونے کی حرکت سے صدمہ تو پہنچا ہوا لیکن انہیں میرے غم کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھے سرزنش کرنے کے بجائے اور زیادہ محبت کا اظہار کیا۔ اور ایک بار پھر میری زندگی گزرے ہوئے دنوں کی طرح آگے بڑھنے لگی۔

اور پھر ہفتے کا وہ دن بھی آ پہنچا جس، "محبت اور زندگی" کی سیریل ٹی وی پر دکھائی جانا تھی۔ میں مقررہ وقت پر کچھ عجیب سے ہیجان محسوس کرنے لگی اور نہ چاہتے ہوئے بھی ٹی وی سیٹ کے سامنے آ بیٹھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا باپ جس کیریکٹر کو ناکام و نامراد چھوڑ گیا تھا اب کبھی "محبت اور زندگی" میں نمودار نہ ہوگا۔

سیریل شروع ہوئی اور ٹی وی اسکرین پر وہ مقامات دکھائے گئے جہاں میرا باپ اپنی بیٹی کی تلاش میں بھٹک رہا تھا۔ جیسے ہی اسکرین پر ایڈی ولسن نمودار ہوا میری آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ وہ واقعی میرے باپ

لیکن نہ جانے کیوں وہ سب یہ نہیں چاہتے تھے کہ میں جلد اُس کے پاس چلی جاؤں۔ ولیم نے میرا بازو تھام کر کہا،

" وہ تمہارا ہی باپ ہے اور ہم تمہارے ساتھ اُسے ملانے کا وعدہ کر چکے ہیں، لیکن تمہیں ذرا دیر صبر کرنا چاہیے۔ ڈر ہے وہ تمہیں اچانک دیکھ کر خوشی سے مر نہ جائے۔"

مارچ کی ہوائیں میرے بالوں کو چھیڑتی ہوئی میرے باپ کی طرف جا رہی تھیں کہ اب مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جین یعنی میرے باپ نے تصویر بریف کیس میں واپس رکھ دی۔ میں نے محسوس کیا۔ اس کی نظریں پارک کے دروازے پر جمی ہوئی ہیں جیسے اُسے امید ہو کہ اس کی بچی ابھی وہاں سے داخل ہونے والی ہے۔ میں نے پھر چاہا کہ آگے بڑھوں لیکن اس بار رابرٹ نے مجھے روک لیا۔ اس نے کہا: "شاید اُسے کسی کا انتظار ہے۔"

"محسوس ہوتا ہی ہوتا ہے۔" ولیم نے کہا

" مجھے یقین ہے کہ وہ میرا منتظر ہے۔" میں نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔ اسی وقت پارک کے دروازے سے ایک مفلوک الحال شخص اندر آیا۔

" میرا خیال ہے شاید وہ اسی کا منتظر تھا۔" ایبنڈا نے اُسے بینچ کی طرف آتے دیکھ کر کہا۔

مجھے محسوس ہوا جیسے میں نے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے لیکن جانی پہچانی شکل ہونے کے باوجود مجھے یاد نہ آسکا۔ اب وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ یکایک فضا ایک دھماکے سے گونج اٹھی۔ ہم سب اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور بے اختیار درخت کے پیچھے سے نکل آئے اور پھر جو کچھ ہم نے دیکھا وہ میری برداشت سے باہر تھا۔ میرا باپ زمین پر گرا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر تھے اور اس کے خون سے سرخ ہو رہے تھے۔ میں اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے چیخنے لگی۔

ایبنڈا نے مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ میں نے اس کے بازوؤں کو ہٹا کے آگے بڑھنا چاہا تو اس نے کہا، "پاگل مت بنو، وہ قاتل کا کیس ہے۔"

میرے باپ کا قاتل دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا اور ولیم اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ رابرٹ گھٹنوں کے بل میرے باپ پر جھکا ہوا تھا۔ ایک خیال تیزی سے میرے ذہن میں

اسلامی ریاست میں عورت کے بنیادی حقوق

گزر بسر کا حق

اسلام میں عورت کے گزر بسر کا بڑا خیال رکھا گیا ہے۔ اسلام میں عورت کو یہ حق دو طرف سے ملتا ہے ایک تو نکاح کے وقت بطور مہر اور ماں باپ شوہر اور بیٹوں کے ورثے سے، دوسرا حکومت سے۔ ماں باپ شوہر اور بیٹے کی وراثت میں اس کا حق رکھا گیا ہے۔ یہ بات قرآن میں بہت صاف صاف بیان کر دی گئی ہے۔

سب سے پہلے مہر کو لیجئے۔ شوہر پر بیوی کا یہ حق ہے کہ وہ قرارداد نکاح کے مطابق اُسے مہر ادا کرے۔ حکم ہے کہ:۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔ (سورۂ نساء آیت ۴)

اور عورتوں کے حقوق خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اُسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

اس آیت کے تحت اسلام نے مہر کو عورت کا ایک ایسا حق قرار دیا ہے۔ جس کا ادا کرنا مرد پر واجب ہے۔ اسلامی ریاست کا بڑے سے بڑا قاضی بلکہ سربراہ ریاست بھی عورت کے اس حق کو نہیں چھین سکتا۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں چاہا کہ مہر کی رقم کو زیادہ نہ کیا جائے بلکہ اس کی ایک حد مقرر کر دی جائے۔ اپنی ایک تقریر کے دوران فرمایا:۔

سے بہت شا بہت رکھتا تھا۔
میں خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اس بار جین
کے ساتھ ایک نیا کردار بھی آیا تھا اور یہ وہی
شخص تھا جسے میں نے ولسن کے ساتھ ٹیگری
نامی ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا اور جس کی بہت سی
تصویریں بھی میں اس کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔

یکایک بہترین سوٹ میں ملبوس اس
نوجوان کو دیکھ کر مجھے وہ مفلوک الحال شخص یاد
آگیا جس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا۔
تو کیا یہ سب محض ڈرامہ تھا۔ صدمے کی ایک
لہر میرے دل سے اٹھ کے سارے بدن میں
پھیل گئی۔ ●●

غزل

(عزیز الدین۔ عزیز)

راہ کٹھن ہے دور ہے منزل — پاؤں میں کانٹے چلنا مشکل
شہد و شکر ہے بات میں شامل — میٹھا میٹھا۔ زہر ہلا ہل
میں نے ان کو لاکھ بتایا — بزم جہاں اک رات کی محفل
خار سے گل کے رشتے ناطے — گلشن کے دستور میں شامل
گرنا، اٹھنا، اٹھ کر چلنا — یہ تو ہیں آداب منزل
سہو و خطا کا پیکر انساں — کیسے کہوں انساں ہے کامل
نام اگر کرنا ہے پیدا — دیوانوں میں ہو جا شامل
ڈوبنے والے چیخ رہے ہیں — ساحل ساحل ساحل ساحل

کب ہے عزیز افکار سے فرصت
ہر دم ہیں درپیش مسائل!

نوٹ:۔ اگر نکاح ہونے کے بعد شوہر نے بیوی کو ہاتھ نہیں لگایا اور طلاق دیدی تو بھی عورت کو آدھا ملے گا۔

مہر کے علاوہ شوہر اپنی خوشی سے نان نفقہ کے علاوہ جو رقم بیوی کو دیتا ہے۔ پھر اُسے واپس لینے کا حقدار نہیں ہے۔ وہ رقم یا جائداد یا چیز عورت کی ملکیت ہوگی۔

اور سنئے۔ اگر شوہر مالدار ہے اور بیوی کو جائز نان نفقہ دینے میں کنجوسی کرتا ہے تو عورت کا حق ہے اس کے مال میں سے اس سے پوچھے بغیر لے۔

۔ فتح مکہ کے موقع پر ابو سفیان کی بیوی ہندہ مسلمان ہوئی تو اس نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ابوسفیان ایک کنجوس مالدار ہیں کیا میں جائز خرچ ان سے چھپا کر لے سکتی ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا لے سکتی ہو۔

اگر عورت مالدار ہے اور اس کا شوہر غریب ہے تو عورت اسے صدقہ کی رقم دے تو واپس لینے کا اُسے حق نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غریب تھے۔ ان کی بیوی مالدار تھیں۔ بیوی کو خیال تھا کہ صدقہ شوہر کو نہیں دیا جاسکتا۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں عبداللہ کو صدقہ دے سکتی ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ دے سکتی ہو۔ اس میں تم کو دُہرا ثواب ملے گا۔ اول صدقے کا دوسرے قرابت کا۔

وراثت کے بارے میں عورتوں کے حقوق یہ ہیں:۔

• اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصّہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے (یعنی فرض ہے) (سورہ نساء ۷)

• اگر میّت کی وراثت دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا ⅔ دیا جائے گا اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ (سورہ نساء ۱۱)

• اگر میّت کی اولاد ہو تو (اس میّت کے) والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا ۱/۶ ملے گا۔ دنیا

"عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ چاندی سے نہ بڑھاؤ اگرچہ وہ کتنے ہی مالدار کی بیٹی کیوں نہ ہو۔ جو زیادہ مہر دے گا میں اس کے زیادہ مال کو بیت المال میں داخل کروں گا۔"

تو جھٹ ایک عورت اُٹھی اور اس نے بلند آواز سے کہا "آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا" پوچھا کیسے؟ وہ بولی "اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۚ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء - ۲۰)

"چاہے تم نے اُسے (بیوی کو) ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو۔ اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اُسے بہتان لگا کر اور کھلا ظلم کر کے واپس لینا چاہتے ہو۔"

حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ فرمایا۔ "عورت نے سچ کہا اور مرد نے غلطی کی۔"

اسی طرح قرآن نے جو معاشی (گزر بسر کرنے کے) حقوق نان نفقہ، وراثت، وصیت نکاح وطلاق کے بارے میں جو حقوق عورت کو دیے ہیں۔ اسلامی ریاست ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ عورت کو یہ حقوق دلائے۔ ارشادِ نبویؐ ملاحظہ ہو۔ فرمایا:-

"خبردار! جس شخص نے کسی سے عہد کیا اور (جس سے عہد کیا ہے، اُسے کمزور سمجھ کر) اس پر ظلم کیا اس کے حقوق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف لے لی۔ اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود استغاثہ پیش کرنے والا بنوں گا۔"

اور سنئے۔ اس سے زیادہ حکم "جس مرد نے یہ نیت کی کہ وہ مہر کی رقم نہیں دے گا۔ وہ میاں بیوی بن کر رہا تو اس نے زنا کی۔"

اور سنئے :-

اگر کسی نے پہلی رات یا کسی وقت بہلا پھسلا کر مہر معاف کرا لیا تو عورت بعد میں بھی مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے

(۱۷) ۔ کہ ایسی عورت کی شادی کا انتظام کرے اور دو تو گزر بسر کے لیے دے۔

• ریاست کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں سے معذوروں کے حقوق دلائے اگر بیمار کا بوجھ نہیں اٹھاتا تو ریاست بیٹے کو مجبور کرے۔

• ریاست کی تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ لاوارث عورت کو گزر بسر کا خود دے۔ ترمذی کی حدیث ہے کہ جس کا کوئی سرپرست نہیں اس کی سرپرست حکومت ہے۔

غیر مسلم رعایا کے لیے حضرت عمر فاروق رضؓ کا عام حکم ہے کہ ہم انھیں بھی بے سہارا نہیں چھوڑتے آپؓ کے دور میں اسلامی سلطنت بے حد وسیع ہو گئی۔ سال بھی بلند تاہم بہت سے مسائل کو حل کرنے میں گزرتے ہیں۔ راتیں گشت کرنے میں، رعایا کی مشکلات معلوم کرنے میں اور اپنے رب کے حضور عبادت کرنے میں کٹتی ہیں۔ گشت کرتے کرتے شہر سے باہر ایک مقام پر پہنچتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ کہ ایک خیمہ لگا ہے۔ ایک عورت چولہے پر کچھ پکا رہی ہے۔ بچے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ دریافت فرماتے ہیں: کیا بات ہے؟ جواب ملتا ہے، کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے چولہے پر محض پانی چڑھا دیا ہے: پوچھتے ہیں تم نے عمرؓ کو اطلاع کیوں نہیں دی؟ وہ کہتی ہے "اسے کہاں فکر اس کی۔ میرا اور اس کا معاملہ تو قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگا۔ آپ بیتاب ہو جاتے ہیں۔ واپس آ کر بیت المال سے سامان اٹھاتے ہیں۔ آہٹ سنکر پاس سویا ہوا غلام جاگ اٹھتا ہے۔ سامان اٹھانے کے لیے اصرار کرتا ہے تو فرماتے ہیں۔ کیا قیامت کے دن بھی تو میرا بوجھ اٹھائے گا۔ خود بوری لاد کر عورت کے پاس لے جاتے ہیں۔ بیٹھ کر کھانا پکاتے ہیں۔ بچوں کو کھلاتے ہیں۔ کچھ دیر بچوں کو کھیلتا دیکھتے ہیں اور واپس آ جاتے ہیں۔

اب عورت کہتی ہے۔ "اے شخص! تو اس قابل ہے کہ عمرؓ کے بدلے خلیفہ ہوتا" حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس ہوئے۔

• اگر میت کے اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو ⅓ دیا جائیگا۔ (نسار-۱۱)

• اگر میت کے بھائی بہن ہوں تو ماں کو ⅙ (نسار-۱۱)

• شوہر کے ترکے میں سے اس کی بیوہ کو ¼ حصہ اس وقت ملے گا جب کہ متوفی بے اولاد ہو۔ (نسار-۱۲)

• شوہر کے ترکے میں سے اس کی بیوہ کو ⅛ حصہ ملے گا جبکہ متوفی کی اولاد ہو۔ (نسار-۱۲)

• اگر مرد یا عورت بے اولاد ہوں اور ان کے ماں باپ زندہ نہ ہوں اور صرف اس کی بہن ہو اور ایک بھائی زندہ ہو تو ہر ایک کو ترکے میں سے ⅙ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکے کے ⅓ میں وہ سب شریک ہوں گے۔

<u>طلاق اور عورت کا دودھ اور بچہ</u>

• عورت اپنے دودھ کی مالک ہے • بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر اُسے طلاق ہو جائے تو وہ مجبور نہیں کہ بچے کو دودھ پلائے • اگر بچے کا باپ اس سے دودھ پلوانا چاہے اور وہ بھی راضی ہو تو دودھ پلائے اور اُجرت لے • بچے کا خرچ بھی باپ برداشت کرے گا • بچے کو دودھ پلانے کی پہلی حقدار ماں ہے۔ دوسری عورت سے دودھ پلانے کا کام اسی وقت لیا جا سکتا ہے جب کہ ل راضی نہ ہو۔

• اگر ماں اتنی ہی اُجرت مانگے جتنی دوسری عورت مانگتی ہے تو پھر ماں زیادہ حقدار ہے کہ دودھ پلائے • اگر دوسری عورت دودھ پلانے کے لیے نہ مل سکے تو ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ دودھ پلائے اور چند شریف لوگ اُجرت طے کریں گے جو دونوں کے لیے قابل قبول ہو۔

<u>ای ریاست کی ذمہ داری</u>

• کوئی عورت جوان ہے۔ اس کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی۔ یا وہ عورت بیوہ ہو گئی یا ہت لاوارث ہے تو ریاست پر دو ذمہ داریاں ہیں۔

(۱) یہ کہ عورت کو حرام کمائی سے اور کوٹھوں کے سوداگروں سے بچائے۔

یہ وہ امور ہیں جن کی پابندی فرائض سے بڑھ کر کی جاتی ہے اور جن سے انحراف ممکن نہیں۔ کاش ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض اور رسول اللہ کے احکام کی تعمیل کے اہتمام میں اس قدر اخلاص اور فکر مندی کا مظاہرہ کرتے، شوق اور جذبے سے نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے، دین کا علم حاصل کرتے، اس کی تعلیمات سے آگاہ ہونے کی کوشش کرتے۔ اسی لگن اور انہماک سے نیکی اور سعادت کے ان کاموں میں لگ جاتے جن کی خدا اور رسول ﷺ کی نگاہ میں قدر و قیمت ہے اور جو دنیا و آخرت دونوں میں ہماری فوز و فلاح کے ضامن ہیں! کاش ہم شادیوں کی تقریبات اور لایعنی رسوم پر صرف کی جانے والی دولت کا عشرِ عشیر بھی دین کی تبلیغ و اشاعت، رفاہِ عامہ کے کاموں، بچوں، عورتوں اور ان پڑھوں کی تعلیم اور اخلاقِ حسنہ پر لگاتے یا صحتِ انسانی کا معیار بلند کرنے پر صرف کرتے تو ہماری موجودہ معاشرت اس بدبختی اور شقاوت، افلاس اور ناداری، جہل اور ضلالت، بے رحمی اور حیوانیت کے وہ خوفناک اور دردناک مناظر ہرگز نہ پیش کرتی جن کا مشاہدہ بڑے بڑے شہروں سے لے کر دور افتادہ دیہاتوں تک یکساں کیا جا سکتا ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖

سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کی ساری دولت رسم و رواج کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دینے کے لئے ہے اور کیا ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کی معراج نمود و نمائش اور ظاہرداری کے سوا کچھ نہیں! اور کیا ہم لوگ مجموعی طور پر عقلِ سلیم، فہم و فراست اور شعور و معقولیت سے یکسر بیگانہ ہو چکے ہیں۔ جاہلوں کی بدعقلی کا ماتم کیا کیا جائے جنہیں ہم تعلیم یافتہ اور خواص کے زمرے میں شمار کرتے ہیں، رسم و رواج کے معاشرے میں وہ بھی کم و بیش وہی کچھ کر رہے ہیں جو غیر تعلیم یافتہ اور شعور سے محروم عوام کر رہے ہیں۔ بے عقلی، ناعاقبت اندیشی اور نمود و نمائش میں کوئی کسی سے کم نظر نہیں آتا۔ یہ بیماری اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اب مقابلے اور مسابقے شروع ہو گئے ہیں۔ بے شمار گھرانے جہیز کے سامان اور شادیوں کے اخراجات کے لئے روپیہ جمع کرنے کی دھن میں دنیا و آخرت کو فراموش کر چکے ہیں جنہیں کئی کئی رشتوں کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے، ان پر یہ فکر ایک بلا کی طرح مسلط ہے اور ان کے ذہن کا بہت بڑا بوجھ اور روح کا دردناک عذاب بن گئی ہے۔ شادی کے لئے

شادی خانہ بربادی

انیس احمد اعظمی

ہمارا معاشرہ جن خرابیوں سے تباہ و برباد ہو رہا ہے ان میں نمایاں خرابی ہماری وہ خود ساختہ رسوم اور
جن پر ہم بے دریغ دولت ضائع کر رہے ہیں خصوصاً شادی بیاہ کی رسوم اور تقریبات جن پر غالباً
زیادہ روپیہ صرف ہو رہا ہے۔
ح ایک تمدنی فریضہ ہے اگر اسے سادگی، وقار، اختصار اور کفایت شعاری سے رسول اللہ صلی اللہ
ست کے مطابق انجام دیا جائے تو موجودہ گرانی کے دور میں بھی اس پر چند سو روپوں سے زیادہ رقم
ہو سکتی لیکن آج کے دور کی شادی اس کی رسمیں اور تقریبات اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اب اس کے لوازم
ملبوسات کے ڈھیر، ہزاروں روپے کے زیورات اور سامانِ آرائش کے انبار، گراں قیمت فرنیچر،
برتن اور جنوں بستر، ان کی چادریں، قالین، قیمتی کراکری، کاروں اور بسوں کے ذریعے بارات
شامیانے، روشنی اور بجلی کے انتظامات، انواع و اقسام کے کھانے، سیکڑوں آدمیوں کے
ت، دور دور سے عزیزوں اور دوستوں کی بالاہتمام شرکت، مطبوعہ و مرصع دعوت نامے منگنی
تیں اور رخصتی؛ غرض برسوں کے اہتمام، فکر مندی، سامانوں کی فراہمی بہت سے افراد کی دوڑ
ی دو کاوش، شب و روز کی تھکن، صبح و شام کی پریشانیاں اور ساتوں کی بے خوابیاں اور سالہا سال
محنت کے ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر کے برباد کر کے ایک شادی انجام پاتی ہے۔

میں ڈالا، اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں ڈالے گا۔ (ترمذی)

ان ارشادات کی روشنی میں بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہماری شادیوں میں حرص و طمع اور ظلم و جور کا عمل دخل کس قدر بڑھ چکا ہے جو بہت بڑا سبب ہے معاشرتی فساد، بے برکتی اور آپس کے جھگڑوں کا۔

آہ مسلمان گھرانوں کی کتنی ہی بیٹیاں تصویرِ انتظار بنی بیٹھی ہیں، معاشرے کی فاسد ذہنیت مسلمان کے رشتوں کی راہ میں ناقابلِ عبور کاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ فکر مندیوں اور پریشانیوں نے ان کے والدین کی کمر توڑ دی ہے یا انہیں قبر تک پہنچا دیا ہے۔ اسلام کی ان بیٹیوں کے لئے کوئی صبحِ امید نہیں۔ ان کے مقدر کی شام اد میں کوئی چراغ روشن نہیں ہو سکتا، لیکن انہی گلیوں، محلوں اور گاؤں میں خوش حال اور خوش بخت گھرانے بھی ہیں جہاں دھوم دھام سے شادیاں ہوتی ہیں، بلند و بالا شامیانے لگتے، اور روشنیاں اور زرق برق لباس، بجتی ہوئی شہنائیاں، موٹروں کا ہجوم، لوگوں کی آمد و رفت، دعوتیں اور کھانے — غرض ایک جشنِ طرب اور محفلِ عیش و نشاط کا بھرپور منظر، معاشرے میں کتنا تضاد ہے اور کس قدر تفاوت! معاشرہ کس طور پر منقسم ہو چکا ہے، یہ خلیج بڑھتی جا رہی ہے۔

ہمارے انحطاط و زوال کی داستان اگرچہ نہایت غم انگیز اور عبرتناک ہے جس کے متعدد سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور تمدنی عوامل ہیں، لیکن صرف مروجہ رسوم اور خود ساختہ رواجوں کے باعث جس طرح ہمارے مالی وسائل مسلسل تباہ و برباد ہو رہے ہیں ان کا ہم نے کبھی اجتماعی جائزہ نہیں لیا اور نہ یہ حساب لگایا کہ ان رسوم و رواج پر ملتِ اسلامیہ کا کروڑوں اربوں روپیہ کس آسانی سے ضائع کر دیا جاتا ہے اور خاندانی زندگیوں کی بے شمار ناخوشگواریوں اور مشکلات میں ان رسوم کا کتنا ہاتھ ہے۔"

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

میرے علم میں بہت سے شریف خاندان ایسے ہیں جن پر برسوں سے شادیوں کا قرض لدا ہوا ہے اور وہ کوشش کے باوجود اس کے بار سے اپنی گردن نہیں چھڑا سکے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاؤں میں اکثر قرض

رسم ہے کہ فراہمی کا سوال اس قدر اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ بعض کے نزدیک جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز بھی باقی نہیں رہی انہی رسوم کو بہانہ بنا کر رشوت، خیانت، سودی قرض اقربا و اعزہ کی حق تلفی غرض بہت کچھ روا رکھا جا رہا ہے۔

مادیت کا غلبہ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ شادیوں میں باقاعدہ سودے بازی اور لین دین ہوتا ہے کوئی اسکوٹر کا مطالبہ کرتا ہے کسی کو کار چاہئے، کوئی نقد رقم کا خواستگار ہے۔ کسی کو تجارت یا اعلیٰ تعلیم کے لئے روپیہ درکار ہے۔ لوگ جبراً قہراً ان مطالبوں کی تعمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ زندگی بھر کا اندوختہ اسی کام پر لگایا جا رہا ہے، قرض کی نوبت آرہی ہے، کوئی جائداد رہن رکھ رہا ہے، کوئی سودی قرض کے جال میں اپنی گردن پھنسا رہا ہے بہرحال خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے، یہ مطالبات تو پورے کرنے ہوں گے، ورنہ شادی نہ ہو سکے گی۔ اور اگر ہو بھی جائے تو غریب لڑکی زندگی بھر سسرال والوں کے دل خراش طعنے سنتی رہے گی۔ کہ تمہارے ماں باپ نے دیا ہی کیا ہے! اس خود غرضانہ اور دل آزار ذہنیت کے ردعمل کے طور پر بعض لڑکیاں خودکشی تک کر ڈالتی ہیں اور اگر یہ نہیں تو لڑائی جھگڑوں کے بعد طلاق تک تو نوبت پہنچ رہی ہے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ لوگ قرآن و حدیث کے واضح احکام صرف نظر کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا ہے۔

"اور آپ ان میں بہت ایسے آدمی دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ و ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں، واقعی ان کے یہ کام برے ہیں" (المائدہ)

کیا یہی حالت ہمارے معاشرے کی اب نہیں ہو رہی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بہت سی ظلمتوں کا باعث ہوگا اور حرص سے بچو کیونکہ بے شک حرص نے پہلی امتوں کو ہلاک کیا، حرص نے انہیں خون بہانے اور محارم کو حلال سمجھنے پر برانگیختہ کیا۔" (مسلم)

"جس نے کسی ایماندار کو ضرر پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائے گا اور جس نے کسی ایماندار کو مشقت

کھول دیئے ہیں۔ جب تک یہ تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ بے جا رسوم کو یکسر ختم ہونا چاہیے اور دولت کے مصارف اور میں اس وقت تک یہ آفت نہیں ٹل سکتی۔ صاحب حیثیت اور متمول حضرات تو مال کے ذریعے نکال لیتے ہیں اور یوں معاشرے میں اپنا بھرم قائم رکھتے ہیں لیکن غریب اور کم حیثیت رکھنے والے ان کی تقلید اور پیروی کی پاداش میں قرضوں کے سلاسل میں جکڑے جاتے ہیں یا پھر انہیں نامعقول لوگوں کی انگشت نمائیوں کا ہدف بننا پڑتا ہے۔

دراصل ہم لوگوں نے عرصہ دراز سے اسلامی زندگی کے تقاضوں اور بہتر انسانی مقاصد کو فراموش کر رکھا ہے۔ کیا یہ امر واقع نہیں کہ معاشرے کی ظاہری خوش حالی کے ساتھ ساتھ بے شمار مسلمان پریشان حال، مفلس اور نادار ہیں۔ ان کی مفلسی اور ناداری اس درجے کی ہے کہ اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو علاج نہیں کرا سکتے، صحت بخش غذا چاہیں تو انہیں نہیں مل سکتی۔ اپنے بچوں کو تعلیم دلانا چاہیں، تو نہیں دلا سکتے، تن ڈھانکنا چاہیں تو مناسب لباس میسر نہیں۔ جس معاشرے میں دس بیس نہیں ہزاروں، لاکھوں انسان اس طرح کے ہوں اس میں لوگوں کا جھوٹی عزت، ظاہرداری اور خودساختہ رسم و رواج پر اجتماعی انداز سے بے حساب دولت خرچ کئے جانا اور اسے ایک معاشرتی لازمہ قرار دے دینا قومی بے حسی، ملی بے غیرتی اور ذہنی کج روی کی دلیل ہے جس کی سزا سے کوئی معاشرہ بچ نہیں سکتا:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

قرآن و حدیث میں صدقہ و خیرات، کار خیر، فروغ دین اور اجتماعی فلاح و بہبود پر دولت صرف کرنے کی بہت زیادہ تلقین کی گئی ہے لیکن ہماری دولت صرف ہو رہی ہے، رسم و رواج، نمود و نمائش، اسراف و تبذیر پر۔ قومی اور اجتماعی حیثیت سے ہم حقیقی صدقہ و خیرات، انسانی خدمت کے خاموش لیکن پائیدار کام اجتماعی بہبود اور تحقیق اور ایجاد پر پیسہ صرف کرنے کا کوئی میلان ہی نہیں رکھتے اور اگر کبھی کوئی میلان پیدا ہو بھی، تو فضول رسموں اور بدعتوں نے ہمیں اس قابل ہی کہاں چھوڑا ہے کہ غریب عزیزوں کی خدمت کر سکیں۔ نیکی اور سعادت کے وہ کام کر سکیں جن سے

سے پناہ مانگی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تنبیہہ فرمائی ہے: "خبردار! قرض سے بچو یہ رات کا اندوہ اور دن کی خواری ہے۔"

ایک اور مقام پر آپؐ نے دعا فرمائی کہ میں کفر اور قرض سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ ایک دعا میں حضورؐ کا ارشاد ہے: "اے اللہ! میں قرض کے بوجھ، دشمن کے غلبے اور دشمنوں کی ہنسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا: "شہید فی سبیل اللہ کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے لیکن قرض معاف نہیں ہوگا۔" حدیث کی کتابوں میں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقروض مسلمان کی نماز جنازہ پڑھانے سے احتراز فرماتے تھے۔ اب ہم خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جن رسوم و رواج کے سبب ہمیں قرض لینا پڑتا ہے وہ ہمارے لیے کس قدر مصیبت، ذلت اور معصیت کا موجب ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسراف اور تبذیر دونوں سے منع فرمایا ہے۔ اسراف نام ہے فضول خرچی اور مال کو بے احتیاطی سے خرچ کرنے کا۔ جب کہ تبذیر دولت کو ناجائز، ناروا اور غلط کاموں میں اُڑا لے اور برباد کرنے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "بلاشبہ ناجائز کاموں میں مال و دولت اُڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔"

غور فرمائیے کہ شادیوں میں غیر ضروری سامان کی خریداری، انواع و اقسام کے کھانوں کی تیاری، لمبے چوڑے اہتمام و انتظام کیا اسراف کے حکم میں نہیں آتے اور کیا شادیوں میں ناچ گانے، آتش بازی اور لہو و لعب پر روپیہ اُڑانا تبذیر نہیں ہے یقیناً یہی کچھ اسراف و تبذیر ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖

اگر آپ لوگوں کو سمجھائیں کہ شادی بیاہ پر زیادہ اخراجات نہیں کرنے چاہئیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ جو لوگ غریب اور کم وسیلہ ہیں وہ بے شک خرچ نہ کریں لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ نے خوش حالی اور وسعت دی ہے وہ اگر خرچ کرتے ہیں تو کیا مضائقہ ہے؟ غور کیا جائے تو یہ انداز فکر ہی اس معاشرتی فساد کی بنیاد ہے

کو مہابت ملی یہی وہ لوگ تھے جن کے مقابلے میں روم و ایران کی عظیم سلطنتیں ڈھیر ہو گئیں اور جن کا سیل رواں کسی جغرافیائی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لایا۔ وہ جس سرزمین میں پہنچے اسے علم و حکمت، صنعت و تجارت، مساوات و اخوت اور تعمیر و ترقی سے مالا مال کر دیا لیکن ہم رسم کے پابند، بدعات کے غلام اور جاہلی رواجوں کے شیدائی کیا ہیں؟ اقبال کے لفظوں میں،

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں !

کاش ہمارے بدنصیب اور تیرہ بخت قوم کے اہل ثروت اور تعلیم یافتہ کہلانے والے افراد اصلاح احوال کے لئے تعمیری انداز فکر اختیار کریں۔ تقریبات میں سادگی کو اصول بنائیں اور دولت کو تعلیم و تربیت تبلیغِ دین، خدمت خلق، اصلاحِ معاشرت اور صحتِ انسانی پر صرف کرنے کی مفید، روشن اور لائق تقلید مثال قائم کریں۔ ٭ ٭ ٭

ہمیں آپ کا تعاون چاہیے

ماہنامہ "حجاب" جو محض ایک ڈائجسٹ نہیں، بلکہ ایک تحریک ہے جس کا مقصد ہے خواتین میں علمی اور مذہبی بیداری لانا۔ اور کوئی بھی تحریک دوسروں کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتی۔ آپ ہمارے اس مقصد میں تعاون دیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے گا۔

آپ اپنے حلقہ احباب میں حجاب کو متعارف کرائیں۔ ہمیں اپنی سہیلیوں اور اپنے رشتہ داروں کے نام پتے بھیجیں۔ ہم ان کی خدمت میں آپ کے حوالے سے حجاب کا ایک شمارہ بطور تحفہ بھیجیں گے اور یہ چاہیں گے کہ وہ ہماری اس تحریک میں معاون بنیں۔

(منیجر، مکتبہ حجاب بارہ دری محمود خاں رامپور۔ یو۔پی ۲۴۴۹۰۱)

خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، کثرت سنت کی اور انسانیت کو فلاح و آسودگی نصیب ہوتی ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖

رسم و رواج کی ان زنجیروں کو کاٹنے کے لئے ہر عملی اقدام جہاد کے مترادف ہے جو اہل ہمت اس راہ میں قدم اٹھائیں گے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کے استحکام کا موجب بنیں گے اور انہیں یقیناً احیائے سنت کا اجر ملے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو مشقت میں آسانی ہو۔" (البیہقی)

ایک اور حدیث میں ہے "سب سے زیادہ برکت ایسی عورتوں میں ہوتی ہے جن کے نکاح میں زیادہ نہ خرچ کرنا پڑے۔" (مسند احمد، حاکم)

ہمیں حضور رسالت مآب کے عہدِ سعادت کی شادیوں کا تصور کرنا چاہئے کس سادگی سے نکاح ہوا کرتے تھے۔ نہ زیورات کی شرط تھی، نہ کپڑوں اور جوڑوں کی کثرت تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک سرخ قمیص تھی جس عورت کی شادی ہوتی وہ اسے منگوا لیتی تاکہ نکاح کے موقع پر پہن سکے۔ یہی عروسی جوڑا تھا۔ ولیمہ کی دعوت کبھی ستو سے کی جاتی۔ اور کبھی کھجوروں سے، کبھی ایک دو بکری ذبح کر کے حاضرین کو کھانا دیا گیا۔ ایسا بھی ہوا کہ نکاح کرنے والے نے جب کہا کہ وہ لوگوں کی ضیافت کے لئے کچھ پیش نہیں کر سکتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حاضرین اپنے اپنے گھروں سے کھانا لائیں اور سب مل کر کھالیں، ولیمہ ہو جائے گا۔" غور فرمائیے۔ کہ معاشرت میں کس درجہ سادگی، بے تکلفی، حسن اور اخلاص تھا۔ کیسی صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی تھی۔ نہ کپڑوں جوڑوں کی حرص، نہ زیورات کی تمنا، نہ جمع سامان کی ہوس، نہ عزیزوں اور دوستوں کو بے دردی کا اعتقاد ساتھ زیر بار کرنے کی مذموم خواہش، نہ لمبے چوڑے اہتمام اور منصوبہ بندیاں لیکن اس اخلاص، سادگی میں جو خیر و برکت، قوت، شوکت اور عظمت اور رفعت تھی اس سے اسلامی تاریخ کے اوراق بھی روشن ہیں۔ انہی پاکیزہ سیرت انسانوں کے ہاتھوں اسلام کو فروغ نصیب ہوا۔ جس کی بدولت

اپنے دانتوں کی حفاظت کرو

۱ گرم چیز کھانے کے بعد ٹھنڈا پانی پینا دانتوں، معدہ اور حلق کے لئے سخت مضر ہے۔

۲ پھٹکری بریاں اور ریٹھے کی گٹھلی کی راکھ ہموزن منجن بنا کر ملنے سے دانتوں کا درد فوراً بند ہو جاتا ہے۔

۳ پھٹکری بریاں اور مکئی کے تکہ کا کوئلہ برابر وزن کا منجن دانتوں کو سفید کر دیتا ہے۔

۴ مولسری کی مسواک یا جڑ کا سفوف دانتوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔

۵ عقرقرحا کا سفوف ملنے سے دانت کے درد کو آرام آجاتا ہے۔

۶ کیکر یا بکائن کی مسواک کرنے سے دانتوں کو کیڑا نہیں لگتا۔

۷ ہینگ گرم کر کے کھوکھلی داڑھ میں دبا دینے سے درد فوراً بند ہو جاتا ہے۔

۸ افیون اور نوشادر ملا کر دانت کی کھوڑ میں رکھنے سے درد دور ہو جاتا ہے۔

۹ لونگ کا تیل روئی کی پھریری سے سوراخ میں رکھنے سے داڑھ کا درد فوراً رفع ہو جاتا ہے۔

۱۰ پھٹکری بریاں اور گیرو کا سفوف دو چار روز ملنے سے دانتوں کا خون بند ہو جاتا ہے۔

۱۱ نمک اور سونٹھ ہموزن پیس کر ملنے سے مسوڑھوں کا ورم رفع ہو جاتا ہے۔

۱۲ سرسوں کے تیل میں نمک ملا کر ملنا ماسخورہ کے لئے بے حد مفید ہے۔

۱۳ مرچ سیاہ کو عرق گلاب میں ابال کر غرغرہ کرنے سے مسوڑھوں کا درد اور ورم دور ہو جاتا ہے

۱۴ پھٹکری اور مرچ سیاہ برابر وزن پیس کر مسوڑھوں پر ملنا مسوڑے پھولنے کے لئے مفید ہے۔

قبض کا علاج

● آپ روزانہ نماز فجر کے بعد تھوڑی دیر صحن ہی میں سہی ٹہلیں ضرور۔ پھر رات کا کھانا کھا
آہستہ آہستہ چہل قدمی کریں۔ صبح اور شام دونوں وقت اگر کھانا کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے نیم گرم
حسب ذائقہ ملا کر پی لیا جائے تو اس سے قبض کی شکایت دور ہو جاتی ہے ● موٹے آٹے کی روٹی
کھانے کے بعد تھوڑا شہد یا گڑ یا پھل کھانا قبض کے لئے نہایت مفید ہے ● نصف لیموں کا رس
نمک نیم گرم پانی میں ملا کر پینا قبض کو دور کرتا ہے ● پندرہ دن کے بعد ایک دن فاقہ ضرور کریں
دن ہو سکے تو چار دفعہ لیموں کا رس اور شہد پانی میں ملا کر پئیں ● قبض دور کرنے کے لئے انجیر، م
اور کھجور مفید پھل ہیں ● ہری اور پتے دار سبزیاں اور ٹماٹر سلاد خوب استعمال کریں ●
استعمال آنتوں کی خشکی اور قبض کو دور کرتا ہے۔ حاملہ عورتیں استعمال کریں تو اولاد خوبصو
وضع حمل میں آسانی بھی ● صبح وضو کرنے کے بعد ایک گلاس پانی ضرور پئیں
کم سے کم چار کلو پانی ضرور پی لیں ● اپنے بچوں کے ساتھ کچھ دیر کھیلیں بھی۔ اگر ان کے سا
پڑے تو دوڑیں بھی ● ہاتھوں کی یا پاؤں کی آسان ورزشیں بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے کر لیا کر
کا استعمال کم کریں۔ یہ معدے کو خشک کرنے والی ہے ● دن میں آدھ گھنٹہ قیلولہ ضرور کر
پانچ چھ گھنٹے سوئیں۔ ایک نیند گہری ضرور لینا چاہئے چاہے وہ تھوڑی دیر کی ہی ہو ● رات
تسبیح فاطمہ پڑھ کر سوئیں۔ ۳۳ بار الحمدللہ، ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ کر سو تین
درود کرنے سے نیند جلدی آ جاتی ہے۔ یہ میرا اپنا تجربہ ہے ● غصہ اور غم اور مسلسل کوفت
اثر معدے اور دل و دماغ پر پڑتا ہے۔ نیند نہیں آتی۔ یہ معدے کے لئے نہایت مضر
کے حوالے کر کے فارغ ہو جایا کیجئے۔

اقوالِ زرّیں [قرآن اور حدیث سے]

٭ جو تم سے کٹے تم اُس سے جُڑے رہو٭ جو تم پر ظلم کرے، تم اس کو خوشی کے ساتھ معاف کر دو۔ ٭ مظلوموں کی بددعا سے بچو کیونکہ ان کی پکار اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا٭ تم اہلِ زمین پر رحم کرو، خدا تم پر رحم کرے گا٭ تم میں سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو خدا سے محبت کرے اور آخرت (یعنی مرنے کے بعد کے زمانے) کے لئے نیک عمل کرے ٭ برے ساتھیوں کی صحبت سے یہ بہتر ہے کہ تنہا رہا جائے ٭ جب کوئی قول و قرار کرو اس کو پورا کرو۔ ٭ مضبوطی سے سچائی پر قائم رہو٭ ہر شخص کے ساتھ اور ہر حال میں انصاف سے کام لو٭ خدا کے واسطے سچی گواہی دو چاہے اس سے تم کو، تمہارے والدین کو یا دوسرے رشتہ داروں کو نقصان پہنچے٭ برائی کو بھلے طریقے سے دور کرو٭ اللہ کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ تھامو اور آپس میں پھوٹ مت ڈالو٭ اپنے مال و دولت کو اپنے نادار رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، ضرورتمند سائلوں، مقروضوں کا قرض ادا کرنے اور غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کرو٭ توبہ واستغفار خدا کے غصے کو دور کرتا ہے ٭ دنیا کے مال و متاع پر غرور نہ کرو کیونکہ یہ فانی ہے٭ جو شخص تم کو تمہارے عیوب سے آگاہ کرے وہ بہتر ہے اس شخص سے جو تمہاری تعریفیں کر کے تمہیں مغرور بنا دے ٭ آپس کے اختلافات اور جھگڑوں سے انسان خدا کی رحمت و برکت سے محروم ہو جاتا ہے ٭ نیکی اور بھلائی کے معاملے میں اس پر نظر رکھو جو اپنے سے بڑھ کر ہو اور دنیاوی معاملات میں اس پر نظر رکھو جو اپنے سے کمتر ہو٭

مالک و ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق نال خیر آبادی۔ مطبوعہ ... پرنٹرز دہلی۔ مقام اشاعت محلہ ... محمود خان ...

رامپور











خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

ماہنامہ دہلی

حجاب

ستمبر ۱۹۸۰ء

ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

جلد ۱۲

شمارہ ۹

اس پرچے کی قیمت ۳/-

سالانہ زر تعاون 37/-

وی پی سے 42/-

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت
[ہے کہ] آپ نے حجاب کے لیے جو زر تعاون عنایت فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچے کے ساتھ
ختم ہو گئی۔ آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون ارسال فرمائیں۔
"مینیجر"

[ایجن]ٹ صاحبان نوٹ فرمالیں اکتوبر ۱۹۸۰ء سے حجاب کے ایک شمارہ کی قیمت 3.50 ہوگی۔

ت

مراسلات

و تندرستی

در پردۂ حجاب

الجھنوں کے گرفتار نمبر یا تربیت نمبر

اس سال نومبر [illegible] میں حجاب کا سالنامہ کس عنوان سے شائع ہو جائے؟ اس کے جواب میں حلقہ حجاب کے [illegible] نے جو عنوانات لکھ کر بھیجے ان میں "الجھنوں کے گرفتار نمبر" اور "تعلیم و تربیت نمبر" کے بارے میں [illegible] آئیں۔

[illegible] کے ساتھ یہ خواہش بھی سامنے آئی کہ جس طرح اوہام شکن نمبر میں زیادہ تر کہانیوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اسی طرح اب جو بھی نمبر شائع ہو اس میں وہی انداز اپنایا جائے۔

میرے پاس "الجھنوں کے گرفتار نمبر" اور "تربیت نمبر" کے لیے منتخب مضامین رکھے تھے ان پر [illegible] نمبر مجھ سے جھگڑنے لگے: "الجھنوں کے گرفتار نمبر" کا کہنا تھا کہ میرے اندر جو مضامین ہیں [illegible] کی بنیادی الجھنوں کے لیے جو حل پیش کیے ہیں وہ سب کے سب لاثانی ہیں۔ اس لیے پہلے میں [illegible] "تربیت نمبر" [illegible] حلقہ حجاب کے بھائیوں اور بہنوں کے شعور و دل پر پورا اترتا ہوں۔ مزید یہ کہ دینیات کے سلسلے میں جو [illegible] اور بنیادی مضامین ہیں وہ تربیت کی جان ہیں اس لیے پہلے مجھے چھاپا جائے۔

الجھنوں کے گرفتار نمبر اور تعلیم و تربیت نمبر میں جھگڑا شروع ہوا تو میں نے اپنے ایک نقاد دوست سے [illegible] کرایا۔ انھوں نے کہا کہ پہلے تعلیم و تربیت نمبر شائع کیا جائے۔ اس فیصلے کے بعد تعلیم و تربیت نمبر شائع [illegible] کا فیصلہ کر لیا گیا۔ نومبر [illegible] میں حجاب کا سالنامہ "تربیت نمبر" ہوگا۔ انشاء اللہ۔

ناشر، پرنٹر، پبلشر … محمد اسلم خاں خیرآبادی … رامپور یوپی

اور میں عرض کرتا ہوں کہ

ستارہ ہا شکنم آفتاب می سازم

میں نے بہت سے ستارے حاصل کر کے ایک آفتاب بنایا ہے۔ ان شاء اللہ ان سب کی روشنی میں آپ تعلیم و تربیت کے معاملے پائیں گے جو کی ایک انسان کو ضرورت ہے اور آپ اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کریں گے۔

یہ ہے تربیت نمبر کا اجمالی اور مختصر تعارف۔ تفصیلی تعارف ان شاء اللہ اکتوبر کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اکتوبر ہی کے حجاب میں اس خاص اشاعت کی ضخامت اور قیمت بھی بتادی جائے گی۔ حجاب کے پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ تربیت نمبر کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ وقت پر شائع ہو اور اچھے سے اچھا شائع ہو۔

ڈاک کے ڈاکو

محکمہ ڈاک کے متعلق میرا تاثر یہ ہے کہ یہی ایک محکمہ ایسا ہے جو پوری ذمہ داری کے ساتھ کام کر رہا ہے خدانخواستہ اگر یہ محکمہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر رہا تو ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن حیرت ہے کہ حجاب کی کچھ نہ کچھ کاپیاں راستے میں کہیں گم ہو جاتی ہیں۔ حجاب کے خریدار شکایت کرتے ہیں تو پرچہ دوبارہ بھیجدیا جاتا ہے۔ اگر پرچے ختم ہو جاتے ہیں تو معذرت کر دی جاتی ہے۔

ڈاک میں پرچے کے گم ہونے سے خریداروں کو بڑی کوفت ہوتی ہے وہ بے چارے انتظار کی گھڑیاں گنتے رہتے ہیں پھر جب رسالہ نہیں ملتا تو انھیں تکلیف بھی ہوتی ہے اور ان کے حجاب کا فائل ناقص رہ جاتا ہے ہمارا تجربہ ہے کہ بہت سے خریدار محض اس لیے خریداری ختم کر دیتے ہیں کہ ان کو سال میں چار پانچ پرچے کم پہنچے۔ معلوم نہیں کہ ڈاک کے ڈاکو کون ہیں جو کہیں سے کسی نہ کسی طرح پرچہ اڑا لیتے ہیں۔ حیرت بر حیرت یہ ہے کہ مئی ۱۹۷۳ء میں ہم نے حجاب کی ایجنسیوں کو ان کے بنڈل بھیجے تو کئی ایجنٹوں نے ہمیں لکھا کہ بنڈل میں حجاب کے بدلے مسیحی لٹریچر کی کتابیں نکلیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ ڈاک کا ڈاکو کون ہے؟ (منیجر حجاب رامپور)

اب میں نے تعلیم و تربیت نمبر کے مضامین پر دوبارہ نظر ڈالی۔ اوہام شکن نمبر کی طرح اس کے ابواب قائم کیے۔ ایک باب قائم کیا۔ "ایمانیات"۔ ایمانیات کے تحت وہ سارے مضامین ترتیب دیے جن میں تربیت کے لیے وہ بنیادیں پائی جاتی ہیں جو قرآن پیش کرتا ہے۔ ان مضامین کو میں نے تفہیم القرآن کی مدد سے ترتیب دیا ہے۔

دوسرا باب قرآن کے سات تربیتی قصوں پر مشتمل ہے۔ ان کو میں نے خود اپنے مخصوص انداز بیان اور سادہ زبان میں لکھا ہے۔ ان کو لکھنے اور ترتیب دینے میں پورا ایک سال کھپایا ہے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں دوبارہ انھیں پڑھ کر مطمئن ہوا۔

تیسرا باب مختلف تربیتی کہانیوں کا ہے۔ اس باب میں کچھ لمبی کہانیاں ہیں اور زیادہ تر مختصر۔ ان سب کو میں نے بڑی سختی سے انتخاب کیا ہے۔ میں نے ان کے انتخاب میں اپنوں اور بیگانوں کا امتیاز نہیں کیا۔ بڑی دلچسپ بات ہے کہ حلقہ حجاب کی بعض بچیوں کے سادہ سے مضامین انتخاب میں آ گئے اور بعض بڑے لوگوں کے القط ہو گئے، اور اس سے زیادہ دلچسپ یہ کہ بعض غیر معروف ادیبوں کے مقابلے میں خود میرے لکھے ہوئے افسانے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

میں نے ترتیب میں نہ آئے ہوئے اپنے افسانوں کا ازالہ دو طویل افسانوں سے کیا۔ ایک ہے "اور میں جماعت اسلامی کا ممبر ہو گیا۔" اور دوسرا ہے "سعد و سلمیٰ" نامی ناول جو کئی ماہ سے قسط وار حجاب میں آ رہا ہے اور جس کے بارے میں اب حلقہ حجاب کا اصرار شروع ہو گیا ہے کہ اسے جلد سے جلد کتابی شکل میں پورا کا پورا شائع کر دیا جائے۔

منتخبات۔ یہ کوئی باب نہیں ہے بلکہ کچھ ایک ایک صفحے کے تیر و نشتر اقتباسات ہیں جو مولانا مودودی، سید قطب، محمد قطب اور مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کی کتابوں سے میں نے خود چنے ہیں۔ یہ سب ایک جگہ نہیں ہیں بلکہ الگ الگ جگہوں پر اس طرح ترتیب پائے ہیں گویا انگوٹھی میں ہیرا جڑ دیا گیا ہے۔

اسلامی معاشرے میں عورت کے بنیادی حقوق

• مذہب کی آزادی

قرآن کا کھلا حکم ہے۔ "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ اس حکم کی بناء پر کسی عورت کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جا سکتا۔ تاریخ اسلام میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو۔

یہ تو بہت اونچی بات ہے۔ دوسرے نمبر کی بات سنئے! کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کو برا کہے۔ قرآن میں ہے کہ:

یہ لوگ جن خداؤں کو پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو۔ (انعام ۱۰۸)

• برابری کا حق

قرآن نے تمام انسانوں کو چاہے وہ مرد ہوں یا عورت انسان کی حیثیت سے برابر کا حق دیا ہے بڑا اور بہتر اُسے بتایا جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔

سورہ حجرات آیت ۱۳ میں ہے۔

• اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو قبیلوں اور برادریوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو لیکن اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ و برتر اور شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔"

اس آیت کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں اس طرح فرمائی۔

(قمر رسولپوری)

دودھ فروش کی بیٹی

عمرؓ فاروقِ اعظم دبدبہ تھا جن کی عظمت کا
زمانے کی زباں پر تذکرہ تھا ان کی شہرت کا

عجب معمول تھا اُن کا وہ راتوں میں نکلتے تھے
یہ دنیا سوتی ہوتی تھی تو حضرت گھر سے چلتے تھے

وہ اک شب جا رہے تھے اُن کے کانوں میں صدا آئی
وہیں پر رک گئے آہٹ خلیفہ نے ذرا پائی

کہا دختر سے ماں نے دودھ میں پانی ملا دینا
سلیقے سے ذرا اُس دودھ کو بیٹی بڑھا دینا

کہا بیٹی نے وہ کل جو منادی کرنے آیا تھا
امیر المومنین کا حکم ہم سب کو سنایا تھا

کہا تھا دودھ میں پانی اگر کوئی ملائے گا
تو ایسے جرم کی بیشک سزا سخت پائے گا

یہ سنکر ماں پکاری اور پھر اس طرح سے بولی
خلیفہ کو بھلا اس بات کی کیسے خبر ہوگی

نہ کوئی دیکھنے والا نہ کوئی سننے والا ہے
یہاں پر اپنا گھر ہے اور اپنا بول بالا ہے

کہا بیٹی نے امی مجھ سے ایسا ہو نہیں سکتا
ملاؤں دودھ میں پانی مبادا ہو نہیں سکتا

یہ مانا اپنا گھر ہے کون ہم کو دیکھتا ہوگا
کوئی دیکھے نہ دیکھے پر خدا تو دیکھتا ہوگا

سُنی فاروقؓ نے یہ بات تو دل میں اُتر آئی
کہ یہ لڑکی دیانتدار ہے ایماں کی شیدائی

بنا دے گی یہ لڑکی گھر کو جنت جس کے گھر جائے
یہ باتیں دل ہی دل میں سوچ کر وہ گھر پلٹ آئے

ضعیفہ کے یہاں پھر صبح کو پیغام بھجوایا!
قرابت کے لیے بڑھیا کو اپنے پاس بلوایا

کہا تم اپنی دخترِ نیک اختر کو اگر دے دو
کروں گا عقد بیٹے سے خوشی سے تم اگر چاہو

ضعیفہ نے خوشی سے بات یہ منظور فرمائی
تو شادی کی عمرؓ فاروق نے تقریب ٹھہرائی

بہو بن کر خلیفہ کی یہ لڑکی اُن کے گھر آئی!
غریبی میں دیانت کا وہ تحفہ ساتھ میں لائی!

اب دیکھئے اس پر کہاں تک عمل ہوا۔ سب سے پہلے حضورؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن کی شادی زید بن حارثہؓ سے کی۔ جو غلام رہ چکے تھے۔ پھر ایک بار ایک عورت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: کون ہے جو اس جنتی عورت کے ساتھ شادی کرے؟ حضرت زیدؓ نے سب سے پہلے کہا۔ میں۔ حضورؐ نے انہی کے ساتھ اس عورت کی شادی کر دی۔ اس عورت سے اللہ تعالیٰ نے اسامہؓ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ جسے حضورؐ نے نو عمری ہی میں اسلامی فوج کا سپہ سالار بنایا جس میں ابوبکرؓ، عمرؓ جیسے لوگ سپاہیوں میں تھے۔

سعد سلمیٰ ایک نوجوان مسلمان تھا۔ بڑا بہادر تھا۔ نہایت قوی آدمی تھا۔ لیکن شکل و صورت کا اچھا نہ تھا۔ اس نے آکر حضورؐ سے اپنے بیاہ کے لیے عرض کیا۔ یہ بھی کہا کہ غریب اور بدشکل ہونے کی وجہ سے کوئی مجھے لڑکی نہیں دیتا۔ آپؐ نے مدینے کے ایک رئیس شخص کے گھر بھیجا اور کہا کہ اس انصاری کی ایک لڑکی ہے جاکر پیغام دو۔ سعد سلمیٰ گئے۔ پیغام دیا۔ انصاری نے دھتکار دیا۔ اتفاق کی بات کہ لڑکی اوٹ سے سن رہی تھی۔ اس نے باپ سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ یہ نوجوان اللہ کے رسولؐ کی طرف سے آیا تھا۔ بلا بھیجئے۔ اس سے پہلے کہ وہ رسول اللہؐ کے پاس پہنچے۔

انصاری دوڑتا ہوا گیا۔ راستے میں سعد کو پایا۔ معافی مانگی۔ واپس لائے اور شادی کر دی۔

یہی وہ سعد سلمیٰ ہیں جو اسی رات کو جب کہ بیوی کو پہلی بار دیکھا تھا اور اس کا حسن و جمال دیکھ کر مبہوت ہو رہے تھے لیکن اچانک کانوں میں الرحیل الرحیل کی آواز آئی۔ بیوی کو سلام کیا اور کہا کہ جہاد کے لیے بلایا جا رہا ہے۔ زندگی رہی تو پھر ملوں گا۔ السلام علیکم کہہ کر اٹھے۔ لشکر اسلام میں پہنچے دوسرے دن شہیدوں میں ملے۔ حضورؐ نے ان کو جنت کا دولہا فرمایا ہے۔

بکسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی بڑائی نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر۔ نہ کسی گورے کو کالے
پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر لیکن جو تقویٰ میں بڑھ جائے؟

تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑائی کی دلیل بتایا۔ اور سنئے سورہ حجرات
ما ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ایک جگہ اور فرمایا: الخلق عیال اللہ
اری خلقت اللہ کا گھرانہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھول کر سمجھایا:۔

• میں شہادت دیتا ہوں کہ سارے انسان بھائی بھائی ہیں؟

یہ سب محض زبانی جمع خرچ نہیں ہے۔ اس پر اسی وقت سے عمل شروع ہوگیا تھا اور برابری
احق ملنے لگا تھا۔ مردوں کی مثالیں چھوڑئے۔ عورتیں ہمیشہ سے کچلی جاتی رہیں۔ انھیں خوب گرایا جاتا
۔ہاں حتیٰ کہ انھیں سانپ بچھو اور شیطان کا ایجنٹ تک کہہ دیا گیا۔ اسلام نے کیا حکم دیا۔

• قرآن اور حدیث میں لڑکوں کی پیدائش پر کہیں کوئی خاص خوشخبری نہیں ملتی لیکن لڑکیوں کی
یدائش پر بشارتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ کے فرشتے اس کے
گھر آتے ہیں اور بچی کی ولادت پر مبارکباد دیتے ہیں۔ بچی پر اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں۔

اور مثلاً یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اور دو کی تعداد کا نام لے کر فرمایا کہ جس کے یہاں
تین یا دو لڑکیاں ہوں اور وہ انھیں اچھی تعلیم و تربیت دے کر اچھے گھر بیاہ دے تو ایسے والدین
کو حضورؐ نے جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ اگر حضورؐ سے کوئی پھر پوچھ
لیتا کہ یا رسول اللہ! اور اگر کسی کے گھر ایک ہی لڑکی ہو تو حضورؐ آپ سے بھی یہی بشارت دیتے۔

اور یہ تو ہم کو آپ کو سب کو یاد ہے کہ عرب میں اور دنیا میں کہیں کہیں بچی کی پیدائش پر
باپ کی ناک کٹ جاتی تھی اور وہ اُسے زندہ گڑوا دیا کرتا تھا۔ ایک صاحب نے اپنی ۱۱ بچیوں کو
اس طرح دفن کیا پھر جب مسلمان ہوئے اور بچیوں کے بارے میں بشارتیں سنیں تو رو پڑے۔ پوچھا
گیا۔ کیا بات ہے ؟" تو انھوں نے حال بتایا۔ خود روئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رُلایا۔

یہ احساس ہوتا جا رہا ہے کہ ان کا مقام کیا ہے، ان کی شخصیت کیا ہے؟ اور اس ہستی میں چھپے ہوئے وہ کون سے جوہر ہیں جن کی بدولت وہ افتخار کی منازل طے کرتی رہی ہیں جو کبھی خدیجہؓ بن کر رسولؐ کو سہارا دیتی ہے، کبھی عائشہؓ بن کر صحابہؓ کو علم دین عطا کرتی ہے، کبھی فاطمہؓ بن کر حسینؓ کو تعلیم عزیمت دیتی ہے اور کبھی اسماءؓ بن کر عبداللہؓ بن زبیرؓ کو منصب شہادت سے سرفراز کرتی ہے۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک مختلف قسم کے استحصالات نے ان کے اندر ایک طرح کا احساس کمتری پیدا کر دیا ہے جو اب ردعمل کی صورت میں اپنی ہستی کی اہمیت کو کچھ غیر مناسب شکل میں ابھر رہا ہے اور اپنی اہمیت کو منوانے کے لیے وہ عدم توازن کا شکار ہو کر اعتدال سے تجاوز بھی کر جاتی ہیں۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ صرف ان کے ایک ستون کے رنگ و روغن اور مضبوطی کی بدولت عمارت نہیں قائم ہے۔ بلکہ دوسرا ستون بھی اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے۔ گو یہ اعتراف انھوں نے بڑے دبے لفظوں میں کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے مفر نہیں تھا لیکن زور بیان جس بات کو منوانے پر صرف کیا وہ یہ تھا کہ "مرد تو ہمیشہ بیساکھیوں اور سہاروں کا محتاج کا محتاج رہا ہے" اور یہ کہ سوائے (عورت) کے سہارے کے بل بوتے پر کامرانی حاصل کرتا ہے۔ یک گونہ اس کی اہمیت تسلیم بھی کی تو اس طرح کہ بے شک وہ سہارا لیتی ہے ہاں یہ بات اور ہے کہ اس سے بدرجہا زیادہ سہارا دیتی ہے۔ اور پھر آخر یہ کہہ ہی دیا کہ "مجموعی اعتبار سے مرد قدم قدم پر عورت کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔"

ان کے وجود کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ وہ نصف انسانیت ہیں، ان کے تقدس نے مرد کے لیے جو کشش اور سکون رکھا ہے وہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ یہ باتیں تسلیم کرتے ہوئے آپ آئیے ذرا چند بنیادی حقائق پر غور کریں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ واقعی کون سہارا لیتا ہے اور کون دیتا ہے۔ عورت کی ساخت اور اس کی نفسیات پر ہی اگر غور کر لیا جائے تو اس حقیقت تک بآسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ وہ سہارا لیتی ہے سہارا دینے کی بات تو بعد میں آتی ہے۔ اس کی جسمانی نزاکت اس بات کی متقاضی ہے کہ دو مضبوط بازو اسے اپنی پناہ میں لے کر اسے کسی بھی طرح کی ٹھیس اور نقصان پہنچنے سے بچائیں اس بیش قیمت آبگینے کو اپنی حفاظت میں لے کر

(امرانا حسن جاوید)

عورت سہارا دیتی بھی ہے لیتی بھی

میں نے اس بحث کو ختم کر دیا تھا لیکن امرانا حسن جاوید صاحب نے ایک نیا اہم رخ پیش کر کے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم اسے ضرور شائع کریں۔ یہ رخ کہ عورت پہلے سہارا دیتی ہے لیتی بعد میں ہے۔ ہم سب کی نظروں سے اوجھل رہا۔ (م)

حجاب کے گزشتہ شماروں میں "عورت سہارا دیتی ہے لیتی نہیں" کا عنوان کافی مرکز توجہ بنا رہا۔ بیرون اور اندرون ملک کی خواتین نے اس پر خوب اظہار خیال کیا گرچہ کچھ مردوں نے بھی خامہ فرسائی کی لیکن زیادہ تر خواتین ہی اپنی آپ وکیل بنی رہیں۔ خود ہی مقدمہ پیش کرتی رہیں۔ اور خود ہی فیصلہ بھی سناتی رہیں۔ میں نے ساری بحثوں کو پڑھا اور غور بھی کیا۔ کچھ باتیں میرے ذہن میں آئیں تو سوچا کہ پیش کر دوں۔

یہ موضوع ہی کہ "عورت سہارا دیتی ہے لیتی نہیں" بالکل یک طرفہ ہے جس سے مرد کی پوری شخصیت اور اس کے کارناموں کی نفی ہو جاتی ہے اور اس کا کردار مجروح ہوتا ہے۔ بات اگر اس طرح سے کہی جائے کہ عورت سہارا لیتی بھی ہے اور دیتی بھی ہے تو مناسب بات ہوگی۔

میرا خیال ہے کہ دونوں ہی تہذیب و تمدن کے دو بنیادی ستون ہیں جن پر کار و بار حیات کی عمارت قائم ہے۔ کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت اس طرح نہیں دی جا سکتی کہ دوسرے کی اہمیت کم ہو جائے یا سرے سے اس کا کردار اور کارنامہ ہی مجروح ہو جائے۔

یہ بڑی اچھی بات ہے کہ آج کی خواتین میں اپنی اہمیت کا احساس اور شعور بیدار ہو رہا ہے۔ انھیں

ایمان افروز کہانی

سعدی کی واپسی

مائل ملیح آبادی

محبت، ایمان اور یقین کی ملی جلی داستان

قیصر و کسریٰ کی جنگ کا ایک دلچسپ باب

دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رکھیں اور وہ اس کے مضبوط قلعے میں آکر اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے اور اسے مزید پروان چڑھا سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب اسے ان بازوؤں کا سہارا اور حفاظت نہیں ملی تو وہ اپنی ہستی کی انفرادیت اور اپنی شخصیت کا فطری حسن برقرار نہیں رکھ سکی۔ ان بازوؤں سے بے نیاز ہو کر یا ان سے بے زار ہو کر اگر اس نے اپنے دست و بازو پر کلی بھروسہ کر کے زندگی کی گاڑی کو تنہا کھینچنا چاہا تو گاڑی کھینچ تو پائی نہیں ہاں اسے ہی دوسروں نے کھینچ کر دلدل میں ڈال دیا اور وہ اس میں پھنس کر ہاتھ پاؤں مارتی رہ گئی۔

اس کی نفسیات کا نیاز مندانہ پہلو بھی قابل غور ہے جو اس سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ کوئی اس کے لئے چھتر چھایا بنے۔ عقلی طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اگر سہارا دیتی ہے تو اپنی ہستی کی بقا کے لیے تاکہ اس کی ذات روشن اور تابناک بن سکے۔ دلیل میں ہر بیوی اپنے دل میں جھانک کر خود فیصلہ کر لے۔

عورت کے مختلف روپ سے قطع نظر کرتے ہوئے عورت کو عورت کی حیثیت سے دیکھئے، ماں بہن، بیٹی وغیرہ کے روپ تو اس وقت عالم وجود میں آئے جب مرد نے اس کا سہارا بن کر زندگی کی کشتی میں اسے اپنے ساتھ لیا۔

میرے خیال سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عورت پہلے سہارا لیتی ہے اور مرد کا سہارا پا کر اس کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے اس کے حسن میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور اس کے جوہر آشکارا ہوتے ہیں تبھی وہ خدیجہؓ عائشہؓ، فاطمہؓ اور اسماءؓ بنتی ہے۔ اگر اسے یہ سہارا میسر نہ ہو تو وہ بغیر انجن کے ٹرین کا ایک ایسا ڈبہ ہوگی جو غیر متحرک ہوگا اور اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا جب تک اس میں انجن نہ لگ جائے جو اسے زندگی کی پٹریوں پر دوڑاتا ہوا منزل مقصود کی طرف لے جائے۔

استثنائی واقعات کو الگ رکھ کر دیکھئے کہ ایسے واقعات صنف نازک ہی میں نہیں بلکہ جنس غیر نازک میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں لیکن عورت سہارا بھی دیتی ہے جس کا اعتراف نہ کرنا ناشکری کی بات ہوگی۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ وہ سہارا لیتی پہلے ہے خود بعد میں سہارا دیتی ہے۔

یاد رکھئے، اکتوبر ۸۱ء سے حجاب کے ایک شمارے کی قیمت تین روپے پچاس پیسے۔ منیجر

۲

ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی پہنچانے کو

"میرے خیال میں وہ سامنے والی چٹان ہمارے لئے محفوظ مقام ہے" ایک شہسوار نے دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دوسرے سوار نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی۔ بولا:

"بے شک اس کے نیچے ہم کچھ دیر آرام کر سکتے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے نا! ہم کچھ کھا پی لیں۔ اتنی دیر میں ہمارے راہوار بھی دم لے لیں گے۔"

"واللہ، ہم بھوکے ہیں اور ہمارے پاس اللہ کا دیا ہوا رزق موجود ہے۔"

اس مختصر بات چیت کے بعد دونوں شہسوار گھوڑوں سے اتر پڑے۔ زین اتار کر بچھائی اور گھوڑوں کی گردنوں پر تھپکی دے کر چگنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ان سے اس طرح گویا ہوئے جیسے وہ ان کی بولی سمجھتے ہوں "غازیو! دور نہ جانا" گھوڑوں نے گردن جھکائی، ہنہنائے اور ایک طرف چل دئے۔

شہسواروں نے زین پر بیٹھ کر تھیلوں سے کھجوریں نکالیں، مشکیزہ سامنے رکھا۔ ایک شہسوار جو کم عمر تھا، اس کی مسیں بھیگ رہی تھیں، اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا، مسکرایا "بسم اللہ کیجئے رفیق سفر" اور ایک بڑی سی علوا کھجور اس کی طرف بڑھا دی۔ دوسرے شہسوار نے جس کی مونچھیں صاف نظر آرہی تھیں "بسم اللہ، بارک اللہ" کہہ کر کھجور لے لی۔

اب دونوں کھجوریں کھا رہے تھے اور باتیں کرتے جا رہے تھے۔ کمسن شہسوار نے پوچھا:-

"اس وقت ہم کہاں ہیں؟"

"اس وقت ہم بحیرۂ اسود کے راستے پر طرابزون کے علاقے میں ہیں۔"

اب تک کی کہانی کا خلاصہ

سعد اوسی اور سلمیٰ خزرجی یثرب کے مشہور قبیلے کے دو خاندانوں اوس اور خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ یہ دونوں خاندان برسوں سے باہم جنگ کرتے رہے تھے۔ ان کی آخری جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس لڑائی میں دونوں خاندانوں کے نامور بزرگ اور بہادر نوجوان کام آئے۔ دونوں خاندانوں میں سے اب کسی میں اتنا دم نہیں رہا تھا کہ کوئی اور لڑائی مول لیتے۔ اب وہ کوئی ایسی تدبیر سوچ رہے تھے کہ اللہ کا کوئی بندہ دونوں خاندانوں کے دلوں کو جوڑ دے۔

جنگ بعاث کے بعد ایک دن اوس کا ایک نوجوان بھوکا پیاسا بھٹکتا ہوا کسی عالم میں ایک نخلستان میں چلا گیا۔ یہ نخلستان خزرج کے ایک رئیس کا تھا۔ رئیس کی لڑکی سلمیٰ خزرجی اس وقت نخلستان کی نگرانی کر رہی تھی۔ اس نے ایک نوجوان کو آتے دیکھا۔ اس نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ میزبانی کے فرائض انجام دیتے۔ اسے کھجوریں کھلائیں۔ چشمے کا صاف ستھرا پانی پلایا۔ یہ دونوں نہایت خوبصورت تھے۔ ان کی خوبصورتی نے ایک دوسرے کو متاثر کیا لیکن جب انھیں یہ پتہ چلا کہ ہم ایک دوسرے کے مخالف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں تو دونوں گھبرائے۔

بات چیت کے دوران سعد اوسی نے بتایا کہ مکے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ان کا چرچا یثرب میں بھی ہو رہا ہے تو دونوں نے مشورہ کیا کہ ہماری محبت چھپ نہ سکے گی۔۔ کیوں نہ سعد مکے چلا جائے اور دیکھے وہاں کیا ہو رہا ہے۔

سعد اوسی مکے گیا۔ وہاں اس نے اچھی طرح تحقیق کی۔ واپس آکر پھر اسی نخلستان میں سلمیٰ سے ملا۔ حال بتایا۔ اس نے کہا کہ میں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی مان لیا ہے۔ سلمیٰ نے تفصیل پوچھی تو اس نے وہ داستان بیان کی جو قیصر و کسریٰ کی جنگ سے متعلق تھی۔ سلمیٰ سن کر مسلمان ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں میں طے ہوا کہ یہاں سے نکل جانا چاہیے اور چل کر قیصر کی مدد کرنا چاہیے۔ وہ دونوں یثرب سے نکل گئے اور قیصر کو تلاش کرتے ہوئے بحر اسود کے راستے پر جا پہنچے۔ اس کے بعد کہانی اس طرح ہے۔

پشت پر تھے۔ نیزے پر ہاتھ ڈالا اور الٹا پھینک کر گھوڑے ایک طرف سرپٹ بھاگے۔

سامنے گرد اڑتی دکھائی دی۔ گرد کے اندر جنگی نعروں کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"واللہ قتال!" پہلے شہسوار نے چھوٹے کی طرف دیکھا۔

"واللہ قیصر کو گھیر لیا گیا!"

"ہمیں جلد اس کی مدد کو پہنچنا ہے۔"

"ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے!"

دونوں نے رکاب پر زور ڈالا۔ گھوڑوں کی گردنوں پر تھپکی دی۔ نیزے تانے گھوڑے دوڑا دیئے اور گرد میں گھس گئے۔

قیصر کا میمنہ ایرانیوں نے تباہ کر دیا تھا اور اسے بُری طرح گھیر لیا تھا۔ قیصر ان سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا مگر راہ فرار نہ پا رہا تھا۔ اس کی وفادار فوج جو بہت تھوڑی تھی وہ بھی منتشر تھی اور ایرانیوں کے نرغے میں مجبور محض ہو رہی تھی۔

ایرانی سپہ سالار اپنی فوج کو للکار رہا تھا "بہادرو! قیصر بچ کر نہ جانے پائے!" اور وہ قیصر کی طرف بڑھا۔ قیصر اس کی زد میں آ چکا تھا۔ وہ بے چارا مدافعانہ جنگ بڑی مایوسی کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ ایرانی سپہ سالار اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ چاہتا تھا کہ تلوار کا وار کر کے اس کی گردن اڑا دے، اچانک کسی نے بڑی پھرتی سے نیزہ مارا۔ نیزہ اس کے پہلو میں لگا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ قیصر نے مڑ کر اپنے بچانے والے کو دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ دو شہسوار اس کے گرد نہایت بہادری سے اس کا بچاؤ کر رہے تھے۔ وہ دونوں اب تلواریں چلا رہے تھے اور ان کا وار خالی نہ جاتا تھا۔ ان دونوں کے حملے نے ایرانیوں میں کھلبلی مچا دی۔ ایرانی سپہ سالار کے مرتے ہی قیصر کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے اپنے وفاداروں کو پکارا:

"عیسیٰ مسیح کی قسم ایرانی سپہ سالار مارا جا چکا ہے۔ اب ایرانی فوج سپہ سالار کے بغیر لڑ نہیں سکتی۔" عیسائی سمٹ کر قیصر کی طرف بڑھے اور جم کر لڑنے لگے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ دو غیبی فرشتے بروقت

"ہمارے پاس یثرب کا پانی ختم ہوچکا ہے۔ یہ کھجوریں بھی دو چار دن میں ختم ہوجائیں گی۔"

"اللہ رازق ہے۔ کیا تم کو اس پر بھروسہ نہیں؟"

"واللہ اللہ رازق ہے۔ لیکن یثرب کے پانی میں جو قوت ہے وہ کہیں اور کہاں۔"

"بے شک یثرب کا پانی اور حلوا کھجور ہمارا حصہ ہے۔"

"وہاں مغرب سے بحرِ قلزم کی لطیف ہوا کس درجہ مستی کے ساتھ یثرب میں داخل ہوتی ہے؟"

"انشاء اللہ ہم پھر اسی جنت کی طرف لوٹیں گے۔"

"مگر کب؟ ہم کتنے دنوں سے سرگرداں ہیں لیکن منزل کا کہیں پتہ نہیں ہے!"

"ہمارا اللہ ہمارے لئے راستہ پیدا فرمادے گا۔"

"کیا خیال ہے، ہمیں غلط اطلاع تو نہیں ملی؟"

"نہیں ہم بالکل ٹھیک آئے۔"

"تم کہتے تھے کہ طرابزون کے علاقے میں ہم قیصر سے مل جائیں گے۔"

"ہوسکتا ہے کہ قیصر کو ایرانیوں نے کہیں گھیر لیا ہو۔"

"لاالٰہ الا اللہ۔ اس غریب کے لئے صرف یہی راہ تھی۔ کیا ہم اس کے لئے دعا کریں؟"

"دعا تو ہمیں کرنی چاہئے۔"

دونوں نے اپنا اپنا مشکیزہ اٹھا کر منہ سے لگایا۔ الحمد للہ ان کی زبان سے نکلا۔ پھر دونوں نے ایک ساتھ کہا "واللہ، پانی میں زندگی ہے"۔ انھوں نے مشکیزے ابھی رکھے نہ تھے کہ ان کے گھوڑے چکتے چکتے ہنہنائے۔ انھوں نے اپنی کلاں راس گردنیں اونچی کیں، ایک طرف دیکھا، ٹاپیں زمین پر ماریں، اپنے شہسواروں کی طرف بڑھے، پاس آئے اور اس طرح کھڑے ہوگئے گویا کہہ رہے ہوں کہ جلدی سوار ہوجاؤ، خطرہ سامنے ہے۔

شہسواروں نے جھٹ زین گھوڑوں پر ڈالی، بند کسے، اچھلے اور اب وہ غازیوں کی

ایک شکست میں مدد کیوں کی؟"

"ہم جانتے تھے کہ آخر میں فتح آپ کو ہوگی۔"

"عیسیٰ مسیح کی قسم تم دونوں فرشتے ہو۔"

"نہیں، ہم واقعی انسان ہیں۔ یہ دیکھئے میرے سینے پر تلوار کا تازہ زخم موجود ہے۔" سعد نے اپنا سینہ کھول کر دکھایا۔

"اگر تم فرشتے نہیں ہو تو تم کو کیسے معلوم ہوا کہ آخر میں فتح ہماری ہوگی؟"

"ہمیں اللہ کے ایک نبی نے خبر دی۔"

"اللہ کے نبی نے! تم کس کا ذکر کر رہے ہو؟"

"اے قیصر! خدا کی قسم فارقلیط کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ اس کا عربی نام احمد ہے۔ اسمہٗ احمد۔ خدا کی مقدس کتاب انجیل گواہ ہے۔ اور اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی آمد کی خبر دی ہے۔"

"اسمہٗ احمد، اسمہٗ احمد، افسوس کہ ہمارا لاٹ پادری ایرانیوں کے قبضے میں ہے۔ وہ ہوتا تو تمہاری بات کی تصدیق کرتا۔"

"آپ یقین کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی بنایا اور اس کے ذریعے ہمیں خبر دی کہ دس سال کے اندر روم ایران پر غالب آجائے گا۔"

"کیا اس پر کوئی آیت اتری؟"

"بے شک۔"

"ہمیں وہ آیت سناؤ۔"

"سنئے، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ③
فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰہِ ؕ

مدد کو آگئے اور انہوں نے دیکھتے دیکھتے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ سپہ سالار کے بغیر فوج زیادہ دیر ٹھہر نہ سکی۔ بھاگ کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر میں میدان ایرانیوں سے پاک ہو چکا تھا۔ قیصر نے پکارا:

"غیبی فرشتو! عیسیٰ مسیح کی قسم تم بر وقت پہنچے۔ ہمارے پاس آؤ۔ بتاؤ تم کون ہو؟" دونوں شہسوار قیصر کے پاس پہنچے۔ بولے:

"آپ ذرا دم لے لیں۔ فوج کو پہاڑ کے دامن میں پناہ لینے کو فرمائیں۔ ہم اپنا پورا تعارف کرائیں گے۔ یقین کیجئے، خدا آپ کی پشت پر ہے۔"

قیصر بہت خوش ہوا۔ فوج کو دامنِ کوہ میں اترنے کا حکم دیا۔ جلدی جلدی زخمیوں کی مرہم پٹی ہوئی۔ پہاڑ کے دامن میں دربار لگا۔ قیصر نے دونوں شہسواروں کو اپنے قریب جگہ دی۔ تپاک سے ملا۔ پھر بولا:

"میں اپنے محسنوں کا نام اور ان کا مقام معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" قیصر کے اس استفسار کا جواب بڑی عمر کے شہسوار نے اس طرح دیا:

"اے قیصر! پورا عشرہ ہو گیا۔ ہم آپ کی تلاش میں تھے۔ ہم آپ کو اللہ رب العزت کی نوید سنانا چاہتے تھے۔"

"نوید؟ عیسیٰ مسیح کی قسم کیا تم فرشتے ہو؟"

"نہیں۔ ہم آپ کی طرح گوشت پوست کے انسان ہیں۔"

"میں اپنے محسنوں کے نام جاننا چاہتا ہوں۔"

"میرا نام سعد اوسی ہے اور یہ میرے ساتھ سلمیٰ خزرجی میرے چچا کی بہادر اور جانباز بیٹی ہے۔" سعد نے سلمیٰ کی طرف اشارہ کیا۔

"بے شک یہ بہت ہی بہادر ہے۔ اس نے ایرانی سپہ سالار کو اپنے نیزے کا شکار بنایا۔ عیسیٰ مسیح کی قسم یہ میری بیٹی ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ تم دونوں کا تعلق کس ارضِ مقدس سے ہے؟"

"ہم دونوں یثربی ہیں۔"

"ہم جانتے ہیں۔ یثرب کے لوگ اکثر شام میں تجارت کو جاتے ہیں۔ مگر ہمیں حیرت یہ ہے کہ تم دونوں نے

"جانتا ہوں۔ ابوسفیان نے اس نبی کا یہی عقیدہ بتایا تھا"

"پھر سنئے، آپ کے پاس ظالم خسرو کا وہ خط موجود ہوگا جس میں اس نے آپ سے بیہودہ بدتمیزی کی تھی کہ آپ قیصر اپنا دین عیسوی چھوڑ کر مذہب زرتشت اختیار کرے تب ہی پناہ دی جا سکتی ہے۔ بالکل اسی طرح کفار نے کہا کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ کر پھر سے ماں باپ کا مذہب اختیار کر لیں تب ہی وہ مکے میں رہ سکتے ہیں۔"

"تو کیا مسلمانوں کو مکے سے بھگایا اور قتل کیا جا رہا ہے؟"

"اے قیصر! بہت سے مسلمان آپ کے دوست ملک حبشہ میں چلے گئے اور وہاں پناہ گزین ہیں۔ کیا آپ نے سنا نہیں کہ شاہ حبشہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی تسلیم کر لیا ہے۔"

"سنا ہے۔ لیکن فتح کی تفصیل اور بیان کرو۔"

"تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ نے قسطنطنیہ سے ہجرت کی اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے یثرب جائیں گے جب ہمارے حضور (بے ساختہ قیصر کی زبان سے صلے اللہ علیہ وسلم نکل گیا) یثرب پہنچیں گے تو اوس اور خزرج جو دونوں قبیلے آپس میں لڑتے رہتے ہیں ان کے دل جڑ جائیں گے۔"

"عیسیٰ مسیح ایسا ہی کرے۔"

سعد نے سلے کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرائی اور قیصر کی نگاہوں میں بھی خوشی جھلک گئی۔ سعد کہتا رہا،

"پھر اللہ کا وعدہ پورا ہوگا۔ واللہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہ خبر اللہ نے اپنے سچے نبی کو دی ہے۔ اے قیصر! اس دن مسلمانوں کو دوہری خوشی ہوگی۔"

"دوہری خوشی کیسی؟"

"ایک خوشی یہ کہ وہ کفار مکہ پر غالب آئیں گے۔ دوسری خوشی یہ کہ آپ ایرانیوں پر فتح پائیں گے۔"

"ہماری خوشی سے مسلمانوں کا کیا تعلق ہے؟"

"مسلمانوں پر کفار مکہ نے طنز کیا ہے کہ جس طرح ایرانیوں نے رومیوں کو ذلیل کیا ہے اسی طرح تم ذلیل ہوگے۔ تو جب آپ فتحیاب ہوں گے تو کفار مکہ کا طعنہ ان پر الٹ جائے گا اور مسلمان خوش ہو کر ان سے

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ الروم ۱ تا ۶)

ا. ل. م. رومی قریب کی سرزمین میں ہار گئے ہیں اور اپنی ہار کے بعد چند برسوں کے اندر وہ جیت جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر بہت سے لوگ نادان ہیں:

قیصر ان آیتوں کو سن کر رو پڑا۔ اس کے وفاداروں کی پلکیں بھی بھیگ گئیں۔ اس نے یہ آیتیں پھر پڑھوا کر سنیں، پھر بولا:

"سعد اوسی! عیسیٰ مسیح تم پر مہربان ہو۔ یہ بتاؤ کہ مسلمان ہماری فتح سے کیوں خوش ہوں گے؟"

"اے قیصر! جس دن آپ کو فتح ہوگی اسی دن اللہ کے نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مسلمان کفارِ مکہ کو شکستِ فاش دیں گے۔"

"کیا مسلمانوں کا حال ہم سے ملتا جلتا ہے؟"

"بالکل، اے قیصر!"

"ہمیں سمجھاؤ۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک بار مکے کا ابوسفیان ہمارے دربار میں آیا تھا۔ وہ اس نبی کا ذکر کرتا تھا۔"

"مکے کے مسلمان اسی طرح مظلوم ہیں جس طرح آج ایرانیوں کے مقابلے میں رومی مظلوم ہیں۔ جس طرح آپ اللہ، آخرت اور نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح مسلمان توحید، رسالت اور آخرت کے قائل ہیں اور جس طرح مکے کے کفار بت پرست اور ستارہ پرست ہیں اسی طرح ایرانی بھی۔ یہ مماثلت آپ بھی جانتے ہیں۔"

"بے شک۔ مسیحی کلیسا کے اسقفِ اعظم کو میں کو یہ سارا حال لکھوں گا اور اس سے درخواست کروں گا کہ وہ ہمیں گرجاؤں کے نذرانوں کی جمع شدہ رقم سود پر قرض دے۔"

"سود پر؟" سعد نے اپنے ہونٹ چبائے۔

"ہاں۔ جب تک اسقف پیسے سے ہماری مدد کرے کیوں نہ ہم نقشۂ جنگ بنائیں اور اسی کے مطابق ایران کی طرف پیش قدمی کریں۔"

"ہمیں کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

"بے شک۔ ہمیں تین برس ہوئے۔ ہم مارے مارے پھر رہے ہیں۔ پیشین گوئی کے مطابق ہمارے پاس صرف سات برس ہیں۔ آؤ بیٹھیں اور مشورہ کریں۔"

قیصر نے دربار برخواست کر دیا۔ چند چیدہ چیدہ مشیر رہ گئے اور مشورہ ہونے لگا۔

"اے شہنشاہ! میری رائے ہے کہ ہم روم کی طرف بڑھیں۔ روم ہمارا ملک ہے۔ یقیناً رومی ہمارا ساتھ دیں گے۔" ایک مشیر نے رائے دی۔

"لیکن پورا روم خسرو کے تسلط میں جا چکا ہے اور رومی ہماری پسپائی سے واقف ہو چکے ہیں۔ وہ ڈرے اور سہمے ہوئے ہیں۔"

"اے شہنشاہ! میری رائے ہے کہ ہم قرطانیہ واپس چلیں۔ قرطانیہ ہمارا محفوظ قلعہ ہے۔" دوسرے مشیر نے مشورہ دیا۔

"مگر اس پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہم اسے واپس نہیں لے سکتے۔"

"تو پھر ہمیں اسی جگہ ٹھہر کر اسقفِ اعظم کی مدد کا انتظار کرنا چاہیے۔"

"مگر اس جگہ ہم محفوظ نہیں رہ سکتے۔ دو تین دن کے اندر خسرو پرویز کی فوج اس جگہ پہنچ جائے گی اور ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔ کیوں سعد! تم نے کوئی رائے ابھی تک نہیں دی؟"

"میں اپنے والد کے ساتھ اس علاقے میں بغرض تجارت آ چکا ہوں۔ میں سب سے پہلے الشہ سے

کہیں گے کہ دیکھو اللہ کے نبی کی پیشین گوئی پوری ہو کر رہی۔"

"تم کو اس پر پورا یقین ہے؟"

"یہ ہمارا ایمان ہے۔"

"کوئی اور گواہ؟"

"ابوبکر سے بڑھ کر گواہ اور کون ہو سکتا ہے؟ انھوں نے ایک سردار قریش سے شرط لگائی تھی کہ دس برس کے اندر قیصر جیت جائے گا تو سو اونٹ تم کو دیتا ہوں گے اور اگر دس برس کے اندر قیصر نہ جیتے تو میں سو اونٹ دوں گا"

"سو اونٹ بہت ہوتے ہیں۔ یہ شرط وہی کر سکتا ہے جسے اللہ کے نبی پر مکمل ایمان ہو۔"

"مگر اے قیصر! وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔)

سعد نے برجستہ یہ فقرہ کہا تو قیصر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"عیسیٰ مسیح کی قسم، اے سعد! تم بہت ہی ذہین نوجوان ہو۔"

"تو اے قیصر! آپ کو خوشی ہونا چاہیے کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔"

"میں خوش تو ہوں۔ آج تمہاری مدد سے ہماری پہلی فتح ہے لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ فارقلیط نے جو پیشین گوئیاں کی ہیں وہ صحیح بھی اترتی ہیں؟"

"آپ کس طرح مطمئن ہوں گے؟"

"میں اپنے جاسوس بھیجتا ہوں۔ وہ دوسرے تیسرے دن مجھے خبر دیتے رہیں گے۔"

"آپ ایسا ضرور کیجیے لیکن کیا اس وقت تک آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے یا ایرانیوں کے ڈر سے بھاگتے پھریں گے۔"

"نہیں، تم دونوں نے اس یقین پر ایرانیوں کے اس بڑے دستے سے ٹکر لی جو عنقریب ہمیں قتل کر دیتا یا گرفتار کر لیتا۔"

"تو آپ اللہ کے بھروسے پر اقدام کریں گے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔"

۴

قیصر ایران سے نبٹنے کے لیے اسقفِ اعظم کی مدد کا منتظر تھا۔ وہ روزانہ محفوظ جگہ تلاش کرتا اور
ر وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جائے پناہ تلاش کرتا تھا۔ سعد اس سے کہتا کہ وقت ضائع دیکھئے۔ قیصر جواب
تا کہ ہمارے پاس سامانِ جنگ کم ہے۔ اسقفِ اعظم کی مدد آئے تو ہم آلاتِ حرب و ضرب تیار کریں۔ لیکن
؛ صل اس کے دل میں یہ تھا کہ دیکھیں اس کے جاسوس اس نئے نبی کے بارے میں کیا اطلاع دیتے ہیں۔
ایدا سے ابھی سعد کی باتوں پر یقین نہ تھا اور وہ ہنوز تردّد میں تھا۔

وہ ایک پہاڑ کے دامن میں اپنے مشیروں کے بیچ مغموم اور اداس بیٹھا تھا۔ بار بار سر اٹھا کر ایک
ف دیکھتا اور پھر سر نیچا کر لیتا۔ اچانک اس نے سُنا کہ اسقفِ اعظم کی مدد آ گئی۔ وہ چونک پڑا۔ فوراً
فہ سالار کو طلب کیا۔ وہ یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اسقفِ اعظم نے پانچ کروڑ کی رقم، دو سو کوتل
وڑے، پانچ سو ہندی تلواریں، تین سو زرہیں اور شاہ کاک نے اسے چنے دو سو اونٹ بھیجے ہیں۔

قیصر اس فہرست کا مطالعہ ہی کر رہا تھا کہ اچانک ایک آواز سے سعد و سلے چونک پڑے۔ دونوں
کھڑے ہوئے اور جس طرف سے آواز آ رہی تھی بڑی بیتابی سے اُدھر دیکھنے لگے۔ آواز برابر آ رہی تھی
ا اور صاف سُنی جا سکتی تھی۔

"اے آلِ قیلہ تم کو مبارک ہو، اے آلِ قیلہ تم کو مبارک ہو!"

پورے مجمع کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ تین ناقہ سوار بڑی تیزی سے آ کر دامنِ کوہ میں ٹھہرے
تینوں سے اترے اور قیصر کی طرف بڑھے۔ سپاہیوں نے انھیں روکا تو انھوں نے قیصر کی تصویر آگے
دی۔ سپاہیوں نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے جاسوس ہیں۔ انھوں نے راستہ دے دیا۔ انھوں نے قیصر کے
پاس پہنچ کر اسے سلام کیا۔ پھر سعد و سلے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی زبان سے نکلا:

"اے آلِ قیلہ تم کو مبارک ہو!"

دعا کرتا ہوں کہ وہ جلد آپ کو فتحیاب کرے۔ پھر عرض کروں گا کہ آپ مدافعانہ جنگ کے بجائے جارحانہ اقدام یعنی طرابزدن کا علاقہ ہے۔ ہم اس وقت ایران کی بالکل پشت پر ہیں اور ارمینیا ہمارے سامنے ہے۔ اگر آپ پشت کی طرف سے یکدم ارمینیا پر یلغار بول دیں تو انشاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اس کے بعد آذربائیجان آپ کا انتظار کرے گا۔"

قیصر نے نقشہ دیکھا۔ مرحبا اس کی زبان سے نکلا۔ اس نے اسی وقت اسقف کو مدد کے لیے لکھا۔ خود بخود اس کی زبان سے نکلا:

"اس یلغار کے لئے ہمارے پاس بارہ ہزار سپاہی ہونے چاہئیں۔ اس وقت ہمارے پاس صرف چھ ہزار وفادار ہیں۔ ہم بہت کم ہیں اے سعد!"

"اے قیصر! بہت بار ایسا ہوا ہے کہ کم تعداد والوں نے کثیر تعداد کو شکست دی ہے۔ ہمیں اللہ بھروسہ اور اس کے وعدے پر یقین رکھنا چاہئے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ چھ ہزار وفاداروں کے تین حصے کر ایک حصہ آپ اپنی کمان میں لیں، دوسرا حصہ رب برآت (رابرٹ) کی کمان میں دیں اور ایک حصے ذمہ داری میرے سپرد کر دیں۔ رب برآت (رابرٹ) آگے بڑھے اور سامنے سے ارمینیا پر حملہ آور ہو۔ میں راتوں رات دو ہزار فوج کو لے کر شمال کی طرف نکل جاؤں۔ پھر میں اس وقت جبکہ ہم دونوں دو طرف سے حملہ کر کے باہم مل جائیں تو آپ تازہ دم فوج کو لے کر داہنی طرف سے ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح ایرانی گھبرا جائیں گے اور وہ سمجھیں گے کہ رومی فوج در فوج آرہے ہیں۔ وہ یقیناً گھبرا جائیں گے۔ ان کا گھبرا جانا ہمارے حق میں مفید ہوگا۔" ..

قیصر نے ران پر ہاتھ مارا۔ اور ارمینیا پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔

"محمد اللہ کے نبی نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔"

"الحمدللہ" سعد و سلیٰ کی زبان سے نکلا اور انھوں نے ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھا

"پھر کیا دیکھا تم نے؟" قیصر نے پوچھا۔

"پھر ہم نے سُنا کہ محمد اللہ کے نبی کو اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائیں۔"

"یہ تو وہی بات ہے جو سعد نے مجھ سے کہی تھی۔"

"جی! تو ہم نے دیکھا کہ مسلمان ایک۔ایک، دو۔دو، دس۔دس، بیس۔بیس یثرب کی طرف جانے لگے۔"

"ہوں۔۔۔"

"اے شہنشاہ! محمد اللہ کے نبی اور اس کے ساتھیوں نے دن اور رات ایک کر کے جو تبلیغ کا فریضہ انجام دیا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مکے کا کوئی ایسا گھر نہیں جس کا کوئی نہ کوئی فرد مسلمان نہ ہو چکا ہو۔"

"یہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا؟"

"یسوع مسیح کی قسم! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی کا بیٹا یثرب بھاگ گیا، کسی کی بیٹی گئی کسی کا بھائی اور بھتیجا گیا، کسی کی بیوی اور بہن چلی گئی اور کسی کا بھانجہ اور داماد۔ اے قیصر! ہم نے دیکھا کہ مکے کے دو مشہور بہادر سردار حمزہؓ اور عمرؓ مسلمان ہو گئے۔"

"یہ محمد کے دین کی بڑی فتح ہے۔"

"حضور! عمرؓ نے اس شان سے ہجرت کی کہ ان کے ساتھ ان کے خاندان کے بیس آدمی تھے اور ان کو کوئی نہ روک سکا۔ اے شہنشاہ دیکھتے دیکھتے مکے کے گھر کے گھر خالی ہو گئے اور سردارانِ مکہ کے گھروں میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے جگر گوشے، دل کے ٹکڑے، نورِ چشم، راحتِ جان اسلام کی گود میں چلے گئے۔ کوئی ڈر، کوئی لالچ، کوئی دھونس انھیں نہ روک سکا۔"

"یہ ان کے ایمان کی پختگی کی دلیل ہے۔"

"تم ہمارے لیے کیا خوشخبری لائے ہو؟" سعد وسلے کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور ان کے ماتھے پر پسینہ آگیا تھا۔ جاسوسوں نے کہا،

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ قیلہ کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

"قیلہ ہماری جدہ کا نام ہے" سعد بتانے لگا: "قیلہ کے بطن سے اوس اور خزرج دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اللہ نے ان دونوں کی اولاد میں بڑی برکت دی لیکن ان کی بدقسمتی کہ دونوں خاندان باہم لڑ پڑے اور اب وہ ایک دوسرے کے سخت دشمن ہیں۔"

"تم خوش ہو جاؤ کہ اوس اور خزرج کے بیشتر لوگ مسلمان ہو گئے اور اب دونوں خاندانوں کے دلوں کو تمہارے اللہ نے جوڑ دیا۔"

"الحمدللہ واللہ اکبر" سعد وسلے نے ایک ساتھ نعرہ لگایا۔ پھر سعد قیصر کی طرف مخاطب ہوا۔ قیصر حیران حیران یہ گفتگو سن رہا تھا۔ سعد نے کہا:

"اے قیصر! محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ انشاءاللہ دوسری پیشین گوئیاں بھی ٹھیک ہمارے سامنے آئیں گی اور اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو مضبوط کر دے گا۔"

"بے شک یسوع مسیح ایسا ہی کرے گا" یہ کہہ کر قیصر جاسوسوں سے باتیں کرنے لگا۔

"اچھا، ہاں، تم ہمیں اس پیشین گوئی کی تفصیل سناؤ۔"

"اے شہنشاہ یقیناً آخری فتح آپ کی ہوگی۔ جس وقت ہم مکے میں پہنچے، ہم نے دیکھا کہ سردارانِ مکہ وہاں کے نئے نبی اور اس کے ساتھیوں کا جینا دوبھر کئے ہوئے ہیں۔"

"یہ تو وہی بات ہے جو سعد نے ہم سے کہی تھی۔"

"جی ہاں! پھر ہم کو معلوم ہوا کہ حج کے موقع پر خزرج کے کچھ لوگ حج کرنے آئے۔ محمد اللہ کے نبی اپنا دین پھیلانے کی دھن میں قبیلے قبیلے سے ملتے۔ اچانک ان کی ملاقات ایک گھاٹی میں خزرجی جوانوں سے ہو گئی۔"

"خوب! یہ سب یسوع مسیح کی مہربانی سے ہوا۔"

"یہ دونوں تمہاری بات کی تصدیق کرتے ہیں"

"اے قیصر! ہم کبھی جھوٹ نہیں بولے"

"اور اے شہنشاہ!" جاسوسوں نے پھر کہنا شروع کیا، "ہم آپ کے چار غلام مکے سے خبریں لیکر چلے تھے۔ راستے میں ایرانیوں کے ایک دستے نے ہمیں روک لیا۔ ہم کو معلوم ہوا کہ یہ دستہ آپ سے شکست کھا کر بھاگا تھا"

"ہوں۔۔۔" قیصر نے سر ہلایا۔

"ان ظالموں نے ہمارے دو بھائیوں کو قتل کر دیا۔ ہم ایرانیوں کو جُل دے کر بھاگ نکلے"

"یسوع مسیح تم پر رحم کرے۔ آگے حال بتاؤ"

"اے شہنشاہ! ہم نے مکے میں 'کھسیانی بلی کھمبا نوچے' والی مثل کی تصویر دیکھی"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"یہ کہ سردارانِ قریش اسلام کے سائے سے اپنی اولاد، اپنے بھائی بندوں، اپنی بیویوں اور رشتہ داروں کو نہ بچا سکے تو ان پر ظلم کرنے پر اتر آئے۔ ہم نے سنا کہ اب مسلمان ہجرت کر جائیں گے۔"

"ہاں یہ ہم کل سن چکے ہیں"

"ہمارا خیال تھا کہ سب سے پہلے محمد اللہ کے نبی ہجرت کریں گے"

"مگر شاید ایسا نہیں ہوا!" قیصر کی دلچسپی بڑھی۔

"جی۔ بے شک۔ محمد اللہ کے نبی نے طے کر لیا کہ سب سے آخر میں ہجرت کریں گے"

"اللہ کا نبی ایسا ہی ہوتا ہے"

"تو جب تقریباً سبھی مسلمان ہجرت کر گئے، سردارانِ مکہ کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ تمام بڑے بڑے لوگ دارالندوہ میں اکٹھا ہوئے اور سوچنے لگے کہ محمد کے ساتھ کس طرح پیش آئیں"

"ان کے کچھ مشورے تم تک پہنچے؟"

"اے شہنشاہ! آپ ہجرت کر رہے تھے لیکن یقینی جانیں؟ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ مشہور دشمن اسلام ابوجہل کا رئیس مکہ عتبہ کا بھائی عیاش، عاص کا بیٹا ہشام، سہیل بن عمرو کا فرزند عبداللہ، ابوجہل کی رشتے کی بہن اور ام سلمہ اور ابوسلمہ۔۔۔ ایسے ایسے لوگ نکل گئے۔ اس وقت سرداران مکہ کے کلیجوں پر سانپ لوٹ رہے اور وہ سب اپنی انگلیاں چبا رہے ہیں۔ مگر گھر گھر کو رہا ہے۔"

"وہ تو نتیجے کے طور پر ہونا ہی چاہیے۔ اچھا، پھر کیا دیکھا تم نے؟" قیصر کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ جاسوسوں نے بتایا:

"اے شہنشاہ! ہم یہ حالات جان کر جب چلے ہیں اس وقت صرف محمد اللہ کے نبی، ان کے دوست ابوبکر، ان کا بھتیجہ علی اور چند ہی مسلمان مکے میں رہ گئے تھے۔ امید ہے کہ ہمارے پیچھے جو آپ کے جاسوس رہ گئے ہیں وہ جلد تر آ کر بقیہ رپورٹ پیش کریں گے۔"

"اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی محمد اللہ کے نبی نے ہجرت نہیں کی!"

"جی ہاں۔ آپ انتظار فرمائیں۔ جلد ہی مزید واقعات آپ سنیں گے۔"

قیصر نے حکم دیا کہ یہ جاسوس دو دن آرام کریں، اس کے بعد پھر روانہ ہو جائیں۔

دوسرے دن صبح کو قیصر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر اپنے سرداروں کے پاس بیٹھا ہی تھا کہ جاسوس اور آ گئے اور انھوں نے حاضری کی اجازت چاہی۔ انھیں فوراً اجازت دی گئی۔ جیسے انھوں نے سلام کیا قیصر کی زبان سے نکلا:

"یسوع تمہاری زبان سے مبارک خبر سنائے۔" انھوں نے کہنا شروع کیا:

"اے شہنشاہ! ہم نے مکے کے قریشی سرداروں اور ایران کے خسرو پرویز سے زیادہ کسی کو ظالم نہیں پایا اور مکے کے نبی اور اس کے ساتھیوں اور اپنے بھائی رومیوں سے زیادہ مظلوم ہمیں کوئی نظر نہیں آیا۔"

قیصر نے ایک جھرجھری لی اور اس نے سعد و سلمے کی طرف دیکھا۔ وہ بھی قیصر کو دیکھ رہے تھے۔ قیصر نے کہا:

گھر اور گھر کی ذمہ داری

شبنم جعفری

مکان انسان کی اہم ترین ضرورتوں میں سے ایک ہے۔ غذا اور لباس کے بعد انسان کی بنیادی ضرورت بلاشبہ ایک چھت ہے جس کے نیچے وہ حفاظت اور سکون محسوس کر سکے۔ مکان کی ضرورت چرند پرند اور جانوروں کو بھی پڑتی ہے۔ یہ سب اپنے اپنے گھر بناتے ہیں اور انہیں اپنے گھروں سے پیار بھی ہوتا ہے لیکن انسان جب مکان بناتا ہے تو وہ اس کے لیے صرف موسم کی شدت سے بچاؤ کا ذریعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ سیمنٹ اور چونے سے جڑی اینٹ کی دیواریں اس کی ذہنی اور نفسیاتی نشوونما کا اہم سرچشمہ ہوتی ہیں۔ بیشتر لوگوں کے ذہن کو وہ آسودگی نہیں ملتی جو معاشی، تمدنی اور سماجی ذمہ داریوں کو پوری کرنے کے لیے ضروری ہے۔ دن بھر کی تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد جب انسان اپنے گھر میں آتا ہے تو اسے لگتا ہے وہ ایک ایسی محبت بھری آغوش میں پہنچ گیا ہے جہاں اس کے لیے سکون ہی سکون ہے، راحت ہی راحت ہے۔ پیار کا جذبہ، دوستی کا احساس [illegible] چھت نے مکان کو گھر کا نام دیا ہے۔

[illegible]

[illegible] گھر بھی [illegible]

گھر کے [illegible] مسرت [illegible] روح سرور [illegible] مسرت [illegible] کا سرچشمہ ایثار اور خلوص ہے۔ [illegible] کے غم اور خوشیاں بانٹنے کا جذبہ [illegible]

"جی ہاں! ہم جاسوس کیسے اگر یہ معلوم نہ کر لیتے؟"

"تم نے کیا معلوم کیا؟"

"ہمیں معلوم ہوا کہ ایک رائے یہ آئی کہ محمد کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور جیتے جی نہ کیا جائے۔"

"یہ رائے دانشمندانہ نہیں معلوم ہوتی۔"

"جی ہاں۔ اس رائے کو کسی نے قبول نہیں کیا۔"

"دلیل کیا دی گئی؟"

"دلیل یہ دی گئی کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی قید خانے سے باہر ہوں گے برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پکڑ لیں گے تو اسے چھڑانے کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگا دینے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔"

"بے شک، یہی میرا خیال تھا۔"

"دوسری رائے یہ تھی کہ اسے یہاں سے نکال دیا جائے۔ جب یہ ہمارے درمیان نہیں رہے گا تو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ غم پک جہاں پاک۔"

قیصر نے پھر منہ بنایا۔ اس نے پوچھا:

"اس رائے پر کیا بحث ہوئی؟"

"اس رائے کو بھی رد کر دیا گیا۔"

"کیوں؟"

"لوگوں نے کہا کہ یہ جادو بیان شخص ہے۔ دلوں کو موہ لینے میں اسے بلا کا کمال حاصل ہے اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو عرب کے نہ معلوم کن کن قبیلوں کو اپنا بنا لے اور پھر قوت حاصل کر کے خود حملہ آور ہو۔"

مزدوروں کو بھی عورتیں شدت سے محسوس کرتی ہیں۔ گرہست کی عظمت کی بات کرنا ان کے نزدیک جہالت ہے اور خادمہ کی عزت کرنا حماقت۔ شخصی آزادی کے اس دور میں خاتون خانہ کے لیے بے حد ضروری ہے کہ وہ خادمہ کی بحیثیت ایک فرد کے جو آزادی ہے اسے نہ چھینے اور اسے کسی طرح کوئی ایسی بات نہ کہے کہ اس کے دل کو ٹھیس پہنچے۔ عقل و انصاف کا یہی تقاضہ ہے۔

اولاد کی پرورش اور تربیت اس کے لیے ایک ایسا منصب ہے جس پر وہ بجا طور پر ناز کر سکتی ہے لیکن اس پُرآشوب دور میں جب پورے سماج میں خود غرضی ہوس اور بداخلاقی کا دور دورہ ہے، بچوں کو علم و اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ بچوں کو کوئی بھی اچھی بات سکھانے کے لیے ماں کو خود اس پر عمل کرنا ہوگا تاکہ اس کا کردار خود پکار کر کہہ دے کہ وہ بچوں سے کیسا برتاؤ چاہتی ہے۔

بچوں کو بہ نسبت باپ کے ماں سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔ ماں کے دل میں خدا نے محبت کا ایک ایسا دریا لہرا دیا ہے جو اسے بچے کے علاج اور اس کی بہبودی کے لیے سوچنے پر اکساتا ہے اور بچے کے لیے دکھ اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ ماں کے اسی عظیم ایثار کے بدلے بچوں کو اس کی فرماں برداری کا حکم دیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ہی ماں باپ کا شکریہ بھی ادا کرنے کو کہا ہے اور والدین کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

معاشی محاذ پر بھی عورت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ سلیقہ مند بیویاں شوہر کی کم آمدنی کا رونا نہیں روتیں کیونکہ انہیں کم خرچ بالا نشین کا گر آتا ہے۔ اس کے برخلاف پھوہڑ اور بدسلیقہ عورتیں شوہر کی زیادہ سے زیادہ آمدنی کو فالتو چیزیں خریدنے میں صرف کر دیتی ہیں۔ اور گرہستی بنانے پر توجہ نہیں دیتیں۔

ذمہ داری سے فرار شوہر اور بیوی میں نااتفاقی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جب حقوق کا خیال زیادہ ہوتا ہے۔ فرائض کا احساس کم تو دماغ میں غصہ پیدا ہوتا ہے اور یہ غصہ گھر کے کاموں سے اور اولاد کی عدم توجہی کا سبب بنتا ہے۔ دوسروں سے ایسی امیدیں وابستہ کرنا جن کو پورا کرنا اس کے لیے ناممکن ہو، اکثر الجھنوں کا باعث بنتا ہے۔ اس کے بجائے خود اپنے کردار کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم اپنے فرائض کہاں تک ادا کر رہے ہیں۔ ایک مثالی گھر کا ہر فرد اپنے فرائض کی انجام دہی میں زیادہ توجہ کے ساتھ سرگرم رہتا ہے۔ حقوق کی

مکینوں میں ہوتا ہے وہی گھر کی بنیاد کو مستحکم کرتا ہے۔ محبت کا یہ پلاسٹر جو دلوں کو جوڑتا ہے۔ اینٹوں کو جوڑنے والے سیمنٹ کے پلاسٹر سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ گھر کے افراد جتنا ہی ایک دوسرے کے نزدیک ہوں گے ایثار کا جذبہ اتنا ہی بڑھا ہوا ہوگا۔ روح کو اتنی ہی مسرت ملے گی اور گھر کی معنویت اور صداقت اتنی ہی بڑھے گی۔ سب ایک دوسرے کی ضرورت محسوس کریں گے۔ بچے ماں کی ممتا، دیکھ بھال اور باپ کی شفقت اور معاشی حفاظت پائیں گے۔ عورت کو شوہر کی رفاقت اور بچوں کی محبت ملے گی۔ مرد کو ایک خوشحال کنبہ کا مالک ہونے کی خوشی ملے گی۔

جب ایک نئے گھر کی بنیاد پڑتی ہے تو یہ بنیاد اپنے ساتھ کچھ ذمہ داریاں لے کر آتی ہے۔ یہ ذمہ داریاں کچھ تو گھر کے مالک کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور کچھ گھر کی مالکہ کے لیے مردوں کی ذمہ داریاں جو زیادہ تر باہر کی دنیا سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور عورتوں کی گھریلو ذمہ داریاں ایک سرحد پر آ کر ملتی ہیں اور وہ سرحد ہے اولاد کی تربیت۔ جس کے لیے دونوں یکساں طور پر ذمہ دار ہیں۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے یہاں عورتوں اور مردوں کی سماجی حیثیت ایک دوسرے کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ دونوں کے کام کرنے کے شعبے الگ الگ ہیں۔ خواتین کے فرائض میں گھر کی صفائی اور دیکھ بھال سے لیکر گھر کے افراد کی نفسیاتی اور جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے طریقوں کی جانکاری اور ان پر عملدرآمد تک کی باتیں آتی ہیں۔

قرآن کریم میں عورتوں کی ذمہ داری کا مختصر مگر جامع ذکر ملتا ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ (سورۃ النساء)

ترجمہ:۔ (پس نیک بخت بی بیاں تو تابعداری کرتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے جس طرح خدا حفاظت کرتا ہے وہ بھی حفاظت کرتی ہیں)

یہاں حفاظت کا صاف مطلب ہے شوہر کے مال اسباب کی حفاظت جب وہ کمانے کے لیے گھر سے چلا جائے۔ ہر قسم کی بربادی سے حفاظت چاہے چور اُچکوں سے ہو یا دھول مٹی سے۔ عورت کا فرض اولین مانا گیا ہے۔

ایک اچھی خاتون خانہ یہ بھی خیال رکھتی ہے کہ گھر کے تمام افراد کو ان کے شایانِ شان سلوک ملتا ہے یا نہیں۔ گھر کے کاموں میں مدد کے لیے خادمہ کی

میں پیدا ہو گئی تھیں۔ کام کی کثرت سے آپ نہ گھبرائی
تھیں اور نہ اپنی غیر معمولی زحمت کی شکایت کرتی تھیں
اپنے لیے جو پسند کرتے ہو وہی دوسرے
کے لیے بھی پسند کرو کے مصداق جناب سیدہ ایک
دن فضہ (لونڈی) سے کام لیتی تھیں اور دوسرے
دن خود کام کرتی تھیں۔
نبی کی پارہ جگر کا یہ پر انصاف شیوہ اس احترام
تمنا ہے جو اشرف المخلوقات کے لیے ان کے
مابین ناگزیر ہے۔
ایسا بھی نہیں کہ ان کا دائرہ کار صرف گھر تک ہی
محدود رہا ہو جب ضرورت پڑی تو وہ میدان جنگ
میں بھی تشریف لے گئیں۔ جنگ احد میں جب مسلمانوں
ذرا سی غفلت سے جنگ کی بازی پلٹ چکی تھی۔
دشمن منافقوں نے مدینہ میں شور مچا دیا تھا
حضرت رسول خدا شہید ہو گئے ہیں تو یہ خبر سنکر
جناب سیدہ بے تاب ہو گئیں اور شفیق باپ کے
زخم دھلائے۔
جنگ خندق میں بھی مسلمانوں پر بڑا سخت
وقت آ پڑا تھا۔ مسلمان سردی اور رسد کی کمی سے
پریشان تھے۔ فاقوں کی نوبت آ گئی تھی۔ ان

نازک حالات میں میدان جنگ میں جانا کوئی آسان
کام نہ تھا مگر جناب سیدہ کسی نہ کسی طرح بچ بچا کر
بچا کر دشمنوں سے بچتی بچاتی میدان میں پہونچیں۔ اس
طرح انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان عورت گھر
کی چہار دیواری میں بند رہ کر بھی اپنی جرأت اور
اپنا حوصلہ نہیں کھوتی۔
میدان احد میں ... نام کی نیک خصلت بی بی
جو فن جراحی سے واقف تھیں انہوں نے بھی نمایاں خدمت
انجام دی۔ جب کفار تحقیق ... سمجھے
تو یہ شریف انصاری خاتون ... زخمیوں کی
کے تربیت ... رہی تھیں۔
... کا ... پڑوسی کی
... میدان کی عورتوں سے ...
... تھا ... شہید ... سے
... بیوی کے
... جنہوں نے ایک وقت ... شوہر کی
شہادت پر صبر کیا اور ... کیموں میں
... کے ... بیت ...
... جنگ کے ... زمانہ ... بھی عورتوں
کے کام کرنے کے بہت سے موقع ہیں ●

معلق پرواہ نہیں ہوتی۔ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دینا اور اپنی تکلیف بھلا کر دوسروں کو آرام پہونچانے کی کوشش میں تن من لگا دینا انسانی فطرت کے ایسے محاسن ہیں جو گھر میں ہی سیکھے جاتے ہیں۔ ایسا گھر جنت کا نمونہ ہوتا ہے اور اس گھر کے افراد جہاں جاتے ہیں اپنے دلکش کردار کی خوشبو بکھیرتے ہیں۔ دراصل فرد کی ذہنی زندگی کی بنیاد گھر میں ہی پڑتی ہے۔ گھر والوں کے ساتھ اس کا برتاؤ، اس کے سماجی برتاؤ کا آئینہ ہے اس لیے گھر کا کوئی بھی فرد عمدہ عادات و اطوار اختیار کرنے اور ہمدردی اور محبت کے اصولوں پر کاربند رہنے کی اپنی ذمہ داری سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خاص طور سے عورت پر تو بچوں کی تربیت کی ایسی عظیم ذمہ داری ہے جس کے لیے اسے نمونۂ عمل بننا ہی پڑے گا۔

ملک اور قوم کی خدمت کے لیے حوصلہ مند اور جری سپاہی تیار کرنے کا بار اسی کے نازک کندھوں پر ہے۔ اس سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی تمام تر شعوری صلاحیتوں کا استعمال کر کے کردار اور عمل کے مثالی نمونوں کی تخلیق کرے۔ رسولؐ خدا کا ارشاد ہے تین آوازیں بے روک ٹوک درگاہ الٰہی تک پہونچتی ہیں۔ ایک قلم کار کے قلموں کی آواز، دوسرے مجاہد کے قدموں کی آواز، تیسری بلکہ اس عورت کے چرخے کی آواز۔

عورت کے لیے جہاد فرض نہیں ہے مگر مجاہد اسی کی آغوش کا پروردہ ہوتا ہے وہ خود عالم نہیں مگر تمام عالموں کی ماں ہے۔ اس کی ذمہ داریوں کو سبک سمجھنا غلطی ہے۔ خواتین کو بھی اپنے اس عظیم عہدے کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔ اور اپنی کارکردگی پر حرف نہ آنے دینا چاہیے تاکہ ان کا کنبہ خوشحال ہو اور گھر کا ہر فرد پُرمسرت زندگی گذارتے ہوئے خود کو معاشرہ کا بہی خواہ بنا سکے۔ اس کا وجود دنیا کے لیے رحمت ہو، زحمت نہ ہو۔

ہمارے نبی محمد مصطفٰے کی چہیتی بیٹی اپنے گھریلو کاموں کو کس طرح انجام دیتی تھیں اس سلسلے میں امام حسنؑ فرماتے ہیں۔ ہمارے گھر میں باہر کے جتنے کام ہوتے تھے وہ ہمارے پدر بزرگوار انجام دیتے تھے۔ جیسے پانی، ایندھن اور بازار کی چیزیں لانا اور گھر کے تمام کام جیسے کھانا پکانا، چکی پیسنا اور جھاڑو دینا وغیرہ سب ہماری مادر گرامی اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں اور انھیں کاموں کے درمیان ہماری ضرورتیں مثلاً نہلانا کپڑے بدلوانا اور دودھ پلانا وغیرہ

ں اماں کو۔ گویا ان کی بات کا ثبوت ہوگئی ہو جو چند نئی روشنی کی لڑکیوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ دو چار بڑی بوڑھی
م کی عورتیں آسیب کے خوف سے کھسکنے بھی لگیں۔ البتہ آپا محمدی نانی صاحبہ کی رائے سے سو فیصدی متفق
ھیں۔ ان کا بہت دنوں سے خود بھی خیال تھا لیکن بے چاری زبان پر نہیں لا تی تھیں۔

کچھ عرصہ بعد نانی صاحبہ کی فرمائش پر آپا محمدی ایک بزرگ صورت عامل کو بلا لائیں۔ ان کا کہنا تھا کہ
رف چند روز کے لئے ہی عامل صاحب اس شہر میں قیام پذیر ہیں بھیڑ لگی رہتی ہے بمشکل گھر آنے پر رضامند
ہوئے ہیں۔ یہ بزرگ صورت شکل سے انتہائی شریف آدمی معلوم ہوتے تھے۔ پردے کے اتنے پابند کہ مریضہ
کی نبض بھی دیکھنا گوارا نہ کی۔ نانی اماں نے جب نبض دیکھنے کے لئے اصرار کیا تو بولے۔

" غیر عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے ایسا کیجئے مریضہ کے پاس میرا عصا لے جائیے اور اس کو چھوا کر سر سے
سات مرتبہ اُتار کر لے آئیے۔" مریضہ نے پڑھا پیر کا عصا ڈرتے ڈرتے چھوا۔ سر سے اُتارا اور عامل صاحب
کے پاس باہر مردانے میں بھیج دیا۔ بزرگ صاحب نے عصا کو سونگھا۔ تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر متفکرانہ
انداز میں گردن ہلاتے ہوئے فرمایا۔ مریضہ پر ایک نہیں بلکہ تین خبیث روحوں کا سایہ ہے اللہ اس کی حفاظت
کرے۔ مجھ کو تو پرسوں اس شہر سے چلے جانا ہے اس لئے مجبوری ہے کام اتنا آسان نہیں کہ ایک دو روز
میں ہو سکے۔"

نانی اماں اور آپا محمدی کے منت سماجت پر انھوں نے اپنے قیام میں توسیع کا فیصلہ کیا اور مریضہ کو ان
خبیث روحوں سے نجات دلانے کی حامی بھر لی۔ انھوں نے چند چیزیں مثلاً دال ماش، کچا گوشت اور آٹا
ایک سفید کورے کپڑے میں بندھوایا اور حکم دیا کہ اس گٹھری کو اندھیری رات میں ٹھیک بارہ بجے کسی پرانی
قبر کے اندر دفن کر دیا جائے۔ ساتھ میں چند تعویذ بھی دیئے وہ بھی قبرستان میں دفن ہونا تھے ظاہر ہے
ایسی خوفناک مہم پر تو نانی اماں نہیں جا سکتی تھیں چنانچہ بعد منت سماجت یہ سامان بھی انھیں کے حوالے
کر دیا گیا کہ وہ خود ہی اس کام کو انجام دیں۔ ساتھ ہی قبرستان جانے کے لئے کرایہ کی رقم بھی ان کو دیدی گئی
ان کو جو کچھ فیس یہاں آنے کی دی گئی تھی وہ الگ تھی۔ یہ سب کچھ وہ لیکر چلے گئے۔

نسیمہ معصوم۔ ایم اے۔ بی ایڈ
عربی کالج۔ مراد آباد۔

خبیث روحیں

بھوت پریت پر میں یقین نہیں کرتا، لیکن ایک مرتبہ جب اپنی ننھیال گیا تھا ایک شخص کی کرامات کا قائل ہونا پڑا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جلد ہی وہم رفع ہو گیا۔

بات اس طرح تھی کہ ممانی صاحبہ کے یکے بعد دیگرے کئی بچے مر چکے تھے کئی تو پیدائش سے پہلے ہی مر گئے یعنی مُردہ پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر اس کا سبب کچھ بھی بتائیں۔ لیکن نانی اماں کی دانست میں یہ کوئی خبیث روح تھی جو مریضہ پر اپنا منحوس سایہ کئے رہتی تھی۔ ہمارے ماموں صاحب بھی ان باتوں کے قائل نہیں۔ چنانچہ انھوں نے ڈاکٹروں سے رجوع کیا۔ علاج چلتا رہا۔ لیکن اس مرتبہ بھی باوجود احتیاط و علاج کے بچہ پیدائش سے چند گھنٹے قبل مر گیا تھا۔ بچہ بہت خوبصورت تھا۔ نانی اماں روتے روتے اس کی تعریف بیان کر رہی تھیں۔ بچے کو دفنانے کا انتظام تھا۔ نانی اماں کے گھر عورتوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا۔

بے شک جو قدرت کو منظور ہو وہی ہوتا ہے۔ انسان کی ساری تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں۔"

ایک بوڑھی پڑوسن نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے بُوا لیکن انسان تدبیر تو کرے۔ ہر چند کہتی رہی کہ بہو کا علاج ڈاکٹروں سے نہ ہو سکے گا کسی عامل کو بھی تو دکھانا چاہئے تھا آخر۔ لیکن میری بات سنتا کون ہے۔" نانی اماں نے کہا۔

پھر انھوں نے ذرا جھک کر بچے کو غور سے دیکھا اور عقلمندانہ انداز میں سر ہلا کر کہنے لگیں۔ "یہ ضرور کسی خبیث روح کا کام ہے ارے تم لوگ دیکھو تو منحوس نے پیدائش سے پہلے ہی معصوم کی گردن مروڑ ڈالی ہے۔ دیکھتی نہیں ہو گلے پر نشان۔" اور پھر وہ تو بچے کی طرف دیکھ کر حسرت سے رونے لگیں۔ محلے کی عورتیں جھک جھک کر بچے کی لاش کا معائنہ کرنے لگیں۔ کئی تو واقعی خوفزدہ سی ہو گئیں۔ کبھی بچے کو دیکھتیں۔ کبھی عقیدت کے ساتھ

ذرا سفوف بدبار انگیٹھی میں ڈالتے تو عجیب خوشبو پھیل جاتی۔ دھیرے دھیرے کچھ دعائیں یا منتر پڑھتے رہتے تھے۔ یہ خوشبو سلگتی ہوئی اگر بتی کی طرح ایک عجیب سا تاثر پیدا کر رہی تھی۔ نانی اماں بار بار اٹھ کر جاتیں ہو سکتے کے پیچھے بیٹھی خواتین کو چپکے چپکے خاموش بیٹھنے کی ہدایت کرتیں۔ عورتوں کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ ان میں سے چند ایک تو بار بار پردے سے گردن نکال کر دیکھ لیتیں۔ اچانک شاہ صاحب کی آواز گونجی۔

"بیٹو! پریشان نہ ہو۔ چند لمحوں بعد عورتوں کو بھی کمرہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔"

واقعی عورتوں کو سانپ سونگھ گیا۔ چند تو ان میں سے مزید ڈر گئی ہوں گی۔

ایک چٹکی بھر سفوف اپنے تھیلے سے نکال کر انہوں نے انگیٹھی میں جھونک دیا۔ عجیب سی خوشبو ہوئی۔ پھر انہوں نے ایک سفید کاغذ نکال کر سب کو دکھایا۔ جیسے مداری کرتب دکھانے سے پہلے تماشائیوں کو [illegible] کاغذ ہے کے سرے سلامت ہیں۔ پھر تھوڑا سفوف [illegible] میں جھونک دیا [illegible] بند ہونے لگے۔ مرید تو شاہ صاحب کی طرف دیکھتے رہے [illegible] سب لوگ [illegible] رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر میں سفید کاغذ [illegible] پر بیٹھے رہے [illegible] کوئی چیز [illegible] تھے [illegible] تھے سب [illegible] رہے تھے [illegible] تصویر [illegible] تھی [illegible] کاغذ [illegible] پھر انہوں نے کاغذ سب کو [illegible] شکل کی تھی [illegible] پردہ [illegible] سے [illegible] سانپ [illegible] تھی شکلیں سفید کاغذ [illegible] گویا کسی بچے نے روشنائی [illegible] سے تصویریں بنا دی ہوں۔ [illegible] کاغذ [illegible] دیکھے [illegible] نہیں [illegible] جس جگہ تصویریں تھیں [illegible] نے نانا [illegible] مسکراہٹ سے [illegible] کاغذ [illegible] کو آگ میں جھونک [illegible] گئے

ایک ہفتہ بعد شاہ صاحب پھر تشریف لائے کہنے لگے دو عمل ان ذکر کیا گیا ہے اب مریضہ خود بیان کرے گی۔

نانی صاحبہ نے بادل ناخواستہ اپنا حال بیان کیا۔ کاندھوں اور سر پر بوجھ رہتا ہے۔ [illegible] خواب بھی نظر آتے ہوں گے۔ شاہ صاحب نے لقمہ دیا۔ جی نہیں تو۔ مریضہ نے ٹک ٹک کر کہا۔

تب تو پھر یہ نہایت ہی پلید و خبیث روحیں ہیں جو خواب میں بھی اپنے وجود سے انکار کرتی ہیں۔ منتر سے بھی راضی نہیں ہو رہیں۔ اب آخری علاج یہی رہ جاتا ہے کہ ان کو بھسم کر دیا جائے اور کوئی صورت نہیں۔ شاہ صاحب نے [illegible] انداز میں کہا۔ نانی اماں نے اس بات پر زور دیا کہ اسی وقت کیوں نہ ان کو بھسم کر دیا جائے۔ تو شاہ صاحب گرج کر بولے۔ آپ کیا جانیں یہ کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر کرنا پڑتا ہے۔ ہاں جی اگر [illegible] منظور ہو تو [illegible] کو بھی وہ بھسم کر ڈالیں گی۔

[illegible] میری بچی کو نجات دلوا دو۔ نانی اماں گڑگڑائیں [illegible] آئندہ کسی [illegible] کا تعین کر کے [illegible] شاہ صاحب چلے گئے۔

[illegible] شاہ صاحب [illegible] عورتیں اس کرتب کو دیکھنے کے لئے جمع [illegible]

[illegible]

[illegible] شاہ صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] شاہ صاحب [illegible] سامنے چارپائی پر مریضہ [illegible]

[illegible]

[illegible] شاہ صاحب کے [illegible]

[illegible] شاہ صاحب [illegible]

[illegible]

اسے اللہ کے واسطے کسی عامل کو بلاؤ میں تو پانچوں وقت نماز پڑھتی ہوں۔ لیکن اتنے میں عامل صاحب تشریف لائے۔ پرویز میاں طلب کئے گئے۔ انھوں نے سب کے سامنے پھٹکری گھول کر اس کے پانی سے سفید کاغذ پر نقش بنائے اور آنچ دکھانے پر وہ ظاہر ہو گئے۔

انھوں نے ایک کتاب سب کو دکھائی جس میں لکھا تھا۔ پھٹکری کے پانی یا پیاز کے عرق سے جو کچھ لکھا جائے گا۔ نظر نہ آئے گا۔ لیکن آنچ دکھانے پر ظاہر ہو جائے گا۔" ٭

طالب کشمیری۔ عادل آباد

غزل

(مرسلہ: ایم سبحانی۔ عادل آباد)

تعصب کی گھٹائیں چھائیں نفرت کا پیام آیا
گلوں کا خون ہی رنگینیٔ گلشن کے کام آیا

جدھر بھی دیکھئے اُلجھا ہوا دامن ہے کانٹوں سے
چمن جس روز سے گلچیں کے زیرِ انتظام آیا

خیالوں کی حسیں جنت کے سپنے دیکھنے والو
ہے منزل تو اسی کی منتظر جو تیز گام آیا

بجائے ایک کے ہر ایک کی اب حکمرانی ہے
خدایا اس زمیں پر جب سے انسانی نظام آیا

جنوں والے جو تھے وہ کشتیاں اپنی جلا بیٹھے
پریشاں عقل والے ہیں کہ یہ کیسا مقام آیا

کہا تھا سچ کہا تھا حضرت اقبال نے طالب
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

ساتھ ہی ایک چٹکی بھر سفوف پھر آگ میں ڈالا ہانڈی سے ایسی بدبو نکلی جیسے زندہ گوشت جل رہا ہو وہ زیر لب کچھ پڑھتے رہے۔ شاہ صاحب کے یقین دلانے پر سب مطمئن ہو گئے کہ واقعی خبیث روحیں اب بھسم ہو چکی ہیں۔ شاہ صاحب اپنا معاوضہ لے کر چلے گئے۔ نانی اماں شاہ صاحب کے کرتبوں سے بڑی متاثر تھیں۔ وہ اکثر ان کا چرچہ کرتی رہتی تھیں۔ لیکن دوسروں کو ہدایت تھی کہ خبردار یہ سب کچھ ماموں صاحب کو نہ بتایا جائے۔ کیونکہ وہ ان کی دانست میں بداعتقاد آدمی تھے اور ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

سب لوگ اس واقعہ کو تقریباً بھول گئے کہ ایک روز اچانک یہ خبیث روحیں پھر نمودار ہو گئیں۔ بات یہ تھی کہ پرویز میاں کی ڈرائنگ کی کاپی بھیگ گئی تھی۔ بھیگے ہوئے ورق کو خشک کرنے کے لئے وہ چولھے کے پاس پہنچے۔ ممانی صاحبہ یعنی ان کی والدہ کھانا بنا رہی تھیں۔ پرویز میاں نے کاغذ خشک کرنے کے لئے ان کو دیا۔

ممانی جان نے چیخ ماری۔ کیونکہ اس کاغذ پر ٹھیک وہی شکلیں ابھر آئی تھیں۔ پرویز میاں سہم کر وہاں سے بھاگے۔ ہوش آنے پر ممانی صاحبہ نے یہ بات نانی اماں کو بتائی۔ پرویز میاں سے حقیقت معلوم کی گئی تو انھوں نے انکار کر دیا۔ کاپی دیکھی گئی واقعی کوئی ایسی تصویر نہ تھی البتہ ایک کنارے سے ورق پھٹا ہوا تھا چنانچہ اس واقعہ کو ممانی صاحبہ کے واہمہ پر محمول کیا تھا لیکن نانی اماں کا اصرار تھا کہ خبیث روحوں نے ابھی پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ وہ پورے طور پر بھسم نہیں ہو پائی ہیں چنانچہ انھوں نے شاہ صاحب کو تلاش کرایا لیکن وہ نہ ملنا تھا نہ ملے۔

ایک روز اس سے بھی زیادہ سنسنی خیز واقعہ ہوا۔ سردی کافی تھی۔ کمرے میں نانی اماں اکیلی بیٹھی آگ تاپ رہی تھیں۔ انگیٹھی سلگ رہی تھی۔ پرویز میاں دادی کے پاس جا بیٹھے۔ باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک نانی اماں پچھاڑ کھا کر پیچھے کی طرف گر پڑیں۔ وہ بُری طرح چیخ رہی تھیں۔ "ہائے اللہ میری حفاظت کیجیو۔ کیا کروں ارے بچاؤ۔" ارے بچاؤ کی آواز سن کر سب دوڑ پڑے اور سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ نانی اماں کے نزدیک ایک کاغذ پڑا تھا جس پر وہی منحوس شکلیں ابھری ہوئی تھیں کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس کاغذ کو ہاتھ لگائے معلوم کرنے پر نانی اماں نے بتایا۔ ارے پرویز میاں یہاں بیٹھے تھے انھوں نے یہ کاغذ نکالا آنچ دکھائی اور یہ منحوس ابھر آئے۔

بعد میں پچھتانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ ہاں تو آمدم
بر سر مطلب ابھی میں پھاٹک پار کر کے احاطے میں
داخل ہو رہا تھا کہ یکایک میری نگاہ چند انجانے
چہروں پر پڑی جو نہایت بے تکلفی سے کرکٹ کی
گیند سے شغل فرما رہے تھے اور برآمدے پر چھکوں
اور چھکوں کی باڑھ لگا رہے تھے۔ اس منظر پر میں
عجیب تذبذب کے عالم میں گھر گیا۔ جاؤں تو جاؤں
کہاں ورد زبان کر رہا تھا۔ میری حالت شیکسپئر کے
شہرہ آفاق ڈرامہ ہیملیٹ کے کردار ہیملیٹ کی بالکل
زندہ تفسیر نظر آ رہی تھی ۔

To do or not to do
That's the question

اب میری بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ اس وقت میرے
سر پر نہ اسٹرا ہیٹ تھا نہ ہیلمٹ۔ ایسی صورت میں احاطہ
پار کر کے برآمدے میں میرا قدم رکھنا اور پھر وہاں سے
ڈرائنگ روم کی دہلیز طے کرنا مصائب و آلام کو
خواہ مخواہ دعوت دینے کے مترادف تھا۔ چند یادیں
بھی تلخ ہو رہی تھی۔ مزید گنجا ہونے کی گنجائش نہ تھی
اور جب سر پہ بال مختصر ہوں یا سر قطعی بے بال ہو
تو کھوپڑی۔ گنجی کھوپڑی ہی ہر نوع کی آفات

سادہ رازی کی تختہ مشق ہو سکتی تھی چنانچہ میں
کچھ ٹھٹھک گیا بلکہ ٹھٹھک گیا مگر ابھی میری ٹھٹھک
اور ٹھٹھک بالکل ابتدائی مرحلے ہی میں تھی کہ ان بچوں
میں سے ایک بچہ جو سبھوں میں زیادہ بالغ العمر
واقع ہوا تھا بالغ النظری کا ثبوت فراہم کرتے
ہوئے مجھے گولی داغ دی ... جی ہاں آپ نے
بالکل صحیح سمجھا سلام کی داغ دی۔ میں بالکل لاجواب
ہونے کے باوجود بے اختیار اس کے سلام کا جواب
دینے پر مجبور ہو گیا: وعلیکم السلام۔

مگر ذہن یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ آخر یہ
بچہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ اور کیونکر آیا تھا؟
کیونکہ اس میں بالکل ذرہ برابر شک نہیں کہ اس بچے کو
پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ابھی میرا ذہن اس کی شناخت کرنے بھی نہ
پایا تھا کہ میرے سکندر اعظم کے دو لخت جگر بیٹو اور
گڈو بھاگ کر آتے نظر پڑے جنہیں میں نے اغلباً
اس وقت تک نہیں دیکھا تھا۔ میں نے آہستہ سے
لاحول پڑھی کہ زور سے پڑھ کر اپنی آفت زدہ [illegible]
منظر کو دعوت مجادلہ دینے کی ہمت نہ تھی۔
وہ تو گویا یہ فوج خاص الخاص میری ہوم

(صلاح الدین ایم۔ اے)

سیر اور سیرگہ

آپ نے اگر کچھ رقم جمع کی ہوا ور وہ بھی اس لیے کسی حسین و صحت بخش خطۂ ارض کی سیر و سیاحت میں لائیں مگر آپ کی اس رقم پر کوئی ڈاکہ ڈال دے تو آپ سوائے اس کے اور کیا کر سکتے ہیں کہ سر پہ ہاتھ رکھ کر روئیں، پچھاڑیں کھائیں۔ سینہ کوبی کریں سر کے بال نوچیں کھسوٹیں اور جب کوئی چشل باز ... آپ کی اس تمام نوشکی کا سبب دریافت کرے تو آپ از سر نو دھاڑیں مار مار کر روئیں اور سر ٹیک ٹیک کر روئیں۔ چنانچہ میرا بھی دل بین کرنے کو چاہا جب ہوم منسٹر کے میکہ والوں نے دفعتاً میرے چار نفر دل پر مشتمل قلعہ پر شب خون مارا۔

ہوا یہ حضور والا کہ جب میں ایک شام اپنے آفس سے واپس کوارٹر پہونچا تو اس کوارٹر کے ...ماحول ہر غیر معمولی چہل پہل ... دیکھا تھی ... ہر سائز اور ہر جنس کی چڑیوں کی بھانت

بھانت کی چہچہاہٹ بلکہ بھنبھناہٹ پائی تو پہلے تو یقین نہیں ہوا کہ میں فی الواقع اپنے کوارٹر پر ہی آیا ہوں۔

کسی کمپنی کے کوارٹر ویسے بھی ایک ہی شکل و ساخت کے ہوتے ہیں۔ اگر ... کان کے پردے ... احاطے میں لگائے گئے پودے ... ذوق و پسند کے خواص نہ ہوں تو جناب کے سر عزیز کی قسم آپ بالکل یقین کے ساتھ نہیں ... آپ جس ... آپ کہہ ... شاعر فلسفی قسم کی شخصیت کے مالک ... ہوں تو کبھی میرا بالکل مخلصانہ مشورہ ہے ... آپ ... وریہ اگر ... وقت گنجا ہونے کی نوبت آئی تو

کیا آپ جانتے ہیں

• ببول کے پھول اور مصری دونوں برابر وزن باریک کرکے روزانہ ایک ہفتہ تک چھ ماشہ صبح و شام پھانکنے سے یرقان کا مرض جاتا رہتا ہے۔

• مچھلی کے ساتھ دودھ یا رس پینے یا شہد کھانے سے جذام، برص اور قولنج ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

• گوشت کے ساتھ مولی اور باسی غذا گرم کرکے کھانا مضر ہے۔

• اخروٹ اعضائے رئیسہ اور دماغ کو قوت بخشتا ہے۔ یہ فاسفورس کا خزانہ ہے لیکن زیادہ کھانا مضر ہے۔

• جگر کی ساری خرابیوں کے لیے لیموں آب حیات ہے۔

• انگلینڈ کے ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ دل کے امراض کا خاص سبب کافی پینا ہے۔

• دماغی کام کرنے والوں کو خاص طور سے ورزش کرنی چاہیئے۔ ورزش سے دل و دماغ چست ہوجاتے ہیں۔ دماغی کام کرنے والوں کے لیے چہل قدمی یا صبح کی لمبی سیر سب سے بہتر ورزش ہے۔

• معمر اور سن رسیدہ لوگوں کے لیے صبح و شام کھلے میدان میں چہل قدمی بہترین ورزش ہے۔

• گلاب کا تازہ پھول پیس کر پیشانی پر لیپ کرنے سے دردِ سر دور ہوتا ہے۔

• گلاب کا خشک پھول باریک کرکے بطور منجن استعمال کرنا، دانتوں اور مسوڑھوں کے لیے مفید ہے۔

• دہی میں ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو پیٹ میں پہنچتے ہی امراض پیدا کرنے والے جراثیم کو ہلاک کردیتے ہیں اور آنتوں کو مضر جراثیم سے محفوظ رکھتے ہیں۔

• ایک گلاس پانی میں دو ماشے نمک ڈال کر تھوڑی دیر کے بعد ایک ایک گھونٹ پینا بدہضمی، سنگرہنی اور دردِ سر کے لیے مفید ہے۔

(مرسلہ: بشارت حسین ہاشمی ہمت حیدرآباد)

پھر گیا۔ جیسا جتنی دیکھ بھال کیا تھا اس کا بدلہ ہی گیا۔ آخر ٹھیک ٹھاک تو معمولی کام ہے مگر اس کے لیے موڑ بنانا کوئی معمولی بات نہیں۔ اور پھر اسلم صاحب مجھے ایسا کیوں کہتے ہیں۔ مجھے گھر کی ذمہ داریوں سے بیزار کر دینے میں سب سے زیادہ ہاتھ انھیں کا ہے۔ یہی حضرت مجھے گھر سے نکال کر معاشی میدان میں لائے ہیں۔ شادی کے بعد ہی کہنے لگے۔

• آخر تم اپنی ایم۔ اے کی ڈگری کو کیا دیمک کو دو گی ماں باپ نے پیسہ لگا کر کیا اسی لیے پڑھایا تھا کہ تم تعلیم کو سنیت کے رکھ دو۔"

میں نے ان سے کہا: "تعلیم دلوانا ماں باپ کا فرض تھا اور حاصل کرنا میرا۔ اور علم ایسی چیز نہیں کہ اس میں دیمک لگ جائے۔ نوکری میں تب کرتی جب آپ خدا نخواستہ بیکار ہوتے۔ جب آپ برسرِ روزگار ہیں تو مجھے مفت میں سر کھپانے کی کیا ضرورت؟"

پھر انھوں نے کہا: "دیکھو تم نوکری کرو گی تو کچھ پیسے گھر میں آئیں گے گھر میں کچھ چیزیں بڑھیں گی گھر کا اسٹینڈرڈ اونچا ہوگا۔"

میں نے ان کی یہ دلیل بھی رد کر دی کیوں کہ شان و شوکت کی دوڑ میں آگے نکل جانے کا شوق مجھے کبھی نہیں رہا۔ قناعت کی دولت میرے لیے کافی ہے۔ مگر ان کے ترکش میں ایک اور حربہ تھا اور یہ حربہ کارگر رہا۔ کہنے لگے: "اب میں تو یوں ہی کہہ رہا تھا میں تو جانتا ہوں کہ تمھارے اندر نوکری کی صلاحیت نہیں ہے۔"

اب کیا تھا؟ میری جھوٹی انا مجھے ان کا چیلنج قبول کر لینے کے لیے اکسانے لگی۔ آزادیِ نسواں کی حمایت میں میں نے جتنے مضامین پڑھے تھے سب ذہن میں چکر کاٹنے لگے اور میں خود مختاری کے خوش نما فریب میں گرفتار ہو گئی۔ آزادی کا سراب اپنی تمام تر سحر سامانیوں کے ساتھ میرا دل لبھانے لگا اور مجھے اپنے پیچھے دوڑانے لگا۔

آج جب کہ میں دوڑتے دوڑتے تھک کر ہاتھ پاؤں ڈال چکی ہوں۔ تو مجھے احساس ہو رہا ہے کہ آزادی کا وہ پھول جو نوکری کی شکل میں عورتیں اپنے لیے چنتی ہیں وہ آخرکار ایسی غلامی کا کانٹا بن کر چبھتا ہے کہ اُف تک کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ جب عورت کی عقل ماری جاتی ہے تبھی وہ (گھر کی) مالکہ کے عہدے کو چھوڑ کر (گورنمنٹ کی) نوکرانی کا عہدہ قبول کرنے کے لیے خوشی خوشی نجا گئی ہے۔

(شبنم جعفری ٹانڈہ)

گھر وومن کی ڈائری

الہ آباد ـــ ۲۶ر اپریل

مدیر محترم۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ حوصلہ افزائی کا بہت شکریہ۔ یہ کہانی نما مضمون ریڈیو کے لیے لکھا تھا۔ مگر میں نے نشر نہیں کروایا اگر آپ چاہیں تو حجاب میں شائع کرلیں۔ آپ کی بیش قیمت رائے ضرور جاننا چاہوں گی ـــ طالبۂ دعا۔ شبنم

۱۳ اپریل ۱۹۸۱ء کل دوپہر ہی اسلم صاحب (فرشی کے پاپا) کا موڈ آف ہو گیا۔ اس موڈ آف ہونے کا سبب میں تھی لیکن میں اپنے آپ کو اس کا سبب نہیں مانتی۔ میں بھی کیا کروں۔ میرا دل بھی روٹین سے اکتا جاتا ہے۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ اتوار کی صبح خوب آرام اور سکون سے گذاروں لیکن اتوار میرے لیے قیامت بنکر آتا ہے۔ ہفتہ بھر کے بیدردی سے بکھرائے گئے گھر کے سامانوں کو سمیٹنا کپڑوں کی مرمت اور ضروری سامانو کی خریداری کی فہرست بنانا ایک دو کام ہوں تو کہوں سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ میں بھی صاحب بہادر کو اخبار پڑھتے دیکھ کر للچا گئی اور آرام کرسی پر بیٹھ کر میگزین کا حسن وصحت والا کالم دیکھنے لگی۔ جس کی وجہ سے کئی ضروری کام پورے نہیں ہوئے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دوپہر میں ہی اسلم صاحب کو کہیں جانا پڑ گیا۔ اتفاق سے انھوں نے جو قمیص اٹھائی اس کی آستین میں بٹن نہیں تھے۔ بس ان کا پارہ چڑھ ہی تو گیا۔

"ارے میں کہتا ہوں آخر بٹن ٹانکنے میں کوئی گھنٹہ دو گھنٹہ تو نہیں لگ جاتے۔ اتنا ذرا سا کام تم سے نہیں ہو سکتا۔ فرصت ہی نہ ملی ہوگی۔"

۱۔ نوکری، پیشہ، عورت

ان کا آخری جملہ میرے دل میں تیر کی طرح

کو پیتے رہو۔ تم نے اپنی انفرادیت کھو دی۔ مرد کھانا پکانے اور برتن دھونے سے بھاگتے ہیں اسے اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں مگر تم نے آفس کی کرسی پر بیٹھ کر دس بجے سے چار بجے تک کام کرنا اپنے لیے باعث فخر و مسرت سمجھا گھر کی آمدنی بڑھانے کے لیے کسب معاش کے لیے گھر سے نکلنے سے پہلے تو نے اپنا دل بھی انھیں مغربی عورتوں کی طرح بے لچک بنایا ہوتا جو آفس یا فیکٹری سے لوٹ کر کھانا تو پکا دیتی ہیں مگر پھر اور کوئی کام نہیں کرتیں۔ بس سکون سے بیٹھی بیٹھی شوہر کو برتن دھوتے ہوئے دیکھتی رہتی ہیں۔ ہندوستانی عورتو! تمہارے دیس کی آب و ہوا مادی ترقی، معاشی آزادی اور جنسی مساوات کے اس لغو اپروریڈ نظریہ کی متحمل نہیں ہو سکتی جو کبھی تو عورت کو فیکٹری اور مل میں سخت محنت کرنے پر مجبور کرتا ہے اور کبھی عریاں اشتہارات اور پوسٹروں کے ذریعہ اس کا استحصال کرتا ہے۔ اسے صرف ایک استعمال کی چیز یعنی Commodity بنا کر پیش کرتا ہے۔ سماج میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنا ہے تو استحصال کرنے والوں کی غلط روش کے خلاف علم بغاوت بلند کر دو۔ لڑنا ہے تو فرسودہ رسموں اور رواجوں سے لڑو۔ فطرت کے اٹل اصولوں سے لڑانے سے کیا فائدہ۔ معاشی خود مختاری اگر عورت کے مسائل کا حل ہوتی تو نوکری پیشہ عورتوں کو بھی اپنے شوہروں کے جوتے چپلے کیوں برداشت کرنے پڑتے کتنی ہی کنواری لڑکیاں ایسی ہیں جو صرف اس لیے نوکری کرنے پر مجبور ہیں تاکہ ان کی شادی میں انھیں عمدہ جہیز دیا جا سکے۔ تعیش کی چیزیں خریدنے کے لیے نوکری کرنے والی عورتوں نے کبھی ان مجبور لڑکیوں کے مسائل کے لیے بھی سوچا۔ اگر نہیں تو انھیں بیدار کہا جائے یا خفتہ؟ خود غرض کہا جائے یا ایثار پسند؟ آج کل کی عام معاشرتی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس میں 'مکر و دغا بازی' کا راج ہے اور 'دغاؤں' کا دور دورہ ہے۔ لڑکیوں کو اپنے اندر اتنی جرأت تو ضرور پیدا کرنی چاہیے کہ وہ جب چاہیں اپنی روزی کمانے کا کوئی طریقہ تلاش کر سکیں مگر اس کے ساتھ ہی انھیں خاموشی سے ظلم سہنے کی (اور بالواسطہ طور پر ظالم کو تعاون دینے کی) عادت چھوڑ دینی چاہیے۔

ان تمام خیالات کے باوجود میں نوکری سے بندھی رہی یہاں تک کہ ہم دو سے تین ہو گئے۔ ننھے مرشی نے جب اپنی معصوم آنکھیں کھول کر پہلی بار مجھے دیکھا تو مجھے لگا جیسے میں اسے ایک پل کے لیے بھی اپنے سے الگ نہیں کر سکوں گی۔ لیکن مجھے ایسا کرنا

اس نوکری نے مجھے ایک لمحہ کا سکون نہیں دیا۔ گھڑی کی سوئیوں نے میری ایک ایک سانس پر حکمرانی کی۔ زندگی کی ساری لطافت اور سارا حسن صبح شام کی بھاگ دوڑ کی نذر ہوگیا۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر گھر کے کاموں کی شروعات کرتی اور نو بجے تک بڑی مشکل سے ناشتہ اور کھانا پکا پاتا اور صفائی ہو پاتی کیوں کہ میری ملازمہ ایسی جاہل واقع ہوئی تھی کہ ایک ایک کام کروانے کے لیے اس سے دیر تک مغز پچی کرنی پڑتی تھی۔ اسلم صاحب میرے اسکول جانے کے تقریباً آدھ گھنٹہ بعد آفس جاتے تھے اور اس آدھ گھنٹہ میں اپنے کپڑے تلاش کرنے اور نہانے میں پوری الماری اور الگنی کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ شام کو اسکول سے واپس آکر گھر کی چیزوں قرینے سے سجانے کا خیال بھی میرے لیے سوہان روح ہوتا۔ یہی گھر پہلے آئینہ بنا رہتا ہے۔ اب اس میں قیمتی چیزیں تو بہت سی آگئیں مگر انھیں قرینے سے رکھنے والا کوئی نہ رہا۔ گھر لوٹنے کے بعد دن بھر کے تھکے ہوئے جسم کو زیادہ سے زیادہ آرام دینے کے علاوہ اور کسی چیز کی نہ تو فرصت رہ گئی اور نہ شوق۔

نئے نئے پکوان بنانے ہاتھوں میں مہندی رچانے اور سنگار کرنے کا بھی وقت کہاں۔ گھر آکر بھی کبھی کبھی اسکول پیچھا نہ چھوڑتا امتحان کاپیوں کی شکل میں ساتھ لگا چلا آتا۔ سوئٹر کا اون مہینوں کا آیا پڑا ہے مگر تھکا ہوا ذہن کوئی نئی ڈیزائن سوچنے سے قاصر۔ رشتے دار الگ شکایت کرتے "آپ کے یہاں آئے تھے تو گھر میں تالا لگا تھا۔ آپ لوگ کبھی ملتے ہی نہیں۔" کبھی کبھی شام کو کچھ لوگ آتے تو انھیں ہمارے برتاؤ میں روکھا پن ملتا۔ چونکہ اسلم صاحب کو بھی گھر پر مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اس لیے ان پر بھی چڑچڑاہٹ اور بدمزاجی کے دورے شدید ہوتے گئے۔ دھیرے دھیرے ان کی سمجھ میں آگیا کہ انھوں نے مجھے نوکری کرنے کے لیے مجبور کرکے اچھا نہیں کیا مگر ان میں اتنی اخلاقی جراءت نہ تھی کہ وہ اپنی غلطی کا اقرار کرتے۔ کبھی کبھی اکتا کر میں خود کو کوسنے لگتی اور کبھی پوری تحریک آزادی نسواں کو!

آہ! عورت! تو نے اپنی جان پر کھیل کر یہ تو ثابت کردیا کہ تو باہر کی ذمہ داری بھی سنبھال سکتی ہے مگر یہ نہ ثابت کر پائی کہ تو ناقص العقل نہیں ہے۔ تو نے صرف مردوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ تو ان سے کم نہیں ہے۔ دوہری ذمہ داریاں اوڑھ لیں۔ گھر اور باہر کے کام چکی کے دو پاٹوں کی طرح تیری شخصیت کے جوہر

دل کے شیطان

(طارق سجاد)

اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور پولیس اس سترہ برس کے لڑکے کو بے دردی کے ساتھ کھینچے ہوئے حوالات لیے جا رہی تھی۔ سارے لوگ حیران تھے کہ وہی لڑکا جو کبھی اسکول کا ایک ہونہار طالب علم سمجھا جاتا تھا آج قانون کے شکنجے میں پڑ کر بری طرح تڑپ رہا ہے۔ اس کا جرم بے حد سنگین تھا۔ اور وہ تھا ایک اپنے ہی ہم عمر لڑکے کا قتل! اس کی سوتیلی ماں الگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اس کے والد غم کی تصویر بنے حوالات کا چکر لگا رہے تھے۔ لوگوں میں غم و غصہ کی ایک لہر تھی کہ آخر یہ ذرا سا بچہ ایسی ہمت کیسے کر گیا؟ اس کا باپ شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا!! اس کی گردن جھکی تھی اور اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ لوگوں کی نظروں سے نظر ملا سکے۔

اس نے جیل میں پڑے پڑے یادوں کے پچھلے اوراق پلٹنے شروع کر دیے۔ جب اس نے اپنی زندگی کے پہلے باب کا پہلا صفحہ کھولا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اس وقت بالکل بچہ تھا جب اس کی ماں اسے بنا سنوار کر بڑے لاڈ و پیار کے ساتھ اسکول روانہ کرتی تھی۔ وہ اسکول میں ہمیشہ ہم عمر دوستوں کے ساتھ چہکتا رہتا۔ پڑھنے لکھنے میں خوب دل لگاتا اور استاد اس کی بہت تعریف کیا کرتے۔

لیکن اچانک اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا جہاں سے وہ اپنی زندگی کو تاریکی میں گرتے ہوئے صاف محسوس کرنے لگا۔ یہ عظیم سانحہ اس کی غمگسار اور شفیق ماں کی موت کا تھا۔ اس کے والد نے یہ سوچ کر دوسری شادی کر لی کہ اس کے بیٹے کو اپنی ماں کی غیر حاضری نہ کھلے لیکن اس واقعے نے اس کے دل پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا من پڑھائی لکھائی سے بالکل اُچاٹ ہو گیا اور

پڑا۔ میں نے اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک آیا رکھ لی آیا بچوں کی دیکھ بھال کے کام میں ماہر تھی۔ مگر پھر بھی اسکول جاتے وقت مجھے ایسا لگتا تھا جیسے عرشی رو کر کہہ رہا ہو۔

"امی مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ مجھے زیادہ اچھے کپڑے، عمدہ جوتے اور بہترین کھانا نہیں چاہئے مجھے تمہارا چوبیس گھنٹہ کا پیار اور ساتھ چاہیئے۔ مجھے تمہاری ممتا اور تربیت کی ضرورت ہے۔"

اور عرشی کے پاپا ہر بار استعفٰی دینے کے میرے ارادوں کو متزلزل کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ عرشی ڈھائی سال کا خوب باتونی لڑکا بن گیا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ بہت مطمئن ہے۔ مگر کل اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جس سے مجھے پتہ چلا کہ اس کی روح کتنی بے چین ہے۔ اور ہم اس کو دن بھر گھر میں اکیلا چھوڑ کر اس کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی کر رہے ہیں۔

ہوا یوں کہ ہم دونوں آنگن میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے۔ دوپہر کی بات کا اثر ابھی تک میرے دل پر تھا۔ میں خاموش بیٹھی تھی۔ عرشی باہر کھیل رہا تھا۔ اچانک وہ دوڑا دوڑا آیا اور بولا۔

"امی! پاپا!! جلدی چلئے ایک بندر آیا ہے۔ بندریا بھی ہے اور ایک اس کا پیارا سا بچہ بھی۔"

ہم دونوں کو زبردستی گھسیٹ کر وہ دروازے تک لے گیا۔ تب تک بندر ہمارے آنگن کی دیوار پر چڑھ گیا تھا۔ بندریا ننھے بندر کو پیٹ سے چپکائے ہوئے چل رہی تھی۔ عرشی غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بندریا کے پیٹ سے چپکا اس کا ننھا سا بچہ حساس عرشی کے ذہن میں ایک سوال بن کر چبھ رہا تھا جو آخرکار زبان تک آ گیا۔

"امی! دیکھئے بندر کی امی اسے اپنے ساتھ لئے ہے۔ آپ مجھے روز آیا کے پاس چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ امی آپ میرے پاس رہئے نا۔ مجھے چھوڑ کر مت جائیے گا۔ مت جائیے گا امی۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ان آنسوؤں نے عرشی کے پاپا کو بھی پگھلا دیا۔ انھوں نے خود ہی میرا استعفٰی لکھا اور مجھ سے دستخط کر کے اسکول بھیج دیا۔

اب میں اپنی زندگی سے بہت مطمئن ہوں۔

اب میں اپنی ساری صلاحیتیں اور سارا وقت گرہستی کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لیے وقف کر دوں گی۔ ●

سے جب گھومنے شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل جیب کاٹنے کا پیشہ اختیار کر لیا تھا لیکن پھر بھی گھر کی یاد کبھی نہیں ستاتی۔ چنانچہ اس کے دونوں دوستوں نے گھر خط لکھ کر یہ آگاہ کر دیا کہ وہ کہاں ہیں؟ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب اس کے والدین انہیں لینے کے لیے آئے تو اس کے دونوں دوست تو واپس چلے گئے لیکن وہ پھر بھاگ گیا۔ اور جب اس کے پیسے ختم ہو گئے تو وہ کئی دنوں بعد نہایت بُرے حال میں گھر پہنچا۔ اس کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا گھر میں اس کی اچھی خاصی مرمت بھی ہوئی اور گھر سے باہر نکلنے سے روک دیا گیا۔ تھوڑے دنوں بعد اس نے بے جا حرکتیں پھر شروع کر دیں۔ جب اس کے سارے دوستوں نے اس سے قطع تعلق کر لیا تو اس نے شہر کے غنڈوں اور داداؤں کے ساتھ میل جول بڑھا لیا۔

اب پھر اس نے ماضی کے تیسرے باب کو کھولنا شروع کر دیا۔ اب اس کے نام کے آگے پیچھے "باس غنڈہ" کا دم چھلا لگ چکا تھا اور وہ اسے بڑے فخر کی بات سمجھتا تھا۔ اب اس کے پاس باضابطہ بم اور ریوالور رہنے لگے تھے اور یہ سب مہربانیاں اس کے چند رنگ دوستوں کی تھیں۔ پہلے تو وہ اسے لینے سے جھجکتا تھا لیکن محض جوش میں آکر اس نے یہ قبول کر لیا۔ اب تو اس کے ہم عمر دوست بھی اس سے ڈرنے لگے۔

آخر جس بات کا اسے ڈر تھا وہی ہو کر رہا یعنی اس وقت وہ اپنے آپ کو بالکل قابو میں نہ رکھ سکا جب ایک لڑکے کے ہاتھوں سے بُری طرح پٹ رہا تھا اس نے فوراً ریوالور نکال کر اس پر فائر کر دیا، اور اس کے ہاتھ سے یہ پہلا خون تھا۔ خون دیکھ کر وہ بالکل گھبرا اٹھا تھا اور اس پر مالیخولیا کا عالم چھا گیا۔ وہ ابھی بھاگ بھی نہیں سکا تھا کہ پولیس اسے گرفتار کر کے لے گئی۔

یہ سوچتے سوچتے اس نے ماضی کے اوراق کو پلٹنا بند کر دیا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہنے لگی اور وہ آخر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ آیا اس کے گھر والے اس کی اس حالت کے موجب ہیں یا اس کے مہربان دوست یا وہ خود۔

اوہام شکن نمبر

اوہام شکن نمبر ہمارے پاس ختم ہو گیا تھا لیکن ایک پارسل جو ہم نے ایک جگہ بھیجا تھا بہت دنوں کے بعد واپس آگیا۔ ضرورت مند بھی بھائی اب منگا لیں۔ [illegible]

اور اب اسے اسکول میں بہت کم ہی دیکھا جانے لگا۔ وہ اکثر گھر سے یہ کہہ کر چلتا کہ وہ اسکول جا رہا ہے لیکن پھر اپنے چند دوستوں کے ساتھ اسکول سے بھاگ جاتا۔ اس کو خود حیرت ہوئی کہ اس کی یہ تبدیلی آیا اس کی ماں کی موت کی وجہ سے ہوگئی یا سوتیلی ماں کی وجہ سے۔ جب کہ اس کی سوتیلی ماں اس سے سگی ماں کی طرح محبت کرتی تھی۔

اتنا سوچ کر اس نے ایک سرد آہ بھری اور ماضی کے دوسرے باب کے اوراق کو پلٹنا شروع کر دیا۔ جب وہ بڑا ہوگیا تھا۔ اس کی بُری عادتوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ اس نے کئی بار اپنے گھر سے پیسے چرائے اور اپنے دوستوں کو دعوت دی۔ دوستوں نے پوچھا کہ وہ پیسہ کہاں سے لایا ہے تو وہ صاف جھوٹ بول گیا تھا۔ وہ اب اپنے ہم عمر لڑکوں کا دادا بن گیا تھا۔ مارپیٹ، چوری وغیرہ میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتا۔ اس کی ان بے جا حرکتوں سے نالاں ہو کر لوگ اس کے گھر پر شکایت پہنچانے لگے۔ پہلے تو اس کے والد نے اسے نظر انداز کیا۔ پھر سمجھایا بجھایا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر جب وہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تو اس کے والد نے اس پر سختیاں شروع کر دیں۔ مجبوراً انہیں اسکول والوں سے اس کا نام خارج کرانا پڑا اور اس کے والد نے اسے دکان پر بیٹھنے کی سختی کے ساتھ تاکید کر دی۔ لیکن جس کو کسی چیز کی لت لگ جاتی ہے۔ وہ بہت مشکل سے چھٹتی ہے چنانچہ پیسے چرانے کی لت وہاں بھی برقرار رہی۔ اسے یہ بات اچھی طرح یاد تھی۔ کہ چند اچھے اور شریف دوستوں نے اسے سمجھایا بھی لیکن وہ الٹے ان پر برس پڑا تھا۔

اس واقعہ کی یاد سے وہ بید کی طرح کانپ اٹھا کہ جب اس نے اپنے ہی ہم خیال کے دو دو دوستوں کو گھر سے بھاگ چلنے کی ترغیب دی تھی۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے دوستوں کو بھڑکایا کہ گھر کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ ہمیشہ مارپیٹ، ڈانٹ ڈپٹ۔ اس سے اچھا ہے کہ کچھ پیسے لے کر کہیں بھاگ چلا جائے اور آزادانہ زندگی بسر کی جائے۔ چنانچہ گرمی کی ایک خوشگوار صبح کو جب تمام لوگ سو رہے تھے۔ وہ تینوں گھر سے بھاگ نکلے۔

وہ نہ لوٹے تو ان کے والدین کو فکر ہوئی۔ ان کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ لوگ فرار ہو چکے ہیں اس یاد سے اس کی گردن خود بخود شرم سے

یہ ہیں وہ حقوق جو اسلام عورت کو دیتا ہے ان سے وہ جب ضرورت ہو کام لے سکتی ہے۔ اس کی بنا پر مرد و زن کے حقوق میں ایک توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے تو عورت کو بھی اس کے مقابلے میں کچھ حقوق حاصل ہیں۔

بڑی مصیبت یہ ہے کہ غیر مسلم حضرات تو دور کی بات ہے خود مسلمانوں نے بھی اسلام کو مکمل طور پر نہیں سمجھا ہے۔ اس لیے اپنی کم علمی کی بنا پر یہ لوگ غیر مسلموں کے اعتراضات کا ٹھوس جواب دینے کے بجائے خود اپنے مذہب سے ہی متنفر ہوتے جا رہے ہیں۔ فقہی مسائل پر کتابی صورت میں تو کافی لٹریچر موجود ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہی مسائل کو اخبارات و رسائل کے ذریعے عام بنایا جائے۔

اسلام، عورت اور مسئلۂ طلاق

(شائستہ میمن)

جہاں تک خاوند سے علیحدگی یا طلاق کا تعلق ہے۔ جس کے ذریعے عورت قید نکاح سے آزاد ہو کر اپنی تمام ازدواجی ذمہ داریوں سے آزادی حاصل کر لیتی ہے اس کے حصول کے تین طریقے ہیں۔

(۱) نکاح کے وقت عورت اپنے ہونے والے خاوند سے طلاق کا حق حاصل کرے۔ اسلامی قانون کی رو سے اگر مرد چاہے تو اس طرح سے طلاق کا حق اپنی بیوی کو تفویض کر سکتا ہے مگر عملاً عورتیں بہت کم اپنے اس حق کا استعمال کرتی ہیں۔ بہر حال قانون میں ان کا یہ حق موجود ہے اور وہ جب چاہیں اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

(۲) عورت عدالت میں اس بنا پر بھی طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ اپنے خاوند سے نفرت کرتی ہے اور اس کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتی۔ سنا ہے بعض عدالتیں اس پر عمل نہیں کرتیں۔ حالانکہ اس تعلق سے واضح اسلامی احکام موجود ہیں۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ فقہ اسلامی کا ایک جز ہے۔ جب عورت خود طلاق کا مطالبہ کرے تو اسلام اس پر صرف ایک پابندی لگاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاوند سے ملنے والے تمام سامان جہیز کو واپس کر دے۔ یہ انصاف کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ خاوند اگر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کو بھی تمام سامان بیوی کو اس طرح دینا پڑتا ہے۔ گویا قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مرد اور عورت دونوں کو کچھ مادی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

(۳) بیوی کے سامنے تیسری راہ یہ ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے اپنے خاوند سے طلاق لینے کے ساتھ ساتھ اپنا سامان جہیز اور نان نفقہ بھی وصول کرے بشرطیکہ وہ عدالت کو ضروری ثبوت کے ذریعہ مطمئن کر دے کہ اس کے خاوند نے اس سے بدسلوکی کی ہے اور نکاح کے وقت اس نے اس کو نان نفقہ دینے کا جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا۔ اگر عدالت اس کے دعوے کو صحیح تسلیم کرے تو ان کے نکاح کو فسخ کرنے کے احکام جاری کر سکتی ہے۔

لے بیٹے گھر پہ علاج کرتے رہے۔ پھر شام ہوتے ہوتے میں کافی بگڑ گئی۔ پھر محلے سے پڑوسن کو لیا اور ڈاکٹر کی تلاش کرنے گئی۔ انجکشن وغیرہ دئیے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا پھر دوسرے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ اب بچی کا جینا بہت مشکل ہے۔ تم فوراً جاؤ ہسپتال (نرملا ہسپتال) یا کلینی ہسپتال لے جاؤ۔ ہم ٹھیک ۱۲ بجے رات نرملا ہسپتال پہنچے۔ یہ عیسائیوں کا مشنری ہسپتال ہے۔ وہاں بچی کو فوراً بغلوں میں دونوں طرف گلوکوز چڑھایا گیا۔ صبح تک بچی بے ہوش ہی پڑی رہی۔ ہم نے رات آنکھوں ہی میں کاٹ دی۔ صاحب خانہ رات ہی میں واپس آ گئے تھے۔ پھر یوں پانچ دن تک ہسپتال میں گذارنے پڑے۔ مگر تب بھی نہ تو بچی ہوش میں آئی نہ بخار ٹوٹا البتہ دست و الٹیاں کم ہو گئی تھیں۔ پیٹ کا ابھار غضب کا ہو جاتا۔ انیما دیا جاتا تو بڑے سے بڑے دست کی شکل میں پیٹ کا ابھار کم ہوتا۔ روزانہ یہی حالت رہتی۔ ۲۴ گھنٹوں میں ۱۰ انجکشن دیے جاتے۔ میں نے تو پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر راتیں گذار دیں۔ دن کو میرے شوہر ہسپتال آ جاتے پھر ساگر سے میری بہن، ساس، نند سبھی آ گئے۔ آخر کار برف کی تھیلیاں پہنائی گئیں۔ مگر کچھ اثر نہ ہوا میرے تو اوسان ہی

خطا ہو گئے تھے نہ کھانے کا ہوش نہ سونے کا۔ پھر ۵ دن کے بعد گھر واپس لے آئے۔ یہاں محلہ بھر کی عورتیں آ کر جمع ہو گئیں۔ سبھی اپنی اپنی کہہ رہی تھیں کہ چندہ بچی پہ ضرور کچھ سایہ ہو گیا ہے۔ باوجود منع کرنے کے اپنی سی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ کوئی بعض عربی آیتیں پڑھ کر دم کر رہی تھیں۔ کوئی اُتارا اُتارا کر رہی تھیں۔ کوئی عجیب سے پکوان کر کے خیرات کر رہی تھیں۔ میں دم سادھے بچی کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ اس ننھی سی جان کا اب پیشاب بھی رک گیا تھا پورے ۱۶ گھنٹے ہو گئے تھے بچی کی تڑپ دیکھی نہیں جاتی تھی۔ پھر یکایک اس کی آنکھیں چھت پر ٹک گئیں۔ میری تو جیسے چیخ نکل گئی۔ سارے گھر والے دوڑ پڑے۔ پڑوس کی لڑکیاں بے ساختہ خبو خبو کہتے رو پڑیں۔ میں نے آہستہ سے بچی کو گود سے اُتارا اور جھٹ سے برقع ڈال کر بچی کو سنبھالا اور ڈاکٹر کے پاس لے چلی۔ وہاں اس نے غور سے بچی کا ٹسٹ کیا اور کہا کہ بچی کی غذا کی نالی بیکار ہو گئی ہے۔ آپ فوراً کلینی ہسپتال یا نرملا ہسپتال لے جائیے پھر ہم نے بتایا کہ وہاں ۵ دن رہ کر واپس ہوئے ہیں۔ اب تو کلینی ہسپتال ضرور

سنجیدہ اختر۔ بھدراولی

ناقابلِ فراموش

حلقہ حجاب کی خواتین مجھ سے پوچھا کرتی ہیں کہ ہم لکھنا چاہتی ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھیں؟ ایسی بہنوں کے لیے یہ مضمون ایک نمونہ ہے۔ کون ہے جس کی زندگی میں کہانیاں نہیں بھری ہیں۔ بس انہی کو سادہ لفظوں میں لکھ دیجیے۔ جب آپ زبان سے کہہ سکتی ہیں تو قلم سے بھی لکھ سکتی ہیں۔ اقدا اللہ خیر صلا۔ (م)

یہ واقعہ ۱۹۶۹ء کا ہے۔ ان دنوں ہماری تین اولادیں تھیں۔ تینوں ہی لڑکیاں تھیں۔ سب سے چھوٹی لڑکی عائشہ فردوس سال بھر کی تھی۔ اتفاق سے سسر جی اپنے علاج و معالجہ کے لیے ہمارے ہاں مقیم تھے اور خوشدامن صاحبہ اور ایک غیر شادی شدہ نند ساگر نامی شہر میں رہتی تھیں۔ شعبان کی عید آگئی تو ہمیں وہیں بلایا گیا تھا۔ ہم دونوں میاں بیوی بھدراولی سے ساگر روانہ ہوئے اپنے گھر سے سسر جی کو دلیو دلیوالی کے ہاں بھیج دیا گیا جو کمپنی ہسپتال سے بالکل قریب تھیں۔

ساگر گئے اور شب برات منائی (یہاں شب برات بڑے طمطراق سے منائی جاتی ہے) ہم سبھوں نے مل جل کر نوافل و تسبیحات سے رات گذری اور سحری کرکے ہم نے اپنی بہنوں سے (جو وہیں رہتی ہیں) ملنا ملانا کیا اور واپسی گیارہ بجے ہوگئی۔ راستے میں میری ننھی سی عائشہ کو الٹیاں شروع ہوگئیں اور ساتھ ہی دست بھی بھدراولی پہنچنے تک بچی کی حالت نازک ہوگئی۔ صاحب خانہ کو کھیتوں پر جانا ضروری تھا اور ویسے بھی وہ اپنے والد کا حکم نہیں ٹالتے تھے۔ وہ فوراً روانہ ہوگئے۔ میں

کی کتنی بڑی دنیا ہے ہم پر۔ مدینہ میں تو بے بی سے ناامید ہو گئی تھی) اس طرح میری منت اللہ نے پوری کر دی (میں نے بچی کی حالت دیکھ کر اللہ سے فریاد کی تھی کہ پروردگار میری کوئی اپنی بچی جو تجھے سب سے زیادہ پیاری ہو اس کے بدلے میری ننھی سی گڑیا کی جان بخش دے۔ پھر ہم نے وہیں سجدۂ شکر ادا کیا اور پورے چار دن رہ کر گھر واپس ہوئے۔ اور آج وہ بچی تیرہ سال کی ہے۔ الحمد للہ۔

یہ واقعہ میں زندگی بھر نہ بھول سکوں گی۔ میرا توکل خدا پر اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ خدا ہر ایک کو شکر گذار بندہ بنائے۔ آمین۔

لے جائیے ورنہ بچی گھنٹہ بھر کی مہمان ہے ہم نے فوراً کار پکڑی اور ہسپتال چل پڑے اس وقت ۱۰ بجے تھے۔ شاید رات کے لیڈی ڈاکٹر واپس ہو رہی تھی۔ ہم اسے واپس اپنی کار میں بٹھا کر ہسپتال لائے وہاں بچی کا معائنہ کیا گیا تھا۔ سارے بل موجود تھے اس نے دیکھا اور مجھے گال پر تھپکی دی۔ کہا بی جی آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کی بے بی ضرور اچھی ہو جائیگی اتنی SWEET BABY کو ہم کیسے نہ اچھا کریں گے پھر خود ہی گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے انجکشن لگایا اور گولی کھلائی۔ نرس کو تاکید کی کہ ہر ۵ منٹ پر اسے فون کرے ورنہ اس کیس کی تم خود ذمہ دار ہوگی پھر ہم نے اسپیشل کمرہ لیا۔ پھر ہم دونوں ساس بہو بچی کو لیے وہیں بیٹھ گئیں۔ ہم دونوں کی نگاہیں بچی پر تھیں۔ بچی بڑے آرام سے سو رہی تھی۔ اتفاقاً اسی کمرہ میں ایک ۵۰ سالہ عورت صحت یاب ہو کر صبح جانے والی تھی۔ (ہماری ساس کی سہیلی نکلی) پھر اسی سے وہ باتیں کرتے کرتے سو گئیں۔ اس نے بتایا کہ رات میری لڑکی قریہ سے آئی تھی۔ رات کو ڈسچارج تو ہو گئی مگر قریہ جانا ٹھیک نہ سمجھ کر رک گئی اب صبح داماد و بیٹی آئیں گے اور ساتھ لے جائیں گے۔ ہم نے اسے مبارک باد دی۔ اس کے بعد وہ بھی سو گئی۔ میری خوش دامن صاحبہ کے ہاتھ سے پانی پیا اور ہمیشہ کے لیے سو گئی۔ بچی کی والدہ نے ساڑھے پانچ بجے نماز پڑھی اور اس بڑھیا کو پکارا۔ مگر اس نے بات نہیں کی۔ پھر ہم تسبیحات میں مشغول ہو گئے۔ ۶ بجے نرس آئی۔ بچی کا ٹمپریچر دیکھا اور ویری گڈ کہتے ہوئے اس عورت کی طرف مڑی اور بے ساختہ مائی گاڈ کہتے ہوئے اچھل پڑی۔ ہم سب گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ بے چاری نرس جلدی سے اپنے سینے پر صلیب بنانے لگی۔ اور سفید چادر اس عورت کے چہرے تک کھینچ ڈالی۔ ہم نے اس وقت سمجھا کہ یہ عورت پہلے گھر جانے کے حقیقی گھر کی طرف چل پڑی۔ پھر ڈاکٹرس نرسیں وغیرہ کمرہ میں جمع ہو گئیں۔ R.M.O ہمارے طرف بڑھی۔ اور منی کو بے ساختہ پیار کرنے لگی۔ منی نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے گلے میں پڑے اسٹیتھ اسکوپ سے کھیلنے لگی۔ ڈاکٹر ہم سے یوں مخاطب ہوئی کہ بی بی جی دیکھو تو (یا) ہند والے عزرائیل کو کہتے ہیں۔) نے اس سوئیٹ بے بی کو لے جانا پسند نہ کیا۔ بجائے اس کے اس عورت کو لے گئے۔ یہ پتا

تشریحات مودودیؒ

دنیاوی زندگی

یا دنیا کی زندگی

مرسلہ: ساجدہ فرزانہ

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۃ الانعام)

ترجمہ:- "دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشہ ہے، حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں، پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لوگے؟"

تشریح:- اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کی زندگی میں کوئی سنجیدگی نہیں ہے اور یہ محض کھیل اور تماشے کے طور پر بنائی گئی ہے۔ دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی حقیقی اور پائیدار زندگی کے مقابلہ میں یہ زندگی ایسی ہے جیسے کوئی شخص کچھ دیر کھیل اور تفریح میں دل بہلائے اور پھر اصل سنجیدہ کاروبار کی طرف واپس ہو جائے۔ نیز اسے کھیل اور تماشے سے تشبیہ اس لیے بھی دی گئی ہے کہ یہاں حقیقت کے مخفی ہونے کی وجہ سے بے بصیرت اور ظاہر پرست انسانوں کے لیے غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کے بہت سے اسباب موجود ہیں اور ان غلط فہمیوں میں پھنس کر لوگ حقیقت نفس الامری کے خلاف ایسے ایسے طرز عمل اختیار کرتے ہیں جن کی بدولت ان کی زندگی محض ایک کھیل اور تماشہ بن کر رہ جاتی ہے۔

مثلاً جو شخص یہاں بادشاہ بن کر بیٹھتا ہے اس کی حیثیت حقیقت میں تھیٹر کے اس مصنوعی بادشاہ سے مختلف نہیں ہوتی جو تاج پہن کر جلوہ افروز ہوتا ہے اور اس طرح حکم چلاتا ہے گویا

غیبت

(ساجدہ فرزانہ)

کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنے کو غیبت کہتے ہیں۔ اسلام میں اس کی سخت ممانعت ہے۔ سورۂ الحجرات میں ارشاد باری ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ: "اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔ بھلا اچھا لگے گا تم میں کسی کو کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو۔ کتنی گھن آتی ہے تم کو اس سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔"

میری عزیز بہنو! سوچیے کہ غیبت کرنا کتنا برا اور گھناؤنا کام ہے۔ کیا کوئی یہ چاہتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے اور وہ بھی مُردہ بھائی کا۔ بھائی کا گوشت کھانے کی تشبیہ غیبت کرنے والے کو لرزا دینے کے لیے کافی ہے۔ کیسا تکلیف دہ یہ خیال ہے کہ انسان انسان کا گوشت کھائے اور وہ بھی اپنے مرے ہوئے بھائی کا۔ نعوذ اللہ

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس اخلاقی بُرائی سے بچنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "غیبت یہ ہے کہ تو پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی بُرائی بیان کرے" عرض کیا گیا "اے اللہ کے رسولؐ! اگر اس میں وہ بُرائی موجود ہو تو؟" آپؐ نے فرمایا: "اسی کو تو غیبت کہتے ہیں، کیونکہ کسی کی پیٹھ پیچھے اگر کوئی ایسی بات کہی جائے جو اس میں موجود نہ ہو تو یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے جو غیبت سے کہیں زیادہ بُری بات ہے۔" غیبت کی گندگی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضورؐ کے سامنے کہہ دیا کہ "وہ ٹھنگنی (چھوٹے قد کی) ہیں۔" حضورؐ نے فرمایا: "عائشہ! تم نے ایسی بات کہی ہے جو اگر سمندر میں ملا دی جائے تو اس کو گندہ کر دے"۔ یہ بات بھی ہمیشہ یاد رکھیے کہ غیبت کرنے والا انسان غیبت کر کے فضول اپنی نیکیاں برباد کر لیتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، "آگ جو عمل سوکھی گھاس کے ساتھ کرتی ہے، غیبت اس سے زیادہ غیبت کرنے والے کی نیکیوں کے ساتھ کرتی ہے" یعنی نیکیوں کو برباد کر دیتی ہے۔ حضرت مالک بن دینارؒ بڑے مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ ایک دن ان کے سامنے ایک کتا آبیٹھا۔ کسی نے اس کتے کو ہٹانا چاہا تو فرمایا "رہنے دو۔ یہ کتا غیبت کرنے والے دوست سے اچھا ہے"۔

[illegible]
[illegible]

موٹاپا

موٹاپا لازمی طور پر انسان کی عمر میں کمی پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کو بہت خطرناک مرض سمجھنا چاہیے بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جو موٹاپے کے ساتھ وابستہ ہیں جیسے ذیابطیس شکری (پیشاب میں شکر آنا) ہائی بلڈ پریشر (خون کا دباؤ بڑھ جانا) دل کی بیماریاں کا ہونا پتے کی بیماریوں کا ہونا۔

موٹاپا ایسی بیماری ہے، جو انسانی زندگی کے ساتھ چلتی ہے۔ غذا میں کمی کرنے سے اور کسرت کرنے سے موٹے آدمی کا وزن چھ سے لے کر آٹھ کلوگرام تک کم ہو سکتا ہے اس لیے موٹے آدمی کو اس غذا ہونے کو پوری زندگی اپنانا پڑے گا۔ بہت سی مائیں اپنے بچوں کو بار بار دودھ پلاتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ ایسا کرنے سے بچہ جلدی موٹا ہو جائے گا۔ مگر ان کو سمجھنا چاہیے کہ بچے کو زیادہ کھانے کی عادت پڑ جائیگی اور بعد میں اس کو موٹاپا جیسا مرض لاحق ہو جائے گا۔ اکثر مائیں اپنے اسکول جانے والے بچوں کو گھی اور طرح طرح کی غذائیت والے کھانے زبردستی کھلاتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ ان کو دماغ زیادہ لگانا پڑتا ہے اس لیے ان کو غذا کی زیادہ ضرورت ہے ان کو سمجھنا چاہیے کہ صرف جسمانی محنت کرنے میں زیادہ غذا کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس طرح ان کا دماغ بڑھ جانے کے بجائے وہ زیادہ موٹے ہو جاتے ہیں۔

عورتوں کو بعد ولادت ان کے گھر کے سب لوگ ہمدردی اور پیار میں آکر زیادہ گھی میدے اور زیادہ حرارے والے کھانے ان کو دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کو زیادہ طاقت کی ضرورت ہے مگر ایسا کرنے سے وہ زچائیں زیادہ موٹی ہو جاتی ہیں اور پھر یہ موٹاپا ان کی زندگی کا ساتھی بن جاتا ہے۔

موٹاپا کم کرنے کے لیے ایسی غذائیں استعمال کرنی چاہئیں جن میں حرارے کم ہوں چاہے وہ کمیت میں زیادہ ہوں مگر کیفیت میں کم مثلاً پھل (سوائے کیلے اور آم کے) ہری ترکاریاں جیسے گاجر، ٹماٹر، پالک، سلاد، ہری ترکاریوں کا شوربہ، گوشت، دالیں وغیرہ۔ صبح کا ناشتہ ختم کر دینا چاہیے یا پھر ایک کپ دودھ بغیر شکر کے استعمال کر سکتی ہیں دوپہر کے کھانے میں چاول آلو نہیں کھانا چاہیے۔ روٹی ہلکی کے ساتھ کھانا چاہیے۔ مذکورہ بالا احتیاط کرنے سے موٹاپے میں کمی اور وزن معمول پر آ جاتا ہے

کہ وہ واقعی بادشاہ ہے ۔ حالانکہ حقیقی بادشاہی کی اس کو ہوا تک نہیں لگی ہوتی ڈائریکٹر کے ایک اشارے پر وہ معزول ہو جاتا ہے، قید کیا جاتا ہے اور اس کے قتل تک کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے ۔ ایسے ہی تماشے اس دنیا میں ہر طرف ہو رہے ہیں۔ کہیں کسی ولی یا دیوی کے دربار سے حاجت روائیاں ہو رہی ہیں۔ حالانکہ وہاں حاجت روائی کی طاقت کا نام و نشان تک موجود نہیں ۔ کہیں کوئی غیب دانی کے کمالات کا مظاہرہ کر رہا ہے ۔ حالانکہ غیب کے علم کا وہاں شائبہ تک نہیں ۔کہیں کوئی لوگوں کا رازق بنا ہوا ہے حالانکہ بے چارہ خود اپنے رزق کے لیے کسی اور کا محتاج ہے۔ کہیں کوئی اپنے آپ کو عزت اور ذلت دینے والا، نفع اور نقصان پہنچانے والا سمجھے بیٹھا ہے اور لیں اپنی کبریائی کے ڈنکے بجا رہا ہے۔ گویا کہ وہی گرد و پیش کی ساری مخلوق کا خدا ہے ۔ حالانکہ بندگی کی ذلت کا داغ اس کی پیشانی پر لگا ہوا ہے اور قسمت کا ایک ذرا سا جھٹکا اسے کبریائی کے مقام سے گرا کر انہی لوگوں کے قدموں میں پامال کرا سکتا ہے ۔ جن پر وہ کل تک خدائی کر رہا تھا۔ یہ سب کھیل جو دنیا کی چند روزہ زندگی میں کھیلے جا رہے ہیں۔ موت کی ساعت آتے ہی یکلخت ختم ہو جائیں گے اور اس سرحد سے پار ہوتے ہی انسان اس عالم میں پہنچ جائے گا۔ جہاں سب کچھ مطابق حقیقت ہوگا اور جہاں دنیوی زندگی کی ساری غلط فہمیوں کے چھلکے اتار کر ہر انسان کو دکھا دیا جائے گا۔ کہ وہ صداقت کا کتنا جوہر اپنے ساتھ لایا ہے۔ جو میزان حق میں کسی وزن اور کسی قدر و قیمت کا حامل ہو سکتا ہو۔

اکتوبر ۱۹۸۱ء سے

ہم نے بہت کوشش کی کہ حجاب کی قیمت میں اضافہ نہ ہو اور ہم ایک شمارہ ۳ روپے میں دے سکیں مگر ناقابل برداشت نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اب جبکہ معاصرین کئی ماہ قبل اپنے ماہناموں کے شماروں کی قیمت میں اضافہ کر چکے ہیں، ہم مجبوراً ایک شمارہ کی قیمت 3.50 کر رہے ہیں اور یہ قیمت اکتوبر ۱۹۸۱ء سے شروع ہوگی۔ ایجنٹ صاحبان نوٹ فرمالیں۔

ایک عظیم رعایت۔ حجاب کے ہر نئے خریدار کو ۴۹۶ صفحات کی ضخیم کتاب "صحابہ و صحابیات" بطور تحفہ دی جائیگی۔

کررکھا ہے۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے جز بز ہوکر پوچھ
ہی لیا: "بھائیو اس مسرت و خیانت کی وجہ میں بھی
تو سنوں۔" میں نے مولوی جی کی طرف اشارہ کیا تھا
مگر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جواب دینے کے بجائے محترم
شرم سے دوہرے ہوگئے۔ بڑھاپے میں بھی رخسار
لال ہوگئے۔

میرے سوال کا جواب قادر القادری نے دیتے
ہوئے فرمایا "درحقیقت' مولوی صاحب کے گھر
ایک چراغ روشن ہوا ہے جس کی خوشی میں ہم سب
مدعو ہیں۔"

"بھئی وہ کیسے؟" باوجود کوشش کے میری
زبان سے یہ فقرہ پھسل ہی گیا۔ اس بار مولانا ناظر
القادری نے جواب دینا اپنا فرض سمجھا "افسوس کہ
ہمارے فاضل دوست کی نظر صرف ایک ہی جانب
ہے ورنہ دوسری جانب اعلیٰ حضرت کی طرف سے
ان کے زیرِ نگرانی وہ چمن ہے جس کے پودے میں
ابھی ایک ہی کیا کئی پھول لگ سکتے ہیں۔"

"بشرطیکہ مالی بدل لیا جائے" میں بھول ہی
گیا تھا کہ مجھے ازراہ اخلاق پوچھا گیا تھا ورنہ دیوبند
اور بریلی شریف کے درمیان میلوں کا فاصلہ ہے۔
ساٹھ سالہ مولوی خیرو چپ کیسے رہتے۔

"مگر جی وہ سب کچھ ہو جاتا ہے شرط صرف یہ ہے
کہ خواجہ بابا پہ یقین کامل ہو۔" اب یا تم مودودیوں
اور دیوبندیوں کو کون سمجھائے۔ تمہارے یہاں
تو وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔ بس جو کچھ لینا ہے
خدا ہی سے بلا واسطہ لیں گے۔" بہرحال اس طرح
دعا کے بعد تقریباً ۸ ½ بجے مجلس اٹھ گئی۔

میری اہلیہ نے کہا "تو پھر؟" "اب محترمہ کی
جستجو بڑھتی ہی جا رہی تھی" میں نے کہا۔

"ڈارلنگ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ اب میری
آنکھیں کھل گئیں اور اب آپ کو اِدھر اُدھر مزید
بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے بوساشاہ کے مزار
شریف پر حاضری دو اور وہاں تھوڑی سی شیرینی
بھی خرید لینا اگر وہاں سے اولاد نصیب نہیں
ہوئی تو پھر ڈنڈا شاہ بابا کے آستانہ سے ضرور
بامراد لوٹو گی۔ سنتے ہیں حضرت خالص چشتیہ کے آخری
چشم و چراغ تھے۔ ایک زمانہ ہوا بغداد شریف
سے تشریف لائے تھے اور یہیں پردہ فرما گئے
تم کو خود ہی وہاں کھڑے کھڑے بچے کا احساس
ہونے لگے گا۔

(مشرف حسین۔ کلکتہ)

میری بیوی جیت گئی

"ارے ہو بھئی! سنو تو ایک مزیدار بات" میں نے زنانخانہ میں قدم رکھتے ہی کہا۔

بیوی دوڑ کر میرے پاس آئی اور کہنے لگی "کہئے مزاج تو اچھا ہے نا — پہلے آپ منہ ہاتھ تو دھو لیں پھر باتیں ہوں گی" میں نے کہا "پہلے بیگم میری بات سنو۔ وہ تو خیر خدا کا شکر مناؤ جو آتے وقت مولوی خیرد سے ملاقات ہوگئی۔ مولوی دیکھتے ہی چہکارے ملا تم ادھر — بھئی آؤ، آؤ میں نے خود ہی سوچا تھا کہ تمہیں بلا لوں مگر تم از خود ادھر آنکلے اور پھر ہاتھ پکڑ کے مجھے اپنے بیٹھکے میں لے گیا۔

خانم کے تیور چڑھ گئے: "بس، بس اب رہنے بھی دو میاں اپنی تقریر — آگئے بور کرنے"

میں نے بات بدل دی: "اچھا چھوڑو ان باتوں کو پہلے یہ تو بتاؤ کہ کیا دواخانہ تشریف لے گئی تھیں"

"جاتے جاتے تو تھک گئی" بیوی روہانسی ہوکر بولی: "میری قسمت ہی میں نہیں تو کہاں سے گود بھرے"

"ارے بھاگوان مایوس نہیں ہوتے تمہارے صبر اور شکر ہی کا نتیجہ ہے جو مولوی خیرد نے اپنی مجلس خاص میں جگہ دی۔ مولانا مراد القادری، مولوی نذر نیاز، مولانا عطاء القادری، حافظ حلوہ منتر ملا دو پیازہ، قاری شیر و شکر، مولانا عجائب القادری اور ان سب کے اعلیٰ حضرت شیخ نادر القادری بھی جلوہ افروز تھے ہر طرف چراغاں کیا جارہا تھا۔ مجھے بھی بٹھایا گیا اور کوئی تاخیر کئے بغیر ہی دسترخوان پر مختلف قسم کے پکوان چن دیئے گئے۔ سامنے کے کھانے کو ٹھکرا دینا بہر صورت خلافِ شرع اور توہینِ ادب ہوتا لہٰذا میں نے بھی بسم اللہ کہدی۔ مگر اس کے باوجود مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر وہ کون سی وجہ ہو سکتی ہے کہ مولوی نے مجلس طعام تک کا انتظام

کرنا چاہو تو دکھیں کہ کیا شو۔ اندرا گاندھی سے بھی ملنے کی ٹکٹ نہیں مل پاؤ گی۔ جتنے جہان لوگ ہیں ان سے ملنے کے لیے کٹھنائیاں اتنی ہی زیادہ ہیں پہلے تمہیں چپراسی کی منت سماجت کرنی ہوگی۔ پھر ان سے اوپر والوں کے پیر پڑنے ہوں گے۔ اس کے بعد اعلیٰ عہدیداروں کی سفارش مہیا کرنا پڑے گی۔ پھر کہیں وزیراعظم اور صدر ہند تک پہنچ ہوگی۔ یہ تو بہت آسان سی بات ہے۔ دنیا کی ریت ہے۔ پھر اللہ جو سب سے بڑا ہے اس تک پہنچنے کے لیے کوئی مدعا یا تمنا پیش کرنے کے لیے واسطہ کی ضرورت کیوں نہ ہو؟"

لیکن بیوی بھی نہلے پہ دہلا ثابت ہوئی۔ پھر ذہین بھی تھی۔ چپ کیسے رہتی۔ "دیکھو جی بات خوب سمجھ بوجھ کر کیا کیجیے۔ خدا نے انسانوں کی طرح اپنے تک پہنچنے کے لیے واسطے، سہارا اور سیڑھیاں نہیں رکھی ہیں۔ خداوند قدوس کے حضور میں اپنے مقصد خواہش، اپنی تمنا، اپنی باتیں اپنی آرزو پہنچانے کے لیے ابتدائے آفرینش سے انتہائے عالم تک کسی واسطے کسی سیڑھی کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی کہتا ہے۔ وہ ہمارے شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ رنج والم میں خوشی اور غم میں جب بھی اسے یاد کیا جائے وہ ہماری سنتا ہے اور اسے پکارنے پر جواب بھی دیتا ہے ہم اس کی طرف چلتے ہیں تو وہ ہماری طرف دوڑتا ہے اس کے باوجود اگر ہم سیڑھی ہی تلاش کرتے رہے تو یہ ہماری کم عقلی اور نادانی کی دلیل ہے جیسے بفرض محال مان ہی لیتی ہوں کہ ہاں واسطہ کا ہونا ضروری ہے۔ تو پھر ایک مصیبت اور تکلیف سے دوچار انسان اپنی مصیبت سے گلوخلاصی کے لیے سب سے پہلے اپنے بزرگ یا پیر کو پکارے گا اور حضرت پیر کسی ولی کا دست مبارک پکڑیں گے اور ولی صاحب اپنے سے بزرگ اللہ سے زیادہ قریب بڑے پیر صاحب کے حضور دست بستہ حاضر ہوں گے۔ پھر بڑے پیر صاحب سے گستاخی ہونے سے رہی۔ وہ بھی اپنے سے زیادہ محترم ہستی کسی صحابہ کرامؓ تک بات پہنچائیں گے۔ پھر بالترتیب پوزیشن کو مدنظر رکھ کر بات ہر ایک خلیفہ تک پہنچیں گی پھر جاکر بارگاہ رسالت میں معافی پیشی ہوگی لیکن اس دوڑ دھوپ کے دوران ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ مصیبت میں تڑپتا انسان

میڈم لال پیلی ہوگئیں۔ کل تک تو مخالفت فریضہ اول تھی مگر آج سے یہ تسبیح خوانی کیسے شروع ہوگئی۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔ میں نے جواب میں یہ مصرع پڑھا مگر نتیجہ معلوم تھا۔ لہٰذا پانی پیئے اندر کی جانب گھس پڑیں۔

فی الحقیقت میں عقیدہ کے لحاظ سے دیوبندی تھا اور دل و دماغ پر جماعت اسلامی کا چھاپ تھا۔ قبر پوجن حضرات کا سخت مخالف تھا۔ بیوی بے چاری ابھی اس جماعت میں شان سے قدم رکھنے ہی والی تھی کہ سیدھے میرے گھر پہنچا دی گئیں۔ ان پڑھ ماں باپ کی وجہ سے فاتحہ، نذر و نیاز اور مزاروں سے عقیدت انھیں وراثت میں ملی تھیں۔ مگر گھر والوں سے ایک بدعت یہ ہوگئی جوان کو کچھ تعلیم دلادی گئی۔ چنانچہ بیگم نے عقل اور علم سے استفادہ کرتے ہوئے دیوبندیت اور وہابیت ہی کو لائق عمل سمجھا اور اب ان خرافات ولغویات پر لعنت بھیج چکی تھیں۔ اس کے علاوہ صاحبہ کو ان رسوم اور بدعات کے رد میں بہت ساری قرآنی آیتیں اور قوی حدیثیں بھی ازبر ہوچکی تھیں۔ لہٰذا جوں ہی انھوں نے میری زبان سے "حقیقت فشانی" سنی تو بالکل پھٹ پڑیں اور ایسی جرح شروع کردی کہ میں بغلیں جھانکنے لگا۔

بیوی نے کمال ہوشیاری سے زہر لگنے کے بجائے خون کے گھونٹ کو حلق سے نیچے اتار لیا تھا اور اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ زبردستی پیدا کرتے ہوئے مجھے اپنے سے قریب تر بٹھایا اور کہنے لگیں: "خدا سختی سے فرماتا ہے۔

"واذا سألك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان"

ترجمہ۔ اور جب میرے بندے میرے متعلق آپ سے پوچھیں (آیا میں قریب ہوں یا بعید) پس بے شک میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

میں تو بالکل لاجواب ہوگیا۔ مگر آخر مرد تھا اتنی آسانی سے ہار مان لیتا بڑی سبکی ہوتی اور پھر مرد تو عورت سے اپنا لوہا منوا ہی لیتا ہے۔ میں نے بھی کٹ حجتی کی "ارے خانم ابھی وہ سب چھوڑو۔ آپ اتنی بھولی بھالی ہیں کہ آپ کو اتنا بھی نہیں پتا۔ سہ منزلہ عمارت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کا سہارا لینا ہی پڑے گا۔ بغیر واسطہ کے بام عمارت پر رسائی ناممکن۔ پھر کسی جج کے پاس بھی کوئی معاملہ پیش

راہِ اصلاح

(سعیدہ بانو کمل)

میں نے کہا نا: میں نہیں جاؤں گی۔ رضیہ غصہ میں بولی۔ ماں نے بیٹی کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا بیٹے سوچو زندگی میں اُتار چڑھاؤ آتے ہی رہتے ہیں۔ ہر ایک کو سنبھالنا چاہئے تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو تم یہاں بیٹھ جاؤ گی تو لوگ کیا کہیں گے۔ ایسا نہ کرو ہماری عزت کا خیال کرو۔ ماں کہے جا رہی تھی لیکن رضیہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس نے آج ایک خطرناک پلان بنا رکھا تھا۔ گلی میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں: اری رضیہ کیسا شوہر کے ساتھ زندگی کیسے گی کون رکھے گا اس مولانی کو جاتے ہی وعظ شروع کر دیا ہوگا یہ مت کرو وہ مت کرو چوٹی پکڑ کے دھکیل دیا ہوگا: رضیہ نے بھی اپنی کانوں سے ایسی تلخ باتیں خوب سن چکی تھیں۔

رضیہ اپنے ماں باپ کو کوس رہی تھی ایک شرابی سے میرا رشتہ جوڑا اگر میں شادی ہی نہ کرتی تو کتنا اچھا ہوتا مگر بے چارے ماں باپ کیا کرتے بچی کی عمر بڑھتے دیکھ کر جلدی سے شادی کر دی تھی انہیں بھی کیا معلوم تھا کہ داماد جو کہ ایک آفس میں کلرک تھا، اچھی تنخواہ تھی، کھاتا پیتا گھرانا تھا، ایسا شرابی نکلے گا جب شراب پیکر آتا ہوش نہیں ہوتا اگر رضیہ نے کچھ کہہ دیا، ابھی پٹائی کر دیتا ایک بار تو ایسا ہو کہ شراب پیکر آیا اور رضیہ کو سینما بھی پکچر کے لیے بلایا رضیہ جو کہ دیندار لڑکی تھی صرف نا کہنے پر بس کیا تھا پیٹنا شروع کر دیا اتنا پیٹا کہ اگر پڑوسی بیچ میں نہ آتے تو رضیہ ختم ہو گئی تھی پڑوسی بھی رضیہ کے والدین کو کوسنے لگے معصوم بچی کو شیطان سے رشتہ جوڑا ہے۔

کبھی کا عالم بالا کو پہنچ چکا ہے۔ اللہ بچائے ایسے واسطے
سے۔ مطلب کی بات یہ کہ ایک طرف تو آپ
ایاک نعبد و ایاک نستعین کہہ کہہ کر
اللہ تعالیٰ کو استعانت و استعباد کا مستحق اعلیٰ ٹھہراتے
ہیں اور دوسری طرف مزار پر جا کر رونا گڑگڑانا مدد
چاہنا یہ اللہ سے سراسر دھوکا نہیں تو اور کیا ہے
باز آیئے ان خرافات سے اور عقل کے ناخن لیجئے
میاں۔ جب خدا خود ہی کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو
میں دوں گا تو پھر خدائے واحد کو چھوڑ کر اپنی
تمنا اور آرزو کی حصولیابی کے لیے اِدھر اُدھر
بھٹکنا سراسر بے وقوفی اور حماقت کی علامت
نہیں تو اور کیا ہے۔

میڈم نے دماغ کی تجدید کے لیے ذیل کی
حدیث اور قرآنی آیت سنائیں قال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم اذا سألت فاسئل اللہ و اذا
استعنت فاستعن باللہ۔ (المشکوٰۃ)

تم کو کچھ بھی مانگنا ہو خدا سے مانگو اور
جب بھی مدد چاہنا ہو خدا ہی سے چاہو

قل افاتخذتم من دونہ اولیاء لا یملکون
لانفسھم نفعا و لا ضرا (الرعد)

کہہ، پھر کیا تم نے بنا رکھے ہیں اس
(اللہ) کے سوا ایسے حمایتی جو مالک
نہیں اپنے اچھے برے کے۔

اور بھی بہت سی حدیثیں اور آیتیں سنائی گئیں
اور آخر کار میں نے بیوی کے آگے گھٹنے ٹیک
ہی دیے۔

ہو گیا۔ بڑی بری خبر تھی بیوی کے لیے شوہر کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو بیوی کے دل میں شوہر کے لیے خاص جگہ ضرور ہوتی ہے۔ شوہر کافی زخمی ہو چکا تھا۔ رضیہ جلدی سے والدین کے ساتھ اپنے شوہر کے گاؤں چل دی۔ جب وہ اپنے گھر پہنچی تو گھر پر تالا لگا تھا وہ سیدھے ہسپتال پہنچی۔ رضیہ کی ساس نے رضیہ کو دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کیا۔ کیوں کہ وہ اپنی بہو کو ہر وقت اپنے پاس دیکھنا پسند کرتی تھی۔ . . . .

. . . . اپنی بہو سے اُسے بڑا پیار تھا یہ سب رضیہ کی پرہیزگاری ہی کا نتیجہ تھا۔

رضیہ کا شوہر پلنگ پر پڑا کراہ رہا تھا۔ رضیہ کو دیکھتے ہی اُسے بہت غصہ آیا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بے بسی کی حالت میں پڑا سب کو گھور رہا تھا۔ رضیہ کے والدین یہ سب حالت دیکھ کر سہم گئے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ رضیہ شوہر کے پاؤں پر پڑی رونے لگی۔ شوہر کا ایک ہاتھ ٹوٹ چکا تھا اور کافی زخم بھی آئے تھے۔ اب شوہر کی خدمت کرنے لگی اور اس کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ رضیہ اپنے شوہر کی بار بار جھڑکیوں کو برداشت کرتی اور مسکراتی جاتی رضیہ نے رات کو دن بنا دیا تھا شوہر کی خدمت میں بڑا مزہ آرہا تھا۔ شوہر اس کی خدمت کو دیکھ کر اب تعجب کرنے لگا تھا۔ آخر وہ سنگدل موم ہو گیا تھا۔

رضیہ کو ایک دن قریب بلا کر بٹھایا اور بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔ "رضیہ تم کیا چاہتی ہو؟" رضیہ اپنے شوہر کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ شوہر نے خود اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "رضیہ رضیہ! تم سے وعدہ کرتا ہوں آج سے ہرگز شراب نہیں پیوں گا تمہارے لئے نہیں، تمہارے لیے نہیں۔ صرف خدا کی ناراضگی سے بچنے کے لیے۔ رضیہ خوش ہوگئی۔ آج اُسے معلوم ہو رہا تھا کہ صرف تقریروں اور وعظوں سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا کہ حسن سلوک اور بے لوث خدمت اور کردار کی بلندی سے ہوتا ہے۔ اب رضیہ کو بھی دواخانہ میں داخل دیا گیا تھا۔ پیر کا دن صبح ایک کمرے کے جس حصے میں رضیہ کو ڈالا گیا تھا۔ بچے کی آواز آ رہی تھی۔ سب لوگ شدت سے انتظار کر رہے تھے ●

اب رضیہ کو کوئی امید کی کرن نظر نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے اسی لیے اب وہ مرنا چاہ رہی تھی۔ رات ہو گئی تو سب لوگ سو گئے رضیہ تقریباً دو بجے اٹھی آہستہ آہستہ باتھ روم میں چلی گئی اور بدن پر تیل ڈالا جانتی تھی خودکشی کرنا گناہ ہے لیکن حالات نے اُسے مجبور کر دیا تھا دیا سلائی سلگا ہی رہی تھی کہ ماں اضطراب کی حالت میں رضیہ کہہ کے چلائی۔ ماں ڈھونڈ رہی تھی کہ بیٹی کہاں گئی جب باتھ روم کے پاس گئی تو تیل کی بو آ رہی تھی دیکھا تو رضیہ ہاتھ میں دیا سلائی لیے کھڑی کانپ رہی ہے ماں نے پہچان لیا تھا رضیہ سے رہا نہ گیا وہ ماں سے لپٹ گئی اور بے تحاشا رونے لگی۔ آواز سن کر والد صاحب بھی جاگ گئے تھے ان کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ بے چاری بیٹی کے لیے۔ ماں نے دوسرے کپڑے پہنائے والد ہی تسلی دیتے جا رہے تھے لیکن رضیہ پلنگ پر لیٹی دونوں کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں ابھی اس کا فیصلہ نہیں بدلا تھا۔

دو چار دن ایسے ہی بیت گئے رضیہ آج بہت بے چینی سے کچھ چیزیں تیار کر رہی تھی ایک کپ کے اندر کچھ گھول رہی تھی کہ اچانک وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئی۔ ماں اپنی پڑوسن سے کچھ بات چیت کر کے واپس لوٹی تو بیٹی کو بے ہوش دیکھا بازو میں زہر کے کپ کو دیکھا تو گھبرا گئی جلدی سے اپنے پڑوس کے لڑکے کو ڈاکٹر بلانے بھیجا۔ ماں بے اختیار روئی جا رہی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر آئی۔ اُسے ہوش میں لایا گیا رضیہ زہر پیتی رہ گئی لیڈی ڈاکٹر نے رضیہ کو خوب چیک کیا اور ماں کو بلا کر کان میں کچھ کہا اور مسکرا کر چلی گئی ماں نے دوڑ کر بیٹی کو گلے سے لگا لیا اب غم کے آنسو فطرتی طور پر خوشی میں بدل چکے تھے کیونکہ رضیہ اب ماں بننے والی تھی۔ رضیہ اب بدل چکی تھی۔ دوسرے اُسے اُمید کی کرنیں نظر آ رہی تھیں۔ اب اس نے مرنے کے بجائے جینا پسند کر لیا تھا۔ اب وہ خوش و خرم رہ رہی تھی۔

چند دن گذرے۔ ایک دن رضیہ بیٹھی کچھ سوچ کر مسکرا رہی تھی کہ پوسٹ مین ٹیلی گرام لایا۔ ٹیلی گرام کا پڑھنا ہی تھا کہ چیخ مار کر زمین پر گر گئی اس کے شوہر موٹر کے حادثہ کا شکار

سہولتیں مہیا کی گئی ہیں کہ ہر غریب سے غریب اور امیر سے امیر ترین آدمی بھی انہیں بہتر طریقے سے اچھے انداز میں انجام دے سکتا ہے۔

غیروں کی طرح ہمارے یہاں بھی یہ وبا عام ہوتی چلی جا رہی ہے کہ شادی کے ہر رشتے و پیغام کو سب سے پہلے دولت کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا ہے۔ لڑکی یا لڑکے کے اخلاق و عادات، چال چلن، ماحول و مزاج کو دانستہ طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ دولت و شہرت پر نظریں جمائی جاتی ہیں۔ اکثر لڑکی والوں سے روپیہ طلب کیا جاتا ہے اور یہی روپیہ جو بیچارے لڑکی والے دینے پر مجبور ہوتے ہیں لڑکے والے سجاوٹ و شہرت پر خرچ کرتے ہیں۔ جو نہایت بیہودہ اور گری ہوئی حرکت ہے دوسرے لفظوں میں لڑکے والے اپنے بچے کی پرورش و تعلیم کی قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ شادی میں فریقین ایکدوسرے سے روپیہ طلب کرکے اپنی خوداری و غیرت کو بیچ دیتے ہیں جو کوئی خوددار غیرتمند تعلیم یافتہ انسان جسکے دل میں ذرہ برابر خوف خدا ہوگا برداشت نہیں کرے گا۔ اگر باپ صاحب حیثیت ہے تو یقیناً اچھے انداز میں شادی کیجیئے، کھانا دیجیئے ورنہ ضروری نہیں اسکے لیئے قرض لیا جائے یا ایکدوسرے کی دولت پہ نظریں رکھی جائیں۔ شادی کیلئے لڑکی کو صرف دینداری، [illegible] شعاری، شرم و حیا، اخلاق و عادات اور اچھے نیک اوصاف کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے یہ بات یقین کیساتھ کہی جا سکتی ہے کہ تعلیم یافتہ مسلم نوجوان موجودہ غیر اسلامی فرسودہ رسم و رواج کی زنجیر کو توڑ سکتے ہیں۔ شرط صرف مخلصانہ کوشش و جدوجہد کی ہے۔ اول تو صرف آپ اپنے گھر میں، خاندان میں فضا ہموار کریں۔ والدین اور خاندان کے بڑے بزرگوں کو محبت و شائستگی سے سمجھایئے۔ آپکے والدین خاندان والے آپ کی بات نہیں ٹالیں گے کیونکہ آپ ایک اچھی بات کہہ رہے ہیں اور تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے گھر، خاندان میں آپ کی منفرد حیثیت ہے اگر آپ کے والدین خاندان کے لوگ آپکو ان غیر اسلامی خلاف شرع رسم و رواجوں کے جال میں کودنے پر مجبور کریں تو ہمارے خیال میں شادی آپکی ہو رہی ہے آپ کے والدین اور خاندان والوں کی نہیں۔

- - - - -

سکون وچین

منیر احمد

دنیا میں سیم وزر کے انبار لگے ہیں

غربت اور مفلسی کے بازار لگے ہیں

دور جدید میں ہر شئے ملتی ہے بکثرت

لیکن سکون وچین بے نام لگے ہیں

علم سے جاہل کی جہالت نہ گئی

صغیر احمد
جلگاؤں (ایم ایس)

نئی نسل موجودہ غیر اسلامی فرسودہ رسم و رواج کی زنجیر کے طلسم کو توڑ سکتی ہے

عہدِ جدید سائنسی اور تعلیمی اعتبار سے ایک مہذب ترقی یافتہ دور مانا جاتا ہے اور یہ بہت حد تک درست بھی ہے۔ لیکن جہاں تک تعلیمی قدروں کا تعلق ہے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ موجودہ تعلیم سے نئی نسل کو جہاں نئی روشنی ملی اور اسکے خیالات و افکار میں تبدیلی آئی ہے وہیں اسکے عمل و کردار میں جہالت اور وحشیت کا عنصر نمایاں نظر آنے لگا ہے علم انسان کو قدرت کا عطا کیا ہوا بیش قیمت تحفہ ہے جسکا مقصد انسانی ذہن، قلب و فکر میں پاکیزگی پیدا کرنا ہے۔ انسانی اخلاق و عادات کی تعمیر و بلندی جائز و ناجائز چیزوں میں تمیز کرنا الغرض کہ زندگی کے ہر شعبہ میں نظم و ضبط اور شائستگی پیدا کرنا ہوتا ہے لیکن حالات اسکے برعکس نظر آتے ہیں۔ آج جہاں ہم نئی نسل کو تعلیم کی جانب پیش رفت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ تیز رفتار سے اخلاقی پستی کی جانب رواں دواں دکھائی پڑتی ہے فی الوقت اس مسئلے کو چھیڑنے سے ہمارا مقصد مسلم معاشرے میں پروان چڑھنے والے غیر اسلا[می] رسم و رواجوں کی جانب نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کی توجہ مبذول کروانا ہے۔ نہ جانے کیسی کیسی عجیب و غریب رسمیں مسلم معاشرے میں چلی آ رہی ہیں آج بھی ہم انہیں پوری قوت سے جاری رکھے ہیں شادی بیاہ، موت، بچے کی پیدائش مختصراً خوشی و غم کے ہر موقع پر ایسی فرسودہ رسمیں ادا کی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر باوجود ضبط کے ہنسی تو آ ہی جاتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ غم و خوشیاں منانے کیلئے اسلام میں ایسے اصول اور طریقے مرتب کئے گئے ہیں اور ان میں اتنی آسانیاں

[illegible]

کے ساتھ گھر ہوں تو یہ بیمار ہونے لگتے ہیں۔ اس
وبا سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد نسبتاً کم ہوتی ہے
مہلک بیماری وبا کے شروع ہوتے ہی دیکھنے میں
آتی ہے۔ پھر یہ وبا خود بخود سرد پڑ جاتی ہے اور ختم
ہو جاتی ہے۔ جراثیم حلق میں داخل ہونے کے بعد
آدھے بیماروں کو حلق کی کوئی شکایت نہیں ہوتی
بظاہر۔ مگر بیماروں کے سر کے پچھلے حصے یعنی گدی
اور گردن میں سخت درد ہوتا ہے اور اسے ۱۰۲ تک
بخار ہوتا ہے۔ ان ابتدائی علامات پر چوکنا ہو جانا
چاہیے اور فوراً قریبی معالج کو یا ہسپتال میں
دکھانا چاہیے۔ بخار کے شروع میں سر اور گردن
کا درد بڑھتا ہے اور بار بار سردی لگ کر ان علامات
میں اضافہ ہوتا ہے اور پھر مریض کو شور اور روشنی
بری معلوم ہوتے ہیں۔ درد کمر اور پورے جسم میں
پھیل جاتا ہے۔ قے ہونے لگتی ہے مریض پر بے ہوشی
ہذیان کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے ایسے بیمار کو فوراً
متعدی بیماری کے ہسپتال میں داخل کر کے پوری توجہ
سے علاج کرنا چاہیے۔ اس مرض کے علاج میں جتنی
دیر کی جاتی ہے اتنا ہی مرض زور پکڑتا ہے اور بیماری
کا علاج نہ کرانے کا نتیجہ بھیانک ہوتا ہے۔

[illegible]

حد تک کم ہو گئی ہیں۔ در اصل جب یہ مرض حملہ
ہوتا ہے تو شروع میں اسکی اہمیت ظاہر نہیں ہوتی
اور اسے معمولی بخار سمجھ کر بے فکری برتی جاتی ہے
جب مریض مجنونانہ حرکتیں شروع کر دیتا ہے تو اس
پر جن بھوت اور سائے کے اثرات کا شبہ کیا جاتا
ہے اس طرح قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔
اگر بخار کی حالت میں کوئی بچہ دیوانوں کی سی
حرکت کرے یا بے ہوش ہو جائے تو جن بھوت کے چکر
میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اس کو فوراً مقامی ہسپتال
میں داخل کر دینا چاہیے یا کسی مستند معالج سے
مشورہ لیں۔

گردن توڑ بخار

ڈاکٹر صلاح الدین اڈ

گردن توڑ بخار ایک خاص متعدی مرض ہے جو کہ ایک خاص جراثیم کے سبب انسان کے دماغ سے پیدا ہوتا ہے جس سے اسپر سوجن پیدا ہو کر ہلکے سبز رنگ کا گاڑھا مواد جم جاتا ہے۔

یوں تو اکا دکا کیس دنیا کے بڑے شہروں خاص طور پر گنجان تاریک اور غیر صحت مند علاقوں میں ہر سال کبھی نہ کبھی دیکھنے میں آتے ہیں، مگر بڑی مدت کے بعد یکایک اس بیماری کی وبا کے لئے موسم سرما اور موسم بہار زیادہ موزوں ہوتا ہے۔

گردن توڑ بخار کی وبا پھوٹنے اور پھیلنے میں دوسری وباؤں سے نمایاں طور پر مختلف ہوتی ہے ایک ملک کے دو تین قریبی شہروں میں بیک وقت یا سلسلہ وار وبا پھوٹتی ہے تو اسکا آپس میں تعلق ثابت کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ایک ہی شہر کے کئی ملحقہ علاقوں میں وبا کا نہ ہونے پر بھی درمیان میں گھرے ہوئے علاقہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور ایک فرد بھی بیمار نہیں ہوتا ہے یہی حال گھر کا بھی ہوتا ہے کہ ایک گھر کے سب افراد ایک ایک کر کے بیمار ہوتے ہیں جبکہ دوسرے گھر کے افراد میں ایک آدھ طور پر بیمار ہوتا ہے اور اسی کے قریب رہنے والے بالکل بچ جاتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ گردن توڑ بخار کی وبا کو پھیلانے میں بیمار سے زیادہ ہاتھ ان افراد کا ہوتا ہے جو خود تو بیمار نہیں ہوتے مگر انکے حلق میں جراثیم موجود ہوتے ہیں اور نشو و نما پاتے ہیں۔ ایسے افراد کو جراثیم بردار کہا جاتا ہے۔ جب انکی تعداد اور بڑھ کر آبادی کے چوتھے حصے تک پہنچ جاتی ہے اور وبا کی شدت کیوقت ان کی تعداد آبادی کے تیسرے حصے تک پہنچ جاتی ہے تو جراثیم بردار افراد کھانس کر فضا میں ان جراثیم کی ہلکی سی ابر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ہوا بند ہو اور ایسے مقامات پر بھیڑ بھی زیادہ ہو تو یہ جراثیم دوسرے افراد کے حلق میں پہنچ جاتے ہیں اس طرح جراثیم بردار

عجیب و غریب بیویاں

شہناز عشرت امیر

کہتے ہیں کہ عورت کو آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا۔ شکی مزاج ہونا عورت کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر کسی عورت کو شک ہو جائے کہ کوئی غیر عورت اس کے شوہر کی دلچسپی کا مرکز بنی ہوئی ہے تو وہ چین سے نہیں بیٹھ سکتی۔ یہ فرانس کا واقعہ ہے۔ ایک عورت نے اپنے شوہر کو ایک عورت سے باتیں کرتے دیکھ لیا۔ غصے کے مارے اپنی کار اس نے شوہر کے اوپر چڑھا دی شوہر کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ معاملہ عدالت میں پہنچا جج نے عورت پر جرمانہ کر دیا۔ اور سال بھر کی نیک چلنی کی ضمانت لے لی۔

● مسز این ٹیر ونر کا خیال تھا کہ جتنی جلد شوہر کو بتا دیا جائے کہ وہ اُن کی "باس" ہیں اتنا ہی اچھا ہے۔ اسی خیال کے پیشِ نظر انہوں نے اپنی شادی کے چند گھنٹے کے بعد ہی اپنے ڈاکٹر شوہر کو قابو میں کرنے کی اسکیم بنائی۔ انھوں نے اپنی سہیلیوں اور رشتہ داروں کو جمع کیا، اپنے شوہر کے کپڑے زبردستی اُتارے اور اُسے دھکیل دیا۔ ایک دن میاں بیوی میں کہا سُنی ہو گئی۔ (یہ واقعہ انگلینڈ کا ہے) شوہر نے اپنے کپڑے اُٹھائے اور کہا کہ وہ پبلک غسل خانے میں نہانے کے لئے جا رہا ہے، بیوی کو یہ بہت بُرا لگا۔ اُس نے شوہر کو پکڑ کر پیٹ دیا ساتھ ہی اُس کی ساری قمیضوں کے بٹن توڑ ڈالے تاکہ وہ ہفتے کے آخر میں چھٹی منانے کہیں نہ جا سکے۔ شوہر کی خودداری کو چوٹ پہنچی۔ اس نے طلاق کے لینے کی عدالت میں درخواست دے دی، عدالت نے طلاق کی درخواست منظور کر لی۔

● برمنگھم کی ایک عورت ڈوڈ ٹن کانٹرل نے تو حد ہی کر دی۔ اُس نے چالیس پاؤنڈ کے سرمائے سے گوشت فراہم کا کام شروع کیا۔

(احقر ایم اے)

رخصتی

میری لڑکی حسن افزا (ادیب) عرف حسنی سلمہا کا عقد نکاح شکیل عالم صاحب ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (فاضل) کے ساتھ [illegible] کو ہوا تھا۔ بیٹی کی رخصتی پر باپ کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے۔ (احقر ایم۔ اے)

جو ہونے کو ہو تم جدا حسن افزا — ہے غمناک گھر کی فضا حسن افزا
ہر اک آنکھ میں جھلملاتے ہیں آنسو — کہ رخصت کا وقت آگیا حسن افزا
تری پرورش کا یہی مدعا تھا — کہ ہو جاؤ گی تم جدا حسن افزا
یہ بزم طرب ہے کہ ہے بزم ماتم — کہ ماحول ہے غم فزا حسن افزا
مسرت کی محفل پہ چھائے گی جھوم کر — اٹھی ہے جو غم کی گھٹا حسن افزا
جدائی کا ہم سب کو صدمہ ہے بے شک — مگر تم رہو خوش سدا حسن افزا
ہیں ماں باپ بھائی بہن غمزدہ سب — نہ اتنی بھی دو تم سزا حسن افزا
بہت رنج سے بوجھ ہے میرے دل پر — ذرا مسکرا دو، ذرا حسن افزا
اگر چاہتی ہو جیسے دین و دنیا — تو بن جاؤ تم فاطمہؓ حسن افزا
کروگی اگر اتباعِ شریعت — سکھی تم رہوگی سدا حسن افزا
خود اپنا ہی گھر اجنبی ہو رہا ہے — بسانا ہے اب گھر نیا حسن افزا
ملے پیار سسرال میں تم کو اتنا — نہ یاد آئے گھر کی فضا حسن افزا
بعنوان احسن خدا راس لائے — نئے گھر کی آب و ہوا حسن افزا
رضائے الٰہی رہے تم کو حاصل — لبوں پہ ہے سب کے دعا حسن افزا
بہت کامیابی سے تقریب گذری — ہے چرچا یہی جابجا حسن افزا
خدا خوش ہے سسرال والے بھی خوش ہیں — بتا چاہیے اور کیا حسن افزا
بفضلِ خدا مطمئن دل ہے احقر — کہ دلہن بنی خوش ادا حسن افزا

کوئی معیان نہیں دیا گیا۔ ایک دن اُر الیس ایم کی اپنی بیوی سے کہا سنی ہو گئی۔ جج نے جارج کے سامنے انکشاف کیا کہ اس کی بیوی نے اُسے کتوں کے کھانے کے کمرے میں جانے سے منع کیا تھا۔ بعد میں جج گرین نے اپنا حکم واپس لیا۔ اور سارجنٹ کے کتے کو میس کا باقاعدہ ممبر بھی بنا لیا گیا۔

● روم کے ایک شخص کیسٹ فلوریمنٹو کے مکان کے باہری دروازے سے ایک دن ایک کاغذ کا پرچہ جھانک رہا تھا۔ ایک پڑوسی کی نظر اس پر پڑی تو اُس نے بڑھ کر اُس کاغذ کو پڑھا اس میں لکھا ہوا تھا۔ مدد! پولیس کو بلائیں! میں اپنی بیوی کے پاس قیدیوں کی سی زندگی گزار رہا ہوں وہ مجھے مارتی پیٹتی بھی ہے! پڑوسی نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ جب پولیس نے زبردستی دروازہ کھولا، تو اُنھوں نے دیکھا کہ گھر کا مالک فلوریمنٹو زمین پر پڑا ہوا ہے اُس کی دونوں آنکھیں سوج کر نیلی ہو گئی تھیں۔ چہرے پر کھرونچوں کے نشان تھے اور دونوں ہاتھوں پر دانتوں سے کاٹا گیا تھا۔ پولیس نے اُس سے پوچھ تاچھ کی تو اس نے اپنی اکیاون سالہ بیوی کے بارے میں کچھ لفظ بُدبُدائے اس نے بتایا کہ بیوی نے تین دن سے اُسے قیدی بنا رکھا تھا۔ اور بیوفائی کا الزام لگا کر خوب مارا پیٹا تھا۔ اُسے اسپتال پہنچا دیا گیا۔ بیوی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر اغوا اور خطرناک زخم پہنچانے کا الزام لگایا گیا۔

● نیوکیسل اون ٹائن کی ایک عورت انجیلا رابرٹس نے اپنی گوری میں ملازمت کرنے والے شوہر ایرک کو ایک دن بکری کے گوشت کی کوئی چیز پکا کر دی۔ ایک ہی نوالہ کھانے کے بعد ایرک نے کہا "یہ کیا ہے؟ اس میں سے تو پرانی جرابوں جیسا مزہ آرہا ہے۔ بلکہ میں شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس سے میری جرابوں کا ذائقہ زیادہ اچھا ہوگا۔"

بیوی کے دل کو بات لگ گئی۔ اُس نے اعلان کر دیا "میں اس وقت تک گھر میں کوئی چیز نہیں پکاؤں گی جب تک تم اپنی جراب نہیں کھا لیتے، اور اس کا ذائقہ نہیں بتاتے" ایرک بھی اَڑ گیا۔ دو دن تک وہ ہوٹل میں

اس کا کام خوب چل نکلا۔ اور دو سال کے اندر وہ چار ہزار پانچ سو پاؤنڈ فی ہفتہ کمانے لگی۔ ڈوئن کی کھولی ہوئی اس دکان پر اس کا شوہر بیٹھتا تھا۔ دکان رات گئے تک کھلتی تھی۔ ایک دن شوہر کا دل گولف کھیلنے کو چاہا۔ اُس نے ذرا جلد دکان بند کر دی۔ اور گولف کھیلنے کے لئے چلا گیا۔ ڈوئن نے جب یہ دیکھا تو ملازمت سے اپنے شوہر کی چھٹی کر دی، اور پھر اُس وقت اُسے کام پر واپس لیا جب اس کے شوہر نے وعدہ کیا کہ وہ صبح جلد اُٹھا کرے گا اور صرف سنیچر کو گولف کھیلا کریگا۔

● اپنی بات منوانے کیلئے کبھی کبھی عورتیں عجیب و غریب روپ اختیار کرتی ہیں جیسا کہ بناک شائر کی مسز ماریہ ویکٹ نے اختیار کیا۔ اس کے شوہر الیکٹریکل انجنیئر تھے۔ شوہر نے گیراج کے دروازوں پر پیلا اور ہرا رنگ کرا رکھا تھا۔ مسز ویکٹ کو اس سے بہت چڑ تھی۔ انہوں نے کئی بار شوہر سے رنگ بدلنے کو کہا لیکن شوہر نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ ایک دن اُس نے اپنی نئی باکس ہال کرسٹان کار اسٹارٹ کی اور دروازے پر ماری۔ کار کا اگلا حصہ چکنا چور ہو گیا ساتھ ہی خود اسکی ٹانگوں میں چوٹ آگئی وہ ہسپتال میں داخل ہو گئی لیکن اُس نے اپنی مرضی پوری کر لی تھی۔

● اور اس بیوی کو کیا کہیے جس نے اپنے شوہر کو پولیس اسٹیشن ہی پہنچا دیا۔ یہ واقعہ ۱۹۷۳ کا ہے۔ بیلفاسٹ کے ایک صاحب ایک سوٹ کیس لے کر گھر آئے۔ بیوی کے پوچھنے پر اُنہوں نے بتایا کہ اس میں چوری کا مال ہے۔ بیوی کو نہ جانے کیا سوجھی اُس نے یہ اطلاع پولیس کو دیدی کچھ ہی دیر بعد اس کے شوہر کو پولیس نے گرفتار کر لیا اسے لمبی قید کی سزا ملی۔ بیچارے نے اپنی شادی شدہ زندگی کا بیشتر حصہ جیل میں گزارا۔

● ایک اور دلچسپ قصہ یہ ہے کہ ایک بار شاہی توپ خانے کی ۴۵ ویں رجمنٹ کو جرمنی کے ایک شہر میں بھیجا گیا۔ وہاں کے آر ایس ایم جمی گرین نے سارجنٹوں کے کھانے کے کمرے میں کتوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ اسٹاف سارجنٹ گراہم جارج وہاں سات برس سے رہتا تھا۔ اور وہ اپنے کتے کو ہمیشہ کھانے کے کمرے میں ساتھ لے جایا کرتا تھا۔ اس نے اس حکم کے خلاف احتجاج کیا لیکن اس کے احتجاج پر

قاضی مشتاق احمد

اپنی اپنی پسند ہے پیارے!

ایک جائزہ

پونا کے ایس۔ پی کالج کی پروفیسر انجلی ٹھاکر نے حال ہی میں پونا یونیورسٹی سے پی۔ ایچ، ڈی، کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کے تھیسیس کا موضوع بہت دل چسپ تھا! شادی اور شادی سے متعلق تفصیلات کے باب میں کالج میں تعلیم حاصل کرنے والی بالغ لڑکیوں کا نقطۂ نگاہ...

انہوں نے پونا کے مختلف آرٹس، سائنس کامرس، انجینیرنگ، میڈیکل اور ہوم سائنس کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والی ۱۸ سے ۲۲ سال عمر کی بالغ لڑکیوں میں جن کی تعداد دو سو پچاس تھی اپنے سوال نامے تقسیم کئے۔ جوابات چونکا دینے والے تھے۔ کالج کی لڑکیوں کے بارے میں ایک عام رائے ہے کہ وہ بہت آزاد خیال ہوتی ہیں۔ دقیانوسی خیالات کے لوگ تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ "خاتونِ خانہ" نہیں بلکہ "سبھا کی پری" بننا زیادہ پسند کرتی ہیں لیکن انجلی ٹھاکر کو دو سو پچاس بالغ لڑکیوں نے جو جوابات دئے اُن سے ان کی قدامت پسندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ستر فی صد لڑکیاں اپنے والدین کے ذریعے ہی شادیاں کرنے کے حق میں ہیں۔ ۱۴ فی صد لڑکیاں لو میرج کے حق میں ہیں۔ ۸۶ فی صد لڑکیاں "اپنے ہی مذہب کے لڑکے" سے شادیاں کرنا چاہتی ہیں۔ انھیں دوسرے مذہب کے لڑکوں سے شادی کرنا پسند نہیں، اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ ان کی زیادہ تر پہچان اپنے مذہب کے لڑکوں سے ہوتی ہیں اور پھر دوسرے مذہب کے لڑکوں سے شادی کا مطلب

کھاتا پیتا رہا، لیکن تیسرے دن اُس نے گھٹنے ٹیک دئے۔ اس نے اپنی جراب لی، اُس کے ٹکڑے کئے۔ پھر اس سے بھی زیادہ باریک ٹکڑے کئے۔ اس میں پیاز کاٹی، اور ٹماٹر کی چٹنی ملائی، پھر آنکھیں بند کر کے اس لذیذ غذا کو نگل گیا۔ اب گھر کا ماحول دوبارہ ٹھیک ہو گیا۔ ایرک اب کبھی کھانے کے بارے میں نکتہ چینی نہیں کرتا۔

● لاس انجلس کی مسز جلین لیڈر نے وہاں کی عدالت میں اس بنیاد پر طلاق کا مطالبہ کیا کہ اس کا شوہر اُسے چھوڑ کر چلا گیا ہے شوہر کو عدالت میں طلب کیا گیا۔ وہاں اُس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا۔ کہ اس کی بیوی نے اسے نیلام کر دیا تھا۔ اپنی بات کی تائید کے طور پر اُس نے ایک گواہ پیش کیا۔ گواہ نے عدالت میں عجیب بات بتائی۔ میں نے ایشیا کے پس ماندہ لوگوں کی مدد کے لئے ردّی چیزوں کے نیلام کا انتظار کیا۔ اور اپنے دوستوں اور جاننے والوں سے کہا کہ ان کے پاس جو بھی ردّی چیزیں ہوں، اسے وہ نیلام کے لئے بھیج دیں۔ مسز جلین نے اپنے شوہر کو بھیج دیا، اس نے مسز جلین کی طرف سے لکھا ہوا ایک خط بھی دیا۔ اس میں لکھا تھا، کیا یہ چلے گا؟ عدالت نے طلاق کا مطالبہ رد کر دیا اور مسز جلین کو نیک چلنی کی ضمانت دینے کا حکم دیا۔

دیکھا آپ نے، بیویاں کتنی عجیب و غریب ہوتی ہیں!

(شاید اس لئے کہ کوئی دوسری حسینہ اس پر ڈورے نہ ڈال سکے) ۹۲ فی صد لڑکیاں صرف مناسب شکل وصورت کا جیون ساتھی چاہتی ہیں اور صرف ۲۸ فی صد لڑکیاں خوب صورت لڑکوں سے شادی کرنا چاہتی ہیں

شادی کے "مارکیٹ" میں ڈاکٹر لڑکیوں کی "پہلی پسند" ہے (۴۸ فی صد لڑکیوں کی پسند) دوسرا نمبر سرکاری افسر کا رہا (۲۳ فی صد) تیسری پسند انجینئر (۱۷ فی صد) چوتھی پسند فوجی افسر (۱۶ فی صد) اور پانچویں پسند پروفیسر (۳ فی صد) مدرسین اور کلرک لڑکیوں کی نظر میں ناپسندیدہ قرار پائے کیونکہ ۲۵۰ میں سے کسی نے بھی اس پیشے سے متعلق افراد سے شادی کرنے کے حق میں رائے نہیں دی۔ صحافی اکاؤنٹنٹ اور آرکیٹیکٹ بھی لڑکیوں کی پسند سے محروم رہے اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان پیشوں کے متعلق عوام کو زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

شادی کی تقریبات پر زیادہ سے زیادہ دو ہزار روپے کا خرچ لڑکیوں کو پسند ہے۔ زیادہ سے زیادہ لڑکیوں نے روایتی طریقے سے (برات ڈھول باجے وغیرہ کے ساتھ) شادی کو پسند کیا ہے کیونکہ اس قسم کی دھوم دھام کے بغیر شادی کا مزہ نہیں آتا۔

(ماخوذ از طلاپ)

* * * * * * * * * * * * * * * * * * * *

غزل

جو لوگ اپنا خدا ایک ہی بتاتے تھے
انھیں کے گھر میں کئی اور بھی خدا نکلے

ذ چھیڑ پھر سے تو عہد کہن کے افسانے
کہ لوگ چاند ستاروں پہ اب تو جا نکلے

یہ اہل علم کی محفل ہے اے ضیا اس میں
زباں سے حرف جو نکلے نپا تلا نکلے

قطعہ

زمانہ آگے بڑھتا جا رہا ہے
بشر چاروں طرف چلا رہا ہے
یہ مانا ہے یہ انسانوں کی دنیا
مگر جنگل نظر میں آ رہا ہے

(محمد ادریس ضیا)
(اعلیٰ پوری)

سماج کی مخالفت بھی ہے۔ اس قسم کی مخالفت برداشت کرنے کی ان میں ہمت نہیں۔ دو سو پچاس میں سے صرف تین لڑکیوں کو کسی غیر ملکی نوجوان سے شادی کرنے کا ارمان ہے۔ ان تین میں سے ایک لڑکی اینگلو انڈین ہے۔ اور دو لڑکیاں جنوبی ہندوستان کی رہنے والی۔

آدھی سے زیادہ لڑکیوں کو اپنے شوہر کو اس کے نام سے پکارنا پسند نہیں۔ صرف ۳۹ لڑکیوں نے شوہر کو اس کے نام سے پکارنا پسند کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں بھی اپنے شوہروں کو "اجی او" اور ماں بن جانے کے بعد "منّے کے ابا" کہہ کر پکاریں گی۔ اس روایتی بی شکورن کی طرح جو نماز میں "السلام علیک یا رحمت اللہ" کی بجائے "السلام علیک یا منّے کے ابا" کہتی تھی، کیوں کہ شوہر کا نام رحمت اللہ تھا۔!

ان لڑکیوں کا خیال ہے کہ اچھا شوہر قسمت سے ہی ملتا ہے۔ خواتین کے اس سال میں بھی لڑکیاں اپنے شوہر کی برابری نہیں کرنا چاہتیں بلکہ وہ چاہتی ہیں کہ تعلیمی اعتبار سے وہ ان سے اونچے درجے کا ہو، ۹۸ لڑکیوں کو لڑکوں سے جان پہچان بڑھانے پر اعتراض نہیں۔ ۴۹ فی صد لڑکیاں "گروپ ڈیٹنگ" پسند کرتی ہیں پرانے زمانے کی لڑکیوں کی طرح ۴۸ فی صد لڑکیاں "کماتا کماتا" شوہر چاہتی ہیں، ان کی پہلی پسند ہے "کماتا کماتا شوہر" پیار محبت کرنے والا شوہر دوسری پسند رہا۔ شوہر کی صحت کیسی ہونی چاہئے؟ اس سوال پر لڑکیوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ چالیس فی صد کم از کم آٹھ سو روپے کمانے والا شوہر چاہتی ہیں ۳۷ فی صد لڑکیاں، ۱۵ سو روپے کمانے والا شوہر اور صرف ۲۳ فی صد لڑکیوں کے خوابوں میں ۱۵ سو روپے سے دو ہزار روپے کمانے والا شوہر بسا ہوا ہے۔

ایک عام خیال یہ ہے کہ لڑکیوں کے خوابوں کا شہزادہ کسی رواج کمار کی طرح خوب صورت ہوتا ہے اور اپنے سے زیادہ خوبصورت شوہر کے خواب دیکھتی ہیں۔ لیکن اس سروے سے یہ بات غلط ثابت ہوئی کیوں کہ کسی بھی لڑکی نے "اپنے سے خوب صورت شوہر" کی تمنا نہیں کی۔

کُل ہند اجتماع جماعت اسلامی

(جویریہ ادسوی۔ حیدرآباد)

پھر سرِ بزم سمٹ آئے ہیں دیوانے چند

جذبۂ عشق سے آباد ہے دنیا جن کی — مے توحید سے ہر وقت جو سرشار رہے ہیں

لذتِ درد سے معمور ہیں سینے جن کے — مقصدِ زیست سے دل جن کے گہربار رہے ہیں

پھر سرِ بزم سمٹ آئے ہیں دیوانے چند

آکے بیٹھے ہیں کہ کچھ اور بدلتے ماحول — دل کے کچھ اور کریں اپنے جنوں کی تعمیر

خونِ دل نذرِ چمن زارِ تمنا کر کے — عشقِ خوددار کی کچھ اور بڑھا دیں توقیر

پھر سرِ بزم سمٹ آئے ہیں دیوانے چند

شیشۂ دل پہ کئی عکس اتر جائیں گے — بزم سے پھر جو اٹھیں گے تو بکھر جائیں گے

گاؤں جائیں گے تو کچھ شہر چلے جائیں گے — مشعلِ نور لیے ہوں گے جدھر جائیں گے

پھر سرِ بزم سمٹ آئے ہیں دیوانے چند

ہر جہالت سے بغاوت انھیں کرنا ہوگا — فقر کی دھوپ میں کچھ اور نکھرنا ہوگا

سارے طاغوتوں سے دنیا کے ٹکرانا ہوگا — صرف اللہ سے ڈرنا ہوگا

پھر سرِ بزم سمٹ آئے ہیں دیوانے چند

مشعلِ نور میں خون اپنا جلانا ہوگا — تب کہیں جا کے زمانے میں اجالا ہوگا

تربیت کا ایک گُر

ساجدہ فرزانہ

ایک بار ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں چند بُرے کاموں میں مبتلا ہوں، چوری کرتا ہوں، شراب پیتا ہوں، زنا کرتا ہوں وغیرہ ان باتوں کا ترک کرنا میرے لیے مشکل ہے کیونکہ میں ان کا عادی ہو گیا ہوں۔ مجھے صرف ایک چیز بتلائیے جو میں اس پر آسانی سے عمل کر سکوں؟ یہ سُن کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ "کیا تم جھوٹ نہ بولنے کا عہد بھی کر سکتے ہو؟" اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ تو بہت آسان ہے میں آپ سے جھوٹ نہ بولنے کا عہد اور وعدہ کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور چلا گیا۔

رات آئی۔ وہ روز کی طرح چوری کے لیے گھر سے نکلا۔ اُسے خیال آیا کہ دربار نبویؐ میں کل حاضر ہوں گا اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے رات کیا عمل کیا تھا؟ اس وقت اگر چوری کا اقرار کروں گا تو چوری کی سزا میں میرا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ جھوٹ بولوں گا تو عہد شکنی ہوگی اور میں عہد شکنی کبھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح وہ چوری کرنے سے باز آگیا۔ پھر شراب نوشی اور زناکاری کا خیال آیا مگر اپنے دل میں اُس نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شراب و زنا کے اقرار کرنے پر سنگسار یعنی پتھر مار کر ہلاک کیا جاؤں گا۔ اور میں جھوٹ بول نہیں سکتا۔ کیونکہ عہد شکنی ہوگی اور عہد شکنی میں کر نہیں سکتا۔ اس طرح ایک جھوٹ نہ بولنے کا عہد کرکے وہ چوری شراب نوشی اور زنا سے بچ گیا۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مولانا کوثر نیازی سے انٹرویو

س :۔ نیازی صاحب! میرا خیال ہے بات شروع کی جائے، جب آپ بچپن میں ہی مولانا سے متاثر ہوئے۔

ج :۔ میں سکول لائف سے مسلم لیگ کی تحریک سے منسلک تھا۔ اس وقت میں مڈل میں پڑھتا تھا ہم نے بچہ مسلم لیگ بنائی اس کے بعد جب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا پتہ چلا تو میں اس میں شامل ہوا، اور ۴۶۔ ۴۷ء میں ڈسٹرکٹ میانوالی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری بنا۔ اس زمانے میں یہ تھا کہ مجھے کتابیں پڑھنے کا شروع سے بہت شوق تھا ہمارے سکول کی لائبریری میں، اس میں کم و بیش پانچ ہزار کتابیں تھیں۔ لائبریری میں۔ جب میں نے مڈل پاس کیا تو کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو میں نے نہ پڑھی ہو۔ اور ہر کتاب پر میں دستخط کرتا تھا اپنے۔ اور مجھے سکول کے اساتذہ جو ہیں وہ مذاق میں کہتے تھے کتاب کا کیڑا، تو وہ میں اکثر کتابوں پر ساتھ کتابوں کا کیڑا بھی لکھتا تھا۔ اس زمانے میں سکول لائف میں ہی مولانا کی دو تین کتابیں میری نظر سے گزریں۔ جن میں رسالہ دینیات اور دوسری کتابیں تھیں پھر جب میں ہائی سکول میں آیا میانوالی میں تو ہمارے ایک استاد تھے مسٹر محمد ابراہیم ایم اے بی ٹی۔ وہ ریاضی پڑھاتے تھے۔ وہ رکن تھے جماعت اسلامی کے اور غالباً ضلع راولپنڈی سے تعلق رکھتے تھے۔ تو کلاس میں بہر حال میں اچھا طالب علم شمار ہوتا تھا۔ تو مجھ سے ان کی صاحب سلامت تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کا ذوق ہے پڑھنے لکھنے کا۔ انھوں نے مجھ سے بات چیت کی، انھیں معلوم ہوا کہ میں نے مولانا کی کچھ کتابیں پڑھی ہیں تو پھر انھوں نے خرید کتابیں مجھے دینی شروع کیں اور کتابیں خاصی پڑھیں۔ پھر جب میں دسویں میں چلا گیا، بھکر گورنمنٹ ہائی اسکول میں تو وہاں انھوں نے میرے نام رسالے جاری کرا دیے "جہانِ نو" "ترجمان القرآن" پھر جب میں واپس آیا، اپنے امتحان وغیرہ کے بعد میانوالی، تو گیا جماعت کے ہمدردوں میں یہ بات ہے ۴۹ء کی اور ۵۰ء کی

جماعت اسلامی ہند

Jamaat-e-Islami Hind [illegible]

BAZAR CHITLI QABAR, DELHI—110006

نقل برائے برادرم مائل صاحب خیرآبادی

برادر عزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

برادرم جناب جنید احمد صاحب۔ ایڈیٹر فتح پور سماچار۔ فتح پور یوپی

برادرم مائل صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کو جماعت سے بے پناہ محبت ہے مگر بعض جماعت والے سدِ راہ ہیں۔ رکن بننے کا سوال ہی نہیں ہے۔ آپ کے اس جملے سے بات واضح نہیں ہوئی۔ آپ جماعت اس کے نصب العین اس کی پالیسی اور اس کے پروگرام سے بخوبی واقف ہیں۔ کسی جماعت سے وابستگی اور اس کے نظم میں منسلک ہونے کے لیے یہی چیزیں کافی ہوتی ہیں۔ افراد تو بہرحال نہیں ہوتے جب کرنے کا یہی کام ہے تو خواہ کوئی بھی معیار پر پورا اترتا ہو یا مفوضہ فرائض اور ذمہ داریاں خاطر خواہ انجام نہ دیتا ہو اس کی جوابدہی اسے کرنا ہے اس کا اسوہ اور طریقہ میرے لیے کیوں سدِ راہ بنے۔ ہم میں سے ہر ایک کو تو یہی سوچنا چاہئے کہ جب یہی کام حق ہے اور دین و دنیا کی فلاح اسی راستے میں ہے تو مجھے بہرحال یہی کرنا ہے خواہ کوئی اسے کرے یا نہ کرے۔ اگر کچھ ساتھی اس کام میں معاون مل جاتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور پوری کوشش کرنا چاہئے کہ ساتھی بھی معیار کے مطابق بنیں لیکن ان کی کوتاہیاں میرے اندر کمزوری پیدا کرنے کا موجب نہ بنیں۔ مجھ سے تو میرے بارے میں بازپرس ہوگی دوسرے کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا جائیگا۔ بہرحال کچھ متعین باتیں بتائیے کہ کون کون کس طرح سدِ راہ بنتے ہیں یا بن رہے ہیں تو اصلاحِ حال کی کوشش کی جائے۔ خدا کرے مزاجِ گرامی بخیر ہوں۔ احباب اور متعلقین کو ہدیہ سلام مسنون۔ والسلام

برادرم مائل صاحب۔ سلام مسنون۔ جنید صاحب کا خط ملا۔ موصوف کو بھیجے گئے جواب کی نقل ارسال ہے۔ خدا کرے مع متعلقین کے صحت و عافیت سے ہوں۔ متعلقین اور احباب کو ہدیہ سلام مسنون۔ والسلام

ان سے دوسری ملاقات ہوئی سرگودھا میں، میں جب جماعت کی انتخابی مہم پہ آیا ہوا تھا اور مولانا تقریر کرنے آئے ہوئے تھے سرگودھا۔ بذریعہ کار بعض اضلاع سے ہوتے ہوئے وہاں تشریف لائے اور کمپنی باغ میں انھوں نے ایڈریس کیا تو وہ ایک جامع مسجد ہوتی تھی سرگودھا کی مرکزی جامع مسجد جہاں مولانا مفتی محمد شفیع تھے خطیب مفتی پاکستان نہیں تو اس مسجد کے ایک حجرے میں ایک رہتے تھے ہاشمی صاحب، محبوب ہاشمی صاحب جمال الدین بدیع الدین ہاشمی کے ایک نوجوان ہیں جو ادیب بھی ہیں، لکھتے بھی ہیں، اقبال پہ بھی کتابیں لکھی ہیں تو ان کے کمرے میں مولانا ٹھہرے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کیونکہ میں بھی وہیں تھا، تو مولانا سے چائے پہ کھانے پہ ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر جماعت کا سالانہ اجتماع ہوا۔

س:۔ مولانا سے چائے پر جو ملاقات ہوئی اس کی تفصیل یاد نہیں؟

ج:۔ بس بہت ہی اچھی یادیں ہیں کہ بہت ہی اچھی باتیں رہیں۔ اور بھی لوگ ہوتے تھے۔ خاص ایسی بات نہیں جو ذاتی نوعیت کی ہو۔

اس کے بعد سالانہ اجتماع ہوا، کراچی میں جماعت کا تو میں وہاں کچھ دنوں کے لیے رہ گیا۔ میرا خیال ہے ہمارے والدین سے، ہمارے خاندان سے اختلافات میرے بہت ہو گئے، جماعت کے مسئلے پر۔ والد صاحب بھی ہمارے بہت کٹر قسم کے آدمی تھے مذہبی۔ عجیب قسم کے ان سے اختلافات ہو گئے کہ اور عملاً انھوں نے مجھے گھر سے نکال دیا اس جرم میں کہ میں کیوں مولانا کی تحریک سے منسلک ہوا ہوں تو میں کراچی جماعت کے اجتماع کے بعد رہ گیا۔ وہاں کام بھی کرتا رہا ایک رسالہ تھا "تعمیر" اس زمانے میں کراچی سے نکلتا تھا، ادبی حلقہ ادب اسلامی کا ترجمان تھا اس میں بھی ایک دو ماہ کام کیا۔ پھر میں میانوالی واپس آ گیا۔

اسی زمانے میں سالانہ اجتماع کے موقع پہ کیونکہ میرا نام ادیب اور شاعر کی حیثیت سے جماعت کے حلقوں میں معروف ہو چکا تھا کیونکہ میں لکھتا تھا۔ ۱۹۵۱ اور ۵۲ء میں نظمیں، مضمون میرے چھپتے تھے "کوثر"، "ترجمان" وغیرہ میں۔ تو وہاں میری ملاقاتیں ہوئیں لاہور کے بعض جماعت کے دوستوں سے بھی تو "کوثر" اخبار میں ایک جگہ نکلی اسسٹنٹ ایڈیٹر کی، تو

اس کے بعد ہمارے ضلع میں ہیڈ ٹیچر کی حیثیت سے ہم نئی جماعت کے امیر مقرر ہوئے مولانا گلزار احمد مظاہری، جب وہ یہاں آئے، تو ترجمان القرآن وغیرہ کے جو خریدار تھے ان کی لسٹ ہوگی ان کے پاس، انھوں نے مجھ سے رابطہ پیدا کیا پھر ہم ان کے ساتھ دورے وغیرہ، جلسوں وغیرہ میں۔ اور میں شعر کہتا تھا اس زمانے میں نظمیں پڑھتے تھے۔ کچھ بولتا بھی تھا پھر ۱۹۵۱ء میں جماعت کا سالانہ اجتماع ہوا کراچی ۱۹۵۱ء میں یا ۱۹۵۲ء میں، جہاں تک مجھے یاد ہے ۱۹۵۱ء تھا تو میں بھی شریک ہوا میانوالی کے دوستوں کے ساتھ۔

مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ملاقات جو ہے میری مولانا سے اس سے قبل ہو چکی تھی۔ اسی زمانے میں سکول ٹیچر مقرر ہوا اپنے گاؤں ہی میں۔ تو میں جماعت کا لٹریچر کم و بیش سارا پڑھ چکا تھا اور اسی طرح پھر جب لیاقت علی خان شہید ہوئے ۱۹۵۱ء میں، مجھے یاد ہے۔ ہم لوگ ایک جلسے میں گئے ہوئے تھے وہ جگہ تھی ضلع میانوالی میں ہی ڈھوک علی خان جماعت اسلامی کا جلسہ تھا میں اور مولانا گلزار احمد خطاب کرنے گئے تو وہیں رات ہم نے یہ خبر سنی۔ تو اس طرح اس زمانے کو یاد وہ تھا تو پھر اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں جو عام انتخاب ہوا لیاقت علی کے زمانے میں ہی۔ اس میں جماعت نے بھی حصہ لیا تھا تو میں سرگودھا میں گیا تھا۔ جماعت کی کیمپین کرنے کے لئے۔ میں اس وقت تھا سترہ سال کا تو مولانا وہاں تشریف لائے سرگودھا میں، جلسے سے خطاب کرنے کے لئے وہاں ان سے ملاقات ہوئی، لیکن اس سے پہلے میری ان سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ یوں ہے کہ ہم نے میانوالی میں حلقہ ادب اسلامی قائم کیا تھا ادیبوں کا۔ اور میں اس زمانے میں نظمیں لکھتا تھا تو کوثر میں اور جہانِ نو میں اور ان اخبار میں چھپتی تھیں، جماعت کے جو جرائد تھے۔ تو ہمارے حلقہ ادب اسلامی میں میرے ایک دوست تھے۔ مسٹر مسعود جاوید اور دو ایک بعض دوست ــ تو ہم لوگ گئے لاہور، مولانا سے ملنے کے لئے۔ تو مولانا سے میری ملاقات ہوئی۔ نسٹ ٹائم لاہور میں، یہ غالباً نصف دن کے اوائل کا ذکر ہے ہماری ملاقات ہوئی عصر کے بعد، مولانا اس زمانے عصر کی نماز پڑھنے جاتے اچھرہ کی مسجد میں، سڑک پر تھی۔ وہاں ہم نے بھی نماز پڑھی۔ وہاں سے پھر ہم آئے مولانا کے گھر کے برآمدے میں عصر کے بعد، ہماری نشست ہوئی پندرہ بیس اور آدمی تھے۔ مولانا بہت ہی شفقت سے پیش آئے۔ مجھے یاد ہے کہ انھوں نے کچھ مزاحیہ جملے بھی کہے کہ چھ فٹ کا قد ہے میانوالی کے لوگوں کے قد بڑے ہوتے ہیں۔ وغیرہ اس قسم کی باتیں۔

ابتداء میں بہت سی چیزیں مولانا مودودی کا لٹریچر بالخصوص سالہا سال تک جیسے پڑھتا رہا تھا پھر بعد میں علماء جو تھے ابتداء میں ان سے بھی استفادہ کرنے کا موقع ملا جن میں حضرت مولانا ادریس کاندھلوی تھے۔ جب جیل میں تھا تو اس وقت بھی مولانا اصلاحی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ کے ان حضرات سے استفادہ کا موقع ملا، تو آہستہ آہستہ مجھے محسوس ہوا کہ جو فکر ہے جماعت کی اور مولانا نے جو فکر پیش کی ہے کہ مذہب میں ایک نیا مکتب فکر ہے یعنی اس پر سیاست کا غلبہ ہوگیا، مذہب پر سیاست تو جزو ہے مذہب کا لیکن اس میں جو لٹریچر جماعت نے پیش کیا ہے اس میں ایک کل کی حیثیت اختیار کر گیا یعنی جتنے شعبے ہیں باقی ان کی تاویل، توجیہ، تشریح، سیاست ہی کے زاویۂ نظر سے کی جانے لگی۔

لیکن اس میں مولانا کی خدانخواستہ کوئی نیت کو دخل نہ تھا، وہ ماڈرن جو فکر ہے اور جدید نظام ہیں ان کا انھوں نے بڑا مطالعہ کیا تھا۔ اور بہت ہی دلکش تھا اور انھوں نے اسلام کو نئے فلسفہ کی حیثیت سے، نئے نظام کی حیثیت سے، مقابلے میں ان نظاموں کو پیش کیا تو اس میں افراط و تفریط آگئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا میں دو حیثیتیں شامل تھیں، ایک ریسرچ اسکالر ہونے کی، عالم ہونے کی اور ایک سیاستدان ہونے کی، ان دونوں کے تقاضے بالکل الگ الگ ہیں۔ ریسرچ اسکالر جو ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی ریسرچ کے نتیجے میں جو چیز آئی ہے خواہ ساری دنیا اس کی مخالفت کرے وہ اسے بیان کرے اس کو اس سے بحث نہیں کہ لوگ اس کو پسند کرتے ہیں کہ نہیں۔ سیاستدان اس سے مختلف ہے، وہ سچائی کو بھی چھپا جاتا ہے اگر لوگ اس کو پسند نہ کر رہے ہوں کیونکہ اسے پتہ ہوتا ہے کہ پبلک میں کیا ری ایکشن ہوگا۔ ایک زمانہ تھا جب مولانا نے ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے آغاز کیا۔ اپنی زندگی کا اور کتابیں لکھنا شروع کیں تو آپ دیکھیں گے کہ بہت سے مقامات پر انھوں نے بیشمار لوگوں سے اختلاف کیا۔ بیشمار نئے نظریات پیش کئے اس میں انھوں نے احراریوں کے رویہ پر تنقید کی، کانگریس پر کی۔ قائد اعظم پر کی۔ اس میں انھوں نے صوفیوں پر تنقید کی، اہل حدیثوں پر تنقید کی، بعض پہلے مجددین پر تنقید کی۔ یہاں کی ریسرچ ہے۔ ایک مسئلہ امام مہدی کے بارے میں یعنی نئے تصورات پیش کئے سیاست کے ضمن بعض بالکل نئے تصورات کہ امیدواری حرام ہے پارٹی سسٹم حرام ہے ٹکٹ جاری نہیں ہوں گے۔

تو میں نے بھی اس کے لئے اپلائی کیا۔ ملک نصر اللہ خان عزیز نے مجھے اس کے لیے منتخب کر لیا۔ یہ کوثر کا ہفت روزہ تھا، اور میں اس میں کنٹری بیوٹر تھا مستقل، پھر یہ لاہور آگیا۔ ۵۲ء میں غالباً یہ لاہور آگیا پھر میں ایڈیٹر ہو گیا کوثر کا۔ جب ویکلی بنا اس کا ایڈیٹر تھا۔ اس کے بعد ۵۳ء میں میں بیکار ہو گیا۔ اس زمانے میں جماعت کا لاہور کا میں قیم تھا، سیکرٹری سا بھی ہو گیا۔ پھر ہم نے تقریریں شروع کر دی تھیں۔ ۵۳ء میں ہم گرفتار ہو گئے، مولانا بھی گرفتار ہوئے ختم نبوت کا فساد تھا۔ جیل میں ہم ساتھ تو نہیں تھے کیونکہ ان کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ وہ الگ حصے میں رہتے تھے۔ ہم الگ حصے میں رہتے تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحی، اور میں۔

تو یہ سلسلہ زمانہ پھر ۵۲ء سے ۵۶ء کے جنوری تک گویا لاہور میں مولانا سے مجھے قریبی تعلقات رہے کیونکہ لاہور کا امیر ہو گیا۔ تو مولانا سے بہت ذاتی نوعیت کے بھی مراسم اس انداز کے تھے کہ میرا خیال ہے کہ بہت کم لوگوں پر شفقت اس انداز کی کرتے تھے کہ کھانے وغیرہ کی محفل میں آئیں، میرے گھر آئیں، یا خود مجھے بھی بعض دفعہ انھوں نے کھانے پر بلایا۔ نہاری کے وہ بہت شوقین تھے احسان کے ہاں پکتی تھی نہاری، اور نہاری میں بھی بہت شوق سے کھاتا تھا۔ وہ نہاری کھاتے تھے بارہ بجے، ایک بجے، لنچ کی جگہ، ہم کھاتے صبح، تو جب کبھی انھوں نے کہا کہ نہاری کھلاؤ تو نہاری کی دعوت کی، تو انھوں نے کہا کہ بارہ بجے کھاؤں گا۔ اس طرح بعض اوقات ایسا ہوا کہ انھوں نے نہاری اپنے ہاں بنوائی مجھے بھی انوائیٹ کیا، اس طرح سے گویا مراسم تھے، تو یہ شروع سے آخر تک کی ملاقاتوں کی روداد ہے۔

س:۔ اور پھر اختلاف بھی ہو گیا۔

ج:۔ میر صاحب، اختلاف جو ہے، وہ مولانا کی ذات سے نہیں، وہ خالصتاً مذہبی اور نظریاتی ہوا۔ اصل میں شروع میں جب متاثر ہوا ہوں جماعت سے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب بالکل میں Raw (خام) تھا۔ کلین شیو، نہ کچھ پڑھا تھا، نہ کوئی، پھر جب میں لاہور آیا، اس کے بعد میں نے اردو، عربی، فارسی کے جو امتحانات ہیں، ادیب عالم، مولوی فاضل اور منشی فاضل وہ میں نے لے لئے، اور عربی پڑھی اور ڈائریکٹ میری پڑھائی ہوئی، تو ظاہر ہے سورس جو ہیں اسلام کے قرآن و حدیث وغیرہ اور مجھے براہ راست مطالعے کا موقع ملا۔ پھر میں نے تقابلی مطالعہ کیا۔ اس زمانے میں میں خطیب بھی رہا۔

یہ لوگ یہ بھی مثال دیتے ہیں کہ مولانا اردو قومی نظریے کے تو حامی تھے لیکن قائد اعظم کی قیادت کو قبول نہ کیا۔

ج:۔ نہیں، مولانا ظاہر ہے بہت بڑی شخصیت اور ایک نئے فلسفے اور فکر کو پیش کرنے والے آدمی تھے۔ کہ لوگ انہیں غلط کریں۔ مقلد لوگ ہوں ان کے، نہ کہ ان کے مقابل نیا نظریہ یا نظام پیش کریں۔ جمہوری پیش کریں اور چونکہ جماعت کا جو نظام تھا۔ اس زمانے میں وہ جمہوری نہیں تھا۔ تو اختلاف وہاں پہنپ نہیں سکتا تھا تو اختلاف آپ اس حد تک کہہ سکتے ہیں کہ مولانا اختلاف بہت کم برداشت کرتے تھے۔

س:۔ اس کے بعد تو جماعت کے بالکل مخالف سمت چلے گئے اور مولانا کی ذات پر آپ کے رسالہ شہاب میں بہت کچھ چھپا۔

ج:۔ مجھے اس کا افسوس ہے ذاتی طور پر، کہ بعد کے مرحلوں میں مولانا سے جو اختلاف ہوا اور علیحدگی ہوئی تو میرے سامنے دو راستے تھے، یا تو کا علمی دینی کام کروں یا پھر سیاسی انداز اختیار کروں۔ وقت نے، حالات نے، مجھے کچھ سیاست میں ڈال دیا تو مجھے افسوس ہے کہ مولانا سے اختلافات، جماعت سے اختلافات، جو ہیں ان کی شکل بدنما ہو گئی۔ ایک تو جماعت کے لوگوں نے خود اس طرح کے پروپیگنڈے کئے۔ ان کے جرائد اور اخبارات جو تھے ہفت روزہ وغیرہ ان کے اندر اس طرح کی زبان اختیار کی گئی۔ اس کے ردعمل میں ہمارے ہاں بھی شدت پیدا ہو گئی۔ خاص طور پر شہاب کے زمانے میں مولانا کے بارے میں جو زبان اختیار کی گئی جو کارٹون وغیرہ بنے حقیقتاً مجھے بعد سالوں میں ہمیشہ اس کا قلق رہا۔

س:۔ وہ آپ کے نوٹس میں نہیں تھے۔

ج:۔ نہیں، نوٹس میں ان معنوں میں تھے، میں تو زیادہ تر پارٹی کمپین میں، انتخابی مہم میں، دورے پر ہوتا تھا۔ تو وہ چھپی تھیں چیزیں۔ بعد میں میں اکثر دیکھتا تھا۔ بعض اوقات میں ان پہ اختلاف بھی کرتا تھا۔ گر لوگ کہتے بھی تھے کہ بھئی غلط کہتے ہو لیکن اُدھر سے بالمقابل بہت سی چیزیں آ رہی تھیں۔ اس نوعیت کی، اسی انداز کی، بہر حال تو اس زمانے میں بہت ہی افراط و تفریط ہوا۔ اور کچھ چیزیں ایسی آئیں کہ جو اسلامی اخلاق کے، اور صحافت کے

میں اب بھی مانتا ہوں کہ امیدوار کا حرام ہے اسلام میں لیکن وہ کسی معاشرے کی بات ہے جہاں خلافت راشدہ جیسا اسلامی سوسائٹی ہو۔ ایک آئیڈیل۔ لیکن وہ نہیں ہے۔ ایک جمہوری دور ہے اس کے اندر اس دور جدید کی انتہا پسندانہ تعریف جس سے وہ نہیں چل سکتی۔ تو پھر یا ہم وہ نہیں یا ہمارا دینی سیاست کے تقاضے پورا کریں۔ خاص طور پر جب فاطمہ جناحؒ مقابلے میں آئیں۔ صدر ایوب کے تو میں دل سے حامی تھا کہ خاتون پاکستان کی مدد کی جائے اور ساتھ دیں ان کا لیکن یہ کہہ کر کہ جمہوریت کے لئے وہ فرض کا ہیں۔ اس میں ہم مذہب کو دخل نہ دیں۔ چنانچہ جب فاطمہ جناحؒ کے جلسے ہوئے۔ احمدیں، گول باغ میں اور موچی دروازے میں تو جماعت کی طرف سے میں صدر تھا جلسے کا تو ہم نے ساتھ دیا۔ میں نے ایک کتاب بھی لکھی چھوٹی سی۔ کیا عورت صدر مملکت بن سکتی ہے۔ وہ لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئی۔ سارا کچھ تھا مولانا چونکہ اس کے خلاف لکھ چکے تھے کہ عورت وہ نہیں بن سکتی چہ جائیکہ وہ صدر بنے۔ اب جماعت ساتھ دینا چاہتی تھی فاطمہ جناحؒ کا۔ اب وہ منجمد یا تھے۔ وہ نظریات جو دیسر پاکستان نے جیل کے زمانہ جیل میں تھا انہوں نے وہاں سے ایک تحریر لکھ کر بھیجی جس میں یہ کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ عورت جو ہے صدر مملکت نہیں ہو سکتی لیکن حرام کی دو قسمیں ہیں ایک ابدی ایک غیر ابدی۔ ایک حرام جو ہمیشہ رہے۔ ایک حرام جو ہمیشہ نہیں رہتا۔ عورت کا صدر مملکت بننا ایسا حرام ہے جو ابدی حرام نہیں۔ اب یہ بالکل ایک نیا نظریہ تھا تو اس پہ بڑا پیدا ہوا ذہن میں ایک انتشار۔

جب فاطمہ جناحؒ کا الیکشن ہو گیا، اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ میں اس زمانے میں صدر ایوب کا ساتھ دینا چاہتا تھا اور اس لئے میں یہ اختلاف کر رہا تھا تو وہ غلط ہے کیونکہ انتخابات تک فاطمہ جناحؒ کی انتخابی مہم میں شریک رہا تو مولانا جب واپس آ گئے۔ تو میں نے مولانا کو ایک تفصیلی خط لکھا بہت لمبا خط۔ اس میں میں نے سارے جو اختلافات تھے، نظریاتی، مذہبی، دینی، وہ میں نے لکھے کہ یہ باتیں ایسی ہیں، غلط ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم یہاں غلطی کر رہے ہیں تو اس کے جواب میں انہوں نے مجھے لکھا کہ اگر تم مطمئن نہیں ہو اور یہ سمجھتے ہو تو پھر استعفیٰ دے دو۔ چنانچہ ان کے اس خط کے بعد میں نے استعفیٰ دے دیا۔ یہاں سے اختلاف شروع ہوا۔

س: تو کیا مولانا میں برداشت نہیں تھی کہ وہ اختلاف کو سہار سکتے تھے؟ آزادی بات جسے کہتے ہیں

یہ میں نے واضح ہمیشہ کہا کہ جماعت سے میرے اختلافات جو ہیں، وہ ہیں اور رہیں گے۔

س:۔ مولانا کی ذات سے نہیں۔

ج:۔ مولانا کی ذات سے نہیں وہ بنیادی اختلافات ہیں، سیاسی اختلافات ہیں۔ مولانا کی فکر سے بھی مجھے اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود میں ان کی شخصیت کا، ان کی ذات کا احترام کرتا ہوں اور ان کے ضمن میں جیسے انتقال ان کا تقریباً ہوا ہے پچھلے کے دور میں مجھے اس کا سخت افسوس ہے۔ پھر جب وہ بیمار ہوئے اور یہ خبر چھپی تو میں نے میاں طفیل کو فون کیا میں نے کہا کہ بھئی بیمار ہو گئے ہیں مولانا۔ میں نے سنا ہے اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، ویسے تو میری زندگی کا بھی کوئی بھروسہ نہیں، لیکن مجھے لگتا ہے کہ وہ چراغ سحری ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، آنا چاہتا ہوں امید ہے انہیں اعتراض نہیں ہوگا، تو انہوں نے کہا کہ میں ان سے بات کروں گا۔ اس وقت شوریٰ کا ہمارا اجلاس ہے، چند دن ہم مصروف ہیں۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ یہ مقصد تو نہیں تھا کہ میں جماعت سے تعاون حاصل کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ حکومت سے وہ نکل چکے تھے جب میں نے بات کی، جب یہ حکومت میں آئے ہیں جماعت والے تو میں نے اس بات کرنی چھوڑ دی کہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم حکومت میں آ گئے ہیں تو یہ بات کر رہا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں خود برسراقتدار تھا۔ اس کے بعد جب عیادت کا مسئلہ آیا یہ اس وقت جب یہ نکل چکے تھے حکومت سے پھر میں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ میں نے جماعت پر تنقید کی، کسی بیان میں تو ان کے کسی آدمی نے بیان دیا کہ میں تو مولانا سے ملنا چاہتا تھا، اسے بندگانِ خدا مولانا سے ملنا ذاتی حیثیت میں تھا، اسلامی اخلاق کے تحت تھا، نہ یہ کہ میں تم سے کوئی سیاسی سودے بازی کرنا چاہتا ہوں، نہ کروں گا، نہ کرنا چاہتا ہوں، نہ زندگی بھر کروں گا، تمہاری فکر سے، تمہارے عمل سے مجھے اختلاف ہے اور یہ سوال کہ میں تم میں شامل ہو رہا ہوں، یا تمہیں ساتھ لے رہا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں وہ تو مولانا کی ذات کا سوال تھا۔

اس کے بعد میں چلا گیا بیرونی ملک، ساؤتھ افریقہ وغیرہ آپ یہ دیکھئے کہ میرے ذہن میں یہ کھٹکا تھا کہ مولانا

آداب کے منافی تھیں اور مجھے خود احتسابی کرتے ہوئے ماننا چاہئے کہ ان چیزوں کو کہ غلط تھیں جو زبان استعمال کی گئی جس طرح کے کارٹون بنائے گئے، بعد کے مرحلوں میں مجھے اس کا افسوس رہا۔ اور آپ نے یہ دیکھا کہ حکومت میں شریک ہونے کے بعد میں نے کبھی کوئی ایسی زبان ان کے بارے میں استعمال نہیں کی کبھی نہیں بلکہ جماعت کو ایک زمانے میں خلاف قانون قرار دینے کا پروگرام تھا۔ بھٹو صاحب چاہتے تھے، تو میں نے انہیں اس سے منع کیا تھا کہ ایسا نہ کریں آپ، ایک تو ویسے ہی یہ غلط ہوگا، دوسرے اس کے نتائج جو ہیں وہ یہ ہوں گے کہ یہ جماعت انڈر گراؤنڈ چلی جائے گی کسی اور نام سے آجائے گی، یہ لوگ رہیں گے۔ کیونکہ یہ ایک فکر ہے، فکر ختم نہیں ہو سکتی۔ خلافِ قانون قرار دینے سے، فکر دماغ سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر بھٹو صاحب کی مولانا سے ملاقات کرانے کے ضمن میں بھی میرے مشورے شریک رہے۔

س :۔ وہ ملاقات جو ۷۷ء میں ہوئی۔

ج :۔ ظاہر ہے۔ میں چاہتا تھا کہ یہ ملیں ان سے۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر وہ ملیں گے تو شاید میں ناراض ہوں گا تو میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ نہیں، آپ ضرور ملیں اور مولانا سے تعاون حاصل کریں۔ اسلامی سیاست کے ضمن میں دوسرے انتہا پسندوں کا اگر آپ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ کمیونسٹوں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو مولانا سے تعاون لیں تو مجھے خوشی ہوگی۔

اسی طرح پروفیسر غفور احمد گواہ ہیں۔ یہ مجھ سے ملتے رہے ہیں اس زمانے میں جب میں حکومت میں تھا، میرے گھر پر بھی آتے رہے ہیں اور راہ کرم، تو میں نے ان سے کہا تھا خود، کہ بھائی مجھے افسوس ہے اس بات کا۔ تعلق ہے اور میں چاہتا ہوں کہ مولانا سے کسی وقت ملوں اور میں ان سے اس کے لئے معذرت کر لوں لیکن میرے قلم سے کوئی ایسی چیز نہیں نکلی۔ یہ جو کچھ لکھا گیا، اور لوگوں نے لکھا لیکن میں اس میں بری الذمہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ بہرحال 'شہاب' پر نام میرا آتا تھا۔ مالک میں تھا۔ اور جلسوں میں بھی ایسے الفاظ ہو سکتے ہیں جن کا مجھے افسوس ہے۔ میں مولانا کی عزت کرتا ہوں احترام کرتا ہوں اور یہ چیزیں ہو گئیں میں چاہتا ہوں کہ کبھی ان سے ملوں۔ میرا نہیں ضرور میسج دے دیجئے گا کہ مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔ پروفیسر غفور گواہ ہیں پھر میاں طفیل کو بھی میں نے کہا اسی زمانے میں، مصطفیٰ صادق سے بھی کہا، لیکن

ڈھونڈتے پھریں۔ وہ ان میں نہیں تھا اور عبادات میں وہ اہتمام، تہجد گزاریاں، نوافل، تسبیح خوانیاں، وغیرہ یہ چیزیں آپ کو نہیں ملیں گی لیکن جو فرائض ہیں اسلام کے وہ ادا کرتے تھے۔ کوئی چیز مجھے کبھی بھی ایسی نظر نہیں آئی مولانا کی کہ جو میں یہ کہوں کہ یہ خلافِ اسلام تھی۔

ان کا ذوق بہت صاف ستھرا تھا۔ شعر و ادب کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ایک زمانے میں شعر کہتے رہے تھے۔ شروع میں بہت ابتدائی زندگی میں، خود مجھے بتایا، جب طالب علم تھے تو شعر بھی کہتے تھے۔ بعد میں شعر کہنا چھوڑ دیا لیکن بہت اچھے شعروں کا مزا لیتے تھے۔ ہم سے سنتے تھے شعر۔ ملک نصر اللہ خاں عزیز جب نظم پڑھتے تھے، غزل کوئی سناتے تو بہت محظوظ ہوتے تھے جیل میں بھی۔ جب ۱۹۵۳ کے زمانۂ اسارت میں، میں نے شعر کہے "زبرگل" میں بہت سارے ان اشعار پر مشتمل ہے تو کبھی جب ہم اکیلے بیٹھتے تھے۔ آٹھ دس بارہ دن کے بعد اجازت دیتے تھے کہ جلسہ سا ہو بیٹھیں تو اشعار سنتے تھے اور بہت داد دیتے تھے۔

مولانا منتظم بہت تھے۔ اس قدر محنت کرنے والا انسان جب ضرورت سمجھے تو رات دن ایک کر دیتے۔ لکھنے کا کام کس قدر جانکاہی اور محنت کا کام ہوتا ہے۔ بے حد منظم آرگنائزر اور بہت حسین مسودہ ہوتا تھا مولانا کا۔ اس میں بھی کانٹ چھانٹ بالکل ہی برائے نام کرنا پڑتی تھی اور اتنا حسین خط، رسم الخط جو ہے ہینڈ رائٹنگ۔

کھانے پینے کا بہت عمدہ ذوق تھا۔ نفاست پسند تھے، لباس میں ان کا ایک مخصوص ذوق تھا۔ ٹوپی جو انھوں نے پہنی بس وہ آخری عمر تک، وہ ایک خاص سٹائل تھا وہ پہنتے تھے۔ کبھی ان کے لباس پر کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آئے گا۔ اجلا لباس پہنتے تھے، کتابیں بہت قرینے، سلیقے سے، بڑی اچھی جلدوں کے ساتھ رکھتے تھے اور ہر چیز میں انضباط تھا۔ اوقاتِ کار کا انضباط تھا۔ لکھنے پڑھنے کا وقت، ملنے کا وقت، ہر چیز میں ان کی آپ کو نفاست ملے گی۔ تو یہ انداز تھا ان کی زندگی کا۔

س:- کبھی محفل میں علامہ اقبالؒ سے ان کی ملاقاتوں کا کبھی کوئی ذکر چھڑا۔

ج:- ہاں، مولانا نے ایک دو دفعہ بتایا کہ علامہ سے ان کی ملاقات بھی ہوئی۔ علامہ اقبالؒ نے انھیں لکھا بھی۔

خدانخواستہ کہیں فوت نہ ہو جائیں۔ امریکہ ہی میں میرے دوست ہیں ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے یہ خطرہ ہے۔ ایسا لگتا ہے مجھے وجدانی طور پر اور میں چاہتا ہوں کہ مولانا سے بات کروں، ورنہ میرے دل میں ایک کانٹا نہ رہ جائے کہ آخری وقت میں ہم اس طرح تھے آپس میں، ناراض، مولانا مجھ سے خفا تھے یا انھیں کوئی بات تھی۔ اگرچہ انھوں نے ایک پیغام میں مجھے یہ کہلایا کہ میں جو بھی بات ہے دل سے بھلا چکا ہوں۔

س :- اس کی ہے کوئی تفصیل۔

ج :- ڈاکٹر رشید احمد جالندھری اور دوسرے احباب اور بھی انھوں نے مجھے کہلایا کہ دل میں جو بات ہے وہ بھلا چکا ہوں یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن پھر جب میں لندن پہنچا تو میرے ایک عزیز بھی ہیں اور جماعت اسلامی کے قریب ہیں بہت، مسٹر عبد الرحمٰن بزمی، ان سے میں نے مولانا کا ایڈریس لیا امریکہ کا۔ میرا پروگرام بن رہا تھا امریکہ جانے کا، ایک دعوت تھی مجھے وہاں لیکچر دینے کی، یونیورسٹی میں۔ میں نے کہا کہ میں وہاں جاؤں گا اور مولانا سے میں ملوں گا اور عیادت بھی کروں گا۔ یہ موقع ہوگا۔ نہیں تو میں خط لکھوں گا۔ ایڈریس میرے پاس رہا۔ لیکن میں ایسا مصروف ہوا، ساؤتھ افریقہ کے تبلیغی دورے میں، موقع نہیں رہا۔ پھر میں یہاں آگیا، یہاں آیا تو مولانا چند دن کے بعد انتقال فرما گئے۔ تو یہ وہ پہلو ہے جس کا میں ضرور سا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ لیکن یہ ہے کہ مولانا پر ذاتی طور پر میرے قلم اور زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلی۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شہاب میں میں ہی لکھتا رہا حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔

س :- آپ مولانا کی ذاتی زندگی کے بارے میں بھی کچھ بتائیں گے۔

ج :- مولانا بہت صاف ستھرے انسان تھے۔ میں انھیں کوئی ولی یا اس طرح کا تاہم عابد انسان نہیں جو یکھتا جیسا کہ سلف کے پرانے انداز کے علماء ہوتے ہیں۔ بورژیشین انداز، وہ ماڈرن ایک انسان تھے، ماڈرن ان کی لونگ تھی، مگر بہت صاف ستھرے ٹیسٹ کے آدمی، اور نشانہی کرکے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی زندگی میں فلاں چیز خلاف اسلام تھی۔ ایک ہوتا ہے تقوی کا انداز جو آپ اپنے اولیاء اللہ میں، بزرگان دین میں دیکھتے رہے ہیں۔

ان کے نام سے کنٹریکٹ ہوتا تھا، ہر جا ملنے والا بعد میں پریذیڈنٹ کے نام سے ہوتا تھا۔ یہ بہت میاں طفیل نے کہا کہ قائداعظم کے حکم سے تقریریں کیں۔ بھائی وہ تو کنٹریکٹ کے الفاظ ہوتے ہیں، ہر مقرر کے لئے ہر براڈکاسٹ کے لئے جو بھی سائن کرتا تھا۔ قائداعظم کو اس میں کیا دخل تھا۔ تقریریں مگر مولانا نے کیں اور مولانا کی عظمت کے لئے یہ کوئی سند نہ ہوتی کہ کس نے کہا اور کس نے لکھا۔

س:۔ اور اس سے نقصان پہنچا جماعت کو۔

ج:۔ نقصان بھی پہنچا اس سے، بالکل۔

س:۔ احباب کی کسی مجلس یا محفل میں مولانا نے یہ ذکر کبھی کیا کہ پاکستان غلط بنا، یہ نہیں بننا چاہئے تھا۔

ج:۔ میرے علم میں، دانست میں ایسی کوئی بات نہیں۔

س:۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ آج بھی نجی محفلوں میں بیٹھ کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

ج:۔ نہیں، مولانا کے ضمن میں یہ کہتا ہوں کہ پاکستان سے انہیں بے پناہ محبت تھی، بعد میں پاکستان کو وہ سمجھتے تھے کہ قائم رہنا چاہئے۔ بلکہ وہ کہتے تھے کہ یہ مسجد ہے، وغیرہ،

س:۔ اور اس ضمن میں تگ و دو بھی کی کہ اسلامی نظام آئے۔

ج:۔ تگ و دو بھی کی کہ اسلامی نظام آئے وغیرہ۔

س:۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا اسلامی ریاست کے لئے مخلص تھے۔

ج:۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اپنا جو ایک ذہن تھا اسلامی کا ایک مخصوص تصور تھا ان کا، اس میں یقیناً وہ مخلص تھے اگرچہ میں اس اسلامی ریاست کے تصور کو ٹھیک نہیں سمجھتا اور یہ ایک لمبا بحث ہے کہ میں اسلامی ریاست کا تصور کیا رکھتا ہوں۔ مگر مولانا جو اپنا ایک تصور رکھتے تھے، اس میں وہ مخلص تھے، ان کی ایک فکر تھی۔

س:۔ اور اس فکر سے اختلاف ہو سکتا ہے۔

آپ آئیں دارالاسلام کو کنٹرول کریں۔ وہ نیاز علی خاں علامہ کے عقیدت مند تھے۔ انھوں نے دارالاسلام کا خاکہ پیش کیا۔ علامہ کو۔ تو علامہ نے کہا کہ وہ آدمی موزوں ہے اس کو بلانا چاہیے۔ لیکن جب وہ آئے تو پتا لگا فوت ہو گئے علامہ اقبالؒ۔

علامہ اقبالؒ کی وفات پر مولانا نے ایک مضمون بھی پڑھا۔ اس زمانے میں جب علامہ اقبال فوت ہوئے ہیں۔ اسلامیہ کالج میں ایک جلسہ ہوا۔ مولانا خود بتلاتے ہیں کہ میں نے اس میں ایک مضمون بھی پڑھا۔ علامہ اقبالؒ پر وہ اس زمانے میں کسی رسالے میں چھپا بھی۔ مولانا، علامہ کی بڑی قدر کرتے تھے، اور بڑی عزت سے ان کا نام لیتے تھے میں نے بہت کم معاصرین میں ان کو کسی کا قائل پایا۔ مولانا معاصرین میں کم ہی کسی کے قائل ہوئے مثلاً ابوالکلام آزاد یا اس طرح کے جو لوگ تھے۔ مولانا انھیں نہیں مانتے تھے۔ لیکن علامہ اقبالؒ کے قائل تھے۔

س :۔ قطع نظر اس بات کے کہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں ان کے نظریات کیا تھے، بعد کے ایام میں۔ جن زمانے میں آپ ان سے ملتے رہے، انھوں نے کبھی قیامِ پاکستان کو غلط کہا، جیسا کہ احراریوں اور کانگریسیوں کا آج بھی وہی شیوہ ہے۔

ج :۔ میں آپ کو بتاؤں، اصل میں جو زیادتی کی جماعتِ اسلامی نے اور مولانا نے گویا اس پر سکوت اختیار کیا۔ وہ یہی تھا کہ جس چیز کا کریڈٹ انھیں لینا چاہیے تھا وہ نہ لیں۔

پاکستان کے ضمن میں، واضح بات ہے کہ مولانا نے پاکستان کی تحریک کا ساتھ نہیں دیا، مسلم لیگ پر تنقید کی قائدِ اعظمؒ پر تنقید کی۔ انتخابات میں حصہ نہیں لیا، سب کچھ ہوا، مخالفت کی کانگریس کی بھی کی مسلم لیگ کی بھی کی لیکن پاکستان میں آنے کے بعد ان کے ساتھیوں نے ان کو بالکل مفکرِ پاکستان بنا دیا کہ پاکستان کا گویا خیال ہی ان کا ہے اور پھر بعض لوگوں نے تو قائدِ اعظمؒ کے ان کے دوستانہ تعلقات کا بھی افسانہ تراش لیا۔ ایک خاتون نے ایک مضمون لکھا کہ مولانا کے بہت تعلقات تھے، قائدِ اعظمؒ کے ساتھ، حالانکہ قائدِ اعظم کے ساتھ ان کی ملاقات بھی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ کہ قائدِ اعظمؒ نے خود حکم دیا کہ وہ ریڈیو پاکستان سے تقریریں کریں۔ بھائی وہ تو یہ ہے کہ جب بھی کوئی ریڈیو کنٹریکٹ ہوتا ہے، کسی بھی مقرر سے تو اس میں یہ الفاظ لکھے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں گورنر جنرل تھے قائدِ اعظمؒ تو

ج :۔ مولانا رنجیدہ تھے۔ حقیقتاً ان کو یہ خیال تھا کہ میں نے ان کے بارے میں یا ان کے اہل خاندان کے بارے میں کوئی ایسی باتیں کہی ہیں یا لکھی ہیں۔ حاشا و کلا میں نے نہیں کہیں اور میں نے کبھی نہیں استعمال کی زبان ایسی ان کے بچوں کو، ان کی بچیوں کو میں اپنے بچے اور بچیاں سمجھتا ہوں اور مولانا کے لڑکے حکومت کے زمانے میں مجھ سے ملتے رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں کبھی بھی ان کے (مولانا) کے بارے میں ایسا نہیں سوچتا تھا۔

س :۔ لیکن انہیں رنج تھا۔

ج :۔ اور وہ رنج ظاہر ہے اپنائیت کی وجہ سے تھا۔ ان کو یہ خیال تھا کہ میں نے کہیں حالانکہ میں نے نہیں کہیں۔ اور میں یہی واضح کرنا چاہتا تھا ان پر لیکن اس کا وقت نہ ملا، کچھ جماعت کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ملوں گا تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا حالانکہ میرا کوئی ارادہ نہ تھا نہ ہے کہ میں جماعت کی سیاست میں دخل دوں کیونکہ ان کی سیاست سے سخت اختلاف رکھتا ہوں، لیکن جہاں تک مولانا کی ذات کا تعلق ہے وہ احترام پہلے بھی تھا اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور ذاتی طور پر اختلافات کے باوجود ان کی فکر کا ان کے قلم کی جو کثیر یہ فن ہے اس کا اثر ہے، معاصرانہ انکار پر وہ تاریخ سرمایہ ہے۔

س :۔ جماعتِ اسلامی کو بھٹو صاحب نے خلافِ قانون قرار دینے کے متعلق سوچا، اس کی کوئی تفصیل؟

ج :۔ کئی مرحلوں پر انھوں نے سوچا،

س :۔ سی آئی ڈی کی رپورٹیں آتیں تھیں یا،

ج :۔ رپورٹیں بھی آئی ہوں گی یا وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ منظم جماعت ہے جو ان کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکی اس لئے اس کو ختم ہونا چاہئے اور اس کے لئے کوئی میٹریل کوئی مواد بھی ان کے پاس ہوگا، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا مواد تھا۔ لیکن یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔ بھٹو صاحب کو ایسا کرنے سے روکا اور چونکہ جماعت کے معاملے میں میرے وہ رول کو جانتے تھے اس لئے وہ اس موضوع پر مجھ سے مشورہ کرتے تھے اور بات کرتے تھے اور جب مولانا کو وہ ملنے گئے ہیں لاہور تھا میں بھی، جس دن وہ مولانا سے گورنمنٹ ہاؤس میں ملے مکر کہنا نہیں

ج:۔ اختلاف ہو سکتا ہے اور مجھے ہے اور دلائل و براہین سے اس پر بات ہو سکتی ہے لیکن ان پر غیر مخلص ہونے کا الزام غلط ہے۔

س:۔ یا انھیں غدار کہا جائے۔

ج:۔ یا غدار کہا جائے یا یہ کہا جائے کہ ان کی ذاتی زندگی میں خرابیاں تھیں یا ان کی زندگی غیر اسلامی تھی یہ بڑی زیادتی ہے۔ یا ان کی ذات کے ساتھ سیکنڈل منسوب ہوں یہ بڑی زیادتی ہے یا یہ کہا جائے کہ ان کو امریکی امداد ملی تھی میں یہی پھر کہنا چاہوں، مولانا کے ضمن میں یہ کہنا کہ ان کو امریکی امداد ملی تھی۔ یا جماعت اسلامی کو ملتی تھی میں ریکارڈ درست کرنا چاہتا ہوں، یہ غلط ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض مسلمان حکومتوں سے انھیں امداد ملی سعودی عرب سے ملی ہے۔ بعض اور عرب ملکوں سے ملی ہے۔

س:۔ لیکن یہ امداد تو وہ علانیہ لیتے ہیں۔

ج:۔ ان عرب ملکوں سے امداد ملی ہے۔ اب اگر اس کو کچھ لوگ امریکی امداد کا نام دیں تو یہ ان کی مرضی ہے۔ لیکن ان کو یہ کہنا کہ انھوں نے اپنی ذہانت کو بیچا، دینی فکر کو بیچا یہ بالکل غلط ہے اور بڑی زیادتی ہے۔

میں بتاؤں کہ انفرادی لغزشیں تو اللہ میاں معاف کر دیتا ہے حقیقتاً اسے کچھ بحث نہیں ہے اس سے کہ آپ ذاتی زندگی میں کیا ہیں۔ لیکن جو معاملات قومی ہیں دوسرے افراد سے متعلق ہیں ان میں مجھے اس کا اندیشہ تھا اس سے میں ڈرتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ میں اس کا مرتکب رہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے ذریعے میں نے آج (۱۲ اکتوبر ۱۹۹۴ء) بوجھ جو ہے اُتار دیا ہے۔

س:۔ آپ نے مولانا سے ملاقات کی جو کوشش کی وہ پھر ملاقات ہوئی نہیں۔

ج:۔ وہ اس طرح ملتوی ہوتی چلی گئی اور بعض لوگ میرا خیال ہے جماعت میں ایسے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ ملاقات ہو۔

س:۔ مولانا کی طرف سے انکار نہیں آیا۔

معاملات ان کے بھی قابو سے باہر ہو چکے ہیں کیا کیا لیں گے کیونکہ تحریک تو وہ نہیں چلا رہے۔ وہ ایک الگ چیز ہے لیکن اس وقت بھٹو صاحب نے یہی سمجھا میرا اس وقت بھٹو صاحب کو یہ مشورہ نہیں تھا کہ آپ جائیں۔ میں سمجھتا تھا کہ بیپ کی کرسی پر محمول ہو گا۔ اس کے لئے جو کچھ کرنا چاہیئے تھا وہ اور تھا، اور جو کچھ انھوں نے کیا وہ بہت بعد از وقت تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ دوبارہ انتخابات کرا دو۔ رفیع رضا نے بھی کہا، میں نے بھی کہا بلکہ رفیع رضا موجود ہے لندن میں۔ اگر بھٹو صاحب دوبارہ انتخابات کا اعلان کر دیتے تو ہم جیت جاتے۔ لوگ اس سے مطمئن ہو جاتے۔ جنرل ضیاء الحق اور ان کے کور کمانڈر گواہ ہیں۔ جس میٹنگ میں یہ بات ہوئی تھی۔ بھٹو صاحب نے یہی سمجھا کہ شاید وہ حالات کو سنبھال لیں گے۔ مگر مولانا کی پھر بھی اس میں عالی نفسی تھی۔ اس زمانے میں کہا۔ آؤ چلو ادھر پھر جب نعرے بازی شروع ہوئی، مولانا ناراض ہوئے، نعرے نہ لگائے جائیں۔ یہ میرے مہمان ہیں۔ یہ اچھی بات تھی۔

مولانا میں یہ تھا کہ وہ کم آمیز تھے۔ میں آپ کو ایک اور پوائنٹ دینا چاہتا ہوں، بہت کم آمیز تھے اور اس کا سبب ان کا مزاج تھا جو ریسرچ سکالر و مصنف کا ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنی لائبریری میں گم رہتا ہے کہ لوگ چل کر آئیں۔ وہ کبھی نہیں جاتا۔ یعنی آپ دیکھیں کہ لاہور کے زمانہ قیام کے دوران وہ کس کے پاس جاتے تھے بلکہ کس سے ملتے تھے بڑے بڑے لوگ موجود تھے اس زمانے کے، مولانا مفتی محمد حسن مرحوم کے، ان کے پاس وہ دو چار دفعہ گئے اور کسی عالم دین سے ان کے ذاتی مراسم نہ تھے۔ مولانا احمد علی وہاں تھے مولانا داؤد غزنوی وہاں تھے۔

س:۔ مولانا ابوالحسنات تھے؟

ج:۔ مولانا ابوالحسنات سے بھی ان کی دو ایک بار ملاقات ہوئی۔ لیکن اس طرح نہیں کہ چل کے گئے ہوں، روابط جیسے ذاتی دوستانہ استوار کئے جاتے تھے۔ مولانا کا یہ انداز نہیں تھا، اس کو اب آپ انا کہئے یا اس کو طبیعت کی کم آمیزی کہیے اور سیاست میں ایک خامی کہئے۔ اصل میں وہ جو ہوتے بہت بڑے ہوتے۔ اگر ریسرچ سکالر ہوتے صرف تو بہت بڑے ہوتے، اور اگر صرف سیاسی لیڈر ہوتے تو بہت بڑے ہوتے۔ ان دونوں چیزوں کے آمیزے نے دونوں پہلوؤں میں کمزوریاں اور خامیاں رہنے دیں۔

میں لاہور آیا تو ٹھہرا ہوا تھا، ... ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے اس لئے بلایا تھا اس دن کہ میں مولانا سے ملوں گا اور بعد میں تم سے مشورہ کروں گا۔ پھر بعد میں مجھ سے مشورہ بھی کیا مجھے بتایا کہ ملاقات ہوئی ہے تعاون ہو سکتا ہے اس کو آگے بڑھایا جائے اور کس طرح کروں، بھٹو صاحب کو خیال تھا کہ مولانا تعاون کریں گے ان سے۔

س:۔ مولانا تعاون پر تیار ہو گئے کیا؟

ج:۔ کمیونسٹوں کے خلاف، کمیونزم کے مقابلے میں۔

س:۔ مولانا کی طرف سے یہ تعاون مشروط تھا یا غیر مشروط؟

ج:۔ نہیں جی، میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں، میں نہیں جانتا کہ بھٹو صاحب مخلص تھے کہ نہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں، میں اس کو کیونکہ وہ تو یہ دیکھتے تھے نا سیاست میں اس وقت اگر ان کا تعاون حاصل کر لوں، میرے لئے مفید ہوگا کہ نہیں، اگر انہیں معلوم ہوتا کہ سوشلسٹوں کا تعاون حاصل کرنا زیادہ مفید ہے تو ممکن ہے وہ ان کی طرف جاتے، کیونکہ بھٹو صاحب سیاست دان تھے۔

س:۔ مولانا کمیونسٹوں کے خلاف بھٹو صاحب سے تعاون پر آمادہ ہو گئے۔

ج۔ کیونکہ مولانا کا یہ ایک مشن تھا، اشتراکیت کا مقابلہ، بھٹو صاحب نے ان کے سامنے ایسی تصویر پیش کی ہو گی کہ یہ خطرہ ہے۔ یہ لوگ یوں کر رہے ہیں اور میرا ساتھ دیں اور میں اکیلا ہوں وغیرہ۔ انہوں نے کہا کہ ہم ساتھ دینے کو تیار ہیں لیکن آپ پہلے ثابت کریں کہ واقعی آپ اس معاملے میں تعاون چاہتے ہیں اور وہ اخلاص پر مبنی ہو کیونکہ مولانا کو یہ شک تھا کہ یہ کہیں سیاسی چال نہ ہو۔

س:۔ ۷۷ء کے ہنگاموں کے دوران بھی تو بھٹو صاحب مولانا سے اچھرہ ان کی رہائش گاہ پر ملنے آئے تھے اس کی کوئی تفصیل آپ کے سامنے آئی۔

ج:۔ اس زمانے میں بھی بات کی تھی بھٹو صاحب نے، میں جانا چاہتا ہوں، کیا سوچیں گے، میں نے کہا کہ مولانا بہت شریف انسان ہیں اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں آپ کی مدد کر سکتے ہیں تو آپ انہیں ضرور ملیں لیکن ایسے

س:- جسٹس صاحب نے یہ تبصرہ مولانا کے ساتھ آخری ملاقات کے بعد کیا ؟

ج:- نہیں کچھ کے زمانے میں جب گوجرانوالہ میں ملاقات ہوئی تھی۔

س:- آپ نے بتایا مولانا آپ کے گھر بھی تشریف لے آتے تھے لیکن جماعت کے دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہوتا تھا ؟

ج:- میرا خیال ہے کہ بہت کم لوگوں کے ساتھ ان کا اس طرح کا رویہ تھا لیکن شفقت وہ ہر ایک سے کرتے تھے مگر یہ کم آمیزی یا یک گونہ انقباض ان کے مزاج کا تھا جس سے بہت ہی اپنی جماعت کے لوگوں کو شکایت رہتی تھی۔ لیکن جب کبھی ان کے پاس جا کر کوئی اپنا دکھ یا غم بتاتا تھا تو مولانا ضرور سنجیدہ ہوتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جو کچھ بھی ان سے ہو سکے وہ کریں۔ لیکن از خود تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اگر معلوم بھی ہوا کہ فلاں فوت ہو گیا جیسے ہمارے سلف کے بزرگوں کا انداز ہوتا تھا۔

س:- اس کی وجہ ان کی علمی تحقیقی مصروفیات ہو سکتی ہیں ؟

ج:- مصروفیات بھی ہو سکتی ہیں مزاج بھی۔ مصروفیت تو خیر ہوتی ہے جب یا عصر کو ان کی مجلس ہوتی تھی۔ لوگ آتے تھے لیکن یہ کہ خود چل کر جائیں یہ بہت کم ہوتا تھا وجہ جو بھی ہو اصل میں کہ ط

میر کا حال میں نہیں خستۂ دل زمانہ کا

اب ان کی وفات کے بعد آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ نئے آدمی نہیں پا سکتے مولانا کی وفات سے عقیدت رہے گی اور وہ بڑھے گی بھی۔ کتابیں لوگ پڑھیں گے ان کا لٹریچر ہے سب کچھ ہے

مولانا مودودی کی ذات بھی برگد کا ایک درخت تھی جس کے نیچے پناہ شاید ہی یہاں نظر آئے گا۔

س:- جو پچاس برس آپ جماعت اسلامی سے متاثر ہو گئے آپ کی سلامتی کو برقرار رکھنے میں جماعت یا مولانا کا کتنا حصہ ہے ؟

ج:- میں اس بات کو نہیں بھول سکتا۔ اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے جماعت میں رہ کر مولانا کے

س:- اس کم آمیزی کے باوجود وہ آپ کے ہاں جاتے رہے؟

ج:- میرے ہاں وہ تشریف لاتے تھے کیونکہ میرا تو دستور تھا کھانے پینے کا اس وہ شفقت کرتے تھے اصل میں اس طرح کے تعلقات تھے اور ان کی شفقت تھی کہ اس کی وجہ سے تو وہ یقیناً میرے ہاں وہ میں آ کر کسی اور سے نہیں ملتا تھا۔ بھٹو صاحب جیسے لوگوں سے ملتے رہے۔ کیا ان کی نسبت وہ میرے متعلق یا دوسری مخالف نہیں ہوں کہ ربط تھا میرے کام اصل میں گیا ہیں دیکھتا ہوں اس زمانے میں ایوب صاحب کا دور تھا جو حقیقت میں ان کا دور تھی وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن میں نے واقعی جنہیں کا مسئلہ کو کچھ بھی نہیں تھا ہم سخت اس کا قتل اور مقتول ہیں یہ بیان اور تقریر ظاہر ہوئی سب سے متاثر ہوئی اس لئے میں ان سے آخری دور میں یا وہ حکومت کے زمانے میں بھی ملنا چاہتا تھا لیکن مجھے تھا اس زمانے میں بھی میں ان سے ملنے میں انہیں لے جانا ہو صاحب بہت اس کو شک کی نظر سے دیکھتے کیونکہ یہ پروپیگنڈا کمیونسٹ گروہ کرتا ہی تھا میں وہ پیروہ جماعت کا آدمی ہوں۔ اس پروپیگنڈا کو تقویت ملی حالانکہ اس سلسلے میں اپنے تمام گناہوں اور خطاؤں کے باوجود یہ فرد میرا صدر شریک ہے ارشاد فرمایا تھی میں ان سب کے شریک رہا میاں طفیل محمد کی پیشی ایک کتابچہ تو میں ان حمایت کے لئے گیا اور جماعت کا امیر اگرچہ میرا دوست قوت ہے میں تو فاتحہ خوانی کے لئے گیا لیکن مولانا کا معاملہ ایسا تھا کہ میں ان کے ہاں نہ جانے میں ان سے اگر اس طرح ملتا جلتا بھٹو صاحب کو یہ خیال ہوتا کہ یہ کوئی نیا محاذ میرے ضمن میں وہ پیروہ کھول رہا ہے یہ رکاوٹ تھی میرے خلاف انھیں ہمیشہ یہ دھڑا ہے کہ میں وہ پیروہ جماعت ہی کا آدمی ہوں اور جماعت نے مجھے بھیجا ہے۔

س:- بھٹو صاحب نے مولانا سے ملاقات میں کبھی انھوں نے مولانا کی شخصیت پر کبھی تبصرہ کیا؟

ج:- مولانا سے ملنے کے بعد بھٹو صاحب کا تصور یہ تھا کہ بہت خود شناس ہے کہ کنٹرول نہیں ہے لیکن میں اس کو مزید کچھ نہیں سمجھتا میں اسے بے نیازی کہتا ہوں اور بڑے آدمی ہیں اسکالر ہیں اور ایک بین الاقوامی شخصیت میں وہ بے نیازی ہو سکتی ہے۔

رہنماؤں کے نام آج بہت کم لوگ جانتے ہوں گے۔ پھر بھی اس میں ہمیں کچھ برائی کا بھی اندازہ نہ تھا۔

اس میں اللہ کا کرم ہے جو بھی ہے، مگر سیکھا میں نے فرداً ان سے، مولانا اصلاحی سے بہت سیکھا جب ہم جیل میں تھے، سات آٹھ ماہ، قرآن حکیم ان سے پڑھا، حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے تھے۔ حضرت مولانا اصلاحی صاحب ملتا کے درس میں، میں بالالتزام شریک رہا، مولانا مودودی کے، مولانا کے درس سے۔ حقیقت میں جب ... بھی میں نے کیا تھا سارا اس لحاظ سے میں نے بہت استفادہ ان سے کیا، یہ جو ہم پہلے سنتے تھے پڑھتے ہیں کہ فلاں فلاں کے درس میں کوئی اتنے سال بیٹھا تو یہ شاگردی کا ایک انداز ہے۔ سالہا سال ہم مولانا کے درس میں بیٹھے ہمارے اساتذہ میں سے ہیں، اس پہلو سے لیکن پھر بھی اختلافات تو ہوتے ہی ہیں۔

س:۔ آپ میں اور مولانا مودودی میں صحیح کون تھا اور غلط کون؟

ج:۔ یہ تو وقت فیصلہ کرے گا یا خدا۔ ★★★

حجاب کی قیمت میں اضافہ

اپریل ۸۹ء میں کاغذ پر ۱۰٪ ٹیکس بڑھ جانے اور پریس وغیرہ کی اُجرت میں اضافہ ہو جانے سے حجاب پر جو اثر پڑا اسے ہم نے چھ ماہ تک برداشت کیا۔ اس عرصے میں تمام ماہناموں کی قیمتیں بڑھ گئیں ہم اس کوشش میں تھے کہ حجاب کی کاپی اسی طرح روپے میں ہی دیں لیکن جب نقصان ناقابل برداشت ہو گیا تو اب مجبوراً اعلان کرنا پڑ رہا ہے کہ آئندہ ماہ اکتوبر ۸۹ء سے حجاب کے ایک پرچے کی قیمت 3-50 ہو گی ایجنٹ صاحبان نوٹ فرمالیں۔ منیجر حجاب رام پور

جو بہن یا بھائی حجاب کے سالانہ انفرادی خریدار بنیں گے ان کی خدمت میں "صحابہؓ و صحابیاتؓ" ۴۹۶ صفحات کی نہایت خوبصورت کتاب بطور تحفہ پیش کی جائیگی۔ کتاب کے لئے رجسٹری خرچ 3/= اور سالانہ چندہ 37/= روپے کل 40/= روپے۔ ایم۔او سے بھیجئے۔ منیجر حجاب رامپور یوپی

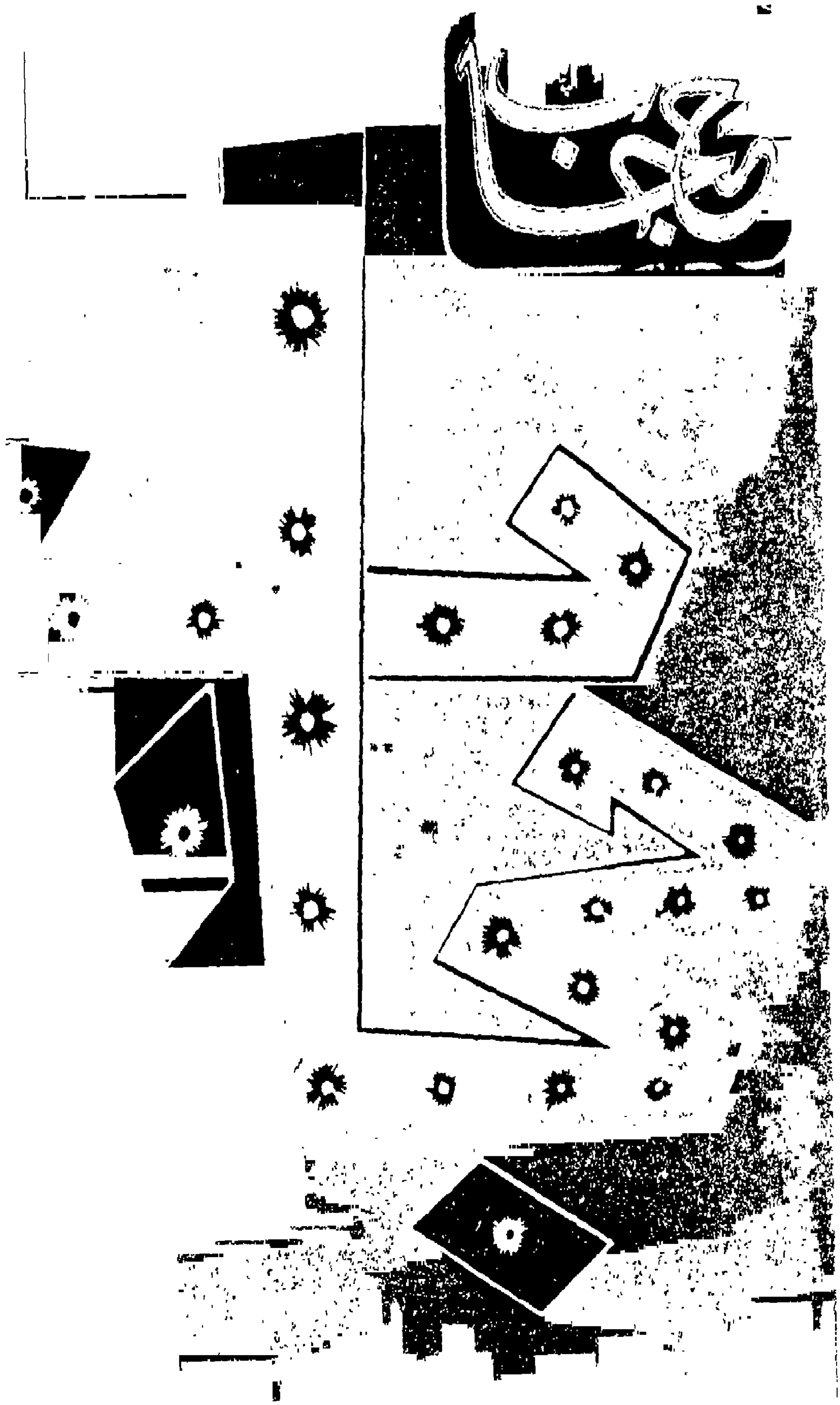
۲۴۴۹۰۱

قریب رہ کر اور تنظیم میں رہ کر ان کے لٹریچر سے بہت استفادہ کیا یعنی مجھے تنظیمی صلاحیتیں جو ہیں، اچھا مولانا بہترین تھے اس میں کوئی شبہ نہیں اور جس طرح جماعت کو انہوں نے منظم کیا ہے اس کی مثال آپ کو نہیں ملتی۔ اور ان کے کام کرنے کے بعد زندگی کے مختلف مرحلوں میں وہ چیزیں میرے کام آئیں اس میں کوئی شبہ نہیں۔

لیکن جماعت کے اندر رہتے ہوئے بھی میں بہت ہی متنوع تھا میں واحد آدمی تھا جو سیرت النبی کے جلسے ایڈریس کرتا تھا اور ملک کے طول و عرض میں جاتا تھا اور مختلف انجمنوں، جماعتوں کی طرف سے اور جمعہ میں خطبے دیتا تھا اور وہ جماعت کی مسجدیں نہیں تھیں لیکن یہ ہے کہ میں نے ضرور سیکھا لیکن مولانا خطیب تو نہیں تھے، خطابت میں، میں نے مولانا سے نہیں سیکھا اور جماعتِ اسلامی سے میں نے خطابت کا کچھ نہیں سیکھا اسلامی خطابت سے کوری ہے اور یہ ان کی ناکامی کی بہت بڑی وجہ ہے، کیونکہ بولا ہوا لفظ جو ہے وہ بہت بڑی قوت ہے، انبیاء جتنے آئے، چار کتابیں اتریں، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے زبان ہی سے پیغام دیا۔ تاہم مولانا، مولانا کے لٹریچر سے، جماعت کی تنظیم سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔

س:۔ صلاحیتوں کو جلا ملی ان سے۔

ج:۔ کوئی شبہ نہیں، جماعت کا خیال تھا کہ میں ختم ہو جاؤں گا اور میری کوئی حیثیت نہیں رہے گی اور اس زمانے کی بات ہے کہ جب میرے اختلافات واضح ہونے لگے۔ یہ استعفیٰ سے چند ماہ پہلے کی بات ہے میں کہیں ملا۔ مجھے کہنے لگے تم آجکل کس انداز میں جا رہے ہو، اختلاف ظاہر کرتے ہو، جماعت کو تم نے چھوڑ دیا الگ ہو گئے کیا ہو گا۔ تم زیادہ سے زیادہ مولانا محمد بخش یا اور جو مقرر ہیں ان کی سطح کے ایک آدمی ہی جاؤ گے، لیکن اس میں تو دیکھو بڑا فیوچر بھی ہے۔ ان کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ اپنی دنیا آپ پیدا کر زندوں میں ہے یہ انسان کا ہونا چاہئے اصول مانو، جو لوگ ہمیشہ کسی بڑی شخصیت ہی کے سہارے ابھرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو خدا پر بھروسا اور اپنی ذات پر اعتماد نہیں ہوتا تو وہ کبھی کوئی رول ادا نہیں کر سکتے۔ اب بھی بعض لوگ یہی سمجھتے تھے کہ بھٹو فیملی سے اس کے اختلافات ہو گئے ہیں، یہ بالکل ختم ہو جائے گا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں زندہ ہوں اور جو لوگ بھٹو فیملی کی غلامی کر-



حجاب

جلد ۱۲

شمارہ ۱۳۶

اکتوبر ۱۹۸۱ء

ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے
کہ آپ کا زرِ تعاون اس پرچہ کیساتھ ختم ہوگیا۔ آئندہ کے لئے
جلد سے جلد زرِ تعاون مرحمت فرمائیں — منیجر

ایک شمارہ 3/50

سالانہ 37/-

وی۔پی سے 40/-

اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

• مولانا صدر الدین اصلاحی

نکاح کے اسلامی قوانین ۳/۰۰
اسلام ایک نظر میں ۵/۵۰
اساس دین کی تعمیر ۱۲/۰۰
دین کا قرآنی تصور ۸/۰۰
اسلام اور اجتماعیت ۵/۰۰
حقیقت نفاق ۴/۲۵
اعتدال کی راہ ۲/۵۰
اسلامی نظام معیشت ۰/۷۵
تحریک اسلامی ہند ۴/۵۰
فریضۂ اقامت دین ۸/۰۰
قرآن مجید کا تعارف ۳/۰۰
دین کا مطالعہ ۰/۷۵
راہ حق کے مہلک خطرے ۱/۲۵
مسلم پرسنل لا دینی نقطۂ نگاہ ۰/۷۵
یکساں سول کوڈ اور مسلمان ۰/۵۰

• ماہر القادری

دُرِّ یتیم ۹/۵۰
کاروان حجاز ۶/۶۵

• مولانا امین احسن اصلاحی

حقیقت توحید ۳/۰۰
حقیقت شرک ۴/۵۰
حقیقت تقویٰ ۱/۵۰
دعوت دین ۵/۰۰

• مولانا سید جلال الدین انصر عمری

اسلام کی دعوت ۸/۰۰
معروف و منکر ۶/۵۰
عورت اسلامی معاشرہ میں ۱۲/۰۰
عورت اور اسلام ۳/۵۰
خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں ۵/۰۰
انسان اور اس کے مسائل ۲/۵۰
بچے اور اسلام ۰/۵۰
دولت میں خدا کا حق ۰/۷۰
اسلام اور وحدت بنی آدم ۰/۷۵

• وحید الدین خاں

اسلام ایک عظیم جدوجہد ۱/۹۰
انسان اپنے آپ کو پہچان ۰/۵۰
اسلام کا تعارف ۱/۰۰
حقیقت کی تلاش ۱/۰۰
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے ۲/۰۰
منزل کی طرف ۱/۰۰
ہندوستان آزادی کے بعد ۰/۲۵
مومن کی تصویر ۲/۲۵
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۲/۵۰

• ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

شرکت و مضاربت کے شرعی اصول ۴/۰۰
غیر سودی بنک کاری ۱۰/۰۰
اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ ۶/۰۰
اسلام میں عدل اجتماعی (ترجمہ) زیر طبع
اسلام کا نظریۂ ملکیت ۲ حصے مجلد ۷/۵۰

• سید علی

اسلامی انقلاب مخالف قوتیں اور مسلمان ۲/۰۰

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی۔

درپردۂ حجاب

تربیت نمبر کا تعارف

تربیت نمبر کے متعلق پچھلے حجاب شمارہ ستمبر ۸۰ء میں کچھ مختصر طور پر بتایا گیا تھا۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اس کا تفصیلی تعارف اکتوبر ۸۰ء کے شمارے میں کرائیں گے لیکن اس سے پہلے ہم تربیت نمبر کی تیاری کے بارے کچھ نہ کچھ ضرور بتانا چاہتے ہیں۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تربیت نمبر کی تیاری میں ہم کو بنیادی باتیں کہاں سے ملیں ہم نے اس کے لیے کس سمندر میں غوطہ لگایا اور کیسے کیسے موتی ہمارے ہاتھ لگے۔

تربیت نمبر کی تیاری ہم نے دو سال پہلے سے شروع کی تھی۔ اس کا مختصر سا اعلان "حجاب" میں بھی دیا تھا اور اپنے مخلص اہل قلم بھائیوں اور بہنوں کو خطوط بھی لکھے تھے کہ وہ تربیت نمبر کی تیاری میں قلمی تعاون فرمائیں۔ ہم نے اہل قلم بھائیوں اور بہنوں سے گزارش کی تھی کہ وہ تربیتی افسانے لکھیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس میں ہم کو بہت کامیابی ہوئی اور اچھے سے اچھے افسانے ہمارے پاس اکٹھا ہو گئے۔

یہ سب مہیا تو ہو گئے لیکن محسوس کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ میری پیاس نہیں بجھی۔ افسانوں میں اخلاقی تربیت سے متعلق اچھا خاصا مواد آ گیا تھا لیکن دل کہتا تھا کہ ؎ کچھ اور چاہیئے وسعت میرے بیاں کے لئے

وسعت بیاں وسیع سے وسیع تر ہو جاتی اور ہم اسی وسعت میں کھو جاتے، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرم نہ ہوتا۔ آپ سے آپ دل میں آیا کہ قرآن مجید اول تا آخر ایک تربیتی کتاب ہے، کیوں نہ اس سے استفادہ کیا جائے؟

(ساجدہ فرزانہ ملک

تقویٰ

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپؐ سے بہت سے ارشادات اور بہت سی ہدایات سنی ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ یہ ساری ہدایتیں اور نصیحتیں مجھے یاد نہ رہ سکیں اس لیے حضورؐ کوئی ایک جامع نصیحت فرما دیں جو میرے لیے کافی ہو؟ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے علم اور واقفیت کی حد تک خدا سے ڈرتے رہو اور اسی ڈر اور فکر اور تقویٰ کے ساتھ زندگی گزارو۔ یعنی اگر یہ ہی ایک بات تم نے یاد رکھی اور عمل کیا تو بس یہی تمہارے لیے کافی ہے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہیے (اور آخری دم تک اسی تقوے کے تحت اس کی فرماں برداری کرتے رہو) یہاں تک کہ تم کو اسی فرماں برداری کی حالت میں موت آئے۔"

سورۂ تغابن میں ارشاد ربانی ہے:۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا

"اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو جس قدر بھی تم سے ہو سکے اور اس کے سارے حکم سنو اور مانو۔"

سورۂ حشر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (اور تقویٰ اختیار کرو) اور ہر شخص کو چاہیے کہ وہ دیکھے اور غور کرے کہ اس نے کل کیلئے (یعنی آخرت کیلئے) کیا عمل کئے ہیں اور دیکھو اللہ سے ڈرتے رہو وہ تمہارے سب عملوں سے باخبر ہے۔"

کردہ چار بت یہ ہیں جو نیکی کی راہ میں روکتے ہیں۔ دیواریں کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آگے بڑھنے سے روکتے ہیں۔
(۱) اپنا نفس (۲) گھر اور گھر کا برا سماج (۳) علمائے سوء اور بناوٹی پیر (۴) صاحب اقتدار حکومت۔

اللہ کی توفیق ملاحظہ ہو۔ مضمون سے مضمون پیدا ہوتا شروع ہو گیا۔ تربیتی مرحلوں کا ذکر آیا تو آپ سے آپ یہ سوال آیا کہ پھر انسان کو انسان بنانے کا قابل عمل نصاب ملنا چاہئے۔ چنانچہ تیسرا مضمون جو ترتیب میں آیا ہے، وہ ہے:۔

● **تربیتی کورس** : اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو اچھا انسان بننے کے لیے قرآن کریم نے کیا تھیوری (نصاب) دی ہے۔ یہ تھیوری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق کر کے بیان کی گئی ہے پھر اس کے زریں نتائج جو صحابہ کرامؓ کے گروہ کی شکل میں سامنے آئے ان کا تعارف کرایا گیا ہے یعنی اس تربیتی کورس سے ایک امت مسلمہ کس طرح وجود میں آئی۔

● **تربیت کی بنیادیں**۔ یہ مضمون تربیتی کورس کے مطالعے نے ہمیں دیا۔ تربیت نمبر کی ترتیب میں یہ چوتھا مضمون ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ تربیت کی بنیادیں تین ہیں۔ (۱) یہ کہ اللہ واحد پر ایمان لایا جائے۔ (۲) یہ کہ آخرت کو مانا جائے (۳) یہ کہ اللہ کے آخری رسولؐ کی پیروی ہی انسان کو انسان بناتی ہے۔

مضمون کا سارا زور بیان آخرت میں کامیاب ہونے کے ذریعوں پر دیا گیا ہے اور واقعات سے ثابت کیا گیا ہے کہ آخرت کا ڈر ہی انسان کو نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور برائیوں کی طرف جانے سے روکتا ہے۔

● **سچی توبہ** - یہ پانچواں مضمون ہے۔ یہ مضمون سورہ تحریم آیت ۸ کے مطالعہ سے ہمارے ہاتھ آیا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ سچی توبہ کا مطلب کیا ہے۔ توبہ کے ضمن میں بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں جو نہایت دلچسپ اور نصیحت آموز ہیں۔ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں آکر پہلا باب ختم ہو جاتا ہے۔ پہلا باب سارے کا سارا مائل خیر آبادی کے قلم سے ہے۔ دوسرا باب شروع ہوتا ہے اور وہ ہے:۔

● **الجھنوں کے گرفتار**۔ اس میں ایک مضمون ہے۔ (۱) ہماری تاریخ کے حادثے۔ یہ مضمون مشہور صاحب قلم

اس خیال کے آتے ہی قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ہم نورانی کہکشاؤں کے ایسے بلند آسمان پر ہیں جہاں ایک سے ایک ترتیبی ستارے جگمگا رہے ہیں۔ انھیں دیکھ کر ہماری حرص کا عجیب و غریب عالم ہو گیا ہماری سمجھ میں نہ آر ہا تھا۔ کہ کیا سمیٹ لیں اور کیا چھوڑ دیں۔

کچھ دیر کے بعد جب نگاہیں اس نورانی فضا سے مانوس ہو گئیں تو ہم نے ان کہکشاؤں کو قابو میں کرنے کی کوشش کی جن کی روشنی سے تمام فضا روشن اور تابناک تھی۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہمیں ایک اور توفیق سے نوازا۔ بالکل اچانک یہ خیال آیا کہ قرآن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ساتھ سمجھا جائے تو اعلیٰ ترین فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم نے سورہ علق کی ان پانچ آیتوں کا مطالعہ کیا جو سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں۔

سورہ علق کے مطالعہ سے ہم کو اپنی تربیت کرنے کا پہلا اور اعلیٰ درجہ کا اصول ملا۔ اور وہ ہے "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" (اے میرے آخری نبیؐ! پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ چنانچہ تربیت نمبر کا سب سے پہلا مضمون یہی ہے۔ اس کا نام ہم نے رکھا ہے:۔

● بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس مضمون میں "بسم اللہ" پڑھ کر کام شروع کرنے سے کیا فائدے ہوتے ہیں کیسی کیسی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ سب بیان کیا ہے۔

"بسم اللہ" کا عنوان قائم کرنے کے بعد ہم کو جو فائدہ پہنچا، وہ یہ کہ پھر وہ ترتیب ہمارے ہاتھ لگ گئی جس ترتیب سے قرآن ایک انسان کی تربیت کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ تربیت نمبر کا دوسرا مضمون قرار پایا۔

● تربیتی مرحلے۔ یعنی ایک انسان جو واقعی انسان بننا چاہتا ہے اگر وہ اس اصل علم کو پا جائے جس کا نام قرآن ہے اور اس پر عمل کرنا چاہے تو پھر اس کے آگے کیسے کیسے مرحلے، کیسی کیسی رکاوٹیں آتی ہیں۔ ان رکاوٹوں کے سلسلے میں چار جہتوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور واقعات کی مدد سے سمجھایا گیا ہے۔

شخص اس مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا جس میں جماعت اسلامی کے اجتماعات ہوا کرتے تھے۔ محض اس جرم میں اُسے معطل کیا گیا پہلے اس نے مدافعت کی لیکن پھر اُسے ہدایت کا راستہ مل گیا اور اس نے عدالت کے سامنے کہہ دیا کہ میں جماعت اسلامی کا ممبر ہوں۔ اور پھر واقعی اس نے فارم رکنیت بھر دیا۔ آسان زبان، دلچسپ انداز بیان چھوٹے چھوٹے فقروں سے کام لے کر افسانے کو مکمل کیا گیا ہے۔ اس افسانے کے لکھنے والے کا نام تربیت نمبر ہی میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

● **حقیقتوں کا سُراغ۔** مشہور افسانہ نویس ٹالسٹائی کا افسانہ ہے جسے گلزار شاد صاحب نے ترجمہ کیا۔ ترجمہ عمدہ بہت سلیس زبان میں۔ ایک فرشتے کو یہ اُلجھن تھی کہ انسان کن حقیقتوں کے بل پر خدا کی زمین پر سختیاں سہتا ہے اور کام کرتا ہے۔ اللہ نے اس فرشتے کو انسانی شکل میں زمین پر بھیج دیا اور اس نے ان حقیقتوں کا سراغ پا لیا۔ یہ حقیقتیں کیا ہیں؟ اگر ہم مشاعرے سے پہلے شاعر کی غزل لوگوں کو سنا دیں تو مشاعرے میں وہی غزل ناکام ہو جائے گی۔ اس مفروضے کی بنا پر ہم بھی ان حقیقتوں کو واضح نہیں کرتے۔ تربیت نمبر میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

● **پیار کا پیاسا:** فاطمہ شہناز مرتضیٰ صاحبہ نے پیش کیا ہے۔ ایک نوجوان بیوہ ہے اس کا ایک بچہ ہے نوجوان بیوہ کو ایک طرف بچے کی پیدائش و پرداخت کی فکر ہے۔ دوسری طرف یہ اندیشہ کہ کہیں قدم ڈگمگا نہ جائیں فاطمہ شہناز مرتضیٰ کا ایک جملہ ملاحظہ ہو۔ اس بیوہ کی زبان سے کہلوائی ہیں: "نکاح تو سنت ہے لیکن ان دنوں میں جن جذبات کو قابو میں کئے ہوں۔ ان کے تحت نکاح مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ نکاح فرض ہو گیا ہے میں کیا کچھ بھر دیا گیا۔ کمال کا بلیغ فقرہ ہے۔ ایسے ہی فقروں اور جملوں سے پورا افسانہ مزین ہے۔ شادی کے بعد سوتیلے باپ کے مظالم سے بچہ بددل ہو جاتا ہے۔ بدراہ ہو جاتا ہے لیکن اس کی چچا زاد بہن جو ایک ایسے کالج کی طالبہ ہے جہاں اس نے اسلامیات کا مضمون لے لیا ہے اس نے چچا زاد بھائی کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا پھر کس طرح اُسے راہ راست پر لائی۔ یہ ساری باتیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ افسانہ ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے لیکن پڑھنے والا بور نہیں ہوتا۔

● **شیطان اور روٹی۔** ٹالسٹائی کا بہت مشہور افسانہ ہے۔ ہو سکتا ہے یہ آپ نے کہیں پڑھا ہو۔

ادیبہ ریٹائرڈ انسپکٹر آف اسکول محترمہ وحیدہ نسیم صاحبہ کا ہے۔ اس میں انھوں نے کلچرل پروگراموں کے خراب اثرات کا تذکرہ کیا ہے۔ جو انھوں نے معائنوں اور پروگراموں کے وقت دیکھے۔

• **ناموافق فضا میں**۔ محترمہ س۔ خ گونڈہ نے مدیر حجاب سے مشورہ طلب کیا کہ میری شادی ایک ایسے گھرانے میں ہوگئی لیکن وہاں قدم قدم پر اخلاقی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ اب کیا کروں۔

ناموافق فضا میں اس الجھن کا سلجھاؤ جو مدیر حجاب نے پیش کیا۔ وہ علمی نہیں عملی ہے مضمون پڑھنے سے جی چاہتا ہے کہ واقعی اس پر عمل کریں۔

• **بے حیائی کی باتوں کو روکنا**۔ یہ مضمون مولانا مودودی رح کے مضامین میں سے لیا گیا ہے اس کے متعلق ہمارا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

• **بچوں کی سیرت سازی کیسے ہو؟** یہ ایک سوال پروفیسر عبدالحئی علوی صاحب سے کیا گیا۔ اس کا جو جواب پروفیسر صاحب نے عنایت فرمایا۔ وہ پڑھنے اور عمل کرنے کے لائق ہے۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ایسا مضمون حجاب کے تربیت نمبر کی زینت بنا۔

اس کے بعد سیرت و کردار سے متعلق واقعات۔ قرآنی قصے، افسانے، کہانیاں، آپ بیتیاں وغیرہ سے متعلق مضامین ہیں۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:۔

• **ننھی کا فرار**:۔ ایک لڑکی ایک ریہرسل میں ناکام ہوکر مایوس ہوجاتی ہے پھر ایک بڑے آدمی کو ایک کام بار بار کرتے دیکھتی ہے۔ ایک چیونٹی کی محنت سے متاثر ہوتی ہے اور پھر محنتی بن جاتی ہے۔ صابر کلوروی صاحب نے چھوٹا سا واقعہ نہایت دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔

• **یونس**۔ یہ دراصل حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہے جس میں کسی قدر افسانوی رنگ سمو دیا گیا ہے۔ تسنیم بلگرامی صاحب کے قلم کا شاہکار ہے۔ نہایت دلچسپ اور ایمان افروز۔

• **اور میں جماعت اسلامی کا ممبر بن گیا**۔ یوپی گورنمنٹ کے ایک اعلان کا ایک تاثر، ایک ملازم

کہ کر وہ ڈیڑھ ہونگیا تو اس گنوار باپ کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ پھر اس کو غریب کو ایک لڑکے رد پیہ کی شادی میں دو تین گانو شاد کرنے بلکہ رہا تھی دو اس ہی۔ بہاہی سبق آموز افسانہ ہے۔

• دل میں سوراخ :۔ از سید دہقانی۔ ایک بیمار لیکن محنت کش نوجوان کی سرگزشت جس نے موت کا خیال ہی دل سے نکال دیا اور ایک عظیم شخصیت کا حامل بنا۔

• لاجواب :۔ مرزا ریاض کا لاجواب افسانہ۔ دنیا کی رنگینیوں کے درمیان اصلاح و تربیت کا نیا گوشہ اس طرح کی کہانیوں اور افسانوں سے یہ باب پُر ہے۔ ساری کہانیوں کا تعارف حجاب کے صفحات میں ناممکن سمجھ کر باقی پر تبصرہ روک دیا گیا۔

• قرآنی قصے :۔ یہ ہے قرآن کے عبرتناک قصوں کا باب۔ اس باب میں ۰ بدر کی لڑائی۔ سورہ انفال کو سامنے رکھ کر، سورہ کی آیتوں کے ساتھ ترتیب وار بیان کی گئی ہے۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا مرکزی خیال ہے مال کی محبت اور انسان کی تربیت۔

• ابرہہ کا انجام :۔ سورہ فیل سے ماخوذ ہے۔ بڑا عبرتناک واقعہ ہے۔ ابرہہ کعبہ ڈھانے چلا تھا خود ڈھے گیا۔

• صندوق والے :۔ یہ واقعہ سورۂ بقرہ کی آیات ۲۴۶ تا ۲۵۱ کا ترجمان ہے۔ یہ طالوت اور جالوت کی جنگ کا قصہ ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ پیٹ بھرے لوگ کسی تحریک کی راہ میں ساتھ نہیں دے سکتے۔

• ملکہ سبا :۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکۂ سبا کو دعوت اسلام دینا اور ملکہ سبا کا مسلمان ہونا۔ وہ کس طرح متاثر ہوئی یہی اس قصے کی جان ہے۔ ایک عالیشان بادشاہ اور ایک عظیم پیغمبر جس کے قبضے میں جن تھے اور وہ غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ بس اس بات نے ملکۂ سبا کو حضرت سلیمانؑ کے قدموں میں لا ڈالا۔

• بحیرۂ مردار :۔ سدوم کے علاقے میں حضرت لوطؑ کا دعوت و تبلیغ کے لیے جانا۔ اہل سدوم کے سامنے دعوت اسلامی پیش کرنا۔ ان کے کرتوتوں پر ٹوکنا۔ پھر نافرمانی کا نتیجہ دیکھنا اور بحیرۂ مردار کا وجود میں آنا۔

• قیصر و کسریٰ کی جنگ :۔ قرآن کی آیت "غلبت الروم" سے ماخوذ ہے۔ اس کے متعلق ایک ناول "سعد سلمیٰ" آپ قسط وار پڑھ ہی رہے ہیں۔ اس لیے کچھ کہنا بیکار ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

پہلے ہمارا ارادہ تھا کہ اسے اس مجموعے میں نہ دیں مگر اس میں جو بات جس مضبوطی سے کہی گئی ہے اس نے مجبور کر دیا کہ اس کا ترجمہ پیش کیا جائے۔

• سماج کے بھیڑیئے۔ ایک شخص نیکی کی راہ اپنانا چاہتا ہے تو سماج کے بھیڑیے اسے وہ راہ چلنے نہیں دیتے۔ سید علی عباس جو بہار پولیس کے ڈی۔ آئی۔ جی رہے۔ انھوں نے ایک حادثہ کے تحت یہ کہانی ایک مجمع میں سنائی۔ اور بڑے گہرے رنج کا اظہار کیا۔ سید علی عباس صاحب خود افسانہ نگار ہیں اس سے اندازہ فرمالیں کہ افسانہ کتنا کامیاب ہوگا۔

• انگریز کا نوکر۔ کرامت اللہ غوری کا شاہکار افسانہ۔ انگریزی دورِ حکومت میں صاحبوں کے چپراسی بھی اپنے کو صاحب سمجھتے تھے افسانے میں ایک خان صاحب کی بگڑی ذہنیت کو نمایاں کرکے دکھایا گیا ہے۔ بڑا عبرتناک ہے۔

• میلی ہوئی پلیٹ۔ فردوس الرقاصی کا لکھا ہوا افسانہ ایک بھولی بھالی بے ماں کی بچی کو اس کے غریب باپ نے ایک رئیس کے گھر نوکرانی بنا دیا۔ وہاں طرح طرح کی نعمتوں کو دیکھ کر وہ کیا کیا ترستی۔ پھر چوری کرتی پھر پکڑی جاتی پھر ظالم باپ سے پٹتی۔ یہی طریق تربیت اس افسانے میں دیکھئے گا۔

• لال نوٹ:۔ یہ قمر سلطانہ نے پیش کیا ہے۔ پلاٹ وہی ہے جو "میلی ہوئی پلیٹ" کا ہے واقعات اور تجربے الگ ہیں۔ قمر سلطانہ صاحبہ لکھتے وقت خود بڑی بھولی بن گئی ہیں۔

• تین عورتیں تین کہانیاں۔ یہ تین کہانیاں ایک ساتھ ترتیب میں ہیں۔ (۱) پہلی کہانی ہے "میری دشمن" جسے محمد نیاز نے پیش کیا۔ اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کی ملی جلی تعلیم کے واقعات کو سامنے لایا گیا ہے۔ (۲) دوسری کہانی ہے "دنیا کہاں گئی؟" اس میں بتایا گیا ہے کہ بے پردگی کے نتائج بالآخر عورت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ لکھنے والی ہیں محترمہ ش۔ ر۔ صاحبہ۔ (۳) تیسری کہانی ہے "مینا کشی" یہ ایک لڑکی ہے جس کی شادی ایک شرابی سے ہوگئی۔ مینا کشی نے بڑی جرأت کے ساتھ اس شرابی کو دھتکار دیا۔ اکرم فاروقی کے قلم سے۔

• تہی دامن۔ شاہدہ ناز قاضی کا افسانہ۔ ایک غریب باپ نے پیٹ پر پتھر باندھ کر بیٹے کو پڑھایا لکھایا

جنتی دوزخی

(حمید ربابانی)

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا ... النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

(یونس ۲۶-۲۷)

(۱)

وہ ہیں جنت والے لوگ

جن لوگوں کا اس دنیا میں — کام بھلائی کرنا ہے
سچائی سے جینا جن کا — سچائی پہ مرنا ہے
رسوائی کیا ان کی ہوگی — وہ ہیں قسمت والے لوگ
ان کے چہرے روشن روشن — وہ ہیں جنت والے لوگ

(۲)

وہ دوزخ میں ہی جائیں گے

جن لوگوں کے کام برے ہیں — لوگ برے وہ پھل پائیں گے
رسوائی کا گھور اندھیرا — آج نہیں تو کل پائیں گے
کون بچانے آئے ان کو — ان کو کون بچا پائیں گے
جن سے اللہ ناخوش ہوگا — وہ دوزخ میں ہی جائیں گے

غزل

(نظام ہاتف مرادآبادی)

پہاڑوں کے سروں پر برف کا سہرا ہے وہ سہرا — کہ جو سوزِ درونِ ارض کا مرہونِ منت ہے
وہ گل وجہِ تزئینِ گلستاں جس کو کہتے تھے — وہی گل آج محرومِ متاعِ رنگ و نکہت ہے
کہیں جانا کہاں تھا اور آ نکلے کہاں یارو — ہمارے شوق کی قسمت بھی کولمبس کی قسمت ہے

کبھی نازاں نہ ہو ہاتف حصولِ کامیابی پر
یہ خوش فہمی کہ بس ناپختہ کاری کی علامت ہے

یہ ہے تربیت نمبر کا مختصر تعارف۔ اس میں مزید اس ناول کی ایک قسط ہے جو آپ "سعد سلمیٰ" کے عنوان سے قسط وار پڑھ رہے ہیں۔

تربیت نمبر انشاء اللہ نومبر ۱۹۸۰ء میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ اس کی ضخامت ۴۰۰ صفحات اور قیمت ۱۲ ہوگی۔

تربیت نمبر تمام ایجنسیوں اور سالانہ خریداروں کو V.P یا رجسٹری سے بھیجا جائیگا۔

تربیت نمبر رجسٹرڈ منگانے والوں سے درخواست ہے کہ وہ 3/- کے ٹکٹ جلد بھیجدیں۔

تربیت نمبر ان سالانہ خریداروں کی خدمت میں (جن کے سالانہ چندہ کی میعاد نومبر یا دسمبر ۱۹۸۰ء میں ختم ہوتی ہے) 42/- کی V.P سے بھیجا جائے گا۔ ساتھ ہی ان سالانہ خریداروں کی خدمت میں ایک بہترین کتاب "صحابہؓ و صحابیاتؓ" بطور تحفہ بھیجی جائیگی۔ "صحابہؓ و صحابیاتؓ" کی ضخامت ۴۹۶ صفحات ہے اور قیمت 30/-

اس طرح سالانہ خریداروں کو 40/- خرچ کر کے 30/- کی کتاب صحابہ و صحابیات 12/- کا سالنامہ تربیت نمبر اور پھر گویا مفت میں ہر ماہ بقیہ سال حجاب ملتا رہے گا۔

جو بہن بھائی

آئندہ حجاب کے سالانہ خریدار نہیں رہنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ فوراً ہمیں خط لکھدیں تاکہ ان کی خدمت میں ہم V.P نہ بھیجیں۔

ایجنٹ صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ مطلوبہ کاپیوں سے فوراً مطلع فرمائیں۔ ہم تربیت نمبر محدود تعداد میں چھپوا رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو، بعد میں آرڈر دیں اور ناکامی ہو۔

والسلام — منیجر حجاب رامپور۔ یوپی ۲۴۴۹۰۱

یاد رکھیئے

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر ایجنسی یا خریداری نمبر ضرور لکھیئے گا ——— منیجر حجاب رامپور



محبت، ایمان اور یقین کی ملی جلی داستان

قیصر و کسریٰ کی ناقابل فراموش جنگ

مائل خیرآبادی

غزل

بندگی ہی کا حق ادا نہ ہوا ۔۔۔ ورنہ دنیا میں ہم سے کیا نہ ہوا
تم نے پوجے ہیں بے شمار صنم ۔۔۔ اک صنم بھی مگر خدا نہ ہوا
بارہا آزما کے کہتا ہوں ۔۔۔ کوئی میرا ترے سوا نہ ہوا
مفلسی جب ہمارے گھر آئی ۔۔۔ آشنا کوئی آشنا ، نہ ہوا
ہم کو اک دن حساب دینا ہے ۔۔۔ کیا ہوا ہم سے اور کیا نہ ہوا

ہائے وہ حرف مدعا جاوید
جو زباں سے کبھی ادا نہ ہوا

—— (مسعود جاوید ہاشمی) ——

غزل

مزاج عشق میں کیسا کہے کیا رچاؤ سا ہے ۔۔۔ خراب وخستہ مگر اک نیا رکھ رکھاؤ سا ہے
ہماری روح میں جھانکو تو دیکھ بھی لو گے ۔۔۔ درونِ موجِ تبسم جو اک تناؤ سا ہے
تمام عمر چھپاتے رہے ہیں دنیا سے ۔۔۔ دلِ حزیں پہ ہمارے جو ایک گھاؤ سا ہے
کبھی نہ ٹوٹ سکا ان سے رشتۂ اخلاص ۔۔۔ یہ اور بات ہے کچھ ان سے کچھ تناؤ سا ہے
سبب تو میں بھی نہیں جانتا کہ کیوں تجھ سے ۔۔۔ ہزار ترکِ تعلق پہ بھی لگاؤ سا ہے
زمانے بھر کی رقابت کا ہم نشانہ ہیں ۔۔۔ ذرا جو اپنی طرف آپ کا جھکاؤ سا ہے
نہ پوچھ سوزِ دلِ مضطرب کی کیفیت ۔۔۔ ہمارے سینے میں اک آتشیں الاؤ سا ہے
حریفِ موجِ حوادث ہے زندگی کب سے ۔۔۔ ہمارا حال سمندر میں ایک ناؤ سا ہے
رہِ وفا میں ہے تکلیف او پیچ پیچ کہاں ۔۔۔ کہیں کہیں پہ مگر کچھ نہ کچھ گھماؤ سا ہے

—— (تمکین آفاق بدایونی)

"ہاں، یہی اندیشہ ہونا چاہئے۔ پھر؟"

"پھر ان کے ذہین ترین اور مشہور دشمنِ اسلام ابوجہل کی رائے پر سب نے اتفاق کرلیا۔"

"ابوجہل کی رائے کیا تھی؟"

"ابوجہل نے مشورہ دیا کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسب، تیز دست اور بہتر جوان کو چن لیں اور یہ سب مل کر یکبارگی محمد پر ٹوٹ پڑیں اور سب مل کر انھیں قتل کردیں۔"

"ابوجہل نے کوئی دلیل بھی دی؟"

"جی ہاں۔ ابوجہل نے دلیل یہ دی کہ اس طرح محمد کا خون تمام قبیلوں پر بٹ جائے گا۔ محمد کے گھرانے کے لوگ کس کس سے لڑیں گے۔ مجبور ہو کر وہ خونبہا قبول کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔"

"یہ خوب سوچا اس نے!"

"حضور! اس رائے پر سب متفق ہو گئے۔ قتل کرنے کے لئے آدمی نامزد کر دیئے گئے۔ قتل کرنے کا وقت مقرر کر دیا گیا اور سب نے کہا کہ اس کارروائی کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ مگر۔۔۔"

"مگر کیا؟ تم کیا کہتے کہتے رک گئے؟"

"اے شہنشاہ! جس طرح ہمارے عیسیٰ کو باپ خبر پہنچا دیتا تھا اسی طرح اللہ نے محمد کے کے نبی کو بتا دیا اور جس رات کی صبح کو سردارانِ مکہ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے اس سے پہلے دن ہی میں حکم فرما دیا کہ آج رات ہی میں تم بھی یثرب کی طرف نکل جاؤ۔"

"تو وہ نکل گئے؟"

"جی ہاں! قتل کرنے والوں نے رات بھر جاگ کر پہرہ دیا لیکن محمد اللہ کے نبی رات ہی میں ان کے درمیان سے نکل گئے اور وہ انھیں دیکھ نہ سکے۔"

"خوب! پھر کیا ہوا؟"

"پھر سب نے چاروں طرف ڈھونڈھا لیکن ان کا نشان تک نہ پا سکے۔"

اب تک کی کہانی کا خلاصہ

سعد و سلمٰی مدینے کے دو مخالف خاندانوں اوس و خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ ان دونوں میں محبت ہو گئی۔ لیکن ان کے لیے مشکل یہ تھی کہ اوس اور خزرج دونوں خاندان ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے۔ سعد و سلمٰی پریشان تھے کہ اگر ہماری محبت ظاہر ہو گئی تو دونوں خاندان غصّے سے بھڑک اٹھیں گے۔ پھر یہ کہ یہ دونوں مسلمان بھی ہو چکے تھے۔ اب تبدیلیِ مذہب کا بھی مسئلہ بیچ میں تھا۔ ظاہر ہے کہ دونوں خاندان کسی طرح انھیں برداشت نہیں کر سکتے۔ اب وہ کیا کریں؟

اس سوال کا حل انھوں نے یہ تلاش کیا کہ یہاں سے نکل کر قیصر کی مدد کریں۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ کی پیشین گوئی سنائیں۔ وہ دونوں مشورہ کر کے یثرب سے نکلے۔ وہ بحرِ اسود کے راستے پر طرابزون پہنچے تو دیکھا کہ قیصر جو خسرو پرویز کے ڈر سے بھاگا پھرتا تھا، ایرانیوں کے نرغے میں پھنس گیا ہے۔

سعد و سلمٰی نے بے تحاشہ ایرانیوں پر حملہ بول دیا۔ ایرانیوں کے سپہ سالار کو پہلے ہی حملے میں قتل کر کے گرا دیا۔ سپہ سالار کے مرنے کے بعد رومیوں کی ہمت بڑھ گئی۔ قیصر بھی جم کر لڑا اور اب پہلی بار ایرانیوں کو شکست دی۔ پھر سعد و سلمٰی سے ملا۔ ان کے احسان کا شکریہ ادا کیا۔ ان سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سنی کہ رومی دس برس کے اندر جیت جائیں گے۔ اس پیشین گوئی سے اس کی ہمت بڑھی۔ اس نے جاسوس مکّے کی طرف روانہ کر دیئے اور حکم دیا کہ وہاں کی خبریں مسلسل پہنچاتے رہیں۔ قیصر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ عرب کے نبی کی پیشین گوئیاں کس حد تک صحیح ثابت ہوں گی۔

اس کے بعد جاسوس مکّے کی خبریں لانے لگے۔ ایک جاسوس نے آکر بتایا کہ مکّے کے سرداروں نے میٹنگ کی۔ اس میٹنگ میں ایک رائے یہ آئی کہ محمدؐ کو مکّے سے شہر بدر کر دیا جائے۔ لیکن اس رائے کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ پھر محمدؐ جہاں جائیں گے اپنے ہمنوا پیدا کر لیں گے۔ یہ سن کر ابو جہل بولا:

"سن رکھو! یہ میری نہایت بہادر بیٹی ہے۔ اس کے نیزے کی پناہ نہیں۔ اس کی تلوار کا کاٹا سمندر کا وہ
ٹ ہے جو ساحل توڑ دیتا ہے۔ یہ نہایت باعفت اور غیرت مند لڑکی ہے سُنو اور یاد رکھو۔ اگر تم میں سے
ی نے اس پر نگاہ بد ڈالی تو اس کی آنکھوں کا میں ذمہ دار نہیں۔ یہ لڑکی غیرت میں کسی بھی شے سے بڑے
ر کو قتل کر دے گی تو مقتول کے ورثاء میرے سامنے دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ہمارا خدا اور اس کا بیٹا ہماری
د کو آگیا۔ آؤ، اٹھو، کمر باندھو اور یسوع مسیح کی مدد کرو۔ اپنے مظلوم بھائیوں کا ظالموں سے بدلہ لو۔
وع مسیح اور باپ تمہاری مدد کرے۔"

قیصر تقریر کر کے بیٹھ گیا۔ سارے سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ اب قیصر کل کا وہ قیصر نہیں ہے جو
فعانہ جنگ لڑ رہا تھا بلکہ اب وہ جارحانہ جنگ لڑنے پر آمادہ ہے۔ فتح یقیناً ہماری ہو گی۔

۲

فداکاروں پہ جب انعام کی بوچھار ہوتی ہے
فداکاری کے میداں میں وہیں سے ہار ہوتی ہے

"اے بہادر سپاہی! تو مالِ غنیمت کے لالچ میں جنگ کرتا ہے یا یسوع مسیح کے لائے ہوئے سچے
ین کے لئے؟"

"اے سعد! اے ہمارے غیبی معاون! ہم اپنے سچے دین کو ظالم ایرانیوں کے پنجوں سے بچانے
کے لئے لڑنے مرنے کا عزم کر چکے ہیں۔"

سعد اپنا سوال ہر سپاہی سے کرتا۔ جو یہ جواب دیتا اسے الگ کر لیتا۔ قیصر اس کے ساتھ تھا۔ اس
کے مشورے سے سعد اپنے لئے دو ہزار جری اور مخلص سپاہی چن رہا تھا۔ اس نے اپنی پسند کے جانباز
ن لئے۔ انھیں ایک طرف لے گیا اور انہیں مسلح کر کے راتوں رات ایک طرف نکل گیا۔

"ایک حیرت انگیز بات اور سننے میں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ محمد اپنے چچا زاد بھائی علی کو لوگوں کی امانتیں سونپ گئے تھے کہ میرے چلے جانے کے بعد سب کو واپس کر دینا۔"

"یہ تو واقعی نبوت کے مرتبے کا کام کیا۔"

"جی ہاں یہ ان کی امانتیں تھیں جو دشمن تھے۔"

قیصر سعد و سلمٰی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ وہ دونوں بھی مسکرا دیئے۔ سعد نے کہا:

"اے قیصر! اب تک جتنی پیشین گوئیاں میں نے سنائی تھیں وہ سب پوری ہو گئیں۔"

"بے شک۔"

"اے شہنشاہ! ہم نے سنا کہ مدینے میں محمد اللہ کے نبی کا زبردست استقبال ہوا۔"

"وہ تو ہوا ہی ہوگا۔"

"تو اے قیصر! اب آپ کو یقین ہو جانا چاہیئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی فتح کے متعلق جو پیشین گوئی کی ہے وہ بھی پوری ہو کر رہے گی۔"

"اے سعد! میرا دل قوی ہو رہا ہے۔"

"تو پھر دیر کیا ہے؟"

"بس ہمیں تیار ہو جانا چاہیئے۔"

قیصر نے خوشی میں ساری فوج کی دعوت کا اہتمام کیا۔ اس نے سب کے سامنے تقریر کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی صداقت کا اعتراف کیا۔ فوج کے سپاہیوں کا دل بڑھایا۔ انعام و اکرام کا وعدہ کیا۔ پھر سب کے سامنے سعد کو پاس بلایا۔ اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور تاکید کی کہ اس جوان کی اطاعت اسی طرح کرو جس طرح میری اطاعت کرتے ہو۔ پھر سلمٰی کو پاس بلایا۔ فوج کی طرف مخاطب ہوا:

رابرٹ نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ہیکل نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ایرانی نے یہ مکاری کی کہ ہیکل کے قریب آنے سے پہلے اس نے تیر کمان پر چڑھا اور تیر چھوڑ دیا۔ہیکل ایک تجربہ کار افسر تھا۔وہ زبردست شہسوار اور نظر باز سپاہی تھا۔اس نے اپنے گھوڑے کو کاوہ دیا۔تیر سناتا ہوا اس کے بائیں طرف سے نکل گیا۔ہیکل نے اپنا نیزہ سنبھال لیا۔ایرانی نے بھی نیزہ بلند کیا۔دیکھتے دیکھتے دونوں میں نیزے کے طعن چلنے لگے۔دونوں کے لشکر بنظر غور اس نیزہ بازی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ہیکل نے جھکائی لی۔نیزہ تانا۔ایرانی کا بایاں پہلو کمزور دیکھ کر اس نے اپنا سارا بوجھ رکابوں پر ڈالا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔سمند رومی تیر کی طرح سیدھا ہو کر زمین سے ایک گز بلند ہو کر چلا۔ہیکل نے ایرانی کے بائیں پہلو میں نیزہ مارا۔ایرانی ہنٹ کی طرح قلا بازیاں کھاتا زمین پر آرہا۔

ایرانی شگون کے قائل تھے۔ان کا پہلا بہادر افسر مارا گیا تو وہ جھنجلا گئے۔حاکم ارمینیا نے اپنے میمنہ اور میسرہ کو آگے بڑھایا کہ دائیں بائیں سے عیسائی لشکر کو داب لیں۔پھر اپنے تیر اندازوں کو اشارہ کیا۔تیروں کی باڑھ کے نیچے اس نے اپنا دستہ آگے بڑھایا۔

ہیکل جھپٹ کر رابرٹ کے پاس آگیا۔رابرٹ کے دستے نے بھی حرکت کی لیکن تیروں کی بارش نے اس کی پیش قدمی روک دی۔ایرانیوں کا حوصلہ بڑھا۔وہ ہلّہ بول کر آگے بڑھے۔رابرٹ نے بھی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تیروں سے تیروں کا مقابلہ کریں۔

تیروں کی بارش میں دونوں طرف کے لشکر قریب آ گئے۔اور پھر ان میں پہلے نیزوں سے پھر تلواروں سے دست بدست جنگ ہونے لگی۔ایرانی عیسائی دستے کو دباتے آگے بڑھ رہے تھے۔اچانک پیچھے سے سعد نے اپنے دو ہزار جانبازوں سے حملہ کیا اور پہلے ہی حملے میں تیر اندازوں کو مار گرایا۔

اس اچانک حملے سے ارمینیا کی فوج میں انتشار پھیل گیا۔جب تک وہ سنبھلیں اور پیچھے کا حملہ روکیں سعد کے جانبازوں نے ایرانی قلب لشکر کو ہلا دیا۔اب آگے پیچھے گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔سلمیٰ سعد کے دائیں بائیں محافظ فرشتے کی طرح گھوڑے پر سوار مردانگی کے جوہر دکھا رہی تھی اور

اس کے جانے کے بعد قیصر نے رابرٹ کو دو ہزار جانباز دیئے اور حکم دیا کہ تم سامنے سے ارمینیا پر حملہ کرو گے۔ اس نے سلوٹ کیا اور اپنا دستہ ترتیب دینے لگا۔

قیصر خود دو ہزار فوج لے کر پیچھے ہٹا اور نقشۂ جنگ اس طرح بتانے لگا کہ رابرٹ جب ارمینیا پر حملہ آور ہو اور سعد بائیں جانب سے نعرہ لگاتا ہوا اس کی مدد کو آجائے تو میں اس وقت جب دونوں طرف کی فوجیں تھک چکی ہوں تو خود تازہ دم فوج سے ہلہ بول دے۔

ارمینیا کا حاکم بھی غافل نہ تھا۔ اس کے جاسوسوں نے قیصر کی آمد کی اطلاع اسے پہنچا دی تھی اس نے بھی اپنی بیس ہزار فوج کو آراستہ کیا۔ قلعے سے نکلا اور سامنے میدان میں مورچے قائم کر دیئے وہ دس ہزار فوج اپنی قیادت میں لے کر قلب لشکر میں آکھڑا ہوا۔ چار چار ہزار فوج اپنے تجربہ کار افسروں کے ماتحت میمنہ اور میسرہ پر ترتیب دی دو ہزار تیر اندازوں کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور حکم دیا کہ جیسے ہی میں اشارہ کروں تم تیروں کی بارش کر کے دشمن کا منہ پھیر دینا۔ اس کی تدبیر یہ تھی کہ ان تیر اندازوں کے تیروں کے سائے میں آگے بڑھ کر دشمن پر چوٹ کرے گا۔

آفتاب سوا نیزہ بلند ہوا تو اس نے سامنے صرف دو ہزار فوج دیکھی۔ ہنسا۔ بولا "انہیں تو پہلے حملے میں پیس کر رکھ دوں گا۔ اس کے بعد اگر قیصر کی پوشیدہ فوج ہو گی تو اس سے بھی نبٹ لوں گا۔"

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حاکم ارمینیا نے اپنے ایک بہادر سپاہی کو اشارہ کیا۔ بہادر سپاہی آگے بڑھا۔ اس نے مبارز طلب کیا۔ اس نے طنز کیا:

"تم میں جو یسوع مسیح کی طرح چوہے کی موت مرنا چاہتا ہو اس کی تمنا میں پوری کر سکتا ہوں"

رابرٹ یہ سن کر تلملا گیا۔ وہ خود آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ اس کے ماتحت سردار "ہیکل" نے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس نے کہا:

"اے ہمارے بہترین سردار! لڑائی کے دو رُخ ہیں۔ اگر مسیح کی مدد ہمارے ساتھ ہے تو یہ ادنیٰ خادم اس ایرانی کی لاف وگذاف کا مزہ چکھا سکتا ہے اور اگر میں مارا گیا تو آپ دوسرا انتظام کر سکتے

خوشخبری ہوگی۔" وہ بے تاب ہوگیا اور سلمٰی بھی بے چین ہو کر جاسوسوں کی طرف دیکھنے لگی۔ قیصر نے پوچھا:

"اے ہمارے وفادارو! تم ضرور ہمارے لئے خوشخبری لائے ہوگے؟"

"بے شک۔۔۔" جاسوسوں میں سے ایک بتانے لگا۔

"اے قیصر! ہم کو چلے ہوئے ایک مہینہ ہوگیا۔ راستے میں ہمیں کوئی زحمت نہیں ہوئی۔"

"ہمارے کسی دشمن نے تمہارا راستہ نہیں روکا؟"

"اے شہنشاہ! محمد اللہ کے نبی نے یثرب میں اسلامی ریاست قائم کرلی اور اب یثرب کا نام بدل کر مدینہ رکھ دیا گیا۔"

"الحمدللہ۔۔۔" سلمٰی اور سعد کی زبان سے نکلا۔

"اے شہنشاہ! یہ ۶۲۲ء آپ کے لئے بہت مبارک ہے۔ ہم آپ کو اس نئی فتحیابی کی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔"

"تم وہاں کی خبر دو۔ مسلمانوں اور سرداران مکہ کا حال سناؤ۔"

"اے شہنشاہ! ہم نے مدینے میں دیکھا۔ وہاں ایک رئیس ہے عبداللہ بن اُبی۔ اَوس و خزرج جنگ بعاث کے بعد باہم جنگ سے پریشان ہوچکے تھے۔ وہ باہم مل کر اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے کہ محمد اللہ کے نبی مدینے میں پہنچ گئے۔ مدینے کے سارے لوگ مسلمان ہوچکے تھے۔ انھوں نے محمد اللہ کے نبی کو اپنا سربراہ چن لیا اور عبداللہ بن ابی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔"

قیصر نے ران پر ہاتھ مارا۔ اور آج پہلی بار رومیوں نے دیکھا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا:

"پھر تو عبداللہ بن ابی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دشمن ہوگیا ہوگا؟"

"آپ کا قیاس بالکل صحیح ہے لیکن سماعت فرمائیں۔ عبداللہ بن ابی کا بہادر بیٹا محمدؐ کے جاں نثاروں میں شامل ہوگیا۔ عبداللہ بن ابی بالکل بے بس ہے۔ وہ دل میں مسلمانوں اور اسلام سے

اپنے دستے کا دل بڑھا رہی تھی۔ سعد کا نعرہ تھا "آخر فتح ہماری ہے۔ ہمارا نبی سچا ہے۔ خدا کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہوا۔"

یہ سن کر رومی فوج بڑھ بڑھ کر حملے کر رہی تھی۔ میدان کارزار گرم تھا۔ چاروں طرف سپاہیوں کے سر، ہاتھ، بازو کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ پھر عین اس وقت جب کہ ذرا سورج ڈھلا قیصر نے اپنی تازہ دم فوج سے حملہ کر دیا۔ اس تازہ دم حملے کو ایرانی نہ روک سکے۔ حاکم ارمینیا کو سعد و سلمٰی نے پہلے ہی تاک رکھا تھا۔ اب انھیں آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ لڑتے بھڑتے زخم کھاتے ہوئے اس کے دستے میں گھس گئے۔ حاکم ارمینیا بھاگنے کی تدبیر کر رہا تھا کہ دونوں نے جا لیا۔ سعد نے نیزہ مارا اور سلمٰی کی تلوار اس کی گردن پر پڑی۔ اس کا سر اڑا۔ وہ جیسے ہی نیچے گرا کہ سعد اپنے گھوڑے سے کود اس کے گھوڑے پر سوار ہو اور پکارا "سلمٰی نے ایرانی کمانڈر کو مار گرایا۔" وہیں رابرٹ ایرانیوں میں گھرا ہوا تھا۔ رابرٹ نے بڑھ کر سلمٰی کی رکاب چوم لی۔

ایرانی بدحواس ہو کر بھاگے۔ رومیوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ایرانیوں کی آدھی فوج کاٹ کر رکھ دی۔ دور تک ایرانیوں کا پیچھا کیا۔ اس کے بعد مال غنیمت پر قبضہ کیا۔ ہزاروں گھوڑے ہزاروں تلواریں، سامانِ جنگ ہاتھ لگا۔ قیصر ارمینیا میں داخل ہو گیا۔ اذنِ عام دے دیا گیا کہ جو اپنے دروازے بند کر لے اسے امن۔ جو باہر دیکھا گیا اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

شام ہوتے ہوتے رؤسائے شہر نے آکر پناہ طلب کی۔ امن دیا گیا۔ قیصر نے اپنا محل دخل کر کے فوج کو ہتھیار اتارنے کا حکم دیا۔ اعلان کر دیا کہ اب ہم یہیں سے انتظام کر کے آگے بڑھیں گے۔ ایک مہینے کے اندر اس نے ہر محکمے پر قابو حاصل کیا۔ ذمہ دار عہدوں پر اپنے آدمی مقرر کئے۔ اس کے بعد مشیروں کو جمع کر کے یہ تدبیر سوچنے لگا کہ اب کس طرف چلا جائے۔

سب مشورہ کر رہے تھے کہ دربانوں نے اطلاع دی "حضور ہمارے جاسوس آگئے اور حاضری کا اذن طلب کر رہے ہیں۔" قیصر نے فوراً ان کو بلا لیا۔ سعد پکار اٹھا "یقیناً آج ہمارے لئے بڑی

"مگر ان کو اس شاہراہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"بے شک انھوں نے اس کا انتظام کیا ہے چھوٹے چھوٹے دستے اس شاہراہ پر بھیج دیتے ہیں لیکن حکم ہے کہ کسی قافلے کو نوٹا نہ جائے۔"

"یہ فعل تو واقعی نبیوں کا ہے"۔ قیصر نے سعد سلمیٰ کی طرف دیکھا۔ دونوں کی زبان سے کلمہ شہادت بے ساختہ نکلا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سعد سلمیٰ کے ساتھ قیصر کی زبان سے بھی صلعم بے ساختہ طور پر نکل گیا۔ جاسوسوں نے کہا:

"اے شہنشاہ اس سلسلے کی دلچسپ بات ملاحظہ ہو۔ مدینے کے ایک سردار سعد بن عبادہ مکے گئے۔ وہ ایک قریش سردار اُمیہ بن خلف کے میہمان بنے۔ پھر کعبے کا طواف کرنے چلے۔ باب حرم پر ابوجہل ملا۔ بولا" اے سعد! خدا کی قسم اگر تم اُمیہ کے میہمان نہ ہوتے تو ہر گز طوافِ کعبہ نہ کر سکتے تھے"۔

سعد نے جواب دیا" اگر تم نے یہ کیا تو میں تم کو اس سے بڑی شے سے محروم کر دوں گا"۔

"وہ کیا؟" قیصر نے پوچھا۔ "ابن عبادہ نے یہ اشارہ یقیناً اس شاہراہ کی طرف کیا ہوگا"۔

"اے شہنشاہ! آپ سیاست کے ماہر ہیں۔ ابوجہل بھی یہی سمجھا اور اپنا سا منھ لے کر رہ گیا"۔

"اس وقت محمد کے پاس کتنی طاقت ہے؟"

"ان کے پاس ۳۱۳ مکی مسلمان ہیں اور ایک ہزار سے زیادہ انصار ہیں جو محمد کے ایک اشارے پر آگ میں کود پڑنے کو تیار ہیں۔"

"یہ انصار کون؟ ہم تو انصار حوارین مسیح کو جانتے ہیں"۔

"مدینے کے مسلمانوں کو محمد نے انصار کا خطاب دیا ہے۔ انصار محمد کے ایسے ہی وفادار ہیں جیسے یسوع کے حواری تھے۔"

"لیکن یہ ڈیڑھ ہزار مکے کے لوگوں کے مقابلے میں کم ہیں۔ پھر یہ کہ اتنے مہاجرین کے پہنچ جانے

کینہ رکھتا ہے، بظاہر مسلمان ہے۔"

"ہاں میں بھی اسی طرح سوچ رہا ہوں۔ پھر سردارانِ مکہ نے کیا کیا؟"

"انھوں نے عبداللہ بن ابی کو کہلا بھیجا کہ تم محمد اور مسلمانوں کو اپنے یہاں سے نکال دو ورنہ ہم حملہ کر دیں گے اور تمہارے بچوں اور تمہاری عورتوں کو لونڈی غلام بنا لیں گے۔ عبداللہ بن ابی کو شرارت سوجھی لیکن اے شہنشاہ! محمد نہایت ذکی انسان ہیں۔ انھوں نے اس کی شرارت کو ناکام بنا دیا۔"

"تو سردارانِ مکہ بہت جز بز ہوتے ہوں گے۔"

"اب وہ مدینے پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

"انشاء اللہ مسلمان فتحیاب ہوں گے۔ اور جب وہ فتحیاب ہوں گے تو رومی بھی ایرانیوں پر اسی زمانے میں غالب ہوں گے۔" سعد بول اٹھا۔

"ہمیں ایرانیوں سے ٹکراتے ہوتے پانچ برس ہو گئے۔"

"جی، محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی پیشین گوئی کو ابھی پانچ برس باقی ہیں۔" سعد نے جواب دیا۔ قیصر پھر جاسوسوں کی طرف متوجہ ہوا:

"تو سردارانِ مکہ نے مدینے والوں کو ہراساں کرنے کی تدبیریں کرنا شروع کر دی ہوں گی؟"

"اے شہنشاہ آپ کا قیاس بالکل صحیح ہے۔ وہ چھاپہ مار دستے مدینے کی طرف بھیجتے ہیں مگر مسلمان ان کو بھگا دیتے ہیں۔"

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مکے والوں کو ہراساں کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا جبکہ میں جانتا ہوں کہ مدینہ اس راستے پر ہے جس راستے سے اہلِ مکہ تجارت کی غرض سے اپنے قافلے ہماری طرف بھیجا کرتے ہیں۔ کیوں نہ محمد مکے والوں کے لئے اس راستے کی ناکہ بندی کر دیں۔"

"اے شہنشاہ! ہمیں یقین ہوتا جا رہا ہے کہ محمد واقعی یسوع مسیح کی نوید کے مظہر ہیں۔ وہ قطع رحم کو حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ بہت رحیم ہیں۔ مکے والوں کے لئے اب بھی دعا کرتے رہتے ہیں۔"

سعدوسلے یہ واقعات سن سن کر خوش ہو رہے تھے۔ بار بار الحمدللہ کہتے تھے پھر انہوں نے قیصر سے کہا
"اب صرف ایک پیشین گوئی ثابت ہونا باقی ہے۔"
"ہاں، یعنی تمہارا خیال ہے کہ عنقریب ہم مکمل فتح حاصل کریں گے۔"
"جی ہاں یہی۔ انشاءاللہ اور اسی دن سرداران کہ مسلمانوں سے زک اٹھائیں گے۔ یقیناً مسلمان آپ کی فتحیابی کی خبر کے منتظر ہوں گے۔"
"مجھے مسلمانوں سے اور ان کے نبی محمد اللہ کے نبی سے محبت ہوتی جا رہی ہے۔ میں بھی ان کو مبارکباد بھیجوں گا اور وہ تحفے جو تم پسند کرو گے۔"
"انشاءاللہ۔"
"یسوع مسیح ہمیں کامیاب کرے۔"
"انشاءاللہ آپ کامیاب ہوں گے۔"
اس گفتگو کے بعد قیصر نے جاسوسوں کو انعام دیا اور آرام کرنے اپنے خیمے میں چلا گیا۔ خیمے میں اس نے سعدوسلے اور رابرٹ کو بلا بھیجا۔ تینوں آتے تو اس نے رابرٹ سے پوچھا:
"یہ خبر کہاں تک صحیح ہے کہ تم نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے اور تم مسلمان ہو گئے ہو؟"
"اے شہنشاہ! میں ارمینیا کی جنگ میں بری طرح گھر گیا تھا۔ میرے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ میں نے محمد کے خدا کو پکارا۔ اے خدا اپنا وعدہ پورا فرما۔ اگر میں اس جنگ میں کامیاب ہو گیا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔"
"تو اب تم مسلمان ہو؟"
"میں کسی خوف اور لالچ کے بغیر اقرار کرتا ہوں اور شہادت پیش کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔"
"تم کو ہماری طرف سے امان ہے۔"

سے مدینے کی معاشی حالت تباہ ہو گئی ہو گی۔"

"اس میں شک نہیں، لیکن فداکاری کا جذبہ ملاحظہ فرمائیں۔ انصار نے مہاجرین کو اپنا بھائی بنالیا اور اپنی آدھی جائداد پیش کر دی۔ اس سلسلے کا دلچسپ واقعہ سماعت کریں۔"

"وہ واقعہ ہم ضرور سنیں گے۔"

"محمد اللہ کے نبی کا ایک فداکار ہے عبدالرحمٰن بن عوف۔ ایک انصاری نے ان کو اپنا بھائی بنایا۔ انھیں لے کر گھر گیا۔ گھر پہنچ کر بولا "اے بھائی! یہ میرے دو مکان ہیں۔ ایک تمہارا ہے۔ یہ میرا مال ہے۔ آدھا تمہارا ہے۔ یہ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے تم جو پسند کرو وہ تمہاری ہے۔"

"خوب! مگر میرا خیال ہے کہ۔۔۔" قیصر کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے جاسوسوں سے پوچھا:

"عبدالرحمٰن بن عوف نے کیا کہا؟"

"حضور! عبدالرحمٰن نے کہا "اے انصاری بھائی! یہ سب تم کو مبارک۔ تم مجھے بازار کا راستہ بتادو۔" انصاری انھیں لے کر بازار گیا۔ بازار میں عبدالرحمٰن نے پنیر خریدا۔ پھر اسے فروخت کرنے لگے۔ لوٹے تو اتنا پنیر بچا لائے کہ انصاری کے گھر کے لوگوں نے بھی کھایا۔"

"یسوع مسیح کی قسم میرے دل میں عبدالرحمٰن کا یہی رد ارتھا۔"

"اے شہنشاہ! محمد اللہ کے نبی کا طریق تربیت بے مثل ہے۔ وہاں ہر شخص عبدالرحمٰن ثابت ہو رہا ہے۔"

"تم نے ہمیں خوش کر دیا۔ ہم تم کو خوش کر دیں گے۔ کچھ اور؟"

"اے شہنشاہ! مدینے میں یہودی بھی رہتے ہیں۔ وہ در پردہ عبداللہ بن ابی کو ابھارتے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مدینے سے محمد کا اقتدار ختم ہو جائے۔"

"یہودی بدترین قوم ہے۔ ان پر اللہ کی لعنت رہے گی۔ انھوں نے یسوع مسیح کے ساتھ جو کچھ کیا وہی وہ پیغمبر کے ساتھ کریں گے اور محمد تو واقعی۔۔۔" قیصر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

پیشین گوئیوں کی تصدیق ہو گئی اور سعد وسلیے کی مدد سے اس نے ارمینیا فتح کر لیا تو اس میں آباد کرا دیا۔

جاڑے ختم تو جب سورج کی گرمی سے برف پگھلنے سے ایران کی سرزمین لالہ زار ہو گئی اور مناظر قدرت کے شوقین ایرانی اپنا قومی تہوار 'نوروز' منانے میں لگ گئے اور رنگ رلیوں میں محو ہو کر طاؤس و رباب کی دھنوں میں پھنسے تو قیصر نے ایران کی طرف بڑھنے کا منصوبہ بنایا۔ سید کو بطور ہراول آگے روانہ کر دیا۔ اس کے بعد سعد وسلیے نے دو ہزار لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ پھر نکلا۔ اپنے ایک معتمد کو ارمینیا کا گورنر بنا کر یہاں چھوڑا اور اسے رسد کا بھی ذمہ دار بنایا۔

یہ سب نصف نصف منزل کی دوری سے ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے تھے کہ اچانک دن سید رابرٹ کے جاسوسوں نے سعد کو پرچہ پیش کیا۔ لکھا تھا: "جلدی میری مدد کو آئیے۔ اگر آ گئے تو اپنے خدا کی نصرت کا عجیب و غریب کرشمہ دیکھیں گے۔"

یہ پرچہ پا کر سعد اپنے دستے کو لے کر سرپٹ روانہ ہو گیا۔

سید رابرٹ کے پس منظر میں دلچسپ کہانی اس طرح تھی کہ وہ بڑی مستعدی سے آگے بڑھ اس کے جاسوس رہنمائی کر رہے تھے۔ وہ انہی کے خطوط پر جا رہا تھا۔ تیسرے دن و باغ و بہار مرغزار میں پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے چمن زار ہے۔ چمن زار کے گرد اونچی چار دیواری کے اوپر قد آدم خاردار آہنی جال ہے جسے پار کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ آہنی پھاٹک ہے۔ اس پھاٹک پر سید رابرٹ کے اندازے کے مطابق پانچ ہزار کی فوج اور ایک شخص پھاٹک توڑنے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ اندر سے عورتوں اور لڑکیوں کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں "بچاؤ بچاؤ" اور وہ اندر سے آتشیں گولے پھینک رہی تھیں۔

سید رابرٹ نے فوراً وقائع نویس کو حکم دیا کہ سعد کو مطلع کر دے۔ پھر انسانی ہمدردی یہ سوچے بغیر کہ اس کے پاس فوج کم ہے اور خدا جانے ظالم کون ہے اس نے دور سے نعرہ مار

"جزاک اللہ۔"

"اور اب تمہارا اسلامی نام کیا ہے؟"

"سعد و سلمیٰ نے میرا نام سعید رکھا ہے۔"

"تم واقعی سعید ہو۔ بہت اچھا نام ہے۔"

"سعد و سلمیٰ نے مجھے اپنا بھائی، بڑا بھائی بنالیا ہے۔"

"یہ ان کی سعادت مندی ہے۔ میں خوش ہوں۔ تم نے اپنے چھوٹے بھائی اور بہن کو کیا تحفہ دیا؟"

"میں نے وہ رقم جو مالِ غنیمت میں ملی تھی ان کو دینی چاہی مگر دونوں نے انکار کردیا۔"

"ان کے لئے بہترین تحفہ مال نہیں کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا؟ اے شہنشاہ!"

"وہ ہے یہ دو تلواریں۔"

قیصر نے سامنے ٹنگی ہوئی تلواروں کو دیکھا۔ سعید (رابرٹ) کو اشارہ کیا۔ اس نے تلواریں قیصر کے سامنے لارکھیں۔ قیصر نے ایک تلوار سعد کو اور دوسری سلمیٰ کو پیش کی اور کہا کہ یہ سعید کی طرف سے میں دیتا ہوں۔ اور سلمیٰ بیٹی! تم کو یہ ہار مزید۔

سعد و سلمیٰ نے الحمد للہ کہہ کر تحفہ قبول کرلیا۔ پھر دونوں اجازت لے کر خوشی خوشی اپنے خیمے میں چلے گئے۔

٥

انسان کی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ ہمت ہار جاتا ہے تو اس کی سوجھ بوجھ بھی جواب دے جاتی ہے اور جب وہ ہمت کرتا ہے تو سوجھ بوجھ، حکمت اور تدبر سبھی کچھ ابھر آتا ہے۔ یہی حال قیصر کا تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ خسرو کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ اب جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی

سے اس کا سر اتار دیا۔ رستم نے بھی بہت سے رومی مار گرائے تھے۔ لیکن سعد و سلمٰی کے آجانے سے سعید رابرٹ کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اب رستم گھبرانے لگا تھا۔ سعید رابرٹ نے اس کی یہ کمزوری محسوس کر کے تلوار ماری تو وہ گھوڑے سے نیچے آرہا۔ اس کے مرتے ہی اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی جس کا پیچھا نہیں کیا گیا۔

اب سعد و سلمٰی اور سعید رابرٹ پھاٹک کے پاس گئے۔ چمن زار کے اندر کی عورتوں اور لڑکیوں کو آواز دی۔ "اب تم بالکل محفوظ ہو۔"

اندر وہ سب منارۂ مرتفع سے نتیجۂ جنگ دیکھ چکی تھیں۔ انھوں نے اپنے محسنوں کے لیے پھاٹک کھول دیا۔ سب سے پہلے سعید رابرٹ اندر گیا۔ اندر جو اس نے پرستان کا سماں دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ سعید رابرٹ رومی تھا۔ رومی جغرافیائی حیثیت سے خوبصورت اور تیکھے نقشے کے حسین ہوتے ہی ہیں، سعید رابرٹ رومی حسن کا بہترین نمونہ تھا۔ سامنے چمن زار پر ایرانی حسن و جمال کے نسائی پیکروں کے بیچ شہزادیوں جیسے لباس سے آراستہ ایک مرمریں مرقع محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس منظر کو سب سے پہلے سلمٰی نے محسوس کیا۔ اس نے سعد کے کان میں کچھ کہا۔ اس کے بعد آگے بڑھی۔ سعید رابرٹ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔ "بھائی! کیا حال ہے؟ لہو تو پونچھ لے اپنی جبیں سے۔" حقیقت یہ تھی کہ اس وقت لہولہان سعید رابرٹ بڑا خوبصورت لگ رہا تھا۔ اس نے سلمٰی کی طرف دیکھا۔ "عزیز بہن! کچھ نہیں" کہہ کر اس نے نظر پھیر لی۔ اب آگے آگے سلمٰی، اس کے پیچھے سعید رابرٹ اور اس کے پیچھے سعد آگے بڑھے۔ فوج کو باہر ہی ڈیرہ ڈالنے کا حکم دے دیا گیا۔

سلمٰی، سعد اور سعید کو آگے بڑھتے دیکھ کر اس مجسمۂ حسن میں حرکت ہوئی۔ اپنی سہیلیوں کے ساتھ استقبال کو بڑھی۔ سلمٰی نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔ اس کے کان میں کچھ کہا۔ اس مجسمۂ حسن کا گلنار چہرہ حیا سے مزید گلنار ہو گیا۔ وہ سب کو لے کر بارہ دری میں پہنچی۔ تپاک سے ملی۔ عزت و توقیر کے ساتھ بٹھایا، خاطر و مدارات کی۔ پھر خود ہی اپنا تعارف کرانے لگی:

"میں آذربائیجان کے حاکم اعلیٰ کی دختر ہوں۔ میرا نام مہرنگار ہے۔ یہ چمن زار میرے باپ نے

"خبردار! جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا آسمان والا اس پر رحم نہیں کرتا۔"

یہ نعرہ سن کر چمن زار کی محاصر فوج چونکی۔ اس کا افسر ایران کا رستم نامی ایک گورنر تھا۔ اس نے شعلہ بار نگاہوں سے اس کے دستے پر نظر ڈالی۔ پھر چیخا "بہادرو! گھیر کر مار لو اس نالائق کو۔ تم تعداد میں ان سے بہت زیادہ ہو۔"

آناً فاناً نیزے تنے۔ تلواریں میان سے نکلیں۔ مرغزار میدانِ کارزار بن گیا۔ سعید کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح وہ پھاٹک تک پہنچ کر عورتوں اور لڑکیوں سے چیخ کر کہہ دے کہ مت گھبراؤ مگر رستم نے اس کے سپاہیوں کو گھیرے میں لے لیا تھا اور اب رومی ایرانیوں کے نرغے میں تلواریں چلا رہے تھے۔ سعید اپنے سپاہیوں کو پکار رہا تھا "جانبازو! صفیں نہ ٹوٹنے پائیں۔" اور رستم چیخ رہا تھا "بہادرو! انہیں منتشر کر کے مارو۔"

اندر عورتوں اور لڑکیوں نے چمن زار کے باہر گھوڑوں کے ہنہنانے، تلواروں کی جھنکاروں اور نعروں کی آوازیں سنیں تو وہ منارۂ مریخ (مینارِ دوربین) پر چڑھ گئیں۔ وہاں سے جنگ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ دعائیں کرنے لگیں "اے یزداں! ہمارے مددگاروں کی مدد فرما۔ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔"

ایک گھنٹے کی جدوجہد میں رستم سعید رابرٹ کی فوج کی صفیں توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب رومی سو۔ سو، پچاس۔ پچاس، دس۔ دس، بیس۔ بیس ایرانیوں کے نرغے میں تھے۔ خود سعید رابرٹ کو رستم نے گھیر لیا تھا۔ اب زیادہ دیر نہ تھی کہ سعید گرفتار یا قتل کر دیا جاتا کہ اچانک سامنے گرد اڑتی دکھائی دی۔ اس گرد سے سعد سلطے اور اپنے جانبازوں کے ساتھ نیزہ تانے برآمد ہوا۔ اس نے وہیں سے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور شیرِ غضبناک کی طرح اپنے جانبازوں کو لے کر ایرانیوں پر ٹوٹ پڑا۔ رستم نے یہ دیکھا تو اپنے ماتحت افسر گستم کو حکم دیا کہ اسے روکے۔ لیکن اتنی ہی دیر میں سعد سلطے نے ایرانیوں کی پچھلی صف کا صفایا کر دیا۔ پھر بڑھ کر گستم سے نبرد آزما ہوا اور اپنی تیغِ جوہر دار

عید الاضحیٰ

خوشی اور غم چھپائے نہیں چھپتے۔ ایک شخص جو اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے یہ خوشی اس کے چہرے مہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صدمہ ہوتا ہے تو اس کا غم اس کے چہرے سے پھوٹتا ہے اور دیکھنے والے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ غم کا مارا ہے۔

کسی ایک شخص کی خوشی پر اس کے جاننے والے آکر اسے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کسی غمگین شخص کے غم پر اس کے ہمدرد آکر صبر و شکر کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کو پروا بھی نہیں ہوتی کہ اس بھری پڑی دنیا میں کون خوش ہے اور کون غمگین۔

دنیا میں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا فائدہ اور نقصان ایک ملک، ایک قوم، ایک سماج کو ہوتا ہے اور اس سے ایک گروہ کا گروہ، ایک جماعت کی جماعت متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً اگر فصل اچھی ہوتی ہے تو پورا ملک اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ فصل خراب ہوتی ہے تو کسان ہی نہیں غیر کسان بھی افسوس کرتا ہے۔ کیونکہ غلہ کی ارزانی اور گرانی تو پورے ملک کا مسئلہ ہے نہ کسی ایک شخص کا۔ یہی وجہ ہے کہ میدانی علاقوں کے لوگ اناج کاٹنے کے دنوں میں مل جل کر خوشی مناتے ہیں۔ جس دن مل جل کر یہ خوشی مناتے ہیں۔ یہی ان کے تیوہار کا دن ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے بعض تیوہار اسی بنیاد پر منائے جاتے ہیں

ایک مثال دوسرے ملک کی ملاحظہ ہو۔ جاڑے کے موسم میں وہاں کی زمین یخ بستہ ہو جاتی ہے

میری تفریح کے لئے بنوایا ہے۔ یہ رستم نابکار میرے باپ کا تنخواہ دار کتا ہے۔ میرے باپ کی نگاہِ کرم نے اسے آپے سے باہر کر دیا اور وہ مجھ پر بری نظر ڈالنے لگا۔ میں اس سے سخت متنفر تھی۔ اب جبکہ میں اس چمن زار میں نو روز منا رہی تھی اس بدکردار کو موقع ہاتھ آیا۔ آدھمکا۔ ہمارے دو سو نگران مارے گئے۔ اگر اس وقت یزداں آپ کو ہماری مدد کے لئے نہ بھیج دیتا تو کوئی نہیں جانتا کہ ہمارا کیا حشر ہوتا۔ اب میں چاہوں گی کہ آپ اپنا تعارف کرائیں۔ میں اپنے محسنوں کے نام جاننا چاہتی ہوں۔" اور یہ کہتے کہتے اس کی نظر سعید رابرٹ کی نظر سے ٹکرا گئی تو جھٹ سلمیٰ کی آڑ لے لی۔ سلمیٰ بولی:

"اے گلنار! تیرا خدا تجھے سلامت رکھے۔ ہم خانماں برباد لوگ ہیں۔ ہمارا کوئی نام نہیں۔ ہمارا کوئی مقام نہیں۔ یہ سعد ہے۔ میرا چچا زاد بھائی، وہ سعید ہے۔ ہم دونوں کا بڑا بھائی۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ بھائی! شادی کر لو۔ وہ کہتا ہے کہ میرے جیسی حسین پری چہرہ ملے گی تو شادی کروں گا ورنہ نہیں"

پری چہرہ گلنار نے ایک بار پھر دزدیدہ نظر سے سعید رابرٹ کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔ سلمیٰ کہے جا رہی تھی۔ "ہم سب کا پیشہ مظلوموں کی مدد کرنا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ جو مظلوموں کی مدد کرتا ہے، خدا اس کی مراد پوری کرتا ہے۔"

سلمیٰ نے ایک نظر حسین و جمیل چہروں والی نازنینوں پر ڈالی۔ وہ سب بڑے شوق سے یہ کہانی سن رہی تھیں۔ گلنار نے نغمہ بکھیرنے والی آواز میں کہا:

"دریں چہ شک۔ مگر۔۔۔؟" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ سلمیٰ نے پوچھا:

"محبوبہ چمن! تو کیا کہتے کہتے رک گئی؟" گلنار فکرمند سی ہو گئی۔ پھر بولی:

"ہم نے منارۂ مرغ سے دیکھا کہ آپ کی فوج کے سپاہیوں کے سینے پر صلیب کا نشان تھا لیکن تمہارے تینوں کے سینے پر وہ نشان نہیں۔ کیوں؟"

یہ شاہانہ انداز کا سوال سن کر سلمیٰ گھبرا سی گئی۔ گلنار نے اس کی گھبراہٹ محسوس کر لی۔ اس کی زبان سے نکلا "تخلیہ"!

میں سرکاری تعطیل ۱۴ اور ۱۵ اگست کو منایا جاتا ہے۔

اس طرح کے تیوہاروں میں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں وہ اپنے عقیدوں کے مطابق خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس دن اچھے کپڑے پہننا، اچھا کھانا کھانا، مختلف طرح کے ذوق کی تکمیل کرنا سارے ہی تیوہاروں کا مشترک ذوق ہے۔
جو لوگ خدا کو نہیں مانتے وہ ان ساری خوشیوں کا سبب اپنی کوششوں کو سمجھتے ہیں وہ خدا کا شکر ادا کرنے کے بدلے اپنی عقل اور اپنی تدبیروں کے تذکرے کرکے فخر کرتے ہیں۔

اب آیئے، اسلامی تیوہاروں کی بنیاد اور ان کے اسباب پر بات کریں۔ اسلامی تیوہار سال میں صرف دو ہیں۔ ایک عیدالفطر دوسرا عیدالاضحیٰ، یہ کسی آزادی، کسی فتحیابی، کسی فصل کے حاصل کرنے، کسی دنیاوی کامیابی کے پانے پر نہیں منائے جاتے ہیں۔ ان کی بنیاد دوسری ہے۔
مسلمان عیدالفطر کا تیوہار ماہ رمضان کے بعد یکم شوال کو مناتے ہیں۔ رمضان میں پروردگار عالم نے اپنے بندوں کو اپنی وہ اعلیٰ ترین نعمت عطا فرمائی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید حق و باطل کے فرق کو بتاتا ہے۔ انسان کو انسان بنانے کے اصول دیتا ہے۔ وہ اصول جن کو اپنا کر انسان اپنے رب کو خوش کر سکتا ہے اور جنت جیسی نعمت پا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے زیادہ انسان کو اور کیا چاہیے۔ اس نعمت کے پانے کی خوشی میں اللہ کا بندہ اپنے نفس کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے روزے رکھتا ہے اور جب اس تربیت اور ٹریننگ سے نکلتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ ٹریننگ اور تربیت بھی اللہ ہی کی توفیق سے حاصل کی۔ تو رمضان کا مہینہ ختم ہوتے ہی اپنے محسن کے آگے ماتھا رکھ دیتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے یہ ہے اسلامی تیوہار کا لب لباب۔
عیدالاضحیٰ کے معنی "قربانی کی عید" کے ہیں۔ اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہر اس چیز کی قربانی پیش

یعنی برف جم جاتی ہے۔ جاڑے کا زور ٹوٹنے پر جب سورج کی گرم کرنیں برف پگھلا دیتی ہیں تو وہاں کے لوگ دیکھتے ہیں کہ اس برف کے اندر طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کے پودے انھیں مستی اور سرور کا پیغام دے رہے ہیں۔ ایران میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں کی سرزمین کے اندر ایسے بیج بھر رکھے ہیں جو برف کے نیچے دبے دبے نشوونما پاتے ہیں اور جب برف پگھل کر بہہ جاتی ہے۔ سارا ملک گل و گلزار نظر آتا ہے ان گل و گلزار سے سارا ملک خوشی مناتا ہے۔ جس دن ان کے یہاں سورج کی پہلی گرم کرن پڑتی ہے۔ وہ دن ان کی اجتماعی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس دن مل جل کر خوشی مناتے ہیں۔ اس دن کا نام انھوں نے "نوروز" رکھا ہے۔ نوروز ان کے تیوہار کا دن ہے۔ دنیا کے ٹھنڈے ملکوں میں تیوہار کی نوعیت اسی نوروز سے ملتی جلتی ہے۔

اوپر کی دو مثالوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اجتماعی خوشی سے تیوہار کی بنیاد کس طرح پڑتی ہے۔ اسی طرح دوسرے تیوہار ہیں۔ مضمون طویل نہ ہو جائے اس ڈر سے اب ہم دوسرے تیوہاروں پر تبصرہ سرسری کریں گے۔

بعض تیوہار ملک اور قوم کے کسی ہیرو کی یادگار میں منائے جاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال سری رام چندر جی کی ایک زریں کارگزاری ہے۔ کہتے ہیں کہ جب رام چندر جی اپنی بیوی سیتا جی کے ساتھ چودہ برس کا بن باس گزار رہے تھے تو وہ بندھیاچل پار کر کے دکن کے جنگلوں میں بھی پہنچے۔ لنکا کا راجہ راون سیتا جی کو اٹھا لے گیا۔ رام چندر جی نے راون سے جنگ کی۔ راون کو مارا۔ سیتا جی کو واپس لائے۔ دسہرے کا تیوہار اسی یادگار میں منایا جاتا ہے۔

بعض تیوہار ملک و قوم کے ہیرو کے کسی کارنامے کی خوشی میں منائے جاتے ہیں جیسے بھارت میں جنم اشٹمی کا تیوہار۔ شری کرشن جی بھارت کے وہ بلند پایہ ہیرو گذرے ہیں کہ یہاں کے لوگ انھیں خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس مہان ہستی کی یادگار میں جنم اشٹمی کے تیوہار کی بنیاد ڈالی۔

بعض تیوہار کسی ملک اور قوم کی آزادی کی خوشی میں منائے جاتے ہیں۔ جیسے ہندو پاک

تربیت شروع کی۔ ہونہار بروا کے ہوت چکنے پات کی مثل صادق ہوتے دیکھی تو پیار بھری نظریں بیٹے پر پڑنے لگیں۔ بیٹے سے مشن میں تعاون کی امیدیں بندھ گئیں۔

اچانک ایک انتہائی کٹھن قربانی پیش کرنی پڑی۔ حکم ہوا کہ اپنی سب سے زیادہ محبوب شے کی قربانی کرو۔ آنحضرت نے غور کیا تو سب سے زیادہ پیاری شے وہ ہی اکلوتا بیٹا اسمعیلؑ دکھائی دیا۔ اس کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ قریب تھا کہ اپنے ہاتھ سے بیٹے کو قربان کر دیں کہ اوپر سے کامیابی کا سرٹیفکیٹ آ گیا۔ ابراہیمؑ تم پاس ہو گئے۔ بیٹے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ لو اس کے بدلے یہ مینڈھا ذبح کرو۔

آج ہم عیدالاضحیٰ کے دنوں میں اس بدلے کے مینڈھے کی قسم کے چند جانوروں کی قربانی کر کے سنت ابراہیمؑ تو ادا کرتے ہیں لیکن ہم نے دل سے ان تمام قربانیوں کو بھلا دیا ہے جو اس عظیم المرتبت رسول نے پیش کی تھیں جس کی سنت کے طور پر ہم یہ تیوہار مناتے ہیں۔ خوب ہے ہماری یہ قربانی جب کہ اللہ نے صاف صاف فرما دیا کہ اسے گوشت اور خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ تقویٰ جس کا تعلق تمہارے دل سے ہے۔ اس قربانی کی روح ہے۔
جس شخص نے قربانی بھی کی۔ جس شخص نے حج بھی کر لیا۔ کعبے کی زیارت بھی کر لی۔ سارے مناسک حج ادا کئے۔ عرفات گیا۔ منیٰ گیا۔ رمی جمرات بھی کی۔ طواف کعبہ کیا۔ حجر اسود کو بوسہ بھی دیا۔ اس کے بعد واپس آیا۔ لیکن اسکے اندر وہ ابراہیمی جذبہ نہ اُبھرا تو فقہ کے مسئلے کی رو سے اس کا حج ہو گیا ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو بندے کا جو حج پسند ہے، وہ حج نہ ہو گا۔

اللہ جس حج کو پسند کرتا ہے وہ وہی ہے جو حاجی مکے سے واپس آکر عمر بھر نبھائے۔ وہ اللہ کی مرضی پر چلنے کے لیے بیقرار رہے چاہے اس کے گھر والے اس کے دشمن ہو جائیں۔ چاہے صاحبانِ اقتدار اس کا جینا دوبھر کر دیں۔ چاہے بستی والے اُسے شہر بدر کر دیں۔ وہ اللہ کے حکم بجا لاتا رہے اور دنیا کے سارے طاغوتوں کا انکار کرتا رہے۔ دنیا کے سارے بناوٹی خداؤں سے لڑ کر جب وہ نکلتا ہے تو اللہ کی نظر میں حاجی صحیح معنی میں مسلم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہی توفیق سب کو دے۔

کرنا جو خدا کی محبت میں رکاوٹ بنے: "حق" سامنے آنے کے بعد اُسے قبول کر لینا حق کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے اگر ہمارا نفس راستہ روکے تو اسے ٹھوکر مار دینا۔ اپنی خواہشات کو دبا دینا۔ اپنے من کو مارنا یہ بہت بڑی قربانی ہے۔

اپنے نفس کے بعد غلط عقیدوں، باپ دادا کے زمانے کی بُری رسموں ذات برادری کے تعلقات دھن دولت وطن کی محبت حتیٰ کہ بیوی اور بیٹے کی محبت بھی حق کی راہ میں دیوار بن کر کھڑی ہو تو اُسے بھی اپنے ہی ہاتھوں ڈھا دینا۔

ان ساری قربانیوں کی مثال اگر کوئی پورے طور پر کسی شخصیت میں دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اللہ کے نبیوں میں دیکھیے خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں ہمیں اس طرح کی ساری قربانیوں کی پوری تصویر ملتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جس دن "حق" واضح ہوا۔ آپ نے بڑھ کر اُسے قبول کر لیا۔ صرف قبول ہی نہیں کر لیا۔ باپ، ماں بھائی، بیوی، برادری، بستی، راجہ، پرجا سب کو اسی کی تلقین بھی کرنے لگے۔ باپ نے ناراض ہو کر گھر سے نکال دیا۔ برادری نے اپنے سماج سے خارج کر دیا۔ آپ کی ہنسی اُڑائی گئی طرح طرح سے ستایا گیا۔ حتیٰ کہ قوم نے آگ میں جھونک دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ سب گوارا کیا لیکن جو حق سامنے آچکا تھا۔ اس سے منہ نہ موڑا۔ اس کے بعد مادر وطن کی قربانی کا نمبر آیا۔ آنحضرت کو یہ قربانی بھی دینا پڑی۔ آپ نے وطن سے ہجرت کی۔ ایک بیوی اور بھتیجے کے ساتھ (جو آپ پر ایمان لا چکے تھے) نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ جوانی سے بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھا۔ اولاد کی تمنا پیدا ہوئی۔ اللہ سے دعا کی کہ پروردگار! میرے بعد اس مشن کو چلانے کے لیے جانشین عطا فرما! دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے ایک بیوی اور عطا فرمائی۔ دوسری بیوی سے حضرت اسمٰعیلؑ جیسا فرزند ارجمند عطا کیا گیا۔ آپ نے بیٹے کی

خاموش بیٹھنا چاہیے۔ اگلی صفوں میں بیٹھنا اور نماز پڑھنا افضل ہے۔ لیکن لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا ٹھیک نہیں۔ کچھ لوگ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل نماز یا فجر کی قضا پڑھتے ہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل یا قضا کوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

عام نمازوں اور نماز دوگانہ میں فرق | دوگانہ اور دوسری نمازوں کے پڑھنے میں یہ فرق ہے کہ دوگانہ کی نماز میں حنفی فقہ کی رو سے مزید چھ تکبیریں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں مزید گیارہ تکبیریں پکاری جاتی ہیں۔ اور دوگانہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے۔ اس خطبہ میں امام بیچ بیچ میں تکبیریں پڑھتا جاتا ہے۔ اول خطبے میں نو بار اور دوسرے خطبے میں سات بار۔ دوگانہ کی نماز کے لیے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔ خطبے کے دوران بات کرنا یا کوئی نماز پڑھنا حرام ہے۔

قربانی | بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس بقرعید کے دنوں (دس گیارہ بارہ تاریخوں) میں اتنا مال ہو جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ واجب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا شخص قربانی نہ کرے گا تو بہت بڑا گناہگار ہوگا۔ مسافر اور بچوں پر قربانی واجب نہیں ہوا چاہے وہ کتنے ہی مالدار ہوں۔)

قربانی کا ثواب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں۔ ان دنوں میں یہ نیک کام ساری نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ قربانی کرتے وقت یعنی جانور کو ذبح کرتے وقت اس کے خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما لیتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

قربانی کے دن اور وقت | قربانی کے دن ذی الحجہ کی دس گیارہ بارہ تاریخیں ہیں۔ دسویں تاریخ کو قربانی کرنا افضل ہے۔ قربانی نماز کے بعد کرنا چاہیے۔ نماز سے پہلے انہی لوگوں کے لیے اجازت ہے جو دیہات میں رہتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ میں نماز پڑھنے آتے ہیں۔ شہر اور قصبہ کے رہنے والے پہلے نہیں کر سکتے۔ قربانی بارہویں تاریخ تک سورج ڈوبنے سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد قربانی کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں میں دن ہو یا رات

بقر عید کے دن

نمازِ دوگانہ واجب | ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو دو رکعت نمازِ دوگانہ شکر کے طور پر پڑھنا ہر عاقل اور بالغ مرد مسلمان پر واجب ہے لیکن ان لوگوں پر واجب نہیں جو مسافر ہیں۔ اتنے بوڑھے اور ایسے بیمار ہیں کہ عیدگاہ یا اس مسجد تک نہیں جاسکتے جہاں دوگانہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہ نماز بستی سے باہر پچھم کی طرف کسی کھلی جگہ میں پڑھنا سنت ہے۔ عذر شرعی ہو تو بستی کی مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اندھے اور غلام، عورت اور نابالغ پر بھی واجب نہیں۔ دوگانہ کی نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہے۔ اگر یہ قضا ہو جائے تو پھر اس کی قضا نہیں ہوتی۔ بقر عید کی نماز اگر دس تاریخ کو کسی وجہ سے نہ پڑھی جاسکے تو بارہویں تاریخ تک پڑھ سکتے ہیں۔ دوپہر سے پہلے پہلے ہی اس کا وقت ہے۔

عیدگاہ جانے کی تیاری | بقر عید کے دن شرع کے موافق اور اپنی حیثیت کے مطابق اپنی آرائش کرنا چاہیئے۔ نہانا، مسواک کرنا۔ اچھے سے اچھے کپڑے (جو گھر میں ہوں) پہننا۔ خوشبو لگانا۔ جلد سے جلد عیدگاہ جانے کی تیاری کرنا چاہیئے۔ بقر عید کے دن نماز دوگانہ سے پہلے کچھ نہ کھایا جائے تو بہت اچھا ہے۔

تیاری کے سلسلے میں یہ جو باتیں بتائی گئی ہیں واجب نہیں ہیں۔ سنت ہیں۔ جہاں تک ہو سکے سنت پر عمل کریں۔

عیدگاہ جانا | عیدگاہ کے راستے میں بقر عید کے دن بلند آواز سے (چیخ کر نہیں) یہ تکبیر پڑھتے رہنا چاہیئے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔ واللہ اکبر اللہ اکبر۔ وللہ الحمد۔ (اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام تعریف اور شکر اللہ ہی کے لئے ہے)

عیدگاہ پہنچ کر | عیدگاہ پہنچ کر جہاں جگہ ملے

میں سمجھ کر لیا جائے۔ کچھ لوگ ان میں سے کھال لے
لے لیں اور اس کے بدلے دوسرے کو گوشت دے
دیں۔ کھال کے لیے زیادہ اچھا یہ ہے کہ کسی مستحق کو دے
دی جائے یا فروخت کر کے قیمت دے دی جائے۔ یہ
کھال یا اس کی قیمت حق دار غریب کو دینا چاہیے جو مقدار
وہ غریب ہے جو زکوٰۃ لینے کا حق دار ہو۔

کھال کی قیمت کسی مسجد کی مرمت یا کسی اور
نیک کام میں لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہر حال میں
حقدار کو ہی ملنا چاہیے۔

نوٹ:۔ اگر قربانی کرنے والا شخص کھال اپنے کام
میں لائے جیسے مشک یا ڈول یا جانماز بنانا چاہے تو
بنوا سکتا ہے۔ جائز ہوگا۔

• گوشت چربی چھیچھڑے، ہڈی قصائی کو مزدوری میں نہ دے
اور مفت دے بلکہ مزدوری الگ سے دینا چاہیے۔ اگر قربانی
کا جانور رسی اور جھول سمیت خریدا ہے تو یہ بھی خیرات کر دے

• بکرا بکری بھیڑ دنبہ سال بھر کا ہونا چاہیے تب
ہی اس کی قربانی ہو سکتی ہے یا پھر یہ اتنے تگڑے
ہوں کہ سال بھر کے معلوم ہوتے ہوں۔ گائے، بیل
بھینس بھینسے دو برس کی عمر کے ہونے چاہئیں اور
اونٹ اونٹنی کی عمر پانچ سال کی۔

• ناقص جانور کی قربانی جائز نہیں۔ ناقص کا
مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی عیب ہو۔ جیسے اندھا
ہو، کانا ہو، اس کی ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا
اس سے زیادہ جاتی رہی ہو یا دم اور ایک کان
تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ یا جانور
ایسا لنگڑا ہو کہ تین پاؤں سے چلتا ہو۔ چوتھا
پیر بیکار ہو۔ اگر چلتے وقت چوتھا پیر ٹیک سکتا ہو
تو ایسا لنگڑا جانور ٹھیک مانا جائے گا۔ ایسا
مریل جانور جو ہڈیوں اور کھال کا ڈھانچہ ہو۔ قربانی
کے لیے جائز نہیں۔

• جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کے سینگ
ہے لیکن جڑ سے اکھڑ گئے تو یہ جانور بھی ناقص ہے
اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ سینگ ٹوٹ جانے سے
جانور ناقص نہیں مانا جائے گا۔ یا جانور کی پیدائش
ہی سے سینگ نہیں ہیں تو بھی ناقص نہ ہوگا۔ اس
کی قربانی ہو سکتی ہے۔

قربانی کا گوشت قربانی کا گوشت ہر مسلمان کھا
سکتا ہے۔ قربانی کرنے والے کو چاہیے کہ خود کھائے۔
اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور محلے والوں کو بھی
دے۔ غریبوں کو بھی بانٹے۔ غریبوں کو قربانی کے

قربانی کر سکتے ہیں لیکن اندھیرے میں قربانی نہ کرنا چاہئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قربانی ٹھیک سے ہوئی یا نہیں اور جن رگوں کا کٹنا ضروری ہے وہ کٹ گئیں یا نہیں قربانی اپنے ہاتھ سے کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ اگر کوئی اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو ذبح کراتے وقت دیکھتا رہا کرے۔ اگر ذبح کرنے کی جگہ پر پردے کا انتظام نہ ہو تو عورت وہاں کھڑی نہ ہو۔ ہٹ جائے کچھ حرج نہ ہوگا

قربانی کی نیت اور طریقہ قربانی کی نیت کر کے جانور کو قبلہ رخ لٹا دینا چاہئے۔ پھر یہ دعا پڑھنا چاہئے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ
اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ
وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ
مِنْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

نیت کرنے میں اتنا کافی ہے کہ دل میں ارادہ کر لے۔ دعا یاد نہ ہو تو صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دینا چاہئے۔ ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ
مِنْ خَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ وَحَبِیْبِكَ
مُحَمَّدٍ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

قربانی کا جانور بکری۔ بکرا۔ بھیڑ۔ دنبہ۔ گائے۔ بھینس۔ بھینسا۔ اونٹ۔ اونٹنی۔ بس ان جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔ اگر بکری۔ بکرا۔ بھیڑ۔ دنبہ کرنا ہو تو ایک شخص ان میں سے ایک جانور کرے۔ گائے، بیل بھینس، بھینسے میں سات حصہ دار بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس شرکت میں ضروری ہے کہ ساتوں حصے برابر ہوں۔ اور سب کی نیت قربانی کی ہو۔ یا کسی حصے دار کی نیت عقیقے کی۔ اگر شریک کا حصہ کم ہوگا تو سارے شریکوں کی قربانی ٹھیک نہیں مانی جائے گی۔

اگر بڑا جانور ایک ہے اور قربانی میں شریک ہونے والے کم ہیں تو بھی حصے سات ہی لگیں گے۔ کوئی شریک کئی کئی حصے لے لے۔ سات آدمیوں سے زیادہ شریک ہوں گے تو کسی کی قربانی قبول نہ ہوگی۔

کلہ اور پائے تقسیم کرنے میں سات حصے کرنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ

حج

حج کا فرض ہونا حج کے معنی ہیں زیارت کرنا، قصد کرنا۔ اسلامی شریعت میں حج ان عبادتوں کے مجموعے کا نام ہے جو مکہ معظمہ منیٰ اور عرفات میں ذی الحجہ کی ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخوں میں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر ادا کی جاتی ہیں۔ یہ حج ہر اس عاقل و بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ اتنی رقم ہو کہ وہ مکہ معظمہ تک جانے اور واپس آنے کے خرچ کے لیے کافی ہو۔

ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ جتنے دن حج میں لگیں اتنے دنوں کے لیے گھر پر کھانے پینے وغیرہ کا سامان موجود ہو تاکہ بال بچے اپنی ضرورتیں پوری کرسکیں۔ قرض ہو تو وہ بھی ادا ہو جائے۔

حج کا ثواب قرآن اور حدیث میں حج کا بہت زیادہ ثواب بتایا گیا ہے۔ حضرت عمرو ابن العاص جب مسلمان ہونے کے لیے حضورؐ کے پاس گئے تو آپ نے ان سے جو فرمایا اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حج کرنے سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو حج گناہوں اور خرابیوں سے پاک ہو (یعنی حج مبرور) اس کا بدلہ جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ایک اور حدیث میں حج کے ساتھ عمرہ کا بھی یہی ثواب بتایا گیا ہے۔ حج کے دنوں کے علاوہ احرام باندھ کر جو زیارتِ کعبہ کی جاتی ہے اُسے عمرہ کہتے ہیں۔ فرمایا: حج اور عمرہ دونوں کے دونوں گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

نوٹ: عمر میں ایک بار حج فرض ہے۔ اگر ایک کے بعد اور بھی حج کیے جائیں تو وہ نفل ہوں گے۔ ان کا بھی بڑا ثواب ہے۔

گوشت کا کم سے کم ⅓ حصہ (تہائی) دینا چاہیے۔ لیکن اگر تہائی سے کم غریبوں کو پہنچے گا تو گناہگار نہ ہوگا۔ ویسے غریب ہی سب کے حقدار ہیں۔ قربانی کا گوشت مالدار غیر مسلم کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ غریب غیر مسلم کو بھی۔

نوٹ:۔ جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ ایسا شخص چاہے مالدار ہو یا نہ ہو۔ منت کی قربانی کا سارا گوشت حقدار لوگوں میں تقسیم کر دے، نہ خود کھائے نہ کسی امیر آدمی کو دے۔ اگر کچھ خود کھا لیا یا کسی مالدار کو دے دیا یا کھلا دیا تو اتنا ہی گوشت پھر خیرات کرنا پڑے گا۔

○ اسی طرح کوئی مرنے والا وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکے میں سے میری طرف سے قربانی کر دی جائے اور اس کی وصیت پر اسی کے چھوڑے ہوئے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ہوگا۔ اس گوشت کے مستحق بھی غریب لوگ ہیں۔

ہر سال یہ ہوتا ہے

ہر سال ہم ایک ماہنامہ شائع کرتے ہیں۔ سالنامہ مقررہ تعداد سے زیادہ چھپوایا جاتا ہے پھر بھی بہت سے بھائی، بہن اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حجاب کے ایجنٹ صاحبان مطلوبہ تعداد سے دس پانچ پرچے ہی زیادہ منگواتے ہیں اور وہ سالنامہ پہنچتے ہی اپنے ہاکروں کے ذریعہ حجاب پسند بہنوں اور بھائیوں کو پہنچا دیتے ہیں۔

اس لئے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس سال کا سالنامہ "○ تربیت نمبر" جو نومبر ۸۰ء میں شائع ہوگا۔ آپ کو بروقت مل جائے تو آپ ہاکر کے ذریعہ اسی وقت اپنا پرچہ محفوظ کرا لیں۔

اور اگر

آپ براہ راست دفتر حجاب رامپور سے منگانا چاہتے ہیں تو -/10 فوراً منی آرڈر کر دیں۔ انشاء اللہ ہم براہ راست آپ کو محفوظ طریقے سے بھیج دیں گے۔ (مینیجر حجاب رامپور۔ یو۔پی ۲۴۴۹۰۱)

پڑتا ہے اس کا نام یلم لم ہے۔ یہ جدہ میں ہے اور مکہ معظمہ
سے دکھن کی طرف ہے جب اس کے پاس سے جہاز
گزرتا ہے تو اعلان ہو جاتا ہے کہ حاجی احرام باندھ
لیں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی احرام باندھ لینا
چاہیے۔ احرام میں مردوں کے لیے دو بغیر سلی ہوئی
چادریں ہیں۔ ایک کا تہمد باندھ لیں اور دوسری
اس طرح اوڑھ لیں کہ داہنا کندھا کھلا رہے اور
بایاں کندھا بند۔ طریقہ یہ ہے کہ ایک دامن بائیں
کندھے پر ڈال کر پیچھے سے داہنی بغل میں کرتے
ہوئے دوسرا دامن پھر بائیں کندھے پر ڈال لیں
سر بالکل کھلا رہے۔ اب اسی حالت میں ساری
عبادتیں ہوں گی۔ اگر حج کے دنوں میں زیادہ
عرصہ ہو تو صرف عمرہ کریں۔ مکہ پہنچنے پر زیارت کی
شرطیں ادا کر کے احرام کھول دیں اور حج کے دنوں
میں پھر باندھیں۔ عورتوں کا احرام یہ نہیں ہے۔
وہ اپنے کپڑے پہنے رہیں۔ وہ سر پہ صرف ایک
رومال باندھ لیں اور چہرہ کھول دیں۔ احرام کی حالت
میں یہ دعا بار بار پڑھیں۔ مرد بلند آواز سے اور
عورتیں کم آواز سے۔ لبیک اللھم لبیک لاشریک
لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔

(میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔
تیرا کوئی ساجھی نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ تعریف تیرے
لیے ہے۔ نعمتیں تو نے ہی دی ہیں۔ بادشاہی تیری
ہی ہے۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں) اس طرح کہنے کو
تلبیہ کہتے ہیں۔

جدہ کے ساحل پر جہاز سے اتریں تو یہاں
اپنا معلم چن لیں۔ جدہ سے مکہ معظمہ جا کر کعبے کا طواف
کریں۔ طواف میں سات چکر لگاتے ہیں۔ حجر اسود
والے کونے سے طواف شروع کریں جو دعا یاد
ہو پڑھتے جائیں۔ ویسے معلم کا آدمی خود طواف
کرا دے گا اور سب بتا دے گا۔ طواف کے بعد
صفا مروہ کے درمیان سات بار دوڑیں۔ اس کا
طریقہ بھی معلم کا آدمی بتا دے گا۔ اس کو سعی کہتے
ہیں۔ سعی کے بعد سر منڈائیں اور احرام کھول دیں۔
کپڑے پہن لیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے آگے دو انگل
بال کاٹ دیں۔ سر سے رومال کھول دیں اور چہرہ
ڈھانپ لیں۔ مکہ معظمہ میں اپنے اپنے حاجیوں کے
ٹھہرنے اور حج کرانے کا انتظام کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ میں جہاں تک ممکن ہو سکے کعبے کا
طواف زیادہ سے زیادہ کریں۔ طواف کے بعد

• بالغ ہونے سے پہلے حج فرض نہیں۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی نے بالغ ہونے سے پہلے حج کیا تو بالغ ہونے کے بعد فرض حج ادا کرے۔

• اندھے شخص پر حج فرض نہیں چاہے وہ کتنا ہی مالدار ہو۔

• عورت مالدار ہے لیکن اگر اس کے ساتھ محرم نہیں ہے تو اسے حج کے لیے نہ جانا چاہئے۔ اگر محرم کے بغیر حج کو جائے گی تو حج قبول نہ ہوگا۔

• محرم اگر بے دین ہے اور اس کے چال چلن پر اطمینان نہیں ہے تو اس کے ساتھ بھی حج نہ کرے۔

• قابلِ اطمینان محرم ملنے پر اُسے ساتھ لے جائے تو اس کا خرچ عورت پر واجب ہے۔

• اگر ساری عمر عورت کو محرم نہ مل سکے تو بھی حج کو اکیلی نہ جائے۔ وصیت کر جائے کہ مرنے کے بعد اس کے لیے حج بدل کرا دیا جائے۔ حج بدل یہ ہے کہ اس کے مال سے اس کے ورثاء کسی شخص کو حج کرنے بھیج دیں۔ اگر عورت کے چھوڑے ہوئے مال کے حصے میں خرچ پورا نہ ہوتا ہو تو پھر اس کی وصیت پر عمل نہ کرنے سے ورثا پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ورثاء باقی رقم اپنے پاس سے پوری کر دیں۔ نابالغ وارث کے حصے میں سے رقم نہیں لی جا سکتی۔

• کسی شخص پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ شخص (عورت یا مرد) اندھا ہو گیا اس کو بھی چاہئے کہ حج بدل کے لیے کسی کو بھیج دے۔

• اگر کوئی عورت عدت کے دن گزار رہی ہے اور اس پر حج فرض ہے تو وہ عدت گزار کر حج کو جائے۔

حج نہ کرنے پر | کسی پر حج فرض ہے اور وہ نہ کرے۔ تو اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔ ایک حدیث میں تو ایسے شخص کے لئے بڑی سخت بات آئی ہے فرمایا کہ جس شخص کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا سامان ہے جس سے وہ بیت اللہ شریف تک جا سکے۔ اور پھر وہ حج نہ کرے تو وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: کہ حج کو چھوڑ دینا اسلام کا طریقہ نہیں۔

حج کی ضروری باتیں | ہمارے ملک سے عام طور پر بحری یا ہوائی جہاز سے حج کرنے جاتے ہیں۔ بحری جہاز سے جانے والوں کے راستے میں ایک پہاڑ

کھڑے ہو کر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے کنکری پکڑیں۔ اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ماریں۔ کنکری مار کر لبیک کہنا بند کر دیں۔ اب قربانی کریں۔ قربانی کے لیے جگہ خاص ہے۔ وہاں جائیں اور جو جانور پسند کریں خرید لیں اور قربانی کریں۔ اس سے فارغ ہو کر سر منڈائیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے دو انگل بال کاٹ دیں۔ نہانے کی سہولت ہو تو نہا لیں اور احرام اتار دیں۔ کپڑے پہن لیں۔ عورتیں سر سے رومال کھول لیں اور چہرہ چھپا لیں۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ اسی دن مکہ معظمہ جا کر کعبہ کا طواف کر لیں اسی دن واپس آجائیں۔ دوسرے روز یعنی ۱۱ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر رمی جمرات کے لیے جائیں۔ چنے کے برابر ۲۱ کنکریاں ساتھ لے لیں۔

جمرہ ۱ کے پاس پہنچیں تو ایک ایک کر کے سات کنکریاں اس کے ماریں۔ خیال رکھیں کہ کنکریاں اسے لگ جائیں۔ اس کے بعد پھر آگے بڑھیں جمرہ ۲ کو بھی سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھیں جمرہ ۳ کے پاس پہنچیں اسے بھی سات کنکریاں ایک ایک کر کے ہی ماریں۔ اسی کو رمی جمرات کہتے ہیں۔ رمی جمرات کے وقت دل میں یہ خیال جمائیں کہ ہم شیطان کو مار رہے ہیں۔ رمی جمرات کا دراصل مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے سامنے شیطان سے نفرت کرتے ہیں اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ زندگی بھر شیطان سے دور رہیں گے اور اللہ ہی کے حکموں پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح رمی جمرات ۱۲ ذی الحجہ کو بھی ہوگی ۱۳ ذی الحجہ کو بھی۔ ان تین دنوں میں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو کسی دن مکہ پہنچ کر طواف کعبہ ضرور کر لینا چاہیے۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ پہلے ہی دن فراغت کر لیں اس طواف سے حج مکمل ہو گیا۔ تین دن منیٰ میں ٹھہر کر مکہ معظمہ واپس آئیں۔ اب جتنے دن مکہ معظمہ ٹھہریں خوب طواف کریں عبادتیں کریں۔ اللہ توفیق دے تو کچھ عمرے بھی کر لیں۔

مدینے کی حاضری مدینہ منورہ میں جانا حج میں شامل نہیں ہے۔ لیکن وہ کون ایسا مسلمان ہے جو مکہ معظمہ تک جائے اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نہ جائے۔ پھر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مکہ تک آئے اور مدینہ نہ آئے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اب بتائیے اتنا بڑا سفر کر کے جائیں اور مدینہ میں حاضری نہ دیں۔ یہ تو بڑی

مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز بھی پڑھا کریں۔ پاس ہی زمزم کا کنواں ہے اس کا پانی بھی خوب پئیں۔

مکہ پہنچنے پر اگر حج کے دن شروع ہونے میں دو ایک دن باقی ہوں تو چاہیں ایک دن کے لیے احرام کھول دیں اور چاہیں تو یلملم ہی سے حج کی نیت کر لیں اور مکہ پہنچ کر احرام باندھے رہیں اور حج کر لیں۔

نوٹ:- چونکہ حاجی مدینہ شریف جانے کے لیے بے چین رہتے ہیں اس لیے حج سے زیادہ دن پہلے مکہ معظمہ پہنچنا ہو تو پھر یلملم پر احرام نہ باندھیں۔ جدہ سے مدینے چلے جائیں اور جب مدینے سے مکہ میں داخل ہونے کی نیت کریں تو وہیں سے احرام باندھ کر چلیں۔

حج کے دن | ۸ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد مکہ معظمہ سے حج کے لیے چل دیتے ہیں۔ چلنے سے پہلے اپنے معلم سے ہدایات ضرور لیں۔ سواری پر جانا ہو تو اس سے کہہ دیں۔ کیونکہ وہ اپنے حاجیوں کو سہولت پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ میں اپنے معلم کے کیمپ میں ٹھہریں۔ رات وہیں بسر کریں۔ دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد عرفات روانہ ہو جائیں۔ حج کے لیے عرفات میں ٹھہرنا فرض ہے۔ چاہے کچھ ہی دیر ٹھہریں۔ دل لگا کر نمازیں پڑھتے رہیں۔ قرآن پڑھتے رہیں۔ یاد خدا کرتے رہیں۔ ظہر ابھی نہ پڑھیں۔ عصر کا وقت آتے ہی ظہر و عصر کی فرض نماز پڑھیں۔ مغرب کے وقت عرفات سے منیٰ کو واپس ہوں۔ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھیں۔

عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک مقام مزدلفہ پڑتا ہے۔ رات کو مزدلفہ آ کر ٹھہریں۔ مغرب اور عشا کی فرض نمازیں یہیں ایک ساتھ پڑھ لیں۔ دو نمازوں کے درمیان سنت و نفل نہ پڑھیں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد منیٰ کو چل دیں۔ وہاں سے منیٰ چلنے ہی تھوڑی دور پر نظر آتا ہے۔ بیچ میں محسر کی وادی ہے اس وادی میں ابرہہ کے لشکر پر ابابیلوں کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا تذکرہ سورہ فیل میں ہے۔ اس وادی سے جلد گزر جائیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اگر مزدلفہ سے پیدل چلیں تو آرام سے آدھ گھنٹے میں منیٰ میں پہنچ جائیں گے۔ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے آخری جمرہ کی رمی کو کنکری مارنے جائیں۔ سات کنکریاں ایک ایک کر کے ماریں۔ جمرہ کے سامنے کھڑے

خطبہ حجۃ الوداع

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا خطبہ مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے کے تیرہویں سال ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کے بعد دس برس ہوگئے۔ آپؐ نے کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔ سنہ ۱۰ھ میں آپ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی تو حضورؐ کے ساتھ حج کرنے کے شوق میں چاروں طرف سے حج کو چلے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ لگ بھگ ایک لاکھ مسلمان عرفات کے میدان میں جمع ہوگئے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جامع خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کی بنیادی باتوں کے ساتھ تمام اسلامی باتیں سمیٹ کر رکھ دیں۔ یہی خطبہ حضورؐ کے آخری حج کا خطبہ ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ یہ آپ کا آخری حج ہے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف ٹھیک ثابت ہوئی۔ حج کے بعد آپؐ کا انتقال ہوگیا۔ اسی لیے یہ خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ یہ خطبہ آپؐ نے اپنی سواری کی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہوکر فرمایا تاکہ سارا مجمع آپؐ کو دیکھتا رہے۔

آپؐ نے اللہ کی تعریف کے بعد فرمایا:۔

"اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہ ایک ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ اس نے اپنے بندے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی اور (اس ایک اللہ نے) سارے (باطل) گروہوں کو شکست دی۔"

"لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ اب پھر ہم تم اس طرح ایک جگہ اکٹھا ہوسکیں گے"

بدنصیبی ہے۔

مدینہ جانے کا انتظام بھی معلم کرتا ہے۔ اب مدینہ جانا بہت آسان ہوگیا ہے۔ چند گھنٹوں میں بس یا ٹیکسی سے پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں دس دن ٹھہرنے کی اجازت ملتی ہے۔ ۴۰ وقت کی نمازیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ یہاں مسجد نبوی میں زیادہ سے زیادہ وقت گذاریے۔ مسجد کے اندر ہی ایک حجرہ ہے اس میں حضورؐ کی قبر شریف ہے۔ اسی حجرے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی بھی قبریں ہیں یہی حجرہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا گھر تھا۔ پیارے رسولؐ نے اسی حجرے میں وفات فرمائی تھی پیارے رسولؐ کے شیدائیوں کو چاہیئے کہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر حضورؐ پر درود و سلام بھیجیں۔

مدینے کی کھجوریں مشہور ہیں۔ اللہ توفیق دے اور پاس پیسہ ہو تو یار دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفہ دینے کے لیے کھجوریں خرید لیجئے۔ پیارے رسولؐ کے گھر کا یہ بڑا عمدہ تحفہ ہے۔ دس دن کے بعد مکہ واپس آئیے۔ پھر جب جہاز روانہ ہو۔ آخری طواف کر کے روانہ ہو جائیے۔ دعا کیجئے کہ اللہ پھر یہ دن نصیب کرے آمین

اور میں جماعت اسلامی کا ممبر بن گیا یا اور میں تحریک اسلامی کا حامی ہوگیا

ارکان جماعت اسلامی ہند اور تحریک اسلامی کے حامیوں سے گزارش ہے کہ ان عنوانات کے تحت اپنے تجربات اور واقعات مرتب فرما کر اڈیٹر حجاب رامپور کے پاس بھیجدیں۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ اس سلسلے کا مطالعہ تحریک اسلامی کی طرف ترغیب کا باعث ہوگا۔ دراصل یہ بھی دعوت و تبلیغ کا ایک ذریعہ ہے۔ جو بھی یا بھائی اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں گے اور ان کا مرتب کیا ہوا مضمون حجاب میں شائع ہوگا انکی خدمت میں ایک سال حجاب بطور اعزازی جاری کیا جائیگا۔ نیز کتاب صحابہ و صحابیاتؓ بطور تحفہ پیش کی جائے گی۔

نوٹ :- براہ کرم آپ اس وسوسے میں نہ آئیں کہ اس سلسلے کے واقعات اور تجربات لکھنا نام و نمود ہے۔ یہی شیطان کا ایک فریب ہے وہ آپکو دعوت و تبلیغ کے اس ذریعہ سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ منیجر حجاب رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱

کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔"

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ویسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔"

جاہلیت کی ساری باتیں میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالیں۔ جاہلیت کے سارے محلے ختم کر دیے۔ پہلا بدلہ جو میں ختم کرتا ہوں۔ میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے کا خون جس کو بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانے کے سود کی اب کوئی حیثیت نہیں۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، وہ عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے اب ختم ہو گیا۔"

لوگو! اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کوئی کسی وارث کے لیے وصیت نہ کرے۔

"بچہ اسی کا کہلایا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے اور حساب کتاب اللہ کرے گا۔"

"جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو آقا ظاہر کرے گا۔ اس پر خدا کی لعنت۔"

(یہی وہ پیشین گوئی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ۔ م۔خ)

لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے انسانو! اللہ نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہوں اور قبیلوں میں (اس لیے) بنا دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف اور بزرگ وہی ہے جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے۔ تو پھر تقویٰ کے ساتھ نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر بڑائی حاصل ہے۔ نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔"

تمام لوگ آدم سے پیدا کیے گئے اور آدم مٹی سے۔ خبردار اب برتری کے سارے دعوے، خون اور مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے۔ صرف کعبہ کی تولیت (متولی ہونا) اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت ویسی کی ویسی رہیں گی جس حال میں ہیں۔ قریش کے لوگو! کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کے سامنے تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلیت کا غرور اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارا فخر کرنا ختم کر دیا۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئیں۔ تمہارے لیے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ضروری ہے جیسی تمہارے اس دن (حج کے دن) کی حرمت ہے۔ جیسی تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) کی حرمت ہے اور جیسی تمہارے اس شہر (مکہ) کی حرمت ہے۔ تم سب اللہ کے حضور جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔"

"خبردار! میرے بعد گمراہی کی طرف نہ پلٹ جانا۔ ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا اگر

نہیں کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو (مزید باتیں اپنی طرف سے بڑھانے) کے باعث ہی تباہ کر دیے گئے۔"

"اب شیطان بالکل نا امید ہو گیا کہ اس شہر میں اس کی بندگی کی جائے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے کاموں میں سے جن کاموں کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اس سے سمجھوتہ کر لو۔ اس لیے تم دین کے بارے میں اس سے بچو۔"

"دیکھو اپنے رب کی بندگی کرو۔ اپنی پانچوں وقت کی نماز ادا کرو۔ ایک مہینے (رمضان) کے روزے رکھو۔ اپنے مال کی زکوٰۃ خوشی خوشی دو۔ اور اپنے اللہ کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو۔ (انشاء اللہ) اپنے رب کی جنت میں داخل پاؤ گے۔"

"خبردار! اب ہر مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ اب کوئی بیٹا باپ کے بدلے میں اور کوئی باپ بیٹے کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا۔"

"سنو! جو لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو یہ ساری باتیں بتا دیں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بتانے والے سے سننے والوں میں کوئی زیادہ سمجھنے اور یاد رکھنے والا ہو۔"

"اور تم سے میرے بارے میں اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو تم میرے بارے میں اللہ کو کیا جواب دو گے؟"

• قرض ادا کرنا ضروری ہے۔ مانگی ہوئی چیز واپس کرنا بھی ضروری ہے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

• کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو۔ اور خوشی خوشی دے لہٰذا اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔

• عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

• لوگو! تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حق ہیں اور ان پر تمہارے کچھ ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں۔ پھر اگر ایسا کریں تو اللہ نے تم کو اجازت دی کہ چھوڑ دو تنہائی میں اور یہ کہ اس طرح پٹائی کرو کہ ان کے بدن پر نشان نہ پڑنے پائیں۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ۔

عورتوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری نگرانی میں ہیں اور وہ خود اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتیں لہٰذا ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ تم نے اللہ کے نام پر ہی ان کو پایا ہے اور اللہ ہی کے قوانین کی بدولت وہ تمہارے لیے حلال ہوئیں۔

• میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس پر قائم رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن پاک) خبردار تم دین میں اپنی طرف سے کچھ بڑھانا

تہواروں میں خواتین کی مصروفیت

تہواروں کے دنوں میں ہر گھر والی اگر اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتی اور سمجھداری سے کام نہیں لیتی تو تہوار کی خوشی غم و غصہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گھر کے چھوٹے بڑے خوش ہونے کے بجائے ماں باپ سے گلے شکوے کرنے لگتے ہیں۔ روتے پیٹتے ہیں۔ اور تہواروں میں خوشی کے ساتھ حصہ نہیں لیتے۔

مرد کا کام یہ ہے کہ وہ گھر کی ضرورتوں اور اپنی آمدنی کو سامنے رکھ کر گھر والی کو خرچ دے دیتا ہے۔ تہوار آنے پر کوشش کرتا ہے کہ کچھ اور دے دے۔ اس کے بعد عورت کی سوجھ بوجھ یہ ہے کہ گھر کی روز کی معمولی ضرورتوں اور تہوار آنے پر غیر معمولی ضرورتوں سے کس طرح نمٹتی ہے۔

تہوار کے موقع پر ہر شخص چاہے وہ چھوٹی عمر کا ہو یا جوان اور بوڑھا، چاہتا ہے کہ اچھا پہنے کھائے پیئے۔ اچھا پہن کر خوشی منائے۔ اس اچھا پہننے اور کھانے کی دھن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض لینا پڑتا ہے۔ قرض نہیں ملتا تو گھر کے ہر شخص کو اپنے ارمان کچلنے پڑتے ہیں۔ ارمانوں کے کچلنے پر غصہ گھر کے ذمہ داروں پر اتارا جاتا ہے۔ اطاعت ماں کو پریشان کرتی ہے۔ باپ تو یہ کہہ کر اپنے کو بری کر لیتا ہے کہ جو کچھ میری بڑیوں سے ہو سکا تم سب کے لیے کر دیا۔ اب کہاں سے لاؤں۔

پھر یہ کہ وہ کمائی کرنے کے لیے دن بھر گھر سے باہر رہتا ہے۔ گھر کے بچوں کا واسطہ گھر والی ہی سے پڑتا ہے۔ وہ اسی کے سر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ساری کی ساری ذمہ داری گھر والی پر ہی آ جاتی ہے۔ گھر والی سلیقہ شعار اور سمجھدار ہوتی ہے تو وہ آنے والے تہوار پر پہلے سے نظر رکھتی

لوگوں نے جواب دیا۔
"ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت کا حق ادا فرمادیا، آپ نے رسالت کا حق ادا فرمادیا
اور آپ نے ہماری خیرخواہی فرمائی۔"

یہ سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمے کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا:۔
• اے اللہ! گواہ رہنا • اے اللہ! گواہ رہنا • اے اللہ! گواہ رہنا

نوٹ: حضور کے اسی خطبے کے یہ جستہ جستہ جملے ہیں، ان کو سننے والوں نے یاد رکھا اور دوسروں سے بیان
کیا، انھیں یہاں ایک جگہ ترتیب دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس خطبے کا مفہوم ہمارے دلوں میں بٹھادے
اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (ادارہ)

صفا و مروہ کعبے کے پاس دو پہاڑیاں تھیں (اب انھیں برابر کر کے مسجد حرام کے فرش سے ملا دیا گیا ہے
اور ان کی جگہ نشان بنادیا گیا ہے) انکے درمیان دوڑنا ان مناسک میں سے تھا جو اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے حضرت
ابراہیم کو سکھائے تھے۔ بعد میں جب مکے اور آس پاس کے تمام علاقوں میں مشرکانہ جاہلیت پھیل گئی تو
صفا پر "اساف" اور مروہ پر "نائلہ" کے استھان بنالیے گئے اور انکے گرد طواف کا رواج پڑ گیا۔ پھر جب نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام کی روشنی عرب والوں تک پہنچی تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ سوال کھٹکنے لگا کہ صفا اور
مروہ کے درمیان سعی (دوڑنا) حج کے اصل مناسک میں سے ہے یا مشرکانہ رسم؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے
آیا: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ "یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔" یعنی یہ مشرکانہ رسم نہیں
ہے۔ اس آیت کے نزول سے مسلمان پورے اطمینان کے ساتھ دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرنے لگے اور
اب تک کر رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

گھر والیوں کے بارے میں ہیں۔ دیندار گھر والیاں ان استغاثوں سے بڑھ کر کچھ ادا کرتی ہیں۔ دیندار خواتین تہواروں کے مقصد سے واقف ہوتی ہیں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر خدا اور رسول کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تہوار کے موقع پر اپنے ہی تن کی طرف نہ دیکھے۔ پاس پڑوس اور محلے کے غریبوں، بیواؤں، یتیموں کا بھی خیال رکھے۔ چنانچہ دیندار گھر والیاں کوشش کرتی ہیں کہ جو کپڑا انھوں نے اپنے بال بچوں کے لیے اکٹھا کر رکھا ہے اس میں سے اس طرح جوڑے بنائے جائیں کہ محلے کے کسی یتیم کا تن بھی ڈھک جائے۔

ایسی دیندار گھر والیاں محلے میں اس طرح نمایاں ہوتی ہیں جیسے گلاب کی ٹہنی میں کھلا ہوا پھول نمایاں ہوتا ہے۔ ایسی دیندار گھر والیاں جس طرح اپنے بچوں کی ماں ہوتی ہیں۔ اسی طرح محلے کے ہر یتیم کی بھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ جس بچے کا کوئی نہیں ہوتا ہے اس کی کفالت یہ دیندار خواتین کرتی ہیں۔ وہ غریب جو سلائی پر کپڑے نہیں سلا سکتے، ان کے کپڑے سینے کے لیے درزی کی دکان کے بدلے ان دیندار گھر والیوں کے پاس جاتے ہیں۔ اور اللہ کی یہ بندیاں راتوں کو جاگ جاگ کر ان غریبوں کو اللہ کی رضا کا ذریعہ بناتی ہیں۔

تہواروں کے موقع پر دراصل دیندار گھر والیوں کا کردار ہی ایک سچے مسلمان کا کردار ہوتا ہے۔ ورنہ جو شخص عام دنوں کی طرح تہوار کے دن بھی اپنے ہی تن کا خیال رکھتا ہے۔ اسے سوچنا چاہیے۔ کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری کیا ہے۔ اس موقع پر یہ حکایت ذہن میں ضرور رہنا چاہیے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ایک ہی جگہ دو صوفی اپنے اپنے مریدوں کے ساتھ جمع ہو گئے۔ آپس میں باتیں ہونے لگیں تو بات قناعت تک پہنچی ایک صوفی نے دوسرے صوفی سے پوچھا۔ آپ نے اپنے مریدوں کو قناعت کا کیا مطلب بتایا ہے۔ اس نے جواب دیا۔

میں نے بتایا ہے کہ اگر اللہ دے تو کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو اور نہ دے تو صبر کرو۔

یہ سنکر پہلے صوفی صاحب نے کہا۔ ہمارے

رکھتی ہے۔ شوہر کی آمدنی کے مطابق بجٹ بناتی ہے۔ اور اس پر سختی سے عمل کرتی ہے۔ بجٹ کے مطابق خرچ کرنے میں گھر والیاں عجیب و غریب طریقوں سے کام لیتی ہیں۔ میری ایک رشتہ دار خاتون کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سوجھ بوجھ دی ہے کہ وہ گھر کے پرانے کپڑوں کو کانٹ چھانٹ کرا کر پھر انھیں رنگ کر اس طرح کام میں لاتی ہیں کہ اگر اسی قدر کپڑے تیار کرنے پہنے سرے سے پیسہ خرچ کیا جائے تو اس گھر کے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

تیوہار کے موقع پر گھر کے ہر فرد کے لیے کپڑوں کا بنانا، تیوہار کے موقع پر مہمانوں کا آنا۔ تیوہار کے موقع پر خود دوسری جگہوں پر جانا۔ گھر کے بچوں، گھر کے بڑوں اور رشتہ داروں کے لیے کچھ تحفے اور عیدی کے طور پر پیسے دینا۔ کھانے پکانے پر صرف کرنا وغیرہ یہ سب گھر والی کے ذمہ ہوتا ہے۔ سمجھدار عورت اس ہنگامی موقع کے لیے پہلے سے تیاری کرتی ہے اس ہنگامی خرچ کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنے مرد کی کمائی میں مددگار بنتی ہے۔ سلائی کڑھائی وغیرہ کر کے کچھ کما لیتی ہے۔ تیوہاروں کے دن کے لیے پہلے سے کبھی کسی بچے کے لیے کبھی کسی رشتے کے لیے اور کبھی شوہر کے لیے دو دو چار میٹر کپڑا لے کر رکھ لیتی ہیں۔ اسی طرح تیوہار کے دن کھانوں کا انتظام بھی وہ پہلے ہی سے کر رکھتی ہے۔ چپکے چپکے جوڑ جوڑ کر رکھتی جاتی ہے تیوہار سے کچھ دن پہلے مشین لے کر بیٹھتی ہے گھر والوں کے کپڑے کاٹتی اور سیتی ہے۔

اس دوران میں سمجھدار گھر والی چھوٹے بڑے تمام بچوں کو یہ تلقین کرتی رہتی ہے کہ اللہ جو کچھ دے۔ صبر و شکر کے ساتھ اُسے قبول کرنا چاہیے میں نے اپنی ان رشتہ دار خاتون جن کا ذکر اوپر کیا۔ عید کے موقع پر بچوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حالات سُناتے ہوئے پایا۔ وہ زبانی بھی بزرگوں کے قصے سنایا کرتی ہیں۔ اور بڑے بچے یا بڑی بچی سے کہتی ہیں کہ کتاب سے پڑھ کر سنائے۔ چونکہ ماں کی محنت اور دلسوزی بچوں کے سامنے ہوتی ہے اس لیے میں نے جتنا مطمئن اس گھر کو پایا۔ تیوہار کے موقع پر امیر سے امیر گھرانے کو نہیں پایا۔

یہ انتظامی باتیں جو اوپر عرض کی گئیں۔ عام

ایامِ حج میں

میرے روزے اور میری نماز

شاہینہ پروین بنت ابرار صغیر احمد سنبھل مرادآباد

یہ ایک چھوٹی بچی کا چھوٹا سا مضمون ہے۔ پچھلے سال اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کو گئی تھی۔ اس نے وہاں جو کچھ دیکھا اور راستے میں جو کچھ گزرا اُسے سادہ انداز میں لکھ دیا۔ تحریر کا بھولا پن اور اس کی سادگی پھر اسلامی جذبہ اس مضمون کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچی اور اس کے والدین کا حج قبول فرمائے۔ آمین۔ (مدیر)

سمندری تھپیڑوں نے ہمارے دوسرے بحری جہاز نور جہاں کو خطرے میں ڈال دیا۔ ابھی بمبئی سے پانچ سو میل ہی چلے تھے کہ جہاز کے دسی کلاس ڈیک میں بڑی تیزی سے پانی بھرنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اسباب و سامان پانی میں تیرنے لگا۔ حجاج نکل نکل کر اوپر کو بھاگ آئے۔ رات کے دس بجنے کے بعد تمام مسافر سو گئے تو معلوم ہوا کہ اندر کی صفائی ہو رہی ہے۔ صبح اٹھے تو معلوم ہوا کہ جہاز قریب ۸۰ میل

یہاں کتوں کا یہی طریقہ ہے۔ وہ پاتے ہیں تو کھاتے ہیں۔ نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں۔
پوچھا گیا کہ آپ نے قناعت کا کیا مطلب اپنے مریدوں کو بتایا ہے فرمایا کہ اللہ دے تو خود بھی کھاؤ۔ دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اور اگر اللہ نہ دے تو اس کا شکر ادا کرو۔ اور اس سے صبر کی توفیق طلب کرو۔ دوسرے صوفی نے تسلیم کیا کہ قناعت کا یہی مطلب ہے۔

قابل مبارکباد وہ گھر والیاں ہیں جو اپنی خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کرتی ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

کاروبار اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ رمضان کا پورا مہینہ ہم نے بھی اسی طرح گزارا۔ حرم میں لوگ ہر طرف تلاوت قرآن میں مصروف نظر آتے یا علماء کی تقریروں میں بیٹھے ہوتے ہیں جو حرم کے مختلف حصوں میں ہوتی رہتی ہیں۔

حرم میں روزہ کشائی کا منظر بھی واقعی ایک ایسا منظر ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ خانۂ کعبہ کے گرد ہزاروں آدمی صفیں باندھے بیٹھے ہیں۔ ہزاروں قرآن خوانی کر رہے ہیں اور سینکڑوں طواف کعبہ میں مصروف ہیں۔ اذان سے کچھ دیر پہلے عورتوں کا طواف بند کر دیا جاتا ہے۔ عورتوں کے لئے پیچھے الگ جگہ بنی ہوئی ہے جہاں صرف عورتیں ہی بیٹھتی ہیں۔ عورت اور مرد سب ایک ساتھ طواف کرتے ہیں۔ افطار کے ٹائم ہر کوئی اپنا کھانا بانٹ کر کھاتا ہے۔ خاص کر زمزم اور کھجوریں تو سبھی کے حصہ میں آتی ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں اور دن بھر کی بھوک پیاس کے بعد ایسے صبر و شکر کے ساتھ روزہ کھلتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت مل گئی۔

نماز تراویح کے بعد وتر رات کے آخر میں جماعت سے ہوتی ہے۔ پہلے تو ہم کچھ نہ سمجھ سکے پھر معلوم ہوا اب اس کے بعد الحمد للہ وہ جماعت کبھی ناغہ نہیں ہوئی۔ یہ جماعت ہماری گھڑی کے وقت کے مطابق بارہ بجے شروع ہوتی تھی۔ اس میں صرف آٹھ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ پہلی تراویحوں سے فرق اتنا تھا کہ اس وقت پارے دو سے زیادہ پڑھے جاتے تھے۔ لیکن انداز قرأت کا ویسا ہی تھا جیسا کہ عام تراویح میں تھا۔ دس راتوں میں یہ تراویح شرقی امام عبداللہ خلیفی نے پڑھائی۔ ان کا ایک ایک لفظ دل میں پیوست ہوتا جاتا تھا۔ پانچ پانچ سات سات منٹ ایک ایک رکن لے لیتا تھا۔ عجیب عالم جماعت پر طاری ہو جاتا۔ سجدے میں گرنے کے بعد پیشانی اٹھانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ جو بھی ان نمازوں میں شریک ہو گیا وہ کبھی اس لذت کو نہیں بھلا سکتا۔ اور پھر وتروں میں امام کی دعا تیسری رکعت میں رکوع کے بعد کی حالت قیام میں۔ اللہ اللہ کیسا درد تھا امام کی آواز اور انداز میں۔ اور پرکیف تھا وہاں کا ماحول اور کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک نہ برسا رہی ہو۔ خاص طور سے ختم قرآن کی رات تو بہت ہی پرکیف دعا ہوئی۔ کسی کا دل نہیں کہتا تھا کہ دعا ختم ہو۔ بہرحال اس کا بھی وقت مقرر تھا۔ سلام کے بعد سب قیام گاہوں کو واپس لوٹتے

پیچھے واپس آگیا ہے اور اب رکا ہوا ہے۔ رات بھر کپتان اپنے اسٹاف کے ساتھ جہاز کی مرمت میں لگا رہا ایک فیشن پلیٹ ٹوٹ گیا تھا۔ دو انچ موٹی لکڑی کا بنا ہوا جہاز کا ایک تختہ ٹوٹ کر بہہ گیا اور پانی کے داخلے کا راستہ بن گیا تھا۔ جہاز ڈوبنے والا تھا۔ مسلسل بعد و جہد کے بعد باہر سے دوسرا تختہ لگا کر سوراخ کو بند کیا جا سکا۔ پانی کی صفائی ہوتی۔ لیکن اب اس کلاس میں اتنی شرانت تھی کہ اپنا سامان لانے کے لئے کوئی شخص بھی آمادہ نہیں تھا۔ لوگوں کے بہت سارے سامان گم بھی ہو گئے تھے۔ سمندر میں طوفان کی وجہ سے ہمارا جہاز گیارہ دن میں جدہ پہنچا۔ میٹھا پانی ختم ہو جانے کی وجہ سے جہاز عدن بھی گیا۔ الشا اللہ عدن بھی کیا خوب ہے شفق کی لالی میں بہت ہی پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ خدا کی قدرت کہ اس نے سمندر پر کتنا خوبصورت ملک بسا رکھا ہے۔ راستے میں چکر وغیرہ بھی بہت آتے۔ خداوند کریم نے اپنے فضل وکرم سے ہم لوگوں کو ۱۳ر جولائی ۱۹۸۰ء کو جدہ پہنچا دیا۔

جدہ اترتے پر معلوم ہوا کہ آج پہلا روزہ تھا۔ ایک روزہ جدہ میں گزارا۔ رات کو عشاء کے بعد معلم کی بس سے مکے کو روانہ ہو گئے۔ معلم نے سبھی کو سحری کھلاتی۔ پھر طواف اور سعی کے لئے معلم کے ملازم حرم کے لئے ہم کو لے کر چل دیئے۔ ہر ایک کی زبان پر یہی کلمہ تھا۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

"میں حاضر ہوں۔ اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بیشک ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں اور ساری بادشاہی بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں"

اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اپنے فضلِ خاص سے رمضان المبارک مکہ مکرمہ میں گزارنے کا موقع دیا۔ رمضان کی تیسری تاریخ کو ہم وہاں پہونچ گئے تھے۔ نماز تراویح ہو چکی تھی۔ مکے کی رات رات نہیں گویا دن تھا بڑی چہل پہل تھی۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ دفاتر اور سرکاری کام بھی تمام رمضان رات کو ہی ہوتے ہیں۔ سحری کے ساتھ سب کاروبار بند ہو جاتے ہیں اور دن کو سہ پہر کے بعد دکانیں وغیرہ کھلتی ہیں۔ رات بھر لوگ

میں تو غیرملکوں میں بھی ایڈجسٹ ہو کر رہ گئی۔ تھوڑی دیر کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں مکہ مکرمہ میں ہی رہ گئی ہوں۔

مکہ میں گرمی بہت تیز ہے۔ ویسے بھی عرب گرم ملک ہے۔ جس شام ہم مکہ پہنچے رمضان میں تو چل ... رات کو بھی کافی گرمی ہوتی۔ روزہ خوب مزہ دار گزرا۔ وہاں پر غریب سے غریب لوگوں کے گھر بھی ... ایئرکنڈیشن ضرور ہوتا۔ بغیر ایئرکنڈیشن کے وہاں گزارا نہیں۔ گرمی بہت سخت تھی۔ اس کے باوجود دن ... اچھی طرح گزر گئے اور ہم ارکان حج سے سبکدوش ہو کر وطن واپس آ گئے۔

میری ہر بھائی بہن کے لئے یہی دعا ہے کہ خداوند کریم ہر کسی کو حج نصیب فرماتے اور ہمارے ساتھ ... لوگوں نے بھی حج کیا سبھی کا حج قبول کرے۔ آمین ثم آمین ■

غزل

باغ و بہار میں، نہ کسی بارگاہ میں
وہ لطف جو ملا ہے مجھے ایک آہ میں

طوفان بجلیوں کا بپا جلوہ گاہ میں
کس نے نگاہ ڈال دی کس کی نگاہ میں

محلوں میں محفلوں میں نہ تو خانقاہ میں
جاتا ہوں اب ملوں گا کہیں رزمگاہ میں

جو اپنے گھر کو پھونک دے خود اپنے ہاتھ سے
وہ میرے ساتھ آئے محبت کی راہ میں

کس درجہ خوش ہوا تھا کے یوسف کے بھائیو
پھر آج بھی نہ ہو کوئی یوسف ہے چاہ میں

ساقی یہ تونے کیا کیا؟ اے بندۂ خدا!
تو اور بندگانِ خدا کی پناہ میں

کانٹے گلوں کے ساتھ گلے سے لگا لیے
پھر بھی گلہ ہے مجھ سے کمی ہے نباہ میں

زانوئے یار پر نہیں، مائل کے دوستو!
اب اس کا سر تلاش کرو قتل گاہ میں

...ن خیرآبادی

■

پھر [illegible] توپ چلتی [illegible] پھر حرم واپس آجاتے. جیسا بھرا ہوا آدمیوں [illegible] حرم کو چھوڑ کر جاتے ویسا [illegible] بھرا پاتے [illegible] کی نماز سے فارغ ہو کر آرام کے لئے قیام گاہ چلے جاتے [illegible] طرح رمضان المبارک کا پورا مہینہ پلک جھپکتے گزر گیا اور عید کے چاند کا اعلان ہوا. ادجاء العید، جاء العید (عید آگئی، عید آگئی) کا ہر طرف شور بلند ہوا.

مکے میں چاروں طرف پہاڑ ہونے کی وجہ سے رویت ہلال وقت پر ہوتی ہی نہیں. باہر کی خبر پر عمل کیا جاتا ہے. ہلال کی خبر اس شام جب کہ تراویح کی دوسری رکعت ہو رہی تھی، توپوں کے چھوٹنے سے ملی۔ اس رات تراویح چار ہی ہوئیں. اس کے بعد وتر وغیرہ پڑھ کر لوگ عید کی خوشیاں منانے لگے۔

سبھی ایک دوسرے سے مصافحہ کر رہے تھے. عید کی نماز کے لئے لوگ بہت صبح سے ہی آنے شروع ہو جاتے ہیں. سورج نکلنے کے بعد آنے والوں کو جگہ مشکل سے ملتی ہے. ان کو حرم کے باہر نماز پڑھنی پڑتی ہے. نماز کے بعد سبھی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں.

حرم میں مختلف لوگوں سے ملاقات ہوئی. خدا کی قدرت اس نے کیسے کیسے مختلف قسم کے لوگ پیدا کئے ہیں. انڈونیشیا کے لوگوں سے ملاقات ہوئی. ان کی زبان تو سمجھ میں نہیں آتی. بلکہ ان میں جو پڑھی لکھی ہوتی ہیں وہ انگریزی بھی بول لیتی ہیں. وہ انگریزی میں بات کرتی ہیں. وہ انڈیا کے بارے میں معلومات کرتی ہیں. تاریخی عمارتوں کو بڑی دلچسپی سے معلوم کرتیں. خاص کر تاج محل باتوں کا مرکز ہوتا. کس نے بنوایا، کیوں بنوایا سبھی معلوم کرتیں. میں ساری باتوں کو بہت اچھی طرح سے بتلاتی. وہ بہت خوش ہوتیں. انڈونیشیا کے بارے میں بھی بتلاتیں. کئی انڈونیشینیں میری دوست بھی بن گئیں. ترکی لوگوں کی زبان کچھ سمجھ میں آجاتی. وہ ہم سے ترکی چلنے کو کہتیں اور مل کر بہت ہی خوشی محسوس کرتیں. حبشی لوگ عربی بولتے ہیں. ہم سے بھی تھوڑی بہت عربی آگئی جس کے سہارے ان سے بھی بات ہو جاتی. یہ لوگ کالے بہت ہوتے ہیں اور اپنے سروں سے رومال باندھے رہتے ہیں. نماز کے خاتمہ پر بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہیں اور بہت ہی خوش ہوتے ہیں افریقہ، انگلینڈ وغیرہ کے لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی. غرض کہ خدا نے دنیا بھر کے لوگوں کو دیکھنے کا موقع بخشا.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے ایک بہت بڑے رسول گزرے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ ان کو یہودی بھی مانتے ہیں، عیسائی بھی مانتے ہیں، ہندو بھی مانتے ہیں اور مسلمان بھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے حالات ہر مذہب کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، کہیں کم کہیں زیادہ۔

قرآن پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات بڑے پھیلاؤ کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ یہی حالات ہم قرآن کا مطالعہ کرکے لکھ رہے ہیں۔

وطن

آپ ایشیا کا نقشہ اپنے سامنے رکھئے۔ ہندوستان کے پچھم میں بحیرۂ عرب ہے۔ بحیرۂ عرب کے اوپر اُتر میں ملک عرب اور فارس کے بیچ ایک کھاڑی ہے۔ اس کا نام خلیج فارس ہے۔ فارس کی کھاڑی کے اوپر دیکھئے، بندرگاہ بصرہ ہے۔ بصرہ کے آگے بڑھ کر ایک جگہ دجلہ اور فرات دو دریا آکر مل جاتے ہیں۔ دجلہ اور فرات کے سنگم کے بائیں طرف دریائے فرات کے کنارے "اُر" ایک شہر تھا۔ یہی شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن تھا جس کا اب نام ہی رہ گیا ہے، نشان ندارد۔

کچھ اُر کے بارے میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لگ بھگ دو ہزار ایک سو (۲۱۰۰) برس پہلے یعنی آج سے چار ہزار برس سے زیادہ دن ہوتے، اُر کا شہر بڑی ترقی پر تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کی آبادی ڈھائی لاکھ سے بڑھ کر پانچ لاکھ تک ہو گئی تھی۔ دور دور تک اس شہر کا نام مشہور تھا۔ پورب میں پامیر اور نیلگری سے اور اُتر پچھم میں اناطولیہ سے طرح طرح کا تجارتی مال یہاں آتا پھر یہاں سے دوسری جگہوں پر جاتا۔ اس طرح اُر تجارت کی بہت بڑی منڈی بن گیا تھا۔ ملک کا صدر مقام

حاصل مطالعہ

انسان بڑا ناشکرا ہے

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کسی بلی کو آپ اپنی خوشی سے گوشت کا ٹکڑا دیتے ہیں تو وہ بڑے اطمینان سے آپ کے سامنے ہی کھانے لگتی ہے لیکن اگر یہی ٹکڑا اس نے چھین کر یا چرا کر لیا ہوگا تو اُسے لے کر کہیں دور چلی جائے گی اور بڑی تیزی سے کھانے کی کوشش کرے گی اور آپ کی طرف دیکھتی بھی جائے گی کہ آپ کا ردعمل کیا ہے؟ کہیں آپ اس تک پہنچ کر یہ ٹکڑا اس سے چھین نہ لیں!

کیا اس کے صاف یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ جانتی ہے، پہلا گوشت کا ٹکڑا جو آپ نے خود دیا تھا اس کا حق ہے اور دوسرا جو جھپٹ کر لے گئی ہے، ناجائز ہے۔ کیا یہ ایک بلی کے حق و باطل اور حرام و حلال میں فرق محسوس کرنے کے لئے واضح دلیل نہیں ہے؟

اسی طرح کتا جب کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اپنے مالک کے قریب آکر اس کا جسم چھوتا اور پیر چاٹتا ہے گویا اس سے اپنے کام کا صلہ مانگ رہا ہے۔ اور جب کوئی غلطی کرتا ہے تو مالک کے قریب بھی نہیں آتا دُور کھڑا دم ہلاتا رہتا ہے گویا غلطی پر معذرت خواہ ہے یا سزا کا منتظر۔

لیکن

إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ. انسان کتنا بڑا ناشکرا ہے۔ اسے جب اللہ دیتا ہے تو اس کا شکر نہیں ادا کرتا اور جب کہیں چوری کر کے چیز چھپا لیتا ہے تو اس سے نہیں ڈرتا جبکہ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ہم نے (اللہ نے) اچھے اور برے دونوں راستے صاف صاف اسے دکھا دیئے۔ (اسلام کا عام فہم تعارف ص ۲۲،۲۱)

سب سے اونچے لوگ چندنسی کہے جاتے تھے۔ الگ الگ شہروں اور خاتون کے الگ الگ خدا تھے۔ ان خداؤں میں ہر شہر کا ایک بڑا خدا مانا جاتا تھا۔ ہر شہر کا ایک رب البلد (شہر کا خدا) یا رئیس الآلہہ خدائے خدائیگان (سارے خداؤں میں سب سے بڑا۔ مہادیو) تھا۔ ار کا سب سے بڑا خدا رب البلد یا مہادیو ننار (چندر دیوتا) تھا۔ عرب کے لوگوں نے اس کا نام قربہ رکھا تھا کیونکہ عربی میں قمر کے معنے ہیں چاند۔ اُس کے بعد دوسرا بڑا شہر لرسہ تھا۔ اس کا رب البلد اور مہادیو "شماش" یعنی سورج دیوتا تھا۔ ننار (چاند دیوتا) اور شماش (سورج دیوتا) کے ماتحت ہزاروں چھوٹے چھوٹے خدا تھے جو زیادہ تر تاروں اور سیاروں کے دیوتا اور مالک و مختار مانے جاتے تھے یا پھر زمین کے خداؤں میں سے تھے یعنی ہوا کا دیوتا، پانی کا دیوتا، بادل کا دیوتا، پہاڑوں کا دیوتا، دریاؤں کا دیوتا وغیرہ۔ لوگوں نے آسمانی اور زمینی دیوتاؤں کے بت بنالئے تھے اور انہی بتوں کے آگے اپنی مرادیں اور حاجتیں پیش کرتے تھے۔ انہی کے حضور دعا کرتے انہی کو پوجتے اور انہی کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ ان کی یہ کیفیت آج کے ان مسلمانوں سے ملتی جلتی تھی جنھوں نے قبروں کو بت بنالیا ہے اور ان پر چڑھاوے چڑھا کر انہی سے مرادیں مانگتے ہیں۔ آج کے یہ مسلمان ار اور لرسہ کے لوگوں سے زیادہ چالاک ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم مانتے تو اللہ ہی کو ہیں لیکن یہ پیر صاحب اور حضرت جی ہمارے اور اللہ کے درمیان واسطہ ہیں۔ ان کو خوش کئے بغیر اللہ بھی راضی نہ ہوگا۔

ملتی جلتی بات یہ ہے کہ آج کے ان مسلمانوں کی مرادیں بھی ان سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ یا پیر دستگیر! ہم مقدمہ جیت جائیں، یا حضرت غوث! ہمارے نام لاٹری نکل آئے، فلاں سے شادی ہو جائے، ہمارے گھر کا بھوت بھاگ جائے۔ کیا کسی نے یہ مراد بھی سُنی کہ ہم کو نماز کی توفیق مل جائے، ہم کو علم دین حاصل کرنا آسان ہو جائے، دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو جائے وغیرہ

ننار کی شان

ننار کا بت ار میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ اس کے قریب ننار کی بیوی "من گل" کا معبد (عبادت گاہ۔ مندر) تھا۔ ننار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجارن جا کر اس کی

(راجدھانی) یہی شہر تھا۔ اُر جس ریاست کی راجدھانی تھا وہ ریاست بہت بڑی تھی۔ لوگوں کا پیشہ عام طور پر تجارت تھا۔ ہر طرح کے کاریگر یہاں پائے جاتے تھے۔ یہاں کے لوگ کاروبار میں بڑے پکے اور منجھے ہوئے تھے اپنا تجارتی راز کسی کو نہیں بتاتے تھے۔ ایک دوسرے سے چوکنا رہتے۔ چھوٹے بڑے سب کو یہی دھن رہتی کہ زیادہ سے زیادہ دولت کمائیں اور زندگی کے مزے لوٹیں۔ دولت بڑھانے کے لئے سود کا کاروبار بڑے زوروں پر تھا۔ آپس میں خوب مقدمہ بازیاں کرتے تھے۔ یہاں کے لوگوں کی دل کی بات کا پتہ اُن کی اُن دعاؤں سے لگتا ہے جو وہ اپنے اپنے خداؤں سے کیا کرتے تھے۔ ان کی دعا یہ تھی * بھگوان! ہم کو زیادہ سے زیادہ دولت دے * اے خدا! ہم مقدمہ جیت جائیں * سے پربھو! ہم کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک زندہ رکھ اور ہمارے لئے دولت حاصل کرنے کی آسان راہیں پیدا کر دے۔

رہن سہن اور دین دھرم

جس طرح ہمارے ملک میں لوگ چار ذاتوں (برہمن، چھتری، ویش اور شودر) میں بنٹے ہوئے ہیں اور انسانوں انسانوں کے درمیان اونچ نیچ پائی جاتی ہے اسی طرح اُر کے لوگ تین ذاتوں میں بنٹے ہوئے تھے:-

① **عمیلو:-** یہ ذات پات، مان دان اور رہن سہن میں سب سے اونچے مانے جاتے تھے۔ اس ذات شریف میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک تو پروہت اور پجاری اور دوسرے وہ لوگ جو حکومت کے عہدیدار اور فوجی افسر تھے۔ یوں سمجھئے کہ عمیلو میں برہمن اور چھتری شامل تھے۔

② **مشکینو:-** اس میں تجارت کرنے والے، کاریگر اور کھیتی باڑی کرنے والے لوگ تھے۔ یہ دوسرے درجے کے لوگ تھے جیسے ہمارے یہاں برہمن اور چھتری کے بعد تیسرے درجے کے ویش ہوتے ہیں۔

③ **اُردُو:-** یعنے غلام، شودر، کمین لوگ۔

چندر بنسی اور سوریہ بنسی

جس طرح ہمارے ملک میں ہزاروں دیوی دیوتا خدا کی طرح پوجے جاتے ہیں اسی طرح وہاں بھی ہزاروں خدا تھے اور جس طرح ہمارے ملک میں چھتری اپنے کو سورج اور چاند کی اولاد سمجھتے ہیں اور چندر بنسی اور سوریہ بنسی کہلاتے ہیں اسی طرح اُر کے

کے بعد دوسرے نمبر پر تھا لیکن مالداری کے لحاظ سے اس سے بھی بڑا تھا۔

بت پرستی کے اس ماحول میں، دولت کے حریص لوگوں کے درمیان، اُن کے سب سے بڑے پروہت آزر کے گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوتے۔ اسی گھر میں پلنے لگے جس میں رات دن مورتیاں بنائی جاتیں اور بیچی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے منصوبے میں ابراہیم کا نام نبیوں میں لکھا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت بھی صالح بنائی تھی۔ وہ مورتیاں بنتے دیکھتے تو بچپنے ہی میں بڑے بھولے پن کے ساتھ باپ سے پوچھتے، "آپ کیا بنا رہے ہیں؟" باپ کہتا "میں لوگوں کے لئے خدا تراشتا ہوں۔" ابراہیم پھر پوچھتے "ان خداؤں کا کیا کام ہے؟" آزر بتاتا "یہ خدا لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنیوالے اور مرادیں برلانیوالے ہیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی۔ وہ دل ہی دل میں کہتے "یہ کیسے خدا ہیں جن کو آدمی تراشتا ہے۔ یہ خدا تو خود بے بس ہیں۔ یہ خود دوسروں کے محتاج ہیں۔ یہ لوگوں کی ضرورتیں کیسے پوری کر سکتے ہیں؟" یہ بات باپ کے سامنے زبان پر بھی آجاتی تو آزر کو اس وقت بہت گراں اور بری لگتی جب وہ لوگوں سے خداؤں کا سودا کرتا ہوتا۔ وہ بیٹے کو ڈانٹ دیتا "خبردار! اگر آئندہ ایسی بدتمیزی کی بات کی تو تجھ کو بری طرح سزا دوں گا۔"

حضرت ابراہیم بچپن میں اس بات کو سمجھنا چاہتے تھے اور باپ ڈانٹ ڈپٹ کرتا تھا۔ وہ بڑے پریشان تھے۔ کچھ اور بڑے ہوتے تو ایک دن اس سے بڑی جرأت کے ساتھ کہہ دیا:

"باپ! کیا آپ بتوں کو خدا بناتے ہیں؟ میں تو آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔" قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ ءَازَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا ءَالِهَةً ۖ إِنِّىٓ أَرَىٰكَ وَقَوْمَكَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝ (سورۃ الانعام: ۷۴)

"ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا "کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔"

دلہن بنتی تھی. مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (Religious Prostitutes) کی سی تھی۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت (کنوارپن) قربان کر دے۔ کم سے کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو "راہِ خدا" میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لئے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کرنا زیادہ ضروری نہیں کہ اس مذہبی قحبہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پجاری حضرات ہی ہوتے تھے۔

ننار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار، سب سے بڑا تاجر، سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس کے مندر کے لئے وقف تھیں۔ اس جائداد کی آمدنی کے علاوہ کسان، تجار، زمیندار سب ہر قسم کے غلے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لاکر مندر میں نذر کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لئے مندر میں ایک بڑا اسٹاف موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تجارتی کاروبار بھی بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا۔ یہ سب کام دیوتا کی نیابت میں پجاری ہی انجام دیتے تھے۔ پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی ننار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ ننار تھا اور فرماں روائے وقت اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کی مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

(بحوالہ تفہیم القرآن جلد اول سورۃ انعام صـــ۵۵۵ حاشیہ ۵۲)

حضرت ابراہیمؑ کا باپ۔ آزر

حضرت ابراہیمؑ کا باپ آزر سب سے اونچی ذات کے عیلو خاندان سے تھا۔ آزر ریاست کا سب سے بڑا پروہت تھا۔ وہ چڑھاوے اور نذرانے وصول کرتا اور بت ساز و بت فروش بھی تھا۔ وہ مورتیاں بناتا تھا اور بیچتا تھا۔ ان مورتیوں کی منہ مانگی قیمت وصول کرتا تھا۔ بت فروشی اور نذرانوں سے اس کی آمدنی اتنی ہوتی تھی کہ اتنی آمدنی ریاست کی بھی نہ تھی۔ آزر عزت و احترام اور آدر سَتکار کے لحاظ سے اُر کے بادشاہ نمرود

ترجمہ: میں آپ کے لئے معافی ضرور چاہوں گا اور میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے کہ آپ کو
اللہ کی پکڑ سے بچاؤں۔

حضرت ابراہیمؑ باپ کے لئے دعا کرتے رہے کہ اے اللہ! میرے باپ کو معاف کردے۔ بیشک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور اس دن مجھے رسوا نہ کر جبکہ سب انسان اٹھائے جائیں گے، جبکہ نہ مال کسی کے کام آئے گا اور نہ اولاد۔ نجات صرف وہ پائے گا جو اپنے خدا کے حضور بغاوت سے پاک دل لے کر حاضر ہوا ہو (سورۃ شعراء، آیت ۸۷)

حضرت ابراہیمؑ باپ کے لئے یہ دعا کرتے تھے لیکن جب یقین ہوگیا کہ وہ خدا کا کھلم کھلا باغی ہے تو اس کے لئے دعا کرنا چھوڑ دی اور خدا کے باغی کی ہمدردی سے باز آگئے۔

دعوتی مہم

گھر سے نکلنے کے بعد انھوں نے بناوٹی دیوتاؤں اور شرک کے خلاف مہم شروع کردی۔ لوگوں کے سامنے بڑی اٹوٹ دلیلوں سے ثابت کرتے کہ جن کو تم نے خدا مان رکھا ہے وہ خدا نہیں ہوسکتے۔ قرآن میں اسی طرح کی حکمت و تبلیغ کی مثالیں ہیں۔ ایک ملاحظہ فرمائیں:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

ترجمہ: پھر جب اس پر رات چھا گئی، اس نے ایک تارا دیکھا۔ بولا: یہ ہے میرا رب۔

اُن کے لوگ سورج اور چاند کے علاوہ تاروں کو بھی دیوتا اور معبود مانتے تھے۔ تو پہلے تارے کو نشانہ بنایا:

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فوراً اُس عقیدے پر چوٹ کی۔ فرمایا "ڈوب جانے والوں کو خدا ماننا میں پسند نہیں کرتا۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۔ پھر جب چاند چمکتا ہوا دیکھا تب پھر کہا کہ اچھا یہ میرا رب ہے۔ فَلَمَّآ اَفَلَ پھر جب چاند بھی ڈوب گیا قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ (الانعام: ۷۷) کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا ہوتا۔

آزر کے بعد سب کچھ حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ سب سے بڑے پروہت کی گدی اور بے اندازہ دولت کے مالک وہی ہوتے۔ باپ نے دیکھا کہ بیٹا الٹی باتیں کرتا ہے تو اسے اس کا بھی دکھ ہوا کہ اگر ابراہیمؑ اسی طرح باتیں کرتے رہے تو اس کے کاروبار پر برا اثر پڑے گا۔ اس کے گاہک بدک جائیں گے۔ اور اس کا بھی رنج ہوا کہ اگر ابراہیمؑ نے یہ پیشہ نہ سنبھالا تو ساری دولت کسی دوسرے کے قبضے میں چلی جائے گی۔ تو باوجود اس کے کہ ابراہیمؑ نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی، اس نے ضبط کیا۔ بولا "بیٹے! میرے بعد یہ سب تمہارا ہی تو ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ یہ سب سے بڑی عزت کی گدی اور یہ بے شمار دولت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور دوسرے لوگ اس کے مالک ہوں؟"

شادی

حضرت ابراہیمؑ نے آزر کی نصیحت قبول نہ کی تو اس نے دوسری تدبیر کی۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے مشورہ کیا۔ سب نے کہا کہ اس کا علاج صرف شادی ہے۔ شادی کر دو یہ ہوا نکل جائے گی۔ آزر نے اپنے گھریلو خاندان کی اور اپنے ہی گھرانے کی تمام لڑکیوں سے زیادہ حسین و جمیل لڑکی "سارہ" سے ابراہیمؑ کی شادی کر دی۔ لیکن شادی کے بعد دوسرا گل کھلا:

گھر سے نکال دیا

بیوی سارہ بڑی صالح طبیعت کی تھی۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کا کلمہ پڑھنے لگی۔ پھر بارہ تیرہ برس کا نو عمر بھتیجا بھی چچا کے ساتھ ہو گیا۔ گھر کے اندر ابراہیمؑ کی آواز میں وزن پیدا ہونے لگا۔ یہ حال دیکھا تو آزر نے حضرت ابراہیمؑ کو گھر سے نکال دیا۔ حضرت ابراہیمؑ بڑے نرم دل تھے۔ ان کو باپ سے بڑی محبت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ گمراہی کا انجام کیا ہونا ہے۔ انھوں نے بڑے ادب کے ساتھ کہا:

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ مریم ۴۷

ترجمہ: "آپ کو سلام ہے۔ میں آپ کے لئے اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے وہ میرے اوپر نہایت مہربان ہے۔"

لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ الممتحنہ ۴

ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہیں آؤ گے؟ اور آخر میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جب کہ تم لوگ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوتے نہیں ڈرتے جن کے لئے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی و اطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ حقیقت میں تو امن انہی کے لئے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔"

...ں کو توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس طرح اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھاتے رہے لیکن ان لوگوں کے ذہنوں سے دیوی دیوتاؤں کا ڈر نہ نکل سکا۔ وہ یہی سمجھتے رہے ...ں کی شان میں بے ادبی کرنا اپنی بربادی مول لینا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے صاف صاف بتا دیا کہ ان کو اپنے ہاتھ سے بناتے ہو۔ یہ خود تمہارے محتاج ہیں نہ کہ تم ان کے محتاج ہو۔ ان میں اپنی حفاظت ...نے کی سکت تو ہے نہیں، تم کو کیا نقصان یا نفع پہنچا سکتے ہیں

قوم کے لوگوں نے جب کسی طرح یہ بات نہ سمجھی تو حضرت ابراہیمؑ نے سمجھانے کی ایک آخری کوشش ...دبیر کی۔ انھوں نے بند بند لفظوں میں کچھ لوگوں کے سامنے کہہ بھی دیا:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۷۰)

اور خدا کی قسم میں تمھاری غیر موجودگی میں ضرور تمھارے بتوں کی خبر لوں گا۔

حضرت ابراہیمؑ کو بتوں کی خبر لینے کا موقع اس وقت ملا جب ان کی قوم کے لوگ اپنا قومی تہوار ...نے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نہیں گئے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو آپ مندر میں گھس ...۔ بتوں سے کہا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ (یہ مٹھائیاں سامنے رکھی ہیں) کھاتے کیوں نہیں؟ مَا لَكُمْ ...نْطِقُوْنَ۔ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ تم بولتے بھی نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا چاند کی پوجا کرنے والوں کے لئے قابل غور تھا۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب۔ یہ سب سے بڑا ہے فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام: ۷۸)۔ مگر جب وہ بھی ڈوبا تو حضرت ابراہیمؑ نے بڑے زوردار لفظوں میں کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں ان سب سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا ساجھی سمجھتے ہو۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام: ۷۹)۔ میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اس طرح دلیل کے ساتھ بات آئی تو اُس کے لوگ حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑنے لگے بالکل اسی طرح جس طرح آج مشرک لوگ اور مسلمانوں میں سے آستانوں کے پجاری جھگڑتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے پیارے ہیں۔ یہ اللہ سے سب کچھ منوا لیتے ہیں۔ ان حضرت صاحبان اور دیوی دیوتاؤں کو سب معلوم ہے جو ہونے والا ہے۔ تم ان سے ڈرو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ اس کا جو بھرپور اور منہ توڑ جواب حضرت ابراہیمؑ نے دیا پہلے قرآن کے لفظوں میں سُنئے اس کے بعد ترجمہ سے سمجھئے:

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام: ۸۰، ۸۱، ۸۲)

ترجمہ: اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی تو اس نے قوم سے کہا "کیا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہ راست دکھا دی ہے اور میں تمہارے

ہیں کہ یہ حکم نازل ہوا، مگر وہ اللہ کا بندہ ہو تو ایسا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلا کھجوریں
رت ہاجرہ کو دیں اور وہاں سے چل دیئے۔ حضرت ہاجرہ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بڑی دعاؤں
ے بعد ایک چاند سا بچہ اللہ نے دیا اسے یہاں جہاں کوسوں آدمی کا نام و نشان نہیں اور نہ یہ جگہ رہنے
ے لائق، ایسی سنسان اور ریگستانی جگہ پر چھوڑے جا رہے ہیں۔ وہ پیچھے دوڑیں اور پکارنے لگیں کہ آپ
یں ایسی جگہ چھوڑے جا رہے ہیں جہاں نہ پانی ہے اور نہ سبزہ۔

حضرت ابراہیمؑ نے نہ پلٹ کر دیکھا اور نہ جواب دیا۔ حضرت ہاجرہ نے یہ دیکھا تو سمجھ گئیں کہ شاید اللہ
طرف سے یہی حکم ملا ہے۔ یہ سوچ کر انھوں نے بلند آواز کے ساتھ پوچھا "کیا آپ کو اللہ نے ایسا کرنے
حکم دیا ہے؟" حضرت ابراہیمؑ نے مڑے بغیر جواب دیا "ہاں"۔

حضرت ہاجرہؓ مدت سے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ رہ رہی تھیں اور تربیت حاصل کر رہی تھیں۔ فوراً ہی
اری بات سمجھ گئیں اور بولیں "اگر یہ بات ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔"

حضرت ابراہیمؑ واپس جا رہے تھے۔ تھوڑی دور چل کر ایک پہاڑی کے دامن میں ٹھہرے۔ بیوی
و بچے کی طرف یا اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ کے تجویز کئے ہوئے اس گھر کی جگہ (خانۂ کعبہ) کی
رف رخ کر کے یہ دعا کی:

"رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ
رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ
وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ○ [ابرٰھیم، ۳۷]

ترجمہ: اے ہمارے رب! میں نے ایک ایسی وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو
لا بسایا ہے جہاں نہ پانی ہے اور نہ سبزہ۔ پروردگار! یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز
قائم کریں۔ اس لئے تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا دے اور کھانے کو پھل
دے۔ شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔"

اولاد کے لئے دعا

ابھی تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت سارہ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ بانجھ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت و تبلیغ کرتے کرتے بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کا بدن ٹوٹ چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے میرے رب جس مشن پر تو نے مجھے لگایا ہے اس مشن کے لئے مجھے صالح اولاد عطا فرما جو میرے بعد اس کام کو آگے بڑھائے۔ قرآن میں آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں؛

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (صافات)۔ "اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطا فرما۔" اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور خوشخبری دی؛

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ "تو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی؛"

سوئے حجاز

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ اور حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں سرزمین کنعان میں کچھ دن ٹھہرے۔ یہاں حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے۔

بڑھاپے میں اولاد پائی تو حضرت ابراہیمؑ بہت خوش ہوئے۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ اسی زمانے میں اللہ کا حکم ملا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کے لئے جگہ تجویز کر لی ہے، تم وہاں جاؤ۔ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ۔ اور یاد کرو ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی۔

اللہ کا حکم ملا تو حضرت لوطؑ کو لے کر سدوم پہنچے۔ سدوم ایک مرکزی مقام تھا۔ وہاں چاروں طرف سے قافلے آیا کرتے تھے۔ سدوم کو تبلیغی مقام قرار دے کر حضرت لوط کو ذمہ دار بنایا کہ وہ دعوت و تبلیغ کا کام کریں۔ اس کے بعد واپس آئے اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو لے کر اس گھر کی جگہ کی طرف روانہ ہو گئے جو اللہ نے تجویز کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ ٹھیک اس جگہ پہنچے جہاں اب خانۂ کعبہ ہے۔ حکم ہوا کہ ہاجرہ اور اس چھوٹے بچے کو یہیں چھوڑ دو اور واپس جاؤ۔ حضرت ابراہیمؑ نے مولا کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ دل کی کیا حالت ہوگی، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ بڑھاپے میں اولاد سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئی

لئے حضرت ہاجرہ سے ملے۔ ان سے ٹھہرنے کی اجازت چاہی۔ اجازت مل گئی اور وہ لوگ اس پاس آباد ہو گئے
ز حضرت اسمٰعیل پلتے اور بڑھتے رہے۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا اثر نمایاں ہونے لگا جو انھوں
نے وہاں سے واپس ہوتے وقت پہاڑی کے دامن میں کی تھی۔

آخری اور سب سے بڑی آزمائش

اب تک حضرت ابراہیمؑ پر جتنی آزمائشیں آئیں اللہ تعالیٰ نے ان سب میں کامیاب فرمایا۔
انھوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے باپ اور قوم سے ٹکر لی۔ وطن دولت اور پیدا ہونے
کی گدی کو لات ماری۔ وطن چھوڑا جنگل بیابان مارے مارے پھرے۔ آخر میں جب اللہ تعالیٰ نے
بڑھاپے میں بچہ دیا تو اب ایک اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا

حضرت اسمٰعیلؑ تیرہ چودہ برس کے ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں حضرت ابراہیمؑ بیوی اور بچے سے
ملنے جایا کرتے تھے۔ ایک بار گئے تو انھوں نے نو عمر بیٹے سے کہا، قرآن کے الفاظ میں سنئے:۔

"فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت - ۱۰۲)

ترجمہ: تو جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک دن) ابراہیمؑ
نے اس سے کہا: بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا تیرا
کیا خیال ہے؟ اس نے کہا ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے آپ انشاءاللہ
مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔"

حضرت اسمٰعیلؑ کا کسی جھجک کے بغیر یہ کہنا ثابت کرتا ہے کہ حضرت ہاجرہ نے ان کی بہترین تربیت کی
تھی۔ وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب جھوٹا نہیں ہوتا۔ انھوں نے پوری آمادگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں
قربان ہونے کے لئے خود کو پیش کر دیا۔

چشمۂ زمزم کا ابلنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا مانگ کر واپس چلے گئے۔ یہاں حضرت ہاجرہ اپنے دودھ پیتے بچے کے ساتھ تنہا رہ گئیں۔ کھجوریں اور پانی ختم ہوا تو بھوک پیاس نے ستانا شروع کر دیا۔ یہ سوچ کر کہ شاید کوئی قافلہ کہیں جا رہا ہو تو اس سے پانی مانگیں کبھی صفا پر چڑھ جاتیں اور کبھی مروا پر دیکھتیں۔ صفا و مروا پاس کی دو پہاڑیوں کے نام ہیں۔ اس طرح انھوں نے صفا و مروا کے درمیان سات چکر لگائے۔ کوئی کسی طرف دکھائی نہ دیا۔ آخری بار وہ مروہ پر تھیں کہ ایک آواز سُنی۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ آواز آئے جا رہی تھی لیکن کوئی نظر نہ آ رہا تھا۔ بیتاب ہو کر بولیں "اے شخص! تو نے مجھے اپنی آواز تو سُنا دی، ذرا یہ تو بتا کہ میری پیاس کا بھی تیرے پاس کچھ علاج ہے؟" اچانک جہاں بچہ لیٹا ہوا تھا وہاں نظر ڈالی تو ایک فرشتے کو دیکھا جو اپنی ایڑی سے زمین کرید رہا تھا۔ اس نے زمین کو اتنا کریدا کہ پانی نکلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ دوڑیں اور جلدی جلدی مشکیزہ پانی سے بھرنے لگیں۔ پھر اس خیال سے کہ کہیں پانی اِدھر اُدھر بہہ کر ریت میں جذب نہ ہو جائے اس کے آس پاس مٹی کی باڑھ بنا دی۔ لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جتنا جتنا وہ پانی بھرتی جا رہی تھیں اُتنا ہی وہ ابلتا چلا آتا تھا۔

حضرت ہاجرہ نے خود پانی پیا۔ اب دودھ اترا تو بچے کو پلایا۔ فرشتہ جو دراصل حضرت جبرئیل تھے، انھوں نے کہا "کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ دونوں تعمیر کریں گے اور اللہ تعالےٰ اس گھر کو ضائع نہ کرے گا۔"

قبیلہ جرہم کا آنا

حضرت جبرئیل کے اس طرح کہنے سے حضرت ہاجرہ کو بڑی ڈھارس بندھی اور بچے کے پھلنے پھولنے کا یقین ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں آنکلے۔ انھوں نے دیکھا کہ قریب ہی ایک جگہ کچھ چڑیاں اڑ رہی ہیں۔ جرہم کے لوگ سمجھ گئے کہ اس جگہ ضرور پانی کا چشمہ ہے۔ انھوں نے کچھ آدمی تلاش میں بھیجے۔ وہ آئے اور واپس جا کر سردار سے کہا کہ وہاں واقعی پانی ہے اور ایک عورت اور صرف بچہ موجود ہے۔ یہ سُن کر قبیلہ جرہم کے لوگ دوڑ کر

اور یہ جناب کتنی پیاری ہے ہمیشہ کے لئے ان پر درود و سلام کی بارش ہوتی رہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہر نماز میں اس طرح درود و سلام بھیجنے کے لئے سکھایا کہ:۔

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥ اے اللہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح درود و سلام بھیج جس طرح حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر سلامتی بھیجی۔ بے شک تو حمید ہے اور مجید بھی۔

تاجِ امامت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے سند ملی کہ:۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ (الصّٰفّٰت - ۱۱۱)

بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا

دوسری سند ملاحظہ ہو:۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (البقرۃ - ۱۲۴)

یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔

اب دیکھئے حضرت ابراہیمؑ کی خواہش۔ عرض کیا: "اے میرے رب! کیا میری اولاد کے لئے بھی یہی وعدہ ہے؟" (قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ)۔

قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں سے نہیں یعنی اے ابراہیمؑ! تیری اولاد میں سے جو تیری پیروی کریں گے ان کے لئے میرا وعدہ ہے لیکن جو تیری پیروی نہ کریں گے وہ ظالم ہیں۔ ان ظالموں سے میرا وعدہ نہیں ہے۔ اس آیت سے ہمارے فقہاء نے جو مسئلے نکالے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھ دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذات پات، خاندان اور رنگ و نسل بزرگی کا سبب نہیں بلکہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ (الصّٰفّٰت-١٠٣)

توجب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کردیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرادیا۔

ماتھے کے بل اس لئے گرایا کہ ذبح کرتے وقت آنکھیں چار نہ ہوں اور باپ کی محبت پاؤں نہ ڈگمگا دے۔ چاہا کہ چھری پھیر دیں کہ۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ (الصّٰفّٰت-١٠٤ تا ١٠٦)

پھر ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! تونے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا (بدلہ) دیتے ہیں۔ بے شک یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔

آزمائش تو بیشک تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ خود سنبھال نہ لیتا تو جو ہونا تھا وہ ہو جاتا لیکن اللہ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو بچالیا۔ اب اس کی جزا ملاحظہ ہو۔۔۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت-١٠٧ تا ١١٠)

اور ہم نے بڑی قربانی فدیہ میں دے کر اس بچے کو چھڑالیا اور اس کی تعریف اور توصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم پر۔ ہم محسنین کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک فربہ مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ یہ اس بدلے میں تھا کہ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ذبح کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بروقت روک دیا تھا۔ اس کی جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملی کہ اس قربانی کو سنتِ ابراہیمی قرار دے کر قیامت تک کے لئے اہلِ ایمان میں جاری کر دیا کہ ہر سال اسی تاریخ یعنی ١٠ ذی الحجہ کو جانوروں کی قربانی دیں اور یہ قربانی کرتے وقت امام المسلمین حضرت ابراہیمؑ کی ان تمام قربانیوں کو یاد کریں جو انھوں نے اُر سے لے کر یہاں تک کی تھیں۔

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم جان لیں کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والا اور کون صبر کرنے والا اور تمہارے احوال کو جانچیں گے۔

تعمیر کعبہ

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ (الحج-۲۶)

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا یہ حکم پہلے ہی مل چکا تھا۔ یہی حکم پا کر تو آپ نے حضرت ہاجرہ کو دودھ پیتے بچے کے ساتھ اس جگہ ٹھیرایا تھا۔ اب جبکہ حضرت ابراہیمؑ تمام آزمائشوں میں پورے اتر چکے تھے اور آپ کے سر پر اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کی امامت کا تاج رکھ دیا تھا تو آپ نے اللہ کا گھر بنانے کے لئے سوچا۔ بیٹا بھی اب جوان ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اللہ کا گھر بنانے لگے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہاڑ سے پتھر لاتے اور حضرت ابراہیمؑ دیوار اٹھاتے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ (البقرۃ-۱۲۷)

اور یاد کرو کہ جب ابراہیم اور اسمٰعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے (تو دعا کرتے جاتے تھے) "اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے۔ تو سب کی سننے اور جاننے والا ہے!"

اس کے ساتھ یہ دعا بھی کرتے جاتے تھے:۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ (البقرۃ-۱۲۸)

اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو

وعند اللہ اتقٰکم۔ اللہ کے نزدیک تم میں بزرگ اور شریف وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔

■ امامت کسی شخص کو ورثے میں نہیں ملتی یعنی یہ خاندانی جاگیر نہیں ہے کہ باپ سے بیٹے کو ملے۔ اگر ورثاً اس قابل ہوتے تو نورٌ علیٰ نور ورنہ کسی دوسرے متقی شخص کو ملے گی۔

■ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام واکرام کے وعدے اس کے محسن بندوں کے لئے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی طرح قربانیاں پیش کریں اور وہ صالح ہوں۔

■ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کے زبانی وعدے کی کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ وہ شخص اپنے کردار سے سچ کر دکھائے۔ اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

○ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ (البقرۃ۔۱۵۵)

اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے، کچھ خوف سے، بھوک سے، مالوں اور جانوں کے نقصان سے اور ثمرات کے زیاں سے۔

○ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ○ (العنکبوت۔۲-۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو نہیں آزمایا جائے گا۔ اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے تاکہ اللہ جان لے کہ کون (دعوئے ایمان میں) صادق ہے اور کون کاذب۔

○ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ○ (محمد۔۳۱)

ہو گئے تھے جبکہ حضرت ہاجرہ اپنے ننھے منے بچے کے ساتھ وہاں بے یار و مددگار پڑی تھیں۔ اتفاق نے قبیلہ جُرہُم کو بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد تعمیر کعبہ ہوا اور یہ مقام عبادت گاہ بن گیا تھا۔ لوگ اسی وقت سے کعبے کی زیارت کو آنے لگے تھے۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے رب اس زمین کو پر امن بنا دے اور یہاں بسنے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ شروع ہی سے لوگ وہاں آنے لگے تھے اور کھجوروں اور دوسرے پھلوں کی تجارت عام ہو گئی تھی۔ آج عالم یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں اللہ کا رزق پٹا پڑا ہے۔ اور یہاں امن کا عالم یہ ہے اور یہ تھا کہ شروع ہی سے اس زمین پر لڑنا اور جنگ کرنا برا مانا جانے لگا۔ بلکہ حج سے پہلے اور بعد جب کہ کعبے کی زیارت کرنے والے دور و نزدیک سے آتے تھے تو ان کو چار ماہ اس سفر میں لگ جاتے تھے اس لئے لوگوں نے خود ہی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان چار مہینوں کو حرام قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ عنکبوت آیت ۶۷ میں خود فرمایا ہے :-

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۝

ترجمہ:- کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ایک پر امن حرم بنا دیا ہے، حالانکہ ان کے گرد و پیش لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں؟

٭ ان مہینوں ـ رجب، ذی قعدہ، ذالحجہ، محرم ـ کے احترام کا یہ حال تھا کہ اگر کسی کا دشمن بھی حرم میں پہنچ جاتا تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کسی کو نہ ہوتی تھی۔ ٭ دوست دشمن خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوتے اور ایک دوسرے کو برا لفظ کہنے کی جرأت نہ ہوتی ٭ اگر کوئی شخص اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو دیکھتا تھا تو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا ٭ ان چار مہینوں میں جنگیں بند ہو جاتیں، راستے محفوظ ہو جاتے، ایک قبیلے کے لوگ اپنے دشمنوں کی بستی سے بے خوف و خطر گزر جاتے تھے ٭ انسان تو

تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اور یہ دعا بھی جس میں حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرۃ)

اور اے رب! ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگی سنوار دے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

حضرت ابراہیمؑ یہ دعا کر رہے تھے تو یہ بھی خیال آیا کہ یہ جگہ تو خالص ریگستانی ہے اور اس کے آس پاس سوکھے پہاڑ ہیں تو بیساختہ یہ دعا بھی زبان پر آگئی :-

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ (البقرۃ - ۱۲۶)

اور جب ابراہیم نے عرض کیا "اے میرے رب! اس سرزمین کو پرامن بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، پھلوں کا رزق عطا فرما۔

دُعائیں قبول ہوئیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری دعائیں قبول فرمائیں :-

○ حضرت ابراہیمؑ نے ایک یہ دعا مانگی تھی کہ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ 'لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے'۔ دیکھ لیجئے آج اللہ کے بندوں کے دل حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور خانہ کعبہ کی طرف مائل ہیں۔ آج ہی نہیں، اسی وقت سے مائل ہونا شروع

اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لئے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ (آل عمران ۹۶)

○ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ ○ اس میں کھلی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے

○ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ؕ

(البقرۃ ۱۲۵)

اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو۔

○ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ○

(الحج ۲۷)

اور لوگوں کو حج کے لئے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل چل کر اور اونٹوں پر سوار آئیں

○ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ○

(آل عمران ۹۷)

اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے (کفر) تو اسے معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

○ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ؕ

(المائدہ ۹۷)

اللہ نے مکانِ محترم، کعبہ کو لوگوں کے لئے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا اور ماہ حرام اور قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی (اس کام میں معاون بنا دیا)۔

انسان، جانور، پرند اور پیڑ پتے تک محفوظ رہتے تھے۔ کوئی شخص کسی درخت کے پتے اور شاخیں نہیں توڑ سکتا تھا۔ (یہ شاید اس لئے تھا کہ مسافر درختوں کے سائے میں بیٹھ سکیں)۔ آج بھی دیکھئے ہماری دنیا میں قدم قدم پر جرم پر جرم ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکے پڑتے ہیں۔ چوریاں ہوتی ہیں۔ قتل عام ہوتا ہے۔ لیکن خانہ کعبہ کی سرزمین پر جائیے۔ ان جرائم کا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔ لوگ اتنے مطمئن ہیں کہ گھر در میں تالے تک نہیں لگاتے۔ نمازوں کے وقت دوکاندار دکان کھلی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کسی کا خیال بھی دوکانوں کی دولت پر نہیں جاتا۔

○ اور حضرت ابراہیمؑ کی دوسری کی دعا کہ یارب! یہاں کے لوگوں میں ان ہی کی قوم سے رسول اٹھا تو جو انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، وہ دعا حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی شکل میں قبول ہوئی۔

محمدؐ اور قرآن مجید

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد ڈھائی ہزار برس میں عرب کے اندر اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں بھیجا۔ اس ڈھائی ہزار برس کی بڑی مدت میں عربوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بہت سی تعلیمات کو بھلا دیا تھا سب سے بڑا ظلم یہ کیا تھا کہ کعبہ جو صرف اللہ تعالٰی کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا اور جو اس لئے بنایا گیا تھا کہ لوگ یہاں آکر توحید کی تعلیم حاصل کریں، مکہ معظمہ میں یہاں خانہ کعبہ کے اندر عربوں نے اپنے اپنے بت سجا رکھے تھے اور ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ ۳۶۰ تھے۔ سب سے بڑا بت ہبل تھا۔ حضورؐ تشریف لائے اور آپؐ کو قرآن ملا تو آپؐ نے ان بتوں کو کعبے [illegible] اور کعبے کو ان بتوں کی گندگی سے پاک کیا۔ اللہ نے حکم دیا کہ مشرک ناپاک ہیں [illegible] مشرک حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی گواہیاں اور اعلانات

○ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ○

ترجمہ: بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لئے تعمیر کی گئی وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔

○ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَ
تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۔ البقرہ ١٩٧

حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں جو شخص ان مقررہ مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔ پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔

○ لوگوں نے خیال کر رکھا تھا کہ حج کی عبادت میں روزی تلاش کرنے کے لیے خرید و فروخت ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی اصلاح ان لفظوں میں کی گئی:۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرۃ ١٩٨)

اور اگر حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں

○ لوگ حج کے زمانے میں میلہ لگاتے اور وہاں شاعری کے دنگل کرتے اور اپنے پرکھوں کے کارناموں پر فخر کرتے تھے۔ اصلاح اس طرح کی گئی:۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ
(البقرۃ ٢٠٠)

اور پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو پہلے جس طرح اپنے آباواجداد کا ذکر کرتے تھے اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

○ مشرک حرم میں داخل نہ ہونے پائیں۔ اعلان ملاحظہ ہو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

○ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (البقرۃ۔ ۲۱۷)

لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو، اس میں لڑنا بہت برا ہے۔ مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے

○ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ (التوبہ ۳۶۔۳۷)

حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ضابطہ ہے لہٰذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔ نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی تعداد بھی پوری کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔

جو آنحضرت نے کہہ بتائے تو وقت اللہ کا حکم کہ چاروں طرف سے لگ ... کعبے کی زیارت کا تمنا جواب کے الفاظ یہ ہونا چاہئے :-

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ
وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

حاضر ہوں، میرے اللہ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ یقیناً تعریف سب تیرے ہی لئے ہے۔ نعمت سب تیری ہے اور ساری بادشاہی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

اس کے بعد احرام باندھے، پھر جدہ سے مکہ جائے، کعبے کا طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرکے احرام کھول دے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دی ہوئی اس ترتیب کے ساتھ حج کے ارکان ادا کرے۔

① ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر صبح ہی منیٰ پہنچ جائے اور ایک دن رات وہیں ٹھہر جائے۔

② ۹ ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر عرفات زوال سے پہلے پہنچ جائے اور وہاں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے۔

③ ۹ ذی الحجہ کو مغرب کے وقت روانہ ہو اور رات مزدلفہ میں بسر کرے۔ اور اس رات کو محض غافل و آرام میں نہ گزار دے بلکہ وہاں بھی اللہ کو یاد کرے اور بخشش رب طلب کرے۔

④ ۱۰ ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھ کر مزدلفہ سے منیٰ کے لئے واپس روانہ ہو اور وہاں پہنچ کر پہلے قربانی کرے، پھر نہا دھو کر حجامت بنوا کر احرام اتارے اور کپڑے بدلے۔

⑤ لباس تبدیل کرنے کے بعد ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ تک رمی جمار کرے۔

⑥ ۱۰ ذی الحجہ کو اس سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ میں بیت اللہ جا کر حاضری دے، وہاں طواف کرے اور سعی کرے۔ جس گھر تک پہنچنے کی آرزو لے کر اس دور دراز سفر کو اختیار کیا تھا اس گھر پر پہنچنے کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (التوبہ-۲۸)

اے ایمان لانے والو! مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجدِ حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔

۝ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ (الحج-۲۷)

اور لوگوں کو حج کے لئے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں۔

اس اعلان سے ہر اس مسلمان پر حج فرض ہو گیا جس کے پاس سفرِ حج کے واقعی خرچ ہوں، جتنے دن مکہ معظمہ میں ٹھہرے وہاں کا خرچ برداشت کر سکے اور بال بچوں کے پاس اتنی رقم چھوڑ جائے کہ وہ اس کی واپسی تک آرام کے ساتھ کھا پی سکیں۔

احرام و تلبیہ

جو شخص حج کا ارادہ کرتا ہے اور گھر سے چل دیتا ہے اور ایک خاص حد پر پہنچتا ہے جسے میقات کہتے ہیں، اس میقات پر وہ لباس تبدیل کرتا ہے۔ یہ میقات چاروں طرف سے آنے والوں کے لئے مقرر کر دی گئی ہیں۔ ہندوستان کے حاجیوں کی میقات یمن کے پاس یلملم پہاڑ سے شروع ہوتی ہے۔ میقات کے پاس پہنچ کر حاجی احرام باندھتا ہے۔ مردوں کے لئے احرام دو چادریں ہیں جو سلی ہوئی نہ ہوں۔ ایک چادر تہبند بنا کر باندھ لیں، دوسری چادر کندھے پر ڈال لیں اس طرح کہ چادر داہنی بغل سے ہوتی ہوئی بائیں کندھے پر ڈال لی جائے۔ عورتوں کے احرام میں وہی کپڑے ہیں جو وہ پہنے ہوں۔ فرق یہ ہے کہ وہ جس طرح نماز میں سر سے اوڑھنی اوڑھتی ہیں اسی طرح اوڑھیں اور چہرہ کھول دیں یعنی نقاب نہ ڈالیں۔ احرام باندھ کر حضرت ابراہیمؑ کی اس پکار کا جواب دیں

یاد ہوگا کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو جب یہاں لا یا تھا اور ان کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تو حضرت ہاجرہؑ پانی کی تلاش میں صفا پر چڑھ کر ادھر اُدھر دیکھتی تھیں پھر دوڑ کر دوسری طرف مروہ پر چڑھ جاتیں۔ پھر صفا پر آتیں اور مروہ پر جاتیں۔ اس طرح انھوں نے سات چکر لگائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہؑ کی یہ ادا بہت پسند آئی اور سعی (صفا و مروہ کے درمیان سات بار دوڑ کر آنے جانے) کو حج کی علامت اور نشانی قرار دیا۔ جو مسلمان حج کرنے جاتے ہیں وہ سعی بھی کرتے ہیں۔

● وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۝

اور اونٹوں (قربانی کے اونٹوں) میں، جن کو تم نے تمہارے لئے شعائر اللہ بنایا ہے، تمہارے لئے بھلائی ہے۔

● ان کے علاوہ وہ سب شعائر اللہ میں سے ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یعنی ماہ ذوالحجہ سے ماہ ذوالحجہ تک جوارکان اور مناسک حاجی ادا کرتا ہے وہ سب شعائر اللہ میں سے ہیں جیسے احرام باندھنا، طواف کعبہ، منیٰ، عرفات جانا وغیرہ۔

حج کا مقصد

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ذٰلِكَ ۤ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ

بعد اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اللہ کی بخشش عام سے جھولیاں بھر کر منٰی میں واپس آئے۔ یہی وہ سعادت ہے جس کا ذکر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

"حج مبرور کا صلہ تو بس جنت ہی ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔

جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق و فجور سے پرہیز کیا،
وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

شعائر اللہ

شعائر اللہ کے معنی ہیں اللہ کی نشانیاں، وہ نشانیاں جن کو دیکھ کر ایک آدمی سمجھ لے کہ یہ اللہ کے دین کی علامتیں اور نشانیاں ہیں۔ ہر مذہب کے کچھ شعائر ہوتے ہیں۔ کمیونسٹوں کے شعائر سرخ نشان، ہتھوڑا اور درانتی ہیں۔ ہندوؤں کے شعائر چوٹی، زنار (جنیو) اور مندر ہیں۔ کڑا، کرپان اور کیس سکھوں کے شعائر ہیں، صلیب، گرجا اور قربان گاہ عیسائیوں کے۔ مسجد، تکبیر، نماز، عید، بقرعید، حج، قربانی وغیرہ شعائر اللہ یعنی دینِ اسلام کے شعائر ہیں۔

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ شعائر اللہ کی پابندی کریں، شعائر اللہ کی بڑائی کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ ان کو چھوڑنا سخت گناہ ہے۔

حج سے متعلق شعائر

● اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ-۱۵۸)

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرے اور جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گا اللہ کو اس کا علم ہے اسکی قدر کرنیوالا ہے۔

مالک کی قربانی ہے، جانوروں کی قربانی ہے، جسمانی قوتوں کی قربانی ہے، گھر بار چھوڑنے کی قربانی ہے۔ صبح کہیں شام کہیں، دوپہر کہیں رات کہیں۔ ہر وقت حرکت میں رہنا، مناجات کرنا، دوسروں کو جانا، دل کا ہر وقت اللہ کی طرف لگا رہنا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو مقصود ہیں۔ حج سے واپس آنے کے بعد آدمی میں یہ باتیں رہنا چاہئے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر پہچان لیں کہ حج کی نعمت حاصل کر آیا ہے۔ حج کرنے کے بعد اگر یہ مقصد کھو دیا تو اس کا سب کچھ ضائع ہو گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حنیف بندے بن جاؤ۔ صرف اللہ کی طرف یکسو ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نہ ذات میں نہ صفات میں، نہ اس کے احکام میں اور نہ اس کے قانون میں۔

تم نے دیکھا کہ حج میں سارے حاجی ایک رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگے ہوئے تھے۔ نہ ذات پات کا فرق، نہ اونچ نیچ کا جھگڑا، نہ اس کی تمیز کہ میں فلاں جگہ کا ہوں اور میں فلاں جگہ کا۔ اس سے یہ سیکھو کہ تم ایک عالمی برادری ہو۔ دنیا کے سارے مسلمان تمہارے بھائی ہیں۔ ان کا دکھ تمہارا دکھ، ان کا سکھ تمہارا سکھ۔ اگر پورب میں کسی مسلمان کے کانٹا چبھے تو تم پچھم میں اس کی چبھن محسوس کرو۔ تم سب مل کر بنیان مرصوص، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ۔

تم نے دیکھا کہ حج کے دوران تمہارا ایک امیر ہوتا ہے۔ تم نے وہی کیا جو اس نے کہا۔ تم نے اس کا خطبہ سنا۔ یہ سب یاد کرو۔ تم نے حج میں کیا تربیت پائی۔ اس کو عام کرو۔ اللہ کے بندوں کو وہی پیغام سناؤ۔ یاد کرو۔ تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جو خطبہ دیا تھا اس میں ایک یہ تاکیدی حکم ہے کہ تم میں سے ہر شخص مبلغ ہے۔ دین کی جو بات تم کو معلوم ہے وہ دوسروں تک پہنچاؤ۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ یہاں تک کہ اللہ کا دین سارے دینوں پر غالب ہو جائے۔

لطیفہ	اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (الحج آیات ۲۸ تا ۳۴)

تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

یہ تھا (تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لیے بہتر ہے۔

اور تمہارے لیے مویشی جانور حلال کیے گئے ماسوا ان چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں پس بتوں کی گندگی سے بچو جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو اللہ کے یکسو بندے بنو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔

یہ ہے اصل معاملہ (اسے سمجھ لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

تمہیں ایک وقت مقرر تک ان (ہدی کے جانوروں) سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے پھر ان (کے قربان کرنے) کی جگہ اسی قدیم گھر کے پاس ہے۔ ہدایت کے لئے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کیا ہے تاکہ (اس امت کے) لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے اُن کو بخشے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حج کے دنوں میں ان باتوں کو دیکھو جو تمہارے لئے اس میں رکھ دی ہیں۔ حج شروع سے آخر تک قربانی ہی قربانی ہے اور ہر سانس عبادت ہی عبادت۔ اس میں وقت کی قربانی ہے،

بچے ہو سکتے ہیں!

دراصل بات یہ تھی کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال اور حضرت سارہؓ کی عمر نوّے سال کی تھی۔
اس عمر میں اولاد کا ہونا کیسے؟

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ (الحجر ۵۵)

فرشتوں نے جواب دیا، ہم تم کو بالکل سچی خوشخبری سنا رہے ہیں۔ تم مایوس نہ ہو

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝ (الحجر ۵۶)

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اپنے رب کی رحمت سے تو مایوس گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

یعنی اب مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ حضرت سارہ بھی کھڑی ہوئی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ وہ بے اختیار ہنس پڑیں

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ (ھود ۷۱)

اب فرشتوں نے تفصیل سے بشارت کے الفاظ سنائے:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ (ھود ۷۱)

پھر ہم نے اس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت ۱۱۲)

اور ہم نے اسے اسحٰق کی بشارت دی کہ وہ ایک نبی ہوگا صالحین میں سے۔

اب تو حضرت سارہ کے تعجب کی انتہا نہ رہی:

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ

(ھود ۷۲)

اب عورت کی فطرت ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت سارہ نے کہا،

ہائے میری کم بختی۔ کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جب کہ میں بڑھیا پھونس ہوگئی اور یہ میرے میاں بھی اللہ سے بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

"آج ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی ساری نعمت تمام کر دی"

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ اس نے کہا "اگر ہم کو یہ آیت ملی ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے جس دن یہ آیت اتری تھی" حضرت عمر فاروق نے کہا "واللہ! جس دن آیت اتری اس دن ہماری دو عیدیں تھیں۔ وہ دن جمعہ کا تھا جو کہ عید المومنین ہے اور اس دن عید الضحیٰ بھی تھی۔

یہ فخر مسلمانوں کو نصیب ہوا۔ اللہ کے فضل و کرم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کی بدولت نہایت خوش قسمت ہے وہ شخص جو دین ابراہیمیؑ، دین حنیف، دین اسلام پر عمل کرنے کے لئے آنحضرت علیہ السلام کو نمونہ بنائے۔

حضرت ابراہیم کی واپسی

تبلیغ اسلام کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے دو بڑے مرکز قائم کر دئے۔ ایک سدوم میں حضرت لوطؑ کی نگرانی میں دوسرا مکہ معظمہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی نگرانی میں۔ اب بیت المقدس واپس آئے۔ یہ بھی ایک بڑا مرکزی مقام تھا۔ سوچنے لگے کہ اسے بھی تبلیغ کا مرکزی مقام بننا چاہئے لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ یہاں کس کو اپنا جانشین بنائیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے علاوہ کوئی اور اولاد نہ تھی اور نہ حضرت لوطؑ کے علاوہ کوئی بھتیجہ۔ اسی سوچ میں رہا کرتے تھے کہ اچانک دو فرشتے آ گئے اور انھوں نے دوسرے بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ اس خوشخبری کے سناتے وقت جو دلچسپ بات چیت ہوئی وہ قرآن کے الفاظ میں سنئے:

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۝ (الحجر ۵۳)

فرشتوں نے کہا، ڈرو نہیں، ہم تو تم کو ایک صاحب علم لڑکے کی بشارت دینے آئے ہیں۔

اس بشارت پر حضرت ابراہیمؑ کو تعجب ہوا:

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ۝ (الحجر ۵۴)

کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو ذرا سوچو تو سہی کہ یہ تم کیسی بشارت

ذٰلِكَ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہے دے۔ یہ تمام بڑے بڑے نبی ورسول سب آلِ یعقوب میں سے تھے۔ یوسف، داؤد، سلیمان، ایوب، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیسع، یونس اور بہت سے بے شمار نبی۔ ان سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔

ابراہیمؑ کی خوبیاں ایک نظر میں

● حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک امت تھے یعنی انھوں نے تن تنہا اتنا بڑا کام کیا جو دراصل ایک پوری امت کے کرنے کا تھا۔

● وہ حنیف (یکسو) تھے۔ انھوں نے اللہ کے دین کو ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کے ہو کر اپنایا اور آگے بڑھایا۔

● پورے کے پورے مسلم تھے یعنی اللہ کے فرمانبردار۔ کسی ایک جگہ بھی ان کا قدم اللہ کی اطاعت سے باہر نہیں پڑا حالانکہ زندگی میں بڑے سخت مرحلے آتے۔

● وہ ساری دنیا کے لئے امام بنے۔ آج جو مشہور دین اور دھرم پائے جاتے ہیں ان سب میں حضرت ابراہیمؑ کی بڑائی مسلّم ہے۔ یہودی بھی ان کو مانتے ہیں، عیسائی بھی، ہندو بھی اور مسلمان تو ہیں ہی مسلم۔

وصیت

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۲ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ ۱۳۲ تا ۱۳۴)

"اور اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیم نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا۔ اس نے کہا تھا کہ میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے

فرشتوں نے کہا،

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ (هود ۷۳)

اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اے ابراہیمؑ کے گھر والو! تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔ اور یقیناً اللہ حمد اور تعریف کے لائق ہے اور بڑی شان والا۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ (الذٰريٰت ۲۹)

یہ سن کر اس (ابراہیمؑ) کی بیوی (سارہ) چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی "بوڑھی بانجھ۔"

اس وقت خوشی اور تعجب سے ملی جلی حضرت سارہ کی عجیب حالت تھی جیسے وہ خوشی اور تعجب کے مارے بوکھلا گئی ہوں۔ اب فرشتوں نے قطعی حکم سنایا:

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ (الذٰريٰت ۳۰)

یہی ہوگا، تیرے رب نے یہی فرمایا ہے اور وہ حکیم ہے اور سب کچھ جاننے والا۔

اس خوشخبری کے مطابق اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک صالح بیٹا اور عطا فرمایا یعنی حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں اللہ نے بڑی برکت دی۔ حضرت اسحٰقؑ کے بعد حضرت یعقوبؑ نبی ہوتے یعنی نبوت آلِ یعقوب میں ہی رہی۔ اور پھر جو نبی ہوئے وہ آلِ یعقوب ہی تھے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (العنکبوت ۲۷)

اور ہم نے اس کو (ابراہیمؑ کو) اسحٰق اور یعقوب عطا کئے اور اس کی نسل میں ہم نے نبوت اور کتاب رکھ دی اور اس کو دنیا میں اس کا اجر عطا فرمایا اور وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد

پچھلے صفحوں میں یہ بات ہم جان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو نہایت صالح بیٹے عطا فرمائے ۱۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ۲۔ حضرت اسحاق علیہ السلام۔

حضرت اسمٰعیل بڑے تھے۔ ان کی والدہ محترمہ کا نام حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسلام پھیلانے کے تین مرکز بنائے۔ ان میں سے ایک جگہ وہ تھی جہاں حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو بسایا۔ اس وقت نہ وہاں آبادی تھی اور نہ کھانے پینے کا سامان مل سکتا تھا۔ قرآن کریم کی یہ شہادت پھر دہرا لیجئے۔ ان آیتوں میں اس جگہ کا تعین بھی ہے اور وجہ تعمیر بھی یعنی اس جگہ کو کیوں بسایا تھا:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ ۝ (ابراہیم : ۳۷)

اے ہمارے رب! میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی (جہاں نہ پانی ہے اور نہ پیداوار ہو سکتی ہے) میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو (ہاجرہ اور اسمٰعیل کو) تیرے محترم گھر (یعنی جہاں بعد میں کعبہ بنایا گیا) کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار! یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور کھانے کو پھل دے۔ شاید وہ تیرا شکر ادا کرنے والے بنیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے یہ بھی دعا کی کہ:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ

دم تک مسلم ہی رہنا۔ پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا "بچو! تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے؟" ان سب نے جواب دیا "ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق نے خدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔" وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ کا دوست

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (النساء ۱۲۵)

"اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقے کی پیروی کی، اس ابراہیم کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا تھا۔"

اور احمق کون؟

پھر بتایا کہ جو شخص ابراہیم علیہ السلام کے اتباع سے انکار کرتا ہے وہ بے وقوف ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرۃ ۱۳۰-۱۳۱)

"اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا ہو اس کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟ ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لئے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا "میں مالک کائنات کا مسلم ہو گیا۔"

یعقوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (سیدھی راہ دکھائی)۔ اس طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ (اسی کی اولاد سے) زکریا، عیسیٰ اور الیاس کو (پیدا کیا اور انھیں بھی سیدھی راہ دکھائی)۔ ان میں سے ہر ایک صالح تھا۔ (ابراہیم کے خاندان سے) اسمٰعیل، الیسع یونس اور لوط کو (راستہ دکھایا)۔

ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر بڑائی دی، نیز ان کے بڑوں اور ان کے پریوار اور ان کے بھائی بندوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا (یعنی نبی بنایا)۔ ان سب کو اپنی خدمت (اللہ کے دین کو پھیلانے) کے لئے چن لیا اور سیدھے راستے پر ڈالا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دو سرا مرکز تبلیغ فلسطین کو بنایا اور حضرت سارہ اور حضرت اسحاقؑ کو وہاں ٹھیرایا اور دعوت و تبلیغ کا ذمہ دار بنایا۔[1] ان سارے نبیوں نے ساری دنیا میں اسلام کے عقیدوں کو لوگوں کے دلوں میں بٹھایا۔ بتایا کہ نیکی کیا ہے اور بدی کسے کہتے ہیں۔ نیکی کو کس طرح پھیلایا جائے اور بدی کو کس طرح دبایا جائے۔ یہ سب انسانوں کو انسان بنانے والے، انسانیت کے اصول سکھانے والے، ان اصولوں پر خود چلنے والے اور دوسروں کو چلانے والے تھے۔ آج دنیا میں جہاں جہاں جتنی بھی نیکی پائی جاتی ہے انھی نبیوںؑ کے قدموں کی برکت سے ہے۔ ان نبیوںؑ کی تعلیم سے جہاں جہاں لوگ ہٹے یا کٹے یا اس تعلیم کو بھلا دیا تو شیطان نے انھیں اچک لیا اور غلط دین اور دھرم پر ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کہیں اصل تعلیم کے ساتھ لوگوں نے اپنی طرف سے غلط باتیں بڑھا دیں، کہیں اصل تعلیم کو ہی بھلا دیا گیا اور آج ایسے لوگوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان کا دین واقعی دین ہے یا گورکھ دھندہ۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ کہیں فرمایا،

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ (اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا)

---

[1] تیسرا مرکز دعوت سدوم تھا جہاں حضرت لوطؑ کو ذمہ دار بنایا تھا۔

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (البقرۃ : ۱۲۹)

اور اے میرے رب! ان لوگوں (حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کی اولاد) میں خود انہی کی قوم میں سے
ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سُنائے۔ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے
اور ان کی زندگی سنوار دے۔ تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ حضرت اسمٰعیلؑ سے جو نسل پھیلی اس میں اللہ تعالیٰ
نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری نبی بنایا اور حضورؐ کو کتاب یعنی قرآن کریم عطا فرمایا اور آپؐ
قرآن کو سمجھنے، قرآن کے حکموں کو پھیلانے اور دلوں کو موہنے کی حکمت عطا فرمائی۔

حضرت اسحاق علیہ السّلام ابراہیمؑ کے چھوٹے بیٹے حضرت سارہؓ سے تھے۔ حضرت سارہؓ
اللہ تعالیٰ نے یہ بڑائی دی کہ وہ ام الانبیاء (نبیوں کی ماں) مشہور ہیں۔ یہ اس طرح کہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے
حضرت اسحاقؑ ہوئے۔ حضرت اسحاقؑ کو اللہ نے یعقوب علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ حضرت یعقوبؑ
کی نسل میں کئی ہزار برس تک برابر ہزاروں نبی ہوتے رہے۔ قرآن کریم میں ایسے کچھ نبیوں کے نام بھی
آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا
مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ ۭ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰي وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا
عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام)

پھر ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو سیدھی راہ دکھائی۔ وہی
سیدھی راہ جو اس سے پہلے نوحؑ کو دکھائی تھی۔ اور اس کی نسل سے ہم نے داؤد، سلیمانؑ

ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے امکانات

ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے کیا امکانات ہیں جبکہ یہاں اسلام کے تمام پیرو اقلیت میں ہیں اور اس اقلیت کی ایک بڑی اکثریت اسلام کی مخالف ہے بلکہ اس تحریک کی دشمن ہیں۔ دوسری بات یہ کہ تحریک اسلامی کا لٹریچر اور جماعت اسلامی ہند اپنے ارکان کو تربیت پر اس انداز سے کر رہی ہے۔ اس کے اجتماعات میں جائیے تو اس طرح کے بلند آہنگ کلام کے اوپر بشنا کریں گے ● ادخلوا فی السلم کافۃ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ ● لِمَ تقولون ما لا تفعلون۔ وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ● اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت ایمان لاؤ اور عمل صالح کرو ● وتواصوا بالحق۔ ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرو ● وتواصوا بالصبر۔ حق کی تلقین کرنے میں تم پر اگر ظلم ہو تو صبر اختیار کرو ● کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللّٰہ۔ اب دنیا میں سب سے بہتر گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ وغیرہ قوموں اور ایسے ہی قرآن کے دوسرے مفہوم کو ابھار کے سیاست کی طرف لے جاتے ہیں پھر جزء اسلام پر سارا زور دیا صرف کیا جاتا ہے یہ سب سننے کا موقع کئے جماعت کی مثال ایسی ہی بکری جیسی ہے محسوس کر کے صاف کہیے تو بالکل اس بکری کی سی ہے جس نے جنگل میں ایک شیر دیکھی ہو اور دانت تیز کرنے۔ دانت تیز کرنا ہی کھانے آگئی دیر میں کٹ شیر چھلانگ لگا کر میرے خیال میں جماعت اسلامی تو یہی دانت ہی تیز کر رہی ہے۔ جگہ جگہ مسلمانوں کی ہر طرح پٹائی ہو رہی ہے اور اس کا الزام جماعت پر آتا ہے کیونکہ جماعت فرقہ وارانہ فساد برپا کرتی رہتی ہے اور آپ کے مشفق و مہربان علماء کرام اپنے مذہب نصرت کی خاطر ہندو دشمنوں کے ساتھ شریک ہو کر بالکل تحریک کیا۔ تعجب ہوتا ہے کہ ارکان جماعت اسلامی کو جیلوں کی کوئی انکار نہیں قلب ہے کہ کچھ شبہ ہے کہ حکمت عملی کی بہ اعلانیہ ایسے حالات میں "ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے کیا امکانات ہیں۔"

کہیں فرمایا:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۙ (الانبیاء: ۷۳)

اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے تھے اور ہم نے وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی، نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور وہ ہماری عبادت کرنے والے بھی تھے اور یکسو بھی۔

کہیں ان کو جنت کی بشارت دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا فرمایا، کہیں انھیں اپنا برگزیدہ اور منتخب بندہ فرمایا وغیرہ۔ مطلب یہ کہ ان ساری اچھی باتوں کا ذکر ہے جو کل کی کل نبیوں میں تھیں اور وہی انسانیت کی بنیاد ہیں۔ اس کے بعد دنیا بھر کے لوگوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا اور یہ حکم اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس طرح پہنچایا کہ کہیں تو اس طرح حکم شروع ہوا ہے "اے نبی! کہہ دو"، کہیں اس طرح کہ "اے نبی! ان کا ذکر کرو" اور کہیں اس طرح کہ "اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم! قرآن میں ان کا حال پڑھ کر سناؤ" وغیرہ۔ اس کے بعد آخری بات یہ فرما دی کہ جو لوگ ان کی پیروی کریں گے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہی اس دنیا میں بھی کامیاب رہے اور وہی آخرت میں بھی کامیاب رہیں گے۔

پہلی بار

تعداد اشاعت

قیمت

مطبوعہ

منطقی منصوبے کے مطابق اس مسئلہ پر سوچ سمجھ کر عمل کیا جاتا تو اب بھی یہ نوبت نہ آتی اور دعا کے قفس بادل طرح والی
کہاوت چسپاں ہو جاتی لیکن حالات نے کروٹ لی۔ دنیا میں عالمگیر جنگ برپا ہوئی۔ اس وقت برطانیہ کی حکومت
اتنی وسعت اختیار کر چکی تھی کہ مشہور تھا "برطانیہ کی حکومت میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا ہے۔" دوسری ملکی
طاقتوں کو اس سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ برطانیہ کو گرانا چاہتے تھے۔ جنگ کے خاتمے پر یو این او میں ایک تجویز یہ
آئی کہ اگر نو آبادیات کو آزاد نہ کیا جائے گا تو اسی طرح عالمگیر جنگیں ہوتی رہیں گی اور دنیا امن کو ترس جائے گی۔

یہ تجویز بالاتفاق منظور ہو گئی تو نو آبادیات کی فہرست میں ہندوستان کا بھی نام آیا اور برطانیہ کو جبراً و کرہاً
ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ اسی زمانے میں گاندھی جی نے اچانک "ہندوستان چھوڑو" مہم چلا دی۔ یعنی گاندھی جی نے
اس چانس سے فائدہ اٹھایا۔ انگریز تو تجویز کے مطابق ہندوستان چھوڑتا ہی مگر مشہور ہو گئی کہ گاندھی جی نے
ہندوستان آزاد کرایا۔

دیکھا آپ نے! ہندوستان کی آزادی میں کسی منطقی منصوبہ کو ذرا بھی دخل نہیں تھا۔ دوسری مثال ملاحظہ ہو:

۲ ابھی کل آپ نے دیکھا ایمرجنسی کے زمانے میں ہماری اندرا مہارانی کو اچھا چانس ملا تھا۔ اگر وہ ایمرجنسی
اختیارات کا اعتدال سے کام میں لاتیں تو وہ سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ سے عوام کو بچا لے جاتیں۔ اگر فن پر قابو پا لیتیں
اور اگر خاندانی منصوبہ بندی میں بھی عفو اور جبر سے کام لیتیں تو ان کے دل کی مراد پوری ہو جاتی۔ ان کے خلاف جبر نے
کے مزاج کو ایسا چاپلوس بنا دیا کہ وہ وہی خبریں انھیں پہنچاتی جن سے وہ خوش ہو جاتیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے خوب خوب
خبریں تصنیف کیں۔ خبروں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور والا کے اقدامات سے دیش کے سارے لوگ خوش ہیں۔ بس کچھ بچے
ہیں ایسے جیل جو مخالفت کرتے ہیں۔ انھیں جیلوں میں ڈال دیا جائے تو بس میدان صاف ہے۔ اندرا جی نے ان
کی خبروں پر اعتماد کر لیا اور زعم میں آ کر الیکشن کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان کے جہاندیدہ سیاست داں جے پرکاش
نرائن کو چانس مل گیا۔ اندرا سے عوام بدظن ہو چکے تھے۔ اس چانس کو پرکاش بابو نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اندرا جی
بری طرح مات کھا گئیں۔

۳ تیسرا مشاہدہ ملاحظہ ہو۔ ابھی کل کی بات ہے۔ صدر ضیاء الحق نے بھٹو کا تختہ اقتدار الٹ دیا تھا۔ اس پر

جواب

اس طرح کی نرم وگرم تحریریں میرے پاس اکثر آتی رہتی ہیں۔ میرے لکھنے کا انداز کچھ ایسا ہے کہ جب میں کوئی افسانہ لکھتا ہوں تو اس کی زبان اور انداز بیان کچھ اور ہوتا ہے، کوئی مقالہ سپرد قلم کرتا ہوں تو اس کا اسلوب دوسرا ہوتا ہے اور جب ایجنٹوں کے گرفتاروں کو جواب دیتا ہوں تو شیخ سعدی کا مقلد بن جاتا ہوں۔ مولانا روم کی طرح کہانیوں کا سہارا لیتا ہوں۔ فقہا کی علمی زبان میں بات نہیں کرتا ہوں۔

اوپر میں نے جو سوال نقل کیا ہے یہ جماعت اسلامی ہند کے ایک ہمدرد کا سوال ہے۔ یہ صاحب ہمیشہ الیکشن کے زبردست حامی رہے ہیں۔ الیکشنی زبان کا خاصہ ہے کہ اس میں طنز و طعن کا اچھا خاصہ جزو آجاتا ہے۔ سوال میں لونڈی کی جو مثال دی گئی ہے وہ بازاری زبان کا بہترین طنز اور اس کا نمونہ ہے۔

میں نے منطق اور فلسفہ پڑھا تو ہے۔ کچھ کچھ علم کلام کا بھی مطالعہ ہے لیکن میں نے کبھی منطق کا سہارا لے کر کچھ نہیں لکھا۔ لکھنے کا انداز عالمانہ نہیں۔ آپ عامیانہ کہہ سکتے ہیں۔ کسی مشاہدے کے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہی اپنے پڑھنے والوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ ورنہ یہ منطق بھی تو ہے کہ جب جماعت اسلامی ہند الیکشن میں حصہ نہیں لیتی اور اپنا ووٹ استعمال کرتی ہے تو تحریک اسلامی کیسے پنپ سکتی ہے؟ اس طرح تو صدیاں چاہئیں۔ بازاری زبان میں سمجھاؤں تو یوں سمجھو کہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیں گی۔ اور اس منطق ہی کے پیٹ سے لونڈی والی مثال نے جنم لیا ہے جس کا طعنہ جماعت اسلامی ہند کو اس شخص نے دیا ہے جو اس کا ہمدرد ہے۔ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان گزارشات اور معروضات کے بعد اب میں اپنی بات پیش کرتا ہوں۔ میرے خیال میں دنیا کی کوئی تحریک منطقی منصوبوں کی بدولت کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ ہر تحریک، ہر دکاندار، ہر پیشہ ور اور ہر کاریگر کو زندگی میں کم از کم ایک چانس ضرور ملتا ہے۔ سوجھ بوجھ کا آدمی اس چانس سے فائدہ اٹھا لیتا ہے اور کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

میں مشاہدات کی روشنی میں اس بات کو سمجھانا چاہتا ہوں۔

۱ ہندوستان میں جنگ آزادی کی کامیابی کا سہرا مہاتما گاندھی کے سر باندھا جاتا ہے حالانکہ ان کے

وہ بھی اپنے نظریات پر مُصر تھیں، تیس برس سے مصر اور الجزائر وغیرہ میں جمہوری کوششیں ہوئیں اور اب ان کی ساری کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ اوقاف ان کے قبضے سے نہ نکلیں۔

ہندوستان میں تحریکِ اسلامی کے امکانات پر اگر منطقی طریقے سے سوچا جائے تو اس کا حساب یوں لگایا جا سکتا ہے۔ مسلمان یہاں غیر مسلموں کے مقابلے میں ۸ اور ۹۲ کی نسبت سے ہیں۔ مسلمانوں میں تحریکِ اسلامی کے حامی ایک فیصد بھی نہیں۔ ہم ایک فیصد بھی مان لیں اور یہ سب کے سب تن من دھن سے تحریکِ اسلامی کو فروغ دینے میں لگ جائیں تو کیا کریں گے۔ وہ سوچیں گے کہ یہاں صالح قیادت لانے کے لئے پر امن ذریعہ الیکشن ہی ہے اور الیکشن میں جس کے زیادہ ہاتھ اٹھ جائیں، جسے زیادہ ووٹ مل جائیں وہی برسرِ اقتدار آ سکتا ہے۔ تو چاہئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تحریکِ اسلامی کے حامی بنائیں اور ظاہر ہے کہ تحریکِ اسلامی کے حامی غیر مسلموں میں سے نہیں مل سکتے۔ اس لئے غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی مہم چلائی جائے۔ جو مسلمان بنے وہ ایسا مسلمان بنے جیسے ہم ہیں۔ اب منطقی منصوبہ یوں بنتا ہے جو پہلا فیل ہو جاتا ہے۔ ہم مسلمانوں میں سے اتنوں کو رکن بنائیں گے، اتنوں کو ہمدرد اور غیر مسلموں میں سے اتنوں کا اضافہ۔ یہ منطقی منصوبہ ہر سال دوسرے کا دُہرایا جاتا ہے۔ تحریکِ اسلامی کا ہر فرد بتائے کہ اس نے تحریکِ اسلامی کے لئے کتنے افراد پیدا کئے۔ جواب صفر۔ پھر ہندوستان میں اکثریت حاصل کرنے کے لئے کتنے ہزار برسوں کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ کیا یہ مایوسی کی دلیل نہیں؟

ایک بار تحریکِ اسلامی کے ایک ذمہ دار سے لکھنؤ میں میں نے یہی سوال کیا تھا۔ جواب ملا: ہم اس کے مکلف نہیں ہیں کہ تحریکِ اسلامی کی مہم سر کر لیں۔ ہمارا کام فریضۂ اقامتِ دین ادا کرنا ہے۔ بس۔ ظاہر ہے کہ اس جواب میں مایوسی جھلک رہی ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ تحریکِ اسلامی کی کامیابی منطقی منصوبوں کی مرہونِ منت ہے ہی نہیں۔ تحریکِ اسلامی کی باگ ڈور نہ کسی جماعتِ اسلامی کے ہاتھ میں ہے اور نہ اخوان المسلمون کے قبضے میں۔ ان ناموں کی جماعتیں دنیا سے معدوم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق کوئی اور گروہ اٹھا کھڑا کرے گا۔ ہم سب دیکھیں گے کہ اچانک ایک آگ پورب سے پچھم تک پھیل جائے گی۔

مقدمہ چل رہا تھا۔ بھٹو مرحوم کی پیپلز پارٹی نے بھٹو کو الزام سے بچانے اور ان کو پھر دوبارہ اقتدار میں لانے کی مہم چلا دی۔ دنیا بھر کے لوگوں کی رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے صحافیوں کو منہ مانگے پیسے دئے۔ بھارت کے صحافیوں کو بھی یہ چانس ملا اور انھوں نے بھٹو کی موافقت اور جماعت اسلامی کی مخالفت میں وہ آگ اگلی کہ جب بھٹو کو پھانسی دی گئی تو ہندوستان میں جماعت اسلامی کی جو درگت ہوئی وہ سب کو معلوم ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے صحافی جب یہ آگ اگل رہے تھے اس وقت جماعت اسلامی ہند کا اخبار کان میں تیل ڈالے بیٹھا رہا۔ وہ ایسا مطمئن تھا جیسے کچھ ہو گا ہی نہیں۔ پھر جب وہ ہو گیا جو نہ ہونا چاہئے تھا تو "دعوت" کے ایڈیٹر کی آنکھیں کھلیں۔

یہ تین مشاہدے میں نے عرض کئے۔ چانس ملا تو جس کو اس سے فائدہ اٹھانا تھا اس نے فائدہ اٹھایا اور جو کان میں تیل ڈالے بیٹھا رہا بعد میں اس نے جب اس پر کچھ لکھا تو لوگوں نے کہا: "اب پچھتائے ہوت کیا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

اس طرح کی سیکڑوں مثالیں آپ نے دوکانداروں میں، کاریگروں میں، تجارت پیشہ لوگوں میں دیکھی ہوں گی تحریک اسلامی کو بھی ایسے چانس ملے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عقبہ کی گھاٹی میں یہ موقع مل گیا۔ اسلامی تاریخ لکھنے والے لکھتے ہیں کہ اس چانس کے بعد حضورؐ کے زمانے میں ہی تحریک اسلامی یکدم کہیں سے کہیں پہنچ گئی پھر اچانک حضرت معاویہؓ کو چانس مل گیا اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو بھی اچانک ہی چانس ملا۔ میں کہاں تک گنا ؤں، ہندوستان میں رانا سانگا منصوبہ ہی بناتا رہ گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ ابراہیم لودی کے مقابلے میں بابر کو لے آؤں پھر ہندوستان کا راج میرا اپنا ہے۔ لیکن بابر ایک گھاگ تھا۔ وہ رانا سانگا کے بلاوے پر آیا ابراہیم لودی کو شکست دے کر خود ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ رانا سانگا منہ دیکھتا رہ گیا۔

اس طرح کی مثالوں اور مشاہدات سے میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہر تحریک کو چانس ملتے رہتے ہیں۔ اگر تحریکیں اس چانس سے فائدہ اٹھا لیتی ہیں تو آگے بڑھ جاتی ہیں ورنہ اپنے ترتیبی پروگرام کرتی رہتی ہیں۔ اور جب وہ ناکام ہو جاتی ہیں تو پھر وہ تحریکیں نہیں رہتیں جامد مسلک بن کر رہ جاتی ہیں۔ ایسے جامد مسلکوں کی مثالیں ہماری دو خانقاہیں

ظنی معلومات تو دنیا کی نظر میں تھیں لیکن آپ نے مشاہدے کی قوت سے کام نہیں لیا۔

شاید آپ نے مشاہدہ اس وقت جو مسلم نوجوانوں میں تحریک اسلامی وہ اسلامی ایک جذبہ نہیں بلکہ ایک جلے کی صورت جنت اور اللہ کی توفیق کی بدولت ہے۔ اس سالک کی زبان سے جو نکلا ہے وہ بالکل سچ میں بدل گیا کہ پندرھویں صدی ہجری اسلام کی صدی ہجری ہوگی اور مسلم نوجوانوں کے ہاتھوں برپا ہوگی۔

ہم نے دیکھا کہ ابھی پندرھویں صدی ہجری شروع نہیں ہوئی تھی کہ چودھویں صدی ہجری ہی میں مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دلوں میں اسلامی جوش و خروش پیدا ہوگیا وہ تحریک اسلامی کے لئے دیوانہ وار نکل پڑے اور اب عالم یہ ہے کہ ساری دنیا میں تحریک اسلامی کا شور برپا ہے اور دنیا کے دانشور حیرت میں ہیں کہ یا الٰہی یہ کیا ہوگیا، یہ کیسے ہوگیا۔ انھوں نے اس تحریک کو توپوں سے دبانا چاہا تو یہ واقعہ ہے کہ ہزاروں مسلمانوں کا خون تو بہہ گیا لیکن مسلمانوں کے خون کی ندی میں ان کے اقتدار کا تخت و تاج بھی بہہ گیا۔ مشاہدات کچھ ایسے ہیں کہ یا اللہ تعالیٰ اب تحریک اسلامی کو کامیابی عطا فرما ہی دے گا۔ تحریک اسلامی کے دشمن سازش کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کی تحریک اسلامی کے بانی کو چوری چھپے اٹھا لاؤ تو قدرت کی طرف سے وہ جہاز اپنی آگ میں پھنک جاتا ہے اور دنیا میں اس کے فریب کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ پھر سازش ہوتی ہے کہ فلاں جگہ کی تحریک اسلامی کے سربراہ کو قتل کرا دو تو تحریک اسلامی ختم ہو جائے گی۔ بیشک وہاں کا سربراہ قتل کر دیا گیا لیکن اس سربراہ کا خون زمین پر گرتے ہی حسب ذیل شعر کے مصداق ہوگیا: ؎

محبت کی یہ کھیتی ہے اسے دے گرم خوں اپنا
یہ کھیتی خون پا کر ہی گل و گلزار ہوتی ہے

ایک اور جگہ جہاں کا سربراہ اسلامی نظام کا نام لیتا ہے اور کچھ عمل کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے اور تحریک اسلامی کے حامی کبھی کبھی بڑھ کر اسے سہارا بھی دے دیتے ہیں، ابھی حال میں تحریک اسلامی کے دشمنوں نے اس پر بڑا زبردست وار کیا۔ اس کا ایک ہوائی جہاز اغوا کیا۔ دشمنوں کا منطقی منصوبہ بہت ہی خوب تھا لیکن مشاہدہ جو سامنے آیا وہ یہ ہے کہ سرفرازی اسی سربراہ کے حصے میں آئی۔

کیا جماعت اسلامی یہ کہہ سکتی ہے کہ جنوبی ہند میں جن گاؤں کے گاؤں اور آبادیاں کی آبادیاں مشرف باسلام ہو گئیں ان کے اسلام قبول کرنے میں جماعت اسلامی کا حصہ ہے؟ میں جماعت اسلامی کا چھبیس (۲۶) برس سے رکن ہوں۔ جماعت اسلامی کا ہر منصوبہ میرے پاس رہتا ہے۔ کسی منصوبے میں میں نے نہیں دیکھا کہ جنوبی ہند کے ایک روز دن پندرہ غیر مسلم افراد کو مسلمان بنایا جائے گا۔ لیکن اللہ کے منصوبے میں تھا کہ ہزاروں افراد مسلمان ہو جائیں۔ وہ ہو گئے۔ اب آپ یہ منطقی ربط پیدا کرتے رہیے کہ بھارت میں ہمیشہ دو طبقوں کے لوگ صاحب اقتدار رہے۔ اوّل وہ جس پر برہمنیت کی چھاپ ہے دوئم مہاجنوں کا طبقہ۔ ان دونوں طبقوں سے یہاں کے عوام ہزاروں برسوں سے کچلے جاتے رہے۔ یہ جو جنوبی ہند میں اسلام پھیل رہا ہے اسی کا ردِ عمل ہے۔

شمالی ہند میں جنوبی ہند کے برعکس دانشور طبقے کے افراد مسلمان ہو رہے ہیں۔ یہ اِکّا دُکّا ہی سہی لیکن یہ فکری طور پر بڑے مضبوط ہوتے ہیں اور ان کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے۔ اس بات کو کچھ دانشوروں نے محسوس کیا اور انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خوب خوب کتابیں لکھ ڈالیں۔ ایک دانشور نے تو حضرت محمد جی مہاراج کو ویدوں کی شہادتوں سے اَنتم رشی ثابت کر دیا۔ عجیب ستم ظریفی کی بات ہے۔ مسلمان خوش ہیں کہ اب سارے ہندو مسلمان ہو جائیں گے اور ہندو اس تگھات میں ہے کہ جس طرح بودھوں کو ہندوؤں میں ضم کر لیا ہے اسی طرح محمد جی مہاراج کو آخری اوتار مان لو تو مسلمان بھی ہم میں ضم ہو جائیں گے۔ مشاہدہ یہی ہے کہ شمالی ہند میں غیر مسلم اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہوتا ہے۔ ایک دانشور نے مسلمان ہونے کے بعد بڑے پتے کی بات کہی۔ اس نے کہا کہ اگر میں مسلمانوں کی طرف دیکھتا تو ہرگز مسلمان نہ ہوتا لیکن میں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا اور میرے لیے مسلمان ہونے کے سوا چارہ نہیں رہا۔

اب ایک تیسرے امکان کو بھی منطق سے حل کر لینا چاہیے۔ وہ ہے مسلم نوجوانوں میں تحریک اسلامی کے در آنے کا۔ آپ منطقی جواب دیں گے "سیّد قطبؒ اور ان کے ساتھیوں نے، مولانا مودودیؒ اور ان کے ساتھیوں نے اور مولانا ابوالحسن علی میاں کی کتابوں کا یہ کارنامہ ہے۔ میں آپ کے جواب کو غلط نہیں کہتا لیکن اس جواب پر میں صرف پاس مارکس دوں گا (Pass-marks) یعنی ۳۳ فیصد دوں گا اور وہ بھی رعایتاً کیونکہ یہ جواب ناقص ہے آپ کی

علمی تحریکات تو دعا کی تاثیر سے ہی ہیں لیکن آپ نے دیکھا ہے کہ قوت سے کام۔

شاید آپ نے سنا ہو اس وقت جو مسلم نوجوانوں میں تحریک اسلامی [illegible] یہ جذبہ نہیں ہے بلکہ ایک جماعت کی برسوں کی محنت اور اللہ کی توفیق کی بدولت ہے۔ اس سالک کی زبان سے جانے کیسے بے ساختہ یہ نکل گیا کہ پندرھویں صدی ہجری اسلام کی صدی ہجری ہوگی اور مسلم نوجوانوں کے ہاتھوں برپا ہوگی۔

ہم نے دیکھا کہ ابھی پندرھویں صدی ہجری شروع نہیں ہوئی تھی کہ چودھویں صدی ہجری ہی میں مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دلوں میں اسلامی جوش و خروش پیدا ہو گیا اور تحریک اسلامی کے لئے [illegible] اور اب عالم یہ ہے کہ ساری دنیا میں تحریک اسلامی کا شور برپا ہے اور دنیا کے دانشور حیران ہیں کہ یہ [illegible] کیسے ہو گیا۔ انھوں نے اس تحریک کو توپوں سے دبانا چاہا تو یہ واقعہ ہے کہ ہزاروں مسلمانوں کا خون [illegible] مسلمانوں کے خون کی ندی میں ان کے اقتدار کا تخت و تاج بھی بہہ گیا۔ مشاہدات کچھ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اب تحریک اسلامی کو کامیابی عطا فرما ہی دے گا۔ تحریک اسلامی کے دشمن سازش کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کی تحریک اسلامی کے بانی کو چوری چھپے اُٹھا لاؤ تو قدرت کی طرف سے وہ جہاز اپنی آگ میں پھنک جاتا ہے اور دنیا میں اس کے فریب کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ پھر سازش ہوتی ہے کہ فلاں جگہ کی تحریک اسلامی کے سربراہ کو قتل کرادو تو تحریک اسلامی ختم ہو جائے گی۔ بے شک وہاں کا سربراہ قتل کر دیا گیا لیکن اس سربراہ کا خون زمین پر گرتے ہی حسب ذیل شعر کے مصداق ہو گیا: ؎

محبت کی یہ کھیتی ہے اسے دے گرم خوں اپنا
یہ کھیتی خون پا کر ہی گل و گلزار ہوتی ہے

ایک اور جگہ جہاں کا سربراہ اسلامی نظام کا نام لیتا ہے اور کچھ عمل کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے اور تحریک اسلامی کے حامی کبھی کبھی بڑھ کر اسے سہارا بھی دے دیتے ہیں، ابھی حال میں تحریک اسلامی کے دشمنوں نے اس پر بڑا زبردست وار کیا۔ اس کا ایک ہوائی جہاز اغوا کیا۔ دشمنوں کا منطقی منصوبہ بہت ہی خوب تھا لیکن مشاہدہ جو سامنے آیا وہ یہ ہے کہ سرفرازی اسی سربراہ کے حصے میں آئی۔

کیا جماعت اسلامی یہ کہہ سکتی ہے کہ جنوبی ہند میں جو قصبوں کے گاؤں اور آبادیاں کی آبادیاں مشرف با سلام ہو گئیں ان کے اسلام قبول کرنے میں جماعت اسلامی کا حصہ ہے؟ میں جماعت اسلامی کا چھبیس (۲۶) برس سے رکن ہوں۔ جماعت اسلامی کا ہر منصوبہ میرے پاس رہتا ہے۔ کسی منصوبے میں میں نے نہیں دیکھا کہ جنوبی ہند کے ایک ہی دن ہزاروں غیر مسلم افراد کو مسلمان بنایا جائے گا۔ لیکن اللہ کے منصوبے میں تھا کہ ہزاروں افراد مسلمان ہو جائیں۔ وہ ہو گئے۔ اب آپ یہ منطقی ربط پیدا کرتے رہیے کہ بھارت میں ہمیشہ دو طبقوں کے لوگ صاحب اقتدار رہے۔ اول وہ جس پر برہمنیت کی چھاپ ہے دوم مہاجنوں کا طبقہ۔ ان دونوں طبقوں سے یہاں کے عوام ہزاروں برسوں سے کچلے جاتے رہے۔ یہ جو جنوبی ہند میں اسلام پھیل رہا ہے اسی کا ردِ عمل ہے۔

شمالی ہند میں جنوبی ہند کے برعکس دانشور طبقے کے افراد مسلمان ہو رہے ہیں۔ یہ اِکا دُکا ہی سہی لیکن یہ فکری طور پر بڑے مضبوط ہوتے ہیں اور ان کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے۔ اس بات کو کچھ دانشوروں نے محسوس کیا اور انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خوب خوب کتابیں لکھ ڈالیں۔ ایک دانشور نے تو حضرت محمد جی مہاراج کو ویدوں کی شہادتوں سے انتم رشی ثابت کر دیا۔ عجیب ستم ظریفی کی بات ہے۔ مسلمان خوش ہیں کہ اب سارے ہندو مسلمان ہو جائیں گے اور ہندو اس نگھات میں ہے کہ جس طرح بودھوں کو ہندوؤں میں ضم کر لیا ہے اسی طرح محمد جی مہاراج کو آخری اوتار مان لو تو مسلمان بھی ہم میں ضم ہو جائیں گے۔ مشاہدہ یہی ہے کہ شمالی ہند میں غیر مسلم اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہوتا ہے۔ ایک دانشور نے مسلمان ہونے کے بعد بڑے پتے کی بات کہی۔ اس نے کہا کہ اگر میں مسلمانوں کی طرف دیکھتا تو ہرگز مسلمان نہ ہوتا لیکن میں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا اور میرے لئے مسلمان ہونے کے سوا چارہ نہیں رہا۔

اب ایک تیسرے امکان کو بھی منطق سے حل کر لینا چاہیے۔ وہ ہے مسلم نوجوانوں میں تحریک اسلامی کے در آنے کا۔ آپ منطقی جواب دیں گے "سید قطبؒ اور ان کے ساتھیوں نے، مولانا مودودیؒ اور ان کے ساتھیوں نے اور مولانا ابوالحسن علی میاں کی کتابوں کا یہ کارنامہ ہے۔ میں آپ کے جواب کو غلط نہیں کہتا لیکن اس جواب پر ایں صرف پاس مارکس (Pass - marks) یعنی ۳۳ سے زیادہ نمبر دوں گا اور وہ بھی رعایتاً کیونکہ یہ جواب ناقص ہے۔ آپ کی

آج اس طرح کے شا۔۔۔ے پے بہ پے سامنے آرہے ہیں یہ شاہات بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بجلد تر تحریک اسلامی برپا کرنے والا ہے۔ چاہے جماعت اسلامی والے اپنے بڑھاپے کا عذر کرکے گھر بیٹھ رہیں چاہے خلفاء المسلمون کو پاؤں ٹکانے کی کہیں جگہ نہ ملے، انشاءاللہ یہ کام ہو کر رہے گا۔ اللہ کس گروہ کو تحریک اسلامی برپا کرنے کے لئے اٹھاتے گا یہ بات خدا ہی کے منصوبے میں ہے۔

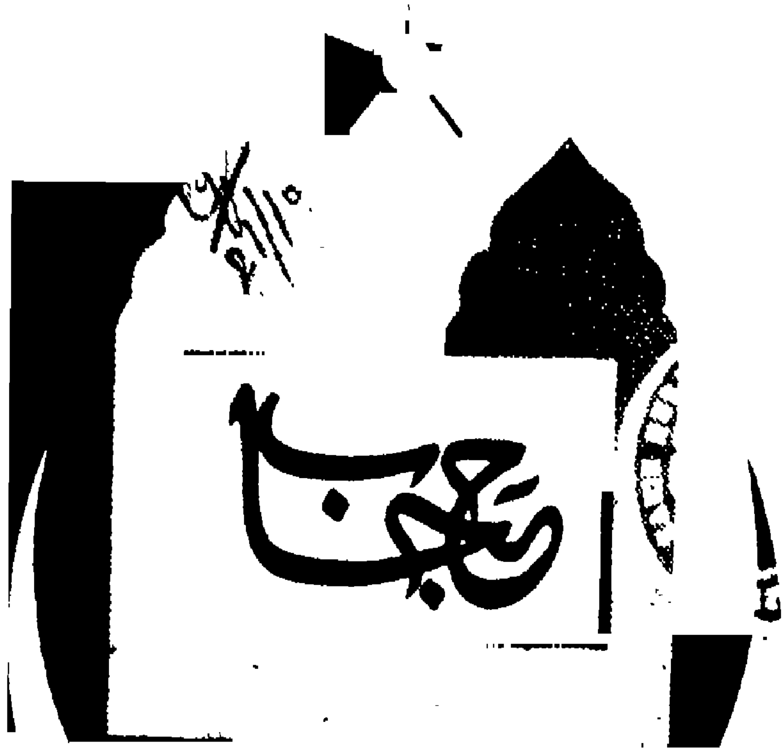
یاد رکھئے کہ منصوبہ صرف خدا کا ہی کامیاب ہوتا ہے۔ اسی کے منصوبے کے مطابق یہ دنیا اور اس کا نظم قائم ہے۔ خدا کے منصوبے کے علاوہ سارے منصوبے وہم و خیال سے زیادہ کچھ نہیں۔ جواہر لال نہرو نے ایک ڈیم پر کھڑے ہو کر اپنے منصوبے پر گھمنڈ کیا تھا۔ اس کا بدلہ قادر مطلق نے یہ دیا کہ اس کے بعد اس ڈیم میں ایسا شگاف ہوا کہ بستیاں کی بستیاں تباہ و برباد ہو گئیں اور ہندوستان کو اتنا نقصان اٹھانا پڑا جس کی تلافی اللہ ہی جانتا ہے کہ کب ہو گی۔

میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے امکانات پر سوچنا ترک کرنا چھوڑ دیں۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ تحریک اسلامی کی کامیابی کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اب آپ اس پر غور کریں کہ اس تحریک کی کامیابی میں آپ کا کتنا حصہ ہے۔ آپ کیا پارٹ ادا کر رہے ہیں اور یہ سوچیں کہ کل جب حق تعالیٰ میدان حشر میں آپ سے پوچھے گا "اے فلاں! جب میرے بندے تحریک اسلامی کی کامیابی کے لئے اپنی جانیں اور اپنا مال نچھاور کر رہے تھے، اس وقت تم کہاں سو گئے تھے؟" دوستو! ابھی تمہارے لئے کچھ مہلت ہے۔ آپ اس مہلت میں ان امکانات پر غور کر لیجئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے کس طرح بچ سکیں گے۔ اللہ آپ کو توفیق بخشے۔ اللہ اسی کو توفیق بخشتا ہے جو کچھ کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

اوہام شکن نمبر

اوہام شکن نمبر کا بنڈل ایک جگہ فرید سے بھیجا گیا تھا۔ ڈاکخانے کے کارکنوں نے اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ کئی ماہ بعد بنڈل واپس آیا۔ ان میں سے کچھ ہمارے پاس اب بھی باقی ہیں۔ ضرورتمند بہنیں اور بھائی صرف آٹھ روپیہ بھیج دیں۔ ہم محفوظ طریقے سے بھیج دیں گے۔ اوہام شکن نمبر کی قیمت آٹھ روپے ہے۔

منیجر مکتبہ حجاب رامپور یو۔پی



رام پور

تربیت نمبر

Rs. 10/-

Regd. No. M.R.D. 34

NTHLY HIJAB RAMPUR U.P

[illegible]

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب

رام پور

خاص اشاعت

تربیت نمبر

قیمت دس روپیہ

شمارہ نومبر و دسمبر ۱۹۸۱ء مطابق محرم و صفر ۱۴۰۲ھ

[مائل خیرآبادی]

در پردۂ حجاب

حصہ نظم

باب اوّل

قرآن و حدیث سے ماخوذ

خواتین اور طالبات کا پسندیدہ ڈائجسٹ

حجاب

رامپور

شمارہ نمبر ۱۲۸-۱۲۷ | نومبر و دسمبر ۱۹۸۱ء | جلد نمبر ۱۲

قیمت فی کاپی عام شمارہ 3-50 | سالانہ زر تعاون 37-00 | اس تربیت نمبر کی قیمت 10-00

تحفے کی کتاب صحابہ و صحابیات کا پوسٹیج (رجسٹرڈ) 3-00 | کل 40/-

نوٹ۔ براہ کرم وی۔ پی سے بحالت مجبوری ہی منگائیے۔ وی۔ پی میں آپ کے ۵ روپے زائد خرچ ہو جائیں گے۔

اس دائرے میں ◯ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے حجاب کے لیے جو زرِ تعاون عنایت فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ آئندہ کے لیے زرِ تعاون منی آرڈر سے ارسال فرمائیں۔ منیجر

باب سوم

عبرتناک قرآنی قصے

باب چہارم

افسانے اور کہانیاں

قارئین حجاب کے اس خصوصی شمارے "تربیت نمبر" کے بارے میں اپنی آراء سے ہمیں بھی مطلع فرمائیں۔۔۔۔ مدیر

باب دوم

الجھنوں سے گرفتار

تھا جسے میں دینی مشکل سمجھتا"

اگر میں نے اپنا خاکہ تیار کیا ہوتا اور ادھر اُدھر سے کچھ مضامین لے لیتا، کچھ افسانے اور کہانیاں ترتیب دے لیتا، ایک اداریہ لکھ دیتا، لیجئے تربیت نمبر تیار تھا لیکن خاکہ اور نوٹس کا تقاضہ تھا کہ انہی خطوط اور نقوش کے تحت دریا کو کوزے میں بھر جائے گو یہ کام مشکل سہی، مگر فلم تربیت نمبر شائع کیا جائے گو یہ کام آسان سہی۔ اس وقت خود اپنے ایک پرانے شعر کا مفہوم سمجھ میں آیا کہ: ؎

کتنی آسان تھی بے راہ روی اے حائل
راہ پر آئے تو چلنا ہمیں دشوار ہوا

دشوار گزار راستے پر چلنے کو طے کیا تو سوچنا پڑا کہ تن تنہا یہ سفر طے کرنا ہے۔ اکیلے ہی تربیت نمبر ترتیب دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ خود اکیلے تو وہ سب کچھ پڑھا نہیں جا سکتا جو اس سلسلے میں اب تک لکھا جا چکا ہے۔ تو سوچنا پڑا اور دعا کرنی پڑی کہ اے اللہ! کوئی ایسا سرا مل جاتا جس کو پا کر میں اپنی اُلجھی ہوئی ڈور کو سلجھا لیتا۔ جی ہاں! ڈور کو سلجھا رہا تھا میں سرا ملتا نہ تھا۔ لیکن ماننا پڑتا ہے کہ دعا میں بڑا اثر ہے۔ دعا کے ختم پر نہیں، دعا کے دوران ہی اچانک غیبی اشارہ ملا
"قرآن جو تیرے پاس موجود ہے۔ وہ تو اول تا آخر تربیت ہی کی کتاب ہے، اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم قرآنی احکام کا نمونہ"

دل خوش ہو گیا۔ غور فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب دیس کے شہر مکہ میں اپنے ایک بندے کو پیغمبری کی خدمت کے لئے چنا۔ اسے حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے خاندان سے دعوت کا کام شروع کرو۔ جی ہاں، یہ اشارہ ہے حضور سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ آپ کو اللہ نے اپنا آخری نبی بنایا اور حکم دیا کہ جو ہدایت میری طرف سے پاؤ اس کے مطابق پہلے اپنے کو ڈھالو پھر اس کے مطابق اپنے گھر، خاندان اور شہر والوں کی تربیت کرو۔

یہ سرا ہاتھ آتے ہی میں نے سیرت پاک کا مطالعہ قرآن کی مدد سے کیا۔ قرآن نے مجھ کو بتایا کہ تربیت کے معنی ہیں اپنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ ہے تربیت نمبر

میں سمجھتا تھا کہ تمام عمر اچھی بری باتوں، اچھے برے کاموں، اچھے برے لوگوں کی صحبتوں، اچھے برے کھیلوں اور اچھی بری کتابوں کے پڑھنے میں گزری۔ پھر پچیس تیس برس تک خود مدرس رہا۔ ہزاروں طالب علموں کو دیکھا، ان کو پڑھا، ان کے رجحانات کا مطالعہ کیا۔ بہتر سال کی خود اپنی زندگی ہے۔ اپنی زندگی کا اتار چڑھاؤ دیکھا۔ اس اتار چڑھاؤ کے نتیجے سامنے آئے۔ طرح طرح کے تجربے کئے۔ پھر جب قلم سنبھالا تو ہمیشہ اخلاقی اور تربیتی ہی مضامین لکھے۔ تو پھر میرے لئے تربیت نمبر ترتیب دینا کیا مشکل ہے؟ یہ سوچ کر اس کا خاکہ تیار کیا:

● تربیت کے معنی و مطلب ● تربیت کی بنیادیں ● تربیتی کورس (نصاب) ● تربیت کے ذرائع ● الہامی کتب ● احادیث اور بزرگوں کے ملفوظات ● تربیتی نمونے ● تربیتی نمونوں کے تحت سچے واقعات، افسانے اور کہانیاں، آپ بیتیاں، طرح طرح کی الجھنوں کے گرفتاروں کی الجھنوں کو سلجھانا، کچھ تربیتی نظمیں اور افسانے وغیرہ۔

اس خاکے کے مطابق تربیت نمبر ترتیب دینے کے لئے نوٹس تیار کئے۔ نوٹس تیار کرتے وقت پتہ چلا کہ یہ کام کوئی ایک شخص نہیں بلکہ بڑے سے بڑا ادارہ انجام نہیں دے سکتا۔ انجام دے سکنا تو الگ رہا، تربیت کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے بڑے سے بڑا اشاف اس کا کما حقہ مطالعہ نہیں کر سکتا۔ اب دل نے کہا "سہل سمجھا

لئے اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جنوں کو مسخر فرما دیا تھا، اس پر حضرت سلیمان کی سادہ زندگی کا اثر کیا ہوا تھا؟" ● قومِ حضرت لوطؑ اور ان کی قوم کی بدکاریوں کا اثر کیا ہوا یہاں تک انجام بیان ہوا ہے جس کے نتیجے میں زیر و زبر ہو کر رہ گئی۔ ● مضمون کا عنوان "بھائی زیرو زبر ہو گئے" ہے ● قیصر و کسریٰ کی جنگ کا قصہ سورۂ روم کی ابتدائی آیتوں سے ماخوذ ہے۔ اس جگہ کا پس منظر میں نے تفہیم القرآن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔

❋

ایک اور چھوٹا سا باب ہے "الجھنوں کے گرفتار" کے ضمن میں۔ اس باب کے مضامین ہیں ● ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے امکانات ● اور میں جماعت اسلامی کا ممبر ہو گیا ● "ناموافق فضا میں نیکی کیسے فروغ پھیلائی جاتی ہے؟" اس کا سیر حاصل جواب ہے۔ بہت ہی سادہ انداز میں پیش کیا گیا ہے ● ایک مضمون علامہ مودودیؒ کے پرانے مضمونوں میں سے چنا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بے حیائی کی باتوں کو روکنے کے لئے کیا کرنا چاہئے ● "بچوں کی سیرت سازی کیسے؟" اس پر پروفیسر عبدالحق علوی صاحب نے روشنی ڈالی ہے بیحد مختصر

❋

ایک اور باب ہے اور یہ سب سے بڑا باب ہے یہ باب ہے افسانوں کہانیوں اور آپ بیتی وغیرہ کا۔ اس میں آپ ایک افسانہ "یونس" کے نام سے پڑھیں گے۔ حالانکہ اسے قرآن کی مدد سے لکھا ہے لیکن اس میں افسانویت بہت زیادہ سمو دی گئی ہے۔ اگر اس میں افسانویت نہ ہوتی تو یہ قصہ بھی اس قابل ہے کہ اسے قرآنی قصوں میں جگہ دی جاتی۔

اس باب میں طویل افسانے بھی ہیں اور مختصر بھی۔ مطالعہ کا احساس ہے کہ ایسے افسانے بھی ملیں گے جو نہایت دلچسپ اور بہت ہی عبرت انگیز ہیں۔ ان افسانوں کے عنوان اور ان کے لکھنے والوں کے نام "درپردۂ حجاب" میں تلاش کیجئے میں نے ان کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

"سعد و سلمےٰ" جو ایک ایمان افروز ناول سلسلہ چل رہا تھا اس کا نہایت دلچسپ قسط کا ترتیب نمبر میں جا رہا ہے۔ اس ایمان افروز ناول کے بارے میں حجاب پڑھنے والوں کا سخت تقاضا ہے کہ اسے جلد سے جلد کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ حجاب میں خدا جانے کتنے مہینے انتظار کرنا پڑے۔ چنانچہ حجاب کی اس خواہش کا احترام کیا گیا اور

کو یا دوسروں کو اللہ کا اچھا بندہ بنانا، اچھا انسان بنانا۔ قرآن ہی نے مجھے بتایا کہ ایک شخص توحید، آخرت اور رسالت کے عقیدوں کو مانے بغیر اچھا انسان نہیں بن سکتا۔ جب تک خوفِ خدا دل میں نہ بیٹھے انسان واقعی انسان نہیں بن سکتا۔

تربیت کی بنیادیں ملیں تو پھر سب سے پہلے میں نے سورۃ علق (اقرأ باسم ربک الذی خلق) کی روشنی میں وہ مضمون لکھا جس کا عنوان ہے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ پھر وہ مضمون جس میں تربیتی نصاب دیا گیا ہے۔ پھر ذرائع تربیت اور احادیث کے منتخب ترجمے مع متن۔

گزرے ہوئے سال میں نے اوہام شکن نمبر نکالا تھا۔ اس میں کتابوں کی طرح مضامین ابواب میں بانٹ دئے تھے۔ حلقۂ حجاب نے اس جدت کو پسند کیا۔ اب جبکہ تربیت نمبر کا اعلان ہوا تو مجھ کو مشورہ دیا گیا کہ تربیت نمبر میں بھی اسی طرح ابواب قائم کئے جائیں۔ میں نے یہ بات تربیت نمبر میں قائم رکھی۔ پہلے باب میں ان مضامین کو ترتیب میں رکھا جو قرآن و حدیث سے براہ راست لئے۔ ان مضمونوں میں احادیثِ رسولؐ کو اس طرح سمویا کہ پڑھنے والا ان سے تربیت ہی نہ حاصل کرے بلکہ تربیت کے گُر۔۔۔ توحید، آخرت اور رسالت۔۔۔ سمجھ لے۔

ایک باب میں قرآن کے عبرتناک قصے بیان کئے گئے۔ یہ قصے بالکل اسی طرح لکھے گئے جیسے آپ نے حجاب کے پچھلے شمارے اکتوبر مطابق ذی الحجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھا۔ ایک ایک واقعہ قرآن کریم اور احادیث رسول کی مدد سے نقل کیا گیا۔ ان واقعات کو لکھتے وقت جو تفسیریں میرے پیش نظر رہیں ان میں تفہیم القرآن کا مطالعہ سب سے زیادہ مفید رہا۔ اس باب میں ● بدر کی لڑائی جسے میں نے رمضان شریف کے حجاب کے لئے لکھا تھا لیکن پھر اسے اس تربیت نمبر کے لئے محفوظ کر دیا ● سورۂ فیل کی مدد سے ہاتھی والوں کا قصہ لکھا اور ابرہہ کے بے جا اقدام کا جو برا انجام ہوا، صاف اور سادہ انداز میں بیان کر دیا ● پھر طالوت اور جالوت کی جنگ کا واقعہ ہے۔ اس کا عنوان ہے "صندوق والے"۔ عجیب و غریب تربیتی انداز اس قصے میں ہیں ● پھر حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کا واقعہ ہے۔ بتایا گیا کہ ملکہ سبا کس طرح اسلام سے متاثر ہوئی۔ وہ اس بات سے متاثر ہوئی کہ حضرت سلیمان کے

النساء قوامات علی الرجال

بہنوں اور بھائیوں کی آسانی کے لئے مدیر حجاب کی طرف سے اشارات دیئے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ اس عنوان کے تحت مضمون نگار بہنیں اور بھائی جلد سے جلد اپنے تجربات اور مشاہدات لکھ کر بھیج دیں گے۔ انشاء اللہ ایسے تمام مضامین حجاب کے ایک ہی شمارہ میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اشارات

● عنوان کے معنی ہیں "عورتیں مردوں پر قوام ہیں" ● قوام کے معنی ومطلب ● گھر کا قوام مرد ہو سکتا ہے یا عورت اور کیوں؟ ● مرد اور عورت دونوں کا کمائی کرنا، اس کے فائدے اور نقصانات ● ملک کا قوام عورت ہو تو اس سے کیا نقصان ہوتا ہے اور کیسے؟

انعام

● سب سے اچھے مضمون پر ۲۵/- روپے نقد، ایک سال کے لئے حجاب اور کتاب صحابہ وصحابیات (صفحات ۶۹۲) ● دوسرے نمبر پر آنے والے مضمون پر ایک سال کے لئے حجاب اور کتاب صحابہ وصحابیات ● باقی وہ مضامین جو حجاب میں شائع ہوں گے ان کے لکھنے والوں کو کتاب صحابہ وصحابیات پیش کی جائے گی۔

● تمام مضامین ۳۱ دسمبر ۱۹۸۱ء تک ارسال کر دیئے جائیں۔

منیجر حجاب رامپور یوپی

پر، ہم نے اس ناول کا پورا مسودہ پریس میں دے دیا ہے۔ انشاء اللہ اگلا سال شروع ہوتے ہی "سعد و سلمٰی" ناول کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ناول آفسیٹ سے چھپوایا جا رہا ہے۔ قیمت کا صحیح تعین چھپنے کے بعد ہو سکیگا

نوٹ:۔ جنوری ۱۹۹۲ء سے ایک دوسرا ناول "بنتِ سُراقہ" شروع کیا جائے گا یہ قصہ جنگ قادسیہ سے متعلق ہے۔

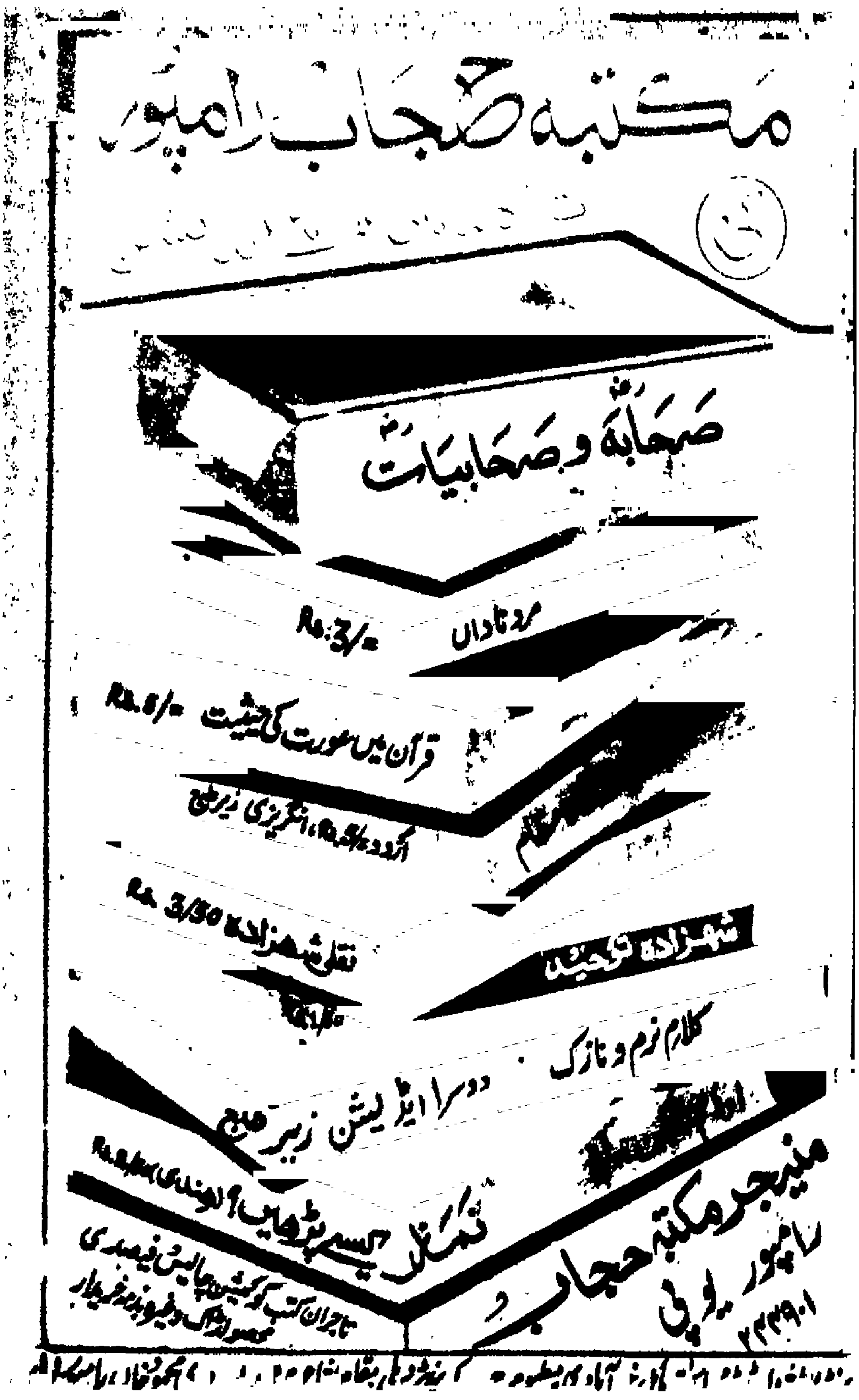
میری اس گذارش کے بعد اب آپ تربیت نمبر ملاحظہ فرمائیں۔ پھر جو تشنگی آپ محسوس کریں اس سے مجھے مطلع کریں۔ سچی بات یہ ہے کہ میں خود تشنگی محسوس کر رہا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ آئندہ ایک اور تربیت نمبر نکال دوں اور وہ اس طرح ترتیب دوں جو قرآن کے نزول کے مطابق ہو۔ آپ اپنی رائے سے مجھ کو آگاہ کریں۔ آپ کی رائے پا کر ہی میں اپنی رائے بتاتا ہوں۔

نوٹ:۔ حصہ نظم بھی ایک باب سمجھئے۔ نظموں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ وما توفیقی الّا باللہ۔

تعارف بنتِ سُراقہ

حضرت جعشم ابن سراقہؓ اپنے ایام جاہلیت میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر دشمن تھے۔ حضورؐ نے جب ہجرت فرمائی اور سرداران قریش نے حضورؐ کا سر لانے کے لئے دو سو سرخ اونٹوں کا انعام مقرر کیا تو حضرت جعشم ابن سراقہ دو سو اونٹوں کے لالچ میں حضورؐ کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ انھوں نے حضورؐ کا سراغ پالیا۔ اور پھر جالیا لیکن گھوڑا گھٹنوں تک ریت میں دھنس گیا۔ یہ تین بار ہوا تو حضرت جعشم کی آنکھیں کھلیں۔ توبہ کی اور مسلمان ہو گئے۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا کہ یا ابن سُراقہ! وہ بھی دن کیا ہوگا جب تو کسریٰ کا تاج پہنے گا۔

حضورؐ کا یہی ارشاد "بنتِ سراقہ" کا محرک بنا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایران سے سخت جنگ لڑنی پڑی تھی۔ حضرت ابن سراقہؓ سب سے کہا کرتے تھے کہ فتح ہماری ہوگی۔ اور پھر اس جنگ میں آلِ سراقہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا حتیٰ کہ عاصمہ بنت سراقہ نے بھی شرکت کی۔ عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک رسالے کا افسر بنایا گیا تھا۔ اسی رسالے میں عاصمہ، عاصم بن کر شریک ہوئی۔ کیسے؟ یہ عجیب و غریب داستان ہے۔ جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کے جانبازوں کے ساتھ عاصمہ کی بہادری۔ پھر خاموش محبت پھر تہمینہ دختر کسریٰ کا مسلمان ہونا وغیرہ پڑھئے دلچسپ ناول



مکتبہ حجاب رامپور
صحابہؓ و صحابیاتؓ
مرد ناداں
Rs:3/=
قرآن میں عورت کی حیثیت
Rs.6/=
انگریزی زیر طبع
شہزادہ توحید
Rs. 3/50
کلام نرم و نازک
دوسرا ایڈیشن زیر طبع
نماز کیسے پڑھیں؟ (ہندی)
تاجران کتب کو کمیشن چالیس فیصدی
منیجر مکتبہ حجاب
رامپور یوپی
۲۴۴۹۰۱

ایمان افروز کہانی

(سَعد و سلمیٰ)

محبت، ایمان اور یقین کی ملی جلی داستان

قیصر و کسریٰ

کی



ناقابل فراموش معرکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اور تو ——— مائل خیرآبادی

آ بتاؤں میں تجھے، یہ کون ہے اور کیا ہے تو
تیرا اس کا فرق موضوعِ سخن ہے چار سو!

خانقاہوں، مدرسوں میں، کوچہ و بازار میں
کر رہے ہیں لوگ، کچھ اس طرح گھر گھر گفتگو!

دشمنِ طاغوت یہ، طاغوت کا ساتھی ہے تو
یہ اسے باطل کہے، لیکن، کہے تو "حق ہے وہ"!

"کفر بالطاغوت" اس کا دین ہے، ایمان ہے
"لطف بالطاغوت" تیری شان، تیری آبرو!

کفر پر یہ حملہ آور، برسرِ پیکار یہ !!
کفر کے ڈر سے مگر ہے منجمد تیرا لہو!

کفر کی تلوار سے یہ سرخ رو ہے کامیاب
اور تو ہیبت زدہ، لرزہ بجسم و زرد رو!

اپنے رب کا یہ سپاہی، غازیِ اسلام یہ
تو دو رکعت کا نمازی، وہ بھی شاید بے وضو!

یہ محمد ابن قاسم، طارق و محمود یہ،
یہ ہے ابن تیمیہؒ اور یہ خانقاہی پیر تو!

اس کے ماتھے پر چمکتا ہے شہادت کا نشاں
غیر اسلامی تصوف، تیری عادت، تیری خو!

یہ قلم کا بھی دھنی، تلوار کا بھی ہے دھنی
کر رہا ہے تو مگر کشف و کرامت میں غلو!

"الرحیل" آواز سن کر یہ اٹھا بہرِ جہاد
تھا کبھی وقتِ قیام اور گر پڑا سجدے میں تو!

مغربی افکار پر یہ بڑھ کے تنقیدیں کرے
سر کو نیچے دائیں کر کے مار بیٹھا اپنے دل پہ تو

جب کبھی قانون نافذ ہو خداؤں کا ترے
یہ بتائے عیب اس کے، تو کرے بڑھ کر رفو!

تیرے آقاؤں کو ہو فرقہ پرستوں کی تلاش
تو بتائے "یہ ہے وہ" جس کی تمھیں ہے جستجو!

دین ہے تیرے بہت ہی ملتا جلتا طاغوت سے
دین سے اس کے بہت چیں بجبیں ہے تیرا گرو!

یہ شکستہ صفِ شیطاں میں کانٹے کی طرح.

اور یہ شاید تجھ سے اس کا بنا آرزو!

تمام مذہبینیں "تخلیہ" کا لفظ سن کر بارہ دری سے نکل گئیں۔ اب سلمٰی نے اپنی اور قیصر کی پوری داستان سُنائی۔ داستان سن کر گلنار کا چہرہ فق ہوگیا۔ اس پر سکتہ سا ہونے لگا۔ سلمٰی نے اس کے چٹکی لی تو وہ رو پڑی اور اس نے سلمٰی کی گود میں اپنا سر رکھ دیا۔

سلمٰی نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ "اے گلنار! ہم نے مظلوم سمجھ کر تیری مدد کی۔ ہم تیری مدد کرتے رہیں گے۔ آخر تو کیوں پریشان ہوگئی؟" گلنار سنبھلی۔ اس نے سلمٰی کے کان میں کچھ کہا تو سلمٰی نے سعد رابرٹ سے کہا:

"بھائی! تم کافی زخمی ہو چکے ہو۔ کیا اچھا ہو کہ فوج میں جا کر آرام کر لو۔" سعد رابرٹ اٹھا اور پھاٹک کی طرف چلا گیا۔ گلنار اسے دیکھ رہی تھی۔ بیساختہ اس کی زبان سے نکلا "کیا جوان رعنا ہے۔" سلمٰی نے اسے گلے لگا کر کہا:

"کیا تو میرے بھائی کو پسند کرتی ہے؟"

"میں اسے پسند کر چکی مگر۔۔۔"

"مگر کیا؟" سلمٰی نے پوچھا

"مشکل یہ ہے کہ میرا باپ کسریٰ کا ملازم ہے اور اس کی طرف سے آذربائیجان کا حاکم اعلیٰ ہے۔ وہ سنے گا تو میں نہیں کہہ سکتی کہ ہمارا تمہارا کیا حشر ہو۔"

اسی وقت دربان خاتون نے ایک پرچہ لا کر سعد کو پیش کیا۔ سعد نے پرچہ پڑھا۔ لکھا تھا:

"اے میرے وفادار سعد اوسی! ابھی ابھی میرے جاسوسوں نے ایک ایسی پیشین گوئی تمہارے نبیؐ کی طرف سے سُنائی جو تم کو بھی نہیں معلوم۔ تمہارے نبیؐ نے پیشین گوئی کی ہے کہ خسرو پرویز اپنے خاندان کے ہاتھوں تین سال کے اندر مارا جائے گا۔ میں شام تک تمہارے پاس پہنچوں گا۔ اب میرے آنے تک پیش قدمی روک دو۔ کچھ مشورہ کرنا ہے۔ تم پر سلامتی ہو۔ میری بیٹی سلمٰی پر سلامتی ہو۔ میں ہوں تمہارا امیر پست ہرقل"

سعد نے وہ پرچہ سلمٰی کو دے دیا اور سلمٰی نے پڑھ کر گلنار کے ہاتھ میں تھما دیا۔ گلنار نے کہا:

اب تک کہانی کا خلاصہ

سعد و سلمیٰ مدینے کے ایک مشہور قبیلے کے دو خاندانوں اوس و خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ سعد و سلمیٰ کی ملاقات ایک نخلستان میں ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے سے متاثر ہو کر باہم پیمانِ محبت کیا۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ وہ قیصر و کسریٰ کی جنگ کے حالات سے واقف ہو چکے تھے۔ سورہ روم کی ابتدائی آیات کی پیشین گوئی سے متاثر ہو کر قیصر کی مدد کرنا چاہتے اور اسے یہ پیشین گوئی پہنچا کر تقویت دینا چاہتے۔ دونوں طرابزون کے علاقے میں قیصر سے ملے۔ وہ ایرانیوں کے ڈر سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ انھوں نے اسے قرآن کی پیشین گوئی سنائی۔ پھر اپنے خاندانوں کا تعارف کرایا۔ قیصر نے جاسوس مدینے اور مکے کی طرف روانہ کر دیئے۔ اسی دوران ہمت کر کے ارمینیا کا قلعہ سعد و سلمیٰ کی مدد سے فتح کیا اور یہیں اس کے جاسوسوں نے مکے اور مدینے کے بہت سے واقعات سنائے۔ قیصر بہت خوش ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ سعد و سلمیٰ جو پیشین گوئی سنا رہے ہیں وہ پوری ہو کر رہے گی۔ یہ پیشین گوئی بھی صحیح ثابت ہوئی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم مکے سے مدینے ہجرت کر جائیں گے اور یہ پیشین گوئی بھی ٹھیک نکلی کہ اوس و خزرج جو مدتوں سے باہم لڑ رہے تھے ان کے دل جڑ جائیں گے۔ ان تصدیقوں سے قیصر کا دل بہت مضبوط ہوا۔ اس کی ہمت بڑھ گئی اور اب وہ ایران کی طرف بڑھنے کے منصوبے بنانے لگا۔ اس عرصے میں اس کا سپہ سالار تیس برس کا جوانمرد سلمیٰ و سعد کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا لیکن قیصر نے اس کا برا نہ مانا۔ سعید رابرٹ (سپہ سالار)، سعد و سلمیٰ آپس میں بھائی بہن بن گئے تھے۔ قیصر نے سعید رابرٹ کی طرف سے دو تلواریں سعد و سلمیٰ کو تحفے میں دیں۔ اس کے بعد سعید رابرٹ بہادر لشکر سے کٹ کر آگے بڑھا۔ راستے میں [illegible] شاہ کی بیٹی [illegible] کو ایک غلام سے نجات دلائی۔ پھر نگار سعد و سلمیٰ اور سعید سے ملی۔ [illegible] نے [illegible] کر دیا۔

"تم کو بھی ہر وقت یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں"

"دشمن بھی کیسے ابا جان! شریف دشمن کہئے۔ دیکھئے نا! انھوں نے آپ کے نمک حرام پروردہ سے آپکی بیٹی کی جان، آپ کی بیٹی کی آبرو بچائی۔ وہ آپ کی بیٹی اور آپ کی بیٹی کی سہیلیوں کو لونڈی بنا سکتے تھے، ہم سب کو اپنی فوج میں تقسیم کر سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ انھوں نے آپ کی بیٹی اور آپ کی دو سو حسین و جمیل لونڈیوں باندیوں کو نہایت اعزاز اور حفاظت کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجدیا کیا یہ احسان نہیں ہے اُن کا؟"

"ان کے اس احسان کا بدلہ دے دیا گیا"

"ابا جان! کیا آپ کی بیٹی کی جان، آپ کی بیٹی کی آبرو اور انھوں نے آپ کی طرف دوستی کا جو ہاتھ بڑھایا ہے اس کی قیمت یہ درہم و دینار، یہ اطلس و کمخواب، یہ چاندی سونے کے ظروف اور یہ ایرانی ملبوسات ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی، جی ہاں اپنی عزت و آبرو کی قیمت ان ٹھیکروں کے برابر سمجھی۔ قیصر نے کیسا پیارا خط آپ کو لکھا۔ اس نے مجھ کو اپنی 'بیٹی' بنایا۔ آپ اس وقت دربار جانے کے لئے تیار ہیں۔ کیا آپ قیصر کے احسان اور اس کے پیار بھرے خط کا جواب تلوار سے دیں گے؟"

"مہر نگار! تم سیاست کو نہیں سمجھتیں"

"یعنی آپ کا مطلب ہے کہ سیاست میں احسان فراموشی، سیاست میں فریب، سیاست میں جھوٹ اور دوسرے رذائل اخلاق جائز ہو جاتے ہیں جن کے ذریعہ کوئی جنگ جیتی جا سکتی ہے"

"مہر نگار حد سے مت بڑھو۔"

"ابا جان! حد سے وہی بڑھنے والے ہوتے ہیں جو ظالم ہوتے ہیں"

"یعنی تیرا مطلب یہ ہے کہ میں ظالم ہوں!"

"نہیں۔ میں نے ایک اصولی بات کہی ہے"

"اور وہ اصولی بات تو نے مجھ پر چسپاں کر دی۔ تیری یہ جسارت؟"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ قباد قید سخت میں ہے۔"
"ایسا ہی ہوگا۔ ہمارے نبیؐ کی کوئی پیشین گوئی ابھی تک غلط نہیں ہوئی۔"
"تو کیا میں یہ پرچہ اپنے باپ کے پاس بھیج دوں اور سارا حال لکھ دوں؟"
"ہرگز نہیں۔ تم کو یہ بھید چھپانا ہوگا اگر سعید رابرٹ سے تم کو واقعی محبت ہے۔"
"آپ کو یہ نہیں معلوم کہ قباد خسرو پرویز کا بیٹا میرے باپ کے زنداں میں ہے اور میرا باپ ہی اس کا نگراں ہے"
"ہم قیصر کی اجازت کے بغیر یہ پرچہ تم کو حوالے نہیں کر سکتے۔"
"مجھے اجازت دیجئے کہ قیصر کی میزبانی کے فرائض انجام دوں۔ مگر چمن زار کے آس پاس کوئی چڑیا تک پر نہ مار سکے۔"
"ایسا ہی ہوگا۔"

گفتگو ناتمام چھوڑ کر سعد و سلمیٰ اٹھ کر اپنے لشکر میں پہنچے۔ وہاں گلنار کی طرف سے ایرانی میوے پھل اور مشروبات پہنچ چکے تھے۔ سعد و سلمیٰ سعید رابرٹ کے خیمے میں گئے۔ دیکھا تو وہ بخار میں بھن رہا تھا۔ اور بڑبڑا رہا تھا: "سلمیٰ میری پیاری بہن! اللہ تعالیٰ تیری مراد پوری کرے۔"

سعد و سلمیٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اس کی تیمارداری کے لئے اس کے خیمے میں رک گئے۔ مغرب کے وقت قیصر بھی آگیا۔ گلنار نے بڑی سعادت مندی اور فراخدلی سے اس کا استقبال کیا اور جو خدمت ایک رئیس زادی کر سکتی تھی اس میں کسر نہ اٹھا رکھی۔ قیصر نے خوش ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا، دعا دی اور راتوں رات ایک محافظ دستے کی حفاظت میں اسے آذربائیجان کے قلعے کی طرف روانہ کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نئی پیشین گوئی کی نقل اس کے ساتھ کر دی گئی۔

۶

"لیکن ابا جان! آپ یہ نہ بھولیں کہ انھوں نے آپ کی بیٹی پر احسان کیا ہے۔"

گیا لیکن محل ہی سے آنے والی "رحم۔رحم" کی آوازیں اس کا پیچھا کرتی تھیں۔

ہوشنگ شاہ اسی غیظ و غضب میں دربار پہنچا۔ ایلیان دربار سروقد کھڑے ہو کر کورنش بجالائے

اس نے منشی دبیر ملک کی طرف دیکھا۔ دبیر ملک اشارہ پا کر قیصر کا خط پڑھنے لگا:

یسوع مسیح کے ایک حقیر بندے قیصر ہرقل کی طرف سے ایران کے سب سے بڑے ہوشمند،

بہادر اور غیرت دار حاکم ہوشنگ شاہ کے نام:۔

اے ہوشنگ شاہ! میں نے تیری بیٹی کو اپنی بیٹی بنالیا ہے۔ اس ناتے تو میرا چھوٹا بھائی ہے

بڑے بھائی کا حق ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی کو نشیب و فراز سے آگاہ کر دے عقلمند وہ ہے

جو نصیحت قبول کرے۔

ہر کہ داند داند و ہر کہ نداند بداند۔ جو جانتا ہو وہ یقین کر لے اور جو نہ جانتا ہو وہ بھی جان لے

کہ رومی افواج تین سال کے اندر ایران کی سرزمین پر قبضہ کر لیں گی۔ مجھے ایک سچے نوجوان کی

زبانی ایک سب سے بڑے سچے کی پیشین گوئی پہنچی ہے، اس بڑے سچے کی پیشین گوئی جس کی کوئی

بات ابھی تک غلط نہیں ہوئی۔ تو میں اپنے چھوٹے بھائی کی طرف دستِ شفقت بڑھا رہا ہوں۔

چاہئے کہ تو میرا ہاتھ تھام لے۔ اس کے ساتھ ہی اپنے اور تیرے درمیان رشتۂ محبت استوار

کرنے کے لئے اپنے سپہ سالار سعید رابرٹ کے لئے نورِ چشم لختِ جگر مہر نگار کے رشتے کی

درخواست کرتا ہوں۔ سعید رابرٹ قیصر سابق کے خاندان سے ہے۔ نہایت عالی مرتبت،

نہایت شریف انسان، نہایت بہادر اور جری نوجوان۔

ایک بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی کو نہایت سیدھے طور پر بات پہنچا دی۔ اب یہ

چھوٹے بھائی کی سوجھ بوجھ پر ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کو عزت بخشے یا ذلیل کر دے

بڑوں کا کہنا ہے کہ آدمی کو ہر کام کا انجام پیش نظر رکھنا چاہئے۔ سلامتی ہے اس کے لئے جو

بڑوں کی بات مان لے۔ فقط قیصر روم ہرقل

"جسارت نہیں، درخواست، التماس، گزارش۔ خدائے خدائیگان کی قسم ابا جان! ظالم اَ د ر احسان فراموش بزدل ہوتے ہیں۔ آپ بزدل نہیں۔ آپ ایران کے عظیم بہادر اور جری اور ہوشمند حاکم ہیں۔ آپ کی طرف سے احسان کا بدلہ احسان ہی ہونا چاہیئے ورنہ قیصر آپ کے اخلاق سے کس درجہ مایوس ہوگا اور اگر خدانخواستہ اس کی زبان سے نکل گیا کہ ہوشنگ شاہ احسان فراموش ہے تو سب سے زیادہ اُسے قلق ہوگا۔"

"کیسے؟"

"اُسے جس نے آپ کی بیٹی کے لئے سینے پر زخم کھائے، جس نے آپ کی بیٹی کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے والے کا ہاتھ قلم کیا۔"

"یعنی سعید رابرٹ۔"

غیر ارادی طور پر ہوشنگ شاہ کا ہاتھ اٹھا۔ ایک تڑاقے کی آواز آئی۔ مہر نگار 'ہائے ابا جان' کہہ کر زمین پر گر گئی۔ ہوشنگ شاہ کی پانچوں انگلیوں کے نشانات مہر نگار کے گال پر ابھر آئے تھے۔ لونڈیاں' باندیاں' رحم، رحم، عالی جاہ! رحم' پکارتی ہوئی دوڑیں لیکن 'خبردار' کی گرجدار آواز سن کر سب سہم گئیں۔ ہوشنگ شاہ نے تالی بجائی۔ معاً دو حبشی غلام تلواریں سونتے ہوئے آگئے۔

"لے جاؤ اسے بھی وہیں۔"

"ابا جان! ابا جان! اپنی جان پر رحم فرمائیے۔ سعید رابرٹ، وہ سعید رابرٹ جس کا نام سن کر آپ برہم ہوگئے اسی سعید نے مجھے بتایا تھا کہ قیصر تین سال کے اندر ایران فتح کرلے گا۔ یہ سعید کی نہیں' خدائے خدائیگان کے سب سے بڑے نبی کی پیشین گوئی ہے جو صحیح ہو کر رہے گی۔ اور آپ خود گواہ رہیئے میں اس نبی پر ایمان لاچکی ہوں۔"

"بند کردو اس کی زبان۔" ہوشنگ شاہ نے چیخ کر کہا۔ حبشیوں نے مہر نگار کے منہ میں روئی ٹھونس دی اور اسے گھسیٹتے ہوئے ایک طرف کو لے چلے۔ ہوشنگ شاہ پیر پٹکتا ہوا محل سے نکل

یہاں تک ہزاروں ظالموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"تم اس طرف کیوں آئے ہو؟"

"ہم پر ظلم ہوا ہے۔ ہم انصاف چاہتے تھے۔ ہمیں انصاف نہیں ملا۔ ہم انصاف چاہنے کے لئے آئے ہیں۔ اگر انصاف نہ ملا تو ہم ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گے۔"

"تمہارے قیصر میں یہ دم خم کیسے آ گیا جبکہ وہ خانماں برباد ہو چکا ہے اور اسکے ساتھی بھی کم ہیں"

"اکثر ایسا ہوا ہے کہ کم تعداد والوں نے بڑی تعداد والوں کو ہرایا ہے۔"

"تمہارے قیصر نے ہم پر ایک احسان کیا ہے۔ اس احسان کا بدلہ ہم دینا چاہتے ہیں۔ تم جدھر سے آئے ہو اسی طرف واپس جانا چاہو تو بخیریت جا سکتے ہو۔ میں خسرو ایران کو سمجھا لوں گا۔"

"ہم ناکام واپس نہ ہوں گے۔ آپ ہمارے قیصر کا جواب مرحمت فرمادیں۔"

ہوشنگ شاہ مسکرایا۔ اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ خدام نے ایک ٹوکری میں مٹی بھر کر سعد رابرٹ کے سامنے لا رکھی۔

"توہین!" سعد رابرٹ کی زبان سے نکلا اور آپ سے آپ اس کا ہاتھ قبضے پر پہنچ گیا۔ سعد اوسی نے بڑھ کر روکا اور ہوشنگ شاہ کی طرف دیکھ کر بولا:

"میں آپ کا ممنون ہوں اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اہل ایران نے ایران کی زمین خود ہمارے حوالے کر دی۔"

سعد اوسی کا یہ نفسیاتی جواب سن کر اہالیانِ دربار دنگ رہ گئے۔ زیر لب بڑبڑائے "یہ شگون برا ہوا!"
سعد اوسی جانتا تھا کہ ایرانی اوہام پرست ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس نے یہ نفسیاتی وار کیا جو زد پر بیٹھا۔ اس نے مٹی کا ٹوکرا اپنے سر پر رکھا اور یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ "ہوشنگ شاہ نے ایران کی زمین خود ہمارے حوالے کر دی ہے۔" ہوشنگ شاہ اور سارے درباری ہکا بکا یہ سب دیکھ اور سن رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اب اس کی کیا تاویل کریں۔

یہ خطاب سن کر ہوشنگ شاہ کا ہاتھ غیر ارادی طور پر تلوار کے قبضے پر گیا۔ یہ دیکھ کر امرائے دربار نے بھی قبضے پر ہاتھ رکھا۔ ہوشنگ شاہ نے ہاتھ کا اشارہ کیا حکم دیا کہ قاصد اعزاز کے ساتھ لائے جائیں ا سپہ سالار مردان شاہ ان کے استقبال کو جاتے۔

ہرقل نے اپنے چُنے ہوئے مشیروں کے ساتھ سعد اور سعید رابرٹ کو روانہ کیا تھا۔ سعید رابرٹ اس نے اپنا نمائندہ بنایا تھا۔ سعید اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا۔ اس نے کہا "سلامتی ہے اس کے جو خدائے خدائیگان کو مانے اور بندگان خدا سے محبت کرے۔" نقیب پکارا: "نگاہ رو برو، باادب باملاحظہ ہوشیار، کورنش۔" سعید رابرٹ نے اس کے جواب میں کہا "مجھے خدائے خدائیگان کے آخر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات پہنچی ہے کہ میں صرف خدا کے آگے جھکوں۔ بندگانِ خدا میں سے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خدا بن کر بیٹھے۔"

ہوشنگ شاہ نے شعلہ بار آنکھوں سے سعید رابرٹ کو دیکھا۔ بولا۔ "اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو ابھی تمہارا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا۔" جواب ملا "موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہے۔ ہم آپ کے بلائے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اپنی تہذیب زبردستی ہم پر تھوپیں گے تو ہم واپس ہو جائیں اس کے بعد جو ہوگا اس کی ذمہ داری آپ پر ہو گی۔"

اس نوک جھونک کے بعد ہوشنگ شاہ نے اعزازی کرسیوں پر قاصدوں کو بٹھایا۔ اپنا رعب ڈالنے کے لئے اس نے کہا:

"تم نے ہماری افواج دیکھیں، ہماری افواج کے آلات حرب و ضرب دیکھے۔ کیا تم ان تکلو اور چھوٹی تلواروں سے ہمارا مقابلہ کر سکتے ہو؟"

"آپ ہوشمند اور تجربہ کار ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آگ آگ ہی ہے چاہے وہ کم ہو۔ ہمارے یہ تکلے ہی سہی لیکن جب ترکش سے کمان کے چلّے پر آتے ہیں اور ہمارے ہاتھوں سے چھوٹتے ہیں تو آگ برساتے ہیں۔ آپ نے ہمیں چھوٹی تلواروں کا طعنہ دیا ہے جبکہ انہی تلواروں نے طرابزدوں سے لے

"محترم تھا کبھی۔ اب تو رذیل ہوں۔"

"آپ ایک شریف انسان نظر آتے ہیں۔"

"تیری نظر میں اے حورِ بہشت۔"

"کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ میں کس شریف انسان سے بات کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہوں؟"

"معلوم نہیں تم کون ہو اور کیوں مجھ پر مہربان ہو رہی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ جو مجھ پر رحم کھائے گا اس پر رحم نہیں کھایا جائے گا؟"

"براہ کرم آپ اپنے اسمِ گرامی سے مجھے سرفراز فرمائیں۔"

"تم بے شک حور ہو ورنہ کوئی انسان اس کوٹھری میں نہیں آسکتا۔ میں کہتا ہوں کہ تم حور ہو اور تم کو خداوند یزداں نے بھیجا ہے۔ تو خداوند یزداں نے تم کو میرا نام بھی بتایا ہوگا۔"

"میں حور نہیں ہوں۔ آپ کی طرح میں بھی انسان ہوں اور آپ کی طرح معتوب۔"

"معتوب! تم جیسی لڑکی کو کس نے معتوب قرار دیا؟"

"سب کچھ بتاؤں گی۔ آپ اپنا نامِ نامی ارشاد فرمائیں۔"

"کس قدر شستہ زبان اور فصیح اللسان ہو تم۔ یقیناً ایک عظیم باپ کی عظیم بیٹی ہو۔ تم سے کیا قصور ہوا؟"

"پہلے آپ اپنا تعارف کرائیں۔ پھر میں سب کچھ عرض کر دوں گی۔"

"میں... میں... قباد شہریار ہوں۔"

"یعنی خسروِ ایران کے ولیعہد شہزادے!"

"بدنصیب کہو، بدنصیب۔ میں نے بحکمِ یزداں ایک نیک رائے خسرو پرویز کو دی۔ اس کے بدلے اس نے مجھے یہ سزا دی۔"

"اے محترم شہزادے! آپ نے کیا مشورہ دیا تھا؟"

"اس وقت... اس وقت... جب خسرو پرویز نے قسطنطنیہ فتح کیا تو قیصرِ روم ہرقل نے نہایت عاجزی

۷

مہر نگار کو ہوش آیا تو اس نے اپنے کو ایک بند کوٹھری میں پایا۔ اندر بڑی گھٹن تھی۔ اندھیری کوٹھری میں اُسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر جب ذرا نظر ٹھہری تو کوٹھری میں ایک روشندان دکھائی دیا۔ اس سے کچھ روشنی آرہی تھی۔ اس روشنی میں اس نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ ایک طرف کونے میں ایک پنجرا رکھا ہوا تھا۔ اس کے اندر ایک شخص بندھا پڑا تھا۔ نہایت کمزور، نحیف اور لاغر۔ وہ اس کے پاس گئی۔ اس کمزور شخص کی سانس چل رہی تھی۔ وہ تقریباً بیہوش تھا۔

مہر نگار کو اس غریب پر بڑا ترس آیا۔ اس نے کوٹھری کے اندر پھر دیکھا۔ ایک طرف ایک گھڑے میں پانی رکھا تھا۔ وہ جھپٹ کر گھڑے کے پاس گئی۔ اسے گھڑا نیا نیا نظر آیا۔ وہ سمجھ گئی کہ آج سے پہلے اس کوٹھری میں پانی نہیں رکھا گیا۔ شاید مجھ پر رحم کھا کر اب یہ پانی عنایت فرمایا گیا ہے۔ اس نے جھٹ مٹی کے پیالے میں پانی لیا۔ پلٹ کر پنجرے کے پاس آئی۔ پانی کا ایک چھینٹا بیہوش پر مارا۔ وہ کراہا۔ مہر نگار نے چلّو سے سلاخوں کے درمیان سے اس کے منھ پر پانی ٹپکایا۔ اس نے منھ کھول دیا۔ حلق تر ہوا تو اس نے پلکیں اوپر اٹھائیں گھبرائی ہوئی نگاہ ڈالی۔

"تم ۔۔۔؟ تم کون ہو؟" مہر نگار اس کے منھ میں پانی ٹپکاتی رہی۔ اس نے پھر کہا:

"تم ۔۔۔ یقیناً بہشت بریں کی حور ہو۔"

"آپ ذرا دم لے لیں۔ آپ بڑے دکھ میں ہیں۔"

"ہاں اے بہشت بریں کی حور۔ میں ۔۔۔ میں دو برس سے اس حال میں ہوں۔"

"آپ کون ہیں؟ یقیناً آپ پر ظلم ہوا ہے۔"

"ہاں میں مظلوم ہوں۔ میں نے ایک اچھی رائے دی تھی۔ اس کی پاداش میں یہاں قید کر دیا گیا ہوں۔"

"آپ یقیناً کوئی محترم ہستی ہیں۔"

"فرشتے! وہ کیسے تھے؟"

"وہ سب انسان تھے لیکن ان میں اوصاف فرشتوں جیسے تھے۔"

"یعنی وہ بہت اچھے انسان تھے؟"

"دریں چہ شک۔ آپ کا قیاس صحیح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ انھوں نے ہماری آواز
نی ساس پُھتے سے جنگ کی۔ خدا نے فتح دی اور میں آزاد ہو گئی۔"

"بڑے بہادر لوگ تھے۔ انھوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

"انھوں نے نہایت احترام کے ساتھ مجھے اور میری سہیلیوں کو پدر بزرگوار کے پاس بھیج دیا۔"

"معاف کرنا بہن! تم میری چھوٹی بہن ہو نا بمذاق نہیں کروں گا۔ یہ بتاؤ تمہارے حسن سے ان میں
ے کوئی متاثر نہیں ہوا؟"

"کوئی نہیں مگر ایک نوجوان۔"

"وہ کون تھا؟"

"سعد رابرٹ۔ میں نے جب اسے دیکھا اس وقت وہ لہولہان تھا۔ وہ بڑی بہادری سے لڑا تھا۔
ں کی بہادری نے مجھے متاثر کیا۔ پھر جب میں نے اُسے زخمی دیکھا تو اس کے خون نے اس کے چہرے کو اور زیادہ
نار کر دیا تھا۔ میں اس پر عاشق ہو گئی۔ پھر وہ بھی مجھ سے متاثر ہو گیا۔"

"یہ کہاں سے آ گیا تھا؟"

"آپ جانتے ہیں برادر بزرگ! قیصر روم ہرقل آپ کے باپ کے ڈر سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔"

"خوب جانتا ہوں۔"

"وہ چھپتا ہوا طرابزدں کی طرف آ گیا۔ وہاں اسے دو عرب نوجوان ملے۔ ان میں ایک نوجوان
اور دوسرا نوجوان یعنے دوسرا نوجوان لڑکی تھی۔"

"خوب! شاید یہ بھی ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے!"

کے ساتھ اس سے صلح کی درخواست کی امرائے دربار سے رائے لی گئی۔ میں نے رائے دی کہ صلح جنگ سے بہرحال بہتر ہے لیکن میرا ظالم باپ فتح کے نشے میں چور تھا۔ اس نے قیصر کی درخواست مسترد کر دی اور اس شبہ میں کہ قیصر سے ساز باز رکھتا ہوں مجھے اس اندھیری کوٹھری میں اس طرح مجبور کر کے ڈال دیا گیا کہ میں حرکت بھی نہیں کر سکتا۔"

"آپ کو دو برس ہو گئے اس حال میں! تو آپ زندہ کیسے رہے؟"

"تم دیکھو گی۔ اندھیری رات میں ایک مہیب صورت شخص آئے گا۔ وہ مجھے پنجرے سے نکالے گا۔ کتوں کا جوٹھا کھانا مجھے دے گا اور پانی پلا جائے گا۔ بس چوبیس گھنٹوں میں یہ میری قسمت کا رزق ملے گا۔ اب تم بتاؤ کون ہو اور تم سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے؟"

"میری کہانی بھی ایسی ہی ہے۔ اے محترم شہزادے! میں ہوشنگ شاہ کی بیٹی ہوں۔ خدائے خدایگان نے آپ کی خدمت کرنے، آپ کا حوصلہ بڑھانے اور ایک خوشخبری سنانے کے لئے مجھے بھیجا ہے۔"

"وہ کیا؟ اے عزیز از جان بہن! کیا میں تم کو بہن کہہ سکتا ہوں؟"

"یقیناً۔ مجھے فخر ہوگا اگر آپ مجھے بہن کہہ کر پکاریں۔"

"ہوشنگ شاہ نے تم کو کیوں قید کر دیا اے عزیز از جان بہن! اے بہن تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام مہرنگار ہے۔"

"زہ! بہت عمدہ۔ نہایت خوبصورت!"

"میں نوروز کا تہوار اپنے چمن ارم میں منانے گئی تھی۔ میرے باپ کا ایک پروردہ تھا۔ اس کی نیت مجھ پر بری ہو گئی۔ اس نے آکر ارم کو گھیر لیا اور مجھ سے کہا کہ اپنے کو حوالے کر دو۔ میں نے انکار کر دیا اور پھاٹک بند کروا دیا۔ میرے ساتھ دو سو غلام تھے۔ وہ غلام وہاں کام آگئے۔ اب ہم لڑکیاں تھیں۔ ہم اندر سے 'مدد' 'مدد' پکار رہی تھیں اور وہ ظالم پھاٹک توڑ رہا تھا۔"

"دلچسپ داستان ہے۔ پھر کیا ہوا؟"

"پھر خدائے خدایگان نے مدد کو فرشتے بھیج دیئے۔"

۸

دونوں طرف کی فوجیں حرکت میں آگئیں۔ ہوشنگ شاہ نے قلعے سے نکل کر صفیں قائم کیں، میمنہ
میسرہ پرانے تجربہ کار سالاروں کو دیا، قلب اپنی کمان میں لیا، اور قیصر کا انتظار کرنے لگا۔ سورج ابھی
نیزہ ہی بلند ہوا تھا کہ سامنے گرد اُڑتی دکھائی دی۔ دامنِ گرد چاک ہوا تو سعید رابرٹ اپنے جیالے دستے
ساتھ نمودار ہوا۔ اس نے تیروں کی زد سے دور اپنے دو ہزار سپاہیوں کی صف قائم کی۔ ابھی وہ صفیں
بست ہی کر رہا تھا کہ سعد وسلمیٰ اپنے اپنے عربی راہوار پر اس طرح سوار دکھائی دیے کہ مٹی کا ٹوکرا سعد کے
ر پر تھا۔ سعد نے داہنے ہٹ کر اپنے دو ہزار سپاہیوں کا پرا جمایا۔ اس کے بعد قیصر روم ہرقل اپنے چار ہزار
لکر جرار کے ساتھ آیا۔ اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور سعید رابرٹ اور سعد وسلمیٰ کے لشکر کے بیچ
نے دستے مقرر کیے۔ سعید رابرٹ اور سعد لپک کر اس کے پاس پہنچے۔ آپس میں کچھ مشورے ہوئے۔
ہاتھیوں پر نظر پڑی تو کسی سپاہی کی زبان سے نکل گیا "پناہ بخدا۔ یہ بے پناہ انبوہ۔" سعد نے جھڑک دیا:
بزدل! دور ہو۔ آج میں اپنے گھوڑے کی نعلیں درست کر لوں تو کل اعلان کر دوں گا کہ ایرانی اتنی ہی فوج
در پڑھا لیں۔"

اس گفتگو کے بعد سعید اور سعد اپنی اپنی جگہ واپس گئے۔ قدیم رواج کے مطابق پہلے ایک پر ایک چھیڑ چھاڑ
شروع ہوئی۔ ہوشنگ شاہ کی طرف سے ایک بہادر میدان میں آیا اور پکارا "منم بندۂ خسرو خسرواں بادان
نا ہرمزان۔ نصرانیو! جس کو جلد سے جلد جنت کی خواہش ہو وہ میرے مقابلے کو نکلے۔" بادان نے یہ طنز
س لیے کیا تھا کہ عیسائی آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور جنت و دوزخ کے قائل ہیں۔

بادان کا یہ طعنہ سن کر سعید رابرٹ نے قیصر کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ قیصر کچھ اشارہ کرے،
سعد نے جھپٹ کر سعید سے کہا: "آپ ہمارے سپہ سالار ہیں۔ لڑائی کے دو رُخ ہوتے ہیں، اگر خدا
نخواستہ آپ کو کچھ زک پہنچ گئی تو فوج نراش ہو جائے گی۔ میں جا کر اس بدتمیز کو جہنم رسید کیے دیتا ہوں۔"

"آپ کا قیاس بالکل درست ہے۔ انھوں نے قیصر کو بتایا کہ مکے میں اللہ کا آخری رسول مبعوث ہوا ہے اور اس نے کچھ پیشین گوئیاں کی ہیں۔ ان میں سے ایک عظیم پیشین گوئی یہ ہے کہ دس برس کے اندر ایران مغلوب ہو جائے گا اور رومی فتحیاب ہوں گے اور آپ کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ آپ دو برس کے اندر آزاد ہو جائیں گے اور خسرو کو قتل کر دیا جائے گا۔"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا اے عزیز از جان بہن!"

"ایسا ہی ہو گا اے برادرِ بزرگ!"

"تم نے کیسے یقین کر لیا؟"

"ایسے کہ اب تک اس رسول نے جو پیشین گوئی کی وہ صحیح ثابت ہوئی اور آپ دیکھئے قیصر اب قلعے پر قلعے فتح کرتا ہوا یہاں تک آ گیا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میرا باپ بھی اب اسے روک نہ سکے گا۔"

"کاش ایسا ہی ہو اور جلد ہو!"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ آپ نراش نہ ہوں۔"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میرے اندر جو قباد شہریار مردہ سا ہو گیا تھا وہ کروٹیں لے رہا ہے۔"

مہرنگار کے آنے سے قباد شہریار کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور قباد شہریار کی موجودگی سے مہرنگار کو بڑی تسکین ہوتی ورنہ تنہائی میں بے چاری کیا کرتی۔ وہ قباد کو سعد رابرٹ کی بہادری کے قصے سناتی، سعد و سلمیٰ کی ہوشمندی اور جرأت مندانہ اقدام کا حال بتاتی اور قباد شہریار اسے ایران کی پرانی تاریخ اور داستانیں سناتا۔ اس طرح دونوں کے دن رات پرلطف گزرنے لگے۔ مہرنگار کو نسبتاً کھانا پانی اچھا ملتا تھا وہ بھی کوٹھری کے اندر تھی لیکن بندھی نہ تھی اس لئے وہ اپنا کھانا پانی شہریار کو بھی کھلا دیتی۔ اس طرح شہزادے کے سوکھے جسم میں جان اور تراوٹ آنا شروع ہو گئی۔ دونوں منتظر تھے کہ کب یہ درِ زنداں ٹوٹے گا۔

جاسوس سلمیٰ کی حراست میں خاموشی سے اس کے ساتھ چلیا۔ سعد پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ سلمیٰ اپنے خیمے میں اسے لے گئی۔ سعد نے اجازت چاہی تو سلمیٰ نے اجازت نہیں دی۔ تب جاسوس نے کہا "کیا حرج ہے۔"

اب تو سعد کو اور بھی حیرت ہوئی۔ یہ جاسوس کیسا ہے جو سلمیٰ سے بے تکلف باتیں کرتا ہے۔ وہ پیچھے پیچھے خیمے میں داخل ہو گیا۔ جیسے ہی جاسوس خیمے میں پہنچا اس نے اپنا لبادہ اتار کر پھینک دیا اور سر کے جھٹکے سے زلف سیاہ بکھیر دی۔ سعد کو ایسا لگا کہ چاند گھٹا سے نمودار ہو گیا۔ سلمیٰ کی زبان سے نکلا 'دلارام' اور وہ اس کے گلے سے لپٹ گئی۔ "تمہاری مہرنگار خیریت سے ہے؟"۔ دلارام نے کہا: "زیادہ وقت نہیں ہے۔ مہرنگار اسیر زنداں ہے۔ یہ پرزہ لو، اس پر عمل کرو، اور میں چلی" سلمیٰ نے بہت روکا، کچھ کھا پی لے لیکن دلارام نہ رکی اس نے اپنا لبادہ اٹھایا، اوڑھا اور سلمیٰ کے خیمے کی پشت سے ہو کر نکل گئی۔ سلمیٰ تیر کمان لے کر اس کے ساتھ گئی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ دلارام رومی فوج سے بخیریت گزر گئی تو واپس اپنے خیمے میں آ گئی۔ یہاں سعد اس پرزے پر جھکا ہوا تھا اور اسے حل کرنے کی کوشش میں تھا۔ اس نے پرزہ سلمیٰ کے سامنے کر دیا۔ اب دونوں غور کرنے لگے۔ "یہ قلعہ ہے نا!" سلمیٰ نے کہا "اور یہ ادھر پانی کا نکاس ہے۔ یہ دیکھو گندا نالہ! پرزے میں اس کا پانی ہرا دکھایا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نالہ ہمارے لئے محفوظ ہے یعنی اس پر پہرہ نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ قلعے سے نکلتے ہی یہ دریا سے جا ملتا ہے۔ اب اگر کوئی اس کے ذریعہ قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے دریا کو عبور کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ نالہ پار کرنے والا بڑی آسانی کے ساتھ قلعے میں داخل ہو سکتا ہے حالانکہ نالے کی گندگی سے بھوت بن جائے گا۔

سعد سلمیٰ کی اس سوجھ بوجھ پر عش عش کرنے لگا۔ اس نے پوچھا "دلارام کو کیسے پہچانا؟"

"اس کی سیاہ آنکھوں اور چاہ زنخداں سے۔ تم نے دیکھا نہیں۔ میں نے اسے چمنستان ارم میں دیکھا تھا۔ دلارام مہرنگار کی محرم راز اور جانباز سہیلی ہے۔"

یہ راز معلوم ہونے کے بعد دونوں اسی وقت قیصر کے پاس پہنچے۔ وہاں سعید رابرٹ بھی موجود تھا۔ سلمیٰ نے پرزہ سب کے سامنے کر دیا۔ پرزے کی وضاحت کی تو قیصر اور رابرٹ کی آنکھیں چمک گئیں۔ سعید بولے

اور یہ کہہ کر سعد نے مٹی کا ٹوکرا ہاتھوں سے بلند کیا اور پکارا "دونوں طرف کے لشکری سُن لیں۔ ہوشنگ شاہ نے ایران کی زمین خود ہمارے حوالے کر دی ہے۔"

یہ کہہ کر سعد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ نیزہ تانا۔ بادان نے وہیں سے تاکا اور سعد پر تیر چلا دیا۔ خدا کی قدرت کہ اسی وقت سعد ٹوکرا زمین پر رکھنے کے لئے جھکا۔ تیر اس کے بائیں طرف سے سنسناتا ہوا نکل گیا اور وہ بال بال بچ گیا۔

"نامرد!" سعد کی زبان سے نکلا "دو دو ہاتھ بھی نہ کئے اور تیر چلا دیا۔" یہ کہہ کر آگے کو جھکا۔ اس کے راہوار غازی نے شیر بھرا۔ تیر کی طرح سیدھا ہو کر بلند ہوا۔ بادان نے سعد کے نیزے سے سینہ بچایا گھوڑے کو کاوہ دیا تو سعد نے اس کے پہلو میں نیزہ مارا۔ بادان نٹ کی طرح قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر آرہا۔ رومی لشکر نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ سعد واپس آ کر سلمیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا۔

شام تک اسی طرح دست بدست جنگ ہوتی رہی۔ اس دست بدست جنگ میں ایرانیوں نے اپنے کئی بڑے بڑے سردار کھو دئے۔

قیصر کے صرف تین سپاہی کام آئے۔ وہ زیادہ اہم نہ تھے۔

اس طرح کی چھیڑ چھاڑ ہر روز ہوتی رہی۔ دراصل ہوشنگ شاہ لڑائی کو طول دینا چاہتا تھا تا کہ قیصر اپنی رسد ختم کر دے تو گھمسان کی لڑائی شروع کرے۔

قیصر اس چال کو سمجھتا تھا۔ وہ ہر روز فیصلہ کن جنگ کے ارادے سے نکلتا اور واپس ہو جاتا۔

پھر... ایک شام جب قیصر اور اس کے لشکری اپنے آلاتِ حرب و ضرب کھول چکے تھے، رومی جاسوسوں نے ایک ایرانی جاسوس پکڑا اور قیصر کے حضور حاضر کر دیا۔ اس وقت سعید رابرٹ اور سعد و سلمیٰ موجود تھے۔ سلمیٰ اس جاسوس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے قیصر سے درخواست کی کہ یہ جاسوس اس کے حوالے کر دیا جائے۔ میں اس سے مفید راز اگلوا لوں گی۔ قیصر نے یہ درخواست منظور کر لی۔ سعد اور سعید دونوں حیران تھے کہ سلمیٰ نے خواہ مخواہ یہ زحمت اپنے سر کیوں لی۔ اسے جاسوسوں سے کب رابطہ رہا ہے۔

ننھا فرشتہ

ننھا فرشتہ

اللہ نے بھیجا گھر میں ہمارے۔ اک بھولا بھولا — جیسے ہو، ننھا فرشتہ
جوڑا ہے ہم نے ہم سب نے مرضی سے اپنی — اپنی محبت سے پاک رشتہ

ننھا فرشتہ

تھا گھر میں سب کچھ پھر بھی تھا کچھ رہتا ہمیشہ — گھر میں اندھیرا، یہ جو نہ ہوتا
اب کہتا ہے ہر ایک ایسا کہ یہ ہے میرا بیٹا — میرا بھتیجا ہے میرا پوتا
اللہ نے بھیجا گھر میں ہمارے۔ اک بھولا بھولا — جیسے ہو، ننھا فرشتہ
جوڑا ہے ہم نے ہم ہیں سے سب نے مرضی سے اپنی — اپنی محبت سے پاک رشتہ

ننھا فرشتہ

یہ چاند گھر کا۔ گھر کا اجالا۔ آنکھوں کا تارا — آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی بہار
کیا پیاری صورت۔ کیا بھولی صورت کھینچے ہے دل کو — ننھے فرشتے کی مسکراہٹ
اللہ نے بھیجا۔ گھر میں ہمارے۔ اک بھولا بھولا — جیسے ہو، ننھا فرشتہ
جوڑا ہے ہم نے ہم ہیں سے سب نے مرضی سے اپنی — اپنی محبت سے پاک رشتہ

ننھا فرشتہ

سادہ و معصوم ہے۔ بے داغ ہے۔ الحمد للہ — یارب کبھی ہو نہ میلا نہ گندہ
اب آؤ مل کر کہو سب دل کی زباں سے کہہ دیں — رہے یہ اس کے اللہ نگہبان
اللہ نے بھیجا۔ گھر میں ہمارے اک بھولا بھولا — جیسے ہو، ننھا فرشتہ
جوڑا ہے ہم نے ہم ہیں سب نے مرضی سے اپنی — اپنی محبت سے پاک رشتہ

نے کہا کہ میں اپنے جاسوسوں سے اس بات کی تصدیق کراؤں۔ اس کے بعد ہی کوئی اقدام ہونا چاہئے۔ اس نے یہ بھی رائے دی کہ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہمیں بھی جنگ کو طول دینا ہوگا اور ہوشنگ شاہ کو زیادہ سے زیادہ اپنی طرف متوجہ رکھنا ہوگا۔

یہ کہنے کے بعد سعید رابرٹ نے سلمٰی کے کان میں کہا، "دلآرام نے اور کچھ نہیں بتایا" سلمٰی مسکرائی بولی:

"مہر نگار اپنے 'دلآرام' کی راہ دیکھ رہی ہے۔"

سعید رابرٹ یہ سُن کر کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا۔ پھر وہ اس وقت چونکا جب قیصر نے سونے کے لئے جمائی لی۔

کئی دن تک دست بدست جنگ ہوتی رہی۔ ہوشنگ شاہ خوش تھا کہ قیصر اس کی چال کو سمجھ نہ سکا۔ اُدھر ایک رات اچانک قلعے کے اندر ہنگامہ حشر برپا ہوگیا۔ شور تھا کہ 'دیواں آمدند'۔ دیوؤں کا لشکر آگیا، ہر شخص دیوؤں سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ ایرانی لشکر تقریباً کُل کا کُل قلعے کے باہر تھا۔ صرف ہوشنگ شاہ محافظ دستے کے ساتھ اپنے محل میں تھا۔ وہ شور سُن کر نکلا۔ مشعلیں روشن کی گئیں تو دیکھا گیا کہ ہزاروں کی تعداد میں دیونما انسان گندگی میں لتھڑے ہوئے بے تحاشہ تیغوں اور نیزوں سے وار کر رہے ہیں۔ ہوشنگ شاہ سمجھ نہ سکا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کدھر سے آئے ہیں۔ اس نے حواس درست کئے، لشکر سے کمک طلب کی اور اپنے محافظ دستے سے کہا کہ ان دیوؤں کو روکے۔

ہوشنگ شاہ کے لئے پریشان کر دینے والی بات یہ بھی تھی کہ قلعے کے باہر اسی وقت قیصر نے چار ہزار فوج سے چھاپا مارا۔ لشکری جب تک سنبھلیں اس نے ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قیصر نے سلمٰی کو دو ہزار رومیوں کے ساتھ تاک میں لگا دیا تھا کہ ایرانیوں پر بائیں طرف سے اس وقت ٹوٹ پڑے جب وہ قلعے کے اندر جانا چاہیں۔

ایرانیوں کے لئے راہ فرار بند ہو چکی تھی۔ دو گھنٹے کی مار دھاڑ کے بعد اچانک قلعے کی فصیل سے سعید رابرٹ اور سعد نے چیخ کر پکارا: "ہوشنگ شاہ مارا جا چکا ہے اور یہ ہے اس کا سر۔"

تصویر

●● (محشر رسول نگری) ●●

مری جاں! میں تری تصویر واپس کرنے آیا ہوں — کہ میں نے توبہ کر لی ہے طریقِ بُت پرستی سے
مجھے اپنے شرابی پن پہ اب خود شرم آتی ہے — کہ خلوت میں بہت پی ہے تری آنکھوں کی مستی سے
سمٹ آئی ہیں اس نقطے پہ اب میری تمنائیں — کہ رزمِ کفر و دیں میں، سبز پرچم بڑھ کے لہرائے
مجھے دادِ وفا کے بدلے ایماں پھیر دے میرا — کہ میں بھی چیرہ دستانِ جہاں سے پھر تو ٹکراؤں
ان آنکھوں کی گلابی کو چھپا لے سبز آنچل میں — حصارِ زندگی میں دے نہ درسِ بے خودی مجھ کو
مجھے اب حق پہ مر کر زندۂ جاوید ہونا ہے — نظر آتی ہے تیغوں میں حیاتِ سرمدی مجھ کو
تری کافر اداؤں پر تو مرتا ہی رہا ہوں میں — خدارا حق کی خاطر اب رہِ حق میں بھی مرنے دے
حسیں جادوں سے تو اکثر گزرتا ہی رہا ہوں — مجھے "دار و رسن" کے مرحلوں سے بھی گزرنے دے
سمجھ کر تیری الفت کی نشانی چوم لوں گا میں — مرے ہاتھوں میں دے شمشیر اک دستِ حنائی سے
کبھی پلکوں پہ چمکا اک ستارہ صبحِ محشر کا — کہ ٹکرانا ہے مجھ کو آج انساں کی خدائی سے
مری گردن پہ لپٹا اب نہ اپنے گیسوئے پیچاں — ادا و غمزہ و انداز کے یہ دام رہنے دے
بجھا دے ساری شمعیں اب شبستانِ محبت کی — نہ چھلکا اب نگاہوں سے مئے گلفام رہنے دے

مری جاں! میں تری تصویر واپس کرنے آیا ہوں
محبت کی حسیں زنجیر واپس کرنے آیا ہوں۔

(برگ دہلوی)

محاسبہ

بتا اے خاک کے پُتلے کہ دنیا میں کیا کیا ہے — بتا کتنے دانت ہیں منہ میں ترے کھایا پیا کیا ہے
بتا خیرات کیا کی راہِ مولا میں دیا کیا ہے — یہاں سے عاقبت کے واسطے توشہ لیا کیا ہے

دعائیں لیں کبھی ٹھنڈا کیا دل دردمندوں کا
مصیبت میں کبھی ناصر ہوا محتاج بندوں کا

شریکِ درد و غم ہو کر کسی کا دکھ مٹایا ہے — مصیبت میں کسی آفت زدہ کے کام آیا ہے
پرائی آگ میں پڑ کر کبھی دل بھی جلایا ہے — کسی بیکس کی خاطر جان پر صدمہ اُٹھایا ہے

کبھی آنسو بہائے ہیں کسی کی بدنصیبی پر
کبھی کچھ ترس کھایا تو نے مفلس کی غریبی پر

نہ دولت ساتھ جائے گی نہ ثروت ساتھ جائیگی — نہ شوکت ساتھ جائے گی نہ رفعت ساتھ جائیگی
پسِ مردن نہ شاہانہ امارت ساتھ جائیگی — نہ عظمت ساتھ جائے گی نہ صولت ساتھ جائیگی

جو پوچھے جائیں گے محشر میں وہ اعمال ہیں تیرے
اگر کچھ ساتھ جائیں گے وہ نیک افعال ہیں تیرے

مناسب ہے کہ نیک اعمال کی طاعت گزاری کر — پسندیدہ طریقے سیکھ عجز و انکساری کر
بھلائی کر بدی سے باز آ پرہیزگاری کر — جو تجھ سے ہو سکے تو خلق کی خدمت گزاری کر

اگر نیکی کرے گا تو خدا اس کا ثمر دے گا
ترا دامن وہی امید کے پھولوں سے بھر دے گا

اے مری رفیق حیات

(کوثر نیازی)

تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیق حیات — کہ تیرے ساتھ یہاں یہ عید بھی منا نہ سکا
کلی کلی پہ چمن میں نکھار ہے لیکن — تجھے بہار کے نغمے کوئی سنا نہ سکا
جو تیری روح کو گھن بن کے کھائے جاتے ہیں — وہ رنج و غم کے شرارے کوئی بجھا نہ سکا
جسے بلایا گیا تھا ہزار چاؤ کے ساتھ — ہمیں وہ عہد حسیں سازگار آ نہ سکا
تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیق حیات

مجھے بھی دکھ ہے مگر دیس کی فضاؤں میں — دکھا تو ایک وہ انساں جو سوگوار نہیں
مرے وطن کے خدایان ذی حشم کے سوا — وہ کون ہے جو مصائب سے اشکبار نہیں
بہار آئی ہے لیکن روش روش ہے گواہ — وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ بہار نہیں
عروس لالہ و گل کا سہاگ لٹ جائے — کسی چمن کے نگہباں کا یہ شعار نہیں
جگر کے خون سے سینچا تھا کل جنھوں نے اسے — انھیں فضائے چمن آج سازگار نہیں
مرے وطن کو جہنم بنائے دیتے ہیں — یہ بات تیری نگاہوں پہ آشکار نہیں
تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیق حیات

یہ شیطنت ہے مزے سے جو دندناتی ہے — خدا کا دین تو جیلوں میں بند ہے اب تک
وہ جس کو پی کے ہزاروں نے جان دیدی ہے — وہ زہر کفر غضب ہے کہ قند ہے اب تک

[illegible]

(نسیم صدیقی)

تم تو بے خدا ہوئیں! تم پہ اعتبار کیا؟
تم؟ مسل سکو گی تم؟ زیر پا شرار کیا؟
تم؟ لٹا سکو گی تم؟ ذہن کا قرار کیا؟
بڑھ لو، روند جاؤ گی غم کے خارزار کیا؟ تم تو بے خدا ہوئیں، تم پہ اعتبار کیا؟

تم پہ اعتبار کیا، کب کہاں لڑھک پڑو؟
کس گھڑی مچل بہو، کس طرف ڈھلک پڑو؟
تم بھی جانتی نہیں، کب یکّا بہک پڑو؟
کفر کا اصول کیا، کفر کا وقار کیا؟ تم تو بے خدا ہوئیں، تم پہ اعتبار کیا؟

وقت کی ہوائے تُو یوں تمہیں اڑائے گی
تم کہاں گئیں کدھر، کچھ خبر نہ آئے گی
کل یہ ساری عاشقی بھول بھال جائے گی
آندھیوں کے سامنے جم سکے غبار کیا تم تو بے خدا ہوئیں، تم پہ اعتبار کیا؟

آج سے یہ جان لو، میری راہ اور ہے
میرے عیش اور ہیں، مری چاہ اور ہے
تیرا قہقہہ الگ، میری آہ اور ہے
دو مذاقِ مختلف، ہوں گے سازگار کیا؟ تم تو بے خدا ہوئیں، تم پہ اعتبار کیا؟

اگر تم ساتھ نہ دو

(نعیم صدیقی)

اے جان اگر تم ساتھ نہ دو — تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا!
تم آؤ فرض بلاتا ہے! — دنیا میں تغیر آتا ہے
اک طوفاں جوش دکھاتا ہے — اک فتنہ شور مچاتا ہے
ہم لوگ ابھی آزاد نہیں — ذہنوں کی غلامی باقی ہے
تقدیر کی شفقت سے حاصل — تدبیر کی خامی باقی ہے
سینوں کے حرم سونے ہیں ابھی — امیدوں سے آباد نہیں
چہروں کی چمک اک دھوکا ہے — کوئی بھی جوانی شاد نہیں

چھوڑی ہیں جڑیں زنجیروں نے

ان میں سے کسی کو نوچیں تو — اعصاب تڑخنے لگتے ہیں
آزادی سے کچھ سوچیں تو! — اندام چٹخنے لگتے ہیں
ان زنجیروں کو کیا کیجئے — ہے ان سے گہرا پیار ہمیں
ان زنجیروں کے بجنے کی — لگتی ہے بھلی جھنکار ہمیں
مغرب کے اصولوں کے بندھن — افسوس نہ اب تک ٹوٹ سکے
ہم کہنہ مشق بھکاری ہیں — مشکل ہے کہ عادت ٹوٹ سکے
کب بویا اپنا بیج کوئی! — جو نم پائے اور پھوٹ سکے
تقلید کے ایسے خوگر ہیں — آزاد روی سے ڈرتے ہیں

گلوئے عدل و مروت پہ چل رہی ہے چھری   جفا و جور کا پرچم بلند ہے اب تک
ادائے کبر جو لے ڈوبتی ہے قوموں کو   مرے وطن میں بڑی دلپسند ہے ابتک
بزورِ عصمت زن کا شکار ہوتا ہے   کہ دست حرص میں زر کی کمند ہے ابتک
جو بت شکن ہے اسے دار پر چڑھاتے ہیں   جو بت فروش ہے وہ سربلند ہے ابتک
تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیق حیات

ہنسی خوشی میں ہر ایک غم کی چوٹ کھاؤنگا   ترے فراق کے ہوتے بھی مسکراؤں گا
وفا و عشق کی قدریں نئی بناؤں گا   خدا کی راہ میں تجھ کو بھی بھول جاؤں گا
مجھے یہ ظلمت ماحول دور کرنی ہے   قدم قدم پہ میں حق کے دیے جلاؤں گا
اسی سے ملنا ہے گر مجھ کو گوہر مقصود   بڑی خوشی سے میں زنداں کی دال کھاؤنگا
قفس ہی اس کی سزا ہے یہ جانتا ہوں مگر   میں بار بار بہاروں کے گیت گاؤں گا
تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیق حیات

فضائیں جھوم اٹھی ہیں سرود ہستی سے   مرے رحیم کی رحمت کا پھر پیام آیا
جہاں کوئی بھی خدائی کا حق نہیں رکھتا   گرے ہوؤں کو ہو مژدہ کہ وہ مقام آیا
وہ جس کے فیض سے ظلمت بھی جگمگا اٹھے   جہان بھر کے لیے وہ مہِ تمام آیا
ہماری سعی کبھی رائگاں نہ جائے گی   تو ایک روز سنے گی کہ وہ نظام آیا
تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیق حیات

خود تم نے نظامِ باطل کو — گودی میں سپاہی پال دیے
بیدادی کی کل یاں کیسے چلی — تم نے بھی تو چپکے شعلے دیے
ابلیس نے مانگے کارندے — تو تم نے اپنے لال دیے
تم نے تو کلیوں کے ٹکڑے — منڈی میں لاکر ڈال دیے
تم سے جو تقاضے دیں کے تھے — افسوس کہ تم نے ٹال دیے

ہے مرد کے ذمے جتنی خطا
اتنی ہی تو ذمہ دار ہو تم
اب میں کفارہ دیتا ہوں — کیا ساتھ مرے تیار ہو تم؟
اے جان! اگر تم ساتھ نہ دو
تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا

•

لڑنا ہے درونِ در تم کو!
بیرونِ در کے فتنوں سے — میں اپنی جان لڑاؤں گا
قلعے کی تم رکھوالی ہو!
قلعے سے باہر دشمن پر — دیکھو گی، میں چھا جاؤں گا
تم نسوانیت کو بدلو
احساسِ فرض دلا کر میں — مردوں کو مرد بناؤں گا
تم اپنے پن سے ڈھال کے دو
میں نظمِ تمدن کی کل کو — پھر دین کے ڈھب پر لاؤں گا

•

"معشوق" جو ہم سے روٹھ گیا — تصویر پہ اس کی مرتے ہیں
اغیار لکیریں کھینچ گئے! — ہم لوگ فقیری کرتے ہیں
محنت سے کمائی کی نہ کبھی — خیرات سے جھولی بھرتے ہیں
گو دورِ غلامی بیت گیا — ملت کی خودی کو پیس گیا
ہم جیت کے بازی ہار گئے — اور دشمن ہر کر جیت گیا
اس حال میں گو مایوس نہیں — بڑھنے کی ہمت کرتا ہوں
پر تم سے بھید چھپاؤں گا — دل بیٹھ نہ جائے ڈرتا ہوں
اس وقت اگر تم ساتھ نہ دو — تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا
جو کام ہمارے ذمے تھا — وہ کام ابھی تو باقی ہے
تمہید بہت ہی خوب سہی — اتمام ابھی تو باقی ہے

اے جان! اگر تم ساتھ نہ دو
تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا

•

انسان بناؤ تم جیسے — تہذیب بھی ویسی بنتی ہے
تہذیب ہے عورت کے بس میں — وہ کیسی نسلیں جنتی ہے

وہ کیسے مرد بناتی ہے
وہ کیا اخلاق سکھاتی ہے

کیا جذبے آخر گھول کے وہ — بچے کو دودھ پلاتی ہے
کس کیفیت کی مستی میں — وہ بیٹھی لوری گاتی ہے

•

للہ! تم اس کا پاس کرو عشاق ہو تم احساس کرو
اے جان! اگر تم ساتھ نہ دو تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا

•

حق کا تو ساتھ نباہا ہے کیا من کا ساتھ نباہو لی؟
مجھ کو تو تم نے چاہا ہے پر کیا حق کو بھی چاہ لی؟
اب آگے ایک خطر ہے اب راہ تمہاری کیا ہوگی؟
اے جان اگر تم ساتھ نہ دو پھر مجھ کو خدا ہی کافی ہے
گر تم سے رقابت ہو نہ سکے تو جذبۂ راہی کافی ہے
تم لڑنے سے کتراؤ تو ایمان سپاہی کافی ہے
پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں
تم ساتھ رہو تو بہتر ہے
پیچھے نہ ہٹو تو بہتر ہے آگے کو چلو تو بہتر ہے
اے جان اگر تم ساتھ نہ دو تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا
کیا عذر تراشو گی آخر؟

جب حشر میں پوچھا جائے گا کیا اپنے قوی سے کام لیا؟
جب کفر سے دین کی ٹکر تھی تو تم نے کس کا ساتھ دیا؟
تھا پاس خزانہ قوت کا وہ کس مقصد پر صرف کیا؟
اس وقت کہو گی کیا بولو ہر عذر کو کانٹے پہ تو لو
آنکھیں تو اٹھاؤ لب کھولو
اے جان! اگر تم ساتھ نہ دو تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا؟

جس دین پہ اپنا ایمان ہے اس دین کی یہ تذلیل کریں
کیا ہم یہ سہہ بھی سکتے ہیں؟
قرآن کے حقائق کو ظالم تاویلوں سے تبدیل کریں
کیا ہم چپ رہ بھی سکتے ہیں؟
اب تم کو، مجھ کو، دونوں کو!
اب باطل کے معماروں کی تعمیروں سے ٹکرانا ہے
اب تم کو، مجھ کو، دونوں کو طوفانوں سے لڑ جانا ہے
پر تم سے اگر یہ ہو نہ سکے
تو جاؤ الگ تم بیٹھ رہو کچھ مجھ پہ کرم فرماؤ نہیں
آوارگی و عریانی سے للہ مجھے بہکاؤ نہیں
خواہش کے کھلونوں سے جانم بچوں کی طرح بہلاؤ نہیں
یہ سرخی، غازہ، کاجل کیا یہ چوڑی، بالی، چھاگل کیا
یہ جادو کے سب چھل بل کیا آخر یہ ذہنی ہل چل کیا

●

میں تنہا بھی بڑھ سکتا ہوں اور شاید بڑھتا جاؤں گا
میں حق کی خونی راہوں میں جو چوٹ بھی آئی کھاؤں گا
اللہ سے یہ امید بھی ہے اک دن منزل کو پاؤں گا
پر کھلتی ہے تنہائی تو!
تڑپاتی ہے یکتائی تو!

●

…کب تھی خبر کیوں موڑ پہ میٹھا سا حلوائی   ہمیشہ دیکھتا ہے اس کو جب بھی ہاتھ ملتا ہے
…نغمے سے واقف تھی نہ نغمہ کے تاثر سے   نہ اس ہوٹل کے مالک سے جو اکثر دیکھ کر اس کو
…موڑوں پہ فوراً یہ نغمہ چھیڑ دیتا ہے   "محبت کرنے والوں کا تڑپنا کس نے دیکھا ہے"

●

…بازار دیواروں پہ بازاری حکیموں سے   یہ کب واقف تھی خفیہ اور رنگیں اشتہاروں سے
…تھی نقادِ فلموں کی، نہ تھی یہ "ڈانس" کی ماہر   اسے کچھ مَس نہ تھا تہذیبِ حاضر کے اداروں سے

بہت معصوم تھی کل تک، بہت ناداں تھی کل تک

…ہر گام پہ بے باک آوارہ جوانوں نے   ہر اک ہوٹل سے اٹھتی فلم کی رنگین تانوں نے
…کالج کے لڑکوں نے، کسی رنگین فسانوں نے   دوکانوں، ہوٹلوں کے مالکوں نے اشتہاروں نے
…فلمی نمائش نے، کبھی مینا بزاروں نے   کبھی کچھ بیگموں کے نیم سرکاری اداروں نے

لپ اسٹک، پاؤڈر، موبات، لہراتے غراروں نے

اسے بے باک کر ڈالا
اسے چالاک کر ڈالا
بہت معصوم تھی کل تک
مگر عیار ہے اب تو

…رنگیت کا جیتا جاگتا شہکار ہے اب تو   یہی بے باک دوشیزہ جواب اٹھلا کے چلتی ہے

●

ناگوار

(شمیم جاوید)

یہی بے باک دوشیزہ جواب اٹھلا کے چلتی ہے
بہت معصوم تھی کل تک، بہت ناداں تھی کل تک

●

سلیقہ بھی نہ تھا اس کو کتابیں لے کے چلنے کا — بہ ہر گام اس ادائے ناز سے پہلو بدلنے
نہ ہونٹوں پر لپ اسٹک تھی، نہ رخساروں پہ غازہ تھا — بھلا کیا زندگی تھی، اس کا ہر انداز سادہ
دوپٹہ کو نہ ڈھلکاتی تھی یہ رہ رہ کے سینے سے — کبھی خوشبو نہ آتی تھی لونڈر کی پسینے سے
اسے آتا نہ تھا بے باک فقروں کو سمجھ لینا — سیہ برقع میں یہ ملبوس زندہ لاش تھی گو
نہ باتوں میں لگاوٹ تھی، نہ چہرے پر تبسم تھا — نہ اس کا کوئی ساتھی تھا، نہ اس کا کوئی محرم
نظر نیچی کیے اکثر گذر جاتی تھی راہوں سے — بھلا کب باخبر تھی گرم نظروں، سرد آہوں
بہت معصوم تھی کل تک، بہت ناداں تھی کل تک

●

اسے کچھ کب خبر تھی، کوئی کالج کا جواں لڑکا — تعاقب میں ہمیشہ اسکے گھر سے ساتھ چلتا۔

پسندیدہ اشعار

• احسان دانش ——— مرسلہ رخسانہ پڑیا

پھونک یاں تو سونے کی بنائی اس سے کیا حاصل
گرواے غافلو! کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

• احسان دانش ——— مرسلہ رخسانہ بیگم پنڈی بھٹیاں

کسی کے در پہ جھکنے کی مجھے نوبت نہیں آتی
خدا پر جب سے اے دانش بھروسہ کر لیا میں نے

• ن م ——— عرشیہ انجم عزیزی۔ پیداپلی

حوصلے پست نہ ہوں ولولے پژمردہ نہ ہوں
وقت کے سانچے میں ڈھل کر ہی نکھرتی ہے حیات

• ن م ——— عرشیہ انجم عزیزی۔ پیداپلی

یہی ہے زندگی تو زندگی سے خودکشی اچھی
کہ انساں عالمِ انسانیت پہ بار ہو جائے

• اقبال ——— ساجدہ فرزانہ ادنور

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

• ماہر القادری ——— مرسلہ ساجدہ فرزانہ

ذرّے ہوئے بلند ہوا ان کو لے اُڑی
قطرے ہوئے جو پست گہر ہو کے رہ گئے

• اقبال ——— مرسلہ ساجدہ فرزانہ

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

• نصر اللہ خاں عزیز ——— ساجدہ فرزانہ

جفائے دوست کی لذت کو غیر کیا جانے
ترا کرم کہ چنا مجھ کو امتحاں کے لئے

• نامعلوم ——— مرسلہ ساجدہ فرزانہ

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

• عروج قادری ——— شائستہ نظر جھنجھلو

یہ لالہ و گل، یہ چاند تارے ثبوتِ حق کے لیے مہیا ہے
قصور ہے فہم کا ہمارے کہ ہم یہ کہہ دیں خدا نہیں ہے

اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

(تصانیف:- مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

اسلام اور جاہلیت ۱/۰۰	اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی ۱۰/۰۰	تفہیم القرآن سورۂ احزاب ۲/۰۰
اسلامی تزکیۂ نفس ۰/۹۰	اسلام کس چیز کا علمبردار ہے ۱/۵۰	، ، [illegible] ۱/۰۰
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر ۳/۰۰	اسلام اور رہبانیت ۰/۶۰	، الناس تا الم نشرح ۳/۰۰
اسلام کا نظامِ حیات ۱/۰۰	اسلامی ادب ۰/۵۰، اقبالیات ۱/۵۰	، پارۂ عم ۰/۰۰
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر ۱/۰۰	اسلامی فلسفۂ معیشت کے بنیادی اصول ۰/۵۰	تفہیمات اول (اضافہ شدہ) ۰۰/
اسلام کا نظریۂ سیاسی ۱/۵۰	امام ابوحنیفہؒ اور ان کا کارنامہ ۱/۵۰	، دوم زیرِ طبع
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے ۰/۵۰	ایک نہایت اہم استفتاء ۰/۲۵	، سوم ۲/۰۰
اسلامی قانون ۲/۰۰	اہم ہدایتیں ۱/۲۵	ترجمۂ قرآن مجید (مع مختصر حواشی) ۰/
اسلام اور جدید معاشی نظریات ۲/۵۰	بناؤ بگاڑ ۱/ تنقیحات ۱۰/۰۰	پردہ ۱۲/ جبر و قدر ۲۵
اسلامی نظامِ معیشت کے اصول و مقاصد ۰/۵۰	تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں ۱/۵۰	حقوق الزوجین ۱/۰۰
انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل ۱/	تحریکِ اسلامی کی کامیابی کے شرائط ۲/۰۰	جہاد فی سبیل اللہ ۰/۷۵
اسلام اور ضبطِ ولادت ۴/۵۰	تجدید و احیاءِ دین ۵/۰۰	جنسی تعلقات ۱/۰۰
الجہاد فی الاسلام ۲۴/۰۰	اسلام اور جدید مسائل ۱/۵۰	جماعتِ اسلامی کی دعوت ۰/۶۰
اسلامی سیاست (سیاسی کشمکش) ۶/۰۰	بنیادی عقیدہ جیبی سائز ۰/۲۵	رسالۂ دینیات ۰۰
اسلام کا سرچشمۂ قوت ۲/۰۰	تفہیم القرآن اول تا ششم ۲۵/۰۰	شہادتِ حق ۲۵
اسلام کا پیغام ۰/۵۰، اسلام کی ابتداء ۰/۵۰	سورۂ یٰسین ۲/۵۰	سلامتی کا راستہ ۰۰

(مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی)

تربیتی مرحلے

ایک شخص جب یہ چاہتا ہے کہ وہ اچھا انسان بنے اور وہ اس اصل علم کو پاجاتا ہے جس کا نام قرآن ہے یا دینی و مذہبی اعتبار سے جسے اسلام کہتے ہیں۔ تو جب تک علم، علم کی حد تک رہتا ہے۔ اس وقت تک لوگ سنتے ہیں تو زیادہ پروا نہیں کرتے۔ اس علم کی کوئی بات اگر کھٹکتی ہے تو زیادہ سے زیادہ منہ بنا کر رہ جاتے ہیں۔ یا پاگل اور دیوانہ کہہ دیتے ہیں اور بہت آگے بڑھے تو بحث کرنے لگتے ہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھئے :-

مثلاً۔ آپ کسی سے یہ کہیں کہ اس دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس کا بنانے والا اللہ ہے۔ لوگ سنیں گے تو جواب دیں گے کہ "بے شک"۔ پھر جب آپ یہ کہیں گے کہ جب یہ بات ہے تو وہی ہمارا مالک، مولا اور آقا ہے۔ تب بھی لوگ کہیں گے کہ بے شک پھر جب آپ یہ کہیں گے تو پھر ہمیں اسی کی بندگی کرنا چاہئے۔ لوگ اس پر بھی صاد کریں گے لیکن جب یہ کہیں گے کہ پھر ان زندہ مردہ بتوں کو کیوں پوجتے ہو اور خود آپ ان بتوں کی بندگی سے بچیں گے۔ اللہ کے حکموں پر عمل کرنا شروع کردیں گے اللہ کے حکموں کے خلاف کچھ بھی نہیں کریں گے۔ تو پھر گھر، محلہ بستی اور بہت سے لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں گے ان جھگڑنے والوں میں کئی دشمن بڑے اہم ہیں وہ ہر وقت آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ ان سے ہوشیاری ضروری ہے۔ یہ تربیت کے دشمن بہت پریشان کرتے ہیں اگر آپ ہر وقت چوکنا نہ رہیں تو یہ آپ کو صحیح راستے سے ہٹائے بغیر نہیں رہتے۔ یہ ایک ترتیب کے ساتھ آپ کا مقابلہ

باب اوّل

قرآن سے ماخوذ

احادیث سے ماخوذ

عبادت اور بندگی کے طریقے بھی۔ یہاں تک کہ اس کے توہمات یعنی وہمی باتیں بھی آپ سے کچھ چاہتا ہیں۔

اس ماحول میں آپ کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر میں ایک قطرہ۔ یا ریگستان کا ایک ذرہ۔ ہر وقت، ہر قدم، ہر آن آپ کا سماج سے واسطہ پڑتا ہے۔ آپ اس کے کام آتے ہیں اور آپ کے کام آتا ہے۔ سوچئے کتنے بڑے دل گردے کا کام ہے، سماج سے ٹکرانا۔

آپ اس بگڑے ہوئے ماحول اور سماج میں جب سچی بات کا اعلان کریں گے۔ یہ کہیں گے کہ یہ رسم ورواج غلط ہیں۔ ان میں خدا کی نافرمانی بھی ہے اور اپنے گھر کی تباہی بھی۔ یا یہ کہیں گے کہ لین دین میں ایمانداری ہونا چاہئے۔ یا یہ کہیں گے کہ بھائی خدا کی عبادت کرنے کا منشا یہ ہے کہ بری باتوں سے بچا جائے۔

زبانی حد تک یہ بات رہے گی تو سب آپ کی تعریف کریں گے لیکن اگر آپ نے اسی بات پر عمل شروع کر دیا تو "مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا" یہ تو ہمارے باپ دادا سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ کہہ کر لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں گے۔ کہیں گے کہ یہ کیا نئی بات کرنا شروع کر دی۔ کہیں گے کہ اگر ہم باپ دادا کی باتوں پر نہ چلیں گے تو سماج میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔

آپ اپنی حق بات پر اڑے رہیں گے تو پھر لوگ الٹے آپ کو سمجھائیں گے۔ آپ سے بحث کریں گے۔ آپ کے دشمن ہو جائیں گے۔ آپ کو پاگل کہیں گے۔ آپ کا بائیکاٹ کرینگے آپ کو شہر بدر کر دیں گے۔ آپ سوچئے، نبیوں سے بہتر انسان دنیا میں نہ پیدا ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں جب ان کا جینا بگڑے سماج نے دوبھر کر دیا تو ہم آپ کس شمار میں ہیں۔ وہ سب کچھ ہو گا جو نبیوں پر گذرا اور جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوچار ہوئے۔ اور آج جو لوگ یا گروہ، یا انجمنیں یا جماعتیں عملاً کچھ کرنا چاہتی ہیں۔ ان پر بھی یہی بیت رہا ہے ان کے راستے میں آج بھی ابولہب اور ابوجہل روڑہ بنے ہوئے ہیں۔

کرتے ہیں۔ ہم اسی ترتیب سے تربیت کے ان دشمنوں کو پہچانتے ہیں:۔

(۱) نفس۔ نفس آپ کے دل اور دماغ میں وہ قوت ہے جو آپ سے کہتی ہے کہ جو تیرا جی چاہے وہ کر۔ جس بات میں تیرا فائدہ ہے وہ کر۔ یہ بڑی زبردست طاقت ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اسے اسی وقت ہرایا جا سکتا ہے جب ہر وقت اللہ کے حکم دل و دماغ میں تازہ رہیں اور آپ یہ طے کئے رہیں کہ میں وہی کروں گا جو اللہ کا حکم ہے۔ یہ نفس بار بار آپ کو اکساتا ہے۔ طرح طرح کے سبز باغ دکھاتا ہے۔ بہکاتا ہے کہ ابھی کون دیکھتا ہے۔ اگر کوئی دیکھ لے تو جھوٹ بول دینا۔ اگر پولیس پکڑ لے تو رشوت دے دینا۔ اس کے مقابلے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ہر وقت خدا کو حاضر ناظر جانیں اور خدا کے خوف سے لرزتے رہیں۔

نفس کے بارے میں قرآن مجید نے بہت ہی چوکنا رہنے کی تاکید کی ہے۔ قرآن نے نفس کو آپ کا سب سے بڑا دشمن بتایا ہے۔ نفس سے لڑنا سب سے بڑھ کر جہاد بتایا ہے۔ فرمایا کہ اس سے ٹکر لینے کے لئے اللہ کے ناموں کا ہر وقت ورد رکھو اور انھیں وظیفہ بنالو۔

جو شخص نفس کے مقابلے میں ہار جاتا ہے پھر وہ اچھا انسان اور خدا کا بندہ نہیں بن پاتا۔ پھر وہ شیطان کا بندہ بن جاتا ہے۔ پھر وہ، وہ سارے برے کام کرنے لگتا ہے جو 'شیطنت' کہلاتے ہیں۔ آدمیت سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ نفس کا اشارہ پاکر ذرا سی 'اونھ' ساری تربیت کو ملیامیٹ کر دیتی ہے۔

(۲) بگڑا ہوا سماج۔ جس میں آپ ہر وقت گھرے رہتے ہیں جس کے آپ ایک فرد ہیں۔ جس سے آپ کا رشتہ، تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے ہر طرح کا لگاؤ، گھریلو تعلق بھی، رشتہ ناتہ بھی۔ لین دین بھی۔ شادی بیاہ بھی۔ دوستی اور یارانہ بھی۔ اس کے رسم ورواج بھی اور

ہو گیا۔ کیسی کیسی تکلیفیں دیں حضور کو۔ ہم آپ سب جانتے ہیں۔

آجکل علمائے حق کے مقابلے میں علمائے سو اور بناؤٹی پیر آذر اور ابولہب کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ یہ بُرے عالم اور پیر علم رکھتے ہوئے جاہلوں سے بدتر ہوتے ہیں لیکن بلا کے چالاک اور ذہین۔ علمائے حق چاہے کیسی حق بات کہیں، یہ چٹکیوں میں اُن کی حق بات کا اثر مٹا دیتے ہیں۔ آج کل دو لفظ کہدینا کافی سمجھتے ہیں۔

کسی سچے عالم نے کہیں کچی بات کہی اور اس بات نے عوام کو اپیل کیا۔ پیروں اور علمائے کو معلوم ہوا تو عوام سے کہا کہ ارے تم کس کے بہکائے میں آگئے، وہ تو "وہابی" ہے وہ تو مودودی ہے۔ یہ دو لفظ وہابی اور مودودی سُن کر عوام یہ سوچنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی بڑے خطرناک اور دین کے ڈھانے والے ہیں۔ بس پھر سچے عالم کی ایک نہیں سُنتے۔ اور علمائے سو اور پیروں کے کہنے میں آکر ان کے پیچھے اپنا ایمان بھی برباد کرتے ہیں اور گھر اور گھر کی دولت بھی۔

(۴) صاحب اقتدار اور حکومت۔ صاحب اقتدار کے معنی ہیں، وہ بڑا آدمی جس کا دباؤ عوام پر ہوتا ہے۔ جس کے کہنے پر لوگ چلتے ہیں۔ محلہ بستی میں جس کا اثر قائم ہوتا ہے۔

چونکہ حکومت کا اثر سب سے بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے سب سے بڑا اقتدار اسی کا مانا جاتا ہے۔ حکومت کے اقتدار کی بدولت ہر محلہ اور بستی میں بڑے لوگوں کا اقتدار ہوتا ہے کیونکہ در اصل یہ بڑے لوگ حکومت ہی کے پلے ہوتے ہیں۔ حکومت ان سے اپنا اقتدار قائم کرتی اور رکھتی ہے۔

صاحب اقتدار اور حکومت کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ کون کس مذہب کا ماننے والا ہے کیا عقیدہ رکھتا ہے۔ اچھے کام کرتا ہے یا بُرے کام کرتا ہے۔ اُسے تو بس اتنا چاہئے کہ حکومت کا "پچھ" ہے یا نہیں۔ اگر حکومت کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے تو بہت اچھا اور حکومت پر تنقید

(۳۱) علمائے سو اور بناوٹی پیر۔ علمائے سو کے معنی ہیں بُرے عالم۔ یہ بُرے عالم اور بناوٹی پیر جانتے ہیں کہ سچ اور حق کیا ہے اور جھوٹ اور باطل کیا ہے۔ لیکن چونکہ ان کا اثر عوام اور جاہل لوگوں پر بہت ہوتا ہے۔ عوام میں ان کی دھاک بیٹھی ہوتی ہے۔ عوام اُن کی آمدنی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ علمائے سو اور بناوٹی پیر مذہب کے ٹھیکیدار بن کر آستانوں اور مزاروں اور خانقاہوں میں خدائی کرتے ہیں۔ نذر اور نذرانے، چڑھاوے وغیرہ کی رقمیں اپنے قبضے میں کرتے ہیں۔ اُنھوں نے ایسی جھوٹی روایات اور فرضی قصے عوام میں پھیلا رکھے ہیں جن سے عوام متاثر ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جنت حاصل کرنا ہے تو ان کے کہنے پر اس طرح چلنا چاہیئے جس طرح اللہ کے حکموں پر چلا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ان علمائے سو اور بناوٹی پیروں کو بڑا خطرناک بتایا گیا ہے۔ اُن کو دین کا تاجر بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ بہت تھوڑی قیمت پر بہت بڑی چیز بیچ ڈالتے ہیں۔ یہ بہت بڑی چیز دین ہے جس کو چند ٹکوں کے لالچ میں بدل ڈالتے ہیں۔

یہ علماء اور پیر پیسے کے ایسے حریص ہوتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں میں مروّت نام کی کوئی چیز نہیں رہ جاتی۔ ان کی اولاد انھیں ٹوکے تو وہ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے سب سے بڑے پروہت باپ آذر سے صرف اتنا کہا تھا کہ آپ یہ کیا بناتے رہتے ہیں اور خدا کا نام دے کر بیچتے ہیں جو (یعنی بُت) نہ سُنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکتے ہیں۔ یہ تو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اُڑا سکتے۔

اس کا جواب آذر نے یہ دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو گھر سے نکال دیا اور آگ میں جھونک دینے تک اپنی کوشش کرتا رہا۔

ابو لہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے استھان (عزّیٰ) کا پروہت تھا۔ وہ اپنے جس بھتیجے (نبیؐ) کی تعریف کیا کرتا تھا اسی بھتیجے (حضورؐ) کا جانی دشمن

قرآن کریم

اِنسان کو انسان بنانے کا واحد نصاب

تربیتی کورس

ایک آدمی اگر ٹیچر (مدرس) بننا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ بچوں کو کس طرح پڑھایا جائے۔ اس چاہ کے ساتھ وہ ان کتابوں کو تلاش کرتا ہے جن میں پڑھانے کا طریقہ (میتھڈ آف ٹیچنگ) درج ہوتا ہے۔ وہ ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے جو بات سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسروں سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ پڑھانے کی مشق کرتا ہے۔ مشق کرتے کرتے ایک دن وہ بہترین مدرس بن جاتا ہے۔

اسی طرح ایک شخص ڈاکٹر بننے کے لئے ڈاکٹری کی کتابیں پڑھتا ہے اور پھر مشق اور تجربہ کرتے کرتے ایک دن اعلیٰ درجہ کا ڈاکٹر بن جاتا ہے۔

یہی حال دوسرے پیشوں کا ہے ایک انسان انجینیر بننے کے لئے یہی کرتا ہے، سائنسداں بننے کے لئے اسی طرح کھوج لگاتا اور عمل کرتا ہے۔ وغیرہ۔

تربیتی ادارے

پہلے کچھ سیکھنا اور پھر اس پر عمل کرنا، اس بات نے آج ایک فن کی شکل اختیار کر لی ہے آپ جو کچھ بننا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق آج آپ کو بیسوں اچھی کتابیں پڑھنے کو مل سکتی ہیں۔

کرتا ہے تو بہت بُرا۔

یہی بڑے لوگ نیک اور اچھے لوگوں کو عوام میں مقبول ہوتے دیکھتے ہیں تو ان
حسد ہوتا ہے۔ وہ صاحبِ حکومت یعنی نواب صاحب، راجہ صاحب، بادشاہ سلامت ا
آج کل وزیرِ اعظم صاحب سے جاکر کہتے ہیں کہ فلاں شخص حکومت کے خلاف عوام کو بہکا
ہے۔ ان کا اتنا ہی کہنا کافی ہوتا ہے اور وہ اچھا آدمی جیل بھیجدیا جاتا ہے۔ مختصر یہ سمجھئے
حکومت پر آنچ نہ آئے تو تم بہت اچھے۔ ورنہ ....

اس کی بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ نمرود اور فرعون جیسے بادشاہوں نے حضرت ابراہ
اور حضرت موسٰی جیسے عظیم پیغمبروں کو نہیں بخشا۔ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کا قصہ قرآ
میں عبرت کے طور پر ہے۔ اس کے جشنِ ولادت پر بہت سے قیدی چھوڑے جاتے تھے مجرم
کی فہرست میں حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی تھے اور ایک ڈاکو بھی۔ بادشاہ نے ڈاکو کو چھوڑ
دیا لیکن حضرت عیسٰی کو جیل ہی میں رکھا۔

اس صدی کی مثالوں میں دیکھئے۔ مصر میں اخوان المسلمون، ہندوستان میں جماعت
اسلامی جیسی جماعتوں کو بین کر دیا گیا۔ ان کے مقابلے میں دوسروں کی سرپرستی کی گئی۔

مطلب یہ کہ یہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

ہم آخر میں یہ بھی بتادیں کہ تربیت کے ان مرحلوں میں اچھے انسانوں کو روکنے والی جن طاقتو
(نفس، سماج، علمائے سوء اور بناوٹی پیر اور اقتدار) کا نام لیا گیا ہے۔ اور ان چاروں کی پہچان تھا
ہے قرآن ان کے لئے ایک لفظ استعمال کرتا ہے...... طاغوت .... طاغوت
اس شخص یا ادارے کو کہتے ہیں جو اپنی خدائی کے آگے کسی کی خدائی برداشت نہیں کرتا۔

اب جو شخص ان چاروں مرحلوں سے گذر جائے سمجھئے کہ وہ کندن ہے۔ اللہ کے بندے
ان مرحلوں سے گذر کر کندن بنے ہیں۔ یہ انہی کا طفیل ہے کہ سچا دین ہم تک پہنچا ہے۔

فٹ کرے اور جو چاہے اس سے کام لے۔ یعنی وہ ہر شئے پر حکمراں بھی ہے حاکم بھی ہے۔ ساری کائنات کا بادشاہ بھی۔ کائنات کی ہر چیز اس کے حکم پر چلتی ہے اور ہر چیز کو اسی کے حکم پر چلنا بھی چاہیئے۔

(۲) دوسری بات قرآن یہ ذہنوں میں بٹھاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ اسی کی مخلوق ہے۔ کوئی دوسرا یہ چیزیں نہیں بنا سکتا۔

یہ ساری چیزیں اس کی حکومت کی کلیں ہیں، پُرزہ ہیں۔ کارندہ ہیں۔ اہل کار ہیں۔ لونڈی اور غلام ہیں۔ ان سب کے لئے قرآن نے بہت عمدہ لفظ استعمال کیا ہے یعنی "بندہ" قرآن سکھاتا ہے کہ بندے کا کام مالک کی بندگی کرنا ہے۔ یعنی مالک جو حکم دے۔ بے چوں وچرا عمل کرے۔

(۳) تیسری بات جو قرآن کریم ذہن نشین کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں انسان کی حیثیت ساری چیزوں سے الگ ہے۔ انسان کا جسم سب سے اچھا بنایا گیا۔ انسان کو ہاتھ پیر وغیرہ (اعضاء۔ انگ) سب سے اچھے دئے گئے۔ انسان کو سوچنے سمجھنے کی طاقت دی گئی ہر ہر کام دیا گیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اُسے کسی قدر اختیارات دئے گئے یعنی یہ کہ وہ کچھ کام اپنی مرضی سے بھی کرسکتا ہے۔

پھر یہ کہ دنیا جہان کی ساری چیزیں اسی انسان کے لئے پیدا کی گئیں۔ انسان ان کو اپنے کام میں لاتا ہے اور بہت سی چیزیں آپ سے آپ (اللہ کے حکم سے) اس کی غلام بنی ہوئی ہیں۔ سورج اُسے گرمی پہنچا رہا ہے۔ چاند ٹھنڈک پہنچا رہا ہے۔ آسمان سے پانی برس رہا ہے۔ ہوا اُسے زندہ رکھنے کے لئے چل رہی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس سے یہ بات آپ سے آپ سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان دنیا جہان کی ساری چیزوں سے افضل ہے بڑھ کر ہے۔ اشرف المخلوق ہے۔

(۴) اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ بناکر بھیجا ہے

اور سکھانے والے بھی اور ایسے ادارے بھی، جہاں آپ عمل بھی کر سکیں۔

اس کام میں حکومت کی طرف سے بھی سہولت دی جاتی ہے۔ چنانچہ آج کل ہر ملک میں سیکھنے سکھانے اور عمل کرنے کے لئے ہر علم کے ٹریننگ اسکول کھلے ہوئے ہیں۔ ان اسکولوں میں علم حاصل کرنے اور عمل کرنے کو دو حصوں میں کر دیا گیا ہے۔ پہلا حصہ "تھیوری کہلاتا ہے اور دوسرا پریکٹس (پریکٹیکل ورک عملی تعلیم)۔

نصابِ آدمیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر انسان کو انسان بنانے کا نصاب اور تربیتی کورس عطا فرمایا ہے۔ اس کورس کی بھی تھیوری ہے اور اس کا بھی پریکٹیکل ورک ہے۔ تھیوری اور پریکٹیکل ورک کے بغیر یہ کورس بھی پورا نہیں ہوتا۔ قرآن کریم ایک ایسا تربیتی نصاب ہے۔ جس کی تھیوری اور پریکٹس زندگی کے آخری سانس تک ضروری ہے۔ اس میں پچپن سال کا ہونے کے بعد کسی کو ریٹائرڈ نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی سمجھ دار آدمی اپنے کو ریٹائرڈ کرتا ہے بلکہ ہر وقت قرآن کے علم کو تلاوت سے تازہ کرتا رہتا ہے اور اپنی زندگی کے ہر کام میں اس پر عمل کرتا ہے۔ تب ہی اُسے اچھا انسان کہا جا سکتا ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ وہ اچھا انسان بن بھی جاتا ہے۔

قرآن کی تھیوری

(۱) کوئی شخص چاہے تو وہ قرآن کو اللہ کا کلام مانے یا نہ مانے۔ اگر قرآن کا مطالعہ کرے گا تو سب سے پہلے نصابِ آدمیت کی یہ بات جانے گا کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے، وہ آسمان اور جو کچھ اس میں ہے اور زمین اور آسمانوں کے درمیان جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے پھر جب وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے یعنی خالق ہے تو وہی ہر شئے کا مالک بھی ہے۔ اور جب وہ ہر شئے کا مالک ہے تو وہ مالک جس طرح چاہے اپنی چیز کو کام میں لائے۔ جہاں چاہے اُسے

یعنی یہ رسول، یہ پیغمبر قوموں اور ملکوں میں ہوتے رہے۔ ہزاروں برس تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ انسان بار بار خدائی تعلیم بھلا دیتا۔ اس میں اپنی طرف سے کاٹ چھانٹ کر دیتا تھا ہے کہ پھر غلط تربیت ہوتی اور وہ بگڑ جاتا۔

(۶) آخرکار اللہ تعالیٰ نے عرب میں اپنے نبی آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کام کے لئے بھیجا اور ان کو سارے جہان کے لئے اور رہتی دنیا تک کے لئے رسول بنایا۔ پر قرآن اُتارا۔ اللہ کا سب سے بڑا اور خاص فرشتہ جن کا نام حضرت جبرئیل ہے۔ اُن آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ اللہ کا علم آپ تک پہنچائیں اور پھر اللہ ہی نے حضورؐ کی تربیت اپنے ذمہ لی۔ اب اللہ کے حکم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تربیت فرماتے رہے۔ اور اللہ کے بندوں کی بھی تربیت کرنے لگے۔

یہ قرآن مجید ۲۳ برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ جیسا جیسا آپ پر وقت پڑا۔ ہر وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے اور قرآن پہنچایا۔ حضورؐ علم حاصل کرتے رہے۔ اللہ کے بندوں کو پہنچاتے رہے۔ شروع شروع میں لوگوں نے سنا تو پروا نہ کی۔ پھر حضورؐ کی اور حضورؐ پر ایمان لانے والوں کی ہنسی اُڑائی گئی۔ پھر تکرار شروع ہوا کافروں نے حضورؐ اور مسلمانوں کو ستانا شروع کیا۔ بُرا کہنا، مالی نقصان پہنچانا، جان لے لینا، گھر بار تباہ کر دینا، مارنا پیٹنا، وطن سے نکال دینا یہ اور اس طرح کے سارے مظالم کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سارے مرحلوں سے نپٹنے کے لئے قرآن کا علم دیا اور تربیت کا طریقہ بھی بتا دیا۔ ۲۳ برس میں جب سارے احکام نازل ہو گئے تو حضورؐ نے اللہ کا اشارہ پا کر اُسے مرتب فرما دیا۔ اسی کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کا پورا زور اس پر ہے کہ ایمان لاؤ اور قرآنی احکام پر عمل کرو۔ تب ہی تم سچے انسان اللہ کے سچے بندے بن سکتے ہو۔ تب ہی تم اس دنیا میں بھی اچھے ہو گے اور اس دنیا میں بھی جب اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو جانچ کر تمہارے لئے جنت اور دوزخ کا فیصلہ کرے گا۔

تاکہ یہ خلیفہ اللہ کے حکموں کے مطابق اس زمین پر رہے بسے، چلے پھرے اور دوسرے کام
اور ان اختیارات میں اللہ کی مرضی کو سامنے رکھے۔ جو اُسے ملے ہیں کیونکہ ان اختیارات کا د
والا بھی خدا ہی ہے۔

اسی خلیفہ کی تربیت کے لئے اللہ نے زندگی بسر کرنے کا علم اُسے دیا۔ ہمیشہ دیتا رہا
آدم علیہ السلام جو اس زمین پر پہلے انسان ہیں اور جن سے انسانوں کی نسل چلی ان کو اللہ
نے اچھی طرح یہ بات سمجھا دی تھی کہ تمہارا اور دنیا جہان کا مالک، حاکم اور معبود میں ہوں۔ م
اس سلطنت میں تم میرے حکموں کے تحت ہی زندگی بسر کروگے اور یہ جو تھوڑے سے اختیا
تم کو دئے گئے ہیں ان پر مغرور نہ ہونا، بھول نہ جانا۔ میری خدائی میں خود خدائی نہ کرنے لگنا
خدائی میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ دنیا کی یہ دو دن کی زندگی جس میں تم کو اختیارات دے کر بھیجا
جارہا ہے۔ یہ تمہارے لئے ایک امتحان ہے جس کے بعد تم کو میرے پاس آنا ہوگا۔ پھر میں تم
کاموں کی جانچ کرکے فیصلہ کروں گا۔ کہ تم میں سے کون امتحان میں پاس ہوا اور کون فیل۔
پاس ہونے پر تم کو سب سے اچھی جگہ یعنی جنت ملے گی اور فیل ہونے پر نہایت بُری جگہ جہنم م
جھونکے جاؤ گے۔

(۵) حضرت آدم علیہ السلام خدا کی اس ہدایت پر عمل کرتے رہے انھوں نے اپنی اولاد کو
تعلیم دی اور اسی کے مطابق تربیت بھی کی لیکن پھر ایسا ہوا کہ اولادِ آدم دھیرے دھیرے
تعلیم بھولتی گئی۔ انسان اپنے نفس کا غلام بنتا چلا گیا۔ جو جی میں آیا کرنے لگا۔ خدا کی بندگی چھ
کر دوسروں کا بندہ بننے لگا۔ ایسا بھی ظلم کیا کہ کہیں کہیں خود خدا بن بیٹھا۔ انسانی زندگی اس
طرح بسر ہونے لگی تو اللہ نے پھر اپنے کچھ بندوں کو اپنا علم دے کر بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ
یہ علم ان کو یاد دلاؤ اور اس کے مطابق ان کی تربیت کرو۔ قرآن اپنے ان خاص بندوں کو
نبی اور رسول کہتا ہے۔ یہ رسول ہر جگہ بھیجے گئے جہاں جہاں انسان جا کر بسے۔

وہی گُر سکھائے۔ لوگ یہ گُر یاد رکھتے رہے اور بھولتے بھی رہے۔ جب اور جہاں
بالکل مُردہ ہو گیا یعنی جس قوم کے لوگ بُرے کام کرنے لگے تو اللہ تعالےٰ نے وہاں
نبی بھیج دیا۔ سب سے آخر میں ضمیر کو زندہ رکھنے یعنی انسان کی تربیت کا کام اللہ تعالیٰ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا۔ انسان کی تربیت کے لئے جن باتوں کی ضرورت تھی۔
باتیں اللہ تعالےٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں۔ پھر حکم دیا کہ یہی باتیں اور یہی گُر لوگ
کو بتاؤ۔ تربیت کرنے والے کو مُربّی کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو انسان بنانے
لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا مُربّی بنایا۔ اس کو پھر دُہرا لیجئے۔ سارے
کا مُربّی تو ہے اللہ تعالےٰ۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو تربیت دی اور نبیوں نے لوگوں
آخر میں اللہ تعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تربیت دی اور آپ کو قیامت تک کے
انسانوں کا مربّی بنایا۔ اور انتظام یہ فرما دیا کہ تربیت کے یہ اُصول اور گُر انسا
بھولنے نہ پائے۔ یہ اُصول اور گُر ہمیشہ کے لئے دنیا ں باقی رہیں۔ چنانچہ اللہ تعا
نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ندگی کے ہر کام اور ہر پہلو
کو ٹھیک کرنے کے لئے تربیت کے جو اُصول اور گُر دئے۔ وہ سب قرآن مجید
میں محفوظ فرما دئے۔ آج ہمارے سامنے جو قرآن مجید موجود ہے وہ اللہ کے حکموں
مجموعہ ہے۔ ان حکموں کے مطابق سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ا
تربیت آپ فرمائی اور وہی گُر دوسروں کو بتلائے۔ دنیا یہ بات اب مان چکی ہے کہ تربیت کے
اُصول قرآن میں ہیں وہ سچ مچ اللہ کی طرف سے ہیں اور ان اصولوں پر نبی صلی اللہ علیہ وس
نے جن لوگوں کو تربیت دی۔ ان سے بہتر آدمی پیدا نہ ہو سکے یعنی صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر
اس مختصر گفتگو کے بعد اب ہم اللہ تعالےٰ کی طرف سے آیا ہوا پہلا اُصول اور گُر پیش
کرتے ہیں۔ ہم نے اور آپ نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا ہے جو جاہلیت کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی تربیت کرنے کا پہلا اور اعلیٰ درجے کا اصول

اِنسان کے اندر ضمیر نام کی ایک طاقت ہے جو انسان کو بُرے کام کرنے سے روکتی اور ٹوکتی ہے اور اچھے کاموں کی طرف دھیان دلاتی رہتی ہے۔ ضمیر نام کی یہ طاقت اگر کمزور ہوتی ہے تو انسان بُرے کاموں کی طرف مُڑ جاتا ہے اور اگر ضمیر طاقتور ہوتا ہے تو وہ آدمی کو بھلے کاموں کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لئے جب ایک آدمی بُرے کام کرتا رہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کا ضمیر مُردہ ہو گیا ہے۔ مُردہ ہو جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا ضمیر سو گیا۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ طاقت انسان کے اندر سے بالکل ہی ختم ہو گئی۔ پھر جب آدمی اچھے کام کرنے لگتا ہے۔ بُری باتوں سے دور رہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں اس آدمی کا ضمیر زندہ ہے، بیدار ہے۔ جاگ رہا ہے۔ ضمیر کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لئے سوچنا اور سوجھ بوجھ کی باتوں پر عمل کرنا ہی "تربیت" کہلاتا ہے۔ ہمارے بڑے اور بزرگ ہم کو اچھا انسان بننے کے لئے جو باتیں بتاتے ہیں وہ ہماری تربیت ہی کرنا چاہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ضمیر زندہ اور جاگتا رہے۔ ہمارے بڑوں اور بزرگوں نے ایسی باتیں اللہ کے نبیوں کی تعلیمات سے لیں۔ اللہ کے نبی ہر قوم میں ہوئے ہیں۔ ان نبیوں اللہ تعالیٰ نے تربیت کے اُصول اور گُر بتائے۔ اللہ کے نبیوں نے اللہ کے بندوں

بے دیکھے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو کسی نے دیکھا نہیں ہے۔ اللہ کے رسولوں نے ا
ایمان لانے کی دعوت دی اور انھوں نے مان لیا۔ اور پھر اللہ اور اللہ کے رسول نے جس
بات کو اچھا کہا، اُسے اچھا تسلیم کیا اور جس بات کو بُرا بتلایا اُسے بُرا تسلیم کیا اور ا
اپنے اخلاق اور انسانیت کے سنوارنے کا اصل ذریعہ بنایا۔

— خوف خدا کے علاوہ کسی شخص کا بُرائی سے اس لئے بچنا کہ اس کی اپنی رائے یہ
بُرائی ہے یا دنیا اُسے بُرا سمجھتی ہے یا اس بُرائی کے کرنے سے نقصان پہنچ سکتا۔
یا گرفتار ہوجانے کا ڈر ہے۔ یہ ساری باتیں نہائت بودی ہیں۔ آدمی کی ذاتی رائے
ہوسکتی ہے۔ آج ایک چیز کے بارے میں کچھ رائے قائم کرتا ہے، کل کچھ۔ پھر یہ کہ آدمی
منطق سے ایک اچھی چیز کو بُرا اور ایک بُری چیز کو اچھا سمجھ سکتا ہے۔ آدمی نے اپنی ذ
رائے سے قانونی طور پر یا اخلاقی طور پر جب کوئی معیار بنایا تو آگے چل کر خود اس نے
کو بدلا۔ یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔ یہ معیار ہمیشہ غلط ہوتا رہا۔ ٹ
وہی ہے کہ اللہ جس چیز یا بات کو اچھا کہے وہی ٹھیک اور جسے بُرا بتلائے وہ غلط ۔ا
صرف اللہ کی ہے جس کی بات کبھی نہیں بدلتی۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔

— اب رہا نقصان کا ڈر یا نفع حاصل کرنے کا لالچ یا پکڑے جانے کا کھٹکا۔ تو
طرح کے نقصان اور فائدے بھی کسی شخص کو شریف انسان بنانے کے لئے مستقل م
نہیں ہوتے۔ جو برائی سے اس لئے بچتا ہو کہ آگے چل کر اُسے نقصان پہنچ جائے گا تو
شخص اس وقت بے دھڑک بُرا کام کر بیٹھے گا جب اُسے نقصان کا اندیشہ نہ ہوگا یا نقصا
سے زیادہ فائدہ ہونے کی اُمید ہوگی۔ یا کسی سفارش اور رشوت کے ذریعہ گرفتار ہو۔
بچ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سمجھئے۔ رشوت دینے میں سو روپیہ خرچ (نقصان)
اور فائدہ کی اُمید ایک ہزار کی ہے یا سود لینے میں نقصان کا بالکل خطرہ نہیں۔ ایسی حال



قرآن کا مطالعہ

مائل خیرآبادی

تربیت کی بُنیادیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (سورۂ ملک آیت ۱۲)

جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً اُن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔ (تفہیم القرآن جلد ۶ صفحہ ۴۶)

اللہ سے ڈرنا

قرآن مجید نے انسانیت کو سنوارنے اور اخلاقی تربیت کے لئے خوفِ خدا (اللہ سے ڈرنے) کو اصل جڑ اور بنیاد بتایا ہے۔

خوفِ خدا کا مطلب یہ ہے کہ بُرائی سے اس لئے بچا جائے کہ کہیں ہمارا اللہ خفا نہ ہو جائے۔ (اور نیک کام اس لئے کریں کہ ہمارا اللہ ہم سے خوش ہو جائے۔)

قرآن خوفِ خدا کے ساتھ ایک بے مثل تحفہ اور لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر ہے۔

بتایا کہ صدری کے استر میں۔

ڈاکوؤں کے سردار نے پوچھا کہ تم نے کیوں سچ سچ بتا دیا۔ بولے "میری مہربان ماں نے جھوٹ بولنے سے منع کیا تھا۔ یہ سنتے ہی سردار بولا "افسوس، میرے مہربان نے بھی ڈکیتی سے منع کیا تھا لیکن ایک لڑکا مجھ سے آگے بڑھ گیا"۔

سردار نے توبہ کی۔ اس کے ساتھ دو سو ڈاکوؤں نے بھی توبہ کی اور پھر وہ سب کے سب شریف انسان بن گئے۔

اور یہ واقعہ کتنا عبرتناک اور نصیحت سے بھرا ہوا ہے کہ ایک نوجوان اپنی چچازاد بہن پر عاشق تھا۔ اس نے اس پر بہت ڈورے ڈالے لیکن چچازاد بہن گناہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ لیکن پھر اس بے چاری پر ایسی غریبی آئی کہ تن ڈھانپنے کو کپڑے اور پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کے ٹکڑے کو ترس گئی۔ نوجوان اب بھی اس کا دم بھر رہا تھا۔ ایک دن بے چاری نے اس سے کہا کہ مجھے اتنا اتنا روپیہ دے دو، میں رات کو آؤں گی۔ نوجوان نے دے دیا۔ لڑکی رات کو اس کے پاس گئی۔ اور جب نوجوان آمادہ ہوا تو کہنے لگی "اے میرے چچا کے بیٹے! اس اللہ سے ڈر جو اس تنہائی میں بھی تجھے دیکھ رہا ہے"۔

یہ سننا تھا کہ نوجوان اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ اور عزت کے ساتھ اُسے واپس کر دیا۔

اس واقعہ سے وہ واقعہ بھی یاد کر لیجئے جو ہم آپ اپنے بچوں کو سناتے رہتے ہیں۔ یعنی ایک چور چوری کرنے چلا۔ اپنے بچے کو ساتھ لیا۔ ایک باغ میں پہنچا۔ بیٹے سے کہا دیکھتے رہنا کوئی دیکھ رہا ہو تو بتا دینا۔ یہ کہہ کر باغ میں گھسا۔ لڑکا چلایا۔ "اباجان! وہ دیکھ رہا ہے، وہ دیکھ رہا ہے" چور یہ سن کر بھاگا۔ بچے کے پاس آیا۔ پوچھا "کون دیکھ رہا ہے"۔ بچے نے کہا "خدا دیکھ رہا ہے"۔ چور پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس نے چوری سے توبہ کر لی۔

اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ ان سب سے ثابت ہوتا ہے کہ بے دیکھے خدا سے

یسا شخص حماقت سمجھتا ہے کہ نفع کا سودا نہ کرے۔

— پکڑے جانے کا ڈر بھی بُرائی سے بچنے کا مستقل ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ پکڑے جانے کے بعد عزت کے ساتھ چھوٹ جانے کی تدبیریں ہیں۔ رشوت دے کر انسان چھوٹ سکتا ہے۔ کسی بڑے کا دباؤ ڈال کر یا سفارش سے رہا ہو سکتا ہے اور عدالت سے کسی طرح کی آنچ نہیں آتی۔ اسی بات کو بے دیکھے خدا سے ڈرنے والی مثالوں سے سمجھئے۔ فرض کیجئے۔ ایک ایسی جگہ ایک لاکھ روپیہ رکھا ہے جہاں چور کے سوا کوئی آدمی، سپاہی پیادہ وغیرہ دیکھنے والے اور نگراں نہیں۔ یا کسی ایسی تنہائی میں ایک مرد ہے اور اس کے ساتھ عورت اور ان کو بھی کسی دیکھنے والے یا پکڑنے والے کا ڈر نہیں تو ایک لاکھ روپیہ چرانے میں چور کو کیا جھجک ہو سکتی ہے اور تنہائی میں رہنے والے مرد اور عورت کو بدکاری کرنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ چوروں اور بدکاری کرنے والے مردوں اور عورتوں کو اگر کوئی چیز بُرائی سے بچا سکتی ہے تو وہ ہے بے دیکھے اللہ کا ڈر۔ جیسے ہی یہ خیال آیا کہ خدا دیکھ رہا ہے تو آدمی کانپنے لگتا ہے۔ خدا کا خوف طاری ہونے کے بعد پھر چور چور نہیں رہتا۔ ولی ہو جاتا ہے۔ بدکار بدکار نہیں رہتا، شریف انسان بن جاتا ہے۔ اس کی ہزاروں مثالیں ہیں۔ حضرت عیاضؒ مشہور ڈاکو تھے۔ ایک دن ایک شخص کو قرآن کی وہ آیت پڑھتے سُنا جس میں ہے کہ "کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ انسان کے دل خدا کے خوف سے لرز اُٹھیں"۔ یہ سُننا تھا کہ حضرت عیاض کی کایا پلٹ گئی۔ اسی وقت ڈکیتی سے توبہ کی اور پھر اپنے وقت کے سب سے بڑے امام ہو گئے۔ اتنے بڑے امام کہ خلیفۂ وقت ہارون رشید ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بچپن کا مشہور واقعہ ہے وہ تعلیم کے لئے بغداد جانے لگے تو ماں نے چالیس اشرفیاں صدری کے استر میں چھپا دیں اور نصیحت کی کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ راستے میں ڈاکہ پڑا۔ ڈاکوؤں نے اُن سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے۔ جواب دیا "ہے"۔ پوچھا گیا کہاں ہے؟

کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ وہ ایسی غیر ذمہ داری کی زندگی نہیں بسر کر سکتا ہے۔ وہ چھٹا سانڈ بن کر کھیتوں کے پودوں کو نہیں روند سکتا۔ اس کی بھی دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

— سلطان سلجوقی اپنی فوج کے ساتھ ایک جنگل میں رُک گیا۔ فوجیوں نے ایک بڑھیا کی گائے پکڑ کر ذبح کر ڈالی۔ بڑھیا نے بہت ہائے واویلا مچائی۔ لیکن کسی فوجی کا دل نہ پسیجا۔ پھر جب سلطان فوج لے کر چلا اور ایک پل پر پہنچا تو بڑھیا نے لپک کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اور بولی "سلطان! میرا انصاف اس پُل پر ہوگا یا پُل صراط پر؟" بڑھیا کا یہ کہنا تھا کہ سلطان لرز گیا۔ بولا "پُل صراط پر انصاف کی طاقت مجھ میں نہیں۔ تیرا انصاف اسی پُل پر ہوگا۔" اس کے بعد سلطان گھوڑے سے اترا۔ عدالت قائم ہوئی۔ جُرم ثابت ہوا۔ فوجیوں کو سزا دی گئی۔ اور بڑھیا کو اس کی گائے سے بہتر ستّر گائیں دی گئیں۔ اور نقد انعام بھی اور سلطان نے معافی بھی مانگی اور اس وقت تک پُل سے پار نہ ہوا جب تک کہ بڑھیا راضی نہ ہوئی۔

— شیر شاہ کی عدالت کا مشہور واقعہ ہے۔ اس کے ولیعہد نے ایک ہندو عورت کو چھیڑا اس پر پان کا بیڑا پھینکا۔ ہندو نے ہتک آبرو کا دعویٰ کر دیا۔ مقدمہ شیر شاہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ کہتے ہیں کہ جب کارروائی شروع ہوئی تو شیر شاہ بار بار کہہ رہا تھا کہ اے میرے رب! میں اس سے بری ہوں جو کچھ میرے بیٹے نے کیا اور پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی فیصلہ کیا۔ فیصلے کے بعد ہندو کو خلعت سے بھی نوازا۔

— اسی طرح کا واقعہ اورنگ زیب کے زمانے میں پیش آیا۔ متھرا کے مسلمان گورنر نے ایک ہندو لڑکی سے زبردستی شادی کرنا چاہی۔ ہندو غیرت مند تھا۔ اس نے عالمگیر کی خدمت میں آکر فریاد کی۔ کسی نے اُسے بتا دیا تھا کہ عالمگیر خدا سے بہت ڈرتا ہے۔ بس اس نے یہی چوٹ کی "سرکار اگر میری عزت دنیا میں بچائیں گے تو بھگوان آپ کی عزت اس دن بچائے گا جب

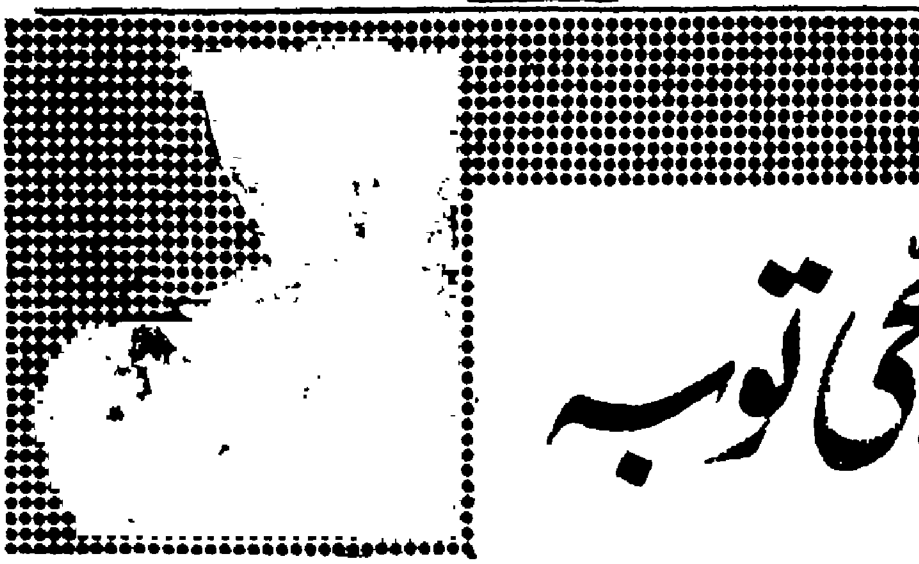
ڈرنے والے ہی انسانیت کو سنوارنے والے ہو سکتے ہیں۔ اس کے سوا شریف بننے کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں۔

یہ بات بھی ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت، دنیا کا بڑے سے بڑا عالم۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ، دنیا کی ساری ڈھکی چھپی باتوں کا جاننے والا نہیں ہے۔ بہت سے جرم بادشاہ اور بڑی طاقتوں سے چھپا کر کئے جا سکتے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ بادشاہوں کے بہت سے قوانین میں بہت سی برائیوں کے لئے قابل گرفت کوئی دفعہ ہی نہیں بلکہ چھوٹ ہے۔ لیکن ہمارا خدا عالم الغیب ہے اور سب کچھ دیکھتا رہتا ہے۔ اس سے کوئی بچ نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ دین حق "اسلام" اخلاق کی پوری عمارت اس ٹھوس بنیاد پر کھڑی کی ہے کہ اس ان دیکھے خدا سے ڈر کر برائی سے بچا جائے جو ہر حال میں ہم کو دیکھ رہا ہے جس سے نہ کوئی چھپ سکتا ہے اور نہ کچھ چھپا سکتا ہے۔ اسی کے ڈر سے برائی کو چھوڑنا اور نیکی کو اپنانا وہ دراصل بھلائی ہے جو دین و اخلاق کی نگاہ میں قابلِ قدر ہے۔

اجرِ آخرت اور مغفرت

اجرِ آخرت اور مغفرت اسی اللہ کے خوف کی دوسری شکل ہے۔ اسلام نے انسانیت کو سنوارنے کے لئے یہ ٹھوس عقیدہ بھی دیا کہ ایک دن ایسا ہوگا جب اللہ سب سے ان کے کرموں کا حساب لے گا اور جو اس حساب میں کامیاب ہوں گے ان کو اپنی رضا کا گھر جنت عطا فرمائے گا اور جو اس حساب میں فیل ہو جائے گا وہ خدا کے غضب "جہنم" کا مستحق قرار پائے گا۔

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ آخرت نہیں ہوگی۔ ہم دنیا میں آئے، کھایا پیا اور مر گئے، اب آگے کچھ نہیں۔ ایسا شخص اپنے آرام کے لئے جو کچھ نہ کرے تھوڑا ہے۔ وہ دوسروں پر ظلم بھی کر سکتا ہے۔ ڈاکہ بھی ڈال سکتا ہے۔ دھوکہ بھی دے سکتا ہے وغیرہ لیکن جس کو بدلے کے دن کے حساب



سچّی توبہ

زبان سے توبہ توبہ کہتے رہنا لیکن بُرے کام کرتے رہنا توبہ نہیں توبہ کا مذاق بنانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ
يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ
اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۂ تحریم آیت ۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ سے توبہ کرو۔ سچے دل سے توبہ۔ بعید نہیں کہ اللہ تمہاری بُرائیاں تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو

کوئی کسی کا نہ ہوگا۔

عین برات کے دن عالمگیر تن تنہا متھرا پہنچا بھیس بدل کر برات میں شریک ہوا۔ پھر جب قاضی صاحب تشریف لے آئے تو بادشاہ نے اپنے کو ظاہر کیا۔ گورنر کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ قاضی صاحب کو اس جرم میں سزا دی کہ ناجائز نکاح پڑھانے کو آمادہ کیوں ہوئے پھر ہندو کی مرضی سے اسی دن لڑکی کا بیاہ کیا۔ اور لڑکی کو بہت کچھ انعام دیا۔

اس طرح کے واقعات ایک دو نہیں ہیں. بہت ہیں۔ آج بھی آخرت کی باز پرس ہی بڑے بڑوں کے قدم بُرائی کی طرف پڑنے سے روک دیتی ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ بے دیکھے خدا سے ڈرنا اور آخرت کی پوچھ گچھ ہی وہ ٹھوس بنیادیں ہیں جن پر اخلاق اور انسانیت کی شاندار عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہوا میں قلعے بنانا ہے یا پھر ریت کی دیوار اُٹھانا ہے ۔

رقم واپس کردی

حضرت یونس بن عبیدؒ کپڑے کی تجارت کرتے تھے ان کی دکان پر ایک قسم کے جوڑے چار سو روپے کے تھے اور ایک قسم کے دو سو روپے کے حضرت یونسؒ اپنے بھتیجے کو دکان پر بٹھا کر نماز کو چلے گئے۔ ایک دیہاتی آیا۔ اس نے چار سو روپے والا جوڑا مانگا بھتیجے نے دو سو روپے والا جوڑا دکھایا۔ اس نے اسی کو پسند کیا اور خوشی خوشی لیکر چلا گیا۔ راستے میں حضرت یونسؒ اپنی دوکان کا جوڑا دیکھ کر پہچان گئے۔ دیہاتی سے پوچھا۔ کتنے کا خریدا ہے اس نے بتایا چار سو کا۔ آپ نے کہا۔ دو سو سے زیادہ کا نہیں ہے۔ چلو چل کر واپس کر لو۔ دیہاتی بولا ہمارے یہاں تو پانچ سو کا ہے اور میں اس پر بالکل راضی ہوں۔ حضرت یونسؒ نے فرمایا چلو آپ اسے دوکان پر لے آئے اور اس کے دو سو درہم واپس کئے۔ بھتیجے نے کہا کہ اس نے اپنی خوشی سے خریدا تھا۔ فرمایا۔ جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کیلئے کیوں پسند نہیں کرتے۔

خیال سے کہ فلاں بُرا کام کرکے یہ نقصان ہو گیا یا صحت کو نقصان پہنچ جانے کی وجہ سے توبہ کرنا سچی توبہ نہیں ہے۔ سچی توبہ یہ ہے کہ انسان بُرا کام کرکے یہ سوچے کہ اس بُرے کام کے کرنے سے اللہ کی نافرمانی ہو گئی۔ اور پھر پکا ارادہ کرے کہ اب ایسا نہیں کروں گا۔

توبہ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ جیسے ہی خیال آئے کہ اللہ کی نافرمانی ہو گئی تو بس فوراً توبہ کرے۔ توبہ کرنے میں ٹال مٹول کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ بار بار بُرا کام کرے اور بار بار توبہ کرے۔ یہ تو توبہ کو کھیل بنالینا ہے۔ ایسی توبہ جھوٹی توبہ ہوتی ہے۔ جھوٹی توبہ سے انسان بُرے کاموں سے بچ نہیں سکتا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان سچی توبہ کرلیتا ہے لیکن شیطان پھر بہکا کر وہی گناہ کرادیتا ہے۔ ایسے موقع پر توبہ کے ساتھ صدقہ اور انفاق کرنا بہت ہی مفید ہے۔ انفاق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے غریبوں کو کچھ دینا۔ اور صدقہ یہ ہے کہ ایک وقت کھانا کھلا دینا یا اتنی رقم کسی غریب کو دیدینا۔

سچی توبہ کرنے والوں سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے۔ سچی توبہ کرنے والے اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔ توبہ کرنا انسانیت کی پہچان ہے اور توبہ نہ کرنا غرور ہے۔ توبہ کرنے سے حضرت آدم علیہ السلام کا مرتبہ بلند ہوا۔ اور شیطان توبہ نہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے لعنتی ہو گیا۔

توبہ کرنے والوں کے لئے وہ انعامات ہیں جو اسی آیت میں بیان ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بُرائیاں دور فرمادے گا۔ آخرت میں وہ سدا بہار جنتوں میں رہیں گے۔ حشر کے میدان میں جب اللہ کے نافرمان رُسوا ہو رہے ہوں گے، توبہ کرنے والے عزت پائیں گے۔ جب نافرمان اندھیروں میں ٹھوکر کھا رہے ہوں گے اور دوزخ کی طرف دھکیلے جارہے ہوں گے۔ اس وقت اللہ کے فرمانبردار یہی توبہ کرنے والے نورانی فضا میں بے تکلف جنت کی طرف بڑے خوش خوش جارہے ہوں گے ☆

جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رُسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے مکمل کر دے۔ اور ہم سے درگذر فرما۔ تو ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے۔

خالص توبہ کے معنیٰ

مشہور صحابی اُبَی ابنِ کعب سے تَوْبَۃً نَّصُوحاً (سچے دل سے توبہ) کا مطلب پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی بات پوچھی تھی تو حضورؐ نے فرمایا "اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پہ نادم ہو۔ پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ سے معافی مانگو۔ اس کے بعد کبھی وہ بُرا کام نہ کرو۔"

یہی مطلب حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی بیان فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سچے دل سے توبہ کرنے کا مطلب بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ دوبارہ وہ بُرائی کرنا درکنار، اس کے کرنے کا ارادہ تک نہ کرنا چاہئے۔

حضرت علیؓ نے ایک بار ایک بدّو کو جلدی جلدی توبہ کے الفاظ زبان سے ادا کرتے سُنا تو فرمایا "یہ جھوٹوں کی توبہ ہے۔" بدّو نے پوچھا "پھر سچی توبہ کیا ہے؟" فرمایا سچی توبہ میں چھ باتیں شامل ہیں (۱) جو بُرائی کر چکا ہے اس پر نادم ہونا۔ (۲) اپنے جن فرائض میں غفلت برتی ہو، ان کو ادا کرنا (۳) جس کا حق مارا ہو اس کا حق واپس کرنا۔ (۴) جس کو دُکھ دیا ہو اس سے معافی مانگنا۔ (۵) آئندہ کے لئے پکّا ارادہ کرنا کہ پھر یہ کام نہ ہوگا (۶) اپنے نفس کو اللہ کی فرمانبرداری میں گھلا دینا۔ جس طرح بُرائی کی عادت ڈالنے میں اُسے موٹا کیا۔ اور اس کو فرمانبرداری کی تلخی کا مزہ چکھانا جس طرح اب تک اُسے گناہوں کی مٹھاس کا مزہ چکھایا۔

سچی توبہ محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ دنیا میں بدنامی کے خیال سے یا اس

ظلم ایک نہایت مذموم عادت ہے اس کا مقابل عدل ہے جو نہایت محمود ہے ایک دفعہ کسی معزز قبیلہ کی عورت نے چوری کی بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفارش لے کر آئے کہ اس کو سزا نہ دیجئے ورنہ ایک معزز خاندان بدنام ہو جائے گا آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا اگر میری بیٹی فاطمہ بھی ایسا کرتی تو بھی سزا دیتا۔ یہ ہے انصاف۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل مسلمانوں میں عام طور پر یہ دستور ہو گیا ہے کہ اپنے مجرموں کو حتی الامکان جھوٹ سچ بول کر بچا ہی لیتے ہیں۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ ۸)

نہ آمادہ کر دے کسی قوم کی عداوت تم کو عدل نہ کرنے پر عدل کرو یہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔

عدل کرو اگرچہ اپنے نفوس، اپنے ماں باپ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ملاحظہ ہو سورۂ نساء پارہ پانچواں رکوع ۲۰۔ اسی طرح بیویوں کے معاملات میں بھی برابری کا برتاؤ کرنا ضروری ہے۔

عفت

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور ۳۰-۳۱)

کہدے مسلمانوں سے نیچی رکھیں اپنی نگاہیں۔ اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی یہ زیادہ ستھرائی کی بات ہے خدا ان کے اعمال سے خبردار ہے مومنات سے کہہ دے نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

ناجائز جنسی خواہشات کے روکنے کا نام عفت ہے موجودہ زمانہ میں اس کی بہت کمی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المؤمنون ۵)

فلاح پا گئے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عفیف کو اس دنیا میں بھی بڑی راحت ہے وہ امراض، بدنامی، پریشانی، ذلت و عداوت ان تمام چیزوں سے بچا رہتا ہے خصوصاً وہ حضرات جو اپنی آنکھوں کو نیچا رکھتے ہیں

طلبِ اجازت

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۚ (النور ۲۷ — ۲۸)

اے ایمان والومت داخل ہوکسی کے گھر میں جب تک ان سے مانوس نہ ہوجاؤ اور سلام کرو گھروالوں پر یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو اندر مت جاؤ جب تک اجازت نہ دی جائے اگر تم سے لوٹ جانے کے لئے کہا جائے تو واپس ہوجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

آج کل عوام تو کیا اگر علماء سے اجازت لینے کو کہا جاتا ہے تو وہ اس کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں اور اگر کہیں لوٹ جانے کو کہہ دیا جاتا ہے تب تو گویا ان کو ذبح ہی کر ڈالا۔ توہین کا بھوت ان پر سوار ہوجاتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيرَةِ (النور — ۵۸)

اے ایمان والو چاہئیے کہ اجازت طلب کریں تمہارے غلام اور بچے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے، دوپہر میں اور بعد نمازِ عشاء۔

عدل

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ (النساء — ۵۸)

جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کرو۔

یقیناً کچھ حقوق ہیں۔

یہ آیت اگرچہ ذبیحہ حج کے متعلق ہے مگر حکم عام ہے۔

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ (الحج — ۳۶) — کھاؤ اور کھلاؤ صبر کرنے والے اور بے قرار کو۔

معتر سے وہ لوگ مراد ہیں جو سوال کرتے پھرتے ہیں قانع اس کو کہتے ہیں جو سوال نہیں کرتے بعض شریف خاندان کے غریب کسی سے سوال کرنا گوارا نہیں کرتے اگرچہ وہ کیسی ہی سختی میں کیوں نہ مبتلا ہوں۔ ایسے لوگوں کا خیال رکھنا اور ان کے حال کی جستجو میں رہنا چاہئے۔ بھکاریوں کی نسبت سے ایسے لوگوں کو دینے میں زیادہ ثواب ہے۔

قول کی پابندی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ (الصف — ۲-۳) — اے ایمان والو کیوں کہتے ہو ایسی بات جو نہیں کرتے نہایت اس سے بیزار ہوتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس کو نہ کرو۔

قول کی پابندی کے متعلق یہ آیت کس قدر سخت ہے مگر ہم ہیں کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں قول کا عمل کے مطابق بنانا نہایت مفید عادت ہے۔ کسی سے وعدہ کر لینا کہ ہم تمہاری یوں امداد کریں گے اور ایسا کریں گے پھر کچھ نہ کرنا یہ خدا کے نزدیک ایک مبغوض بات ہے ایسے کلام سے اللہ تعالیٰ بیزار ہوتا ہے۔ مخلوق سے بھی اس کا اعتبار اُٹھ جاتا ہے آخر کار پشیمانی بھی ہوتی ہے۔

ابتدائے اسلام میں مسلمان نہایت سختی سے قول کی پابندی کیا کرتے تھے مگر اب یورپ کے اثر سے اس کو ایک قسم کی حماقت سمجھا جاتا ہے یہ اس طبقہ کا حال ہے جو اپنے آپ کو روشن خیال تصور کرتا ہے۔

وہ تو بہت ہی آرام وسکون سے رہتے ہیں۔ یہ عفت کا نہایت اعلیٰ درجہ ہے اور ایک درجہ اس سے بھی زیادہ بلند ہے وہ یہ کہ خیال میں بھی انسان عفیف ہو۔

عفو

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (البقرہ ۲۳۷) معاف کر دینا پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے

ظلم و زیادتی کا بدلہ لینا جائز ہے مگر معاف کر دینا عمدہ ہے اور پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے کیونکہ بہت ممکن ہے بدلہ لینے میں کچھ زیادتی ہو جائے۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا (البقرہ ۔ ۱۰۹) معاف کرو اور درگذر کرو۔

ہر انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں لہذا معاف نہ کرنا یقیناً بُرا ہے کئی جگہ کلام اللہ میں آیا ہے "اگر تم میرے بندوں کو معاف کرو گے تو میں بھی تمہیں معاف کروں گا۔"

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (المائدہ ۔ ۱۳) ان کو معاف کر اور ان سے درگذر کر۔ اللہ محسنین کو دوست رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا تھا کہ آپ ان ایذا پہنچانے والوں کو معاف کر دیجئے دیکھئے کفار کو بھی معاف کر دینا بہتر ہے۔

غربا کی امداد

وَ كُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ (الحج ۔ ۲۸) کھاؤ اُن میں سے اور غریب فقیر کو کھلاؤ۔

غریب کو کھانا کھلانا۔ اس کی امداد کرنا ایک اخلاقی فرض ہے اگر کوئی سلیم الفطرت انسان اس پر ذرا غور کرے تو یہ بات سمجھ میں آسانی سے آسکتی ہے کہ غریب لوگوں کے دولت مندوں پر

عادت ذرا کم ہے اگرچہ بعض لوگ حد درجہ مہمان نواز بھی ہیں۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ (بنی اسرائیل ۲۶) دے رشتہ داروں کو ان کا حق اور مسکین اور مسافر کو۔

مسافر کی خدمت کرنا بڑا کارِ ثواب ہے اس کے لئے سفر کے متعلق معلومات بہم پہنچانا کھانے، پینے، رہنے کا انتظام کرنا یہ سب بہترین عادتیں ہیں۔ مگر آج کل کے مسافروں سے ہوشیاری سے سلوک کرنا چاہیئے۔

مشورہ

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (آل عمران ۱۵۹) ان سے مشورہ لے ہر کام میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ لے کر کام کیا کرو دیکھئے کیسی بزرگ ہستی کو مشورہ لینے کا حکم ہے۔ آپس کی رائے سے اکثر کام اچھے ہی ہوتے ہیں مگر اپنے ہمدردوں سے رائے لینی چاہیئے۔ حدیث نبوی ہے اگر کوئی شخص تم سے مشورہ لے تو اس کو ٹھیک مشورہ دو، ورنہ تم خائن ٹھہرو گے۔" (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابنِ ماجہ)

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ (الشوریٰ ۳۸) کام کرتے ہیں آپس کے مشورہ سے۔

یہ آیت مسلمانوں کی شان میں نازل ہوئی تھی کہ وہ آپس میں مشورہ لے کر کام کرتے ہیں۔

اپنے سے چھوٹے سے بھی مشورہ لے لینا چاہیئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کام کا کوئی ایک پہلو نظروں میں نہیں ہوتا اور معمولی شخص کی اس پر نظر ہوتی ہے بہرحال کم از کم مشورہ لینے میں تو کسی قسم کا نقصان ہی نہیں ہوتا۔

نرمی

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ اللہ کی رحمت ہے کہ تو ان کو نرم دل مل گیا اگر تو

کسب

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط (البقرہ - ۱۹۸)

تم پر کچھ حرج نہیں تلاش کرنے میں اپنے پروردگار کے فضل کو۔

اپنے ہاتھ سے کسب کر کے کھانا اسلام میں نہایت ضروری امر ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے بشرطیکہ حلال طریقہ پر ہو۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ صبح سویرے ایک نوجوان گھر سے کمانے کے لئے نکلا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر باش تھے انھوں نے اس کے بارے میں کچھ معترضانہ الفاظ کہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کو ذلیل نہ سمجھو۔ وہ جب تک اپنے گھر لوٹے گا اس کا وقت عبادت میں لکھا جائے گا۔

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ٥ (النبأ - ۱۱)

اور بنایا دن کمائی کرنے کو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ باوجود خلیفہ ہونے کے اپنے ہاتھ سے کماکر کھانا پسند کرتے تھے حضرت داؤدؑ کے متعلق مشہور قصہ ہے وہ خدائے تعالیٰ کی عبادت بہت زیادہ کرتے تھے۔ ایک روز فرشتہ سے انھوں نے پوچھا مجھ میں کیا عیب ہے اُس نے کہا آپ میں صرف یہ عیب ہے کہ اپنے ہاتھ سے کماکر نہیں کھاتے تب سے وہ زرہیں بنانے لگے تھے۔

مُسافروں کی امداد

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط (البقرہ - ۲۱۵)

کہہ دے اے محمدؐ جو کچھ تم خرچ کرو اس میں سے ماں باپ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں مسافروں کو دو۔

مصارفِ زکوٰۃ کا جہاں کہیں ذکر آیا ہے۔ تقریباً ہر جگہ مسافر کا بھی ذکر کیا گیا ہے عرب کی مہمان نوازی ہمیشہ سے مشہور ہے وہ لوگ اب بھی مہمان نوازی کے عادی ہیں ہمارے ہاں یہ

باب دوم

الجھنوں کے گرفتار

باب سوم

عبرتناک قرآنی قصے

فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ سخت دل ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران ۱۵۹) سو توان کو معاف کر اور ان کے لئے بخشش مانگ

آیت مذکورہ بالا میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ہماری رحمت سے تم نرم دل واقع ہوئے ہو۔اس کو بطور احسان کے بیان کیا ہے جس سے اس کی خوبی ظاہر ہے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا (طٰہٰ ۔۴۴) اس سے تم دونوں نرم گفتگو کرنا۔

حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو ارشاد ہے کہ فرعون کے ساتھ تم دونوں نرم گفتگو کرنا دیکھئے کیسے بدبخت اور گمراہ انسان کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم ہے۔آج کل ہمارے علماء کرام کسی سے ذرا سی بھی غلطی دیکھ لیتے ہیں تو اس کے ساتھ سخت کلامی شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نصیحت بے اثر ہو جاتی ہے عوام میں ضد کا مادہ زیادہ ہوتا ہے وہ اور اُلٹے چلنے لگتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین سے خوبصورتی کے ساتھ جھگڑا کرو۔

نصیحت

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ نصیحت کر نصیحت ایمان والوں کو فائدہ (الذاریات ۔۵۵) پہنچاتی ہے۔

نرمی کے ساتھ تنہائی میں، ہمدردانہ حیثیت سے سمجھانے کو نصیحت کہتے ہیں بُرے الفاظ میں بھرے مجمع میں سمجھانے کو فضیحت کہتے ہیں۔یہ ممنوع ہے۔نصیحت ہمیشہ مختصر الفاظ میں ہونی چاہئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے متعلق کلام پاک میں کثیر آیات ہیں احادیث بھی اس بارے میں کثیر ہیں آپ نے فرمایا ہے "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ" یعنی دین نصیحت کو کہتے ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد)

علماء نے خصوصیت سے یہ کام فرض ہے ان کو چاہئے کہ اگر کسی شخص کو برائی کرتے دیکھیں تو اس کو ضرور سمجھائیں ورنہ خود گنہگار رہیں گے۔عوام کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

میں نے عرض کیا "پنڈت جی! میں اوتار اور رسول کا فرق سمجھ رہا تھا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ بست میں جب یہ ہے کہ محمد، بدھ اور عیسیٰ ایشور کے اوتار تھے تو آپ کو یہی بتانا چاہیئے تھا۔"

میں چپ رہا اور سوچنے لگا کہ یہ کیسی تعلیم ہے جس میں طلبہ کے سوچ کے سوتوں کو کھولنا پاپ ہے۔ میں دن بھر اسی سوچ میں رہا۔ پھر ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ مجھے معطلی کا نوٹس مل گیا۔ الزام یہ تھا کہ میں جماعت اسلامی ہند سے متعلق ہوں۔ میں نوٹس ہاتھ میں لئے اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

چھٹی کے بعد عباس کے پاس گیا۔ وہ شریر معطلی کا نوٹس دیکھ کر مبارکباد دینے لگا۔ "الحمدللہ" اس کی زبان سے نکلا۔ پھر اس طرح وعظ فرمانے لگا:

"میں کہتا ہوں کہ تم ان ملازمتوں کے لائق نہیں ہو۔ تم کو کوئی آزاد پیشہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ہر کہ داناکند کند ناداں۔ لیک بعد از خرابیٔ بسیار۔ جو کچھ ایک عقلمند آدمی کرتا ہے وہی بالآخر احمق آدمی بھی کرتا ہے لیکن تمہاری طرح بہزار خرابیٔ بسیار کے بعد۔ خیر۔ اب عقل کے ناخن لو۔ اپیل کے لئے وکیلوں اور عدالتوں کے چکر لگانے کی بات نہ سوچو۔ جتنی قوت اس میں لگاؤگے اگر اس کی آدھی قوت کسی کاروبار میں لگاؤ تو ایک مستقل آمدنی کی بنیاد پڑ جائے گی۔ انشاء اللہ سال دو سال کے بعد ہزار دو ہزار کمانے لگوگے۔ اس ملازمت میں مر جاؤگے اور ہزار بارہ سو سے آگے نہ بڑھ سکوگے۔ اور پھر یہ کہ ملازمت میں ہر قدم پر ایک نئے خدا کو سجدہ کرنا پڑتا ہے۔ خدا کو ایک ماننے والا یہ شرک کرے، حیرت ہے۔"

"خدا تیرا ستیاناس کرے۔ میں تجھ سے وعظ سننے نہیں آیا تھا۔ مجھے مشورہ دے۔ کیا کروں۔ میں نے ابھی عمر کی کتنی بہاریں دیکھی ہیں؟ تین سال ہوئے شادی کو۔ ایک ہی تو بچہ ہے۔ ابھی تو میرے کھیلنے کے دن تھے۔ سات سو کی نوکری قانون کی زد میں آرہی ہے اور تو وہی بک رہا ہے جو تیرا تکیہ کلام ہے۔ دوست آں باشد کہ گیرد دوست۔ دوست وہ ہے جو مصیبت میں دوست کا ساتھ دے۔"

عباس مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ پھر بولا "ابھی تم ڈھائی پرانٹری (افراد) ہو۔ زیادہ بوجھ نہیں

افسانہ

مائل خیرآبادی

اور میں نے اقرار کرلیا کہ میں جماعت اسلامی ہند کا ممبر ہوں

بات صرف اتنی تھی کہ میں ہائی کلاس کے طلباء کو ہندی کی کویتا کا مطلب سمجھا رہا تھا۔ کویتا کا ایک بول یہ تھا:

"ہے محمد، بدھ، عیسیٰ ایش کے اوتار تم ہو۔"

میں نے سمجھایا کہ ایک عقیدے کے مطابق تو بدھ مہاراج ایشور کے اوتار تھے لیکن اسلامی عقیدے کے مطابق حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایشور کے اوتار نہیں بلکہ وہ ایش دوت تھے۔ اللہ کے پیغمبر اور رسول۔

ٹھیک اسی وقت جب میں یہ تشریح کر رہا تھا، پنڈت ایشوردین پرنسپل ہائر سکنڈری اسکول موہانہ ادھر سے گزرے اور کھڑے ہوکر سننے لگے۔

گھنٹہ بجا تو پنڈت جی نے مجھے دفتر میں طلب کیا اور فرمایا "کتاب میں جو ہے وہی پڑھایا کیجئے۔ کتاب کے سبق سے ہٹ کر پڑھانا اور اسلامی عقیدہ زبردستی ٹھونسنا صحیح نہیں ہے۔

تو مجھے فلاں مجسٹریٹ کی عدالت سے بلا لینا۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ میرا نام پکارا گیا۔ میں نے لپک کر عدالت سے اجازت لی کہ وکیل کو بلا لاؤں۔ میرا مقدمہ سید امانت حسین صاحب کی عدالت میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب مسلمان ذمہ داروں میں اتنا دم نہیں ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت اوپر سے آئے ہوئے "الہام" کو نظرانداز کر دیں۔ میں نے اپنے وکیل سے بھی کہا کہ میرا مقدمہ کسی ہندو مجسٹریٹ کی عدالت میں منتقل کرا دیجئے مگر میرے وکیل نے میری بات نہ سنی۔ اس نے کہا "میں سب سے نبٹ لوں گا۔"

میرا وکیل آیا تو پیشکار نے کہا کہ تاریخ بڑھا دی گئی ہے۔ میرے وکیل نے دستخط کئے اور مجھے مطلع کر دیا کہ اب دو مہینے بعد آنا۔ دو مہینے کے بعد جب میں گیارہ بجے عدالت کے سامنے پیش ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرکاری وکیل جو میرے پاس ہی کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں دستور جماعت اسلامی ہند کے دو نسخے موجود ہیں۔ میں کانپ گیا کہ سرکاری وکیل بڑی تیاری کر کے آیا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ دستور مجھے بھی پڑھ لینا چاہئے تھا اور سرکاری وکیل کو جواب دینے کے لئے اپنے وکیل سے مشورہ لے لینا چاہئے تھا مگر اب وقت گزر چکا تھا۔

سرکاری وکیل نے مجھ سے جرح شروع کر دی۔ اس نے عدالت کو مخاطب کر کے کہا:

"شریمان جی! یہ دیکھئے۔ میرے پاس دستور جماعتِ اسلامی ہند کی دو کاپیاں ہیں۔ ایک کاپی میں عدالت کے حضور پیش کرتا ہوں۔" اس نے ایک نسخہ سید صاحب کو دے دیا۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولا:

"مسٹر اسحٰق! آپ کہتے ہیں کہ آپ کا تعلق جماعت اسلامی ہند سے نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟"

"جی ہاں! میرا تعلق جماعت اسلامی ہند سے نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا

"اچھا سنئے۔ میں دستور کی دفعہ ۳ پڑھتا ہوں۔ آپ ہاں یا نہیں میں جواب دیں گے۔" اس کے بعد وہ دستور کی دفعہ ۳ پڑھنے لگا۔

ہے۔ پھر یہ کہ نوجوان ہو۔ ابھی سے آزادانہ طور پر کسی پیشے کی داغ بیل ڈال لو تو اچھا ہے۔ یاد رکھو کہ تم بخشے نہ جاؤ گے۔ کیا فائدہ اس وقت برخاست ہونے سے جب ملازمت تم کو کسی کام کا نہ رکھے۔"

میں جھنّا کر عباس کے پاس سے اٹھا اور سید صاد وکیل کے پاس گیا۔ حال کہا اور اپنا بیان صفائی عدالت میں پیش کر دیا کہ نہ میں جماعت کا ممبر ہوں اور نہ اس سے میرا کوئی تعلق ہے۔ پھر میں مقدمے کی پیروی میں رات دن ایک کرنے لگا۔ اسی دوران ایک دن عباس ملا :

"کیا کرتے ہو اسحاق !" اس نے پوچھا

"کچھ نہیں معطل ہوں۔ اب کام ہی کیا رہ گیا ہے۔"

عباس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"تم بالکل بیکار ہو۔ پھر کھاتے کیا ہو؟"

"کچھ پونجی ہے۔ وہی کام میں لاتا ہوں۔"

"پونجی کب تک ساتھ دے گی۔ جب تک تمہارا مقدمہ چل رہا ہے کوئی چھوٹا موٹا روزگار کر لو۔ مان لیا دو تین روپیہ ہی روز کماؤ گے تو ہر مہینے جو کچھ خرچ کر رہے ہو اس میں سو روپیہ ہی کم خرچ ہوگا۔"

"میں آپ کے مشورے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ السلام علیکم۔" سلام کر کے چلا تو بولا :

"اسحٰق ! تم میری بات اس وقت مانو گے جب قلاش ہو جاؤ گے۔ مقدمہ تین سال سے کم نہ چلے گا اور فیصلہ وہی ہوگا جو ہونا ہے۔"

میں نے سُنی ان سُنی کر دی اور طے کر لیا کہ اب عباس سے نہ ملوں گا۔ راستہ گلی ملے گا تو کترا جاؤں گا۔

مقدمے کی تاریخ آئی۔ میں صبح ہی صبح اپنے وکیل کے یہاں گیا۔ میں نے ہوشیاری یہ کی کہ کسی مسلمان وکیل کو اپنا پیروکار نہیں بنایا۔ میں نے مہادیو پرساد تیاگی مشہور ایڈوکیٹ سے رجوع کیا۔ تیاگی جی نے مجھ سے کہا کہ آج میں ایک اور مقدمہ کی بھی پیروی کروں گا۔ تم عدالت میں حاضر رہنا۔ نام پکارا جائے

"تو یہ بتائیے کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللہِ الْاِسْلَامْ کا کیا مطلب ہے؟" میں نے جواب دیا:
"میں عربی نہیں جانتا۔"

میرے اس جواب کے بعد وقفہ ہو گیا اور میرے مقدمے کی تاریخ پھر پڑ گئی۔ پھر جب میں کچہری سے چلا تو مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ میرے وکیل نے میری حالت دیکھ لی تھی۔ اس نے تسلی دی "گھبرا گئے تم۔ مگر کوئی تشویش کی بات نہیں۔ میں سرکاری وکیل سے نبٹ لوں گا۔"

مگر میری تشویش کا یہ عالم تھا کہ معلوم کس طرح رکشا پر بیٹھا۔ پھر سیدھا عباس کے گھر پہنچا۔ اس نے مجھے گھبرایا ہوا دیکھا تو گلے سے لگالیا۔ میں نے کہا کہ میں برباد ہو گیا۔ خسرالدنیا والآخرہ۔

عباس نے پوچھا "اب تاریخ کب پڑی؟" میں نے بتایا،

"ڈھائی مہینے بعد۔"

"اور اب تک کتنے دن ہو گئے؟"

"پانچ مہینے!"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہنوز دلی دور ہے۔ خرچ کتنا ہوا؟"

"ایک ہزار روپیہ وکیل کو دے چکا ہوں۔ تین سو کے قریب بیان صفائی داخل کرنے اور دیگر امور میں خرچ ہو گیا اور ڈیڑھ ہزار اندوختہ کھا گیا۔"

"اب تمہارے پاس کتنا رہ گیا ہے؟"

"میری پاس بنک میں ابھی تین ہزار روپیہ ہے۔"

"اسحاق! میرے عزیز! اب بھی اپنے اوپر رحم کرو۔ مقدمے کے چکر میں نہ پڑو۔ پیروی سے باز آجاؤ۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔"

"مگر برخاست جو ہو جاؤں گا۔ سات آٹھ سو کی نوکری ہاتھ سے جاتے گی۔"

"مارو گولی نوکری کو۔"

"جماعت اسلامی ہند کا بنیادی عقیدہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ہے یعنی الٰہ صرف اللہ ہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

"مسٹر اسحاق! کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟"

"جی ہاں!" اور مجھے پسینہ آگیا۔ دل نے کہا کہ پھنس گئے میاں۔ اب سرکاری وکیل نے عدالت سے مخاطب ہو کر کہا:

شریمان جی! اس عقیدے کی تشریح میں صفحہ ۵ پر دوسری سطر ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے:

"کسی کو مستقل بالذات شارع اور قانون ساز نہ مانے اور ان تمام اطاعتوں کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دے جو ایک اللہ کی اطاعت اور اس کے قانون کے تحت نہ ہوں۔"

پھر ملاحظہ ہو صفحہ ۸ آٹھویں سطر:

"دنیا میں ایک ہی مستند، محفوظ اور عنداللہ مقبول دین ہے اور اس کا نام اسلام ہے۔"

یہ سنانے کے بعد مجھ سے کہنے لگا:

"مسٹر اسحاق! ہماری حکومت نے جو قانون بنایا ہے اسے آپ مانتے ہیں یا نہیں؟"

میں بغلیں جھانکنے لگا۔ میں نے اپنے وکیل کی طرف دیکھا۔ میں نے کہا "میں اس قانون کو بھی مانتا ہوں۔"

"جی' وی' کچھ نہیں مسٹر اسحاق! صاف صاف بتائیے صحیح تسلیم کرتے ہو یا غلط۔"

"میں صحیح سمجھتا ہوں۔" میرے پاس رومال نہیں تھا۔ میں نے آستین سے ماتھے کا پسینہ پونچھا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے ایک سوال اور کیا اور میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میری حالت کیا ہوگئی اور کس طرح وہ کچھ کہہ گیا جو آگے میرے جواب میں ہے۔ سرکاری وکیل نے پوچھا:

"اسحاق صاحب! آپ اسلام کے سوا دوسرے دھرموں کو سچا سمجھتے ہیں یا جھوٹا؟"

"میں سارے دھرموں کو سچا سمجھتا ہوں۔" یہ کہتے کہتے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں نے آگے کی میز پکڑ لی۔ سرکاری وکیل نے پوچھا:

انڈے، پراٹھے اور حلوہ ایک فقیر کو دے دیا۔ گھر آیا تو بیوی نے پوچھا،

"کس کام سے گئے تھے کانپور کہ اتنی جلدی واپس آ گئے؟"

"اناؤ میں ایک فقیر کو کھانا دینے گیا تھا وہ اسے دے کر چلا آیا۔" سن رہے ہو اسحاق! کیا خوب اُستاد ذوق نے فرمایا ہے:

رزق خود اٹھ کے پہنچتا ہے جو تقدیر کا ہو
پر دیئے ہیں مرے رزّاق نے ہر دانے کو

میں کھویا کھویا سا رہنے لگا۔ میں نے یقین کر لیا تھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہوگا۔ میرے دل و دماغ کی چولیں ہل گئیں۔ ہاتھوں اور پیروں میں جیسے جان ہی نہ تھی۔ میں دن بھر غم زدہ گھر میں پڑا رہتا۔ میری بیوی کی حالت مجھ سے بدتر ہو گئی۔ تھی تو پڑھی لکھی۔ بی۔ اے۔ پاس کر چکی تھی لیکن دین سے اسی طرح کوری تھی جیسے میں۔ اس غم کی ماری کو ایک دن بخار آ گیا۔ چارپائی پر گری تو اٹھ نہ سکی۔ میں اپنی مصیبت میں اس کا علاج بھی نہ کر سکا۔ غریب چھ ماہ کے بچے کو چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ میں بے وضو ہی سجدے میں گر گیا اور شکوہ میری زبان سے جاری ہو گیا:

"خدایا! کیا تو میرا خدا نہیں ہے؟"

مجھے کچھ ہوش نہیں کہ کب تجہیز و تدفین ہوئی۔ میں اس وقت ہوش میں آیا جب پڑوسن نے بچے کو میری گود میں دیا اور روہ اُداس اداس اپنے گھر چلی گئی۔ اسی وقت عباس آ گیا۔ اس کی بیوی ساتھ تھی۔ وہ باورچی خانہ میں جا کر چائے بنانے لگی۔ عباس مجھ سے کہہ رہا تھا:

"مقدمے کی تاریخ کو دس دن باقی ہیں۔ کیا تم یہ نہیں کر سکتے کہ دستور جماعت اسلامی ہند کا مطالعہ کر لو۔ اس کے مطالعہ میں کچھ امدادی پمفلٹس کی ضرورت پڑے گی۔ وہ میں ساتھ لایا ہوں۔ یہ لو۔"

اتنی دیر میں چائے آ گئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ عباس کہنے لگا:

"اتّا سے ٹنّا ہے۔ کچھ نہ کھاؤ گے تو جلد ہی رحمتہ اللہ علیہ ہو جاؤ گے۔ اچھا! میں چلا۔ بچے کو تمہاری

"پھر کھاؤں گا کیا؟"

"کھانا!"

"کہاں سے؟"

"یہ ہاتھ پاؤں جو اللہ نے دئے ہیں آخر کس دن کام آئیں گے؟"

"میرا مطلب ہے کہ کروں گا کیا؟"

"گاؤدی۔ گھاس کھودو گے اور کیا کروگے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آج بھی تم سنجیدہ نہیں ہو۔"

"میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ احمق آدمی! رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ وہ تو جتنا قسمت میں لکھا ہے، ایک دانہ کم نہ زیادہ، مِل کر رہے گا۔ یہ طے شدہ بات ہے۔ تم مسلمان ہو۔ کیا یہ نہیں مانتے؟"

"مانتا ہوں۔"

"پھر کیوں پریشان ہو۔ ایک بات جو طے شدہ ہے اس کے لئے تو پریشان ہو اور جو بات طے شدہ نہیں ہے اس سے مطمئن ہو۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ آخرت میں جنّت ملے گی یا دوزخ؟ یہ بات طے شدہ نہیں ہے اس سے اس طرح مطمئن ہو جیسے جنت ملنا طے شدہ بات ہے اور رزق کا ملنا طے شدہ نہیں ہے۔"

اس کے بعد اس نے ایک لطیفہ سُنایا:

"میں پرسوں کانپور گیا تھا۔ گھر سے انڈے، پراٹھے اور حلوہ لے کر چلا۔ سوچا کہ راستے میں کھالوں گا۔ لکھنؤ میں حلّاس مِل گیا۔ وہ مجھے ہوٹل میں گھسیٹ لے گیا۔ کانپور کو جانے والی گاڑی دو بجے جاتی تھی۔ اس کے چھوٹنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ ہوٹل میں اس نے اپنے ہاتھوں سے ٹھونس ٹھونس کرا تنا کھلایا کہ پانی پینے کی بھی گنجائش نہ رہی۔ پھر ٹرین سے کانپور گیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں بلوہ ہوگیا۔ اسٹیشن ہی سے پلٹ پڑا۔ اُناؤ میں

"ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔ اب جو ہو سو ہو، میں نے کشتی دریا میں ڈال دی۔"

اب میں بالکل مطمئن تھا۔ میں یکسو ہو چکا تھا۔ عباس نے مشورہ دیا "بیکار آدمی کا ساتھی شیطان ہوتا ہے تم میرے ساتھ کل دہلی چلنا۔ میں کٹ پیس کی ایک گانٹھ تم کو دلا دوں گا۔ مال گھر بیٹھے انشاء اللہ بک جائے گا۔ میں آکر سمجھا دوں گا۔"

کٹ پیس کی گانٹھ آگئی۔ اب میں اپنے بچے کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ میں میٹر دو میٹر آدھ میٹر کے ٹکڑے بیچنے لگا۔ ہر طرح کے ٹکڑے تھے۔ سوتی بھی، ٹیری کاٹ بھی، اور جانے کیا کیا الابلا۔ مجھے ٹکڑوں کی پہچان بھی نہ تھی۔ عباس نے مجھے سمجھایا کہ یہ ٹکڑا اتنے کا اور یہ اُتنے کا بیچنا۔ میں یہ کیا یاد رکھتا۔ میں نے اوسط نکالی تو میرے حساب سے ایک میٹر کا ٹکڑا ساڑھے تین روپیے میں آیا۔ میں نے گڑ بڑ جھالے والا گُر اپنایا۔ اعلان کر دیا "ہر میل کا کپڑا چار روپیہ میٹر۔" میں نے اخبار میں اشتہار دے دیا۔ دوسرے ہی دن سے میرے گھر مرد اور عورتیں سب آنے لگے۔ ایک ہفتے کے اندر ہاتھوں ہاتھ اس طرح نکل گیا کہ میں اپنے بچے کی طرف دھیان بھی نہ دے سکا۔ کچھ مہمان مردوں اور عورتوں نے چرایا بھی۔ پھر بھی حساب لگایا تو پورے چار سو بچ گئے۔ دل میں کہا: "ایک ہفتہ میں چار سَو، مہینہ بھر میں سولہ سَو۔ سَو روپیہ کرایہ ریل کا نکالا تو ڈیڑھ ہزار بچا۔ اگر اس طرح اوسطاً بیس دن مال بکا تو ہزار میرے ہیں۔" میں کچھ یاد کر کے اپنے آپ مسکرانے لگا۔

اس ہفتے عباس قریب قریب روزانہ آتا۔ دو بار اس کی بیوی بھی آئی۔ بچے کو وہ نہلا دھلا گئی۔ عباس نے پوچھا: "کہو یار کیسے رہے؟"

"شکر ہے پاک پروردگار کا۔"

"الحمدللہ۔ اچھا آج رات دہلی چلنا ہے۔"

"وہ تو میں خود جانتا تھا لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"ہر کہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار۔"

بھابی لئے جا رہی ہے۔ تجھ پاگل کے پاس بچے کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔"

میں نے کچھ کھایا۔ چائے پی۔ حواس درست ہوئے۔ عباس میرے بچے اور اپنی بیوی کو لے کر چلا گیا اور میں بس یوں ہی دستور اٹھا لیا اور وہ عقیدہ اور اس کی تشریح پڑھنے لگا جو سرکاری وکیل نے جرح کے وقت پیش کی تھی۔ میں پڑھتا چلا گیا۔ پھر میں نے 'سلامتی کا راستہ' اور 'شہادتِ حق' دو پمفلٹ اور پڑھے۔ دس دن میں دو تین بار یہ چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ دسویں دن کچہری گیا۔ ابھی مجھ پر سرکاری وکیل کی جرح باقی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے میری طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، میں نے سیّد امانت حسین صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

"میں معزز عدالت کے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ میں جماعت اسلامی ہند سے متعلق ہوں اور اس کا ممبر ہوں۔ میں اب اپنے مقدمے کی پیروی کرنا نہیں چاہتا۔"

یہ کہہ کر پلٹا اور عدالت کی اجازت کے بغیر کمرۂ عدالت سے باہر نکل گیا۔ وہاں سے سیدھا جماعت اسلامی کے امیر مقامی کی خدمت میں گیا۔ درخواست رکنیت کا فارم لیا، اسے بھرا، امیر مقامی کو دیا۔ عباس کے گھر گیا۔ اس سے کہا:

"میں اپنے بچے کو خود سنبھالوں گا۔"

"تو کیا سنبھالے گا پہلے خود تو سنبھل جا۔"

"میں سنبھل گیا ہوں۔"

"کیا سنبھلا ہے؟"

"میں نے رکنیت کا فارم بھر دیا ہے۔"

"یعنی بے دھڑک کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق!"

"جو کچھ سمجھو۔"

"تو سمجھ لو اسحٰق! ؎ یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے ؛ کیا تم آسان سمجھتے ہو مسلماں ہونا؟"

مولانا ہنس پڑے۔ اتنے میں ان کے گھر سے چائے آگئی اور اندر سے یہ پیغام بھی آیا کہ بچے کو نہیں لائے، کیوں؟ چائے کی پیالی میں میری آنکھ سے دو موٹے موٹے قطرے گرے۔ میں چائے کے ساتھ انھیں بھی پی گیا۔ مولانا نے فرمایا: "آج رات کا کھانا یہیں کھانا اور بچے کو بھی لیتے آنا۔" بعد مغرب جب میں پھر گیا تو عباس وہاں پہلے سے موجود تھا۔ مسخرے نے مولانا کا بھی لحاظ نہ کیا۔ بولا:

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں!!
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

میں نے مولانا کی آنکھ بچا کے ایک دھپ جمائی "شریر! تو مولانا کے سامنے بھی سنجیدہ نہیں رہتا۔"

اب اہتمام کے ساتھ قرآن کریم، اس کے تراجم اور تفاسیر میرے مطالعہ میں رہتیں اور جو اچھی کتابیں دیکھتا خرید لیتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں میرے پاس اچھی خاصی لائبریری ہو گئی۔ میں نے اپنے گھر کے باہری کمرے میں باقاعدہ لائبریری قائم کردی۔ مغرب کے بعد اس میں بیٹھنے لگا تو پیاسے کنویں کے پاس آنے لگے۔ اور اب میرا دن کاروبار میں اور رات مخلص دوستوں کی صحبت میں گزرنے لگی۔

اب میرے سامنے یہ سوال بھی لایا جانے لگا کہ دوبارہ گھر بسا لو۔ میں نے اس طرف توجہ نہیں دی لیکن ایک دن جب مولانا نے مجھے بلایا اور بتایا کہ درخواست رکنیت منظور ہو کر آگئی ہے لیکن نوٹ لکھا ہے کہ اسے اس وقت تک عام نہ کیا جائے جب تک کہ اسحاق صاحب شادی نہ کرلیں۔

"یہ کیا بات ہوئی مولانا۔ شرائط رکنیت میں یہ دفعہ تو نہیں ہے۔"

"یہ امیر جماعت اسلامی ہند کا مشورہ ہے۔ رکن تو آپ ہو ہی چکے۔ اچھا ہے گھر بسا لیں۔ اس وقت ایک لڑکی ہمارے سامنے ہے۔ اچھی ہے اور لوگ بھی اچھے ہیں۔"

"پھر عرض کروں گا۔"

میں وہاں سے سیدھا عباس کے پاس پہنچا۔ میں نے پوچھا:

"چھوڑو ان باتوں کو۔ اللہ کے یہاں ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔"

"سچ کہتے ہو عباس!"

"اچھا یہ بتاؤ کچھ جیب میں اپنا روپیہ ہے؟"

"میری پاس بک میں ابھی ڈیڑھ ہزار ہے۔"

"اچھا تو ایک ہزار اپنا روپیہ لیتے چلنا۔"

رات کو رقم لے کر دہلی گیا۔ مہاجن کو گانٹھ کی اصل رقم دی۔ ایک گانٹھ اور لی اور ایک ہزار پیشگی دینے لگا تو اس نے کہا "بار بار دلی آؤ گے تو کیا کماؤ گے۔ اب پندرہ پیسے کے کارڈ سے روزگار کرو۔ مال بکنے پر رقم ڈرافٹ سے بھیجو۔ سمجھے میاں جی!" پھر اس نے دو گانٹھیں میرے نام لکھوا دیں۔ اس کے منیم نے آرڈر پر میرے دستخط لئے اور میں گھر چلا آیا۔ عباس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ بچہ پا۔۔۔ پا۔۔۔ پا کہہ کر میری طرف لپکا۔ میں نے گود میں اٹھالیا۔ کھانا عباس کے گھر کھایا اور بچے کو لے کر گھر چلا آیا

اب میں ہر جمعہ کو جماعت اسلامی کے مقامی اجتماع میں باقاعدہ شریک ہونے لگا۔ اجتماع میں آنے والوں کی نظریں مجھ پر پڑنے لگیں۔ تعارف ہونے لگا۔ یہ لوگ میرے گھر اور میں ان کے گھر جانے لگا۔ ایک دن میں نے مقامی امیر سے انفرادی ملاقات میں کہا کہ میری درخواست رکنیت کو چار ماہ ہو گئے لیکن کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہوا۔

"آپ اپنے کو رکن جماعت سمجھیں، ابھی اور اتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز سمجھ لیں۔ میرے عزیز! جماعت سے متعلق ہونا پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ ابھی موقع ہے۔ وفا کی راہ میں قدم رکھ کر پیچھے ہٹنا، آپ جانتے ہوں گے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔"

"جانتا ہوں مولانا!" میں نے کچھ ایسے عزم کے ساتھ کہا کہ مولانا متاثر ہو گئے۔ فرمایا:

"میں آج آپ کی درخواست رکنیت مرکز جماعت اسلامی ہند بھیج دوں گا۔"

"تو کیا ابھی تک آپ ہی کے فائل میں پڑی ہوئی ہے؟"

نہ ہوکہ شادی مرگ ہو جائے۔"

"ابے سُنا بھی جلدی۔"

"بس آ گئے اپنی اصل اوقات پر، ابے تبے کیا کرتا ہے۔ ذرا آداب گفتگو سیکھ لے سیّد کی لڑکی ہے۔"

"اُونھ، بتا تا بھی چل۔ رکاوٹ خوب نہیں طبع کی روانی میں۔"

"ماشاء اللہ! دل بلّیوں اچھلنے لگا ہوگا۔ سُنا بھی۔ وہ سیّد امانت حسین صاحب۔"

"کون سیّد امانت حسین صاحب؟"

"وہی آنریری مجسٹریٹ جن کی عدالت میں تیرا مقدمہ تھا۔"

"ارے کیا ہوا؟ خیریت ہے؟"

"سب خیریت ہے۔ انھوں نے مجسٹریٹی سے استعفا دے دیا۔"

"کیوں؟ وہ کیسے؟"

"تو نے انھیں چت کر دیا۔"

"میں نے؟ میں کیا جانوں؟"

"یاد ہے، تو نے برسرِ عدالت کہہ دیا تھا کہ میں جماعت کا ممبر ہوں۔"

"ہاں، ہاں۔ پھر؟"

"پھر دستورِ جماعت انھوں نے بھی بغور پڑھا۔ پھر وہ سب پڑھا جو واقعی مسلمان ہونے کیلئے پڑھا جانا چاہیے"

"اس کے بعد وہ اس ہفتے مولانا سے ملے۔"

"کیا وہ بھی امیدوار رکنیت ہو گئے؟"

"اونھ۔ تو رہا گاؤدی کا گاؤدی ہی۔ اس بات سے اس قصے کو جوڑ جس کے لئے مجھ سے مشورہ لینے آیا ہے۔"

"یعنی میری شادی سے۔ میری شادی سے اس کا کیا تعلق؟"

"بھابی ہیں؟" عبّاس مسکرایا: "بھابی کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟ کیا کہیں داؤں مار دیا؟"
"یار تو سدا کا غیر سنجیدہ ہے۔" پھر میں نے مولانا کی بات پیش کر دی۔ اندر بھابی کواڑ سے لگی کھڑی تھیں
بولیں: "سب سُن رہی ہوں۔ پہلے جا کر امرتیاں لاؤ۔ پھر مشورے ملیں گے۔"
"عباس نے اپنی بیوی سے کہا" تم دیکھ آئیں۔ مطمئن ہونا!"
"مطمئن کی کیا بات کہی۔ اگر میں مرد ہوتی تو اسے بھگا لاتی۔"
بھابی کی اس غیر سنجیدہ بات پر عباس نے زوردار قہقہہ لگایا۔
"اب تو یہ اسحاق جس طرح مجھے پھکڑ کہتا ہے، تم کو بھی یہی لقب دے گا۔ اچھا ہے:

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب نبٹے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"

"ارے یار! خدا کے لئے کبھی تو ٹھیک سے بات کیا کر۔ آج تو تم دونوں میرا مذاق بنانے لگے۔ بتاؤ تو بھابی! وہ کون ہے اور کہاں کی ہے۔ کچھ سُن گُن تو دو۔"
"خوب مہذب و متین حضرت اسحاق! یہ 'سُن گُن' کی خوب رہی۔ دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ۔ تمہاری گمبھیرتا کہاں گئی؟"
میں چونکا۔ بھابی نے میری دھڑکتی رگ پکڑ لی تھی۔ عباس سے کہنے لگیں:
"بس اب گھوڑے جوڑے کا انتظام کرو۔ زیادہ لیت و لعل ٹھیک نہیں۔"
"مگر بھابی! میرے بچے کا کیا بنے گا؟"
"میں کیا جانوں۔ اس سے پوچھو جس نے بچہ دیا ہے۔"
دیر تک اسی طرح مجھے پریشان کیا جاتا رہا۔ آخر عباس آدمی بن ہی گیا۔ بولا "یار بڑا لمبا ہاتھ مارا کچھ سُنا تم نے"
"سُناؤ تب ہی تو سنوں گا۔"
"منہ کھلے کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی سن کر۔ ہاں، شاباش! حواس درست رکھنا۔ کہیں

حجاب

(اول انعام یافتہ مضمون)

گھر عورت ہی بنا سکتی ہے

عورت ہی گھر بنا سکتی ہے کے عنوان پر بہت کم بہنوں اور بھائیوں نے حصہ لیا۔ اس سلسلے میں آنے والے مضامین میں ابوالاعلیٰ کا مضمون سب سے اچھا تھا۔ یہ مضمون اس شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔ مضمون کے آخر میں استدراک کے تحت اس مضمون کی خامیوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ صاحب مضمون ابوالاعلیٰ صاحب کی خدمت میں ۵۰ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیجے گئے۔ ایک سال کے لیے حجاب جاری کر دیا گیا اور کتاب سماجیات و معاشیات رجسٹرڈ بھیجی گئی۔ حجاب جاری اکتوبر سے کیا گیا۔

دوسرے نمبر پر ابوالحسن صاحب کا مضمون آیا۔ ابوالحسن صاحب کا مضمون آئندہ شمارے میں چھپ جائے گا۔ ان کی خدمت میں ایک سال کے لیے حجاب جاری کر دیا گیا اور کتاب سماجیات و معاشیات رجسٹرڈ بھیجی گئی۔ حجاب کا اجرا اس شمارے یعنی اکتوبر ۸۲ء سے کیا گیا۔

ان دو مضمونوں کے علاوہ کوئی مضمون قابل اشاعت نہ تھا اس لیے تیسرے نمبر پر انعام نہیں دیا گیا۔ بہنوں اور بھائیوں کی سہولت کے لیے ہم اشارات بھی دے دیتے تھے۔ خیر پہلا موقع تھا۔ اب پھر دوسرا امتحان دیا جا رہا ہے اس میں ضرور حصہ لیجیے۔ (دوسرا اعلان دیکھیے ص)

گھر کے بننے کا مطلب: انسان کو زندگی بسر کرنے کے لیے تین بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پہلی چیز غذا ہے اور دوسری سر چھپانے کے لیے ایک چھت یا گھر کہہ لیجیے۔ اور تیسری چیز تعلیم۔ اس وقت صرف گھر اور اس کے بنانے ہی تک اظہار خیال مقصود ہے۔ گھر کا مفہوم عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک قطعہ زمین ہو۔ چھوٹا بڑا جیسا بھی ہو دو چار کچے پکے کمرے ہوں باورچی خانہ ہو نہانے دھونے اور حاجات ضروری کی سہولتیں ہوں اس طرح ایک معمولی چیز بھی گھر ہے۔ اور شاندار محل بھی گھر ہے مگر ذرا غور سے کام لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ یہ حقیقی گھر نہیں۔ گھر حقیقت میں اینٹ پتھر، چونے اور چھپر کا نام نہیں ہے اس لیے کبھی ایک ایک عالی شان محل جہاں تعیشات کے ہر طرح

"انہی کی تو لڑکی ہے اور انھوں نے خود تیرے لئے پیشکش کی ہے۔"

میری اندر کی سانس اندر اور باہر کی باہر۔۔۔

عباس نے زور سے چٹکی لی۔ میں اچھل پڑا۔ "مار ڈالا ظالم۔ بھابی۔ بھابی! دیکھئے!"

"دیکھ رہی ہوں۔ بس اب دولہا بننے کی تیاری کرو۔ میں نے سب پکا کرلیا ہے۔"

"مگر بھابی! تم نے یہ نہ سوچا کہ اتنی بڑی جگہ میں کیسے نباہ سکوں گا۔"

"منہ بولو۔ حلیم صاحب بن پڑی ہے۔ بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے۔"

عباس بھائی اور امینہ بھابی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جو بات میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ آپ کے آپ سامنے آگئی۔ اتنے میں عشاء کی اذان ہوئی۔ عباس مجھے لے کر مسجد کی طرف چلا بولا: "چل، آج دو رکعت شکرانے کی بھی پڑھنا، ناشکرے!" +++

کہ چلتے جاتے تھے اور چادر سنبھالتے جاتے تھے پوچھا کہ کدھر گئیا اس ست کو ہو لئے۔ کہنے والے نے کہا کہ امیر المومنین آپ اس دھوپ میں کہاں جاتے ہیں۔ کسی غلام کو بھیج دیجیے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا ای عبد اعبد منی ۔ مجھ سے بڑھ کر غلام کون ہے۔ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ یہ زمادہ تھا جب عرب مصر و شام، عراق اور ایران آپ کے زیر نگین تھے۔ قوامیت ایک عظیم ذمہ داری ہے اور زبردست آزمائش ہے اور آدمی کی دانشمندی یہ ہے کہ نظر اس کی اختیار و اقتدار سے بڑھ کر اپنے منصب کی ذمہ داریوں اور ان کی ادائیگی پر ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی اپنے اختیار و اقتدار سے کام ہی نہ لے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اس چیز کو مطمع نظر اور مقصد کا درجہ نہ دے دے۔ اس کا فرض ہے کہ گھر میں اپنے طرز عمل۔ جذبۂ خدمت ایثار و قربانی اور سب سے بڑھ کر اپنی محبت سے گھر میں ایسی فضا پیدا کرے کہ اسے حکم دینے کی کم سے کم ضرورت پیش آئے گھر چلانے کی ذمہ داری بے شک اس کی ہے لیکن اپنی پالیسی کا صحیح رخ دینا اور اسے گھر کے تمام افراد پر پوری طرح واضح کر دینا بھی اس کا فرض ہے۔ یوں سمجھئے کہ وہ ایک چھوٹی موٹی جمہوریہ کا صدر ہوتا ہے۔ اور اپنے اختیارات اندھا دھند نہیں بلکہ اپنی جمہوریہ نخمی منی کی شوریٰ کی صوابدید اور ان کے مشوروں کو سامنے رکھ کر استعمال کرتا ہے

اب آئیے خاتون خانہ کی طرف۔ یوں سمجھئے کہ خاندان کی جمہوریہ میں اس کا درجہ وزیر اعظم کا ہے جہاں تک امور خانہ داری کا تعلق ہے اس کا مقام سب سے بلند ہے۔ اس کے مقام کی عظمت سمجھنے کے لیے بات کو ذرا طول دینا ہوگا۔ بچہ جو ایک گھر میں پیدا ہوتا ہے گوشت پوست کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے۔ پیدا کرنے والے نے اسے عظیم صلاحیتیں دی ہیں لیکن سب کی سب یکسر خام۔ تربیت و نشوونما کی نہایت درجہ محتاج ہوتی ہیں۔ علمائے نفسیات اس بات پر متفق ہیں۔

"It is the family which transforms the child from an individual is a person"

یہ خاندان ہی کا کارنامہ ہے جو بچے کو ایک نفر سے ابھار کر ایک ممتاز شخصیت عطا کرتا ہے اور معلوم ہے کہ خاندان میں سب سے اہم شخصیت ماں کی ہوتی ہے اس لیے بچے کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر اصلاً اسی کا کام

کے سر و سامان موجود ہوں جہنم بن جاتا ہے اور کبھی ایک جھونپڑی جس میں بنیادی ضرورت کی چیزیں بھی بخوبی میسر نہیں جنت کا نمونہ ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مکان مکینوں سے بنتا ہے۔ اینٹ پتھر چونے گارے سے نہیں۔ ایک حقیقی گھر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے افراد میں تعاون۔ ہمدردی۔ خیر اندیشی۔ محبت، خدمت، صبر و ضبط۔ عفو و درگزر اور ایثار و قربانی کے اوصاف ہوتے ہیں۔ گھر میں جو جتنا ہی کمزور، ناتواں، بے بس ہوتا ہے۔ اتنی ہی زیادہ اپنے گھرانے کی توجہ، خدمت، دلجوئی، محبت اور احترام کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ وہ چاہے کوئی شش ماہ بچہ ہو یا ضعیف العمر ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی ہوں اور گھر کی یہ فضا نہیں ہو سکتی جب تک دین کی روح پورے گھرانے اور اس کے افراد میں رچی بسی نہ ہو۔ میں ایک گھرانے کو جانتا ہوں جہاں چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو "آپ" کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اور کوئی کسی کا ذرا بھی کام کر دیے تو اس کا "شکریہ" بڑی محبت اور بشاشت سے ادا کرتے تھے۔ اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں۔

گھر کی ذمہ داریوں میں عورت اور مرد کا حصہ:۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ عیاں ہے کہ ایک اچھا گھر کس طرح خدمت و محبت، ایثار و قربانی اور فرض شناسی کی جلوہ گاہ ہوتا ہے۔ لوگ بڑوں کا احترام کرتے ہیں ان کی خدمت کو عزت اور سعادت سمجھتے ہیں۔ چھوٹوں پر شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ ان کی رہبری اور تربیت کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق مرد قوام ہوتا ہے۔ اور عام طور پر ہمارے گھروں میں دستور بھی یہی ہے کہ باپ کی حیثیت سربراہ۔ ذمہ دار اور مطاع کی ہوتی ہے۔ پھر ماں کا درجہ ہے اس کے بعد بھائی بہنوں کے عمر کے لحاظ سے درجات حقوق اور فرائض ہوتے ہیں۔ جہاں تک باپ کی قوامیت کا تعلق ہے وہ تو مسلم ہے لیکن اس کے حدود و قیود کے باب میں بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ قوام کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد ایک جابر حکمران یا مستبد فرماں روا کا طرزِ عمل اختیار کرے۔ مرد کا طرزِ فکر کیا ہو؟ اس کی بہترین مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ میں ملتی ہے۔ بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ کسی نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔ دوپہر کا وقت تھا اور شدید گرمی اور دھوپ سے زمین تپ رہی تھی۔ آپ گھبرا کر اٹھے۔ اس طرح

کی کہا کہ میرے بیٹے میں تم سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولی ہوں۔ تم مجھ سے عہد کرو کہ تم بھی کبھی جھوٹ نہ بولو گے چنانچہ انھوں نے ماں سے جھوٹ نہ بولنے کا عہد کیا اور قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بغداد کے راستے میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کر دیا اور قافلے کا سارا سامان لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو شیخ عبدالقادرؒ کے پاس آیا اور پوچھا۔ میاں صاحبزادے تمہارے پاس بھی کچھ ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔ اس نے ان کی جیبیں ٹٹولیں کپڑے جھاڑے مگر کچھ نہ ملا۔ غصّے میں اس نے ان کو زور کا ایک طمانچہ مارا اور کہا تم اتنے ذرا سے تو ہو اور چلے ہو میری ہنسی اڑانے اور بے وقوف بنانے۔ انھوں نے رو کر کہا میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اشرفیاں میرے جیکٹ میں سِلی ہوئی ہیں۔ یہ کہہ کر جیکٹ اتار کر اسے دے دیا۔ ڈاکو نے جو سلائی توڑی تو چالیس کی چالیس اشرفیاں ایک دم سے باہر نکل پڑیں۔ اسے سخت تعجب ہوا اس نے کہا۔ میاں صاحبزادے تم بڑے بے وقوف نکلے۔ اگر تم مجھ سے کہہ دیتے کہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تو تمہاری اشرفیاں بچ جاتیں۔ انھوں نے کہا۔ میں جھوٹ کیسے بولتا۔ میری ماں نے تو چلتے وقت مجھ سے عہد لیا تھا کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا اور میں نے اس سے یہ عہد کیا ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ بیان کرتے ہیں کہ ڈاکو بچے کی راست گوئی سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے اشرفیاں واپس کر دیں۔ اور سارا لوٹا ہوا مال بھی قافلے کے حوالے کر دیا۔ یہ وہی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو سبھی مسلمان آج تک انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ ماں بچے کی سیرت کو اس کی صورت کو رفتار و کردار، دلچسپیوں، نفرتوں، غرضکہ ہر ہر چیز کو مسلسل ڈھالتی اور سنوارتی رہتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ماں کے اندر یہ بے پناہ قوت کہاں سے آئی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک چیز ہوتی ہے ماں کی مامتا جسے ہم سب بخوبی جانتے ہیں۔ یہ ہے ماں کا ہتھیار اور یہ چیز اتنی قوی اور وزنی ہوتی ہے کہ اگر ہمالیہ پہاڑ کو ترازو کے ایک پلے میں رکھیں اور دوسرے پلے میں اس مامتا کو، تو مامتا والا پلہ جھک جائے گا۔ ممکن ہے آپ اسے مبالغہ سمجھیں مگر مجھے اصرار ہے کہ اس میں رتی بھر مبالغہ نہیں۔ دریا۔ پہاڑ۔ بحر و بر۔ چاند۔ سورج سارے مظاہر فطرت اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت میں لگا دیے ہیں لیکن یہ سب ہماری مادی اور جسمانی نشو و نما میں حصّہ لیتے ہیں لیکن سیرت و اخلاق کو ڈھالنا یہ ان میں سے کسی کے بس میں نہیں۔ یہ تو ماں ہے جو اپنی مامتا کے بل پر جس طرح کی سیرت چاہتا

تاہے۔ وہ بچے کو ایک ہزار چیزیں سکھاتی ہے۔ سکھاتی ہی نہیں بلکہ اس کے مزاج اور طبیعت میں گھول دیتی ہے جب پیدا ہوتا ہے تو وہ دیکھنا بھی نہیں جانتا یعنی آنکھیں کسی خاص نقطہ پر مرتکز نہیں کر پاتا لیکن ماں آنکھوں میں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ ایسی والہانہ محبت سے اسے دیکھتی ہے کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ تا چنانچہ سب سے پہلے ماں ہی کا ناک نقشہ پوری وضاحت کے ساتھ اس کے سامنے آتا ہے۔ اس طرح وہ دوسری چیزوں پر بھی نظریں جمانے کا ڈھنگ سیکھتا ہے۔ ماں اپنے احساسات اور جذبات تک بچے کے اندر انڈیلتی رہتی ہے۔ وہ اگر خوف زدہ ہے تو بچہ بھی نامعلوم طور پر خوف محسوس کرے گا۔ وہ اگر خوش ہے تو بچہ بھی اپنے اندر خوشی محسوس کرے گا اسی طرح ماں کا تعجب۔ رنج۔ حسرت۔ مسرت۔ حتیٰ کہ اس کا طرز فکر اور طرز عمل سب کے سب بچے کے اندر پیوست ہوتے رہتے ہیں اور سب مسلسل اس کے جذبات۔ احساسات خیالات کی تشکیل و تزئین کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے کمہار کو سنی ہوئی مٹی کا لوندا اپنے چاک پر رکھے ہوئے اس سے طرح طرح کے برتن بناتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ وہی مٹی ہوتی ہے جسے وہ اپنی فنی مہارت سے گلاس صراحی۔ پیالے۔ کیتلی اور خدا معلوم کیسی کیسی حسین اور دلکش صورت میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یقین جانیے ماں بھی بچے کے ساتھ یہی کچھ کرتی ہے۔ وہ اس کے اندر محبت۔ نفرت۔ پسند ناپسند۔ دلچسپی۔ بیزاری۔ سلیقہ۔ پھوہڑپن غصہ حسد وغیرہ بے شمار جذبات۔ خیالات و افکار و اعمال پیوست کرتی رہتی ہے۔ ایک مثال سے یہ حقیقت زیادہ ہو جائے گی۔ تلے ہوئے شامی کبابوں کی گرم گرم پلیٹ اگر بچوں کی ایک کلاس کے سامنے میز پر رکھ دی جائے تو مسلمان بچوں کے منہ میں اُسے دیکھ کر پانی بھر آئے گا۔ لیکن وہاں اگر کوئی برہمن کا بچہ ہو تو شاید اُسے ابکائی آنے لگے اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوگا۔ یہ کس نے مسلمان بچوں کے اندر شامی کبابوں کا ذوق اس شدت کے ساتھ پیدا کر دیا ہے اور کس نے برہمن زادے کے اندر اللہ کی اس نعمت سے سخت بیزاری پیدا کر دی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے بچپن کا ایک واقعہ بے حد مشہور ہے۔ جب ان کی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو ان کی ماں نے اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے بغداد بھیجنے کا ارادہ کیا اور چالیس اشرفیاں ایک جیکٹ میں سی کر انھیں دیں کہ اسے پہن لو۔ بغداد جانے والے ایک قافلے کے ساتھ کر دیا۔ چلتے چلتے بیٹے کو ماں نے ایک نصیحت

اٹھائے رکھا۔ پھر اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سالوں کے اندر اس سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ کے مقابلے میں زیادہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ماں کا حق باپ کے حق سے تین درجہ زیادہ ہے۔ ماں باپ کا مقام بیشک بہت بلند ہے مگر ان کی اطاعت فرماں برداری اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے تحت ہے اگر وہ شرک یا کسی معصیت کا حکم دیں تو کلام پاک کا ارشاد ہے کہ ان کی بات ہرگز نہ مان جائے۔ یہ بات ایسی ہے کہ گھر کے تمام چھوٹے بڑے افراد کا رول متعین کر دیتی ہے نہ اللہ کی رضا کے تحت ہی سب کو چلنا ہے اسی میں شک نہیں کہ کسی گھر کی اگر یہ خصوصیت ہو تو وہ پھول کی طرح مہکتا ہے اور دنیا ہی میں جنت کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

اہل خانہ کے حقوق :۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خیارکم خیارکم لاھلیکم" تم میں اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنے بیوی بچوں کے حق میں اچھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں خصوصیت کے ساتھ تاکید فرمائی ہے کہ نماز، عورتوں اور لونڈی غلاموں کا خصوصی لحاظ رکھا جائے اس خطبے کی اہمیت یہ ہے کہ یہ ایک الوداعی پیام تھا۔ حضورؐ نے تاکید فرمائی تھی کہ یہاں جو حاضر ہیں وہ غائب کو میرا یہ پیام پہنچا دیں۔ جب ماں کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ اگر خدا کے سوا کسی کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ شوہروں کو سجدہ کریں۔ مگر یہی عورت جب ماں کی حیثیت میں آتی ہے تو اسے اللہ و رسول نے یہ عظیم اعزاز بخشا۔ فرمایا کہ جنت تو ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ یعنی جس کو جنت حاصل کرنا ہو وہ ماں کی اطاعت و فرماں برداری میں جان لڑا دے۔

اولاد کا حق :۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اکرموا اولادکم واحسنوا ادبھم تم لوگ اپنی اولاد کے ساتھ لطف و کرم کا برتاؤ رکھو اور ان کو اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرو۔ ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے اور اللہ جب کسی بندے کو لوگوں پر اقتدار بخشتا ہے تو چاہے وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ اس بندے سے اللہ تعالے قیامت کے دن اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں محاسبہ ضرور کرے گا کہ جو لوگ اس کے ماتحت تھے ان پر اللہ کا دین جاری کیا یا اس کو برباد کیا۔ یہاں تک کہ آدمی کے اپنے مخصوص اہل خاندان (بیوی بچوں)

ہے۔ ڈھال کے دکھ دیتی ہے۔ اب آپ فرمائیے کہ ممتا کا وزن زیادہ ہے یا ہمالیہ پہاڑ کا؟

پھر یہ ممتا بڑی پہلودار ہوتی ہے۔ بچے کے حق میں تو یہ ممتا ہے۔ شوہر کے حق میں یہ خدمت اور ایثار کا روپ دھار لیتی ہے۔ بوڑھے ماں باپ کے حق میں سرتاپا خدمت و احترام بن جاتی ہے۔ بھائی بہنوں کے لیے شفقت و رحمت کا جلوہ پیش کرتی ہے۔ ایک ہی ہتھیار ہے جس کی بدولت خاتون خانہ گھر کے سارے افراد پر حکمرانی کرتی ہے۔ البتہ اس عظیم ہتھیار کے غلط استعمال سے بنانے کے بجائے بگاڑ بھی کر سکتی ہے۔ اب یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ گھر کو عورت ہی بنا سکتی ہے۔"

گھر کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے حوالے:۔

کرۂ زمین میں قطب شمالی اور قطب جنوبی کی بڑی اہمیت ہے اس لیے کہ زمین کی کیلی انھیں دونوں میں سے ہو کر گذرتی ہے اور پورا کرۂ ارض اسی کیلی کے گرد گھومتا ہے گھر میں ٹھیک یہی حال ماں اور باپ کا ہے۔ گھر کی چھوٹی سی دنیا انھیں قطبین کے گرد چکر کرتی ہے۔ ان کے افکار و اعمال، اخلاق و کردار حتیٰ کہ جذبات و احساسات کا پرتو گھر کے تمام افراد میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کلام پاک نے ماں باپ کے بے مثال ایثار و قربانی کا لحاظ رکھتے ہوئے گھر میں ان کو بلند ترین منصب عطا کیا ہے۔ سورۂ لقمان اللہ تعالیٰ میں فرماتا ہے:۔

ووصّینا الانسان بوالدیہ۔ حملتہٗ امّہٗ وھنا علی وھنٍ وفصالہٗ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک۔

ہم نے انسان کو اسکے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اسے پیٹ میں رکھا۔ اور دو سال میں دودھ چھڑانا ہوا۔ یہ کہ میرے شکر گذار رہو اور اپنے والدین کے۔

معلوم ہوا کہ خدا کے حق کے بعد انسان پر سب سے بڑا حق والدین کا ہے اور نہایت عظیم الشان امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گذاری کے ساتھ انسان کو والدین کی شکر گذاری کی ہدایت کی شکر گذاری کا مفہوم ایفائے حق ہے اگر عملاً فرماں برداری، اطاعت، محبت و خدمت نہ ہو تو مجرد زبان سے شکر ایک بے معنی چیز ہے۔ یہاں ایک بات نہایت قابل لحاظ ہے کہ جہاں تک شکر گذاری اور خدمت کا تعلق ہے اسکی ہدایت دونوں "ماں" اور "باپ" دونوں کے لیے فرمائی ہے لیکن قربانیاں اور جانفشانیاں صرف ماں کی گنائی ہیں باپ کی کسی قربانی کا حوالہ نہیں دیا ہے فرمایا ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر

کرتے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے لیے جاتے ہیں۔ یا دوسرے امورِ خیر با ہر رہ کر انجام دیتے ہیں ان سب کے اجر میں عورتیں بھی شامل کرلی جاتی ہیں۔ اور مردوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ شرط یہ ہے کہ وہ مرد کے پیچھے گھربار کا اچھا انتظام کرنے والی، وفاشعار اور مرد کی اطاعت گذار ہوں ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ مردوں کے لیے جہاد یا باہر رہ کر دوسرے دینی امور کی انجام دہی اسی وقت ممکن ہے جب کہ ان کو گھر کی طرف سے اطمینان ہو۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہوتا ہے کہ گھر کی اصلاح و درستگی کا کام فی الاصل عورت ہی کی ذمہ داری ہے۔ اور وہی اسے انجام بھی دے سکتی ہے۔ مرد اکثر لمبے عرصہ تک گھروں سے دور رہنے پر مجبور رہتے ہیں اس لیے یہ کام وہ خوبی سے انجام نہیں دے سکتے۔ اوپر جو عرض کیا گیا کہ بالواسطہ طور پر عورتیں علمی اور ملی خدمات میں حصہ لے سکتی ہیں تو اس کی صورت یہی ہے۔

تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں تو بہت مل سکتی ہیں کہ عورتوں نے گھر میں رہتے ہوئے دینی اور ملی خدمات بڑے پیمانے پر انجام دی ہیں مگر سب کا ذکر نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ اس لیے یہاں صرف اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اُم المومنین کو اللہ تعالیٰ نے دینی سوجھ بوجھ، دانش و حکمت اور خوش تقریری کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اگرچہ صرف ۹ سال تک نصیب ہو سکی تھی لیکن انھوں نے حضورؐ کی ایک ایک بات اور ایک ایک کام کو اچھی طرح یاد رکھا تھا عورتوں کے مخصوص مسائل آپؓ ہی کے ذریعہ زیادہ تر امت کو پہنچے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس خصوص میں بقیہ امہات المومنین کا بھی حصہ ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمات غالباً سب سے بڑھ کر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بکثرت لوگ آپ کی خدمت میں مختلف مسائل پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ گھر کے دروازے پر ایک پردہ لگا دیا جاتا تھا آپ اس کے پیچھے گھر کے اندر تشریف فرما ہوتی تھیں۔ دروازے کے باہر پردے سے لگ کر حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو آپ کے بھانجے تھے۔ بیٹھتے تھے۔ لوگوں کو جو سوالات پوچھنے ہوتے تھے حضرت عروہؓ سے بیان کرتے تھے، وہ اندر ام المومنین سے پوچھتے تھے اور جو جواب ملتا تھا لوگوں سے بیان کرتے تھے۔ اس طرح بکثرت احادیث بھی ام المومنین سے مروی ہیں اور بہت سے دینی اور ملی اور خاص طور پر خواتین سے

کے بارے میں بھی سوال کرے گا۔" (ماخوذ۔ از زادِ راہ۔ مولانا جلیل احسن مرحوم)

یعنی شوہر سے بیوی بچوں اور دوسرے زیرِ کفالت لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا کہ ان کی دینی و اخلاقی تربیت کہاں تک کی۔ اگر آدمی نے اپنے بس بھر ان کو دین سکھانے اور دین دار بنانے کی کوشش کی تو اس سے چھٹکارا مل جائے گا۔ ورنہ بڑی مشکل میں پھنس جائے گا چاہے وہ اپنی ذات کی حد تک کتنا ہی خدا پرست اور دین دار ہو۔ (ماخوذ۔ از زادِ راہ) اس سلسلے میں ایک حدیث بہت زیادہ یاد رکھنے کی ہے۔ فرمایا۔

کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص اس کے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔

گھر کی ذمہ داریوں کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور کلامِ پاک میں بھی متعدد آیات سے ان کی وضاحت ہوتی ہے مگر ان سب کا استقصاء یہاں ممکن نہیں ہے۔ یہ جس قدر پیش کیا گیا اگر ہم غور سے پڑھیں اور عمل کی کوشش کریں تو یہ انشاء اللہ ہمارے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔ اور گھر گھر میں رہ کر خواتین افراد کے لیے مسرتوں اور برکتوں کا گہوارہ بن جائے گا۔

گھر میں رہ کر خواتین کی ملکی و ملی خدمات اور بعض ایسی خواتین کے مختصر تذکرے :۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عورت کا میدانِ کار اصلاً اس کا گھر ہے لیکن بالواسطہ وہ ملکی اور ملی خدمات میں حصہ لے سکتی ہے اور لینا چاہیے۔ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بار ایک خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا اے حضورؐ مجھے عورتوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھیے یہ جہاد صرف مردوں پر فرض ہوا ہے اگر وہ زخمی ہو جائیں۔ شہید ہو جائیں تو اپنے رب کے پاس زندہ رہیں گے۔ اور ہم عورتیں ان کے پیچھے ان کے گھر اور بچوں کی نگرانی کرتی ہیں تو ہمیں کیا اجر ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن عورتوں سے تم ملو ان کو یہ پہنچا دو کہ شوہروں کی اطاعت کرنا ان کے حقوق کو پہچاننا جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہے لیکن تم میں سے بہت کم عورتیں ایسا کرتی ہیں۔ (ماخوذ زادِ راہ)

اسی مضمون کی بعض دوسری حدیثوں میں یہ تفصیل بھی آئی ہے مرد جو جنازوں میں اور تجہیز و تکفین میں شرکت

جماعت اسلامی ہند کے سالانہ اجتماع سے محترمہ زینب الغزالی کا خطاب

آپ کے نونہال پوری دنیا میں اسلام کا پرچم لہرائیں گے

جماعتِ اسلامی (خواتین) ہند کے چھٹے سالانہ اجتماع منعقدہ وادیٔ ھدیٰ میں سید قطب شہیدؒ کی ہمشیرہ محترمہ زینب غزالی صاحبہ کا ایمان پرور تربیتی خطاب ذیل میں دیا جا رہا ہے۔ زینب غزالی صاحبہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ برسوں انجہانی ناصر کی جیل میں رہیں۔ .... (مدیر)

میری ماؤں، بہنو، بیٹیو!! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک بار پھر میں آج آپ کے سامنے آپ سے چند باتیں کہنے آپ کے درمیان حاضر ہوں۔ آپ تمام بہنوں کو دیکھ کر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ یہ پندرہویں صدی ہجری اسلامی صدی ہوگی۔ آپ تمام اسلام سے محبت رکھتی ہیں اور اللہ کے دین کی خاطر جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی دولت سے نوازے اور کاروانِ جماعتِ اسلامی کو اپنے سایۂ رحمت میں رواں دواں رکھے۔ آمین۔ میری بہنو! پندرہویں صدی ہجری کے موقع پر آپ کو میرا پیغام ہے کہ سرزمین ہند پر پندرہویں صدی کو اسلامی صدی بنانا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ سن رہی ہیں کہ چودہویں صدی کے اختتام اور پندرہویں صدی کے آغاز پر دنیا کے چاروں طرف اسلام کا غلغلہ ہے۔ امتِ مسلمہ باطل طاقتوں سے اللہ کے دین کو غالب کرنے میں برسرپیکار ہیں۔ اسلام کے جانباز باطل طاقتوں سے برابر کی ٹکر لے رہے ہیں۔ میری بیٹیو! اب آپ کو بھی

متعلق مسائل پر آپ کی وضاحتیں ملتی ہیں۔ جس کا فائدہ ان شاء اللہ قیامت تک امت کو پہنچتا رہے گا۔ امّ المومنین کے اسوہ کے پیشِ نظر پڑھی لکھی دیندار عورتوں کا فرض ہے کہ وہ محلے ٹولے یا گاؤں اور بستی کی لڑکیوں اور چھوٹے بچوں کو کلام پاک پڑھائیں۔ دین کی بنیادی باتیں بتائیں۔ عورتوں کے مسائل سے آگاہ کریں اور تاریخِ اسلام اور سیرت نبویؐ کے موٹے موٹے واقعات اور حالات سے بچیوں کو اس طرح روشناس کرائیں کہ ان کے اندر دین کی عظمت اور محبت کا احساس بیدار ہو جائے۔ ہر مسلم آبادی میں بعض خواتین یہ کام کرتی بھی ہیں۔ لیکن ضرورت یہ ہے کہ اسے عام کیا جائے۔ اس طرح کی کوئی بچی بھی دین کی بنیادی باتوں سے ناآشنا نہ رہ جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

استدراک :- گھر کے معنی بتلانے میں تمہید کسی قدر طویل ہو گئی۔ گھر اینٹ پتھر کی عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ اس عمارت کے اندر رہنے والے جو فضا بناتے ہیں دراصل اس کا نام گھر ہے۔ پس اتنی بات کو چھوٹے سے پیراگراف میں ختم کر دینا چاہیے تھا۔

(۲) گھر میں عورت مرد کا حصہ حضورؐ نے متعین فرمایا۔ مرد کما کے لائے عورت اس کمائی کو دیکھ بھال کر خرچ کرے۔ پس اسی پر زور دینا چاہیے تھا۔ مرد خاندان کا صدر اور عورت وزیر اعظم۔ یہاں تک بات جچی تلی تھی۔ حکومت اقتدار اور قوم کی بحث نے مضمون کو ضرورت سے زیادہ بہت طول دے دیا۔

(۳) ذمہ داریوں کے سلسلے میں بحث اچھی ہے۔ دلیلیں بھی اچھی ہیں اور مختصر بھی۔ اس جگہ حضرت سودہؓ کی شادی حضورؐ کے ساتھ کیسے ہوئی، کا تذکرہ آجاتا تو اس مضمون کا وزن بڑھ جاتا۔

(۴) حقوق کے سلسلے میں مختصر طور پر بہت کچھ کہدیا ہے۔ حقوق کے سلسلے میں حدیث کا متن اور ترجمہ آجاتا تو ماں کے تین حقوق بہت ہی مدلل آجاتے۔ وہی کہ ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا۔ ماں باپ میں کس کا حق زیادہ ہے۔ فرمایا۔ تیری ماں کا۔ اس طرح تین بار۔

(۵) گھر میں رہ کر ملکی و ملی خدمات کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی خدمات ناموزوں رہیں۔ دین کی تعلیم بے شک انھوں نے عام کی لیکن جب ان کے اولاد ہی نہ تھی تو ملی و ملکی خدمات کا ذریعہ کس کو بناتیں۔ اسی سلسلے میں اس عورت کا تذکرہ بہت موزوں رہتا جس کے تین بہادر بیٹے جب نیپولین کے سامنے پیش ہوئے تو نیپولین نے پوچھا: "یہ ان کے پیچھے کون کھڑا ہے؟" بتایا گیا ان تینوں کی ماں ہے۔ یہ سن کر اس نے اس بڑھیا کی تعظیم کی۔ حضرت صفیہؓ (والدہ محترمہ حضرت زبیرؓ) حضرت اسماءؓ (والدہ محترمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ) حضرت ام حکیمؓ (والدہ حضرت انسؓ) وغیرہ کی مثالیں بہت اچھی رہتیں۔ (م)

محنت کا اوقتی آپ کی محنت سے انشاءاللہ آپ کے نونہالوں میں کوئی محسن اقبال بنے گا تو کوئی امام مودودی بنے گا۔ آپ کو سرزمین ہند پر چیلنے و پنڈ جانبازوں کا قافلہ تیار کرنا ہے تاکہ یہ اسلام کے وارثین امت مسلمہ کے رکھوالے سرزمین ہند پر اللہ کے دین کا پرچم بلند کر سکیں۔

یہ کام مسلمان خواتین کے کرنے کا ہے۔ انتھک محنت کرنے کے بعد ہی آپ سرزمین ہند کو بے لوث خادموں کا قافلہ عطا کر سکیں گی۔ انشاءاللہ آپ کی آنکھیں دیکھیں گی کہ آپ کے نونہال اسلام کے جانباز پندرھویں صدی ہجری میں پوری دنیا پر اسلامی پرچم لہرائیں گے۔

اگر آپ

اگر آپ ایک سال کے لئے "حجاب" کی سالانہ خریداری منظور فرمالیں تو ہم آپ کو ۹۶۴ صفحات کی ایک ضخیم کتاب "صحابہ وصحابیات" بطور تحفہ پیش کریں گے۔

اگر آپ حجاب کے تین سالانہ خریدار بنا دیں تو ہم کتاب "صحابہ وصحابیات" کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھی پیش کریں گے۔

اگر آپ حجاب کا چار سال کا چندہ 150/- پیشگی ادا فرمادیں تو آپ کو پانچ سال کے لئے خریدار بنا لیا جائے گا اور کتاب "صحابہ وصحابیات" بھی بطور تحفہ پیش کی جائے گی۔

اگر آپ 500/- پیشگی ادا فرمادیں تو آپ کو حجاب کا دائمی معاون تسلیم کر لیا جائے گا اور حجاب اعزازی طور پر آپ کی خدمت میں جاتا رہے گا نیز مکتبہ حجاب کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر آپ کو پہنچا کریں گی

● حجاب کا سالانہ چندہ 37/- ، کتاب "صحابہ وصحابیات" کے ڈاک خرچ کے 3/- ، کل 40/- منی آرڈر کریں۔ خود توجہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں۔ **منیجر "حجاب" رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱**

چاہئے کہ اس نئی نسل کو جو آپ کی آغوش میں پرورش پا رہی ہے مکمل اسلامی تربیت پڑھائیں۔

آپ کی گود میں پرورش پلتے ہوئے یہ بچے اور بچیاں اسلام کی امانت ہیں۔ سرزمین ہند پر پندرہویں صدی ہجری کو اسلامی صدی بنانے والے یہی آپ کے نونہال ہیں۔ لہٰذا آپ انھیں مسلمانوں کی تاریخ سمجھائیں، علمائے دین کی کتاب زندگی کو ان کے سامنے رکھ دیں، حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو کھول کھول کر سمجھائیں، امام مودودیؒ اور حسن البناؒ شہیدؒ کی عظیم زندگیوں کے ساتھ ساتھ ان کے انقلابی کارناموں کو بھی سناتی چلی جائیں۔ اس طرح آپ کا بچہ اسلامی تربیت پا سکے گا۔

آپ کا بچہ آپ سے سوال کرے گا کہ بین الاقوامی سیاست پر اسلام کا قبضہ کیوں نہیں؟ کیا اقوام متحدہ میں اسلامی اصول چلتے ہیں؟ مسجد اقصیٰ مسلمانوں سے کیوں چھن گئی؟ مسلم ملکوں پر روس اور امریکہ کے اثرات کیوں ہیں؟ ایسے مواقع پر ہمیں بچے کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گی لیکن آپ ایسے مواقع پر بچے کو سمجھائیں کہ پندرہویں صدی ہجری میں ہی یہ کام کرنا ہے جو تمہیں کرنا ہے۔ تمھیں جان کی بازی لگا کر بین الاقوامی سیاست اور اقوام متحدہ میں اسلامی اصول و آداب کو رائج کرنا ہے اور مسجد اقصیٰ کو یہودیوں سے پاک کرنا ہے۔ امریکہ اور روس کی لادینیت کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے۔

آپ کا اولین فرض ہے کہ بچوں کی ایک ایک ادا کی نگرانی کریں۔ بچہ جب بھی کوئی نازیبا حرکت کرے تو فوراً اسے شفقت و محبت سے بتائیں کہ دیکھو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ جب آپ بچپن ہی سے بچوں کو اسلامی اصول و آداب سکھاتی رہیں گی تو آگے چل کر بھی بچہ صرف اور صرف اسلام کو اس دنیا میں غالب دیکھنا چاہے گا۔ آپ کی محنت سے اس بچے کے رگ و پے میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ میں امت مسلمہ کا رکھوالا اور اسلام کا جانباز ہوں۔ میری بیٹیو! آپ کا یہ انداز تربیت آپ کے نونہالوں کو اسلام کا بیباک سپاہی بنا دے گا۔ یہ آپ ہی کا کام ہے کہ سرزمین ہند کو غازیوں کا قافلہ عطا کر دیں۔ یہ کام مردوں کا نہیں آپ کا ہے کہ نئی نسل کو اسلام کے غازی بنائیں۔ برصغیر میں وہ عورت ہی تو تھی جس نے چودھویں صدی کے بطل جلیل بانی جماعت اسلامی امام مودودیؒ کی تربیت کی۔ سرزمین عرب پر مرد مومن بانی اخوان المسلمون سید حسن البناؒ شہیدؒ کی تربیت کرنے والی

جواب

عزیز بہن۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا خط میں نے توجہ سے پڑھا۔ ایسے خطوط میرے پاس اکثر آتے رہتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کشمکش میں آپ مبتلا ہیں اس میں آپ تنہا نہیں ہیں۔ آپ کی ہم خیال بہت سی بہنیں اور نئی نویلی دلہنیں بھی اس الجھن کا شکار ہیں۔ اس لئے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ایسی راہ نکال دے جس سے آپ کو اور آپ جیسی دوسری بہو بیٹیوں کو اطمینان نصیب ہو۔ آمین!

اس دعا کے بعد میں معاشرے کی اس کمزوری پر بھی دو آنسو بہا لینا چاہتا ہوں جس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی لڑکی کے کیا رجحانات ہیں اور محض اپنی صوابدید پر اُسے ایسی جگہ بیاہ دیا جاتا ہے جس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیاہ نہیں دیا جاتا بلکہ جھونک دیا جاتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ شادی بیاہ کرتے وقت دین کو مقدم رکھو۔ خوبصورتی، مال اور خاندان کو اتنی اہمیت مت دو مگر ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم دنیا سے شکست کھا جاتے ہیں اور دین کو پس پُشت ڈال کر اپنی بیٹیوں کے ذہنوں کو نہیں پڑھتے اور انھیں کہیں مال کے لالچ میں، کہیں خاندان کی ساکھ پر اور کہیں حسنِ ظاہر اور ڈگریاں دیکھ کر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

عزیز بہن! اوپر جو کچھ کہا گیا سو فی صد صحیح ہے لیکن اب جبکہ آپ بھی صاحبِ اولاد ہیں۔ ایک بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں میرا یہ اشارہ اب آپ ایک ماں بن کر تو سمجھ لیں گی۔ اس سے پہلے شاید سمجھ میں نہ آتا۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک باپ اور ماں اپنی اولاد کے لئے یہ فطری خواہش رکھتا ہے کہ اس کی اولاد جہاں رہے چین اور آرام سے رہے کہیں ذرا سا کانٹا اولاد کے چبھتا ہے تو ماں باپ کو دکھ ہوتا ہے دکھ کو دور کرنے کے جہاں اور ذریعے ہیں وہیں ایک بڑا ذریعہ دولت ہے ماں باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد کو کھانے پینے کی، ہر چند اللہ حفظ کی، رہنے سہنے کی خرچ اور ضروریات پوری کرنے کی زحمت نہ ہو، بتائیے، کیا ان کی یہ خواہش بیجا ہے اب جبکہ آپ ماں بن چکی ہیں یقیناً آپ میری اس بات کی تائید کریں گی۔ بے شک آپ کا یہ شکوہ بجا ہے کہ آپ کے

ناموافق فضائیں

میں ایک سخت اُلجھن میں مبتلا ہوں۔ اسی غرض سے آپ کو یہ خط ارسال کر رہی ہوں۔ اُمید ہے آپ مجھے تسلی بخش جواب عنایت فرمادیں گے۔ میں ایک دولت مند گھرانے کی لڑکی اور دولت مند ہی گھرانے کی بہو ہوں۔ شادی کرتے وقت والدین نے میرے اسلامی جذبات کا بالکل خیال نہیں رکھا۔ انھیں تو صرف ایک خواہش تھی کہ میری بیٹی دولت مند گھرانے میں جائے۔ خیر ان کی آرزو پوری ہوگئی اور میں ایک ایسے گھر میں آئی جہاں شاید ہی کوئی اخلاقی بُرائی ہو جو موجود نہ ہو۔ مختصر الفاظ میں سمجھئے۔ سود کی کاروبار سے بھی پرہیز نہیں ہوتا۔ میں ایک خالص اسلامی ذہن کی خاتون ہوں اب آپ ہی تصور کیجئے میں اپنے دن رات کس ذہنی کشمکش میں گزار رہی ہوں۔ میرے لئے خوشی کی بات صرف اتنی ہے کہ میرے شوہر میں اخلاقی برائیاں بڑی حد تک کم ہیں۔ مگر نماز سے غفلت میرے لئے سخت تکلیف دہ ہے میں اپنے گھر کو ایک اسلامی گھر بنانے میں اپنی تمام کوششوں کے باوجود ناکام رہی ہوں۔ اب میرے بچوں کے تعلیم و تربیت کا سخت مسئلہ درپیش ہے۔ اس ماحول میں جہاں خود کو برائیوں سے بچانا ہی ایک مسئلہ ہو میں اپنے بچوں کو کیونکر اس گندی فضا سے بچاکر رکھ سکتی ہوں اگر میں چاہوں تو اپنے شوہر کو لے کر الگ بھی ہوسکتی ہوں مگر اس صورت میں انھیں اپنے والدین کی سخت ناراضگی مول لینی پڑے گی اور بعید نہیں کہ وہ اپنے بیٹے سے تعلق ہی منقطع کرلیں۔ مجھے آپ سے مشورہ اسی باب میں مطلوب ہے کہ آیا میں، میرے شوہر اور بچے سب اسی اخلاق اور اسلام کش ماحول میں رہ کر اپنی زندگیاں برباد کریں۔ یا انھیں اپنے والدین کی سخت ناراضگی مول لینے پر ہی آمادہ کریں میں اپنے بچوں کی بہترین تربیت کا عزم رکھتی ہوں خط ذرا طویل ہوگیا ہے مگر مجھے امید ہے کہ آپ مجھے نامراد نہ کریں گے اور تسلی بخش جواب عنایت فرمادیں گے۔ والسّلام (س۔ خ۔ گونڈہ)

مرحلے میں درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کی تربیت کا بہانہ بنا کر اس گھرانے سے کٹ جانا چاہتی ہیں بس ڈر یہ ہے کہ باپ بیٹے سے خفا ہو کر کہیں ایسا نہ ہو کہ عاق کر دے اور پھر وہ دولت ہاتھ سے نکل جائے جو ترکہ میں مل سکتی ہے۔

معاف فرمائیے گا آپ نے جس بھائی سے جواب مانگا ہے اُسے آپ سے ہمدردی ہے لیکن وہ ذرا منہ پھٹ ہے۔ کبھی کبھی وہ آپ کی دکھتی رگ پر بھی اُنگلی رکھ دیتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ ذرا اپنے اندر جھانک کر دیکھئے، کہیں ایسا تو نہیں کہ دلسوزی کی جگہ نفرت نے لے لی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے پرائے سب ستاتے تھے آپ اس کے جواب میں اللہ سے دعائیں کرتے تھے کہ مولا ان پر اپنی رحمت نازل کر دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر آگ کے گڈھے میں گرنے سے بچاتے تھے۔ حضورؐ کے دل میں ان کا اتنا درد تھا کہ اللہ میاں کو دلاسا دینا پڑا کہ پیارے نبی! کیا تم ان کے غم میں اپنے کو گھُلا گھُلا کر ختم کر دو گے تم تو بس اپنا کام کئے جاؤ۔ دل بدلنے والا تو میں ہوں۔

پیاری بہن! کیا آپ نے اسی طرح اپنی سسرال میں تبلیغ کی؟ میرا خیال ہے کہ آپ قبل از وقت ہمت ہار رہی ہیں۔ درحاصل تبلیغ کا نقطۂ عروج (کلائمکس) تو اب آپ کے ہاتھ آیا ہے۔ آپ کو اللہ نے اولاد دی ہے۔ آپ انھیں اسی گھر میں صحیح تربیت دیں۔ دیکھئے تو کیا اثر ہوتا ہے۔ اور سنئے تو۔ آپ انھیں لے جا کر وہ کون سی دنیا ہے جہاں رکھیں گی؟ آپ نے دنیا دیکھی ہی کتنی ہے۔ جب اس گھر سے قدم نکال کر دوسری جگہ قدم رکھیں گی تو پتہ چلے گا کہ شیطان نے ہر جگہ اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں اور پھر آپ کو اپنا وہی گھر یاد آئے گا جس کی آپ شاکی ہیں کہ کوئی ایسی اخلاقی برائی نہیں جو وہاں نہ ہو۔

اے میری دیندار بہن! اپنے شوہر کو اس کے گھرانے سے مت کاٹو۔ یہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ اللہ کا نام لے کر اپنی روش میں نزاکت کے بدلے دلسوزی پیدا کرو۔ اپنے بچوں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر ان پر فیر کرو۔ اب دیکھو گی کہ نشانہ صحیح بیٹھے گا۔ آپ کے خسر کا پوتا جب توتلی زبان سے اپنے دادا جان کو کلمہ سنائے گا تو آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ آپ کے خسر کو کیا لُطف آئے گا۔

والسلام آپ کا بھائی

والد بزرگوار نے آپ کے اسلامی جذبات کا خیال نہیں کیا لیکن کیا انھوں نے آپ کو کسی غیر مسلم سے بیاہ دیا؟ ماشاء اللہ آپ کی شادی ایک مسلمان ہی سے ہوئی جو آپ کی نظر میں دین کا اتنا پابند نہیں جتنا آپ دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس سے ذرا ہٹ کر آپ ذرا یہ خود فرمائیں کہ اگر آپ کے والدین آپ کی شادی کسی ایسے مسلمان سے کر دیتے جو نانِ شبینہ کو محتاج ہوتا۔ یا اگر گھرانے میں پلی ہوئی لڑکی کسی لالچ کو دے دیتے تو شاید آپ کو تجربہ نہیں کہ: ؎

فاقہ کش سے نام بھی بدنام ہوگا دین کا

ہمارے آپ کے نبیؐ نے بھی مفلسی سے پناہ مانگی ہے آپ کو اپنے والدین کا احسان ماننا چاہیئے کہ انھوں نے ایک بڑی ضرورت پوری کر دی۔ اور اس سے پہلے اس سے بڑی ضرورت کو مکمل کر دیا یعنی آپ کو ایک دیندار بیٹی بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اب آگے یہ آپ کا کام ہے کہ آپ نے جو دین حاصل کیا اس کی تبلیغ کریں بے شک آپ کے والدین نے اپنی آرزو پوری کر لی لیکن آپ ان پر طنز نہ کریں ان کے لئے دعا کریں۔ میری آپ کو یہی نصیحت ہے اور اسی میں خدا کی خوشنودی اور آپ کا بھلا ہے۔

اب آپ کو یہ شکوہ ہے کہ آپ ایسے گھرانے میں آپڑیں جہاں اخلاقی برائیاں ہی ہیں خوبیاں کچھ بھی نہیں۔ اول تو میں یہ ماننے کے لئے ہی تیار نہیں ہوں کہ اس گھرانے میں اخلاقی حس باقی نہیں جبکہ میں آپ کے خط سے محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کا شوہر آپ کا ہمنوا اور وہ آپ کا ساتھ دینے کو اس حد تک تیار ہے۔ کہ والدین کو چھوڑ سکتا ہے آخر اس کی یہ حس بھی تو اس گھرانے میں بیدار ہوئی وہ چاہے آپ کے طفیل میں یا گھر کی برائی کے ردِ عمل میں۔

محترمہ بہن! آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کو اپنے میکے سے جس منصوبے کے ساتھ دین ملا وہ سسرال میں دولت کی بھینٹ نہ چڑھ سکا بلکہ اس خاندان کے ایک شخص (شوہر) کو آپ نے دین کی طرف متوجہ کر لیا کہیں ایسا تو نہیں کہ شوہر کو اپنی طرف متوجہ کر کے آپ کے ذہن میں نازکی پیدا ہوگئی ہو اور آپ اپنی سسرال کے لوگوں سے بیزار ہوگئی ہوں اگر یہ بات ہے تو آپ فیل ہوگئیں۔ آپ اپنے اس فرض کو ادا کرنے میں ناکام ہوگئیں جو آپ کے دین کا تقاضا ہے آپ مانیں یا نہ مانیں، شوہر کے علاوہ سسرال کے ہر فرد کے بارے میں آپ کے دل میں وہ سوز نہیں ہے جو دعوتِ دین کے

کی ایک معقول تعداد میسر آجائے تو ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کی روایات کو تازہ کرنے کا باعث ہو گی۔

مشکل تو یہ ہے کہ بیشتر مدرسین نے تعلیم و تدریس کو محض ذریعۂ معاش سمجھ رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں سیرت کی تعمیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جیسا کہ آپ نے شاید اپنی فنی تربیت کے دوران کہیں پڑھا ہو گا کہ تعلیم کے عمل کو دو مختلف، لیکن باہم پیوستہ پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے ان میں سے ایک پہلو کا تعلق مہارت یعنی SKILL سے ہے اس کا مطلب ہے متعلمین کو ایسی مہارت سے آراستہ کرنا جس کی مدد سے وہ مختلف مضامین پر عبور حاصل کر سکیں اور بعد میں اُنھیں پیشہ ورانہ قابلیت اور مہارت کی بنیاد بنا سکیں۔ تعلیم کا دوسرا پہلو جسے آپ تربیت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اخلاقی اقدار کی تحصیل سے متعلق ہے دراصل اس پہلو کو دوسرے پر اس لئے فوقیت حاصل ہے کہ اس سے انسان انسانیت کا سبق سیکھتا ہے اور اسی سے قومیں اپنا تشخص قائم رکھتی ہیں۔ اسلام نے جو اخلاقی اقدار کی مفصل فہرست بیان کی ہے اور پھر اُن کے اکتساب کو دنیا اور آخرت کی فلاح کا موجب قرار دیا ہے۔ وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں اگر اس مسئلے کو ذرا اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ اسلام نے تو سرے سے یہ تقسیم ہی نہیں کی۔ یہ دونوں جزو ایک ہی وحدت ہیں۔ تعلیم بغیر اخلاقی اقدار کے اسلام میں وجود ہی نہیں رکھتی۔ یہ تقسیم تو ان لوگوں کی پیدا کردہ ہے جو دین اور دنیا میں فرق کرتے ہیں اور مہارت اور اخلاقی اقدار کو دو علیحدہ علیحدہ صفات قرار دیتے ہیں۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس تقسیم میں تعلیم کے پہلے حصے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ بلکہ اسے ہی تعلیم کا اصل مقصد قرار دیا جاتا ہے۔ گویا تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو باعزت طور پر اپنی روزی کمانے کے قابل بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے سامنے آجانے سے اخلاقی اقدار کا پہلو رفتہ رفتہ پس منظر میں چلا گیا ہے۔ نتیجہ اخلاقی اقدار جو سیرت کی تعمیر کے لئے خوراک اور حیاتین کا کام دیتے ہیں۔ محض ثانوی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ والدین ان پر توجہ دیتے ہیں اور نہ مدرسین ہی قابل التفات سمجھتے

بچوّں کی سیرت سازی کیسے ہو؟

(پروفیسر عبدالحی علوی)

جناب غلام رسول صاحب لکھتے ہیں: "میں ایک قصباتی اسکول میں مدرس ہوں۔ بی ایڈ کی تعلیم کے دوران ہمیں بتایا گیا تھا کہ مدرس کا بچوں کی سیرت کے بنانے میں گہرا ہاتھ ہوتا ہے۔ لیکن یہ کسی نے نہیں بتایا کہ سیرت کیسے تشکیل پاتی ہے۔ جب تک واضح طور پر عمل سے واقفیت نہ ہو۔ مدرس کو سیرت ساز قرار دینا سراسر زیادتی ہے۔ مجھے اس اسکول میں پڑھاتے چند سال گزر چکے ہیں۔ ہم مدرسین فارغ اوقات میں اکثر اس موضوع پر تبادلۂ خیالات کرتے رہتے ہیں۔ پھر ہم یہ بھی سوچتے رہتے ہیں کہ اکثر لوگ قومی تعمیر اور انفرادی تربیت و ذمہ داری میں سیرت و کردار کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔ لیکن آج تک میں نے کسی کو سیرت سازی کے بنیادی پہلوؤں کو اُجاگر کرتے نہیں سُنا۔ نیز ہم یہ بھی سوچتے رہتے ہیں کہ ہم مدرسین کس طرح نئی نسل کو سیرت کے زیور سے آراستہ کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے آپ میرے اس سوال کو قابلِ اعتنا نہ سمجھیں، لیکن یقین جانئے مجھ پر یہ ایک واہمہ سا سوار ہے کہ ہم مدرس اس اہم فریضے سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ اس ضمن میں ہمیں موجودہ نفسیات سے رہنمائی ملتی ہے اگر یہ درست ہے تو مہربانی فرما کر تشکیلِ سیرت پر کچھ روشنی ڈالئے تاکہ والدین اور مدرسین اس سے استفادہ کر سکیں۔"

غلام رسول صاحب! بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ اور آپ کے ہم خیال دوست ان خطوط پر سوچ رہے ہیں جو ایک مثالی مدرس کا ضروری فرض ہے۔ یقین جانیے اگر آپ جیسے سوچنے والے معلمین

تقویت پہنچاتا ہے؟ جہاں تک مشاہدہ بتاتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تقویت پہنچانا تو ایک طرف رہا معلّمین کیریکٹر کے استحکام میں رُکاوٹ بنتے ہیں۔ ایک تازہ واقعہ آپ کو سُناتا ہوں۔ لڑکیوں کے ایک نیشنلائزڈ اسکول جو وقتاً فوقتاً چندہ جمع کرنے میں مشہور ہے ایک لڑکی نے اپنے والد کی ناداری کی بنا پر پانچ روپے ادا کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ لیکن اس کا یہ عذر قبول نہ کیا گیا۔ دوسرے دن وہ اپنے والد سے ایک خط لے کر آئی جس میں اس ناجائز چندے پر اعتراض کیا گیا تھا۔ بس پھر کیا تھا اس لڑکی کی شامت آ گئی۔ جو معلّمہ بھی کلاس میں آتی سب سے پہلے اُس لڑکی کو کھڑا کر کے لعنت ملامت کرتی۔ چند روز متواتر اس بے چاری کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا گیا اور اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ اسکول چھوڑ دے۔ اب بتائیے معلّمات نے کیریکٹر نام کی عمارت تباہ کرنے میں کتنا اہم حصّہ لیا ہے کیا وہ لڑکی محرومی اور کہتری کے احساسات میں مبتلا نہ ہو جائے گی؟ اگر وہ اس اسکول میں رہی، تو کیا وہ اپنی معلّمات سے وہ تعلق قائم رکھ سکے گی جو تعلیم و تربیت کے لئے ضروری ہے؟ ایسے ہی بے شمار واقعات تقریباً ہر مدرسے میں پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر ایک سروے کیا جائے تو اس کے نتائج یہی سامنے آئیں گے کہ بیشتر معلّمین نے تدریس کو محض پیشے کے طور پر اپنایا ہوا ہے۔ وہ اُسے محض روزی کمانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سیرت سازی ان کے احاطۂ کار سے باہر ہے۔ اس لئے کیریکٹر کو تقویت پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب ذرا گھر کی خبر لیجئے۔ کیا حقیقت نہیں کہ آج کل والدین اپنے بچوں سے مکمل غفلت برتتے ہوئے ہیں۔ دوسری وجوہ کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تعلیم یافتہ طبقے میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا ہے کہ بچوں کو، خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ کریں، روکنا بالکل نہیں۔ یہی بچوں کی پرورش کا نفسیاتی طریقہ ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ نفسیات تو ہر قسم کے اکتساب میں سزا اور جزا کو تسلیم کرتی ہے پھر اس طرز کی پرورش کو نفسیات سے کیوں منسلک کر دیا جاتا ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ

معاف فرمائیے گا میں آپ کے سوال کی طرف فوراً متوجہ نہیں ہو سکا۔ لیکن آپ خود محسوس کرینگے کہ اس تمہید کے بغیر سوال کا جواب دیا ہی نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ آپ واقف ہیں سیرت یا کریکٹر سے انسانی شخصیت کا ایسا پہلو مراد ہے جس پر معاشرتی پسند یا ناپسند کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مومن اور سیرت لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن اور حدیث کے مطالعہ سے ان تمام اوصاف پر روشنی پڑتی ہے جو سیرت یا کیریکٹر کے ضروری اجزاء ہیں مغربی علما کو یہاں دقت پیش آتی ہے کہ وہ ن اوصاف کو سیرت کا جزو قرار دیں اور کن کو نہ دیں۔ اس کا حل اُنہوں نے یہ سوچا ہے کہ اخلاقی کردار (MORAL CHARACTE کی اصطلاح وضع کریں اور پھر وہ اس میں ایسے عناصر شامل کریں جو کسی خاص معاشرے میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہوں۔ مثلاً دیانت داری، ذمہ داری، وفاداری، اخلاقی جرأت وغیرہ۔ آپ دیکھیں گے کہ ان سب اوصاف کا تعلق کسی نہ کسی طرح معاشرتی زندگی سے ہے۔ انفرادی فلاح سے محض بالواسطہ تعلق ہے۔ اس کے برعکس اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق انفرادی اور معاشرتی دونوں طرح کے اوصاف مل کر سیرت کی تعمیر میں حصہ لیتے ہیں۔

یہ حقیقت شروع ہی سے ذہن نشین کر لینی چاہئیے کہ سیرت کا عمل اکتسابی ہے (لیس للانسان الا ما سعیٰ) یا کم از کم بہت بڑی حد تک تعلّم یا آموزش کا نتیجہ ہے۔ یہ عمل تین طرح کا ہے۔ یعنی بچے کی سیرت بنانے میں تین طرح کے اثرات حصہ لیتے ہیں۔

۱۔ کیریکٹر کا اکتساب سزا اور جزا کے قانون کے ماتحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرزِ عمل کو گھر میں یا باہر پسندیدگی سے دیکھا جاتا ہو، اس کی تکرار کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن جسے پسند نہ کیا جائے، اس کے دُہرانے کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں اگر آپ مجھے ایک نفسیاتی اصطلاح استعمال کرنے کی اجازت دیں۔ تو میں کہوں گا کہ کیریکٹر پختہ کرنے میں تقویت پہنچانا (MINT RE-INFORCE) نہایت ضروری ہے۔ آپ نے پوچھا ہے کہ اس عمل میں معلّم کا کیا فریضہ ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ معلّم کہاں تک پسندیدہ کردار کے لئے مناسب طور پر

خداوندی کو فراموش کر چکے ہیں۔ بچے کے ذہن پر تو اسی کا اثر پڑتا ہے جو کچھ اس کے اپنے مشاہدے میں آتا ہے۔ بچے کو لاکھ سمجھایا جائے کہ دیانت داری بڑی عمدہ صفت ہے۔ لیکن جب وہ دیکھے گا کہ کہنے والے کا عمل اس کے برعکس ہے، تو اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ اگر گھر بھر میں غیر دیانت داری کا چلن عام ہے، تو بچہ اس کی تقلید پر مجبور ہے۔ اور ایسے میں اسے ملامت کرنا سراسر زیادتی ہے مدرسوں کا حال بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں مدرسین بھی چونکہ اسی معاشرے کی پیداوار ہیں۔ اس لئے قول وفعل میں بھی بڑا تضاد ہے۔ بچے کے لئے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ نتیجۃً اس کا تقلید والا پہلو صرف تشنہ ہی نہیں رہتا۔ بلکہ کئی طرح کی الجھنوں کا باعث بن جاتا ہے ہم یہ تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ نئی پود کیرکٹر کا وہ مظاہرہ نہیں کر رہی جس کے ہم متمنی ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں سوچتے کہ نئی نسل غیر شعوری طور پر اسی نمونے کی تقلید پر مجبور ہے جو ہم اس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ گھر والے سیرت سازی کے لئے معلمین کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور معلمین گھریلو ماحول کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی ضروری ہیں۔ اس مشترکہ فرض میں ذمہ داری کا بوجھ ایک دوسرے پر پھینکنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جب تک گھر اور مدرسے میں تعاون پیدا نہ ہوگا اور جب تک دونوں ہی اپنی ذمہ داری محسوس نہ کرنے لگیں گے۔ بچوں میں کیرکٹر کی تعمیر کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

ج۔ سیرت اور نظریۂ حیات کا آپس میں گہرا تعلق ہے، اس لئے بچوں کو اس نظریے سے آگاہ کرنا اور ان میں مناسب رویوں کی تشکیل پیدا کرنے کے مواقع فراہم کرنا والدین اور معلمین کے فرائض میں شامل ہے۔ ظاہر ہے محض اس مخصوص نظریے کی تعلیم کفایت نہیں کرتی، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس نظریے کو بچوں کی زندگی کا جزو بنا دیا جائے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ہماری زندگی بھی اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ زبانی تو ہم اس کی تعلیم دیں اور عملاً اس کا کوئی ثبوت نہ دیں، تو مناسب رویے کی تشکیل کیسے ممکن ہوگی؟ گھر میں بھی جب تک والدین کا اس نظریے پر پختہ یقین، بلکہ ایمان نہ ہو، تو بچوں کو اپنے لئے فیصلہ

کہنے اور ڈبانے (ڈانٹنے) میں بڑا فرق ہے نفسیات کا کوئی مسلک بھی بچوں کی رہنمائی سے منحرف نہیں آخر جب موزوں کردار کو خاطر خواہ تقویت نہ پہنچائی جائے گی۔ اس کا استحکام کیسے ہوگا؟ یہ نہ کہنے کا نتیجہ ہے کہ بچے سارا دن گلیوں، اور سڑکوں پر آوارہ پھرتے رہتے ہیں اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ سیرت کی تشکیل اس طرح سے تو نہیں ہوتی کہ کسی کو صحیح راستہ دکھایا ہی نہ جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بچے کے لئے ایسے حالات پیدا کئے جائیں اور اس کی ایسی رہنمائی کی جائے کہ وہ پسندیدہ قسم کی باتیں سیکھ سکے۔

ب۔ سیرت کی تشکیل میں شعوری اور غیر شعوری قسم کی تقلید ضرور حصّہ لیتی ہے بچہ ابھی مشکل سے چند سال ہی کا ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کی تقلید شروع کر دیتا ہے۔ جنہیں وہ اہم سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے اس وقت اس کے لئے یہ اہم ہستیاں والدین کے سوا اور کوئی نہیں ہوتیں۔ اس کے بعد گھر کے دوسرے افراد کا نمبر آتا ہے بچہ جب ذرا بڑا ہو جاتا ہے اور گھر سے باہر نکلتا ہے، تو وہ اس عمل میں بعض دوسرے افراد بالخصوص معلّمین کو بھی شامل کر لیتا ہے جوں جوں اُس کے تجربات وسیع ہوتے جاتے ہیں، وہ غیر شعوری طور پر ملک کی ان شخصیتوں کی صفات اپنانے کی کوشش کرتا ہے جنہیں وہ قابلِ تقلید سمجھتا ہے۔ ایسے تمام اثرات مل کر اس کے کیریکٹر کے اجزا بنتے ہیں۔

ہمارا یہ بیان سوچ کے ایک نئے انداز کی دعوت دیتا ہے۔ اگر غیر شعوری تقلید کردار کی تشکیل کے لئے اتنی ضروری ہے، تو کیا کبھی والدین، معلّمین اور معاشرے کے دوسرے اہم افراد نے سوچنے کی زحمت کی ہے کہ ان کے خیالات، اعمال اور رویّوں کا نئی نسل پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ ایک طرح سے تو بچے کو تضاد کا سامنا کرنا پڑتا ہے یعنی اُسے بتایا کچھ جاتا ہے اور کیا کچھ اور جاتا ہے۔ اس سے بچے کے ذہن میں کشمکش کی کیفیت جنم لیتی ہے جو کئی طرح کی خرابیوں اور بُرائیوں کا موجب بن جاتی ہے اسی صورتِ حال کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ لیکن ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اس ارشادِ

اور معلّمین کی اپنی اخلاقی حالت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یعنی جس مدرسے کے مدرسین اخلاقی معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ اُن کے شاگردوں کی اخلاقی کیفیت بھی کہیں بہتر ہے۔ اس لئے سیرت کی تعلیم اور تربیت کے لئے ایسے معلّمین کی ضرورت ہے جن کا اسلامی نظریۂ حیات اور ملّی تہذیب پر پورا پورا ایمان ہو۔ ایسے مدرسین یورپین ٹائپ اسکولوں میں بھی ہو سکتے ہیں اور دوسرے عام اسکولوں میں بھی۔

سیرت کے ضمن میں یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا دینیات پڑھنے والے طلبہ دوسروں سے اخلاقی لحاظ سے بہتر ہوتے ہیں۔؟ میرے خیال کے مطابق کوئی ایسا مطالعہ نہیں کیا گیا جس کا ذکر یہاں کیا جائے۔ البتہ کچھ عرصہ ہوا امریکہ میں کیریکٹر اسٹڈی کے نام سے چند ماہرین کی نگرانی میں ایک سائنسی مطالعہ کیا گیا جس کے نتائج ایک اخلاقی صفت یعنی دیانت داری کے متعلق مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ جو طلبہ دینیات کا مضمون پڑھتے ہیں وہ اس مضمون کے نہ پڑھنے والوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ تقریباً آٹھ سال قبل ایک مطالعہ میں نے کیا تھا جس سے یہ معلوم ہوا تھا کہ دینیات پڑھنے والے طلباء متعصب ہوتے ہیں اور فراخدلی نسبتاً کم ہوتی ہے۔)

۲۔ اگر ایک طالب علم ایک موقع پر دیانت داری کا ثبوت دیتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مواقع پر بھی یقیناً دیانت دار ہی رہے گا۔ گویا محض ایک دیانت دارانہ فعل کی بنا پر دیانت داری کے متعلق پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ دیانت داری کا عمر اور جنس سے کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ طلباء میں عمومی رجحان یہ دیکھا گیا ہے کہ زیادہ ذہین بچے دیانتداری کے پیمانے پر زیادہ نمبر حاصل کرتے ہیں یعنی ذہانت اور اخلاق کا گہرا تعلق ہے۔

۵۔ دیانتداری کے پیمانے پر اچھے نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے گھریلو حالات موزوں تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس گھر میں اخلاقی

کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ اگر ہم نئی نسل کو سیرت کے زیور سے آراستہ کرنے کے خواہاں ہیں تو گھر اور مدرسے کے ماحول کو تبدیل کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں یہی نظریہ جلوہ افروز ہو۔ عام لفظوں میں اسی کو کلچر یا تہذیب کہا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے اکثر لوگ تہذیب سے کچھ اور ہی مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تہذیب اپنے مخصوص نظریۂ حیات کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف اسلامیات کا مضمون پڑھا دینے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن وہ یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ رویے کی تشکیل کے لئے ایمان اور پھر عمل کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ اسلامیات کی تعلیم بچوں کو سچا مسلمان بنا رہی ہے اور نہ ہی قابل فخر کیریکٹر اور کردار میں مفید ثابت ہو رہی ہے۔

مضمون کو ختم کرنے سے پہلے چند ایک باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انگریزی طرز کے مدرسوں کے بچوں کو عام مدرسوں کے بچوں پر ہر لحاظ سے فوقیت حاصل ہے یعنی تعلیمی لحاظ سے بھی اور اخلاقی لحاظ سے بھی۔ دراصل یہ محض ایک مفروضہ ہے جو اب یقین کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ حالانکہ اس کی تصدیق کسی سائنسی مشاہدے سے نہیں ہوتی۔ ممکن ہے انگریزی اسکولوں کے طلبہ تعلیمی لحاظ سے برتر ہوں اور وہ بھی صرف اس لئے کہ ایسے مدرسوں کے بچے کھاتے پیتے گھرانوں سے ہوتے ہیں اور منتخب ہوتے ہیں۔ پھر انہیں کئی طرح کی تعلیمی سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔ لیکن جہاں تک اخلاقی پہلو کا تعلق ہے۔ انہیں عام بچوں پر ہرگز کسی قسم کی فوقیت حاصل نہیں۔ چند سال ہوئے میری زیر نگرانی مختلف طرز کے مدرسوں کے بچوں کے اخلاق و کرداری مسائل کا مطالعہ کیا گیا۔ یہ مطالعہ اگرچہ ملک کے ایک خاص حصے تک محدود تھا اور اس کے نتائج کو کلیہ قرار نہیں دیا جا سکتا پھر بھی یہ حقیقت سامنے آئی کہ اعلیٰ معیار" کے اسکولوں کے بچوں میں کرداری نقائص نسبتاً زیادہ تھے۔ ایسے نقائص اس لئے ظاہر نہیں ہوتے کہ انھیں قابلِ التفات سمجھا ہی نہیں جاتا ایک اور بات بھی سامنے آئی کہ کرداری مسائل

بیحیائی کی باتوں کو روکنا

(مولانا مودودیؒ)



تمدن کے لئے جو فعل نقصان دہ ہو اس کو روکنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ اسے بس قانوناً جرم قرار دیا جائے اور اس کے لئے ایک سزا مقرر کر دی جائے بلکہ اس کے ساتھ چار قسم کی تدبیریں اور بھی اختیار کرنی ضروری ہیں!

ایک یہ کہ تعلیم و تربیت کے ذریعے سے افراد کی ذہنیت درست کی جائے اور ان کے نفس کی اس حد تک اصلاح کر دی جائے کہ وہ خود اس فعل سے نفرت کرنے لگیں، اسے گناہ سمجھیں، اور ان کا اخلاقی وجدان انہیں اس کے ارتکاب سے باز رکھے۔

دوسرے یہ کہ جماعتی اخلاق اور رائے عام کو اس گناہ یا جرم کے خلاف اس حد تک تیار کر دیا کر دیا جائے کہ عام لوگ اسے عیب اور لائقِ شرم فعل سمجھنے اور اس کے مرتکب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں تاکہ جن افراد کی تربیت ناقص رہ گئی ہو یا جن کا اخلاقی وجدان کمزور ہو انہیں رائے عام کی طاقت ارتکابِ جرم سے باز رکھے۔

تیسرے یہ کہ نظامِ تمدن میں ایسے تمام اسباب کا انسداد کر دیا جائے جو اس جرم کی تحریک کرنے والے اور اس کی طرف ترغیب دلانے والے ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی ان اسباب کو بھی حتی الامکان دور کیا جائے جو افراد کو اس فعل پر مجبور کرنے والے ہوں۔

چوتھے یہ کہ تمدنی زندگی میں ایسی رکاوٹیں اور مشکلات پیدا کر دی جائیں کہ اگر کوئی شخص اس جرم کا ارتکاب کرنا بھی چاہے تو آسانی سے نہ کر سکے۔

اقدار کا بالعموم چرچا ہو، اس کے بچے ان صفات
کے نسبتاً زیادہ حامل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ
سیرت کی تشکیل کے لئے گھریلو اثرات پر اتنا
زور دیا جاتا ہے۔

آپ کا جواب مکمل کرنے سے پہلے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ چند تجاویز پیش کروں۔ پہلی
تجویز تو یہ ہے کہ مدرسے اور گھر میں بڑا قریبی رابطہ
ہونا چاہئے تاکہ والدین اور معلمین دونوں ہی بچے
کی سیرت سازی کے عمل میں برابر کا حصہ لے سکیں
بلکہ اگر نصاب ساز کمیٹیوں میں بچوں کے والدین
کے نمائندے شامل کر لئے جائیں تو اچھے نتائج
برآمد ہونے کی توقع ہے۔ دوسری تجویز یہ
کہ معلمین کے انتخاب میں بالخصوص اس با
کو مدِنظر رکھا جائے کہ ان کا اخلاقی اقدار ا
نظریات پر پورا پورا ایمان ہو، اور وہ ا
پر عمل پیرا بھی ہوں۔ ایسے معلمین جو اجنبی کلچر
داعی ہوں اور اپنی اقدار کو غیر اہم سمجھتے ہو
بچوں کی سیرت کو نہیں سنوار سکتے۔ تیسری با
ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے متع
کہی جا سکتی ہے کہ انہیں بھی دینی اور اخلاقی اق
کی اشاعت میں پورا پورا حصہ لینا چاہئے۔
شک پروگرام تفریحی ہوں، لیکن تعلیمی زیادہ ہوں۔

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں۔ بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور
بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا
دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں۔ ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کے لیے اللہ نے آتشِ دوزخ
کا وعدہ کیا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی ان کے لیے موزوں ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے
اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔ تم لوگوں کے رنگ ڈھنگ وہی ہیں جو تمہارے پیش روؤں
کے تھے۔ پھر انھوں نے دنیا میں اپنے حصے کے مزے لوٹ لیے اور تم نے بھی اپنے حصے کے مزے اسی طرح
لوٹے جیسے انھوں نے لوٹے تھے اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے، سو ان کا
انجام یہ ہوا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا سب کیا دھرا ضائع ہو گیا اور وہی خسارے میں ہیں۔ (التوبہ، ۶۷-۶۹)

اشرف طریقہ دہی ہے جو وہ بیان فرماتے ہیں تہذیب کی غایت فی الحقیقت یہی ہے کہ افراد کے باطن میں ایسی قوت پیدا ہوجائے جس سے وہ خود بخود سوسائٹی کے قوانین کا احترام کرنے لگیں اور خود ان کا اپنا ضمیر ان کو اخلاقی ضوابط کی خلاف ورزی سے روک دے۔ اسی غرض کے لئے افراد کی تعلیم و تربیت پر سارا زور صرف کیا جاتا ہے۔ مگر کیا فی الواقع تہذیب اپنی اس غایت کو پہنچ چکی ہے کیا حقیقت میں تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ذرائع سے افراد انسانی کو اتنا مہذب بنایا جاچکا ہے کہ ان کے باطن پر کامل اعتقاد کیا جاسکتا ہو۔ اور اجتماعی نظام کی حفاظت کے لئے خارج میں کسی انسدادی اور تعزیری تدبیر کی ضرورت باقی نہ رہی ہو۔ زمانۂ قدیم کا ذکر چھوڑیئے کہ آپکی زبان میں وہ "تاریک دور" تھا۔ بیسویں صدی یہ قرنِ منور آپ کے سامنے موجود ہے۔ اس زمانے میں یورپ اور امریکہ کے مہذب ترین ممالک کو دیکھ لیجئے جن کا ہر باشندہ تعلیم یافتہ ہے جن کو اپنے شہریوں کی اعلیٰ تربیت پر ناز ہے کیا وہاں تعلیم اور اصلاحِ نفس نے جرائم اور قانون شکنی کو روک دیا ہے؟ کیا وہاں چوریاں نہیں ہوتیں؟ ڈاکے نہیں پڑتے؟ قتل نہیں ہوتے؟ جعل و فریب ظلم اور فساد کے واقعات پیش نہیں آتے کیا وہاں پولیس، عدالت، جیل، تمدنی احتساب کسی چیز کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیا وہاں افراد کے اندر اخلاقی ذمہ داری کا اتنا احساس پیدا ہوگیا ہے کہ اب ان کے ساتھ "بچوں کا سا سلوک" نہیں کیا جاتا؟ اگر یہ واقعہ نہیں ہے اگر اس روشن زمانہ میں بھی سوسائٹی کے نظم و آئین کو محض افراد کے اخلاقی وجدان پر نہیں چھوڑا جاسکا ہے۔ اگر اب بھی ہر جگہ "آدمیت کی یہ توہین" ہو رہی ہے کہ جرائم کے سدِباب کے لئے تعزیری اور انسدادی دونوں قسم کی تدبیریں استعمال کی جاتی ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ صرف صنفی تعلقات ہی کے معاملہ میں آپ کو یہ توہین ناگوار ہے۔ ان "بچوں" سے "بڑوں" کا سا سلوک کئے جانے پر آپ کو اصرار اور اتنا اصرار ہے؟ ذرا ٹٹول کر دیکھئے کہیں دل میں کوئی چور تو چھپا ہوا نہیں ہے؟

کہا جاتا ہے کہ جن چیزوں کو تم شہوانی محرکات قرار دے کر تمدن کے دائرے سے خارج کرنا چاہتے ہو وہ سب آرٹ اور ذوقِ جمال کی جان ہیں —

یہ چاروں تدبیریں ایسی ہیں جن کی صحت اور ضرورت پر عقل شہادت دیتی ہے۔ فطرت ان کا مطالبہ کرتی ہے اور بالفعل ساری دنیا کا تعامل بھی یہی ہے کہ سوسائٹی کا قانون جن جن چیزوں کو جُرم قرار دیتا ہے ان سب کو روکنے کے لئے تعزیر کے علاوہ یہ چاروں تدبیریں بھی کم و بیش ضرور استعمال کی جاتی ہیں۔ اب اگر یہ مسلّم ہے کہ صنفی تعلقات کا انتشار تمدن کے لئے مہلک ہے اور سوسائٹی کے خلاف ایک شدید جُرم کی حیثیت رکھتا ہے تو لامحالہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اُسے روکنے کے لئے تعزیر کے ساتھ ساتھ وہ سب اصلاحی و انسدادی تدابیر استعمال کرنی ضروری ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے لئے افراد کی تربیت بھی ہونی چاہیئے۔ رائے عام کو بھی اس کی مخالفت کے لئے تیار کرنا چاہیئے۔ تمدن کے دائرے سے ان تمام چیزوں کو خارج بھی کرنا چاہیئے جو افراد کے شہوانی جذبات کو مشتعل کرتی ہیں۔ نظامِ معاشرت سے ان رکاوٹوں کو دور بھی کرنا چاہیئے جو نکاح کے لئے مشکلات پیدا کرتی ہیں اور مرد اور عورتوں کے تعلقات پر ایسی پابندیاں بھی عائد کرنی چاہئیں کہ اگر وہ دائرۂ ازدواج کے باہر صنفی تعلق قائم کرنے کی طرف مائل ہوں تو ان کی راہ میں بہت سے مضبوط حجابات حائل ہو جائیں۔ زنا کو جرم اور گناہ تسلیم کرنے کے بعد کوئی صاحبِ عقل آدمی ان تدابیر کے خلاف ایک لفظ نہیں کہہ سکتا۔

بعض لوگ ان تمام اخلاقی و اجتماعی اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کی بنیاد پر زنا کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر ان کا اصرار یہ ہے کہ اس کے خلاف تعزیری اور انسدادی تدابیر اختیار کرنے کے بجائے صرف اصلاحی تدبیروں پر اکتفا کرنا چاہئے وہ کہتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے لوگوں میں اتنا باطنی احساس، ان کے ضمیر میں اتنی طاقت اور ان کے اخلاقی وجدان میں اتنا زور پیدا کر دو کہ وہ اس گناہ سے رُک جائیں۔ ورنہ اصلاحِ نفس کے بجائے تعزیر اور انسدادی تدابیر اختیار کرنے کے معنی تو یہ ہوں گے کہ تم آدمیوں کے ساتھ بچوں کا سا سلوک کرتے ہو بلکہ آدمیت کی توہین کرتے ہو۔ ہم بھی ان کے ارشاد کو اس حد تک تسلیم کرتے ہیں کہ اصلاحِ آدمیت کا اعلیٰ اور

اس آرٹ کی ترقی کو جائز نہیں رکھتا۔ شعگی اور گوکتی میں انسانی دماغ نے اپنی قوتِ ایجاد کے کیسے کیسے کمالات کا اظہار کیا ہے مگر کوئی مہذب سوسائٹی ان کمالات کی قدر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی پس یہ اصول بجائے خود مسلم ہے کہ جماعت کی زندگی، اس کا امن، اس کی فلاح وبہبود، ہر فنِ لطیف اور ہر ذوقِ جمال وکمال سے زیادہ قیمتی ہے اور کسی آرٹ پر اسے قربان نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اختلاف جس امر سے ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک چیز کو ہم جماعتی زندگی اور فلاح کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں اور دوسرے ایسا نہیں سمجھتے۔ اگر اس امر میں ان کا نقطۂ نظر بھی وہی ہو جائے جو ہمارا ہے، تو انھیں بھی آرٹ اور ذوقِ جمال پر وہی پابندیاں عائد کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی جن کی ضرورت ہم محسوس کرتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناجائز صنفی تعلقات کو روکنے کے لئے عورتوں اور مردوں کے درمیان حجابات حائل کرنا اور معاشرت میں ان کے آزادانہ اختلاط پر پابندیاں عائد کرنا در اصل ان کے اخلاق اور ان کی سیرت پر حملہ ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ گویا تمام افراد کو بدچلن فرض کر لیا گیا ہے اور یہ کہ ایسی پابندیاں لگانے والوں کو نہ اپنی عورتوں پر اعتماد ہے اور نہ مردوں پر۔ یہ بات بڑی معقول ہے مگر اسی طرزِ استدلال کو ذرا آگے بڑھائیے۔ ہر وہ قفل جو کسی دروازے پر لگایا جاتا ہے گویا اس امر کا اعلان ہے کہ اس کے مالک نے تمام دنیا کو چور فرض کیا ہے۔ ہر پولیس مین کا وجود اس پر شاہد ہے کہ حکومت اپنی تمام رعایا کو بدمعاش سمجھتی ہے۔ ہر لین دین میں جو دستاویز لکھوائی جاتی ہے وہ اس امر کی دلیل ہے کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کو خائن قرار دیا ہے۔ ہر وہ انسدادی تدبیر جو ارتکابِ جرائم کی روک تھام کے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ اس کے عینِ وجود میں یہ مفہوم شامل ہے کہ ان سب لوگوں کو امکانی مجرم فرض کیا گیا ہے جن پر اس تدبیر کا اثر پڑتا ہے۔ اس طرزِ استدلال کے لحاظ سے تو آپ ہر آن چور، بدمعاش، خائن، اور مشتبہ چال چلن کے آدمی قرار دئے جاتے ہیں۔ مگر آپ کی عزتِ نفس کو ذرا سی بھی ٹھیس نہیں لگتی۔

انھیں نکال دینے سے تو انسانی زندگی میں لطافت کا سرچشمہ ہی سوکھ کر رہ جائے گا۔ لہٰذا انھیں تمدن کی حفاظت اور معاشرت کی اصلاح جو کچھ بھی کرنی ہے اس طرح کرو کہ فنونِ لطیفہ اور جمالیت کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ ہم بھی ان حضرات کے ساتھ اس حد تک متفق ہیں کہ آرٹ اور ذوقِ جمال فی الواقع قیمتی چیزیں ہیں جن کی حفاظت بلکہ ترقی ضرور ہونی چاہئے۔ مگر سوسائٹی کی زندگی اور اجتماعی فلاح ان سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے اس کو کسی آرٹ اور کسی ذوق پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ آرٹ اور جمالیت کو اگر پھلنا پھولنا ہے تو اپنے لئے نشو و نما کا راستہ ڈھونڈیں جس میں وہ اجتماعی زندگی اور فلاح کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکیں۔ جو آرٹ اور ذوقِ جمال، جمالِ زندگی کی بجائے ہلاکت اور فلاح کی بجائے فساد کی طرف لے جانے والا ہو اُسے جماعت کے دائرے میں ہرگز پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا جا سکتا۔ یہ کوئی انفرادی یا خانہ زاد نظریہ نہیں ہے بلکہ یہی عقل و فطرت کا مقتضا ہے تمام دنیا اس کو اصولاً تسلیم کرتی ہے اور اسی پر ہر جگہ عمل بھی ہو رہا ہے۔ جن چیزوں کو بھی دنیا میں جماعتی زندگی کے لئے مہلک اور فساد سمجھا جاتا ہے انہیں کہیں آرٹ اور ذوق کی خاطر گوارہ نہیں کیا جاتا۔ مثلاً جو لٹریچر فساد اور قتل و غارت گری پر اُبھارتا ہو اُسے بھی محض اس کی ادبی خوبیوں کی خاطر جائز رکھا جاتا۔ جس ادب میں طاعون یا ہیضہ کی ترغیب دی جائے۔ اسے کہیں برداشت کیا جاتا جو سنیما یا تھیٹر امن شکنی اور بغاوت اُبھارتا ہو۔ اس کو دنیا کی حکومت منظر عام کی اجازت نہیں دیتی۔ جو تصویریں ظلم اور فساد اور شرارت کے جذبات کی مظہر ہوں یا جو اخلاق کے تسلیم کردہ اُصول توڑے گئے ہوا خواہ کتنی ہی کمالِ فن کی حامل ہو کوئی قانون کسی سوسائٹی کا ضمیر ان کو قدر کی نگاہ سے د کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جیب کترنے کا فن اگر لطیف ترین فن ہے۔ اور ہاتھ کی صفائی کا اس سے بہتر کمال شاید ہی کہیں پایا جاتا ہو مگر کوئی کے پھلنے پھولنے کا روادار نہیں ہوتا۔ جعلی اور جعلی دستاویزیں تیار کرنے میں حیرت ذہانت اور مہارت صرف کی جاتی ہے، مگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بدر کی لڑائی

اسلام و کفر کی پہلی لڑائی

ہجری ۲ رمضان [illegible]

یہ لڑائی کیوں ہوئی؟

اس لڑائی کے پیچھے کہانی اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں دین پھیلاتے ہوئے بارہ برس سے زیادہ ہو گئے لیکن بہت کم لوگ مسلمان ہوئے۔ مکے کے زیادہ تر سردار اور دوسرے لوگ آپ کے دشمن ہی رہے۔ آخر میں تو یہ لوگ حضورؐ کی جان لینے پر تل گئے انھوں نے مل جل کر آپ کو مار ڈالنے کی تدبیر سوچی۔ طے کیا کہ فلاں دن صبح سویرے حضورؐ کے مکان میں گھس کر آپ کو قتل کر دیں۔ محمدؐ ہی تو تحریک اسلامی کے اصل آدمی ہیں۔ یہ نہ رہیں گے تو پھر یہ تحریک بھی ختم ہو جائے گی۔ وہی مثل کہ نہ بانس رہے نہ بانسری بجے۔

اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ آدمی کی تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ ٹھیک اس رات جب مکے کے سردار آپ کے گھر کو گھیرے پہرہ دے رہے تھے کہ کہیں آپ نکل نہ

قرآن انسانیت کی ایک ناگزیر ضرورت

قرآن مجید اس ہدایت الٰہی کی آخری شکل ہے جو انسان کو اول روز ہی سے عنایت ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک ایسا ہدایت نامہ ہے جو اپنی حیثیت میں بھی اور اپنی نوعیت میں بھی آپ ہی اپنی مثال ہے جو کائنات کی بنیادی حقیقتوں کا صرف علم ہی نہیں دیتا بلکہ ان پر عقلوں اور دلوں کو مطمئن کرنے والے دلائل بھی دیتا ہے۔ جو انسان کی فکری قوتوں کو بھی خطاب کرتا ہے اور اس کی فطرت کو آواز دیتا ہے جس میں فرمانروائے حقیقی کے احکام بھی ہیں اور ان احکام کے پیچھے کام کرنے والی حکمتیں بھی ہیں۔ جو کسی خاص قوم یا کسی خاص خطۂ ارض کے رہنے والوں کو اپنا مخاطب نہیں بناتا بلکہ انسان کو صرف انسان اور بندۂ خدا ہونے کی حیثیت سے دیکھتا ہے جس کے احکام خالص اصولی اور بین الانسانی نوعیت کے ہیں۔ جس کی ہدایتیں زندگی کے کچھ خاص مسائل ہی تک محدود ہونے کے بجائے انسان کے ظاہری اور باطنی سارے ہی مسائل و معاملات کو محیط ہیں۔ جو آج دنیا کی تنہا محفوظ کتاب ہے۔ جس میں کسی ایک حرف کی کمی بیشی نہ اب تک ہو سکی ہے اور نہ آئندہ ہو سکنے والی ہے جس کی تاریخ کا کوئی ایک صفحہ تاریکی کے دھندلکوں میں گم نہیں، بلکہ اس کی سطر سطر دوپہر کے سورج کی طرح روشن ہے۔ جو صرف ایک نظری مجموعہ ہدایات و احکام نہیں بلکہ انسانیت کو خیر و فلاح کی منزلوں تک پہنچا دینے والا ایک بے نظیر عملی رہنما ہے اور اس کی اس کامیاب عملی رہنمائی پر تاریخ کی ٹھوس اور واضح شہادتیں موجود ہیں۔ پھر یہ ایک ایسی کتاب بھی ہے جس کی رہنمائی قبول کر لینے ہی پر دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات موقوف ہے اس لیے یہ کسی خاص قوم کی ضرورت ہونے کے بجائے پوری انسانیت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

کرتے تھے۔ اس خطرے کے علاوہ تحریکِ اسلامی ہیں زد پیدا ہو جائے گا۔ اگر اس وقت روک تھام نہ کی گئی تو پھر دوسرا خطرہ یہ تھا کہ اب اسے دبانا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے تدبیریں شروع کر دیں۔

روک تھام :۔

○ مکّے کے سرداروں نے پہلا کام یہ کیا کہ مدینے کے سب سے بڑے سردار عبداللہ بن اُبی کو خط لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اس سے لڑو یا اسے نکال دو نہیں تو ہم تم پر دھاوا بول دیں گے۔ ہم تمہارے مردوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔

یہ عبداللہ بن اُبی مدینے کا رئیس اعظم تھا۔ حضورؐ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے وہاں کے لوگ اسے اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر چکے تھے۔ اب جو آپؐ وہاں گئے اور مدینے کے دو بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کے لگ بھگ سارے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اللہ کے رسولؐ کی سرداری اور رہنمائی قبول کر لی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اس کے ارمانوں پر پانی پھر گیا۔ وہ جلا بیٹھا تھا۔ قریش مکہ کا خط پہنچا تو اس نے شرارت شروع کر دی لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کے ایک بہادر بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ تحریک اسلامی کو آگے بڑھانے کے لئے تن، من، دھن سے تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی باپ کی پروا نہ کی۔

○ قریش مکہ نے دوسرا کام یہ کیا کہ مدینے کے لوگوں کو دھمکانا شروع کر دیا۔ دھمکانے کا صرف ایک واقعہ بیان کروں گا ورنہ مضمون لمبا ہو جائے گا۔

مدینے کے ایک سردار حضرت سعد بن معاذ عمرہ کرنے مکہ گئے۔ وہ مکے کے ایک سردار امیہ بن خلف کے گھر اترے۔ کعبے کا طواف کرنے چلے۔ حرم کے دروازے پر

جائیں، اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو اسی رات میں بڑی آسانی سے نکال لے گیا۔

قرآن مجید کی سورۃ انفال آیت نمبر ۳۰ میں ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○

اے محمدؐ! وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تم کو قید کردیں، قتل کردیں یا وطن سے نکال باہر کریں۔ وہ (کافر) اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور وہ سب سے بہتر تدبیریں کرنے والا ہے۔

اللہ نے آپؐ کو اشارہ کیا۔ آپ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلے اور کافروں کے بیچ سے نکلے چلے گئے۔ کافر آپؐ کو دیکھ نہ سکے۔ تاریخ کی کتابیں لکھنے والے لکھتے ہیں کہ اس وقت سرداران مکہ اونگھ گئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع پایا اور نکل گئے لیکن ہم اسے اللہ کا کرم اور معجزہ سمجھتے ہیں۔

صبح کو جب یہ معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت نکل گئے تو مکے کے سارے سردار بوکھلا گئے۔ کھلبلی مچ گئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نکل جانا برا ہوا۔ انعام کا لالچ دے کر اپنے بہادروں کو دوڑا دیا کہ یا تو پکڑ کر لاؤ یا ان کا سر لاؤ۔ مگر ان کی حیرانی اور پریشانی کی انتہا نہ رہی جب سنا کہ حضورؐ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ اتنا ہی نہیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ مدینے کے چند لوگوں کو چھوڑ کر وہاں کے تمام لوگ یہ عہد کرکے مسلمان ہو گئے ہیں کہ "ہم اللہ کے رسولؐ کی خاطر اپنی جان کو، اپنے مال کو، اپنے اہل و عیال کو اور اپنے بڑے بوڑھے بزرگوں کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔"

مدینے میں مسلمانوں کو ٹھکانہ ملنا مکے کے قریشی سرداروں کے لئے بڑا خطرہ تھا۔ مدینہ ہو کر شام کی طرف راستہ تھا۔ اس راستے سے چل کر قریشی سردار دوسرے ملکوں سے تجارت

اب سنئے وہ اصل واقعہ جس کی وجہ سے بدر کی لڑائی ہوئی۔ واقعہ یوں ہے کہ شعبان ۲ ہجری (فروری کی آخری یا مارچ ۶۲۴ء کی شروع تاریخوں میں) قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔ اس کے ساتھ پچاس ہزار اشرفی کا مال تھا اور قافلے میں تیس چالیس آدمی ہی تھے قافلے کا سردار ابوسفیان تھا۔ اسے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں مسلمان آکر لوٹ نہ لیں۔ اس نے ایک سانڈنی سوار کو مکے کی طرف دوڑا دیا کہ جلدی پہنچ کر مدد لائے۔ اس شخص نے مکے پہنچ کر اونٹنی کا کجاوہ الٹ دیا۔ اس کی ناک چیر دی، اس کے کان کاٹ دیئے اور اپنے کرتے کا آگے کا دامن پھاڑ دیا اور لگا واویلا کرنے "یامعشر القریش: اے قریش کے لوگو! اللطیمہ اللطیمہ بچاؤ بچاؤ! اپنے تجارتی قافلے کے اس مال کو بچاؤ جو ابوسفیان لے کر آرہا ہے۔ الغوث! الغوث دوڑو! دوڑو۔ محمد اپنے ساتھیوں کو لے کر آگیا۔ مجھے امید نہیں کہ بروقت تم پہنچ سکو۔ دوڑو دوڑو! جلدی کرو۔"

اس شخص کی اس بوکھلاہٹ پر سب کو یقین ہوگیا کہ قافلہ یا تو لوٹ لیا گیا یا پھر خطرہ سر پر ہے۔ تمام قریشی سردار لڑائی کے لئے تیار ہوگئے۔ دیکھتے دیکھتے ایک ہزار لڑاکو بہادر تلواریں سونتے آگئے۔ ان میں چھ سو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ سو بہادر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر آگئے سوار اور پیادہ ملا کر بارہ تیرہ سو کا لشکر چلا۔ مکے کے تمام سردار ساتھ تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ قافلہ بھی بچالائیں اور مدینے پر حملہ کرکے آئے دن کا قصہ ہی پاک کردیں۔ یہ وجہ ہوئی بدر کی لڑائی کی۔ بدر جدہ کے قریب مدینے کی راہ پر ایک مقام ہے۔ یہیں پر اسلام اور کفر کی پہلی جنگ لڑی گئی۔

حضورؐ کی فکرمندی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری خبریں پہنچ رہی تھیں۔ آپ نے سوچا کہ اگر اس وقت ہم ڈر گئے اور مردوں کی طرح مقابلہ نہ کیا تو پھر تحریک اسلامی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ آپ تو یہ سوچ رہے تھے لیکن مدینے کا یہ حال تھا کہ جو مسلمان مکے سے ہجرت کرکے وہاں پہنچے تھے وہ سب نہتے اور

ابوجہل ملا۔ اس نے ان کو ٹوک کر کہا" اے سعد! تم نے ہمارے ان لوگوں کو جو ہمارے دھرم نکل گئے ہیں، پناہ دے دی۔ تم ان کی حمایت کا دم بھرتے ہو۔ اور اب آئے ہو طواف کرنے کی قسم، اگر تم امیہ بن خلف کے مہمان نہ ہوتے تو ہرگز یہاں سے زندہ نہ جاسکتے۔"

حضرت سعد بن معاذؓ نے پلٹ کر جواب دیا" عمر بن ہشام! (یہ ابوجہل کا نام تھا) اگر مجھے اس چیز (طوافِ کعبہ) سے روکا تو میں تجھے اس چیز سے روک دوں گا جو تیرے لئے اس سے زیادہ سخت اور بھاری ہوگی یعنی پھر مکے کا کوئی قافلہ تجارتی مال لے کر شام کی طرف جا سکے گا۔"

مدینہ پہنچ کر حضرت سعد بن معاذؓ نے سارا حال حضورؐ سے کہہ سنایا۔ آپ نے نہایت سمجھداری سے کام لے کر دو کام کئے۔

● آپ نے مدینے کے آس پاس کی بستیوں میں جاکر وہاں کے سرداروں سے دوستانہ پیدا کر ان سے یہ وعدہ ہوگیا کہ ایک دوسرے کے دشمن سے لڑیں گے یا اگر نہ لڑیں گے تو دشمن کی طرفداری نہیں کریں گے۔

● دوسرا کام یہ کیا کہ مدینے کی وہ شاہراہ (مین روڈ) جو شام کو جاتی ہے اپنی حفاظت میں لے لی۔ اس شاہراہ پر حضورؐ نے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں (دستے) بھیجنا شروع کردیں۔ کبھی کبھی خود بھی تشریف لے جانے لگے۔ منشا یہ تھا کہ سعد بن معاذؓ جو مکے میں ابوجہل سے کہہ آئے ہیں وہی ہوگا۔ حضورؐ جب کوئی دستہ بھیجتے تو کہہ دیتے کہ ابھی لڑنا نہیں ہے بلکہ مکے والوں کو صرف دکھانا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

دوسری طرف مکے والوں نے اپنے دستے مدینے کی طرف بھیجنا شروع کردیئے۔ ان دستوں نے لوٹ مار شروع کردی۔ مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ انھیں بھگا بھگا دیا اور لوٹ کا مال واپس لائے۔

پرجوش مہاجر حضرت مقداد بن عمروؓ نے کھڑے ہو کر کہا "یا رسول اللہ! بدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اس طرف چلئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں جس طرح انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ چلئے۔ آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑیں اور ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑائیں گے جب تک ہم میں ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔"

مہاجرین کی طرف سے حضرت مقدادؓ نے پوری بات کہہ دی لیکن انصار خاموش تھے۔ ان کی رائے معلوم کئے بغیر حضورؐ کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ یہ پہلا موقع تھا۔ انصار نے اسلام قبول کرتے وقت جو اقرار کیا تھا وہ کہاں تک بناہنے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے تیسری بار انصار کی طرف دیکھ کر آپ نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ اب حضرت سعد بن معاذؓ اٹھے اور انھوں نے عرض کیا کہ شاید حضورؐ ہم سے سوال کر رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ انھوں نے کہا:۔

"ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے پیش کرتے ہیں اس کو کھلم کھلا حق کہنے کی گواہی دے چکے ہیں، آپ کی فرماں برداری کا عہد کر چکے ہیں۔ تو اے اللہ کے رسول! جو کچھ آپ نے ارادہ فرما لیا ہے اس کو کر ڈالئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں لے کر سامنے سمندر میں جا پڑیں تو ہم آپ کے ساتھ کود یں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم خوش ہوں گے کہ آپ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا بھڑیں ہم جنگ میں جم کر لڑیں گے۔ ہم جان نچھاور کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ہم سے آپ کو وہ کچھ دکھا دے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ آپ اللہ کے بھروسے پر ہم کو لے کر چلیں۔"

یہ سن کر آپ نے فیصلہ سنا دیا کہ دکھن کی طرف قریش کے لشکر کا مقابلہ کرنا ہے۔ آپ کا یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ جو لوگ اس جلدی میں لڑائی کے لئے اٹھے تھے تین سو سے کچھ ہی زیادہ (۳۱۳ یا ۳۱۷) تھے۔ ان میں صرف دو تین کے پاس گھوڑے تھے اور کل ۷۰ اونٹ

بے سروسامان تھے۔ مدینے کے مسلمان (انصار) ابھی مہاجرین کی سی تربیت نہ پا سکے تھے۔ یہاں حضورؐ کو تشریف لائے ہوئے دو سال بھی نہ ہوتے تھے۔ پھر عبداللہ بن ابی کا منافق گروہ بھی تھا جو ہر موقع پر تھڑدلی دکھاتا اور سچے مسلمانوں کو بہکایا کرتا تھا۔ آس پاس کے یہودی اسلام کے دشمن، جن قبیلوں سے حضورؐ نے دوستی کی تھی وہ سب قریش سے مرعوب اور سہمے ہوئے۔ ایسی حالت میں اگر مکہ کا مسلح لشکر مدینے پر حملہ کر دے تو مٹھی بھر مسلمان کیا کر سکیں گے۔ اور اگر حملہ نہ ہو اور قریش اپنا قافلہ بچا لے جائیں تب بھی مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے گی اور پھر دشمن کا بچہ بچہ دلیر ہو جاتے گا۔ یہ سوچ کر حضورؐ نے دل میں طے کر لیا کہ اس وقت اپنے پاس جو بھی طاقت ہے اسے لے کر نکلیں، تحریکِ اسلامی کو بچانے کے لئے جان پر کھیل جائیں اور بر سرِ میدان فیصلہ ہو جائے کہ جینے کا بل بوتا کس میں ہے اور کس میں نہیں ہے۔

تیاری یہ سوچ کر آپؐ نے انصار اور مہاجرین کو اکٹھا کیا۔ ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ ایک طرف اُتر میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف دکھن سے قریش کا لشکر چلا آ رہا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔[1] بتاؤ تم کدھر چلنا چاہتے ہو؟ جواب میں زیادہ تر لوگوں نے یہی کہا کہ قافلے پر فتح پانا آسان ہے اور اس کے ساتھ مال ہے۔ لیکن حضورؐ کا منشا کچھ اور تھا۔ آپؐ نے اپنا سوال پھر دہرایا تو ایک

---

[1] یہ وعدہ قرآن کی سورۃ انفال کی آیت ۷ میں اس طرح ہے:۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

یاد کرو وہ موقع جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تم کو مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تم کو ملے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات دیا توں سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے چاہے مجرموں کو یہ کتنا ہی برا لگے۔

وادی کے نیچے والے مقام پر ٹھہرا تھا۔

دونوں لشکروں کو دیکھ کر کوئی فوجی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسلمان جیت جائیں گے۔ لیکن اللہ نے فتح کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے فتح دلائی ورنہ واقعی کوئی صورت نہ تھی۔ اللہ نے کس طرح مدد کی؟ ذرا اس کا تذکرہ بھی سنئے۔ نصیحت ملتی ہے کہ اگر مسلمان صحیح اللہ کی مرضی پر چلے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی مدد کرتا ہے۔ اللہ کی یہ مدد قرآن سے ملاحظہ فرمائیں:۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ انفال آیۃ ۹ - ۱۰)

اور یاد کرو وہ موقع جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے پے درپے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تم کو اس لئے بتادی کہ تم کو خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بیشک اللہ زبردست اور دانا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ اطمینان اس وقت دلایا تھا اور یہ خوشخبری اس موقع پر سنائی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال آیا کہ مسلمان کافروں کے مقابلے میں کم بھی ہیں اور نہتے بھی۔ ایک اور چار کا مقابلہ تھا۔ آپؐ نے اللہ کے آگے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ عرض کیا:۔

"اے میرے رب! یہ ہیں قریش جو بڑے گھمنڈ کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کردیں۔ خداوندا! اب آجائے تیری مدد، جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اے خدا! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔"

اِدھر حضورؐ یہ دعا فرما رہے تھے اُدھر دونوں فوجیں جب آمنے سامنے ہوئیں تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ پیارے رسولؐ کے وہ پیارے ساتھی جو مکہ چھوڑ کر حضورؐ کے حکم سے مدینہ

میں صرف ۷۰ اونٹ جن پر تین تین چار چار آدمی باری باری سے سواری کر سکتے تھے ۔ صرف ۲ گھوڑے تھے۔ مسلمانوں
کے پاس نہیں تھیں ۔ اس لئے سچے فدائیوں کے سوا باقی لوگ جن میں منافق تھے سہمے ہوئے تھے۔ سب کو لگ رہا تھا کہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں ۔ وہ ایمان میں ایسے سچے نہ تھے کہ جان بوجھ کر جان و مال کا نقصان کریں ۔ وہ اس مہم کو پاگل پن سمجھ رہے تھے ۔ ان کے مقابلے میں سچے مسلمان یہ سمجھ چکے تھے کہ اب جان کی بازی لگانے کا موقع آگیا ہے ۔ اللہ تو دل کے بھید جاننے والا ہے ۔ اس نے منافقوں کے دل کی بات کھول کر رکھ دی ۔ خوب ہی چٹکی لی ہے ۔ فرمایا :۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (سورۃ انفال ۔ ۴۹)

یاد کرو، جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ لگا ہوا ہے کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو تو ان کے دین نے پاگل کر رکھا ہے حالاں کہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے

اس فیصلے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ یا ۳۱۷ مہاجرین اور انصار کے ساتھ چلے ۱۷ رمضان کو بدر کے مقام پر قریش مکہ سے مقابلہ ہوا ۔ دونوں فوجوں میں بڑا فرق تھا ۔ مکے کے قریش بڑے ساز و سامان سے مسلح ہو کر آئے تھے ۔ انھیں غرور تھا کہ وہ مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے ۔ وہ اپنے ساتھ شرابیں اور طوائفیں بھی لائے تھے ۔ راتوں کو شراب پیتے، ڈینگیں مارتے، طوائفوں کا ناچ گانا دیکھتے اور سنتے ۔

ادھر مسلمانوں کا یہ حال کہ رات کو نمازیں پڑھتے ، اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے اللہ سے مدد کی درخواست کرتے ۔ یہ رات کے نمازی دن میں اپنی تلواریں مانجتے ۔ ان کے پاس سامان کم ، ان کے ہتھیار کم ، ان کے پاس سواریاں کم ۔ مگر یہ ایمان کے پکے تھے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر بدر کے مقام پر قریش مکہ سے پہلے پہنچے تھے آپ نے وادی میں ایک طرف جدھر اونچائی تھی اُدھر پڑاؤ ڈالا ۔ مکے کا لشکر آیا تو وہ

جاتا ہے یا خراب ہو جاتا ہے۔

• جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو ۳۱۳ نہتے مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کا ۱۳۰۰ مسلح اور ساما ن سے لیس لشکر نظر آیا۔ یہ ایک اور چار کا مقابلہ انسان کو ہراساں کر دیتا ہے۔ اللہ نے یہ کیا کہ ذرا دیر کے لئے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی۔ مسلمان وہیں میدان میں کھڑے کھڑے اونگھ گئے تھے۔ اس غنودگی میں اللہ نے کافروں کے لشکر کو تھوڑا کرکے دکھایا۔ اس طرح ایک اور چار کا وہ ڈر جو فطری ہے مسلمانوں کے دل سے جاتا رہا۔

• اللہ تعالیٰ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے پانی برسا دیا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی اکٹھا کر لیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان جو اوپری حصے پر تھے، پانی جو برسا تو بہہ کر نیچے گیا، ان کی طرف ریت جم گئی اور زمین سخت ہو گئی۔ اب مسلمانوں کے پیر ریت میں نہیں دھنستے تھے اور وہ قدم آسانی سے اٹھا سکتے تھے۔ تیسرا فائدہ مسلمانوں کو کافروں کی پریشانی سے ہوا۔ کافروں کو یہ پریشانی ہوئی کہ وہ نیچے تھے۔ بارش کا پانی بہہ کر نیچے گیا تو وہاں کیچڑ ہو گئی۔ کافروں کے پاؤں زمین میں دھنسنے لگے اور انہیں چلنا مشکل ہو گیا۔

• اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں کو لڑنے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ کافروں کی گردنوں اور جوڑوں پر وار کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مدد کو قرآن کے الفاظ میں پڑھئے:۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (انفال ۱۱-۱۳)

آ گئے تھے انہی کے گھروں کے لوگ ہیں، اپنے بھائی بندوں کے سامنے پرا باندھے کھڑے ہیں باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا چچا، کسی کا بھائی اس کی اپنی تلوار کی زد میں آرہا ہے اور اپنے ہاتھوں ا جگر کے ٹکڑوں پر تلواریں چلا نا ہیں۔ خود حضورؐ کے گھر کے لوگ اور آپ کے داماد لشکر کفار میں چاہے وہ قریشی سرداروں کے دباؤ میں آئے ہوں لیکن تھے۔ مہاجرین کے لئے یہ بڑا ہی سخ امتحان تھا مگر یہ لوگ حضور کی تربیت کے فیض سے اسلام پر یکسو ہو چکے تھے حضورؐ کی میں سب سے زیادہ دردا نہی غریبوں کے لئے پایا جاتا ہے۔

انصار کا امتحان بھی کم نہ تھا۔ اب تک تو انھوں نے زبان سے لا اِلٰہ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَ اللہ کہا تھا اور زبان سے ہمدردی اور مدد کا اظہار کیا تھا۔ ان لوگوں سے لڑنے کو کھڑے ہیں جو (قریش کو) سارے عرب کی چودھراہٹ حاصل ہے۔ ان سے لڑنا سارے عرب سے لڑائی مو ہے۔ یہ جسارت وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے اپنے جان و مال اور اہل عیال کا سودا اللہ کر لیا ہو ورنہ دنیا کی سمجھ کے مطابق وہ احمق ہی ہوگا جو آبیل مجھے مار کے مصداق بنے۔

مہاجرین اور انصار کے لئے حضورؐ کی یہ بے چینی دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ جو حضورؐ حفاظت کے لئے چنے گئے تھے اور جو اس وقت حضورؐ کے پیچھے کھڑے آمین کہہ رہے تھے ان نہ رہا گیا۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ ضرور اللہ کی مدد آئے گی۔ آج مسلمانوں کے لئے خوشخبری ا کافروں کے لئے بربادی کا دن ہے۔

اللہ کی طرف سے مدد

• اللہ کی طرف سے ایک مدد وہ تھی کہ اس نے حضورؐ سے وعدہ کر لیا تھا کہ تمہاری مدد کو ایک ہزار فرشتے بھیج ہوں۔ فرشتوں کا کام یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھیں۔ تم ہی جیتو گے۔ آپؐ نے یہ بات مسلمانوں کو بتا دی۔ اس سے مسلمانوں کے دل قوی ہو گئے ساحل میں ہر مہم ا وقت کامیاب ہوتی ہے جب دل پہلے سے مطمئن ہو۔ دل کی بے یقینی کے ساتھ ہر کام ادھورا ر

لیکن اللہ نے ان کی چال کو انہی پر الٹ دیا۔

قریشی سرداروں نے ایک نفسیاتی چال یہ کی کہ خاندانوں کے بڑے بڑے لوگ ایک ایک کرکے میدان میں بھیجے اور ان سے کہہ دیا کہ اپنے خاندان کے نوجوانوں کو مقابلے میں بلانا۔ نوجوان اپنے بڑے کا لحاظ کریں گے، تم قتل کر دینا۔ کافروں کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ مسلمانوں نے ایمان کے مقابلے میں سارے رشتے کاٹ کر پھینک دئے تھے۔ تو:۔

حضرت عمرؓ کے خاندان کا ایک رئیس جو ان کا قریبی رشتے دار تھا میدان میں آکر ڈینگیں مارنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کا مقابلہ ماموں سے ہوا۔ ماموں بھانجے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) میدان میں آئے تو حضرت ابوبکر بڑھے لیکن حضورؐ نے ابوبکرؓ کو روک دیا (حضورؐ کو اللہ بتا چکا تھا کہ عبدالرحمٰن آگے چل کر مسلمان ہو جائیں گے۔) تو عبدالرحمٰن واپس اپنے لشکر میں چلے گئے۔ ایک بہادر سردار حضرت زبیرؓ کے رشتے کا نکلا۔ وہ بڑا قوی ہیکل تھا۔ زبیرؓ نے اس کا سامنا کیا۔ اس نے نیزے کا وار کیا۔ حضرت زبیرؓ بچ گئے اور اس سے پٹ پڑے۔ اس وقت حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ یعنی زبیرؓ کی والدہ محبت کے مارے چیخ اٹھیں "یا رسول اللہ!" حضورؐ نے پھوپھی کو اطمینان دلایا کہ زبیرؓ اس بھینسے کو مار گرائے گا۔ کشتی اونچائی پر ہو رہی تھی۔ دونوں گتھم گتھا ہو کر گر رہے۔ لڑھکتے ہوئے نیچے گرے تو حضرت زبیرؓ اوپر تھے۔ انھوں نے خنجر مار کر اسے ختم کر دیا۔

سب کا حال کہاں تک لکھوں صرف ایک عبرت ناک مقابلہ ملاحظہ ہو:۔

اس طرح جب کافروں کے سردار قتل ہونے لگے تو سپہ سالار عتبہ اپنے بیٹے ولید اور بھائی شیبہ کے ساتھ میدان میں آیا۔ ابھی تک انصار میں سے کوئی میدان میں نہ گیا تھا۔ عتبہ کے مقابلے کو تین بہادر انصار بڑھے تو عتبہ نے پوچھا "تم کون ہو؟" انھوں نے بتایا "ہم انصار ہیں۔" عتبہ نے کہا "تم ہمارے رتبے کے نہیں ہو۔ تم کسان سبزی کھانے والے۔ ہم سے کمتر۔ تم سے مقابلہ کرنا

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ اپنی طرف سے اونگھ کی شکل میں تم پر اطمینان اور بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان پر سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی گندگی (کافروں کا رعب) دور کر دے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جما دے۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ پس (اے مسلمانو!) تم ان کی گردنوں اور جوڑ جوڑ پر بھرپور چوٹ مارو۔ یہ اس لئے کہ ان لوگوں (کافروں) نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے، اللہ اس کے لئے بڑی سخت پکڑ والا ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (سورۃ انفال آیۃ ۴۳)

اور یاد کرو وہ وقت جب اللہ ان (کافروں کی تعداد) کو تمہارے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا اگر کہیں وہ تم کو ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملے میں جھگڑا شروع کر دیتے۔ لیکن اللہ نے ہی اس سے تم کو بچایا۔ بیشک وہ سینوں کے اندر کا حال جانتا ہے۔

• اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتا دیا کہ قریش کے سرداروں میں سے کون کس جگہ مارا جائے گا۔ حضورؐ نے یہ بات مسلمانوں کو بتا دی۔ اب تو کوئی شک نہیں رہ گیا۔

لڑائی شروع

پہلے لڑائی دست بدست شروع ہوئی۔ یعنی ایک پر ایک کا مقابلہ ہوا قریشی سرداروں نے اپنی بہادری کے گھمنڈ میں ایک ایک بہادر سردار کو مقابلے میں بھیجا تاکہ وہ کسی ایک مسلمان کو بلائے۔ کافروں کی چال یہ تھی کہ مسلمانوں میں چند ہی بہادر ہیں، ان کو دست بدست کی لڑائی میں مار لیں پھر یکدم حملہ کر کے سب کو شکست دیدیں

گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو حضورؐ نے اپنی تلوار دکھاتے ہوئے کہا کہ کون اس کا حق ادا کرتا ہے۔ حضرت ابودجانہ انصاری پکارے "یا رسول اللہ! میں"۔ آپؐ نے ان کو تلوار دیدی اور کہا کہ میری تلوار سے کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔

حضرت ابودجانہؓ حضورؐ کی تلوار پاکر فخریہ اکڑ کر چلے تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ چال اللہ کو پسند نہیں ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔ حضرت ابودجانہؓ خوشی میں لڑتے مارتے اس طرف نکل گئے جہاں ابوسفیان کی بیوی ہندہ قریشی سرداروں کو جوش دلا رہی تھی۔ ابودجانہ کی تلوار اس کے سر پر چمکی۔ وہ چیخی۔ حضرت ابودجانہؓ کو حضورؐ کا حکم یاد آگیا۔ انھوں نے ہاتھ روک لیا اور ہندہ بچ گئی۔

اس لڑائی میں حضرت حمزہؓ شترمرغ کا پر اپنے خود میں لگائے ہوئے تھے۔ اس نشان سے وہ دور سے پہچانے جاتے تھے۔ انھوں نے چن چن کر قریشی سرداروں کو تاکا اور مار گرایا۔ دوسرے کافر جو بیچ میں آگئے وہ بھی مارے گئے۔ کافروں نے پوچھا، یہ شترمرغ کے پروں والا کون ہے؟ معلوم ہوا کہ حمزہؓ ہیں۔ بولے، آج سب سے زیادہ اس نے ہم کو نقصان پہنچایا۔

نتیجہ اس لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور قریش اپنے لاؤ لشکر اور بڑے سامان کے باوجود ہار کر بھاگے۔ ان کے ستر بہادر مارے گئے اور ستر ہی پکڑے گئے۔ ان کا چھوڑا ہوا مال مسلمانوں نے پایا۔ اس لڑائی کا نتیجہ جب عرب کے دوسرے قبیلوں نے سنا تو حیران رہ گئے کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے ایک بڑے لشکر کو ہرا دیا۔ سب کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

قیدیوں کے ساتھ سلوک

لڑائی کے بعد فوراً ہی دو باتیں سامنے آئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ (دوسری بات ہم اس کے آگے بیان کریں گے) کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ انھیں قتل

ہماری توہین ہے۔ واپس جاؤ اور ہمارے برابر کے لوگوں کو بھیجو۔"

انصار واپس آئے اور حضورؐ سے بتایا تو آپؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ، چچا زاد بھائی حضر
اور بڑے چچا حضرت ابوعبیدہؓ بن حارث کو اشارہ کیا۔ حضرت حمزہؓ سپہ سالار عتبہ کے مقابلے
گئے۔ علیؓ اور عبیدہؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان دونوں سے نبٹو۔

"ہاں اب مزہ آئے گا" کہہ کر عتبہ نے حضرت حمزہؓ پر وار کیا۔ حضرت حمزہؓ نے وار بچا کر اللہ
حکم کے مطابق اس کی گردن پر وار کیا۔ اس نے گردن بچائی تو تلوار کندھے پر پڑی۔ عتبہ دو
زرہ پہنے ہوئے تھا۔ حضرت حمزہؓ نے زور کر کے داب ماری تو تلوار دوہری زرہ کو کاٹتی ہوئی
تک اتر گئی۔ ادھر وہ زمین پر گرا، ادھر حمزہؓ پکارے "میں ہوں حجاج کو پانی پلانے وا۔
عبدالمطلب کا بیٹا۔"

عتبہ کو مار کر حضرت حمزہؓ نے پلٹ کر دیکھا۔ حضرت علیؓ اپنے مقابل کو قتل کر کے ابوعبیدہؓ ک
کو پہنچ چکے تھے۔ ابوعبیدہؓ اور ان کے مقابل نے ایک دوسرے کو بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ علیؓ
بڑھ کر اس کافر کو قتل کیا اور ابوعبیدہؓ کو لاد کر حضورؐ کے پاس لائے۔ ابوعبیدہؓ کو شہادت کی بڑ
تمنا تھی۔ پوچھا "یا رسول اللہ! کیا میں شہیدوں میں سے ہوں گا"۔ حضورؐ نے فرمایا "بے شک
تم شہید ہو"۔ ابوعبیدہؓ کی روح تھوڑی دیر کے بعد نکل گئی۔

گھمسان کی لڑائی

اس طرح اپنے تین نامور سردار اور دوسرے سرداروں کو کھ
قریش نے دھاوا بول دیا۔ اب ان کا سردار ابوسفیان تھ
حضورؐ نے دیکھا تو مٹھی بھر ریت ہاتھ میں لے کر شاھت الوجوہ کہتے ہوئے لشکر کفا
طرف پھینکی۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو اشارہ کیا۔ مسلمان یکدم کافروں پر ٹوٹ پڑے اور گھم
کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اللہ تعالےٰ حضورؐ کی اس مٹھی بھر ریت کے پھینکنے کی اس طرح داد دیتا
سورۃ انفال آیت ۱۷ میں ہے "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ۔ اور اے نبی تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا

ابوالعاص اس شرط پر چھوڑے گئے کہ وہ مکہ پہنچ کر فدیہ اور اپنی بیوی حضرت زینب بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیں گے۔ ابوالعاص مدینے سے مکہ گئے۔ بیوی سے سارا حال کہا۔ گھر میں اللہ کے نام کے سوا کچھ نہ تھا۔ اچانک حضرت زینب کو یاد آیا کہ شادی کے وقت ماں حضرت خدیجہؓ نے ایک ہار دیا تھا۔ یہی ہار مدینے بھیج دیا گیا۔ جب یہ ہار حضورؐ نے دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت خدیجہؓ نے اسلام کے لئے انھوں نے جو مصیبتیں اٹھائی تھیں سب یاد آگیا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے کہا "یا رسول اللہ! یہ ہار بھی ان کو دے دیجئے" وہ ہار حضرت زینب کو واپس کر دیا گیا۔ ابوالعاص مدینے سے بہت متاثر ہو کر گئے تھے۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت زینب کو مدینے بھیج دیا۔ پھر خود بھی چلے آئے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

مالِ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو ہاری ہوئی فوج چھوڑ بھاگتی ہے۔ اور جیتنے والا لشکر اس پر قبضہ کرتا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ پہلی لڑائی لڑی تھی۔ اللہ کی طرف سے مالِ غنیمت کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں آئی تھی۔ مسلمان سمجھتے تھے کہ جیسے پہلے ہوتا تھا یعنی جیتنے والا سپاہی دشمن سے جو مال چھین لے اسی کا ہے۔ تو جب مکے کا لشکر ہار کر بھاگا تو زیادہ تر مسلمان کافروں سے مال چھیننے اور جمع کرنے میں لگ گئے۔ بہت کم لوگ تھے جنھوں نے کافروں کا پیچھا کیا۔ ابوسفیان ہارے ہوئے لشکر کو لے کر نکل گیا۔ اگر مسلمان یہ غلطی نہ کرتے تو کافروں کی طاقت ہمیشہ کیلئے کچل کر رکھ دی جاتی۔

اس وقت حضرت سعد بن معاذؓ جو حضورؐ کے محافظ دستے میں شامل تھے ان کے چہرے پر بڑی ناگواری تھی۔ حضورؐ نے ان سے کہا "اے سعد! معلوم ہوتا ہے کہ مالِ غنیمت جمع کرنے والوں کی یہ بات تم کو پسند نہیں آئی" انھوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ پہلی لڑائی ہے جس میں اللہ کے فضل سے ہم جیتے اور کافر ہارے۔ اس وقت ان کو قیدی بنا کر ان کی جانیں بچا لینے کے بدلے ان کو اچھی طرح کچل ڈالا جاتا تو اچھا تھا"

کردیا جائے۔ حضرت عمرؓ اس معاملے میں زیادہ سخت تھے۔ انھوں نے کہا کہ ان قیدیوں کو ان کے رشتہ دار مسلمانوں کے سپرد کیا جائے اور مسلمان خود انھیں قتل کریں۔ حضرت ابوبکرؓ کا کہنا تھا کہ سب اپنے بھائی بند ہیں۔ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی بات مان لی۔ جن قیدیوں نے فدیے کی رقم دے دی ان کو چھوڑ دیا گیا۔ جنہوں نے نہیں دی انھیں مسلمانوں کو بانٹ دیا گیا کہ انھیں حفاظت سے رکھیں اور انھیں کوئی تکلیف نہ

مسلمانوں نے اپنے نبیؐ کے حکم کی ایسی تابعداری کی کہ خود بھوکے رہے، قیدیوں کو کھلایا۔ قیدیوں نے یہ بات خود تسلیم کی ہے۔

ایک قانونی دلچسپ بحث

اس لڑائی میں حضورؐ کے گھر کے لوگ بھی قید ہوئے تھے اور آپ کے داماد ابوالعاص بھی۔ حضورؐ کے گھرانے کے سردار حضرت عباسؓ تھے۔ حضورؐ نے ان سے فدیہ مانگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کا شروع سے حامی و مددگار رہا ہوں بلکہ دل سے اسلام بھی قبول کرلیا ہے۔ مجھ سے فدیہ مانگنا غلط ہے۔ آپؐ نے چچا کی یہ دلیل رد کردی۔ فرمایا کہ مسلمان ہونے کے لئے اعلان ضروری ہے۔ اب حضرت عباسؓ نے اپنی غریبی کا رونا رویا تو حضورؐ نے فرمایا کہ آپ جو رقم گھر میں فلاں کے پاس رکھ آئے ہیں وہ تو ہے۔ حضرت عباس نے پوچھا "آپ کو کس نے خبر دی؟" فرمایا "میرے اللہ نے" حضرت عباسؓ کو چپ ہو جانا پڑا۔ انھوں نے اپنا فدیہ دیا اور اپنی طرف سے گھر کے دوسرے قیدیوں کا بھی دیا۔

ابوالعاص خالی ہاتھ تھے۔ ان سے فدیہ مانگا گیا تو وہ اداس ہو گئے۔ بولے "خدا کی قسم میں جھوٹا نہیں ہوں۔ اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں مکے سے بھیج دوں گا" حضورؐ نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ حضورؐ داماد کے ساتھ بھی رعایت نہیں فرماتے سفارش کی کہ واقعی ابوالعاص وعدے کے سچے ہیں۔ وہ ضرور فدیہ بھیج دیں گے۔

(۲) اللہ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک ہزار فرشتے بھیجے۔ ان فرشتوں نے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھا اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا۔ (آیت ۹)

(۳) مسلمانوں پر ذرا دیر کے لئے اونگھ اتار دی اور خواب میں دکھایا کہ کافروں کی تعداد کم ہے اور پانی برسا دیا اور مسلمانوں کی طرف کی زمین سخت اور کافروں کی طرف کیچڑ ہو گئی (آیت ۱۱)

(۴) فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (سورۃ انفال آیۃ ۱۷)

پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا (یہ اشارہ اس طرف ہے کہ جنگِ بدر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر ریت لے کر کافروں کی طرف پھینکی تھی اور اس کے ساتھ مسلمانوں نے حملہ کر دیا تھا) تو یہ اس لئے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گذار دے۔ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

یہ ایمان اور اللہ کے احسان کی باتیں مسلمانوں کے سامنے آئیں تو سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور انھوں نے جو کچھ مال پایا تھا سب لا کر ڈھیر کر دیا۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ مال کی آزمائش سے بچ گئے اور وہ خوش ہو گئے جب انھوں نے سورۃ انفال کی آیت ۲۷ - ۲۸ سنی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

اے ایمان لانے والو جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ بنو اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامانِ آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کیسی اچھی تربیت فرمائی تھی اپنے پیارے ساتھیوں کی اور وہ کیسے پیارے ساتھی تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت پا کر اس پر عمل کرتے تھے۔

یہ ہوا یہ کہ جس مسلمان کے ہاتھ جو مال لگا وہ اس کا مالک بن بیٹھا۔ لیکن وہ لوگ جنھوں نے دشمنوں کا پیچھا کیا تھا انھوں نے اس طرح دعویٰ کیا کہ اس مال میں ہمارا برابر کا حصہ ہے کیوں کہ اگر ہم دشمن کا پیچھا کرکے دور تک نہ بھگا دیتے اور تمہاری طرح مال جمع کرنے لگتے تو ہو سکتا تھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ کر دیتا اور پھر لینے کے دینے پڑ جاتے۔ ایک تیسرا گروہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے تھا۔ اس نے کہا کہ سب سے بڑھ کر خدمت تو ہم نے کی۔ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اپنی جانوں کی دیوار نہ بنا دیتے اور حضورؐ کو کچھ نقصان پہنچ جاتا تو نہ فتح نصیب ہوتی نہ مال ملتا اور نہ اس مال کی تقسیم کا سوال اٹھتا۔

مالِ غنیمت کا اسلامی طریقہ تقسیم

تینوں گروہ اپنی اپنی جگہ اڑے ہوئے تھے اور حضورؐ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بات بڑھنے نہ دی۔ سورۂ انفال نازل فرمائی اور مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بتایا اور کچھ اور ہدایتیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا۔ اے نبی کہہ دو کہ یہ مال انفال ہے قرآن کے لفظوں میں پڑھئے:۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ انفال آیۃ ۱)

(اے نبی! مسلمان) تم سے انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو، یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم سچے مومن ہو۔

قرآن میں انفال کے اللہ اور رسول کے ہونے کی دلیلیں اٹوٹ ہیں

(۱) یہ کہ اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ دو میں سے ایک تم کو مل جائے گا، یا تو قافلے کا مال یا لشکر والوں پر فتح۔ (آیت ۷)

ہاتھی والے

ہاتھیوں والے کون تھے؟ ان کے قصے میں ہمارے لئے کیا نصیحت ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ پورا واقعہ بیان کر دیا جائے تو آپ سے آپ ہمیں جواب مل جائے گا — ہمیں یعنی مسلمانوں کو بھی اور انھیں بھی جو خواہ مخواہ اسلام سے بیر رکھتے اور ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن سے اسلام کا تو کچھ نہیں بگڑتا بلکہ خود وہ اپنا ہی کچھ بگاڑ لیتے ہیں۔ اس واقعے میں مسلمانوں کے لئے تسلی ہے اور اسلام سے بیر رکھنے والوں کے لئے ڈراوا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ لیجئے پہلے اسی کو پڑھ لیجئے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝
وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ
كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ (سورۂ فیل پارہ عم)

کیا نہیں دیکھا تو نے، تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی چال کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا۔

اور اب اس واقعے کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے

کم و بیش ساڑھے چار ہزار برس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم پیغمبر گذرے ہیں۔ ان کا مبارک نام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس جگہ جہاں مکہ شہر آباد ہے کعبہ بنالیا تھا۔ یہ لگ بھگ بیس میٹر لمبی چوڑی اور اتنی ہی اونچی ایک سادہ عمارت ہے جو اللہ کی عبادت کے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا قاعدہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کی تقسیم کا قاعدہ بنا دیا کہ مالِ غنیمت کا پانچواں اللہ کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کے لیے بیت المال (اسلامی خزانہ) میں داخل کیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہو۔ الانفال آیت ۴۱ کے الفاظ یہ ہیں :-

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی (تو یہ خوشی خوشی قبول کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جنگِ بدر میں صرف انہی مسلمانوں کے لئے تربیت کا سامان نہیں ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے ساتھ تھے بلکہ آج بھی سورۃ انفال کی تلاوت کیجئے تو ہماری تربیت کے بہت سے رخ ملیں گے۔ ہم اپنے رہبر کی اطاعت کا جذبہ پائیں گے۔ ہمارے اندر سے مال کی محبت کم ہو گی، آخرت کا خوف پیدا ہو گا اور ہمارے دل میں صحابہ کرام رضؓ کی عظمت کا سکہ بیٹھے گا اور ہم چاہیں گے کہ ہم بھی صحابہ کرام رضؓ کے نقشِ قدم پر چلیں ★

ابرہہ نے یہ سوچا اس نے کیا بھی ایسا ہی۔ اس نے یمن کی راجدھانی صنعاء میں ایک نہایت خوبصورت اور عظیم الشان گرجا بنوایا۔ گرجا اس کی مرضی کے مطابق بن گیا تو اس نے حبش کے عیسائی بادشاہ کو لکھا کہ اب میں کعبے کے حج کے بدلے اس گرجا کا حج کراؤں گا۔ جس طرح ہو گا لوگوں کو اس گرجا کی طرف موڑ دوں گا۔ ابرہہ نے یہ بات کھلم کھلا اپنے دربار میں بھی کہہ دی اس کے بعد چاروں طرف اعلان بھی کرا دیا کہ لوگ اب کعبے کی زیارت کے بدلے اس گرجا کی زیارت کرنے آئیں۔

اس اعلان سے اس کا ایک اور منشا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عرب والے یہ اعلان سن کر برا مانیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برا مان کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں کہ مکہ اور کعبہ پر دھاوا بولنے کا موقع مل جائے۔

اس کی یہ چال آج کل کے ان چالاک لوگوں سے ملتی جلتی ہے جو اپنے سے کمزور دوسروں کو ستانے کے لیے شرارت کرتے رہتے ہیں کبھی ان بے چارے کمزوروں کے پرکھوں کو برا کہہ کر اشتعال دلاتے ہیں۔ کبھی ان کے مقدس مقامات کی بے حرمتی کر کے غضبناک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ [illegible] بے جا ان کی زبان سے نکلے تو بدلے میں اچھی خاصی پٹائی کر دی جائے۔

ابرہہ نے ایسی ہی باتیں کیں لیکن اس کو کوئی ایسا بہانہ نہ مل سکا کہ وہ مکہ والوں پر [illegible] جیسا کہ کہتے ہیں پھر اس نے اپنے ایک بھیدی سے کہا کہ وہ گرجا میں رفع حاجت کرے۔ بھیدی نے جا کر گرجا کو ناپاک کر دیا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ابرہہ نے اسی طرح بہانہ بنایا جس طرح ہمارے یہاں کہیں مندر میں گائے کا سر یا مسجد میں سور کاٹ کر ڈال دیا جاتا ہے اور فرقہ وارانہ فساد کرا دیا جاتا ہے۔

گرجا کے ناپاک ہونے پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ اب میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک کعبے کو ڈھا نہ دوں۔ اس کے بعد ۵۷۰ء میں ساٹھ ہزار فوج اور تیرہ ہاتھی لے کر مکہ پر چڑھ دوڑا۔ راستے میں ذو نفر نامی ایک عرب سردار نے اُسے روکنا چاہا لیکن وہ گرفتار کر لیا گیا پھر آگے چل کر ایک عرب سردار نفیل نے راستہ روکا۔ بھی ہارا اور پکڑا گیا۔ قریب تھا کہ اسے قتل کر دیا جاتا مگر اس نے کہا، اگر مجھے چھوڑ دیا جائے تو میں عرب کے ملک میں راستہ بتانے کی خدمت انجام دے سکتا ہوں۔ اس کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

نفیل اب راستہ بتانے پر مقرر ہوا۔ ابرہہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ طائف پہنچا وہاں کے مشہور قبیلہ ثق

بنائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کی زیارت کا حکم دیا تھا۔ اس لئے اللہ کے بندے اس حکم کو فرض سمجھتے ہیں جب سے کعبہ بنا ہے اس وقت سے اب تک اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ زیارت اور حج کے معنی ایک ہی ہیں جو لوگ کعبے کی زیارت کرکے آتے ہیں انھیں حاجی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کعبے کو جو مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ دنیا میں کسی عمارت اور استھان کو نصیب نہیں ہوئی کعبے کی یہ مقبولیت خدا دشمن لوگوں کو کبھی نہیں بھائی۔ ان کی نظروں میں کعبہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ اور آج بھی کھٹک رہا ہے۔ کعبے کی مقبولیت کو کم کرنے کے لئے طرح طرح کے جتن کئے گئے اور آج بھی کئے جا رہے ہیں۔ مگر وہ جو کسی نے کہا ہے سچ کہا ہے کہ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ کعبے کی مقبولیت دن بدن بڑھ رہی ہے اور خدا دشمن لوگ اس مقبولیت کو دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہے ہیں اپنے جیسے جتن کرتے ہیں لیکن منھ کی کھاتے ہیں۔ منھ کی کھانے کا سب سے بڑا عبرتناک واقعہ وہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورۂ فیل میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور جو اس طرح ہے:۔

مکہ کے دکھن میں یمن ایک چھوٹی سی ریاست ہے بہت پرانی ریاست ہے۔ اس ریاست کے راجہ، نواب اور بادشاہ نہ جانے کتنے ہو چکے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے چالیس پینتالیس سال پہلے بلکہ یوں کہنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت (پیدائش) سے کچھ دن پہلے یمن میں ایک بادشاہ ہوا ہے اس بادشاہ کا نام ابرہہ تھا۔ ابرہہ عیسائی تھا۔ اس نے کعبے کی مقبولیت دیکھی، اس نے دیکھا کہ کعبہ کی بدولت ہزاروں لاکھوں آدمی ہر سال مکے کی طرف آپ سے آپ کھنچے چلے آتے ہیں یہ دیکھ کر اس نے سوچا کیوں نہ میں خود یمن میں کعبے سے زیادہ خوبصورت عمارت بنواؤں اور لوگوں کو اس کی زیارت کے لئے بلاؤں۔ اور جس طرح کعبہ کی بدولت مکہ والوں کو سارے عرب میں جو دھراہٹ اور عزت حاصل ہے۔ خود یمن والوں کو مل جائے۔ اس طرح اپنا عیسائی مذہب بھی خوب پھیلے گا اور یمن کے بیوپار میں بھی چار چاند لگ جائیں گے۔ دوسری جگہوں کا مال یمن میں آنے لگے گا اور یمن کا دوسری جگہوں کو جانے لگے گا۔ یمن والوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اور حکومت کا خزانہ بھی بھرنے لگے گا۔

ابرہہ نے یہ سوچا۔ اس نے کیا بھی ایسا ہی۔ اس نے یمن کی [illegible] ہیں چلے جائیں تاکہ وہ ا[illegible]
الشان گرجا بنوایا۔ مگر جب اس کی مرضی کے مطابق [illegible] لید کعبہ چھوڑ[illegible]ے کا کعبہ اکھڑ کر اللہ تعالیٰ
ج کے بدلے اس گرجا کا حج کراؤں گا۔ جب [illegible] ذرا اپنے گھر کے خادموں کو ابرہہ سے بچا لے خدایا! بندہ اپنے
دربار میں بھی کہہ دی اور [illegible] کی حفاظت فرما اے اللہ! کل عیسائیوں کی صلیب اور ان کی تدبیریں تیری
کی زیارت کر[illegible] آمین! پروردگار! اگر تو ان کو یعنی ہمارے قبلے کو جس کی طرف ہم منہ کر کے عبادت
اس [illegible] چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو چاہے کر۔ اے میرے رب تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں
ہو سکتا [illegible] نہیں رکھتا اے میرے رب! ان سے اپنے حرم کو بچا لے۔ اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی
[illegible] سے ان کو روک!

ذرا ٹھہر کر ان دعاؤں پر غور کیجئے۔ اس کٹھن اور برے وقت عبدالمطلب اور قریشی سرداروں نے [illegible] رکھے ہوئے ۳۶۰ بتوں میں سے کسی کو نہیں پکارا۔ سارے سہارے بیکار معلوم ہوئے۔ انسان کی عجیب خصلت [illegible] ہے۔ ایسے وقت پر صرف اللہ کو پکارتا ہے اور جب برا وقت ٹل جاتا ہے تو پھر دوسرے ہی بتوں پر چڑھاوے چڑھنے لگتے ہیں۔ انسان اللہ کو بھول جاتا ہے۔ اپنے جھوٹے معبودوں کے نام لے لے کر ان کے گن گاتا ہے یہی حال ان قریشی سرداروں کا تھا۔ اب انھیں اللہ کے سوا کوئی معبود نظر نہیں آ رہا تھا لیکن جب اللہ نے یہ بلا ٹال دی تو پھر ہبل کی جے پکاری جانے لگی اور ۳۶۰ بتوں پر نذرانے چڑھنے لگے عجب عبرت کا مقام ہے۔ قرآن نے ایسی ذہنیتوں کا نقشہ خوب خوب پیش کیا ہے۔ نمونے کے طور پر صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

"اور جب بادلوں کی مثل اٹھ کر کوئی موج انھیں ڈھانپ لیتی ہے اس وقت وہ خلوص نیت سے اللہ ہی کو پکارتے ہیں پھر جب اللہ ان کو نجات دیتا ہے تو پھر وہ انہی بتوں کی طرف پھر جاتے ہیں۔"

(سورہ لقمان رکوع ۴)

دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور ان کے ساتھی پہاڑوں میں چلے گئے۔ دوسرے روز ابرہہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے بڑھا لیکن اس کا ہاتھی جس کا نام محمود تھا اور جو آگے آگے چل رہا تھا اچانک بیٹھ گیا۔ اس کو

نومبر ۱۹۸۰ء:

عجائب

— ـــــــ نے جا کر عرض کیا کہ حضور آپ نے ... کی زیارت کا حکم دیا تھا اس لئے اللہ کے بندے اس حکم کو ذرا
... کا معبود لات ہے اور یہ کعبہ نہیں ہے جو آپ ڈھانے ... کی اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں زیارت اور
... بتائیں گے۔ ابرہہ نے یہ بات مان لی۔ بنی ثقیف نے اپنا ایک آدمی ... حاجی کہا جاتا ہے۔
شخص کی قبر پر ... کے لوگ مدتوں تھوکتے رہے۔ اور بنی ثقیف کو ہر سو ... عبادت اور استھان کو نصیب نہیں
نے ابرہہ کو مدد دی تھی۔ اگر دیکھا جائے تو اس کردار کے لوگ آج بھی ہر جگہ مل جائیں گے ... کھٹکتا رہا۔ اور آج بھی ...
قربان کر کے دشمنوں سے ساز باز کر لیتے ہیں۔ ... جا رہے ہیں۔ مگر ... جو کسی
اب مکہ کا جوار آ گیا تھا۔ راستے میں مکے کے سرداروں (قریش) کی چراگاہ تھی۔ یہاں اونٹ ... رہے۔ کعبے کی مقبولیت
چر چگ رہے تھے۔ ابرہہ نے ان پر قبضہ کر لیا۔ اس چراگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب جیسے ... کرتے
بھی دو سو اونٹ تھے۔ مویشیوں پر قبضہ کر کے اس نے مکہ والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے لڑنے ... نے سونا
یا ہوں۔ بلکہ کعبہ ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں بھی نہ لڑوں گا اور ... جان اور مال بچ جائے گا۔"
ابرہہ کا پیغامبر مکے پہنچا۔ اس وقت عبدالمطلب مکے کے سب سے بڑے سردار تھے۔ عبدالمطلب نے راجہ نواب
اب دیا کہ ہم ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ کعبہ اللہ کا گھر ہے۔ اللہ چاہے گا تو اپنے گھر کو بچا لے گا۔
ابرہہ کے پیغامبر نے کہا۔ آپ چل کر ابرہہ سے مل لیجئے۔ عبدالمطلب تیار ہو گئے۔ ابرہہ کے پاس گئے۔ عبدالمطلب ... بہت خوبصورت شخص تھے اور جامہ زیب بھی۔ ہر لباس میں شاندار لگتے تھے۔ ابرہہ نے ان کو دیکھا تو اٹھا
... بڑھا۔ استقبال کیا اور ان کے برابر ... بیٹھ گیا۔ تخت کو خالی چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا "آپ کیا چاہتے ہیں؟"
عبدالمطلب نے کہا "آپ ہمارے اونٹ واپس کر دیں۔" ابرہہ کو یہ مانگ پسند نہ آئی۔ اس نے کہا کہ
... آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا لیکن آپ نے اتنی کم مانگ کی کہ آپ میری نظر سے گر گئے۔ کیا آپ کی نظر
... آپ کے اونٹ کعبے سے بڑھ کر ہو گئے۔ انھوں نے جواب دیا میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔
... بارے میں درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر، تو اس کا مالک اللہ ہے۔ اللہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔
ابرہہ نے یہ جواب سن کر کہا کہ کعبے کا رب اس کو مجھ سے بچا لے گا؟ جواب ملا۔ آپ اور وہ جانیں یہ کہہ کر
... لب ابرہہ کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے۔ اس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

کو واپس آ کر عبدالمطلب نے سب سے کہا کہ اپنے بال بچوں
کی تلوار سے بچ جائیں۔ اس کے بعد مکہ کے سرداروں کو
سے دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! اپنے گھر کو

سوالے

گھر کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے گھ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں بڑی تفصیل سے آیا ہے جو
تدبیر کے مقابلے میں خانہ ۲۴۶ سے شروع ہوتا ہے اور آیت ۲۵۱ پر ختم ہوتا ہے۔
کرتے ہیں اپنے حال:

کسی سے امید نہیں ق والوں کا واقعہ اب سے لگ بھگ تین ہزار سال پرانا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک
کو تباہ کرنے چلے کا ہے۔ یہ دراصل بنی اسرائیل کا قصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبرت دلانے کے
فرمایا ہے۔

کعبے میں اس وقت بنی اسرائیل نام کے مسلمان رہ گئے تھے۔ وہ اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے لیکن
کی بھولی اس طرح جیسے آج کل بہت سے مسلمانوں کا حال ہے کہ اپنے برائے نام ایمان کے ساتھ دوسروں کی
انہیں وہ ساری عادتیں اپنائے ہوئے ہیں جو شرک اور کفر کی سرحد کو چھو لیتی ہیں آج کل کے مسلمانوں کی طرح وہ بھی ا
اور رسول کو زبان سے مانتے تھے لیکن ان کا عمل دوسروں کا سا تھا۔ وہ اللہ کو حاکم کل مانتے اور رسول کو اللہ
حکموں کا چلانے والا جانتے تھے لیکن یہ چاہتے تھے کہ جس طرح دوسری قوموں میں بادشاہ ہوا کرتے ہیں
طرح ان میں بھی کوئی بادشاہ ہو اور وہ رسولؑ کے فیصلوں کے برخلاف اس بادشاہ کے فیصلوں پر عمل کریں
ذہنیت ان پر مسلط ہو چکی تھی خلافت اور بادشاہی کا فرق ان کے ذہنوں سے نکل چکا تھا۔ اس وقت حضرت
سموئیل نبی ان کے سربراہ تھے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کے بڑھاپے سے فائدہ اٹھا کر بنی اسرائیل کے بڑے
نے یہ شوشہ چھوڑا کہ کوئی جوان اور تنومند شخص ان کا سردار بنے جس کی ماتحتی میں وہ دشمنوں سے جنگ لڑیں۔

جو لوگ اسلامی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ خلافت کو بادشاہی میں تبدیل کرنے کا خیال سب سے
دنیا پرست جتھہ دار بڑے لوگوں کو ہی آیا اور بالآخر انھوں نے اسلامی حکومت کو بادشاہی میں تبدیل کر دیا۔ بڑے
کے بڑے لوگوں نے جتھہ بنا کر عام مسلمانوں میں اس کا پروپیگنڈہ کیا۔ عوام نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور پھر انھ

[illegible] جس کعبے کو ڈھانے کے لیے تشریف لائے ہیں وہ مکہ میں ہے بہت تبر مارے گئے۔ انکے [illegible] کے ذبیحے۔ اب ہنود کو چھوڑ دیں ہم اس کے بدلے آپ کو مکے کا راستہ بتاتے ہیں۔ مگر ہاتھی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ ہاں اُسے اُتر دکھن اور پورب چلنے کا اشارہ نہیں جاتا تو کر دیا۔ کچھ دور چل کر یہ آدمی مر گیا۔ کعبے کے رُخ اشارہ کیا جاتا تو فوراً بیٹھ جاتا اور کسی طرح آگے بڑھنے کے لیے کسی طرح طعنہ دیتے رہے کہ تم وہ ہو۔

ابرہہ اور اس کے ساتھی اس کوشش میں تھے کہ اچانک پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہر طرح ٹکرا کر جو اپنے دین وہ اور ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔ ان کی چونچ اور پنجوں میں پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا مٹر کے برابر اور بڑے سے بڑا اخروٹ کے مغز کے برابر تھا۔ پرندوں نے یہ کنکر یے پے در پے برسانا شروع کر دیے۔ کنکر لگنے سے لشکر والوں کی عجب دُرگت بنتی۔ لگتے ہی کھجلی پیدا ہو جاتی۔ اپنے جسم چھلنی ہو جاتی گوشت اور پیپ خون کی طرح بہنے لگتا۔ ادھر ہڈیاں نکل آتیں۔ خود ابرہہ کی یہی درگت بنی اس کا جسم اللہ تعالیٰ نے تباہ ہو کر رہ گیا۔

بدحواس ہو کر سب یمن کی طرف بھاگے نفیل راہ بتانے والے سے کہا کہ راستہ بتا اس نے جواب دیا کہ اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ خدا تمہارا پیچھا کر رہا ہے۔

اس بھگدڑ میں آگے پیچھے سب ہی بھاگے مگر ایک بھی زندہ نہ بچا۔ یہ واقعہ اس جگہ پیش آیا جو مزدلفہ اور منیٰ کے بیچ میں ہے اور اس کی زمین آس پاس سے ذرا نیچی ہے حاجی جب عرفات سے واپس آتے ہیں تو پہلے مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں پھر منیٰ میں اور پھر منیٰ سے مکہ واپس آتے ہیں۔ حکم ہے کہ اس جگہ سے دوڑ کر تیزی سے گذر جانا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عرفات سے واپس ہوئے تھے تو اس جگہ رفتار مبارک تیز کر دی تھی۔ اس جگہ کا نام وادیٔ محسر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وادی محسر میں نہ ٹھہرا جائے۔

یہ اتنا بڑا واقعہ تھا اور ایسا کھلا ہوا تھا کہ دس برس تک مکے کے سرداروں کو خدا کے سوا کسی کی یاد نہیں آئی لیکن پھر وہ خدا کو بھول گئے اور بتوں کی طرف مڑ گئے۔

اس وقت کے شعرائے نے بہت سے قصیدے اس واقعہ سے متعلق کر کے لکھے۔ اس واقعہ کے پچاس دن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ چالیس برس کی عمر میں آپ نبی ہوئے۔ پھر جب سورۃ الفیل نازل ہوئی تو زیادہ سے زیادہ آپ کی عمر پینتالیس سال کی ہوگی اس وقت اس واقعہ کے دیکھنے والے موجود تھے۔

اپنے کام پر لگائے گا۔ اور وہ تمہاری بھیڑ بکریوں کا بھی دسواں حصہ لے گا۔ تو پھر تم اس کے غلام ہو جاؤ گے تو تم اس دن اس بادشاہ کے سبب سے جسے تم نے اپنے لئے چنا ہوگا، فریاد کرو گے لیکن اس دن خدا تم کو جواب نہ دے گا تو بھی لوگوں نے سموئیل کی بات نہ سنی اور کہنے لگے نہیں ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر ہو تاکہ ہم بھی اور قوموں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے۔ اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہماری طرف سے لڑے تو خداوند نے سموئیل کو فرمایا، تو ان کی بات مان لے اور ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کر۔

پھر سموئیل لوگوں سے کہنے لگا — جب تم نے دیکھا کہ بنی عمون کا بادشاہ ناحس تم پر چڑھ آیا تو تم نے مجھ سے کہا کہ ہم پر کوئی بادشاہ سلطنت کرے۔ حالانکہ خداوند تمہارا خدا تمہارا بادشاہ تھا۔ سو اب اس بادشاہ کو دیکھو جسے تم نے چن لیا اور جس کے لئے تم نے درخواست کی تھی دیکھو خداوند نے تم پر بادشاہ مقرر کر دیا۔ اگر تم خداوند سے ڈرتے رہو اور اس کی پرستش کرتے اور اس کی بات مانتے رہو اور خداوند کے حکم سے سرکشی نہ کرو اور تم اور وہ بادشاہ بھی جو تم پر سلطنت کرتا ہے خداوند اپنے خدا کے پیرو بنے رہو، تو خیر۔ لیکن اگر تم خداوند کی بات نہ مانو بلکہ خداوند کے حکم سے سرکشی کرو تو خداوند کا ہاتھ تمہارے خلاف ہوگا جیسے وہ تمہارے باپ دادا کے خلاف ہوتا تھا اور تم جان لو گے اور دیکھ لو گے کہ تم نے خداوند کے حضور اپنے لئے بادشاہ مانگنے سے کتنی بڑی شرارت کی — اب رہا میں تو خدا نہ کرے کہ تمہارے لئے دعا کرنے سے باز رہ کر خداوند کا گنہگار ٹھہروں۔ میں تو وہی راہ جو اچھی اور سیدھی ہے تم کو بتاؤں گا۔

حضرت سموئیل علیہ السلام نے جس شخص کو بادشاہ مقرر کیا اس کا نام بائبل میں ساؤل ہے اور قرآن میں طالوت یہ شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بن یمین کے خاندان سے تھا۔ اس کی عمر ۳۰ سال تھی۔ نہایت خوبصورت اور سجیلا جوان۔ اس کا قد اتنا تھا کہ دوسرے لوگ اس کے کندھوں تک تھے۔ وہ اپنے باپ کا گدھا ڈھونڈنے نکلا تھا۔ اچانک ادھر آ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کو اشارہ کیا کہ یہی شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہی کے لئے چنا ہے۔ حضرت سموئیل نے اسی کو بادشاہ مقرر کر دیا۔

یہ سن کر بنی اسرائیل بولے ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا۔ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ حقدار تھے وہ تو کوئی مالدار آدمی نہیں ہے۔ نبی نے جواب دیا۔ اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو چنا ہے۔ دیکھو یہ نہایت ذہین ہے اور بڑا تندرست و توانا ہے اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے۔

ایک وفد اپنے نبی حضرت سموئیل علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔

دیکھا آپ نے ! نبی سے یہ مکاری کی باتیں کر رہے تھے۔ ایک طرف یہ مانگ کہ بادشاہ مقرر کر دو۔ دوسری طرف یہ بہانہ کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ حضرت سموئیل علیہ السلام ان کے اس نفاق سے اچھی طرح واقف تھے۔ انھوں نے پوچھا۔

کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو۔ وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیے گئے ہیں (آیت ۲۴۶)۔

اس جگہ بائبل کی کتاب سموئیل اول کی تفصیلات پر ایک نظر ڈال لی جائے تو عبرت اور نصیحت کے مزید پہلو سامنے آئیں گے اور ان سے بنی اسرائیل کے ذہن کا کھوٹ پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ لکھا ہے کہ:-

سموئیل زندگی بھر اسرائیلیوں کی عدالت کرتا رہا پھر سب اسرائیلی سردار جمع ہو کر رامہ میں سموئیل کے پاس آئے اور اس سے کہنے لگے کہ دیکھ، تو بوڑھا اور ضعیف ہے اور تیرے بیٹے (یعنی بنی اسرائیل) تیری راہ پر نہیں چلتے۔ اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر دے جو اور قوموں کی طرح ہمارے مقدموں کا فیصلہ کرے۔ یہ بات سموئیل کو بری لگی اور سموئیل نے خداوند سے دعا کی اور خداوند نے سموئیل سے کہا کہ جو کچھ یہ لوگ تجھ سے کہتے ہیں تو اس کو مان۔ کیونکہ انھوں نے تیری نہیں، بلکہ میری توہین کی ہے کہ میں ان کا بادشاہ نہ رہوں۔ اور سموئیل نے ان لوگوں کو، جو اس سے بادشاہ کے طالب تھے، خدا کی سب باتیں کہہ سنائیں اور اس نے کہا کہ جو بادشاہ تم پر سلطنت کرے گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو لے کر اپنے رتھوں کے لئے اور اپنے رسالے میں نوکر رکھے گا اور وہ اس کے رتھوں کے آگے آگے دوڑیں گے اور وہ ان کو ہزار ہزار کے سردار اور پچاس پچاس کے جمعدار بنائے گا اور بعض سے ہل جتوائے گا اور فصل کٹوائے گا۔ اور اپنے لئے جنگ کے ہتھیار اور رتھوں کے ساز بنوائے گا اور تمہاری بیٹیوں کو گندھن اور باورچن اور نان پز روٹی پکانے والی بنائے گا۔ اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں (انگوروں کے باغات) اور زیتون کے باغوں کو جو اچھے اچھے ہوں گے لے کر اپنے خدمتگاروں کو عطا کرے گا اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں کا دسواں حصہ لے کر اپنے خوجوں اور خادموں کو دے گا۔ اور تمہارے نوکروں اور لونڈیوں اور تمہارے شکیل جوانوں اور تمہارے گدھوں کو لے کر

بنی اسرائیل نے باطل ناخواستہ (یعنی ان کا دل تو نہ چاہتا تھا مگر نبی کے حکم سے) طالوت کو اپنا بادشاہ تسلیم تو کر لیا مگر ان میں سے زیادہ تر لوگ طالوت کے حکموں کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ آگے قرآن میں یوں ہے :-

"جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا، آگے دریا پر اللہ کی طرف سے تمہاری جانچ ہونے والی ہے۔ جو اس کا پانی پیے گا۔ وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے۔ ہاں ایک آدھ چلو پی لے تو پی لے (لیکن جب لشکر دریا پر پہنچا تو) کچھ لوگوں کے علاوہ سب نے خوب جھک کر پانی پیا۔

پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انھوں نے (جنھوں نے جھک کر پانی پیا تھا) طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انھوں نے کہا۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کم تعداد کے لوگ اللہ کے حکم سے زیادہ تعداد والوں پر غالب رہے ہیں اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ پھر جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے پر نکلے تو انھوں نے دعا کی " اے ہمارے رب! ہمیں صبر عطا فرما، ہمارے قدم جما دے اور کافروں پر ہمیں فتح نصیب کر۔ (آیت ۲۴۹-۲۵۰)

یہ دعا کرنے والے وہ تھے جنھوں نے اپنے بادشاہ طالوت کے حکم سے دریا کا پانی ایک آدھ چلو ہی پیا تھا۔ ان میں سے ایک نوجوان داؤد نے بڑھ کر جالوت کو قتل کر ڈالا اور پھر انہی کم لوگوں نے ایسے جوش کے ساتھ جنگ کی کہ سب کو مار بھگایا۔

طالوت، داؤد سے بہت خوش ہوا اس نے اپنی بیٹی داؤد کو بیاہ دی۔ یہی نوجوان آگے چل کر بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا اور اللہ نے اسے اپنا نبی بنایا حضرت داؤد علیہ السلام یہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہوئے۔ اور بنی اسرائیل کے بادشاہ۔

اللہ نے داؤد کو سلطنت سے نوازا اور حکمت سے نوازا۔ اور جن جن چیزوں کا چاہا ان کو علم دیا۔ اگر اللہ اس طرح انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعہ ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ وہ اس طرح فساد اور بگاڑ کو ختم کرتا رہتا ہے (آیت ۲۵۱) صندوق والوں کے اس واقعہ کو نگاہ میں رکھا جائے تو آج بھی اللہ کے بندوں کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ ان کا ایک قائد ہو اور وہ اپنے قائد کا حکم مانیں۔ اللہ کے حکموں پر عمل کریں۔

اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے ساتھ ہی ان کے نبی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے زمانے میں وہ صندوق تمہیں مل جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے دل کے اطمینان کا سامان ہے جس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اور جس کو اس وقت فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔ (آیت ۲۴۷ تا ۲۴۸)

یہ صندوق ایک لڑائی کے موقع پر فلسطینی مشرکین نے بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا لیکن یہ صندوق مشرکوں نے جس شہر اور جس بستی میں لے جاکر رکھا وہاں وبائیں اور بیماریاں پھوٹ پڑیں۔ قحط پر قحط پڑنے لگے۔ آخر ڈر کے مارے انھوں نے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیل گاڑی ہانک دی۔ گاڑی ہانکنے والے کے بغیر بیل اسے ادھر سے اُدھر اور جدھر ان کا منہ اُٹھتا پھرتے رہے۔ اسی بات کو قرآن نے یوں کہا ہے کہ اس کو اس وقت فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں۔ فرشتے اس گاڑی کو ہانکتے ہوئے بنی اسرائیل کی طرف لے آئے۔

جس دن سے یہ مبارک صندوق بنی اسرائیل سے چھینا گیا تھا۔ وہ بے حد اُداس رہنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ گئی اور اب ہمارے بُرے دن آگئے۔ لڑائیوں میں وہ برابر ہارتے رہے یہاں تک کہ ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ بزدل ہو کر رہ گئے۔ اس صندوق کا آنا ان کی ہمت بندھانے کے لئے بہت اچھا تھا یہ ایک ایسا ذریعہ تھا جس سے ان کے حوصلے بڑھ سکتے تھے۔

اس صندوق میں وہ تختیاں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں۔ توریت کا وہ اصل نسخہ بھی تھا جسے حضرت موسیٰؑ نے خود لکھوا کر لاوی خاندان کو دیا تھا۔ ایک بوتل میں وہ "من اور سلویٰ" تاکہ آئندہ نسلیں اللہ کے احسان کو یاد رکھیں حضرت موسیٰؑ کا وہ عصا بھی تھا جو اژدہا بن جاتا تھا۔

کتنی بڑی نشانی بنی اسرائیل کو ملی تھی۔ ان کا ایمان مضبوط ہو جانا چاہئے تھا مگر غریب خاندان کے شخص کا بادشاہ ہونا انھیں کھلتا رہا۔ یہ وہی بات ہے جو آج دیکھنے میں آتی ہے ایک غریب کیسا ہی نیک اور ذہین ہو بڑے لوگ اسے ہرگز خاطر میں نہیں لاتے بڑے لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ اس غریب کی ذہانت سے خود فائدہ اُٹھائیں اور اسے اتنا دے دیں کہ وہ پیٹ بھر لے اور ان کا غلام بنا رہے۔

چوراہے کہنے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس جغرافیائی محل وقوع سے اس قوم نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک یہی قوم پورب اور پچھم کے ملکوں کا چوراہہ بنی رہی۔ یمن کے ساحل پر اس نے کئی بندرگاہ بنا رکھے تھے ان بندرگاہوں پر پورب کی طرف سے چین کا ریشم، انڈونیشیا اور مالابار کے گرم مسالے، ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، پچھم کے ملکوں سے پوربی افریقہ کے زنگی غلام، شترمرغ کے پر اور ہاتھی دانت وغیرہ پہنچتے تھے اور پھر انہی بندرگاہوں سے یہ ساری چیزیں اتری ملکوں عرب، مصر اور شام وغیرہ کی منڈیوں میں پہنچتی تھیں جہاں سے روم اور یونان تک یہ مال جاتا تھا۔

قوم سبا نے اپنی اس تجارت پر قابو رکھنے کے لئے بڑا قوی انتظام کر رکھا تھا۔ بحری (سمندری) اور بری (خشکی) دونوں بڑے راستوں پر دور دور تک ان کا قبضہ تھا۔ سمندر میں ان کے بحری بیڑے اور خشکی میں محافظ دستے گھوما کرتے تھے۔ خشکی کے تجارتی اڈوں پر آج بھی ان کی چوکیوں کے نشانات پائے جاتے ہیں۔

اسی ملک سبا کے شاہی خاندان میں وہ لڑکی پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر ملک سبا کی رانی بنی۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام بلقیس بتایا گیا ہے لیکن اسلامی تاریخ کہتی ہے کہ اسے اس نام کی کہیں سند نہیں ملی۔ اسلامی تاریخوں میں وہ ملکۂ سبا کے لقب سے مشہور ہے۔

ملکۂ سبا کو اللہ تعالیٰ نے ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے اچھی صلاحیت کا مالک بنایا تھا۔ وہ فرماں روائی میں بہترین مدبر اور منتظم ثابت ہوئی۔ دوسری طرف جس طرح اس کی قوم دنیا بھر میں اپنی شہرت کا ڈنکا بجا رہی تھی۔ اسی طرح ملکۂ سبا نے اپنی بہادری اور فنون سپہ گری کی دھاک اپنی قوم کے دلوں پر بٹھا دی تھی۔ بڑے بڑے جرنیل اور سپہ سالار اس کی تلوار کا لوہا مانتے تھے اور ذہنی اعتبار سے اس کے حسن انتظام کا اقرار کرتے تھے سب کے دل اس کے آگے جھکے ہوئے تھے اور پوری طرح اس کی اطاعت کرتے تھے۔

ملکۂ سبا نے اپنے لئے ایک ایسا مرصع نگار تخت بنوایا تھا جو اس وقت تک کسی بادشاہ کو نصیب نہیں تھا۔ دارالسلطنت (راجدھانی) شہر مآب تھا جو موجودہ یمن کے دارالحکومت صنعاء سے ۵۵ میل اتر پورب کے کونے میں واقع تھا۔

ملکۂ سبا اور قوم سبا کے انتہائی عروج کا یہ وہی زمانہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے

ملکۂ سبا

"سبا" جنوبی عرب کی ایک بہت بڑی قوم کا نام ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں حضرت عیسٰی مسیح کی پیدائش سے ڈھائی ہزار برس پہلے اس قوم کا نام آتا ہے۔ یہ قوم کھیتی باڑی کا کام کرتی تھی۔ اسی کے ساتھ تجارت بھی۔

یہی دو پیشے قوم سبا کی ترقی کا ذریعہ بنے۔ کھیتی کے لئے انھوں نے سینچائی کے کام کا ایسا طریقہ اپنایا جو اس وقت بابل کے علاوہ دنیا میں کہیں نہ تھا۔ یمن میں بڑے بڑے دریا نہیں تھے، اب بھی نہیں ہیں۔ کھیتوں کو پانی دینے کے لئے انھوں نے یہ انتظام کیا کہ بارش کے دنوں میں پہاڑوں سے جو برساتی نالے بہہ نکلتے تھے ان پر جگہ جگہ بند باندھ کر بڑے بڑے تالاب بنا لئے تھے۔ ان تالابوں سے نہریں نکالیں۔ ان نہروں کو پورے ملک یمن میں پھیلا دیا۔ ان نہروں کی بدولت وہ سرسبزی اور شادابی آئی کہ ہر طرف ایک باغ ہی باغ نظر آتا تھا۔ اس شادابی کا ذکر پرانی کتابوں میں بڑے طمطراق سے آتا ہے۔ یہی ذکر قرآن کریم اپنے مخصوص انداز بیان میں (جو انداز بیان کہیں دیکھنے میں نہیں آتا) اس طرح کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ (سورۂ سبا آیت ۱۵)

"سبا کے لئے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود ہے۔ دو باغ داہنے اور بائیں:"

یعنی سبا کی پوری سرزمین گلزار بنی ہوئی تھی۔ آدمی جہاں بھی کھڑا ہوتا جس رخ کھڑا ہوتا اسے اپنے داہنے بائیں باغ ہی باغ نظر آتے ہیں۔ یمن کی خاص پیداوار لوبان، عود، عنبر، مشک، مُر، قرفہ، قصب الذریرہ، بلیخا اور ایسی ہی دوسری خوشبودار چیزیں تھیں۔ یہ قیمتی چیزیں اس کثرت سے پیدا ہوتی تھیں کہ سبا کے لوگ جی بھر کر استعمال کرتے تھے پھر بھی وہ ختم نہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ وہ مجبور ہوئے کہ ان چیزوں کو باہر سپلائی کریں۔ یہیں سے ان پر تجارت کی بنیاد پڑی۔

تجارت کے لئے اس قوم کو خدا نے بہترین جگہ عطا فرمائی تھی۔ اگر آپ نقشہ پھیلا کر دیکھیں تو یمن کو دنیا کا

برتا۔ آپ نے ملکۂ سبا اور اس کے فوجیوں کے دلوں کو نشانہ بنایا اور ساری حکمت ان لوگوں کو یقین راسخ کرنے پر لگا دی کہ حضرت سلیمانؑ اللہ کے بندے اور اس کے نبی ہیں۔

آپ نے ایک دعوتی خط ملکۂ سبا کو بھیجا۔ یہ دعوتی خط اپنے اصل لفظوں میں آج بھی موجود اور محفوظ ہے۔ نفسیاتی خطوط کے دنیا بھر کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اتنا مختصر اور جامع خط آج تک کسی نے کسی کو نہیں لکھا۔ بات یہ تھی کہ اللہ کا نبی جانتا تھا کہ ملکۂ سبا ایک عظیم ملک کے نظم کی ذمہ دار ہے۔ ایسی معروف رانی کو طویل خط لکھنا لاحاصل ہے۔ اسے اتنا وقت کب مل سکے گا کہ لمبی چوڑی عبارت ملاحظہ فرمائے۔ اُسے تو کم لفظوں میں بھرپور دعوت پہنچنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے ایک پرند "ہدہد" کے ذریعہ نہایت مختصر اور جامع خط ٹھیک اس وقت ملکۂ سبا کے سامنے ڈلوا دیا جب کہ وہ آگ کی پوجا کے لئے جا رہی تھی۔

غیر معمولی طریقے سے اچانک اس نے خط پایا تو اُسے بڑا تعجب ہوا۔ اس نے خط کی عبارت پڑھی۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ملکۂ سبا نہایت ذہین اور سمجھدار عورت تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ادبی زبان و بیان کے انداز سے بخوبی واقف تھی۔ اس نے پڑھا۔ خط کے اختصار اس کی جامعیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس نے بار بار خط پڑھا۔ ہر بار اللہ کا پیغام اُبھر اُبھر کر اس کے سامنے آیا۔ "دریا بکوزہ" کی صحیح ترین مثال دیکھ کر خط اس نے اپنے قبضہ میں کیا۔ اندر وہیں سے پلٹ پڑی۔ ساتھ والے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ سمجھ گئے کہ آج کوئی غیر معمولی بات رانی کے روبرو آئی ہے۔

سبا کی رانی نے دربار کا حکم دیا۔ وہ اپنے بے مثل سنگھاسن پر براجمان ہوئی۔ خط نکالا۔ خود پڑھ کر سنایا لکھا تھا:۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

"وہ سلیمان کی طرف سے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے (مضمون یہ ہے کہ) میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔"

خط سنا کر اس نے کہا: یہ ہے خط جو سلیمانؑ نے ایک پرند کے ذریعہ میرے پاس بھیجا ہے۔

اے سرداران قوم! تم سفارت کے ذریعہ سے واقف ہو۔ وہ وفد کی شکل میں ایلچی بھیج سکتا تھا۔ اس وفد کے ذریعہ وہ ہم پر اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہمیں ایک سادہ سا مختصر خط لکھا ہے۔

فرزندِ ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی بنایا اور نبوت کے ساتھ حکومت بھی عطا فرمائی، ایسی حکومت جسے دیکھ ملکہ سبا بھی دنگ رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں، چرندوں، پرندوں کو بھی ان کا مطیع بنایا تھا اور ہوا کو بھی ان کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا میں اُڑتا ہوا چلتا تھا۔ جن ان کے لیے بڑے بڑے بڑی بڑی دیگیں اور شفاف حوض اور فرش بناتے تھے۔ اللہ کا نبی ان ساری چیزوں کو اللہ کے حکم مطابق رعا کی بہبودی کے لیے استعمال کرتا تھا اور خود اس طرح رہتا اور کھاتا پیتا تھا جیسے وہ ایک معمولی انسان ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہر آن اپنی ذمہ داری کا احساس رہتا تھا۔ شکر، صبر اور نفس کے ملے جلے ہر وقت ان پر طاری رہتے اور آنجناب ہمہ وقت دعوت و تبلیغ میں مشغول اور مصروف رہتے تھے۔ آپ کو ملی کہ ملک سبا جیسے ملک پر ایک عورت حکمراں ہے۔ اللہ کی طرف سے اس کو ہر طرح کا سر و سامان بخشا گیا اس کا تخت بہت بڑا ہے لیکن وہ اپنے پیدا کرنے والے اور یہ نعمتیں عطا کرنے والے کو نہیں پہچانتی۔ خود سور کی پجاری ہے اور اس کی قوم بھی سورج کے آگے سجدہ کرتی ہے۔ شیطان نے اس قوم کے اعمال ان کے خوشنما بنا دیے ہیں وہ اپنے عقیدوں اور کاموں سے مطمئن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شیطان نے اس قوم کے لوگ کو اللہ کی راہ پر جانے سے روک دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ سیدھا راستہ نہیں پاتے۔ اگر ان کی سمجھ میں آجائے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک اور مولا، حاکم اور آقا اللہ ہے تو امید ہے کہ وہ اللہ رب العالمین کو سجدہ کریں گے۔

قرآن کریم میں جس فصاحت و بلاغت کے ساتھ ملکہ سبا کے مسلمان ہونے کا قصہ بیان ہوا اور اس جو نفسیاتی اندازِ دعوت سمو یا ہوا ہے۔ ہم اپنی کم علمی کا احساس کرتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ اس کا حق ادا نہیں کر اسی لئے قرآنِ کریم کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پڑھنے والا کو توفیق بخشے کہ وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جیسے ہی یہ خبر ملی آپ ملکہ سبا کو دعوتِ اسلامی پہنچانے کے لیے بے قرار سوچنے لگے کہ اس تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا کیا طریقہ اختیار کریں۔ آپ اپنے جنوں، چرند و پرند کو لے کر چڑھائی بھی کر سکتے تھے اور اس طرح زبردستی بھی اُسے مطیع و فرماں بردار بنا سکتے تھے لیکن آپ نے یہ طریقہ

صحائی عبادت قبول کرو اور میری

اس کے لفظ "میری" نے مجھے شک میں ڈالا ہے اگر وہ اپنی اطاعت خدا کے حکموں کے مطابق چاہتا ہے تو مجھے اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں اگر وہ سلیمان بادشاہ کے آگے ہمیں جھکانا چاہتا ہے تو پھر میرا فیصلہ کچھ اور ہوگا۔ میں اسے جانچنا چاہتی ہوں کہ آیا وہ نبی ہے یا محض بادشاہ؟

" اچھا تو میں اپنے ایلچی بھیجتی ہوں اور ایک ہدیہ ساتھ کرتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں اور ان کا تاثر سلیمان کے بارے میں کیا ہوتا ہے۔"

ملکہ سبا نے اس کے بعد اپنے منتخب سرداروں کے ساتھ ملک یمن کا بہترین ہدیہ بھیجا۔ ہدیہ اس شان کا تھا کہ اگر کوئی دنیاوی بادشاہ ہوتا تو ضرور قبول کر لیتا لیکن حضرت سلیمانؑ نے تحفے یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ اللہ نے ہمیں اس سے زیادہ دیا ہے۔

ایلچی یہ جواب لے کر آئے۔ انھوں نے ملکہ سبا سے حضرت سلیمان کا فقرہ دہرا دیا اور بتایا کہ زور و طاقت رکھتے ہوئے وہ کیسے متقی اور نیک انسان ہیں۔ بات بات پر ان کا سر اللہ کے آگے جھک جاتا ہے۔

وہ سن کر خوشی کے مارے اچھل پڑی، اس نے کہا: "میرا قیاس ہے کہ وہ نبی ہیں لیکن اس کو نبی ماننے کا معاملہ ہمارے دین اور دھرم سے ٹکراتا ہے۔ اس لئے ہم اچھی طرح جانچ پڑتال کئے بغیر اتنی آسانی سے اپنا مذہب نہیں بدل سکتے۔ اب ہم خود چل کر سلیمان کو دیکھیں گے۔"

ملکہ سبا نے اپنا لشکر ترتیب دیا۔ سامان جو اہم ہو سکتا تھا، ساتھ لیا اور حضرت سلیمان سے ملنے چلی۔

اللہ اپنے نبیوں کو جہاں علم سے نوازتا ہے وہیں حکمت بھی عطا فرماتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے اس وقت ایک اور نفسیاتی حکمت سے کام لیا ملکہ سبا ابھی دربار میں آئی نہیں تھی کہ اس کا تخت معجزانہ طریقے سے پلک جھپکتے اپنے یہاں اٹھوا لیا اور اس میں معمولی سی تبدیلی کرا دی۔ اس کے بعد وہ اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگے کہ یہ ساری طاقت اسی کی دی ہوئی ہے ورنہ میں اس کا ایک بندہ ہی تو ہوں۔ یہ طاقت دے کر اللہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کا احسان مند ہوتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں سچی بات یہ ہے کہ جو کوئی شکر کار ویہ اپناتا ہے اپنے ہی لئے اچھائی کرتا ہے ورنہ کوئی ناشکری کرے تو

اور ہمیں دعوت دی ہے کہ ہم اس پر غور کریں۔

اے سرداران قوم! یہ خط فلسطین و شام کے عظیم اور قوی فرماں روا کی طرف سے ہمارے نام ہے۔ یہ اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے ایک طرف سلیمان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی۔ دوسری طرف ہمیں یمن جیسی جنتِ ارضی مرحمت فرمائی۔ آج دنیا میں ہر جگہ یہ طریقہ اپنایا گیا ہے کہ دیوتاؤں کے نام سے خط وکتابت شروع کرتے ہیں۔ سلیمان نے ہمیں دعوت دی ہے۔ کہ ہم سب سارے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر اس ایک رحمٰن و رحیم کے بندے بن جائیں جس نے ان دیوی دیوتاؤں کو بھی بنایا ہے۔ پھر سلیمان کا یہ لکھنا اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیتا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کی سرکشی چھوڑ کر اللہ کے مسلم کی حیثیت سے اس کے حضور حاضر ہو جائیں۔

اے سردارانِ قوم! تم گواہ ہو کہ آج تک میں دنیا کے کسی جابر حکمراں سے نہیں ڈری۔ تم نے جس زبردست بادشاہ کے لشکر سے ٹکر لی۔ میں نے تمہارے درمیان رہ کر تلوار چلائی۔ اور تم نے میرا قدم پیچھے ہٹتے نہیں دیکھا۔ اگر سلیمان بادشاہ بن کر ہمیں اپنی قوت سے ڈراتا ہے تو ہم نہیں ڈرتے لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ اب تم اس معاملے میں مجھے مشورہ دو۔ تم جانتے ہو کہ میں تم سے مشورہ کر کے ہی فیصلہ کرتی ہوں"

ملکۂ سبا یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ تمام سرداروں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔

"ہمیں آپ کی سوجھ بوجھ پر پورا بھروسہ ہے۔ آپ جو فیصلہ فرمائیں گی، ہمیں منظور ہوگا۔ اگر آپ سلیمان سے لڑنا چاہیں تو ہم بھی کم نہیں ہیں۔ لڑنا ہم بھی جانتے ہیں۔ ہم کسی سے مرعوب نہیں۔ طاقت ہمارے پاس بھی ہے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ خود دیکھ لیں گی کہ آپ کے فیصلہ پر ہم کس طرح عمل کرتے ہیں۔

ملکۂ سبا نے سرداروں کو بہر صورت جانبازی اور فرماں برداری پر آمادہ پایا تو بولی:۔

"بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ یہ دست اندازی اور چڑھائی اصلاح اور خیر خواہی کے لئے نہیں ہوتی۔ لیکن سلیمان اپنا لشکر لے کر اچانک ہم پر ٹوٹ پڑنا نہیں چاہتا۔ وہ عام بادشاہوں کی طرح ہمارا رزق اور ہماری ترقی کے ذریعوں کو چھیننا نہیں چاہتا وہ ہمیں غلام بھی نہیں بنانا چاہتا۔ وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ اپنا ملک ہمیں دے دو۔ وہ تو بس یہ کہتا ہے کہ

بحیرۂ مُردار

اگر آپ مختلف نقشوں میں دیکھیں تو بحیرۂ مردار کے نام یہ نظر آئیں گے۔ انگریزی میں ڈیڈ سی ——— (DEAD SEA) عربی میں بحرِ لوط، ہندی میں مرتیو ساگر۔ بحیرۂ مردار فارسی ہے۔ یہ بحیرۂ مردار یا مرتیو ساگر اُردن کے مشہور شہر الکروک کے اُتر میں لمبا لمبا پھیلا ہوا ہے یہ ساگر بڑا نہیں ہے لیکن اس میں کچھ ایسی خاص باتیں پائی جاتی ہیں کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔ جغرافیہ کا ہر طالب علم بڑے تعجب اور بے حد دلچسپی کے اس سبق کو یاد کرتا ہے۔

بحیرۂ مردار کا پانی زہریلا ہے۔ اس کا رنگ کالا ہے۔ اس کے اندر کوئی جاندار پایا نہیں جاتا۔ نہ اس میں مچھلیاں ہیں نہ مگرمچھ اور نہ دوسرے جانور۔ اسی لئے اسے بحیرۂ مردار یا مرتیو ساگر کہتے ہیں جغرافیہ سے دلچسپی رکھنے والے اور سائنسداں کہتے ہیں کہ اس کے آس پاس کسی زمانے میں پٹرول اور اسفالٹ اور زہریلی گیسوں کے گڈھے تھے۔ اور کہیں کہیں آتش گیر مادے بھی۔

جغرافیہ کے ماہرین کہتے ہیں کہ پانچ ہزار برس پہلے بحیرۂ مردار دنیا میں موجود نہیں تھا۔ پھر اچانک کس طرح وجود میں آیا؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ پھر وہاں ایک زبردست ... زلزلہ آیا۔ اس زلزلے کے جھٹکوں سے پٹرول، اسفالٹ اور آتش گیر مادہ بھڑک اُٹھا اور ان سب کے زور سے یہ علاقہ بھک سے اُڑ گیا۔ اور یہ ساری چیزیں اوپر آکر پھیل گئیں۔

زمین کے پھٹنے سے پٹرول وغیرہ کے ساتھ پانی بھی اُبل پڑا اور پھیل گیا۔ پٹرول اور دوسری گیسوں سے ملا جلا پانی کا یہ مجموعہ ہی اب مرتیو ساگر یا بحیرۂ مردار یا ڈیڈ سی کہلاتا ہے۔ یہ بحیرہ زیادہ گہرا نہیں بلکہ اُتھلا ہے لیکن اس کے زہر اور نقصان پہنچانے والے پانی کی وجہ سے کوئی اس میں گھس نہیں سکتا۔ اتنا ہی نہیں زہریلی چیزوں کے اُبل پڑنے سے بحیرۂ مردار کے آس پاس کا علاقہ بھی برباد ہو گیا۔ مرتیو ساگر کے آس پاس کا سین اتنا بھیانک ہے کہ کوئی اس کے قریب سے ہو کر نہیں نکلتا۔ وہاں ایک قسم کی مکھی پائی جاتی ہے جو اتنی زہریلی ہے کہ اگر کسی کے کاٹ لے تو

میرا رب بے نیاز ہے اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔"

خدا کی حمد وثنا کے الفاظ سے حضرت سلیمان کا دربار گونج رہا تھا کہ ملکۂ سبا پہنچ گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ انجان طریقے سے اس کا تخت اس کے سامنے رکھ دو۔ دیکھیں وہ صحیح بات تک پہنچتی ہے یا نہیں یا ایسا تو نہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔

تخت اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس سے کہا گیا "کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟"

اس نے دیکھا اور بولی "یہ تو جیسے وہی ہے"۔ اور یہ کہتے ہوئے وہ سمجھ گئی۔ اس نے کہا:۔

"ہم اس معجزے سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اور دل میں اطاعت قبول کرلی تھی۔"

"اچھا تو پھر تشریف لائیں" حضرت سلیمانؑ اُسے لیکر اپنے محل کی طرف چلے۔ ملکۂ سبا نے صاف شفاف محل کو دیکھا تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ آگے فرش کو دیکھا تو سمجھی پانی بھرا ہے اس نے اپنے پائنچے چڑھا لئے۔ حضرت سلیمانؑ نے بتایا کہ یہ شیشے کا چکنا فرش ہے پانی نہیں۔ یہ آخری چیز تھی جس نے ملکہ کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ سمجھ گئی کہ اس شخص کی پشت پر ضرور ایک غیبی طاقت ہے اور وہ طاقت ہے اللہ کی۔

وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انکساری، حمد باری، شکر و احسان کے الفاظ، نرم گفتاری اور وہ ساری باتیں محسوس کرتی جا رہی تھی جو وہ دیکھنے آئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص جنوں اور چرند پرند پر حکمراں ہے اس کے محل ایسے اور ایسے ہیں۔ پھر بھی کیسا سادہ مزاج، کتنا سادہ لباس اور کس درجہ متواضع ہے۔ وہ پکار اُٹھی۔

اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ وَاَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَیۡمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ "آج تک میں اپنے اوپر بڑا ظلم کرتی رہی اور اب میں نے سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ ربّ العالمین کی اطاعت قبول کرلی۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے مسلمان ہونے سے بہت خوش ہوئے، بڑے اعزاز کے ساتھ اُسے رخصت کیا۔ ملکۂ سبا نے مسلمان ہونے کے بعد اپنے ملک میں اسلام کی دعوت دینا شروع کی۔

اللہ کے فضل سے ملک کی اکثریت نے اللہ کی اطاعت قبول کرلی۔

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ ۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

ہور عالم نے بڑے محتاط لفظوں میں کیا ہے ہم نیچے ترجمے کے وہی الفاظ لکھتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں۔

"کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لئے جو کچھ پیدا کیا ہے اُسے چھوڑ دیتے ہو بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گذر گئے ہو۔

(سورۃ الشعراء ۱۶۵، ۱۶۶)

اس ترجمہ میں لفظ " بلکہ" اپنے اندر بڑے معنی رکھتا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ قوم لوط یہی نہیں کہ اس کے اندر یہی ایک بُرائی تھی بلکہ وہ لوگ اور بھی بُرے کام کر رہے تھے۔ وہ رہزنی، ڈکیتی بھی کرتے تھے۔ اتنے بے غیرت ہو گئے تھے کہ مجلسوں میں بیٹھ کر کھلم کھلا بدکاری کرتے تھے اور اسی طرح کی دوسری بد خلقی کی باتیں ان میں پائی جاتی تھیں۔

اس بڑی فحش برائی اور ان ساری بُری باتوں پر حضرت لوطؑ ان کو ٹوکتے اور اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتے تھے مگر پانی کچھ ایسا حد سے اونچا ہو گیا تھا کہ وہ قوم اپنی برائیوں پر فخر کرتی تھی۔ اور جو لوگ حضرت لوطؑ کے پیرو ہو گئے تھے اور نیک بن گئے ان کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ آخر میں انھوں نے جو کچھ طے کیا ذرا ان کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

لوطؑ اور اس کے خاندان والوں اور ساتھیوں کو اپنی بستیوں سے نکال باہر کرو۔ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ ان "صالحین" کو یہاں سے چلتا کرو۔

جی ہاں! اس طرح طنز کیا۔ یہ ان کی ڈھٹائی کی آخری حد تھی۔ ان کی ڈھٹائی اور حضرت لوطؑ کے تبلیغی مشن کے واقعات میں اور بہت کچھ ہے ہم اسے چھوڑتے ہیں قصہ مختصر یہ کہ اس بدنصیب قوم نے اللہ کے نبی اور ایمان لانے والوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ ہماری بستی سے نکل جاؤ۔

حضرت لوطؑ کے پاس اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے بھیجے۔ ان فرشتوں نے اللہ کا حکم سنایا۔ اب تم اس شہر سے ہجرت کر جاؤ۔ ہم اس قوم کو تباہ کریں گے۔ یہ دونوں فرشتے دو حسین لڑکوں کی شکل میں اللہ کے نبی کے پاس آئے تھے۔ اس بدکردار قوم کو خبر ہو گئی لوگ دوڑے کہ ان لڑکوں کو اغوا کریں۔ انھیں کیا خبر کہ یہی انھیں دنیا سے ٹلنے کیلئے آئے تھے۔

جلن کے مارے جسم میں آگ بھری محسوس ہو۔ بحیرۂ مردار کے آس پاس دور دور تک نہ آبادی ہے اور نہ کسی قسم کی کاشت ہو سکتی ہے۔ الکرک کے کسی اونچے مقام پر کھڑے ہو کر دیکھئے تو بحیرۂ مردار کے دکھنی حصے میں کالے کالے جنگل سے نظر آئیں گے اور ایسے درختوں کا مجموعہ معلوم ہوتے ہیں جیسے وہ صحارا کے مردم خور درخت ہوں اور وہ بھی پانی کے اندر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ پانی کے اندر عمارتوں کے کھنڈرات بھی ہیں۔ جغرافیہ کے طالب علم ریسرچ کے شوق میں اس بحیرہ کے آس پاس گھوما کرتے ہیں اور اپنی اپنی جانچ پڑتال کے مطابق اپنے اسباق تیار کرتے ہیں۔

یہ تو ہوئی جغرافیہ سے متعلق بات۔ اب یہ سنئے کہ اسی بحیرہ کو بحر لوط کیوں کہا جاتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جس زلزلے کے بارے میں سائنسداں یہ سب کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ زلزلہ اللہ کے ایک مشہور نبی حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے میں آیا تھا۔ اور وہ زلزلہ نہیں اللہ کا عذاب تھا۔ یہ عذاب کس طرح نازل ہوا؟ یہ بڑا عبرتناک واقعہ ہے اور خدا کے پیغمبروں کو جھٹلانے کا نتیجہ۔

واقعہ یوں ہے کہ اللہ کے ایک بہت بڑے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے تین بڑے بڑے مرکز بنائے تھے۔ ان میں سے ایک مرکز اس جگہ تھا جہاں اب بحیرۂ مردار ہے۔ آنحضرتؑ نے اس مرکز پر اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو متعین کیا تھا حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ نے اپنا نبی بنایا تھا۔ یہ شرف حضرت ابراہیم کو معلوم تھا۔

حضرت لوطؑ کے زمانے میں بحیرۂ لوط کے مقام پر (جو اس وقت ایک سرسبز علاقہ تھا) جو لوگ رہتے تھے ان کو اللہ نے بڑی خوشحالی عطا فرمائی تھی وہ ایسے خوشحال تھے کہ انھوں نے رنگ رلیوں کے لئے طرح طرح کے طریقے ایجاد کر لئے تھے۔ ان نئے طریقوں سے ان کا جی بہت جلد بھر جاتا۔ وہ پھر کوئی طریقہ نکال لیتے۔ آخر شیطان نے انھیں ایسے خبیث روگ میں پھنسا دیا جو اس علاقے پر اللہ کا عذاب لانے کا سبب بنا۔

حضرت لوط علیہ السلام اس قوم پر نبی بنائے گئے تھے اس لئے یہ قوم، قومِ لوط کے نام سے مشہور ہوئی حضرت لوط کے زمانے میں یہ قوم ایک ایسی گندی عادت میں مبتلا تھی کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم کن لفظوں میں بتائیں کہ وہ کیا فحش عادت تھی۔ قرآن کریم میں قوم لوط کی اس برائی کے بارے میں جو الفاظ آئے ہیں ان کا ترجمہ ایک

قیصر و کسریٰ کی جنگ

قیصر روم کے بادشاہ کو کہا جاتا تھا اور کسریٰ ایران کے بادشاہ کو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قیصر و کسریٰ کی سخت جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ہار جیت کی پیشین گوئی قرآن کریم نے کی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ قرآن کے لفظوں میں اسے پڑھ لیں اور اس کا ترجمہ بھی۔ پیشین گوئی ایک طرف قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ دوسری طرف حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کی کھلی شہادتوں میں سے ایک شہادت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ روم آیت ا تا ٦)

ا۔ل۔م۔ رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر ہی غالب ہو جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

اس پیشین گوئی کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس تاریخی واقعے پر ایک نظر ڈال لی جائے جس کی طرف ان آیتوں میں کھلا اشارہ پایا جاتا ہے۔

حضرت لوطؑ جانتے تھے وہ سمجھ گئے کہ قوم تباہی کے گڑھے پر ہے۔ آنجناب نے پھر ایک کوشش کی اور اپنی زبان کی پوری قوت صرف کر دی مگر قوم ان حسین لڑکوں کو دیکھ کر دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے ایک نہ سنی آخر فرشتہ نے اللہ کا آخری حکم سنایا۔ حضرت لوطؑ سے کہا: "اب آپ یہاں سے ہجرت کر جائیے۔ اپنے لوگوں کو ساتھ لیجئے۔ خدا کے حکم میں تاخیر نہ ہو گی۔

اللہ نے نبیوں کے دلوں کو بہت نرم بنایا تھا۔ حضرت لوطؑ افسوس کرتے ہوئے اپنی بستی سے نکل گئے۔ یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ان کی بیوی نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ان کے ساتھ تھوڑے مومنین تھے۔ یہ صبح کا وقت تھا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ حضرت لوطؑ اور ان کے ساتھیوں کے جانے کے بعد ایک زبردست دھماکہ ہوا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اس طوفان کے ساتھ قوم لوطؑ پر پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ اوپر سے ہوا نیچے زمین نے بھی اس قوم کو برداشت نہ کیا۔ زمین کا وہ حصہ جس پر یہ قوم اپنی حرکتوں میں مگن تھی بھک سے اُڑ گیا اور کچھ پتہ نہ چلا کہ پھر وہ سب کہاں گئے؟

اس بھیانک عذاب کی خبر یہی دونوں فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو دے کر آئے تھے وہ وہاں سے چلے جب اس علاقے کے پاس آئے تو دور سے دھنواں ہی دھنواں دیکھا۔ اللہ کے نافرمانوں کا یہ انجام دیکھ کر دیکھتے رہ گئے۔

اس جگہ اب بحیرۂ مردار کا پانی پھیلا ہوا دنیا کے لئے عبرت کا نمونہ پیش کر رہا ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ دیکھو بُرے کام کا کیسا بُرا انجام ہوتا ہے آج بھی دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ بحیرۂ مردار کے دکھن پورب میں جو علاقہ انتہائی ویران اور سنسان پڑا ہے اس میں بڑی کثرت سے پرانے محلوں کے کھنڈر موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ کسی زمانے میں یہ بڑا آباد اور شاد علاقہ تھا۔ آثار قدیمہ (زمینوں کے کھوجنے اور کھودنے والوں) کا اندازہ ہے کہ اس علاقے کی آبادی اور خوشحالی کا دور حضرت عیسٰی سے ۲۳۰۰ برس پہلے سے ۱۹۰۰ سو برس پہلے تک رہا۔ حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ حضرت عیسٰی سے لگ بھگ دو ہزار برس پہلے ہوا ہے یعنی آج سے چار یا پانچ ہزار برس کے درمیان اس حساب سے سائنسداں بھی یہی مانتے ہیں کہ وہ زبردست زلزلہ حضرت لوطؑ کے زمانے میں آیا تھا۔

اس تباہ شدہ علاقے کی مشہور بستیاں سدوم اور عمورہ تھیں۔ آج ان بستیوں کے اوپر بحیرۂ مردار کا زہریلا پانی پھیلا ہوا ہے اور وہ اسی کے اندر غرق ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

ہرقل اس سیلاب کو نہ روک سکا۔ بادشاہ ہوتے ہی پہلی خبر جو اسے ملی وہ یہ تھی۔ ملک کے پوربی علاقہ انطاکیہ پر ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد ۶۱۳ء میں دمشق بھی ہاتھ سے گیا پھر ۶۱۴ء میں بیت المقدس فتح کرکے ایرانیوں نے مسیحی دنیا پر قیامت ڈھادی۔ نوّے ہزار عیسائی اس شہر میں قتل کئے گئے۔ ان کا سب سے زیادہ مقدس کلیسا برباد کر دیا گیا۔ اصلی صلیب جس کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اسی پر مسیح نے جان دی تھی مجوسیوں نے چھین کر مدائن اپنی راجدھانی پہنچا دی۔ لاٹ پادری زکریاہ کو بھی پکڑ لے گئے شہر کے سارے گرجوں کو ڈھا دیا گیا۔ اس فتح کے نشے میں خسرو پرویز جس بُری طرح چور اور مغرور ہو رہا تھا اس کا اندازہ اس کے اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس فتح کرکے وہیں سے ہرقل کو لکھا۔ اس میں لکھتا ہے کہ:-

"سارے خداؤں سے بڑے خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بدتمیز بندے ہرقل کے نام۔

"تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا"

اس فتح کے بعد ایک سال کے اندر ایرانی فوجیں اردن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقے پر قبضہ کرکے مصر کی حد پر جا کھڑی ہوئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ معظمہ میں ایک اور اس سے بہت زیادہ اہم جنگ برپا تھی۔ یہاں توحید کا جھنڈا اٹھانے والے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اور شرک کے پجاری مکہ کے قریشی سرداروں کی رہنمائی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ مسلمان کمزور تھے۔ ان کو قریشی سرداروں نے اتنا ستا رکھا تھا کہ بے چاروں کو وہاں رہنا دوبھر ہوگیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ۶۱۵ء میں بہت سے مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی عیسائی سلطنت میں چلے گئے تھے۔ اور انھوں نے وہاں پناہ لی تھی۔ اس وقت مکہ میں... رومیوں پر ایرانیوں کے دباؤ کا عام چرچا تھا۔ مکہ کے مشرک اس پر بغلیں بجا رہے تھے اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ دیکھو ایران کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور وحی اور رسالت کے ماننے والے عیسائی ہارتے چلے جا رہے ہیں اسی طرح ہم عرب کے بُت پرست بھی تم کو اور تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے۔

روم اور ایران کی اس لڑائی میں مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کے ساتھ اور کفار مکہ کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ اس لئے تھیں کہ ایرانیوں نے اس لڑائی کو مجوسیت اور مسیحیت کی لڑائی کا رنگ دے دیا تھا وہ ملک تھیانے کی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے آٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ سلطنت روم کے قیصر مارلیس (MAURIC) کے خلاف اس کے ملک میں بغاوت ہوئی اور ایک شخص فوکاس (PHOCAS) نے رومی سلطنت ت پر قبضہ کر لیا۔ اس شخص نے پہلے تو قیصر کی آنکھوں کے سامنے اس کے پانچ بیٹوں کو قتل کرایا پھر خود قیصر کو لا کے باپ اور بیٹوں کے سر قسطنطنیہ (راجدھانی) میں برسرعام لٹکوا دیے اور اس کے چند روز بعد اس کی ی اور تین لڑکیوں کو بھی مروا ڈالا۔

اس واقعہ سے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو روم پر حملہ کرنے کے لئے بہترین اخلاقی بہانہ مل گیا قیصر ی اس کا محسن تھا اس کی مدد سے پرویز کو ایران کا تخت نصیب ہوا تھا۔ اسے وہ اپنا باپ کہتا تھا اس بنا ں نے اعلان کیا کہ میں غاصب فوکاس سے اس ظلم کا بدلہ لوں گا جو اس نے میرے مجازی باپ اور اس لاد پر ڈھایا ہے ۶۰۳ء میں اس نے سلطنت روم کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اور چند سال کے اندر ز کاس کی فوجوں کو برابر سراتا ہوا ایک طرف ایشیائے کوچک میں ایڈیسا تک اور دوسری طرف شام میں ب اور انطاکیہ تک پہنچ گیا۔ سلطنت روم کے ہمدردوں اور معاونوں نے جب یہ دیکھا کہ فوکاس ملک کو نہیں سکتا تو انھوں نے افریقہ کے گورنر سے مدد مانگی۔ اس نے اپنے بیٹے ہرقل کو ایک طاقتور بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ ج دیا۔ اس کے پہنچتے ہی فوکاس کو تخت سے اتار دیا گیا۔ اور اس کی جگہ ہرقل کو قیصر بنا دیا گیا۔ ہرقل نے بادشاہ ر فوکاس کے ساتھ وہی کچھ کیا جو اس نے مارلیس کے ساتھ کیا تھا۔ یہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے یہی وہ سال ہے کہ حضور ی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔

خسرو پرویز نے جس اخلاقی بہانے کی وجہ سے جنگ چھیڑی تھی۔ فوکاس کے قتل کے بعد اُسے ختم ہو جانا چاہئے ا اسے نئے قیصر ہرقل سے صلح کر لینی چاہئے تھی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا جنگ جاری رکھی اور اب اس نے اس ک کو ایرانی مذہب مجوسیت (آتش پرستی) اور روم کے مذہب عیسائیت کی مذہبی جنگ کا رنگ دے دیا تھا۔

ا سے پہلے عیسائیوں نے اپنے کچھ فرقوں کو سرکاری کلیسا کے ذریعے ملحد قرار دے دیا تھا اور ان کو طرح طرح سے مار رہے تھے۔ یہ سارے فرقے ایرانیوں کے ساتھ ہو گئے یہودیوں نے بھی ایرانی مجوسیوں کا ساتھ دیا۔ ۲۶ ہزار یہودی یسائیت کو ختم کرنے کے لئے خسرو پرویز کی فوج میں بھرتی ہوئے اور ایرانیوں سے لڑے۔

قسطنطنیہ چھوڑ کر قرطاجنہ (ٹیونس) جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت کسی کو بھی یہ اُمید نہ تھی کہ اب روم کی سلطنت زندہ بھی رہ جائے گی۔

مکہ کے کافروں نے اس وقت قرآن کی یہ پیشین گوئی سنی تو انھوں نے خوب مذاق اُڑایا۔ مکہ کے ایک رئیس اُبی بن خلف نے حضرت ابو بکرؓ سے شرط بدی کہ تین سال کے اندر رومی جیت جائیں گے تو میں دس اونٹ دوں گا ورنہ دس اونٹ تم دوگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کا حال معلوم ہوا تو آپ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ قرآن میں "فِي بِضْعِ سِنِينَ" کے الفاظ آئے ہیں۔ عربی زبان میں بضع کا مطلب دس سے کم لیا جاتا ہے اس لئے دس سال کے اندر کی شرط کرو اور اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دو۔ حضرت ابو بکرؓ نے اُبی سے پھر بات کی اور نئے سرے سے یہ شرط طے ہوئی کہ دس سال کے اندر ہم دونوں میں سے جس کی بات غلط ہو وہ سو اونٹ دے گا۔

۶۲۲ء میں ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ ادھر قیصر ہرقل خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحر اسود کے راستے "طرابزون" کی طرف چلا۔ طرابزون پہنچ کر اس نے ایران پر پشت کی طرف سے حملہ کرنے کی تیاری کی۔ اس حملے کی تیاری کے لئے قیصر نے گرجوں سے روپیہ مانگا۔ مسیحی دنیا کے سب سے بڑے پادری سرجیس نے اپنے مذہب کو ایرانیوں سے بچانے کے لئے گرجاؤں کے نذرانوں اور چڑھاووں کی جمع شدہ رقم سود پر قرض دی۔ ہرقل نے اپنا حملہ ۶۲۳ء میں ارمینیا سے شروع کیا اور دوسرے سال ۶۲۴ء میں اس نے آذربائی جان میں گھس کر ایرانیوں کے پیغمبر زرتشت کی جنم بھومی ارمیاہ کو تباہ کر دیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدے (الاؤ) کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے یہی وہ سال تھا جس میں مسلمانوں کو بدر کے مقام پر پہلی مرتبہ مکہ کے مشرکوں کے مقابلے میں فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح وہ دونوں پیشین گوئیاں جو سورۂ روم کی ان آیتوں میں کی گئی تھیں، دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے ایک ساتھ پوری ہو گئیں۔

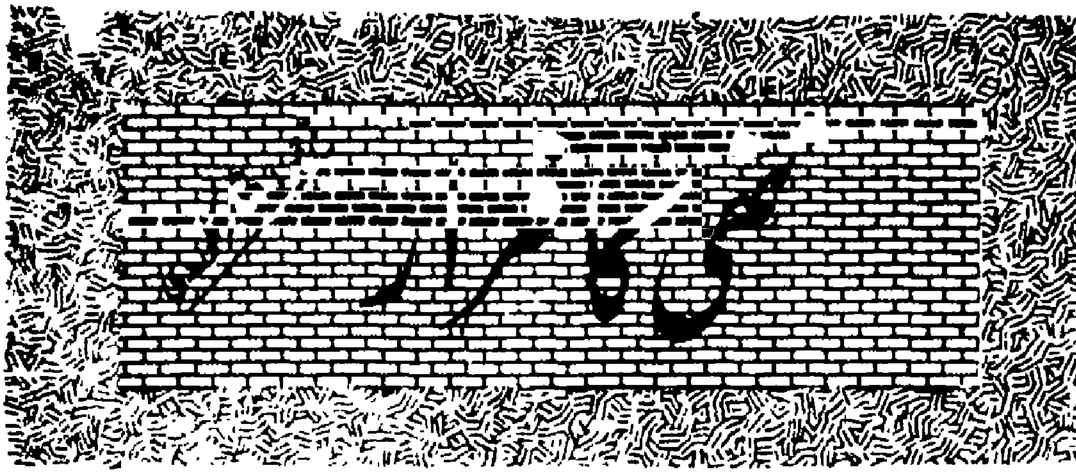
پھر روم کی فوجیں ایرانیوں کو برابر دباتی چلی گئیں۔ نینوا کی فیصلہ کن جنگ ۶۲۷ء میں انھوں نے ایران کی حکومت کی کمر توڑ دی۔ اس کے بعد ایرانیوں کے شاہی ٹھکانوں کو ایک ایک کر کے تباہ کیا اور آگے بڑھ کر ہرقل کے لشکر طیسفون کے ٹھیک سامنے پہنچ گئے جو اس وقت ایران کا دار السلطنت تھا۔ ۶۲۸ء میں خسرو پرویز کے گھر میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ وہ قید کیا گیا اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اٹھارہ بیٹے قتل کر دئے گئے۔ اور

غرض سے آگے بڑھ کر اسے مجوسیت پھیلانے کا ذریعہ بنا رہے تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد خسرو پرویز نے جو خط قیصر کو لکھا وہ پیچھے نقل ہو چکا ہے۔ اس میں صاف طور پر قیصر کو گالی دے کر اس کے خدا پر طنز کیا ہے۔

چونکہ مجوسی مشرک تھے، ایک سے زیادہ خداؤں کے ماننے والے تھے، آگ کے پجاری تھے، ستاروں سے تقدیر وابستہ رکھنے والے تھے اور مکہ کے مشرک بھی بہت سے خداؤں کو خدا کی خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے۔ اس طرح ان کا مذہب مجوسیوں سے ملتا جلتا تھا۔ ان کے مقابلے میں عیسائی مسلمانوں کی طرح وحی کے قائل تھے۔ رسولوں کو مانتے تھے۔ آخرت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اس طرح ان کا اصل دین اسلام سے ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ عیسائیوں سے ہمدردی ظاہر کرتے تھے اور مکہ کے کافر مجوسیوں سے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حبشہ کو ہجرت کر جانے والے مسلمانوں کے ساتھ حبش کے عیسائی بادشاہ کا برتاؤ بڑا اچھا تھا اس نے ان کو پناہ دی تھی۔ مسلمان ہو گیا تھا اور عیسائیوں کا ایک وفد مکہ میں آکر حضورؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکا تھا۔

ان حالات میں قرآن مجید کی یہ سورہ (سورہ روم) نازل ہوئی اور اس میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں (مار کھا گئے ہیں) مگر اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر ہی وہ غالب آجائیں گے اور وہ دن وہ ہوگا جب اللہ کی دی ہوئی فتح سے مسلمان خوش ہو رہے ہوں گے۔ اس میں ایک کے بجائے دو پیشین گوئیاں تھیں ایک یہ کہ رومی جیت جائیں گے۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی اسی زمانے میں فتح حاصل ہوگی۔ اس وقت دیکھنے میں دور دور تک اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ یہاں مٹھی بھر مسلمان تھے۔ جو مکہ میں مارے اور کھدیڑے جا رہے تھے وہاں روم میں عیسائی حکومت کی ہار پر ہار ہو رہی تھی ۶۱۹ء میں پورا مصر ایرانیوں کے قبضہ میں آگیا تھا مجوسیوں نے طرابلس کے پاس پہنچ کر جھنڈے گاڑ دیے تھے۔ ایشیائے کوچک میں ایرانی فوجیں رومیوں کو مارتی دباتی، اور بھگاتی ہوئی باسفورس کے کنارے تک پہنچ گئی تھیں قسطنطنیہ (راجدھانی) کے ٹھیک سامنے خالی کوئی پر قبضہ کر لیا تھا صورت حال ایسی نازک تھی کہ ہرقل نے خسرو کے پاس ایک درخواست بھیجی اس درخواست میں گڑگڑا گڑگڑا کر عرض کیا کہ میں ہر قیمت پر صلح کرنے کے لئے تیار ہوں مگر اس نے جواب دیا کہ اب میں قیصر کو اس وقت تک نہ بخشوں گا جب تک وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا میرے سامنے پیش نہ ہو اور اپنے خدا کو چھوڑ کر آگ کا پجاری نہ بن جائے۔"

ہرقل کے لئے اب اس کے سوا کوئی اور صورت نہ تھی کہ وہ راجدھانی سے بھی بھاگ جاتا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔



ان دنوں میں بہت چھوٹی تھی اور ہم موسم گرما کی تعطیلات گزارنے کے لیے اکثر دیہات کا رخ کرتے تھے۔ ہمارے پڑوس میں ایک نہایت ملنسار آدمی رہتا تھا۔ مجھے اس کا نام معلوم نہیں تھا، لیکن میں اسے عموماً "بڑا آدمی" کہہ کر پکارتی تھی۔ ہمارے گھر کے قریب ایک اور خاندان آباد تھا جن کے ہاں چھ بچے تھے۔ ان کے ہاں ہر سال ایک محفل موسیقی منعقد ہوتی تھی جس کی نگرانی ایک سخت گیر استانی کرتی تھی۔

ایک دفعہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس دفعہ مجھے محفل موسیقی میں ڈرم بجانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس سے پہلے بھی وہ میرے ساتھ اس طرح کا مذاق کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا مجھے ان کی یہ بات ناگوار گزری۔

"کل شام یہ ریہرسل ہوگی۔ لہٰذا تمھیں بھی اس میں حصہ لینا ہوگا"۔ میری ماں نے کہا، لیکن مجھے مذاق اڑائے جانے کا اتنا خوف تھا کہ میں نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ ماں کو میرے خوف کا احساس نہیں تھا۔ اس نے مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر بستر پر سُلا دیا۔ بس اسی وقت سے میں نے گھر سے بھاگ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میری غیر حاضری میں انھیں اپنی بے رحمی کا شدید احساس ہوگا۔ میں نے دل میں سوچا۔

دوسرے دن میں صبح سویرے اٹھی۔ ٹینڈ رومال میں ناشتہ باندھا اور گھر سے چل دی۔ بمشکل چھ فرلانگ کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ میں نے

چند روز بعد وہ خود قید کی سختیوں سے ہلاک ہوگیا۔ یہی سال تھا جس میں صلح حدیبیہ ہوئی جسے قرآن "فتح مبین" کا نا اور یہی سال تھا جس میں خسرو کے بیٹے قباد ثانی نے تمام رومی مقبوضات سے ہاتھ اُٹھالیا۔ اس نے اصلی حلیہ کرکے روم سے صلح کرلی ۶۲۸ء میں قیصر مقدس صلیب کو اس کی جگہ رکھنے کے لئے خود بیت المقدس گیا اور اسی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اس کے بعد سورہ روم کی پیش کی ہوئی پیشین کے سچ ہونے میں کسی کو بھی شک نہ رہا۔ عرب کے بہت سے مشرکین اس پیشین گوئی کے سچ ہونے سے مسلمان ہوگئے خلف کے لڑکوں کو ہار مان کر شرط کے اونٹ ابوبکرؓ کے حوالے کرنے پڑے۔ وہ انھیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں نے حکم دیا کہ انھیں صدقہ کردیا جائے کیونکہ شرط اس وقت ہوئی تھی جب شریعت میں جوا حرام نہیں ہوا تھا مگر اب ہونے کا حکم نازل ہوچکا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ایسا ہی کیا۔ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے نصرت عطا فرماتا ہے جو وعدہ ان آیتوں میں اپنے نبی سے کیا اسے پورا فرمایا۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر بہت سے بھی نہ جانتے ہیں نہ مانتے ہیں۔ یہ ان کا اپنا قصور ہے۔

"بڑے آدمی" نے تاسف آمیز انداز میں اپنا سر ہلایا۔ مجھے اس بچے کی بھوری بھوری آنکھیں یاد آگئیں۔ اس کے ماتھے پر ایک ستارہ تھا جو بہت خوبصورت لگتا تھا۔

تھوڑی دیر تک ہم خاموشی سے چلتے رہے۔ آخر کار اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا: "کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم کیوں بھاگ رہی ہو؟"

امی کہتی ہے کہ تمھیں محفل موسیقی میں ڈرم بجانا ہوگا۔"

"اور تم بجانا نہیں چاہتیں۔"

نہیں، میری خواہش ہے کہ میں ڈرم بجاؤں، سین استانی اور دوسرے بچوں کا خیال ہے کہ مجھ میں ڈرم بجانے کی ذرا بھی صلاحیت نہیں۔"

"بڑا آدمی" میری بات کو سمجھ گیا اس نے کہا "مجھے یاد ہے کہ جب میں نے پہلی بار تقریر کی تھی تو میری حالت اس خوفزدہ خرگوش کی سی تھی جس کی دم سے پٹاخے باندھ دیئے گئے ہوں، لیکن میں بہر حال تقریر کرنا چاہتا تھا مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ایک دفعہ اپنی تقریر شروع کر دوں تو اسے بلا خوف و خطر انجام تک پہنچا سکوں گا۔"

"کیا تم بھاگ گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں" اس نے کہا۔ "میرے ذہن میں یہ بات آگئی تھی کہ لوگوں کو میرے خوف کا ذرا بھی احساس نہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی تقریر شروع کر دی۔"

"میں تمھیں فلاڈلفیا جانے سے تو روک نہیں سکتا۔ لیکن تمھیں معلوم ہوگا کہ میں مچھلیوں کا شکار کرنے جا رہا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ جانا چاہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ "مچھلیوں کا شکار" انسان کو اپنے مسائل کا حل سوچنے کے لیے ایک اچھا موقع فراہم کرتا ہے۔"

میں "آپ کا بہت شکریہ" کہہ کر جان چھڑا ہی والی تھی کہ مجھے نیلے پانی کی خوبصورت جھیل نظر آگئی۔ جسے دیکھ کر میں اپنا سب کچھ بھول گئی۔ ہم جھیل کے کنارے ایک جھونپڑی تک

اپنے پیچھے گھوڑے کے قدموں کی آواز سنی میں ایک طرف کو ہو گئی تاکہ گھوڑا آسانی سے گزر سکے۔ میرا خیال تھا کہ گھوڑے پر سوار آدمی نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ لیکن میرا اندازہ غلط تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔

"او جبنی! اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے کہا۔

وہ گھوڑے پر اپنی نشست میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے مچھلیاں پکڑنے کے کئی کانٹے لٹک رہے تھے۔ سر پر ایک ہیٹ تھا جس نے انھیں ایک دلچسپ انسان بنا دیا تھا۔

"بیٹی اتنے سویرے کہاں جا رہی ہو؟"

"فلاڈلفیا!" میرے ذہن میں سب سے پہلے یہی نام آیا تھا۔

"فلاڈلفیا، وہ تو بہت دور ہے۔ کیا تم گھوڑے پر سواری کرنا پسند کرو گی۔" اس نے پوچھا۔

مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ فلاڈلفیا تنی دور ہے۔ "بڑا آدمی" اپنے گھوڑے سے نیچے اترا۔ مجھے اوپر اٹھایا اور اپنے ساتھ لیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور کے ساتھ چلنے لگا۔

بڑے آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ میں فلا جا کر کیا کروں گی۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ میرا ارادہ سنگیت ناچ سیکھنے کا ہے۔

"کیا تمہارے والدین کو اس بات کا علم ہے کہ تم فلاڈلفیا جا رہی ہو" اس نے مجھ سے پوچھا۔

وہ بڑی تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اتنی ہمدردی جھلک رہی تھی کہ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا میرا خیال ہے کہ تمھیں اپنے ظالم والدین سے نفرت ہے" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "کیا گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے جدا ہو کر تمھیں افسوس ہوا ہو۔"

"ہاں! موریل تھی۔ گائے کی بچی۔ میں نے آتے وقت اسے بوسہ دیا تھا۔ گوالا کہتا تھا اگر میں دیکھ بھال میں اس کا ہاتھ بٹاؤں تو وہ اسے "موسم خزاں کے مقابلہ" میں لے جائے گا۔"

"بڑے آدمی" نے تاسف آمیز انداز میں اپنا سر ہلایا۔ مجھے اس بچے کی بھوری بھوری آنکھیں یاد آگئیں۔ اس کے ماتھے پر ایک ستارہ تھا جو بہت خوبصورت لگتا تھا۔

تھوڑی دیر تک ہم خاموشی سے چلتے رہے۔ آخرکار اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم کیوں بھاگ رہی ہو؟"

امی کہتی ہے کہ تمھیں محفل موسیقی میں ڈرم بجانا ہوگا۔"

"اور تم بجانا نہیں چاہتیں۔"

نہیں، میری خواہش ہے کہ میں ڈرم بجاؤں، مین استانی اور دوسرے بچوں کا خیال ہے کہ مجھ میں ڈرم بجانے کی ذرا بھی صلاحیت نہیں۔"

"بڑا آدمی" میری بات کو سمجھ گیا اس نے کہا "مجھے یاد ہے کہ جب میں نے پہلی بار تقریر کی تھی تو میری حالت اس خوفزدہ خرگوش کی سی تھی جس کی دم سے پٹاخے باندھ دیئے گئے ہوں، لیکن میں بہر حال تقریر کرنا چاہتا تھا مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ایک دفعہ اپنی تقریر شروع کر دوں تو اسے بلا خوف و خطر انجام تک پہنچا سکوں گا۔"

"کیا تم بھاگ گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں" اس نے کہا۔ "میرے ذہن میں یہ بات آگئی تھی کہ لوگوں کو میرے خوف کا ذرا بھی احساس نہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی تقریر شروع کر دی۔"

"میں تمھیں فلاڈلفیا جانے سے تو روک نہیں سکتا۔ لیکن تمھیں معلوم ہوگا کہ میں مچھلیوں کا شکار کرنے جا رہا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ جانا چاہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ "مچھلیوں کا شکار" انسان کو اپنے مسائل کا حل سوچنے کے لیے ایک اچھا موقع فراہم کرتا ہے۔"

میں "آپ کا بہت شکریہ" کہہ کر جان چھڑانے ہی والی تھی کہ مجھے نیلے پانی کی خوبصورت جھیل نظر آگئی۔ جسے دیکھ کر میں اپنا سب کچھ بھول گئی۔ ہم جھیل کے کنارے ایک جھونپڑی تک

اپنے پیچھے گھوڑے کے قدموں کی آواز سنی
میں ایک طرف کو ہو گئی تاکہ گھوڑا آسانی سے
گزر سکے۔ میرا خیال تھا کہ گھوڑے پر سوار آدمی
نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ لیکن میرا اندازہ غلط
تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔

"او جینی!" اس نے گھوڑے کی باگیں
کھینچتے ہوئے کہا۔

وہ گھوڑے پر اپنی نشست میں دھنسا
ہوا تھا۔ اس کے پیچھے مچھلیاں پکڑنے کے کئی
کانٹے لٹک رہے تھے۔ سر پر ایک ہیٹ
تھا جس نے انھیں ایک دلچسپ انسان بنا دیا
تھا۔

"بیٹی اتنے سویرے کہاں جا رہی ہو؟"

"فلاڈلفیا!" میرے ذہن میں سب سے
پہلے یہی نام آیا تھا۔

"فلاڈیلفیا، وہ تو بہت دور ہے۔ کیا
گھوڑے پر سواری کرنا پسند کرو گی۔" اس
نے پوچھا۔

مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ فلاڈیلفیا
دور ہے۔ "بڑا آدمی" اپنے گھوڑے سے
نیچے اترا۔ مجھے اوپر اٹھایا اور اپنے ساتھ بٹھا
لیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سڑک
کے ساتھ چلنے لگا۔

بڑے آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ میں فلاڈلفیا
جا کر کیا کروں گی۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ میرا
ارادہ سنگیت ناچ سیکھنے کا ہے۔

"کیا تمہارے والدین کو اس بات کا علم
ہے کہ تم فلاڈلفیا جا رہی ہو" اس نے مجھ سے
پوچھا۔

وہ بڑی تیکھی نظروں سے میری طرف
دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اتنی ہمدردی
جھلک رہی تھی کہ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا میرا خیال ہے کہ تمھیں اپنے ظالم
والدین سے نفرت ہے" اس نے دھیمے لہجے
میں کہا۔ "کیا گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس
سے جدا ہو کر تمھیں افسوس ہوا ہو۔"

"ہاں! مورل تھی۔ گائے کی بچی۔ میں نے
آتے وقت اسے بوسہ دیا تھا۔ گوالا کہتا تھا اگر
میں دیکھ بھال میں اس کا ہاتھ بٹاؤں تو وہ اسے
"موسم خزاں کے مقابلہ" میں لے جائے گا۔"

تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے بھاگ جانے کا خیال تقریباً ترک ہی کر دیا تھا۔

میں نے قدرے ترش لہجے میں جواب دیا۔ "اس کا کوئی امکان نہیں۔" بڑے آدمی نے بچا کھچا کھانا سمیٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم واپس نہیں آؤ گی میرا خیال تھا ہمیں آئندہ بھی اس طرح کے مواقع ملتے رہیں گے۔"

میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ مجھے اس کے ساتھ شکار کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے لیکن مجھے اپنے مطلب کی ادائیگی کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

مچھلیاں گھوڑے کے پیچھے باندھنے کے بعد میں سوار ہو گئی۔ سورج بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ معلوم نہیں مجھ پر کب نیند کا غلبہ طاری ہوا۔

ماں گیٹ پر ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ گوالے نے مجھے شکار کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"جینی! نے کتنی عمدہ مچھلی شکار کی ہے"

اس نے مچھلی میری امی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

ماں کے پاس کھڑے ہو کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا میں آپ کے ساتھ دوبارہ شکار کے لئے جا سکتی ہوں۔"

"ضرور۔" اس نے جواب دیا۔

اس کے جانے کے بعد جب امی نے مجھے بڑے آدمی کا نام بتایا تو میں حیران رہ گئی تو اس کا نام گروور کلیولینڈ تھا جو حال ہی میں امریکہ کے صدر کی حیثیت سے اپنی مدت پوری کر چکا ہے۔

رات ریہرسل کے دوران میں نے بڑی عمدگی سے ڈرم بجایا مجھے ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوا۔ کیونکہ اتفاق سے میں امریکی صدر کی دوست بن چکی تھی۔۔ مجھے یاد ہے کہ اس نے مجھے اپنے اس خوف کے متعلق بتایا تھا جب وہ تقریر کے لئے اسٹیج پر جا رہا تھا۔۔ بالآخر اس نے اپنی تقریر کا آغاز کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا سارا خوف جاتا رہا

گئے جہاں ہم نے اپنا گھوڑا ملاحوں کی تحویل میں
دے دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم جھیل میں تیر رہے
تھے۔

"بڑے آدمی" نے سب سے چھوٹا کانٹا
میرے حوالے کرتے ہوئے نہایت شفقت
آمیز لہجے میں کہا "لو یہ تمھارے لئے موزوں
رہے گا،، جھیل میں تیرتے ہوئے مجھے بڑے
آدمی نے بتایا کہ کانٹا کس طرح پھینکنا چاہیئے۔
تم اپنے کانٹے کا سرا کسی ایسی جگہ رکھو
جہاں تمھیں یقین ہو کہ مچھلی ہوگی۔ پھر اس نے
مجھے کانٹا نکالنے اور لپیٹنے کا طریقہ بھی بتایا۔
"فرض کرو اگر وہاں مچھلی نہ ہو" میں نے
پوچھا۔

"تو اس صورت میں وہ جگہ یاد رکھو جہاں
تم نے پہلے کانٹا ڈالا تھا اور پھر جگہ بدل
بدل کر کوشش کرو۔ دو چیزیں انتہائی
ضروری ہیں۔ صبر اور استقلال۔ اب ہم
باتیں نہیں کریں گے کیونکہ مچھلیاں ہماری آواز
سن کر بھاگ جاتی ہیں"
ہم بڑی خاموشی سے مچھلیاں پکڑتے رہے

بڑے آدمی نے ننھی ننھی بے شمار مچھل
پکڑ لیں۔ پھر اچانک ایک حیرت انگیز
رونما ہوا۔ پانی میں جھاگ اٹھنے لگی تھ
مچھلی میرے کانٹے کے بہت قریب آگئ
"کانٹا مضبوطی سے پکڑے رکھو"
آدمی نے مجھے ہدایت کی۔ مچھلی میرے کا
میں پھنس گئی تھی۔ خوبصورت مچھلی جو تھوڑ
دیر بعد کشتی میں رکھی ہوئی تھی۔

"واقعی یہ بہت خوبصورت ہے" بڑ
آدمی نے تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہ
کہا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرا بہت
دوست ہو۔

دوپہر کو ہم کشتی جھیل کے کنارے لے
گئے جہاں میں نے بڑے آدمی کی پٹاری سے
کھانا لے کر کھایا۔ جب ہم کھانا کھا رہے
تھے تو اس نے قدرے بے اعتنائی سے
پوچھا۔

"فلاڈلفیا جانے کے بعد کیا تم گھر
بھی آؤ گی؟"
میں اس کے سامنے تو تسلیم نہیں کر سکتی

یونس نے جواب دیا: خدا اپنے تمام بندوں سے کلام فرماتا ہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ بندے اس کا کلام اور طریقۂ کلام سمجھ نہیں پاتے۔"

اسرائیلی نے دریافت کیا: خدا اپنے تمام بندوں سے کس طرح کلام فرماتا ہے؟"

یونس نے جواب دیا: اگر میں تیری آنکھوں پر حملہ کرنے کی کوشش کروں تو تو کیا کرے گا

اسرائیلی نے کہا: میں اپنی دونوں آنکھیں بند کرکے ان پر ہاتھ رکھ لوں گا یا پھر آنکھیں بند کرکے اپنے سر کو حملہ آور ہاتھ کی زد سے دور کرلوں گا۔"

یونس نے پوچھا: اور یہ سارا کام کتنی دیر میں انجام پا جائے گا؟"

اسرائیلی نے جواب دیا: لمحوں میں چند ثانیوں میں۔"

یونس نے کہا: یہی تیرے رب کا تجھ سے یا تیرے اعضاء سے کلام کرنے کا طریقہ ہے۔ تیرے اعضا جب تیرے ارادوں اور فیصلوں کے بغیر ہی کام کرنے لگتے ہیں یعنی جب یہ خودکاری اختیار کرتے ہیں تو گویا خدا کلام فرمانے لگتا ہے۔"

یونس کی یہ باتیں اسرائیلی کی سمجھ میں نہیں آئیں، وہ بے بسی سے یونس کی شکل دیکھتا رہا اور پھر کچھ مزید کہے سنے بغیر اپنی راہ لی۔

اس رات یونس نے ہیکل سلیمانی میں جاکر اپنے رب سے گریہ وزاری کی: اے میرے معبود! میرے حال پر تیری جو عنایات اور کرم فرمائیاں ہیں۔ میں ہی نہیں پورا یروشلم اس کا معترف اور گواہ ہے۔ لوگوں کو میرے چہرے اور جسم میں وہ ساری علامتیں محسوس ہوتی ہیں جو تیرے ان بندوں میں پائی جاتی رہی ہیں جنھیں تو نے اپنے تئیں کلام سے سرفراز فرمایا تھا۔ تو نے ان سے عظیم الشان کام لیے لیکن یہ عاجز ان سے ابھی تک محروم ہے۔ تو نے مجھے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ ان سے کام بھی لے۔ میں تیرے ادنیٰ اشارے کا غلام ہوں۔"

حضرت یونس علیہ السلام

یروشلم کے پُررونق آباد شہر میں اٹھائیس سالہ یونس نہایت مطمئن زندگی گزار رہا تھا، وہ اپنے رب کا انتہائی شکر گزار اور احسان مند تھا۔ جب وہ اپنے صحت مند جسم اور گداز دل پر غور کرتا تو اپنے معبود سے محبت کا جذبہ سمندر کی تیز و تند موجوں کی طرح اُبھرتا اور تمام رگ و پے میں اللہ کی حمد و ثنا بھر دیتا۔ یروشلم کے لوگ جب اس نوجوان کو یادِ الٰہی میں مستغرق سر جھکائے ادھر اُدھر آتے جاتے دیکھتے تو آپس میں سرگوشیاں کرتے: "ذرا یونس کو دیکھنا، آج اس شہر میں اس سے زیادہ برگزیدہ اور شکر گزار کوئی اور انسان نہیں ملے گا۔"

ایک اسرائیلی نے کہا: "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی جب یونس اپنے رب کا اتنا ہی برگزیدہ اور شکر گزار بندہ ہے تو خدا نے اس سے اب تک کوئی کام کیوں نہیں لیا؟"

دوسرے اسرائیلی نے جواب دیا: "خدا کو کام لیتے دیر تھوڑی لگتی ہے وہ کسی وقت بھی کوئی بڑی خدمت یونس کے سپرد کر سکتا ہے۔"

ایک اسرائیلی نے یونس کے قریب جا کر پوچھا۔

"یونس! کیا خدا نے کبھی تجھے مخاطب کیا ہے؟ کیونکہ اب تک یہی سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ خدا جب تیرا جیسا کوئی انسان اس دنیا میں بھیجتا ہے تو اس سے کوئی عظیم الشان کام بھی لے لیتا ہے، خدا اس سے کلام فرماتا ہے۔"

پر پہنچ گئے جہاں یہ دریا اپنے ایک چھوٹے سے معاون دریا سے ہم آغوش ہو کر تنہا بہنے لگا تھا۔ دیائے فرات کے ساحل پر مسافروں کی کثرت تھی۔ ان میں دونوں طرف کے مسافر شامل تھے۔ وہ مسافر جو فرات کے دوسری طرف سے ایک کشتی میں جنوبی کنارے پر اُترے تھے اور جنوبی کنارے کے وہ مسافر جو شمال کے کنارے پر اُترنے کے لئے کئی دن سے کشتی کے انتظار میں فرات کے جنوبی کنارے پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے یونس نے دوسرے مسافروں کے ساتھ کشتی میں قدم رکھا۔ ہوا موافق تھی، کشتی تیزی سے شمالی شہر کی طرف بڑھنے لگی، یونس کا دل حکم خداوندی کی بجا آوری کے لئے بے چین اور مضطرب تھا، کشتی کے مسافروں نے اس سب سے مختلف نوجوان کو سب سے زیادہ متفکر اور غمگین دیکھا۔ کسی نے پوچھا: کیا تو تاجر ہے کہ کاروبار میں گھاٹا اُٹھا کے فکر مند اور غمگین ہو گیا ہے؟"

یونس نے جواب دیا: نہیں، میں تاجر نہیں ہوں اور اگر میں تاجر ہوتا تو اس طرح غمگین اور فکر مند ہرگز نہ ہوتا کیونکہ نفع و نقصان اللہ کی طرف سے ہے اور جو بات اللہ کی طرف سے ہو اس پر غمگین اور فکر مند ہونے کا مطلب ہے اپنے رب کا شاکی ہونا، اپنے رب سے اس کی مشیّت کے خلاف شکایت کرنا اور میں یہ گناہ نہیں کر سکتا۔"

کسی بوڑھے تاجر نے کہا: باتیں تو تو بڑی اچھی کر رہا ہے، پھر تو کیوں غمگین ہے؟"

یونس نے جواب دیا: "میں غمگین اور فکر مند اس بات پر ہوں کہ خدا نے میرے سپرد ایک بہت بڑا کام کر دیا ہے، میرا دل دہشت زدہ ہے کہ میں ایک لاکھ بیس ہزار ناشکروں اور گمراہوں کو راہ راست پر کس طرح لاؤں گا، اگر میں خدا کا حکم پورا نہ کر سکا اور اس کی بجا آوری میں ناکام رہا تو میرا انجام کیا ہوگا؟ میں اس وقت سے خوف زدہ ہوں، جب میرا نام خدا اپنے ان بندوں کی فہرست میں شامل فرما دے جو اس کے احکام کی بجا آوری میں ناکام رہے ہیں۔"

تاجروں اور مسافروں نے اس عجیب و غریب نوجوان کو شک و شبہ کی نظروں سے

ہیکل کی روحانی اور پُرعظمت فضا لوبان کے دھوئیں اور خوشبو میں رچی بسی تھی، ایک دیوار
سے پشت ٹکا کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ یونس پر ایک سرشاری کی کیفیت طاری تھی اور وہ ایک
ایسی لذت سے ہم کنار ہو چکے تھے جو اٹھائیس سالہ زندگی میں پہلے کبھی میسر نہ آئی تھی۔ ان
کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ دھوئیں کے بادلوں میں ایک پُراسرار ارتعاش پایا جاتا تھا۔ اس کے
لطیف مگر دھندلائے ہوئے مرکزی حصے کی حرکتیں مختلف سمتوں میں جارہی تھیں اور یہ
اوپر اٹھ اٹھ کر ہیکل کی چھت سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر پھیل رہا تھا، کافوری شمعوں کی روشنی ہیکل
میں یوں پھیلی ہوئی تھی جس طرح کسی کہر زدہ ماحول میں کوئی کمزور اور ناتواں چراغ اپنی پوری
قوت سے کہر کے دھوئیں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اچانک اس کہر جیسے لوبان کے بادل
میں ایک ایسا ارتعاش پیدا ہوا جو کسی کے ہونٹوں کی جنبش سے پیدا ہو سکتا تھا۔ اس ارتعاش میں
سے ایک آواز سنائی دی: "یونس، متی کے بیٹے یونس! اب اٹھ بھی جا اور خدا کا شکر ادا کر۔"

یونس نے عرض کیا: "اے میرے رب! میں تو ہمیشہ ہی تیرا شکر گزار ہوں۔"

اس آواز نے پھر کہا: "یونس! اب اٹھ کھڑا ہو، تیرے کام کا وقت آ پہنچا۔ دجلہ کے کنارے
آشوریوں کے سب سے بڑے شہر نینوا چلا جا۔ یہ ایک لاکھ بیس ہزار کی آبادی کا شہر شرارت
اور گمراہی میں مبتلا ہے تو ان میں پہنچ کر ان کی اصلاح کر اور انھیں میری طرف راغب کر دے۔"

یونس نے اپنی دونوں آنکھیں پوری طرح کھول دیں اور اس آواز کی طرف دیکھنے لگے
جس نے انھیں آشوریوں کے شہر نینوا جانے کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور سجدے
میں گر کر گریہ وزاری کرتے رہے کہ "خدایا! تو نے میرے ذمے جو خدمت کی ہے اُسے بجا لانے
کا حوصلہ اور استقلال بھی مرحمت فرما۔"

علی الصباح انھوں نے یروشلم کو چھوڑ دیا اور دریائے یردن عبور کر کے فدان ارم کی طرف
روانہ ہو گئے۔ پھر فدان ارم کو شمال مغرب میں چھوڑتے ہوئے دریائے فرات کے اہل ساحل

تک رہنے دو، وہ ہمارے دیوی دیوتاؤں کے معاملات میں یوں دخل نہ دے۔"

یونس نے کہا: خدا ایک ہی ہے وہی خدا یروشلم والوں کا بھی ہے اور وہی تمہارا بھی۔ بلکہ پوری دنیا اور کائنات کا وہی ایک خدا ہے۔ تم لوگ اگر چاہو بھی، تب بھی اس کی خدائی سے باہر قدم نہیں نکال سکتے اس لئے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔"

ایک سردار نے قہقہہ لگایا اور دوسرے کو مخاطب کیا: سردار تم نے اس پردیسی نوجوان کی عجیب و غریب باتیں سنیں، یہ کمال کی باتیں کرتا ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے شہر میں جتنے قبیلے ہیں اتنے ہی سردار ہیں۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہر قبیلے اور ہر قوم کے دیوی دیوتا الگ ہونے کے بجائے، کوئی ایک ہی ہو، اس کی باتیں تو عقل کے معیار پر پوری ہی نہیں اترتیں۔"

دوسرے سردار نے کہا: تب پھر ہم سب ایکا کر کے اسے نینوا سے نکال باہر کیوں نہیں کرتے۔"

ایک بُرد بار سردار نے کہا: نہیں، اس پردیسی کے ساتھ ہم ایسا سلوک نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس میں ہم سب کی بے عزتی ہوگی۔ یہ شہر چھوڑ کر جب باہر جائے گا تو دوسرے ملکوں اور قوموں میں ہمیں بدنام کرے گا۔ اس لیے اس کا ہمارے ہی شہر میں مقیم رہنا زیادہ مفید ہے۔"

پہلے سردار نے کہا: اور یہ جو ہمارے دیوی دیوتاؤں کو بُرا بھلا کہتا رہتا ہے اس کا کیا ہوگا؟"

قہقہہ لگانے والے مسخرے سردار نے جواب دیا: اسے یوں ہی بولتے رہنے دیا جائے اور اپنے اپنے قبیلوں میں کہہ دیا جائے کہ اس پردیسی کی باتوں کو غور سے نہ سنیں اور اگر

دیکھا، انھوں نے آپس میں یونس کے صحیح الدماغ ہونے یا نہ ہونے پر بات چیت کی۔

کشتی نے فرات کے شمالی شہر پہ اُتار دیا۔ وہاں ایک قافلہ براہ راست، نینوا جانے کے لئے پہلے ہی سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ یونس اس قافلے کے ساتھ نینوا روانہ ہو گئے۔ ان دنوں نینوا کی شان و شوکت اور دولت و حشمت کا نزدیک دور بڑا شہرہ تھا۔ یہاں پر قبائلی نظام رائج تھا۔ ہر قبیلہ کا الگ سردار تھا۔ اور ان سرداروں پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اپنی بڑائی اور عظمت و شان کا اتنا زیادہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ کمزوروں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کے پاس خدائے واحد کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ بتوں کی کثرت تھی یہ طاقت ور لوگ بے جان اور مجبور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

جب یونس نے نینوا کے درمیان یہ اعلان کیا کہ "لوگو! مجھے خدا نے تم پر مبعوث کیا۔ میں خدا کے حکم پر یروشلم سے تمہارے شہر نینوا میں آیا ہوں، تم بتوں کی پرستش کرتے ہو سراسر غیر فطری بھی ہے اور ایک طرح کا ظلم بھی، جو تم اپنی جانوں پر کر رہے ہو۔ تم میں بُت پرستی نے اور بہت سی خرابیاں بھی پیدا کر دی ہیں، تم کمزوروں پر ظلم کرتے ہو انھیں ستاتے ہو، محض اس لئے کہ تمہیں اس ظلم سے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور یہ بُت جن کی تم پرستش کرتے ہو اس لائق ہی نہیں کہ انسانی یا غیر انسانی معاملوں میں کسی قسم کا دخل دے سکیں۔ یہ مجبور اور بے اختیار بُت با اختیار انسانوں کی راہنمائی کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس لئے تم میرا کہنا مانو اور ان بتوں کو توڑ پھوڑ کر پھینک دو اور اس خدا کی عبادت کرو جو سارے جہانوں کا رب ہے۔"

نینوا کے سرداروں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ ایک نے کہا: "یہ کیسا نوجوان ہے جو یروشلم جیسے دور افتادہ مقام سے چل کر ہماری اصلاح کرنے آیا ہے؟"
دوسرے سردار نے کہا: "اس سے کہہ دو ہمارا دماغ نہ خراب کرے۔ یروشلم ہی

کھلونوں سے اپنا دل بہلاتے رہتے ہیں؟"

ایک بوڑھے سردار نے دوسرے سرداروں کو مخاطب کیا: "لو اور سنو۔ یہ نوجوان خود کو ہم سے زیادہ عمر رسیدہ اور سمجھدار سمجھتا ہے۔"

مجمع نے منتشر ہونا شروع کر دیا اور کہا "لوگو! اپنے اپنے گھروں کو چلو۔ آج خاصی تفریح ہو گئی، کل پھر اس کے اردگرد جمع ہو کر اس کی دلچسپ مگر بے معنی باتیں سنیں گے۔"

مجمع ادھر ادھر منتشر ہونے لگا اور یونس شکستہ و افسردہ ان کی صورتیں ہی دیکھتے رہ گئے۔

اب تو یونس کا یہ دستور ہو گیا کہ ہر روز اہل نینوا کو تبلیغ و تلقین فرماتے اور قوم ان کا مذاق اڑاتی۔ نینوا والے کہتے: "یونس! اگر تمہارے رب کو ہماری اصلاح مقصود ہی ہوتی تو وہ تمہیں یروشلم سے بلوانے کے بجائے ہمیں میں سے ایک نبی پیدا کر دیتا۔"

یونس نے جواب دیا: "خدا اپنی مصلحتوں سے خوب واقف ہے اور اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اپنا کام کسی قوم کے اس کے اپنے ہی نبی سے لے یا کسی دوسری قوم کے نبی کو بھیجے۔ اس نے مجھے حکم دیا، میں نینوا چلا آیا۔ اب تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تم خدا کے کام میں اعتراض کرو اور اس پر نکتہ چینی کرو۔"

نینوا کے ایک عمر رسیدہ سردار نے کہا: "اگر ہم لوگ تیری بات نہ مانیں تو کیا ہو گا؟"

آپ نے جواب دیا: "میں تو اپنے رب کا ایلچی ہوں، وہ تمہیں تمہارے انکار کا کیا صلہ دے گا، وہی بہتر جانتا ہے۔"

ایک پروہت نے کہا: "تب پھر تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ ہم پر اپنا عذاب نازل کرے میں اپنے دیوی دیوتاؤں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہارے رب کے عذاب کا مقابلہ کریں اور پھر ہم دیکھیں گے کہ تمہارا ایک رب زیادہ طاقتور ہے یا ہمارے بہت سارے دیوی دیوتا اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ایک کے مقابلے میں کئی کی طاقت زیادہ ہوا کرتی ہے۔"

سنیں تو اس کا اثر نہ لیں اور اس پر عمل نہ کریں۔ جب لوگ اس کی بات سنیں گے ہی نہیں اور اگر کسی طرح سن بھی لیں گے۔ مگر اس پر عمل نہیں کریں گے۔ تو اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچے گا؟ کچھ بھی نہیں۔"

یونس نے کہا: "لوگو میرے سپرد جو کام کیا گیا ہے، میں اس کی تعمیل اس طرح کروں گا کہ جب میں یہ محسوس کر لوں گا کہ لوگ میری بات نہیں سن رہے ہیں اور اگر سن بھی رہے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو میں اپنی بات کو زیادہ پُر اثر بنانے کے لیے تمہارے قبیلوں میں اور تمہارے گھروں کے دروازوں پر پہنچوں گا۔ تمہارے دروازوں پر دستک دے کے تمہیں باہر بلاؤں گا اور تمہارے کانوں کی راہ سے دل و دماغ تک اپنے رب کا پیغام پہنچا کر دم لوں گا، کیوں کہ میں وہ نہیں ہوں جو ہمت ہار جاتے ہیں اور اپنا نام ناکاموں کی فہرست میں لکھوا کر خدا کی نظر میں ذلیل اور رسوا ہو جاتے ہیں۔"

ایک تند خو سردار نے کہا: "اگر تو نے ایسی غلطی کی اور ہمارے دروازوں پر دستک دی تو میں تیری جان کا لاگو ہو جاؤں گا اور تیری زندگی حرام کر دوں گا۔ اس لیے تیری بھلائی اسی میں ہے کہ تو جس شہر سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔"

یونس نے جواب دیا: "سردارو! میں نینوا اس لیے نہیں آیا ہوں کہ اپنا کام ختم کیے بغیر ہی واپس چلا جاؤں۔ میں اپنا کام جاری رکھوں گا تم اپنا کام جاری رکھو، پھر دیکھیں خدا کسے کتنا کامیاب کرتا ہے۔"

ایک مسخرے سردار نے کہا: "اس سے باتیں کرنا بھی بڑا پُر لطف مشغلہ ہے کیونکہ یہ بڑے مزے کی باتیں کرتا ہے۔"

یونس نے جواب دیا: "مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ تم لوگ مجھ پر ہنس رہے ہو اور میرا مذاق اڑا رہے ہو، کیونکہ تم سب میری نظر میں ان نادان بچوں جیسے ہو جو بڑوں جیسے

اثر نہ ہوگا۔ ایسی باتیں کہتے نہیں تھکتے۔ کیا یہ تمہاری نادانی سے بڑی نادانی نہیں ہے؟"

آپ نے غصے میں کہا: "تب پھر اہل نینوا میں تمہیں اس عذاب کی خبر دیتا ہوں، جو آج سے ٹھیک چالیس دن بعد نازل ہوگا۔ میں تمہاری اصلاح سے مایوس ہو چکا ہوں۔ اب میرا کام ختم ہوا اور اللہ کی پکڑ کا آغاز ہونے والا ہے"

لوگ ہنستے قہقہے لگاتے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ یونس نے گھر جا کے خود کو سجدے میں گرا دیا۔ اور رو رو کر خدا سے یہ دُعا کی: "اے الہ العالمین! میں نے اپنے مقدور بھر اس بات کی کوشش کی کہ اہل نینوا راہ راست پر آجائیں لیکن آج میں مجبور ہو کر تجھ سے یہ درخواست کر رہا ہوں کہ ان پر اپنا عذاب نازل فرما دے۔ میں نے چالیس دن بعد عذاب کے نازل ہونے کی خبر دے دی ہے۔ تو میری شرم رکھ لے اور اس قوم پر اپنا عذاب نازل فرما تاکہ میں ان کی نظر میں جھوٹا نہ ٹھہروں اور اس قوم کو اس کی گمراہی کی سزا مل جائے۔"

اس بددعا کے بعد آپ نے اپنا مختصر سامان سمیٹا اور عذاب کے نزول سے پہلے اس شہر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ نے اپنی بددعا کے بعد وحی الٰہی کا انتظار بھی نہیں کیا اور نینوا سے چل کر فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں مسافروں سے بھری ہوئی ایک کشتی سطح آب پر تیار تھی آپ بھی اس میں سوار ہو گئے۔ کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ آپ کے دل میں تردد پیدا ہوا کہ کہیں خدا ان کے اس فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھے اور ان کا نینوا سے چلے آنا خدا کو ناگوار نہ گزرا ہو۔

ابھی کشتی کچھ ہی دور پہنچی ہوگی کہ طوفانی ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ کشتی ڈگمگانے لگی، لوگ ایک دوسرے پر گرنے لگے کشتی میں رکھا ہوا سامان تہہ و بالا ہونے لگا۔ یونس نے کفر و گمراہی کی فضا سے نکل کر بڑا سکون محسوس کیا تھا۔ یہاں تک کہ طوفانی ہوائیں بھی انہیں پریشان نہ کر سکیں، وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ پھر انھیں نیند آگئی۔ سو گئے۔

کشتی والے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ کشتی کا ملاح زور زور سے چیخ کر دریافت کرنے لگا۔

یونس نے خوف سے اپنے گال پیٹتے ہوئے، بولے: "لوگو! توبہ کرو توبہ! اپنی زبان سے کفر کے کلمات نہ نکالو، ورنہ خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ اس کے عذاب اور عتاب سے ڈرو۔"

لوگوں نے تمسخرانہ طور پر کہا: "یونس! ہم تمہارے رب سے نہیں ڈرتے۔ تم اس سے کہو وہ ہم پر اپنا عذاب بھیجے۔"

لوگ ہنستے مذاق اڑاتے اِدھر اُدھر ہوگئے۔ یونس نے تخلیے میں اہل نینوا کی باتوں پر غور کیا اور ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس سرکش اور گمراہ قوم کو کس طرح راہِ راست پر لایا جائے اور آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ انھیں اپنا وعظ و تلقین اور ارشاد و تبلیغ کا کام جاری رکھنا چاہیے اس کا ایک نہ ایک دن ضرور اثر ہوگا۔

یونس اپنے فرائض رشد و ہدایت انجام دیتے رہے اور نینوا والے آپ کا مذاق اڑاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ مایوس ہوگئے اور آپ نے فیصلہ کیا کہ وہ آخری بار اہلِ نینوا کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ آپ نے اہلِ نینوا کو بازار میں اکٹھا کیا اور کہا: "لوگو! میں تمہیں آخری بار خدائے واحد کی عبادت کی تلقین کر رہا ہوں۔ تم اس دن سے ڈرو جب اس کا عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے۔ میں نے تمہیں جو پیغام بار بار پہنچایا ہے وہی آج بھی دوں گا۔"

ایک پروہت نے کہا: "یونس! تم ایک ہی بات کہتے کہتے ابھی تک نہیں تھکے؟"

یونس نے جواب دیا: "میں خدا کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، میں حیران اس بات پر ہوں کہ میری باتوں کا تم پر کیوں اثر نہیں ہوتا، تمہاری نادانیاں میری حیرت اور تعجب کا سبب ہیں۔"

پروہت نے ہنس کر کہا: "یونس! ہم سب کتنے ہی نادان کیوں نہ ہوں۔ لیکن تم اس معاملے میں ہم سب سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تم یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم پہ ان کا کوئی

۔اپنی پچھلی تقریر ایک بار پھر دہرائی۔ آپ نے کہا اگر یہ بات ہے کہ طوفان اس لیے آیا ہے کہ کوئی
ام اپنے آقا سے بھاگ کر اس کشتی میں سفر کر رہا ہے اور اس کی کشتی سے علیحدگی مسافروں کو طوفان
الت سے بچا لے گی تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اپنے مالک سے بھاگا ہوا غلام میں ہوں۔"

لوگوں کو آپ کی بات پر یقین نہیں آیا۔ بولے۔" ہم تیری بات پر کس طرح یقین کر لیں کیونکہ کوئی
می شخص جسے اپنی زندگی عزیز ہوگی۔ اس طرح اس بات کا اعلان نہیں کریگا اور کیا تو جانتا ہے کہ تیرے اس اقرار
کے بعد تجھے فرات کی سرکش موجوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

آپ نے جواب دیا:" میں سب کچھ جانتا ہوں اور سب کچھ جاننے کے بعد میں نے خود کو
تمہارے سامنے پیش کیا ہے، اب تم لوگ مجھے دریا میں پھینک کر اس خطرناک طوفان سے نجات
حاصل کر سکتے ہو۔"

وہ سب آپس میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ ملاح نے پوچھا تیرے آقا کا
م کیا ہے ؟"

آپ نے جواب دیا:" اللہ، رب الارباب الالعالمین، سارے جہانوں کا مالک۔"

ملاح نے مسافروں سے کہا:" لوگو! مجھے یہ شخص کچھ عجیب و غریب لگتا ہے۔ میں اس کی
ت پر کس طرح یقین کر لوں۔"

آپ نے جواب دیا:" تجھے میری باتوں پر اس لئے یقین کر لینا چاہئے کہ مجھے خدا نے یروشلم
سے نینوا اس لیے بھیجا تھا کہ میں ان کی ہدایت کروں، انھیں راہ راست پر لے آؤں، لیکن میں
تھک ہار کر نینوا والوں کو بددعا دے کر واپس جا رہا ہوں۔ حالانکہ کشتی میں بیٹھ جانے کے بعد
مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے۔ مجھے اپنے رب سے مایوس ہو کر اس طرح نہیں بھاگنا
ا ہیے تھا۔ میں اپنے آقا کا مفرور غلام ہوں، مجھے کشتی پر نہیں بیٹھنا چاہئے تھا۔ تم لوگ مجھے
ریا میں پھینک کر اس ہلاکت خیز طوفان سے نجات حاصل کرنے کی فکر کرو ورنہ غرق

"لوگو! یہ کشتی بس ذرا سی دیر کی مہمان ہے۔ ہم لوگوں کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ اس قسم کا ہلاکت آفریں طوفان اس وقت آتا ہے جب کوئی غلام اپنے آقا سے چھپ کر بھاگتا ہے۔ اگر اس کشتی میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اپنے آقا سے بھاگا ہو تو وہ میرے سامنے آجائے۔ کیونکہ یہ طوفان اس وقت تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک کہ اس مفرور غلام کو کشتی سے جدا نہ کر دیا جائے"

مسافروں میں سے کسی نے بھی ملاح کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ملاح نے کہا: "اگر تم لوگ خاموش رہو گے تو میں قرعہ اندازی پر مجبور ہو جاؤں گا اور پھر اس میں جس کا بھی نام نکلے گا، میں اسے سرکش موجوں کے حوالے کر دوں گا"

لیکن اس کا بھی کوئی جواب نہ ملا۔ ملاح نے پوچھا "کیا کشتی کے تمام مسافر میری باتیں سن رہے ہیں؟"

کسی شخص نے جواب دیا "بس ایک کے سوا سبھی موجود ہیں"

ملاح نے پوچھا: "وہ ایک کون ہے۔ جو اس وقت ہم میں موجود نہیں ہے اور اگر موجود نہیں ہے تو وہ کہاں ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا: "وہ شخص سو رہا ہے"

ملاح نے بے چینی سے پوچھا۔ "وہ کہاں سو رہا ہے؟"

وہ شخص ملاح کو یونس کے پاس لے گیا۔ ملاح نے یونس کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا: "اے شخص تو یہاں بے فکری کی نیند سو رہا ہے اور ہماری کشتی طوفان کے رحم و کرم پر ہچکولے کھا رہی ہے"

آپ نے آنکھیں کھول دیں اور دریافت کیا "تم لوگ پریشان کیوں ہو؟ خیریت تو ہے"

ملاح نے کہا "تو کیسا بے فکر ہے، اٹھ اور اپنے دیوی دیوتا سے دعا مانگ کہ وہ ہمیں طوفان سے بچا لے"

یونس اٹھ کر اس ملاح کے ساتھ ہو لئے۔ وہ انہیں مسافروں کے مجمع میں لے گیا جا

لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین۔ (الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی یکتا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ بے شبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔"

آپ نے آواز سنی کوئی مچھلی کو حکم دے رہا تھا: مچھلی تیرے پاس جو میری امانت ہے اُسے اُگل دے!

مچھلی دریا کے کنارے پہ پہنچی اور وہاں آپ کو اُگل دیا۔ یونس کا جسم اس پرندے جیسا ہو گیا تھا جو تازہ تازہ پیدا ہوا ہو۔ نرم و ملائم اور بالوں سے پاک، آپ بمشکل ساحل سے ذرا بلند جگہ پر چلے گئے۔ وہاں نڈھال ہو کر گر گئے اور بے ہوشی سی طاری ہو گئی۔ کافی دیر بعد جب ہوش میں آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کدو کی ایک بیل نے آپ پر سایہ کر رکھا ہے۔ دھوپ کی تمازت میں بیل کا سایہ بہت بڑی نعمت ثابت ہوا۔

چند دنوں کے بعد اس بیل میں کیڑا لگ گیا۔ کیڑے نے اس بیل کو جڑ کے پاس سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جس سے بیل سوکھنے لگی۔ آپ نے بیل کو سوکھتے جو دیکھا تو بڑا قلق ہوا۔ بولے: خدا وندا! اس بیل کو سوکھنے سے بچا لے۔"

جواب میں انھیں ایک آواز سنائی دی: یونس! تجھے اس بیل کے سوکھ جانے کا ملال کیوں ہے؟ اس بیل میں تیری محنت تو نہیں شامل تھی۔ اسے میں نے پیدا کیا تھا یونس یہ بیل کتنی حقیر سی شے ہے اور تجھے اس حقیر سی شے کے سوکھنے کا ملال ہو رہا ہے پھر ذرا اس پہلو پر بھی تو غور کر کہ وہ نینوا جس کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر ہے جس میں انسان بس رہے ہیں اور ان انسانوں کے علاوہ دوسرے جاندار بھی آباد ہیں تو نے ان کی ہلاکت اور بربادی کی بددعا کی، سوچ، کیا ان کی تباہی اور بربادی کا مجھے قلق نہیں ہو گا۔ کیا تو مجھے ان کے لیے شفیق اور مہربان نہیں سمجھتا۔ تو ایک بیل کے سوکھ جانے کا غم کر رہا ہے۔ تجھے اپنی بددعا کے بعد میری وحی کا انتظار ضرور کرنا چاہیے تھا۔"

ہو جاؤ گے۔"

ملاح نے شش و پنج میں جواب دیا: "میں بحیثیت ایک ناخدا ایسی ہمت نہیں کر سکتا۔ میں نام بنام قرعہ ڈالونگا پھر جس کا نام بھی نکل آئے گا۔ اسے فرات کی موجوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

دیکھتے ہی دیکھتے قرعہ اندازی ہونے لگی۔ اور نام پکارے جانے لگے۔ آخر میں یونس کا نام نکل آیا۔ ملاح اور دوسرے مسافر حیرت سے یونس کو دیکھنے لگے۔ آپ نے کہا: "تم لوگ میری صورت کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے دریا میں پھینک دو کیونکہ میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہوں۔"

ملاح نے کہا: "نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ میں تجھے اس وقت تک دریا میں نہیں پھینکوں گا جب تک پوری طرح مطمئن نہ ہو جاؤں، مجھے تو ایک شریف انسان نظر آتا ہے۔"

قرعہ اندازی دوبارہ ہوئی اور اس بار بھی یونس ہی کا نام نکلا۔ سہ بارہ ہوئی پھر یونس ہی کا نام نکلا۔ یہاں تک کہ ملاح کو اس پر آمادہ ہو جانا پڑا کہ یونس کو دریا میں پھینک دیا جائے۔

ملاح نے کہا: "اے شخص! میں تیری پاکبازی سے بہت متاثر ہوں اور نہیں چاہتا تھا کہ تجھے دریا میں پھینکا جائے لیکن بار بار کی قرعہ اندازی میں جب تیرا ہی نام نکلا تو میں مجبور ہو گیا ہوں کہ تجھے دریا میں گرا دوں۔"

آپ نے جواب دیا: "میں تو قرعہ اندازی کے بغیر ہی یہ سمجھ چکا تھا کہ میرا آقا مجھ سے ناراض ہے۔ تم میرے رب کو خوش کرنے کے لئے مجھے دریا میں گرا دو۔"

ملاح نے بصد حسرت و افسوس آپ کو دریا کی موجوں کے حوالے کر دیا۔ اِدھر آپ دریا میں گرے، اُدھر ایک بہت بڑی مچھلی اپنا منہ کھولے آپ کو ہڑپ کر جانے کی منتظر تھی۔ آپ کو فوراً ہی نگل گئی۔ یونس کا خیال تھا مچھلی کے پیٹ میں پہنچتے ہی آپ اس کی غذا بن جائیں گے لیکن مچھلی کے معدے نے آپ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے دعا کی،

بہت سے قبائلی سرداروں نے کھڑے ہو کر بہ بانگ دہل اعلان کیا: یونس خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر تھا اور ہم اس کی پیغمبری کے دلوں سے قائل ہو چکے ہیں!

ان قبائلی سرداروں کے پیروکاروں نے بھی اعلان کیا: ہمارے عقلمند سردار ہمیشہ صحیح فیصلے کرتے رہے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کی باتوں پر یقین نہ کریں، ہم سب بھی یونس کی پیغمبری پر دل و جان سے یقین رکھتے ہیں۔"

اُن کے بعد شہر کا سب سے بڑا پروہت کھڑا ہوا۔ بولا: "نینوا کے سردارو اور ان کے پیروکارو! میں حیران ہوں کہ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے باپ دادا کے وقتوں کے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر یونس کے ایسے رب پر یقین کر رہے ہو جو ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔ ہم نہ تو یونس کے رب کو دیکھ سکتے ہیں نہ اس کی باتیں سُن سکتے ہیں نہ اس سے ملاقات کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی پتہ ہے کہ وہاں جا کر اس سے ملنے کی کوشش کریں۔ یونس کہتا تھا کہ اس کا رب ہر جگہ موجود ہے۔ لوگو! اب تم ہی سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو کہ اگر یونس کا رب ہر جگہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ یہاں، اس جگہ بھی، تو وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟" اس کے بعد اس نے مجمع کو ایک ایسی نظر سے دیکھا جس میں فاتحانہ انداز پایا جاتا تھا۔ گویا اس نے یونس کے خلاف میدان مار لیا ہے۔

بادشاہ کے نمائندے نے کہا: "لوگو! مجھ میں اتنی ہمت تو نہیں ہے کہ میں شہر کے سب سے بڑے پروہت کی مخالفت کروں اور انھیں جھٹلانے کی کوشش کروں، لیکن ان کی ایک بات کا جواب ضرور دینا چاہتا ہوں۔"

پروہت کے ماتھے پر فکر و پریشانی سے شکنیں پڑ گئیں، پوچھا: "تو میری کس بات کا جواب دیگا؟"

بادشاہ کے نمائندے نے جواب دیا: "آپ نے ابھی ابھی یہ کہا ہے کہ یونس کے ایسے رب پر کس طرح یقین کر لیا جائے جو نہ تو نظر آتا ہے اور نہ ہی اس سے کہیں ملاقات کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کا کسی کو پتہ معلوم ہے کہ جا کر اس سے ملاقات کر لی جائے، پروہت کے خیال میں

یونس زار و قطار رونے لگے اور اپنی عجلت کی معافی مانگنے لگے۔

اِدھر نینوا والے یونس کے چلے جانے کے بعد چند دن تو ہنسی خوشی رہے اس کے بعد فکر و تردد کا شکار ہو گئے۔ پوری آبادی میں ایک قسم کا کہرام سا برپا ہو گیا۔ ان میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک تو وہ جو اپنے دیوی دیوتاؤں کی قوت اور عظمت میں دل و جان سے یقین رکھتے تھے۔ دوسرے وہ جو دیوی دیوتاؤں میں یقین تو رکھتے تھے لیکن اسکے ساتھ ہی انھیں یونس کی پیغمبری پر بھی یقین ہو چلا تھا پہلے تو یہ یقین موہوم خیال کی طرح اُن کے دلوں میں جاگزیں ہوا لیکن جب وہ خوفناک عذاب کی خبر دیکر نینوا سے چلے گئے تو انھیں ان کی پیغمبری کا پورا پورا یقین ہو گیا کیونکہ اگر یونس کو کسی طمع میں یہ کام کرنا پڑ رہا ہوتا تو وہ نینوا والوں سے دل برداشتہ ہو کر چلے نہ جاتے۔ ان کے چلے جانے کا ان لوگوں پر بھی بڑا اثر ہوا جو یونس کی پیغمبری پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اپنے دیوی دیوتاؤں کی قوت اور عظمت کے دل سے قائل تھے۔

پہلے تو یونس کی جدائی اور ان کے عذاب کی خبر پر لوگ الگ الگ چہ میگوئیاں اور سرگوشیاں کرتے رہے لیکن پھر ان سبھوں نے ان امور پر اجتماعی انداز میں سوچنا اور باتیں کرنا شروع کر دیا نینوا کے بڑے بڑے سردار اور پروہت اس میدان میں یکجا ہوئے جو شہری، سماجی اور مذہبی تقریبات کے اجتماع کے لیے مقرر تھا، اس میں بادشاہ کی طرف سے ان کا ایک نمائندہ بھی شامل تھا۔ شاہی نمائندے نے تقریر کرتے ہوئے کہا: "لوگو! تم سب جانتے ہو کہ یونس یروشلم سے آیا تھا اور ہم سب کی اصلاح کے لئے آیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اسے نینوا میں خدا نے بھیجا تھا۔ وہ اپنے کام کا کسی سے صلہ بھی نہیں چاہتا تھا۔ تم لوگوں نے اس کی باتیں نہیں مانیں اور اس کا مذاق اُڑاتے رہے، آخر وہ تم سب سے ناراض ہو گیا اور چالیس دن بعد عذاب کے نزول کی خبر دیکر تمہارے شہر سے کہیں اور چلا گیا ان حالات اور تفصیلات کی روشنی میں تم یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا چاہیئے اور یہ کہ تم میں کتنے ایسے ہیں جو یونس کو واقعی خدا کا پیغمبر سمجھتے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو اسے پیغمبر نہیں سمجھتے؟"

یں کہ وہ یونس کے خدا کے عذاب کو ٹال دیں۔ اگر وہ ٹالنے میں ناکام رہے تو ہمیں یونس کی پیغمبری پر ایمان لانا ہوگا اور پوری قوم یونس کے رب کی عبادت کرے گی اور اپنے دیوی دیوتاؤں کو نکال باہر کرے گی۔

پروہت نے وعدہ کیا میں آج ہی سے اپنے دیوی دیوتاؤں کو منانے کی کوشش کرونگا اور یونس کے رب کے عذاب کو اسکے وطن یروشلم بھیج دونگا۔ لیکن مجمع میں ایک چہرہ بھی ایسا نہ تھا جس پر پروہت کی باتوں پر یقین پایا جاتا ہو۔ پروہت نے نینوا کے دوسرے پروہتوں کو یکجا کیا اور ان سے دیر تک صلاح و مشورے کرتا رہا، پھر انھوں نے اپنے دیوی دیوتاؤں سے مدد طلب کرنے کا ایک منظم منصوبہ تیار کیا۔ یونس کے بتائے ہوئے چالیس دن پورے ہونے والے تھے۔ تمام پروہت ایک وقت مقررہ میں اپنی اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہو گئے۔ سب سے بڑا پروہت بھی نینوا کی سب سے بڑی عبادت گاہ میں داخل ہوا، پھر اس نے ناقوس پھنکوا کر سارے پروہتوں کو مطلع کیا کہ اپنے دیوی دیوتاؤں سے رجوع ہونے کی ساعت آچکی ہے۔ ان سبھوں نے گڑگڑا کر عرض کرنا شروع کر دیا۔ اے ہمارے باپ داداؤں کے دیوی دیوتاؤ! یروشلم کے یونس نے نینوا والوں کے سامنے اپنا دین پیش کیا تھا وہ تم سب کو عبادت گاہوں سے نکلوا کر ایک خدا کی پرستش کرانا چاہتا ہے ایک ایسے خدا کی پرستش جسے کسی نے نہ تو دیکھا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کا پتہ معلوم ہے لیکن اے دیوی اور دیوتاؤ! تیرے پرستاروں نے یونس کی بات نہیں مانی، جس سے یونس عاجز آ کے نینوا چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ لیکن جاتے جاتے اہل نینوا کو یہ ڈر اور خوف دے گیا اگر نینوا والے ایک خدا کی پرستش پر آمادہ نہ ہوئے تو ان پر چالیسویں دن عذاب نازل ہوگا۔ یونس کے ڈراوے کے چالیس دن پورے ہونے والے ہیں۔ اے دیوی دیوتاؤ! تم اس عذاب کو ٹال دو اور نینوا والوں کو یقین دلا دو کہ یونس کی تعلیمات غلط تھیں اور ہم سب حق بجانب عقائد رکھتے ہیں۔“

معبدوں میں مناجاتیں جاری تھیں کہ عذاب کی گھڑی آپہنچی، مشرق سے سیاہی کی ایک چادر نمودار ہوئی اور اس نے نینوا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ نینوا کے لوگ سہم گئے شاہی

ایسا رب کہیں ہو ہی نہیں سکتا یعنی ایک ایسی شے جو نظر نہ آتی ہو، دیکھی نہ جاسکتی ہو اپنے وجود کو کس طرح ثابت کرے گی۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ کچھ ایسی چیزیں ہمارے آس پاس یا ہم میں موجود ہیں جو دیکھی تو نہیں جاسکتیں لیکن وہ موجود ضرور ہیں۔"

پروہت نے پوچھا: "مثلاً کونسی چیزیں؟"

بادشاہ کے نمائندے نے جواب دیا: "مثلاً ہوا، ہماری روح، ہماری آواز، ہماری نظر، ہوا دیکھی نہیں جاسکتی لیکن موجود ہے۔ روح نظر نہیں آتی لیکن ہمارے جسموں میں موجود ضرور ہے ہماری آواز، ہم اسے سن تو سکتے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ ہماری نظر ایک دوسرے پر پڑتی ضرور ہے لیکن اسے دیکھا نہیں جاسکتا۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ یونس کا رب موجود تو ہو مگر اسے دیکھ نہ پاتے ہوں۔"

مجمع میں ہلکا سا شور اٹھا، یہ شور داد و تحسین کا تھا، جو بادشاہی نمائندے کی مدلل باتوں کے جواب میں بے اختیار بلند ہوا تھا۔ ایک سردار نے کہا: "بادشاہ کے نمائندے کی باتوں کا مقدس پروہت کے پاس کوئی جواب ہے؟"

پروہت نے نفرت سے کہا: "جواب تو میرے پاس ہر بات کا موجود ہے۔ شاہی نمائندے کی باتوں کا بھی جواب میرے پاس موجود ہے لیکن میں حیران تو اس بات پر ہوں کہ تمہاری عقلوں کو ہو کیا گیا ہے۔ ایک شخص یروشلم سے چل کر تمہارے پاس آیا اور الٹی سیدھی باتیں کر کے تمہیں ورغلانے کی کوشش کی اور تم لوگ بھی اپنے باپ داداؤں کے وقتوں کے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر یونس کے ایک خدا کو ماننے پر آمادہ ہو گئے۔ اگر نینوا پر کوئی عذاب نازل ہی ہوگا تو وہ یونس کے خدا کی طرف سے نہیں اترے گا بلکہ وہ تمہارے ہی دیوی دیوتا نازل کریں گے۔"

شاہی نمائندے نے کہا: "مقدس پروہت! اگر تمہیں اپنی بات کی صداقت پر یقین ہے تو میں اہل نینوا کی طرف سے درخواست کروں گا کہ آپ دیوی دیوتاؤں سے درخواست

جاری کرتا ہے"۔

شاہی نمائندے نے بادشاہ کو جدید صورتِ حال سے مطلع کیا۔ بادشاہ بھی ڈر گیا۔ اس نے حکم دیا۔ نینوا والوں کو میرا یہ فرمان پہنچا دیا جائے کہ وہ سب کل روزہ رکھیں گے، اپنے قیمتی لباسوں کو اتار دو اور اس کی جگہ ٹاٹ کا لباس زیب تن کر لو اور میدانوں میں نکل کر رو رو کر خدا سے اپنے گناہوں اور گمراہیوں کی معافی مانگو۔ اس طرح یونس کا خدا ہمیں شاید معاف کر دے"۔

شاہی نمائندے نے اعلان کیا۔ "لوگو! بادشاہ کا حکم ہے کہ تم سب اپنے قیمتی لباس کو اتار دو اور اس کی جگہ ٹاٹ کے احرام باندھ لو۔ شاید اس طرح خدا ہم سب کو معاف کر دے۔ لوگو! تمہیں منع کیا جاتا ہے کہ تم اور تمہارے مویشی بھوکے رہیں، ان دونوں کو کھانے پینے سے پرہیز کرنا ہوگا اور سب مل جل کر خدا سے معافی مانگیں۔ شاید اس طرح ہم سب اس کے عذابِ شدید سے نجات پا جائیں اور ہلاکت سے بچ جائیں۔ لوگو! تم اپنے دلوں میں یونس کی پیغمبری کا اقرار کر لو اور اس کے ان دیکھے خدا پر ایمان لے آؤ"۔

بادشاہ تخت کے نیچے آ گیا۔ اس نے اپنا شاہی لباس اتار پھینکا اور اس کی جگہ ٹاٹ کا احرام باندھ لیا۔ نینوا والوں نے بھی اپنے قیمتی لباس اتار پھینکے اور اس کی جگہ ٹاٹ باندھ لیے اور اپنے رب کی بارگاہ میں گریہ وزاری کر کے توبہ واستغفار کرنے لگے۔

سیاہی کی وہ چادر جس نے نینوا کے مکانوں کو چھپا لیا تھا، دور ہونے لگی، پروہت اب بھی اپنی ضد پر قائم تھا۔ بولا "لوگو! تمہیں مبارک ہو، یروشلم اور یونس کا خدا ہار گیا، دیوی دیوتا جیت گئے، سیاہی کا عذاب نینوا سے رخصت ہو رہا ہے"۔

جب وہ یہ کہہ رہا تھا، سیاہی کی چادر پروہت کے دیوی دیوتاؤں کے معبدوں کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔ پروہت اپنے معبد میں گھس گیا، نینوا والوں کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ کافی دیر بعد جب پروہت اور اس کے معبدوں پر سے سیاہی کی چادر ہٹی

نمائندے نے پروہت سے دریافت کیا: مقدس پروہت آپ کی دعاؤں کا اثر کب ظاہر
پروہت بھی اندر سے دو دلا ہو رہا تھا، بولا: دعاؤں کے پہنچنے میں کچھ دیر تو لگتی ہی ہے۔
ذرا انتظار کرنا ہوگا!

سیاہی کی چادر نینوا میں داخل ہوگئی اور اس نے پوری آبادی کے مکانوں اور چھتوں کو اپنے سائے تلے لے لیا۔ گھروں کی چھتیں سیاہی میں ڈوب گئیں اور انسانی نظریں ان کے دیکھنے سے قاصر رہنے لگیں۔

شاہی نمائندے نے اعلان کیا: نینوا والو! یونس سچا تھا۔ اس کا بتایا ہوا عذاب نازل ہو چکا ہے۔ تمہارے دیوی دیوتا جھوٹے اور بیکار ہیں۔ وہ بے بس اور مجبور ہیں۔ اب ہمارے سامنے اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ یونس کے ان دیکھے خدا پر ایمان لے آئیں اور اپنے دیوی دیوتاؤں کو اپنے معبدوں سے نکال باہر کریں!

پروہت شاہی نمائندے کی تقریر نہایت حسرت اور افسوس سے سنتا رہا۔ نینوا کے ایک سردار نے شاہی نمائندے سے کہا: جناب والا! یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دی جائے کہ ہمارے دیوی دیوتا فضول اور بے جان ہیں۔ ہم سب یونس کے اَن دیکھے خدا پر یقین لانے کے لئے آمادہ ہیں!

پروہت نے بڑی بے بسی اور عاجزی سے کہا: لوگو! عجلت کیوں اختیار کرتے ہو، ذرا صبر و تحمل سے کام لو! یونس کا اَن دیکھا خدا نینوا میں اس طرح جارحانہ داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے جس طرح فاتح بادشاہ مفتوح بادشاہوں کے ملکوں میں گھس جایا کرتے ہیں۔ ہمارے دیوی دیوتا، یونس کے خدا سے جنگ کر رہے ہیں اس لئے ہمیں اس جنگ کے نتیجے کا انتظار ضرور کرنا چاہیئے!

شاہی نمائندے نے کہا: بکواس، جھوٹ، یونس پیغمبر ہے اور اس کا رب سچا ہے۔ اب ہمیں مزید گمراہ نہیں رہنا چاہیئے۔ میں بادشاہ کے پاس جاتا ہوں، دیکھتا ہوں وہ کیا فرمان

آپ نے پوچھا: یہ ایمان تم لوگ کب لائے ؟“
کئی نے ایک ساتھ جواب دیا: ”عذاب کے نزول سے پہلے ہی ہم نے توبہ کرلی اور اس توبہ نے ہمیں بچالیا۔“
یونس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، بولے: ”میں اپنے رب کا کس زبان سے شکر ادا کروں!“
کئی سرداروں نے کہا: ”اب آپ ہمارے ساتھ چلئے اور وہاں جاکر اپنے رب کا اچھا شکریہ ادا کیجیے۔“
آپ اُن لوگوں کے ساتھ نینوا چلے گئے۔ وہی گلیاں، وہی کوچے، وہی بازار، وہی سب کچھ، آپ نے جوش میں کہا: ”خدایا! تو نے میری کہاں کہاں سُنی ہے۔ ایک دن وہ بھی تھا جب مجھے پانی میں پھینکا گیا تھا اور موجیں میرے اوپر سے گزر رہی تھیں، میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اب میں تیرے حضور میں حاضری دینے ہی والا ہوں۔ لیکن تو نے مجھے بچالیا۔ خداوندا! جو لوگ جھوٹے معبودوں کو مانتے ہیں وہ تیری شفقت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میں تیری حمد کرتا ہوں۔ تیرے حضور میں قربانی پیش کروں گا اور نذریں ادا کروں گا بیشک بات خداوند ہی کی طرف سے ہے۔“
اس دن نینوا والے بہت خوش تھے، بادشاہ بھی بہت بشاش تھا۔ اس نے یونس کے ہاتھوں ایمان قبول کیا۔ بادشاہ نے پوچھا: ”یونس! تو نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور ہم نے اسے قبول کیا۔ گویا اب تیرا کام ختم ہو چکا ہے۔ کیا تو یروشلم واپس چلا جائے گا؟“
یونس نے جواب دیا: ”نہیں، میں نینوا ہی میں رہوں گا۔ یہیں جیوں گا یہیں مروں گا۔“
اور یونس نے اپنے قول کو سچا کر دکھایا۔ آپ کا نینوا ہی میں وصال ہوا۔
کافی عرصے بعد قرآن پاک نے آپ کی اس طرح تصدیق کی۔
”اور یونس کا معاملہ یاد کرو، جب وہ ناراض ہوکر چلا گیا تھا۔ اس نے یہ سمجھا تھا

تو انھیں پر وہ بہت مردہ دکھائی دیا۔ وہ مر چکا تھا۔

بادشاہ نے کہا: جھوٹے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔ اب یونس کو تلاش کیا جائے!

نینوا والوں کی ایک جماعت یونس کو تلاش کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ جہاں یونس ایک جھونپڑی میں رہ رہے تھے۔ ایک شخص نے جھونپڑی کے در سے پوچھا: اس جھونپڑی میں کون رہتا ہے؟"

یونس نے اندر سے جواب دیا: میں رہتا ہوں، تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

نینوا والے آپ کو آواز سے نہیں پہچان سکے! بولے: ہم لوگ نینوا سے آئے ہیں اور ایک شخص یونس کو تلاش کر رہے ہیں!

نینوا کا ایک سردار بولا: اے شخص! تجھے کچھ پتہ ہے کہ ادھر کوئی آبادی ہے یا نہیں؟"

یونس نے جواب دیا: میں آبادی کی بات تو کچھ جانتا نہیں۔ لیکن تم مجھے ایک بات تو بتاؤ!"

نینوا کا سردار بولا: پوچھ! کیا پوچھتا ہے؟"

یونس نے پوچھا: کیا نینوا پر عذاب نہیں نازل ہوا؟"

جواب ملا: نہیں! نینوا بالکل سلامت ہے لیکن نینوا کے عذاب کی خبر تجھے کس نے دی؟"

ایک دوسرے سردار نے کہا: معزز سردار! یہ تو مجھے یونس ہی کی آواز معلوم ہوتی ہے"

تمام نینوائی ایک ساتھ جھونپڑے میں داخل ہوئے اور یونس کو پہچانتے ہی نعرہ بلند کیا۔ مل گیا، مل گیا، جس یونس کی ہمیں تلاش تھی وہ ہمیں مل گیا!

یونس نے منہ پھیر لیا۔ بولے: میں تم سب سے بھاگ کر تو یہاں آیا ہوں اور تم مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے۔ آخر کیوں؟ میں گمراہیوں سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں!

کئی سردار یک آواز بولے: یونس! تو کیوں ملول ہوتا ہے۔ ہم تیری رسالت پر ایمان لائے اور تیری ہر اس بات پر یقین رکھتے ہیں جو تو ہمیں بتائے گا!

ٹالسٹائی (گلزار شاہد)

جینے کا سراغ

موچی سائمن کا اپنا گھر تھا نہ زمین۔ وہ بیوی
بیت ایک کسان کی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ گزر
قات اُن چند ٹکوں پر تھی جو بطور اُجرت مل جاتے
ن دنوں اُجرت کم اور گیہوں مہنگا تھا۔ جو کچھ ملتا تا
یٹ کی نذر ہو جاتا۔ میاں بیوی کے پاس پوستین
صرف ایک ہی کوٹ تھا جسے وہ دونوں مل
ل کر پہنا کرتے تھے۔ کوٹ پھٹ چکا تھا اور
یا کوٹ بنوانے کے لیے وہ پچھلے برس سے
ھیڑ کی کھالیں خریدنے کا ارادہ کر رہا تھا اب
کے موسم سرما سے پہلے پہلے اس نے کچھ رقم پس
نداز بھی کر لی تھی تین روبل بیوی کے صندوق
یں پوشیدہ رکھے تھے اور پانچ روبل اور بیس
ایک (سو کوپک کا ایک روبل ہوتا ہے) چند
ا ہکوں کے ذمے بقایا تھے۔۔۔

ایک صبح وہ کھالیں خریدنے گھر سے
نکلا۔ قمیص پر اس نے اپنی بیوی کی جاکٹ پہن لی
اور اس کے اُوپر اپنا سرد کوٹ، جیب میں
تین روبل کا نوٹ ڈالا، درخت سے ایک
چھڑی کاٹ کر ہاتھ میں لی اور ناشتہ کرنے کے
بعد اپنی راہ پر ہو لیا۔ اس نے سوچا۔۔ گاہکوں
سے وہ پانچ روبل وصول ہو گئے تو ان میں
یہ تین ملا کر کام بن جائے گا۔ آخر وہ اس قصبے
میں پہنچا۔ جہاں سے قرض وصول کر کے کھالیں
خریدنا تھیں۔ ایک کسان تو گھر پہ ہی نہ ملا اس
کی بیوی نے وعدہ کیا کہ رقم اس کو اگلے ہفتے ضرور
مل جائے گی۔ البتہ اس کی ادائیگی اس کا خاوند
ہی کرے گا۔ سائمن دوسرے مقروض کے ہاں
گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ میرے پاس تو اس
وقت پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ ہاں جوتوں
کی مرمت کے بیس کوپک لے سکتے ہو۔ اب

کہ ہم اسے آزمائش میں نہیں ڈالیں گے لیکن مچھلی نے اسے نگل لیا۔ پھر اس نے آواز دی، خدایا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، ہر طرح کی پاکی تیرے لیے ہے۔ حقیقتاً میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا۔ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غمگینی سے نجات دی اور ہم اس طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں"۔

"پس اپنے پروردگار کے حکم کی وجہ سے صبر کو کام میں لاؤ۔ اور مچھلی والے (یونس کی طرح بے صبر) نہ ہو جاؤ۔ جب اس نے خدا کو پکارا تھا تو وہ بہت مغموم تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس کے پروردگار کے فضل نے اس کو (آغوش میں) لے لیا تھا، تو وہ ضرور چٹیل میدان میں ملامت شدہ ہو کر پھینک دیا جاتا، پس اس کے پروردگار نے اس کو برگزیدہ کیا اور اس کو نیکوکاروں میں رکھا"۔

اہل نینوا تاریخ عالم میں وہ پہلی قوم تھے جس نے عذاب کے نزول سے پہلے ہی توبہ استغفار کرکے اپنا بچاؤ کر لیا اور تباہی و بربادی سے بچ گئی۔

غمِ زندگی .... (ابوایوب انصاری آسی)

تری میکشی سے توبہ بخدا اسی سے پہلے
ترے لطف نے پلا دی مجھے تشنگی سے پہلے

یہ کرم ہے سب تمہارا کہ مجھے حیات بخشی
مجھے کون جانتا تھا مری زندگی سے پہلے

کبھی تو نے یہ بھی سوچا کہ مآل اس کا ہے کیا؟
کسی دوستی سے پہلے کسی دشمنی سے پہلے

مرا جرم بے حقیقت ترا لطف بے نہایت
یہ شعور کب ملا تھا مجھے گمرہی سے پہلے

غمِ زندگی نہ ملتا تو یہ زندگی نہ ہوتی
غمِ زندگی ملا ہے ہمیں زندگی سے پہلے

میں بتاؤں تجھ کو آسی ترا جرم بے گناہی
وہ جو تجھ سے بدگماں ہے ذرا پوچھ اسی سے پہلے

یا تھا۔ جو سڑک کے موڑ پر واقع تھی، اس نے سر اٹھا کر دیکھا، تو خانقاہ کے عقب میں ایک سفید سی چیز نظر آئی۔ شام کی دھندلاہٹ میں پتہ نہ چل سکا۔ "وہ کیا ہے؟ پہلے تو یہاں کوئی سفید پتھر نہ تھا۔ یہ کہاں سے آگیا؟" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "شاید بیل ہے۔ مگر نہیں اس کا سر آدمی کا دکھائی دیتا تھا۔ بالکل سفید لیکن یہ آدمی یہاں کیا کر رہا ہے؟"

وہ اس شے کے اتنا قریب پہنچ گیا تھا کہ بخوبی نظر آسکتی تھی۔ وہ حیرت میں مذبذب کر رہ گیا۔ وہ واقعی آدمی تھا معلوم نہیں زندہ تھا یا مردہ، مگر تھا بالکل عریاں۔ خانقاہ پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ موچی ڈر گیا۔ "اسے ضرور کسی نے قتل کردیا ہے۔ اور اس کے کپڑے اتار کر اُسے یہاں ننگا پھینک گیا ہے۔ اگر قریب گیا تو وہ مجھے دھر لیں گے" اس نے اپنے آپ سے کہا، کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا اور پھر چل دیا۔ وہ خانقاہ کے سامنے سے ذرا کترا کر گزرا تاکہ وہ آدمی اُسے دیکھ نہ لے۔ ذرا آگے جا کر اس نے مڑ کر دیکھا... وہ شخص اب خانقاہ کے اوپر جھکا ہوا نہ تھا بلکہ بیٹھا تھا۔ شاید اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ موچی اور بھی ڈر گیا۔ "میں اُس کے پاس جاؤں یا نہیں؟" اس نے سوچا "قریب جا کر کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں اور جانے کون ہے! وہ یہاں اچھی نیت سے تھوڑی آیا ہوگا۔ ممکن ہے جھپٹ کر مجھ سے لپٹ جائے اور میرا گلا گھونٹ دے اور میرے لیے بھاگنا دشوار ہو جائے۔ ایسا نہ ہوا تو بھی وہ ایک بوجھ بن جائے گا۔ میں ایسے ننگے آدمی کو کیا کروں گا؟ میرے پاس تو دینے کو کپڑے بھی نہیں ہیں۔ یہ تن کے کپڑے ہی میری کل پونجی ہیں۔ خدا ہی ہے جو یہاں سے بچا کر لے جائے"

موچی نے اپنے قدم تیز تر کر دیے اور خانقاہ سے بہت دور نکل گیا۔ اچانک اس کے ضمیر نے اُسے ٹوکا اور وہ رُک گیا

"سائمن! کیا کر رہے ہو؟" اس نے اپنے آپ سے کہا: "ممکن ہے وہ بیچارہ مصیبت زدہ ہو اور مدد کا طالب۔ تم اس کے پاس سے کھسک کر چلے آئے۔ کیا اتنے امیر ہو گئے ہو کہ اب تمہیں ڈاکوؤں سے ڈر لگتا ہے۔ سائمن! افسوس ہے

کھالیں اسعار لینے کے سوا چارہ نہ تھا، پر بیچنے والے نے اعتبار نہ کیا۔ اس نے کہا: "میاں روپے لاؤ، پھر جو چاہو سے جانا۔ ہم جانتے ہیں رقم وصول کرنا کتنا دردِ سر ہے۔"

اس پھیرے میں یا تو مرمت کے دو میں کو یک سائمن کے ہاتھ آئے یا ادھوڑی کے بوٹوں کا ایک جوڑا جو تلوے لگانے کے لیے ایک کسان نے اس کو دیا تھا۔

سائمن کا دل ٹوٹ گیا۔ اس نے بیس کوپک کی وڈکا (روسی تاڑی) پی لی اور گھر کی راہ لی۔ وہ سرخوشی کے عالم میں برف سے منجمد زمین کو اپنی چھڑی سے کھٹکھٹاتا چلا جا رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ادھوڑی کے بوٹ جھول رہے تھے وہ اپنے آپ سے ہم کلام تھا:

"میرے پاس کھال کا کوٹ نہیں ہے تو کیا ہوا، جسم میں تو گرمی ہے۔ وڈکا میرے جسم کے ریشے ریشے میں سرایت کر رہی ہے۔ اب مجھے کسی گرم کوٹ کی حاجت نہیں رہی۔ اس کے بغیر بھی گزر ہو سکتی ہے۔ البتہ بیوی ضرور سٹپٹائے گی۔ اُسے سٹپٹانا بھی چاہیے۔ کتنے افسوس کی بات ہے ایک آدمی سارا دن کام کرے اور پھر بھی اُسے اُجرت نہ ملے۔ ذرا ٹھہرو۔ اگر اب کے رقم نہ لائے تو تمہاری کھال اُدھیڑ دوں گا۔ سُن لیا۔ اور میرے ہاتھ سے بچ نکلے تو اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھو۔ ذرا دیکھو تو، مجھے صرف بیس کوپک دیتا ہے۔ ان بیس کوپک میں کیا کروں؟ پی لوں... اس سے تو یہی کچھ ہو سکتا ہے۔ کہتا ہے۔ میں آج کل تنگ دست ہوں۔ ہوگا مجھے کیا؟ تمہارے پاس رہنے کا اپنا مکان ہے۔ ڈھور ڈنگر ہیں، اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور میرے پاس بس وہی کچھ ہے جو میرے تن پر ہے۔ تمہیں تو اپنے کھیت سے گندم بھی مل جائے گی لیکن مجھے اس کا ایک ایک دانہ مول لینا پڑے گا۔ میں چاہے کچھ سوچوں، صرف روٹی پر ہر ہفتے میرے پلّے سے تین روبل کھل جاتے ہیں... پھر دوسرے مصارف بھی ہیں ڈیڑھ دو روبل اُن کے لیے چاہئیں۔ اس لیے جو کچھ تمہارے ذمے ہے، وہ فوراً ادا کر دو اور زیادہ بکواس نہ کرو۔"

خیالات کی رو میں وہ اس خانقاہ تک پہنچ

نوجوان سائمن کے قدموں سے قدم ملائے چپ کھڑا رہا۔ چلتے چلتے سائمن نے پوچھا۔

"بھائی، کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں اس علاقے کا نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"میرا خیال بھی یہی تھا۔ میں یہاں کے لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن تم یہاں خانقاہ میں کیسے پہنچ گئے؟"

"میں نہیں بتا سکتا۔"

"کسی نے تم پر ظلم کیا ہے؟"

"نہیں، کسی نے میرے ساتھ ظلم نہیں کیا۔ مجھے خدا نے سزا دی ہے۔"

"یہ درست ہے کہ خدا ہی ہمارا حاکم ہے تاہم ہمیں روٹی بھی چاہئے اور سر چھپانے کو جگہ بھی۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"میرے لیے سب جگہیں ایک سی ہیں۔"

سائمن حیران تھا کہ نوجوان نہ تو غنڈہ دکھائی دیتا ہے۔ نہ اس کی زبان غیر شریفانہ ہے پھر بھی اپنا اتا پتہ نہیں دے رہا: کیا خبر، بے چارے کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور بلند آواز سے کہا:

"آؤ پھر میرے گھر ہی چلے چلو۔ کم از کم سردی سے تو بچ جاؤ گے۔"

سائمن اپنے گھر کی راہ پر ہو لیا۔ اجنبی اس کے ساتھ قدم قدم چلنے لگا۔ ہوا تیز ہو گئی تھی سائمن کے جسم پر صرف ایک قمیص رہ گئی تھی سردی سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ نشہ اتر چکا تھا اور جسم جیسے کمر سے کٹ رہا ہو وہ سی سی کرتے ہوئے سوچ رہا تھا: "میں تو بھیڑ کی کھالیں خریدنے گیا تھا۔ الٹا اپنا کوٹ بھی اتار کر دے دیا تھا۔ اور ایک عریاں قلاش سا آدمی مفت میں ساتھ لے لیا۔ میٹرینا دیکھتے ہی بھڑک اٹھے گی۔" بیوی کا خیال آتے ہی غم کی لہر اس کی رگ و پے میں دوڑ گئی۔ لیکن جونہی اجنبی پر نظر پڑی اسے اس کی وہ نگاہ یاد آ گئی جو اس نے خانقاہ میں بیٹھے بیٹھے اس پر ڈالی تھی۔ بے بسی اور بے چارگی کی نگاہ لطف و کرم کی طلب گار نگاہ! اس یاد سے معاً اس کے دل کا پھول کھل اٹھا:

تم پر!"

وہ پلٹا اور اُس آدمی کی طرف بڑھا۔

سائمن اجنبی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک صحت مند نوجوان تھا۔ اُس کے جسم پر کوئی خراش نہ تھی، البتہ وہ سردی سے بُری طرح ٹھٹھر رہا تھا اور سخت خوفزدہ نظر آتا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر سائمن کی طرف دیکھا۔ مگر بدستور جھکا بیٹھا رہا۔ سائمن نے دو تین قدم اُٹھائے اور اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اجنبی جیسے جاگ اٹھا۔ دو ایک بار آنکھیں جھپکیں اور اپنی نگاہ سائمن پر گاڑ دی۔ اسی ایک نگاہ نے سائمن کو گرویدہ بنا لیا۔ اس نے بوٹ پھینک دیے، کمر کھولی، اُسے بوٹوں کے اُوپر رکھا، اپنا سوتی کوٹ اتارا اور کہا: "زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ لو! یہ جلدی سے پہن لو!"

سائمن نے اس کو پکڑ کر اٹھایا۔ اس نے دیکھا کہ نوجوان کا بدن صاف ستھرا اور صحیح سالم ہے۔ اُس کے ہاتھ پاؤں نکلتے ہوئے، چہرہ مہرہ ملائم تھا۔ اس نے کوٹ نوجوان کے کندھوں پر ڈال دیا۔ لیکن وہ کچھ ایسا بدحواس تھا کہ اُسے کوٹ کی آستین پہننا تک نہ آتی تھی۔ سائمن نے اس کے بازو پکڑ کر آستینوں میں داخل کیے اور پٹی لگا کر کمربند سے خوب اچھی طرح لپیٹ دیا۔ پھر اپنی پھٹی ہوئی ٹوپی اُسے دینے کے لیے اُتاری۔ لیکن سر ننگا ہوتے ہی اُس پر سردی سے کپکپی طاری ہو گئی۔ اُس نے سوچا "میں تو بالکل گنجا ہوں اور اس کے لمبے لمبے گھنگھریالے بال ہیں۔" اس نے اپنی ٹوپی پھر اپنے سر پر رکھ لی۔ پھر خیال آیا، اس کے ننگے پاؤں ڈھانپنے چاہئیں... اس نے اسے بٹھا کر اس کے پاؤں میں مرمت طلب بوٹ پہنا دیے اور کہا: "دیکھو دوست! اب تم سردی سے کچھ نہ کچھ محفوظ ہو گئے ہو اور آسانی سے چل پھر سکتے ہو۔ ٹھیک ہے نا؟"

نوجوان چُپ کھڑا اپنی نرم اور ملائم نگاہوں سے سائمن کو دیکھتا رہا...

"تم بولتے کیوں نہیں؟" سائمن نے کہا۔ "یہاں کھڑے کھڑے تو اکڑ جاؤ گے۔ کمزور ہو تو یہ لو چھڑی سہارے کا کام دے گی۔ چلو جلدی کرو۔ سردی بہت زیادہ ہے۔"

میٹرینا نے ایک طرف ہوکر راستہ دے دیا وہ جھونپڑی میں داخل ہوگئے۔ پھر وہ خود اُن کے پیچھے پیچھے اندر آگئی۔ اس نے دیکھا اجنبی نوجوان نے اس کے خاوند کا کوٹ پہن رکھا تھا کوٹ کے نیچے قمیص نظر آرہی تھی۔ اجنبی جھونپڑی میں داخل ہوکر ساکت وصامت آنکھیں جھکائے کھڑا ہوگیا۔

"ضرور کوئی بدمعاش ہے!" میٹرینا نے دل میں کہا: "شاید ڈر گیا ہے۔" اس نے اجنبی کو گھور کر دیکھا اور پھر چولہے کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

سائمن نے اپنی ٹوپی اُتاری اور کھاٹ پر بیٹھ گیا۔ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

"میٹرینا! کھانا تیار ہے تو لے آؤ" اس نے کہا۔

میٹرینا زیر لب بڑبڑائی اور یونہی بے حس وحرکت چولہے کے قریب کھڑی رہی۔ بس اُن دونوں کی طرف باری باری دیکھ کر سر ہلا دیا۔

سائمن سمجھ گیا۔ بیوی غصّے میں ہے، لیکن یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس نے کچھ نہیں دیکھا اجنبی کو بازو سے پکڑ کر کہا: "بیٹھ جاؤ، آؤ کچھ کھائیں"

اجنبی بھی کھاٹ پر بیٹھ گیا۔

"کچھ پکا ہے یا نہیں؟" سائمن نے پھر پوچھا

میٹرینا غصّے سے کھول اُٹھی۔

"ہاں پکا ہے، لیکن تمہارے لیے نہیں شاید تمہاری عقل شراب کے ساتھ ہی بہہ گئی ہے! تم تو کوٹ کے لیے کھالیں لینے گئے تھے اور آئے اُس حالت میں ہوکر تمہارے بدن پر پہلا کوٹ بھی نہیں اور ساتھ میں ایک ننگ دھڑنگ اُچکا ہے۔ تم جیسے بدمستوں کے لیے میرے پاس کوئی کھانا وانا نہیں۔"

"بس میٹرینا بس زبان بیکار مت چلاؤ۔ یہ تو پوچھ لیتیں کہ یہ شخص کون ہے؟"

"یہ شخص کون ہے؟"

سائمن نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ تین روبل کا ایک نوٹ نکالا اور اس کی تہیں کھولتے ہوئے بولا: "یہ لو رقم! اٹرنیفونوف نے ابھی نہیں دی۔ البتہ وعدہ کیا ہے کہ جلد ادا کردیگا۔"

میٹرینا کا دل اوپر چڑھ گیا۔ ایک تو بیوقوف کھالیں نہیں لایا، پھر اپنا کوٹ اس ننگے کو

سائمن کی بیوی نے اُس روز ہر چیز پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھی۔ لکڑیاں پھاڑلی تھیں پانی بھر لیا تھا اور بچوں کو کھلا پلا کر خود بھی کھا پی لیا تھا۔ روٹی کے چند ٹکڑے بچ رہے تھے اور میٹرینا بیٹھی سوچ رہی تھی: "سائمن نے کھانا قصبے ہی میں کھا لیا تھا اور یہ روٹیاں کل کے کام آجائیں گی۔" اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لے کر تولا اور بڑبڑائی: "نہ کھایا ہو تو بھی ٹکڑا کافی نہیں رہے گا۔ پیچھے تھوڑا سا آٹا رہ گیا ہے۔ ان ٹکڑوں سے ہم جمعے تک گزارہ کر سکتے ہیں۔

اس نے روٹی چنگیری میں رکھ دی اور اپنے خاوند کی قمیص میں پیوند لگانے بیٹھ گئی۔ سیتے سیتے شوہر نامدار کا خیال آگیا۔ "کہیں کسی کے بہلانے فریب میں نہ آجائے، بہت ہی سیدھا سادا ہے ایک بچہ بھی اُسے بہلا پھسلا سکتا ہے آٹھ روبل اچھی خاصی رقم ہے۔ کوٹ خرید لے تو اچھا ہے۔ رنگی ہوئی کھالیں نہیں، ایک عمدہ گرم کوٹ! پچھلی سردیوں میں گرم کوٹ کے بغیر بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ میں نہ تو دریا پر جا سکتی تھی۔ نہ کہیں اور۔ اس کو باہر جانا ہوتا تو وہ سب کچھ پہن کر چلا جاتا اور میرے پہننے کے لیے کچھ بھی نہ رہتا۔ خاصی دیر ہو گئی ہے اُسے اب تک آجانا چاہیے تھا۔ ڈر ہے کہیں پینے نہ بیٹھ گیا ہو۔" خیالات اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اچانک دہلیز پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کوئی شخص اندر داخل ہوا۔ میٹرینا نے سوئی قمیص میں ٹانک دی، اٹھی اور ڈیوڑھی میں دیکھنے گئی۔ وہاں دو شخص تھے۔ ایک سائمن اور دوسرا کوئی اور آدمی۔ برہنہ سر اور پاؤں میں ادھوڑی کے بوٹ پہنے ہوئے۔

۔ میٹرینا نے ایک ہی نگاہ میں بھانپ لیا کہ اس کا خاوند شراب کی بو میں لسا ہوا ہے "وہی بات ہوئی نا، شراب میں دُھت" اس نے دل ہی دل میں کہا اور جب اُس نے دیکھا کہ وہ بغیر کوٹ کے ہے اور صرف جاکٹ بدن پر اور بغل میں کوئی بنڈل وغیرہ نہیں، تو وہ سکتے میں آگئی۔ اس کا سر افسوس سے جھک گیا اور دل یاس سے لوٹ گیا۔

"ساری رقم شراب میں بہا آیا ہے۔" وہ بڑبڑائی اور اپنے ساتھ ایک اور لچا گھر لے آیا۔"

"یہی تو میں تجھے بتانے چلا تھا۔ یہ مجھے واپس آتے ہوئے خانقاہ کے پاس ملا تھا۔ عریاں ننگ دھڑنگ ٹھٹھرا ہوا بیٹھا تھا۔ خدا نے مجھے وہاں بھیج دیا، ورنہ اس کا کام تمام ہو جاتا۔ میں نے اسے کپڑے پہنا دیے اور اپنے ساتھ لے آیا ... میٹرینا، خفا مت ہو۔ خفگی گناہ ہے۔ مت بھولو کہ ہم سب کو ایک دن مرنا ہے۔"

غصے بھرے الفاظ میٹرینا کی زبان پر آتے آتے رک گئے۔ اس کی نظر اجنبی پر جا پڑی تھی۔ جو کھاٹ پر چُپ چاپ بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھے تھے اور سر سینے پر جھکا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور بھنویں اس طرح تنی ہوئیں جیسے سخت کرب کے عالم میں ہو۔

"میٹرینا تیرے دل میں خدا کی محبت نہیں؟" سائمن نے کہا۔ میٹرینا پر ان الفاظ نے عجیب سا اثر کیا۔ اس کی نظر اجنبی پر پڑی اور دل پگھل گیا۔ وہ دروازے پر لوٹ آئی۔ چولہے سے کھانا اٹھایا، میز پر رکھے ہوئے ایک گلاس میں جَو کا شربت انڈیلا، پھر روٹیاں نکالیں اور چھری کانٹے رکھ دیے اور بولی: "لو کھاؤ۔"

"آؤ بھئی، تم بھی بیٹھ جاؤ۔" سائمن نے اجنبی کو دعوت دی۔

سائمن نے روٹی کے ٹکڑے کاٹ کر شوربے میں بھگو دیے اور دونوں کھانے لگے۔ میٹرینا ایک گوشے میں بیٹھی اپنا سر تھامے اجنبی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں رحم کے جذبات اُمڈے چلے آتے تھے۔ اب وہ اجنبی اُسے بڑا بھلا لگ رہا تھا۔ اچانک اجنبی کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس کی بھنوؤں کا تناؤ مٹ گیا۔ اس نے آنکھیں اُٹھا کر میٹرینا کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ وہ کھانا کھا چکے تو میٹرینا نے برتن اٹھا لیے اور پھر اجنبی سے باتیں شروع کر دیں۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" اُس نے کہا

"میں اس علاقے کا نہیں ہوں۔"

"لیکن یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"معاف کیجئے خاتون، میں کچھ بتانے سے قاصر ہوں۔"

"کسی نے لوٹ لیا تھا کیا؟"

پہنا کر اپنے ساتھ گھر لے آیا اور اب کھانا پوچھ رہا ہے
اس نے جھپٹ کر میز پر سے نوٹ اٹھا لیا اور بولی۔

"میرے پاس تمہارے لیے کوئی کھانا وانا نہیں۔ ہم نے دنیا جہاں کے ننگے شرابیوں کا پیٹ پالنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے۔۔۔"

"میٹرینا، اپنی زبان کو لگام دو، پہلے سن لو کہ یہ کون ہے؟"

"اچھا ایک ہوتم شرابی حکمت کے موتی بکھیرنے لگا ہے۔"

میٹرینا کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ میں ٹھیک کہتی تھی کہ تم جیسے شرابی سے شادی نہیں کروں گی۔ ریشم کا تھان جو میری ماں نے دیا تھا، وہ بھی تم نے شراب میں ضائع کر دیا اور اب کوٹ خریدنے گئے تو ساری رقم شراب میں اڑا دی۔"

"میں نے تو صرف بیس کوپک خرچ کیے ہیں۔"
سائمن نے بیوی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔
اور یہ بے چارہ اجنبی۔۔۔" مگر میٹرینا نے اس کی ایک نہ سنی۔ زبان قینچی کی طرح چل پڑی اور پھر اس نے دس برس پہلے کے گڑے مُردے اکھاڑنے شروع کر دیے۔

بولتے بولتے میٹرینا سائمن پر ج
اور اُس کو آستین سے پکڑ لیا:
"میری جاکٹ فوراً اُتار دے، یہی ا
کل پونجی ہے۔ تو ہمیشہ اسے استعمال کرتا ہے۔ دے دے مجھے حرصی کتے، بجھو
کی سنوار!"

سائمن نے کھینچ کر جاکٹ اُتارنا چا
اور آستین الٹ دی۔ میٹرینا نے جاکٹ کا
تو اس کی سیون اُدھڑ گئی۔ پھر بھی جھپٹ
اور سر پہ رکھ کر دروازے کی طرف بڑھ
لیکن پھر بڑھتے بڑھتے رُک گئی۔ اُسے تذ
نے آلیا تھا۔ وہ غصہ تھوک دینا چاہتی
تھی، لیکن ... لیکن یہ اجنبی کون ہے، آخر کچھ
تو پتہ چلے۔ وہ سوچنے لگی اور پھر ایک دم سے بول اُٹھی: "ہوں وہ کوئی اچھا آدمی ہوتا، تو یوں ننگا نہ ہوتا! اس کے بدن پر تو قمیص تک نہیں۔ یہ بھلا آدمی ہے، تو بتاؤ تمہیں کہاں ملا؟"

سائمن نے جواب دیا۔

ہمیں کیوں نہیں دیتے؟"
میٹرینا نے کہا۔
سائمن اس کا کیا جواب دیتا۔" اب چپ ہو جاؤ" اس نے کہا، کروٹ بدلی اور خرّاٹے لینے لگا۔

٭

سائمن صبح سویرے اٹھ بیٹھا۔ بچے ابھی سو رہے تھے۔ اس کی بیوی اپنی ہمسائی سے آٹا مانگنے چلی گئی۔ اجنبی تنہا کھاٹ پر بیٹھا تھا۔ اس نے پرانی قمیص اور پاجامہ پہن رکھا تھا اور اوپر نگاہیں اٹھائے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ کل کی نسبت زیادہ روشن اور کھلا ہوا تھا۔
"دیکھو دوست! سائمن نے اس سے کہا "پیٹ کے لیے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے اور ننگے بدن کے لیے کپڑوں کی۔ آدمی کو زندگی بسر کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تم کوئی کام کر سکتے ہو؟"
"نہیں، مجھے کوئی کام نہیں آتا۔"
سائمن حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ لیکن بولا۔ "جو سیکھنا چاہے اس کے لیے ہر کام آسان ہے۔"
"اگر آدمی کام کرتے ہیں، تو میں بھی کروں گا۔"
"تمہارا نام کیا ہے؟"
"مائیکل۔"
"اچھا، مائیکل! اگر تم اپنے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتے تو نہ سہی، لیکن تمہیں اپنے لیے روزی ضرور کمانا پڑے گی۔ میرے کہنے کے مطابق کام کرو گے تو میں تمہیں روٹی بھی دوں گا اور رہنے کو جگہ بھی۔"
اللہ تمہیں جزا دے گا! تم جو سکھاؤ گے سیکھ لوں گا، مجھے کام بتاؤ!"
سائمن نے ڈور لی اور اسے اپنے انگوٹھے کے گرد لپیٹ کر بٹنے لگا۔ "یہ کام بالکل آسان ہے... دیکھو!" اس نے کہا:
مائیکل بڑے غور سے ڈور بٹتے دیکھتا رہا، پھر خود بھی بٹنے لگا۔ اب سائمن نے اس کو ڈور لگانی سکھائی۔ اور مائیکل نے کسی وقت کے بغیر یہ کام بھی سیکھ لیا۔ اب اس نے کھال کے بالوں کو اندر دبا کر سینا سکھایا اور مائیکل یہ بھی

"خدا نے مجھے سزا دی ہے!"

"اور تم وہاں ننگے پڑے رہتے ؟"

"ہاں ننگا اور ٹھٹھرا ہوا۔ سائمن نے مجھ پر ترس کھایا اور اپنا کوٹ پہنا دیا اور اپنے ساتھ لے آیا۔ تم نے مجھے کھلایا پلایا اور مجھ پر رحم کیا اس کی جزا تمہیں خدا دے گا۔"

میٹرینا اٹھی اور سائمن کی وہ قمیص لا کر اجبنی کو دے دی جس میں تھوڑی دیر پہلے وہ پیوند لگا رہی تھی۔ وہ ایک پاجامہ بھی لے آئی۔

"یہ لو قمیص اور پاجامہ انہیں پہن لو اور جہاں جی چاہتا ہے۔ آرام کرو۔ چولہے کے قریب یا برابر کی کوٹھری میں۔"

اجبنی نے کپڑے پہن لیے اور کوٹھری میں لیٹ گیا۔ میٹرینا نے دیا گل کر دیا اور کوٹ لے کر اپنے خاوند کے پاس چولہے کے قریب لیٹ گئی۔ اور کوٹ اپنے اوپر پھیلا لیا۔ لیکن نیند جیسے کوسوں دور جا چکی تھی۔ بار بار اجبنی کا خیال آتا اور وہ سوچوں میں ڈوب جاتی اچانک یاد آیا روٹی کا آخری ٹکڑا بھی ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ کل کیا کریں گے، اور پھر پاجامہ اور قمیص دونوں اجبنی کو دے دیے۔ اس کا دل دکھنے لگا۔ لیکن پھر اجبنی کی مسکراہٹ بجلی کی طرح کوند گئی اور میٹرینا کا دل جیسے باغ و بہار بن گیا وہ دیر تک جاگتی رہی۔ اس نے دیکھا اس کا خاوند بھی جاگ رہا ہے "سائمن" اس نے ہولے سے کہا۔

"ہاں؟"

"روٹی کا آخری ٹکڑا بھی کھایا جا چکا ہے اور آٹا بھی نہیں ہے۔ کل کیا کریں گے۔ شاید کچھ آٹا مارتھا سے اُدھار مل جائے۔"

"زندگی ہے تو کھانے کو بھی کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔"

عورت تھوڑی دیر چپ چاپ لیٹی رہی، پھر بولی:

"آدمی تو بھلا معلوم ہوتا ہے، لیکن وہ بتاتا کیوں نہیں کہ کون ہے؟"

"شاید کوئی وجہ ہو۔"

"سائمن!"

"ہاں؟"

"ہم تو لوگوں کو دے دیتے ہیں۔ لیکن

جھکتے ہوئے کہا:

"فیڈ کا چمڑا لے آؤ!" اس معزز آدمی نے ملازم کو آواز دی۔ ایک چھوکرا سا بھاگا بھاگا اندر آیا اور بنڈل پیش کر دیا۔ اس کے ہاتھ سے معزز آدمی نے بنڈل لیا اور میز پر رکھ دیا: "اسے کھولو!" اس نے حکم دیا۔

ملازم نے تعمیل حکم کی۔ معزز آدمی نے چمڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "موچی جانتے ہو یہ کونسا چمڑا ہے؟"

"نہایت عمدہ حضور!" سالمن نے چمڑے پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"بے شک نہایت عمدہ ہے، لیکن احمق تو نے ایسا چمڑا یقیناً کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ یہ جرمنی کا چمڑا ہے اور اس کی قیمت بیس روبل ہے۔"

"سرکار! میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔"

سالمن نے سہمی آواز میں کہا:

"ٹھیک! اچھا بتاؤ، میرے جوتے تیار کر سکو گے.....؟"

"جی حضور، کیوں نہیں۔"

"واقعی؟" معزز آدمی زور سے بولا، جیسے یقین نہ آ رہا ہو، لیکن دیکھو! جوتے ایسے ہونے چاہئیں کہ کم از کم ایک برس مزدور چلیں۔ نہ تو صورت بگڑے، نہ سیون اُدھڑے۔ ایسے جوتے بنا سکتے ہو تو میرے لیے بنا دو، نہیں بنا سکتے تو ابھی کہہ دو۔ یاد رکھو سال بھر سے پہلے جوتے خراب ہو گئے تو قید کرا دوں گا۔ اُجرت دس روبل ملے گی لیکن سال بھر جوتے پہننے کے بعد۔"

سالمن بے چارہ ڈر سا گیا۔ جواب دے تو کیا دے۔ اس نے مائیکل کی طرف دیکھا۔ اسے کہنی ماری اور آہستہ سے کہا: "یہ کام لے لوں؟"

مائیکل نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور سالمن نے بوٹ بنانے کا ذمہ لے لیا۔

معزز آدمی نے اپنے ملازم کو بلایا اور حکم دیا کہ بائیں پاؤں کا بوٹ اتارو۔ بوٹ اتر گیا تو اس نے پیر پھیلا دیے اور کہا: "ناپ لے لو!"

سالمن نے سترہ انچ لمبائی کا ایک کاغذ لیا۔ پہلے ہاتھ سے صاف کیا پھر اپنے ہاتھ

سیکھ گیا سائمن جو کچھ بتاتا، وہ فوراً سیکھ لیتا۔ تین دن کے اندر اندر وہ اس طرح جوتے سینے لگا۔ گویا وہ ساری عمر یہی کام کرتا رہا تھا۔ وہ بغیر سستائے ہر وقت کام میں لگا رہتا۔ کھانا بھی کم کھاتا۔ کام ختم ہو جاتا تو چپ چاپ بیٹھا اوپر آسمان کی طرف منھ کر کے بیٹھا رہتا۔ وہ بہت کم باہر جاتا۔ ضرورت پڑنے پر بولتا۔ نہ ہنستا نہ مذاق کرتا۔ اس پہلی شام کی مسکراہٹ کے بعد کسی نے اُسے مسکراتے نہ دیکھا۔

٭

ان پر دن گزرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک سال بیت گیا۔ مائیکل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور لوگ کہا کرتے سائمن کا کاریگر جیسے عمدہ اور مضبوط جوتے بناتا ہے ویسے کوئی اور کاریگر نہیں بناتا۔ لوگ گرد و نواح سے سائمن سے جوتے بنوانے آتے۔ یوں اس کے دن پھر گئے۔

سردیوں کا موسم تھا۔ ایک دن سائمن اور مائیکل بیٹھے کام کر رہے تھے ایک گاڑی جس میں تین گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ ٹن ٹن کرتی ہوئی اُن کی جھونپڑی کے سامنے آ رکی۔ انھوں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ ایک ملازم نے جلدی سے اُتر کر گاڑی کا د اور پھر ایک معزز آدمی پشمینے کا کوٹ میں سے نکلا اور سائمن کی جھونپڑی کی بڑھا۔ میٹرینا نے آگے بڑھ کر جھونپڑ ول دیا۔ معزز آدمی بڑا لمبا تڑنگا اور مو تھا۔ جھک کر جھونپڑی میں داخل ہوا سیدھا کھڑا ہوا تو اس کا سر چھت۔ جھونپڑی اس کے عظیم جثے سے گویا گئی تھی۔

سائمن اُٹھ کر آداب بجالایا اور حیر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سائمن خود بھو پتلا تھا اور مائیکل بھی۔ میٹرینا تو بالکل کی مٹھی تھی لیکن یہ شخص کسی اور ہی دنیا کا معلوم ہوتا تھا۔ سرخ چہرہ گول گپا، گر بھینسے کی مانند اور سانچے میں ڈھلا ہوا

معزز آدمی زور سے پھنکارا، پھر کوٹ اُتار کر بنچ پر بیٹھ گیا اور بولا:

"تم دونوں میں اچھا کاریگر کون ہے

میں ہوں حضور!" سائمن نے قدرے

مالک گرم مزاج - کہیں مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔ میرا خیال ہے تمہاری نظر بھی تیز ہے اور ہاتھ بھی۔ بہتیں جو ناپ سے لو اور بناؤ۔ میں اوپر کی سیون درست کر دوں گا۔ ..."

مائیکل نے چمڑا لیا اور میز پر پھیلا دیا۔ پھر اُسے دہرا کیا اور قینچی سے کاٹا۔ میٹرینا دیکھ رہی تھی۔ اس نے بوٹ بنتے دیکھے تھے لیکن مائیکل تو چمڑے سے کوئی عجیب سی چیز کاٹ رہا تھا گول گول سی۔ اس نے بولنا چاہا۔

شاید میں نہیں جانتی امیر آدمی نے کیسے بوٹ بنانے کو کہے ہیں۔ مائیکل ہی بہتر سمجھتا ہے مجھے دخل نہیں دینا چاہیے۔"

مائیکل چمڑا کاٹ چکا، تو بوٹوں کی طرح دوسرے سرے سینے کے بجائے اس نے صرف ایک ہی سرا سیا جیسے نرم سلیپر سیے جاتے ہیں۔ میٹرینا پھر متعجب ہوئی۔ لیکن اب بھی اُسے نہ ٹوکا۔ مائیکل جوتے دوپہر تک سیتا رہا۔ سائمن کھانا کھانے اٹھا۔ اس کی نظر اُدھر پڑی۔ اس نے دیکھا مائیکل نے بوٹ نہیں سلیپر بنا دیے ہیں۔"

"اوہو!" سائمن بے اختیار چلا اٹھا۔ پھر دل ہی دل میں کہا: "مائیکل ایک برس سے میرے ساتھ کام کر رہا ہے اس نے آج تک کبھی غلطی نہیں کی، پھر ایسی فاش غلطی کیوں سرزد ہو سکتی ہے... معزز آدمی نے اونچی ایڑی کے بوٹ بنانے کو کہا تھا اور اس نے اکہرے تلے کے نرم سلیپر بنا دیے۔ میرا قیمتی چمڑا غارت کر دیا۔ اب میں کیا جواب دوں گا ایسا چمڑا کہاں سے لاؤں گا۔ پھر بلند آواز سے بولا

"دوست! یہ تم نے کیا کیا؟ مجھے تباہ کر دیا ہے۔ اس شخص نے تو اونچی ایڑی کے بوٹ بنانے کو کہا تھا ..."

اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ ایک آدمی اپنا گھوڑا کھونٹے سے باندھ رہا تھا۔ سائمن نے دروازہ کھولا۔ وہی ملازم جو معزز آدمی کے ساتھ آیا تھا اندر داخل ہوا۔

"صبح بخیر!" اس نے کہا۔

"صبح بخیر!" سائمن نے جواب دیا۔ "حکم؟"

"میری مالکہ نے مجھے بھیجا ہے، بوٹوں کے سلسلے میں۔"

...صاحب ہیں اس کی خواہش کے
احترام میں اس سے ملنے چلا گیا۔ سنٹرل جیل
کے اس کم آباد حصے میں جس میں پھانسی کے
منتظر قیدی رکھے جاتے تھے ایک تنگ سی
کوٹھری میں لال خاں بجھا بجھا سا پڑا تھا مجھے
دیکھ کر اس کے پژمردہ چہرے پر ہلکی سی
تازگی آ گئی۔ میری خیریت پوچھنے کے بجائے
اس نے سب سے پہلا سوال جو مجھ سے کیا وہ
اپنے انگریز کے متعلق تھا۔ "میرا گورا صاب
کیسا ہے صاب ــــ؟"

اور جب میں نے بتایا کہ وہ تو ملک
چھوڑ کر کہیں اور جا بسا تو لال خاں کا منہ
لٹک گیا۔

میں نے پوچھا "لال خاں تمہیں یہاں
کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ کسی چیز کی ضرورت
تو نہیں۔"؟

میرے اظہار ہمدردی پر لال خاں پھوٹ
پڑا۔ یہاں کوئی آرام نہیں ہے صاب نہ سونے
کو گدا ملتا ہے نہ کھانے کو انڈا۔ صرف
موٹی موٹی روٹیاں ملتی ہیں۔ ان خنزیر کی
اولادوں کو بتاؤ نا صاب کہ ہم دیسی روٹی
نہیں کھاتا۔ میرے کو ڈبل روٹی کے سلائس
دیں۔"

میں دیر تک اُسے دلاسے اور تسلیاں
دیتا رہا۔ رخصت ہونے سے پہلے میں نے پوچھا
لال خاں تمہاری کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ
تاکہ میں اُسے جیلر تک پہنچا دوں۔

لال خاں جیسے ایک دم کھل اُٹھا۔ ہاں
صاحب ایک نہیں دو خواہش ہے ان خنزیر
کے بچوں سے بولو کہ ہم کو تختہ پر لٹکانے سے
پہلے ایک تو ہم کو ہمارا وردی پہنا دیں۔ وہ
ایک لمحہ کو رُک گیا پھر بولا اور دوسرا یہ کہ ہم کو
چکن کا سینڈوچ کھلا دے۔ ان کو بتاؤ کہ
ہم انگریز کا نوکر ہے کوئی دیسی رذیل نوکر
نہیں.....!

متعجب ہوا۔ مائیکل نے کبھی ایسے جھانک کر گلی میں نہ دیکھا تھا اور اب وہ کھڑکی سے لگا دیکھے چلا جا رہا تھا۔

سائمن نے بھی باہر نگاہ دوڑائی۔ واقعی ایک خوش لباس عورت دو ننھی بچیوں کے ہاتھ تھامے جھونپڑی کی جانب آ رہی تھی۔ بچیوں نے پشمینے کے کوٹ پہن رکھے تھے اور سر پہ شال تھے۔ ایک بچی کی بائیں ٹانگ میں نقص تھا اور وہ لنگڑا کر چلتی تھی۔ عورت نے ڈیوڑھی میں آکر دروازہ کھولا۔ پہلے لڑکیاں اندر داخل ہوئیں اور پھر خود۔

"صبح بخیر، اچھے لوگو.....!"

"تشریف لائیے!" سائمن نے کہا۔

عورت میز کے پاس بیٹھ گئی۔ دونوں بچیاں اس کے گھٹنوں کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئیں۔ گویا وہ جھونپڑی والوں سے خوفزدہ ہوں۔

"مجھے ان لڑکیوں کے لیے موسم بہار کے جوتے چاہئیں۔" عورت نے کہا۔

"اگرچہ ہم نے اتنے چھوٹے جوتے کبھی نہیں بنائے، لیکن میرا کاریگر مائیکل اس کام میں ماہر ہے۔ آپ جیسے چاہیں گی، ہم بنا دیں گے" سائمن نے کہا اور مائیکل کی طرف دیکھا۔ وہ اپنا کام چھوڑ کر ننھی بچیوں پر نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔

سائمن متعجب ہوا۔ بے شک بچیاں بڑی پیاری تھیں۔ ان کی آنکھیں سیاہ اور رخسار گلابی تھے انھوں نے نفیس رومال اور اونی شالیں اوڑھ رکھے تھے۔ پھر بھی سائمن حیران تھا۔ مائیکل یوں دیکھ رہا تھا گویا وہ انھیں پہلے ہی سے جانتا ہے۔ آخر اس نے قیمت چکائی اور ناپ لینا چاہا۔ عورت نے لنگڑی بچی کو گود میں بٹھا لیا اور کہا۔

"اس بچی کے دو ناپ لو۔ ایک جوتا اس کے لنگڑے پاؤں کے لیے بنانا اور تین دوسرے پاؤں کے لیے۔ دونوں لڑکیوں کے پاؤں ایک ہی ناپ کے ہیں۔ یہ جڑواں ہیں۔"

سائمن نے ناپ لیا اور پوچھا: "بی بی! بڑی پیاری بچی ہے یہ۔ کیا اس کا یہ نقص پیدائشی ہے؟"

"نہیں، اس کی ماں نے اس کی یہ ٹانگ کچل دی تھی۔"

اتنے میں میٹرینا بھی آگئی۔ اس نے بڑے غور سے دیکھا اور عورت اور بچیوں کو پہچاننے کی کوشش کی، پھر پوچھا: "یہ تمہارے بچے ہیں؟"

"کیا حکم کیا ہے؟"

"یہ کہ میرے مالک کو اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ مر گیا ہے۔"

"واقعی؟"

"وہ تو گھر بھی نہ پہنچ سکا۔ راستے ہی میں گاڑی کے اندر مر گیا۔ ہم گھر پہنچے اور نوکر اس کو گاڑی سے اُتارنے آئے تو وہ کُتّے کی طرح لڑھک گیا۔ گاڑی سے مشکل سے باہر نکالا جاسکا میری مالکہ نے یہ پیغام دیا ہے کہ بوٹ بنانے کے لیے جو چمڑا دیا تھا۔ اب اس کے نرم سلیپر بنا دیے جائیں جو میت کو پہنائے جاتے ہیں۔ ابھی تیار کر دیجئے۔ میں لے کر جاؤں گا۔"

مائیکل نے طاقچے میں سے چمڑے کے سلیپر اُٹھائے، انھیں ایک دوسرے سے بجایا، اپنے پیش بند سے پونچھا اور بچے کھچے ٹکڑوں سمیت سلیپر نوکر کے حوالے کر دیے۔

"خدا حافظ کاریگرو!" نوکر نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔

*

سال پر سال بیتتے چلے گئے۔ مائیکل کو سائمن کے ساتھ رہتے ہوئے اب چھٹا سا وہ بہت کم باہر جاتا، بس ضرورت کی با اتنے عرصے میں وہ صرف دو دفعہ مسکرایا بار جب میٹرینا نے اُسے کھانا دیا اور د مرتبہ جب معزز آدمی بوٹ بنوانے آیا تھا۔ اپنے کاریگر سے بے حد خوش تھا۔ اُس ک ایک خدشہ تھا۔ کہیں مائیکل اُن کے پا سے چلا نہ جائے۔

ایک دن سب گھر میں تھے۔ میٹرینا کیتلی چولہے پر چڑھا رکھی تھی۔ بچے اِدھر اُد کودپھاند رہے تھے۔ سائمن ایک کھڑکی کے پاس بیٹھا جوتا سی رہا تھا اور مائیکل جُوتے ایڑی لگا رہا تھا۔ ایک بچے نے بنچ کے پا سے دوڑتے ہوئے اپنا کندھا جھکایا اور کھ سے جھانکا۔

"بچا مائیکل! ایک عورت آرہی ہے شا ہمارے یہاں دو لڑکیاں اُس کے ساتھ ہیں۔ ایک لڑکی لنگڑی ہے۔"

لڑکے کی بات سُن کر مائیکل نے جوتا رکھ دیا اور مڑ کر کھڑکی میں سے دیکھنے لگا۔ سا

بچہ نہیں۔ اگر یہ بچیاں نہ ہوتیں تو میں کتنی اداس اور تنہا رہتی۔ میں کیوں نہ انھیں دل سے چاہوں یہ میری جان ہیں۔"

اس نے ایک ہاتھ سے لڑکی کو اپنے سینے سے بھینچا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے رخساروں پر بہتے ہوئے آنسو پونچھے۔ میٹرینا نے سرد آہ بھری اور کہا: "یہ کہاوت بالکل سچ ہے۔ آدمی ماں باپ کے بغیر رہ سکتا ہے، لیکن خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک جس گوشے میں مائیکل بیٹھا تھا۔ وہ روشن ہوگیا اور پھر یہ روشنی ساری جھونپڑی میں پھیل گئی۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے، مائیکل چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ گھٹنوں پر بندھے ہوئے تھے اور وہ نگاہیں اوپر کیے مسکرا رہا تھا۔

٭

عورت لڑکیوں کو لیکر چلی گئی۔ مائیکل اپنا کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا پیش بند بھی اتار دیا۔ پھر سائمن اور اس کی بیوی کے سامنے سرنگوں ہوتے ہوئے بولا:

"میرے آقا! الوداع! خدا نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ میں آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو، تو معاف کر دینا۔"

انھوں نے دیکھا، مائیکل کے وجود سے روشنی نکل رہی تھی۔ سائمن بھی کھڑا ہوگیا۔ اس نے سر جھکا دیا اور کہا:

"مائیکل! میں دیکھ رہا ہوں تم کوئی عام آدمی نہیں ہو۔ میں نہ تو تمھیں روک سکتا ہوں۔ اور نہ کوئی سوال پوچھ سکتا ہوں۔ بس اتنا بتا دو کہ جب تم مجھے خانقاہ کے قریب ملے اور میں تمھیں اپنے گھر لایا، تو آزردہ تھے، لیکن جب میری بیوی نے تمھیں کھانا کھلایا، تو تم مسکرائے اور تمھارا چہرہ کیوں روشن ہوگیا تھا۔ پھر جب وہ امیر آدمی بوٹ بنوانے آیا، تو تم پھر مسکرا پڑے اور تمھارا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوگیا اور اب وہ عورت لڑکیاں لے کر آئی تو تم تیسری بار مسکرائے اور تمھارا چہرہ اور بھی روشن ہوگیا ہوگیا۔ مائیکل مجھے بتاؤ، تمھارا چہرہ کیوں اتنا منور ہے اور تم تینوں مرتبہ کیوں مسکرائے؟"

"یہ روشنی میرے جسم سے اس لیے پھوٹ رہی ہے کہ خدا نے میرا قصور معاف کر دیا ہے اور

"نہیں بہن، میں ان کی ماں نہیں نہ عزیزہ میں نے انھیں پالا ہے۔"

"پھر بھی تم ان سے اتنا پیار کرتی ہو؟"

"کیوں نہ کروں؟ میں نے انھیں اپنا دودھ پلایا ہے۔ میرا ایک ہی بچہ تھا جسے اللہ نے مجھ سے واپس لے لیا۔ مجھے اس بچے سے اتنا پیار نہ تھا جتنا ان سے ہے۔"

"کس کی بچیاں ہیں یہ؟" میٹرینا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز سوال کیا۔

عورت نے سارا ماجرا سنایا:

"تقریباً چھ برس کی بات ہے۔ ان بچیوں کے ماں باپ ایک ہی ہفتے میں آگے پیچھے چل بسے۔ باپ لکڑہارا تھا۔ درخت کاٹ رہا تھا کہ کاس پہ آن گرا اور آنتیں باہر نکل آئیں۔ گاؤں لاتے لاتے اس کی جان نکل گئی۔ یہ منگل کا دن تھا تین روز بعد یہ بچیاں پیدا ہوئیں۔ کوئی خبرگیری کرنے والا نہ تھا۔ بس اکیلے ہم اس کے ہمسائے تھے۔ ماں نے اکیلے ہی بچے جنے اور اکیلے ہی مرگئی۔ دوسری صبح میں اس کی خبرگیری کے لیے گئی۔ تو بے چاری بہت دیر کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ مرتے ہوئے وہ اپنی ایک بچی کے اوپر جا پڑی تھی۔ اور اس کی ٹانگ کچلی گئی تھی۔ گاؤں کے لوگوں نے کفن دفن کا انتظام کیا۔ بچیاں بے یار و مددگار رہ گئی تھیں۔ گاؤں والوں کے کہنے پر میں نے انھیں سنبھال لیا۔ اس وقت میرا بچہ دو ماہ کا تھا۔ میں پہلے پہل صرف تندرست بچی کو دودھ پلاتی اور لنگڑی کو چھوڑ دیتی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ بچ جائے گی۔ پھر خیال آیا اس غریب معصوم کا کیا قصور؟ میں نے ترس کھا کر اس کو بھی دودھ پلانا شروع کر دیا۔ اس طرح میری چھاتی پر تین بچے پلنے لگے۔ ایک میرا اپنا لڑکا اور دو یہ لڑکیاں۔ میں جوان اور مضبوط تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ خدا نے میری چھاتیوں میں اتنا دودھ بھر دیا کہ بعض اوقات یہ ویسے ہی بہنے لگتا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ بچیاں تو پل گئیں، لیکن میرا بچہ دو برس بھی نہ جیا اور اللہ کو پیارا ہو گیا اور پھر کوئی بچہ نہ ہوا۔ میرا خاوند آج کل غلے کے ایک تاجر کی چکی پر کام کرتا ہے۔ معقول تنخواہ ہے۔ اور ہماری گزر خوب ہو رہی ہے — میرا اپنا کوئی

نہیں کی؟"

اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا: "جاؤ، اس عورت کی جان نکال لو اور تین سچائیاں معلوم کرو۔ ایک یہ کہ آدمی کے اندر کیا چیز بستی ہے، دوسری یہ کہ آدمی کو کیا نہیں دیا گیا۔ اور تیسری یہ کہ آدمی کس سے جیتے ہیں؟ تم آسمانوں پر نہیں آؤ گے جب تک تم ان تین سچائیوں کا سراغ نہ پالو۔"

میں دوبارہ زمین پر آیا اور اس عورت کی روح قبض کرلی۔ بچیاں اس کی چھاتیوں سے گر گئیں۔ اس کا جسم بھی چارپائی پر لڑھک گیا اور ایک بچی کی ٹانگ دوہری ہو کر کچلی گئی۔ میں گاؤں سے اُڑ کر خدا کے حضور اس کی جان پیش کرنے جانا چاہتا تھا کہ تیز و تند ہوا نے میرے پر توڑ مروڑ کر پھینک دیے۔ عورت کی روح اکیلی ہی آسمانوں کو پرواز کر گئی۔ اور میں زمین پر سڑک کے کنارے آن گرا۔"

٭

سائمن اور میٹرینا اب سمجھے کہ ان کے پاس کون رہتا تھا۔ وہ کس کو روٹی کپڑا دیتے رہے تھے۔ وہ ہیبت اور خوشی سے رونے لگے۔

فرشتے نے کہا:

"میں کھیت میں اکیلا اور ننگا بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ انسان کی ضرورتیں کیا ہیں۔ بھوک اور سردی کیسی ہوتی ہے۔ خود آدمی بنا تو پہلی بار بھوک اور سردی کیا ہے کا پتہ چلا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پھر جہاں میں گرا اس کے قریب ہی ایک خانقاہ نظر آئی۔ میں وہاں پہنچا کہ شاید سردی سے پناہ مل جائے۔ لیکن خانقاہ پر تالا پڑا ہوا تھا۔ ہوا سے بچنے کے لیے میں اس کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ شام ہو رہی تھی اور مجھے سخت بھوک اور سردی لگ رہی تھی یہاں تک کہ میرے سارے بدن میں درد ہونے لگا۔ اچانک میں نے ایک آدمی کو سڑک پر آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں بوٹوں کا ایک جوڑا تھا اور وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ آدمی بن جانے کے بعد پہلی بار جب میں نے ایک فانی آدمی کی صورت دیکھی تو متوحش سا ہو گیا۔ میں ایک طرف ہٹ جانا چاہتا تھا۔ میں نے سنا آدمی اپنے آپ سے کہہ رہا

میں تین مرتبہ اس لیے مسکرایا کہ خدا نے مجھے تین سچائیاں معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ میں نے معلوم کرلی ہیں۔ ایک سچائی تو اس وقت معلوم ہوئی۔ جب تمہاری بیوی نے مجھ پر ترس کھایا، چنانچہ میں مسکرا پڑا۔ دوسری سچائی کا مجھے اس وقت علم ہوا جب امیر آدمی بوٹ بنوانے آیا۔ اس پر میں پھر مسکرا پڑا اور اب ان ننھی بچیوں کو دیکھا تو مجھے تیسری اور آخری سچائی معلوم ہوگئی اور میں تیسری بار مسکرا پڑا۔" مائیکل نے جواب دیا۔

"مائیکل! خدا نے تمہیں کس لیے سزا دی تھی؟ اور وہ تین سچائیاں کون سی ہیں۔ میں بھی جاننا چاہتا ہوں؟" سائمن نے کہا۔

"خدا نے مجھے اپنی حکم عدولی پر سزا دی میں فرشتہ تھا اور آسمانوں میں رہتا تھا۔ میں نے خدا کی نافرمانی کی۔ ایک بار خدا نے مجھے ایک عورت کی جان لینے بھیجا۔ میں اڑ کر زمین پر پہنچا تو دیکھا ایک بیمار عورت اکیلی لیٹی ہوئی ہے۔ اس کے پہلو میں دو جڑواں بچیاں ہیں جنھیں اس نے ابھی ابھی جنا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ میں اس کی جان لینے آیا ہوں۔ رو کر بولی: "فرشتے میرے خاوند کو ابھی ابھی دفنایا گیا ہے وہ ایک درخت کے نیچے آکر مرگیا تھا۔ میری نہ تو کوئی بہن ہے اور نہ ماں، ان یتیم بچیوں کو کون پرورش کرے گا؟ خدا کے لیے میری جان مت لو، ذرا ٹھہر جاؤ مجھے اپنی بچیوں کو دودھ پلانے دو۔ پھر میں انھیں تمہارے قدموں میں ڈال دوں گی اور مر جاؤں گی۔ بچے بھلا ماں باپ کے بغیر پل سکتے ہیں؟"

میں نے آگے بڑھ کر ایک بچی کو اس کی چھاتی سے لگا دیا اور دوسری کو اس کے بازوؤں میں دے دیا اور خدا کے پاس آسمان پر لوٹ گیا۔ میں نے خدا تعالیٰ کی خدمت میں عرض کی:

"میں اس عورت کی جان نہیں نکال سکا۔ اس کا خاوند ایک درخت کے نیچے آکر مرگیا تھا اب اس کے دو جڑواں بچیاں پیدا ہوئی ہیں۔ وہ التجا کرتی ہے کہ اس کی جان نہ لی جائے۔ وہ کہتی ہے مجھے اپنی بچیوں کو اتنی مدت پال پوس لینے دو کہ وہ چلنے لگیں۔ بچے ماں باپ کے بغیر نہیں پل سکتے۔ میں نے اس کی جان قبض

.... میں نے اُس کی طرف دیکھا، اور اچانک مجھے اس کے کندھوں کے پیچھے اپنا رفیق فرشتۂ اجل دکھائی دیا۔ وہ فرشتہ صرف مجھے نظر آیا تھا۔ میں اُسے جانتا تھا اور مجھ کو یہ بھی علم تھا۔ کہ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے وہ امیر آدمی کی جان قبض کرلے گا۔ میں نے سوچا یہ آدمی ایک برس کی تیاریاں کر رہا ہے اور یہ بھی نہیں جانتا شام ہونے سے پہلے ہی مرجائے گا۔ تب مجھے خدا کا دوسرا فرمان یاد آگیا اور مجھے پتہ چل گیا کہ آدمی کو اس کی اپنی ضروریات کا علم نہیں دیا گیا اور میں دوسری بار مسکرایا۔ میں اپنے رفیق فرشتے کو دیکھ کر خوش ہوا تھا اور اس لیے بھی خوش ہوا کہ خدا نے مجھ پر دوسری حقیقت منکشف کردی ہے۔

ابھی تیسری سچائی کا جاننا باقی تھا آدمی کس چیز سے جیتے ہیں۔ میں اس انتظار میں وقت گزارتا رہا کہ خدا مجھے آخری سچائی سے آگاہ کردے۔ چھٹے سال جڑواں بچیاں اُس عورت کے ساتھ آئیں۔ میں نے اُن بچیوں کو فوراً پہچان لیا۔ یہ کس طرح زندہ بچ نکلیں، اس کی داستان اس عورت نے سنادی۔ میں نے سوچا ان بچیوں کی ماں میری منت سماجت انہی کے لیے کرتی تھی۔ میں نے اس کی بات درست سمجھ لی کہ بچے ماں باپ کے بغیر نہیں پل سکتے لیکن اب حقیقت آشکارا ہوئی۔ ایک اجنبی نے انھیں پال پوس لیا اور جب عورت نے ان بچوں سے محبت کا اظہار کیا جو اس کے اپنے نہ تھے اور اُن کے درد سے اس کی آنکھیں بھر آئیں، تو میں نے اس کے اندر خدائے حی کا جلوہ دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ آدمی کس چیز سے جیتے ہیں۔ میں جان گیا کہ خدا نے مجھ کو آخری سبق بھی سمجھا دیا ہے۔ اور میرا قصور بھی معاف کردیا ہے۔ تب میں تیسری دفعہ مسکرایا۔"

فرشتے کے جسم سے زمین کا لباس اُتر گیا اور وہ نور میں ملبوس ہوگیا۔ اس کا جسم اتنا منور تھا کہ اس پہ نگاہ نہ ٹک پاتی تھی۔ اس کی آواز بلند ہوگئی، جیسے وہ آسمان سے بول رہا ہو۔ وہ کہہ رہا تھا: " میں نے جان لیا ہے کہ انسان نفس پرستی سے نہیں محبت سے جیتے ہیں۔ ماں بالکل بے خبر تھی کہ اس کے بچوں کو

تھا: سردی سے اپنا بدن کیونکر ڈھانپا جائے اور بیوی بچوں کا پیٹ کیسے بھرا جائے۔ اس پر میں نے سوچا، میں یہاں سردی اور بھوک سے مر رہا ہوں اور یہ آدمی خود اسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ بھلا یہ میری مدد کب کرے گا! آدمی نے مجھے دیکھا اور میں نے اس کی طرف گھورا تو اس کی صورت اور زیادہ وحشت ناک ہو گئی۔ وہ میرے قریب سے گزر گیا اور میں مایوس ہو گیا۔

اچانک میں نے اس کے پاؤں کی آہٹ سنی۔ سر اٹھا کر دیکھا، لیکن پہچان نہ سکا۔ پہلے مجھے اس کے چہرے پر موت رقصاں دکھائی دی تھی۔ لیکن اب اُسی چہرے پر زندگی اور خدا کے وجود کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ میرے پاس آیا اپنے کپڑے مجھے پہنا دیے اور اپنے گھر لے گیا۔

گھر میں ایک عورت ہمارا استقبال کرنے بڑھی۔۔۔ اور پھر اس کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔ وہ عورت آدمی سے بھی زیادہ وحشت ناک نظر آتی تھی۔ اس کی زبان سے موت ہویدا تھی، اس کے گرد موت کی سڑاند اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ مجھے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔ وہ مجھے پھر سردی میں دھکیل دینا چاہتی تھی اور میں جانتا تھا اگر اس نے ایسا کیا، تو ضرور مر جاؤں گا۔ یکایک اس کے خاوند نے اُسے خدا یاد دلایا اور وہ بالکل بدل گئی۔ وہ کھانا لے کر آئی تو میں نے دیکھا اس کے چہرے سے موت کے آثار رخصت ہو چکے تھے۔ وہ زندہ ہو چکی تھی اور اس کے چہرے سے خدا کی قدرت جھلک رہی تھی تب مجھے وہ پہلا سبق یاد آ گیا جس کے سیکھنے کے لیے خدا نے مجھے بھیجا تھا (معلوم کرو کہ آدمی کے اندر کیا چیز بستی ہے) اور میں سمجھ گیا کہ آدمی کے اندر محبت بستی ہے۔ اس سچائی کے افشا پر میں پہلی بار مسکرایا:

میں نے ابھی سارا سبق نہیں سیکھا تھا ابھی مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آدمی کو کیا نہیں دیا گیا۔ اور انسان کس برتے پر جیتے ہیں تمہارے پاس رہتے ہوئے ایک سال بیت چکا تھا کہ ایک آدمی بوٹ بنوانے آیا جو کم از کم ایک برس چلیں، ۔۔۔۔۔۔

حسد کا پیاسا

(فاطمہ شہناز مرتضیٰ)

کمانڈر عامر نے فرج ایک جھٹکے سے بند کردیا۔ غصہ اور ناگواری کی علامتیں اُن کی فراخ پیشانی سے نمایاں تھیں۔ سجیلہ کا دل زور سے دھڑک اٹھا وہ کچھ بولنے کو تھی، پر کمانڈر عامر کے سامنے ہمیشہ کی طرح پسپا ہوگئی۔ چُپ ہی رہی۔ عامر گرج رہے تھے۔ "اشہد سے کوئی چیز اس گھر میں نہیں بچ سکتی۔ سیب ختم۔ انگور آدھے رہ گئے اور انار سرے سے غائب۔ آخر یہ اتنا سا لڑکا کس قدر کھاتا ہے۔ سجیلہ تم اس پر نظر کیوں نہیں رکھتیں کھانے کی رفتار یہی رہی تو دیکھ لینا فواڈ پوائزنگ ہوجائے گی۔

(اللہ نہ کرے) سجیلہ دل میں بولی۔ زبان سے تو اتنا ہی کہہ سکی "اشہد نے تو صبح سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ یہ سب تو۔ عاطف . . . " اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

" ہاں ہاں کہہ دو عاطف پیٹو ہے۔ ندیدہ ہے میری سمجھ میں نہیں آتا سجیلہ کہ تم معصوم عاطف سے کیوں چڑتی ہو۔ آخر کو وہ بھی تو تمہاری اولاد ہے۔ تمہارا ہی خون ہے۔

مگر عاطف سے تمہارا رویہ ہی عجیب ہے۔"

سجیلہ دل میں کُڑھ کر رہ گئی۔ کیسی نفرت۔ کیسی چڑ کیا اشہد اور کیا عاطف، اُس کے لیے تو دونوں ہی آنکھوں کا نور تھے۔ دل کے ٹکڑے تھے۔ مگر قدرت کی کتنی ستم ظریفی تھی کہ ایک کو وہ جی بھر کے پیار کرسکتی تھی۔ ممتا کے خزانے نچھاور کرسکتی تھی۔ اور ایک ہمیشہ اس کی جانب سے تہی دامن رہ

اپنی زندگی کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے، نہ اس امیر آدمی کو علم تھا کہ اُسے اپنے لیے کیا شے درکار ہے۔ اسی طرح کسی آدمی کو یہ علم نہیں دیا کہ جب شام آئے گی تو اسے اپنے لیے بوٹ چاہئیں یا اپنی لاش کے لیے سلیپر۔۔۔!

میں بحیثیتِ انسان زندہ رہ گیا۔ اپنی حفاظت آپ کرنے سے نہیں بلکہ اس لیے کہ ایک راہ گیر کے دل میں محبت موجود تھی اور اس کی بیوی نے مجھ پہ ترس کھایا اور مجھ سے اچھا سلوک کیا۔ وہ یتیم بچیاں اس لیے نہیں بچ گئیں کہ ان کی ماں نے ان کی حفاظت اور نگہداشت کی تھی۔ بلکہ اس لیے کہ ایک بالکل اجنبی عورت کے دل میں محبت موجزن تھی۔ اس نے اُن پہ ترس کھایا اور اُن پہ شفقت کی۔ اسی طرح سارے آدمی اپنی بہبود کی فکر سے نہیں جیتے، بلکہ اس لیے جیتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں محبت موجود ہے۔

پہلے میں صرف اتنی بات جانتا تھا کہ خدا نے اپنے بندوں کو زندگی بخشی اور چاہا کہ وہ بس زندہ رہیں، لیکن اب میں اس سے زیادہ جان گیا ہوں۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ خدا یہ نہیں چاہتا کہ آدمی اپنی ضروریات جانے بغیر زندگی بسر کریں۔ اسی لئے اس نے اُن سے یہ بات پوشیدہ رکھی ہے کہ ہر فرد کو اپنے لیے کیا درکار ہے۔ البتہ اس نے ہر ایک کو یہ ضرور بتا دیا ہے کہ سب آدمیوں کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ میں یہ بھی سمجھ گیا ہوں کہ حقیقت میں یہ محبت ہی ہے جس کے برتے پہ لوگ زندہ ہیں۔"

پھر فرشتے نے خدا کی حمد و ثنا کی اور ساری جھونپڑی اس کی آواز سے لرزنے لگی۔ چھت پھٹ گئی اور نور کا ایک ستون زمین سے آسمان تک بلند ہو گیا۔ سائمن اور اس کی بیوی بچے سجدہ ریز ہو گئے۔ فرشتے کے شانوں پر بڑے بڑے پَر نمودار ہو گئے۔ اور وہ آسمان کی جانب اُڑ گیا۔

سائمن کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ جھونپڑی ویسی کی ویسی کھڑی تھی اور اُس میں سوائے اس کے بیوی بچوں کے اور کوئی نہ تھا ●●●

[redacted]

روک دیتی اور وہ پیاسا کا پیاسا ہی رہ جاتا۔

رات کو پپا عاطف کو اپنے بیڈ پر لٹا کر پڑھاتے تھے۔ خوب انگلش میں سوالات کرتے اور اُسے کوئی ذرا بھی ہیلپ نہیں دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ انگلش کیا ہر سبجیکٹ میں کمزور تھا۔ صبح ہوتی تو کمانڈر عامر اپنی شاندار مرسڈیز میں عاطف کو لے کر اسکول جاتے اور اشہد کو آیا پیدل ہی جا کر اسکول چھوڑ آتی تھی۔ ہفتے کے چار دن اشہد اماں بی کے پاس رہتا تھا اور تین دن امی کے پاس؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ سوال بھی اس کے ذہن میں کلبلاتا تھا۔ عاطف تو ہمیشہ امی اور پپا کے پاس رہتا تھا۔ مگر وہ صرف تین دن کیوں۔ کون ایسے بے شمار کیوں کا جواب دے۔ اماں بی نے کہا: اشہد بیٹے۔ وہ تمہارا گھر تھوڑا ہی ہے عاطف کے پپا تمہارے پپا تھوڑے ہی ہیں جو تمہیں عاطف جیسا پیار کریں گے۔" "تو پھر میرے اپنے پپا؟" "بیٹے ۔۔ تیرے ۔ پپا تو بہت دور چلے گئے ہیں ۔۔۔ اماں بی اُسے سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر روتی تھیں۔

تب وہ سوچتا۔ پتہ نہیں کیا ضرورت تھی پپا کو اتنی دور جانے کی۔ اماں بی بے چاری کتنا روتی ہیں۔ اماں بی اُس کی دادی تھیں۔ اماں بی کے دو بیٹے تھے۔ عادل جعفر، راحیل جعفر۔ عادل مر چکے تھے ان کی شادی کو صرف دو سال ہوئے تھے اور اشہد جس کی عمر صرف ایک سال تھی۔ باپ کے سایہ سے محروم ہو گیا۔ سجیلہ کی مانگ اُجڑ گئی تھی۔ بھری جوانی اور یہ زندگی گزارنا مشکل تھی۔ اتنی مشکل کا احساس نہ ہوتا جو لوگ احساس نہ دلاتے۔ سجیلہ تو ایک بیٹے کی ماں تھی۔ چند سال صرف چند سال صبر کرتی۔ انتظار کرتی۔ اشہد اس کا سہارا بن جاتا۔ مگر بعض لوگ دنیا میں ہوتے ہی ہیں انسان کو ڈرانے سہمانے کے لئے تو ایسے ہی کتنے لوگ سجیلہ کے گھر اور خاندان میں بھی تھے ۔۔ سجو ۔۔ تیرا کیا ہوگا ۔۔ سجو ۔۔ کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔ جب عادل ہی نہیں رہا تو تمہارا کیا واسطہ اس گھر سے۔ سجو اشہد کا کیا ہوگا۔ سجو اشہد کا کیا ہوگا۔

سجو جی ۔۔ زندگی گزارنا بڑا مشکل ہے۔ بغیر سہارے کے تم ایک قدم نہیں چل سکتیں۔ تم عورت ہو۔ اور پھر ۔۔ ایسی عمر بھی نہیں ۔۔۔ سجو دوسری شادی کر لو۔

دوسری شادی کرنا ہی پڑے گی۔

جاتا ہے۔ پیاسا کا پیاسا ہی رہ جاتا تھا۔ اور وہ تھا چھ سالہ اشہد، جو اُس کے ٹوٹ کر پیار کر لینے والے انداز سے محروم تھا۔ بھولا بھالا اشہد۔ جب تنہائی میں ماں اُسے بے تحاشہ چومتی پیار کرتی تو وہ سہم جاتا گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا۔

امی اُس سے اکیلے میں پیار کرتی ہیں کیوں؟ یہ سوال بار بار اُس کے ذہن میں آیا تھا۔ اور شروع شروع میں تو وہ پوچھ بھی لیتا تھا۔ ماں جواب میں رو دیتی تھی اور وہ بھی اُلجھ جاتا تھا۔ مارے ڈر کے اب وہ ماں سے کچھ نہ پوچھتا، کوئی گلہ شکوہ نہ کرتا امی رونے جو لگتی تھیں اور امی کے آنسو جانے کیوں ننھے سے دل میں ایک قیامت سی مچا دیتے پپا کے پیار کے لیے تو وہ ترس کے رہ گیا تھا۔ پپا جب آتے تو عاطف کے لئے ڈھیروں چیزیں لاتے اور پیار کتنا کرتے تھے۔ وہ بھی کمرے کے ایک کونے میں کھڑا یہ سب کچھ چپ چاپ دیکھا کرتا تھا۔ عاطف پپا کی گودی سے اُتر کر کہتا: پپا اب اشو کو پیار دیں۔" اور تب پپا بڑے رعب سے اُسے اپنی طرف بلاتے۔ سر پہ بڑے کھردرے انداز میں ہاتھ پھیر کر ایک آدھ ٹافی اور ایک سیب تھما دیتے۔ وہ ماں کو نم نم آنکھوں سے دیکھنے آ[ہ] ماں کا دل کٹ جاتا۔ "اشو بیٹے، آئیے ہم آپ سیب کاٹ کر دیں گے۔" ماں اس کا دل رکھنے کہتی اور پپا۔ عاطف کو بڑے پیار سے سیب اور کیلے چھیل چھیل کر کھلاتے بلکہ امی کو بھی اپنے ہی پاس بلا کر بٹھا لیتے۔ بے چارا اشہد دانتوں سے سیب کاٹنے لگتا اور ایسے میں اُس کی ایک دم نظر پڑی سیب میں موٹا سا کیڑا رینگ رہا تھا۔ بچہ ہی تو تھا ڈر گیا، چیخ نکل گئی۔ "امی۔ کیڑا سیب میں۔" سیب اُس کے ہاتھ سے گر گیا۔

"اوہ — یوسلی بوائے۔" کمانڈر عامر بُری طرح بگڑے۔ "اندھے ہو کر کھاتے ہو۔ دیکھ کر کھایا کرو"

اور اشہد ایک ہی لمحے متضاد رویّہ دیکھ کر چکرا جاتا۔ عاطف کو پپا سیب خود کاٹ کر چھیل کر دیتے تھے اور اس سے کہتے تھے۔ اندھے ہو کیا، دیکھ کر کھایا کرو۔ ایسا کیوں ہے؟ بھیگی بھیگی دو آنکھیں سجیلہ کے دل پہ تیر کی طرح لگتیں۔

"میرا اشو" وہ اُسے لپٹانے کو بڑھی۔

"بس بس۔ زیادہ لاڈ کی ضرورت نہیں میرے لئے کاؤ نہ بناؤ۔" عامر کی پھنکتی ہوئی آواز سجیلہ کو

بدل گئی تھی بیگم عامر بن کے۔ اشہد کو دادی نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ وہ یعنی بیگم عامر سال میں آٹھ مہینے فارن کی ہوا کھاتی رہتی۔ کمانڈر عامر آرمی میں لیکچر دیا کرتے تھے۔ کلاسیں لیا کرتے تھے۔ اور گورنمنٹ کی جانب سے عام طور سے بیرونی ممالک میں رہتے تھے کبھی لندن کبھی پیرس۔ کبھی امریکہ تو کبھی عرب سائیڈ پر۔ اور ان دنوں ننھا اشہد اماں بی کے پاس رہتا تھا۔ جب سجیلہ وطن واپس آتی تو پروگرام یہ بنتا کہ اشہد ہفتے کے تین دن اس کے پاس رہتا اور چار دن دادی کے پاس۔ راحیل کی شادی ہو چکی تھی۔ اور اب وہ ننھی سی پیاری سی بیٹی کا باپ بھی تھا جس کا نام شیبا راحیل تھا۔ اشہد ننھی شیبا سے بے حد مانوس تھا اور بہت پیار کرتا تھا۔ جتنے دن وہ دادی کے پاس رہتا اس کی شخصیت کچھ اور ہوتی اور جب وہ ماں کے پاس آتا تو اس کی شخصیت کچھ اور ہو جاتی۔ ننھے منے اشہد کی ذات ابھی سے کئی ٹکڑوں میں منقسم تھی۔ اس کا مستقبل کیا تھا۔ کوئی نہ جانتا تھا۔ سجیلہ نے نئی زندگی ایک نئے ڈھنگ سے گزارنا تو سیکھ لی تھی مگر اب ملال بہت زیادہ تھا۔ اشہد کی بربادی کی موجب وہی تھی۔

اشہد جب دیکھتا ماں عاطف کو پیار کر رہی ہے تو وہ عاطف کو جنون میں آکر بری طرح پیٹ دیتا تھا۔ سجیلہ کو تنگ آکر اشہد کی پٹائی کرنا پڑتی۔ معاملہ صرف یہیں تک نہ رہتا۔ عاطف باقاعدہ اپنا مقدمہ اپنے پپا کے سامنے پیش کر دیتا اور پھر کمانڈر عامر ایک فوجی آدمی تھے۔ اصول کے سخت۔ کچھ مزاج میں تشدد کا اثر بھی تھا۔ اشہد کو عجیب و غریب سزائیں دیتے۔ کمرے میں الٹا لٹکا دیتے تو کبھی کڑی دھوپ میں ایک ٹانگ سے کھڑا رہنے کو کہتے اور کبھی اپنی بیلٹ سے اس طرح مارتے جیسے جانور کو۔۔۔ زندگی اس طرح گزر رہی تھی۔ اک زمانہ بیت گیا۔ نئے زمانے نے ایک نیا اشہد جنم دیا۔ اشہد جو مردانہ وجاہت کا خوبصورت شاہکار تھا مگر دل جس کا پتھر سے بھی زیادہ سنگین تھا۔ ارمانوں جذبات اور احساسات سے تو جیسے اس کے دل کو کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ آواز میں تیروں کی سی چبھن سننے والا خود کو زخمی محسوس کرنے لگتا۔ نظروں میں اس قدر بے اعتنائی اور سرد مہری کہ دیکھنے والا گڑبڑا کر رہ جائے۔ بچپن بیت چلا تھا۔ جوانی آ گئی تھی۔ ساتھ ہی اشہد نے ماضی کے بنائے

اپنے بہتر مستقبل کے لئے۔ اشہد کی خاطر۔

اور پھر جب کمانڈر عامر کا رشتہ آیا تو سب ہی پیچھے پڑ گئے۔ مگر سجیلہ کا دل ایک انجانے خدشے سے لرز جاتا تھا۔ اشہد کا کیا ہوگا۔ اگر انھوں نے اشہد کو باپ جیسا پیار نہ دیا۔ . . ؟ نہیں یہ ناممکن ہے سجو۔ اس کی بھابی سمجھاتیں۔ عامر تو فوج میں ہیں عادل اُن کے دوست بھی تھے۔ عامر کو اپنے دوست کا کچھ خیال تو آئے گا۔ عامر اشہد کو بیٹوں کی طرح چاہیں گے۔ آنکھیں بند کر کے اس رشتے کو منظور کرو۔ سب پیچھے پڑ گئے تھے۔ وہ گھبرا گھبرا کر سب کو دیکھتی ـــ یہ اتنے ڈھیر سارے بھائی بہن ہیں یہ سب اس کے کام نہیں آ سکتے۔ اُسے سہارا نہیں دے سکتے کیا۔ اشہد کل کو جوان ہوگا۔ میرا سہارا بن جائے گا۔ تم لوگ کیوں فکر کرتے ہو۔ گھبرا کر پریشان ہو کر اس نے راحیل سے کہا۔ راحیل سے اس کا عندیہ لیا۔

راحیل نے سمجھایا "بھابی! ہم سب آپ کے سہارے ہیں۔ آپ نہ گھبرائیں۔ بھابی دوسری شادی اشہد کے حق میں زہر ہلاہل ہے۔ پلیز بھابی اندھے فیصلوں سے گریز کیجئے گا۔ نہیں تو اشہد کی پرسنالٹی بُری طرح مجروح ہو جائے گی۔"

راحیل کی باتیں تو اس کے خیالات ا[illegible] کی آئینہ دار تھیں مگر پھر بھی ایمان کی سچی بات تو یہ [illegible] کر خود اس کی آنکھوں پر کمانڈر عامر کی امارت کی پٹی [illegible] گئی۔ اُن کا لبے تحاشا گریس فل ڈیل ڈول، اُن کے قیمتی لباس، قیمتی پرفیومز اور قیمتی سگریٹ کی خوشبو نے مل کر اس کے دل و دماغ پر ایک نشہ سا طاری کر دیا۔ کتنی جلدی اُس نے یہ رشتہ منظور کر لیا۔ دل سے، مگر منافقت دکھاتا کوئی، کہتی تھی سہارے کے لئے۔ اشہد کے مستقبل کے لئے۔"

اشہد کی عمر اُس وقت دو سال کی تھی۔ یعنی عادل کے مرنے کے بعد دو سال اس نے بخیل گذارے اور اپنے لئے ایک جنت ڈھونڈ ہی لی۔ اُس کی جنت۔ جو جیتے جی اسی جہنم میں معصوم اشہد کے لئے دوزخ بن گئی تھی۔

نئی نئی شادی ہوئی۔ بڑے چونچلے ہوئے عامر نے محض اس کی اسمارٹنس اور بے پناہ حسن کی وجہ سے شادی کی تھی۔ اب وہ عامر کے ساتھ بڑے بڑے ہوٹلوں میں کلبوں میں جاتی تھی فیشن کے بھی نت نئے انداز آ گئے تھے۔ غرضیکہ سجیلہ سراپا

ہیں۔ اُن کی خطا سی لغزش نے معاشرے میں ایک اشہد کو ایک خراب انسان کے روپ میں پیدا کر دیا تھا اُسے خدا و نخواستہ اس کا سدِ باب کیسے کیا جائے۔

"کیوں بھئی اشہد! یہ وقت ہے گھر آنے کا؟" راحیل چچا نے تیکھے تیکھے انداز میں سوال کیا تو کمرے کے اندر قدم رکھتے ہوئے اشہد کے پیر جام ہو گئے "یہ گھر ہے اشہد میاں سرائے نہیں۔ جب جی چاہا منہ اُٹھایا، نکل گئے چلے آئے۔ اونٹ ہو۔ شرم کا مقام ہے پڑھائی میں تم رہے کورے۔ اخلاق و تہذیب تمہیں چھو کر نہیں گئی۔ جمیلہ بیگم نے خوب تحفہ دیا۔ دیور کو۔ عمر بھر ستانے کے لئے" عاصمہ نے زہر بھرے انداز میں اشہد پر ایک لیکچر جھاڑ دیا۔

اشہد کو غصہ آ گیا "ہوٹل اور سرائے ہوتا ہو میرے ابو کا گھر ضرور ہے۔ انٹی آپ بھول جاتی ہیں۔ رہی تہذیب و اخلاق۔ انٹی قصور آپ کا ہے بچپن آپ کے سائے میں گزر گیا۔ جو سکھایا گیا وہی سیکھ سکا ہوں۔ جیسی تعلیم دی گئی ویسا ہی بن کر تیار ہوا ہوں۔"

"سُن رہے ہیں آپ" عاصمہ نے راحیل کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا۔

"نالائق ہے۔ لفنگا زمانے بھر کا" وہ بڑبڑائے اور اشہد ماتھے پر ہزار تیوریوں کے بل لیے اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ جہاں شیبا اس کی منتظر تھی۔

"السلام علیکم یا شہزادہ اشہد" شیبا نے بڑے خوشگوار موڈ میں اُسے سلام کیا۔

"کیا — ہونہہ —" اشہد نے بڑی تلخی سے اُسے گھورا "جانتا ہوں بڑی تہذیب یافتہ ہو جتانے کی ضرورت نہیں۔"

شیبا کے لئے اُس کی یہ اکڑ کوئی نئی بات نہیں تھی "دوبہ" ہی مسکرائی "شہزادہ اشہد پر ناخوشگی و بیزاری کا موڈ ہمیشہ کیوں طاری رہتا ہے۔"

اُس نے لاپرواہی سے اپنے شانے اُچکائے "پلیز اشو، کبھی تو سیدھے منہ بات کر لیا کرو۔ تم کاٹ کھانے کو دوڑتے ہو۔ ایک دن کے لئے ہوسٹل سے آئی ہوں اور ایک ہفتہ کے لئے دل جلانے کی خوراک لے جاتی ہوں۔ یہ نہیں پوچھتے شبو کیسے حال ہیں۔ کس طرح دن گزر رہے ہیں"

"گزر رہیں!" اُس نے غصہ و بیزاری سے موزے اور جوتے اتار کر ایک طرف اُچھالتے ہوئے کہا:

ہوئے کئی پروگرام کئی اصول بدل ڈالے تھے۔ سجیلہ بیگم
سے ملنے وہ کبھی کبھی جاتا تھا۔ کمانڈر عامر کی شکل سے
نفرت تھی اور اس نفرت کا اظہار وہ اپنی حرکات و
سکنات سے کرہی دیا کرتا تھا۔ بے حد سلجھے ذہن
کا بڑی بڑی روشن آنکھوں والا عاطف' اشہد سے
نہ جانے کیوں خائف رہتا تھا۔ اس کی تمام تر کوشش
ہوا کرتی تھی کہ اس کی کوئی بات اشہد کو بُری نہ
محسوس ہو۔ اشہد یہ نہ سمجھے کہ وہ اُس کی عزت
نہیں کرتا۔ اُس سے محبت نہیں کرتا۔ حقیقت
میں دونوں بھائی ایک دوسرے کو بہت
مانتے تھے مگر اس مان و محبت کے درمیان کمانڈر
عامر کی ذات آڑے آجاتی تھی۔ اُن کے غرور اور
اُن کی نفرت کا وہی عالم تھا۔ عاطف کے دل
میں وہ اشہد کی نفرت ڈالنے کی کوشش کرتے
ہی رہتے تھے اور سجیلہ اپنے ایک بھیانک فیصلے
کی سزا اب تک بھگت رہی تھی۔ اشہد کیا اس
سے صاف صاف کہتا' امی آپ میرے جوان
ہونے کا انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔ امی آپ اماں
بی کے ہاں کی روکھی سوکھی میں گزارہ نہیں کر سکتی
تھیں نا۔ آپ کو دولت عزت شہرت چاہئے
تھی نا آپ نے مجھے داؤ پر لگا کر یہ سب کچھ حاصل
کر لیا۔ میں اکیلا رہ گیا۔ مجھے حسرت ہی رہی کہ باپ
کا پیار ملتا۔ پیا کی شفقت ملتی۔ مائیں تو اپنی اولاد
کے لیے کیا کچھ کرتی ہیں۔ بتلایئے کہ آپ نے میرے
لئے کیا کیا۔ آپ کیا جانیں آپ کا اشہد کیا ہے
وہ مسکرا کر زہر آلود مسکراہٹوں سے معنی خیز انداز
کہتا تو سجیلہ بیگم کی روح تک کانپ اٹھتی۔

تم کیا ہو؟ اشہد ہو۔ میرے بیٹے اور کیا ہو۔
... وہ بڑے غور سے اُسے دیکھتیں' اندر تک کا حال
جاننے کی کوشش کرتیں تو اشہد بے ہنگم سا قہقہہ لگا
ہنستا ... "مجھے پانچسو روپوں کی سخت ضرورت
ہے امی مجھے روپیہ دیں۔ آخر آپ نے دوسری شادی
میری ہی خاطر کی ہے نا" وہ طنز کے تیر برساتا'
سجیلہ جلدی سے روپیہ چھپا کر اشہد کو دے دیتی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اشہد کیا کرتا ہے۔ عاطف
کہتا۔ امی اشہد بھائی کی شخصیت چور چور ہے۔ اور
اس کی ذمہ دار آپ ہیں۔ امی اشہد بھائی کی سرگرمیاں
پُراسراری ہیں۔ وہ کہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھے
جاتے اور سجیلہ بیگم کرب سے سوچتیں۔ ایسے ہی ناعاقبت
اندیش فیصلے اولاد کو جیتے جی جہنم میں جھونک دیتے

باپ کے پیار سے بچپن سے ہی محروم ہو گیا تھا۔ ماں کے ہوتے ہوئے ان کی محبت شفقت کا پیاسا۔ رشتے داروں، عزیزوں کی نگاہ التفات سے محروم اشہد۔ حالات نے اُسے خود سر، ضدی، باغی بنا دیا تھا۔ بدتمیز، منہ پھٹ۔ یہ سب تو تمام خطاب تھے اشہد کے۔ کوئی پوچھتا، اشہد اس منزل تک پہنچا کیسے۔ ضرور اس کی تربیت میں ہی کوئی خامی رہ گئی تھی۔ ایسے لوگوں کو اور لوگوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ محبت و شفقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ ایسے لوگ نامکمل ادھوری شخصیت بن کر رہ جاتے ہیں لوگ تو محض کٹی پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر ڈولتے رہتے ہیں۔ شیبا نہیں چاہتی تھی اس کٹی پتنگ کو کوئی بیدردی سے نوچ کر پھینک دے۔ وہ اسے معاشرے کے آنگن میں سہج سہج کر سنبھال سنبھال کر اتارنا چاہتی تھی۔ اعتماد و یقین کے سہارے۔ وہ اس کو بٹھا بٹھا کر ہنسی مذاق میں بچوں کی طرح سمجھاتی تھی۔ کچھ اللہ اللہ کر لیا کرو۔ اور وہ ایک کان سے سنتا تو دوسرے کان سے اڑا دیتا۔ وہ کہتا۔ وہ کیوں اچھا انسان بنے۔ کس کے لئے۔ کیوں۔ اس کا ہے ہی کون۔ تب وہ جل کر کہتی کیا شبو مر گئی — ہاں — وہ اور زور سے چیختا۔ شبو جس دن اپنی سسرال جائے گی میرے لیے مر ہی جائے گی۔

تو کہہ جو دیا کہ میں رہوں گی تمہارے سنگ

شبو کے بچے۔ وہ دانت پیستی اور بلیوں کی طرح غراتی — گھر داماد کوئی پسند نہیں کرتا۔ شبو سوٹ کیے جانا ہی پڑے گا — وہ پھر شیبا جھنجھلا کر کہتی اور اٹھ جاتی۔ بس برداشت کی اتنی ہی حد ہے۔

ہو نہہ بڑی آئیں مجھے سدھارنے والی۔

اللہ کو یاد دلانے والی۔ چلو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ وہ چیختا اور شیبا ہونٹوں کو دانتوں تلے دباتی اور پیچتی اُس کے کمرے سے نکل جاتی۔ اکثر عاصمہ بیگم سے جھڑپ بھی ہو جاتی۔ ”شرم نہیں آتی شیبا! جوان جہان لڑکے کے کمرے میں گھسی رہتی ہے۔ ارے کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ کم بخت مجھے تو ہول آتا ہے کل کو کوئی الزام نہ لگ جائے۔ بیٹی اشہد کا کیا اعتبار۔“

”ممی!“ وہ غصے سے کھول جاتی۔ ”یہ اشہد کی نہیں میری انسلٹ ہے۔ اشہد کو میں نے آپ کے بعد دیکھا۔ وہ میرا بھائی بھی تو ہے۔“ وہ تنک کر اپنے کمرے میں چلی جاتی۔

"اوہ۔ بٹ وہاں اشو جی" شیبا کے لہجے میں بے پناہ اپنائیت تھی۔

"آنٹی بہت اعلیٰ تربیت یافتہ ہیں۔ بڑی بااخلاق خاتون ہیں۔ بڑی تہذیب یافتہ۔ انکل وہ الگ ایک لاجواب انسان ہیں۔ رہ گیا میں تو ایک نکھٹو، بے کار۔ اوباش انسان ہوں۔"

"دیکھو ہم تو ٹھہرے مہمان۔ ایک دن کے لیے ہوسٹل سے آتے ہیں۔ ہماری قدر کیا کرو اشو جی۔ اچھا خیر چھوڑو۔ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ لاؤں۔"

"آں۔ ہاں۔ میں بھوکا ہوں۔" اشہد، جو جانے کن سوچوں میں اُلجھ گیا تھا۔ ایک دم ہی چونکا۔

"لعنت ہو اشو تم پر، میں مہمان ہو کر تمہارے آگے کھانا پیش کروں گی ہے نا شرم والی بات ویسے میں نے آتے ہی تمہارے لیے خوبانی کسٹرڈ بنا لیا ہے ایمان سے خوش ہو جاؤ گے کھا کر۔ دعا دو گے ہمیشہ میں جیتی رہوں اور تمہیں مزے مزے کی چیزیں کھلاتی رہوں۔ ہے نا" وہ کھل کھلا کر ہنسی۔

"ہاں ہاں۔ ہمیشہ۔ بے ایمان کہیں کی ہمیشہ اس گھر میں رہنا ہے کیا؟" اس نے شیبا کو چھیڑا۔

"اور کیا۔ جہاں تم، وہاں ہم" وہ ہنستی کھل کھلاتی اُس کے کمرے سے نکل گئی۔

اور پھر وہ خود کو تنہا تنہا، ویران ویران محسوس کرنے لگا۔ شبو۔ تم میرا کس قدر خیال رکھتی ہو شبو، واقعی میری ساتھی ہو۔ بچپن کی ساتھی۔ امی اور آپا سے کس قدر مختلف۔

شیبا نے میٹرک کر کے ہوسٹل میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ کچھ تو ہوسٹل کی لائف گزارنے کا شوق تھا کچھ مجبوری بھی تھی۔ کوئی کالج اچھا نہیں تھا جہاں وہ ایڈمیشن لیتی۔

اشہد کا اُس کا ساتھ بچپن کا تھا۔ اُس نے جب آنکھیں کھول کر دنیا میں دیکھا تھا تو دو سالہ ننھے اشہد کو۔ ہوش سنبھالا تو اشہد کے ساتھ۔ اشہد سے اسے قدرتی لگاؤ تھا۔ اُنس و ہمدردی تھی۔ مگر عجیب بات تھی کہ امی اور ابو اشہد سے اُلجھے اُلجھے رہتے تھے۔ اشہد سے سیدھے منہ بات کرنا گوارا نہ تھا۔ امی تو امی، شیبا کو حیرت تھی اپنے ابو پر۔ ابو کا اشہد سے کتنا گہرا تعلق تھا۔ پر جانے کیسا اُلٹ پلٹ تھا نظام دنیا کا۔ کوئی کسی کا نہ تھا۔ بڑی نفسا نفسی کا عالم تھا۔ خاص طور سے بے چارے اشہد کا سامنہ

میرا حصہ بھی ہے کیوں امی آپ نے میری خاطر میرے مستقبل کے لیے تو دوسری شادی کی تھی!

"اشہد! تمیز سے بات کیا کرو بیٹے۔ تم آخر کن دوستوں کی صحبت میں رہتے ہو؟" سجیلہ اُسے تنبیہہ کرتیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں، اشاروں ہی اشاروں میں اُسے چپ رہنے کی تلقین کرتیں مگر اشہد بھلا کب چپ کرنے والا ہوتا۔

"میرے گروپ میں جتنے دوست ہیں امی اتنے بدنصیب ہیں کہ آپ اُن سے مل لیں تو رو پڑیں گی۔ وہ سب زمانے کے ستائے ہوئے ہیں معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے ہیں، اپنوں کے گرائے ہوئے ہیں، اور:"

"اور ان سب کے لیڈر تم ہو؟" عامر مضحکہ خیز انداز میں کہتے۔

"لیڈر نہیں۔ حمائتی کہیے۔ ساتھی کہیے ہم سب ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کی قدر کرتے ہیں۔ لیڈری میں حکومت کی جاتی ہے۔ ہم میں سے کوئی کسی پر حکومت نہیں کرتا۔ بہرحال چھوڑیں۔ اس قصے کو یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ امی آج مجھے ایک ہزار روپے چاہئیں۔"

"ہرگز نہیں۔ تمہیں ایک پائی نہیں ملے گی۔ عاطف کو دیکھ کر تمہارے سوچ کی اُڑان میں بلندی آگئی ہے۔ تم بھی شہزادوں کی طرح پیسہ اُڑانا چاہتے ہو۔ اپنی حیثیت مت بھولا کرو اشہد۔ سجیلہ تمہیں ایک پائی نہیں دیں گی۔ سجیلہ آپ سُن رہی ہوں گی۔ یہ میرا حکم ہے۔" وہ بڑے پتھریلے لہجے میں اپنا حکم سُنا کر کمرے سے چلے گئے۔

"امی۔ امی!" اشہد دانت پیس رہا تھا۔ "میں آپ سے بھیک مانگنے نہیں آتا۔ یہ سے پیسے میری امانت آپ کے پاس موجود ہیں۔ میرے پچیس ہزار روپے جس میں سے میں نے صرف اب تک پانچ ہزار روپے آپ سے حاصل کئے ہیں۔ یاد ہے امی؟"

"ہاں بیٹے۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔ تمہارے پیسے میرے پاس ہیں۔ میں تمہیں دوں گی۔ اس وقت شور نہ مچاؤ۔" سجیلہ بے چارگی سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بولیں۔ "عامر کا موڈ اس وقت بہت خراب ہو رہا ہے۔ اشو بیٹے موقع کی نزاکت دیکھتے جان واپس چلے جاؤ۔ میں تمہارے پیسے دوں گی مگر اس طرح نہیں۔ اب تیری شادی پر اشو تیرے پیسے بھی دوں گی اور میرے اکاؤنٹ میں جو کچھ

"ہاں للنّا بھائی۔ مجھ سے زیادہ جانتی ہیں صاحبزادی جوئے میں کم بخت سارا پیسہ اُڑا دیتا ہے کون جانے شراب بھی پیتا ہو۔ واہ رے بجیلہ بیگم خود تو عیش کر رہی ہو۔ اچھا تحفہ دے گئیں ہمیں۔" وہ لگیں بجیلہ پر برسنے۔ زور زور سے بلند آواز میں اور اندر اشہد غصے میں کھولتا رہتا۔

عاطف نے اپنی کار ایک جھٹکے سے اپنی کوٹھی کے سامنے روکی اور اپنی ماں کو سہارا دے کر گاڑی سے اُتارا تو کوٹھی کے باہر دیوار سے ٹیک لگائے اشہد کو دیکھ کر چونک پڑا۔ بجیلہ جلدی سے اُس کے قریب گئیں۔

"اشعو بیٹے۔ کب آئے۔ یہاں کیوں کھڑے ہو۔ اندر کیوں نہ چلے گئے" وہ ایک ہی سانس میں بولے چلی گئیں۔ "اندر کون تھا بھلا"

اشہد نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا ــ "عامر" بجیلہ نہ جانے کیوں چپ سی ہو گئیں۔ "مر کون ہیں میرے"

اشہد غرّا کر بولا۔ "آپ کے دربان نے اندر جا کر اطلاع دیدی تھی میرے آنے کی انہوں نے کہلا دیا کہہ دو۔ بجیلہ بیگم گھر پر نہیں تو میں اور کیا کرتا۔ باہر گزارہ کر آپ کا انتظار کر رہا تھا۔

"اب تو اندر چلیے اشہد بھائی" عاطف باپ کی اس حرکت سے کافی شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے اشہد کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "چلیے نا بھائی جان! بھائی جان کہنے میں خدا جانے کیا اثر تھا کہ اشہد بادل ناخواستہ اس کے ساتھ کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ قدموں کی چاپ سن کر کمانڈر عامر اپنے کمرے سے نکل آئے۔ اُسے دیکھ کر طنزیہ مسکرائے: "تو تم ابھی تک موجود ہو"

"جی" اشہد نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "بجیلہ بیگم آگئی ہیں اور آپ جانتے ہیں مجھے اُن سے ہی کام ہوتا ہے"

"وہی پیسوں کا سوال۔ کیا ہماری ساری تجوری صاف کر دو گے" عامر انتہائی سفّاکانہ لہجے میں اُس سے مخاطب ہوتے تھے۔ اُن کے اس انداز سے عاطف کٹ کر رہ جاتا تھا۔ بجیلہ کی روح تک گھائل ہو جاتی تھی اور اشہد مجروح ہونا بھی جانتا تھا اور مجروح کرنا بھی۔ ہونٹوں پر بے حد گہری مسکراہٹ بجھا کر وہ کہتا۔

"تجوری میں جو کچھ ہے ظاہر ہے اس میں

روز کے لئے کیونکہ اتفاقاً تین چار روز کی چھٹیاں
پڑ گئی تھیں۔ اشہد کے لئے کرتے پر سفید نازک سی
بیل کاڑھتے ہوئے اُس کے نازک لب جانے
کیوں آپ ہی آپ مسکرا رہے تھے۔ گہری سیاہ
آنکھوں میں شرارت تاروں کی طرح چمک رہی
تھی۔ ممی آرام سے سو رہی تھیں اپنے کمرے میں
اور شیبا کو خوب موقع ملا تھا۔ اشہد کے کمرے میں
بیٹھنے کا۔ اشہد کھانا کھا کر منہ وغیرہ دھو کر اپنے
کمرے میں آیا۔ اُسے دیکھ کر تندی سے بولا: "یہ تم
میرے کمرے میں کیوں گھسی رہتی ہو۔ چلو دفع ہو
اپنے کمرے میں!"

"ارے پتہ ہے اشو جی!" شیبا اُس کی بات
سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے بولی: "آج تو ڈھیر ساری
باتیں کرنی ہیں۔ اپنے اشو سے اپنے بھیا سے!"

"ہوں خیریت؟" اشہد نے اسے بڑے
غور سے سمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے!" شیبا نے اس
کا کرتا اس کی جانب اُچھال دیا: "لو یہ مکمل ہو گیا
پا ہو تو ابھی پہن لو!"

"ہوں تم کچھ کہہ رہی تھیں۔۔۔!" اشہد کو تو
فکر ہو گئی تھی۔

"یوں نہیں پہلے وعدہ کرو کسی سے کہو گے
نہیں۔ میرے کام آؤ گے۔ میری مدد کرو گے!" شیبا
کے ہونٹ مسکرائے دے رہے تھے۔ اس کی سنسنی
خیز مسکراہٹ سے اشہد کسمسائے جا رہا تھا۔

"وعدہ!" اُس نے ایک انجانے خدشے سے
کہا: "لو، کچھ لکھو بھی۔ امی اُٹھ جائیں گی تو پارہ چڑھ
جائے گا۔ ہو نہ سمجھیں گی اُن کی بیٹی کو اُلٹے سیدھے
سبق سکھا رہا ہوں!"

"اُوہ — اشو! تم تو ہر وقت گرجتے برستے
رہتے ہو۔ کمرہ تمہارا میدانِ جنگ لگتا ہے ایمان سے
سمجھ میں نہیں آتا۔ خدا نے اشو جی کو کیوں پیدا کیا ہے!"

"صرف کڑھنے اور لڑنے کے لئے!"

"احمق اشو جی کڑھنا تھا، تو خدا کے لیے کڑھتے
لڑنا تھا تو خدا کے لیے لڑتے۔ ذرا سی آزمائش میں
خدا سے اور خدا کی خدائی سے بغاوت پر اُتر آئے۔ اچھا
میں دیکھوں گی کیسے زمین کی تہیں توڑ دو گے!"

شیبا روٹھ کر کمرے سے چلی گئی۔ اشہد کا ذہن
اور بھی پراگندہ ہو گیا۔ وہ بے تحاشہ سگریٹ پہ
سگریٹ پھونک رہا تھا۔ ساتھ ہی اُس کا طی

ہے سب تیرا ہے۔ سب دوں گی۔ ابھی نہیں جب وقت آئے گا۔

"امی! میرا موڈ آن سے زیادہ خطرناک ہو رہا ہے۔ آپ یہ نہ بھولیں۔"

"اشو! کیوں تنگ کرنے لگے ہو؟" بمیلہ رو دیں: "میرے خدا کیسے عذاب میں پڑ گئی ہوں۔"

"امی پلیز یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔ پاپا ادھر بھی ناراض ہوں گے۔" عاطف گھبرا کر بولا: "آئیے اشہد بھائی میرے کمرے میں۔ میں آپ کو ایک ہزار کیا جتنے کہیں گے دوں گا۔"

"کیا بھیک دو گے۔" اشہد نے تلملا کر بھائی کو دیکھا۔

"اُف۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ اشہد بھائی۔ یوں سمجھ لیجئے گا کہ آپ اپنے پیسے لے رہے ہیں۔ بائی گاڈ میں امی سے آپ والے پیسوں میں سے لے لوں گا۔ آپ اس وقت مجھ سے پیسے لے کر اپنا کام تو نکال لیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ عاطف جانے کیوں میں تمہارے آگے مجبور ہو جاتا ہوں۔ تم جو میرے بھائی ہو۔" اشہد نے عاطف کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

عاطف نے بڑے غور سے اشہد کی ہمیشہ بگانہ سی والی بے حس آنکھوں میں جھانکا تو وہاں اُسے اپنے پیار کا ایک چراغاں سا نظر آیا۔ محبت کا ایک بے بہا سمندر۔ "اشہد بھائی!" فرطِ محبت سے عاطف نے اشہد کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا لیا: "اشہد بھائی یہ مت بھولئے گا کہ میں آپ کا بھائی ہوں۔ میں آپ کا خون ہوں۔ پلیز کبھی میری طرف سے بددل نہ ہو جایئے گا۔"

عاطف نے چیک کاٹ کر اشہد کو دیا اور پھر دبی زبان سے بولا: "پلیز اشہد بھائی۔ خود کو گمراہ نہ کیجئے گا۔ امی کا صدمہ سے بُرا حال ہو گا۔ آپ جانتے ہیں بولنے والوں کا کوئی منہ نہیں پکڑ سکتا۔"

"میں آوارہ نہیں ہوں عاطف۔ میں لفنگا نہیں ہوں۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ یہ پیسے۔ میں غلط کاموں میں نہیں خرچ کرتا۔ اچھا۔ خدا حافظ!"

اشہد چلا گیا۔ عاطف سوچتا رہ گیا۔ اتنے پیسے آخر اشہد بھائی کن کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ کہیں وہ تو تباہی کے راستے پر تو نہیں جا رہے ہیں۔

اب کے شیبا ہوسٹل سے آئی تھی تو تین چار

زمانہ نہ دیکھے۔ ماں کے پیار کو ترسا ہوا اشہد اُس بدنام عورت کو ماں کہتا تھا اور وہ اُسے اس قدر پیار اور شفقت سے نوازتی تھی کہ وہ یقین بھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ عورت مکر ہے۔ فریب ہے اور ماں بن کر دونوں ہاتھوں سے اُسے لُوٹ رہی ہے۔ اُس عیار عورت نے اس معصوم فطرت والے محبت کے پیاسے اشہد کے لیے ایک جال بچھا دیا تھا اور اشہد اس جال میں بُری طرح اُلجھا جا رہا تھا۔ وہ ایک بیٹے کی طرح اس عورت کی مدد کرتا تھا، ذرا ذرا سی باتوں کا خیال کرتا تھا اور وہ عورت اسے اس طرح رسوا کر رہی تھی کہ ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ اشہد تو اس کے چکر میں ہے اور ان تمام باتوں کی خبر عاصمہ کو بھی تھی۔ راحیل بھی جانتے تھے اور سجیلہ بیگم بھی۔ سب ہی عاجز تھے پریشان تھے اور متنفر تھے اشہد سے ــــ اور اشہد اس سمے شیبا کی اللہ والی گفتگو سے کافی اَپ سیٹ ہو رہا تھا۔ کیوں؟ یہ وجہ خود بھی نہ سمجھ رہا تھا بس جب سے خود کو بکھرا بکھرا سا محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اُس کی ذات یکبارگی ریزہ ریزہ ہوگئی ہے۔ لہو لہان ہوگئی ہے یہ سب کیوں تھا۔ پیاسے دل سے کوئی پوچھتا جو سدا سے بوند بوند پیار کے لئے ترس رہا تھا وہ پیار کے دھوکے میں کتنے دھوکے کھا چکا تھا۔ اس سے لاعلم تھا۔ محلے کی بدنام عورت کو پیار کے دھوکے میں امی کہتا تھا مگر نہیں جانتا تھا کہ وہ عیار عورت اس پر بھی ایک نیا حربہ آزمانے پر تیار بیٹھی ہے وہ محبت کے لیے اپنی ماں سے ملنے جاتا تھا تو کمانڈر عامر کی زہریلی نگاہوں اور ماں کی مجبور نگاہوں کے درمیان محبت پس کر رہ جاتی تھی۔ وہ انکل سے بات کرنا چاہتا تو وہ جھڑکیوں بھرا لیکچر پلاتے تھے۔ وہ خاندان میں کسی سے ملتا تو معنی خیز انداز میں اُس پہ تیروں کی طرح چبھتے سوالات کئے جاتے۔ کیا حال ہے۔ آج کل اونچے جا رہے ہو۔ چچا کے پالنے کا خوب صلہ دے رہے ہو۔ غرضیکہ جتنے منہ اُتنی ہی باتیں تھیں۔ بس لے دے کے شیبا ہی تھی جو اس کے قصیدے پڑھا کرتی تھی اور وہ شیبا بھی اس وقت عجیب و غریب باتیں کرنے لگی تھی۔ اُف معبود۔ کرب سے وہ اپنا ہونٹ دانتوں تلے بھینچنے لگا۔ سکون نہیں مل رہا تھا۔ دل کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ کتنا بے سکون تھا اور کیا مقدر تھا کوئی بہن ہوتی تو پوچھتی، بھیا اتنے پریشان کیوں ہو۔ جی چاہ رہا تھا۔ ماں کے سینے سے

دماغ ٹھنک رہا تھا۔ ایک تو آج کل اُس کا ذہن
بری طرح اُلجھ رہا تھا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد کب
سے نوکری ڈھونڈھ رہا تھا۔ ڈھنگ کی نوکری نہ مل
رہی تھی۔ ایسی ہی کسی پرائیویٹ کمپنی میں صرف
چار سو روپے پر ملازم تھا۔ انکل چاہتے تو اس کے
لیے بہت کچھ کر سکتے تھے۔ امی اور پاپا کے کتنے
ثرورسوخ تھے۔ چاہتے تو اسے اچھی سے اچھی
جاب دلا سکتے تھے مگر اس سے تو لاتعلق تھے سب
بے گانہ تھے۔ اُس کے ابو کی موت کے بعد پچیس
ہزار روپیہ جو حکومت کی جانب سے ملا تھا وہ امی
نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا اور اس روپیہ پر صرف
اُس کا حق تھا۔ جب اُسے ضرورت پڑتی تو وہ
ہزار پانچ سو روپیہ اسی رقم میں سے مانگ لیتا
تھا اور اب کر کمانڈر عامر نے وہ رویہ اختیار کیا
تھا کہ اس کا جی چاہتا کہ وہ انہیں شوٹ کر دے
آخر وہ شخص کیا سمجھتا ہے۔ وہ بھیک مانگنے تو
نہیں جاتا تھا۔ امی نے وہ رقم اپنے پاس محفوظ
کی تھی اور اُس کے طعنے اُسے یہاں بھی سننے کو
ملتے تھے۔ عاصمہ آنٹی ہمیشہ طعنے دیتی تھیں
کہ سمیلہ پچیس ہزار روپیہ سمیت دفع ہو گئیں یہاں

وہ انکل سے اکثر الجھتیں۔ آپ نے اشہد کو پالا پوسا
جوان کیا اور اماں عیش کرتی ہیں۔ پیسے خود سنبھالئے
کہ کہیں آپ کی نظر خراب نہ ہو۔

اس قسم کی ہزاروں باتیں تھیں۔ اشہد کو سب
طرف سے سخت لہجے میں بات سننا پڑتی تھی جھڑکیاں
کھانا پڑتی تھیں۔ سب لوگ اُسے نکما سمجھتے تھے
طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے تھے کہ اشہد بُری
راہ چل رہا ہے۔ وہ دوسروں پر پیسہ لٹاتا ہے حالانکہ
بات صرف اتنی سی تھی کہ محلے کی ایک بدنام عورت
کو ایک دن اُس نے بہت سمجھایا تھا کہ وہ بُری
راہ سے توبہ کرے۔ محنت مزدوری کر کے لڑکیوں
کا پیٹ پالے جس پر اُس نے بڑے تمسخرانہ انداز میں
کہا تھا۔ خرچ تم دو گے ـــ اشہد تو تھا ہی بڑی
آن والا۔ جھٹ سمیلہ بیگم سے روپیہ لا کر اُس عورت کو
ایک مشین خرید کر دے دی کہ سلائی پر کپڑے سیو
مگر خدارا بُرے کام چھوڑ دو۔ بس اُس عورت کی مدد کے
کے لیے وہ اِدھر اُدھر سے پیسے مانگتا۔ معصوم فطرت
ٹوٹے دل کا انسان اشہد ٹوٹے دلوں کا سہارا بننا
چاہتا تھا۔ شیبا نالائق مجھ کو وعظ پلاتی ہے۔ کیا خدا
میری یہ بات پسند نہیں کرتا؟ کیا خدا دیکھتا نہیں؟

اشہد پر اس وقت بڑے اضطراب کا عالم
طاری تھا۔ وہ اپنے دکھ کسی سے بھی تو نہ کہہ سکتا تھا۔
اُس کا درد اُسی تک محدود تھا۔ درد بانٹ لینے
سے دکھن میں کتنی کمی ہو جاتی ہے۔ ایک عجیب
امتحان ہے خداوندا۔ کیا سارے امتحانوں سے
مجھے ہی گزرنا ہوگا۔ بس اسی بات کی کسر تھی۔ تو نے
میرے مقابل میرا ہی بھائی کھڑا کر دیا۔ آزمائش کے
لئے میں ہی رہ گیا تھا۔ اور شیبا کہتی ہے میری مدد
کرو۔ سادہ۔ میں کیا کروں گا۔ کس دل سے؟ عاطف
تو بڑا خوش نصیب ہے۔ میں تیری خوشیوں کو نظر
نہیں لگاتا۔ تو نے ماں باپ کی بھرپور توجہ و محبت
پائی۔ تجھے ایک پیار کرنے والا ساتھی بھی مل جائے
اور میں۔ سدا یونہی اندھیاروں میں بھٹکتا رہوں گا
جانے کب تک۔ زندگی کی اس کربلا میں زخمی ہوتا
رہوں گا۔ میں کیا ہوں۔ میری ذات کیا ہے۔ میں
تو بکھرا ہوا وجود ہوں۔ مجھے تو سمیٹنے والا بھی کوئی
نہیں ہے۔ خداوندا! تو سب کی خوشیوں کے
صدقے میں کیا میری جھولی میں خوشی کا ایک ریزہ
بھی نہیں ڈال سکتا۔ پھر تو نے مجھے پیدا ہی کیوں
کیا تھا۔ کڑھنے کے لئے۔ سب سے لڑنے کے لئے
میرا وجود اس دنیا میں آیا ہی کیوں تھا۔ الجھے اُ
خیالات کی یلغار میں وہ آنسوؤں سے نم آنکھیں
جانے کب تک کرسی کے پیچھے پر سر اوندھائے

آج شیبا کو ہوسٹل واپس جانا تھا۔ لے جا
ذمہ داری اشہد کی تھی۔ انکل کی کار ڈرائیو کرنے
اسے جب ہی ملتا تھا جب شیبا کو ہوسٹل یا کہیں
جانا ہوتا تھا۔ راہ میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے ا
جانے کیا سوچتا ہوا بولا۔ "شبو! میں تمہیں اپنی ا
عزیز ترین ہستی سے ملانا چاہتا ہوں۔ ملو گی نا"
وہ بڑی سادگی سے اتنا بڑا جملہ کہہ گیا جو شیبا
کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔

عزیز ترین ہستی۔ وہ زیرِ لب بولی۔ میں تو
تھی کہ اشہد تم۔۔۔ خیر دل میں اٹھتے وسوسوں ک
میں ہی دباتے ہوئے بڑے صبر سے بولی۔ "کون
بھلا وہ؟"

"اس سے تمہیں کیا سروکار۔ بس یہ بتاؤ ملنا
اگر ملنا چاہتی ہو تو اب کی سنڈے تم آؤ گی نا
میں تمہیں اس سے ملانے لے چلوں گا۔"

"کیا وہ ہستی قابل دید ہے؟" شیبا اندر

لگ کر گہری نیند لے لے۔ مگر۔ یہ سب تو محض حسرتیں تھیں اور کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے ایک طویل سانس لی۔ "ہاں شاید میں زمین کی تہیں نہیں توڑ سکوں گا۔" اس کی زبان سے نکل گیا۔ اسی وقت شیبا اشہد کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

اس طرح جی ہارنا کوئی مردانگی تو نہیں ہوا کرتی۔ حالات سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اشہد میرا مطلب ہے کہ جو لوگ تمہیں برا سمجھتے ہیں تم ان کے خیالات و احساسات کو بدل کیوں نہیں دیتے تم خود کو اچھا بن کر دکھا دو۔ دشمن کے دل میں کھٹکنے لگو گے۔ جو جلتے ہیں انہیں اچھا بن کر جلاؤ۔"

"اچھا بس۔ زیادہ نصیحتوں کی ضرورت نہیں۔" شہد جھنجھلا کر بولا۔

"مگر وہ کون ہے جس کے لیے تم اکثر پریشان رہتے ہو۔ کوئی چکر ہے ضرور۔"

"وہ کوئی بھی ہو، کیوں بتاؤں؟" شیبا کے چہرے کا رنگ کچھ بدلنے سا لگا۔ خیر تمہیں میں ہی راہ پر لاؤں گی۔ تمہارے چہرے پہ جتنے بھی چہرے ہیں آہستہ آہستہ سب اتاروں گی۔ تمہاری شخصیت بناؤں گی اشو جی! مگر اس وقت تم میری مدد کرو۔ یہ دیکھو!" اس نے ایک تصویر اشہد کی جانب اچھال دی۔ اشہد تصویر غور سے دیکھ رہا تھا — یہ کسی سالگرہ پارٹی کی تصویر تھی۔ مختلف لوگ تھے اور ٹیبل کے پاس جو لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ والا لڑکا نمایاں تھا — اوہ — حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں: "عاطف" اس کے لب کپکپا کر رہ گئے۔

"کیسا ہے؟" شیبا جیسے اترا کر بولی۔

"بہت اچھا!" اشہد نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا اس وقت۔

"کیا تم سے زیادہ اچھا ہے؟" شیبا قریب آکر بولی۔

اشہد جل کر رہ گیا: "یہ تم ہر ایک کا مقابلہ مجھ سے کیوں کرتی رہتی ہو؟"

"اوہ۔ بڑا غصہ آرہا ہے۔" شیبا مسکرائی: "اب نہیں کروں گی بابا تم سے مقابلہ میں بھول جاتی ہوں۔ ایمان سے تمہارے مقابلے کا تو کوئی ہے نہیں ساری دنیا میں۔" وہ تصویر پکڑاتی ہوئی کمرے سے نکلی اور جاتے جاتے پھر بولی "تمہیں اس مسئلے میں میری ہیلپ کرنا چاہیے۔" وہ چلی گئی اور اشہد کا جیسے دل نکال کر لے گئی۔

میری عزیز ترین میری محبوب ہستی سے ملو گی؟

اشہد کے ذو معنی الفاظ بھی اُس لمحے اُسے یاد آ گئے۔ تو کیا وہ عورت۔ انتخاب۔ محبوب ہستی۔ یہ سارے خیالات و احساسات ذہن میں گڈ مڈ ہو کر رہ گئے اشہد جانے کیا کرنے والا ہے۔ وہ جانے کب کیا کچھ کر بیٹھے گا۔ وہ اپنی محرومیوں کا بدلہ اس طرح لے رہا ہے۔ اشہد تمہیں مجھ سے زیادہ کون جانے گا کون سمجھے گا۔

مجھے پہچانو اشہد۔ میں تمہیں تمام دکھوں سے نجات دلا سکتی ہوں وہ اپنے کمرے میں بیٹھی انہی سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی کہ اشہد آ دھمکا۔ براؤن کھلے کھلے شلوار کرتے میں ملبوس اشہد کی وجاہت کو وہ دیکھتی ہی رہ گئی۔ "وعدہ یاد ہے نا!" اشہد مسکرا رہا تھا۔ "شام کو تیار رہنا میں تمہیں اُس سے ملا دوں گا۔" جانے وہ کیوں اُس سے نظریں چار نہیں کر رہا تھا۔

"اشہد!" وہ اُس کی سنی اَن سنی کرتے ہوئے بولی۔ "یہ اس عورت کا کیا قصہ ہے۔ میرا دل نہیں مانتا اشو کہ تم اتنی پستی میں گر سکتے ہو۔ یہی لوگ تمہارے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں۔ پر میں یقین نہیں کرتی۔ کیوں اشو؟ کبھی سوچا تم نے۔ اس لئے کہ مجھے تم پر بڑا مان ہے۔ یقین ہے۔ اعتبار ہے تم میرے اعتماد کو دھوکہ تو نہیں دو گے نا۔" وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ "بولو اشو یہ سب غلط ہے۔ سب تمہارے دشمن ہیں۔ یونہی بے پر کی اڑاتے ہیں۔ بھلا تمہیں مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔"

"تمہاری پہچان تمہاری پرکھ غلط بھی تو ہو سکتی ہے شیبو۔" اشہد کے چہرے پر کرب سا طاری تھا "میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں تو سدا سے بکھرا ہوا ہوں۔ میری ہستی کے اتنے ذرے ہو چکے ہیں کہ مجھے کوئی دامن نہیں سمیٹ سکتا۔ تم مجھے کہاں کہاں سے اٹھاؤ گی۔

مشکل ہے میرے ٹوٹے ہوئے دل کا جڑنا
سمجھو تو پہلے کون سے ٹکڑے کہاں کے ہیں

وہ بے حد آزردہ ہو رہا تھا۔

"اشہد۔ یہ دنیا ہے۔ دنیا میں جینا ہے تو بہادری سے جیو۔ سر اٹھا کر چلو۔ مانا کہ تم ایک بکھرا ہوا وجود ہو مگر اشہد۔ اس دنیا میں ہزاروں بکھرے وجود ہیں اور ہزاروں اُنھیں سمیٹنے والے دامن بھی۔ کبھی دل کی آنکھوں سے دیکھو تو۔ تم نے کہا تھا تمہاری ایک

جانے کیوں متوحش سی ہونے لگی تھی۔

"یقیناً میرے نہ چاہتے ہوئے بھی شیبا۔ وہ ہستی
انمول ہے کہ میں اس کی خاطر بہت کچھ کرسکتا ہوں
مجھے یقین ہے تم ملو گی اُس سے تو تمہیں مجھ پر بھی
نے لگے گا۔ میرا مطلب ہے کہ تم بھی اُسے پسند کرو گی
بھی جانے کیا کچھ بولتا رہا پر شیبا کے دل کی
تو تہ و بالا ہو چکی تھی۔ وہ نہ اشہد کی بات پوری
سے سُن رہی تھی اور نہ ہی اُس سے نگاہیں
تھی۔ بلکہ اُس کی باتوں سے اُسے جھنجلاہٹ
بس ہو کر رہی تھی۔ ہوسٹل جا کر بھی اس کا دل
پریشان پریشان سی لُٹی لُٹی سی پھرتی رہی اِس
امیٹ اور گہری دوست عنبر کچھ اور سمجھ رہی
میں سمجھ گئی شیبو رانی۔ تم اس قدر اُلجھی اُلجھی
ہو۔ تم آخر اعتراف کیوں نہیں کر لیتیں
عشق تمہیں متاثر کر چکا ہے۔ وہ تمہیں
ہے۔"

"شٹ اپ عنبر۔" شیبا غصہ سے تلملا کر بولی
تھرڈ کلاس تھنکنگ ہوگئی تمہاری۔ عنبر لوں
ہتوں سے محبت ہونے لگے تو بس۔۔۔۔"
سے اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"راہ چلتے۔ کیا مطلب۔" عنبر کا منہ بننے لگا
"آخر وہ میرا کزن ہے۔ کمال ہے۔ تم اسے کچھ دے
نہیں سکتیں تو اس طرح باتیں نہ بنانا چاہئیں۔
کمال ہے وہ ان کے پیچھے دیوانہ ہے اور یہ ہیں
کہ مزاج ہی نہیں ملتے۔ کیا کسی شہزادے کے خواب دیکھ
رہی ہو۔ عاطف کو کھو کر پچھتاؤ گی۔"

"عنبر۔ پلیز، چینج ٹاپک ورنہ میری تمہاری لڑائی
ہو جائے گی۔"

اور اس بار جب شیبا ہوسٹل سے آئی تو پہلے والا
موڈ لے کر نہیں آئی بلکہ ایک پریشان ذہن اُلجھے خیالات
کے ساتھ۔ ایسا ہی کچھ حال اشہد کا بھی تھا۔ دونوں
ہی اُلجھے اُلجھے نظر آرہے تھے۔ آتے ہی پہلے تو عاصمہ
نے بیٹی کو خوب بھرا۔ "سُن رہی ہو اشہد تو بالکل
بگڑ گیا ہے۔ ناک کٹا کر رکھ دی ہے۔ سُنا ہے اس
عورت کے چکر میں ایسا پڑا ہے کہ شادی کرنے کا
ارادہ بھی ہے۔"

"کیا ۔۔۔ ؟" شیبا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا
چالیس سالہ آوارہ عورت اور اشہد سے شادی۔
مائی گوڈ۔ یہ اشہد کو کیا ہو گیا ہے۔ میرا انتخاب دیکھو لی

رہی تھی۔ اس کی نظریں ڈھونڈ رہی تھیں۔

"ہیلو اشہد بھائی" کوئی کہہ اٹھا اچانک تو وہ بُری طرح گھبرا گئی۔ آواز تو جانی پہچانی تھی۔

"اوہ — عا — عاطف" وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"بیٹھو عاطف" اشہد نے بڑے پیار سے عاطف کو اشارہ کیا: "یہ عاطف ہیں شیبا" اشہد نے بڑے ٹھہرے انداز میں کہا۔

"انھیں میں جانتی ہوں" شیبا نے اُلجھتے ہوئے کہا۔ "وہ۔ کہاں ہے۔ تمہاری محبوب ہستی" شیبا اشہد کے قریب منہ لا کر سرگوشی میں بولی۔

"تمہارے سامنے شیبا۔ یہی۔ عاطف ہی تو میری عزیز ترین میری محبوب ہستی ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ ہوسکتا ہے وہ ہستی تمہیں بھی محبوب ہو" وہ نپے تلے الفاظ میں بولتا رہا۔

"کیا مطلب؟" شیبا قدرے بلند آواز میں بولی۔

"مطلب یہ کہ مس شیبا" عاطف جو ابتک خاموش تھا ایک دم ہی بول اُٹھا "اشہد میرے بھائی ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بیحد عزیز رکھتے ہیں۔ اشہد نے آپ سے ملانے کا مجھ سے وعدہ کیا تھا" وہ دھیمے لہجے میں بولتا رہا اور شیبا پل بھر میں ہی سمجھ گئی کہ قصہ کیا ہے۔ مگر یہ تو معاملہ ہی اُلٹا ہوگیا تھا۔ وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ "یہ اشہد تو کیا جانے سمجھ بیٹھا ہے۔ خیر اشہد سے تو بعد میں نمٹ لیا جائے گا۔" اس نے خود کو مطمئن کرتے ہوئے سوچا۔ وہ عاطف کی پُرشوق نظروں اور اشہد کی بیگانگی سے گھبرائی جا رہی تھی۔ مارے گھبراہٹ کے اس سے زیادہ باتیں بھی نہ کی جا رہی تھیں۔ وہ ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلو اشہد" عاطف سے اس کا رویہ عجیب تھا۔ یہ بات اشہد نے بھی محسوس کی۔ پر ہوسکتا ہے دونوں میں آج کل کوئی ناراضگی ہو ممکن ہے شیبا عاطف سے روٹھی ہوئی ہو اور ادھر شیبا کی اس قدر بے توجہی اور انداز تغافل سے عاطف کے دل کو الگ ٹھیس سی لگ رہی تھی مگر اشہد نے تو اس بات کو بالکل دوسرے ہی معنوں میں محسوس کیا۔ وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"شیبا بات کیا ہے۔ کچھ تو سوچو۔ ہمیں آئے ہوئے ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہیں ہوا۔ کیوں عاطف؟"

"تو پھر تم بیٹھو" شیبا جھنجھلا کر بولی: "میں تو جا رہی ہوں" وہ غصہ میں پرس اٹھا کر تیز رفتاری

ہستی ہے۔ کیا تم اس کی خاطر بھی خود کو بدل نہیں
۔ اشو یہ سب کیا ہے ــــ وہ آوارہ عورت۔
ری عزیز ترین محبوب ہستی نہیں ہو سکتی۔" شیبا
لہجے میں پورا الیقین تھا۔
"تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔ میں نے کہا نا آج
تمہیں اس سے ملاؤں گا۔ کون جانے وہ تمہاری
ی محبوب ہستی ہو۔" اشہد نے بڑی معنی خیزی
ے کہا اور شیبا تلملا گئی۔

شام ہوئی تو وہ ماں سے ایک سہیلی کے
ں جانے کا بہانہ کرکے اشہد کے ہمراہ جانے کی
ی کرنے لگی۔ پیازی ریشم کے بھرے ہوئے کام
لے شلوار قمیص کے سوٹ میں وہ بے حد دلفریب
رہی تھی۔ گھنے بالوں کے دو حصے کرکے اس
آگے شانوں پر چھوڑ دیے تھے۔ ایٹوں کی مسحور
ں خوشبو سے معطر ہو کر جب وہ اشہد کے سامنے
ی تو اشہد گم صم ہو گیا۔
"کیا دیکھ رہے ہو عجیب نظروں سے؟"
ہاسے رہا نہ گیا وہ پوچھ بیٹھی۔
"آں ـــ کچھ نہیں۔" اشہد کھوئے کھوئے
انداز میں بولا۔ "سوچ رہا تھا۔ کہ وہ بھی تم سے کم
نہیں ہے۔"
"ہوں ـــ کم تو صرف تمہاری ذات ہے سب
سے کم۔ یہی خیال ہے نا تمہارا۔ جانے کیوں اپنی
ناقدری کرتے ہو اشو۔ اچھے لوگوں کے مقابلے
میں آجاؤ۔ بائی گاڈ۔ بھاری رہو گے سب پر۔ تم کسی سے
کم نہیں۔"
ہوٹل وینس میں آج شام بہار منائی جا رہی تھی۔
بڑی خوبصورتی و نفاست سے ہوٹل کے بڑے ہال
کو سجایا گیا تھا۔ پھول اور کلیوں سے بنائی ہوئی محرابوں
میں سے گزرتے ہوئے شیبا معطر ہو گئی۔ روح تک
سرشار ہو گئی۔ سجاوٹ اور خوبصورتی قابلِ دید تھی۔
اور پھر لوگوں کے لباس، نت نئے انداز کے فیشن
آج کی شام کی جان تھے۔ اشہد پنک اسپانڈ گولڈن
بٹن والے اسٹائلش سے شرٹ اور رائل بلیو ٹو پڈ
کی پینٹ میں کافی سمپش لگ رہا تھا۔ وہ شیبا
کے ہمراہ بڑی متوازن چال چلتا ہوا اپنی مخصوص
ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ اچانک اشہد نے کہا۔ "لو شیبا تمہارا
انتظار ختم۔۔۔۔" شیبا حیرانی سے ادھر ادھر پھر آئے
ہوئے انداز میں دیکھنے لگی۔ کوئی پیاری سی موہنی سی

نفرت کرتی ہے۔ نفرت جو اس نے آج جتا دی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے پریشان بیٹھا تھا۔ ساحرہ اس کی دلجوئی کر رہی تھی۔ ساحرہ جو ایک سلجھی ہوئی کھلاڑی تھی۔ اور جس کے شاطر ذہن نے کوئی اور ہی پروگرام ترتیب دے ڈالا تھا: تم کیوں اتنے دکھی ہو رہے ہو اشہد تم اپنے دکھ مجھے دے دو میں اپنے دامن میں سمیٹ لوں گی تمہارے دکھ۔ تم اپنا درد مجھ کو دے دو۔ عورتوں کا دل بڑا وسیع ہوتا ہے۔ دیکھو مجھے اپنی پریشانی ضرور بتاؤ نہیں تو میں مر جاؤں گی۔

میں کیا بتاؤں۔ کیا کہوں۔ اشہد سسکتے ہوئے انداز میں بولا: سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ میرا کوئی چاہنے والا نہیں ہے۔ جب مجھے میری ماں نے نہیں سمجھا کوڑا سمجھ کر پھینک دیا۔ پھر بتاؤ بھلا شیبا سے کیا توقع رکھی جا سکتی ــــ شیبا ــــ عاطف کو چاہتی ہے۔ عاطف کتنا خوش نصیب ہے۔

”دل چھوٹا نہ کرو“ ساحرہ بیگم نے عیارانہ لہجے میں اُداس بنتے ہوئے کہا: میں جو ہوں۔ کیا میں کسی قابل نہیں“ وہ پھپھک پھپھک کر رونے لگی: میں تم سے زیادہ دکھی ہوں۔ میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میرے سامنے اُن کا مستقبل ہے۔ میں کیا کروں۔ کیا نہ کروں۔ لوگ باتیں بناتے ہیں۔ کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ بدنام کرنا خوب جانتے ہیں لوگ۔ میں کب تک زمانے کے ظلم و ستم سہوں گی۔ مجھے سہارے کی ضرورت ہے ـــ میں بے سہارا ہوں اشہد میں خودکشی کر لوں گی۔ اب مجھ سے لوگوں کے طعنے برداشت نہیں ہوتے۔ میرے بچے۔ وہ گھر آ کر روتے ہیں۔ سب انھیں تمہارا نام لے کر چھیڑتے ہیں۔ ستاتے ہیں۔ ہائے میرے بچے کہیں کے نہ رہے۔ اُن کا کوئی باپ نہیں۔“ وہ روتی رہی اور جانے کیا کیا کہتی رہی۔ پھر اشہد پر تو جیسے ایک سناٹا سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ گم سم بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں بس ایک ہی صدا گونج رہی تھی اُن کا کوئی باپ نہیں۔ کوئی چاہنے والا نہیں کوئی سہارا نہیں۔ باپ تو میرا بھی کوئی نہ تھا۔ چاہنے والا تو مجھے کوئی نہ تھا۔ سمجھنے والا تو مجھے بھی کوئی نہ تھا۔ تب ہی تو میں کیسا نامکمل سا رہ گیا ہوں میری ذات محبت کی تشنہ لبی کی بدولت آج کرچی کرچی ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسے جانے کتنے اشہد ہوں گے اس بھری دنیا میں جو والدین کی بے توجہی غفلت اور خود غرضیوں کا شکار ہو کر اپنی ذات پارہ پارہ کر چکے ہوں گے اور ـ ـ ـ میں سمجھتا ہوں

سے چلدی۔ اس کی اس حرکت نے اشہد کی انا کو ٹھیس پہنچائی۔ عاطف کے سامنے شیبا کی یہ حرکت تازیانہ بن کر لگی۔ وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ شیبا نے اُسے ذلیل کیا۔ اس کی انسلٹ کی۔ وہ کتنے مان سے اُسے عاطف سے ملانے لایا تھا۔ اور شیبا نے اُس کا ذرا سا بھی تو لحاظ نہیں کیا۔ شیبا نے یقیناً یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ میں کیا ہوں اور میری اُس کی نظروں میں کیا وقعت ہے۔ کرب سے وہ ہونٹوں کو دانتوں تلے کچلے جا رہا تھا: آدھی مغرب آدھی مشرق!

اشہد یہاں سے چلا تو سیدھا اُسی عورت کے ہاں گیا جسے سب ساحرہ کہتے تھے۔ ساحرہ اسے دیکھتے ہی پذیرائی کے لیے مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ اشہد اس لمحے بڑا پریشان تھا۔ شیبا نے اس کی انا کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس وقت وہ کرب و اذیت کی جس منزل سے گزر رہا تھا: اُس کا جی ہی جانتا تھا۔ دل کی ساری محرومیاں جاگ اٹھی تھیں۔ زخمی دل جو پھوڑا ہو گیا تھا اور پھوٹ پڑا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا دل میں درد کی لہریں جاگ اٹھی ہوں۔ ساری دنیا اُسے ذلیل سمجھتی تھی۔ ما نے کبھی اُسے بیٹا کہہ کر پیار بھری شفقت نہیں دی تھی۔ باپ کا تو خیر کہنا ہی کیا تھا سوتیلا بھی تھا۔ ا نے اس کے دل کو بچپن سے ہی ضربیں دے دے کر توڑ دیا تھا۔ چچی اور چچا کے نزدیک اس کی کیا قدر و قیمت تھی سوائے ایک حقیر ذرّے کے۔ وہ صرف شیبا کی ذات اس کی محبت اس کے خلوص کے سہارے جیے جا رہا تھا اور آج اسے یوں لگا جیسے: وہ آخری سہارا بھی ٹوٹ گیا ہو۔ ایک بے سہارا انسان کتنا دکھی ہوتا ہے۔ حساس اور چوٹ کھائے ہوئے دلوں سے کوئی پوچھے ذرا سی بے توجہی اور بے گانگی زندگی کے رُخ کو بدل دیتی ہے اور وہ تو پہلے ہی سے ایک بکھرا ہوا منتشر انسان تھا جسے آپ اپنے پر اعتبار نہ تھا۔ ٹوٹی پھوٹی شخصیت والوں کا دل کھلونوں کی مانند ہوتا ہے۔ جلدی جلدی ٹوٹ جانے والا۔ سو اس لمحے اشہد کے دل میں صرف یہی جان لیوا احساس باقی تھا کہ شیبا کے نزدیک بھی اُس کی کوئی عزت کوئی قدر نہیں۔ اس کا بے اعتبار دل شیبا کی جانب سے بُری طرح مشکوک تھا۔ نہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ شیبا بھی اُس سے درحقیقت

بدل بھی۔ ایسے میں ساحرہ اس کے لئے سکون کا سامان لے آئیں۔

"میں نے خدا کی قسم اس چیز کو کبھی ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ تم کیا سمجھ رہی ہو" اشہد نے حیران ہو کر بڑے اچنبھے سے کہا: "شراب راہ نجات نہیں ہے۔ میں لاکھ بُرا سہی لیکن مسلمان ہوں ــــ!"

"تم اس وقت بہت پریشان ہو تھوڑی سی اشہد۔ زیادہ نہیں صرف وقتی پریشانی کو دور کرنے کے لیے لے آئی ہوں۔ میں خود اتنی کم ظرف نہیں ہوں کہ تمہیں شراب جیسی چیز کا عادی بنا دوں۔ اس وقت تمہیں اس کی ضرورت ہے۔"

"نہیں۔ یہ گناہ ہے۔" اشہد کا لہجہ اٹل ہے۔

"نہیں۔ یہ گناہ نہیں اور ازراہِ مصلحت کوئی بھی چیز گناہ نہیں۔ صرف دو گھونٹ۔" وہ اصرار کرتی رہی اور اشہد انکار کرتا رہا۔ مگر کب تک آخر شیطانی جذبہ غالب آگیا۔ دو گھونٹ پلانے والی نے آہستہ آہستہ اُسے کتنے ہی جام بھر کے پلا ڈالے۔ پہلے تو اشہد اور بھی زیادہ بے سکون ہو گیا۔ مگر پھر آہستہ آہستہ اُسے یوں لگا جیسے وہ سب کچھ بھولتا جا رہا ہو۔ "اب تم پُرسکون دکھائی دے رہے ہو۔" ساحرہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں اب مجھے کوئی بھی دکھ دینے والی بات یاد نہیں۔ شاید اس بھول جانے والی بات کو ہی سکون کہا جاتا ہے۔" اشہد قدرے نڈھال نڈھال سی آواز میں بول رہا تھا۔

"ارے کہیں تم مجھے بھی نہ بھول جانا۔ پھر میں کیا کروں گی۔ میرا اور میرے معصوم بچوں کا مستقبل تو اب تم سے ہی وابستہ ہے۔" ساحرہ بیگم نے بن ٹھن کر کہا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں اپنے آپ کی طرح کسی کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا تمہارے بچوں کا ذمہ دار میں ہوں۔ میں انھیں ایک مستقبل دوں گا۔ معاشرے میں ایک باعزت فرد بنا کر پیش کروں گا۔۔۔ ساحرہ بیگم اُداس مت ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔۔۔۔۔" اشہد کی آواز بُری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔

"شادی کب تک کرو گے۔ مجھے جلدی ہے مجھ سے لوگوں کی باتیں نہیں سنی جاتیں۔" ساحرہ بیگم

ایسے لوگوں کے درد۔ دکھ۔ مجھ سے زیادہ کون جانے گا میں جو سراپا درد ہوں۔ ساحرہ بیگم کے بچوں کا درد ایک ماں یہ کیسے بھلا سکتی ہے۔ اس کے بچے ہوں گے۔ بے توجہی کا شکار یہ بچے، یہ بھی ہنسیں نہیں۔ اشہد تمہیں خوشی نہیں مل سکتی پر تم کسی اور کو خوشی تو دے سکتے ہو۔ کڑھنا ہے تو خدا کی خدائی کے لیے کڑھو۔ سکون اسی میں ہے۔

تو یہ اکرم دیکھ کر ساحرہ بیگم اپنی کامیابی پر مسرور تھیں۔ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں: ”ٹھہرو اشہد! میں تمہیں سکون دوں گی۔ تمہارے سکون کا علاج میرے پاس ہے۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں“۔ وہ بڑے انداز سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ وہ مکار عورت بھلا کیا جانتی تھی اشہد کو اشہد جیسے مرد کے ناز و غمزہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ شیبا کو جنون کی حد تک چاہتا تھا۔ دل میں برسوں سے دبا طوفان آج باہر آ ہی گیا تھا۔ جب اُسے اچھی طرح یقین ہو گیا کہ شیبا اس کی نہیں ہو سکتی تو اس کے چھینے جانے کا اس پر ایک شدید ردعمل ہوا تھا اور چھیننے والا وہی تھا جس نے ماں کی محبت چھینی تھی۔ عاطف۔ عاطف جو اس کی ہر محبت کا حقدار قدرتی طور پر بنتا گیا اور وہ یوں ہی تشنہ لب رہتا گیا تھا۔ مگر اس میں عاطف کا قصور کیا تھا۔ یہی وجہ تھی جو وہ عاطف سے محبت کرتا تھا۔ پر ماں سے اُس کا دل صاف نہ تھا اپنی تباہی کا ذمہ دار وہ فقط اپنی ماں یعنی جمیلہ خاتون کو ہی سمجھتا تھا۔

جمیلہ نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا۔ جمیلہ ماں تھی۔ مائیں محبت کے معاملے میں مجبور نہیں ہوا کرتیں۔ ماؤں کے دلوں سے تو اپنی ہر اولاد کے لیے محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ پھر یہ کیسی ماں تھی۔ اپنی نیرنگیوں میں اسے بھول گئی۔ کیا نذیر عامر کیا کوئی کسی کو کسی سے محبت کرنے سے نہیں روک سکتا۔ پر اُس کی ماں تھی ہی ایسی۔ اک ذرا سا صبر کیا ہوتا۔ کیا کل کو وہ بڑا ہو کر اس کا سہارا نہ بن جاتا۔ دوسری شادی جرم نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ پر اپنے بیٹے کو کیوں بھول گئی۔ شیبا کی بیگانگی۔ ماں کی بے توجہی، زمانے کی ملامت آمیز باتیں۔ اس وقت اُس کے ذہن میں اور دل میں صرف یہی کچھ تھا۔ بڑھاپے چین۔ بڑا پرسکون تھا اور سب سے

"بس یا کچھ اور کہنا باقی ہے؟"

"کچھ نہیں کچھ نہیں ــــ بھاگو ــــ چلو بھاگ جاؤ یہاں سے۔ تم بہت خراب ہو۔" وہ بمشکل لڑکھڑاتی زبان میں بولا۔

اور غصے میں کانپتی شیبا کی برداشت سے اب باہر تھا۔ جانے کب اور کیسے اس کا ہاتھ اشہد کی طرف اٹھ گیا۔ تڑاخ کی آواز سے وہ خود بھی چونکی اور اشہد کا سارا وجود جیسے زلزلے کی زد میں آگیا۔ وہ رخساروں پر ہاتھ رکھے عجیب سی نظروں سے شیبا کو دیکھے جا رہا تھا۔

"بزدل۔" شیبا گرج کر بولی۔ "بزدل کہیں کے بس یہی ایک برائی رہ گئی تھی، کرلی۔ یہ ہونی تھی کچھ سکون ملا؟ شراب نجات کی راہ ہوتی تو آج کا انسان بے سکون نہ ہوتا۔ یہ کوئی نہ کہتا کہ سکون کہیں نہیں انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔ بلکہ یہ کہتا سکون میخانوں میں ہے۔ انسان میخانوں میں جاکر خوشی اور آسودگی محسوس کرتا ہے۔ تم پاگل ہو اشہد۔ شراب وہی پیتے ہیں جو بزدل ہوتے ہیں جو حالات سے سمجھوتہ تک نہیں کرسکتے۔ جنگلی انسان۔ سکون شراب میں نہیں نجات شراب میں نہیں۔ عبادت میں ہے۔ عبادت نجات کا ذریعہ عبادت دل کا سکون۔ سکونِ دل کی خاطر تم لوگوں نے عیش کرنے کے بہانے خوب خوب ڈھونڈ رکھے ہیں۔ افوہ! میں نے تمہیں کتنا سمجھایا۔ بچوں کی مانند سبق پڑھایا۔ یاد ہے اشہد تمہیں سدھارنے کے لیے کیا کیا میں نہ کرلی تھی۔ ابو کی مخالفت۔ امی کی مخالفت اور خاندان بھر کی باتیں الگ سنیں۔ میں تم سے کیا کہتی تھی۔ یہی نا کہ اشہد تم اچھے انسان بنو۔ اچھے انسان کے مقابلے میں آؤ۔ سچ تم کسی سے کم نہیں ہو۔ پر تم۔ تمہیں تو میرا بھی کچھ خیال نہیں آیا۔"

شیبا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ پڑا تھا اور اشہد کا سارا وجود بھیگتا جا رہا تھا۔ ایک عجیب سی فرحت و ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا اسے نہ معلوم کیوں۔ "تم نے ایسا کیوں کیا اشہد۔ اشہد جانتے ہو۔ امی ابو کہتے تھے۔ اشہد انتہائی بگڑا انسان ہے کوئی تعجب نہیں کہ وہ پیتا پلاتا بھی ہو۔ اور تب میں نے ان کے ان الفاظ کی سخت مخالفت کی تھی۔ مگر اب۔ وہ تمہیں اس حالت میں دیکھ لیں تو بتاؤ کیا کہیں گے۔ تم نے میرا اعتماد پارہ پارہ کردیا۔ تمہیں میرا خیال بھی نہیں آیا۔" وہ اسے جھنجھوڑ کر پوچھ رہی

نے پریشان لہجے میں کہا۔

"بہت —" اشہد نے ایک ہچکی لی "بہت جلدی۔ فکر نہ کرو۔"

"تو پھر جمعہ کا دن ٹھیک رہے گا نا۔ میں چاہتی ہوں یہ کام کسی اچھے دن طے پا جائے۔ جمعہ کا دن اچھا ہوتا ہے۔ تم ایسا کرنا اپنی ماں سے اپنے پچیس ہزار روپے بھی مانگ لینا تم کہہ رہے تھے نا کہ شادی پر وہ رقم تمہیں دے دیں گی۔ تم ایسا کرو آج ہی سے کوشش کرو رقم لینے کی دو دن تو جمعہ کو ہیں ہی" وہ اُسے بچوں کی طرح سمجھا رہی تھی۔

اور اشہد نشہ میں ہوں ہاں کرتا رہا جب وہ یہاں سے گھر چلا تھا شدید نشے کے عالم میں تھا۔ نشہ کی شدت سے اُس کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی تھی۔ قدم ڈگمگا رہے تھے۔

عاصمہ یعنی شیبا کی امی کہیں گئی ہوئی تھیں۔ اور شیبا بے چینی سے پورے گھر میں گھوم گھوم کر اشہد کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا آج وہ ساری شرم بالائے طاق رکھ کر اپنے دل کی بات صاف صاف بتا دے گی اشہد کو کیونکہ اشہد تو اپنی جان کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ خوب جانتی تھی اشہد کے دل میں کیا ہے۔

اشہد آیا جھومتا لڑکھڑاتا۔ سرخ آنکھیں لئے۔ اُس کی یہ نئی کیفیت دیکھ کر شیبا بُری طرح پریشان ہوگئی۔ "اشو" اس نے سہم کر کہا "یہ کیا..."

اشہد نے جواب میں ایک زوردار قہقہہ لگایا اور وہیں گیلری میں پڑی ہوئی کرسی پہ تقریباً اوندھا ہوگیا۔ "کیا بات ہے بڑی خوش ہو رہی ہوگی تم تو عاطف کے سامنے مجھے ذلیل کر کے۔" وہ بولتا چلا جا رہا تھا۔ "میں سب جانتا ہوں۔ تم سب ایک ہو۔ تم سب لوگ مجھ سے جلتے ہو۔ نفرت کرتے ہو۔ اور سنو شیبا، میں بھی سب سے نفرت کرتا ہوں۔ تم سے بھی۔ میں بُرا ہوں تو کیا۔ کیا ہوا پھر تم کون سی اچھی ہو۔ اچھی — تو وہ ہے وہ۔ میں خاتمہ کر لوں گا —" وہ خاص شرابیوں کے مخصوص انداز میں بول رہا تھا۔ "اب کوئی اور اشہد کی طرح باپ کی محبت کے لیے نہیں ترسے گا۔ سُن رہی ہو۔" اُس نے ایک ہچکی لی بہکی بہکی نظروں سے شیبا کو دیکھنے لگا۔

"ہوں —" شیبا نے ایک طویل سا

شیبا کے الفاظ کو سمجھنے کی پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا
"سکون عبادت میں ہے۔"

محرومیوں میں گھرا ہوا حساس اشہد کسی طرح اس بات کو ماننے پر تیار نہیں تھا کہ شیبا اُسے چاہتی ہے مگر شیبا کی باتیں اُسے یقین کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ اُف وہ کس قدر بدنصیب انسان ہے منزل اتنی قریب تھی مگر وہ اتنا دور دور تھا اپنے ہاتھوں اپنی قسمت پھوڑنا اسی کو کہتے ہیں شیبا اُسے کتنا بھاتی تھی اور اب۔ اب تو شیبا کو پانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ آج اس نے جو حرکت کی تھی اس نے اُسے خود اپنی نظروں میں گرایا تھا شیبا پہلے نہیں تو اب اس سے نفرت کرنے لگے گی تو کیا وہ ہمیشہ خالی دامن ہی رہے گا۔ پیار کا ایک پھول، پیار کی ایک بوند بھی اُس کے مقدر میں نہیں۔ ماں کے آنچل کی ہوا اُسے کبھی نہ لگی ماں کا پیار کبھی نہ پا سکا۔ ایک شیبا کی تمنا کی تو اس میں بھی ناکام رہا۔ شیبا کے آنچل کے سائے سے بھی محروم ہو گیا۔ آج تو اسے گھر سے بھی نکال دیا گیا۔ اس نے خطا ہی ایسی کی تھی اس سے بڑھ کر سزا اسے ملنی چاہیے تھی۔ اب اسے احساس ہوا کہ ساحرہ بیگم کے جادو میں کھو کر اس نے کتنا غلط قدم اٹھایا تھا۔ اپنی اور شیبا کی راہ میں خود دیوار چن بیٹھا تھا۔ کتنا جذباتی تھا۔ اب اسے احساس ہوا تھا کہ ساحرہ بیگم نے اسے کتنا بیوقوف بنایا۔ کہاں وہ کہاں وہ عورت اور وہ کتنا بڑا احمق تھا شادی کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اور یہ سب ساحرہ بیگم صرف پچیس ہزار روپیہ حاصل کرنے کے لیے کر رہی تھیں
"شیبا مجھے کتنا ذلیل سمجھتی ہو گی۔ شبو اب تجھے میں کبھی نہ پا سکوں گا۔"

تو میرے اتنی قریب تھی پر میں تجھے پہچان نہیں سکا۔ مجھے معاف کرنا شبو۔ میں ہی تیرے قابل نہیں۔ دل و دماغ میں بے پناہ ہلچل تھی۔ قدم بھاری ہو رہے تھے۔ آنکھیں دھندلائی جا رہی تھیں۔ اچانک اُس کے کان میں اذان کی آواز آئی۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اس نے اُدھر دیکھا۔ سامنے مسجد کا مینار۔۔۔ اس نے چاہا کہ قدم بڑھائے۔ وہ مدہوش تھا۔ وہ ایک گاڑی سے ٹکرا کر گر پڑا۔

آدھی رات بیت چکی تھی۔ سجیلہ بیگم بے خبر سو رہی تھیں۔ سوتے میں چیخ مار کر وہ اٹھ بیٹھیں۔ کمانڈر

تھی۔ بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟

"میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ میں کسی کا نہیں کوئی میرا نہیں۔ میں جو چاہوں گا کروں گا تم کون ہو میری۔۔۔۔"

"اشہد۔ میں کچھ بھی نہیں تمہاری جنگل بن میں ساتھی ہوں۔ تمہاری بچپن کی ساتھی۔ وہ ساتھی تمہاری تمام غلطیوں کے باوجود۔ تمہاری کوتاہیوں کے باوجود تمہارے ساتھ رہی۔"

"بڑا احسان کیا" اشہد بڑی رکھائی سے بولا۔ "اب تو میری ساتھی نہیں رہیں۔۔۔ عاطف کو وہاں کیوں چھوڑ آئیں۔ کیا میرے سامنے اُس سے بات نہیں کر سکتی تھیں۔ دل کا بغض من کا کینہ وہ اوپر لے ہی آیا۔ تم ہی تو کہتی تھیں کہ وہ تم سے۔۔۔۔"

"کرتا ہوتا ہوگا وہ مجھ سے محبت مگر ضروری تو نہیں کہ میں بھی" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اشہد کو دیکھا۔۔۔ "کیا؟" اس کی آواز میں بے اعتباری، آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ اور پھر پیشتر اس کے کہ شیبا کچھ کہتی اور اشہد کچھ سمجھنے کی کوشش کرتا۔ عاصمہ اچانک ہی واپس آگئیں۔ شیبا کو اُس کے ہمراہ کھڑی دیکھ کر جل سی گئیں۔ "کہاں تھے اب تک تم صبح سے غائب" وہ اپنی مخصوص کرخت آواز میں بولیں۔ "اور کیا بنانی ہے شرابیوں جیسی۔"

"آنٹی میں نے آخر کیا بگاڑا ہے آپ کا کبھی مجھ سے سیدھی طرح بات نہیں کر سکتیں" آنکھوں کی سرخی اور لہجے کی لڑکھڑاہٹ بتا گئی عاصمہ کو۔ وہ غصہ سے بے قابو ہو گئیں "تم نے شراب پی ہے۔ اور تمہاری اتنی ہمت کہ تم داخل ہو گئے۔ شیبا دیکھو نی اشہد کی شرافت کہتی ہوں۔ نکلو۔ نکل جاؤ" وہ دیوانہ وار دھکے دینے لگیں۔

"امی" شیبا چیخ اٹھی "یہ کیا کر رہی ہیں"

"تم چپ رہو۔ بہت سنی تمہاری۔ محلہ کے لوگ کیا کہیں گے۔ گھر میں جوان لڑکی اور یہ دندناتا پھر رہا ہے گھر میں۔"

اشہد نے بڑے کرب سے عاصمہ اور شیبا کو دیکھا اور چپ چاپ گھر سے نکل گیا۔

اشہد گھر سے نکل کر تھکے تھکے قدموں سے چلا جا رہا تھا۔ دماغ میں ایک گتھی اُلجھ

• اتنے زمانے بعد اب بیٹے کی محبت آئی ہے تمہیں وہ شرابی، بچا تھا، لفنگا تھا۔ میں نے کل رات اُسے گھر سے نکال دیا۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنے دروازے بند کر لیے۔ جمیلہ بیگم کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ وہ بلکر وہیں اپنے بیٹے عاطف کے بازوؤں میں گر گئیں۔

عامر صاحب صبح پژمردہ ہو رہے تھے۔ سات سے وہ بے کل ہو رہے تھے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا احساس انھیں مارے ڈال رہا تھا۔ ساری رات انھوں نے اپنا محاسبہ کیا تھا اور خود کو مجرم پایا تھا۔ وہ کافی پریشان تھے۔ اشہد کو تلاش کریں تو کہاں۔ کوئی نشان بھی تو نہیں چھوڑا تھا اس نے جمیلہ اپنی جگہ سخت اذیت سے دوچار تھی۔ ان کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ جانے اشہد کہاں بھٹکتا پھر رہا ہوگا۔ اشہد جذباتی انسان تھا اور جذبات میں آکر جانے کیا کچھ کر سکتا تھا۔ کہیں وہ اپنی جان ہی دے دے۔ ایسی ہی ہزاروں سوچیں اس کے ذہن میں کیڑے کی مانند کلبلا رہی تھیں۔

ادھر جمیلہ کا برا حال تھا۔ تین دن میں ان کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ دن میں کئی بار اُن پر اختلاج کے دورے پڑتے رہتے تھے۔ جی چاہتا تھا کہیں سے اشہد آجائے اور وہ اُسے سینے سے لگا لیں۔ پر اشہد کہاں تھا۔ کہاں ڈھونڈیں وہ رو رو کر جائے نماز پر دعا کرتیں۔ معبود ایک بار اشہد کو ملا دے۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ میرا بیٹا مجھ سے روٹھا ہوا ہے۔ میں کتنی ظالم ہوں۔ مگر میں بھی کیا کرتی پروردگار۔ میں جوان تھی۔ میرے جذبات تھے۔ میرے مولا۔ نکاح سنت ہے لیکن میرے لیے اس وقت فرض ہوگیا تھا۔ ڈرتی تھی کہ تیری نافرمانی نہ ہو جائے۔ لیکن میرے پروردگار! حالات نے مجھے اشہد کے لیے ظالم بنا دیا۔ میرے خدا ایک بار میرے بیٹے کو ملا دے۔ وہ رو رو کر گڑگڑا کر دعائیں مانگتیں پر اشہد کا کہیں پتہ نہ چلا تھا۔ عاطف نے اپنی سی تمام کوشش کر ڈالی تھی۔ اُسے ڈھونڈنے کی پر ڈھونڈا تو انھیں جاتا ہے جو کھو جاتے ہیں اشہد تو یہیں کہیں تھا۔ آس پاس۔ مگر کسی کو خبر نہ تھی۔ اشہد تو عنبر کے گھر میں آرام سے تھا۔

اس روز عنبر شاپنگ کر کے واپس لوٹ رہی تھی۔ اور بدقسمتی سے اس کی کار سے ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ اشہد اس کی کار سے ٹکرایا تھا۔ اس کے ہاتھ اور سر میں چوٹیں آئی تھیں۔ وہ اُسے لے کر فوراً

عامر کی گھبرا کر آنکھیں کھل گئیں۔ انھوں نے سجیلہ کو ہلایا "کیا بات ہے۔ کوئی خواب دیکھا تھا کیا؟" جواب میں سجیلہ چُپ انھیں ایک ٹک دیکھے چلی گئی۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

"کچھ بولو؟" عامر اس کی حالت سے کچھ پریشان سے ہو گئے۔

"میرا بیٹا۔ میرا اشہد؟" سجیلہ اتنا ہی بول سکیں اور پھر ہچکیاں لے لے کر رونے لگیں۔

"لاحول ولا قوۃ۔ اس وقت اشہد کا کیا ذکر؟"

"اشہد کو کچھ ہو گیا ہے۔ اشہد کو بچا لیجئے۔ خدا کے لئے؟"

"کیا تم پر وحی نازل ہوئی ہے؟" عامر جھنجھلا گئے۔ نیند جو خراب ہو گئی تھی۔

"میں سو رہی تھی۔ بے خبر۔ میں نے دیکھا دیکھا کہ عادل آئے ہیں۔ میں نے آپ سے شادی کے بعد آج۔ صرف آج ابھی عادل کو خواب میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے۔ تم نے اشہد کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ آخر وہ بھی تمہارا بیٹا تھا۔ میری نشانی۔ تم سے میری نشانی کی ذرا بھی حفاظت نہ ہو سکی۔ اُسے کچھ ہو گیا ہے؟ وہ سسکیاں روئے جا رہی تھیں اور عامر کے رونگٹے کھڑے سارے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ عادل بھی تو دوست تھے۔ دوستی کا خوب بدلہ لگا جیسے عادل اُن کے سامنے حسرت کی تصویر کھڑے ہوں۔ میرے بیٹے نے تمہارا کیا بگاڑا! اس کی شخصیت کو تباہ کرنے میں تمہارا صرف تمہارا ہاتھ۔ اف۔ اُن پر کپکپی سی عادل مجھے معاف کرنا۔ معاف کر دینا۔ میں غلطیوں کا ازالہ کروں گا۔ وہ زیرِ لب بڑبڑ اور پھر وہ کٹھن رات بڑی مشکلوں سے کٹ بیگم کی روتے روتے صبح ہو گئی۔ صبح ہو کو بھی یہ سب پتہ چلا۔ ماں کا خواب سُن کر وہ سا ہو گیا۔

اور پھر آج پورے چوبیس سال بعد اس گھر میں قدم رکھا جہاں وہ ایک بار دلہن بن کر رہ گئی تھیں اور پھر اشہد کی ماں بیوگی کا داغ لیے وہاں سے نکلی تھیں۔ وہ کا بتہ کرنے گئی تھیں۔

عاصمہ بڑی رکھالی سے اُن سے پیش

عاطف سے شیئر کیا۔

"نہیں، وہ سب کو بہت پسند آیا ہے کافی اچھی شخصیت کا مالک ہے۔ ایمان سے اتنا اچھا!" وہ اپنی رو میں کہتی چلی گئی۔

"عنبر، عنبر!" عاطف نے اسے ٹوکا: "واقعی تمہیں پسند آگیا تعجب ہے تمہیں تو کوئی پسند ہی نہیں آتا!"

وہ دونوں دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے فری تھے۔ عنبر اس کی بات پر ہنسی۔ دلی خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی: "جذبے سچے ہوں تو منزل مل ہی جاتی ہے عاطف بھائی۔ ایمان سے میرا آئیڈیل جب میرے سامنے آیا تو میں اسے دیکھ کر پاگل سی ہو گئی تھی۔ اور آپ کہتے تھے آئیڈیل ملا نہیں کرتے۔ مجھے تو مل گیا چلئے آپ کو دکھاؤں۔" وہ عاطف کو اپنے ہمراہ اس کمرے میں چلی آئی جہاں اشہد تھا۔ اشہد نے قدموں کی چاپ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھیں پوری حیرت سے پھیل گئیں سامنے عاطف تھا۔ عاطف اسے بغور دیکھ رہا تھا اشہد کے دماغ میں پل بھر میں سینکڑوں خیال دوڑ گئے۔ نہیں۔ میں اب ان سب کی راہ میں نہیں آؤں گا۔ میں انھیں پہچاننے ہی سے انکار کر دوں گا۔ یہاں سے میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اس دوران میں عاطف ایک دم ہی اشہد بھائی کہکر اس کے قریب آ گیا تھا۔

"آپ کہاں تھے؟ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گیا ہوں۔ اور پتہ ہے امی کا برا حال ہے وہ بہت بیمار ہیں۔" (ہونہہ۔ امی کو میری پرواہ کب تھی ــــ اشہد نے دل میں سوچا اور اجنبیت کے آثار لیے بس عاطف کو دیکھتا رہا۔ "اشہد بھائی بولیئے نا۔ بولتے کیوں نہیں؟" یہ سب عنبر حیرانی سے دیکھ رہی تھی اور اشہد آہستگی سے بولا: "میں تمہیں نہیں جانتا اور نہ ہی میں اشہد ہوں۔"

"آپ اشہد نہیں؟" عاطف کی چیخ نکل گئی۔ اس نے عنبر کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پھر بولا: "پھر آپ کون ہیں؟"

"مجھے پتہ نہیں۔" اشہد نے بے رخی سے کہا اور تکیے میں منہ چھپا لیا۔

"اوہ یہ تو بہت برا ہوا۔" عاطف بڑبڑایا۔ "یہ تو غالباً اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔" عنبر تو کہہ رہی

اسپتال گئی تھی۔ ڈاکٹر کے ہر طرح اطمینان دلانے پر کہ
معمولی سی چوٹیں ہیں وہ پھر اشہد کو واپس گھر لے
آئی تھیں۔ اشہد تین روز سے اس کے پاس تھا وہ
وہ ہوسٹل بھی نہیں جا سکی تھی۔ اس نے چھٹی لے
لی تھی اور جی جان سے اشہد کی دیکھ بھال میں لگی
تھی۔ اُسے کھویا کھویا خشک مزاج بے ہوشی میں
اللہ اکبر بڑبڑانے والا اشہد بے حد بھایا تھا۔ چوٹ
لگنے کے بعد اشہد کو بخار بھی آگیا تھا۔ تین دن سخت
بخار کے بعد اس نے آج آنکھیں کھولی تھیں آج
وہ پوری طرح ہوش میں آیا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اُسے
ایسا لگا تھا کہیں دیکھا ہے۔ پر کہاں۔ یہ اُسے
یاد نہیں آیا۔ حالانکہ اس نے شیبا کے پاس عنبر
کو ایک کالج کے گروپ فوٹو میں دیکھا تھا۔ مگر
اس وقت اُسے یہ یاد نہیں آرہا تھا۔

عاطف ماں کی بیماری کی وجہ سے پورے
تین روز عنبر سے ملنے نہ آسکا تھا۔ حالانکہ اُس کا
معمول تھا۔ روزانہ عنبر کے گھر آنا۔ آج جب وہ
تین روز کے بعد آیا تو عنبر اُس سے خاصی دیر تک
اُلجھی رہی۔ وہ درحقیقت عاطف کو بے حد چاہتی
تھی۔ بالکل سگے بھائی کی طرح۔ عاطف پہلے
تو چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر آخر بول ہی پڑا: "تین
دن پریشانیوں میں الجھا رہا۔ اس وجہ سے
نہ آسکا تھا اور تمہیں کیا ہوگیا تھا ان تین دنوں
میں ایک بار فون کرکے میری خیریت ہی معلوم
بس ساری شکایتیں مجھ سے ہیں۔"

ارے ہاں۔ واقعی عنبر نے دل میں سوچا
بے حد شرمندہ سی ہوکر بولی: "ٹھیک ہے عاطف
مجھ سے بھی کچھ کوتاہی ہوئی۔ مگر بلاوجہ نہیں۔
میں۔ ایک بات ہوگئی۔"

"ایک بات ہوگئی۔" عاطف حیرانی سے
"تمہارے ساتھ تو روز ایک نئی بات ہوتی ہے
بتاؤ کیا ہوا؟"

"وہ مجھ سے ۔۔۔ ایک ایکسیڈنٹ ہوگیا"
وہ رُک رُک کر بولی۔ "کیا؟" عاطف گھبرا کر
"کتنی جانیں لیں تم نے؟"

"معمولی ایکسیڈنٹ تھا۔ دراصل جنہیں
لگی تھی تو میں انہیں پہلے ہاسپٹل لے گئی پھر
لے آئی۔ اور اُن میں میں تین دن مصروف رہی
آج ذرا محترم نے آنکھیں کھولی ہیں۔"

"محترم ہیں کوئی۔ آنٹی ناراض نہیں ہوئیں"

جان کر اُسے خوشی ہوئی مگر یہ جان کر دکھ ہوا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ وہ دھڑکتے دل سے اشہد کے سامنے آئی۔ اشہد کی آنکھوں میں سورج کی کرن جیسی چمک جاگ اٹھی۔ عاطف کو اطمینان ہوا شاید کچھ گرہ کھلے۔ اشہد کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً شیبا سے باتیں کرنا شروع کر دے۔ مگر ایک دم ہی سے اُسے خیال آگیا۔ ابھی تو ڈراما جاری رکھنا تھا شیبا اُس کے قریب آگئی۔

"اشو۔ اشوجی۔ کیسے ہو۔ کہاں رہے اتنے دن۔ سچ میں بہت پریشان تھی۔ بولو نا اشو۔"

"کوئی اشہد کہتا ہے۔ کوئی اشوجی — میں نہ اشوجی ہوں نہ اشہد۔ میں اپنے خدا کا گنہگار بندہ ہوں اور اور وہ مسجد کا مینار!" وہ دیوانوں کی طرح ایک طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"میں کون ہوں اشو یاد کرو۔ میں تمہاری ساتھی ہوں۔ بچپن کی ساتھی۔ ابھی تین چار روز پہلے میری تمہاری لڑائی بھی ہوئی تھی۔ تم گھر سے چلے گئے تھے۔ امی تم پر ناراض ہوئی تھیں۔ تم نے ایک غلط حرکت کی تھی نا۔ اشو" وہ بے حد دھیمی دھیمی آواز میں سرگوشی میں اشہد سے مخاطب تھی۔

"ساتھی — لڑائی — تم سے —" اشہد زیرلب بڑبڑایا: "پتہ نہیں کیا بکواس کر رہی ہو تم، میں تمہیں بالکل نہیں جانتا۔ تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔" وہ خفگی سے بولا۔

شیبا ایک لمحے کو کچھ سوچتی رہی۔ پھر اُس نے عنبر سے دبی زبان میں کہا: "اگر مائنڈ نہ کرو تو تھوڑی دیر کے لیے سب کو یہاں سے ہٹا دو میں اشہد سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ اشہد زیادہ نہیں جانتا۔ عنبر یقین کرو۔ اشو میرے لیے کیا ہے . . . تم نہیں جانتیں۔ پلیز۔" وہ کہے چلی گئی اور عنبر جیسے سناٹے میں رہ گئی۔ اس قدر سکوت کا عالم تھا۔ اس پر کہ شیبا گھبرا گئی: "عنبر — ؟"

"ہوں!" عنبر چونکی اور سب کو لیے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اشہد یاد کرو۔ ہمارا تمہارا بچپن ایک آنگن میں گزرا ہے۔ ہم ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ یاد کرو۔" وہ اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہی تھی اور اشہد بدستور سنجیدگی کا جامہ اوڑھے چپ چاپ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو مجھے پہچانو نا" وہ اپنے

تھیں کہ یہ معمولی چوٹ ہے مگر یہ تو سب کچھ بھول گئے ہیں۔ وہ عنبر کو ساتھ لے کر باہر چلا آیا اور اب اُس نے عنبر کو سارا قصّہ کہہ سنایا اور فوراً وہاں سے ماں کے پاس چلا آیا۔ سجیلہ دیوانہ وار وہاں سے بھاگتی عنبر کے ہاں چلی آئیں۔ اور پھر یہ منظر قابلِ دید تھا۔ عاطف کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں۔ جب اُس نے دیوانہ وار سجیلہ کو اشہد سے پیار کرتے دیکھا۔

سجیلہ آج ماضی کی ساری کوتاہیاں دور کر دینا چاہتی تھیں۔ وہ اتنی شدت سے اشہد کو لپٹا رہی تھیں اور پیار کر رہی تھیں کہ اشہد ہکّا بکّا کر رہ گیا۔

ماں کی ممتا ایسی ہوتی ہے ماں کا پیار کتنا لذّت انگیز ہوتا ہے۔ وہ سرور سے آنکھیں بند کیے چپ پڑا تھا۔ ذہن میں مختلف خیالات لئے کھوئی ہوئی یادداشت کے مریض کے روپ میں وہ سب کو آزما سکتا تھا۔ مگر یہ کیسی آزمائش تھی۔ کہ ان کی ماں تھے تو وہ اُس سے معافی مانگ رہے تھے پہلے اُس کی خیریت معلوم کر رہے تھے۔ اور پتہ نہیں کن کن ڈاکٹروں کے نام گنوا رہے تھے جنہیں اس کو دکھایا جانے والا تھا۔ اماں کی بات ہی کچھ اور تھی۔ عاطف کا اور اماں کا پیار۔ اتنا ڈھیر سارا پیار۔ کیسا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ جانے کب کب کی حسرتیں پوری ہو رہی تھیں۔ اب شیبا کو اور دیکھنا تھا۔ اُسے بھی تو آزمانا تھا۔ کیا وہ اسے اب بھی قبول کر سکتی ہے۔ کاش کوئی شیبا کو بلا دیتا۔ اُس نے شیبا کو دل سے پیار کیا تھا۔ اور شیبا جو کئی دنوں سے ذہنی اندرونی خلفشار کی وجہ سے بیمار تھی۔ آج عنبر کے پاس آئی تھی۔ ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست لے کر وہ کسی سے ہوسٹل بھجوا دے۔ اُسے کیا معلوم تھا عنبر خود بھی کئی دن سے ہوسٹل میں نہیں گھر میں ہے۔ شیبا یہاں اپنے سامنے لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ عنبر اسے دیکھتے ہی چیخی: "عاطف دیکھو کون آیا ہے؟" اس کی اس حرکت پر شیبا جھل سی ہو گئی۔ عاطف اُسے لے کر شیبا کے پاس گیا کہ دیکھیں اشہد کے ذہن میں آنکھوں میں ہلکی سی بھی پہچان کی جھلک ہے شیبا کے لئے کہ نہیں۔ عنبر نے شیبا کو سب کچھ بتلا دیا تھا اور اُسے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ اشہد شیبا کا کزن ہے۔ اس وقت شیبا کے دل میں کوئی جھانک کر دیکھتا کیسے کیسے طوفان اُٹھ رہے تھے۔ اشہد زندہ ہے اور بالکل ٹھیک ٹھاک

افسانہ

اسما

دل میں سوراخ

ساجدہ گھر کی بہو ہی نہیں بیٹی بھی تھی۔ اس لیے گھر کے بزرگوں کی دیکھ بھال کرتی تھی اور کرتی بھی کیا؟ اس کے دونوں بھائی اپنی بیگمات کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ میں کمانے دھمانے چلے گئے۔ آپا بی اپنے گھر کی ہو گئیں۔ ولید، جیٹھ اپنی ملازمت کے سلسلے میں کراچی اور اسلام آباد میں جا بسے۔ گھر میں ماں باپ کے علاوہ ساس، سسر اور بیوہ پھوپھی سب ہی ساٹھ سے اوپر۔ جب تک بچے چھوٹے تھے بزرگ خواتین ان کی پرورش میں برابر شریک رہیں، مگر پھر ساجدہ نے محسوس کیا بچے چھ سات سال کی عمر میں نانی دادی کے لاڈ پیار سے بگڑنے لگے ہیں، تو اپنے لیے سسرال کے گھر میں الگ انتظام کر کے ان سب بزرگوں کو حویلی کے دوسرے حصے میں آباد کر لیا۔ دونوں گھر ایک ہی جیسے تھے۔ چار چار بڑے کمرے، برآمدہ ایک بڑا سا۔ غرض ہر حصہ ایک مکمل یونٹ۔ اس لیے کسی کو اس انتظام پر کوئی اعتراض ہی نہ ہو سکتا تھا۔

ساجدہ بڑی سگھڑ گرہستن تھی۔ بزرگوں کی دیکھ بھال اسی طرح کرتی جیسے اپنے بچوں کی۔ وقت پر چائے، کھانا، ناشتہ اور دوائیں تو دی جاتیں۔ ایک ملازم صرف ان کی خدمت کے لیے رکھا ہوا تھا۔ تمام بزرگ یک زبان دلہن ساجدہ کی تعریف کرتے اور اس کو دعائیں دیتے۔ کوئی ملنے آ جاتا تو ان سے یہی سنتا: "اس لڑکی نے بیٹی اور بہو دونوں کا حق ادا کر دیا۔"

محمد خاں بزرگوں کا ملازم خاص بڑے ضابطے کا آدمی تھا۔ گھڑی کی طرح وقت کا پابند۔ "بڑے ابا جی اٹھو چائے آ گئی" سوتے سے ہڑبڑا کر نذیر میاں اٹھے تو عینک ان کی ناک پر جما دی۔ دوسرے کمرے میں ننھی آپا اس کی آواز کی گھن گرج سے

مخصوص شوخ انداز میں بولی۔ اشہد پھر بھی کچھ نہ بولا دل میں جیسے خوشیوں کی بارات اُتر آئی تھی۔ چہرہ مسرت سے گلگوں تھا۔ سرخ تھا اور شیبا سمجھ رہی تھی کہ اشہد کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جذباتی کیفیت سے چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔

"اشو جی تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ تم سمجھے کہ شاید میں عاطف سے۔ میرا مطلب ہے کہ اشو عاطف سے میرا کوئی افیئر نہیں۔۔۔ تم مجھے اُس سے ملانے کلب بھی لے گئے تھے۔ پھر وہاں سے واپسی پر میری تمہاری زبردست لڑائی ہوئی تھی تم شراب پی کر آئے تھے اُس روز میں نے غصے میں تمہیں جانے کیا کیا کہہ دیا تھا۔ حالانکہ میں۔ میں تو اشو جی۔ تم سمجھتے کیوں نہیں میرا تمہارا ساتھ تو جنم جنم کا ہے۔ میں تو تم سے۔۔۔ اشو جی صرف تم سے۔۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے خوابناک سے عالم میں بول رہی تھی۔ "مجھے پہچانو نا۔ مجھے جانو نا۔ میں تمہاری ساتھی ہوں۔ بچپن کی ساتھی۔ تمہاری چچا زاد بہن۔ اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو اشہد کے رخساروں پر گر رہے تھے۔

"ہاں یہ!" اشہد ایک دم بول بیٹھا۔ "بچپن ساتھی بھی اور جیون ساتھی بھی شیبو۔ مالک کی نے تمہیں جان لیا۔ پہچان لیا۔ تم۔ تو سامنے قریب تھیں، میں ہی پاگل تھا۔ جو تمہیں پہچان نہ سکا تھا۔ میں آج بہت خوش ہوں۔ خوشیاں گرد ناچ رہی ہیں۔ شیبو مجھے اتنی محبتیں ملی ہیں کہ روح تک سیراب ہو گئی۔" وہ خوشی سے بھری آواز میں بول رہا تھا اور شیبا پریشانی سے ایک ٹک اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ "میں نے اذان سُنی تھی۔ وقت ختم ہو رہا ہے۔ مجھے نماز پڑھنا ہے۔ شبو، سچ! میں نماز پڑھنے جا رہا تھا کہ عنبر مجھے لے آئی۔"

شیبا اس تبدیلی پر خوش ہو گئی۔ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور جب اس کا اشو جی نماز کے لیے کھڑا ہوا تو وہ باہر گئی اور سب سے کہا۔ "ذرا دیکھیے چل کر۔"

سب اندر گئے۔ اشہد سجدے میں تھا اور سجدہ گاہ آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی ●●

اور اسی طرح کی تسلیاں دے کر محمد خان نے اپنی چھٹیاں منظور کرا لیں۔

رکھا خان کے جانے سے چار روز پہلے آ گیا تھا۔ ساجدہ کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ سولہ سترہ سال کا لڑکا خان بابا کی جگہ کیسے پُر کیسے کر سکے گا لیکن خان نے چار روز میں اُسے ہر کام اور اس کا وقت ایسا ذہن نشین کرایا کہ رخصت ہونے سے دو دن پہلے محمد خان کام کاج سے الگ ہو گیا اور بیگم صاحب کو دکھایا رکھا اس کا اچھا جانشین ثابت ہو گا۔

ساجدہ نے خاصے تذبذب کے بعد خان بابا کو جانے کی اجازت دے دی کیونکہ اللہ رکھا ساجدہ کو صرف "رکھا" نام بہت عجیب معلوم ہوا) نے واقعی بڑی چستی سے تینوں کمروں کے بینوں کو سنبھال رکھا تھا اور ہنسی خوشی کام کر رہا تھا۔

اللہ رکھا کی داستان ایک عام سی کہانی تھی۔ بار غدیار کرکے قافلے میں نامعلوم کیوں اس کے ماں باپ ختم ہو گئے۔ چھ سات ماہ کا جان نے چیخ چیخ کر خاصا احتجاج کیا تو ایک ہم سفر بڑی بی نے اُسے گود لے لیا اور وہ اُس کے ساتھ ہی پنجاب کے ایک گاؤں میں پہنچ گیا۔ پاؤں پاؤں چلنے لگا تو بڑی بی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اُن کی بڑی لڑکی ہزارے سے آئی تو رحم کھا کر اس کو ساتھ لیتی گئی۔ بچہ خوبصورت ہی نہیں ذہین بھی تھا۔ ہر کام صرف دیکھ کر سیکھ جاتا۔ دس گیارہ برس کی عمر میں لکڑی کاٹنا بکریاں چرانا تو معمول سے سیکھا ہی مسجد کے مولوی صاحب کی خدمت میں رہ کر الفاظ کی شُد بُد بھی ہو گئی۔ مسجد کے ملّا جی انتقال کر گئے تو جو مولوی صاحب آئے وہ اُس کی خوش نصیبی سے باقاعدہ اسکول کے پڑھے ہوئے تھے۔ اپنی خدمت اور برتن بھانڈو کے عوض انھوں نے رکھا کو اتنا پڑھا لکھا دیا کہ وہ گاؤں کی عورتوں کے خط لکھ اور پڑھ دیتا تھا۔

اللہ رکھا اپنے حال میں مگن تھا کہ محمد خان کا پیغام ملا اس کو عیوضی کی ضرورت ہے۔ آ جاؤ۔ وہ شہر کی ہوا خوری کے لیے فوراً بڑے مکان میں پہنچ گیا۔ کام کا وہ اتنا شوقین تھا کہ نچلا بیٹھنا جانتا ہی نہ تھا۔ خوش مزاجی کا یہ عالم

پہلے ہی جاگ بیٹھی ہیں۔ ساجدہ کی امی کی نیند کچی تھی۔ اُن کو جھنجھوڑنا پڑتا: "چھوٹی اماں تو جب دیکھو سوئی رہتی ہیں۔" محمد خاں بڑبڑاتا: "اور چھوٹے ابا چائے اتنی دیر میں پیتے ہیں کہ کئی کام پڑے رہ جاتے ہیں۔"

ساجدہ کو محمد خاں پہ بڑا بھروسا تھا۔ فوج میں رہ چکا تھا۔ بڑے صاحب کے اردلی کی حیثیت سے اس کی گھڑی آخری سیکنڈ تک ٹھیک رہتی۔ بڑے بوڑھوں کو صاف ستھرا رکھتا۔ ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتا۔ حق تو یہ ہے پچھلے سات سال سے محمد خاں نے ساجدہ کا بڑا بوجھ اٹھایا تھا۔ وہ بڑے مکان میں دوبارہ باورچی رکھنے کے بعد سے صرف دو وقت بچوں کو لے کر اپنے بزرگوں کی خیریت پوچھنے اور ان کی خواہشات معلوم کرنے جاتی، باقی اس طرف سے ایک حد تک بے فکر ہو گئیں۔ ان بڑے لوگوں نے بھی زندگی سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز بنا مانگے مل جاتی تھی۔ جیب خرچ ان کے سعادت مند بیٹے ہر ماہ بھیجا کرتے ویسے بھی بچوں کو عیدی یا انعام دینے کے علاوہ اُن کی جیب پر کوئی بار نہ تھا۔ چین سے گزر رہی تھی۔ اپنے اپنے کمروں میں آرام سے پڑے کوئی اخبار پڑھتا تو کوئی ناول۔ محمد خاں انھیں یہ چیزیں بغیر مانگے لا کر دے دیتا لیکن اس سال محمد خاں نے چھ ماہ کی چھٹی مانگی تھی۔

ساجدہ بہت فکر مند ہوئی: "خان بابا! بڑے مکان کا کام کیسے چلے گا؟"

"اور کوئی فکر کا بات نہیں خانساماں کا بندوبست ٹھیک چل جائے گا۔ فراش صفائی کرے گا اور بیگم صاحب اوپر کے کام کے لیے ہم نے اپنے گھر سے آدمی بلا لیا وہ سب کام سیکھ لے گا۔"

"پھر بھی خان بابا مجھے بے فکری نہ ہوگی۔"

"اوئے بیگم صاحب ہم خود کب جانا چاہتا ہے۔ پر وہ بولتی ہے۔ لڑکی جوان ہے شادی وادی بناؤ۔ ہم زیادہ دن نہیں لگائے گا۔ شادی کرتے ہی واپس آجائے گا۔ بڑے ابا جی سے ہمارا دل بہت خفا ہے۔ وہ چپ چاپ پڑا ہے۔ کوئی بیماری نئی مگر بولتا نہیں اُن کو ڈاکٹر کو دکھا کر جاؤ گا ہاں۔"

رکھا چائے کی ٹرے لے کر ایک کمرے میں پہنچا: "حضور چائے تیار ہے" اس نے ایسے مسکراتے ہوئے اعلان کیا کہ بڑے ابا چونک پڑے۔

"کیا ہے بھئی؟"

"بڑے ابا جی بڑے ابا چائے اور بسکٹ۔"

"ہوں۔"

اللہ رکھا نے محسوس کیا بڑے ابا کچھ مایوس ہو گئے۔ "فکر نہ کریں بڑے ابا۔ کل کی چائے کے لیے میں کچھ نئی شے لاؤں گا" اور وہ غائب ہو گیا۔

چھوٹے ابا نے بسکٹ ڈبو ڈبو کر چائے پینی شروع کی تو رکھا بولا: "ابا جی چائے اطمینان سے پئیں میں ابھی آیا۔"

چھوٹی بی حیرت سے بولیں: "اے بھیا تمہارے کام کو دیر ہو جائے گی۔ یہ تو گھنٹہ بھر لگا دیں گے چائے میں۔"

"تو کیا ہوا ابا جی وقت تو اپنا ہی ہے مجھے کونسا پکچر دیکھنے جانا ہے؟" پھر ہنس کر بولا۔ "میری چائے ضبط کر لے میں جا کر دیکھ آؤں۔ ابا جی آپ مزے سے چائے پئیں۔"

ساجدہ اور بچے معمول کے مطابق سلام کرنے آئے تو انہیں کچھ تبدیلی سی محسوس ہوئی۔ سمجھ میں نہ آنے والی تبدیلی۔ "تائی اماں یہ لڑکا تو ٹھیک کام کر رہا ہے نا؟" "ہاں بہو دراصل محمد خان کے بعد اس کم عمر لڑکے سے اطمینان نہیں ہوتا۔" بڑے ابا نے عینک اتار کر صاف کرتے ہوئے بڑے زور سے "ہوں" کی اور کہنے لگے: "بیٹا، تم اپنی جان کو کیوں فکر لگاتی ہو۔ ہم سب اچھے خاصے ہیں تمہاری سعادت مندی کی وجہ سے چین سے زندگی گزار رہے ہیں۔ نوکر نوکر ہی ہوتا ہے۔ خان ہو یا لڑکا، سب ٹھیک ہیں۔"

بڑے ابا کو ایک عرصے بعد اتنی لمبی بات کرتے پا کر وہ کچھ حیران سی ہو گئی۔ یہی بات اس نے اپنی ماں اور باپ سے کی: "یہ لڑکا کچھ زیادہ ہی پھرتی دکھاتا ہے، ابا کام تو ٹھیک کر رہا ہے نا؟"

"ہاں ہاں بالکل ٹھیک" ابا نے ایسے گھبرا کر کہا جیسے ڈرتے ہوں اس کو الگ نہ کر دیا جائے۔

"کیا کروں ابا مجبوراً محمد خان کو چھٹی دینا پڑی اور دوسرا بھروسے کا آدمی ملنا مشکل ہے۔ اللہ رکھا

کہ ہر وقت مسکراتا گنگناتا نظر آتا۔ فرصت کے اوقات کے لئے وہ کوئی تدبیر مصروفیت کی نکال لیتا۔ پرانے اخباروں سے جہاز، گیندیں، پھول اور جانے کیا کیا بناتا۔ ہر ردی چیز کو اپنے خیال میں کارآمد بناتا۔ جب تک محمد خان موجود رہا وہ دبکا دبکا سا رہا، لیکن اس کے جاتے ہی رکھا اپنی ہستی پر آ گیا۔

دوپہر کا کھانا کھا کر گھر کے مکین قیلولہ کرنے گئے، تو وہ بے کار کیسے رہتا؟ دن میں سونا تو اس کی عادت ہی نہ تھی۔ چاروں کمروں میں گھوم گھوم کر اس نے کاٹھ کباڑ جمع کر لیا۔ اور برآمدے میں بیٹھ کر ٹھوکا ٹھاکی شروع کر دی۔ اپنے اوزاروں کا بکس وہ ساتھ لایا تھا۔ خام مال کی اس گھر میں کمی نہ تھی۔ ایک کمرہ جس میں اس کے رہنے کی جگہ بنائی گئی تھی اس میں پرانے فرنیچر، ٹوٹے پھوٹے کھلونے، بیکار ریڈیو ٹرانسسٹر، گدّے اور جانے کیا کیا بھرا پڑا تھا۔ محمد خان تو دروازے کے قریب ایک حصّہ خالی کر کے اپنی چارپائی اور بکس رکھ کر رہ رہا تھا اللہ رکھا نے آتے ہی اس کاٹھ کباڑ کو قرینے سے لگانا شروع کر دیا۔ اپنے کام کی چیزیں ایک طرف رکھ کر جب اس نے ان کا معائنہ کیا تو خوشی سے ناچ اٹھا۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کا استعمال کیسے کیا جائے؟" خانساماں پانچ بجے چائے بنا کر منتظر بیٹھا تھا، مگر چائے لینے رکھا نہ آیا۔ آخر تنگ آ کر وہ خود اس کے پاس پہنچا۔ "ابے پانچ بج گئے۔ بابوں کو چائے کب دے گا؟ اور یہ تو کیا بنا رہا ہے؟"

رکھا مسکرانے لگا: "چاچا آج کے بعد تمہیں اتنی تکلیف نہیں ہوگی، یہ دیکھو میں باورچی خانے میں یہ گھنٹی لگانے آ رہا ہوں۔ تم بس ذرا یہ رسی کھینچنا۔ اللہ دین کے جن کی طرح رکھا حاضر ہو جائے گا۔"

"اور حاضر تو بعد میں ہونا۔ پہلے صاحب لوگوں کو چائے دے کر آ۔"

"ابھی لو چاچا۔ پر چاچا یہ سب تو پچھلے سوئے پڑے ہیں۔ کسی نے چائے نہیں مانگی اب تک۔"

"اندر جا کر دیکھ جاگے ہوں گے اور تیری جان کو رو رہے ہوں گے۔"

جب بھی مجھے بُلانا ہو یہ رسّی ہلا دو۔ یہ گھنٹی بچوں کے کھلونوں میں ملی تھی۔ ایسی ہی دو گھنٹیاں اور تھیں ان کے سروں پر لمبی لمبی رسّیاں باندھیں کالے رنگ کی گھنٹی دیوار کے ساتھ ساتھ کچن میں پہنچا دی۔ لال گھنٹی کی رسّی بڑے ابا کے کمرے تک پہنچائی اور ہری چھوٹے ابا کے کمرے میں شام کی چائے لے کر جب وہ بڑے ابا کے پاس گیا تو مسکرا کر کہنے لگا۔ "بڑے صاب یہ رسّی ہے نا آپ کے پلنگ کے پاس" بڑے ابا چونک کر دیکھنے لگے "یہ رسّی کہاں سے آئی؟"

"میں نے لگائی ہے صاب، آپ اس کو پکڑ کر تو دیکھیں"

بڑے ابا نے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رسّی پکڑی تو کہیں گھنٹی بجنے لگی۔ انھوں نے سوالیہ نگاہوں سے رکھا کو دیکھا "جی صاب یہ گھنٹی میرے لیے ہے جب آپ کو میری ضرورت ہو رسّی کھینچیے" خادم فٹ حاضر ہو اس نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا۔ بڑے ابا مسکرا کے "تم تو اچھے خاصے جوکر ہو"

"اے یہ تو بڑا کاریگر ہے میرا آئینہ جوڑ جاڑ کر لے آیا۔ ذرا سا بال رہ گیا بس کب سے پڑا تھا" اماں بولیں اب بڑے ابا نے غور سے دیکھا کمرے میں کئی چیزیں نظر آئیں۔ ان کا عصا جانے کب سے گم تھا میز کے ساتھ لگا کھڑا تھا انھوں نے جھپٹ کر اسے اٹھا لیا۔ میز پر ان کا ٹائم پیس پالش شدہ ٹک ٹک کرتا سنائی دیا۔ "ادھر تو دیکھو جی" انھوں نے دیکھا دیوار پر اپنے کالج کی رخصتی والی تصویر اس کے برابر میں بچوں کے ... رجو میاں کی بسم اللہ کے روز کی تصو... ... ایک اور تصویر لگی ہوئی تھی۔ "شاید صمد میاں کی شادی کی" "یہ رجو میاں کے برابر میں اللہ بخشے بھائی صاحب ہی بیٹھے ہیں نا؟" "آں ہاں نہیں۔ یہ تو ماموں نوشا ہیں۔ بھائی صاحب تو ادھر صمد کے پاس صوفے پر ہیں" دونوں میاں بیوی تصویروں پر توجہ دیتے ہوئے اللہ رکھا سے خوش ہو گئے اور وہ مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

چھوٹے ابا سے پہلے ہی پھوپھو نے کہہ دیا تھا "یہ رکھا کمرے میں گڑ بڑ کرتا پھر رہا تھا ذرا پوچھنا تو، ہاں نہیں تو آج کل ساجدہ بھی گھر پہ

کی ضمانت عمر خاں نے دی ہے۔"

"بھئی کہہ تو رہا ہوں لڑکا ماشاء اللہ ٹھیک کام کر رہا ہے۔" اماں نے بھی بات بڑھائی۔ "خاصا اچھا لڑکا ہے مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آئی۔"

"وہ بات یہ ہے اماں بچے اصرار کر رہے ہیں کہ چھٹیاں کراچی میں گزاریں۔"

"تو کیا ہوا؟ پہلے بھی تو کبھی چھٹی ہا کبھی ہری جاتی رہی ہو۔ تم اپنی چھٹیاں اس دفعہ کراچی میں گزار آؤ۔"

"وہ فکر یہ ہے، پتہ نہیں یہ لڑکا آپ کا کس طرح خیال رکھے۔ عمر خان کی بات اور تھی یاد ہے پچھلی بار جب آپ کو بخار آ گیا تھا۔ اس نے کتنی ہمدردی سے باقاعدہ علاج کروایا تھا۔"

"ارے بھئی کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جس کا بدل نہ ہو۔ تم بے فکری سے پروگرام بنا ڈالو۔ لڑکا سب کام کرے گا۔"

پھوپھی اتنی دیر سے چپ چاپ بیٹھی تھیں کہنے لگیں۔ "ارے ساجدہ، ہماری اتنی فکر نہ کیا کرو۔ اپنے بچوں کا خیال رکھا کرو۔ ہماری تو بڑی اچھی گزر رہی ہے، اللہ نے چاہا تو گزر ہی جائے گی۔"

"پھوپھو آپ ذرا اس لڑکے کو دیکھیں، مجھے ذرا فکر رہے گی۔"

"اے بیٹا تم کوئی چنتا نہ کرو، انشاء اللہ ٹھیک رہے گا۔"

"خیر سے کب جا رہی ہو کراچی؟"

"کل رات کے جہاز کے ٹکٹ لائے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ ہاں کراچی جا رہی ہو بچوں کو سمندر سے دور رکھنا، سمندر بڑا خطرناک ہوتا ہے۔"

"جی میں خیال رکھوں گی آپ بھی اماں، تایا اور تائی کا خیال رکھئے گا۔"

ساجدہ کو پھوپھو کی کم عمری اچھی لگتی۔ اوپر سے یہ بھروسا تھا کہ وہ ذرا نسبتاً صحت مند۔ ساجدہ کے کراچی جانے پر اللہ رکھا بہت مطمئن تھا۔ کمروں کی صفائی بزرگوں کے ہاتھ منہ دھلانے، کپڑے بدلوانے سے لے کر کھانا پلانے تک۔ جتنا وقت بچتا وہ اسے اپنی دلچسپی کے مشاغل میں لگا دیتا۔ خانساماں کو حسب روایت ایک عدد گھنٹی دے کر وہ بے فکر ہو گیا کہ جا

کو دھو دیا کرتا تھا۔

"چھوٹی اماں، آپ ریڈیو نہیں سنتیں؟"

"ارے کہاں وہ میرا ٹرانسسٹر جب سے خراب ہوگیا، نگوڑی قوالیوں تک کو ترستی ہوں۔"

بڑے فخر سے رکھا ایک پرانا ٹرانسسٹر اٹھالایا اور اُسے آن کرکے چھوٹی اماں کے قریب میز پر رکھدیا: "اے یہ تو میرا ریڈیو ہے، مگر یہ تو خراب ہوگیا تھا۔ کیسے چلنے لگا؟"

سینے پر ہاتھ مار کر اللہ رکھا بولا: "یہ اس جن کا کمال ہے اماں۔ بس دو تین پُرزے لانے پڑے۔ گاؤں میں دکان پر بیٹھا تھا کچھ مہینے وہاں چھوٹی موٹی مرمت کا کام سیکھا تھا۔"

چھوٹے ابا نے پوچھا: "پھر دکان کیوں چھوڑی؟ بے وقوف اس کام میں تو بہت پیسہ کماتا۔"

"کیا کرتا کما کر صاحب جی؟ میرا کون بیٹھا ہے جسے کما کر دیتا۔"

پھوپھو نے ہنس کر کہا: "اے جوان آدمی ہو، بیاہ کرو گے، بال بچے ہوں گے، اُن کے لئے بھی تو انتظام کرنا ہے۔"

"نہ بی بی جی میں بیاہ کروں گا؟ پنڈی ڈاکٹر نے بتایا ہے میرے دل میں سوراخ۔ اسی لیے تو دکان چھوڑی، پتہ نہیں کیوں سا ہوگیا تھا۔ دنوں غائب رہا جب اسپتال میں آنکھ کھلی تو معلوم ہوا آدھی زندگی ختم ہوگئی۔"

"آدھی زندگی ختم ہوگئی وہ کیوں؟"

"وہ جی میرا دل جو ہے نا جبر نہیں کیا چھپا ہوا ہے، شاید ان جانے میں — میں ماں باپ کھونے پر پھٹ گیا ہو۔ ویسے مجھے یاد تو نہیں کہ میں کبھی انھیں یاد کرکے رویا ہوں۔"

"ڈاکٹروں نے علاج نہیں کیا؟"

"نہ جی اس کا علاج بڑا مشکل ہے ولایت میں ہوتا ہے اور صاب جی مرنا تو پھر بھی پڑے گا ہی نا؟ اپنا ملک چھوڑ کر پردیس میں مرے۔"

"اللہ نہ کرے تو اتنی جلدی کیوں مرنے؟"

چھوٹی اماں کو اس پر رحم آرہا تھا۔ جوان جہان ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے کمبخت ڈاکٹر نے ایسا سے اس کے دل میں کیا شوشہ چھوڑ دیا، مگر رکھو اُن کی بات پر مسکرا رہا تھا: "اماں جی اگر زندگی

رہیں خدا کرے، کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ جیسے ہی لب
پہ دعا، گنگناتا ہوا اللہ رکھا کمرے میں چلا
آیا۔ چھوٹے ابا نے سختی سے کہا: "کیوں میاں
یہ رسی کیسی لٹک رہی ہے کھڑکی کے ساتھ؟"
"جی یہ الہ دین کا چراغ ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"جناب آپ اس کو کھینچیں تو میں فوراً
موجود ہو جاؤں گا۔" یہ کہتا ہوا وہ کمرے سے
باہر چل دیا۔

چھوٹے ابا نے ایک جھٹکے سے رسی کو
کھینچا اور ٹن ٹن گھنٹی کی آواز کے ساتھ ہی
اللہ رکھا دروازے میں کھڑا فرشی آداب بجا
رہا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر چھوٹی اماں
کی ہنسی نکل گئی۔ چھوٹے ابا نے مسرت آمیز لہجے
میں کہا: "آج کے برس بعد گھنٹیاں بجی ہیں۔" اسی
وقت اُن کی نظر میز پہ رکھی ہوئی شطرنج کی
بساط پہ پڑی: "ارے یہ کہاں سے آگئی؟"
"وہ جی کباڑ میں پڑی تھی۔ میں صاف
کر کے لے آیا۔" پھر بڑے فخر سے کہنے لگا: "اس
کی گوٹیں بھی ہیں، یہ دیکھئے۔"

"شانی کا ایک ڈبہ کھول کر اس
کی گوٹیں دکھائیں۔ چھوٹے صاحب
"اماں یار یہ شطرنج کی گوٹیں نہیں۔"
"میاں میں نے خانوں پر ر
کھدی ہیں۔ آدھی کالی اور آدھی سفید
بھی ہے یہ دیکھئے۔" حبیب صاحب
پہ پیار آگیا: "ٹھیک ہے، جیا ٹھیک
ہے تمہیں فرصت ہو آنا میں تمہیں یہ کھیل"
مارے خوشی کے رکھا کی باچھیں کھل گئیں
ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ اللہ رکھا آ
بزرگوں کا لاڈلا بچہ بن گیا۔ چھوٹی اماں
چھوٹی اماں کے رنگ برنگے اون
لیے سوئیٹر بنانا شروع کر دیا۔ بڑی اما
ں دس روپے دیے کہ اپنے لیے کوئی
پھوپھو اپنے ناول اس کو پڑھنے کو دینے
باقاعدگی اور پابندی ختم ہو گئی۔ بڑے
سو کر اٹھتے گھنٹی بجا کر چائے منگا لیتے
ابا جتنی دیر تک چاہتے چائے پیتے۔ بڑ
ی اماں انہیں پان منگا کر کھاتیں، کیونکہ ان
رکھا کہیں سے اٹھا لایا تھا اور جھکے

کے بعد بھی باتوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ کئی سالوں کی گھٹن ختم ہو گئی تھی۔ یہ پانچ مختلف مدارج میں رہنے والے افراد ایک فیملی بن گئے تھے۔ سارا دن اونگھ کر گزارنے کے بجائے ڈیڈی پوتا اخبار پڑھنا۔ کبھی ڈرافٹ کھیلا جا رہا ہے تو کبھی بارہ ٹہنی۔ ارکھتے نے ایک گتے پر یہ کھیل بنایا تھا، لیرم کی گوٹیں استعمال کر کے خواتین اس کھیل سے دل بہلاتیں۔ دن گزرتے معلوم نہ ہوتے۔ رات ختم ہونے کا انتظار رہتا۔ خانساماں حیران تھا کہ کھانے کے نخرے کیا ہوئے؟ اور وہ دودو نوالے کھانے والے تمام برتن کیسے خالی کر دیتے ہیں؟ ”اوئے آج تو کھیر کا ایک چمچ بھی واپس نہیں آیا، کہیں تو نے راستے میں تو ہڑپ نہیں کر لیا“ یہ ہنستے ہوئے رکھا بولا۔ ”نہ چاچا میں نے نہیں کھایا وہ بڑے صاحب اور چھوٹے صاحب شرط بد کر کھانے لگے تو بی بیوں نے جلدی جلدی اپنے لیے نکال لی۔ بس پھر وہ دونوں ڈش پر پل پڑے۔ اللہ قسم اتنا مزہ آیا دیکھنے میں بالکل بچوں کی طرح کر رہے تھے۔“ خانساماں نے گھبرا کر ڈاکٹر وحید کو برابر سے نون کر کے بلایا۔ ”جی آدھ سیر کھیر تھی۔ میٹھا بڑا تھا۔ پھر بھی آپ نے کہا تھا کہ میٹھے سے بڑے صاحب کو خطرہ ہے اور بیگم صاحب بھی گھر پہ نہیں ہیں۔“

ڈاکٹر وحید کو دیکھ کر یہ سب واقعی خوش ہوئے۔ ”ڈاکٹر صاحب آج میں نے حبیب کو ہرا دیا۔ چلا تھا بھائی سے مقابلہ کرنے۔“ ”بھائی صاحب، وہ ساجدہ کی امی نے گڑبڑ کر دی نہیں تو میں کبھی نہ ہارتا۔“ ”ہاں میاں اب تو عذر لاؤ گے ہی کچھ۔ تم دو چمچوں سے ہار گئے۔“ ڈاکٹر وحید حیرت و مسرت سے ان کی تبدیلی عمل دیکھ رہا تھا اتنے میں پھوپھو آ گئیں۔ ”ڈاکٹر صاحب، ایک ذرا اس لڑکے کو تو دیکھنا۔ کہتا ہے اس کے دل میں سوراخ ہے۔“ ڈاکٹر صاحب نے رکھا کی طرف دیکھا۔ ”جی وہ پنڈی اسپتال کے ڈاکٹر صاحب نے بتایا تھا، بلکہ میرے پاس اُن کے کاغذ بھی ہیں۔“ ”تو لاؤ ذرا دیکھوں۔“ کاغذات دیکھ کر ڈاکٹر نے رکھا کی طرف دیکھا۔ ”یہ ہنستا کھیلتا لڑکا موت کے کتنے قریب ہے۔“

”کیوں ڈاکٹر؟“ بڑے ابا نے رعب سے

گذر جائے تو پھر مرنے کا کیا غم؟" پھر گنگناتا ہوا برتن سمیٹنے لگا: "یہ زندگی نہ پھول ہے نہ خار ہے۔"

رکھا، محمد خاں کے اصولوں کا تو پابند نہ تھا، مگر کام اسی طرح کر رہا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ یہ بلاوجہ ان بزرگوں سے باتیں کرتا۔ ان کے لیے مشاغل ڈھونڈتا اور ان کو بلا معاوضہ مشورے دیتا۔

ایک دن کہنے لگا: "بڑے صاب، آپ سب ایک گھر میں رہتے ہیں۔ پر کھانا پینا الگ الگ ہے۔ میرے مولوی صاب کہتے تھے ایک دسترخوان پر کھانے میں برکت ہوتی ہے۔"

"بھئی ہے تو یہ بات ٹھیک، مگر . . . ."

"جی یہ برابر والا کمرہ میں نے ٹھیک کر لیا ہے اور نہیں تو ایک وقت کا کھانا تو آپ لوگ اکٹھے کھا لیا کریں۔"

"ٹھیک ہے شام کا کھانا سب مل کر کھائیں گے۔"

رکھا خوش خوش چھوٹے ابا کے پاس گیا "ابا جی صاب بڑے ابا نے فرمایا ہے۔ شام کا کھانا سب اکٹھے کھائیں گے اس لیے یہ کمرہ میں نے ٹھیک کر لیا ہے۔"

شام کو آٹھ بجے جب وہ پانچوں بڈھے بڈھی اس کمرے میں پہنچے تو کمرہ شمع کی روشنی میں بڑا بھلا معلوم ہوا۔ کھانے کی میز پہ رکھا کا کارنامہ تھا۔ پرانے پلنگوں کی پٹیوں کے پائے اور پھٹے کیلوں سے جوڑ کر اس کے گرد پانچ کرسیاں بچھا دی تھیں۔ میز پہ پرانا پردہ بچھا ہوا تھا: "کتنے عرصے بعد میز پہ کھانا کھا رہا ہوں۔ یاد نہیں پڑتا" بڑے ابا بہت متاثر ہو رہے تھے۔

"یہی کھانا کھاتے تھے پر آج کچھ زیادہ لذیذ لگ رہا ہے کیوں بھئی جن صاحب، تم کہیں جنات سے پکوا کر تو نہیں لائے؟" چھوٹے ابا رکھا سے بے تکلفی سے بولے۔

"حضور یہی تو اکٹھا کھانے کی برکت ہے۔"

"ٹھیک کہتا ہے، کیوں بھئی آج سے ساتھ کھانا کھایا کریں گے۔" سب متفق تھے۔

ایک دسترخوان پر کھانے نے اُن لوگوں کی دنیا ہی بدل ڈالی تھی۔ بچوں کا ذکر، اپنی جسمانی تکالیف کا تذکرہ، ماضی کے قصے، سیاسی باتیں۔ وہی کھانا جو چند منٹوں میں ختم ہو جاتا تھا اب گھنٹہ آدھ گھنٹہ لیتا۔ کبھی کبھی تو کھانا اٹھاتے

شیطان اور روٹی

ٹالسٹائی

کسان نے علی الصبح ناشتے کے لیے
یک روٹی لی اور کھیت پر چلا گیا۔ روٹی کوٹ
ں لپیٹ کر ایک جھاڑی میں رکھ دی۔ اپنا
ں درست کیا اور کام کرنے لگا۔ وہ دیر تک
ں چلاتا رہا۔ اب گھوڑا تھک چکا تھا اور
ود اسے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ اس
نے ہل کھول دیا۔ گھوڑے کو چرنے کے
لیے چھوڑ دیا اور خود ناشتہ کرنے چلا گیا۔

جھاڑی میں سے کوٹ نکالا، تو روٹی
غائب تھی۔ چاروں طرف دیکھا۔ کوٹ کو
اُلٹا پلٹا اور جھاڑا لیکن روٹی ہوتی تو ملتی
کسان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا "بڑی عجیب
بات یہ ہے" اس نے سوچا "ادھر کوئی
شخص آتا بھی نظر نہ آیا، پھر روٹی کون
اُڑا کر لے گیا؟"

دور جھاڑی کے پاس شیطان کھڑا مسکرا
رہا تھا۔ روٹی وہی اٹھا کر لے گیا تھا۔ وہ دیکھنا
چاہتا تھا کسان روٹی نہ پا کر کیا کرتا ہے؟ وہ
ضرور آپے سے باہر ہو جائے گا۔ گالیاں
بکے گا اور مجھے یاد کرے گا۔

کسان کو ناشتے سے محروم رہنے کا
بڑا رنج تھا لیکن اس نے صبر سے کام لیا
"خیر کوئی بات نہیں" اس نے اپنے
آپ سے کہا "میں بھوک سے مر نہیں
جاؤں گا جو کوئی بھی روٹی لے گیا ہے،
اسے بہر حال ضرورت ہوگی۔ خدا کرے
اس کی ضرورت پوری ہو جائے!"

وہ کنوئیں پر چلا گیا، خوب سیر ہو کر
پانی پیا۔ تھوڑی دیر آرام کیا، پھر گھوڑے
کو ہل میں جوتا اور کام میں لگ گیا۔

چا، باقی سب بھی گوش برآواز ہو گئے۔

"جی جی ہاں یہ ٹھیک کہتا ہے اس کے دل کے نچلے خانے میں سوراخ ہے۔"

"اس کا علاج کریں ڈاکٹر، ہم اس کا خرچ اٹھائیں گے۔"

"بیکار ہے۔" ڈاکٹر نے کہا: "اس کا علاج صرف احتیاط ہے۔ لڑکے کو کسی نرسنگ ہوم میں
داخل کرا دیں تاکہ آرام کر سکے۔"

رکھا ایک دم اٹھا: "نہ جی نہ میں جیتے جی مرنے والا نہیں۔ پنڈی والے بھی یہی کہتے تھے۔ مگر میں نے کہا مرنا تو ہے ہی پہلے اچھی طرح جی کیوں نہ لوں۔" ڈاکٹر وحید نے کہا: "تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔ میاں مر مر کر جینے سے تو بہتر ہے کہ آدمی زندہ رہ کر موت کا انتظار کرے۔"

پانچوں بزرگ حیرت سے اس موت کے منتظر جوان کو دیکھنے لگے جو نہ صرف خود زندگی سے چمٹا ہوا تھا بلکہ اُن لبِ گور افراد کے بھی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا باعث بن گیا تھا۔

ہم

حجاب کے تمام مددگار بھائیوں اور بہنوں سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اسلام پسند بھائیوں اور بہنوں کے پتے لکھ کر ہمارے پاس بھیجدیں۔ ہم ان اسلام پسند بہنوں اور بھائیوں کی خدمت میں بطور نمونہ حجاب بھیجیں گے۔ اور انھیں دعوت و تبلیغ میں اپنا معاون بنانے کی ترغیب دیں گے۔

(مینجر حجاب رامپور۔ یو۔ پی ۲۴۴۹۰۱)

رہی بلکہ بہت اچھی ہوئی اور سال بھر کی ضرورت پوری ہونے کے بعد کافی گندم بچ رہی ب کسان الجھن میں گرفتار ہو گیا۔ اس بچی ہوئی گندم کا کیا کرے۔

"اس سے شراب بنالو" شیطان ہم مدد کو پہنچا۔ اس نے شراب تیار کرنے کی ترکیب بھی بتائی۔

کسان نے خوب تند و تیز شراب بنائی خود بھی پی اور اپنے دوستوں کو بھی پلائی۔ شیطان نے اپنی کامیابی کی خبر بڑے فخر کے ساتھ ابلیس کو جا کر دی۔ ابلیس خود موقعہ کا معائنہ کرنے آیا۔

کسان کے گھر پہنچا تو دیکھا کسان کے پڑوسی اور دوست اس کے گھر میں جمع ہیں۔ شراب کا دور جاری ہے۔ کسان کی بیوی مہمانوں کو شراب پیش کر رہی تھی ایک مرتبہ جونہی اس نے جام ایک مہمان کی طرف بڑھایا وہ لڑکھڑا گئی اور شراب زمین پر گر گئی۔ کسان کا چہرہ غصے سے سرخ تر ہو گیا۔ زور سے چلایا۔

"حرام زادی کیا کر رہی ہے؟ کیا یہ بھی کسی ندی نالی کا پانی ہے کہ اسے گرا دیا تو نے ابھی نہیں لی۔"

شیطان نے ابلیس کو ٹھونکا دیا "یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی واحد روٹی گم ہو جانے پر بھی گالی نہ دی تھی۔"

کسان نے ہنستے چھلکتے جام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مہمانوں کو پلانے لگا۔

ایک غریب کسان دن بھر کام کر کے کھیتوں سے لوٹا تھا۔ محفل جمی دیکھ کر بن بلائے اندر داخل ہوا۔ سب کو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ دیکھا سب لوگ پی رہے ہیں دن بھر کے کام کاج سے تھک کر چور ہو چکا تھا۔ مشروب دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا — جی چاہا ایک دو گھونٹ مل جائیں اور حلق تر ہو جائے، لیکن میزبان نے اسے شراب نہ دی بلکہ بڑبڑانے لگا۔

"اب ہر آنے والے شخص کو شراب پلانے سے تو رہا۔"

ابلیس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ شیطان

شیطان کو بے حد افسوس ہوا۔ اس کا وار خالی گیا تھا، وہ کسان کو گناہ سے آلودہ نہ کر سکا۔

پھر وہ اپنی کارکردگی کی رپورٹ اپنے سردارِ اعظم ابلیس کو دینے کے لیے گیا اس نے کسان کا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ کس طرح اس نے کسان کی روٹی چرائی اور کسان نے گالیاں بکنے کے بجائے کہا:

"خدا کرے اس کی ضرورت پوری ہو جائے"

ابلیس سخت چراغ پا ہوا اور چیخا۔

"اگر کسان نے تم پر فتح حاصل کر لی تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے، تمہیں کام کرنے کا سلیقہ نہیں اگر تمام انسان اور ان کی عورتیں اس قسم کی حرکتیں کرنے لگیں، تو ہمارا دیوالہ نکل جائے گا۔ ہمیں اس کا فوراً انتظام کرنا ہوگا جاؤ، فوراً جاؤ اور سلیقے سے کام کرو تمہیں تین سال دیے جاتے ہیں اس عرصے میں تم اس کسان کو قابو میں لا سکے۔ تو تمہیں مقدس پانی سے غسل دے دیا جائیگا۔"

شیطان ڈر گیا وہ دوڑتا ہوا زمین پر آیا اور سوچنے لگا اس کسان کو قابو میں لانے کی کیا تدبیر کی جائے؟ سوچتے سوچتے ایک تدبیر ذہن میں آگئی۔ اس نے ایک مزدور کا بھیس بدلا اور کسان کے ہاں نوکر ہو گیا۔ پہلے سال اس نے کسان کو مشورہ دیا وہ اپنے نشیبی کھیتوں میں گندم بوئے۔ کسان نے اس مشورے پر عمل کیا اور نشیب اور دلدل میں گیہوں بو دیا اس سال بارش نہ ہوئی۔ دوسرے کسانوں کی فصلیں دھوپ کی شدت میں جھلس کر رہ گئیں لیکن اس کی فصل بڑی اچھی ہوئی۔ گیہوں اس کی ضرورت کے لیے کافی ہی نہ تھا بلکہ بچ بھی رہا۔ اگلے سال شیطان نے گیہوں پہاڑی زمین میں بونے کی صلاح دی۔ اس سال بے پناہ بارش ہوئی۔ نشیبی علاقوں کے کھیت پانی سے بھر گئے اور گندم کی کھڑی فصلیں تباہ و برباد ہو گئیں لیکن اس کسان کی فصل پہاڑی پر نہ صرف محفوظ

ں سے لبریز گڑھے میں گر گیا اور سر سے پیر تک
لاغلت میں لتھڑ گیا اور وہیں پڑا بکتا جھکتا رہا۔

اب ابلیس کی خوشی بے پایاں تھی۔ "تم
نے واقعی بہترین مشروب ایجاد کیا۔" اس نے
شیطان سے کہا: "روٹی والی غلطی کی بلاشبہ
لافی کردی۔ لیکن یہ تو بتاؤ یہ مشروب کس
طرح بنتا ہے۔ تم نے یقیناً پہلے لومڑی کا خون
یا ہوگا۔ جس کی وجہ سے یہ کسان لومڑیوں کی
طرح ایک دوسرے کے خلاف چالیں چل
رہے تھے۔ پھر تم نے اس میں بھیڑیے کا
خون ملایا ہوگا۔ غالباً اسی کے اثرات کے
نتیجے میں وہ بھیڑیوں کی طرح غرا رہے تھے
سب سے آخر میں تم نے سُوروں کا خون
ملایا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ سُوروں جیسی
حرکتیں کر رہے تھے۔"

"نہیں نہیں، میں نے ان میں سے
کوئی بھی بات نہیں کی۔ بس اتنی کوشش
کی کہ کسان کو اس کی ضرورت سے کہیں
زیادہ غلہ مل جائے، جانوروں کا خون
انسان کی رگوں میں ہمیشہ موجود رہتا ہے،
لیکن جب تک اسے ضرورت کے مطابق
کھانا ملتا ہے اس کا خون اس کے قابو میں
رہتا ہے اور جب ضرورت سے زیادہ ملنے
لگتا ہے وہ حصولِ لذت کی تگ ودو میں
لگ جاتا ہے۔ میرا کام صرف اتنا تھا کہ
میں نے اس کسان کو شراب نوشی کی
لذت سے آشنا کر دیا جب اس نے
حصولِ لذت کے لیے خدا کی نعمت سے
شراب بنانا شروع کی تو لومڑی بھیڑیئے
اور سُور کا خون اس کے اندر جوش کھانے
اور دوڑنے لگا۔ اگر وہ شراب نوشی میں
مصروف رہے گا تو اس کی زندگی ہمیشہ
برقرار رہے گی۔"

ابلیس نے شیطان کی بے حد تعریف
وتحسین کی۔ اس کا قصور معاف کر دیا اور
مزید ترقیٔ درجات کر دی۔

• خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری
یا نمبر ایجنسی لکھنا نہ بھولئے۔

(مینجر حجاب)

"ابھی تو دیکھتے جاؤ کیا ہوتا ہے۔"
خوش حال کسانوں نے شراب پی، پینو
ی جام پہ جام لنڈھائے، پھر ایک
رے کی خوشامد شروع کر دی۔
ابلیس کھڑا ستا رہا۔ پھر شیطان کی طرف
ن بھری نظروں سے دیکھا اور بولا: "اگر
ری انسان کو اس قدر روباہ صفت
تی ہے اور وہ ایک دوسرے کو
ب دینے لگتے ہیں، تو یہ لوگ بہت
ہمارے قابو میں آ جائیں گے۔"
"ابھی کیا ہے؟" شیطان نے کہا "ذرا
را دور چلنے دو، اس وقت اس کی
، دم ہلاتی ہوئی لومڑیوں کی سی ہے
یک دوسرے کے خلاف چالیں چل
، ہیں۔ کچھ دیر کے بعد یہ خونخوار بھیڑیے
جائیں گے۔"
دوسرا دور چلا اور کسانوں کی گفتگو
، تیزی اور وحشت پیدا ہو گئی۔ اب
وشامد کے بجائے ایک دوسرے کو
یاں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد

جھگڑنے لگے اور مکوں اور لاتوں پر اتر آئے
میزبان بھی اس جھگڑے میں شریک ہو گیا۔
اس کی بھی خوب مرمت ہوئی۔

ابلیس یہ دلچسپ منظر دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ "تم نے بڑا شاندار کام کیا۔" اس نے شیطان کو داد دیتے ہوئے کہا۔

"ابھی اور ٹھہرو، ابھی اس تماشے کا دلچسپ رخ باقی ہے۔ ذرا تیسرا دور چلنے دو۔ اس وقت یہ بھیڑیے کی طرح غرا رہے ہیں۔ ایک گلاس اور پی لیں پھر یہ سور بن جائیں گے۔"

کسانوں نے ایک ایک گلاس اور پیا اور بالکل ہی دیوانے ہو گئے۔ وہ چیخ رہے تھے اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیوں کہہ رہا ہے؟"

پھر محفل برخاست ہو گئی۔ کچھ لوگ اکیلے چلے گئے۔ کچھ دو دو تین تین کی ٹولی بنا کر رخصت ہو گئے۔ میزبان اپنے دوستو کو چھوڑنے کچھ دور تک آیا۔ واپسی میں وہ

فلم دیکھ کر رات کے دس بجے وہ اپنی گاڑی میں لاہور روانہ ہو گئے اور پھر چھوٹی چھوٹی باتوں کا لامتناہی سلسلہ چل نکلا۔ ان میں وقفہ صرف اسی وقت آتا جب خالد بڑی تیز رفتاری سے کوئی خطرناک موڑ کاٹتا، تو خالدہ خوفزدہ ہو کر کہتی:

خدا کے لئے آہستہ چلو!

رات بارہ بجے کے قریب وہ لالہ موسیٰ سے گزر گئے۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ اور یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا اور سامنے سڑک دور تک سنسان اور ویران تھی۔ خالدہ باتیں کرتے کرتے تھک کر تقریباً سو گئی تھی اور خالد نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

اور پھر ایک زبردست دھماکہ ہوا جیسے کوئی چیز کار کے ساتھ ٹکرائی ہو، کوئی درخت بھینس، پتھر۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا۔ ایک لمحے کے لئے اس نے بریک لگایا اور اپنی دائیں جانب دیکھا اسے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اس نے شیشہ نیچے کر کے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک شخص اوندھا پڑا کراہ رہا تھا اس نے فوراً شیشہ اوپر چڑھا کر کے کار تیز کر دی۔ جھٹکا لگنے سے خالدہ ایک دم ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی اور سہمے ہوئے انداز میں بولی:

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں!" خالد نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تم کار اتنی تیز کیوں چلا رہے ہو؟" خالدہ اسپیڈومیٹر کی طرف دیکھتے ہوئے چیخی۔

"چپ رہو۔" اس نے خالدہ کو سختی سے جھڑک دیا

"ضرور کوئی بات ہو گئی ہے!" وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی۔ "کچھ ہوا ہے۔ کوئی حادثہ.....!"

"ارے نہیں بھئی، سردی زیادہ ہوتی جا رہی ہے گھر جلدی پہنچنا چاہتا ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے مجھے ٹھنڈ لگ گئی ہے!"

خالدہ نے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر چھوا اور گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی: "تمہاری پیشانی تو واقعی برف کی مانند ٹھنڈی ہے اور تمہارے ہاتھ۔۔۔" اس نے انہیں چھونا چاہا۔ خالد نے اسے جھٹک دیا: "کیا احمقوں کی سی حرکتیں کر رہی ہو؟"

خالدہ سہم کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس بات پر حیران تھی کہ خالد اتنا چڑچڑا کیوں ہو گیا ہے؟ خالد مسلسل ایکسیلیٹر دبا رہا، بڑھاتا جا رہا تھا

لاجواب



مرزا ریاض

وہ لوگ مری سے واپس آ رہے تھے۔ چند روز قبل یہاں وہ ہنی مون منانے آئے تھے اور جو تین دن اور تین راتیں انہوں نے یہاں گزاری تھیں، وہ ان کی زندگی کے حسین ترین اور ناقابلِ فراموش لمحات بن گئے تھے۔ ایک دن اور ایک رات تو مسلسل برفباری ہوتی رہی، مگر برفباری انہیں کہاں روک سکتی تھی؟ وہ کمرے میں بند رہنے کے لئے نہ آئے تھے۔ آتش دان کے قریب بیٹھ کے باتیں کرنا اور بات بات پہ قہقہے لگانے میں اپنا ایک مزہ ہے۔ مگر برفباری میں گھومنے اور گولے بنا بنا کر ایک دوسرے پر پھینکنے میں کچھ اور ہی لطف ہے۔

مری چھوڑتے وقت وہ غمزدہ نہ تھے۔ جن لمحات سے وہ ان دنوں گزر رہے تھے۔ ا... میں مقامات اہمیت نہیں رکھتے۔ اندر کا... ہر مقام کو حسین بنا دیتا ہے۔ پنڈی پہنچے انھیں وہ بھی اتنا ہی خوبصورت لگا۔ بس تنہائی کے لمحے ذرا کم میسر آئے۔

ایک خوبصورت شام، ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد خالد نے کہا: "فلم دیکھیں؟"

"خیال تو اچھا ہے۔" خالدہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "سفر لمبا ہے اور وہ بھی رات کا، مجھے ڈر لگتا ہے ہمیں سرِ شام ہی چل دینا چاہئے۔"

"کہیں حادثہ نہ ہو جائے؟" خالد نے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ ہم خوشیوں کے تین بھرپور دن اور سرشاری کی تین مکمل راتیں گزار چکے ہیں اور پھر خالدہ تم جانتی ہو کہ میں ایک ایکسپرٹ ڈرائیور ہوں۔ کیا تمہیں شک ہے؟"

"مری کی پُرپیچ پہاڑیوں پر برف کے اوپر گاڑی چلانا جی گردے کا کام ہے جناب!"

"بابا جانتی ہوں، جانتی ہوں اور تسلیم کرتی ہوں" خالدہ نے ناز سے کہا۔

لگ رہا ہے جیسے مجھے بہت جلد گھر پہنچ جانا چاہئے شاید وہاں کوئی حادثہ ہی ہو گیا ہو؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو؟" خالدہ نے لرزتے لہجے میں کہا۔

خالد چُپ ہو گیا اور چُپ چاپ کار چلاتا رہا بارش کے قطرے ٹپ ٹپ سامنے والے شیشے پہ گر رہے تھے اور دفعتاً اُسے یوں لگا جیسے شیشے پہ گرنے والے قطرے سُرخ ہوں جیسے لہو کی بوندیں اُس نے کار اور تیز کر دی اور وائپر چلا دیا۔ مگر سُرخ بوندیں گرتی چلی گئیں۔

"خالدہ!" اس نے خوفزدہ ہو کر کہا۔ "تم جاگ رہی ہو؟"

"ہاں، کیا بات ہے؟"

"تم کچھ دیکھ رہی ہو؟"

"کہاں؟ کیا؟"

"سامنے والے شیشے پر!"

"بوندیں گر رہی ہیں، کتنا خوبصورت لگ رہا ہے!" خالدہ نے رومانٹک ہونا چاہا۔

"خالدہ! تم نے کبھی کسی کو حادثے میں مرتے دیکھا ہے؟"

"ہاں" اس نے سوچ کر جواب دیا۔ "مگر اس وقت میں بہت چھوٹی سی تھی۔ ہمارے ابو کی کار سے ایک بوڑھا شخص ٹکرا گیا تھا۔ اس کا سارا جسم خون سے لت پت ہو گیا تھا۔ وہ ایک دیہاتی تھا اور اس کے کھدر کے سفید کپڑے، لہو سے تر ہو گئے تھے۔"

اسٹیرنگ پہ خالد کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔

"پھر کیا ہوا؟ خالدہ! کیا وہ مر گیا تھا؟" خالد نے قدرے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"پھر ڈیڈی نے ہمیں گاڑی سے نیچے اُتار دیا اُسے گاڑی میں [illegible] ہسپتال لے گئے تھے۔"

"وا[illegible] [illegible]سپتال لے گئے تھے؟"

"ہاں اور پھر دو دن متواتر ابو ہسپتال میں جاتے رہے۔ دوسرے دن شام کو ابو نے ہمیں بتایا کہ وہ بڑھا چل بسا ہے۔"

"چل بسا؟" خالد نے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ "تو پھر اُسے ہسپتال لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت کیوں نہ تھی؟" "تو کیا ابو اسے سڑک ہی پر مرنے دیتے؟ وہ شخص انسان تھا، جانور تو نہیں اور ممکن تھا وہ بچ ہی جاتا۔"

خالد اپنی سیٹ پر سنبھل کے بیٹھ گیا اور گاڑی

کبھی کبھار وہ بالکل لاشعوری طور پر پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا اور جب ایسا کرتا، تو وہ بھی پیچھے مڑ کے دیکھتی۔ مگر اس کی اس حرکت سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکی۔

اور پھر ایک دم خوف کی پرچھائیاں خالدہ کے چہرے پہ پھیل گئیں اور اس نے دفعتاً بریک لگا دیا کار ایک جھٹکے سے رُک گئی۔

"کیا ہوا؟" خالدہ خوف سے اُچھل پڑی۔

"مجھے یوں لگا تھا جیسے سڑک کے درمیان کوئی بوڑھا شخص آ گیا ہو" خالد نے تاریکی میں گھورتے ہوئے کہا۔

"مگر یہاں دور دور تک کوئی نہیں" خالدہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کے بعد کہا۔

خالد رُک رُک کے بولا "کیسی عجیب بات ہے، مجھے تو یوں دکھائی دیا تھا جیسے وہ شخص جو سامنے کھڑا ہے، میرے ڈیڈی سے ملتا جلتا ہے۔ شاید سارے بوڑھے ایک جیسے ہوتے ہیں"

"ہاں سارے بوڑھے جو پچاس پچپن سال کی عمر سے گزر جائیں" خالدہ غیر شعوری طور پر اس بات میں گہری دلچسپی لے رہی تھی جیسے ساری پرانی عمارتیں ایک جیسی ہوتی ہیں اور آپ کے میں تو مجھے اپنے ابا کی اتنی مشابہت نظر آتی لگتا ہے جیسے میرے ہی ابا ہوں"

"شاید اس بوڑھے شخص کی صورت اس بچے کبھی نہ دیکھ سکیں" یہ سوچ کر خالد کانپ اُ خالدہ کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ اس نے اپنا کلام جاری رکھا "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اپنی زیادہ اپنے ابو اچھے لگتے ہیں اور وہ بھی اپنی س اولاد میں سے میرے ساتھ سب سے زیادہ پیار کر

"ابوؤں کا ذکر چھوڑ دو خالدہ! کوئی اور بات

"اچھا، ہم لوگ اس وقت کہاں ہیں؟" خال نے ٹھنڈے شیشوں میں سے باہر تاریکی میں نظر گاڑتے ہوئے پوچھا۔ باہر بوندا باندی ہو رہی تھی

"جانے ہم کہاں ہیں" خالد نے بڑے افسرد لہجے میں کہا اور پھر ایک دم محسوس کیا جیسے خالدہ اس کی طرف مشوش نگاہوں سے دیکھ رہی ہو۔

"اوہ! ہاں، تو ہم گجرات پیچھے چھوڑ آئے ہیں، اس کے بعد گوجرانوالہ آئے گا؟ گوجرانوالہ سے لاہور بیالیس میل ہے اور ہمارا گھر اس سے چار میل آگے۔ میں بہت جلد گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔ جانے مجھے کیوں

سماج کے بھیڑیے

سید علی عباس۔ ڈی آئی جی پولیس بہار

یہ قصہ ہے جب کا کہ ہندوستان ابھی ابھی
واتھا۔ ہندوستان کے دل میں ایک
ن تھا، ایک نیا حوصلہ تھا کہ اپنے ملک
سنواریں کہ جلد سے جلد وہ دنیا کے
ں میں سب سے بڑا سب سے شاندار
بن جائے۔ ان دنوں میں دربھنگہ ضلع
ں۔ پی تھا۔

۱۹۴۷ء ختم ہوچکا تھا یا ختم ہو ہی
ا جب ایک دن ہم لوگوں نے بستی پور
تھانے میں ایک شاندار جلسہ منعقد کیا
میں ایک شخص کو انعام دیا جانے والا تھا
آدمی کا نام اب یاد نہیں۔ سمجھ لیجئے
کا نام رتن تھا اور وہ ایک سچا رتن تھا
ماری آنکھوں میں یوں چمکا جیسے
پتھر کے بیچ پڑا ہوا کوئی نایاب ہیرا

چمکے۔ رتن کے گھر پر ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ دروازے ٹوٹے اور مار کاٹ شروع ہوئی۔ رتن نے اس آفت میں فوراً اپنا بھالا اٹھایا اور ڈاکوؤں کا مقابلہ کرنے لگا۔ وہ تنہا اس بہادری سے لڑا کہ ڈاکو آخر بھاگ کھڑے ہوئے بلکہ ان میں سے ایک تو ایسا گھائل ہوا کہ لوٹ نہ سکا۔ دوسرے دن وہ بھی مرگیا اس زخمی ڈاکو کی شناخت اور اس کے بیان سے سارا گینگ پکڑا گیا اس موقع پر میں نے چاہا کہ ایسے بہادر اور دلیر شخص کی آؤ بھگت کی جائے اور کچھ ایسا انعام دیا جائے کہ لوگ سمجھیں کہ بہادروں کی کیا عزت ہوتی ہے اور دشمنوں کو چاہے وہ دیش کے ہوں یا سماج کے دشمن کو جو بھی نیچا دکھائے اس کی کیا قدر و منزلت

رفتار بہت تیز کردی۔ تھوڑی دیر بعد وہ
چراغ والا پہنچ گئے اور کار کا رُخ خالدہ کے گھر
طرف موڑ دیا۔
"تم اس وقت میرے گھر والوں کو بیدار کر
دو گے؟" خالدہ نے خوش ہو کر پوچھا۔
"ہاں!" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔
"تم وہاں ٹھہرنا اور میں فوراً واپس جاؤں گا۔"
"واپس!" خالدہ نے دھڑکتے دل سے کہا۔
"ہاں، واپس کہیں لاہور ہی کے آس پاس!"
وہ متحیّر اور پریشان حال اس کی طرف دیکھنے
لگی۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا۔

خالد نے دروازے پر دستک دی۔ اندر
کچھ ہلچل ہوئی۔ اہلِ خانہ شاید اُٹھے تھے۔ خالد نے
اُسے تھپکی دیتے ہوئے کار کا رُخ موڑ لیا اور کار میں
سے منہ نکال کر چٹکی بجاتے ہوئے کہا: "صبح ہونے سے
پہلے پہلے واپس آجاؤں گا اور پھر ہم دونوں لاہور
چلیں گے۔"
"مگر خالد کچھ بتاؤ تو سہی......"
"خدا حافظ!" خالد نے کہا اور موٹر اسٹارٹ
کر دی اور اس سے پہلے کہ خالدہ کے گھر والے باہر آتے
وہ چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی میں گُم ہو گیا تاریکی
جو روشنی سے کم نہ تھی۔ ••••★★••••

مفلوج ہوگئے۔ میرا سر چکرایا اور میرے حواس گم ہوگئے۔ میری شکست ہوئی اور ظالموں کی فتح۔ آخر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا اب جاؤ اور مطمئن ہو جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سماج کے ساتھ نہیں ملک کے ساتھ نہیں۔ یہ سن کر وہ مسکراتے لیٹے، موچھوں پر تاؤ دیتے میری بچی کو گھسیٹ کر چل دیے اور آج میں ہوں اپنی شکست کی آواز۔ خدا کے لیے مجھ سے اور کچھ نہ پوچھئے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔ مجھے پھانسی پر چڑھا دیجیے۔ پر میرے ساتھیوں نے کیا کیا یہ نہ پوچھیے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔

جھا کا اچانک ایک گڑھے سے اٹھنا اور ہمالیہ کی چوٹیوں تک پہنچنا اور پھر وہاں سے پھسل کر گرنا اور سمندر کی تہہ میں کھو جانا ایک ناقابل فراموش واقعہ تھا جس کی تاب میں نے نہیں پائی۔

جھا کو پہلی بار دیکھ کر جتنا دل خوش ہوا تھا اتنا ہی دل بیٹھ گیا۔ اس سے جیل میں ملنے کے بعد پہلی بار ہمیں محسوس ہوا کہ کبھی کوئی آدمی اچھا بننا چاہے تو آج کل کی دنیا میں کچھ لوگ اسے اچھا بننے نہیں دیتے سچائی کی راہ کتنی کٹھن ہے۔ سماج کے بھیڑیوں کے خلاف اپنی مرضی سے جینا کس قدر دشوار ہے خدا کی پناہ۔

ہوتی ہے۔ اسی خیال سے یہ جلسہ ہوا تھا۔
جلسے میں سیکڑوں لوگ شریک ہوئے
شہر اور گاؤں کے باشندے، سرکاری حکام۔ آس
پاس کے بھی بڑے لوگ اور پولیس افسر رینک
کے افسر موجود تھے اور ان سب کے بیچ ایک
اونچی کرسی پر رتن ہم لوگوں کے ساتھ شان
سے بیٹھے تھے۔ پولیس محکمے کی طرف سے
ایک بندوق انعام میں دی گئی۔ پھر لوگوں
نے اپنی تقریروں میں ان کی بہادری اور
ہمت کا ذکر کرتے ہوئے تعریف کے پل
باندھ دیے۔ جب میری باری آئی تو میں
نے بھی رتن کو ان کی شجاعت اور دلیری پر
مبارکباد دی۔ اس کے علاوہ جو کہا وہ مختصر
الفاظ میں یہ تھا۔

آزادی کے ساتھ جہاں ہندوستان
کی قسمت بدلی ہے۔ وہاں اس کے سماج
اور اس کے لوگوں کو بھی بدلنا ضروری
ہے۔ چوری، شیطانی، شرارت، بے ایمانی
تو ہر ملک میں تھوڑی بہت ہوتی ہے
اور شاید قیامت تک ہوتی ہی رہے گی۔

مگر ڈکیتی ایسا جرم یا ظلم کسی
اچھے ملک میں نہیں ہوتا اور معمولی
تو برداشت نہیں کیا جاتا۔ ایک ...
آدمی رات کے سناٹے میں آ...
اور کسی بے چارے کے گھر پر حملہ کر د...
ہیں۔ عموماً ساری بستی کی بستی ڈرتی
کھڑی ہوتی ہے۔ ہمسائے بھی اپنی
جان بچا کر کہیں چھپ رہتے ہیں یا
جس غریب پر مصیبت ٹوٹتی ہے ...
یکبارگی اس بڑی دنیا میں اپنے کو
اور بے سہارا پاتا ہے۔ کسی اچھے ملک
میں ایسا نہیں ہوتا۔ انسانیت ...
ہے کہ کسی پر بھی ظلم ہو یا کسی کی ...
عزت خطرے میں پڑ جائے تو ہر د...
اپنی جان ہتھیلی پر لے کر ظالموں کا ...
کرے تب ہی کوئی ملک شریف ...
بہادروں کا ملک کہلائے گا۔ ورنہ ...
تک لوگ مصیبت میں گھرے ہو...
بدنصیب بھائیوں کو اکیلا چھوڑ کر خطر...
سے دور بھاگتے رہیں گے۔ ملک ...

اکثریت گوری چمڑی والوں کی ہوتی لیکن نظر
اُتارنے کے لئے کالے دانے کے طور پر دیسی
رنگ خال خال نظر آجاتے۔ اپنی افسرشاہی کے
بڑے بڑے جمعداری اور جیکادار بندے جو اپنے
سے ایک گریڈ کمتر افسروں سے تخاطب کو کسرِ
شان سمجھتے ہیں۔ گوری چمڑی والے چھوٹے
سے سفارتی افسر سے یوں جھک کے ملتے جیسے
شہد کی مکھی چھتے پر گرتی ہو۔ گوری چمڑی
سفارتی مراعات اور ہم جیسا خاکی ملک یہ
تینوں چیزیں جس خوش نصیب کو مل جائیں
وہ پھر دنیا ہی میں جنت بسا لیتا ہے اور ہم
اس جنتِ ارضی کو روز اپنے پڑوس میں لہلہاتا
دیکھتے اور اپنے برزخ میں ٹھنڈی سانسیں
بھر کے رہ جاتے۔!

ایک اور صفت جو انگریز کے گھر کو ہم
جیسے نصیبوں جلے حاسدوں کے لئے قابلِ رشک
بناتی تھی وہ تھی انگریز کے نوکروں کی فوج
ایک باورچی، ایک بیرا، ایک آیا، ایک دھوبی
اور ان سب پر نگراں ایک جمعداری سا ہیڈ
نوکر لال خاں۔!

لال خاں کی ــــ انگریز کے گھر میں
وہی حیثیت تھی جو انگریز فوج میں گوروں
کے ہندوستانی اردلی کی ہوا کرتی تھی۔
وہ انگریز کا ہیڈ نوکر اور چوکیدار ہی نہیں تھا
اس کے گھر کا رکھوالا اور معتمدِ خاص بھی تھا۔
لال خاں کو اپنی اس حیثیت کا بہت اچھی طرح
سے احساس تھا بالکل اسی طرح جیسے اُسے
یہ احساس تھا کہ اُس کا "صاب" پورے محلے میں
سب سے زیادہ شان والا اور کھاتا پیتا تھا۔
لال خاں اس شان کو دوام بخشنے کے لئے
ہمہ تن مستعد اور آمادہ رہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی
وہ سب سے پہلے پانی کی بالٹی اور کپڑا سنبھال
کر اپنے صاب کی دونوں چمکتی گاڑیوں کو
مانجھنے میں جٹ جاتا۔ گرمی ہو کہ سردی، کہ برسات
لال خاں کے اس معمول میں ذرہ برابر فرق نہ آتا
گاڑیوں کے شیشوں اور پہیوں غرض کہ ایک
ایک چیز کو لال خاں اس طرح رگڑ رگڑ کر صاف
کرتا جیسے ممتا کی ماری ماں دھول میں اٹے ہوئے
بچے کو نہلاتی ہے یا جیسے قلعی گر اپنی بیٹی کے جہیز کے
برتنوں کو چمکاتا ہے اور جب گاڑی آئینہ کی طرح

انگریز کا نوکر

افسانہ

کرامت اللہ غوری

★ میرے گھر کے سامنے والے مکان میں ایک گوری چمڑی والا کنبہ آباد تھا، شوہر بیوی اور دو بچے۔ محلہ میں وہ مکان انگریز کے مکان کے نام سے مشہور تھا۔ اگرچہ کنبہ انگریز نہیں تھا لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ ہم پر سب سے پہلے جس چٹی چمڑی کا رعب پڑا وہ انگریز کی تھی۔ لہٰذا اب تک یہ کوڑھ کے مرض کی طرح ہم سب سے چمٹا ہوا ہے اور ہر سفید چمڑی انگریز ہی نظر آتی ہے۔

انگریز غالباً کسی سفارت خانے میں چھوٹا موٹا سا افسر تھا لیکن سفید بیل کو جب سفارتی مراعات کا مضبوط کھونٹا مل جائے تو اس کی شان ہی اور ہوتی ہے لہٰذا اپنا انگریز بھی اس کھونٹے کے بل پر راجاؤں کی سی شان سے رہتا تھا۔ گیراج میں دو دو چمکتی گاڑیاں مجھ جیسے فرسودہ اور دقیانوسی سفید پوشوں کے گھسے پٹے چھکڑوں کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔ گھر کی مختلف دیواروں اور کھڑکیوں میں پانچ چھ عدد ایئر کنڈیشنز طمطراق سے لگے ہوئے تھے اور گرمیوں کی جھلتی دوپہروں اور سلگتی راتوں میں میرے جیسے کم پایہ پڑوسیوں کے سینے پر مونگ دلتے تھے ــــ!

انگریز کے مہمانوں کی آمد بھی خوب رہتی اور اکثر و بیشتر پینے پلانے کی دعوتوں کا اہتمام بھی ہوا کرتا۔ جس شام اس کے ہاں کاک ٹیل یا ڈنر ہوتا پوری گلی سرِ شام ہی لمبی لمبی چمکتی کرتی گاڑیوں سے بھر جاتی۔ مہمانوں کی غالب

بچے مرغی کے چوزوں کی طرح سمیٹے ہوئے تھا!
پرانی وردی اور نئی شان کا مظاہرہ کرنے
کے لئے دیسے تو لال خان کے اپنے ہی ماتحت
نوکر تھے جن پر وہ صبح سویرے سے رات
گئے تک حکم چلاتا رہتا تھا لیکن وہ چونکہ گھر
کی مرغیاں تھیں۔ لہٰذا لال خان کا اصل
نشانہ محلے کے وہ نوکر تھے جو دیسی لوگوں
کے ہاں کام کرنے کے سبب لال کی نظروں
میں بالکل بے وقعت اور تحقیر کے قابل تھے
ان پر اپنے صاب کی گاڑیوں، ایر کنڈیشنڈ
مکانوں اور دعوتوں کا رعب جھاڑنے کے
ساتھ ساتھ لال خان اپنی وجاہت اور امتیاز
کے جال بھی مسلسل پھینکتا رہتا تھا۔ اس
اس میں کہ شاید کوئی چھوٹی مچھلی پھنس جائے
صبح ناشتے کے وقت جب دیسی
نوکر عام طور سے روٹی اور چائے کا ناشتہ
زہر مار کر کے باہر نکلتے تو لال خان ایک
ہاتھ میں ابلا ہوا انڈا اور دوسرے ہاتھ میں
نمک کی شیشی لئے پھاٹک پر آ کر کھڑا ہو جاتا
اور اس انداز اور اہتمام کے ساتھ انڈے پر

نمک مرچ لگا کر کھاتا گویا ناشتہ
بقیہ تمام نوکروں کے زخموں پر نمک پاشی
کر رہا ہو۔!
دوپہر کے وقت جب دیسی نوکر عام طور
پر دال روٹی یا رات کے بچے کھچے سالن سے
پیٹ بھر کے گھروں کے باہر چھجوں کی اوٹ
میں یا گلی کے چھدرے درختوں کی مقدور
بھر چھاؤں میں سستاتے اور گپ شپ
کے لئے آ بیٹھتے تو لال خان ہاتھ میں بڑا سا
سینڈوچ دبائے اسے آہستہ آہستہ تکلف
کے ساتھ کھاتا ہوا باہر نکلتا اور دیسی نوکروں
کو للچانے (اور جلانے) کا بھی جانے کے لئے اکثر
ڈبل روٹی کے سلائس الگ الگ کر کے بھی
دکھاتا کہ اس کا سینڈوچ بیف کا تھا یا چکن کا
اکثر نوکر اب اس کی ان حرکتوں کے اتنے
عادی ہو چکے تھے کہ نوٹس ہی نہ لیتے یا زیادہ
سے زیادہ یہ کہ اسے ملامت بھری نظروں سے
گھور کر رہ جاتے لیکن چند ایسے بھی تھے جو
زچ ہو کر یا محض جلن یا حسد میں دبی دبی زبان
سے اسے دو چار ماں بہن کی سنا دیتے لیکن

تھی تو لال خاں اس چاہت اور شفقت سے ہاتھ پھیرتا جیسے سائیس گھوڑے کی مالش کرنے کے بعد اس کی پیٹھ تھپتھپاتا ہے۔

گاڑیوں کو چمکا کر لال خاں بید کا مونڈھا گھسیٹ کر اپنی کوٹھی کے پھاٹک پر ڈٹ کر بیٹھ جاتا اور گلی میں سے گزرتی ہوئی کھٹارا اور نیم اُجلی نیم میلی گاڑیوں کو رحم کی نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتا رہتا۔ مونچھوں کی گھنی چلمن کے پیچھے اس کے لبوں پر ایک دبیز سی طنزیہ مسکراہٹ ہوتی جیسے کہہ رہا ہو۔ اگر گاڑی چمکانے یا چمکتی گاڑیاں رکھنے کی حیثیت نہیں ہے تو پھر یہ چھکڑے کیوں گھسیٹے پھرتے ہو۔ ان کو کسی کباڑی کے ہاتھ ٹھکانے کیوں نہیں لگا دیتے۔ ہوں۔ چلے ہیں گاڑی رکھنے!۔ میرا گھر چونکہ انگریز کے گھر کے بالکل سامنے تھا لہٰذا مجھ پر اور میری گاڑی پر خاص نظرِ عنایت رہتی تھی۔ آئے دن وہ ازراہ ترحم مجھے مشورہ دیا کرتا تھا۔ "صاب۔ اب آپ یہ گاڑی بدل لو۔ اسے کب تک چلاؤ گے۔ اب تو یہ کھٹارا

کھٹا— [illegible] اور پھوڑے
جواب کا انتظار کیے بغیر وہ گلی کی ... ہے ... پر تاؤ دیتے ہوئے شرارت بھری نظروں سے ... لگتا جیسے جانتا ہو کہ صاب کا چھکڑا ان کی سفید پوشی کے بھرم کو اسی طرح گھسیٹ رہا تھا جیسے انجیر کا پتہ تن کی عریانی کو ڈھانپتا ہے جس دن یہ چھکڑا ٹھپ ہو گیا اس دن انجیر کا پتہ بھی جھڑ جائے گا۔!

سر شام لال خاں اپنی خاکی وردی پہن کر کوٹھی کے پھاٹک پر ایستادہ ہو جاتا۔ یہ وردی ان سابقہ خدمات کی نشانی تھی جو اس نے انگریزوں کے دور میں جمعدار یا حوالدار کی حیثیت سے فوج میں ادا کی تھیں اور وہ اسے پورے اہتمام اور سلیقے کے ساتھ پہنتا تھا۔ وردی پر قرینے سے استری ہوا کرتی تھی اور سینے پر ایک دو لال نیلے پیلے فیتے ہمیشہ سجے رہتے تھے۔ لال خاں سابقہ وفاداریوں اور محنتوں کی نشانیاں سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ ان گزرے ہوئے انگریزوں کی نئی نسل کو اپنے گھنے پروں کے

وہ دونوں گلی کے نکڑ تک بھی نہ پہنچ پائے تھے کہ لال خاں چھلاوے کی طرح انہی تار تار کپڑوں میں جھولتا اور چنگھاڑتا ہوا بنگلے سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں اسی ...... کے گورے صاب کی شکاری بندوق تھی۔ پھاٹک تک پہنچ کر وہ زور سے دہاڑا" او خنزیر کی اولاد بھاگ کے کہاں جاؤ"

دونوں لونڈوں نے پلٹ کر لال خاں کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ ان میں سے کسی ایک کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا لال خاں کی بندوق سے نکلی ہوئی گولی گل شیر کا سینہ چیر گئی وہ وہیں ڈھیر ہو گیا خون کے ابلتے ہوئے فوارے میں اس کا جوان جسم تڑپ رہا تھا۔ رمضان پلٹ کر بھاگا لیکن لال خاں آخر برسوں فوج میں رہ چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے بندوق کی دوسری گولی رمضان کو بھی چاٹ چکی تھی۔ لال خاں نے فتح کا ایک بلند بانگ نعرہ لگایا اور دونوں مقتولوں کو گالیاں دیتا ہوا بندوق پھینک کر وہیں [illegible] ہو گیا۔

جہاں لونڈوں کے دوہرے قتل نے جیسے پورے محلے میں آگ لگا دی۔ ہر شخص کی زبان پر لال خاں کا تذکرہ تھا جو گرفتار ہو کر حوالات میں پہنچ چکا تھا۔ گرفتاری کے وقت بھی وہ اکڑ اکڑ کر کہہ رہا تھا کہ اس نے ان بے لگام لونڈوں سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے لیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کا انگریز صاحب اسے گھڑی کی چوتھائی میں نہ صرف رہا کروا لائے گا بلکہ اُلٹا اُن پولیس والوں کو سزا دلوائے گا جنہوں نے اُسے پکڑنے کی جرأت کی تھی۔ لیکن گورا صاحب نہ اُسے چھڑانے گیا اور نہ ہی پولیس والوں سے باز پُرس کر سکا۔ بلکہ پندرہ دن کے اندر اندر گورا صاحب وہ محلہ ہی چھوڑ کر کہیں اور جا بسا۔ لال خاں پر دوہرے قتل کا مقدمہ چلا اور چونکہ قتل کے ایک چھوڑ کتنے ہی عینی شاہد موجود تھے لہٰذا پھانسی کی سزا سے اُسے کوئی نہ بچا سکا۔!

جس تاریخ کو لال خاں کو پھانسی دی جانے والی تھی۔ اس سے چند روز پہلے مجھے اپنے نوکر کی معرفت یہ پیغام ملا کہ لال خاں

پانی اور گرم خون — ویسے بھی ہاتھ پیروں کا مضبوط تھا اور محلے کے نوکروں کے ساتھ اکثر سر پھٹول کیا کرتا تھا۔

"او خنزیر کی اولاد۔ تم ہم کو دھمکاتا ہے"

لال خاں کسی کٹکھنے کتے کی طرح ان دونوں کی طرف لپکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تینوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ان کی گالیوں اور چیخ پکار سے منٹوں میں مجمع اکٹھا ہو گیا۔ لال خاں بُری طرح پٹ رہا تھا۔ لاکھ تن و توش والا ہی لیکن ایک تو رات کے نشے نے ویسے ہی بدحال کیا ہوا تھا۔ دوسرے پھرتیلے لونڈوں سے سابقہ پڑا تھا جن کے بدن میں گویا بجلیاں بھری تھیں وہ دونوں اس پر اُچھل اُچھل کر حملے کر رہے تھے اور اُسے بُری طرح رگید رہے تھے اوپر سے مجمع ان کو مسلسل شہ دے رہا تھا۔ لال خاں کا حامی کوئی نہیں تھا۔ مدتوں بعد محلے کے نوکروں کو لال خاں سے اپنا حساب بے باق کرنے کا موقع ملا تھا اور وہ اصل زر کے ساتھ ساتھ سود در سود وصول کر رہے تھے۔ جب لال خاں کی اچھی طرح مرمت ہو چکی تو کچھ نوکروں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ دونوں لونڈے بپھرے ہزبروں کی طرح اور وار کرنے کے لئے مچل رہے تھے لال خاں کی گذشتہ شب کی اکڑی ہوئی کلف دار وردی تار تار ہو چکی تھی اور اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ متعلقات کا گٹر بھی اُبل رہا تھا۔ لوگوں نے جیسے ان تینوں کو الگ کیا لال خاں تیزی سے یہ کہتا ہوا اندر کی طرف بھاگا۔ "او خنزیر کی اولاد۔ ٹھہرو۔ ہم ابھی تم دونوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلائے گا۔"

لوگ اس کی ہیئت کذائی پر ہنستے اور فقرے کستے ہوئے منتشر ہونے لگے۔ دونوں لونڈے بھی جس کام سے گھروں سے نکلے تھے اُسے پورا کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اُن کے چہروں پر لال خاں کے لگائے ہوئے مکوں اور طمانچوں کے نشان تو تھے لیکن ساتھ ہی ظفریابی کی روشنی بھی تھی جس کے سامنے لال خاں کی ضربوں کے نشان ماند پڑ رہے تھے۔!

مالک گرم مزاج۔ کہیں مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔ میرا خیال ہے تمہاری نظر بھی تیز ہے اور ہاتھ بھی۔ تمہیں ہو ناپ سے لو اور بناؤ۔ میں اوپر کی سیون درست کر دوں گا۔ ..،،

مائیکل نے چمڑا لیا اور میز پر پھیلا دیا۔ پھر اُسے دہرا کیا اور قینچی سے کاٹا۔ میٹرینا دیکھ رہی تھی۔ اس نے بوٹ بنتے دیکھے تھے لیکن مائیکل تو چمڑے سے کوئی عجیب سی چیز کاٹ رہا تھا گول گول سی۔ اس نے بولنا چاہا۔

شاید میں نہیں جانتی، امیر آدمی نے کیسے بوٹ بنانے کو کہے ہیں۔ مائیکل ہی بہتر سمجھتا ہے مجھے دخل نہیں دینا چاہیے۔"

مائیکل چمڑا کاٹ چکا، تو بوٹوں کی طرح دوسرے سرے سینے کے بجائے اس نے صرف ایک ہی سرا ایسا جیسے نرم سلیپر سیے جاتے ہیں۔ میٹرینا پھر متعجب ہوئی۔ لیکن اب بھی اُسے نہ ٹوکا۔ مائیکل جوتے دوپہر تک سیتا رہا۔ سائمن کھانا کھانے اٹھا۔ اس کی نظر ادھر پڑی۔ اس نے دیکھا مائیکل نے بوٹ نہیں، سلیپر بنائے ہیں۔"

"اوہو!" سائمن بے اختیار چلا اٹھا۔ پھر دل ہی دل میں کہا: "مائیکل ایک برس سے میرے ساتھ کام کر رہا ہے اس نے آج تک کبھی غلطی نہیں کی، پھر ایسی فاش غلطی کیوں سرزد ہو سکتی ہے... معزز آدمی نے اونچی ایڑی کے بوٹ بنانے کو کہا تھا اور اس نے الھڑے تلے کے نرم سلیپر بنا دیے میرا قیمتی چمڑا غارت کر دیا۔ اب میں کیا جواب دوں گا ایسا چمڑا کہاں سے لاؤں گا۔ پھر بلند آواز سے بولا

"دوست! یہ تم نے کیا کیا؟ مجھے تباہ کر دیا ہے۔ اس شخص نے تو اونچی ایڑی کے بوٹ بنانے کو کہا تھا...؟"

اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ ایک آدمی اپنا گھوڑا کھونٹے سے باندھ رہا تھا۔ سائمن نے دروازہ کھولا۔ وہی ملازم جو معزز آدمی کے ساتھ آیا تھا اندر داخل ہوا۔

"صبح بخیر!" اس نے کہا۔

"صبح بخیر!" سائمن نے جواب دیا۔ "حکم؟"

"میری مالکہ نے مجھے بھیجا ہے، بوٹوں کے سلسلے میں۔"

کیا آپ جانتے ہیں

• ببول کے پھول اور مصری دونوں برابر وزن باریک کرکے روزانہ ایک ہفتہ تک پھانکنے سے صبح وشام کھانے سے یرقان کا مرض جاتا رہتا ہے۔

• مچھلی کے ساتھ دودھ یا رس پینے یا شہد کھانے سے جذام، برص اور قولنج ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

• گوشت کے ساتھ مولی اور باسی غذا گرم کرکے کھانا مضر ہے۔

• اخروٹ اعضائے رئیسہ اور دماغ کو قوت بخشتا ہے۔ یہ فاسفورس کا خزانہ ہے لیکن زیادہ کھانا مضر ہے۔

• جگر کی ساری خرابیوں کے لیے لیموں آب حیات ہے۔

• انگلینڈ کے ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ دل کے امراض کا خاص سبب کافی پینا ہے۔

• دماغی کام کرنے والوں کو خاص طور سے ورزش کرنی چاہیے۔ ورزش سے دل و دماغ چست ہو جاتے ہیں۔ دماغی کام کرنے والوں کے لیے چہل قدمی یا صبح کی لمبی سیر سب سے بہتر ورزش ہے۔

• معمر اور سن رسیدہ لوگوں کے لیے صبح وشام کھلے میدان میں چہل قدمی بہترین ورزش ہے۔

• گلاب کا تازہ پھول پیس کر پیشانی پر لیپ کرنے سے درد سر دور ہوتا ہے۔

• گلاب کا خشک پھول باریک کرکے بطور منجن استعمال کرنا، دانتوں اور مسوڑھوں کے لیے مفید ہے۔

• دہی میں ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو پیٹ میں پہنچتے ہی امراض پیدا کرنے والے جراثیم کو ہلاک کر دیتے ہیں اور آنتوں کو مضر جراثیم سے محفوظ رکھتے ہیں۔

• ایک گلاس پانی میں دو ماشے نمک ڈال کر تھوڑی دیر کے بعد ایک ایک گھونٹ پینا بدہضمی، سنگرہنی اور درد سر کے لیے مفید ہے۔

(مرسلہ: بشارت حسین ہاشمی ہمت حیدر آباد)

ایجنٹ صاحبان نوٹ فرمالیں اکتوبر ۸۱ء سے حجاب کے ایک شمارے کی قیمت 3.50 ہوگی